از تحقیقات و تعلیقات

الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ
الشیخ المحدث شعیب ارنووط حفظہ اللہ
الشیخ عبد الرزاق مہدی حفظہ اللہ
الشیخ مصطفیٰ السید محمد حفظہ اللہ
الشیخ محمد فضل عجماوی حفظہ اللہ
الشیخ حسن عباس قطب حفظہ اللہ
الشیخ محمد السید رشاد حفظہ اللہ
الشیخ علی احمد الباقی حفظہ اللہ
الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ
الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

جدید محقق ایڈیشن

عصر حاضر کی تقریباً تمام تحقیقات سے استفادہ شدہ

تفسیر ابن کثیر

جلد: 2



تالیف
حافظ عماد الدین ابن کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

ترجمہ
مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ

اہتمام تخریج وتحقیق
حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ



ناشر
فقہ الحدیث پبلیکیشنز

ڈسٹری بیوٹر
نعمانی کتب خانہ







ابو امیمہ اویس

QLRF

فہرس

تفسیر پارہ 6

تفسیر سورہ مائدہ

تفسیر پارہ 7

تفسیر سورۃ الانعام

تفسیر پارہ 8

تفسیر سورۃ الاعراف



ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ

اِقۡرَاۡ بِاسۡمِ رَبِّکَ الَّذِیۡ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾
خَلَقَ الۡاِنۡسَانَ مِنۡ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾
اِقۡرَاۡ وَ رَبُّکَ الۡاَکۡرَمُ ۙ﴿۳﴾ الَّذِیۡ عَلَّمَ
بِالۡقَلَمِ ۙ﴿۴﴾ عَلَّمَ الۡاِنۡسَانَ مَا لَمۡ یَعۡلَمۡ ؕ﴿۵﴾

(العلق : ۱۔۵)

''پڑھ اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ جس نے انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا۔ تو پڑھتا رہ تیرا رب بڑے کرم والا ہے۔ جس نے قلم کے ذریعے (علم) سکھایا۔ جس نے انسان کو وہ سکھایا جسے وہ نہیں جانتا تھا۔''

ثُمَّ اَنْزَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ الْغَمِّ اَمَنَةً نُّعَاسًا يَّغْشٰى طَآئِفَةً مِّنْكُمْ ۙ وَطَآئِفَةٌ قَدْ اَهَمَّتْهُمْ اَنْفُسُهُمْ يَظُنُّوْنَ بِاللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ ظَنَّ الْجَاهِلِيَّةِ ۭ يَقُوْلُوْنَ هَلْ لَّنَا مِنَ الْاَمْرِ مِنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ اِنَّ الْاَمْرَ كُلَّهٗ لِلّٰهِ ۭ يُخْفُوْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ مَّا لَا يُبْدُوْنَ لَكَ ۭ يَقُوْلُوْنَ لَوْ كَانَ لَنَا مِنَ الْاَمْرِ شَيْءٌ مَّا قُتِلْنَا هٰهُنَا ۭ قُلْ لَّوْ كُنْتُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ لَبَرَزَ الَّذِيْنَ كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقَتْلُ اِلٰى مَضَاجِعِهِمْ ۚ وَلِيَبْتَلِيَ اللّٰهُ مَا فِيْ صُدُوْرِكُمْ وَلِيُمَحِّصَ مَا فِيْ قُلُوْبِكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ﴿١٥٤﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ ۙ اِنَّمَا اسْتَزَلَّهُمُ الشَّيْطٰنُ بِبَعْضِ مَا كَسَبُوْا ۚ وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٥٥﴾ ع

پھر اس نے اس غم کے بعد تم پر امن نازل فرمایا اور تم میں سے ایک جماعت کو امن کی نیند آنے لگی ہاں کچھ وہ لوگ بھی تھے کہ انہیں اپنی جانوں کی پڑی ہوئی تھی وہ اللہ کے ساتھ ناحق جہالت بھری بدگمانیاں کر رہے تھے اور کہتے تھے کیا ہمیں بھی کسی چیز کا اختیار ہے؟ تو کہہ دے کہ کام تو کل کا کل اللہ کے اختیار میں ہے یہ لوگ اپنے دلوں کے بھید تجھے نہیں بتاتے کہتے ہیں کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ کیے جاتے کہہ دے اگر تم اپنے گھروں میں ہوتے پھر بھی جن کی قسمت میں قتل ہونا تھا وہ تو مقتل کی طرف نکل کھڑے ہوئے اللہ تعالیٰ کو تمہارے سینوں کی باتوں کا آزمانا اور تمہارے دل کے ارادوں کا نکھارنا تھا اللہ تعالیٰ دلوں کے بھید سے آگاہ ہے ○ تم میں سے جن لوگوں نے اس دن پیٹھ دکھائی جس دن دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ ہوگئی تھی یہ لوگ اپنے بعض کرتوتوں کے باعث شیطانی اغوا میں آگئے لیکن یقین جانو کہ اللہ نے انہیں معاف فرمادیا اللہ تعالیٰ ہے بخشنے والا اور تحمل والا ○

میدان جنگ میں ایمان کا امتحان: اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں پر اس غم و رنج کے وقت جو احسان فرمایا تھا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ اس نے ان پر اونگھ ڈال دی ہتھیار ہاتھ میں ہیں دشمن سامنے ہے لیکن دل میں اتنی تسکین ہے کہ آنکھیں اونگھ سے جھکیں جا رہی ہیں جو امن و امان کا نشان ہے جیسے سورۂ انفال میں بدر کے واقعہ میں ہے ﴿اِذْ يُغَشِّيْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ﴾ (الانفال / ١١) یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے امن بصورت اونگھ نازل ہوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لڑائی کے وقت ان کی اونگھ اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف سے ہے اور نماز میں اونگھ کا آنا شیطانی حکمت ہے حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ احد والے دن مجھے اس زور کی اونگھ آنے لگی کہ بار بار تلوار میرے ہاتھ سے چھوٹ گئی آپ فرماتے ہیں جب میں نے آنکھ اٹھا کر دیکھا تو تقریباً ہر شخص کو اسی حالت میں پایا [1] ہاں البتہ ایک جماعت وہ بھی تھی جن کے دلوں میں نفاق تھا یہ مارے خوف و دہشت کے ہلکان ہو رہے

---

[1] [**صحیح**: صحیح بخاری تعلیقا : کتاب المغازی : باب ثم انزل علیکم من بعد الغم (٤٠٦٨)، (٤٥٦٢) مسند احمد (٤/٤٩)]

تھے اوران کی بدگمانیاں اور برے خیال حد کو پہنچ گئے تھے'[1] پس اہل ایمان' اہل یقین' اہلِ ثبات' اہلِ توکل اور اہل صدق تو یقین کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ اپنے رسول ﷺ کی ضرور مدد کرے گا اوران کی منہ مانگی مراد پوری ہوکر رہے گی' لیکن اہلِ نفاق' اہلِ شک' بے یقین' ڈھلمل ایمان والوں کی عجب حالت تھی ان کی جان عذاب میں تھی وہ ہائے وائے کرر ہے تھے اوران کے دل میں طرح طرح کے وسواس پیدا ہور ہے تھے انہیں یقین کامل ہو گیا تھا کہ اب مرے' وہ جان چکے تھے کہ رسول اور مومن (نعوذ باللہ) اب بچ کر نہیں جائیں گے اب بچاؤ کی کوئی صورت نہیں' فی الواقع منافقوں کا یہی حال ہے کہ جہاں ذرا نیچا پانسہ دیکھا تو ناامیدی کی گھنگھور گھٹاؤں نے انہیں گھیر لیا ان کے برخلاف ایماندار بد سے بدتر حالت میں بھی اللہ تعالیٰ سے نیک گمان رکھتا ہے۔

ان کے دلوں کے خیالات یہ تھے کہ اگر ہمارا کچھ بھی بس چلتا تو آج کی موت سے بچ جاتے اور چپکے چپکے یوں کہتے بھی تھے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ اس سخت خوف کے وقت ہمیں تو اس قدر نیند آنے لگی کہ ہماری ٹھوڑیاں سینوں سے لگ گئیں میں نے اپنی اسی حالت میں معتب بن قشیر کے یہ الفاظ سنے کہ اگر ہمیں کچھ بھی اختیار ہوتا تو یہاں قتل نہ ہوتے'[2] اللہ تعالیٰ انہیں فرماتا ہے کہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے فیصلے ہیں مرنے کا وقت نہیں ٹلتا گو تم گھروں میں ہوتے لیکن پھر بھی جن پر یہاں کٹنا لکھا جا چکا تھا وہ گھروں کو چھوڑ کر نکل کھڑے ہوئے اور یہاں میدان میں آ کر ڈٹ گئے اور اللہ کا لکھا پورا اترا۔ یہ وقت اس لیے تھا کہ اللہ تعالیٰ تمہارے دلوں کے ارادوں اور تمہارے مخفی بھیدوں کو بے نقاب کرے' اس آزمائش سے بھلے اور برے' نیک اور بد میں تمیز ہو گئی' اللہ تعالیٰ جو دلوں کے بھیدوں اور ارادوں سے پوری طرح واقف ہے' اس نے اس ذرا سے واقعہ سے منافقوں کو بے نقاب کر دیا اور مسلمانوں کا بھی ظاہری امتحان ہو گیا۔ اب سچے مسلمانوں کی لغزش کا بیان ہو رہا ہے جو انسانی کمزوری کی وجہ سے ان سے سرزد ہوئی۔ فرماتا ہے شیطان نے یہ لغزش ان سے کرائی دراصل یہ سب ان کے عمل کا نتیجہ تھا' نہ یہ رسول ﷺ کی نافرمانی کرتے' نہ ان کے قدم اکھڑتے' انہیں اللہ تعالیٰ معذور جانتا ہے اوران سے اس نے درگزر فرمالیا اوران کی اس خطا کو معاف کر دیا' اللہ کا کام ہی درگزر کرنا' بخشنا' معاف فرمانا' حلم اور بردباری برتنا تحمل اور عفو کرنا ہے اس سے معلوم ہوا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وغیرہ کی اس لغزش کو اللہ تعالیٰ نے معاف فرما دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ ولید بن عقبہ نے ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ سے کہا آخر تم امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے اس قدر کیوں بگڑے ہوئے ہو؟ انہوں نے کہا اس سے کہہ دو کہ میں نے احد والے دن فرار نہیں کیا' بدر کے غزوے میں غیر حاضر نہیں رہا اور نہ سنتِ عمر رضی اللہ عنہ ترک کی' ولید نے جا کر حضرت

---

[1] [صحیح : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة ال عمران (۳۰۰۸) مستدرك حاکم (۲۹۷/۲)] امام حاکم ؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی]

[2] [حسن: تفسیر ابن جریر الطبری (۸۰۹۳) تفسیر ابن ابی حاتم (۶۲۰/۲) بیهقی (۲۷۳/۳)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ھیں ۔]

عثمان رضی اللہ عنہ سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ قرآن کہہ رہا ہے ﴿وَلَقَدْ عَفَا اللّٰهُ عَنْهُمْ﴾ یعنی احد والے دن کی اس لغزش سے اللہ تعالیٰ نے درگزر فرمایا' پھر جس خطا کو اللہ نے معاف کر دیا اس پر عذر لانا کیا؟ بدر والے دن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی ''میری بیوی'' حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا کی تیمارداری میں مصروف تھا یہاں تک کہ وہ اسی بیماری میں فوت ہو گئیں چنانچہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال غنیمت میں سے پورا حصہ دیا اور ظاہر ہے کہ حصہ انہیں ملتا ہے جو موجود ہوں پس حکماً میری موجودگی ثابت ہے' رہی سنت عمر رضی اللہ عنہ اس کی طاقت نہ مجھ میں ہے' نہ عبدالرحمٰن میں' جاؤ انہیں یہ جواب بھی پہنچا دو۔ (1)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَقَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ اِذَا ضَرَبُوْا فِي الْاَرْضِ اَوْ كَانُوْا غُزًّى لَّوْ كَانُوْا عِنْدَنَا مَا مَاتُوْا وَمَا قُتِلُوْا ۚ لِيَجْعَلَ اللّٰهُ ذٰلِكَ حَسْرَةً فِيْ قُلُوْبِهِمْ ۭ وَاللّٰهُ يُحْيٖ وَيُمِيْتُ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿١٥٦﴾ وَلَىِٕنْ قُتِلْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوْ مُتُّمْ لَمَغْفِرَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَحْمَةٌ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴿١٥٧﴾ وَلَىِٕنْ مُّتُّمْ اَوْ قُتِلْتُمْ لَاِلَى اللّٰهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿١٥٨﴾

ایمان والو تم ان لوگوں کی طرح نہ ہونا جنہوں نے کفر کیا اور اپنے بھائیوں کے حق میں جبکہ وہ سفر میں ہوں' یا جہاد میں ہوں کہا کہ اگر یہ ہمارے پاس ہوتے تو نہ مرتے نہ مار ڈالے جاتے' اس کی وجہ یہ تھی کہ اس خیال کو اللہ تعالیٰ ان کی دلی حسرت کا سبب بنا دے' اللہ ہی جلاتا اور مارتا ہے' اور اللہ تمہارے ہر ہر عمل کو دیکھ رہا ہے ○ قسم ہے اگر تم اللہ کی راہ میں شہید کیے جاؤ' یا اپنی موت مرو بیشک اللہ کی بخشش و رحمت اس سے بہتر ہے جسے یہ جمع کر رہے ہیں ○ بالیقین خواہ تم مر جاؤ خواہ مار ڈالے جاؤ جمع تو اللہ کی طرف ہی کیے جاؤ گے ○

موت و حیات اللہ کے ہاتھ میں: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو کافروں جیسے فاسد اعتقاد رکھنے کی ممانعت فرما رہا ہے یہ کفار سمجھتے تھے کہ ان کے لوگ جو سفر میں یا لڑائی میں مرے اگر وہ سفر اور لڑائی نہ کرتے تو نہ مرتے' پھر فرماتا ہے کہ یہ باطل خیال بھی ان کی حسرت و افسوس کو بڑھانے والا ہے' دراصل موت و حیات اللہ کے ہاتھ ہے مرتا ہے اس کی چاہت سے اور زندگی ملتی ہے تو اس کے ارادے سے' تمام امور کا جاری کرنا اس کے قبضہ میں ہے اس کی قضا و قدر ٹلتی نہیں اس کے علم سے اور اس کی نگاہ سے کوئی چیز باہر نہیں تمام مخلوق کے ہر ہر امر کو وہ بخوبی جانتا ہے۔ دوسری آیت بتلا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں قتل ہونا یا مرنا اللہ کی مغفرت و رحمت کا ذریعہ ہے اور یہ قطعاً دنیا و مافیہا سے بہتر ہے کیونکہ یہ فانی ہے اور وہ باقی اور ابدی ہے۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ خواہ کسی طرح دنیا چھوڑ و مر کر یا قتل ہو کر لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے پھر اپنے اعمال کا بدلہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لو گے برا ہو تو برا بھلا ہو تو۔

(1) [حسن : مسند احمد (١/٦٨) مجمع الزوائد (٧/٢٢٦) مسند بزار (٣٨٠)] شیخ احمد شاکر نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں عاصم راوی حسن الحدیث ہے اور باقی راوی ثقہ ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ ۚ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ ۠ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْاَمْرِ ۚ فَاِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِيْنَ ﴿١٥٩﴾ اِنْ يَّنْصُرْكُمُ اللّٰهُ فَلَا غَالِبَ لَكُمْ ۚ وَاِنْ يَّخْذُلْكُمْ فَمَنْ ذَا الَّذِيْ يَنْصُرُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ۭ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿١٦٠﴾ وَمَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّغُلَّ ۭ وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۚ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَھُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١٦١﴾ اَفَمَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَ اللّٰهِ كَمَنْۢ بَاۗءَ بِسَخَطٍ مِّنَ اللّٰهِ وَمَاْوٰىهُ جَهَنَّمُ ۭ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿١٦٢﴾ ھُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿١٦٣﴾ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَي الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْھِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِھِمْ يَتْلُوْا عَلَيْھِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْھِمْ وَيُعَلِّمُھُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿١٦٤﴾

النصف

اللہ کی رحمت کے باعث تو ان پر نرم دل ہے اور اگر تو بدزبان اور سخت ہوتا تو یہ سب تیرے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے، تو ان سے درگزر کر اور ان کے لیے استغفار کر اور کام کا مشورہ ان سے کر لیا کر، پھر جب تیرا پختہ ارادہ ہو جائے تو اللہ پر بھروسہ کر، بیشک اللہ تعالیٰ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے ○ اگر اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے تو تم پر کوئی غالب نہیں آ سکتا، اور اگر وہ تمہیں چھوڑ دے تو اس کے بعد کون ہے جو تمہاری مدد کرے؟ ایمان والوں کو اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے ○ ناممکن ہے کہ نبی سے خیانت ہو جائے، ہر خیانت کرنے والا خیانت کو لیے ہوئے قیامت کے دن حاضر ہوگا، پھر ہر شخص اپنے اعمال کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور وہ ظلم نہ کیے جائیں گے ○ کیا پس وہ شخص جو اللہ کی خوشنودی کے درپے ہے اس شخص جیسا ہے؟ جو اللہ کی ناراضگی لے کر لوٹتا ہے؟ اور جس کی جگہ جہنم ہے، جو بدترین جگہ ہے ○ اللہ کے پاس یہ بڑے مرتبوں پر ہیں، ان کے تمام اعمال اللہ بخوبی دیکھ رہا ہے ○ بیشک مسلمانوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ ان ہی میں سے ایک رسول ان میں بھیجا جو انہیں اس کی آیتیں پڑھ کر سناتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے، یقیناً یہ سب اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے ○

نرم مزاج پیغمبر محمد ﷺ: اللہ تعالیٰ اپنے نبی پر اور مسلمانوں پر اپنا احسان جتاتا ہے کہ نبی کے ماننے والوں اور ان کی نافرمانی سے بچنے والوں کے لیے اللہ نے نبی کے دل کو نرم کر دیا اگر اس کی رحمت نہ ہوتی تو اتنی نرمی اور آسانی نہ ہوتی، حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ﴿مَا﴾ صلہ ہے جو معرفہ کے ساتھ عرب ملا دیا کرتے ہیں۔ جیسے ﴿فَبِمَا نَقْضِهِمْ﴾ (المائدہ / ۱۳) الخ، میں اور نکرہ کے ساتھ بھی ملا دیتے ہیں جیسے ﴿عَمَّا قَلِيْلٍ﴾ [1] میں اسی

[1] [سورۃ المومنون : آیت ٤٠]

طرح یہاں ہے، یعنی اللہ کی رحمت سے تو ان کے لیے نرم دل ہوا ہے، حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حضور ﷺ کے اخلاق ہیں جن پر آپ کی بعثت ہوئی ہے یہ آیت ٹھیک اس آیت جیسی ہے ﴿لَقَدْ جَآءَ كُمْ﴾ (التوبہ/١٢٨) الخ، یعنی تمہارے پاس تم ہی میں سے ایک رسول آئے جس پر تمہاری مشقت گراں گزرتی ہے جو تمہاری بھلائی کے حریص ہیں، جو مومنوں پر شفقت اور رحم کرنے والے ہیں، مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوامامہ باہلی رضی اللہ عنہ کا ہاتھ پکڑ کر فرمایا اے ابوامامہ! بعض مومن وہ ہیں جن کے لیے میرا دل تڑپ اٹھتا ہے۔ [١] ﴿فَظًّا﴾ سے مراد یہاں سخت کلام ہے کیونکہ اس کے بعد ﴿غَلِيْظَ الْقَلْبِ﴾ کا لفظ ہے، یعنی سخت دل، فرمان ہے کہ اے نبی اکرم تم سخت کلام اور سخت دل ہوتے تو یہ لوگ تمہارے پاس سے منتشر ہو جاتے اور تمہیں چھوڑ دیتے لیکن اللہ تعالیٰ نے انہیں آپ کے جاں نثار و شیدا بنا دیا ہے اور آپ کو بھی ان کے لیے محبت اور نرمی عطا فرمائی، اور تا کہ ان کے دل آپ سے لگے رہیں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ ﷺ کی صفتوں کو اگلی کتابوں میں بھی پاتا ہوں کہ آپ سخت کلام، سخت دل، بازاروں میں شور مچانے والے اور برائی کا بدلہ برائی سے لینے والے نہیں بلکہ درگزر کرنے والے اور معافی دینے والے ہیں، [٢] ترمذی کی ایک غریب حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں لوگوں کی آؤ بھگت خیر خواہی اور چشم پوشی کا مجھے اللہ کی جانب سے اسی طرح کا حکم کیا گیا ہے جس طرح فرائض کی پابندی کا۔ [٣]

چنانچہ اس آیت میں بھی فرمان ہے تو ان سے درگزر کر، ان کے لیے استغفار کر، اور کاموں کا مشورہ ان سے لیا کر، اسی لیے حضور ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ لوگوں کو خوش کرنے کے لیے اپنے کاموں میں ان سے مشورہ کیا کرتے تھے، جیسے کہ بدر والے دن قافلے کی طرف بڑھنے کے لیے مشورہ لیا اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ اگر آپ سمندر کے کنارے پر کھڑا کر کے ہمیں فرمائیں گے کہ اس میں کود پڑو اور اس پار نکلو تو ہم سرتابی نہ کریں گے اور اگر ہمیں برک الغماد تک لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ ہیں، ہم وہ نہیں کہ موسیٰ علیہ السلام کے صحابیوں کی طرح کہہ دیں کہ تو اور تیرا رب لڑ لے ہم تو یہاں بیٹھے ہیں بلکہ ہم تو آپ کے دائیں بائیں صفیں باندھ کر، جم کر دشمنوں کا مقابلہ کریں گے، [٤] اسی طرح آپ نے اس بات کا مشورہ بھی لیا کہ منزل کہاں ہو؟ اور منذر بن عمرو رضی اللہ عنہ نے مشورہ دیا کہ ان لوگوں سے آگے بڑھ کر ان کے سامنے ہو، اسی طرح احد کے موقعہ پر بھی آپ نے مشورہ کیا کہ آیا مدینہ میں رہ کر لڑیں یا باہر نکلیں اور جمہور کی رائے یہی ہوئی کہ باہر میدان میں جا کر لڑنا چاہیے چنانچہ آپ نے یہی کیا اور آپ نے جنگِ احزاب کے موقعہ پر بھی اپنے اصحاب سے مشورہ کیا کہ مدینہ کے پھلوں کی پیداوار کا تہائی حصہ دینے کا وعدہ کر کے مخالفین سے مصالحت کر لی جائے؟ تو حضرت سعد بن عبادہ اور حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما نے اس کا انکار کیا اور آپ نے اس مشورے کو قبول کر لیا اور مصالحت چھوڑ دی، اسی طرح آپ نے حدیبیہ والے دن اس امر کا

---

[١] [حسن :مسند احمد (٥/٢١٧)]

[٢] [صحيح :صحيح بخاری : كتاب التفسير : باب انا ارسلنك شاهدا (٤٨٣٨)]

[٣] [ضعيف :ابن عدی فی الكامل (١٥/٢)] اس میں بشر بن عبید راوی ضعیف ہے۔[میزان (١٢٠٥)]

[٤] [صحيح :صحيح بخاری : كتاب المغازی : باب قصه غزوة بدر (٣٩٥٢)]

مشورہ کیا کہ آیا مشرکین کے گھروں پر دھاوا بول دیں؟ تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہمارا ارادہ صرف عمرے کا ہے چنانچہ اسے بھی آپ نے منظور فرما لیا' اسی طرح جب منافقین نے آپ کی بیوی ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر تہمت لگائی تو آپ نے فرمایا اے مسلمانو! مجھے مشورہ دو کہ ان لوگوں کا میں کیا کروں جو میرے گھر والوں کو بدنام کر رہے ہیں؟ اللہ کی قسم میرے گھر والوں میں کوئی برائی نہیں اور جس شخص کے ساتھ تہمت لگا رہے ہیں واللہ! میرے نزدیک تو وہ بھی بھلا آدمی ہے [1] اور آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی جدائی کے لیے حضرت علی اور حضرت اسامہ رضی اللہ عنہما سے مشورہ لیا' غرض لڑائی کے کاموں میں اور دیگر امور میں بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ رضی اللہ عنہم سے مشورہ کیا کرتے تھے' اس میں علماء کا اختلاف ہے کہ یہ مشورے کا حکم آپ کو بطور وجوب کے دیا تھا یا اختیاری امر تھا تا کہ لوگوں کے دل خوش رہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت میں حضرت ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہما سے مشورہ کرنے کا حکم ہے۔ [2] (حاکم) یہ دونوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حواری اور آپ کے وزیر تھے اور مسلمانوں کے باپ ہیں۔ [3] (کلبی) مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں بزرگوں سے فرمایا اگر تمہاری دونوں کی کسی امر میں ایک رائے ہو جائے تو میں تمہارے خلاف کبھی نہ کروں گا [4] حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوتا ہے کہ عزم کے کیا معنی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا جب عقلمند لوگوں سے مشورہ کیا جائے پھر ان کی مان لینا۔ [5] (ابن مردویہ)

ابن ماجہ میں آپ کا یہ فرمان بھی مروی ہے کہ جس سے مشورہ کیا جائے وہ امین ہو' ابوداؤد' ترمذی' نسائی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے' امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن کہتے ہیں' [6] اور روایت میں ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی سے مشورہ لے تو اسے چاہیے بھلی بات کا مشورہ دے۔ [7] (ابن ماجہ) پھر فرمایا جب تم کسی کام کا مشورہ کر چکو پھر اس کے کرنے کا پختہ ارادہ ہو جائے تو اب اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرو اللہ تعالیٰ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٧٥٧)]

[2] [ضحیح : مستدرك حاكم (٣/٧٠)] امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ حقیقت بھی وہی ہے جو ان دونوں بزرگوں نے کہا یعنی یہ روایت صحیح ہے۔]

[3] [ضعیف : اس کی سند میں محمد بن سائب کلبی راوی ضعیف ہے۔]

[4] [ضعیف جدا : مسند احمد (٤/٢٢٧) مجمع الزوائد (٩/٥٣) الدر المنثور للسیوطی (٢/١٦٠)] اس میں شہر بن حوشب راوی ضعیف ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند شہر بن حوشب کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (١٧٩٩٤)]

[5] [الدر المنثور للسیوطی (٢/١٦٠)]

[6] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی المشورة (٥١٢٨) ابن ماجه : کتاب الادب : باب المستشار مؤتمن (٣٧٤٥) ترمذی : کتاب الادب : باب ما جآء ان المستشار مؤتمن (٢٨٢٢)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود ، السلسلة الصحيحة (١٦٤١)]

[7] [ضعیف : ابن ماجه : کتاب الادب : باب المستشار الموتمن (٣٧٤٧)] حافظ بوصیری رحمہ اللہ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں ابن ابی لیلیٰ راوی ضعیف ہے۔ [الـزوائـد (٤/١٢٠)] شیخ البانی رحمہ اللہ بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعيفة (٢٣١٦)]

پھر دوسری آیت کا ارشاد بالکل اسی طرح کا ہے جو پہلے گزرا ہے کہ ﴿وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ﴾ (ال عمران / ١٢٦) یعنی مدد صرف اللہ ہی کی طرف سے ہے جو غالب ہے اور حکمتوں والا ہے' پھر حکم دیتا ہے کہ مومنوں کو توکل اور بھروسہ ذات باری پر ہی ہونا چاہیے۔

پھر فرماتا ہے نبی کو لائق نہیں کہ وہ خیانت کرے' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں بدر کے دن ایک سرخ رنگ کی چادر نہیں ملتی تھی تو لوگوں نے کہا شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لے لی ہو اس پر یہ آیت اتری۔ (ترمذی)[1] اور روایت میں ہے کہ منافقوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی چیز کی تہمت لگائی تھی جس پر آیت ﴿وَمَا كَانَ﴾ اتری' پس ثابت ہوا کہ اللہ کے رسول رسولوں کے سردار صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر قسم کی خیانت سے بیجا طرفداری سے مبرا اور منزہ ہیں خواہ وہ مال کی تقسیم ہو یا امانت کی ادائیگی ہو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ نبی جانبداری نہیں کر سکتا کہ بعض لشکریوں کو دے اور بعض کو ان کا حصہ نہ پہنچائے' اس آیت کی یہ تفسیر بھی کی گئی ہے کہ یہ نہیں ہو سکتا کہ نبی اللہ کی نازل کردہ کسی چیز کو چھپا لے اور امت تک نہ پہنچائے۔

﴿يَغُلَّ﴾ کو یُ کے پیش سے بھی پڑھا گیا ہے تو معنی یہ ہوں گے کہ نبی کی ذات ایسی نہیں کہ ان کے پاس والے ان کی خیانت کریں' چنانچہ حضرت قتادہ اور حضرت ربیع رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ بدر کے دن آپ کے اصحاب نے مالِ غنیمت میں سے تقسیم سے پہلے کچھ لے لیا تھا اس پر یہ آیت اتری۔ (ابن جریر)

پھر خائن لوگوں کو ڈرایا جاتا ہے اور سخت عذاب کی خبر دی جاتی ہے۔ احادیث میں بھی اس کی بابت بہت کچھ سخت وعید ہے چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ سب سے بڑا خیانت کرنے والا وہ شخص ہے جو پڑوسی کے کھیت کی زمین یا اس کے گھر کی زمین دبا لے اگر ایک ہاتھ زمین بھی ناحق اپنی طرف کر لے گا تو ساتوں زمینوں کا طوق اسے پہنایا جائے گا۔[2] مسند کی اور حدیث میں ہے جسے ہم حاکم بنائیں اگر اس کا گھر نہ ہو تو وہ گھر بنا سکتا ہے' بیوی نہ ہو تو کر سکتا ہے' اس کے سوا اگر کچھ اور لے گا تو خائن ہوگا'[3] یہ حدیث ابوداؤد میں بھی دیگر الفاظ سے منقول ہے'[4] ابن

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : كتاب الحروف والقراءات (٣٩٧١) ترمذی : كتاب تفسير القرآن (٣٠٠٩) تفسير ابن جرير الطبرى (٨١٣٥)] امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابوداود ، السلسلة الصحيحة (٢٧٨٨)]

[2] [حسن بالشواهد : مسند احمد (٣٤١/٥) طبرانی كبير (٣٤٦٣) المطالب العالية (١٠٧٤)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ [فتح البارى (١٠٥/٥)] امام ہیثمیؒ اور امام منذریؒ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (١٧٨/٤) الترغيب والترهيب (١٦/٣)] مزید شواہد کے لیے دیکھئے : صحیح بخاری (٢٤٥٢) صحیح مسلم (١٦١٠)]

[3] [ضعيف : مسند احمد (٢٢٩/٤)] یہ روایت ابن لھیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[4] [صحیح : ابوداؤد : كتاب الخراج : باب في ارزاق العمال (٢٩٤٥) طبرانی كبير (٧٢٧/٢٠) بيهقى في السنن الكبرى (٣٥٥/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابوداود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

جریر کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تم میں سے اس شخص کو پہچانتا ہوں جو چلاتی ہوئی بکری کو اٹھائے ہوئے قیامت کے دن آئے گا اور میرا نام لے لے کر مجھے پکارے گا میں کہہ دوں گا کہ میں اللہ تعالیٰ کے پاس تیرے کام نہیں آ سکتا میں تو پہنچا چکا تھا اسے بھی میں پہچانتا ہوں جو اونٹ کو اٹھائے ہوئے آئے گا جو بول رہا ہو گا یہ بھی کہے گا اے محمد ﷺ اے محمد ﷺ! میں کہوں گا میں تیرے لیے اللہ کے پاس کسی چیز کا مالک نہیں ہوں میں تو تبلیغ کر چکا تھا اور میں اسے بھی پہچانوں گا جو اسی طرح گھوڑے کو لادے ہوئے آئے گا جو ہنہنا رہا ہو گا وہ بھی مجھے پکارے گا اور میں کہہ دوں گا کہ میں تو پہنچا چکا تھا آج کچھ کام نہیں آ سکتا اور اس شخص کو بھی میں پہچانتا ہوں جو کھالیں لیے ہوئے حاضر ہو گا اور کہہ رہا ہو گا یا محمد ﷺ یا محمد ﷺ! میں کہوں گا میں اللہ کے پاس کسی نفع کا اختیار نہیں رکھتا میں تجھے حق و باطل بتا چکا تھا' یہ حدیث صحاح ستہ میں نہیں۔ [1]

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے قبیلہ ازد کے ایک شخص کو حاکم بنا کر بھیجا جسے "ابن اللتبیه" کہتے تھے یہ جب زکوٰۃ وصول کر کے آئے تو کہنے لگے یہ تو تمہارا ہے اور یہ مجھے تحفہ میں ملا ہے نبی ﷺ منبر پر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ہم انہیں کسی کام پر بھیجتے ہیں تو آ کر کہتے ہیں یہ تمہارا اور یہ ہمارے لیے تحفہ ہے یہ اپنے گھروں میں بیٹھے رہتے پھر دیکھتے کہ انہیں تحفہ دیا جاتا ہے یا نہیں؟ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے تم میں سے جو کوئی اس میں سے کوئی چیز بھی لے لے گا وہ قیامت کے دن اسے گردن پر اٹھائے ہوئے لائے گا اونٹ ہے تو چلا رہا ہو گا' گائے ہے تو بول رہی ہو گی' بکری ہے تو چیخ رہی ہو گی پھر آپ نے ہاتھ اس قدر بلند کیے کہ بغلوں کی سفیدی' ہمیں نظر آنے لگی اور تین مرتبہ فرمایا اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟ [2] مسند احمد کی ایک ضعیف حدیث میں ہے ایسے تحصیل داروں اور حاکموں کو جو تحفے ملیں وہ خیانت ہیں۔ [3] یہ روایت صرف مسند احمد میں ضعیف ہے اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اگلی مطول روایت کا ماحصل ہے' ترمذی میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ ﷺ نے یمن میں بھیجا جب میں چل دیا تو آپ نے مجھے بلوایا جب میں واپس آیا تو فرمایا میں نے تمہیں صرف ایک بات کہنے کے لیے بلوایا ہے کہ میری اجازت کے بغیر تم جو کچھ لو گے وہ خیانت ہے اور ہر خائن اپنی خیانت کو لیے ہوئے قیامت کے دن آئے گا بس یہی کہنا تھا جاؤ اپنے کام میں

---

[1] [صحیح : تفسیر ابن جریر الطبری (٨١٥٧)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الهبة : باب من لم یقبل الهدیة لعلة (٢٥٩٧) صحیح مسلم : کتاب الامارة : باب تحریم هدایا العمال (١٨٣٢) مسند احمد (٤٢٣/٥)]

[3] [صحیح بالشواهد : مسند احمد (٤٢٤/٥) بیهقی فی السنن الکبری (١٣٨/١٠) ابن عدی فی الکامل (٢٩٥/١) مجمع الزوائد (١٥١/٤)] شیخ البانی ؒ نے شواہد کی وجہ سے اسے صحیح قرار دیا ہے۔[ارواء الغلیل (٢١٠٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی شواہد کی وجہ سے اسے صحیح کہتے ہیں۔حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

لگو۔ ① مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک روز کھڑے ہو کر خیانت کا ذکر کیا اور اس کے بڑے بڑے گناہ اور وبال بیان فرما کر ہمیں ڈرایا پھر جانوروں کو لیے ہوئے قیامت کے دن آنے حضور ﷺ سے فریادرسی کی عرض کرنے اور آپ کے انکار کر دینے کا ذکر کیا جو پہلے بیان ہو چکا ہے اس میں سونے چاندی کا ذکر بھی ہے' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے' ② مسند احمد میں ہے کہ رسولِ مقبول ﷺ نے فرمایا اے لوگو! جسے ہم عامل بنائیں اور پھر وہ ہم سے ایک سوئی یا اس سے بھی ہلکی چیز چھپائے تو وہ خیانت ہے جسے لے کر وہ قیامت کے دن حاضر ہوگا' یہ سن کر ایک سانولے رنگ کے انصاری حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو کر کہنے لگے حضور ﷺ میں تو عامل بننے سے دست بردار ہوتا ہوں' فرمایا کیوں؟ کہا آپ نے جو اس طرح فرمایا' آپ نے فرمایا ہاں اب بھی سنو! ہم کوئی کام سونپیں اسے چاہیے کہ تھوڑا بہت سب کچھ لائے جو اسے دیا جائے وہ لے لے اور جس سے روک دیا جائے رک جائے' یہ حدیث مسلم اور ابوداؤد میں بھی ہے۔ ③

حضرت ابو رافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ عموماً نمازِ عصر کے بعد بنو عبدالاشہل کے ہاں تشریف لے جاتے تھے اور تقریباً مغرب تک وہیں مجلس رہتی تھی ایک دن مغرب کے وقت وہاں سے واپس چلے وقت تنگ تھا تیز تیز چل رہے تھے بقیع میں آ کر فرمانے لگے تف ہے تجھے تف ہے تجھے۔ میں سمجھا آپ مجھے فرما رہے ہیں چنانچہ میں اپنے کپڑے ٹھیک ٹھاک کرنے لگا اور پیچھے رہ گیا آپ نے فرمایا کیا بات ہے؟ میں نے کہا حضور ﷺ آپ کے اس فرمان کی وجہ سے میں رک گیا' آپ نے فرمایا میں نے تجھے نہیں کہا بلکہ یہ قبر فلاں شخص کی ہے اسے میں نے فلاں قبیلے کی طرف عامل بنا کر بھیجا تھا اس نے ایک چادر لے لی وہ چادر اب آگ بن کر اس کے اوپر بھڑک رہی ہے۔ ④ (مسند احمد) حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ مال غنیمت کے اونٹ کی پیٹھ کے چند بال لیتے پھر فرماتے میرا بھی اس میں وہی حق ہے جو تم میں سے کسی ایک کا' خیانت سے بچو خیانت کرنے والے کی رسوائی قیامت کے دن ہوگی سوئی دھاگے تک پہنچا دو اور اس سے حقیر چیز بھی۔ اللہ تعالیٰ کی راہ میں نزدیک والوں اور دور والوں سے جہاد کرو' وطن میں بھی اور سفر میں بھی جہاد' جنت کے دروازوں میں سے ایک

---

① [ضعیف: ترمذی: کتاب الاحکام: باب ماجآء فی ھدایا الامراء (١٣٣٥) الدر المنثور للسیوطی (١٦٣/٢)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں داؤد بن یزید راوی ضعیف ہے۔]

② [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الغلول (٣٠٧٣) صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب غلظ تحریم الغلول (١٨٣١) مسند احمد (٤٢٦/٢)]

③ [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب تحریم ھدایا العمال (١٨٣٣) ابوداؤد: کتاب القضآء: باب فی ھدایا العمال (٣٥٨١) مسند احمد (١٩٢/٤)]

④ [صحیح: مسند احمد (٣٩٢/٦) نسائی فی السنن الکبری (٩٣٥) صحیح ابن خزیمة (٢٣٣٧)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح نسائی] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

دروازہ ہے جہاد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ مشکلات سے اور رنج وغم سے نجات دیتا ہے' اللہ کی حدیں نزدیک ودور والوں میں جاری کرو' اللہ کے بارے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت تمہیں نہ روکے۔ (مسند احمد) اس حدیث کا بعض حصہ ابن ماجہ میں بھی مروی ہے'[1] حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عامل بنا کر بھیجنا چاہا تو فرمایا اے ابومسعود! جاؤ ایسا نہ ہو کہ میں تمہیں قیامت کے دن اس حال میں پاؤں کہ تمہاری پیٹھ پر اونٹ ہو جو آواز نکال رہا ہو جسے تم نے خیانت سے لے لیا ہو' میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پھر تو میں نہیں جاتا آپ نے فرمایا اچھا میں تمہیں زبردستی بھیجتا بھی نہیں۔[2] (ابوداؤد) ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر کوئی پتھر جہنم میں ڈالا جائے تو ستر سال تک چلتا رہے لیکن تہہ کو نہیں پہنچتا خیانت کی چیز کو اسی طرح جہنم میں پھینک دیا جائے گا' پھر خیانت والے سے کہا جائے گا جا اسے لے آ' یہی معنی ہیں اللہ کے اس فرمان کے ﴿وَمَنْ يَّغْلُلْ يَاْتِ بِمَا غَلَّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ﴾[3] مسند احمد میں ہے کہ خیبر کی جنگ والے دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آنے لگے اور کہنے لگے فلاں شہید ہے' فلاں شہید ہے جب ایک شخص کی نسبت یہ کہا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے اسے جہنم میں دیکھا ہے کیونکہ اس نے غنیمت کے مال کی ایک چادر خیانت کرلی تھی پھر آپ نے فرمایا اے عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ! تم جاؤ اور لوگوں میں منادی کردو کہ جنت میں صرف ایماندار ہی جائیں گے چنانچہ میں چلا اور سب میں یہ ندا کر دی' یہ حدیث مسلم اور ترمذی میں بھی ہے امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔[4]

ابن جریر میں ہے کہ ایک دن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن انیس رضی اللہ عنہ سے صدقات کے بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کیا تم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان نہیں سنا؟ کہ آپ نے صدقات میں خیانت کرنے والے کی نسبت فرمایا اس میں جو شخص اونٹ یا بکری لے لے وہ قیامت والے دن اسے اٹھائے ہوئے آئے گا حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں۔ یہ روایت ابن ماجہ میں بھی ہے'[5] ابن جریر میں حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ انہیں صدقات وصول کرنے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجنا چاہا اور فرمایا اے سعد رضی اللہ عنہ! ایسا نہ ہو کہ قیامت کے دن تو بلبلاتے اونٹ کو اٹھا کر لائے تو حضرت سعد رضی اللہ عنہ! کہنے لگے کہ نہ میں اس عہدہ کو لوں اور نہ ایسا

---

[1] [صحیح : مسند احمد (٥/٣٣٠) ابن ماجه : كتاب الجهاد : باب الغلول (٢٨٥٠)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔[السلسلة الصحيحة (٩٨٥)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے حسن کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (٢٢٨٤٧)]

[2] [صحیح : ابوداؤد : كتاب الخراج : باب في غلول الصدقة (٢٩٤٧) طبراني كبير (١٧/٦٨٩) مستدرك حاكم (١/٤٠٦)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[3] [ضعیف : مجمع الزوائد (١٠/٣٨٩) الدر المنثور للسيوطي (٢/١٦٤) طبراني كبير (٢/١١٥٨) ابن ابي شيبة (١٧٧١) بيهقي في شعب الايمان (٤/٤٣٣٤)] اس میں احمد بن ابان راوی مجہول ہے۔]

[4] [صحیح : صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب غلظ تحريم الغلول (١١٤) ترمذي : كتاب السير : باب ماجآء في الغلول (١٥٧٤) مسند احمد (١/٣٠)]

[5] [صحیح : ابن ماجه : كتاب الزكاة : باب ماجآء في عمال الصدقة (١٨١٠) مسند احمد (٣/٤٩٨)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ابن ماجه ، السلسلة الصحيحة (٢٣٥٤)]

ہونے کا احتمال رہے چنانچہ حضور ﷺ نے بھی اس کام سے انہیں معاف رکھا' [1] مسند احمد میں ہے کہ حضرت مسلمہ بن عبدالملک رحمہ اللہ کے ساتھ روم کی جنگ میں حضرت سالم بن عبداللہ رحمہ اللہ بھی تھے ایک شخص کے اسباب میں کچھ خیانت کا مال بھی نکلا سردارِ لشکر نے حضرت سالم رحمہ اللہ سے اس کے بارے میں فتویٰ پوچھا تو آپ نے فرمایا مجھ سے میرے باپ عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اور ان سے ان کے باپ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس کے اسباب میں تم چوری کا مال پاؤ اسے جلا دو' راوی کہتا ہے میرا خیال ہے یہ بھی فرمایا اور اسے سزا دو' چنانچہ جب اس کا مال بازار میں نکالا تو اس میں ایک قرآن شریف بھی تھا حضرت سالم رضی اللہ عنہ سے پھر اس کی بابت پوچھا گیا آپ نے فرمایا اسے بیچ دو اور اس کی قیمت صدقہ کر دو' یہ حدیث ابوداؤد اور ترمذی میں بھی ہے' [2] امام علی بن مدینی اور امام بخاری رحمہما اللہ وغیرہ فرماتے ہیں یہ حدیث منکر ہے' امام دارقطنی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحیح یہ ہے کہ یہ حضرت سالم رحمہ اللہ کا اپنا فتویٰ ہے' حضرت امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کا قول بھی یہی ہے' حضرت حسن بھی یہی کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کا اسباب جلا دیا جائے اور اسے مملوک کی حد سے کم مارا جائے اور اس کا حصہ نہ دیا جائے' ابوحنیفہ' مالک' شافعی رحمہم اللہ اور جمہور کا مذہب اس کے برخلاف ہے یہ کہتے ہیں اس کا اسباب نہ جلایا جائے بلکہ اس کے مثل اسے تعزیر یعنی سزا دی جائے' امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے خائن کے جنازے کی نماز سے انکار کر دیا اور اس کا اسباب نہیں جلایا۔ واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے کہ قرآن شریف کے جب تغیر کا حکم کیا گیا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمانے لگے تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اسے چھپا کر رکھ لے کیونکہ جو شخص جس چیز کو چھپا کر رکھ لے گا اسی کو لے کر قیامت کے روز آئے گا' پھر فرمانے لگے میں نے ستر دفعہ رسول اللہ ﷺ کی زبانی پڑھا ہے پس کیا میں رسول اللہ ﷺ کی پڑھائی ہوئی قرات کو چھوڑ دوں؟ [3] امام وکیع رحمہ اللہ بھی اپنی تفسیر میں اسے لائے ہیں۔

ابوداؤد میں ہے کہ آنحضور ﷺ کی عادت مبارکہ تھی کہ جب مال غنیمت آتا تو آپ حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو حکم دیتے اور وہ لوگوں میں منادی کرتے کہ جس جس کے پاس جو جو ہو لے آئے پھر آپ اس میں سے پانچواں حصہ نکال لیتے اور باقی کو تقسیم کر دیتے۔ ایک مرتبہ ایک شخص اس کے بعد بالوں کا ایک گچھا لے کر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ! میرے پاس یہ رہ گیا تھا آپ نے فرمایا کیا تو نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی منادی سنی تھی؟ جو تین مرتبہ ہوئی تھی اس نے کہا ہاں فرمایا پھر تو اس وقت کیوں نہ لایا؟ اس نے عذر بیان کیا آپ نے فرمایا اب میں ہرگز نہ لوں

---

[1] [صحيح: تفسير ابن جرير الطبرى (٨١٦٢)]

[2] [ضعيف: مسند احمد (١/٢٢) ترمذى: كتاب الحدود: باب ماجآء فى الغال مايصنع به (١٤٦١) ابوداؤد: كتاب الجهاد: باب فى عقوبة الغال (٢٧١٣) دارمى (٢/٢٤٩٣)] امام ابن جوزیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث رسول اللہ ﷺ سے ثابت نہیں۔ [العلل المتناهية (٢/٥٨٥)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (١٤٤)]

[3] [صحيح موقوف: مسند احمد (١/٤١٤) صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل عبدالله بن مسعود (٢٤٦٢)]

گا تو ہی اسے لے کر قیامت کے دن آنا۔[1]

اللہ دو عالم پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شرع پر چل کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مستحق ہونے والے اس کے ثوابوں کو حاصل کرنے والے اس کے عذابوں سے بچنے والے اور وہ لوگ جو اللہ کے غضب کے مستحق ہوئے اور جو مر کر جہنم میں ٹھکانا پائیں گے کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ قرآن کریم میں دوسری جگہ ہے کہ اللہ کی باتوں کو حق ماننے والا اور اس سے اندھا رہنے والا برابر نہیں اسی طرح فرمان ہے کہ جن سے اللہ کا اچھا وعدہ ہو چکا ہے اور جو اسے پانے والا ہے وہ اور دنیا کا نفع حاصل کرنے والا برابر نہیں۔ پھر فرماتا ہے کہ بھلائی اور برائی والے مختلف درجوں پر ہیں[2] وہ جنت کے درجوں میں ہیں اور یہ جہنم کے طبقوں میں جیسا کہ دوسری جگہ ہے ﴿وَلِكُلٍّ دَرَجَاتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا﴾ (الانعام/١٣٢) ہر ایک کے لیے ان کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ پھر فرمایا اللہ ان کے اعمال دیکھ رہا ہے اور عنقریب ان سب کو پورا بدلہ دے گا نہ نیکی ماری جائے گی اور نہ بدی بڑھائی جائے گی بلکہ عمل کے مطابق ہی جزا سزا ہوگی۔

پھر فرماتا ہے کہ مومنوں پر اللہ کا بڑا احسان ہے کہ انہی کی جنس سے ان میں اپنا پیغمبر بھیجا تا کہ یہ اس سے بات چیت کر سکیں پوچھ گچھ کر سکیں ساتھ بیٹھ اٹھ سکیں اور پوری طرح نفع حاصل کر سکیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا﴾ (الروم/٢١) الخ یہاں بھی یہی مطلب ہے کہ تمہاری جنس سے تمہارے جوڑے اس نے پیدا کئے۔ اور جگہ ہے ﴿قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ﴾ (الکهف/١١٠) الخ کہہ دے کہ میں تو تم جیسا ہی انسان ہوں میری طرف وحی کی جاتی ہے کہ تم سب کا معبود ایک ہی ہے اور فرمان ہے ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ (الفرقان/٢٠) یعنی تم سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے وہ سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں چلتے پھرتے تھے۔

اور جگہ ہے ﴿وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى﴾ (یوسف/١٠٩) یعنی تجھ سے پہلے بھی ہم نے مردوں کو وحی کی تھی جو بستیوں کے رہنے والے تھے۔ اور ارشاد ہے ﴿يَا مَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ﴾ (الانعام/١٣٠) یعنی اے جنو اور انسانو! کیا تمہارے پاس تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ الغرض یہ پورا احسان ہے کہ مخلوق کی طرف انہی میں سے رسول بھیجے گئے تا کہ وہ پاس بیٹھ اٹھ کر بار بار سوال جواب کر کے پوری طرح دین سیکھ لیں پس اللہ عزوجل فرماتا ہے کہ وہ اللہ کی آیتیں یعنی قرآن کریم انہیں پڑھاتا ہے اور اچھی باتوں کا حکم دے کر اور برائیوں سے روک کر ان کی جانوں کی پاکیزگی کرتا ہے اور شرک و جاہلیت کی ناپاکی کے اثرات ان سے زائل کرتا ہے اور انہیں کتاب اور سنت سکھاتا ہے۔ اس رسول ﷺ کے آنے سے پہلے تو یہ صاف بھٹکے ہوئے تھے ظاہر برائی اور پوری جہالت میں تھے۔

---

[1] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الجهاد : باب فی الغلول اذا كان يسيرا (٢٧١٢) مستدرك حاكم (١٢٧/٢) مسند احمد (٢١٣/٢) صحيح ابن حبان (٤٨٠٩/١١) بيهقى فى السنن الكبرى (٢٩٣/٦)] امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابو داود]

[2] [تفسير ابن ابى حاتم (٦٤٦/٢) تفسير ابن جرير الطبرى (٣٦٧/٧)]

اَوَلَمَّآ اَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةٌ قَدْ اَصَبْتُمْ مِّثْلَيْهَا ۙ قُلْتُمْ اَنّٰى هٰذَا ؕ قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ اَنْفُسِكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٦٥﴾ وَمَآ اَصَابَكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعٰنِ فَبِاِذْنِ اللّٰهِ وَلِيَعْلَمَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿١٦٦﴾ وَلِيَعْلَمَ الَّذِيْنَ نَافَقُوْا ۚۖ وَقِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا قَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَوِ ادْفَعُوْا ؕ قَالُوْا لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّا اتَّبَعْنٰكُمْ ؕ هُمْ لِلْكُفْرِ يَوْمَئِذٍ اَقْرَبُ مِنْهُمْ لِلْاِيْمَانِ ۚ يَقُوْلُوْنَ بِاَفْوَاهِهِمْ مَّا لَيْسَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا يَكْتُمُوْنَ ﴿١٦٧﴾ اَلَّذِيْنَ قَالُوْا لِاِخْوَانِهِمْ وَقَعَدُوْا لَوْ اَطَاعُوْنَا مَا قُتِلُوْا ؕ قُلْ فَادْرَءُوْا عَنْ اَنْفُسِكُمُ الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٦٨﴾

کیا جب کبھی تمہیں کوئی تکلیف پہنچے کہ تم اس جیسی دو چند پہنچا چکے ہو تو کہتے ہو کہ یہ کہاں سے آ گئی؟ کہہ دے کہ یہ خود تمہاری طرف سے ہے، بیشک اللہ ہر ایک چیز پر قادر ہے ○ اور تمہیں جو کچھ اس دن پہنچا جس دن دو جماعتوں میں مڈ بھیڑ ہوگئی تھی وہ سب اللہ کے حکم سے تھا اور اس لیے کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لے ○ اور منافقوں کو بھی معلوم کر لے، جن سے کہا گیا کہ آؤ راہ اللہ میں جہاد کرو یا کافروں کو ہٹاؤ، تو وہ کہنے لگے کہ اگر ہم لڑائی جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت قریب تھے، اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے جسے وہ چھپاتے ہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جو خود بھی بیٹھے رہے اور اپنے بھائیوں کی بابت کہا کہ اگر وہ بھی ہماری مان لیتے تو قتل نہ کیے جاتے، کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو اپنی جانوں سے موت ہٹا دو ○

جہاد کے ذریعے مسلمان اور منافق کی پہچان: یہاں جس مصیبت کا بیان ہو رہا ہے یہ احد کی مصیبت ہے جس میں ستر صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے تھے اور اس سے دوگنی مصیبت مسلمانوں نے کافروں کو پہنچائی تھی بدر والے دن ستر کافر قتل کیے گئے تھے اور ستر قید کیے گئے تھے تو مسلمان کہنے لگے کہ یہ مصیبت کیسے آ گئی؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے یہ تمہاری اپنی طرف سے ہے، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بدر کے دن مسلمانوں نے فدیہ لے کر جن کفار کو چھوڑ دیا تھا اس کی سزا میں اگلے سال ان میں سے ستر مسلمان شہید کیے گئے اور صحابہ میں افراتفری پڑ گئی، حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے چار دانت ٹوٹ گئے، آپ کے سر مبارک پر خود تھا وہ بھی ٹوٹا اور چہرہ مبارک لہولہان ہو گیا، اس کا بیان اس آیہ مبارکہ میں ہو رہا ہے[1] (ابن ابی حاتم، مسند احمد، احمد بن حنبل) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جبرائیل علیہ السلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور فرمایا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کی قوم کا کفار کو قیدی بنا کر پکڑ لینا اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آیا اب انہیں دو باتوں میں سے ایک کے اختیار کر لینے کا حکم دیجئے، یا تو یہ کہ ان قیدیوں کو مار ڈالیں یا یہ کہ ان سے فدیہ وصول کر کے چھوڑ دیں مگر پھر مسلمانوں سے اتنی ہی تعداد شہید ہو گی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو جمع کر کے دونوں باتیں پیش کیں تو انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ لوگ ہمارے قبائل

---

[1] [مسند احمد (١/ ٣٠_٣١)]

کے ہیں، ہمارے رشتہ دار بھائی ہیں ہم کیوں نہ ان سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دیں اور اس مال سے ہم طاقت، قوت حاصل کر کے اپنے دوسرے دشمنوں سے جنگ کریں گے اور پھر جو ہم میں سے اتنے ہی آدمی شہید ہوں گے تو اس میں ہماری کیا برائی ہے؟ چنانچہ جرمانہ وصول کر کے ستر قیدیوں کو چھوڑ دیا اور ٹھیک ستر ہی کی تعداد مسلمانوں کی اس کے بعد غزوہ احد میں شہید ہوئی۔ [1] (ترمذی، نسائی) پس ایک مطلب تو یہ ہوا کہ خود تمہاری طرف سے یہ سب ہوا یعنی تم نے بدر کے قیدیوں کو زندہ چھوڑنا اور ان سے جرمانہ جنگ وصول کرنا اس شرط پر منظور کیا تھا کہ تمہارے بھی اتنے ہی آدمی شہید ہوں وہ شہید ہوئے، دوسرا مطلب یہ ہے کہ تم نے رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کی تھی اس باعث تمہیں یہ نقصان پہنچا تیر اندازوں کو رسول کریم ﷺ نے حکم دیا تھا کہ وہ اپنی جگہ سے نہ ہٹیں لیکن وہ ہٹ گئے، اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے، جو چاہے کرے، جو ارادہ ہو حکم دے کوئی نہیں جو اس کا حکم ٹال سکے۔

دونوں جماعتوں کی مڈبھیڑ کے دن جو نقصان تمہیں پہنچا کہ تم دشمنوں کے مقابلے سے بھاگ کھڑے ہوئے تم میں سے بعض لوگ شہید بھی ہوئے اور زخمی بھی ہوئے یہ سب اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر سے تھا اس کی حکمت اس کی مقتضی تھی، اس کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ ثابت قدم، غیر متزلزل ایمان والے صابر بندے بھی معلوم ہو جائیں اور منافقین کا حال بھی کھل جائے جیسے عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھی جو راستے میں ہی لوٹ گئے ایک مسلمان نے انہیں سمجھایا بھی کہ آؤ اللہ کی راہ میں جہاد کرو یا کم از کم ان حملہ آوروں کو تو ہٹاؤ لیکن انہوں نے ٹال دیا کہ ہم تو فنونِ جنگ سے بے خبر ہیں اگر جانتے ہوتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے، یہ بھی مدافعت میں تھا کہ وہ مسلمانوں کے ساتھ تو رہتے جس سے مسلمانوں کی گنتی زیادہ معلوم ہوتی، یا دعائیں کرتے رہتے یا تیاریاں ہی کرتے، ان کے جواب کا ایک مطلب یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ تم سچ مچ دشمنوں سے لڑو گے تو ہم بھی تمہارا ساتھ دیتے لیکن ہم جانتے ہیں کہ لڑائی ہونے کی ہی نہیں سیرت محمد بن اسحاق میں ہے کہ ایک ہزار آدمی لے کر رسول اللہ ﷺ میدان احد کی جانب بڑھے آدھے راستے میں عبداللہ بن سلول بگڑ بیٹھا اور کہنے لگا اوروں کی مان لی اور مدینہ سے نکل کھڑے ہوئے اور میری نہ مانی اللہ کی قسم ہمیں نہیں معلوم کہ ہم کس فائدے کو نظر انداز رکھ کر اپنی جانیں دیں؟ لوگو کیوں جانیں کھو رہے ہو جس قدر نفاق اور شک وشبہ والے لوگ تھے اس کی آواز پر لگ گئے اور تہائی لشکر لے کر یہ پلید واپس لوٹ گیا، حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام رضی اللہ عنہ بنو سلمہ کے بھائی ہر چند انہیں سمجھاتے رہے کہ اے میری قوم! اپنے نبی کو، اپنی قوم کو رسوا نہ کرو انہیں دشمنوں کے سامنے چھوڑ کر پیٹھ نہ پھیرو لیکن انہوں نے بہانہ بنا دیا کہ ہمیں معلوم ہے کہ لڑائی ہونے ہی کی نہیں جب یہ بیچارے عاجز آ گئے تو فرمانے لگے جاؤ تمہیں اللہ غارت کرے اللہ کے دشمنو! تمہاری کوئی حاجت نہیں اللہ اپنے نبی ﷺ کا مددگار ہے چنانچہ حضور ﷺ بھی انہیں چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ [2]

---

[1] [**صحیح**: تفسیر ابن جریر الطبری (٨١٩٠) ترمذی: کتاب السیر: باب ماجآء فی قتل الاسارى والفداء (١٥٦٧) نسائی فی السنن الکبری (٨٦٦٢) مستدرك حاکم (١٤٠/٣)] امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (٤٨/٥ - ٤٩)]

[2] [سیرۃ ابن ھشام (٥٢/٣) تفسیر ابن جریر الطبری (٨١٩٢) دلائل النبوۃ للبیہقی (٢٢١/٣) ابن المنذر کما فی الدر المنثور (١٦٧/٢)]

جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ وہ اس دن بہ نسبت ایمان کے کفر سے بہت ہی نزدیک تھے' اس سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کے احوال مختلف ہیں کبھی وہ کفر کے قریب جاتا ہے اور کبھی ایمان کے نزدیک ہو جاتا ہے' پھر فرمایا یہ اپنے منہ سے وہ باتیں بناتے ہیں جو ان کے دل میں نہیں' جیسے ان کا یہی کہنا کہ اگر ہم جنگ جانتے تو ضرور تمہارا ساتھ دیتے' حالانکہ انہیں یقیناً معلوم تھا کہ مشرکین دور دراز سے چڑھائی کر کے مسلمانوں کو نیست و نابود کر دینے کی ٹھان کر آئے ہیں وہ بڑے جلے کٹے ہوئے ہیں کیونکہ ان کے سردار بدر والے دن میدان میں رہ گئے تھے اور ان کے اشراف قتل کر دیئے گئے تھے تو اب وہ ان ضعیف مسلمانوں پر ٹوٹ پڑے ہیں اور یقیناً جنگِ عظیم برپا ہونے والی ہے' پس جناب باری فرماتا ہے ان کے دلوں کی چھپی ہوئی باتوں کا مجھے بخوبی علم ہے' یہ وہ لوگ ہیں جو اپنے بھائیوں کے بارے میں کہتے ہیں اگر یہ ہمارا مشورہ مانتے یہیں بیٹھے رہتے اور جنگ میں شرکت نہ کرتے تو ہرگز نہ مارے جاتے' اس کے جواب میں جناب باری جل وعلا کا ارشاد ہوتا ہے کہ اگر یہ ٹھیک ہے اور تم اپنی اس بات میں سچے ہو کہ بیٹھ رہنے اور میدانِ جنگ میں نہ نکلنے سے انسان قتل و موت سے بچ جاتا ہے تو چاہیے کہ تم مرو ہی نہیں اس لیے کہ تم گھروں میں بیٹھے ہو لیکن ظاہر ہے کہ ایک روز تم بھی چل بسو گے چاہے تم مضبوط برجوں میں پناہ گزین ہو جاؤ پس ہم تو تمہیں تب سچا مانیں کہ تم موت کو اپنی جانوں سے ٹال دو' حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہے۔ [1]

وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا ۭ بَلْ اَحْيَاۗءٌ عِنْدَ رَبِّھِمْ يُرْزَقُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ فَرِحِيْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِھٖ ۙ وَيَسْـتَبْشِرُوْنَ بِالَّذِيْنَ لَمْ يَلْحَقُوْا بِھِمْ مِّنْ خَلْفِھِمْ ۙ اَلَّا خَوْفٌ عَلَيْھِمْ وَلَا ھُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ يَسْتَبْشِرُوْنَ بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ اَجْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۱﴾ اَلَّذِيْنَ اسْتَجَابُوْا لِلّٰهِ وَالرَّسُوْلِ مِنْۢ بَعْدِ مَآ اَصَابَھُمُ الْقَرْحُ ڔ لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا مِنْھُمْ وَاتَّقَوْا اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۷۲﴾ اَلَّذِيْنَ قَالَ لَھُمُ النَّاسُ اِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوْا لَكُمْ فَاخْشَوْھُمْ فَزَادَھُمْ اِيْمَانًا ڰ وَّقَالُوْا حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ ﴿۱۷۳﴾ فَانْقَلَبُوْا بِنِعْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ وَفَضْلٍ لَّمْ يَمْسَسْھُمْ سُوْۗءٌ ۙ وَّاتَّبَعُوْا رِضْوَانَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ ذُوْ فَضْلٍ عَظِيْمٍ ﴿۱۷۴﴾ اِنَّمَا ذٰلِكُمُ الشَّيْطٰنُ يُخَوِّفُ اَوْلِيَاۗءَهٗ ۠ فَلَا تَخَافُوْھُمْ وَخَافُوْنِ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۷۵﴾

وقف لازم ۱۶ ع ۸ ۲ مع

جو لوگ اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے ہیں انہیں ہرگز مردہ نہ سمجھو بلکہ زندہ ہیں اپنے رب کے پاس روزیاں دیئے جاتے ہیں ○ اللہ نے اپنا فضل جو انہیں دے رکھا ہے اس سے بہت خوش ہیں اور خوشیاں منا رہے ہیں ان لوگوں کی جواب تک ان سے نہیں

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۳۸۳/۷)]

ملے ان کے پیچھے ہیں یوں کہ ان پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ غمگین ہوں گے ○ وہ خوش وقت ہیں اللہ کی نعمت اور فضل سے اور اس سے بھی کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کے اجر برباد نہیں کرتا ○ جن لوگوں نے اللہ اور رسول کے حکم کو قبول کیا۔ اس کے بعد کہ انہیں پورے زخم لگ چکے تھے۔ ان میں سے جنہوں نے نیکی کی اور پرہیزگاری برتی ان کے لیے بڑا بھاری اجر ہے ○ وہ لوگ کہ جب ان سے لوگوں نے کہا کہ کافروں نے تمہارے مقابلہ پر لشکر جمع کر لیے ہیں پس تم ان سے خوف کھاؤ تو اس بات نے انہیں ایمان میں اور بڑھا دیا اور کہنے لگے ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ بہت ہی اچھا کارساز ہے ○ نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ کی نعمت و فضل کے ساتھ یہ لوٹے انہیں کوئی برائی نہ پہنچی انہوں نے اللہ کی رضامندی کی پیروی کی' اللہ بہت بڑے فضل والا ہے ○ یہ خبر دینے والا صرف شیطان ہی ہے جو اپنے دوستوں کو ڈراتا ہے تم ان کافروں سے نہ ڈرو اور میرا خوف رکھو اگر تم ایماندار ہو ○

شہدا کی جنت میں آرزو: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ گو شہید فی سبیل اللہ دنیا میں مار ڈالے جاتے ہیں لیکن آخرت میں ان کی روحیں زندہ رہتی ہیں اور رزق پاتی ہیں' اس آیت کا شانِ نزول یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے چالیس یا ستر صحابیوں کو بئیر معونہ کی طرف بھیجا تھا یہ جماعت جب اس غار تک پہنچی جو اس کنویں کے اوپر تھا تو انہوں نے وہاں پڑاؤ کیا اور آپس میں کہنے لگے کون ہے؟ جو اپنی جان خطرہ میں ڈال کر اللہ کے رسول ﷺ کا کلمہ ان تک پہنچائے ایک صحابی اس کے لیے تیار ہوئے اور ان لوگوں کے گھروں کے پاس آ کر باآواز بلند فرمایا اے بئیر معونہ والو سنو! میں اللہ کے رسول ﷺ کا قاصد ہوں میری گواہی ہے کہ معبود صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے اور محمد ﷺ اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں یہ سنتے ہی ایک کافر اپنا تیر سنبھالے ہوئے اپنے گھر سے نکلا اور اس طرح تاک کر لگایا کہ ادھر کی پسلی سے ادھر کی پسلی میں آر پار نکل گیا' اس صحابی رضی اللہ عنہ کی زبان سے بے ساختہ نکلا ((فُزْتُ وَرَبِّ الْكَعْبَةِ)) کعبے کے اللہ کی قسم میں اپنی مراد کو پہنچ گیا اب کفار نشانات ٹٹولتے ہوئے اس غار پر جا پہنچے اور عامر بن طفیل نے جو ان کا سردار تھا ان سب مسلمانوں کو شہید کر دیا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ان کے بارے میں قرآن اترا کہ ہماری جانب سے ہماری قوم کو یہ خبر پہنچا دو کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہو گیا اور ہم اس سے راضی ہو گئے ہم ان آیتوں کو برابر پڑھتے رہے پھر ایک مدت کے بعد یہ منسوخ ہو کر اٹھالی گئیں اور آیت ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ الخ' اتری۔ [1] (محمد بن جریر) صحیح مسلم شریف میں ہے حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم نے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم نے رسول اللہ ﷺ سے اس آیت کا مطلب دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا ان کی روحیں سبز رنگ پرندوں کے قالب میں ہیں عرش کی قندیلیں ان کے لیے ہیں ساری جنت میں جہاں کہیں چاہیں چریں چگیں اور ان قندیلوں میں آرام کریں ان کی طرف ان کے رب نے ایک مرتبہ نظر کی اور دریافت فرمایا کچھ اور چاہتے ہو؟ کہنے لگے اے اللہ اور کیا مانگیں ساری جنت میں سے جہاں کہیں سے چاہیں کھائیں پئیں اختیار ہے پھر کیا طلب کریں؟ اللہ تعالیٰ نے ان سے پھر یہی پوچھا تیسری مرتبہ یہی سوال کیا جب انہوں نے دیکھا کہ بغیر کچھ مانگے چارہ ہی نہیں تو کہنے لگے اے رب! ہم چاہتے ہیں کہ تو ہماری روحوں کو جسموں کی طرف لوٹا دے ہم پھر دنیا میں جا کر تیری راہ میں جہاد کریں اور مارے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٨٢٢٤)]

جائیں اب معلوم ہو گیا کہ انہیں کسی اور چیز کی حاجت نہیں تو ان سے پوچھنا چھوڑ دیا کہ کیا چاہتے ہو؟①

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو لوگ مر جائیں اور اللہ کے ہاں بہتری پائیں وہ ہرگز دنیا میں آنا پسند نہیں کرتے مگر شہید کہ وہ تمنا کرتا ہے کہ دنیا میں دوبارہ لوٹایا جائے اور دوبارہ راہ اللہ میں شہید ہو کیونکہ شہادت کے درجات کو وہ دیکھ رہا ہے۔ (مسند احمد) صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے② مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے فرمایا اے جابر! تمہیں معلوم بھی ہے؟ کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے والد کو زندہ کیا اور ان سے کہا اے میرے بندے مانگ کیا مانگتا ہے؟ تو کہا اے اللہ دنیا میں پھر بھیج تاکہ میں دوبارہ تیری راہ میں مارا جاؤں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا یہ تو میں فیصلہ کر چکا ہوں کہ کوئی یہاں سے دوبارہ لوٹایا نہیں جائے گا③ ان کا نام حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام انصاری رضی اللہ عنہ تھا اللہ تعالیٰ ان سے رضا مند ہو' صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے باپ کی شہادت کے بعد میں رونے لگا اور اپنے باپ کے منہ سے کپڑا ہٹا ہٹا کر بار بار ان کے چہرے کو دیکھ رہا تھا صحابہ رضی اللہ عنہم مجھے منع کرتے تھے لیکن آنحضرت ﷺ خاموش تھے پھر حضور ﷺ نے فرمایا جابر رومت! جب تک تیرے والد کو اٹھایا نہیں گیا فرشتے اپنے پروں سے اس پر سایہ کیے ہوئے ہیں④ مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب تمہارے بھائی احد والے دن شہید کیے گئے تو اللہ تبارک وتعالیٰ نے ان کی روحیں سبز پرندوں کے قالب میں ڈال دیں جو جنتی درختوں کے پھل کھائیں اور جنتی نہروں کا پانی پئیں اور عرش کے سائے تلے وہاں لٹکتی ہوئی قندیلوں میں آرام وراحت حاصل کریں جب کھانے پینے' رہنے سہنے کی یہ بہترین نعمتیں انہیں ملیں تو کہنے لگے کاش! کہ ہمارے بھائیوں کو جو دنیا میں ہیں ہماری ان نعمتوں کی خبر مل جاتی تاکہ وہ جہاد سے منہ نہ پھیریں اور اللہ کی راہ کی لڑائیوں سے تھک کر نہ بیٹھ رہیں اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تم بے فکر رہو میں یہ خبر ان تک پہنچا دیتا ہوں چنانچہ یہ آیتیں نازل فرمائیں۔⑤ حضرت ابن

---

① [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الامارة : باب بیان ارواح الشهداء فی الجنة (۱۸۸۷)]

② [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب تمنی المجاهد ان یرجع الی الدنیا (۲۸۱۷) صحیح مسلم : کتاب الامارة : باب فضل الشهادة فی سبیل الله تعالی (۱۸۷۷) مسند احمد (۱۵۳/۳)]

③ [حسن بالشواهد : مسند احمد (۳۶۱/۳) حمیدی (۱۲٦٥) عبد بن حمید (۱۰۳۹) ابویعلی (۲۰۰۲) مستدرك حاكم (۲۰٤/۳) ترمذی : كتاب تفسیر القرآن (۳۰۱۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

④ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب من قتل من المسلمین یوم احد (٤۰۸۰) صحیح ابن حبان (۷۰۲۱) بیهقی فی دلائل النبوة (۲۹۷/۳)]

⑤ [صحیح : ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب فی فضل الشهادة (۲۵۲۰) بیهقی فی دلائل النبوة (۳۰٤/۳) وفی شعب الایمان (٤۲٤۰/٤) مسند احمد (۲٦٦/۱) ابویعلی (۳۳۱) مستدرك حاكم (۸۸/۲) ابن ابی عاصم فی الجهاد (۵۲)] امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے، امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھیوں کے بارے میں یہ آیتیں اتریں۔ (مستدرک حاکم) یہ بھی مفسرین نے فرمایا ہے کہ احد کے شہیدوں کے بارے میں یہ آیتیں نازل ہوئیں۔ [1]

ابوبکر بن مردویہ میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دیکھا اور فرمانے لگے جابر! کیا بات ہے کہ تم مجھے غمگین نظر آتے ہو؟ میں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے والد شہید ہوگئے جن پر بارِ قرض بہت ہے اور میرے چھوٹے چھوٹے بہن بھائی بہت ہیں آپ نے فرمایا سن میں تجھے بتاؤں جس کسی سے اللہ نے کلام کیا پردے کے پیچھے سے کلام کیا لیکن تیرے باپ سے آمنے سامنے بات چیت کی۔ فرمایا مجھ سے مانگ جو مانگے گا دوں گا تیرے باپ نے کہا اللہ عزوجل! میں تجھ سے یہ مانگتا ہوں کہ تو مجھے دنیا میں دوبارہ بھیج اور میں تیری راہ میں دوسری مرتبہ شہید کیا جاؤں' رب عزوجل نے فرمایا یہ بات تو میں پہلے ہی مقرر کر چکا ہوں کہ کوئی بھی لوٹ کر دوبارہ دنیا میں نہیں جائے گا کہنے لگے پھر اے اللہ میرے بعد والوں کو ان مراتب کی خبر پہنچا دی جائے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَلَا تَحْسَبَنَّ﴾ الخ 'نازل فرمائی' [2] بیہقی میں اتنا اور زیادہ ہے کہ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں تو اے اللہ تیری عبادت کا حق بھی ادا نہیں کرسکا۔ [3] مسند میں ہے شہید لوگ جنت کے دروازے پر نہر کے کنارے سبز گنبد میں ہیں' صبح شام انہیں جنت کی نعمتیں پہنچ جاتی ہیں' [4] دونوں احادیث میں تطبیق یہ ہے کہ بعض شہداء وہ ہیں جن کی روحیں پرندوں کے قالب میں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا ٹھکانا یہ گنبد ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہ جنت میں سے پھرتے پھراتے یہاں جمع ہوتے ہوں اور پھر یہ کھانے یہیں کھلائے جاتے ہوں۔ واللہ اعلم۔ یہاں پر وہ حدیث بھی وارد کرنا بالکل برمحل ہوگا جس میں ہر مومن کے لیے یہی بشارت ہے چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی روح ایک پرندہ ہے جو جنت کے درختوں کے پھل کھاتی پھرتی ہے یہاں تک کہ قیامت والے دن جبکہ اللہ تعالیٰ سب کو کھڑا کرے گا تو اسے بھی اس کے جسم کی طرف لوٹا دے گا' [5] اس حدیث

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٨٩/٧)]

[2] **[صحیح** : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة ال عمران (٣٠١٠) ابن ماجه : مقدمه : باب فیما انکرت الجهمیة (١٩٠) مستدرك حاکم (٢٠٣/٣) صحیح ابن خزیمة (٥٩٩/٢) ابن ابی عاصم فی السنة (٦٠٢/١)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ اور شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی]

[3] **[ضعیف** : مستدرك حاکم (٢٠٣/٣) بیهقی فی دلائل النبوة (٢٩٨/٣)] اس کی سند میں عیسیٰ بن عبدالرحمٰن راوی ضعیف ہے۔ امام بخاریؒ اور امام ابوحاتمؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے، امام نسائیؒ اسے متروک کہتے ہیں اور امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں کہ یہ امام زہریؒ سے منکر روایتیں بیان کیا کرتا تھا۔ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو موضوع کہتے ہیں۔]

[4] **[حسن** : مسند احمد (٢٦٦/١) ابن ابی شیبة (٥٦٣/٤) تفسیر ابن جریر الطبری (٨٢١٢)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (٢٣٩٠)]

[5] **[صحیح** : موطا (٢٤٠/١) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب ذکر القبر والبلی (٤٢٧١) نسائی : کتاب الجنائز : باب ارواح المؤمنین (٢٠٧٥) مسند احمد (٤٥٥/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (٩٩٥) تخریج الطحاویة (٤٧٨)]

کے راویوں میں تین جلیل القدر امام ہیں جو ان چار اماموں میں سے ہیں جن کے مذاہب مانے جار ہے ہیں' ایک تو امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ آپ اس حدیث کو روایت کرتے ہیں' امام محمد بن ادریس شافعی رحمہ اللہ سے' ان کے استاد ہیں حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ، پس امام احمد' امام شافعی' امام مالک رحمہم اللہ تینوں زبردست پیشوا اس حدیث کے راوی ہیں پس اس حدیث سے ثابت ہوا کہ ایمانداروں کی روحیں جنتی پرندوں کی شکل میں جنت میں رہتی ہیں اور شہیدوں کی روحیں جیسے کہ پہلے گزر چکا ہے سبز رنگ کے پرندوں کے قالب میں رہتی ہیں یہ روحیں مثل ستاروں کے ہیں جو عام مومنین کی روحوں کو یہ مرتبہ حاصل نہیں' یہ اپنے طور پر آپ ہی اڑتی ہیں' اللہ تعالیٰ سے جو بہت بڑا مہربان اور زبردست احسانوں والا ہے ہماری دعا ہے کہ وہ ہمیں اپنے فضل وکرم سے ایمان واسلام پر اور شہادت کی موت دے۔ آمین۔

پھر فرمایا کہ یہ شہید جن جن نعمتوں اور آسائشوں میں ہیں ان سے بے حد مسرور اور بہت ہی خوش ہیں اور انہیں یہ بھی خوشی اور راحت ہے کہ ان کے بھائی بند جو ان کے بعد اللہ کی راہ میں شہید ہوں گے اور ان کے پاس آئیں گے انہیں آئندہ کا کچھ خوف نہ ہوگا اور اپنے پیچھے چھوڑی ہوئی چیزوں پر انہیں حسرت بھی نہ ہوگی' اللہ ہمیں بھی جنت نصیب کرے' حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ وہ خوش ہیں کہ ان کے کئی اور بھائی بند بھی جو جہاد میں لگے ہوئے ہیں وہ بھی شہید ہو کر ان کی نعمتوں میں ان کے شریکِ حال ہوں گے اور اللہ کے ثواب سے فائدہ اٹھائیں گے' حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شہید کو ایک کتاب دی جاتی ہے کہ فلاں دن تیرے پاس فلاں آئے گا اور فلاں دن فلاں آئے گا پس جس طرح دنیا والے اپنی کسی غیر حاضر کے آنے کی خبر سن کر خوش ہوتے ہیں اسی طرح یہ شہداء ان شہیدوں کے آنے کی خبر سے مسرور ہوتے ہیں' حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب شہید جنت میں گئے اور وہاں اپنی منزلیں اور رحمتیں اور راحتیں دیکھیں تو کہنے لگے کاش! کہ اس کا علم ہمارے ان بھائیوں کو بھی ہوتا جو اب تک دنیا میں ہی ہیں تاکہ وہ جواں مردی سے جان توڑ کر جہاد کرتے اور ان جگہوں میں جا گھستے جہاں سے زندہ واپس آنے کی امید نہ ہوتی تو وہ بھی ہماری ان نعمتوں میں حصہ دار بنتے پس نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو ان کے اس حال کی خبر پہنچا دی اور اللہ تعالیٰ نے ان سے کہہ دیا کہ میں نے تمہاری خبر تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی ہے اس سے وہ بہت ہی مسرور ہوئے' بخاری ومسلم میں بئیر معونہ والوں کا قصہ بیان ہو چکا ہے جو ستر شخص انصاری صحابی رضی اللہ عنہم تھے اور ایک ہی دن صبح کے وقت سب کو بے دردی سے کفار نے تہہ تیغ کیا تھا جن قاتلوں کے حق میں ایک ماہ نماز کی قنوت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بددعا کی تھی اور جن پر لعنت بھیجی تھی جن کے بارے میں قرآن کی یہ آیت اتری تھی کہ ہماری قوم کو ہماری خبر پہنچاؤ کہ ہم اپنے رب سے ملے وہ ہم سے راضی ہوا اور ہم اس سے راضی ہو گئے'[1] وہ اللہ کی نعمت وفضل کو دیکھ دیکھ کر مسرور ہیں' حضرت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت ﴿يَسْتَبْشِرُوْنَ﴾ تمام ایمانداروں کے حق میں ہے خواہ شہید ہوں خواہ غیر۔ بہت کم ایسے مواقع ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبیوں کی فضیلت اور ان کے ثوابوں کا ذکر نہ کریں۔

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوۃ رجیع (٤٠٩٠) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب استحباب القنوت فی جمیع الصلوات (٦٧٧)]

پھران سچے مومنین کا بیان تعریف کے ساتھ ہو رہا ہے جنہوں نے حمراء اسد والے دن حکم رسول پر باوجود زخموں سے چور ہونے کے جہاد پر کمر کس لی تھی' مشرکین نے مسلمانوں کو مصیبتیں پہنچائیں اور اپنے گھروں کی طرف واپس چل دیئے لیکن پھر انہیں اس کا خیال آیا کہ موقعہ اچھا تھا مسلمان ہار چکے تھے' زخمی ہو گئے تھے ان کے بہادر شہید ہو چکے تھے اگر ہم اور جم کر لڑتے تو فیصلہ ہی ہو جاتا نبی ﷺ ان کا یہ ارادہ معلوم کر کے مسلمانوں کو تیار کرنے لگے کہ میرے ساتھ چلو ہم ان مشرکین کے پیچھے جائیں تاکہ ان پر رعب طاری ہو اور یہ جان لیں کہ مسلمان ابھی کمزور نہیں ہوئے احد میں جو لوگ موجود تھے صرف انہی کو ساتھ چلنے کا حکم ملا ہاں صرف حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کو ان کے علاوہ بھی ساتھ لیا اس آواز پر بھی مسلمانوں نے لبیک کہی باوجود یہ کہ زخموں میں چور اور خون میں شرابور تھے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کے لیے کمر بستہ ہو گئے' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کا بیان ہے کہ جب مشرکین احد سے لوٹے تو راستے میں سوچنے لگے کہ نہ تو تم نے محمد (ﷺ) کو قتل کیا' نہ مسلمانوں کی عورتوں کو پکڑا۔ افسوس تم نے کچھ نہ کیا واپس لوٹو جب یہ خبر حضور ﷺ کو پہنچی تو آپ نے مسلمانوں کو تیاری کا حکم دیا یہ تیار ہو گئے اور مشرکین کے تعاقب میں چل پڑے یہاں تک کہ حمراء الاسد تک یا ((بئیر ابی عیینه)) تک پہنچ گئے۔ مشرکین کے دل رعب و خوف سے بھر گئے اور یہ کہہ کر مکہ کی طرف چل دیئے اگلے سال دیکھا جائے گا حضور ﷺ بھی واپس مدینہ تشریف لائے' یہ بھی بالاستقلال ایک الگ لڑائی گنی جاتی ہے اسی کا ذکر اس آیت میں ہے [1] احد کی لڑائی پندرہ شوال بروز ہفتہ ہوئی تھی سولھویں تاریخ بروز اتوار منادی رسول ﷺ نے ندا دی کہ لوگو! دشمن کے تعاقب میں چلو اور وہی لوگ چلیں جو کل میدان میں تھے' اس آواز پر حضرت جابر رضی اللہ عنہ حاضر ہوئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ کل کی لڑائی میں میں نہ تھا اس لیے کہ میرے والد حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے مجھ سے کہا بیٹے! تمہارے ساتھ یہ چھوٹی چھوٹی بہنیں ہیں اسے تو نہ میں پسند کروں اور نہ تو کہ انہیں یہاں تنہا چھوڑ کر دونوں ہی چل دیں ایک جائے گا اور ایک یہاں رہے گا۔ مجھ سے یہ نہیں ہو سکتا کہ رسول اللہ ﷺ کے ہم رکاب تم جاؤ اور میں بیٹھا رہوں اس لیے میری خواہش ہے کہ تم اپنی بہنوں کے پاس رہو اور میں جاتا ہوں اس وجہ سے میں تو وہاں رہا اور میرے والد آپ کے ساتھ آئے اب میری عین تمنا ہے کہ آج مجھے اجازت دیجیے کہ میں آپ کے ساتھ چلوں چنانچہ آپ نے اجازت دی۔

حضور ﷺ کا سفر اس غرض سے تھا کہ دشمن دہل جائے اور پیچھے آتا ہوا دیکھ کر سمجھ لے کہ ان میں بہت کچھ قوت ہے اور ہمارے مقابلہ سے یہ عاجز نہیں' قبیلہ بنو عبدالاشہل کے ایک صحابی کا بیان ہے کہ غزوۂ احد میں ہم دونوں بھائی شامل تھے اور سخت زخمی ہو کر ہم لوٹے تھے' جب اللہ کے رسول ﷺ کے منادی نے دشمن کے پیچھے جانے کی ندا دی تو ہم دونوں بھائیوں نے آپس میں کہا کہ افسوس! نہ ہمارے پاس سواری ہے کہ اس پر سوار ہو کر اللہ

---

[1] [نسائی فی السنن الکبری (۱۱۰۸۳) فتح الباری (۲۲۸/۸) طبرانی کبیر (۱۱۶۳۲/۱۱)] امام سیوطیؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[الدر المنثور (۱۷۸/۲)] البتہ حافظ ابن حجرؒ نے اسے مرسل کہا ہے۔[فتح الباری (۲۲۸/۸)]

کے نبی کے ساتھ جائیں' نہ زخموں کے مارے جسم میں اتنی طاقت ہے کہ پیدل ساتھ ہولیں افسوس! کہ یہ غزوہ ہمارے ہاتھ سے نکل جائے گا ہمارے بیشمار گہرے زخم ہمیں آج جانے سے روک دیں گے لیکن پھر ہم نے ہمت باندھی مجھے اپنے بھائی کی نسبت ذرا ہلکے زخم تھے جب میرے بھائی بالکل عاجز آ جاتے قدم نہ اٹھتا تو میں انہیں جوں توں کر کے اٹھالیتا جب تھک جاتا اتار دیتا یونہی جوں توں کر کے ہم لشکر گاہ تک پہنچ ہی گئے۔ [1] (سیرت ابن اسحاق) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے حضرت عروہ رحمہ اللہ سے کہا اے بھانجے! تیرے دونوں باپ انہی لوگوں میں سے ہیں جن کے بارے میں ﴿الَّذِیْنَ اسْتَجَابُوْا﴾ الخ' آیت اتری ہے یعنی حضرت زبیر اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہما جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو احد کی جنگ میں نقصان پہنچا اور مشرکین آگے چلے تو آپ کو خیال ہوا کہ کہیں یہ پھر واپس نہ لوٹیں لہٰذا آپ نے فرمایا کوئی ہے جو ان کے پیچھے جائے اس پر ستر شخص اس کام کے لیے مستعد ہو گئے جن میں ایک حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ تھے' دوسرے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ تھے' [2] یہ روایت اور بہت سی اسناد سے بہت سی کتابوں میں ہے' ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تیرے دونوں باپ ان لوگوں میں سے ہیں لیکن یہ مرفوع بیان کرنا محض خطا ہے اس لیے بھی کہ اس کی اسناد میں ثقہ راویوں کا اختلاف ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس روایت کو موقوفاً لائے ہیں اور معنی کی رو سے بھی اس کا خلاف ثابت ہوتا ہے' حضرت زبیر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے باپ دادا میں سے نہیں صحیح یہ ہے کہ یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھانجے حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہما کے لڑکے عروہ سے کہی ہے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوسفیان کے دل میں رعب ڈال دیا اور باوجود یہ کہ وہ احد کی لڑائی میں قدرے کامیاب ہو گیا تھا لیکن تاہم مکہ کی طرف چل دیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ابوسفیان تمہیں نقصان پہنچا کر لوٹ گیا ہے اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کو مرعوب کر دیا ہے' احد کی لڑائی شوال میں ہوئی تھی اور تاجر لوگ ذی قعدہ میں مدینہ آتے تھے اور بدر صغریٰ میں اپنے ڈیرے ہر سال اس ماہ میں ڈالا کرتے تھے اس دفعہ بھی اس واقعہ کے بعد آئے مسلمان اپنے زخموں میں چور تھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی تکالیف بیان کرتے تھے اور سخت صدمہ میں تھے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو اس بات پر آمادہ کیا کہ وہ آپ کے ساتھ چلیں اور فرمایا کہ یہ لوگ اب کوچ کر جائیں گے اور پھر حج کو آئیں گے اور پھر اگلے سال تک یہ طاقت انہیں حاصل نہیں ہو گی لیکن شیطان نے اپنے دوستوں کو دھمکانا اور بہکانا شروع کر دیا اور کہنے لگا کہ ان لوگوں نے تمہارے استیصال کے لیے لشکر تیار کر لیے ہیں جس بنا پر لوگ ڈھیلے پڑ گئے آپ نے فرمایا سنو! خواہ تم میں سے ایک بھی نہ چلے میں تن تنہا جاؤں گا پھر آپ کے رغبت دلانے پر حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی' حضرت زبیر' حضرت سعد' حضرت طلحہ' حضرت

---

[1] [ضعیف : سیرة ابن هشام (٦١٥/٣) فتح الباری (٣٧٣/٧) تفسیر ابن جریر الطبری (٨٢٣٣) بیهقی فی دلائل النبوة (٣١٤/٣)] اس کی سند میں حسین بن عبداللہ راوی ضعیف ہے۔[التقریب] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب الذین استجابوا للّٰہ وللرسول (٤٠٧٧)]

عبدالرحمٰن بن عوف، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت حذیفہ بن یمان، حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہم وغیرہ ستر صحابہ آپ کے زیر رکاب چلنے پر آمادہ ہوئے۔ یہ مبارک لشکر ابوسفیان کی جستجو میں بدر صغریٰ تک پہنچ گیا انہی کی اس فضیلت اور جاں بازی کا ذکر اس مبارک آیت میں ہے، [1] حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس سفر میں مدینہ سے آٹھ میل حمراءِ اسد تک پہنچ گئے مدینہ میں اپنا نائب آپ نے حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کو بنایا تھا وہاں آپ نے پیر، منگل، بدھ تک قیام کیا پھر مدینہ لوٹ آئے، اثناءِ قیام میں قبیلہ خزاعہ کا سردار معبد خزاعی یہاں سے نکلا تھا یہ خود مشرک تھا لیکن اس پورے قبیلے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صلح وصفائی تھی اس قبیلہ کے مشرک، مومن سب آپ کے خیر خواہ تھے اس نے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں کو جو تکلیف پہنچی اس پر ہمیں سخت رنج ہے اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی کی خوشی نصیب فرمائے، حمراء اسد پر آپ پہنچے مگر اس سے پہلے ابوسفیان چل دیا تھا گو اس نے اور اس کے ساتھیوں نے واپس آنے کا ارادہ کیا تھا کہ جب ہم ان پر غالب آ گئے، انہیں قتل کیا، مارا پیٹا، زخمی کیا پھر ادھورا کام کیوں چھوڑیں؟ واپس جا کر سب کو تہ تیغ کر دیں، یہ مشورے ہو ہی رہے تھے کہ معبد خزاعی وہاں پہنچا ابوسفیان نے اس سے پوچھا کہو کیا خبریں ہیں اس نے کہا آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم مع صحابہ رضی اللہ عنہم کے تم لوگوں کے تعاقب میں آ رہے ہیں وہ لوگ سخت غصے میں ہیں جو پہلے لڑائی میں شریک نہ تھے وہ بھی شامل ہو گئے ہیں سب کے تیور بدلے ہوئے ہیں اور بھرپور طاقت کے ساتھ حملہ آور ہو رہے ہیں میں نے ایسا لشکر کبھی دیکھا نہیں، یہ سن کر ابوسفیان کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے اور کہنے لگا اچھا ہی ہوا جو تم سے ملاقات ہو گئی ورنہ ہم تو خود ان کی طرف جانے کے لیے تیار تھے، معبد نے کہا ہرگز یہ ارادہ نہ کرو اور میری بات کا کیا ہے غالباً تم یہاں سے کوچ کرنے سے پہلے ہی لشکرِ اسلام کے گھوڑوں کو دیکھ لو گے میں ان کے لشکر، ان کے غصے ان کی تیاری اور اولوالعزمی کا حال بیان نہیں کر سکتا میں تو تم سے صاف کہتا ہوں کہ بھاگو اور اپنی جانیں بچاؤ میرے پاس ایسے الفاظ نہیں جن سے میں مسلمانوں کے غیظ وغضب اور تہور وشجاعت اور سختی اور پختگی کا بیان کر سکوں، پس مختصر یہ ہے کہ جان کی خیر مناتے ہو تو فوراً یہاں سے کوچ کرو، ابوسفیان اور اس کے ساتھیوں کے چھکے چھوٹ گئے اور انہوں نے یہاں سے مکہ کی راہ لی، قبیلہ عبدالقیس کے آدمی جو کاروبار کی غرض سے مدینہ جا رہے تھے ان سے ابوسفیان نے کہا کہ تم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچا دینا کہ ہم نے انہیں تہ تیغ کر دینے کے لیے لشکر جمع کر لیے ہیں اور ہم واپس لوٹنے کا ارادہ میں ہیں، اگر تم نے یہ پیغام پہنچا دیا تو ہم تمہیں سوقِ عکاظ میں بہت ساری کشمش دیں گے چنانچہ ان لوگوں نے حمراء اسد میں آ کر بطور ڈراوے کے نمک مرچ لگا کر وحشت اثر خبر سنائی لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہایت استقلال اور بامردی سے جواب دیا کہ ہمیں اللہ کافی ہے اور وہی بہترین کارساز ہے، جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ان کے لیے ایک پتھر کا نشان مقرر کر رکھا ہے اگر یہ لوٹیں گے تو وہاں پہنچ کر اس طرح مٹ جائیں گے جیسے گزشتہ کل کا دن۔ [2]

بعض لوگوں نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ آیت بدر کے بارے میں نازل ہوئی ہے لیکن صحیح تر یہی ہے کہ حمراء اسد کے بارے میں نازل ہوئی۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دشمنوں نے انہیں پژمردہ دل کرنے کے لیے دشمنوں

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸۲۳۸)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸۲٤۳) سیرة ابن هشام (۸۱/۳)]

کے ساز و سامان اور ان کی کثرت و بہتات سے ڈرایا لیکن وہ صبر کے پہاڑ ثابت ہوئے ان کے غیر متزلزل یقین میں کچھ فرق نہ آیا بلکہ وہ تو توکل میں اور بڑھ گئے اور اللہ کی طرف نظریں کر کے اس سے امداد طلب کی، صحیح بخاری شریف میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿حَسْبُنَا اللّٰہُ﴾ الخ، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آگ میں پڑتے وقت پڑھا تھا اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت جبکہ کافروں کے ٹڈی دل لشکر سے لوگوں نے آپ کو خوف زدہ کرنا چاہا اس وقت پڑھا، (١) تعجب کی بات ہے کہ امام حاکم رحمہ اللہ نے اس روایت کو رد کر کے فرمایا ہے کہ یہ بخاری و مسلم میں نہیں۔ بخاری کی ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ آخری کلمہ تھا جو خلیل علیہ السلام کی زبان سے آگ میں پڑتے وقت نکلا تھا، (٢) حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت میں ہے کہ احد کے موقعہ پر جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے لشکروں کی خبر دی گئی تو آپ نے یہی کلمہ فرمایا (٣) اور روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی سرداری کے ماتحت جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر روانہ کیا اور راہ میں خزاعہ کے ایک اعرابی نے یہ خبر سنائی تو آپ نے یہ فرمایا تھا (٤) ابن مردویہ کی حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں جب تم پر کوئی بہت بڑا کام آ پڑے تو تم ﴿حَسْبُنَا اللّٰہُ﴾ آخر تک پڑھو۔ (٥) مسند احمد میں ہے کہ دو شخصوں کے درمیان حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فیصلہ کیا تو جس کے خلاف فیصلہ صادر ہوا تھا اس نے یہی کلمہ پڑھا آپ نے اسے واپس بلا کر فرمایا بزدلی اور سستی پر اللہ کی ملامت ہوتی ہے دانائی، دور اندیشی اور عقل مندی کیا کرو پھر کسی امر میں پھنس جاؤ تو یہی پڑھ لیا کرو، (٦) مسند کی اور حدیث میں ہے کس طرح بے فکر اور فارغ ہو کر آرام پاؤں حالانکہ صاحب صور نے صور منہ میں لے رکھا ہے اور پیشانی جھکائے اللہ کے حکم کا منتظر ہے کہ کب حکم ہو اور وہ صور پھونک دے، صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کیا پڑھیں؟ آپ نے فرمایا ﴿حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ عَلَى اللّٰهِ تَوَكَّلْنَا﴾ پڑھو۔ (٧)

ام المومنین حضرت زینب اور ام المومنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فخر سے فرمایا میرا نکاح خود اللہ نے کر دیا ہے اور تمہارے نکاح ولی وارثوں نے کیے ہیں، صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا میری برأت اور پاکیزگی کی آیات اللہ تعالیٰ نے آسمان سے اپنے پاک کلام میں نازل فرمائی ہیں۔ حضرت زینب رضی اللہ عنہا اسے مان

---

(١) [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب الذین قال لهم الناس (٤٥٦٤) نسائی (١٠١)]

(٢) [أيضا]

(٣) [ضعیف :اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبدالرحیم بن محمد بن زیاد راوی ضعیف ہے۔]

(٤) [ضعیف :اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں محمد بن عبیداللہ بن ابی رافع راوی ضعیف ہے۔]

(٥) [ضعیف :الدر المنثور للسیوطی (١٨١/٢)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

(٦) [ضعیف :مسند احمد (٢٥/٦) نسائی فی السنن (١٠٤٦٢) ابو داؤد : کتاب القضاة : باب الرجل یحلف علی حقه (٣٦٢٧)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابو داود ، الکلم الطیب (١٣٧)]

(٧) [صحیح :ترمذی : کتاب صفة القیامة : باب ماجاء فی شان الصور (٢٤٣١) مسند احمد (٧/٣-٧٣) مستدرك حاکم (٥٥٩/٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی ، السلسلة الصحیحة (٢٠٧٩)] اس کی سند میں عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔]

گئیں اور پوچھا یہ بتاؤ تم نے حضرت صفوان بن معطل رضی اللہ عنہ کی سواری پر سوار ہوتے وقت کیا پڑھا تھا؟ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: ﴿حَسْبِيَ اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ﴾ یہ سن کرام المومنین حضرت زینب رضی اللہ عنہا نے فرمایا تم نے ایمان والوں کا کلمہ کہا تھا۔

چنانچہ اس آیت میں بھی رب رحیم کا ارشاد ہے کہ ان توکل کرنے والوں کی کفایت اللہ تعالیٰ نے کی اور ان کے ساتھ جو لوگ برائی کا ارادہ رکھتے تھے انہیں ذلت اور بربادی کے ساتھ پسپا کیا' یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے اپنے شہروں کی طرف بغیر کسی نقصان اور برائی کے لوٹے دشمن اپنی مکاریوں میں ناکام رہا' ان سے اللہ خوش ہو گیا کیونکہ انہوں نے اس کی خوشی کا کام انجام دیا تھا اللہ تعالیٰ بڑے فضل وکرم والا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ نعمت تو یہ تھی کہ وہ سلامت رہے اور فضل یہ تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تاجروں کے ایک قافلہ سے مال خرید لیا' جس میں بہت ہی نفع ہوا اور اس کل نفع کو آپ نے اپنے ساتھیوں میں تقسیم فرما دیا۔ [1]

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ابوسفیان نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اب وعدے کی جگہ بدر ہے آپ نے فرمایا ممکن ہے چنانچہ وہاں پہنچے تو یہ ڈرپوک آیا ہی نہیں وہاں بازار کا دن تھا مال خرید لیا جو نفع سے بکا اسی کا نام غزوۂ صغریٰ ہے۔ [2]

پھر فرماتا ہے کہ یہ شیطان تھا جو اپنے دوستوں کے ذریعہ تمہیں دھمکا رہا تھا اور گیدڑ بھبکیاں دے رہا تھا تمہیں چاہیے کہ ان سے نہ ڈرو صرف میرا ہی خوف دل میں رکھو کیونکہ ایمان داری کی یہی شرط ہے کہ جب کوئی ڈرائے' دھمکائے اور دینی امور سے تمہیں باز رکھنا چاہے تو مسلمان اللہ پر بھروسہ کرے' اس کی طرف سمٹ جائے اور یقین مانے کہ کافی اور ناصر وہی ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿اَلَيْسَ اللّٰهُ بِكَافٍ عَبْدَهٗ﴾ (الزمر/٣٦) الخ' کیا اللہ جل شانہ اپنے بندوں کو کافی نہیں یہ لوگ تجھے اس کے سوا اوروں سے ڈرا رہے ہیں (یہاں تک کہ فرمایا) تو کہہ کہ مجھے اللہ کافی ہے توکل کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔

اور جگہ فرمایا اولیاءِ شیطان سے لڑو۔ [3] شیطان کا مکر بڑا بودا ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے یہ شیطانی لشکر ہے یاد رکھو شیطانی لشکر ہی گھاٹے اور خسارے میں ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ﴾ (المجادله/ ٢١) الخ' اللہ تعالیٰ لکھ چکا ہے کہ غلبہ یقیناً مجھے اور میرے رسولوں کو ہی ہوگا اللہ قوی اور عزیز ہے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَلَيَنْصُرَنَّ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ﴾ (الحج / ٤٠) الخ' جو اللہ کی مدد کرے گا اللہ اس کی امداد فرمائے گا۔ اور فرمان ہے ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ﴾ (محمد/٧) الخ' اے ایمان والو اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو اللہ تمہاری بھی مدد کرے گا۔ اور آیت میں ﴿اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا﴾ (المؤمن/ ٥١) الخ' بالیقین ہم اپنے رسولوں کی اور ایمان داروں کی مدد دنیا میں بھی کریں گے اور اس دن بھی جس دن گواہ کھڑے ہوں گے جس دن ظالموں کو عذر' معذرت نفع نہ دے گی ان کے لیے لعنت ہے اور ان کے لیے برا گھر ہے۔

---

[1] [ضعیف : بیهقی فی دلائل النبوة (٣/٣١٨)] اس کی سند میں محمد بن نعیم راوی مجہول ہے۔]

[2] [مرسل وضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (٨٢٤٨)]

[3] [سورة النسآء : آیت ٧٦]

وَلَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ ۚ اِنَّهُمْ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا ۗ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَلَّا يَجْعَلَ لَهُمْ حَظًّا فِي الْاٰخِرَةِ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٦﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْــًٔا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿١٧٧﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ ۗ اِنَّمَا نُمْلِيْ لَهُمْ لِيَزْدَادُوْٓا اِثْمًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٧٨﴾ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيَذَرَ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلٰي مَآ اَنْتُمْ عَلَيْهِ حَتّٰى يَمِيْزَ الْخَبِيْثَ مِنَ الطَّيِّبِ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُطْلِعَكُمْ عَلَي الْغَيْبِ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَجْتَبِيْ مِنْ رُّسُلِهٖ مَنْ يَّشَاۗءُ ۠ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَاِنْ تُؤْمِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَلَكُمْ اَجْرٌ عَظِيْمٌ ﴿١٧٩﴾ وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ بِمَآ اٰتٰىھُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ هُوَ خَيْرًا لَّھُمْ ۭ بَلْ ھُوَ شَرٌّ لَّھُمْ ۭ سَيُطَوَّقُوْنَ مَا بَخِلُوْا بِهٖ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ وَلِلّٰهِ مِيْرَاثُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿١٨٠﴾ ع ١٨ ٩

کفر میں آگے بڑھنے والے لوگ تجھے غمناک نہ کریں یقین مان کہ یہ اللہ کا کچھ نہ بگاڑ سکیں گے اللہ کا ارادہ ہے کہ ان کے لیے آخرت کا کوئی حصہ نہ کرے' اور ان کے لیے بڑا عذاب ہے ○ کفر کو ایمان کے بدلے خریدنے والے ہرگز ہرگز اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتے' اور ان ہی کے لیے المناک عذاب ہے' کافر لوگ ہماری دی ہوئی مہلت کو اپنے حق میں بہتر نہ سمجھیں' یہ مہلت تو صرف اس لیے ہے کہ وہ گناہوں میں اور بڑھ جائیں اور ان ہی کے لیے ذلیل کرنے والے عذاب ہیں ○ جس حال پر تم ہو اسی پر اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو چھوڑ نہ دے گا جب تک پاک اور ناپاک کو الگ الگ نہ کر دے' اور نہ اللہ ایسا ہے کہ تمہیں غیب سے آگاہ کر دے بلکہ اللہ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے انتخاب کر لیتا ہے پس تم اللہ پر اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھو' اگر تم ایمان لاؤ اور تقویٰ کرو تو تمہارے لیے بڑا بھاری اجر ہے ○ جنہیں اللہ نے اپنے فضل سے کچھ دے رکھا ہے وہ اس میں اپنی کنجوسی کو اپنے لیے بہتر خیال نہ کریں' بلکہ وہ ان کے لیے نہایت بدتر ہے' عنقریب قیامت والے دن یہ اپنی کنجوسی کی چیز کے طوق ڈالے جائیں گے' آسمانوں کی اور زمین کی میراث اللہ ہی کے لیے ہے' اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس سے اللہ آگاہ ہے ○

نبی کریم کی شفقت: چونکہ جناب رسول اللہ ﷺ لوگوں پر بے حد مشفق و مہربان تھے اس لیے کفار کی بے راہ روی آپ پر گراں گزرتی تھی وہ جوں جوں کفر کی جانب بڑھتے رہتے تھے حضور ﷺ کا دل غمزدہ ہوتا تھا اس لیے جناب باری آپ کو اس سے روکتا ہے اور فرماتا ہے حکمتِ الٰہیہ اسی کی مقتضی ہے ان کا کفر آپ کو یا اللہ کو کوئی نقصان نہیں پہنچائے گا یہ لوگ اپنا اخروی حصہ برباد کر رہے ہیں اور اپنے لیے بہت بڑے عذابوں کو تیار کر رہے ہیں ان کی مخالفت سے اللہ تعالیٰ آپ کو محفوظ رکھے گا آپ ان پر غم نہ کریں۔ پھر فرمایا میرے ہاں کا یہ بھی مقررہ قاعدہ ہے کہ جو لوگ ایمان کو کفر سے بدل ڈالیں وہ بھی میرا کچھ نہیں بگاڑتے بلکہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں اور اپنے لیے

المناک عذاب مہیا کر رہے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ کافروں کا اللہ کی مہلت دینے پر اترانا بیان فرماتے ہیں ارشاد ہے ﴿اَیَحْسَبُوْنَ اَنَّمَا نُمِدُّھُمْ﴾ (المؤمنون / ٥٥) الخ، یعنی کیا کفار کا یہ گمان ہے کہ ان کے مال واولاد کی زیادتی ہماری طرف سے ان کی خیریت کی دلیل ہے؟ نہیں بلکہ وہ بے شعور ہیں۔ اور فرمایا ﴿فَذَرْنِیْ وَمَنْ یُّکَذِّبُ﴾ (القلم / ٤٤) الخ، یعنی مجھے اور اس بات کے جھٹلانے والوں کو چھوڑ دے، ہم انہیں اس طرح آہستہ آہستہ پکڑیں گے کہ انہیں علم بھی نہ ہو۔ اور ارشاد ہے ﴿وَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُھُمْ وَاَوْلَادُھُمْ﴾ (التوبہ / ٨٥) الخ، یعنی ان کے مال اور اولاد سے کہیں تم دھوکے میں نہ پڑ جانا اللہ انہیں ان کے باعث دنیا میں بھی عذاب کرنا چاہتا ہے اور کفر پر ہی انکی جان جائے گی پھر فرماتا ہے کہ یہ طے شدہ امر ہے کہ بعض احکام اور بعض امتحانات سے اللہ جانچ لے گا اور ظاہر کر دے گا کہ اس کا دوست کون ہے؟ اور اس کا دشمن کون ہے؟ مومن صابر اور منافق فاجر بالکل الگ الگ ہو جائیں گے اور صاف نظر آنے لگیں گے۔ اس سے مراد احد کی جنگ کا دن ہے،[1] جس میں ایمانداروں کا صبر واستقامت پختگی اور توکل فرمانبرداری اور اطاعت شعاری اور منافقین کی بے صبری اور مخالفت، تکذیب اور ناموافقت، انکار اور خیانت صاف ظاہر ہو گئی، غرض جہاد کا حکم، ہجرت کا حکم دونوں گویا ایک آزمائش تھی جس نے بھلے برے میں تمیز کر دی۔[2] سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے کہا تھا اگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم سچے ہیں تو ذرا بتائیں ہم میں سے سچا مومن کون ہے اور کون نہیں؟ اس پر آیت ﴿مَا كَانَ اللّٰهُ﴾ الخ، نازل ہوئی۔ (ابن جریر)

پھر فرمان ہے اللہ کے علم غیب کو تم نہیں جان سکتے ہاں وہ ایسے اسباب پیدا کر دیتا ہے کہ مومن اور منافق میں صاف تمیز ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں میں سے جسے چاہے پسندیدہ کر لیتا ہے، جیسے فرمان ہے ﴿عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا﴾ (الجن / ٢٦) اللہ عالم الغیب ہے پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا مگر جس رسول کو پسند کر لے اس کے بھی آگے پیچھے نگہبان فرشتوں کو چلاتا رہتا ہے۔ پھر فرمایا اللہ پر، اس کے پیغمبروں پر ایمان لاؤ یعنی اطاعت کرو شریعت کے پابند رہو یاد رکھو ایمان اور تقوے میں تمہارے لیے اجر عظیم ہے۔

خزانہ اور کوڑھی سانپ: پھر ارشاد ہے کہ بخیل شخص اپنے مال کو اپنے لیے بہتر نہ سمجھے وہ تو اس کے لیے سخت خطرناک چیز ہے، دین میں تو معیوب ہے ہی لیکن بسا اوقات دنیوی طور پر بھی اس کا انجام اور نتیجہ ایسا ہی ہوتا ہے۔ حکم ہے کہ بخیل کے مال کا قیامت کے دن اسے طوق ڈالا جائے گا۔ صحیح بخاری میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جسے اللہ مال دے اور وہ اس کی زکوٰۃ ادا نہ کرے، اور اس کا مال قیامت کے دن گنجا سانپ بن کر جس کی آنکھوں پر دو نشان ہوں گے طوق کی طرح اس کے گلے میں لپٹ جائے گا اور اس کی باچھوں کو چیرتا رہے گا اور کہتا جائے گا کہ میں تیرا مال ہوں، میں تیرا خزانہ ہوں پھر آپ نے اسی آیت ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ﴾ الخ، کی تلاوت فرمائی۔[3] مسند احمد کی ایک حدیث میں یہ بھی ہے کہ یہ بھاگتا پھرے گا اور وہ سانپ اس کے پیچھے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٤٢٤)] [2] [ایضا]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ولا یحسبن الذین یبخلون (٤٥٦٥) نسائی: کتاب الزکاۃ: باب مانع زکاۃ مالہ (٢٤٨٣) مسند احمد (٢/٢٧٩)]

دوڑے گا پھر اسے پکڑ کر طوق کی طرح لپٹ جائے گا اور کاٹتا رہے گا۔ [1] مسند ابو یعلی میں ہے جو شخص اپنے پیچھے خزانہ چھوڑ کر مرے وہ خزانہ ایک کوڑھی سانپ کی صورت میں جس کی دو آنکھوں پر دو نقطے ہوں گے اس کے پیچھے دوڑے گا یہ بھاگے گا اور کہے گا تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں تیرا خزانہ ہوں جسے تو اپنے پیچھے چھوڑ کر مرا تھا یہاں تک کہ وہ اسے پکڑ لے گا اور اس کا ہاتھ چبا جائے گا پھر باقی جسم بھی۔[2] طبرانی کی حدیث میں ہے جو شخص اپنے آقا کے پاس جا کر اس سے اپنی حاجت طلب کرے اور وہ باوجود گنجائش ہونے کے نہ دے اس کے لیے قیامت کے دن زہریلا اژدھا پھن سے پھنکارتا ہوا بلایا جائے گا۔[3] دوسری روایت میں ہے کہ جو رشتہ دار محتاج اپنے مالدار رشتہ دار سے سوال کرے اور یہ اسے نہ دے اس کی سزا یہ ہوگی اور وہ سانپ اس کے گلے کا ہار بن جائے گا۔[4] (ابن جریر) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اہل کتاب جو اپنی کتاب کے احکامات کو دوسروں تک پہنچانے میں بخل کرتے تھے ان کی سزا کا بیان اس آیت میں ہو رہا ہے' لیکن صحیح بات پہلی ہی ہے گو یہ قول بھی آیت کے عموم میں داخل ہے بلکہ یہ بطور اولیٰ داخل ہے واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ آسمانوں اور زمین کی میراث کا مالک اللہ ہی ہے اس نے جو تمہیں دے رکھا ہے اس میں سے اس کے نام پر خرچ کرو تمام کاموں کا مرجع اسی کی طرف ہے سخاوت کرو تا کہ اس دن کام آئے اور خیال رکھو کہ تمہاری نیتوں اور دلی ارادوں اور کل اعمال سے اللہ تعالیٰ خبردار ہے۔

لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ قَوْلَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ فَقِيْرٌ وَّنَحْنُ اَغْنِيَآءُ ۘ سَنَكْتُبُ مَا قَالُوْا وَقَتْلَهُمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوْلُ ذُوْقُوْا عَذَابَ الْحَرِيْقِ ﴿١٨١﴾ ذٰلِكَ بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْكُمْ وَاَنَّ اللّٰهَ لَيْسَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِيْدِ ﴿١٨٢﴾ ۚ اَلَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَآ اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ ۭ قُلْ قَدْ جَاۗءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿١٨٣﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقَدْ كُذِّبَ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ جَاۗءُوْ بِالْبَيِّنٰتِ وَالزُّبُرِ وَالْكِتٰبِ الْمُنِيْرِ ﴿١٨٤﴾

وقف لازم

یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کا قول بھی سنا جنہوں نے کہا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم تونگر ہیں' ان کے اس قول کو ہم لکھ لیں گے اور ان کا انبیاء (علیہم السلام) کو بے وجہ قتل کرنا بھی' اور ہم ان سے کہیں گے کہ جلنے والا عذاب چکھو○ یہ ہے بدلہ اس کا جو تمہارے

---

[1] [صحیح : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة ال عمران (٣٠١٢) ابن ماجه : کتاب الزکاة : باب ماجاء فی منع الزکاة (١٧٨٤) نسائی : کتاب الزکاة : باب التغليظ فی حبس الزکاة (٢٤٤٢) مسند احمد (٩٨/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی، التعليق الرغيب (٦٨/١)]

[2] [جید الاسناد : مستدرك حاكم (٣٨٨/١) طبرانی (١٤٠٨)]

[3] [حسن بالشواهد : تفسير ابن جرير الطبری (٨٢٨٤)]

[4] [موقوف صحیح : تفسير ابن جرير الطبری (٨٢٨١)]

ہاتھوں نے پہلے بھیجا اللہ اپنے بندوں پر ظلم کرنے والا نہیں ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا اللہ نے ہمیں حکم دیا ہے کہ کسی رسول کو نہ مانیں جب تک وہ ہمارے پاس ایسی قربانی نہ لائے جسے آگ کھا جائے' تو کہہ کہ اگر تم سچے ہو تو مجھ سے پہلے تمہارے پاس جو رسول اور معجزوں کے ساتھ یہ بھی لائے جسے تم کہہ رہے ہو پھر تم نے انہیں کیوں مار ڈالا؟ ○ پھر بھی اگر یہ لوگ تجھے جھٹلائیں تو تجھ سے پہلے بھی بہت سے وہ رسول جھٹلائے گئے ہیں جو روشن دلیلیں صحیفے اور منور کتاب لے کر آئے ○

اللہ تعالیٰ کے قرضِ حسنہ کے مطالبہ پر کفار کا رویہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ کون ہے؟ جو اللہ کو قرض حسنہ دے اور وہ اسے زیادہ در زیادہ کر کے دے تو یہود کہنے لگے کہ اے نبی تمہارا رب فقیر ہو گیا ہے اور اپنے بندوں سے قرض مانگ رہا ہے اس پر یہ آیت ﴿لَقَدْ سَمِعَ اللّٰهُ﴾ الخ' نازل ہوئی۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ یہودیوں کے مدرسے میں گئے یہاں کا بڑا معلم فنحاص تھا اور اس کے ماتحت ایک بہت بڑا عالم اشیع تھا لوگوں کا مجمع تھا اور وہ ان سے مذہبی باتیں سن رہے تھے آپ نے فرمایا فنحاص اللہ سے ڈر اور مسلمان ہو جا اللہ کی قسم تجھے خوب معلوم ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں وہ اس کے پاس سے حق لے کر آئے ہیں ان کی صفتیں تورات وانجیل میں تمہارے ہاتھوں میں موجود ہیں تو فنحاص نے جواب میں کہا ابوبکر رضی اللہ عنہ سن! اللہ کی قسم اللہ ہمارا محتاج ہے ہم اس کے محتاج نہیں اس کی طرف اس طرح نہیں گڑگڑاتے جیسے وہ ہماری جانب عاجزی کرتا ہے بلکہ ہم تو اس سے بے پرواہ ہیں ہم غنی اور تونگر ہیں اگر وہ غنی ہوتا تو ہم سے قرض طلب نہ کرتا جیسے کہ تمہارا پیغمبر کہہ رہا ہے ہمیں تو سود سے روکتا ہے اور خود سود دیتا ہے اگر غنی ہوتا تو ہمیں سود کیوں دیتا؟ اس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کو سخت غصہ آیا اور فنحاص کے منہ پر زور سے تھپڑ مارا اور فرمایا اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر تم یہود سے معاہدہ نہ ہوتا تو میں تجھ اللہ کے دشمن کا سر کاٹ دیتا جاؤ بدنصیبو جھٹلاتے ہی رہو اگر سچے ہو۔ فنحاص نے جا کر اس کی شکایت سرکارِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم میں کی آپ نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ اسے کیوں مارا؟ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے واقعہ بیان کیا لیکن فنحاص اپنے قول سے مکر گیا کہ میں نے تو ایسا کہا ہی نہیں۔ اس بارے میں یہ آیت اتری۔ [1]

پھر اللہ تعالیٰ انہیں اپنے عذاب کی خبر دیتا ہے کہ ان کا یہ قول اور ساتھ ہی اسی جیسا ان کا بڑا گناہ یعنی قتل انبیاء علیہم السلام ہم نے ان کے نامہ اعمال میں لکھ لیا ہے۔ ایک طرف ان کا جناب باری تعالیٰ کی شان میں بے ادبی کرنا' دوسری جانب نبیوں کو مار ڈالنا ان کاموں کی وجہ سے انہیں سخت تر سزا ملے گی۔ ان کو ہم کہیں گے کہ جلنے والے عذاب کا ذائقہ چکھو' اور ان سے کہا جائے گا کہ یہ تمہارے پہلے کے کرتوت کا بدلہ ہے یہ کہہ کر انہیں ذلیل ورسوا کن عذاب پر عذاب ہوں گے' یہ سراسر عدل وانصاف ہے اور ظاہر ہے کہ مالک اپنے غلاموں پر ظلم کرنے والا نہیں ہے۔

پھر ان کو ان کے اس خیال میں جھوٹا ثابت کیا جا رہا ہے جو یہ کہتے تھے کہ آسمانی کتابیں جو پہلے نازل ہوئیں ان میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں یہ حکم دے رکھا ہے کہ جب تک کوئی رسول ہمیں یہ معجزہ نہ دکھائے کہ اس کی امت میں

---

[1] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (٨٣٠٠)] اس کی سند میں محمد بن ابی محمد راوی مجہول ہے۔]

سے جو شخص قربانی کرے اس کی قربانی کو کھا جانے کے لیے آسمان سے قدرتی آگ آئے اور کھا جائے ان کے اس قول کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ پھر اس معجزے والے پیغمبروں کو جو اپنے ساتھ دلائل اور براہین لے کر آئے تھے تم نے کیوں مار ڈالا؟ انہیں تو اللہ تعالیٰ نے یہ معجزہ بھی دے رکھا تھا کہ ہر ایک قبول شدہ قربانی کو آسمانی آگ کھا جاتی تھی لیکن تم نے انہیں بھی سچا نہ جانا' ان کی بھی مخالفت اور دشمنی کی بلکہ انہیں قتل کر ڈالا' اس سے صاف ظاہر ہے کہ تمہیں تمہاری اپنی بات کا بھی پاس ولحاظ نہیں لہٰذا تم حق کے ساتھی ہو' نہ کسی نبی کے ماننے والے ہو۔ تم یقیناً جھوٹے ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ ان کے جھٹلانے سے آپ تنگ دل اور غمناک نہ ہوں اگلے اولوالعزم پیغمبروں کے واقعات کو اپنے لیے باعثِ تسلی بنائیں کہ وہ بھی باوجود دلیلیں ظاہر کر دینے کے اور باوجود اپنی حقانیت کو بخوبی واضح کر دینے کے پھر بھی جھٹلائے گئے ﴿زُبُر﴾ سے مراد آسمانی کتابیں ہیں جو ان صحیفوں کی طرح آسمان سے آئیں جو رسولوں پر اتاری گئی تھیں اور ﴿مُنِیْر﴾ سے مراد واضح جلی اور روشن اور چمکیلی ہیں۔

كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ ۗ وَاِنَّمَا تُوَفَّوْنَ اُجُوْرَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۗ فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ ۗ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ ﴿١٨٥﴾ لَتُبْلَوُنَّ فِيْٓ اَمْوَالِكُمْ وَاَنْفُسِكُمْ ۣ وَلَتَسْمَعُنَّ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْٓا اَذًى كَثِيْرًا ۭ وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ ﴿١٨٦﴾

ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے' قیامت کے دن تم اپنے بدلے پورے پورے دیئے جاؤ گے' پس جو شخص آگ سے ہٹا دیا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے بیشک وہ کامیاب ہو گیا اور دنیا کی زندگی تو صرف دھوکے کی جنس ہے ○ یقیناً تمہارے مالوں اور جانوں میں تمہاری آزمائش کی جائے گی اور یہ بھی یقینی ہے کہ تمہیں ان لوگوں کی جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے اور مشرکوں کی بہت سی دکھ دینے والی باتیں بھی سننی پڑیں گی' اگر تم صبر کر لو اور پرہیز گاری اختیار کرو تو یقیناً یہ بہت بڑی ہمت کا کام ہے ○

موت ہر جاندار کے لیے: تمام مخلوق کو عام اطلاع ہے کہ ہر جاندار مرنے والا ہے۔ جیسے فرمایا ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ○ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (الرحمن / ٢٧-٢٦) یعنی اس زمین پر جتنے ہیں سب فانی ہیں صرف رب کا چہرہ باقی ہے جو بزرگی اور انعام والا ہے' پس صرف وہی اللہ وحدہ لاشریک ہمیشہ کی زندگی والا ہے جو کبھی فنا نہ ہو گا' جن' انسان کل کے کل مرنے والے ہیں اسی طرح فرشتے اور حاملانِ عرش بھی مر جائیں گے' اور صرف اللہ وحدہ لاشریک دوام اور بقا والا باقی رہ جائے گا پہلے بھی وہی تھا اور آخر بھی وہی رہے گا' جب سب مر جائیں گے مدت ختم ہو جائے گی صلبِ آدم سے جتنی اولاد ہونے والی تھی ہو چکی اور پھر سب موت کے گھاٹ اتر گئے مخلوقات کا خاتمہ ہو گیا اس وقت اللہ تعالیٰ قیامت قائم کرے گا اور مخلوق کو ان کے کل اعمال کے چھوٹے بڑے' چھپے کھلے' صغیرہ کبیرہ سب کی جزا سزا ملے گی کسی پر ذرہ برابر ظلم نہ ہو گا یہی اس کے بعد کے جملہ میں

فرمایا جارہا ہے، حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضور ﷺ کے انتقال کے بعد ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ گویا کوئی آ رہا ہے ہمیں پاؤں کی چاپ سنائی دیتی تھی لیکن کوئی شخص دکھائی نہیں دیتا تھا اس نے آ کر کہا اے اہل بیت! تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت و برکت، ہر جان موت کا مزہ چکھنے والی ہے تم سب کو تمہارے اعمال کا بدلہ پورا پورا قیامت کے دن دیا جائے گا ہر مصیبت کی تلافی اللہ کے پاس ہے، ہر مرنے والے کا بدلہ ہے اور ہر فوت ہونے والے کا اپنی گم شدہ چیز کو پالینا ہے اللہ ہی پر بھروسہ رکھو اسی سے بھلی امیدیں رکھو سمجھ لو کہ سچ مچ مصیبت زدہ وہ شخص ہے جو ثواب سے محروم رہ جائے تم پر اللہ کی طرف سے سلامتی نازل ہو اور اس کی رحمتیں اور برکتیں۔ (ابن ابی حاتم) حضرت علی رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ یہ خضر علیہ السلام تھے۔ [1]

حقیقت یہ ہے کہ پورا کامیاب وہ انسان ہے جو جہنم سے نجات پالے اور جنت میں چلا جائے، حضور ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک کوڑے جتنی جگہ مل جانا دنیا و مافیہا سے بہتر ہے اگر تم چاہو تو پڑھو ﴿فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ﴾ آخری ٹکڑے کے بغیر یہ حدیث بخاری و مسلم وغیرہ میں بھی ہے [2] اور کچھ زیادہ الفاظ کے ساتھ ابن حبان میں ہے [3] اور ابن مردویہ میں بھی رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے جس کی خواہش آگ سے بچ جانے اور جنت میں داخل ہو جانے کی ہو اسے چاہیے کہ مرتے دم تک اللہ پر اور قیامت پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ سلوک کرے جسے خود اپنے لئے پسند کرتا ہو [4] یہ حدیث پہلے آیت ﴿وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ﴾ (ال عمران / ١٠٢) کی تفسیر میں گزر چکی ہے، مسند احمد میں بھی اور وکیع بن جراح کی تفسیر میں بھی یہی حدیث ہے۔ اس کے بعد دنیا کی حقارت اور ذلت بیان ہو رہی ہے کہ یہ نہایت ذلیل فانی اور زوال پذیر چیز ہے۔ ارشاد ہے ﴿بَلْ تُؤْثِرُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ وَّاَبْقٰى﴾ (الاعلیٰ / ١٦۔١٧) یعنی تم تو دنیا کی زندگی پر ریجھے جاتے ہو حالانکہ دراصل بہتری اور بقا والی چیز آخرت ہے، دوسری آیت میں ہے تمہیں جو کچھ دیا گیا ہے یہ تو حیاتِ دنیا کا فائدہ ہے اور اس کی بہترین زینت اور باقی رہنے والی تو وہ زندگی ہے جو اللہ کے پاس ہے، حدیث شریف میں ہے اللہ کی قسم دنیا آخرت کے مقابلہ میں صرف ایسی ہی ہے جیسے کوئی شخص اپنے انگلی سمندر میں ڈبو لے اس انگلی کے پانی کو سمندر کے پانی کے مقابلہ میں کیا نسبت ہے؟ آخرت کے مقابلہ میں دنیا ایسی ہی ہے، [5] حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا ارشاد ہے دنیا کیا ہے؟ ایک یونہی دھوکے کی جگہ

---

[1] [موضوع و باطل : تفسیر ابن ابی حاتم (٤٦٠٩/٣) البداية والنهاية (٢٩٧/٥)] یہ روایت باطل ہے کیونکہ اس کی سند میں علی بن ابی علی ہاشمی راوی متروک ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اسے موضوع کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة ال عمران (٣٠١٣) مسند احمد (٤٣٨/٢) ابن حبان (٧٤١٧) مستدرك حاكم (٢٩٩/٢) صحيح بخاری : کتاب الجهاد (٢٧٩٣) و کتاب بدء الخلق (٣٢٥٣) السلسلة الصحيحة (١٩٨٧)]

[3] [صحیح : صحيح ابن حبان (٧٤١٧) مستدرك حاكم (٢٩٩/٢)]

[4] [صحیح : مسند احمد (١٩٢/٢) صحيح مسلم : کتاب الامارة (٢٣٢٣) مسند احمد (١٦٦/٢)]

[5] [صحیح : صحيح مسلم : كتاب الجنة و نعيمها : باب فناء الدنيا و بيان الحشر يوم القيامة (٢٨٥٨) ابن ماجه : كتاب الزهد : باب مثل الدنيا (٤١٠٨)]

ہے جسے چھوڑ چھاڑ کر تمہیں چل دینا ہے اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی لائق عبادت نہیں کہ یہ عنقریب تم سے جدا ہونے والی اور برباد ہونے والی چیز ہے پس تمہیں چاہیے کہ ہوش مندی برتو اور یہاں اللہ کی اطاعت کرلو اور طاقت بھر نیکیاں کمالو اللہ کی دی ہوئی طاقت کے بغیر کوئی کام نہیں بنتا۔

آزمائشوں پر صبر کی تلقین: پھر انسانی آزمائش کا ذکر ہو رہا ہے جیسے ارشاد ہے ﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ﴾ (البقرہ/١٥٥) الخ، مطلب یہ ہے کہ مومن کا امتحان ضرور ہوتا ہے کبھی جانی، کبھی مالی، کبھی اہل و عیال میں، کبھی اور کسی طرح یہ آزمائش دینداری کے انداز کے مطابق ہوتی ہے، سخت دیندار کی ابتلاء بھی سخت اور کمزور دین والے کا امتحان بھی کمزور۔ پھر پروردگار جل شانہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو خبر دیتا ہے کہ بدر سے پہلے مدینہ میں تمہیں اہل کتاب سے اور مشرکوں سے دکھ دینے والی باتیں اور سرزنش سننی پڑے گی، پھر تسلی دیتا ہوا طریقہ سکھاتا ہے کہ تم صبر و ضبط کرلیا کرو اور پرہیزگاری برتو یہ بڑا بھاری کام ہے، حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم مشرکین سے اور اہل کتاب سے بہت کچھ درگزر فرمایا کرتے تھے اور ان کی ایذاؤں کو برداشت کرلیا کرتے تھے اور رب کریم کے اس فرمان پر عامل تھے یہاں تک کہ جہاد کی آیتیں اتریں، صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر کے موقعہ پر ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گدھے پر سوار ہو کر حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ کو اپنے پیچھے بٹھا کر حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ کی عیادت کے لیے بنو حارث بن خزرج کے قبیلے میں تشریف لے چلے یہ واقعہ جنگ بدر سے پہلے کا ہے راستہ میں ایک مخلوط مجلس بیٹھی ہوئی ملی جس میں مسلمان بھی تھے یہودی بھی تھے، مشرکین بھی تھے اور عبداللہ بن ابی ابن سلول بھی تھا یہ بھی اب تک کفر کے کھلے رنگ میں تھے مسلمانوں میں حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ بھی تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری سے گرد و غبار جو اڑا تو عبداللہ بن ابی ابن سلول نے ناک پر کپڑا رکھ لیا اور کہنے لگا غبار نہ اڑاؤ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پاس پہنچ ہی چکے تھے سواری سے اتر آئے سلام کیا اور انہیں اسلام کی دعوت دی اور قرآن کی چند آیتیں سنائیں تو عبداللہ بول پڑا سنیے صاحب! آپ کا یہ طریقہ ہمیں پسند نہیں آپ کی باتیں حق ہی سہی لیکن اس کی کیا وجہ؟ کہ آپ ہماری مجلسوں میں آ کر ہمیں ایذاء دیں اپنے گھر جائیے جو آپ کے پاس آئے اسے سنائیے۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بیشک آپ ہماری مجلسوں میں تشریف لایا کریں ہمیں تو اس کی عین چاہت ہے اب ان کی آپس میں خوب جھڑپ ہوئی ایک دوسرے کو برا بھلا کہنے لگے اور قریب تھا کہ کھڑے ہو کر لڑنے لگیں لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سمجھانے بجھانے سے آخر امن و امان ہو گیا اور سب خاموش ہو گئے آپ اپنی سواری پر سوار ہو کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے ہاں تشریف لے گئے اور وہاں جا کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ابو حباب عبداللہ بن ابی ابن سلول نے آج تو اس طرح کیا حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ جانے دیجیے معاف کیجیے اور درگزر کیجیے قسم اللہ کی جس نے آپ پر قرآن اتارا اسے آپ سے اس لیے بے حد دشمنی ہے اور ہونی چاہیے کہ یہاں کے لوگوں نے اسے سردار بنانا چاہا تھا اسے چودھراہٹ کی پگڑی بندھوانے کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ ادھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو اپنا نبی برحق بنا کر بھیجا لوگوں نے آپ کو نبی مانا اس کی سرداری جاتی رہی جس کا اسے رنج ہے اسی باعث یہ اپنے جلے دل کے پھپھولے پھوڑ رہا ہے جو کہہ دیا

کہہ دیا آپ اسے اہمیت نہ دیں چنانچہ حضور ﷺ نے درگزر کر لیا اور یہی آپ کی عادت تھی اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کی بھی، یہودیوں سے، مشرکوں سے درگزر فرماتے سنی ان سنی کر دیا کرتے اور اس فرمان پر عمل کرتے، یہی حکم آیت ﴿وَدَّ كَثِيرٌ﴾ [1] الخ، میں ہے جو حکم عفو و درگزر کا اس آیت ﴿وَلَتَسْمَعُنَّ﴾ الخ، میں ہے۔

اس کے بعد آپ کو جہاد کی اجازت دی گئی اور پہلا غزوہ بدر کا ہوا جس میں لشکرِ کفار کے سرداران قتل وغارت ہوئے یہ حالت اور شوکتِ اسلام دیکھ کر اب عبداللہ بن ابی ابن سلول اور اس کے ساتھی گھبرائے بجز اس کے کوئی چارہ کار انہیں نظر نہ آیا کہ بیعت کر لیں اور بظاہر مسلمان ہو جائیں۔ [2] بس یہ کلیہ قاعدہ یاد رکھنا چاہیے کہ ہر حق والے پر جو نیکی اور بھلائی کا حکم کرتا رہے اور جو برائی اور خلافِ شرع کام سے روکتا رہے اس پر ضرور مصیبتیں اور آفتیں آتی ہیں اسے چاہیے کہ ان تمام تکلیفوں کو جھیلے اور اللہ کی راہ میں صبر وضبط سے کام لے اسی کی پاک ذات پر بھروسہ رکھے اسی سے مدد طلب کرتا رہے اور اپنی کامل توجہ اور پورا رجوع اسی کی طرف رکھے۔

وَإِذْ أَخَذَ اللَّهُ مِيثَاقَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ لَتُبَيِّنُنَّهُ لِلنَّاسِ وَلَا تَكْتُمُونَهُ فَنَبَذُوهُ وَرَاءَ ظُهُورِهِمْ وَاشْتَرَوْا بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۖ فَبِئْسَ مَا يَشْتَرُونَ ﴿١٨٧﴾ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِينَ يَفْرَحُونَ بِمَا أَتَوْا وَيُحِبُّونَ أَنْ يُحْمَدُوا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِنَ الْعَذَابِ ۖ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿١٨٨﴾ وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٨٩﴾ ع ١٠

اللہ تعالیٰ نے جب اہل کتاب سے عہد لیا کہ تم اسے سب لوگوں سے بیان کرتے رہا کرو اور اسے چھپاؤ نہیں پھر بھی لوگوں نے اس عہد کو اپنی پیٹھ پیچھے ڈال دیا اور اسے بہت کم قیمت پر بیچ ڈالا ان کا یہ بیوپار بہت برا ہے○ وہ لوگ جو اپنے کرتوتوں پر خوش ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو انہوں نے نہیں کیا اس پر بھی ان کی تعریفیں کی جائیں تو انہیں عذاب سے چھٹکارہ میں نہ سمجھ۔ ان کے لئے دردناک عذاب ہے○ آسمانوں اور زمینوں کا مالک اللہ ہی ہے۔ اور اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے○

بری خرید و فروخت: اللہ تعالیٰ یہاں اہل کتاب کو ڈانٹ رہا ہے کہ پیغمبروں کی وساطت سے جو عہد ان کا جناب باری سے ہوا تھا کہ حضور پیغمبر الزمان ﷺ پر ایمان لائیں گے اور آپ کے ذکر کو اور آپ کی بشارت کی پیش گوئی کو لوگوں میں پھیلائیں گے انہیں آپ کی تابعداری پر آمادہ کریں گے اور پھر جس وقت آپ آ جائیں تو دل سے آپ کے تابعدار ہو جائیں گے، لیکن انہوں نے اس عہد کو چھپا لیا اور اللہ تعالیٰ نے اس کے ظاہر کرنے پر جن دنیا اور آخرت کی بھلائیوں کا ان سے وعدہ کیا تھا ان کے بدلے دنیا کی تھوڑی سی پونجی میں الجھ کر رہ گئے ان کی یہ خرید و فروخت بد سے بدتر ہے، اس میں علماء کو تنبیہ ہے کہ وہ ان کی طرح نہ کریں ورنہ ان پر بھی وہی سزا ہوگی جو ان کو ملی اور انہیں بھی اللہ کی وہ ناراضگی اٹھانی

---

[1] [سورة البقرة : ١٠٩]

[2] [صحيح: صحيح بخاری : كتاب التفسير : باب ولتسمعن من الذين اوتو الكتب (٤٥٦٦) صحيح مسلم : كتاب الجهاد : باب فی دعاء النبی وصبره (١٧٩٨) مسند احمد (٢٠٣/٥)]

پڑے گی جو انہوں نے اٹھائی۔ علماء کرام کو چاہیے کہ ان کے پاس جو نفع دینے والا دینی علم ہو جس سے لوگ نیک عمل جم کر کر سکتے ہوں اسے پھیلاتے رہیں اور کسی بات کو نہ چھپائیں، حدیث شریف میں ہے جس شخص سے علم کا کوئی مسئلہ پوچھا جائے اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن آگ کی لگام پہنایا جائے گا۔[1]

دوسری آیت میں ریاکاروں کی مذمت بیان ہو رہی ہے، بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے جو شخص جھوٹا دعویٰ کر کے زیادہ مال کمانا چاہے اسے اللہ تعالیٰ اور کم کر دے گا۔[2] بخاری و مسلم کی دوسری حدیث میں ہے جو نہ دیا گیا ہو اس کے ساتھ آسودگی جتانے والا دو جھوٹے کپڑے پہننے والے کی مثل ہے۔[3] مسند احمد میں ہے کہ ایک مرتبہ مروان نے اپنے دربان رافع سے کہا کہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ اگر اپنے کام پر خوش ہونے اور نہ کیے ہوئے کام پر تعریف پسند کرنے کے باعث اللہ کا عذاب ہوگا تو ہم میں سے کوئی اس سے چھٹکارا نہیں پا سکتا، حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ تمہیں اس آیت سے کیا تعلق؟ یہ تو اہل کتاب کے بارے میں ہے۔ پھر آپ نے ﴿وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ﴾ سے اس آیت کے ختم تک تلاوت کی اور فرمایا کہ ان سے نبی ﷺ نے کسی چیز کے بارے میں سوال کیا تھا تو انہوں نے اس کا کچھ اور ہی غلط جواب دیا اور باہر نکل کر گمان کرنے لگے کہ ہم نے آپ کے سوال کا جواب دے دیا جس کی وجہ سے آپ کے پاس ہماری تعریف ہوگی اور سوال کے اصلی جواب کے چھپا لینے اور اپنے جھوٹے فقرہ چل جانے پر بھی خوش تھے، اسی کا بیان اس آیت میں ہے، یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے۔[4] اور صحیح بخاری شریف میں بھی ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ میدانِ جنگ میں تشریف لے جاتے تو منافقین اپنے گھروں میں گھسے بیٹھے رہتے ساتھ نہ جاتے پھر خوشیاں مناتے کہ ہم لڑائی سے بچ گئے اب جب اللہ کے نبی ﷺ واپس لوٹتے تو یہ باتیں بناتے جھوٹے سچے عذر پیش کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے معذور ہونے کا آپ کو یقین دلاتے اور چاہتے کہ نہ کیے ہوئے کام پر بھی ہماری تعریفیں ہوں جس پر یہ آیت اتری۔[5]

تفسیر ابن مردویہ میں ہے کہ مروان نے حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ سے اس آیت کے بارے میں اسی طرح سوال

---

[1] [حسن صحیح : ابوداؤد : کتاب العلم : باب کراهية منع العلم (٣٦٥٨) ابن ماجه : کتاب السنة : باب من سئل عن علم فکتمه (٢٦١) ترمذی : کتاب العلم : باب ماجآء فی کتمان العلم (٢٦٤٩)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود، صحیح ترمذی]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان غلط التحریم قتل الانسان نفسه (١١٠)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب المتشبع بمالم ینل (٥٢١٩) صحیح مسلم : کتاب اللباس : باب النهی عن التزویر فی اللباس (٢١٢٩) ابوداؤد : کتاب الادب : باب من یتشبع بما لم یعط (٤٩٩٧) مسند احمد (٣٤٦/٦)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب لا تحسبن الذین یفرحون بما اتو (٤٥٦٨) صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین واحکامهم (٢٧٧٨) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن (٣٠١٤) مسند احمد (٢٩٨/١)]

[5] [صحیح : بخاری (٤٥٦٧) صحیح مسلم (٢٧٧٧)]

کیا تھا جس طرح اوپر گزرا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پچھوایا تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے اس کا مصداق اور اس کا شانِ نزول ان منافقوں کو قرار دیا جو غزوہ کے وقت بیٹھ جاتے اگر مسلمانوں کو نقصان پہنچا تو بغلیں بجاتے اگر فائدہ ہوا تو اپنا معذور ہونا ظاہر کرتے اور فتح و نصرت کی خوشی کا اظہار کرتے اس پر مروان نے کہا کہاں یہ واقعہ کہاں یہ آیت؟ تو حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ زید بن ثابت رضی اللہ عنہ بھی اس سے واقف ہیں مروان نے حضرت زید رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے بھی اس کی تصدیق کی پھر حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس کا علم حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کو بھی ہے جو مجلس میں موجود تھے لیکن انہیں ڈر ہے کہ اگر یہ خبر کر دیں گے تو آپ ان کی اونٹنیاں جو صدقہ کی ہیں چھین لیں گے باہر نکل کر حضرت زید رضی اللہ عنہ نے کہا میری شہادت پر تم میری تعریف نہیں کرتے؟ حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچی شہادت ادا کر دی تو حضرت زید رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر میں بھی سچی شہادت دینے پر مستحق تعریف تو ہوں مروان اس زمانہ میں مدینہ کا امیر تھا' دوسری روایت میں ہے کہ مروان کا یہ سوال رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے ہی پہلے ہوا تھا' اس سے پہلے کی روایت میں گزر چکا ہے کہ مروان نے اس آیت کی بابت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے پچھوایا تھا تو یاد رہے کہ ان دونوں میں کوئی تضاد اور نفی کا عنصر نہیں ہم کہہ سکتے ہیں کہ آیت عام ہے اس میں بھی شامل ہے اور اس میں بھی' مروان والی روایت میں بھی ممکن ہے پہلے ان دونوں صاحبوں نے جواب دیئے پھر مزید تشفی کے طور پر حبر الامہ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروان نے بذریعہ اپنے آدمی کے سوال کیا ہو' واللہ اعلم۔

حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ خدمت نبوی میں حاضر ہو کر عرض کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تو اپنی ہلاکت کا بڑا اندیشہ ہے آپ نے فرمایا کیوں؟ جواب دیا ایک تو اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے اس بات سے روکا ہے کہ جو نہ کیا ہو اس پر تعریف کو پسند کریں اور میرا یہ حال ہے کہ میں تعریف پسند کرتا ہوں' دوسری روایت یہ ہے کہ تکبر سے اللہ نے روکا ہے اور میں جمال کو پسند کرتا ہوں تیسرے یہ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز سے بلند آواز کرنا ممنوع ہے اور میں بلند آواز ہوں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا تو اس بات سے خوش نہیں؟ کہ تیری زندگی بہترین اور باخیر ہو اور تیری موت شہادت کی موت ہو اور تو جنتی بن جائے خوش ہو کر کہنے لگے کیوں نہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو بہت ہی اچھی بات ہے چنانچہ یہی ہوا کہ آپ کی زندگی انتہائی اچھی گزری اور موت شہادت کی نصیب ہوئی' مسیلمہ کذاب کے ساتھ مسلمانوں کی جنگ میں آپ نے شہادت پائی۔[1] ﴿تَحْسَبَنَّهُمْ﴾ کو ﴿يَحْسَبَنَّهُمْ﴾ پڑھا گیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ تو انہیں عذاب سے نجات پانے والے خیال نہ کر' انہیں عذاب ضرور ہوگا اور وہ بھی دردناک۔ پھر ارشاد ہے کہ ہر چیز کا مالک اور ہر چیز پر قادر اللہ تعالیٰ ہے اسے کوئی کام عاجز نہیں کر سکتا پس تم اس سے ڈرتے رہو اور اس کی مخالفت نہ کرو' اس کے غضب سے بچنے کی کوشش کرو اس کے عذابوں سے اپنا بچاؤ کر لو نہ تو کوئی اس سے بڑا' نہ اس سے زیادہ قدرت والا۔

---

[1] [حسن: مستدرك حاكم (٣/٢٣٤) طبراني كبير (١٣١١) صحيح ابن حبان (٧١٦٧) ابو نعيم في الحلية (٥٢٠)] امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اسے مرسل ہونے کی بنا پر ضعیف قرار دیتے ہیں۔]

اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ لَاٰيٰتٍ لِّاُولِي الْاَلْبَابِ ﴿١٩٠﴾ الَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيٰمًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ وَيَتَفَكَّرُوْنَ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ رَبَّنَا مَا خَلَقْتَ هٰذَا بَاطِلًا ۚ سُبْحٰنَكَ فَقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿١٩١﴾ رَبَّنَآ اِنَّكَ مَنْ تُدْخِلِ النَّارَ فَقَدْ اَخْزَيْتَهٗ ۭ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿١٩٢﴾ رَبَّنَآ اِنَّنَا سَمِعْنَا مُنَادِيًا يُّنَادِيْ لِلْاِيْمَانِ اَنْ اٰمِنُوْا بِرَبِّكُمْ فَاٰمَنَّا ڰ رَبَّنَا فَاغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَكَفِّرْ عَنَّا سَيِّاٰتِنَا وَتَوَفَّنَا مَعَ الْاَبْرَارِ ﴿١٩٣﴾ رَبَّنَا وَاٰتِنَا مَا وَعَدْتَّنَا عَلٰى رُسُلِكَ وَلَا تُخْزِنَا يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ اِنَّكَ لَا تُخْلِفُ الْمِيْعَادَ ﴿١٩٤﴾

آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے ہیر پھیر میں یقیناً عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں○ جو اللہ کا ذکر کرتے ہیں کھڑے اور بیٹھے اور اپنی کروٹوں پر لیٹے اور آسمان وزمین کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں' (اور کہتے ہیں) اے ہمارے پروردگار تو نے یہ بے فائدہ نہیں بنایا' تو پاک ہے پس ہمیں عذاب آگ سے بچا لے○ اے ہمارے پالنے والے تو جسے جہنم میں ڈالے یقیناً تو نے اسے رسوا کیا' اور ظالموں کا مددگار کوئی نہیں○ اے ہمارے رب ہم نے سنا کہ منادی کرنے والا باآواز بلند ایمان کی طرف بلا رہا ہے کہ لوگو اپنے رب پر ایمان لاؤ پس ہم ایمان لائے اے اللہ! اب تو ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری برائیاں ہم سے دور کر اور ہماری موت نیک لوگوں کے ساتھ کر○ اے ہمارے پرورش کرنے والے ہمیں وہ دے جس کا وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں کی زبانی کیا ہے۔ اور ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر' یقیناً تو وعدہ خلافی نہیں کرتا○

غور وفکر کی دعوت: طبرانی میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قریش یہودیوں کے پاس گئے اور ان سے پوچھا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام تمہارے پاس کیا کیا معجزات لے کر آئے تھے؟ انہوں نے کہا اژدھا بن جانے والی لکڑی اور چمکیلا ہاتھ' پھر نصرانیوں کے پاس گئے ان سے کہا تمہارے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام کیا نشانیاں لائے تھے؟ جواب ملا کہ مادرزاد اندھوں کو بینا کر دینا اور کوڑھی کو اچھا کر دینا اور مردوں کو زندہ کر دینا۔ اب یہ قریش آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے اور آپ سے کہا اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے ہمارے لئے صفا پہاڑ کو سونے کا بنا دے آپ نے دعا کی جس پر یہ آیت ﴿اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ الخ' اتری [1] یعنی نشانِ قدرت دیکھنے والوں کے لئے اسی میں بڑی نشانیاں ہیں یہ اسی میں غور وفکر کریں گے تو ان قدرتوں والے اللہ تعالیٰ کے سامنے جھک جائیں گے' لیکن اس روایت میں ایک اشکال ہے وہ یہ کہ یہ سوال مکہ شریف میں ہوا تھا اور یہ آیت مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ واللہ اعلم ۔ آیت کا مطلب یہ ہے کہ آسمان جیسی بلند اور وسعت مخلوق اور زمین جیسی پست اور سخت لمبی

---

[1] **[ضعیف:** طبرانی کبیر (١٢٣٢٢/١٢) تفسیر ابن ابی حاتم (٤٦٥٥/٣) الدر المنثور للسیوطی (١٩٣/٢)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند میں یحییٰ حمانی راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (١٠٩١٣)] مزید دیکھئے: فتح الباری (٢٣٥/٨)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

چوڑی مخلوق پھر آسمان میں بڑی بڑی نشانیاں مثلاً چلنے پھرنے والے اور ایک جا ٹھہرنے والے ستارے اور زمین کی بڑی بڑی پیدوار مثلاً پہاڑ، جنگل، درخت، گھاس، کھیتیاں، پھل اور مختلف قسم کے جاندار، کانیں، الگ الگ ذائقے والے اور طرح طرح کی خوشبوؤں والے اور مختلف خواص والے میوے وغیرہ کیا یہ سب آیاتِ قدرت ایک سوچ سمجھ والے انسان کی رہبری اللہ عزوجل کی طرف نہیں کر سکتیں؟ جو اور نشانیاں دیکھنے کی ضرورت باقی رہے؟ پھر دن رات کا آنا جانا اور ان کا کم زیادہ ہونا پھر برابر ہو جانا یہ سب اس عزیز و حلیم اللہ عزوجل کی قدرت کاملہ کی پوری پوری نشانیاں ہیں جو پاک نفس والے ہر چیز کی حقیقت پر نظریں ڈالنے کے عادی ہیں اور بیوقوفوں کی طرح آنکھ کے اندھے اور کان کے بہرے نہیں، جن کی حالت اور جگہ بیان ہوئی ہے کہ وہ آسمان اور زمین کی بہت سی نشانیاں پیروں تلے روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں اور غور و فکر نہیں کرتے، ان میں اکثر باوجود اللہ تعالیٰ کو ماننے کے پھر بھی شرک سے نہیں بچ سکتے۔ اب ان عقلمندوں کی صفتیں بیان ہو رہی ہیں کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے، لیٹتے اللہ کا نام لیا کرتے ہیں۔

بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھا کرو اگر طاقت نہ ہو تو بیٹھ کر اور یہ بھی نہ ہو سکے تو لیٹے لیٹے ہی سہی[1] یعنی کسی حالت میں اللہ عزوجل کے ذکر سے غافل مت رہو دل میں اور پوشیدہ اور زبان سے اللہ تعالیٰ کا ذکر کرتے رہا کرو، یہ لوگ آسمان اور زمین کی پیدائش میں نظریں دوڑاتے ہیں اور ان کی حکمتوں پر غور کرتے ہیں جو اس خالق یکتا کی عظمت و قدرت، علم و حکمت، اختیارِ رحمت پر دلالت کرتی ہیں، حضرت شیخ ابو سلیمان درانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں گھر سے نکل کر جس جس چیز پر میری نظر پڑتی ہے میں دیکھتا ہوں کہ اس میں اللہ کی ایک نعمت مجھ پر موجود ہے اور میرے لئے وہ باعث عبرت ہے، حضرت امام حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ایک ساعت غور و فکر کرنا رات بھر کے قیام کرنے سے افضل ہے، حضرت فضیل رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن رحمہ اللہ کا قول ہے کہ غور و فکر اور مراقبہ ایک آئینہ ہے جو تیرے سامنے تیری برائیاں بھلائیاں پیش کر دے گا، حضرت سفیان بن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں غور و فکر ایک نور ہے جو تیرے دل پر اپنا پرتو ڈالے گا اور بسا اوقات یہ بیت پڑھتے:

اِذَا الْمَرْءُ كَانَتْ لَهٗ فِكْرَةٌ   فَفِيْ كُلِّ شَيْءٍ لَّهٗ عِبْرَةٌ

یعنی جس انسان کو باریک بینی اور سوچ سمجھ کی عادت پڑ گئی اسے ہر چیز میں ایک عبرت اور آیت نظر آتی ہے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں خوش نصیب ہے وہ شخص جس کا بولنا ذکر اللہ اور نصیحت ہو اور اس کا چپ رہنا غور و فکر ہو اور اس کا دیکھنا عبرت اور تنبیہ ہو، لقمان حکیم کا نصیحت آموز مقولہ بھی یاد رہے کہ تنہائی کی گوشہ نشینی جس قدر زیادہ ہو اور اسی قدر غور و فکر اور دور اندیشی زیادہ ہوتی ہے اور جس قدر یہ بڑھ جائے اسی قدر راستے انسان پر کھل جاتے ہیں جو اسے جنت میں پہنچا دیں گے، حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس قدر مراقبہ زیادہ

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التقصیر: باب اذا لم یطق قاعدا صل علی جنب (١١١٧) ابو داؤد: کتاب الصلاۃ: باب فی صلاۃ القاعد (٩٥٢) ابن ماجه: کتاب اقامة الصلاۃ: باب ماجآء فی صلاۃ المریض (١٢٢٣) ترمذی: کتاب الصلاۃ: باب ماجآء ان صلاۃ القاعد (٣٧٢)]

ہوگا اسی قدر سمجھ بوجھ تیز ہوگی اور جتنی سمجھ زیادہ ہوگی اتنا علم نصیب ہوگا اور جس قدر علم زیادہ ہوگا نیک اعمال بھی بڑھیں گے' حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ کا ارشاد ہے کہ اللہ عزوجل کے ذکر میں زبان کا چلانا بہت اچھا ہے اور اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر کرنا افضل عبادت ہے' حضرت مغیث اسود رحمۃ اللہ مجلس میں بیٹھے ہوئے فرماتے کہ لوگو! قبرستان ہر روز جایا کرو تا کہ تمہیں انجام کا خیال پیدا ہو پھر اپنے دل میں اس منظر کو حاضر کرو کہ تم اللہ کے سامنے کھڑے ہو پھر ایک جماعت کو جہنم میں لے جانے کا حکم ہوتا ہے اور ایک جماعت جنت میں جاتی ہے اپنے دلوں کو اس حال میں جذب کر دو اور اپنے بدن کو بھی وہیں حاضر جان لو جہنم کو اپنے سامنے دیکھو' اس کے ہتھوڑوں کو' اس کی آگ کے قید خانوں کو اپنے سامنے لاؤ' اتنا فرماتے ہی دھاڑیں مار مار کر رونے لگتے ہیں یہاں تک کہ بیہوش ہو جاتے ہیں۔

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک راہب سے ایک قبرستان اور کوڑا کرکٹ' پاخانہ پیشاب ڈالنے کی جگہ پر ملاقات کی اور اس سے کہا۔ اے بندہ حق اس وقت تیرے پاس دو خزانے ہیں ایک خزانہ لوگوں کا یعنی قبرستان اور دوسرا خزانہ مال کا یعنی کوڑا کرکٹ ۔ پیشاب پاخانہ ڈالنے کی جگہ۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کھنڈرات پر جاتے اور کسی ٹوٹے پھوٹے دروازے پر کھڑے رہ کر نہایت حسرت وافسوس کے ساتھ بھرائی ہوئی آواز میں فرماتے اے اجڑے ہوئے گھرو! تمہارے رہنے والے کہاں گئے؟ پھر خود ہی فرماتے سب زیر زمین چلے گئے سب فنا کا جام پی چکے صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہمیشہ کی مالک بقا ہے' حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے دو رکعتیں جو دل بستگی کے ساتھ ادا کی جائیں اس تمام نماز سے افضل ہیں جس میں ساری رات گزار دی لیکن دلچسپی نہ تھی' حسن بصری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ابن آدم! اپنے پیٹ کے تیسرے حصے میں کھا تیسرے حصے میں پانی پی اور تیسرا حصہ ان سانسوں کے لیے چھوڑ جس میں تو آخرت کی باتوں پر' اپنے انجام پر اور اپنے اعمال پر غور وفکر کر سکے' بعض حکیموں کا قول ہے جو شخص دنیا کی چیزوں پر عبرت حاصل کیے بغیر نظر ڈالتا ہے اس غفلت کی وجہ اس کی دلی آنکھیں کمزور پڑ جاتی ہیں' حضرت بشر بن حارث حافی رحمۃ اللہ کا فرمان ہے کہ اگر لوگ اللہ تعالیٰ کی عظمت کا خیال کرتے تو ہرگز ان سے نافرمانیاں نہ ہوتیں' حضرت عامر بن عبدقیس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سنا ہے کہ ایمان کی روشنی غور وفکر اور مراقبہ میں ہے' مسیح ابن مریم سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ابن آدم اے ضعیف انسان! جہاں کہیں تو ہو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا رہ' دنیا میں عاجزی اور مسکینی کے ساتھ رہ' اپنا گھر مسجدوں کو بنا لے اور اپنی آنکھوں کو رونا سکھا' اپنے جسم کو صبر کی عادت سکھا' اپنے دل کو غور وفکر کرنے والا بنا' کل کی روزی کی فکر آج نہ کر۔

امیر المومنین حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمۃ اللہ ایک مرتبہ مجلس میں بیٹھے ہوئے رو دیئے لوگوں نے وجہ پوچھی تو آپ نے فرمایا میں نے دنیا میں اور اس کی لذتوں میں اور اس کی خواہشوں میں غور وفکر کیا اور عبرت حاصل کی جب نتیجہ پر پہنچا تو میری امنگیں ختم ہو گئیں حقیقت یہ ہے کہ ہر شخص کے لیے اس میں عبرت ونصیحت ہے اور وعظ وپند ہے' حسین بن عبدالرحمٰن رحمۃ اللہ نے بھی اپنے اشعار میں اس مضمون کو خوب نبھایا ہے' پس اللہ تعالیٰ نے اپنے ان بندوں

کی مدح وثنا بیان کی جو مخلوقات اور کائنات سے عبرت حاصل کریں اور نصیحت لیں اور ان لوگوں کی مذمت بیان کی جو قدرت کی نشانیوں پر غور نہ کریں۔ مومنوں کی مدح میں بیان ہو رہا ہے کہ یہ لوگ اٹھتے' بیٹھتے' لیٹتے اللہ سبحانہ کا ذکر کرتے ہیں' زمین وآسمان کی پیدائش میں غور وفکر کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اے اللہ تو نے اپنی مخلوق کو عبث اور بے کار نہیں بنایا بلکہ حق کے ساتھ پیدا کیا ہے تا کہ بروں کو برائی کا بدلہ اور نیکوں کو نیکیوں کا بدلہ عطا فرمائے' پھر اللہ کی پاکیزگی بیان کرتے ہیں کہ تو اس سے منزہ ہے کہ کسی چیز کو بے کار بنائے اے خالق کائنات' اے عدل وانصاف سے کائنات کو سجانے والے' اے نقصان اور عیبوں سے پاک ذات' ہمیں اپنی قوت وطاقت سے ان اعمال کی توفیق اور ہمارا رفیق فرما جن سے ہم تیرے عذابوں سے نجات پالیں اور تیری نعمتوں سے مالا مال ہو کر جنت میں داخل ہو جائیں' یہ یوں بھی کہتے ہیں کہ اے اللہ! جسے تو جہنم میں لے گیا اسے تو نے برباد اور ذلیل وخوار کر دیا مجمع حشر کے سامنے اسے رسوا کیا' ظالموں کا کوئی مددگار نہیں انہیں کوئی چھڑا سکے' نہ بچا سکے' نہ تیرے ارادے کے درمیان آ سکے' اے رب ہم نے پکارنے والے کی پکار سن لی جو ایمان اور اسلام کی طرف بلاتا ہے' مراد اس سے آنحضرت ﷺ ہیں جو فرماتے ہیں کہ اپنے رب پر ایمان لاؤ ہم ایمان لا چکے اور تابعداری بجا لائے پس ہمارے ایمان اور فرماں برداری کی وجہ سے ہمارے گناہوں کو معاف فرما ان کی پردہ پوشی کر اور ہماری برائیوں کو ہم سے دور کر دے اور ہمیں صالح اور نیک لوگوں کے ساتھ ملا دے تو نے ہم سے جو وعدے اپنے نبیوں کی زبانی کیے ہیں انہیں پورے کر' اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جو وعدہ تو نے ہم سے اپنے رسولوں پر ایمان لانے کا لیا تھا' لیکن پہلا معنی واضح ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے عسقلان دو عروس میں سے ایک ہے یہیں سے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ستر ہزار شہید اٹھائیں گے جو وفد بن کر اللہ کے پاس جائیں گے یہیں شہیدوں کی صفیں ہوں گی جن کے ہاتھوں میں ان کے کٹے ہوئے سر ہوں گے ان کی گردن کی رگوں سے خون جاری ہو گا یہ کہتے ہوں گے اے اللہ! ہم سے جو وعدے اپنے رسولوں کی معرفت تو نے کیے ہیں انہیں پورے کر ہمیں قیامت کے دن رسوا نہ کر تو وعدہ خلافی سے پاک ہے اللہ تعالیٰ فرمائے گا میرے یہ بندے سچے ہیں اور انہیں نہر بیضہ میں غسل کروائیں گے جس غسل کے بعد پاک صاف گورے چٹے رنگ کے ہو کر نکلیں گے اور ساری جنت ان کے لیے مباح ہو گی جہاں چاہیں جائیں آئیں جو چاہیں کھائیں پئیں۔ [1] یہ حدیث غریب ہے اور بعض تو کہتے ہیں موضوع ہے۔ واللہ اعلم۔ ہمیں قیامت کے دن تمام لوگوں کے مجمع میں رسوا نہ کر تیرے وعدے سچے ہیں تو نے جو کچھ خبریں اپنے رسولوں کی زبانی پہنچائی ہیں سب اٹل ہیں قیامت کا روز ضرور آنا ہے پس تو ہمیں اس دن کی رسوائی سے نجات دے' رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ بندے پر رسوائی ڈانٹ ڈپٹ' مار اور شرمندگی اس قدر ڈالی جائے گی اور اس طرح اللہ تعالیٰ کے سامنے کھڑا کر کے

---

[1] [ضعیف جدا : مسند احمد (۳/۲۲۵) ابن عدی فی الکامل (۱/۲۹۸) ابن جوزی فی الموضوعات (۲/۵۳)] اس کی سند میں ابو عقال راوی متهم بالوضع ہے۔ [مجمع الزوائد (۱۶۶۶۵)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس روایت کو سخت ضعیف ومردود کہتے ہیں۔]

اسے قاتل معقول کیا جائے گا کہ وہ چاہے گا کہ کاش! مجھے جہنم میں ہی ڈال دیا جاتا۔ [1] (ابویعلی) اس حدیث کی سند بھی غریب ہے' احادیث سے یہ بھی ثابت ہے کہ رسول اللہ ﷺ رات کو تہجد کے لیے جب اٹھتے تب سورۂ آل عمران کی ان دس آخری آیتوں کی تلاوت فرماتے' چنانچہ بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر رات گزاری یہ ام المومنین حضور ﷺ کی بیوی صاحبہ تھیں حضور ﷺ جب آئے تو تھوڑی دیر تک آپ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا سے باتیں کرتے رہے پھر سو گئے جب آخری تہائی رات باقی رہ گئی تو آپ اٹھ بیٹھے اور آسمان کی طرف نگاہ کر کے ﴿اِنَّ فِی خَلْقِ السَّمٰوٰتِ﴾ سے آخر سورت تک کی آیتیں تلاوت فرمائیں پھر کھڑے ہوئے' مسواک کی' وضو کیا اور گیارہ رکعت نماز ادا کی حضرت بلال رضی اللہ عنہ کی صبح کی اذان سن کر پھر دو رکعتیں صبح کی سنتیں پڑھیں پھر مسجد میں تشریف لا کر لوگوں کو صبح کی نماز پڑھائی۔ [2]

صحیح بخاری میں یہ روایت دوسری جگہ بھی ہے کہ بستر ے کے عرض میں تو میں سویا اور لمبائی میں آنحضرت ﷺ اور ام المومنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا لیٹیں آدھی رات کے قریب کچھ پہلے یا کچھ بعد حضور ﷺ جاگے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھیں ملتے ہوئے ان دس آیتوں کی تلاوت کی پھر ایک لٹکی ہوئی مشک میں سے پانی لے کر بہت اچھی طرح کامل وضو کیا میں بھی آپ کی بائیں جانب آپ کی اقتدا میں نماز کے لیے کھڑا ہو گیا حضور ﷺ نے اپنا داہنا ہاتھ میرے سر پر رکھ کر میرے کان کو پکڑ کر مجھے گھما کر اپنی دائیں جانب کر لیا اور دو دو رکعت کر کے چھ مرتبہ یعنی بارہ رکعت پڑھیں پھر وتر پڑھا اور لیٹ گئے یہاں تک کہ مؤذن نے آ کر نماز کی اطلاع کی آپ نے کھڑے ہو کر دو ہلکی رکعتیں ادا کیں اور باہر آ کر صبح کی نماز پڑھائی۔ [3]

ابن مردویہ کی اس حدیث میں ہے حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے میرے والد حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم آج کی رات حضور ﷺ کی آل میں گزارو اور آپ کی رات کی نماز کی کیفیت دیکھو رات کو جب سب لوگ عشاء کی نماز پڑھ کر چلے گئے میں بیٹھا رہا جب حضور ﷺ جانے لگے تو مجھے دیکھ کر فرمایا کون عبداللہ؟ میں نے کہا جی ہاں فرمایا کیوں رکے ہوئے ہو؟ میں نے کہا والد صاحب کا حکم ہے کہ رات آپ کے گھر گزاروں تو فرمایا بہت اچھا آؤ گھر جا کر فرمایا بستر بچھا دو ٹاٹ کا تکیہ آیا اور حضور ﷺ اس پر سر رکھ کر سو گئے یہاں تک کہ مجھے آپ

---

[1] [ضعیف جدا: مستدرك حاكم (٤/٥٧٧) مسند ابویعلی (١٧٧٦)] اس کی سند میں فضل بن عیسیٰ راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (١٨٣٩٣)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ان فی خلق السموت والارض (٤٥٦٩) صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرین: باب صلاة النبی و دعائه باللیل (٧٦٣)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ربنا انك من تدخل النار (٤٥٧١) صحیح مسلم: کتاب صلاة المسافرین: باب صلاة النبی ودعائه باللیل (٧٦٣) ابن ماجه: کتاب اقامة الصلاة: باب ماجاء فی کم یصلی باللیل (١٣٦٣) ابوداؤد: کتاب التطوع: باب فی صلاة اللیل (١٣٦٤) مسند احمد (١/٢٤٢)]

کے خراٹوں کی آواز آنے لگی پھر آپ جاگے اور سیدھی طرح بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھ کر تین مرتبہ ﴿سُبْحَانَ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ﴾ پڑھا پھر سورۂ آل عمران کے خاتمہ کی یہ آیتیں پڑھیں۔ [1] اور روایت میں ہے کہ آیتوں کی تلاوت کے بعد حضور ﷺ نے یہ دعا پڑھی ﴿اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ فِيْ قَلْبِيْ نُوْرًا وَّفِيْ سَمْعِيْ نُوْرًا وَّفِيْ بَصَرِيْ نُوْرًا وَّعَنْ يَّمِيْنِيْ نُوْرًا وَّعَنْ شِمَالِيْ نُوْرًا وَّمِنْ بَيْنِ يَدِيْ نُوْرًا وَّمِنْ خَلْفِيْ نُوْرًا وَّمِنْ فَوْقِيْ نُوْرًا وَّمِنْ تَحْتِيْ نُوْرًا وَّاَعْظِمْ لِيْ نُوْرًا يَّوْمَ الْقِيَامَةِ﴾ [2] (ابن مردویہ) یہ دعا بعض صحیح طریق سے بھی مروی ہے۔ [3]

اس آیت کی تفسیر کے شروع میں طبرانی کے حوالے سے جو حدیث گزری ہے اس سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ آیت مکی ہے لیکن مشہور اس کے خلاف ہے یعنی یہ کہ یہ آیت مدنی ہے اور اس کی دلیل میں یہ حدیث پیش ہو سکتی ہے جو ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت عطا رحمہ اللہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت عبید بن عمیر رحمہ اللہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے آپ کے اور ان کے درمیان پردہ تھا حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا عبید تم کیوں نہیں آیا کرتے؟ حضرت عبید نے جواب دیا اماں جان صرف اس لیے کہ کسی شاعر کا قول ہے ((زُرْ غِبًّا تَزْدَدْ حُبًّا)) یعنی کم کم آؤ تا کہ محبت بڑھے، حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا اب ان باتوں کو چھوڑو ام المومنین رضی اللہ عنہا ہم یہ پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں کہ سب سے زیادہ عجیب بات جو آپ نے آنحضرت ﷺ کی دیکھی ہو وہ ہمیں بتائیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رو دیں اور فرمانے لگیں حضور ﷺ کے تمام کام عجیب تر تھے اچھا ایک واقعہ سنو ایک رات میری باری میں حضور ﷺ میرے پاس آئے اور میرے ساتھ سوئے پھر مجھ سے فرمانے لگے عائشہ رضی اللہ عنہا میں اپنے رب کی کچھ عبادت کرنا چاہتا ہوں مجھے جانے دے میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اللہ کی قسم میں آپ کا قرب چاہتی ہوں اور یہ بھی میری چاہت ہے کہ آپ اللہ عزوجل کی عبادت بھی کریں اب آپ کھڑے ہوئے اور ایک مشک میں سے پانی لے کر آپ نے ہلکا سا وضو کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہو گئے پھر جو رونا شروع کیا تو اتنا روئے کہ داڑھی مبارک تر ہو گئی پھر سجدے میں گئے اور اس قدر روئے کہ زمین تر ہو گئی پھر کروٹ کے بل لیٹ گئے اور روتے ہی رہے یہاں تک کہ حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آ کر نماز کے لیے بلایا اور آپ کے آنسو رواں دیکھ کر دریافت کیا کہ اے اللہ کے سچے رسول ﷺ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے تو آپ کے تمام اگلے پچھلے گناہ معاف فرما دیئے ہیں، آپ نے فرمایا بلال میں کیوں نہ روؤں؟ مجھ پر آج کی رات یہ آیت اتری ہے ﴿اِنَّ فِيْ خَلْقِ السَّمٰوَاتِ﴾ الخ، افسوس ہے اس شخص کے لیے جو اسے پڑھے اور پھر اس میں غور و تدبر نہ کرے۔ [4]

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الدعوات : باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل (٦٣١٦) صحیح مسلم : (٧٦٣) ابوداؤد : کتاب التطوع : باب فی صلاۃ اللیل (١٣٥٣)]

[2] [ضعیف : طبرانی کبیر (١٢٣٤٩/١٢)] اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عاصم بن بھدلہ راوی مجہول ہے۔]

[3] [صحیح بخاری : کتاب الدعوات : باب الدعاء اذا انتبہ من اللیل (٦٣١٦) صحیح مسلم (٧٦٣)]

[4] [ضعیف : الدر المنثور للسیوطی (١٩٥/٢) الترغیب و الترہیب للأصبہانی (٦٦٦) صحیح ابن حبان (٦٢٠)] اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں یحییٰ بن ابی حیہ راوی ضعیف ہے۔]

عبد بن حمید کی تفسیر میں بھی یہ حدیث ہے اس میں یہ بھی ہے کہ جب ہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس گئے ہم نے سلام کیا تو آپ نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ ہم نے اپنے نام بتائے اور آخر میں یہ بھی ہے کہ نماز کے بعد آپ اپنی داہنی کروٹ پر لیٹے رخسار تلے ہاتھ رکھا اور روتے رہے یہاں تک کہ آنسوؤں سے زمین تر ہو گئی اور حضرت بلال رضی اللہ عنہ کے جواب میں آپ نے یہ بھی فرمایا کہ کیا میں شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اور آیتوں کے نازل ہونے کے بارے میں ﴿عَذَابَ النَّارِ﴾ تک آپ نے تلاوت کی۔[1] ابن مردویہ کی ایک ضعیف سند والی حدیث میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سورۂ آل عمران کے آخر کی دس آیتیں ہر رات کو پڑھتے اس روایت میں مظاہر بن اسلم ضعیف ہیں۔[2]

فَاسْتَجَابَ لَهُمْ رَبُّهُمْ اَنِّيْ لَآ اُضِيْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى ۚ بَعْضُكُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۚ فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا لَاُكَفِّرَنَّ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَلَاُدْخِلَنَّهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۚ ثَوَابًا مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الثَّوَابِ ۝

ان کے رب نے ان کی دعا قبول فرمائی تم میں سے کسی کام کرنے والے کے کام کو خواہ وہ مرد ہو خواہ عورت میں ہرگز ضائع نہیں کرتا، تم آپس میں ایک ہی ہو، پس وہ لوگ جنہوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکال دیئے گئے اور جنہیں میری راہ میں ایذاء دی گئی اور جنہوں نے جہاد کیا اور شہید کیے گئے میں ضرور ضرور ان کی برائیاں ان سے دور کردوں گا اور بالیقین انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، یہ ہے ثواب خدا کی طرف سے اور اللہ کے پاس بہترین ثواب ہے ○

دعا کی قبولیت: یہاں ﴿اِسْتَجَابَ﴾ کے معنی "اَجَابَ" کے ہیں اور یہ عربی میں برابر مروج ہے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا بات ہے؟ عورتوں کی ہجرت کا کہیں قرآن میں اللہ تعالیٰ ذکر نہیں کرتا اس پر یہ آیت اتری، انصار کا بیان ہے کہ عورتوں میں سب سے پہلی مہاجرہ عورت جو ہودج میں آئیں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہی تھیں[3] ام المومنین سے یہ بھی مروی ہے کہ صاحب عقل اور صاحب ایمان لوگوں نے جب اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگیں جن کا ذکر پہلے کی آیتوں میں تھا تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے بھی ان کی منہ مانگی مراد انہیں

---

[1] [**ضعیف**: الدر المنثور للسیوطی (۲/۱۹۵)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [**ضعیف**: الدر المنثور للسیوطی (۲/۲۰٤) طبرانی اوسط (۷/٦۷۷۷) ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۷/٦٥۰) ابن السنی فی عمل الیوم واللیلۃ (٦۸۸) مجمع الزوائد (۲/۷۷)] اس کی سند میں مظاہر بن اسلم راوی ضعیف ہے۔]

[3] [**ضعیف**: مستدرک حاکم (۲/۳۰۰) الدر المنثور للسیوطی (۲) تفسیر ابن جریر الطبری (۷/۸۳٦۸) طبرانی کبیر (۲۳/٦٥۱) مسند حمیدی (۳۰۱)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند سفیان بن عیینہ کی تدلیس کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

عطا فرمائی اسی لیے اس آیت کو ((ف)) سے شروع کیا جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ﴾ (البقرہ/ ١٨٦) الخ، یعنی میرے بندے تجھ سے میرے بارے میں سوال کریں تو کہہ دے کہ میں تو ان کے بہت ہی نزدیک ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے میں اس کی پکار کو قبول فرمالیتا ہوں پس انہیں بھی چاہیے کہ میری مان لیا کریں اور مجھ پر ایمان رکھیں ممکن ہے کہ وہ رشد و ہدایت پالیں پھر قبولیت دعا کی تفسیر ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ میں کسی عامل کے عمل کو رائیگاں نہیں کرتا بلکہ ہر ایک کو پورا پورا بدلہ عطا فرماتا ہوں خواہ مرد ہو خواہ عورت ہر ایک میرے پاس ثواب میں اور اعمال کے بدلے میں یکساں ہے پس جو لوگ شرک کی جگہ کو چھوڑیں اور ایمان کی جگہ آجائیں دارالکفر سے ہجرت کریں بھائیوں دوستوں پڑوسیوں اور اپنوں کو اللہ کے نام پر ترک کر دیں مشرکوں کی ایذائیں سہہ سہہ کر تھک کر بھی عاجز آکر بھی ایمان کو نہ چھوڑیں بلکہ اپنے پیارے وطن سے منہ موڑ لیں جبکہ لوگوں کا انہوں نے کوئی نقصان نہیں کیا تھا جس کے بدلے میں انہیں ستایا جاتا بلکہ ان کا صرف یہ قصور تھا کہ میری راہ پہ چلنے والے تھے صرف میری توحید کو مان کر دنیا کی دشمنی مول لے لی تھی میری راہ پر چلنے کے باعث طرح طرح سے ستائے جاتے تھے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿يُخْرِجُوْنَ الرَّسُوْلَ وَاِيَّاكُمْ اَنْ تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ رَبِّكُمْ﴾ (الممتحنہ/ ١) یہ لوگ رسول کو اور تمہیں صرف اس بنا وطن سے نکال دیتے ہیں کہ تم اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتے ہو جو تمہارا رب ہے اور ارشاد ہے ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ اِلَّآ اَنْ يُّؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ﴾ (البروج/ ٨) ان سے دشمنی اسی وجہ سے ہے کہ اللہ عزیز و حمید پر ایمان لائے ہیں۔

پھر فرماتا ہے انہوں نے جہاد بھی کیے اور یہ شہید بھی ہوئے یہ سب سے اعلیٰ اور بلند مرتبہ ہے ایسا شخص اللہ کی راہ میں جہاد کرتا ہے اس کی سواری کٹ جاتی ہے منہ خاک و خون میں مل جاتا ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ ﷺ اگر میں صبر کے ساتھ نیک نیتی سے دلیری سے پیچھے نہ ہٹ کر اللہ کی راہ میں جہاد کروں اور پھر شہید کر دیا جاؤں تو کیا اللہ تعالیٰ میری خطائیں معاف فرما دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں پھر دوبارہ آپ نے اس سے سوال کیا کہ ذرا پھر کہنا تم نے کیا کہا تھا؟ اس نے دوبارہ اپنا سوال دہرا دیا آپ نے فرمایا ہاں مگر قرض معاف نہ ہوگا یہ بات جبرائیل علیہ السلام ابھی مجھ سے کہہ گئے۔[1] پس یہاں فرماتا ہے کہ میں ان کی خطا کاریاں معاف فرما دوں گا اور انہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن میں چاروں طرف نہریں بہہ رہی ہیں کسی میں دودھ ہے کسی میں شہد کسی میں شراب کسی میں صاف پانی اور وہ نعمتیں ہوں گی جو نہ کسی کان نے سنیں نہ کسی آنکھ نے دیکھیں نہ کسی انسانی دل میں کبھی خیال گزرا۔ یہ ہے بدلہ اللہ کی طرف سے ظاہر ہے کہ جو ثواب اس شہنشاہ عالی کی طرف سے ہو وہ کس قدر زبردست اور بے انتہا ہوگا؟ جیسے کسی شاعر کا قول ہے کہ اگر وہ عذاب کرے تو وہ بھی مہلک اور برباد کر دینے والا اور اگر انعام دے تو وہ بھی بے حساب قیاس سے بڑھ کر

---

[1] [صحيح: صحيح مسلم: كتاب الامارة: باب من قتل فى سبيل الله كفرت خطاياه (١٨٨٥) مسند احمد (٣/ ٣٠٨)]

کیونکہ اس کی ذات بے پرواہ ہے' نیک اعمال لوگوں کا بہترین بدلہ اللہ ہی کے پاس ہے۔

حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگو! اللہ تعالیٰ کی قضا پر غمگین اور بے صبرے نہ ہو جایا کرو سنو! مومن پر ظلم و جور نہیں ہوتا اگر تمہیں خوشی اور راحت پہنچے تو اللہ تعالیٰ کی حمد اور اس کا شکر کرو اور اگر برائی پہنچے تو صبر و ضبط کرو اور نیکی اور ثواب کی تمنا رکھو اللہ تعالیٰ کے پاس بہترین بدلے اور پاکیزہ ثواب ہیں۔

لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ ﴿١٩٦﴾ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ ۚ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ﴿١٩٧﴾ لَٰكِنِ الَّذِينَ اتَّقَوْا رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ خَالِدِينَ فِيهَا نُزُلًا مِنْ عِنْدِ اللَّهِ ۗ وَمَا عِنْدَ اللَّهِ خَيْرٌ لِلْأَبْرَارِ ﴿١٩٨﴾

تجھے کافروں کا شہر میں چلنا پھرنا فریب میں نہ ڈال دے ○ یہ تو بہت ہی تھوڑا فائدہ ہے' اس کے بعد ان کا ٹھکانا تو جہنم ہے' اور وہ بری جگہ ہے ○ لیکن جو لوگ اپنے رب سے ڈرتے رہیں ان کے لیے جنتیں ہیں جن کے نیچے نہریں جاری ہیں ان میں وہ ہمیشہ رہیں گے مہمان ہیں اللہ کی طرف سے' اور نیک کاروں کے لیے جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے ○

دنیوی عیش و عشرت نجات کی دلیل نہیں: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ان کافروں کی بدمستی کے سامانِ تعیش' ان کی راحت و آرام' ان کی خوش حالی اور فارغ البالی کی طرف اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم آپ نظریں نہ ڈالیں یہ سب عنقریب زائل ہو جائے گا اور صرف ان کی بداعمالیاں عذاب کی صورت میں ان کے لیے باقی رہ جائیں گی ان کی یہ تمام نعمتیں آخرت کے مقابلہ میں بالکل ہیچ ہیں اسی مضمون کی بہت سی آیتیں قرآن کریم میں ہیں مثلاً ﴿مَا يُجَادِلُ فِي آيَاتِ اللَّهِ إِلَّا الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَا يَغْرُرْكَ تَقَلُّبُهُمْ فِي الْبِلَادِ﴾ (المؤمن / ٤) اللہ کی آیتوں میں کافر ہی جھگڑتے ہیں ان کا شہروں میں گھومنا پھرنا تجھے دھوکے میں نہ ڈالے' دوسری جگہ ارشاد ہے ﴿إِنَّ الَّذِينَ يَفْتَرُونَ عَلَى اللَّهِ الْكَذِبَ﴾ (یونس / ٦٩) الخ' جو لوگ اللہ پر جھوٹ باندھتے ہیں وہ فلاح نہیں پاتے دنیا میں چاہے تھوڑا سا فائدہ اٹھا لیں لیکن آخر تو انہیں ہماری طرف ہی لوٹنا ہے پھر ہم انہیں ان کے کفر کی پاداش میں سخت تر سزائیں دیں گے۔ ارشاد ہے انہیں ہم تھوڑا سا فائدہ پہنچا کر پھر گہرے عذابوں کی طرف بے بس کر دیں گے۔ اور جگہ ہے کافروں کو کچھ مہلت دے دے۔ اور جگہ ہے کیا وہ شخص جو ہمارے بہترین وعدوں کو پالے گا اور وہ جو دنیا آرام سے گزار رہا ہے لیکن قیامت کے دن عذابوں کے لیے حاضری دینے والا ہے برابر ہو سکتے ہیں؟ چونکہ کافروں کا دنیوی اور اخروی حال بیان ہوا اس لیے ساتھ ہی مومنوں کا ذکر ہو رہا ہے کہ یہ متقی گروہ قیامت کے دن نہروں والی بہشتوں میں ہو گا' ابن مردویہ میں ہے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں انہیں ''ابرار'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ ماں باپ کے ساتھ اور اولاد کے ساتھ نیک سلوک کرتے تھے جس طرح تیرے ماں باپ کا تجھ پر حق ہے اسی طرح تیری اولاد کا تجھ پر حق ہے' یہی روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً بھی مروی ہے اور موقوف ہونا ہی زیادہ ٹھیک نظر آتا ہے۔ [1] واللہ اعلم۔

---

[1] [الدر المنثور للسیوطی (٢/١٩٩)]

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابرار وہ ہیں جو کسی کو ایذاء نہ دیں' حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر شخص کے لیے خواہ نیک ہو' خواہ بد موت اچھی چیز ہے اگر نیک ہے تو جو کچھ اس کے لیے اللہ کے پاس ہے وہ بہت ہی بہتر ہے اور اگر بد ہے تو اللہ کے عذاب اور اس کے گناہ جو اس کی زندگی میں بڑھ رہے تھے اب ان کا بڑھنا ختم ہوا پہلے کی دلیل ﴿وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ﴾ ہے اور دوسری کی دلیل ﴿وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّـمَا نُمْلِيْ لَهُمْ خَيْرٌ لِّاَنْفُسِهِمْ﴾ (ال عمران / ١٧٨) الخ' ہے یعنی کافر ہماری ڈھیل دینے کو اپنے حق میں بہتر نہ خیال کریں یہ ڈھیل ان کے گناہوں میں اضافہ کررہی ہے اور ان کے لیے رسوا کن عذاب ہیں حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ [1]

وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خٰشِعِيْنَ لِلّٰهِ ۙ لَا يَشْتَرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ اُولٰۗىِٕكَ لَھُمْ اَجْرُھُمْ عِنْدَ رَبِّھِمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝١٩٩ يٰٓاَيُّھَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اصْبِرُوْا وَصَابِرُوْا وَرَابِطُوْا ۣ وَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٢٠٠ۧ

یقیناً اہل کتاب میں سے بعض ایسے بھی ہیں جو اللہ پر ایمان لاتے ہیں اور تمہاری طرف جو اترا اور ان کی جانب جو نازل ہوا اس پر بھی' اللہ سے ڈرتے رہنے والے ہیں اور اللہ کی آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر بیچتے بھی نہیں' ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○ اے ایمان والو تم ثابت قدم رہو اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لیے تیار رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو ○

اہل ایمان اور اہل جہاد کے لیے اجر و ثواب کی نوید: اللہ تعالیٰ اہل کتاب کے اس فرقے کی تعریف کرتا ہے جو پورے ایمان والا ہے قرآن کریم کو بھی مانتا ہے اور اپنے نبی کی کتاب پر بھی ایمان رکھتا ہے اللہ تعالیٰ کا ڈر دل میں رکھ کر اللہ تعالیٰ کے فرمانوں کی بجا آوری میں نہایت تندہی کے ساتھ مشغول ہے رب کے سامنے عاجزی اور گریہ وزاری کرتا رہتا ہے پیغمبر آخر الزمان ﷺ کے جو پاک اوصاف اور صاف نشانیاں ان کی کتابوں میں ہیں اسے دنیا کے بدلے چھپاتا نہیں بلکہ ہر ایک کو بتاتا ہے اور آپ ﷺ کی رسالت کو مان لینے کی رغبت دلاتا ہے۔ ایسی جماعت اللہ تعالیٰ کے پاس اجر پائے گی خواہ وہ یہودیوں کی ہو' خواہ نصرانیوں کی۔ سورۂ قصص میں یہ مضمون اس طرح بیان ہوا ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ﴾ (قصص / ٥٢) جنہیں ہم نے اس سے پہلے کتاب دے رکھی ہے وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور جب یہ کتاب ان کے سامنے پڑھی جاتی ہے تو صاف کہہ دیتے ہیں کہ ہم اس پر بھی ایمان لائے یہ برحق کتاب ہمارے رب کی ہے ہم تو پہلے سے ہی مانتے تھے انہیں ان کے صبر کا دوہرا اجر دیا جائے گا۔ اور جگہ ہے جنہیں ہم نے کتاب دی اور جسے وہ صحیح طور پر پڑھتے ہیں وہ تو اس قرآن پر بھی فوراً ایمان

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٤٩٦)]

لاتے ہیں۔اور جگہ ارشاد ہے ﴿وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ﴾ (الاعراف/١٥٩) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے بھی ایک جماعت حق کی ہدایت کرنے والی اور حق کے ساتھ عدل کرنے والی ہے' دوسرے مقام پر بیان ہے ﴿لَيْسُوا سَوَاءً﴾ (ال عمران/١١٣) الخ' یعنی اہل کتاب سب یکساں نہیں ان میں ایک جماعت راتوں کے وقت بھی اللہ کی کتاب پڑھنے والی ہے اور سجدے کرنے والی ہے۔

اور جگہ ہے اے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تم کہو کہ لوگو تم ایمان لاؤ یا نہ لاؤ جنہیں پہلے سے علم دیا گیا ہے جب ان کے سامنے اس کلام مجید کی آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو وہ اپنے چہروں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا رب پاک ہے یقیناً اس کا وعدہ سچا ہے اور سچا ہو کر رہنے والا ہے یہ لوگ روتے ہوئے منہ کے بل گرتے ہیں اور خشوع وخضوع میں بڑھ جاتے ہیں یہ صفتیں یہودیوں میں پائی گئیں گو بہت کم لوگ ایسے تھے مثلاً حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ اور آپ ہی جیسے اور باایمان یہودی علماء لیکن ان کی گنتی دس تک بھی نہیں پہنچتی ہاں نصرانی اکثر ہدایت پر آ گئے اور حق کے فرمانبردار ہو گئے جیسے اور جگہ ہے ﴿لَتَجِدَنَّ أَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِينَ آمَنُوا الْيَهُودَ وَالَّذِينَ أَشْرَكُوا﴾ سے ﴿خَالِدِينَ فِيهَا﴾ (المائدہ/ ٨٢'٨٥) آخر آیت تک' مطلب یہ ہے کہ ایمان والوں سے عداوت اور دشمنی رکھنے میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے یہود ہیں اور مشرک۔اور ایمان والوں سے محبت رکھنے میں پیش پیش نصرانی ہیں' اب فرماتا ہے ایسے لوگ اللہ تعالیٰ کے ہاں اجر عظیم کے مستحق ہیں' حدیث میں یہ بھی آ چکا ہے کہ حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے جب سورۂ مریم کی تلاوت شاہ نجاشی کے دربار میں بادشاہِ اراکین سلطنت اور علماء نصاریٰ کے سامنے کی اور اس میں آپ پر رقت طاری ہوئی تو سب حاضرین دربار مع بادشاہ رو دیئے اور اس قدر متاثر ہوئے کہ روتے روتے ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ [1]

صحیح بخاری و مسلم میں ہے کہ نجاشی کے انتقال کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کو دی اور فرمایا کہ تمہارا بھائی حبشہ میں انتقال کر گیا ہے اور اس کے جنازے کی نماز ادا کرو اور میدان میں جا کر صحابہ رضی اللہ عنہم کی صفیں مرتب کر کے آپ نے ان کے جنازے کی نماز ادا کی۔ [2] ابن مردویہ میں ہے کہ جب نجاشی فوت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کے لیے استغفار کرو تو بعض لوگوں نے کہا دیکھئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اس نصرانی کے لیے استغفار کرنے کا حکم دیتے ہیں جو حبشہ میں مرا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [3] گویا اس کے مسلمان ہونے کی شہادت قرآن کریم نے دی' ابن جریر میں ہے کہ ان کی موت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دی کہ تمہارا بھائی اصحمہ انتقال کر گیا ہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم باہر نکلے اور جس طرح جنازے کی نماز پڑھاتے تھے اسی طرح چار تکبیروں سے نماز

---

[1] [صحیح : سیرة ابن هشام (١/٣٥٧)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب من صف صفین اوثلاثة (١٣١٧)، (٣٨٧٧) صحیح مسلم : کتاب الجنائز : باب فی التکبیر علی الجنازة (٩٥٢) مسند احمد (٣/٣٥٥)]

[3] [حسن : طبرانی اوسط (٢٦٨٨) تفسیو ابن ابی حاتم (٤٦٨٢/٣)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔]

جنازہ پڑھائی اس پر منافقوں نے وہ اعتراض کیا اور یہ آیت اتری۔ [1] ابوداؤد میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نجاشی کے انتقال کے بعد ہم یہی سنتے رہے کہ ان کی قبر پر نور دیکھا جاتا ہے' [2] مستدرک حاکم میں ہے کہ نجاشی کا ایک دشمن اس کی سلطنت پر حملہ آور ہوا تو مہاجرین نے کہا کہ آپ اس سے مقابلہ کرنے کے لیے چلیئے ہم بھی آپ کے ساتھ ہیں آپ ہماری بہادری کے جوہر دیکھ لیں گے اور جو حسن سلوک آپ نے ہمارے ساتھ کیا ہے اس کا بدلہ بھی اتر جائے گا لیکن نجاشی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ آپ لوگوں کی امداد کے ساتھ بچاؤ کرنے سے اللہ کی امداد کا بچاؤ بہتر ہے اس بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [3]

حضرت مجاہد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس سے مراد اہل کتاب کے مسلمان لوگ ہیں' [4] حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد وہ اہل کتاب ہیں' جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے تھے اسلام کو پہچانتے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری کا بھی شرف انہیں حاصل ہوا تو انہیں اجر بھی دوہرا ملا ایک تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کے ایمان کا دوسرا اجر آپ پر ایمان لانے کا' بخاری و مسلم میں حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین قسم کے لوگوں کو دوہرا اجر ملتا ہے جن میں سے ایک اہل کتاب کا وہ شخص ہے جو اپنے نبی پر ایمان لایا اور مجھ پر بھی ایمان لایا اور باقی دو کا بھی ذکر کیا' [5] اللہ کی آیتوں کو تھوڑی قیمت پر نہیں بیچتے' یعنی اپنے پاس علمی باتوں کو چھپاتے نہیں جیسے کہ ان میں سے ایک رذیل جماعت کا شیوہ تھا بلکہ یہ لوگ تو اسے پھیلاتے اور خوب ظاہر کرتے ہیں ان کا بدلہ ان کے رب کے پاس ہے اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے یعنی جلد سمیٹنے اور گھیرنے اور شمار کرنے والا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ اسلام جیسے میرے پسندیدہ دین پر جمے رہو شدت اور نرمی کے وقت مصیبت اور راحت کے وقت غرض کسی حال میں بھی اسے نہ چھوڑو یہاں تک کہ دم نکلے تو اسی پر نکلے اور اپنے ان دشمنوں سے بھی صبر سے کام لو جو اپنے دین کو چھپاتے ہیں۔ [6] امام حسن بصری رحمہ اللہ وغیرہ علماء سلف نے یہی تفسیر بیان فرمائی ہے۔ ﴿مُرَابَطَةً﴾ کہتے ہیں عبادت کی جگہ میں ہمیشگی کرنے کو اور ثابت قدمی سے جم جانے کو اور کہا گیا ہے ایک نماز

---

[1] [تفسير ابن جرير الطبرى (٨٣٧٦)]

[2] [حسن :ابوداؤد : كتاب الجهاد : باب فى النور يرى عند قبر الشهيد (٢٥٢٣) سيرة ابن هشام (٣٥٣/١)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[3] [ضعيف :مستدرك حاكم (٣٠٠/٢)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[4] [تفسير ابن جرير الطبرى (٤٩٩/٧)]

[5] [صحيح :صحيح بخارى : كتاب العلم : باب تعليم الرجل امته واهله (٩٧) و كتاب الجهاد (٢٥٤٧) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب وجوب الايمان برسالة نبينا محمد (١٥٤) ترمذى : كتاب النكاح : باب ماجآء فى الفضل فى ذلك (١١١٦) ابن ماجه : كتاب النكاح : باب الرجل يعتق امته (١٩٥٦) نسائى : كتاب النكاح : باب عتق الرجل جاريته (٣٣٤٦) مسند احمد (٤٠٢/٤)]

[6] [تفسير ابن جرير الطبرى (٥٠٢/٧)]

کے بعد دوسری نماز کے انتظار کو یہی قول ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سہل بن حنیف رضی اللہ عنہ اور محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ کا۔ صحیح مسلم شریف اور نسائی میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ کس چیز سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دیتا ہے اور درجوں کو بڑھاتا ہے' تکلیف ہوتے ہوئے بھی کامل وضو کرنا دور سے چل کر مسجدوں میں آنا' ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا یہی رباط ہے' یہی مرابط ہے' یہی اللہ تعالیٰ کی راہ کی مستعدی ہے۔ [1] ابن مردویہ میں ہے کہ ابوسلمہ رضی اللہ عنہ سے ایک دن حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا اے میرے بھتیجے جانتے ہو اس آیت کا شان نزول کیا ہے؟ انہوں نے کہا مجھے معلوم نہیں آپ نے فرمایا سنو اس وقت کوئی غزوہ نہ تھا یہ آیت ان لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے جو مسجدوں کو آباد رکھتے تھے اور نمازوں کو ٹھیک وقت پر ادا کرتے تھے پھر اللہ کا ذکر کرتے تھے انہیں یہ حکم دیا جاتا ہے کہ تم پانچوں نمازوں پر جمے رہو اور اپنے نفس کو اور اپنی خواہش کو روکے رکھو اور مسجدوں میں بسیرا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ یہی اعمال موجب ایمان ہیں' [2] ابن جریر کی حدیث میں ہے کیا میں تمہیں وہ اعمال نہ بتاؤں جو گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں؟ ناپسندیدگی کے وقت کامل وضو کرنا اور ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا تمہاری مستعدی اسی میں ہونی چاہیے [3] اور حدیث میں زیادہ قدم رکھ کر چل کر مسجد میں آنا بھی ہے' [4] اور روایت میں ہے کہ گناہوں کی معافی کے ساتھ ہی درجے بھی ان اعمال سے بڑھتے رہتے ہیں اور یہی اس آیت کا مطلب ہے [5] لیکن یہ حدیث بالکل غریب ہے۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہاں ﴿رَابِطُوْا﴾ سے مطلب انتظارِ نماز ہے۔ [6] لیکن اوپر بیان ہو چکا ہے کہ یہ فرمان حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا ہے۔ واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿رَابِطُوْا﴾ سے مراد دشمن سے جہاد کرنا' اسلامی ملک کی حدود کی نگہبانی کرنا اور دشمنوں کو اسلامی شہروں میں نہ گھسنے دینا ہے اس کی ترغیب میں بھی بہت سی حدیثیں ہیں اور اس پر بھی بڑے ثواب کا وعدہ ہے۔

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ایک دن کی یہ تیاری ساری دنیا سے اور جو اس میں ہے سب سے افضل ہے۔ [7] مسلم شریف کی حدیث میں ہے ایک دن رات کی جہاد کی تیاری ایک ماہ کے کامل روزوں اور ایک ماہ کی تمام شب بیداری سے

---

[1] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب فضل السباغ الوضوء (٢٥١) نسائی : کتاب الطهارة : باب الفضل فی ذلك (١٤٣) مسند احمد (٢/٢٧٧) مؤطا (١/٢٦١)]

[2] [ضعیف مستدرك حاکم (٢/٣٠١)] اس کی سند میں علی بن زید راوی مجہول ہے۔]

[3] [ضعیف تفسیر ابن جریر الطبری (٨٣٩٥)] اس کی سند میں عبداللہ بن سعید مقبری راوی ضعیف ہے۔]

[4] [ضعیف تفسیر ابن جریر الطبری (٨٣٩٦)] اس کی سند میں شرحبیل بن سعد راوی ضعیف ہے۔]

[5] [ضعیف الدر المنثور للسیوطی (٢/٢٠١)] اس کی سند میں وازع بن نافع راوی ضعیف ہے۔]

[6] [ضعیف تفسیر ابن جریر الطبری (٨٣٩٤)] اس کی سند میں مصعب بن ثابت راوی ضعیف ہے۔]

[7] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب الغدوة والروحة فی سبیل الله (٢٧٩٤) صحیح مسلم : کتاب الامارة (١٨٨١) ترمذی : کتاب فضائل الجهاد : باب ماجآء فیمن (١٦٤٨) ابن ماجه : کتاب الجهاد (٢٧٥٦) نسائی : کتاب الجهاد (٣١٢٠) مسند احمد (٣/٤٣٣)]

افضل ہے اور اسی تیاری کی حالت میں موت آ جائے تو جتنے اعمال صالحہ کرتا تھا سب کا ثواب پہنچتا رہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے پاس سے روزی پہنچائی جاتی ہے۔ اور فتنوں سے امن پاتا ہے' ① مسند احمد میں ہے ہر مرنے والے کے اعمال ختم ہو جاتے ہیں مگر جو شخص اللہ تعالیٰ کی راہ کی تیاری میں ہو اور اسی حالت میں مر جائے اس کا عمل قیامت تک بڑھتا رہتا ہے اور اسے فتنہ قبر سے نجات ملتی ہے ② ابن ماجہ کی روایت میں یہ بھی ہے کہ قیامت کے دن اسے امن ملے گا۔ ③ مسند کی اور حدیث میں ہے اسے صبح شام جنت سے روزی پہنچائی جاتی ہے اور قیامت تک اس کے مرابط کا اجر ملتا ہے' ④ مسند احمد میں ہے جو شخص مسلمانوں کی سرحد کے کسی کنارے پر تین دن تیاری میں گزارے اسے سال بھر تک کی اور جگہ کی اس تیاری کا اجر ملتا ہے۔ ⑤

امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اپنے منبر پر خطبہ پڑھتے ہوئے ایک مرتبہ فرمایا میں تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنی سنی ہوئی بات سناتا ہوں میں نے اب تک ایک خاص خیال سے اسے نہیں سنایا آپ نے فرمایا ہے اللہ جل شانہ کی راہ میں ایک رات کا پہرہ ایک ہزار راتوں کی عبادت سے افضل ہے جو تمام راتیں قیام میں اور تمام دن صیام میں گزارے جائیں۔ ⑥ دوسری روایت میں اس حدیث کو اب تک بیان نہ کرنے کی وجہ خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بیان فرمائی ہے کہ مجھے ڈر تھا کہ اس فضیلت کو حاصل کرنے کے لیے کہیں تم سب مدینہ چھوڑ کر میدانِ جنگ میں نہ چل دو۔ اب میں سنا دیتا ہوں ہر شخص کو اختیار ہے کہ جو بات اپنے لیے پسند کرتا ہے اس کا پابند ہو جائے۔ ⑦ دوسری روایت میں یہ بھی ہے کہ آپ نے پھر فرمایا کیا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات پہنچا دی؟ لوگوں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا اے جناب باری تعالیٰ تو گواہ رہ' ⑧ ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت شرحبیل بن

---

① [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الامارة : باب فضل الرباط فی سبیل اللہ (١٩١٣) ترمذی : کتاب فضائل الجهاد (١٦٦٥) مسند احمد (٥/٤٤٠)]

② [صحیح :ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب فی فضل الرباط (٢٥٠٠) ترمذی : کتاب فضائل الجهاد : باب ماجاء فی فضل من مات مرابطا (١٦٢١) ابن حبان (٤٦٢٤) مستدرك حاكم (١/١٠٢)مسند احمد (٦/٢٠) بیهقی فی شعب الایمان (٤/٤٢٨٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

③ [صحیح :ابن ماجه : کتاب الجهاد : باب فضل الرباط فی سبیل الله (٢٧٦٧)] حافظ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔[الزوائد (٢/٣٩١)] امام سیوطیؒ نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[الدر المنثور (٢/٢٠٢)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق الرغیب (٢/٥١)]

④ [حسن بالشواهد :مسند احمد (٢/٤٠٤)]

⑤ [صحیح بالشواهد :مسند احمد (٦/٣٦٢) ابن ابی عاصم فی الجهاد (٣٠٧) طبرانی کبیر ٢٤/٢٥٤)]

⑥ [حسن بالشواهد :مسند احمد (١/٦١۔ ٦٥) مستدرك حاكم (٢/٨١)]

⑦ [ضعیف :ابن ماجه : کتاب الجهاد : باب فضل الرباط فی سبیل الله (٢٧٦٦)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعلیق الرغیب (٢/١٥٢)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم ضعیف ہے۔]

⑧ [صحیح بالشواهد :مسند احمد (١/٦٢)]

سمط محافظتِ سرحد میں تھے اور زمانہ زیادہ گزر جانے کے بعد کچھ تنگ دل ہو رہے تھے کہ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ان کے پاس پہنچے اور فرمایا آؤ میں تجھے پیغمبر اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث سناؤں آپ نے فرمایا ہے ایک دن سرحد کی حفاظت ایک مہینہ کے صیام وقیام سے افضل ہے اور جو اسی حالت میں مر جائے وہ فتنہ قبر سے محفوظ رہتا ہے اور اس کے اعمال قیامت تک جاری رہتے ہیں۔ (۱)

ابن ماجہ میں ہے کہ ایک رات اللہ تعالیٰ کی راہ میں پہرہ دینا تاکہ مسلمان امن سے رہیں ہاں نیت نیک ہو گو وہ رات رمضان کی نہ ہو ایک سو سال کی عبادت سے افضل ہے جس کے دن روزے میں اور جس کی راتیں تہجد میں گزری ہوں اور ایک دن کی رب العزت کی راہ میں تیاری تاکہ مسلمان با حفاظت رہیں طلبِ ثواب کی نیت سے ماہ رمضان کے بغیر اللہ کے نزدیک ایک ہزار سال کے روزوں اور تہجد سے افضل ہے' اب اگر یہ غازی سلامتی اور زندگی کے ساتھ اپنے والوں میں آ گیا تو ایک ہزار سال کی برائیاں اس کے نامہ اعمال میں نہیں لکھی جائیں گی اور نیکیاں لکھی جائیں گی اور اس مرابطہ کا اجر قیامت تک اسے ملتا رہے گا (۲) یہ حدیث غریب ہے بلکہ منکر ہے اس کے ایک راوی عمر بن صبح متہم ہیں' ابن ماجہ کی ایک اور غریب حدیث میں ہے کہ ایک رات کی مسلم لشکر کی چوکیداری ایک ہزار سال کی راتوں کے قیام اور دنوں کے صیام سے افضل ہے ہر سال کے تین سو ساٹھ دن اور ہر دن مثل ایک ہزار سال کے۔ (۳) اس کے راوی سعید بن خالد ابو زرعہ رحمہ اللہ وغیرہ ہیں ائمہ نے اسے ضعیف کہا ہے بلکہ امام حاکم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس کی روایت سے موضوع حدیثیں بھی ہیں' ایک منقطع حدیث میں ہے لشکرِ اسلام کے چوکیدار پر اللہ تعالیٰ کا رحم ہو (۴) (ابن ماجہ) حضرت سہل بن حنظلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حنین والے دن ہم رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلے شام کی نماز میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ادا کی' اتنے میں ایک گھوڑ سوار آیا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آگے نکل گیا تھا اور فلاں پہاڑ پر چڑھ کر میں نے نگاہ ڈالی تو دیکھا کہ قبیلہ ہوازن کے لوگ میدان میں جمع ہو گئے

---

(۱) [صحیح : ترمذی : کتاب فضائل الجهاد : باب ماجاء فی فضل المرابط (١٦٦٥)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی]

(۲) [موضوع : ابن ماجه : كتاب الجهاد : باب فضل الرباط فی سبيل الله (٢٧٦٨)] حافظ بوصیریؒ فرماتے ہیں کہ یہ سند ضعیف ہے۔[الزوائد (٣٩٢/٢)] امام منذریؒ نے فرمایا ہے کہ اس پر وضع کی علامات ظاہر ہیں۔[الترغیب (٢٤٥/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔[التعليق الرغيب (١٥١/٢)]

(۳) [موضوع : ابن ماجه : كتاب الجهاد : باب فضل الحرس والتكبير فی سبيل الله (٢٧٧٠) ابن ابی عاصم فی الجهاد (٣٠٥) مسند ابو يعلى (٣٩٧٤/٧)] امام ابن جوزیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔[العلل المتناهية (٩٥٦)] امام منذریؒ نے اسے موضوع کے مشابہ کہا ہے۔[الترغيب (٣٤٩/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے موضوع کہا ہے۔[السلسلة الضعيفة (١٢٣٤)]

(۴) [ضعیف : ابن ماجه : كتاب الجهاد : باب فضل الحرس والتكبير فی سبيل الله (٢٧٦٩)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعيفة (٣٦٤١)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

ہیں یہاں تک کہ ان کی اونٹنیاں' بکریاں' عورتیں اور بچے بھی ساتھ ہیں حضور ﷺ مسکرائے اور فرمایا ان شاءاللہ! یہ سب کل مسلمانوں کی مال غنیمت ہوگا پھر فرمایا بتاؤ آج کی رات پہرہ کون دے گا؟ حضرت انس بن ابو مرثد رضی اللہ عنہ نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں حاضر ہوں آپ نے فرمایا جاؤ سواری لے کر آؤ وہ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر حاضر ہوئے آپ نے فرمایا اس گھاٹی پر چلے جاؤ اور اس پہاڑی کی چوٹی پر چڑھ جاؤ خبردار! تمہاری طرف سے ان کے ساتھ کوئی چھیڑ چھاڑ صبح تک نہ ہو' صبح جس وقت نماز کے لیے حضور ﷺ تشریف لائے دو سنتیں ادا کیں اور لوگوں سے پوچھا کہو تمہارے پہرے دار سوار کی تو کوئی آہٹ نہیں سنی لوگوں نے کہا نہیں یارسول اللہ! ﷺ اب تکبیر کہی گئی اور آپ نے نماز شروع کی آپ کا خیال اسی گھاٹی کی طرف تھا نماز سے سلام پھیرتے ہی آپ نے فرمایا خوش ہو جاؤ تمہارا گھوڑ سوار آ رہا ہے ہم نے جھاڑیوں میں جھانک کر دیکھا تو تھوڑی دیر میں ہمیں بھی دکھائی دے گئے آ کر حضور ﷺ سے کہا یارسول اللہ ﷺ میں اس وادی کے اوپر کے حصے پر پہنچ گیا اور ارشاد کے مطابق وہیں رات گزاری صبح میں نے دوسری گھاٹی بھی دیکھ ڈالی لیکن وہاں بھی کوئی نہیں آپ نے فرمایا کیا رات کو وہاں سے تم نیچے بھی اترے تھے؟ جواب دیا نہیں صرف نماز کے لیے اور قضاء حاجت کے لیے نیچے اترا تھا آپ نے فرمایا تم نے اپنے لیے جنت واجب کر لی اب تم اس کے بعد کوئی عمل نہ کرو تو بھی تم پر کوئی حرج نہیں۔ [1] (ابوداوٗد' نسائی) مسند احمد میں ہے کہ ایک غزوہ کے موقعہ پر ایک رات کو ہم بلند جگہ پر تھے اور سخت سردی تھی یہاں تک کہ لوگ زمین میں گڑھے کھود کھود کر اپنے اوپر ڈھالیں لے لے کر پڑے ہوئے تھے آنحضرت ﷺ نے اس وقت آواز دی کہ کوئی ہے جو آج کی رات ہماری چوکیداری کرے اور مجھ سے بہترین دعا لے تو ایک انصاری کھڑا ہو گیا اور کہا حضور ﷺ میں تیار ہوں آپ نے اسے پاس بلا کر نام دریافت کر کے اس کے لیے بہت دعا کی ابوریحانہ رضی اللہ عنہ یہ دعائیں سن کر آگے بڑھے اور کہنے لگے یارسول اللہ ﷺ میں بھی پہرہ دوں گا آپ نے مجھے بھی پاس بلا لیا اور نام پوچھ کر میرے لیے بھی دعائیں کیں لیکن اس انصاری صحابی رضی اللہ عنہ سے یہ دعا کم تھی پھر آپ نے فرمایا اس آنکھ پر جہنم کی آنچ حرام ہے جو اللہ کے ڈر سے روئے اور اس آنکھ پر جو اللہ کی راہ میں شب بیداری کرے۔ [2] مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو شخص مسلمانوں کے پیچھے سے ان کا پہرہ دے اپنی خوشی سے بغیر سلطان کی اجرت و تنخواہ کے وہ اپنی آنکھوں سے بھی جہنم کی آگ کو نہ دیکھے گا مگر صرف قسم پوری ہونے کے لیے جو اس آیت

---

[1] [صحیح :ابوداؤد : كتاب الجهاد : باب في فضل الحرس في سبيل الله تعالى (٢٥٠١) بيهقي في دلائل النبوة (١٢٥/٥) نسائي في السنن الكبرى (٨٨٧٠) بخاري في التاريخ الكبير (٣٠/٢)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[فتح الباري (٢٧/٨)] امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابوداود]

[2] [حسن لغیرہ :مسند احمد (١٣٤/٤) ابن ابی شيبة (٧٣٣/٢) طبرانی اوسط (٨٧٣٦) مستدرك حاكم (٨٣/٢) دارمی (٢٤٠٥/٢) نسائي في السنن الكبرى (٨٨٦٩/٥)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس روایت کو حسن لغیرہ کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (١٧٢١٣)]

میں ہے ﴿وَاِنْ مِّنْكُمْ اِلَّا وَارِدُهَا﴾ (مریم / ۷۱) یعنی تم سب اس پر وارد ہو گے۔ [1]

صحیح بخاری میں ہے دینار کا بندہ برباد ہوا اور کپڑوں کا بندہ اگر مال دیا جائے تو خوش ہے اور اگر نہ دیا جائے تو ناخوش ہے، یہ بھی برباد ہوا اور خراب ہوا اگر اسے کانٹا چبھ جائے تو نکالنے کی کوشش بھی نہ کی جائے خوش نصیب ہوا اور پھلا خوب پھولا وہ شخص جو اللہ کی راہ میں جہاد کے لیے اپنے گھوڑے کی لگام تھامے ہوئے ہے بکھرے ہوئے بال ہیں اور گرد آلود قدم ہیں اگر چوکیداری پر مقرر کر دیا گیا ہے تو چوکیداری کر رہا ہے اور اگر لشکر کے اگلے حصے میں مقرر کر دیا گیا ہے تو وہیں خوش ہے لوگوں کی نظروں میں اتنا گرا پڑا ہے کہ اگر کہیں جانا چاہے تو اجازت نہ ملے اور اگر کسی کی سفارش کرے تو قبول نہ ہو۔ [2] الحمدللہ اس آیت کے متعلق خاص حدیثیں بیان ہو گئیں اللہ تعالیٰ کے اس فضل و کرم پر ہم اس کا شکر ادا کرتے ہیں اور شکر گزاری سے رہتی دنیا تک فارغ نہیں ہو سکتے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے امیر المومنین خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو میدانِ جنگ سے ایک خط لکھا اور اس میں رومیوں کی فوج کی کثرت، ان کی آلاتِ حرب کی حالت اور ان کی تیاریوں کی کیفیتیں بیان کیں اور لکھا کہ سخت خطرہ کا موقعہ ہے، یہاں سے فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا جواب گیا جس میں حمد و ثنا کے بعد تحریر تھا کہ کبھی کبھی مومن بندوں پر سختیاں بھی آ جاتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ ان کے بعد آسانیاں بھیج دیتا ہے۔ سنو! ایک سختی دو آسانیوں پر غالب نہیں آ سکتی سنو! پروردگار عالم کا فرمان ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اصْبِرُوا﴾ [3] حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ نے سن ۱۷۰ یا ۱۷۷ھ میں شہر طرسوس میں حضرت محمد بن ابراہیم ابی سکینہ رحمہ اللہ کو جبکہ وہ ان کو الوداع کرنے آئے تھے اور یہ جہاد کو جا رہے تھے یہ اشعار لکھوا کر حضرت فضیل بن عیاض رضی اللہ عنہ کو بھجوائے:

يَا عَابِدَ الْحَرَمَيْنِ لَوْ أَبْصَرْتَنَا ... لَعَلِمْتَ أَنَّكَ فِي الْعِبَادَةِ تَلْعَبُ
مَنْ كَانَ يَخْضِبُ خَدَّهُ بِدُمُوعِهِ ... فَنُحُورُنَا بِدِمَائِنَا تَتَخَضَّبُ
أَوْ كَانَ يَتْعَبُ خَيْلُهُ فِي بَاطِلٍ ... فَخُيُولُنَا يَوْمَ الصَّبِيحَةِ تَتْعَبُ
رِيحُ الْعَبِيرِ لَكُمْ وَنَحْنُ عَبِيرُنَا ... وَهَجُ السَّنَابِكِ وَالْغُبَارُ الْأَطْيَبُ
وَلَقَدْ أَتَانَا مِنْ مَقَالِ نَبِيِّنَا ... قَوْلٌ صَحِيحٌ صَادِقٌ لَا يَكْذِبُ
لَا يَسْتَوِي غُبَارُ خَيْلِ اللّٰهِ فِي ... أَنْفِ امْرِئٍ وَدُخَانُ نَارٍ تَلْهَبُ
هٰذَا كِتَابُ اللّٰهِ يَنْطِقُ بَيْنَنَا ... لَيْسَ الشَّهِيدُ بِمَيِّتٍ لَا يَكْذِبُ

اے مکہ مدینہ میں رہ کر عبادت کرنے والے اگر تو ہم مجاہدین کو دیکھ لیتا تو بالیقین تجھے معلوم ہو جاتا کہ تیری عبادت تو ایک کھیل ہے، ایک وہ شخص ہے جس کے آنسو اس کے رخساروں کو تر کرتے ہیں اور ایک ہم ہیں جو اپنی گردن اللہ کی راہ میں کٹوا کر اپنے خون میں آپ نہا لیتے ہیں۔ ایک وہ شخص ہے جس کا گھوڑا باطل اور بے کار کام

---

[1] [ضعیف مسند احمد (۳/۴۳۷) مسند ابو یعلی (۱٤۹۰)] یہ روایت ابن لہیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [صحیح صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله (۲۸۸۷)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸۳۹۳)]

میں تھک جاتا ہے اور ہمارے گھوڑے حملے اور لڑائی کے دن ہی تھکتے ہیں۔ اگر کی خوشبوئیں تمہارے لیے ہیں اور ہمارے لیے اگر کی خوشبو گھوڑوں کے ٹاپوں کی خاک اور پاکیزہ گرد و غبار ہے۔ یقین مانو ہمیں نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث پہنچ چکی ہے جو سراسر راستی اور درستی والی بالکل سچی ہے۔ کہ جس کسی کے ناک میں اس اللہ تعالیٰ کے لشکر کی گرد بھی پہنچ گئی اس کے ناک میں شعلے مارنے والی جہنم کی آگ کا دھواں بھی نہ جائے گا۔ اور لو یہ ہے اللہ تعالیٰ کی پاک کتاب جو ہم میں موجود ہے اور صاف کہہ رہی ہے اور سچ کہہ رہی ہے کہ شہید مردہ نہیں۔

محمد بن ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب میں نے مسجد حرام میں پہنچ کر حضرت فضیل بن عیاض رحمہ اللہ کو یہ اشعار دکھائے تو آپ پڑھ کر زار زار روئے اور فرمایا عبدالرحمٰن رحمہ اللہ نے اللہ تعالیٰ کی رحمتیں ان پر ہوں صحیح اور سچ فرمایا اور مجھے نصیحت کی اور میری بے حد خیر خواہی کی، پھر مجھ سے فرمایا کیا تم حدیث لکھتے ہو میں نے کہا جی ہاں کہا اچھا تم جو یہ نصیحت نامہ میرے پاس لائے اس کے بدلے میں تمہیں ایک حدیث لکھواتا ہوں وہ یہ کہ رسول اللہ ﷺ سے ایک شخص نے درخواست کی کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے ایسا عمل بتایئے جس سے میں مجاہد کا ثواب پا لوں؟ آپ نے فرمایا کیا تجھ میں یہ طاقت ہے کہ نماز ہی پڑھتا رہے اور تھکے نہیں اور روزے رکھتا چلا جائے اور کبھی بے روزہ نہ رہے؟ اس نے کہا حضور ﷺ اس کی طاقت کہاں؟ میں اس سے بہت ہی ضعیف ہوں آپ نے فرمایا اگر تجھ میں اتنی طاقت ہوتی اور تو ایسا کر بھی سکتا تو بھی مجاہد فی سبیل اللہ کے درجے کو نہ پہنچ سکتا، تو یہ بھی جانتا ہے کہ مجاہد کے گھوڑے کی رسی دراز ہو جائے اور وہ ادھر ادھر چر جائے تو اس پر بھی مجاہد کو نیکیاں ملتی ہیں۔ [1] اس کے بعد اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہو اور ہر حال میں، ہر وقت، ہر معاملہ میں اللہ کا خوف کیا کرو۔ جناب رسول اکرم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو جب یمن کی طرف بھیجا تو فرمایا اے معاذ! جہاں بھی ہو اللہ کا خوف دل میں رکھ اور اگر تجھ سے کوئی برائی ہو جائے تو فوراً کوئی نیکی بھی کر لے تا کہ وہ برائی مٹ جائے اور لوگوں سے خلق و مروت کے ساتھ پیش آیا کر۔ [2]

پھر فرماتا ہے کہ یہ چاروں کام کر لینے سے تم اپنے مقصد میں کامیاب اور بامراد ہو جاؤ گے دنیا اور آخرت میں فلاح و نجات پا لو گے۔ حضرت محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ اللہ فرماتا ہے تم میرا لحاظ رکھو میرے خوف سے کانپتے رہو مجھ سے ڈرتے رہو میرے اور اپنے معاملہ میں متقی رہو تو کل جبکہ تم مجھ سے ملو گے نجات یافتہ اور بامراد ہو جاؤ گے۔ [3] **انتھی**

سورہ آل عمران کی تفسیر اپنے اختتام کو پہنچی۔ ((**وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ وَنَسْأَلُهُ الْمَوْتَ عَلَى الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ اٰمِيْنَ يَا اِلٰهَ الْعَالَمِيْنَ**))

---

[1] [**صحیح** : مسند احمد (٥/٢٣٦)]

[2] [**صحیح** : ترمذی : کتاب البر والصلة : باب ماجاء فی معاشرة الناس (١٩٨٧) مسند احمد (٥/١٢٨) طبرانی کبیر (٢٠/٢٨٧)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[الروض النضیر (٨٥٥)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥١٠)]

تفسیر سورۃ النساء

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ یہ سورت مدینہ شریف میں اتری ہے، حضرت عبداللہ بن زبیر اور حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ جب یہ سورت اتری تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب روک رکھنا نہیں۔ [1] مستدرک حاکم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ سورۂ نساء میں پانچ آیتیں ایسی ہیں کہ اگر ساری دنیا بھی مجھے مل جائے تب بھی مجھے اس قدر خوشی نہ ہو جتنی ان آیتوں سے ہے یعنی آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ (النساء / ٤٠) الخ اللہ تعالیٰ کسی پر ذرہ برابر ظلم نہیں کرتا اور جس کسی کی جو نیکی ہوتی ہے اس کا ثواب بڑھا چڑھا کر دیتا ہے اور اپنی طرف سے جو بطورِ انعام اجرِ عظیم دے وہ جداگانہ ہے۔ اور آیت ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَآئِرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ﴾ (النساء / ٣١) الخ، اگر تم کبیرہ گناہوں سے بچ جاؤ تو ہم تمہارے صغیرہ گناہ خود ہی معاف فرما دیں گے اور تمہیں عزت والی جگہ ''جنت'' میں لے جائیں گے، اور آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ﴾ (النساء / ٤٨) یعنی اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کرنے والے کو تو نہیں بخشتا باقی جس گنہگار کو چاہے بخش دے۔ اور آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ إِذْ ظَّلَمُوْا أَنْفُسَهُمْ جَآءُوْكَ﴾ (النساء / ٦٤) یعنی یہ لوگ گناہ سرزد ہو چکنے کے بعد تیرے پاس آ جاتے اور خود بھی اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہ کی بخشش طلب کرتے اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے لیے استغفار طلب کرتا تو بیشک وہ اللہ تعالیٰ کو معافی دینے اور مہربانی کرنے والا پاتے۔

امام حاکم رحمہ اللہ فرماتے ہیں یوں تو اس کی اسناد صحیح ہیں لیکن اس کے ایک راوی عبدالرحمٰن کے اپنے باپ سے سننے میں اختلاف ہے، عبدالرزاق کی اس روایت میں آیت ﴿وَلَوْ أَنَّهُمْ﴾ الخ، کے بدلے ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا أَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا﴾ (النساء / ١١٠) ہے یعنی جس شخص سے کوئی برا کام ہو جائے یا اپنے نفس پر ظلم کر گزرے پھر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے تو بے شک وہ اللہ تعالیٰ کو بخشنے والا مہربان پائے گا دونوں احادیث میں تطبیق اس طرح ہے کہ ایک آیت کا بیان کرنا پہلی حدیث میں یا تو رہ گیا ہے اور اس کا بیان دوسری حدیث میں ہے تو چار آیتیں پہلی حدیث اور پانچویں آیت اس حدیث ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ﴾ الخ، کی مل کر پانچ ہو گئیں یا یہ ہے کہ ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ والی آیت پوری ہے اور ﴿وَإِنْ تَكُ حَسَنَةً﴾ کو الگ آیت شمار کیا ہے تو دونوں احادیث میں پانچ پانچ آیتیں ہو گئیں۔ (واللہ اعلم۔ مترجم)

ابن جریر میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اس سورت میں آٹھ آیتیں ہیں جو اس امت کے لیے ہر اس چیز سے بہتر ہیں جن پر سورج نکلتا اور غروب ہوتا ہے پہلی آیت ﴿يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ﴾ (النساء / ٢٦) الخ، اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ اپنے احکام تم پر صاف صاف بیان کر دے اور تمہیں ان اچھے لوگوں کی

---

[1] [ضعیف: طبرانی کبیر (١٢٠٣٣)] یہ روایت ابن لہیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

راہ راست دکھا دے جو تم سے پہلے گزر چکے ہیں اور تم پر مہربانی کرے اللہ تعالیٰ دانا اور حکمت والا ہے' دوسری آیت ﴿وَاللّٰہُ یُرِیْدُ اَنْ یَّتُوْبَ عَلَیْکُمْ﴾ (النساء/۲۷) الخ' یعنی اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم پر اپنی رحمت نازل کرے' تمہاری توبہ قبول فرمائے اور خواہشوں کے پیچھے پڑے ہوئے لوگوں کی چاہت ہے کہ تم راہ حق سے بہت دور ہٹ جاؤ۔ تیسری آیت ﴿یُرِیْدُ اللّٰہُ اَنْ یُّخَفِّفَ عَنْکُمْ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِیْفًا﴾ (النساء/۲۸) یعنی انسان چونکہ ضعیف پیدا کیا گیا ہے اللہ تعالیٰ تم پر تخفیف کرنا چاہتا ہے' باقی آیتیں وہی جو اوپر گزریں ابن ابی ملیکہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سورۂ نساء کی بابت سنا پس میں نے قرآن پڑھا اور میں اس وقت چھوٹا بچہ تھا۔ (حاکم)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ○
يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا
زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ
وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا ①

شروع کرتا ہوں' اللہ کے نام کے ساتھ جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے

لوگو اپنے اس پروردگار سے ڈرو جس نے تمہیں ایک شخص سے پیدا کیا اور اسی سے اس کی بیوی کو پیدا کر کے ان دونوں سے بہت سے مرد اور عورتیں پھیلا دیں' اس اللہ سے ڈرو جس کے نام پر ایک دوسرے سے مانگتے ہو اور رشتے ناتے توڑنے سے بھی بچو' بیشک اللہ تعالیٰ تم پر نگہبان ہے ○

محبت و مودت کا آفاقی اصول: اللہ تعالیٰ اپنے تقوے کا حکم دیتا ہے کہ جسم سے اسی ایک ہی کی عبادتیں کی جائیں اور دل میں صرف اسی کا خوف رکھا جائے' پھر اپنی قدرت کاملہ کا بیان فرماتا ہے کہ اس نے تم سب کو ایک ہی شخص یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے' ان کی بیوی یعنی حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو بھی انہی سے پیدا کیا' آپ سوئے ہوئے تھے کہ بائیں طرف کی پسلی کی پچھلی طرف سے حضرت حوا رضی اللہ عنہا کو پیدا کیا' آپ نے بیدار ہو کر انہیں دیکھا اور اپنی طبیعت کو ان کی طرف راغب پایا اور انہیں بھی ان سے انس پیدا ہوا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عورت مرد سے پیدا کی گئی ہے اس لیے اس کی حاجت و شہوت مرد میں رکھی گئی ہے اور مرد زمین سے پیدا کیے گئے ہیں اس لیے ان کی حاجت زمین میں رکھی گئی ہے پس تم اپنی عورتوں کو روکے رکھو' صحیح حدیث میں ہے عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور سب سے بلند پسلی سب سے زیادہ ٹیڑھی ہے پس اگر تو اسے بالکل سیدھی کرنے کو جائے گا تو توڑ دے گا اور اگر اس میں کچھ کجی باقی چھوڑتے ہوئے فائدہ اٹھانا چاہے گا تو بیشک فائدہ اٹھا سکتا ہے۔ [1]

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب خلق آدم و ذریته (۳۳۳۱) و کتاب النکاح (٥١٨٤) صحیح مسلم: کتاب الرضاع: باب الوصیة بالنسآء (٥٩)]

پھر فرمایا ان دونوں سے یعنی آدم وحوا سے بہت سے انسان مرد وعورت چاروں طرف دنیا میں پھیلا دیئے جن کی قسمیں، صفتیں رنگ روپ، بول چال میں بہت کچھ اختلاف ہے، جس طرح یہ سب پہلے اللہ تعالیٰ کے قبضے میں تھے اور پھر انہیں اس نے ادھر ادھر پھیلا دیا، ایک وقت ان سب کو سمیٹ کر پھر اپنے قبضے میں کر کے ایک میدان میں جمع کرے گا۔ پس اللہ سے ڈرتے رہو اس کی اطاعت، عبادت بجا لاتے رہو اسی اللہ کے واسطے سے اور اسی کے پاک نام پر تم آپس میں ایک دوسرے سے مانگتے ہو، مثلاً یہ کہنا کہ میں تجھے اللہ کو یاد دلا کر اور رشتے کو یاد دلا کر یوں کہتا ہوں[1] اسی کے نام کی قسمیں کھاتے ہو اور عہد و پیمان مضبوط کرتے ہو۔[2]

اللہ جل شانہ سے ڈر کر رشتوں ناتوں کی حفاظت کرو انہیں توڑو نہیں بلکہ جوڑ و صلہ رحمی، نیکی اور سلوک آپس میں کرتے رہو۔[3] ﴿اَرْحَامِ﴾ بھی ایک قرأت میں ہے یعنی اللہ کے نام پر اور رشتے کے واسطے سے، اللہ تعالیٰ تمہارے تمام احوال اور اعمال سے واقف ہے خوب دیکھ بھال رہا ہے، جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ شَهِيْدٌ﴾ (البروج/٩) اللہ ہر چیز پر گواہ اور حاضر ہے، صحیح حدیث میں ہے اللہ عز و جل کی ایسی عبادت کر کہ گویا تو اسے دیکھ رہا ہے پس اگر تو اسے نہیں دیکھ رہا تو وہ تو تجھے دیکھ ہی رہا ہے۔[4] مطلب یہ ہے کہ اس کا لحاظ رکھو جو تمہارے ہر اٹھنے بیٹھنے، چلنے پھرنے پر نگران ہے۔

یہاں فرمایا گیا کہ لوگو تم سب ایک ہی ماں باپ کی اولاد ہو ایک دوسرے پر شفقت کیا کرو، کمزور اور ناتواں کا ساتھ دو اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرو، صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ جب قبیلہ مضر کے چند لوگ رسول اللہ ﷺ کے پاس چادریں لپیٹے ہوئے آئے کیونکہ ان کے جسم پر کپڑا تک نہ تھا تو حضور ﷺ نے کھڑے ہو کر نماز ظہر کے بعد وعظ بیان فرمایا جس میں اس آیت کی تلاوت کی پھر آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَلْتَنْظُرْ﴾ (الحشر/١٨) الخ، کی تلاوت کی، پھر لوگوں کو خیرات کرنے کی ترغیب دی چنانچہ جس سے جو ہو سکا ان لوگوں کے لیے دیا درہم و دینار بھی اور کھجور و گیہوں بھی۔[5] یہ حدیث مسند اور سنن میں خطبہ حاجات کے بیان میں ہے۔[6] پھر تین آیتیں پڑھیں جن میں سے ایک آیت یہی ہے۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥١٩)] [2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥١٨)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥١٩ ـ ٥٢٢)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب سوال جبریل النبی (٥٠) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان الایمان والاسلام (٩)]

[5] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب الزکاۃ : باب الحث علی الصدقة ولو بشق تمرة (١٠١٧)]

[6] [صحیح: ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی خطبة النکاح (٢١١٨) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب خطبة النکاح (١٨٩٢) ترمذی : کتاب النکاح : باب ماجآء فی خطبة النکاح (١١٠٥) نسائی : کتاب التطبیق : باب کیف التشهد (١١٦٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (١٤٨٣) الکلم الطیب (٢٠٥)]

وَ اٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَهُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۪ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ؕ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا ۝ وَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتٰمٰى فَانْكِحُوْا مَا طَابَ لَكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ مَثْنٰى وَ ثُلٰثَ وَ رُبٰعَ ۚ فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا ۝ وَ اٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً ؕ فَاِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَىْءٍ مِّنْهُ نَفْسًا فَكُلُوْهُ هَنِيْٓـًٔا مَّرِيْٓـًٔا ۝

یتیموں کو ان کے مال دے دیا کرو پاک اور حلال چیز کے بدلے ناپاک اور حرام چیز نہ لو اپنے مالوں کے ساتھ ان کے مال ملا کر نہ کھاؤ' بیشک یہ بہت بڑا گناہ ہے○ اگر تمہیں ڈر ہو کہ یتیم لڑکیوں سے نکاح کر کے تم انصاف نہ رکھ سکو گے تو اور عورتوں سے بھی جو تمہیں اچھی لگیں تم ان سے نکاح کر لو دو دو تین تین چار چار سے' لیکن اگر تمہیں برابری نہ کر سکنے کا خوف ہو تو ایک ہی بس ہے یا تمہاری ملکیت کی لونڈی ہی' ممکن ہے کہ ایسا کرنے سے' ناانصافی اور ایک طرف جھک پڑنے سے بچ جاؤ○ عورتوں کو ان کے مہر راضی خوشی دے دیا کرو' ہاں اگر وہ خود اپنی خوشی کچھ مہر چھوڑ دیں تو اسے شوق سے خوش ہو کر کھاؤ پیو○

یتیموں کی پرورش اور چار تک شادیوں کی رخصت: اللہ تعالیٰ یتیموں کے والیوں کو حکم دیتا ہے کہ جب یتیم بلوغت اور سمجھداری کو پہنچ جائیں تو ان کے جو مال تمہارے پاس ہوں انہیں سونپ دو' پورے پورے بغیر کمی اور خیانت کے ان کے حوالے کرو' اپنے مالوں کے ساتھ ملا کر گڈمڈ کر کے کھا جانے کی نیت نہ رکھو' حلال رزق جب اللہ رحیم تمہیں دے رہا ہے پھر حرام کی طرف کیوں منہ اٹھاؤ؟ تقدیر کی روزی مل کر ہی رہے گی اپنے حلال مال چھوڑ کر لوگوں کے مالوں کو جو تم پر حرام ہیں نہ لو' دبلا پتلا جانور دے کر موٹا تازہ نہ لو' بوٹی دے کر بکرے کی فکر نہ کرو' ردی دے کر اچھے کی اور کھوٹا دے کر کھرے کی نیت نہ رکھو' پہلے لوگ ایسا کر لیا کرتے تھے کہ یتیموں کی بکریوں کے ریوڑ میں سے عمدہ بکری لے لی اور اپنی دبلی پتلی بکری دے کر گنتی پوری کر دی' کھوٹا درہم اس کے مال میں ڈال کر کھرا نکال لیا اور پھر سمجھ لیا کہ ہم نے تو بکری کے بدلے بکری اور درہم کے بدلے درہم لیا ہے۔ ان کے مالوں میں اپنا مال خلط ملط کر کے پھر یہ حیلہ کر کے اب امتیاز کیا ہے؟ ان کے مال تلف نہ کرو' یہ بڑا گناہ ہے' ایک ضعیف حدیث میں بھی یہی معنی آخری جملے کے مروی ہیں'[1] ابوداؤد کی حدیث میں ایک دعا میں بھی ﴿حُوْب﴾ کا لفظ گناہ کے معنی میں آیا ہے'[2] حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ نے جب اپنی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ کیا تھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا تھا کہ اس طلاق میں گناہ ہے'[3] چنانچہ وہ اپنے ارادے سے باز رہے۔[4] ایک روایت میں یہ واقعہ

---

[1] [**ضعیف** : تفسیر ابن جریر الطبری (٥٢٥/٧)] اس میں یونس کدیمی راوی ضعیف ہے۔]

[2] [**ضعیف** : ابو داؤد : کتاب الطب : باب کیف الرقی (٣٨٩٢)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابو داود ، المشکاۃ (١٥٥٥)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [**ضعیف** : طبرانی کبیر (١٣٦/٢٥)] اس کی سند میں یحییٰ بن عبدالحمید حمانی راوی ضعیف ہے۔]

[4] [**ضعیف** : اس میں ھوذہ راوی ضعیف ہے۔]

حضرت ابوطلحہ اور ام سلیم رضی اللہ عنہما کا مروی ہے۔ [1]

پھر فرماتا ہے کہ تمہاری پرورش میں کوئی یتیم لڑکی ہو اور تم اس سے نکاح کرنا چاہتے ہو لیکن چونکہ اس کا کوئی اور نہیں اس لیے تم تو ایسا نہ کرو کہ مہر اور حقوق میں کمی کر کے اسے اپنے گھر ڈال لو اس سے باز رہو اور عورتیں بہت ہیں جس سے چاہو نکاح کر لو' حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ایک یتیم لڑکی تھی جس کے پاس مال بھی تھا اور باغ بھی جس کی پرورش میں وہ تھی اس نے صرف اس مال کے لالچ میں بغیر اس کا پورا مہر وغیرہ مقرر کرنے کے اس سے نکاح کر لیا جس پر یہ آیت اتری میرا خیال ہے کہ اس باغ اور مال میں یہ لڑکی حصہ دار تھی۔ [2] صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اس آیت کا مطلب پوچھا تو آپ نے فرمایا بھانجے یہ ذکر اس یتیم لڑکی کا ہے جو اپنے ولی کے قبضہ میں ہے اس کے مال میں شریک ہے اور اسے اس کا مال وجمال اچھا لگتا ہے چاہتا ہے کہ اس سے نکاح کر لے لیکن جو مہر وغیرہ اور جگہ سے اسے ملتا ہے اتنا یہ نہیں دیتا تو اسے منع کیا جا رہا ہے کہ وہ اس اپنی نیت کو چھوڑ دے اور کسی دوسری عورت سے جس سے چاہے اپنا نکاح کر لے' پھر اس کے بعد لوگوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کی بابت دریافت کیا اور آیت ﴿وَيَسْتَفْتُونَكَ فِي النِّسَاءِ﴾ (النساء / ١٢٧) الخ' نازل ہوئی وہاں فرمایا گیا ہے کہ جب یتیم لڑکی کم مال والی اور کم جمال والی ہوتی ہے اس وقت تو اس کے والی اس سے بے رغبتی کرتے ہیں پھر کوئی وجہ نہیں کہ مال وجمال پر مائل ہو کر اس کے پورے حقوق ادا نہ کر کے اس سے اپنا نکاح کر لیں۔ [3] ہاں عدل وانصاف سے پورا مہر وغیرہ مقرر کریں تو کوئی حرج نہیں' ورنہ پھر عورتوں کی کمی نہیں۔ اور کسی سے جس سے چاہیں نکاح کر لیں۔ اگر چاہیں دو دو عورتیں اپنے نکاح میں رکھیں اگر چاہیں تین تین رکھیں اگر چاہیں چار چار جیسے اور جگہ یہ الفاظ ان ہی معنوں میں ہیں' فرماتا ہے ﴿جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ﴾ (فاطر / ١) یعنی جن فرشتوں کو اللہ تعالیٰ اپنا قاصد بنا کر بھیجتا ہے ان میں سے بعض دو دو پروں والے ہیں بعض تین تین پروں والے بعض چار پروں والے' فرشتوں میں اس سے زیادہ پر والے فرشتے بھی ہیں کیونکہ دلیل سے یہ ثابت شدہ ہے' لیکن مرد کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویوں کا جمع کرنا منع ہے جیسے کہ اس آیت میں موجود ہے' اور جیسے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور جمہور کا قول ہے' یہاں اللہ تعالیٰ اپنے احسان اور انعام بیان فرما رہا ہے پس اگر چار سے زیادہ کی اجازت دینی منظور ہوتی تو ضرور فرما دیا جاتا' حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں حدیث جو قرآن کی وضاحت کرنے والی ہے اس نے بتلا دیا ہے کہ سوائے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی کے لیے چار سے زیادہ بیویوں کا بیک وقت جمع کرنا جائز نہیں اسی پر علماء کرام کا اجماع ہے۔ البتہ بعض شیعہ کا قول ہے کہ نو تک جمع کرنی جائز ہیں' بلکہ بعض شیعہ نے تو کہا ہے کہ نو سے بھی زیادہ جمع کر لینے میں بھی

---

[1] [ضعیف : مستدرک حاکم (٣٠٢/٢) ابن عدی فی الکامل (١٨٣٨/٥)] اس کی سند میں علی بن عاصم راوی ضعیف ہے۔ امام ابن عدیؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب وان خفتم الا تقسطوا (٤٥٧٣)]

[3] [صحیح : بخاری (٤٥٧٤) صحیح مسلم : کتاب التفسیر : باب فی تفسیر آیات متفرقة (٣٠١٨)]

کوئی حرج نہیں کوئی تعداد مقرر ہے ہی نہیں' ان کا استدلال ایک تو رسول کریم ﷺ کے فعل سے ہے جیسا کہ صحیح حدیث میں آچکا ہے کہ آپ کی نو بیویاں تھیں' ① اور بخاری شریف کی معلق حدیث کے بعض راویوں نے گیارہ کہا ہے۔ ②

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے پندرہ بیویوں سے عقد کیا تیرہ کی رخصتی ہوئی ایک وقت میں گیارہ بیویاں آپ کے پاس تھیں انتقال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں۔ ③ ہمارے علماء کرام رحمہم اللہ اس کے جواب میں فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی خصوصیت تھی۔ امتی کو ایک وقت میں چار سے زیادہ بیویاں پاس رکھنے کی اجازت نہیں' جیسے کہ یہ حدیثیں اس امر پر دلالت کرتی ہیں' حضرت غیلان بن سلمہ ثقفی رضی اللہ عنہ جب مسلمان ہوتے ہیں تو ان کے پاس ان کی دس بیویاں تھیں حضور ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ ان میں سے جنہیں چاہو چار رکھ لو باقی کو چھوڑ دو چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں اپنی ان بیویوں کو بھی طلاق دے دی اور اپنے لڑکوں کو اپنا مال بانٹ دیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا شاید تیرے شیطان نے بات اچک لی اور تیرے دل میں خیال جما دیا ہے کہ تو عنقریب مرنے والا ہے اس لئے اپنی بیویوں کو بھی تو نے الگ کر دیا کہ وہ تیرا مال نہ پائیں اور اپنا مال اپنی اولاد میں تقسیم کر دیا میں تجھے حکم دیتا ہوں کہ اپنی بیویوں سے رجوع کر لے اور اپنی اولاد سے مال واپس لے لے اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تیرے بعد تیری ان مطلقہ بیویوں کو بھی تیرا وارث بناؤں گا کیونکہ تو نے انہیں اسی ڈر سے طلاق دی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ تیری زندگی بھی اب ختم ہونے والی ہے اور اگر تو نے میری بات نہ مانی تو یاد رکھ میں حکم دوں گا کہ لوگ تیری قبر پر پتھر پھینکیں جیسے کہ ابو رغال کی قبر پر پتھر پھینکے جاتے ہیں۔ ④ (مسند احمد' شافعی' ترمذی' ابن ماجہ' دار قطنی' بیہقی وغیرہ) مرفوع حدیث تک تو ان سب کتابوں میں ہے ہاں حضرت عمر رضی اللہ عنہ والا واقعہ صرف مسند احمد میں ہی ہے لیکن یہ زیادتی حسن ہے' اگرچہ امام بخاری رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے اور اس کی اسناد کا دوسرا طریقہ بتا کر اس طریقہ کو غیر محفوظ کہا ہے مگر اس تعلیل میں بھی اختلاف ہے۔ واللہ اعلم۔ اور بزرگ محدثین نے بھی اس پر کلام کیا ہے لیکن مسند احمد والی حدیث کے تمام راوی ثقہ ہیں اور شرطِ شیخین پر ہیں۔ ایک اور روایت میں ہے کہ یہ دس عورتیں بھی اپنے خاوند کے ساتھ مسلمان ہوئیں تھیں ملاحظہ ہو سنن نسائی۔ ⑤ اس حدیث سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اگر چار سے زیادہ کا ایک وقت میں نکاح میں

---

① [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب کثرۃ النسآء (٥٠٦٧) صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب جواز ھبتھا نوبتھا لضرتھا (١٤٦٥)]

② [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الغسل : باب اذا جامع ثم عاد ومن دار علی نسائه (٢٦٧)]

③ [مرسل : بیھقی فی دلائل النبوۃ (٢٨٩/٧)]

④ [صحیح : مسند احمد (١٤/٢) ابن حبان (٤١٥٦) دارقطنی (٢٧١/٣) بیھقی (١٧٣/٧) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب الرجل یسلم وعنده اکثر من اربع نسوۃ (١٩٥٣) ترمذی : کتاب النکاح : باب ماجآء فی الرجل یسلم وعنده عشر نسوۃ (١١٢٨)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (١٨٨٣)]

⑤ [حسن : دارقطنی (٢٧١/٣) بیھقی (١٨٣/٧)]

رکھنا جائز ہوتا تو حضور ﷺ ان سے یہ نہ فرماتے کہ اپنی ان دس بیویوں میں سے چار کو جنہیں تم چاہو روک لو باقی کو چھوڑ دو کیونکہ یہ سب بھی اسلام لا چکی تھیں' یہاں یہ بات بھی خیال میں رکھنی چاہیے کہ ثقفی کے ہاں تو یہ دس عورتیں بھی موجود تھیں اس پر بھی آپ نے چھ علیحدہ کرا دیں پھر بھلا کیسے ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص نئے سرے سے چار سے زیادہ جمع کرے؟ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم بالصواب۔

چار سے زائد نکاح مشروط ہیں: ''دوسری حدیث'' ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے حضرت عمیرہ اسدی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے جس وقت اسلام قبول کیا میرے نکاح میں آٹھ عورتیں تھیں میں نے رسول اللہ ﷺ سے ذکر کیا آپ نے فرمایا ان میں سے جن چار کو چاہو رکھ لو' [1] اس کی سند حسن ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں راویوں کے ناموں کا ہیر پھیر وغیرہ ایسی روایات میں نقصان دہ نہیں ہوتا۔

مسند شافعی میں ہے حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے جب اسلام قبول کیا اس وقت میری پانچ بیویاں تھیں مجھ سے حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سے پسند کر کے چار کو رکھ لو اور ایک کو الگ کر دو میں نے جو سب سے زیادہ عمر کی بڑھیا اور بے اولاد بیوی ساٹھ سال کی تھیں انہیں طلاق دے دی' [2] پس یہ حدیثیں حضرت غیلان رضی اللہ عنہ والی پہلی حدیث کی شواہد ہیں جیسے کہ حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ نے فرمایا: پھر فرماتا ہے ہاں اگر ایک سے زیادہ بیویوں میں عدل وانصاف نہ ہوسکنے کا خوف ہو تو صرف ایک ہی پر اکتفا کرو اور اپنی کنیزوں سے استمتاع کرو۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَآءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ﴾ (النساء/١٢٩) یعنی گو تم چاہو لیکن تم سے نہ ہوسکے گا کہ عورتوں کے درمیان پوری طرح عدل وانصاف کو قائم رکھ سکو پس بالکل ایک ہی طرف جھک کر دوسری کو مصیبت میں نہ ڈال دو' ہاں یاد رہے کہ لونڈیوں میں باری وغیرہ کی تقسیم واجب نہیں البتہ مستحب ہے جو کرے اس نے اچھا کیا اور جو نہ کرے اس پر حرج نہیں۔ اس کے بعد کے جملے کے مطلب میں بعض نے تو کہا ہے کہ یہ قریب ہے ان معنی کے کہ تمہارے عیال یعنی فقیری زیادہ نہ ہو۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ عَيْلَةً﴾ (التوبہ/٢٨) یعنی اگر تمہیں فقر کا ڈر ہو۔ عربی شاعر کہتا ہے:

فَمَا يَدْرِی الْفَقِيْرُ مَتٰی غِنَاهُ   وَمَا يَدْرِی الْغِنٰی مَتٰی يَعِيْلُ

یعنی فقیر نہیں جانتا کہ کب امیر ہو جائے گا' اور امیر کو نہیں معلوم کہ کب فقیر بن جائے گا۔ جب کوئی مسکین محتاج ہو جائے تو عرب کہتے ہیں ((عَالَ الرَّجُلُ)) یعنی یہ شخص فقیر ہو گیا غرض اس معنی میں یہ لفظ مستعمل تو ہے لیکن یہاں یہ تفسیر کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی' کیونکہ اگر آزاد عورتوں کی کثرت فقیری کا باعث بن سکتی ہے تو لونڈیوں

---

[1] [صحیح ابوداؤد : کتاب الطلاق : باب فی من اسلم وعندہ نسآء اکثر من اربع (٢٢٤١)، (٢٢٤٢) ابن ماجہ : کتاب النکاح : باب الرجل یسلم وعندہ اکثر من اربع نسوۃ (١٩٥٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود ، صحیح ابن ماجہ]

[2] [مسند الشافعی (١٦/٢)]

کی کثرت بھی فقیری کا سبب ہو سکتی ہے' پس صحیح قول جمہور کا ہے کہ مراد یہ ہے کہ یہ قریب ہے اس سے کہ تم ظلم سے بچ جاؤ' عرب میں کہا جاتا ہے ((عَالَ فِی الْحُکْمِ)) جبکہ ظلم و جور کیا ہو' ابو طالب کے مشہور قصیدے میں ہے:

بِمِیْزَانِ قِسْطٍ لَّا یَخِیْسُ شَعِیْرَةً لَهُ شَاهِدٌ مِّنْ نَفْسِهٖ غَیْرُ عَائِلٍ

بہترین ترازو ضمیر: یعنی ایسی ترازو سے تولتا ہے جو ایک جو برابر کی بھی کمی نہیں کرتا اس کے پاس اس کا گواہ خود اس کا نفس ہے جو ظالم نہیں ہے۔ ابن جریر میں ہے کہ جب کوفیوں نے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر ایک خط میں کچھ الزام لکھ کر بھیجے تو ان کے جواب میں خلیفہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھا کہ ((اِنِّی لَسْتُ بِمِیْزَانٍ اَعُوْلُ)) میں ظلم کا ترازو نہیں ہوں۔ صحیح ابن حبان وغیرہ میں ایک مرفوع حدیث اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ اس کا معنی ہے تم ظلم نہ کرو[1] ابو حاتم رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا مرفوع ہونا تو خطا ہے ہاں یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا قول ہے اسی طرح ﴿لَا تَعُوْلُوْا﴾ کے یہی معنی ہیں یعنی تم ظلم نہ کرو حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حضرت مجاہد' حضرت عکرمہ' حضرت حسن' حضرت ابو مالک' حضرت ابو رزین' حضرت نخعی' حضرت شعبی' حضرت ضحاک' حضرت عطا خراسانی' حضرت قتادہ' حضرت سدی اور حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ وغیرہ سے بھی مروی ہے۔[2] حضرت عکرمہ رحمہ اللہ نے بھی ابو طالب کا وہی شعر پیش کیا ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اسے روایت کیا ہے اور خود امام صاحب بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے اپنی بیویوں کو ان کے مہر خوش دلی سے ادا کر دیا کرو جو بھی مقرر ہوئے ہوں اور جن کو تم نے منظور کیا ہو' ہاں اگر عورت خود اپنا سارا یا تھوڑا یا بہت مہر اپنی خوشی سے مرد کو معاف کر دے تو اسے اختیار ہے اور اس صورت میں بیشک مرد کو اس کا اپنے استعمال میں لانا حلال' طیب ہے' نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی کو جائز نہیں کہ بغیر مہر واجب کے نکاح کرے نہ یہ کہ جھوٹ موٹ مہر کا نام ہی نام ہو[3] ابن ابی حاتم میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کا قول مروی ہے کہ تم میں سے جب کوئی بیمار پڑے تو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی سے اس کے مال کے تین درہم یا کم و بیش لے ان کا شہد خرید لے اور بارش کا آسمانی پانی اس میں ملالے تو تین تین بھلائیاں مل جائیں گی۔ ﴿هَنِیْٓـًٔا مَّرِیْٓـًٔا﴾ تو مال عورت اور شفا شہد اور مبارک بارش کا پانی۔ حضرت ابو صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ اپنی بیٹیوں کا مہر آپ لیتے تھے جس پر یہ آیت اتری اور انہیں اس سے روک دیا گیا۔ (ابن ابی حاتم اور ابن جریر) اس حکم کو سن کر لوگوں نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ان کا مہر کیا ہونا چاہیے؟ آپ نے فرمایا جس چیز پر بھی ان کے ولی رضامند ہو جائیں[4] (ابن ابی حاتم) حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبے میں تین مرتبہ فرمایا کہ بیوہ عورتوں کا نکاح کر دیا کرو' ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایسی صورت میں ان کا مہر کیا ہوگا؟ آپ نے فرمایا جس پر ان کے گھر والے راضی ہو جائیں[5] اس کے ایک راوی ابن بیلمانی ضعیف ہیں' پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔

---

[1] [صحیح ابن حبان (٦/ ١٣٤)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/ ٥٤٩ـ ٥٥١)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/ ٥٥٣)]
[4] [**مرسل وضعیف**: بیهقی (٧/ ٢٣٩)]
[5] [**منقطع وضعیف**: بیهقی (٧/ ٢٣٩)]

وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَآءَ اَمْوَالَكُمُ الَّتِىْ جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ قِيٰمًا وَّارْزُقُوْهُمْ فِيْهَا وَاكْسُوْهُمْ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَابْتَلُوا الْيَتٰمٰى حَتّٰٓى اِذَا بَلَغُوا النِّكَاحَ ۚ فَاِنْ اٰنَسْتُمْ مِّنْهُمْ رُشْدًا فَادْفَعُوْٓا اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ ۚ وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا ۭ وَمَنْ كَانَ غَنِيًّا فَلْيَسْتَعْفِفْ ۚ وَمَنْ كَانَ فَقِيْرًا فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ فَاِذَا دَفَعْتُمْ اِلَيْهِمْ اَمْوَالَهُمْ فَاَشْهِدُوْا عَلَيْهِمْ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ حَسِيْبًا ۝

بے عقل لوگوں کو اپنے مال نہ دے دو جس مال کو اللہ تعالیٰ نے تمہاری گزران کے قائم رکھنے کا ذریعہ بنایا ہے۔ ہاں انہیں اس مال سے کھلاؤ پلاؤ پہناؤ اوڑھاؤ اور انہیں معقولیت سے نرم بات کہو○ اور یتیموں کو ان کے بالغ ہو جانے تک سدھارتے اور آزماتے رہا کرو۔ پھر اگر ان میں تم ہوشیاری اور حسن تدبیر پاؤ تو انہیں ان کے مال سونپ دو اور ان کے بڑے ہو جانے کے ڈر سے ان کے مالوں کو جلدی جلدی فضول خرچیوں میں تباہ نہ کر دو' مالداروں کو چاہیے کہ (اس مال سے) بچتے رہیں' ہاں مسکین محتاج ہو تو دستور کے مطابق واجبی طور پر کھائے' پھر جب انہیں ان کے مال سونپو تو گواہ کر لیا کرو' دراصل حساب لینے والا اللہ ہی کافی ہے○

کم عقل اور یتیموں کے احکام: اللہ سبحانہ وتعالیٰ لوگوں کو منع فرماتا ہے کہ کم عقل بیویوں کو مال کے تصرف سے روکیں' مال کو اللہ تعالیٰ نے تجارتوں وغیرہ میں لگا کر انسان کا ذریعہ معاش بنایا ہے' اس سے معلوم ہوا کہ کم عقل لوگوں کو ان کے مال کے خرچ سے روک دینا چاہیے' مثلاً نابالغ بچہ ہو یا مجنون و دیوانہ ہو یا کم عقل' بے وقوف اور بے دین ہو' بری طرح اپنے مال کو لٹا رہا ہو' اسی طرح ایسا شخص جس پر قرض بہت چڑھ گیا ہو جسے وہ اپنے کل مال سے بھی ادا نہیں کر سکتا اگر قرض خواہ حاکم وقت سے درخواست کریں تو حاکم وہ سب مال اس کے قبضے سے لے لے گا اور اسے بے دخل کر دے گا'

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں ﴿سُفَهَآءَ﴾ سے مراد تیری اولاد اور عورتیں ہیں [1] اسی طرح حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ' حکم بن عیینہ' حسن اور ضحاک رحمہ اللہ علیہم سے بھی مروی ہے کہ اس سے مراد عورتیں اور بچے ہیں' [2] حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یتیم مراد ہیں' [3] مجاہد' عکرمہ' اور قتادہ رحمہ اللہ علیہم کا قول ہے کہ عورتیں مراد ہیں' [4] ابن ابی حاتم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بیشک عورتیں بیوقوف ہیں مگر جو اپنے خاوند کی اطاعت گزار ہوں۔ [5]

ابن مردویہ میں بھی یہ حدیث مطول مروی ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد سرکش غلام ہیں۔ پھر فرماتا ہے انہیں کھلاؤ پہناؤ اور اچھی بات کہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی تیرا مال جس پر تیری گزر بسر موقوف ہے اسے اپنی بیوی بچوں کو نہ دے ڈال کہ پھر ان کا ہاتھ تکتا پھرے بلکہ اپنا مال اپنے قبضے میں رکھ اس کی

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥٦٢)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥٦٢)]
[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥٦٣)]
[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥٦٤)]
[5] [ضعیف : اس کی سند میں عثمان بن ابی عاتکہ اور علی بن یزید دونوں راوی ضعیف ہیں۔]

اصلاح کرتا رہ اور خود اپنے ہاتھ سے ان کے کھانے کپڑے کا بندوبست کر اور ان کے خرچ اٹھا۔ [١]

حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تین قسم کے لوگ ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں لیکن اللہ تعالیٰ قبول نہیں فرماتا' ایک وہ شخص جس کی بیوی بدخلق ہو اور پھر بھی وہ اسے طلاق نہ دے' دوسرا وہ شخص جو اپنا مال بیوقوف کو دے دے حالانکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے بیوقوف کو اپنا مال نہ دو' تیسرا وہ شخص جس کا قرض کسی پر ہو اور اس نے اس قرض پر کسی کو گواہ نہ کیا ہو۔ ان سے بھلی بات کہو یعنی ان سے نیکی اور صلہ رحمی کرو'اس آیت سے معلوم ہوا کہ محتاجوں سے سلوک کرنا چاہیے اسے جسے بالفعل تصرف کا حق نہ ہو اس کے کھانے کپڑے کی خبر گیری کرنی چاہیے اور اس کے ساتھ نرم زبانی اور خوش خلقی سے پیش آنا چاہیے۔

پھر فرمایا یتیموں کی دیکھ بھال رکھو یہاں تک کہ وہ جوانی کو پہنچ جائیں' یہاں نکاح سے مراد بلوغت ہے [٢] اور بلوغت اس وقت ثابت ہوتی ہے جب اسے خاص قسم کے خواب آنے لگیں جن میں خاص پانی اچھل کر نکلتا ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بخوبی یاد ہے کہ احتلام کے بعد یتیمی نہیں اور نہ تمام دن رات چپ رہنا ہے [٣] دوسری حدیث میں ہے تین قسم کے لوگوں سے قلم اٹھا لیا گیا ہے' بچے سے جب تک بالغ نہ ہو' سوتے سے جب تک جاگ نہ جائے' مجنوں سے جب تک ہوش نہ آ جائے' [٤] پس ایک تو علامتِ بلوغ یہ ہے دوسری علامت بلوغ بعض کے نزدیک یہ ہے کہ پندرہ سال کی عمر ہو جائے اس کی دلیل بخاری و مسلم کی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما والی حدیث ہے جس میں وہ فرماتے ہیں کہ احد والی لڑائی میں مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ اس لیے نہیں لیا تھا کہ اس وقت میری عمر چودہ سال کی تھی اور خندق کی لڑائی میں جب میں حاضر کیا گیا تو آپ نے قبول فرما لیا اس وقت میں پندرہ سال کا تھا [٥] حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کو جب یہ حدیث پہنچی تو آپ نے فرمایا نابالغ بالغ کی حد یہی ہے' تیسری علامت بلوغت کی زیرِ ناف کے بالوں کا نکلنا ہے' اس میں علماء کے تین قول ہیں ایک یہ

---

[١] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥٧٠)]

[٢] [تفسیر ابن جریر الطبری (٧/٥٨٤)]

[٣] [صحیح :ابوداؤد : کتاب الوصایا : باب ماجاء متی ینقطع الیتیم (٢٨٧٣)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[٤] [صحیح :ابوداؤد : کتاب الحدود : باب فی المجنون یسرق او یصیب حدا (٤٣٩٨) ابن ماجه : کتاب الطلاق : باب طلاق المعتوه والصغیر والنائم (٢٠٤١) نسائی : کتاب الطلاق : باب من لا یقع طلاقه من الازواج (٣٤٦٢) مستدرك حاکم (٢/٥٩) مسند احمد (٦/١٤٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٢٩٧)]

[٥] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الشهادات : باب بلوغ الصبیان وشهادتهم (٢٦٦٤) صحیح مسلم : کتاب الامارة : باب بیان سن البلوغ (١٨٦٨) ابن ماجه : کتاب الحدود : باب من لا یجب علیه الحد (٢٥٤٣) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب فی الغلام یصیب الحد (٤٤٠٦) ترمذی : کتاب الجهاد : باب ماجآء فی حدبلوغ الرجل (١٧١١) مسند احمد (٢/١٧)]

کہ علامت بلوغ ہے دوسرے یہ کہ نہیں تیسرے یہ کہ مسلمانوں میں نہیں اور ذمیوں میں ہے اس لیے کہ ممکن ہے کسی دوا سے یہ بال جلد نکل آتے ہیں اور ذمی پر جوان ہوتے ہی جزیہ لگ جاتا ہے تو وہ اسے کیوں استعمال کرنے لگا؟ لیکن صحیح بات یہ ہے کہ سب کے حق میں یہ علامت بلوغت ہے کیونکہ اولاً تو جلی امر ہے علاج معالجہ کا احتمال بہت دور کا احتمال ہے ٹھیک یہی ہے کہ یہ بال اپنے وقت پر ہی نکلتے ہیں' دوسری دلیل مسند احمد کی حدیث ہے' جس میں حضرت عطیہ قرظی رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ بنو قریظہ کی لڑائی کے بعد ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے تو آپ نے حکم دیا کہ ایک شخص دیکھے جس کے یہ بال نکل آئے ہوں اسے قتل کر دیا جائے۔ اور اگر نہ نکلے ہوں اسے چھوڑ دیا جائے چنانچہ یہ بال میرے بھی نہ نکلے تھے مجھے چھوڑ دیا گیا' [1] سنن اربعہ میں بھی یہ حدیث ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح فرماتے ہیں' حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے فیصلے پر راضی ہو کر یہ قبیلہ لڑائی سے باز آیا تھا پھر حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ فیصلہ کیا کہ ان میں سے لڑنے والے تو قتل کر دیئے جائیں اور بچے قیدی بنا لیے جائیں۔ غرائب ابی عبید میں ہے کہ ایک لڑکے نے ایک نوجوان لڑکی کی نسبت کہا کہ میں نے اس سے بدکاری کی ہے دراصل یہ تہمت تھی حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے تہمت کی حد لگانی چاہی لیکن فرمایا دیکھ لو اگر اس کے زیر ناف کے بال اگ آئے ہوں تو اس پر حد جاری کرو ورنہ نہیں دیکھا تو اگے نہ تھے چنانچہ اس پر سے حد ہٹا دی۔

پھر فرماتا ہے جب تم دیکھو کہ یہ اپنے دین کی صلاحیت اور مال کی حفاظت کے لائق ہو گئے ہیں تو ان کے ولیوں کو چاہیے کہ ان کے مال انہیں دے دیں۔ بغیر ضروری حاجت کے صرف اس ڈر سے کہ یہ بڑے ہوتے ہی اپنا مال ہم سے لے لیں گے تو ہم اس سے پہلے ہی ان کے مال کو ختم کر دیں ان کا مال نہ کھاؤ۔ جسے ضرورت نہ ہو خود امیر ہو' کھاتا پیتا ہو تو اسے تو چاہیے کہ ان کے مال میں سے کچھ بھی نہ لے' مردار اور بہے ہوئے خون کی طرح یہ مال ان پر حرام محض ہے' ہاں اگر والی مسکین محتاج ہو تو بے شک اسے جائز ہے کہ اپنی پرورش کے حق کے مطابق وقت کی حاجت اور دستور کے موجب اس مال میں سے کھا پی لے اپنی حاجت کو دیکھے اور اپنی محنت کو' اگر حاجت محنت سے کم ہو تو حاجت کے مطابق لے اور اگر محنت حاجت سے کم ہو تو محنت کا بدلہ لے لے' پھر ایسا ولی اگر مالدار بن جائے تو اسے اس کھائے ہوئے اور لئے ہوئے مال کو واپس کرنا پڑے گا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ واپس نہ دینا ہو گا اس لیے کہ اس نے اپنے کام کے بدلے لے لیا ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھیوں کے نزدیک یہی صحیح ہے' اس لیے کہ آیت نے بغیر بدل کے مباح قرار دیا ہے اور مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مال نہیں ایک یتیم میری پرورش میں ہے تو کیا میں اس کے کھانے سے کھا سکتا ہوں؟ آپ نے فرمایا ہاں اس یتیم کا مال اپنے کام میں لا سکتا ہے بشرطیکہ حاجت سے زیادہ نہ اڑا نہ جمع کر نہ یہ ہو کہ اپنے مال کو تو

---

[1] [صحیح: ابوداؤد: كتاب الحدود: باب فی الغلام يصيب الحد (٤٤٠٤) نسائی: كتاب الطلاق (٣٤١٠) ابن ماجه: كتاب الحدود: باب من لا يجب عليه الحد (٢٥٤١) ترمذی: كتاب السير: باب ماجآ في النزول على الحكم (١٥٨٤) مستدرك حاكم (٤/ ٣٩٠) عبد الرزاق (١٨٧٤٣)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

بچا رکھے اور اس کے مال کو کھاتا چلا جائے‘[1] ابن ابی حاتم میں بھی ایسی ہی روایت ہے‘[2] ابن حبان وغیرہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ سے سوال کیا کہ میں اپنے یتیم کو ادب سکھانے کے لیے ضرورتاً کس چیز سے ماروں؟ فرمایا جس سے تو اپنے بچے کو تنبیہہ کرتا ہے اپنا مال بچا کر اس کا مال خرچ نہ کر‘ نہ اس کے مال سے دولت مند بننے کی کوشش کر‘[3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے پوچھا کہ میرے پاس بھی اونٹ ہیں اور میرے ہاں جو یتیم پل رہے ہیں ان کے بھی اونٹ ہیں میں اپنی اونٹنیاں دودھ پینے کے لیے فقیروں کو تحفۃً دے دیتا ہوں تو کیا میرے لیے جائز ہے کہ ان یتیموں کی اونٹنیوں کا دودھ پی لوں؟ آپ نے فرمایا اگر ان یتیموں کی گم شدہ اونٹنیوں کو تو ڈھونڈ لاتا ہے‘ ان کے چارے پانی کی خبر گیری رکھتا ہے‘ ان کے حوض درست کرتا رہتا ہے اور ان کی نگہبانی کیا کرتا ہے تو بیشک دودھ سے نفع بھی اٹھا لیکن اس طرح کہ نہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے‘ نہ حاجت سے زیادہ لے۔[4] (موطا امام مالک) حضرت عطا بن ابی رباح‘ حضرت عکرمہ‘ حضرت ابراہیم نخعی‘ حضرت عطیہ عوفی‘ حضرت حسن بصری رحمہم اللہ کا یہی قول ہے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ تنگ دستی کے دور ہو جانے کے بعد وہ مال یتیم کو واپس دینا پڑے گا اس لئے کہ اصل تو ممانعت ہے البتہ ایک وجہ سے جواز ہو گیا تھا جب وہ وجہ جاتی رہی تو اس کا بدل دینا پڑے گا جیسے کوئی بے بس اور مضطر ہو کر کسی غیر کا مال کھا لے لیکن حاجت کے نکل جانے کے بعد اگر اچھا وقت آیا تو اسے واپس دینا ہو گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب تختِ خلافت پر بیٹھے تو اعلان فرمایا تھا کہ میری حیثیت یہاں یتیم کے والی کی حیثیت ہے اگر مجھے ضرورت ہی نہ ہوئی تو میں بیت المال سے کچھ نہ لوں گا اور اگر محتاجی ہوئی تو بطورِ قرض لوں گا جب آسانی ہوئی پھر واپس کر دوں گا۔ (ابن ابی الدنیا) یہ حدیث سعید بن منصور میں بھی ہے اور اس کی سند صحیح ہے‘ بیہقی میں بھی یہ حدیث ہے‘ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آیت کے اس جملہ کی تفسیر میں مروی ہے کہ بطورِ قرض کھائے اور بھی مفسرین سے یہ مروی ہے‘ حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں معروف سے کھانے کا مطلب یہ ہے کہ تین انگلیوں سے کھائے۔ اور روایت میں آپ سے یہ مروی ہے کہ وہ اپنے ہی مال کو صرف اپنی ضرورت پوری ہو جانے کے لائق ہی خرچ کرے تاکہ اسے یتیم کے مال کی حاجت ہی نہ پڑے‘ حضرت عامر شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر ایسی بے بسی ہو جس میں مردار کھانا جائز ہو جاتا ہے تو بیشک کھا لے لیکن پھر ادا کرنا ہو گا‘ یحییٰ بن سعید انصاری اور ربیعہ رحمہما اللہ سے اس کی تفسیر یوں مروی ہے کہ اگر یتیم فقیر ہو تو اس کا ولی اس کی ضرورت کے موافق دے اور پھر اس ولی کو کچھ نہ ملے گا‘ لیکن عبارت میں یہ ٹھیک نہیں بیٹھتا اس لئے کہ اس سے پہلے یہ جملہ بھی ہے کہ جو غنی ہو وہ کچھ نہ

---

[1] [جید الاسناد : مسند احمد (۲/۱۸۶)]

[2] [حسن صحیح : ابوداؤد : کتاب الوصایا : باب ماجاء فیما لولی الیتیم (۲۸۷۲) نسائی : کتاب الوصایا : باب ما للوصی من مال الیتیم (۳۶۹۸) ابن ماجه : کتاب الوصایا : باب قوله ومن کان فقیرا (۲۷۱۸) مسند احمد (۲/۲۱۵)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[3] [حسن بالشواهد : طبرانی صغیر (۲٤٤) مجمع (۸/۱٦۳) صحیح ابن حبان (٤۲٤٤)]

[4] [مؤطا : کتاب صفة النبی : باب ما جآء فی الطعام والشراب (۲/۹۳٤)، (۳۳)]

لۓ یعنی جو ولی غنی ہو تو یہاں بھی یہی مطلب ہوگا جو ولی فقیر ہو نہ یہ کہ جو یتیم فقیر ہو' دوسری آیت میں ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ حَتّٰى يَبْلُغَ اَشُدَّهٗ﴾ (١) یعنی یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ ہاں بطور اصلاح کے پھر اگر تمہیں حاجت ہو تو حسب حاجت بطریق معروف اس میں سے کھاؤ پیو پھر اولیاء سے کہا جاتا ہے کہ جب وہ بلوغت کو پہنچ جائیں اور تم دیکھ لو کہ ان میں تمیز آ چکی ہے تو گواہ رکھ کر ان کے مال ان کے سپرد کر دو' تاکہ انکار کرنے کا وقت ہی نہ آئے' یوں تو دراصل سچا شاہد اور پورا نگراں اور باریک حساب لینے والا اللہ ہی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ولی نے یتیم کے مال میں نیت کیسی رکھی؟ آیا خورد برد کیا' تباہ و برباد کیا' جھوٹ سچ' حساب لکھا اور دیا یا صاف دل اور نیک نیتی سے نہایت چوکسی اور صفائی سے اس کے مال کا پورا پورا خیال رکھا اور حساب کتاب صاف رکھا' ان سب باتوں کا حقیقی علم تو اسی دانا و بینا نگران و نگہبان کو ہے' صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے فرمایا اے ابوذر رضی اللہ عنہ! میں تمہیں ناتواں پاتا ہوں اور جو اپنے لئے چاہتا ہوں وہی تیرے لئے بھی پسند کرتا ہوں خبردار! ہر گز دو شخصوں کا بھی سردار اور امیر نہ بننا' نہ کبھی کسی یتیم کا ولی بننا۔ (٢)

لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ ۠ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدٰنِ وَالْاَقْرَبُوْنَ مِمَّا قَلَّ مِنْهُ اَوْ كَثُرَ ۭ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ۝ وَاِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ اُولُوا الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنُ فَارْزُقُوْهُمْ مِّنْهُ وَقُوْلُوْا لَهُمْ قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۝ وَلْيَخْشَ الَّذِيْنَ لَوْ تَرَكُوْا مِنْ خَلْفِهِمْ ذُرِّيَّةً ضِعٰفًا خَافُوْا عَلَيْهِمْ ۠ فَلْيَتَّقُوا اللّٰهَ وَلْيَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِيْدًا ۝ اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا ۝

ماں باپ اور خویش و اقارب کے ترکہ میں سے مردوں کا حصہ بھی ہے اور عورتوں کا بھی جو مال ماں باپ اور خویش و اقارب چھوڑ مریں خواہ وہ مال کم ہو یا زیادہ ○ حصہ بھی مقرر کیا ہوا ہے۔ اور جب تقسیم کے وقت قرابت دار اور یتیم اور مسکین آ جائیں تو تم اس میں سے تھوڑا بہت انہیں بھی دے دو اور ان سے نرمی سے بولو ○ اس بات سے ڈریں کہ اگر وہ خود اپنے پیچھے ننھے ننھے ناتواں بچے چھوڑ جاتے جن کے ضائع ہو جانے کا اندیشہ رہتا (تو ان کی چاہت کیا ہوتی؟) پس اللہ سے ڈر کر چچی تلی بات کہا کریں ○ جو لوگ ناحق ظلم سے یتیموں کا مال کھا جاتے ہیں وہ تو اپنے پیٹ میں آگ ہی بھر رہے ہیں اور البتہ وہ دوزخ میں جائیں گے ○

---

(١) [سورة الانعام : آیت ١٥٢]

(٢) [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الامارة : باب كراهة الامارة بغير ضرورة (١٨٢٦) ابو داؤد : كتاب الوصايا : باب ماجآء فى الدخول فى الوصايا (٢٨٦٨) نسائى : كتاب الوصايا : باب النهى عن الولاية على مال اليتيم (٣٦٩٧)]

وراثت کے مسائل: مشرکینِ عرب کا دستور تھا کہ جب کوئی مرجاتا تو اس کی بڑی اولاد کو اس کا مال مل جاتا چھوٹی اولاد اور عورتیں بالکل محروم رہتیں اسلام نے یہ حکم نازل فرما کر سب کی مساویانہ حیثیت قائم کر دی کہ وارث تو سب ہوں گے خواہ قرابت حقیقی ہو یا خواہ بوجہ زوجیت کے ہو یا بوجہ نسبت آزادگی ہو حصہ سب کو ملے گا گو کم وبیش ہو۔ام کجہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرتی ہیں کہ حضور ﷺ میرے دو لڑکے ہیں ان کے والد فوت ہو گئے ہیں ان کے پاس اب کچھ نہیں پس یہ آیت نازل ہوئی' یہی حدیث دوسرے الفاظ سے میراث کی اور دونوں آیتوں کی تفسیر میں بھی عنقریب ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔ واللہ اعلم۔ دوسری آیت کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی مرنے والے کا ورثہ بٹنے لگے اور وہاں اس کا کوئی دور کا رشتہ دار بھی آجائے جس کا کوئی حصہ مقرر نہ ہو اور یتیم ومساکین آجائیں تو انہیں بھی کچھ نہ کچھ دے دو۔ ابتداءِ اسلام میں تو یہ واجب تھا اور بعض کہتے ہیں کہ مستحب تھا اور اب بھی یہ حکم باقی ہے یا نہیں؟ اس میں بھی دو قول ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو اسے باقی بتاتے ہیں [1] حضرت مجاہد رحمہ اللہ' حضرت ابن مسعودؓ' حضرت ابو موسیٰ' حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہم حضرت ابو العالیہ' حضرت شعبی' حضرت حسن' حضرت سعید بن جبیر' حضرت ابن سیرین' حضرت عطا بن ابی رباح' حضرت زہری' حضرت یحییٰ بن معمر رحمہم اللہ بھی باقی بتاتے ہیں' بلکہ یہ حضرات سوائے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے وجوب کے قائل ہیں' [2] حضرت عبیدہ رضی اللہ عنہ ایک وصیت کے ولی تھے انہوں نے ایک بکری ذبح کی اور تینوں قسموں کے لوگوں کو کھلائی اور فرمایا اگر یہ آیت نہ ہوتی تو یہ بھی میرا مال تھا' حضرت عروہ رحمہ اللہ نے حضرت مصعب رضی اللہ عنہ کے مال کی تقسیم کے وقت بھی دیا' حضرت زہری رحمہ اللہ کا بھی قول ہے کہ یہ آیت محکم ہے منسوخ نہیں' ایک روایت میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ وصیت پر موقوف ہے۔ چنانچہ جب حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہما کے بعد ان کے صاحبزادے حضرت عبداللہ رحمہ اللہ نے اپنے باپ کا ورثہ تقسیم کیا اور یہ واقعہ حضرت مائی عائشہ رضی اللہ عنہا کی موجودگی کا ہے تو گھر میں جتنے مسکین اور قرابت دار تھے سب کو دیا اور اسی آیت کی تلاوت کی' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو جب یہ معلوم ہوا تو فرمایا اس نے ٹھیک نہیں کیا اس آیت سے تو مراد یہ ہے کہ جب مرنے والے نے اس کی وصیت کی ہو۔ (ابن ابی حاتم)

بعض حضرات کا قول ہے کہ یہ آیت بالکل منسوخ ہی ہے مثلاً حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے۔ اور ناسخ آیت ﴿يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ﴾ (النساء / ١١) ہے' حصے مقرر ہونے سے پہلے یہ حکم تھا پھر جب حصے مقرر ہو چکے اور ہر حقدار کو خود اللہ تعالیٰ نے حق پہنچا دیا تو اب صدقہ صرف وہی رہ گیا جو مرنے والا کہہ گیا ہو۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں کہ ہاں اگر وصیت ان لوگوں کے لیے ہو تو اور بات ہے ورنہ یہ آیت منسوخ ہے جمہور کا اور چاروں اماموں کا یہی مذہب ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ نے یہاں ایک عجیب قول اختیار کیا ہے ان کی لمبی اور کئی بار کی تحریر کا ماحصل یہ ہے کہ مالِ وصیت کی تقسیم کے وقت جب میت کے رشتہ دار آجائیں تو انہیں بھی دے دو اور یتیم مسکین جو آ گئے ہوں ان سے نرم کلامی اور اچھے جواب سے پیش آؤ' لیکن اس

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٨/٨)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٨/٨)]

میں نظر ہے واللہ اعلم۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں تقسیم سے مراد یہاں ورثے کی تقسیم ہے، پس یہ قول امام ابن جریر رحمہ اللہ کے خلاف ہے، ٹھیک مطلب آیت کا یہ ہے کہ جب یہ غریب لوگ ترکے کی تقسیم کے وقت آ جائیں اور تم اپنا اپنا حصہ الگ الگ کر کے لے رہے ہو اور یہ بیچارے تک رہے ہوں تو انہیں بھی خالی ہاتھ نہ پھیرو ان کا وہاں سے مایوس اور خالی ہاتھ واپس جانا اللہ تعالیٰ رؤوف ورحیم کو اچھا نہیں لگتا بطورِ صدقہ کے راہ للہ ان سے بھی کچھ اچھا سلوک کر دو تا کہ یہ خوش ہو کر جائیں، جیسے اور جگہ فرمان باری ہے کہ کھیتی کے کٹنے کے دن اس کا حق ادا کرو اور فاقہ زدہ اور مسکینوں سے چھپا کر اپنے باغ کا پھل لانے والوں کی اللہ تعالیٰ نے بڑی مذمت فرمائی ہے جیسے کہ سورۂ نون میں ہے کہ وہ رات کے وقت چھپ کر پوشیدگی سے کھیت اور باغ کے دانے اور پھل لانے کے لیے چلتے ہیں وہاں اللہ کا عذاب ان سے پہلے پہنچ جاتا ہے اور سارے باغ کو جلا کر خاک سیاہ کر دیتا ہے دوسروں کے حق برباد کرنے والوں کا یہی حشر ہوتا ہے، حدیث شریف میں ہے جس مال میں صدقہ مل جائے یعنی جو شخص اپنے مال سے صدقہ نہ دے اس کا مال اس وجہ سے غارت ہو جاتا ہے۔ [1]

پھر فرماتا ہے ڈریں وہ لوگ جو اگر اپنے پیچھے چھوڑ جائیں یعنی ایک شخص اپنی موت کے وقت وصیت کر رہا ہے اور اس میں اپنے وارثوں کو ضرر پہنچا رہا ہے تو اس وصیت کے سننے والے کو چاہیے کہ اللہ کا خوف کرے اور اسے ٹھیک بات کی رہنمائی کرے اس کے وارثوں کے لیے ایسی بھلائی چاہے جیسے اپنے وارثوں کے ساتھ بھلائی کرانا چاہتا ہے جب کہ ان کی بربادی اور تباہی کا خوف ہو، بخاری و مسلم میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کے پاس ان کی بیماری کے زمانے میں ان کی عیادت کو گئے اور حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس مال بہت ہے اور صرف میری ایک لڑکی ہی میرے پیچھے ہے تو اگر آپ اجازت دیں تو میں اپنے مال کی دو تہائیاں اللہ کی راہ میں صدقہ کر دوں آپ نے فرمایا نہیں انہوں نے کہا پھر ایک تہائی کی اجازت دیجیے آپ نے فرمایا خیر لیکن ہے یہ بھی زیادہ، تو اگر اپنے پیچھے اپنے وارثوں کو تونگر چھوڑ کر جائے اس سے بہتر ہے کہ تو انہیں فقیر چھوڑ کر جائے کہ وہ دوسروں کے سامنے ہاتھ پھیلاتے پھریں [2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لوگ ایک تہائی سے بھی کم یعنی چوتھائی کی ہی وصیت کریں تو اچھا ہے اس لیے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تہائی کو بھی

---

[1] [ضعیف: بیھقی (٤/١٥٩) بزار (٨٨١)] اس کی سند میں عثمان ابن عبدالرحمٰن راوی ہے جسے امام ابن عدیؒ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ [میزان الاعتدال (٣/٤٧)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الایمان (٥٦) و کتاب الجنائز (١٢٩٥) و کتاب مناقب الانصار (٣٩٣٦) و کتاب المغازی (٤٤٠٩) و کتاب المرض (٥٦٦٨) و کتاب الدعوات (٦٣٧٣) و کتاب الفرائض: باب میراث البنات (٦٧٣٣) صحیح مسلم: کتاب الوصیة: باب الوصیة بالثلث (١٦٢٨) ابوداود: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی ما یجوز (٢٨٦٤) ترمذی: کتاب الوصایا: باب ماجآء فی الوصیة بالثلث (٢١١٦) نسائی: کتاب الوصایا: باب الوصیة بالثلث (٣٦٥٨) ابن ماجه: کتاب الوصایا: باب الوصیة بالثلث (٢٧٠٨) مسند احمد (١/١٧٩)]

زیادہ فرمایا ہے۔ [1] فقہاء فرماتے ہیں اگر میت کے وارث امیر ہوں تب تو خیر تہائی کی وصیت کرنا مستحب ہے اور اگر فقیر ہوں تو اس سے کم کی وصیت کرنا مستحب ہے' دوسرا مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم یتیموں کا اتنا ہی خیال رکھو جتنا تم چاہتے ہو کہ تمہاری چھوٹی اولاد کا تمہارے مرنے کے بعد اور لوگ خیال رکھیں جس طرح تم نہیں چاہتے کہ ان کے مال دوسرے ظلم سے کھا جائیں اور وہ بالغ ہو کر فقیر رہ جائیں اسی طرح تم دوسروں کی اولادوں کے مال نہ کھا جاؤ' یہ مطلب بھی بہت عمدہ ہے اسی لیے اس کے بعد ہی یتیموں کا مال ناحق مار لینے والوں کی سزا بیان فرمائی' کہ یہ لوگ اپنے پیٹ میں انگارے بھرنے والے اور جہنم واصل ہونے والے ہیں' بخاری و مسلم میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا سات گناہوں سے بچو جو ہلاکت کا باعث ہیں پوچھا گیا کیا کیا؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک' جادو' بے وجہ قتل' سود خوری' یتیم کا مال کھا جانا' جہاد سے پیٹھ موڑنا' بھولی بھالی ناواقف عورتوں پر تہمت لگانا' [2] ابن ابی حاتم میں ہے صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور ﷺ سے معراج کی رات کا واقعہ پوچھا جس میں آپ نے فرمایا کہ میں نے بہت سے لوگوں کو دیکھا کہ ان کے ہونٹ نیچے لٹک رہے ہیں اور فرشتے انہیں گھسیٹ کر ان کا منہ خوب کھول دیتے ہیں پھر جہنم کے گرم پتھر ان میں ٹھونس دیتے ہیں جو ان کے پیٹ میں اتر کر پیچھے کے راستے سے نکل جاتے ہیں اور وہ بری طرح چیخ چلا رہے ہیں ہائے ہائے مچا رہے ہیں میں نے حضرت جبرائیل علیہ السلام سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا یہ یتیموں کا مال کھا جانے والے ہیں جو اپنے پیٹوں میں آگ بھر رہے ہیں اور عنقریب جہنم میں جائیں گے۔ [3] معاذ اللہ

حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یتیم کا مال کھا جانے والا قیامت کے روز اپنی قبر سے اس طرح اٹھایا جائے گا کہ اس کے منہ' آنکھوں' نتھنوں اور روئیں روئیں سے آگ کے شعلے نکل رہے ہوں گے ہر شخص دیکھتے ہی پہچان لے گا کہ اس نے کسی یتیم کا مال ناحق کھا رکھا ہے۔ ابن مردویہ میں ایک مرفوع حدیث بھی اسی مضمون کے قریب قریب مروی ہے' [4] اور حدیث میں ہے میں تمہیں وصیت کرتا ہوں کہ ان دونوں ضعیفوں کا مال پہنچا دو عورتوں کا اور یتیم کا' [5] ان کے مال سے بچو' سورۂ بقرہ میں یہ روایت گزر چکی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو جن کے پاس یتیم تھے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوصایا : باب الوصیة بالثلث (٢٧٤٣)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوصایا (٢٧٦٦) و کتاب الطب (٥٧٦٤) و کتاب الحدود : باب رمی المحصنات (٦٨٥٧) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان الکبائر واکبرھا (٨٩) ابوداؤد : کتاب الوصایا : باب ماجآء فی التشدید فی اکل مال الیتیم (٢٨٧٤) نسائی : کتاب الوصایا : باب اجتناب اکل مال الیتیم (٣٧٠١)]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (٨٧٢٥)] اس کی سند میں ابوھارون عمارہ راوی ضعیف ہے۔]

[4] [ضعیف : مسند ابویعلی (٧٤٤٠)] اس کی سند میں زیاد بن منذر راوی کذاب ہے۔]

[5] [اسنادہ قوی : مسند احمد (٤٣٩/٢) نسائی فی السنن الکبری (٩١٤٩) ابن ماجہ : کتاب الادب : باب حق الیتیم (٣٦٧٨) مستدرك حاکم (٦٣/١)] امام حاکمؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ شیخ شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو قوی کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (٩٦٦٦)]

انہوں نے ان کا اناج پانی بھی الگ کر دیا اب عموماً ایسا ہوتا کہ کھانے پینے کی ان کی کوئی چیز بچ رہتی تو یا تو دوسرے وقت اسی باسی چیز کو کھاتے یا سڑنے کے بعد پھینک دی جاتی گھر والوں میں سے کوئی اسے ہاتھ بھی نہ لگاتا تھا یہ بات دونوں طرف ناگوار گزری حضور ﷺ کے سامنے بھی اس کا ذکر آیا اس پر آیت ﴿وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى﴾ (البقرہ/ ٢٢٠) الخ' اتری جس کا مطلب یہ ہے کہ جس کام میں یتیموں کی بہتری سمجھو کرو چنانچہ اس کے بعد پھر کھانا پانی ایک ساتھ ہوا۔ [1]

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ ۤ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۚ فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ۭ وَلِاَبَوَيْهِ لِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ مِمَّا تَرَكَ اِنْ كَانَ لَهٗ وَلَدٌ ۚ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهٗ وَلَدٌ وَّوَرِثَهٗٓ اَبَوٰهُ فَلِاُمِّهِ الثُّلُثُ ۚ فَاِنْ كَانَ لَهٗٓ اِخْوَةٌ فَلِاُمِّهِ السُّدُسُ مِنْۢ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوْصِيْ بِهَآ اَوْ دَيْنٍ ۭ اٰبَاۗؤُكُمْ وَاَبْنَاۗؤُكُمْ لَا تَدْرُوْنَ اَيُّھُمْ اَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا ۭ فَرِيْضَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝ ١١

اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولادوں کے بارے میں حکم کرتا ہے کہ ایک لڑکے کا حصہ دو لڑکیوں کے برابر ہے' اور اگر صرف لڑکیاں ہوں اور دو سے زیادہ ہوں تو انہیں مال متروکہ کی دو تہائیاں ملیں گی' اور اگر ایک ہی لڑکی ہو تو اس کے لیے آدھا ہے' اور میت کے ماں باپ میں سے ہر ایک کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے مال کا چھٹا حصہ ہے اگر اس کی اولاد ہو' اور اگر اولاد نہ ہو اور ماں باپ وارث ہوتے ہوں تو اس کی ماں کے لیے تیسرا حصہ ہے۔ ہاں اگر میت کے کئی بھائی ہوں تو پھر اس کی ماں کا چھٹا حصہ ہے یہ حصے اس وصیت کے بعد ہیں جو مرنے والا کر گیا ہو یا ادائے قرض کے بعد' تمہارے باپ ہوں یا تمہارے بیٹے تمہیں نہیں معلوم کہ ان میں سے کون تمہیں نفع پہنچانے میں زیادہ قریب ہے' یہ حصے اللہ کی طرف سے مقرر کردہ ہیں' بیشک اللہ تعالیٰ پورے علم اور کامل حکمتوں والا ہے ○

وراثت کے چند ضروری مسائل: یہ آیت کریمہ اور اس کے بعد کی آیت اور اس سورت کے خاتمہ کی آیت علم فرائض کی آیتیں ہیں' یہ پورا علم ان آیتوں اور میراث کی احادیث سے استنباط کیا گیا ہے' جو حدیثیں ان آیتوں کی گویا تفسیر اور توضیح ہیں' یہاں ہم اس آیت کی تفسیر لکھتے ہیں باقی جو میراث کے مسائل کی پوری تقریر ہے اور اس میں جن دلائل کی سمجھ میں جو کچھ اختلاف ہوا ہے اس کے بیان کرنے کی مناسب جگہ احکام کی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر' اللہ تعالیٰ ہماری مدد فرمائے' علم فرائض سیکھنے کی رغبت میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں' ان آیتوں میں جن فرائض کا بیان ہے یہ سب سے زیادہ اہم ہیں' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے علم دراصل تین ہیں اور اس کے ماسوا فضول بھرتی

---

[1] **[صحیح :** ابوداؤد : كتاب الوصايا : باب مخالطة اليتيم فى الطعام (٢٨٧١) نسائی : كتاب الوصايا : باب ماللوصى من مال اليتيم (٣٦٩٨)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود]

ہے' آیات قرآنیہ جو مضبوط ہیں اور جن کے احکام باقی ہیں' سنت قائمہ یعنی جو احادیث ثابت شدہ ہیں اور فریضہ عادلہ یعنی مسائلِ میراث جو ان دو سے ثابت ہیں۔ [1] ابن ماجہ کی دوسری ضعیف سند والی حدیث میں ہے کہ فرائض سیکھو اور دوسروں کو سکھاؤ۔ یہ نصف علم ہے اور یہ بھول جاتے ہیں اور یہی پہلی وہ چیز ہے جو میری امت سے چھن جائے گی۔ [2] حضرت ابن عیینہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اسے آدھا علم اس لیے کہا گیا ہے کہ تمام لوگوں کو عموماً یہ پیش آتے ہیں۔

صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ میں بیمار تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میری بیمار پرسی کے لیے بنو سلمہ کے محلے میں پیادہ پا تشریف لائے' میں اس وقت بیہوش تھا آپ نے پانی منگوا کر وضو کیا پھر وضو کے پانی کا چھینٹا مجھے دیا جس سے مجھے ہوش آیا' تو میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنے مال کی تقسیم کس طرح کروں؟ اس پر آیت شریفہ نازل ہوئی' صحیح مسلم شریف' نسائی شریف وغیرہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے [3] ابوداود' ترمذی' ابن ماجہ' مسند امام احمد بن حنبل وغیرہ میں مروی ہے کہ حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دونوں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی لڑکیاں ہیں' ان کے والد آپ کے ساتھ جنگِ احد میں شریک تھے اور وہیں شہید ہوئے ان کے چچا نے ان کا کل مال لے لیا ہے ان کے لیے کچھ نہیں چھوڑا اور یہ ظاہر ہے کہ ان کے نکاح بغیر مال کے نہیں ہو سکتے' آپ نے فرمایا اس کا فیصلہ خود اللہ کرے گا چنانچہ آیت میراث نازل ہوئی' آپ نے ان کے چچا کے پاس آدمی بھیج کر حکم بھیجا کہ دو تہائیاں تو ان دونوں لڑکیوں کو دو اور آٹھواں حصہ ان کی ماں کو دو اور باقی مال تمہارا ہے [4] بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کے سوال پر اس سورت کی آخری آیت اتری ہوگی جیسے عنقریب آ رہا ہے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ اس لیے کہ ان کی وارث صرف ان کی بہنیں ہی تھیں لڑکیاں تھیں ہی نہیں وہ تو کلالہ تھے اور یہ آیت اسی بارے میں یعنی حضرت سعد بن ربیع رضی اللہ عنہ کے ورثے کے بارے میں نازل ہوئی اور اس کے راوی بھی خود حضرت جابر رضی اللہ عنہ ہیں ہاں حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اسی آیت کی تفسیر میں وارد کیا ہے اس لیے ہم نے بھی ان کی تابعداری کی۔ واللہ اعلم۔

---

[1] [ضعیف : ابن ماجه : مقدمه : باب اجتناب الرای والقیاس (٥٤) ابوداؤد : کتاب الفرائض : باب ماجآء فی تعلیم الفرائض (٢٨٨٥) مستدرك حاکم (٣٣٢/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود ، المشکاة (٢٣٩)]

[2] [ضعیف : ابن ماجه : کتاب الفرائض : باب الحث علی تعلیم الفرائض (٢٧١٩) مستدرك حاکم (٣٣٢/٤) دارقطنی (٦٧/٤)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔[ارواء الغلیل (١٦٦٤)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم (٤٥٧٧) صحیح مسلم : کتاب الفرائض : باب میراث الکلالة (١٦١٦)]

[4] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الفرائض : باب ماجآء فی میراث الصلب (٢٨٩١) ابن ماجه : کتاب الفرائض : باب فرائض الصلب (٢٧٢٠) ترمذی : کتاب الفرائض : باب ماجآء فی میراث البنات (٢٠٩٢) مسند احمد' (٣٥٢/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

مطلب آیت کا یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں عدل سکھاتا ہے' اہل جاہلیت تمام مال لڑکوں کو دیتے تھے اور لڑکیاں خالی ہاتھ رہ جاتی تھیں تو اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ بھی مقرر کر دیا ہاں دونوں کے حصوں میں فرق رکھا' اس لیے کہ مردوں کے ذمہ جو ضروریات ہیں وہ عورتوں کے ذمہ نہیں مثلاً اپنے متعلقین کے کھانے پینے اور خرچ اخراجات کی کفالت' تجارت اور کسب اور اسی طرح کی اور مشقتیں' تو انہیں ان کی حاجت کے مطابق عورتوں سے دوگنا دلوایا' بعض دانا بزرگوں نے یہاں ایک نہایت باریک نکتہ بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر بہ نسبت ماں باپ کے بھی زیادہ مہربان ہے' ماں باپ کو ان کی اولادوں کے بارے میں وصیت کر رہا ہے' پس معلوم ہوا کہ ماں باپ اپنی اولاد پر اتنے مہربان نہیں جتنا مہربان ہمارا خالق اپنی مخلوق پر ہے۔ چنانچہ ایک صحیح حدیث میں ہے کہ قیدیوں میں سے ایک عورت کا بچہ اس سے چھوٹ گیا وہ پاگلوں کی طرح اسے ڈھونڈتی پھرتی تھی اور جیسے ہی ملا اپنے سینے سے لگا کر اسے دودھ پلانے لگی آنحضرت ﷺ نے یہ دیکھ کر اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم سے فرمایا بھلا بتاؤ تو کیا یہ عورت باوجود اپنے اختیار کے اپنے بچے کو آگ میں ڈال دے گی؟ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ ہرگز نہیں آپ نے فرمایا اللہ کی قسم اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے۔ [۱]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ پہلے حصہ دار مال کا صرف لڑکا تھا' ماں باپ کو بطورِ وصیت کے کچھ مل جاتا تھا اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کیا اور لڑکے کو لڑکی سے دوگنا دلوایا اور ماں باپ کو چھٹا چھٹا حصہ دلوایا اور تیسرا حصہ بھی اور بیوی کو آٹھواں حصہ اور چوتھا حصہ اور خاوند کو آدھا اور پاؤ۔ [۲] فرماتے ہیں میراث کے احکام اترنے پر بعض لوگوں نے کہا یہ اچھی بات ہے کہ عورت کو چوتھا اور آٹھواں حصہ دلوایا جا رہا ہے اور لڑکی کو آدھوں آدھ دلوایا جا رہا ہے اور ننھے ننھے بچوں کا حصہ مقرر کیا جا رہا ہے حالانکہ ان میں سے کوئی بھی نہ لڑائی میں نکل سکتا ہے' نہ مالِ غنیمت لا سکتا ہے اچھا تم اس حدیث سے خاموشی برتو شاید رسول اللہ ﷺ کو یہ بھول جائے ہمارے کہنے کی وجہ سے آپ ان احکام کو بدل دیں' پھر انہوں نے آپ سے کہا کہ آپ لڑکی کو اس کے باپ کا آدھا مال دلوا رہے ہیں حالانکہ نہ وہ گھوڑے پر بیٹھنے کے لائق' نہ دشمن سے لڑنے کے قابل' آپ بچے کو ورثہ دلا رہے ہیں بھلا وہ کیا فائدہ پہنچا سکتا ہے؟ یہ لوگ جاہلیت کے زمانہ میں ایسا ہی کرتے تھے کہ میراث صرف اسے دیتے تھے جو لڑنے مرنے کے قابل ہو سب سے بڑے لڑکے کو وارث قرار دیتے تھے (اگر مرنے والے کے لڑکے لڑکیاں دونوں ہوں تو فرما دیا کہ لڑکی کو جتنا آئے اس سے دوگنا لڑکے کو دیا جائے یعنی ایک لڑکی ایک لڑکا ہے تو کل مال کے تین حصے کر کے دو حصے لڑکے کو اور ایک حصہ لڑکی کو دے دیا جائے اب بیان فرماتا ہے کہ اگر صرف لڑکیاں ہوں تو انہیں کیا ملے گا؟ مترجم) لفظ ﴿فَوْقَ﴾ کو بعض لوگ زائد بتاتے ہیں جیسے ﴿فَاضْرِبُوْا فَوْقَ الْاَعْنَاقِ﴾ (الانفال / ۱۲) میں لفظ ﴿فَوْقَ﴾ زائد ہے لیکن ہم یہ نہیں مانتے' نہ اس آیت میں' نہ اس آیت میں' کیونکہ قرآن میں کوئی ایسی زائد

---

[۱] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب رحمة الوالد وتقبیله (۵۹۹۹) صحیح مسلم: کتاب التوبة: باب فی سعة رحمة الله تعالی (۲۷۵٤)]

[۲] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله ولکم نصف ماترك (٤۵۷۸)]

چیز نہیں ہے جو محض بے فائدہ ہو اللہ کے کلام میں ایسا ہونا محال ہے' پھر یہ بھی خیال فرمائیے کہ اگر ایسا ہی ہوتا تو اس کے بعد ﴿فَلَهُنَّ﴾ نہ آتا بلکہ ﴿فَلَهُمَا﴾ آتا۔ ہاں اسے ہم جانتے ہیں کہ اگر لڑکیاں دو سے زیادہ نہ ہوں یعنی صرف دو ہوں تو بھی یہی حکم ہے یعنی انہیں بھی دو ثلث ملے گا کیونکہ دوسری آیت میں دو بہنوں کو دو ثلث دلوایا گیا ہے اور جبکہ دو بہنیں دو ثلث پاتی ہیں تو دو لڑکیوں کو دو ثلث کیوں نہ ملے گا؟ ان کے لیے تو دو تہائی بطور اولی ہونا چاہیے' اور حدیث میں آ چکا ہے دو لڑکیوں کو رسول اللہ ﷺ نے دو تہائی مال ترکہ کا دلوایا جیسا کہ اس آیت کی شانِ نزول کے بیان میں حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی لڑکیوں کے ذکر میں اس سے پہلے بیان ہو چکا ہے پس کتاب و سنت سے یہ ثابت ہو گیا اسی طرح اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ ایک لڑکی اگر ہو یعنی لڑکا نہ ہونے کی صورت میں تو اسے آدھوں آدھ دلوایا گیا ہے پس اگر دو کو بھی آدھا ہی دینے کا حکم کرنا مقصود ہوتا تو یہیں بیان ہو جاتا جب ایک کو الگ کر دیا تو معلوم ہوا کہ دو کا حکم وہی ہے جو دو سے زائد کا ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر ماں باپ کا حصہ بیان ہو رہا ہے ان کے ورثے کی مختلف صورتیں ہیں' ایک تو یہ کہ مرنے والے کی اولاد ایک لڑکی سے زیادہ ہو اور ماں باپ بھی ہوں تو انہیں چھٹا چھٹا حصہ ملے گا یعنی چھٹا حصہ ماں کو اور چھٹا حصہ باپ کو' اگر مرنے والے کی صرف ایک لڑکی ہی ہے تو آدھا مال تو وہ لڑکی لے لے گی اور چھٹا حصہ ماں لے لے گی' چھٹا حصہ باپ کو ملے گا اور چھٹا حصہ جو باقی رہا وہ بھی بطورِ عطیہ باپ کو مل جائے گا پس اس حالت میں باپ فرض اور تعصیب دونوں کو جمع کر لے گا یعنی مقررہ چھٹا حصہ اور بطورِ عصبہ بچت کا مال۔ دوسری صورت یہ ہے کہ صرف ماں باپ ہی وارث ہوں تو ماں کو تیسرا حصہ مل جائے گا اور باقی کا کل باپ کو بطور عصبہ کے مل جائے گا تو گویا دو ثلث مال اس کے ہاتھ لگے گا یعنی بہ نسبت ماں کے دگنا باپ کو مل جائے گا اب اگر مرنے والی عورت کا خاوند بھی ہے مرنے والے مرد کی بیوی ہے یعنی اولاد نہیں صرف ماں باپ ہیں اور خاوند ہے یا بیوی تو اس پر تو اتفاق ہے کہ خاوند کو آدھا اور بیوی کو پاؤ ملے گا' پھر علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ماں کو اس صورت میں اس کے بعد کیا ملے گا؟ تین قول ہیں ایک تو یہ کہ جو مال باقی رہا اس میں سے تیسرا حصہ ملے گا دونوں صورتوں میں یعنی خواہ عورت خاوند چھوڑ کر مری ہو خواہ مرد عورت چھوڑ کر مرا ہو اس لیے کہ باقی کا مال ان کی نسبت سے گویا کل مال ہے اور ماں کا حصہ باپ سے آدھا ہے تو اس باقی کے مال سے تیسرا حصہ یہ لے لے اور دو تیسرے حصے جو باقی رہے وہ باپ لے لے گا حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور بہ اعتبار زیادہ صحیح روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ کا یہی فیصلہ ہے' حضرت ابن مسعود اور زید بن ثابت رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے' ساتوں فقہاء اور چاروں اماموں اور جمہور علماء کا بھی یہی فتویٰ ہے دوسرا قول یہ ہے کہ ان دونوں صورتوں میں بھی ماں کو کل مال کا ثلث مل جائے گا' اس لیے کہ آیت عام ہے خاوند بیوی کے ساتھ ہو تو اور نہ ہو تو عام طور پر میت کی اولاد نہ ہونے کی صورت میں ماں کو ثلث دلوایا گیا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا یہی قول ہے' حضرت علی اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت شریح اور حضرت داؤد ظاہری رحمۃ اللہ علیہما بھی یہی فرماتے ہیں' حضرت ابو الحسین محمد بن عبد اللہ بن لبان بصری بھی اپنی کتاب ایجاز میں جو علم فرائض کے بارے میں ہے اسی قول کو پسند کرتے ہیں' لیکن اس قول میں نظر ہے بلکہ یہ قول ضعیف ہے کیونکہ آیت نے اس

کا یہ حصہ اس وقت مقرر فرمایا ہے جبکہ کل مال کی وراثت صرف ماں باپ کو ہی پہنچتی ہو اور جبکہ زوج یا زوجہ ہے اور وہ اپنے مقررہ حصے کے مستحق ہیں تو پھر جو باقی رہ جائے گا بیشک وہ ان دونوں ہی کا حصہ ہے تو اس میں ثلث ملے گا' تیسرا قول یہ ہے کہ اگر میت مرد ہے اور اس کی بیوی موجود ہے تو فقط اس صورت میں تو اسے کل مال کا تہائی ملے گا' کیونکہ اس عورت کو کل مال کی چوتھائی ملے گی اگر کل مال کے بارہ حصے کیے جائیں تو تین حصے تو یہ لے گی اور چار حصے ماں کو ملیں گے باقی بچے پانچ حصے وہ باپ لے لے گا لیکن اگر عورت مری ہے اور اس کا خاوند موجود ہے تو ماں کو باقی مال کا تیسرا حصہ ملے گا اگر کل مال کا تیسرا حصہ اس صورت میں بھی ماں کو دلوایا جائے تو اسے باپ سے بھی زیادہ پہنچ جاتا ہے مثلاً میت کے مال کے چھ حصے کیے تین تو خاوند لے گیا دو ماں لے گئی تو باپ کے پلے ایک ہی پڑے گا جو ماں سے بھی تھوڑا ہے' اس لیے اس صورت میں چھ میں سے تین تو خاوند کو دیئے جائیں گے ایک ماں کو اور دو باپ کو' حضرت امام ابن سیرین رحمہ اللہ کا یہی قول ہے' یوں سمجھنا چاہیے کہ یہ قول دو قولوں سے مرکب ہے' ضعیف یہ بھی ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے۔ واللہ اعلم۔ ماں باپ کے احوال میں سے تیسرا حال یہ ہے کہ وہ بھائیوں کے ساتھ ہوں خواہ وہ سگے بھائی ہوں یا صرف باپ کی طرف سے یا صرف ماں کی طرف سے تو وہ باپ کے ہوتے ہوئے اپنے بھائی کے ورثے میں کچھ پائیں گے نہیں لیکن ہاں ماں کو تہائی سے ہٹا کر چھٹا حصہ دلوائیں گے اور اگر کوئی اور وارث ہی نہ ہو اور صرف ماں کے ساتھ باپ ہی ہو تو باقی مال کل کا کل باپ لے لے گا اور بھائی بھی شریعت میں بہت سے بھائیوں کے مترادف ہیں جمہور کا یہی قول ہے' ہاں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ نے ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کہا کہ دو بھائی ماں کو ثلث سے ہٹا کر سدس تک نہیں لے جاتے قرآن میں ﴿اِخْوَۃٌ﴾ جمع کا لفظ ہے دو بھائی اگر مراد ہوتے ﴿اَخَوَانِ﴾ کہا جاتا خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ پہلے ہی سے یہ چلا آتا ہے اور چاروں طرف یہ مسئلہ اسی طرح پہنچا ہوا ہے تمام لوگ اس کے عامل ہیں میں اسے نہیں بدل سکتا' اولاً تو یہ اثر ثابت ہی نہیں اس کے راوی حضرت شعبہ رحمہ اللہ کے بارے میں حضرت امام مالک رحمہ اللہ کی جرح موجود ہے پھر یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما کا نہ ہونے کی دوسری دلیل یہ ہے کہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خاص اصحاب رضی اللہ عنہم اور اعلیٰ شاگرد بھی اس کے خلاف ہیں حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں دو کو بھی ﴿اِخْوَۃٌ﴾ کہا جاتا ہے' اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ میں نے اس مسئلہ کو پوری طرح ایک علیحدہ رسالے میں لکھا ہے۔ حضرت سعید بن قتادہ رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے' ہاں میت کا اگر ایک ہی بھائی ہو تو ماں کو تیسرے حصے سے ہٹا نہیں سکتا' علماء کرام رحمہم اللہ کا فرمان ہے کہ اس میں حکمت یہ ہے' کہ میت کے بھائیوں کی شادیوں کا اور کھانے پینے وغیرہ کا کل خرچ باپ کے ذمہ ہے نہ کہ ماں کے ذمے اس لیے مقتضائے حکمت یہی تھا کہ باپ کو زیادہ دیا جائے' یہ توجیہ بہت ہی عمدہ ہے' لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بہ سند صحیح مروی ہے کہ یہ چھٹا حصہ جو ماں کا کم ہو گیا انہیں دیدیا جائے گا یہ قول شاذ ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا یہ قول تمام امت کے خلاف ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ﴿کلالہ﴾ اسے کہتے ہیں جس کا بیٹا اور باپ نہ ہو۔

پھر فرمایا وصیت اور قرض کے بعد تقسیم میراث ہوگی' تمام سلف خلف کا اجماع ہے کہ قرض وصیت پر مقدم ہے

اور فحوائے آیت کو بھی اگر بغور دیکھا جائے تو یہی معلوم ہوتا ہے' ترمذی وغیرہ میں ہے حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تم قرآن میں وصیت کا حکم پہلے پڑھتے ہو اور قرض کا بعد میں لیکن یاد رکھنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قرض پہلے ادا کرایا ہے' پھر وصیت جاری کی ہے' ایک ماں زاد بھائی آپس میں وارث ہوں گے بغیر علاتی بھائیوں کے' آدمی اپنے سگے بھائی کا وارث ہو گا نہ اس کا جس کی ماں دوسری ہو' یہ حدیث صرف حضرت حارث رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اور ان پر بعض محدثین نے جرح کی ہے' لیکن یہ حافظ فرائض تھے اس علم میں آپ کو خاص دلچسپی اور دسترس تھی اور حساب کے بڑے ماہر تھے۔ واللہ اعلم۔ (1)

پھر فرمایا کہ ہم نے باپ بیٹوں کو اصل میراث میں اپنا اپنا مقررہ حصہ لینے والا بنایا اور جاہلیت کی رسم ہٹا دی بلکہ اسلام میں بھی پہلے بھی ایسا ہی حکم تھا کہ مال اولاد کو مل جاتا ماں باپ کو صرف بطور وصیت کے ملتا تھا جیسے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پہلے بیان ہو چکا یہ منسوخ کر کے اب یہ حکم ہوا تمہیں یہ نہیں معلوم کہ تمہیں باپ سے زیادہ نفع پہنچے گا یا اولاد نفع دے گی امید دونوں سے نفع کی ہے یقین کسی پر بھی ایک سے زیادہ نہیں' ممکن ہے باپ سے زیادہ بیٹا کام آئے اور نفع پہنچائے اور ممکن ہے بیٹے سے زیادہ باپ سے نفع پہنچے اور وہ کام آئے' پھر فرماتا ہے یہ مقررہ حصے اور میراث کے یہ احکام اللہ کی طرف سے فرض ہیں اس میں کسی کمی بیشی کی کسی امید یا کسی خوف سے گنجائش نہیں' نہ کسی کو محروم کر دینا لائق ہے نہ کسی کو زیادہ دلوا دینا' اللہ تعالیٰ علیم و حکیم ہے جو جس کا مستحق ہے اسے اتنا دلواتا ہے ہر چیز کی جگہ کو وہ بخوبی جانتا ہے تمہارے نفع نقصان کا اسے پورا علم ہے اس کا کوئی کام اور کوئی حکم حکمت سے خالی نہیں تمہیں چاہیے کہ اس کے احکام اس کے فرمان مانتے چلے جاؤ۔

وَلَكُمْ نِصْفُ مَا تَرَكَ أَزْوَاجُكُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهُنَّ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَهُنَّ وَلَدٌ فَلَكُمُ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْنَ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصِينَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۚ وَلَهُنَّ الرُّبُعُ مِمَّا تَرَكْتُمْ إِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّكُمْ وَلَدٌ ۚ فَإِنْ كَانَ لَكُمْ وَلَدٌ فَلَهُنَّ الثُّمُنُ مِمَّا تَرَكْتُمْ مِّنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ تُوصُونَ بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۗ وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُّورَثُ كَلٰلَةً أَوِ امْرَأَةٌ وَّلَهٗ أَخٌ أَوْ أُخْتٌ فَلِكُلِّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا السُّدُسُ ۚ فَإِنْ كَانُوا أَكْثَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَهُمْ شُرَكَاءُ فِي الثُّلُثِ مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ يُّوصٰى بِهَا أَوْ دَيْنٍ ۙ غَيْرَ مُضَارٍّ ۚ وَصِيَّةً مِّنَ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ عَلِيمٌ حَلِيمٌ ﴿١٢﴾

(1) [حسن : ترمذی : كتاب الفرائض : باب ماجآء فی ميراث الاخوة (٢٠٩٤) ابن ماجه : كتاب الوصايا : بـاب الـديـن قبـل الـوصية (٢٧١٥) حـمـيـدی (٥٦) دارقطنی (٤/٨٦) طيالسی (١٧٩) مسند احمد (١/١٣١) مستـدرك حـاكـم (٤/٣٣٦) ابـن الجارود (٩٥٠)] شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح ترمذی ، ارواء الغليل (١٦٦٧)]

تمہاری بیویاں جو کچھ چھوڑ مریں اور ان کی اولاد نہ ہو تو آدھوں آدھ تمہارا ہے‘ اگر ان کی اولاد ہو تو ان کے چھوڑے ہوئے میں سے تمہارے لیے چوتھائی حصہ ہے اس وصیت کی ادائیگی کے بعد جو وہ کر گئی ہوں یا قرض کے بعد‘ اور جو تم چھوڑ جاؤ اس میں ان کی چوتھائی ہے اگر تمہاری اولاد نہ ہو‘ اور اگر تمہاری اولاد ہو تو پھر انہیں تمہارے ترکہ کا آٹھواں حصہ ملے گا اس وصیت کے بعد جو تم کر گئے ہو اور بعد ادائیگی قرض کے‘ جن کی میراث لی جاتی ہے وہ مرد یا عورت کلالہ ہو یعنی اس کا باپ بیٹا نہ ہو اور اس کا ایک بھائی یا ایک بہن ہو تو ان دونوں میں سے ہر ایک کا چھٹا حصہ ہے‘ اور اگر اس سے زیادہ ہو تو ایک تہائی میں یہ سب شریک ہیں اس وصیت کے بعد جو کی جائے اور قرض کے بعد جب اوروں کا نقصان نہ کیا گیا ہو‘ مقرر کیا ہوا اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے‘ اور اللہ تعالیٰ دانا ہے بردبار ○

وراثت کی مزید کچھ تفصیل: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے مردو! تمہاری عورتیں جو چھوڑ کر مریں اگر ان کی اولاد نہ ہو تو اس میں سے آدھوں آدھ حصہ تمہارا ہے اور اگر ان کے بال بچے ہوں تو تمہیں چوتھائی ملے گا‘ وصیت اور قرض کے بعد۔ ترتیب اس طرح ہے پہلے قرض ادا کیا جائے پھر وصیت پوری کی جائے پھر ورثہ تقسیم ہو‘ یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر تمام علماءِ امت کا اجماع ہے‘ پوتے بھی اس مسئلہ میں حکم میں بیٹوں کی ہی طرح ہیں بلکہ ان کی اولاد در اولاد کا بھی یہی حکم ہے کہ ان کی موجودگی میں خاوند کو چوتھائی ملے گا۔ پھر عورتوں کا حصہ بتایا کہ انہیں یا چوتھائی ملے گا یا آٹھواں حصہ چوتھائی تو اس حالت میں کہ مرنے والے خاوند کی اولاد نہ ہو‘ اور آٹھواں حصہ اس حالت میں کہ اولاد ہو‘ اس چوتھائی یا آٹھویں حصے میں مرنے والے کی سب بیویاں شامل ہیں چار ہوں تو ان میں یہ حصہ برابر برابر تقسیم ہو جائے گا تین یا دو ہوں تب بھی اور اگر ایک ہو تو اسی کا یہ حصہ ہے۔

﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾ کی تفسیر اس سے پہلی آیت میں گزر چکی ہے۔ ﴿كَلَالَة﴾ مشتق ہے اکلیل سے‘ اکلیل کہتے ہیں اس تاج وغیرہ کو جو سر کو ہر طرف سے گھیر لے‘ یہاں مراد ہے کہ اس کے وارث ارد گرد حاشیہ کے لوگ ہیں اصل اور فرع یعنی جڑ یا شاخ نہیں‘ صرف ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے ﴿کلالہ﴾ کا معنی پوچھا جاتا ہے تو آپ فرماتے ہیں میں اپنی رائے سے جواب دیتا ہوں اگر ٹھیک ہو تو اللہ کی طرف سے ہے اور اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بری الذمہ ہیں‘ ﴿کلالہ﴾ وہ ہے جس کا نہ لڑکا ہو نہ باپ‘ حضرت عمر رضی اللہ عنہ جب خلیفہ ہوئے تو آپ نے بھی اس سے موافقت کی اور فرمایا مجھے ابوبکر رضی اللہ عنہ کی رائے سے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ (ابن جریر وغیرہ) [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا سب سے آخری زمانہ پانے والا میں ہوں میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے بات وہی ہے جو میں نے کہی ٹھیک اور درست یہی ہے کہ کلالہ اسے کہتے ہیں جس کا نہ ولد ہو نہ والد‘ حضرت علی‘ ابن مسعود‘ ابن عباس‘ زید بن ثابت رضی اللہ عنہم شعبی‘ نخعی‘ حسن‘ قتادہ‘ جابر بن زید‘ حکم رحمہ اللہ علیہ بھی یہی فرماتے ہیں‘ [2] اہل مدینہ‘ اہل کوفہ‘ اہل بصرہ کا بھی یہی قول ہے ساتوں فقہاء چاروں امام اور جمہور سلف وخلف بلکہ تمام یہی فرماتے ہیں‘ بہت سے بزرگوں نے اس پر اجماع نقل

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸/۵۳)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸/۵۵)]

کیا ہے اور ایک مرفوع حدیث میں بھی یہی آیا ہے[1] ابن لباب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور ممکن ہے کہ راوی نے مراد سمجھی ہی نہ ہو۔ پھر فرمایا کہ اس کا بھائی یا بہن ہو یعنی ماں زاد جیسے کہ سعد بن وقاص وغیرہ بعض سلف کی قرأت ہے' حضرت صدیق رضی اللہ عنہ وغیرہ سے بھی یہی تفسیر مروی ہے تو ان میں سے ہر ایک کے لیے چھٹا حصہ ہے اگر زیادہ ہوں تو ایک ثلث میں سب شریک ہیں' ماں زاد بھائی باقی وارثوں سے کئی وجہ سے مختلف ہیں' ایک تو یہ کہ یہ باوجود اپنے ورثے کے دلانے والے کے بھی وارث ہوتے ہیں مثلاً ماں' دوسرے یہ کہ ان کے مرد وعورت یعنی بہن بھائی میراث میں برابر ہیں تیسرے یہ کہ یہ اسی وقت وارث ہوتے ہیں جبکہ میت کلالہ ہو پس باپ دادا کی یعنی پوتے کی موجودگی میں یہ وارث نہیں ہوتے' چوتھے یہ کہ انہیں ثلث سے زیادہ نہیں ملتا تو گو یہ کتنے ہی ہوں مرد ہوں یا عورت' حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ ہے کہ ماں زاد بہن بھائی کا ورثہ آپس میں اس طرح بٹے گا کہ مرد کے لیے دوہرا اور عورت کے لیے اکہرا۔

حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسا فیصلہ نہیں کر سکتے تاوقتیکہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سنا ہو' آیت میں اتنا تو صاف ہے کہ اگر اس سے زیادہ ہوں تو ثلث میں شریک ہیں' اس صورت میں علماء کا اختلاف ہے کہ اگر میت کے وارثوں میں خاوند ہو اور ماں ہو یا دادی ہو اور دو ماں زاد بھائی ہوں اور ایک یا ایک سے زیادہ باپ کی طرف سے بھائی ہوں تو جمہور تو کہتے ہیں کہ اس صورت میں خاوند کو آدھا ملے گا اور ماں یا دادی کو چھٹا حصہ ملے گا اور ماں زاد بھائی کو تہائی ملے گا اور اسی میں سگے بھائی بھی شامل ہوں گے قدر مشترک کے طور پر جو ماں زاد بھائی ہے' امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ایک ایسی ہی صورت پیش آئی تھی تو آپ نے خاوند کو آدھا دلوایا اور ثلث ماں زاد بھائیوں کو دلوایا تو سگے بھائیوں نے بھی اپنے آپ کو پیش کیا آپ نے فرمایا تم ان کے ساتھ شریک ہو' حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح شریک کر دینا مروی ہے' اور دو روایتوں میں سے ایک روایت ایسی ہے ابن مسعود اور زید بن ثابت اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی مروی ہے' حضرت سعید بن مسیب' قاضی شریح' مسروق' طاؤس' محمد بن سیرین' ابراہیم نخعی' عمر بن عبدالعزیز' ثوری اور شریک رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے' امام مالک اور امام شافعی اور امام اسحاق راہویہ رحمہم اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں' ہاں حضرت علی بن ابوطالب رضی اللہ عنہ اس میں شرکت کے قائل نہ تھے بلکہ آپ اولاد ام کو اس حالت میں ثلث دلواتے تھے اور ایک ماں باپ کی اولاد کو کچھ نہیں دلاتے تھے اس لیے کہ یہ عصبہ ہیں اور عصبہ اس وقت پاتے ہیں جب ذوی الفرض سے بچ جائے' بلکہ وکیع بن جراح رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اس کے خلاف مروی ہی نہیں' حضرت ابی بن کعب' حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کا قول بھی یہی ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مشہور یہی ہے' شعبی' ابن ابی لیلیٰ' ابوحنیفہ' ابویوسف' محمد بن حسن' حسن بن زیاد' زفر بن ہذیل' امام احمد' یحییٰ بن آدم' نعیم بن حماد' ابوثور' داود ظاہری رحمہ اللہ بھی اسی طرف گئے ہیں ابوالحسین بن لبان فرضی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے' ملاحظہ ہو ان کی کتاب الایجاز۔

---

[1] [ضعیف : مستدرك حاكم (٤/٣٣٦)] اس کی سند میں یحییٰ بن عبدالحمید راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

پھر فرمایا یہ وصیت کے جاری کرنے کے بعد ہے' وصیت ایسی ہو جس میں خلافِ عدل نہ ہو کسی کو ضرر اور نقصان نہ پہنچایا گیا ہو' نہ کسی پر جبر و ظلم کیا گیا ہو' کسی وارث کا نہ ورثہ مارا گیا ہو نہ کم و بیش کیا گیا ہو' اس کے خلاف وصیت کرنے والا اور ایسی خلافِ شرع وصیت میں کوشش کرنے والا' اللہ کے حکم اور اس کی شریعت میں اس کے خلاف کرنے والا اور اس سے لڑنے والا ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں وصیت میں کسی کو ضرر و نقصان پہنچانا کبیرہ گناہ ہے۔ [1] (ابن ابی حاتم) نسائی میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول بھی اسی طرح مروی ہے۔ بعض روایتوں میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس فرمان کے بعد آیت کے اس ٹکڑے کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ کے قول کے مطابق ٹھیک بات یہی ہے کہ یہ مرفوع حدیث نہیں موقوف قول ہے' ائمہ کرام کا اس میں اختلاف ہے کہ وارث کے لیے جو اقرار میت کر جائے آیا وہ صحیح ہے یا نہیں؟ بعض کہتے ہیں صحیح نہیں ہے اس لیے کہ اس میں تہمت لگنے کی گنجائش ہے' حدیث شریف میں بہ سند صحیح آ چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر حقدار کو اس کا حق پہنچا دیا ہے اب وارث کے لیے کوئی وصیت نہیں' [2] مالک' احمد بن حنبل' ابو حنیفہ رحمہم اللہ کا قول یہی ہے' شافعی کا بھی پہلا قول یہی تھا لیکن آخری قول یہ ہے کہ اقرار کرنا صحیح مانا جائے گا۔ طاؤس' عطاء' حسن' عمر بن عبدالعزیز رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے' حضرت امام بخاری رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اپنی کتاب صحیح بخاری شریف میں اسی کو ترجیح دیتے ہیں' ان کی دلیل ایک یہ روایت بھی ہے کہ حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ نے وصیت کی کہ فزاریہ نے جس چیز پر اپنے دروازے بند کر رکھے ہیں وہ نہ کھولے جائیں' حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے پھر فرمایا ہے کہ بعض لوگ کہتے ہیں بہ سبب وارثوں کے ساتھ بدگمانی کے اس کا یہ اقرار جائز نہیں' لیکن میں کہتا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے تو فرمایا ہے بدگمانی سے بچو بدگمانی تو سب سے زیادہ جھوٹ ہے' [3] قرآن کریم میں اللہ کا فرمان موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ جس کی جو امانت ہو وہ پہنچا دو' [4] اس وارث اور غیر وارث کی کوئی تخصیص نہیں' یہ یاد رہے کہ یہ اختلاف اس وقت ہے جب اقرار فی الواقع صحیح ہو اور نفس الامر کے مطابق ہو اور اگر صرف حیلہ سازی ہو اور بعض وارثوں کو زیادہ دینے اور بعض کو کم پہنچانے کے لیے ایک بہانہ بنا لیا ہو تو بالا جماع اسے پورا کرنا حرام ہے اور اس آیت کے صاف الفاظ بھی اس کی حرمت کا فتویٰ دیتے ہیں (اقرار فی الواقع صحیح ہونے کی صورت میں اس کا پورا کرنا ضروری ہے جیسا کہ دوسری جماعت کا قول ہے اور جیسا کہ حضرت امام بخاری رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ مترجم) پھر فرمایا یہ اللہ عزوجل کے احکام ہیں جو اللہ عظیم و اعلیٰ' علم و حلم والا ہے۔

---

[1] [موقوف صحیح: دارقطنی (١٥١/٤) تفسیر ابن جریر الطبری (٨٧٨٩)]

[2] [صحیح: ابو داؤد : کتاب الوصایا : باب ماجآء فی الوصیة للوارث (٢٨٧٠) و کتاب البیوع (٣٥٦٥) ترمذی : کتاب الوصایا : باب ماجآء لا وصیة لوارث (٢١٢٠) ابن ماجه : کتاب الوصایا : باب لا وصیة لوارث (٢٧١٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود ، ارواء الغلیل (١٦٥٥)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الادب : باب ماینهی عن التحاسد و التدابر (٦٠٦٤) صحیح مسلم : کتاب البر و الصلة : باب تحریم الظن و التجسس (٢٥٦٣)]

[4] [سورۃ النسآء : آیت ٥٨]

تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ يُدْخِلْهُ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿١٣﴾ وَمَنْ يَّعْصِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ يُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِيْهَا ۠ وَلَهٗ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿١٤﴾

یہ حدیں اللہ تعالیٰ کی مقرر کی ہوئی ہیں' اور جو اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرے گا' اسے اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے' یہ بڑی کامیابی ہے○ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول (ﷺ) کی نافرمانی کرے اور اس کی مقررہ حدوں سے آگے نکلے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ایسوں ہی کے لیے اہانت کرنے والا عذاب ہے○

نافرمانوں کے لیے جہنم: اور جو شخص اللہ تعالیٰ کی اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے اور اس کی مقرر کی ہوئی حدوں سے آگے نکل جائے اسے وہ جہنم میں ڈال دے گا جس میں وہ ہمیشہ رہے گا ایسوں کے لیے اہانت کرنے والا عذاب ہے یعنی یہ فرائض اور یہ مقدار جسے اللہ تعالیٰ نے مقرر کیا ہے اور میت کے وارثوں کو ان کی قرابت کی نزدیکی اور ان کی حاجت کے مطابق جتنا جسے دلوایا ہے یہ سب اللہ ذوالکرم کی حدود ہیں تم ان حدوں کو نہ توڑو' نہ اس سے آگے بڑھو۔ جو شخص اللہ عزوجل کے ان احکام کو مان لے' کوئی حیلہ حوالہ کر کے کسی وارث کو کم بیش دلوانے کی کوشش نہ کرے حکم الٰہ اور فریضہ الٰہ جوں کا توں بجالائے اللہ کا وعدہ ہے کہ وہ اسے ہمیشہ چلنے والی نہروں کی جنت میں داخل کرے گا' یہ کامیاب نصیب ور اور مقصد کو پہنچنے والا اور مراد کو پانے والا ہوگا' اور جو اللہ کے کسی حکم کو بدل دے' کسی وارث کے ورثے کو کم وبیش کر دے رضائے الٰہی کو پیش نظر نہ رکھے بلکہ اس کے حکم کو رد کر دے اور اس کے خلاف عمل کرے وہ اللہ کی تقسیم کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتا اور اس کے حکم کو عدل نہیں سمجھتا تو ایسا شخص ہمیشہ رہنے والی رسوائی اور اہانت والے دردناک اور ہیبت ناک عذابوں میں مبتلا رہے گا۔

رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک شخص ستر سال تک نیکی کے عمل کرتا رہتا ہے پھر وصیت کے وقت ظلم وستم کرتا ہے اس کا خاتمہ برے عمل پر ہوتا ہے اور وہ جہنمی بن جاتا ہے۔ اور ایک شخص برائی کا عمل ستر سال تک کرتا رہتا ہے پھر اپنی وصیت میں عدل کرتا ہے اور خاتمہ اس کا بہتر ہو جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس حدیث کے راوی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس آیت کو پڑھو ﴿تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ﴾ سے ﴿عَذَابٌ مُّهِيْنٌ﴾ تک۔ [1] سنن ابوداؤد کے باب ((اَلْاِضْرَارُ فِي الْوَصِيَّةِ)) میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ ایک مرد یا عورت اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں ساٹھ سال تک لگے رہتے ہیں پھر موت کے وقت وصیت میں کوئی کمی بیشی کر جاتے ہیں تو ان کے لیے جہنم واجب ہو جاتی ہے پھر حضرت ابوہریرہ نے ﴿مِنْ بَعْدِ وَصِيَّةٍ﴾

---

[1] [ضعیف: مسند احمد (٢/٢٧٨)] اس کی سند میں شہر بن حوشب ضعیف راوی ہے۔]

سے آخر آیت تک پڑھی ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث ہے'[1] امام ترمذی رحمہ اللہ اسے غریب کہتے ہیں' مسند احمد میں یہ حدیث تمام وکمال کے ساتھ موجود ہے۔

وَالّٰتِیْ یَاْتِیْنَ الْفَاحِشَةَ مِنْ نِّسَآىِٕكُمْ فَاسْتَشْهِدُوْا عَلَیْهِنَّ اَرْبَعَةً مِّنْكُمْ ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَاَمْسِكُوْهُنَّ فِی الْبُیُوْتِ حَتّٰی یَتَوَفّٰىهُنَّ الْمَوْتُ اَوْ یَجْعَلَ اللّٰهُ لَهُنَّ سَبِیْلًا ۝ وَالَّذٰنِ یَاْتِیٰنِهَا مِنْكُمْ فَاٰذُوْهُمَا ۚ فَاِنْ تَابَا وَاَصْلَحَا فَاَعْرِضُوْا عَنْهُمَا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا ۝

تمہاری عورتوں میں سے جو بے حیائی کا کام کریں ان پر اپنے میں سے چار گواہ رکھو' اگر وہ گواہی دیں تو ان عورتوں کو گھروں میں قید کر رکھو یہاں تک کہ موت ان کی عمریں پوری کر دے یا اللہ تعالیٰ ان کے لیے کوئی اور راستہ نکالے تم میں سے جو دو مرد ایسا کام کرلیں انہیں ایذاء دو اگر وہ توبہ اور اصلاح کرلیں تو ان سے منہ پھیر لو' بیشک اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا رحم کرنے والا ہے۔

بدکار عورتوں کی سزا: ابتدائے اسلام میں یہ حکم تھا کہ جب عادل گواہوں کی سچی گواہی سے کسی عورت کی سیاہ کاری ثابت ہو جائے تو اسے گھر سے باہر نہ نکلنے دیا جائے گھر میں ہی قید کر دیا جائے اور جنم قید یعنی موت سے پہلے اسے چھوڑا نہ جائے' اس فیصلہ کے بعد یہ اور بات ہے کہ اللہ ان کے لیے کوئی اور راستہ پیدا کر دے' پھر جب دوسری صورت کی سزا تجویز ہوئی تو وہ منسوخ ہوگئی اور یہ حکم بھی منسوخ ہوا' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب تک سورۂ نور کی آیت نہیں اتری تھی زنا کار عورت کے لیے یہی حکم رہا پھر اس آیت میں شادی شدہ کو رجم کرنے یعنی پتھر مار مار کر مار ڈالنے اور بے شادی شدہ کو کوڑے مارنے کا حکم اترا' حضرت عکرمہ' حضرت سعید بن جبیر' حضرت حسن' حضرت عطا خراسانی' حضرت ابو صالح' حضرت قتادہ' حضرت زید بن اسلم اور حضرت ضحاک رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور اس پر سب کا اتفاق ہے' حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب وحی اترتی تو آپ پر اس کا بڑا اثر ہوتا اور تکلیف محسوس ہوتی اور چہرے کا رنگ بدل جاتا پس اللہ تعالیٰ نے ایک دن اپنے نبی پر وحی نازل فرمائی کیفیت وحی سے نکلے تو آپ نے فرمایا مجھ سے حکم الٰہی لو اللہ تعالیٰ نے سیاہ کار عورتوں کے لیے راستہ نکال دیا ہے اگر شادی شدہ عورت یا شادی شدہ مرد سے اس جرم کا ارتکاب ہو تو ایک سو کوڑے اور پتھروں سے مار ڈالنا اور غیر شادی شدہ ہوں تو ایک سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی۔[2] (مسلم وغیرہ) ترمذی وغیرہ میں بھی یہ حدیث الفاظ کی کچھ تبدیلی کے ساتھ مروی ہے' امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح کہتے

---

[1] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الوصایا : باب ماجآء فی کراھیة الاضرار فی الوصیة (٢٨٦٧) ابن ماجه : کتاب الوصایا : باب الحیف فی الوصیة (٢٧٠٤) ترمذی : کتاب الوصایا : باب ماجآء فی الضرار فی الوصیة (٢١١٧)] یہ روایت بھی شہر بن حوشب راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف ابوداؤد ، ضعیف ابن ماجه]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب حد الزنی (١٦٩٠) مسند احمد (٣١٨/٥)]

ہیں اسی طرح ابوداؤد میں بھی[1] ابن مردویہ کی غریب حدیث میں کنوارے اور بیاہے ہوئے کے حکم کے ساتھ ہی یہ بھی ہے کہ دونوں اگر بوڑھے ہوں تو انہیں رجم کر دیا جائے[2] لیکن یہ حدیث غریب ہے طبرانی میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا سورۂ نساء کے اترنے کے بعد اب روک رکھنے کا یعنی عورتوں کو گھروں میں قید رکھنے کا حکم نہیں رہا[3] امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب اس حدیث کے مطابق یہی ہے کہ زانی شادی شدہ کو کوڑے بھی لگائے جائیں گے اور رجم بھی کیا جائے گا اور جمہور کہتے ہیں کوڑے نہیں لگیں گے صرف رجم کیا جائے گا اس لیے کہ نبی ﷺ نے حضرت ماعز رضی اللہ عنہ کو اور غامدیہ عورت کو رجم کیا لیکن کوڑے نہیں مارے اسی طرح دو یہودیوں کو بھی آپ نے رجم کا حکم دیا اور رجم سے پہلے بھی انہیں کوڑے نہیں لگوائے پھر جمہور کے اس قول کے مطابق معلوم ہوا کہ انہیں کوڑے لگانے کا حکم منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرمایا اس بے حیائی کے کام کو دو مرد اگر آپس میں کریں انہیں ایذاء پہنچاؤ یعنی برا بھلا کہہ کر شرم وغیرت دلا کر جوتیاں لگا کر[4] یہ حکم بھی اسی طرح پر رہا یہاں تک کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ نے کوڑے اور رجم سے منسوخ فرمایا۔ حضرت عکرمہ عطا حسن عبداللہ بن کثیر رحمہم اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد بھی مرد وعورت ہیں۔

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مراد وہ نوجوان مرد ہیں جو شادی شدہ نہ ہوں حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں لواطت کے بارے میں یہ آیت ہے[5] رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جسے تم لوطی فعل کرتے دیکھو تو فاعل مفعول دونوں کو قتل کر ڈالو[6] ہاں اگر یہ دونوں باز آ جائیں اپنی بدکاری سے توبہ کر لیں اپنے اعمال کی اصلاح کر لیں اور ٹھیک ٹھاک ہو جائیں تو اب ان کے ساتھ درشت کلامی اور سختی سے پیش نہ آؤ اس لیے کہ گناہ سے توبہ کر لینے والا مثل گناہ نہ کرنے والے کے ہے۔ اللہ تعالیٰ توبہ قبول کرنے والا اور درگزر کرنے والا ہے۔ بخاری ومسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر کسی کی لونڈی بدکاری کرے تو اس کا مالک اسے حد لگا دے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے[7] یعنی حد لگ جانے کے بعد پھر اسے عار نہ دلایا کرے کیونکہ حد کفارہ ہے۔

---

[1] [صحیح :ترمذی : کتاب الحدود : باب ماجآء فی الرجم علی الثیب (١٤٣٤) ابو داؤد : کتاب الحدود : باب فی الرجم (٤٤١٥) صحیح ابن حبان (٤٤٢٥) مسند احمد (٥/٣١٣)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی]

[2] [ضعیف :ابن ابی شیبة (٥٥٥/٦) بیهقی فی السنن الکبری (٢٢٣/٨)] اس کی سند میں عمرو بن عبدالغفار راوی ضعیف ہے۔ امام ابن عدیؒ نے اسے متہم بالوضع کہا ہے، امام ابوحاتمؒ اسے متروک الحدیث کہتے ہیں اور امام عقیلیؒ اسے منکر کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف :دارقطنی (٤/٦٨) بیهقی (٦/١٦٢)] اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (٨/٨٥)] [5] [تفسیر ابن جریر الطبری (٨/٨٢)]

[6] [صحیح :ابو داؤد : کتاب الحدود : باب فیمن عمل عمل قوم لوط (٤٤٦٢) ابن ماجه : کتاب الحدود : باب من عمل عمل قوم لوط (٢٥٦١) ترمذی : کتاب الحدود : باب ماجآء فی حد اللوطی (١٤٥٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود ، ارواء الغلیل (٢٣٥٠)]

[7] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب لایثرب علی الامة اذا زنت (٦٨٣٩) صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب رجم الیهود اهل الذمة فی الزنی (١٧٠٣)]

إِنَّمَا التَّوْبَةُ عَلَى اللَّهِ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السُّوٓءَ بِجَهَالَةٍ ثُمَّ يَتُوبُونَ مِن قَرِيبٍ فَأُولَٰٓئِكَ يَتُوبُ اللَّهُ عَلَيْهِمْ ۗ وَكَانَ اللَّهُ عَلِيمًا حَكِيمًا ﴿١٧﴾ وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِينَ يَعْمَلُونَ السَّيِّـَٔاتِ حَتَّىٰٓ إِذَا حَضَرَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ إِنِّي تُبْتُ الْـَٰٔنَ وَلَا الَّذِينَ يَمُوتُونَ وَهُمْ كُفَّارٌ ۚ أُولَٰٓئِكَ أَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابًا أَلِيمًا ﴿١٨﴾

اللہ تعالیٰ صرف ان ہی لوگوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو بوجہ نادانی کوئی برائی کر گزریں پھر جلد اس سے باز آ جائیں اور توبہ کریں تو اللہ تعالیٰ بھی ان کی توبہ قبول کرتا ہے' اللہ تعالیٰ بڑے علم والا' حکمت والا ہے○ ان کی توبہ کی قبولیت کا وعدہ نہیں جو برائیاں کرتے چلے جائیں یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کے پاس موت آ جائے تو کہہ دے کہ میں نے اب توبہ کی نہ ان کی توبہ ہے' جو کفر پر ہی مر جائیں یہی لوگ ہیں جن کے لیے ہم نے المناک عذاب تیار کر رکھے ہیں○

موت کے وقت توبہ بے سود: مطلب یہ ہے کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنے ان بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جو ناواقفیت کی وجہ سے کوئی برا کام کر بیٹھیں پھر توبہ کر لیں گو یہ توبہ فرشتہ موت کو دیکھ لینے کے بعد عالم نزع سے پہلے ہو' حضرت مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں جو بھی قصداً یا غلطی سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے وہ جاہل ہے جب تک کہ اس سے باز نہ آئے۔[1] ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرمایا کرتے تھے کہ بندہ جو گناہ کرے وہ جہالت ہے[2] حضرت قتادہ رحمہ اللہ بھی صحابہ کے رضی اللہ عنہم مجمع سے اس طرح کی روایت کرتے ہیں۔

عطا رحمہ اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ توبہ جلدی کر لینے کی تفسیر میں منقول ہے کہ ملک الموت کو دیکھ لینے سے پہلے' عالم سکرات کے قریب مراد ہے' اپنی صحت میں توبہ کر لینی چاہیے' غرغرے کے وقت سے پہلے کی توبہ قبول ہے' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ساری دنیا قریب ہی ہے' اس کے متعلق حدیثیں سنیے! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک سانسوں کا ٹوٹنا شروع نہ ہو۔[3] (ترمذی) جو بھی مومن بندہ اپنی موت سے مہینہ بھر پہلے توبہ کر لے اس کی توبہ اللہ تعالیٰ قبول فرما لیتا ہے یہاں تک کہ اس کے بعد بھی بلکہ موت سے ایک دن پہلے تک بھی بلکہ ایک سانس پہلے بھی جو بھی اخلاص اور سچائی کے ساتھ اپنے رب کی طرف جھکے اللہ تعالیٰ اسے قبول فرماتا ہے' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو اپنی موت سے ایک سال پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور جو مہینہ بھر پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ہفتہ بھر پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے اور جو ایک دن پہلے توبہ کرے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ بھی قبول فرماتا ہے' یہ سن کر حضرت ایوب رحمہ اللہ نے یہ آیت پڑھی تو آپ نے فرمایا

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٨٩/٨)] [2] [ایضا]

[3] [**حسن**: ترمذی: کتاب الدعوات (٣٥٣٧) ابن ماجہ: کتاب الزھد: باب ذکر التوبۃ (٤٢٥٣) مسند احمد (١٣٢/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[التعلیق الرغیب (٧٥/٤)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

وہی کہتا ہوں جو رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے[1] مسند احمد میں ہے کہ چار صحابی رضی اللہ عنہم جمع ہوئے ان میں سے ایک نے کہا میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے جو شخص اپنی موت سے ایک دن پہلے بھی توبہ کر لے اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے' دوسرے نے پوچھا کیا سچ مچ تم نے حضور ﷺ سے ایسے ہی سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں تو دوسرے نے کہا میں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ اگر آدھا دن پہلے بھی توبہ کر لے تو بھی اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے تیسرے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ کہا ہاں میں نے خود سنا ہے' کہا میں نے سنا ہے کہ اگر ایک پہر پہلے توبہ نصیب ہو جائے تو وہ بھی قبول ہوتی ہے چوتھے نے کہا تم نے یہ سنا ہے؟ اس نے کہا ہاں' اس نے کہا میں نے تو حضور ﷺ سے یہاں تک سنا ہے کہ جب تک اس کے نزخرے میں روح نہ آ جائے توبہ کے دروازے اس کے لیے بھی کھلے رہتے ہیں'[2] بن مردویہ میں مروی ہے کہ جب تک جان نکلتے ہوئے گلے سے نکلنے والی آواز شروع نہ ہو تب تک توبہ قبول ہے۔[3] کئی ایک مرسل احادیث میں بھی یہ مضمون ہے۔

حضرت ابو قلابہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب ابلیس پر لعنت نازل فرمائی تو اس نے مہلت طلب کی اور کہا تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم کہ ابن آدم کے جسم میں جب تک روح رہے گی میں اس کے دل سے نہ نکلوں گا' اللہ تعالیٰ عزوجل نے فرمایا مجھے اپنی عزت اور اپنے جلال کی قسم کہ میں بھی جب تک اس میں روح رہے گی اس کی توبہ قبول کروں گا'[4] ایک مرفوع حدیث میں بھی اس کے قریب قریب مروی ہے۔[5]

پس ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جب تک بندہ زندہ ہے اور اسے اپنی حیات کی امید ہے تب تک وہ اللہ تعالیٰ کی طرف جھکے' توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرماتا ہے اور اس پر رجوع کرتا ہے اللہ تعالیٰ علیم وحکیم ہے' ہاں جب زندگی سے مایوس ہو جائے فرشتوں کو دیکھ لے اور روح بدن سے نکل کر حلق تک پہنچ جائے سینے میں گھٹن لگے حلق میں اٹکے سانسوں سے غرغرہ شروع ہو تو اس کی توبہ قبول نہیں ہوتی۔ اسی لیے اس کے بعد فرمایا کہ مرتے دم تک جو گناہوں پر اڑا رہے اور موت دیکھ کر کہنے لگے کہ اب میں توبہ کرتا ہوں تو ایسے شخص کی توبہ قبول نہیں ہوتی' جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ (المؤمن / ٨٤) (دو آیتوں تک)

---

[1] [ضعیف : طیالسی (٢٢٨٤)] اس کی سند میں ایوب راوی مجہول ہے۔]

[2] [ضعیف : مسند احمد (٤٢٥/٣) مجمع الزوائد (١٩٦/١٠) مستدرك حاكم (٢٥٧/٤) بيهقى فى شعب الايمان (٣٩٧/٥)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عبدالرحمٰن بن بیلمانی راوی ضعیف ہے۔[الموسوعة الحديثية (١٥٤٩٩)]

[3] [ضعیف : مسند بزار (٣٢٤٣) مجمع الزوائد (١٩٨/١٠)] اس کی سند میں یزید بن عبدالملک راوی ضعیف ہے۔[دیکھئے : میزان (٤٣٣/٤)]

[4] [تفسير ابن جرير الطبرى (٨٨٥٨)]

[5] [حسن : مسند احمد (٢٩/٣) بغوى فى شرح السنة (٧٦/٥) مسند ابويعلى (١٢٧٣)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (١١٢٣٧)] شیخ البانیؒ اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں۔[صحيح الترغيب (١٦١٧)]

مطلب یہ ہے کہ ہمارے عذابوں کا معائنہ کر لینے کے بعد ایمان کا اقرار کرنا کوئی نفع نہیں دیتا' اور جگہ ہے ﴿يَوْمَ يَأْتِي بَعْضُ آيَاتِ رَبِّكَ﴾ (الانعام/١٥٨) الخ' مطلب یہ ہے کہ جب مخلوق سورج کو مغرب کی طرف سے چڑھتے ہوئے دیکھ لے گی اس وقت جو ایمان لائے یا نیک عمل کرے اسے نہ اس کا عمل نفع دے گا' نہ اس کا ایمان۔

پھر فرماتا ہے کہ کفر و شرک پر مرنے والے کو بھی ندامت و توبہ کوئی فائدہ نہ دے گی' نہ ہی اس سے فدیہ اور بدلہ قبول کیا جائے گا چاہے زمین بھر کر سونا دینا چاہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیت اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے' مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے کی توبہ قبول کرتا ہے اور اسے بخش دیتا ہے جب تک پردہ نہ پڑ جائے پوچھا گیا پردہ پڑنے سے کیا مطلب ہے؟ فرمایا شرک کی حالت میں جان نکل جانا۔[1] ایسے لوگوں کے لیے اللہ تعالیٰ نے سخت دردناک' المناک' ہمیشہ رہنے والے عذاب تیار کر رکھے ہیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا يَحِلُّ لَكُمْ أَنْ تَرِثُوا النِّسَاءَ كَرْهًا ۖ وَلَا تَعْضُلُوهُنَّ لِتَذْهَبُوا بِبَعْضِ مَا آتَيْتُمُوهُنَّ إِلَّا أَنْ يَأْتِينَ بِفَاحِشَةٍ مُبَيِّنَةٍ ۚ وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ ۚ فَإِنْ كَرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَىٰ أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا ﴿١٩﴾ وَإِنْ أَرَدْتُمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَكَانَ زَوْجٍ وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَأْخُذُوا مِنْهُ شَيْئًا ۚ أَتَأْخُذُونَهُ بُهْتَانًا وَإِثْمًا مُبِينًا ﴿٢٠﴾ وَكَيْفَ تَأْخُذُونَهُ وَقَدْ أَفْضَىٰ بَعْضُكُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ وَأَخَذْنَ مِنْكُمْ مِيثَاقًا غَلِيظًا ﴿٢١﴾ وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ۚ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا ﴿٢٢﴾

ایمان والو تمہیں حلال نہیں کہ زبردستی عورتوں کو ورثے میں لے بیٹھو انہیں اس لیے روک نہ رکھو کہ جو تم نے انہیں دے رکھا ہے اس میں سے کچھ لے لو ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ کوئی کھلی برائی اور بے حیائی کریں' ان کے ساتھ اچھے طریقہ سے بود و باش رکھو' گو تم انہیں ناپسند کرو لیکن بہت ممکن ہے کہ تم ایک چیز کو برا جانو اور اللہ اس میں بہت ہی بھلائی کر دے ○ اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی کرنا چاہو اور ان میں سے کسی کو تم نے خزانے کا خزانہ دے رکھا ہو تو بھی تم اس میں سے کچھ بھی نہ لو' کیا تم اسے ناحق اور کھلا گناہ ہوتے ہوئے بھی لے لو گے ○ تم اسے کیسے لے لو گے؟ حالانکہ تم ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور ان عورتوں سے تم نے مضبوط عہد و پیمان لے رکھا ہے ○ ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جن سے تمہارے باپوں نے نکاح کیا ہے مگر جو گزر چکا' یہ بے حیائی کا کام اور بغض کا سبب ہے' اور بڑی بری راہ ہے ○

عورت پر ظلم کا خاتمہ: صحیح بخاری میں ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ قبل اسلام جب کوئی شخص مر جاتا

[1] [ضعیف : مسند احمد (٥/١٧٤) بزار (٣٢٤١) بخاری فی التاریخ الکبیر (٢/٢١)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابن نعیم مجہول ہے۔[الموسوعۃ الحدیثیۃ (٢١٥٢٢)]

ہے تو اس کے وارث اس کی عورت کے پورے حقدار سمجھے جاتے اگر ان میں سے کوئی چاہتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا اگر وہ چاہتے تو دوسرے کسی کے نکاح میں دے دیتے اگر چاہتے تو نکاح ہی نہ کرنے دیتے میکے والوں سے زیادہ اس عورت کے حقدار سسرال والے ہی گنے جاتے تھے جاہلیت کی اس رسم کے خلاف یہ آیت نازل ہوئی‘ [1] دوسری روایت میں یہ بھی آیا ہے کہ وہ لوگ اس عورت کو مجبور کرتے کہ وہ مہر کے حق سے دست بردار ہو جائے یا یونہی بے نکاحی بیٹھی رہے‘ [2] یہ بھی مروی ہے کہ اس عورت کا خاوند مرتے ہی کوئی بھی آ کر اس پر اپنا کپڑا ڈال دیتا اور وہی اس کا مختار سمجھا جاتا‘ تو ایک روایت میں ہے کہ یہ کپڑا اڈالنے والا اسے حسین پاتا تو اپنے نکاح میں لے لیتا اگر یہ بدصورت ہوتی تو اسے یونہی روکے رکھتا یہاں تک کہ مر جائے پھر اس کے مال کا وارث بنتا۔ یہ بھی مروی ہے کہ مرنے والے کا کوئی گہرا دوست کپڑا اڈال دیتا پھر اگر وہ عورت کچھ فدیہ اور بدلہ دے تو وہ اسے نکاح کرنے کی اجازت دیتا ورنہ یونہی مر جاتی۔ حضرت زید بن اسلم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اہل مدینہ کا یہ دستور تھا کہ وارث اس عورت کے بھی وارث بن جاتے غرض یہ لوگ عورتوں کے ساتھ بڑی بری طرح پیش آتے تھے یہاں تک کہ طلاق دیتے وقت بھی شرط کر لیتے تھے کہ جہاں میں چاہوں تیرا نکاح ہوگا اس طرح کی قید و بند سے رہائی پانے کی پھر یہ صورت ہوتی کہ وہ عورت کچھ دے کر جان چھڑاتی‘ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرما دیا‘ ابن مردویہ میں ہے کہ جب ابوقیس بن اسلت کا انتقال ہوا تو ان کے بیٹے نے ان کی بیوی سے نکاح کرنا چاہا جیسے کہ جاہلیت میں یہ دستور تھا اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی بچے کی سنبھال پر اسے لگا دیتے تھے حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب کوئی مر جاتا تو اس کا لڑکا اس کی بیوی کا زیادہ حقدار سمجھا جاتا اگر چاہتا خود اپنی سوتیلی ماں سے نکاح کر لیتا اور اگر چاہتا دوسرے کے نکاح میں دے دیتا مثلاً بھائی کے بھتیجے کے یا جس کو چاہے۔

حضرت عکرمہ رحمہ اللہ کی روایت میں ہے کہ ابوقیس کی جس بیوی کا نام کبیشہ بنت معن رضی اللہ عنہا تھا اس نے اس صورت کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو دی کہ یہ لوگ نہ مجھے وارثوں میں شمار کر کے میرے خاوند کا ورثہ دیتے ہیں‘ نہ مجھے چھوڑتے ہیں کہ میں اور کہیں اپنا نکاح کر لوں اس پر یہ آیت نازل ہوئی‘ ایک روایت میں ہے کہ کپڑا اڈالنے کی رسم سے پہلے ہی اگر کوئی عورت بھاگ کھڑی ہو اور اپنے میکے آ جائے تو وہ چھوٹ جاتی تھی‘ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو یتیم بچی ان کی ولایت میں ہوتی اسے یہ روکے رکھتے تھے اس امید پر کہ جب ہماری بیوی مر جائے گی ہم اس سے نکاح کر لیں گے‘ ان سب اقوال سے معلوم ہوا کہ ان تمام صورتوں کی اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ممانعت کر دی اور عورتوں کی جان اس مصیبت سے چھڑا دی۔ واللہ اعلم۔ ارشاد ہے عورتوں کی بود و باش میں انہیں تنگ کر کے تکلیف دے دے کر مجبور نہ کرو کہ وہ اپنا سارا مہر چھوڑ دیں یا اس میں سے کچھ چھوڑ دیں یا اپنے کسی اور واجبی حق

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب لایحل لکم ان ترثوا النساء کرھا (۲۰۷۹) ابوداود : کتاب النکاح : باب فی قول اللہ تعالی لا یحل لکم ان ترثوا النساء کرھا (۲۰۸۹)]

[2] [حسن صحیح: ابوداؤد (۲۰۹۰) نسائی فی السنن الکبری (۱۱۰۹٤) تفسیر ابن ابی حاتم (۶۰۲/۳)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

وغیرہ سے دست بردار ہونے پر آمادہ ہو جائیں کیونکہ انہیں ستایا اور مجبور کیا جا رہا ہے‘ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورت ناپسند ہے‘ دل نہیں ملا چھوڑ دینا چاہتا ہے تو اس صورت میں حق مہر کے علاوہ بھی تمام حقوق دینے پڑیں گے اس صورت حال سے بچنے کے لیے اسے ستانا یا طرح طرح سے تنگ کرنا تا کہ وہ خود اپنے حقوق چھوڑ کر چلے جانے پر آمادہ ہو جائے ایسا رویہ اختیار کرنے سے قرآن پاک نے مسلمانوں کو روک دیا۔

ابن سلمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں آیتوں میں سے پہلی آیت امرِ جاہلیت کو ختم کرنے اور دوسری امرِ اسلام کی اصلاح کے لیے نازل ہوئی‘ ابن مبارک رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ مگر اس صورت میں کہ ان سے کھلی بے حیائی کا کام صادر ہو جائے‘ اس سے مراد بقول اکثر مفسرین صحابہ رضی اللہ عنہم و تابعین رحمہم اللہ وغیرہ زنا کاری ہے‘ یعنی اس صورت میں جائز ہے کہ اس سے مہر لوٹا لینا چاہیے اور اسے تنگ کرے تا کہ خلع پر رضا مند ہو‘ جیسے سورۂ بقرہ کی آیت (۲۲۹) میں ہے ﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ﴾ الخ‘ یعنی تمہیں حلال نہیں کہ تم انہیں دیئے ہوئے میں سے کچھ بھی لے لو مگر اس حالت میں کہ دونوں کو اللہ کی حدیں قائم نہ رکھ سکنے کا خوف ہو۔ بعض بزرگوں نے فرمایا ہے ﴿فَاحِشَةٍ مُّبَيِّنَةٍ﴾ سے مراد خاوند کے خلاف کام کرنا‘ اس کی نافرمانی کرنا‘ بدزبانی کج خلقی کرنا‘ حقوق زوجیت اچھی طرح ادا نہ کرنا وغیرہ ہے‘[1] امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں آیت کے الفاظ عام ہیں زنا کو اور تمام مذکورہ عوامل کو بھی شامل ہیں یعنی ان تمام صورتوں میں خاوند کو مباح ہے کہ اسے تنگ کرے تا کہ وہ اپنا کل حق یا تھوڑا حق چھوڑ دے اور پھر یہ اسے الگ کر دے امام صاحب کا یہ فرمان بہت ہی مناسب ہے۔ واللہ اعلم۔ یہ روایت بھی پہلے گزر چکی ہے کہ یہاں اس آیت کے اترنے کا سبب وہی جاہلیت کی رسم ہے جس سے اللہ نے منع فرما دیا‘ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پورا بیان جاہلیت کی رسم کو اسلام میں سے خارج کرنے کے لیے ہوا ہے۔

ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں مکہ کے قریش میں یہ رواج تھا کہ کسی شخص نے کسی شریف عورت سے نکاح کیا موافقت نہ ہوئی تو اسے طلاق دے دی لیکن یہ شرط کر لیتا تھا کہ بغیر اس کی اجازت کے یہ دوسری جگہ نکاح نہیں کر سکتی اس بات پر گواہ مقرر ہو جاتے اور اقرار نامہ لکھ لیا جاتا اب اگر کہیں سے پیغام آئے اور وہ عورت راضی ہو تو یہ کہتا مجھے اتنی رقم دے تو میں تجھے نکاح کی اجازت دوں گا اگر وہ ادا کر دیتی تو خیر‘ ورنہ یونہی اسے قید رکھتا اور دوسرا نکاح نہ کرنے دیتا اس کی ممانعت اس آیت میں نازل ہوئی‘ بقول مجاہد رحمہ اللہ یہ حکم اور سورۂ بقرہ کی آیت کا حکم دونوں ایک ہی ہیں۔ پھر فرمایا عورتوں کے ساتھ خوش سلوکی کا رویہ رکھو‘ ان کے ساتھ اچھا برتاؤ برتو‘ نرم بات کہو‘ نیک سلوک کرو اپنی حالت بھی اپنی طاقت کے مطابق اچھی رکھو‘ جیسے تم چاہتے ہو کہ وہ تمہارے لیے بنی سنوری ہوئی اچھی حالت میں رہے تم خود اپنی حالت بھی اچھی رکھو جیسے۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِي عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوفِ﴾ (البقرہ/۲۲۸) یعنی جیسے تمہارے حقوق ان پر ہیں ان کے حقوق بھی تم پر ہیں۔

بہترین شوہر نبی کریم ﷺ: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سب سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنی گھر والی کے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸/۱۱۷)]

ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرنے والا ہو میں اپنی بیویوں سے بہت اچھا رویہ رکھتا ہوں[1] نبی کریم ﷺ اپنی بیویوں کے ساتھ بہت لطف وخوشی' بہت نرم اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے تھے' انہیں خوش رکھتے تھے ان سے ہنسی دل لگی کی باتیں کیا کرتے تھے' ان کے دل اپنی مٹھی میں رکھتے تھے' انہیں اچھی طرح کھانے پینے کو دیتے تھے' کشادہ دلی کے ساتھ ان پر خرچ کرتے تھے ایسی خوش طبعی کی باتیں بیان فرماتے جن سے وہ ہنس دیتیں' ایسا بھی ہوا ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ آپ نے دوڑ لگائی اس دوڑ میں صدیقہ رضی اللہ عنہا آگے نکل گئیں کچھ مدت بعد پھر دوڑ لگی اب کے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پیچھے رہ گئیں تو آپ نے فرمایا معاملہ برابر ہوگیا[2] اس سے بھی آپ کا مطلب یہ تھا کہ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا خوش رہیں ان کا دل بہلے جس بیوی صاحبہ کے ہاں آپ کو رات گزارنی ہوتی وہیں آپ کی کل بیویاں جمع ہو جاتیں دو گھڑی بیٹھتیں' بات چیت ہوتی کبھی ایسا بھی ہوتا کہ ان سب کے ساتھ ہی حضور ﷺ رات کا کھانا تناول فرماتے پھر سب اپنے اپنے گھر چلی جاتیں اور آپ وہیں آرام فرماتے جس کی باری ہوتی' اپنی بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک ہی چادر میں سوتے' کرتا نکال ڈالتے صرف تہبند بندھا ہوا ہوتا۔ عشاء کی نماز کے بعد گھر جا کر دو گھڑی ادھر ادھر کی کچھ باتیں کرتے جس سے گھر والیوں کا جی خوش ہوتا الغرض نہایت ہی محبت پیار کے ساتھ اپنی بیویوں کو آپ ﷺ رکھتے تھے۔ پس مسلمانوں کو بھی چاہیے کہ اپنی بیویوں کے ساتھ اچھی طرح راضی خوشی' محبت پیار سے رہیں' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فرماں برداری کا دوسرا نام اچھائی ہے' اس کے تفصیلی احکام کی جگہ تفسیر نہیں بلکہ اسی مضمون کی کتابیں ہیں۔ والحمد للہ۔ پھر فرماتا ہے کہ باوجود جی نہ چاہنے کے بھی عورتوں سے اچھی بود و باش رکھنے میں بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بھلائی عطا فرمائے' ممکن ہے کہ نیک اولاد ہو جائے اور اس سے اللہ تعالیٰ بہت سی بھلائیاں نصیب کرے' صحیح حدیث میں ہے مومن مرد مومنہ عورت کو الگ نہ کرے اگر اس کی ایک آدھ بات سے ناراض ہوگا تو ایک آدھ خصلت اچھی بھی ہوگی۔[3] پھر فرماتا ہے کہ جب تم میں سے کوئی اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہے اس کی جگہ دوسری عورت سے نکاح کرنا چاہے تو اسے دیئے ہوئے مہر میں سے کچھ بھی واپس نہ لے چاہے خزانہ کا خزانہ دیا ہوا ہو۔

حق مہر کے مسائل: سورۂ آلِ عمران کی تفسیر میں قنطار کا پورا بیان گزر چکا ہے اس لیے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں' اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مہر میں بہت سارا مال دینا بھی جائز ہے' امیر المومنین حضرت عمر

---

[1] [صحیح : ترمذی : کتاب المناقب : باب فضل ازواج النبی (٣٨٩٥) ابن حبان (٤١٧٧) دارمی (١٥٩/٢) بیھقی فی السنن الکبری (٤٦٨/٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی ، السلسلة الصحیحة (٢٨٥)]

[2] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الجھاد : باب فی السبق علی الرجل (٢٥٧٨) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب حسن معاشرة النسآء (١٩٧٩) مسند احمد (١٢٩/٦) نسائی فی السنن الکبری (٨٩٤٤) مسند حمیدی (٢٦١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (١٥٠٢) السلسلة الصحیحة (١٣١)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب الوصیة بالنساء (١٤٦٧) مسند احمد (٣٢٩/٢)]

فاروق رضی اللہ عنہ نے پہلے بہت لمبے چوڑے مہر سے منع فرما دیا تھا پھر اپنے قول سے رجوع کیا' جیسے کہ مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا عورتوں کے مہر باندھنے میں زیادتی نہ کرو اگر یہ دنیوی طور پر کوئی بھی چیز ہوتی یا اللہ کے نزدیک یہ تقویٰ کی چیز ہوتی تو تم سب سے پہلے اس پر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم عمل کرتے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیٹی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ مقرر نہیں کیا (تقریباً سوا سو روپیہ) انسان زیادہ مہر باندھ کر پھر مصیبت میں پڑ جاتا ہے یہاں تک کہ رفتہ رفتہ اس کی بیوی اسے بوجھ معلوم ہونے لگتی ہے' اور اس کے دل میں اس کی دشمنی بیٹھ جاتی ہے اور کہنے لگتا ہے کہ تو نے میرے کندھے پر مشک لٹکا دی' یہ حدیث بہت سی کتابوں میں مختلف الفاظ سے مروی ہے [1] ایک میں ہے کہ آپ نے منبر نبوی پر کھڑے ہو کر فرمایا لوگو! تم نے کیوں لمبے چوڑے مہر باندھنے شروع کر دیئے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے زمانہ کے اصحاب رضی اللہ عنہم نے تو چار سو درہم (تقریباً سو روپیہ) مہر باندھا ہے اگر یہ تقویٰ اور کرامت کے زاد ہونے کا سبب ہوتا تو تم زیادہ حق مہر ادا کرنے میں بھی ان پر سبقت نہیں لے سکتے تھے خبردار! آج سے میں نہ سنوں کہ کسی نے چار سو درہم سے زیادہ کا مہر مقرر کیا یہ فرما کر آپ نیچے اتر آئے تو ایک قریشی خاتون سامنے آئیں اور کہنے لگیں امیر المومنین! کیا آپ نے چار سو درہم سے زیادہ کے حق مہر سے لوگوں کو منع فرما دیا؟ آپ نے فرمایا: ہاں کہا کیا آپ نے اللہ کا کلام جو اس نے نازل فرمایا ہے نہیں سنا؟ کہا سنیئے اللہ تبارک وتعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا﴾ الخ' تم نے انہیں خزانہ دیا ہو' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ مجھے معاف فرما عمر سے تو ہر شخص زیادہ سمجھدار ہے پھر واپس اسی وقت منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں سے فرمایا لوگو! میں نے تمہیں چار سو درہم سے زیادہ کے مہر سے روک دیا تھا لیکن اب کہتا ہوں جو شخص اپنے مال میں سے مہر میں جتنا چاہے دے اپنی خوشی سے جتنا مہر مقرر کرنا چاہے کرے میں نہیں روکتا" [2] اور ایک روایت میں اس عورت کا آیت کو اس طرح پڑھنا مروی ہے ﴿وَآتَيْتُمْ إِحْدَاهُنَّ قِنطَارًا مِّنْ ذَهَبٍ﴾ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرأت میں بھی اسی طرح ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمانا بھی مروی ہے کہ ایک عورت عمر رضی اللہ عنہ پر غالب آ گئی۔ [3] اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا تھا گو ذی الغصہ یعنی یزید بن حصین حارثی کی بیٹی ہو پھر بھی مہر اس کا زیادہ مقرر نہ کرو اور اگر تم نے ایسا کیا تو وہ زائد رقم میں بیت المال کے لیے لے لوں گا اس پر ایک دراز قد چوڑی ناک والی عورت نے کہا حضرت! آپ یہ حکم نہیں دے سکتے۔ [4]

پھر اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تم اپنی بیوی کو دیا ہوا حق مہر واپس کیسے لے سکتے ہو؟ جبکہ تم نے اس سے فائدہ اٹھایا یا ضرورت پوری کی وہ تم سے اور تم اس سے مل گئے یعنی میاں بیوی کے تعلقات بھی قائم ہو گئے' بخاری و مسلم کی

---

[1] [صحيح : ابو داؤد : كتاب النكاح : باب الصداق (٢١٠٦) ابن ماجه : كتاب النكاح : باب صداق النسآء (١٨٨٧)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[ارواء (١٩٢٧)]

[2] [ضعیف : اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف : عبد الرزاق (١٠٤٢٠)] اس کی سند میں انقطاع ہے اور قیس بن ربیع راوی ضعیف ہے۔]

[4] [ضعیف : اس میں مصعب بن ثابت راوی ضعیف ہے۔]

اس حدیث میں ہے ایک شخص نے اپنی بیوی پر زنا کا الزام لگایا اور حضور ﷺ کے سامنے پیش ہوا۔ بیوی نے بھی اپنے بے گناہ ہونے کی اور شوہر نے اپنے سچا ہونے کی قسم کھائی پھر ان دونوں کا قسمیں کھانا اور اس کے بعد آپ کا یہ فرمان کہ اللہ تعالیٰ کو بخوبی علم ہے کہ تم دونوں میں سے کون جھوٹا ہے؟ کیا تم میں سے کوئی اب بھی توبہ کرتا ہے؟ تین دفعہ فرمایا تو اس مرد نے کہا میں نے جو مال اس کے مہر میں دیا ہے اس کی بابت کیا فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا اسی کے بدلے تو یہ تیرے لیے حلال ہوئی تھیں اب اگر تو نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے تو پھر اور ناممکن بات ہوگی۔ [1] اسی طرح ایک اور حدیث میں ہے کہ حضرت بصرہ بن اکثم رضی اللہ عنہ نے ایک کنواری لڑکی سے نکاح کیا جب اس سے ملے تو دیکھا کہ اسے زنا کا حمل ہے حضور ﷺ سے ذکر کیا آپ نے اسے الگ کرا دیا اور مہر دلوا دیا اور عورت کو کوڑے مارنے کا حکم دیا اور فرمایا جو بچہ ہوگا وہ تیرا غلام ہوگا اور مہر تو اس کی حلت کا سبب تھا۔ [2] (ابوداؤد) غرض آیت کا مطلب بھی یہی ہے کہ عورت اس کے بیٹے پر حرام ہو جاتی ہے اس پر اجماع ہے' حضرت ابوقیس رضی اللہ عنہ جو بڑے بزرگ اور نیک انصاری صحابی تھے ان کے انتقال کے بعد ان کے لڑکے قیس نے ان کی بیوی سے نکاح کی خواہش کی جو ان کی سوتیلی ماں تھیں اس پر اس بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا بیشک تو اپنی قوم میں نیک ہے لیکن میں تجھے اپنا بیٹا شمار کرتی ہوں خیر میں رسول اللہ ﷺ کے پاس جاتی ہوں جو وہ حکم فرمائیں۔ وہ حاضر ہوئیں اور حضور ﷺ کو ساری کیفیت بیان کی آپ نے فرمایا اپنے گھر لوٹ جاؤ پھر یہ آیت اتری کہ جس سے باپ نے نکاح کیا اس سے بیٹے کا نکاح حرام ہے [3] ایسے واقعات اور بھی اس وقت موجود تھے جنہیں اس ارادے سے باز رکھا گیا ایک تو یہی ابوقیس والا واقعہ ان بیوی صاحبہ کا نام ام عبید اللہ ضمرہ رضی اللہ عنہا تھا دوسرا واقعہ خلف کا تھا ان کے گھر میں ابوطلحہ کی صاحبزادی تھیں اس کے انتقال کے بعد اس کے لڑکے صفوان نے اسے اپنے نکاح میں لانا چاہا تھا سہیلی میں لکھا ہے جاہلیت میں اس نکاح کا معمول تھا جسے باقاعدہ نکاح سمجھا جاتا تھا اور بالکل حلال گنا جاتا تھا اسی لیے یہاں بھی فرمایا گیا کہ جو پہلے گزر چکا سو گزر چکا' جیسے دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کو بیان فرما کر بھی یہی کہا گیا کنانہ بن خزیمہ نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا تھا نضر اسی کے بطن سے پیدا ہوا تھا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ میری اوپر کی نسل بھی باقاعدہ نکاح سے ہی ہے نہ کہ زنا سے تو معلوم ہوا کہ یہ رسم ان میں برابر جاری تھی اور جائز تھی اور اسے نکاح شمار کرتے تھے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جاہلیت والے بھی جن جن رشتوں کو اللہ نے حرام کیا ہے' سوتیلی ماں اور دو بہنوں کو ایک ساتھ نکاح میں رکھنے کے سوا سب کو حرام ہی جانتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں ان دونوں رشتوں کو بھی حرام ٹھہرایا حضرت عطا اور حضرت قتادہ رحمہما اللہ بھی یہی

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الطلاق: باب صداق الملاعنہ (٥٣١١) صحیح مسلم: کتاب اللعان (١٤٩٣)]

[2] [ضعیف: ابوداؤد: کتاب النکاح: باب فی الرجل یتزوج المرأۃ (٢١٣١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود]

[3] [ضعیف: بیہقی (٧/١٦١)] اس کی سند میں قیس بن ربیع راوی ضعیف ہے۔]

فرماتے ہیں یادرہے کہ سہیلی نے کنانہ کا جو واقعہ نقل کیا ہے وہ غور طلب ہے بالکل صحیح نہیں' واللہ اعلم۔ بہرصورت یہ رشتہ امت مسلمہ پر حرام ہے اور نہایت قبیح امر ہے۔ یہاں تک کہ فرمایا یہ نہایت فحش برا کام بغض کا ہے سبب اور برا راستہ ہے اور جگہ فرمان ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ﴾ (الانعام/ ۱۵۱) الخ' یعنی کسی برائی بے حیائی اور فحش کام کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ بالکل ظاہر ہو خواہ پوشیدہ ہو۔ اور فرمان ہے ﴿وَلَا تَقْرَبُوا الزِّنَا﴾ (الاسراء/ ۳۲) الخ' زنا کے قریب نہ جاؤ یقیناً وہ فحش کام اور بری راہ ہے یہاں مزید فرمایا کہ یہ کام بڑے بغض کا بھی ہے یعنی فی نفسہ بھی بڑا برا امر ہے اس سے باپ بیٹے میں عداوت پڑ جاتی ہے اور دشمنی قائم ہو جاتی ہے' یہی مشاہدہ میں آیا ہے اور عموماً یہ بھی لکھا گیا ہے کہ جو شخص کسی عورت سے دوسرا نکاح کرتا ہے وہ اس کے پہلے خاوند سے بغض ہی رکھتا ہے یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی بیویاں امہات المومنین رضی اللہ عنہن قرار دے دی گئیں اور امت پر مثل ماں کے حرام کی گئیں کیونکہ وہ نبی ﷺ کی بیویاں ہیں اور آپ مثل باپ کے ہیں' بلکہ اجماعاً ثابت ہے کہ آپ کے حق باپ دادا کے حقوق سے بھی بہت زیادہ اور بہت بڑے ہیں بلکہ آپ کی محبت خود اپنی جانوں کی محبت پر بھی مقدم ہے صلوات اللہ و سلامه علیه۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ کام اللہ کے بغض کا موجب ہے اور برا راستہ ہے اب جو ایسا کام کرے وہ دین سے مرتد ہے اسے قتل کر دیا جائے اور اس کا مال بیت المال میں بطور فئی کے داخل کر لیا جائے' سنن اور مسند احمد میں مروی ہے کہ ایک صحابی کو رسول اللہ ﷺ نے اس شخص کی طرف بھیجا جس نے اپنے باپ کی بیوی سے باپ کے بعد نکاح کیا تھا کہ اسے قتل کر ڈالو اور اس کے مال پہ قبضہ کر لو[1] حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرے چچا حارث بن عمرو رضی اللہ عنہ اپنے ہاتھ میں نبی ﷺ کا دیا ہوا جھنڈا لے کر میرے پاس سے گزرے میں نے پوچھا کہ چچا حضور ﷺ نے آپ کو کہاں بھیجا ہے؟ فرمایا اس شخص کی طرف جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کیا ہے مجھے حکم ہے کہ میں اس کی گردن ماروں۔ (مسند احمد)[2]

سوتیلی والدہ سے نکاح کی حرمت: مسئلہ: اس پر تو علماء کا اجماع ہے کہ جس عورت سے باپ نے مباشرت کر لی خواہ نکاح کر کے' خواہ ملکیت میں لا کر' خواہ شبہ سے وہ عورت بیٹے پر حرام ہے' ہاں اگر جماع نہ ہوا ہو تو صرف مباشرت ہوئی ہو یا وہ اعضاء دیکھے ہوں جن کا دیکھنا اجنبی ہونے کی صورت میں حلال نہ تھا تو اس میں اختلاف ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ تو اس صورت میں بھی اس عورت کو لڑکے پر حرام بتاتے ہیں' حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ کے اس واقعہ سے بھی اس روایت کی تصدیق ہوتی ہے کہ حضرت خدیج حمصی نے جو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے

---

[1] **[صحیح]** ابو داؤد : کتاب الحدود : باب فی الرجل یزنی بحریمه (٤٤٥٧) ترمذی : کتاب الاحکام : باب فیمن تزوج امرأة ابیه (١٣٦٢) ابن ماجه : کتاب الحدود : باب من تزوج امرأة ابیه (٢٦٠٧) نسائی : کتاب النکاح : باب نکاح ما نکح الآباء (٣٣٣٤)] شیخ البانی ؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابو داود ، صحیح ترمذی]

[2] **[ضعیف]** مسند احمد (٤/٢٩٢)] شیخ شعیب ارناؤط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (١٨٥٧٩)] اس کی سند میں اشعث راوی ضعیف ہے۔]

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے لیے ایک لونڈی خریدی جو گورے رنگ کی اور خوبصورت تھی اسے برہنہ ان کے پاس بھیج دیا ان کے ہاتھ میں ایک چھڑی تھی اس سے اشارہ کر کے کہنے لگے اچھا نفع تھا اگر یہ ملبوس ہوتی پھر کہنے لگے اسے یزید بن معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس لے جاؤ۔ پھر کہا نہیں نہیں ٹھہرو ربیعہ بن عمرو جرشی رحمہ اللہ کو میرے پاس بلا لاؤ یہ بڑے فقیہ تھے جب آئے تو حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان سے یہ مسئلہ پوچھا کہ میں نے عورت کے یہ اعضاء مخصوص دیکھے ہیں، یہ برہنہ تھی۔ اب میں اسے اپنے لڑکے یزید کے پاس بھیجنا چاہتا ہوں تو کیا اس کے لیے یہ حلال ہے؟ حضرت ربیعہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا امیر المومنین ایسا نہ کیجیے یہ اس کے قابل نہیں رہی فرمایا تم ٹھیک کہتے ہو اچھا جاؤ عبداللہ بن مسعدہ فزاری رضی اللہ عنہ کو بلا لاؤ وہ آئے وہ تو گندم گوں رنگ کے تھے اس سے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس لونڈی کو میں تمہیں دیتا ہوں تا کہ تمہاری اولاد سفید رنگ پیدا ہو یہ عبداللہ بن مسعدہ رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو دیا تھا۔ آپ نے انہیں پالا پرورش کیا پھر اللہ تعالیٰ کے نام سے آزاد کر دیا پھر یہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس چلے آئے تھے۔ [1]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَ بَنٰتُكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ وَ عَمّٰتُكُمْ وَ خٰلٰتُكُمْ وَ بَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَ اُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْۤ اَرْضَعْنَكُمْ وَ اَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَ اُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَ رَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَ حَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَ اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۟ۙ﴿۲۳﴾

حرام کی گئیں تم پر تمہاری مائیں اور تمہاری لڑکیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھائی کی لڑکیاں اور بہن کی لڑکیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو اور تمہاری دودھ بہنیں اور تمہاری ساس اور تمہاری وہ پرورش کردہ لڑکیاں جو تمہاری گودیوں میں ہیں تمہاری ان عورتوں سے جن سے تم دخول کر چکے ہو، ہاں اگر تم نے ان سے جماع نہ کیا ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمہارے صلبی سگے بیٹوں کی بیویاں اور تمہارا دو بہنوں کو جمع کرنا ہاں جو گزر چکا سو گزر چکا یقیناً اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے ○

حرام رشتے: نسبی، رضاعی اور سسرالی رشتے سے جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان آیت کریمہ میں ہو رہا ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سات عورتیں بوجہ نسب حرام ہیں اور سات بوجہ سسرال کے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی جس میں بہن کی لڑکیوں تک نسبتی رشتوں کا ذکر ہے [1] جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ زنا سے جو لڑکی پیدا ہوئی ہو وہ بھی اس زانی پر حرام ہے کیونکہ یہ بھی بیٹی ہے اور بیٹیاں حرام ہیں، یہی مذہب ابوحنیفہ، مالک اور احمد بن حنبل رحمہم اللہ کا ہے، امام شافعی رحمہ اللہ سے کچھ اس کی اباحت میں بھی بحث کی گئی ہے

[1] [**صحیح** : تفسیر ابن جریر الطبری (١٤٢/٨) تفسیر ابن ابی حاتم (٩١١/٣)]

اس لیے کہ شرعاً یہ بیٹی نہیں پس جیسے کہ ورثے کے بارے میں یہ بیٹی کے حکم میں شامل نہ ہو کر ورثہ نہیں پاتی اسی طرح اس آیت کی حرمت میں بھی وہ داخل نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔ (صحیح مذہب وہی ہے جس پر جمہور ہیں۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ جس طرح تم پر تمہاری سگی ماں حرام ہے اسی طرح رضاعی ماں بھی حرام ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ رضاعت بھی اسے حرام کرتی ہے جسے ولادت حرام کرتی ہے [1] صحیح مسلم میں ہے رضاعت سے بھی وہ حرام ہے جو نسب سے ہے، بعض فقہاء نے اس میں سے چار صورتیں بعض نے چھ صورتیں مخصوص کی ہیں جو احکام کی فروع کی کتابوں میں مذکور ہیں لیکن تحقیقی بات یہ ہے کہ اس میں سے کچھ بھی مخصوص نہیں اس لیے کہ اسی کے مانند بعض صورتیں نسبت میں بھی پائی جاتی ہیں، اور ان صورتوں میں سے بعض صرف سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہیں لہٰذا حدیث پر اعتراض خارج از بحث ہے۔ والحمدللہ۔ ائمہ کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کتنی مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے، بعض تو کہتے ہیں کہ تعداد معین نہیں دودھ پیتے ہی حرمت ثابت ہو گئی امام مالک رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں، ابن عمر رضی اللہ عنہما سعید بن مسیّب، عروہ بن زبیر اور زہری رحمہم اللہ کا قول بھی یہی ہے، دلیل یہ ہے کہ رضاعت یہاں عام ہے بعض کہتے ہیں تین مرتبہ جب پیئے حرمت ثابت ہو گئی، جیسے کہ صحیح مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ کا چوسنا یا دو مرتبہ کا پی لینا حرام نہیں کرتا یہ حدیث مختلف الفاظ سے مروی ہے [2] امام احمد، اسحاق بن راہویہ، ابو عبیدہ، ابو ثور رحمہم اللہ بھی یہ فرماتے ہیں، حضرت علی، حضرت عائشہ، حضرت ام الفضل، حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم سلیمان بن یسار، سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔

بعض کہتے ہیں پانچ مرتبہ کے دودھ پینے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس سے کم نہیں، اس کی دلیل صحیح مسلم کی یہ روایت ہے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتے ہیں کہ پہلے قرآن میں دس مرتبہ کی دودھ پلائی پر حرمت کا حکم اترا تھا پھر وہ منسوخ ہو کر پانچ رہ گئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے فوت ہونے تک وہ قرآن میں پڑھا جاتا رہا [3] دوسری دلیل سہلہ بنت سہیل رضی اللہ عنہا کی روایت ہے کہ ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ حضرت سالم رضی اللہ عنہ کو جو حضرت ابو حذیفہ رضی اللہ عنہ کے مولیٰ تھے پانچ مرتبہ دودھ پلا دیں، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اسی حدیث کے مطابق جس عورت کے گھر کسی کا آنا جانا دیکھتیں اسے یہی حکم دیتیں، امام شافعی اور ان کے اصحاب کا فرمان بھی یہی ہے کہ پانچ مرتبہ دودھ پینا معتبر ہے (مترجم کی تحقیق میں بھی راجح قول یہی ہے۔ [4] (واللہ اعلم) یہ بھی یاد رہے کہ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الشهادات : باب الشهادة على الانساب والرضاع (٢٦٤٦) صحيح مسلم : كتاب الرضاع : باب يحرم من الرضاعة (١٤٤٤) مسند احمد (١٧٨/٦)]

[2] [صحیح : صحيح مسلم : كتاب الرضاع : باب فى المصة والمصتان (١٤٥٠) ابوداؤد : كتاب النكاح : باب هل يحرم مادون خمس رضعات (٢٠٦٣) ترمذى : كتاب الرضاع : باب ماجاء لا تحرم المصة (١١٥٠) ابن ماجه : كتاب النكاح : باب لا تحرم المصة ولا المصتان (١٩٤١) نسائى : كتاب النكاح : باب القدر الذى يحرم الرضاعة (٣٣١١) مسند احمد (٩٥/٦)]

[3] [صحیح : صحيح مسلم : كتاب الرضاع : باب تحريم بخمس من الرضاعة (١٤٥٢) ابوداؤد : باب هل يحرم ما دون خمس رضعات (٢٠٦٢)]

[4] [صحیح : صحيح مسلم : كتاب الرضاع (١٤٥٣) ابن ماجه : كتاب النكاح (١٩٤٣)]

رضاعت دودھ چھٹنے سے پہلے یعنی دوسال کے اندر اندر کی عمر میں ہو‘اس کا مفصل بیان آیت ﴿حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ﴾ [1] کی تفسیر میں سورۂ بقرہ میں گزر چکا ہے‘ پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ اس رضاعت کا اثر رضاعی ماں کے خاوند تک بھی پہنچے گا یا نہیں؟ تو جمہور کا اور ائمہ اربعہ کا فرمان تو یہ ہے کہ پہنچے گا اور بعض سلف کا قول ہے کہ صرف دودھ پلانے والی تک ہی رہے گا اور رضاعی باپ تک نہیں پہنچے گا اس کی تفصیل کی جگہ احکام کی بڑی بڑی کتابیں ہیں نہ کہ تفسیر (صحیح قول جمہور کا ہے۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے ساس حرام ہے۔ جس لڑکی سے نکاح ہو بوجہ نکاح ہونے کے اس کی ماں اس پر حرام ہوگئی خواہ صحبت کرے یا نہ کرے‘ ہاں جس عورت کے ساتھ نکاح کرتا ہے اور اس کی لڑکی اس کے اگلے خاوند سے اس کے ساتھ ہے تو اگر اس سے صحبت کی تو وہ لڑکی حرام ہوگی اگر مجامعت سے پہلے ہی اس عورت کو طلاق دے دی تو وہ لڑکی اس پر حرام نہیں‘ اسی لیے اس آیت میں یہ قید لگائی بعض لوگوں نے ضمیر کو ساس اور اس کی پرورش کی ہوئی لڑکیوں دونوں کی طرف لوٹایا ہے وہ کہتے ہیں کہ ساس بھی اس وقت حرام ہوتی ہے جب اس کی لڑکی سے اس کے داماد نے خلوت کی ورنہ نہیں‘ صرف عقد سے نہ تو عورت کی ماں حرام ہوتی ہے نہ عورت کی بیٹی‘ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی لڑکی سے نکاح کیا پھر دخول سے پہلے ہی طلاق دے دی تو وہ اس کی ماں سے نکاح کرسکتا ہے جیسے کہ ربیبہ لڑکی سے اس کی ماں کو اسی طرح کی طلاق دینے کے بعد نکاح کرسکتا ہے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے بھی یہی منقول ہے ایک اور روایت میں بھی آپ سے مروی ہے کہ آپ فرماتے تھے جب وہ عورت غیر مدخولہ مر جائے اور یہ خاوند اس کی میراث لے لے تو پھر اس کی ماں کو لانا مکروہ ہے ہاں اگر دخول سے پہلے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے نکاح کرسکتا ہے۔ حضرت بکر بن کنانہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میرا نکاح میرے باپ نے طائف کی ایک عورت سے کرایا ابھی رخصتی نہیں ہوئی تھی کہ اس کا باپ میرا چچا فوت ہوگیا اس کی بیوی یعنی میری ساس بیوہ ہو گئی وہ بہت مالدار تھیں میرے باپ نے مجھے مشورہ دیا کہ اس لڑکی کو چھوڑ دوں اور اس کی ماں سے نکاح کرلوں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا تمہارے لیے یہ جائز ہے پھر میں نے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ جائز نہیں میں نے اپنے والد سے ذکر کیا انہوں نے تو امیر معاویہ کو ہی سوال کیا حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے تحریر فرمایا کہ میں نہ تو حرام کو حلال کروں‘ نہ حلال کو حرام تم جانو اور تمہارا کام تم حالت دیکھ رہے ہو معاملہ کے تمام پہلو تمہاری نگاہوں کے سامنے ہیں عورتیں اس کے علاوہ بھی بہت ہیں غرض نہ اجازت دی‘ نہ انکار کیا چنانچہ میرے باپ نے اپنا خیال اس کی ماں کی طرف سے ہٹا لیا۔

حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ عورت کی لڑکی اور عورت کی ماں کا حکم ایک ہی ہے اگر عورت سے دخول نہ کیا ہو تو یہ دونوں حلال ہیں‘ لیکن اس کی سند میں مبہم راوی ہے‘ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے‘ ابن جبیر رحمہ اللہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی اسی طرف گئے ہیں‘ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے اس میں توقف فرمایا ہے

---

[1] [سورة البقرة : آیت ۲۳۳]

شافعیوں میں سے ابوالحسن احمد بن محمد بن صابونی رحمہ اللہ سے بھی بقول رافعی یہی مروی ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کے مثل مروی ہے لیکن پھر آپ نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا ہے طبرانی میں ہے کہ قبیلہ فزارہ کی شاخ قبیلہ بنو کمخ کے ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا پھر اس کی بیوہ ماں کے حسن پر فریفتہ ہوا تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا کہ کیا مجھے اس کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں چنانچہ اس نے اس لڑکی کو طلاق دے کر اس کی ماں سے نکاح کر لیا اس سے اولاد بھی ہوئی پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ مدینہ آئے اور اس مسئلہ کی تحقیق کی تو معلوم ہوا کہ یہ حلال نہیں چنانچہ آپ واپس کوفے گئے اور اس سے کہا کہ اس عورت کو الگ کر دے یہ تجھ پر حرام ہے اس نے اس فرمان کی تعمیل کی اور اسے الگ کر دیا جمہور علماء اس طرف ہیں لڑکی تو صرف عقد نکاح سے حرام نہیں ہوتی تاوقتیکہ اس کی ماں سے مباشرت نہ کی ہو ہاں ماں صرف لڑکی کے عقدِ نکاح ہوتے ہی حرام ہو جاتی ہے گو مباشرت نہ ہوئی ہو۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو دخول سے پہلے طلاق دے دے یا وہ عورت مر جائے تو اس کی ماں اس پر حلال نہیں چونکہ مبہم ہے اس لیے اسے ناپسند فرمایا ہے' حضرت ابن مسعود' عمران بن حصین رضی اللہ عنہم مسروق' طاؤس' عکرمہ' عطا' حسن' مکحول' ابن سیرین' قتادہ اور زہری رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے' چاروں اماموں' ساتوں فقہاء اور جمہور علماء سلف وخلف کا یہی مذہب ہے۔ والحمد للہ۔ امام ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں ٹھیک قول انہی حضرات کا ہے جو ساس کو دونوں صورتوں میں حرام بتلاتے ہیں اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حرمت کے ساتھ دخول کی شرط نہیں لگائی جیسے کہ لڑکی کی ماں کے لیے یہ شرط لگائی ہے پھر اس پر اجماع ہے جو ایسی دلیل ہے کہ اس کا خلاف کرنا اس وقت جائز ہی نہیں جب کہ اس پر اتفاق ہوا اور ایک غریب حدیث میں بھی یہ مروی ہے گو اس کی سند میں کلام ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جبکہ کوئی مرد کسی عورت سے نکاح کرے اگر اس نے اس کی ماں سے نکاح کیا ہے پھر ملنے سے پہلے ہی اسے طلاق دے دی ہے تو اگر چاہے اس کی لڑکی سے نکاح کر سکتا ہے' گو اس حدیث کی سند کمزور ہے لیکن اس مسئلہ پر اجماع ہو چکا ہے جو اس کی صحت پر ایسا گواہ ہے جس کے بعد دوسری گواہی کی ضرورت نہیں' (ٹھیک مسئلہ یہی ہے۔ [1] واللہ اعلم۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے تمہاری پرورش کی ہوئی وہ لڑکیاں جو تمہاری گود میں ہوں وہ بھی تم پر حرام ہیں بشرطیکہ تم نے ان سوتیلی لڑکیوں کی ماں سے صحبت کی ہو جمہور کا فرمان ہے کہ خواہ گود میں پلیں ہوں یا نہ پلیں ہوں حرام ہیں چونکہ عموماً ایسی لڑکیاں اپنی ماں کے ساتھ ہی ہوتی ہیں اور اپنے سوتیلے باپوں کے ہاں ہی پرورش پاتی ہیں اس لیے یہ کہہ دیا گیا ہے یہ کوئی قید نہیں۔ جیسے اس آیت میں ﴿وَلَا تُكْرِهُوا فَتَيَاتِكُمْ عَلَى الْبِغَاءِ إِنْ أَرَدْنَ تَحَصُّنًا﴾ (النور / ٣٣) یعنی تمہاری لونڈیاں اگر پاکدامن رہنا چاہتی ہوں تو تم انہیں بدکاری پر بے بس نہ کرو' یہاں بھی یہ قید کہ اگر وہ پاکدامن رہنا چاہیں صرف باعتبار واقعہ کے غلبہ کے ہے یہ نہیں کہ اگر وہ خود ایسی نہ ہوں تو انہیں بدکاری

---

[1] [ضعیف :تفسیر ابن جریر الطبری (٨٩٥٧)] اس کی سند میں مثنی بن صباح راوی ضعیف ہے۔]

پر آمادہ کرو اسی طرح اس آیت میں ہے کہ گود میں چاہے نہ ہوں پھر بھی حرام ہی ہیں۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میری بہن ابوسفیان کی لڑکی عزہ سے نکاح کر لیجیے۔ آپ نے فرمایا کیا تم یہ چاہتی ہو؟ ام المومنین نے کہا ہاں میں آپ کو خالی تو رکھ نہیں سکتی پھر میں اس بھلائی میں اپنی بہن کو ہی کیوں نہ شامل کروں؟ آپ نے فرمایا سنو مجھ پر وہ حلال نہیں، ام المومنین رضی اللہ عنہا نے کہا میں نے تو سنا ہے کہ آپ ابوسلمہ رضی اللہ عنہا کی بیٹی سے نکاح کرنا چاہتے ہیں آپ نے فرمایا ان کی وہ بیٹی جو ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے ہے؟ کہا ہاں۔ فرمایا! اولاً تو وہ مجھ پر اس وجہ سے حرام ہے کہ وہ میری ﴿ربیبہ﴾ ہے جو میرے ہاں پرورش پا رہی ہے دوسری یہ کہ ایسا نہ ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حرام تھیں اس لئے کہ وہ میرے دودھ شریک بھائی کی بیٹی میری بھتیجی ہیں مجھے اور اس کے باپ ابوسلمہ کو ثوبیہ نے دودھ پلایا ہے۔ خبردار! اپنی بیٹیاں اور اپنی بہنیں مجھ پر پیش نہ کرو[1] بخاری کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اگر میرا نکاح ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے نہ ہوا ہوتا تو بھی وہ مجھ پر حلال نہ تھیں[2] یعنی صرف نکاح کو آپ نے حرمت کا اصل قرار دیا، یہی مذہب چاروں اماموں، ساتوں فقیہوں اور جمہور سلف و خلف کا ہے، یہ بھی کہا گیا ہے کہ اگر وہ اس کے ہاں پرورش پاتی ہو تو بھی حرام ہے ورنہ نہیں۔

حضرت مالک بن اوس بن حدثان رحمہ اللہ فرماتے ہیں میری بیوی اولاد چھوڑ کر مر گئیں مجھے ان سے بہت محبت تھی اس وجہ سے ان کی موت کا مجھے بڑا صدمہ ہوا حضرت علی رضی اللہ عنہ سے اتفاقیہ ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے مغموم پا کر دریافت کیا کہ کیا بات ہے؟ میں نے واقعہ سنایا تو آپ نے فرمایا تجھ سے پہلے خاوند سے بھی اس کی کوئی اولاد ہے؟ میں نے کہا ہاں لڑکی ہے اور وہ طائف میں رہتی ہے فرمایا پھر اس سے نکاح کر لو میں نے قرآن کریم کی آیت پڑھی کہ پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ آپ نے فرمایا یہ تو اس وقت ہے جبکہ اس نے تیرے ہاں پرورش پائی ہو اور وہ بقول تمہارے طائف میں رہتی ہے تیرے پاس ہے ہی نہیں گو اس کی اسناد صحیح ہے لیکن یہ قول بالکل غریب ہے، حضرت امام مالک رحمہ اللہ کا بھی یہی قول بتایا ہے، ابن حزم نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ ذہبی رحمہ اللہ نے ہم سے کہا کہ میں نے یہ بات شیخ امام تقی الدین ابن تیمیہ رحمہ اللہ کے سامنے پیش کی تو آپ نے اسے بہت مشکل محسوس کیا اور توقف فرمایا۔ واللہ اعلم۔ ﴿حجور﴾ سے مراد گھر ہے جیسے کہ حضرت ابوعبیدہ سے مروی ہے کہ جو کنیز ملکیت میں ہو اور اس کے ساتھ اس کی لڑکی ہو اس کے بارے میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا کہ ایک کے بعد دوسری جائز ہوگی یا نہیں؟ تو آپ نے فرمایا میں اسے پسند نہیں کرتا، اس کی سند منقطع ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ایسے ہی سوال کے جواب میں فرمایا ہے ایک آیت سے یہ حلال معلوم ہوتی ہے دوسری آیت سے حرام اس لئے میں تو ایسا ہرگز نہ کروں، شیخ ابوعمر بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء میں اس مسئلہ میں کوئی

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب وامهاتکم التی (٥١٠١ـ ٥١٠٦) صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب تحریم الربیبة (٤٤٩)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب عرض الانسان انبته اولخته علی اهل الخیر (٥١٢٣)]

اختلاف نہیں کہ کسی کو حلال نہیں کہ کسی عورت سے پھر اس کی لڑکی سے بھی اسی ملکیت کی بنا پر وطی کرے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نکاح میں بھی حرام قرار دے دیا ہے یہ آیت ملاحظہ ہو۔ اور علماء کے نزدیک ملکیت احکامِ نکاح کے تابع ہے مگر جو روایت حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کی جاتی ہے لیکن ائمہ فتاویٰ اور ان کے تابعین میں سے کوئی بھی اس پر متفق نہیں۔

حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ربیبہ کی لڑکی اور اس لڑکی کی لڑکی اسی طرح جس قدر نیچے یہ رشتہ چلا جائے سب حرام ہیں، حضرت ابو العالیہ رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح بروایت قتادہ مروی ہے ﴿دَخَلْتُمْ بِهِنَّ﴾ سے مراد حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں ان سے نکاح کرنا ہے حضرت عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وہ رخصت کر دی جائیں کپڑا ہٹا دیا جائے چھیڑ ہو جائے اور ارادے سے مرد بیٹھ جائے ابن جریج رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ اگر یہ کام عورت ہی کے گھر میں ہوا ہو فرمایا وہاں یہاں دونوں کا حکم ایک ہی ہے ایسا اگر ہو گیا تو اس کی لڑکی اس پر حرام ہو گئی [1] امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صرف خلوت اور تنہائی ہو جانے سے اس کی لڑکی کی حرمت ثابت نہیں ہوتی اگر مباشرت کرنے اور ہاتھ لگانے سے اور شہوت سے اس کے عضو کی طرف دیکھنے سے پہلے ہی طلاق دے دی ہے تو تمام کے اجماع سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ لڑکی اس پر حرام نہ ہوگی تاوقتیکہ جماع نہ ہوا ہو۔ پھر فرمایا تمہاری بہوئیں بھی تم پر حرام ہیں جو تمہاری اولاد کی بیویاں ہوں یعنی لے پالک لڑکوں کی بیویاں حرام نہیں، ہاں سگے لڑکے کی بیوی یعنی بہو اپنے سسر پر حرام ہے۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿فَلَمَّا قَضٰى زَيْدٌ مِّنْهَا وَطَرًا زَوَّجْنٰكَهَا لِكَيْلَا يَكُوْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ حَرَجٌ فِيْٓ اَزْوَاجِ اَدْعِيَآئِهِمْ﴾ (الاحزاب / ٣٧) الخ، یعنی جب زید رضی اللہ عنہ نے اس سے اپنی حاجت پوری کر لی تو ہم نے اسے تیرے نکاح میں دے دیا تاکہ مومنوں پر ان کے لے پالک لڑکوں کی بیویوں کے بارے میں کوئی تنگی نہ رہے، حضرت عطاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم سنا کرتے تھے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زید رضی اللہ عنہ کی بیوی سے نکاح کر لیا تو مکہ کے مشرکوں نے کائیں کائیں شروع کر دی اس پر یہ آیت اور آیت ﴿وَمَا جَعَلَ اَدْعِيَآءَكُمْ اَبْنَآءَكُمْ﴾ (الاحزاب / ٤) الخ، اور ﴿مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ﴾ (الاحزاب / ٤٠) الخ، نازل ہوئیں [2] یعنی بیشک صلبی لڑکے کی بیوی حرام ہے۔ تمہارے لے پالک لڑکے شرعاً تمہاری اولاد کے حکم میں نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں، حسن بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں مبہم ہیں جیسے تمہارے لڑکوں کی بیویاں تمہاری ساسیں، حضرت طاؤس، ابراہیم، زہری اور مکحول رحمہم اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے میرے خیال میں مبہم سے مراد عام ہیں یعنی مدخول بہا اور غیر مدخول دونوں ہی شامل ہیں اور صرف نکاح کرتے ہی حرمت ثابت ہو جاتی ہے خواہ صحبت ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو اس مسئلہ پر اتفاق ہے۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٤٨/٨)]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٤٩/٨)]

اگر کوئی شخص سوال کرے کہ رضاعی بیٹے کی حرمت کیسے ثابت ہوگی کیونکہ آیت میں تو صلبی بیٹے کا ذکر ہے تو جواب یہ ہے کہ وہ حرمت آنحضرت ﷺ کی اس حدیث سے ثابت ہے کہ آپ نے فرمایا رضاعت سے وہ حرام ہے جو نسبت سے حرام ہے۔ جمہور کا مذہب یہی ہے کہ رضاعی بیٹے کی بیوی بھی حرام ہے بعض لوگوں نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے دو بہنوں کا نکاح میں جمع کرنا بھی تم پر حرام ہے اسی طرح ملکیت کی لونڈیوں کا حکم ہے کہ دو بہنوں سے ایک ہی وقت وطی حرام ہے مگر جاہلیت کے زمانہ میں جو ہو چکا اس سے ہم درگزر کرتے ہیں پس معلوم ہوا کہ اب یہ کام آئندہ کسی وقت جائز نہیں' جیسے اور جگہ ہے ﴿لَا يَذُوقُونَ فِيهَا الْمَوْتَ إِلَّا الْمَوْتَةَ الْأُولَىٰ﴾ (الدخان/٥٦) یعنی وہاں موت نہیں آئے گی ہاں پہلی موت جو آنی تھی سو آ چکی تو معلوم ہوا کہ اب آئندہ کبھی موت نہیں آئے گی' صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین ائمہ اور سلف وخلف کے علماء کرام رحمہم اللہ کا اجماع ہے کہ دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کرنا حرام ہے اور جو شخص مسلمان ہوا اور اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں تو اسے اختیار دیا جائے گا کہ ایک کو رکھ لے اور دوسری کو طلاق دے دے اور یہ اسے کرنا ہی پڑے گا حضرت فیروز رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں جب مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں دو عورتیں تھی جو آپس میں بہنیں تھیں پس آنحضرت ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ ان میں سے ایک کو طلاق دے دو۔ (مسند احمد) [1] ابن ماجہ' ابوداود اور ترمذی میں یہ حدیث ہے ترمذی میں بھی یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان میں سے جسے چاہو ایک کو رکھ لو اور ایک کو طلاق دے دو' امام ترمذی اسے حسن کہتے ہیں' ابن ماجہ میں ابوخراش کا ایسا واقعہ بھی مذکور ہے [2] ممکن ہے کہ ضحاک بن فیروز رضی اللہ عنہ کی کنیت ابوخراش ہو اور یہ واقعہ ایک ہی ہو اور اس کے خلاف بھی ممکن ہے۔

حضرت دیلمی رضی اللہ عنہ نے رسول مقبول ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں آپ نے فرمایا ان سے جسے چاہو ایک کو طلاق دے دو (ابن مردویہ) پس دیلمی رضی اللہ عنہ سے مراد ضحاک بن فیروز رضی اللہ عنہ ہیں یہ یمن کے ان سرداروں میں سے تھے جنہوں نے اسود عنسی متنبّی ملعون کو قتل کیا چنانچہ دو لونڈیوں کو جو آپس میں سگی بہنیں ہیں ایک ساتھ جمع کرنا' ان سے وطی کرنا بھی حرام ہے' اس کی دلیل اس آیت کا عموم ہے جو بیویوں اور لونڈیوں پر مشتمل ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے اس کا سوال ہوا تو آپ نے مکروہ بتایا سائل نے کہا قرآن میں جو ہے ﴿إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ یعنی وہ جو جن کے تمہارے دائیں ہاتھ مالک ہیں اس پر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا تیرا اونٹ بھی تو تیرے داہنے ہاتھ کی ملکیت میں ہے۔ جمہور کا قول بھی یہی مشہور

---

[1] [حسن: ابوداؤد : کتاب الطلاق : باب فی من اسلم وعنده نسآء (٢٢٤٣) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب الرجل یسلم (١٩٥١) ترمذی : کتاب النکاح : باب الرجل یسلم وعنده اختان (١١٢٩) صحیح ابن حبان (٤١٥٥) بیهقی (١٨٤/٧) دارقطنی (٢٧٣/٣) مسند احمد (٢٣٢/٤)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔[صحیح ابوداود ، ارواء الغلیل (٣٣٤/٦)]

[2] [حسن: ابن ماجه : کتاب النکاح : باب الرجل یسلم (١٩٥٠)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

ہے اور ائمہ اربعہ رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی فرماتے ہیں گو بعض سلف نے اس مسئلہ میں توقف فرمایا ہے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا ایک آیت اسے حلال کرتی ہے دوسری حرام میں تو اس سے منع کرتا ہوں سائل وہاں سے نکلا تو راستے میں ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی اس نے ان سے بھی یہی سوال کیا انہوں نے فرمایا اگر مجھے کچھ اختیار ہوتا تو میں ایسا کرنے والے کو عبرتناک سزا دیتا' حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرا گمان ہے کہ یہ فرمانے والے غالباً حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ سے بھی اسی کی مثل مروی ہے استذ کار ابن عبدالبر میں ہے کہ اس واقعہ کے راوی قبیصہ بن ذویب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام اس لیے نہیں لیا کہ وہ عبدالملک بن مروان کا مصاحب تھا اور ان لوگوں پر آپ کا نام بھاری پڑتا تھا حضرت ایاس بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں میں نے حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ میری ملکیت میں دو لونڈیاں ہیں دونوں آپس میں سگی بہنیں ہیں ایک سے میں نے تعلقات قائم کر رکھے ہیں اور میرے ہاں اس سے اولاد بھی ہوئی ہے اب میرا جی چاہتا ہے کہ اس کی بہن سے جو میری لونڈی ہے اپنے تعلقات قائم کروں تو فرمایئے شریعت کا اس میں کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا پہلی لونڈی کو آزاد کر کے پھر اس کی بہن سے یہ تعلقات قائم کر سکتے ہو' اس نے کہا اور لوگ تو کہتے ہیں کہ میں اس کا نکاح کرادوں پھر اس کی بہن سے مل سکتا ہوں' حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا دیکھو اس صورت میں بھی خرابی ہے وہ یہ کہ اگر اس کا خاوند اسے طلاق دے دے یا انتقال کر جائے تو وہ پھر لوٹ کر تمہاری طرف آجائے گی' اسے تو آزاد کر دینے میں ہی سلامتی ہے' پھر آپ نے میرا ہاتھ پکڑ کر فرمایا سنو! آزاد عورتوں اور لونڈیوں کے احکام حلت وحرمت کے لحاظ سے یکساں ہیں ہاں البتہ تعداد میں فرق ہے یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے اور لونڈیوں میں کوئی تعداد کی قید نہیں اور دودھ پلائی کے رشتہ سے بھی اس رشتہ کی وہ تمام عورتیں حرام ہو جاتی ہیں جو نسل اور نسب کی وجہ سے حرام ہیں (اس کے بعد تفسیر ابن کثیر کے اصل عربی نسخے میں کچھ عبارت چھوٹی ہوئی ہے بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ عبارت یوں ہوگی کہ یہ روایت ایسی ہے کہ اگر کوئی شخص مشرق سے یا مغرب سے صرف اس روایت کو سننے کے لیے سفر کر کے آئے اور سن کے جائے تو بھی اس کا سفر اس کے لیے سودمند رہے گا اور اس نے گویا بہت سستے داموں بیش بہا چیز حاصل کی۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

یہ یاد رہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے جس طرح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے چنانچہ ابن مردویہ میں ہے کہ آپ نے فرمایا دو لونڈیوں کو جو آپس میں بہنیں ہوں ایک ہی وقت جمع کر کے ان سے مباشرت کرنا ایک آیت سے حرام ہوتا ہے اور دوسری سے حلال۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں لونڈیاں مجھ پر میری قرابت کی وجہ سے جو ان سے ہے بعض اور لونڈیوں کو حرام کر دیتی ہیں لیکن انہیں خود آپس میں جو قرابت ہو اس سے مجھ پر حرام نہیں ہوتیں' جاہلیت والے بھی ان عورتوں کو حرام سمجھتے تھے جنہیں تم حرام سمجھتے ہو مگر اپنے باپ کی بیوی کو جو ان کی سگی ماں نہ ہو اور دو بہنوں کو ایک ساتھ ایک وقت میں نکاح میں جمع کرنا وہ حرام نہیں سمجھتے تھے لیکن اسلام نے آ کر ان دونوں کو بھی حرام قرار دیا اس وجہ سے ان دونوں کی حرمت کے بیان کے ساتھ ہی فرما دیا کہ جو

نکاح ہو چکے وہ ہو چکے۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جو آزاد عورتیں حرام ہیں وہی لونڈیاں بھی حرام ہیں ہاں تعداد میں حکم ایک نہیں یعنی آزاد عورتیں چار سے زیادہ جمع نہیں کر سکتے لونڈیوں کے لیے یہ حد نہیں' حضرت شعبی بھی یہی فرماتے ہیں ابو عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اس بارے میں جو فرمایا ہے وہی سلف کی ایک جماعت بھی کہتی ہے جن میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما بھی ہیں لیکن اولاً تو اس کی نقل میں خود انہی حضرات سے بہت کچھ اختلاف ہوا ہے دوسرے یہ کہ اس قول کی طرف سمجھدار پختہ کار علماء کرام نے مطلقاً توجہ نہیں فرمائی اور نہ اسے قبول کیا حجاز' عراق' شام بلکہ مشرق ومغرب کے تمام فقہاء اس کے مخالف ہیں سوائے ان چند کے جنہوں نے الفاظ کو دیکھ کر' سوچ سمجھ اور غور وخوض کیے بغیر ان سے علیحدگی اختیار کی ہے اور اس اجماع کی مخالفت کی ہے کامل علم والوں اور سچی سمجھ بوجھ والوں کا تو اتفاق ہے کہ دو بہنوں کو جس طرح نکاح میں جمع نہیں کر سکتے دو لونڈیوں کو بھی جو آپس میں بہنیں ہوں بوجہ ملکیت کے ایک ساتھ نکاح میں نہیں لا سکتے اسی طرح مسلمانوں کا اجماع ہے کہ اس آیت میں ماں بیٹی بہن وغیرہ حرام کی گئی ہیں ان سے جس طرح نکاح حرام ہے اسی طرح اگر یہ لونڈیاں بن کر ماتحتی میں ہوں تو بھی جنسی اختلاط حرام ہے غرض نکاح اور ملکیت کے بعد کی دونوں حالتوں میں یہ سب کی سب برابر ہیں' نہ ان سے نکاح کر کے میل جول حلال' نہ ملکیت کے بعد میل جول حلال اسی طرح ٹھیک یہی حکم ہے کہ دو بہنوں کے جمع کرنے کا اور ساس اور دوسرے خاوند سے عورت کی جولڑکی ہو اس کا ہے' خود ان کے جمہور کا بھی یہی مذہب ہے اور یہی دلیل ان چند مخالفین پر پوری سند اور کامل حجت ہے الغرض دو بہنوں کو ایک وقت نکاح میں رکھنا بھی حرام اور دو بہنوں کو بطور لونڈی کہہ کر ان سے ملنا جلنا بھی حرام۔

الحمد للہ تفسیر ابن کثیر کا چوتھا پارہ اپنے اختتام کو پہنچا۔



وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ ۚ وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ ۭ فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرٰضَيْتُمْ بِهٖ مِنْۢ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿٢٤﴾

اور (حرام کی گئیں) شوہر والی عورتیں مگر وہ جو تمہاری ملکیت میں آ جائیں' اللہ تعالیٰ نے یہ احکام تم پر فرض کر دیئے ہیں' ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں اپنے مال کے مہر سے تم ان سے نکاح کرنا چاہو برے کام سے بچنے کے لیے نہ کہ شہوت رانی کے لیے' پس جن سے تم فائدہ اٹھاؤ انہیں ان کا مقرر کیا ہوا مہر دے دو' اور مہر مقرر ہو جانے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے جو طے کر لو اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں' اللہ تعالیٰ علم والا حکمت والا ہے ○

جنگی قیدی خواتین اور متعہ: یعنی خاوندوں والی عورتیں بھی حرام ہیں' ہاں کفار کی جو عورتیں میدان جنگ میں قید ہو کر تمہارے قبضے میں آئیں تو ایک حیض گذارنے کے بعد وہ تم پر حلال ہیں' مسند احمد میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جنگ اوطاس میں قید ہو کر ایسی عورتیں آئیں جو خاوندوں والیاں تھیں تو ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کی بابت سوال کیا تب یہ آیت اتری ہم پر ان سے ملنا حلال کیا گیا [1] ترمذی ابن ماجہ اور صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے [2] طبرانی کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ جنگ خیبر کا ہے' سلف کی ایک جماعت اس آیت کے عموم سے استدلال کر کے فرماتی ہے کہ لونڈی کو بیچ ڈالنا ہی اس کے خاوند کی طرف سے اسے طلاق کامل کے مترادف ہے' ابراہیم رحمہ اللہ سے جب یہ مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے حضرت عبداللہ کا یہی فتویٰ بیان کیا اور اس آیت کی تلاوت فرمائی اور سند سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا جب کوئی خاوند والی لونڈی بیچی جائے تو اس کے جسم کا زیادہ حقدار اس کا مالک ہے' حضرت ابی بن کعب' حضرت جابر بن عبداللہ' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم کا بھی یہی فتویٰ ہے کہ اس کا بکنا ہی اس کی طلاق ہے' ابن جریر میں ہے کہ لونڈی کی طلاقیں چھ ہیں' بیچنا بھی طلاق ہے آزاد کرنا بھی ہبہ کرنا بھی برات کرنا بھی اور اس کے خاوند کا طلاق دینا بھی (یہ پانچ صورتیں تو بیان ہوئیں چھٹی صورت نہ تفسیر ابن کثیر میں ہے نہ ابن جریر میں۔ مترجم)

حضرت ابن المسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ خاوند والی عورتوں سے نکاح حرام ہے لیکن لونڈیاں کہ ان کی طلاق ان کا بک جانا ہے' حضرت معمر اور حضرت حسن رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں ان بزرگوں کا تو یہ قول ہے لیکن جمہور ان کے مخالف ہیں وہ فرماتے ہیں کہ بیچنا طلاق نہیں اس لیے کہ خریدار بیچنے والے کا نائب ہے اور بیچنے والا اس نفع کو اپنی ملکیت سے نکال کر بیچ رہا ہے' ان کی دلیل حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا والی حدیث ہے جو بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے کہ ام

---

[1] [صحیح : مسند احمد (٧٢/٣)، (١١٧٠٨)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب جواز وطه المسبية بعد الاستبراء (١٤٥٦) ترمذی (١١٣٢) ابو داود (٢١٥٥) تفسیر عبد الرزاق (١٥٣/١)]

المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے جب انہیں خرید کر آزاد کر دیا تو ان کا نکاح مغیث سے فسخ نہیں ہوا بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فسخ کرنے اور باقی رکھنے کا اختیار دیا اور حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا نے فسخ کرنے کو پسند کیا[1] یہ واقعہ مشہور ہے' اگر بک جانا ہی طلاق ہوتا جیسے ان بزرگوں کا قول ہے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم حضرت بریرہ رضی اللہ عنہا کو ان کے بک جانے کے بعد اپنے نکاح کے باقی رکھنے نہ رکھنے کا اختیار نہ دیتے' اختیار دینا نکاح کے باقی رہنے کی دلیل ہے' تو آیت میں مراد صرف وہ عورتیں ہیں جو جہاد میں قبضہ میں آئیں واللہ اعلم۔ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ محصنات سے مراد پاک دامن عورتیں ہیں یعنی عفیفہ عورتیں جو تم پر حرام ہیں جب تک کہ تم نکاح اور گواہ اور مہر اور ولی سے ان کی عصمت کے مالک نہ بن جاؤ خواہ ایک ہو' خواہ دو خواہ تین خواہ چار ابو العالیہ اور طاؤس رحمۃ اللہ علیہما یہی مطلب بیان فرماتے ہیں۔ عمر اور عبیدہ رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ چار سے زائد عورتیں تم پر حرام ہیں ہاں کنیزوں میں یہ گنتی نہیں۔ پھر فرمایا کہ حکم اللہ تعالیٰ نے تم پر لکھ دیا ہے یعنی چار کا۔ پس تم اس کی کتاب کو لازم پکڑ و اور اس کی حد سے آگے نہ بڑھو' اس کی شریعت اور اس کے فرائض کے پابند رہو' یہ بھی کہا گیا ہے کہ حرام عورتیں اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں ظاہر کر دیں۔

پھر فرماتا ہے کہ جن عورتوں کا حرام ہونا بیان کر دیا گیا ان کے علاوہ اور سب حلال ہیں' ایک مطلب یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان چار سے کم تم پر حلال ہیں' لیکن یہ قول دور کا قول ہے اور صحیح مطلب پہلا ہی ہے اور یہی حضرت عطاء رحمہ اللہ کا قول ہے' حضرت قتادہ رحمہ اللہ اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ اس سے مراد لونڈیاں ہیں' یہی آیت ان لوگوں کی دلیل ہے جو دو بہنوں کے جمع کرنے کی حلت کے قائل ہیں اور ان کی بھی جو کہتے ہیں کہ ایک آیت اسے حلال کرتی ہے اور دوسری حرام۔ پھر فرمایا تم ان حلال عورتوں کو اپنے مال سے حاصل کرو چار تک تو آزاد عورتیں اور لونڈیاں بغیر تعین کے لیکن ہو بطریق شرع۔ اسی لیے فرمایا زنا کاری سے بچنے کے لیے اور صرف شہوت رانی مقصود نہیں ہونا چاہیے۔ پھر فرمایا کہ جن عورتوں سے تم فائدہ اٹھاؤ ان کے اس فائدہ کے مقابلہ میں مہر دے دیا کرو' جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَكَيْفَ تَأْخُذُوْنَهٗ وَقَدْ اَفْضٰى بَعْضُكُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ [2] یعنی تم مہر کو عورتوں سے کیسے لوگے حالانکہ ایک دوسرے سے مل چکے ہو اور فرمایا ﴿وَاٰتُوا النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً﴾ [3] عورتوں کے مہر بخوشی دے دیا کرو اور جگہ فرمایا ﴿وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْئًا﴾ [4] الخ تم نے جو کچھ عورتوں کو دے دیا ہو اس میں سے واپس لینا تم پر حرام ہے۔

اس آیت سے نکاح متعہ پر استدلال کیا ہے بیشک متعہ ابتداء اسلام میں مشروع تھا لیکن پھر منسوخ ہو گیا' امام شافعی اور علماء کرام رحمۃ اللہ علیہم کی ایک جماعت نے فرمایا ہے کہ دو مرتبہ متعہ مباح ہوا پھر منسوخ ہوا۔ بعض کہتے ہیں

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المکاتب : باب استعانة المکاتب (۲۵۶۳) صحیح مسلم : کتاب العتق : باب بیان انما الولاء لمن اعتق (۱۵۰۴) ترمذی : کتاب الرضاع : باب ماجآء فی المرأة تعتق (۱۱۵٤) ابو داؤد : کتاب الطلاق : باب فی المملوکة تعتق (۲۲۳۳)]

[2] [سورۃ النساء : آیت ۲۱]

[3] [سورۃ النساء : آیت ٤]

[4] [سورۃ البقرہ : آیت ۲۲۹]

اس سے بھی زیادہ بار مباح اور منسوخ ہوا' اور بعض کا قول ہے کہ صرف ایک بار مباح ہوا پھر منسوخ ہو گیا پھر مباح نہیں ہوا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور چند دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم سے ضرورت کے وقت اس کی اباحت مروی ہے' حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی ایک روایت ایسی ہی مروی ہے ابن عباس ابی بن کعب رضی اللہ عنہم سعید بن جبیر اور سدی رحمہما اللہ سے "مِنْهُنَّ" کے بعد ﴿اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ کی قرات مروی ہے[1] مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت نکاح متعہ کی بابت نازل ہوئی ہے' لیکن جمہور اس کے برخلاف ہیں اور اس کا بہترین فیصلہ بخاری و مسلم کی حضرت علی رضی اللہ عنہ والی روایت کر دیتی ہے جس میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والے دن نکاح متعہ سے اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرما دیا[2] اس حدیث کے الفاظ کتب احکام میں مقرر ہیں' صحیح مسلم شریف میں حضرت ربیع بن سبرہ بن معبد جہنی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ فتح مکہ کے غزوہ میں وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے آپ نے ارشاد فرمایا اے لوگو میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی رخصت دی تھی یاد رکھو بیشک اب اللہ تبارک وتعالیٰ نے اسے قیامت تک کے لیے حرام کر دیا ہے جس کے پاس اس قسم کی کوئی عورت ہو تو اسے چاہیے کہ اسے چھوڑ دے اور تم نے جو کچھ انہیں دے رکھا ہو اس میں سے ان سے کچھ نہ لو[3] صحیح مسلم شریف کی ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے حجۃ الوداع میں یہ فرمایا تھا' یہ حدیث کئی الفاظ سے مروی ہے' جن کی تفصیل کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔

پھر فرمایا کہ تقرر کے بعد بھی اگر تم بہ رضامندی کچھ طے کر لو تو کوئی حرج نہیں' اگلے جملے کو متعہ پر محمول کرنے والے تو اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ جب مدت مقررہ گذر جائے تو پھر مدت کو بڑھا لینے اور جو دیا ہو اس کے علاوہ اور کچھ دینے میں کوئی گناہ نہیں' سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر چاہے تو پہلے کے مقرر مہر کے بعد جو دے چکا ہے وقت کے ختم ہونے سے پیشتر پھر کہہ دے کہ میں اتنی مدت کے لیے پھر متعہ کرتا ہوں پس اگر اس نے رحم کی پاکیزگی سے پہلے دن بڑھا لیے تو جب مدت پوری ہو جائے تو پھر اس کا کوئی دباؤ نہیں وہ عورت الگ ہو جائے گی اور حیض تک ٹھہر کر اپنے رحم کی صفائی کر لے گی ان دونوں میں میراث نہیں نہ یہ عورت اس مرد کی وارث نہ یہ مرد اس عورت کا' اور جن حضرات نے اس جملہ کو نکاح مسنون کی بابت کہا ہے ان کے نزدیک تو مطلب صاف ہے کہ اس مہر کی ادائیگی تاکیداً بیان ہو رہی ہے جیسے فرمایا مہر بہ آسانی اور بہ خوشی دے دیا کرو' اگر مہر کے مقرر ہو جانے کے بعد عورت اپنے پورے حق کو یا تھوڑے سے حق کو چھوڑ دے معاف کر دے اس سے دست بردار ہو جائے تو میاں بیوی

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٧٦/٨)]

[2] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوة خیبر (٤٢١٦) و کتاب النکاح (٥١١٥) صحیح مسلم: کتاب النکاح: باب نکاح المتعة (١٤٠٧) نسائی: کتاب النکاح: باب تحریم المتعة (٣٣٦٨) ابن ماجه: کتاب النکاح: باب النهی عن نکاح المتعة (١٩٦١) ترمذی: کتاب النکاح: باب ماجآء فی تحریم نکاح المتعة (١١٢١)]

[3] [**صحیح**: صحیح مسلم: کتاب النکاح: باب نکاح المتعة (١٤٠٦) ابن ماجه: کتاب النکاح: باب النهی عن نکاح المتعة (١٩٦٢) عبد الرزاق (١٤٠٤١) مسند احمد (٤٠٤/٣)]

میں سے کسی پر کوئی گناہ نہیں' حضرت حضرمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگ مہر مقرر کر دیتے ہیں پھر ممکن ہے کہ تنگی ہو جائے تو اگر عورت اپنا حق چھوڑ دے تو جائز ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی قول کو پسند کرتے ہیں۔ [1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مراد یہ ہے کہ مہر کی رقم پوری پوری اس کے حوالے کر دے پھر اسے بسنے اور الگ ہونے کا پورا پورا اختیار دے' پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ علیم و حکیم ہے ان کا احکام میں جو حلت و حرمت کے متعلق ہیں جو رحمتیں ہیں اور جو مصلحتیں ہیں انہیں وہی بخوبی جانتا ہے۔

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا اَنْ يَّنْكِحَ الْمُحْصَنٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ فَمِنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ فَتَيٰتِكُمُ الْمُؤْمِنٰتِ ۗ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِكُمْ ۗ بَعْضُكُمْ مِّنْ بَعْضٍ ۚ فَانْكِحُوْهُنَّ بِاِذْنِ اَهْلِهِنَّ وَ اٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ مُحْصَنٰتٍ غَيْرَ مُسٰفِحٰتٍ وَّلَا مُتَّخِذٰتِ اَخْدَانٍ ۚ فَاِذَاۤ اُحْصِنَّ فَاِنْ اَتَيْنَ بِفَاحِشَةٍ فَعَلَيْهِنَّ نِصْفُ مَا عَلَى الْمُحْصَنٰتِ مِنَ الْعَذَابِ ۗ ذٰلِكَ لِمَنْ خَشِيَ الْعَنَتَ مِنْكُمْ ۗ وَاَنْ تَصْبِرُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۵﴾

اور تم میں سے جس کسی کو آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی پوری وسعت و طاقت نہ ہو تو وہ مسلمان لونڈیوں سے جن کے تم مالک ہو (اپنا نکاح کر لے) اللہ تمہارے اعمال کو بخوبی جاننے والا ہے' تم سب آپس میں ایک ہی ہو' تو ان کے مالکوں کی اجازت سے ان سے نکاح کر لو اور قاعدے کے مطابق ان کے مہر انہیں دو وہ پاک دامن ہوں نہ علانیہ بدکاری کرنے والیاں نہ خفیہ آشنائی کرنے والیاں' جب یہ لونڈیاں نکاح میں آ گئیں پھر اگر بے حیائی کا کام کریں تو انہیں آدھی سزا ہے اس سزا کی جو آزاد عورتوں پر ہے۔ کنیزوں کے نکاح کا یہ حکم تم میں سے ان کے لیے ہے جنہیں گناہ اور تکلیف کا اندیشہ ہو' اور تمہارا ضبط کرنا بہت بہتر ہے' اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑی رحمت والا ہے ○

آزاد عورتوں سے نکاح کی طاقت نہ ہو تو لونڈیوں سے نکاح: ارشاد ہوتا ہے کہ جسے آزاد مسلمان عورتوں سے نکاح کرنے کی وسعت قدرت نہ ہو' ربیعہ فرماتے ہیں ﴿طَوْل﴾ سے مراد قصد و خواہش یعنی لونڈی سے نکاح کی خواہش' ابن جریر رحمہ اللہ نے اس قول کو وارد کر کے پھر اسے خود ہی توڑ دیا ہے' مطلب یہ ہے کہ ایسے حالات میں مسلمانوں کی ملکیت میں جو مسلمان لونڈیاں ہیں ان سے وہ نکاح کر لیں' تمام کاموں کی حقیقت اللہ تعالیٰ پر واضح ہے' تم حقائق کو صرف سطحی نگاہ سے دیکھتے ہو' تم سب آزاد اور غلام ایمانی رشتے میں ایک ہو۔

لونڈیوں سے نکاح کے لیے ان کے مالکوں سے اجازت: لونڈی کا ولی اس کا سردار ہے اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح منعقد نہیں ہو سکتا' اسی طرح غلام بھی اپنے سردار کی رضامندی حاصل کیے بغیر اپنا نکاح نہیں کر سکتا۔

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸/۱۸۰)]

حدیث میں ہے جو غلام بغیر اپنے آقا کی اجازت کے اپنا نکاح کرلے وہ زانی ہے[1] ہاں اگر کسی لونڈی کی مالکہ کوئی عورت ہو تو اس کی اجازت سے اس لونڈی کا نکاح وہ کرائے جو عورت کا نکاح کراسکتا ہے' کیونکہ حدیث میں ہے عورت عورت کا نکاح نہ کرائے نہ عورت اپنا نکاح کرائے' وہ عورتیں زنا کار ہیں جو اپنا نکاح آپ کرتی ہیں۔[2]

پھر فرمایا عورتوں کے مہر خوش دلی سے دے دیا کرو' گھٹا کر کم کر کے تکلیف پہنچا کر لونڈی سمجھ کر کمی کر کے نہ دو' پھر فرماتا ہے کہ دیکھ لیا کرو یہ عورتیں بدکاری کی طرف ازخود مائل نہ ہوں' نہ ایسی ہوں اگر کوئی ان کی طرف مائل ہو تو یہ جھک جائیں یعنی نہ تو علانیہ زنا کار ہوں نہ خفیہ بدکردار ہوں کہ ادھر ادھر آشنائیاں کرتی پھریں اور چپ چاپ دوست آشنا بناتی پھریں' جو ایسی بداطوار ہوں ان سے نکاح کرنے کو اللہ تعالیٰ منع فرما رہا ہے ﴿اُحْصِنَّ﴾ کی دوسری قرات ﴿اَحْصَنَّ﴾ بھی ہے کہا گیا ہے کہ دونوں کا معنی ایک ہی ہے' یہاں احصان سے مراد اسلام ہے یا نکاح والی ہو جانا ہے[3] ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان کا احصان اسلام اور عفت ہے لیکن یہ حدیث منکر ہے اس میں ضعف بھی ہے اور ایک راوی کا نام نہیں' ایسی حدیث حجت کے لائق نہیں ہوتی' دوسرا قول یعنی احصان سے مراد نکاح ہے[4] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما مجاہد' عکرمہ' طاؤس' سعید بن جبیر' حسن' قتادہ رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے' امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی ابو علی طبری رحمہ اللہ نے اپنی کتاب الیضاح میں یہی نقل کیا ہے' مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں لونڈی کا محصن ہونا یہ ہے کہ وہ کسی آزاد کے نکاح میں چلی جائے' اسی طرح غلام کا احصان یہ ہے کہ وہ کسی آزاد مسلمہ سے نکاح کرلے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ منقول ہے' شعبی اور نخعی رحمہما اللہ بھی یہی کہتے ہیں' یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں قراتوں کے اعتبار سے معنی بھی بدل جاتے ہیں' ﴿اُحْصِنَّ﴾ سے مراد تو نکاح ہے اور ﴿اَحْصَنَّ﴾ سے مراد اسلام ہے' امام ابن جریر رحمہ اللہ اسی کو پسند فرماتے ہیں' لیکن بظاہر مراد یہاں نکاح کرنا ہے واللہ اعلم۔ اس لیے کہ سیاق آیات کی دلالت اسی پر ہے' ایمان کا ذکر تو لفظوں میں موجود ہے بہر دو صورت جمہور کے مذہب کے مطابق آیت کے معنی میں ابھی بھی اشکال باقی ہے اس لیے کہ جمہور کا قول ہے کہ لونڈی کو زنا کی وجہ سے پچاس کوڑے لگائے جائیں گے خواہ وہ مسلمہ ہو یا کافرہ ہو شادی شدہ ہو یا غیر شادی شدہ ہو باوجود یہ کہ آیت کے مفہوم کا تقاضا یہ

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی نکاح العبد بغیر اذن موالیه (۲۰۷۸) ترمذی : کتاب النکاح : باب ماجآء فی نکاح العبد بغیر اذن سیده (۱۱۱۱) مسند احمد (۳۰۱/۳) دارمی (۱۵۲/۲)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام حاکمؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود ، صحیح ترمذی] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح : ابن ماجه : کتاب النکاح : باب لا نکاح الا بولی (۱۸۸۲) ابن عدی فی الکامل (۲۲۶۷/۶) دارقطنی (۲۲۷/۳) بیهقی فی السنن الکبری (۱۱۰/۷)] زنا والے جملے کے علاوہ باقی روایت صحیح ہے۔ [ارواء الغلیل (۱۸۴۱)]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (۹۲۳/۳)] اس کی سند میں جابر جعفی راوی ضعیف ہے۔]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۰۲/۸) معرفة السنن والآثار (۳۶۵/۶)]

ہے کہ غیر محصنہ لونڈی پر حد ہی نہ ہو پس اس کے مختلف جوابات دیئے گئے ہیں، جمہور کا قول ہے کہ بیشک ''جو بولا گیا'' مفہوم پر مقدم ہے اس لیے ہم نے ان عام احادیث کو جن میں لونڈیوں کو حد مارنے کا بیان ہے اس آیت کے مفہوم پر مقدم کیا، صحیح مسلم کی حدیث میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگو اپنی لونڈیوں پر حدیں قائم رکھو خواہ وہ محصنہ ہوں یا نہ ہوں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی لونڈی کے زنا پر حد مارنے کو فرمایا چونکہ وہ نفاس میں تھی اس لیے مجھ ڈر لگا کہ کہیں حد کے کوڑے لگنے سے یہ مر نہ جائے چنانچہ میں نے اس وقت اسے حد نہ لگائی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں واقعہ بیان کیا تو آپ نے فرمایا تم نے اچھا کیا جب تک وہ ٹھیک ٹھاک نہ ہو جائے حد نہ مارنا۔ [1]

مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب یہ نفاس سے فارغ ہو تو اسے پچاس کوڑے لگانا۔ [2] حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا فرماتے تھے جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور زنا ظاہر ہو جائے تو اسے وہ حد مارے اور برا بھلا نہ کہے پھر اگر دوبارہ زنا کرے تو بھی حد لگائے اور ڈانٹ جھڑک نہ کرے، پھر اگر تیسری مرتبہ زنا کرے اور ظاہر ہو تو اسے بیچ ڈالے اگرچہ بالوں کی رسی کے بدلے ہی ہو [3] اور صحیح مسلم میں ہے کہ جب تین بار یہ فعل اس سے سرزد ہو تو چوتھی دفعہ فروخت کر ڈالے [4] عبداللہ بن عیاش بن ابو ربیعہ مخزومی فرماتے ہیں کہ ہم چند قریشی نوجوانوں کو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے امارت کی لونڈیوں میں سے کئی ایک پر حد جاری کرنے کو فرمایا ہم نے انہیں زنا کی حد میں پچاس پچاس کوڑے لگائے [5] دوسرا جواب ان کا ہے جو اس بات کی طرف گئے ہیں کہ لونڈی پر احصان بغیر حد نہیں وہ فرماتے ہیں کہ یہ مارنا صرف بطور ادب سکھانے اور باز رکھنے کے ہے، ابن عباس رضی اللہ عنہما اسی طرف گئے ہیں طاؤس، سعید، ابو عبید، داؤد ظاہری رحمہم اللہ کا مذہب بھی یہی ہے کہ ان کی بڑی دلیل مفہوم آیت ہے اور یہ شرط کے مفہوموں میں سے ہے اور اکثر کے نزدیک یہ محض حجت ہے اس لیے ان کے نزدیک ایک عموم پر مقدم ہو سکتا ہے اور ابو ہریرہ اور زید بن خالد رضی اللہ عنہما کی حدیث جس میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ جب لونڈی زنا کرے اور وہ محصنہ نہ ہو یعنی اس کا نکاح نہ ہوا ہو تو کیا کیا جائے؟ آپ نے فرمایا اگر وہ زنا کرے تو اسے حد لگاؤ پھر زنا کرے تو پھر کوڑے لگاؤ پھر بیچ ڈالو اگرچہ ایک بالوں کی رسی کے عوض ہی کیوں نہ بیچنا پڑے، راوی حدیث ابن شہاب رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نہیں جانتا کہ تیسری مرتبہ کے بعد یہ فرمایا یا چوتھی مرتبہ کے بعد۔ [6]

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب تاخیر الحدعن النفساء (١٧٠٥) ترمذی : کتاب الحدود : باب ماجآء فی اقامة الحد (١٤٤١) مسند احمد (٨٩/١)]

[2] [عبداللہ بن احمد فی زوائد المسند (١٣٦/١)، (١١٤٦)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب لا یثرب علی الامة اذا زنت ولا تنفی (٦٨٣٩)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب رجم الیهود اهل الزمة فی الزنی (١٧٠٣) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب فی الامة تزنی ولم تحصن (٤٤٧٠)]

[5] [موقوف صحیح : بیهقی (٢٤٢/٨) مؤطا (١٦٠٨)]

[6] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب بیع العبد الزانی (٢١٥٣) صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب رجم الیهود (١٧٠٤) ابوداؤد : کتاب الحدود (٤٤٦٩) ابن حبان (٤٤٤٤) بیهقی (٢٤٢/٨) مسند احمد (١١٧/٤)]

پس اس حدیث کے مطابق وہ جواب دیتے ہیں کہ دیکھو یہاں حد کی مقدار اور کوڑوں کی تعداد بیان نہیں فرمائی جیسے کہ محصنہ کے بارے میں صاف فرما دیا ہے اور جیسے کہ قرآن میں مقرر طور پر فرمایا گیا کہ محصنات کی نسبت نصف حد ان پر ہے' پس آیت و حدیث میں اس طرح تطبیق دینا واجب ہوگئی واللہ اعلم۔ اس سے بھی زیادہ صراحت والی وہ روایت ہے جو سعید بن منصور نے بروایت ابن عباس رضی اللہ عنہما نقل کی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی لونڈی پر حد نہیں جب تک کہ وہ احصان والی نہ ہو جائے یعنی جب تک نکاح والی نہ ہو جائے پس جب خاوند والی بن جائے تو اس پر آدھی حد ہے بہ نسبت اس حد کے جو آزاد نکاح والیوں پر ہے' [1] یہ حدیث ابن خزیمہ میں بھی ہے لیکن وہ فرماتے ہیں اسے مرفوع کہنا خطا ہے یہ موقوف ہے یعنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے' بیہقی میں بھی یہ روایت ہے اور آپ کا بھی یہی فیصلہ ہے اور کہتے ہیں کہ حضرت علی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہما والی حدیثیں ایک واقعہ کا فیصلہ ہیں' اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث دوسرے واقعہ کا فیصلہ ہیں اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث کے بھی کئی جوابات ہیں ایک تو یہ کہ یہ محمول ہے اس لونڈی پر جو شادی شدہ ہو اس طرح ان دونوں احادیث میں تطبیق اور جمع ہو جاتی ہے دوسرے یہ کہ اس حدیث میں لفظ حد کسی راوی کا داخل کیا ہوا ہے اور اس کی دلیل جواب کا فقرہ ہے' تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث دو صحابیوں کی ہے اور وہ حدیث صرف ایک صحابی کی ہے اور ایک والی پر دو والی مقدم ہے' اور اسی طرح یہ حدیث نسائی میں بھی مروی ہے اور مسلم کی شرط پر اس کی سند ہے کہ حضرت عباد بن تمیم اپنے چچا سے جو بدری صحابی رضی اللہ عنہ تھے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جب لونڈی زنا کرے تو اسے کوڑے لگاؤ پھر جب زنا کرے تو کوڑے مارو پھر جب زنا کرے تو کوڑے لگاؤ پھر جب زنا کرے تو بیچ دو اگرچہ بالوں کی اک رسی کے بدلے ہی بیچنا پڑے۔ چوتھا جواب یہ ہے کہ یہ بھی بعید نہیں کہ کسی راوی نے جلد کو حد خیال کر لیا ہو یا لفظ حد کا اطلاق تادیب کے طور پر سزا دینے پر کر دیا ہو جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس سزا پر بھی کیا گیا ہے جو بیمار زانی کو کھجور کا ایک خوشہ مارا گیا تھا جس میں ایک سو چھوٹی چھوٹی شاخیں تھیں' اور جیسے کہ لفظ حد کا اطلاق اس شخص پر بھی کیا گیا ہے کہ جس نے اپنی بیوی کی اس لونڈی کے ساتھ زنا کیا جسے بیوی نے اس کے لیے حلال کر دیا تھا حالانکہ اسے سو کوڑوں کا لگنا تعزیر کے طور پر صرف ایک سزا ہے جیسے کہ امام احمد وغیرہ سلف کا خیال ہے۔ حد حقیقی صرف یہ ہے کہ کنوارے کو سو کوڑے اور بیاہے ہوئے کو یا لوطی کو رجم۔ واللہ اعلم۔

ابن ماجہ وغیرہ میں حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ لونڈی نے جب تک نکاح نہیں کیا اسے زنا پر مارا نہ جائے' اس کی اسناد تو صحیح ہے لیکن معنی دو ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ بالکل مارا ہی نہ جائے نہ حد نہ اور کچھ تو یہ قول بالکل غریب ہے' ممکن ہے آیت کے الفاظ پر نظر کر کے یہ فتویٰ دے دیا ہو اور حدیث نہ پہنچی ہو' دوسرے معنی یہ ہیں کہ حد کے طور پر نہ مارا جائے اگر یہ معنی مراد لیے جائیں تو یہ اس کے خلاف نہیں کہ اور کوئی سزا کی جائے' پس یہ

---

[1] [طبرانی اوسط (۱/ ۱۵۳) بیهقی فی معرفة السنن والآثار (۳٦٤/٦) تهذیب السنن والآثار (٥٠٩٩) العلل المتناهية لابن الجوزی (۱۳۲۷)] امام ہیثمی ؒ نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے اور حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ یہ حسن اور راجح اس کا موقوف ہونا ہے۔ [مجمع الزوائد (۱۰٦۲٤) فتح الباری (۱۲/ ۱٦۱)]

قیاس حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کے فتوے کے مطابق ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ آیت میں دلالت ہے کہ محصنہ لونڈی پر بہ نسبت آزاد عورت کے آدھی حد ہے' لیکن محصنہ ہونے سے پہلے کتاب وسنت کے عموم میں یہ بھی شامل ہے کہ اسے بھی سو کوڑے مارے جائیں جیسے اللہ تبارک وتعالیٰ کا فرمان ہے ﴿اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِیْ فَاجْلِدُوْا كُلَّ وَاحِدٍ مِّنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ﴾ [1] یعنی زنا کار عورت زنا کار مرد ہر ایک کو سو سو کوڑے مارو اور جیسے حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں میری بات لے لو میری بات سمجھ لو اللہ نے ان کے لئے راستہ نکال لیا اگر دونوں جانب غیر شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور ایک سال کی جلاوطنی اور اگر دونوں طرف شادی شدہ ہیں تو سو کوڑے اور پتھروں سے رجم کر دینا۔ [2] یہ حدیث صحیح مسلم شریف کی ہے اور اسی طرح کی اور حدیثیں بھی ہیں' حضرت ابوداؤد بن علی ظاہری رحمہ اللہ کا یہی قول ہے لیکن یہ سخت ضعیف ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے محصنہ لونڈیوں کو بہ نسبت آزاد کے آدھے کوڑے مارنے کا عذاب بیان فرمایا یعنی پچاس کوڑے تو پھر جب تک وہ محصنہ نہ ہوں اس سے بھی زیادہ سزا کی سزاوار وہ کیسے ہو سکتی ہیں؟ حالانکہ قاعدہ شریعت یہ ہے کہ احصان سے پہلے کم سزا ہے اور احصان کے بعد زیادہ سزا ہے پھر اس کے برعکس کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ دیکھئے شارع علیہ السلام سے آپ کے صحابہ غیر شادی شدہ لونڈی کے زنا کی سزا پوچھتے ہیں اور آپ انہیں جواب دیتے ہیں کہ اسے کوڑے مارو لیکن یہ نہیں فرماتے کہ ایک سو کوڑے لگاؤ پس اگر اس کا حکم وہی ہوتا جو داؤد رحمہ اللہ سمجھتے ہیں تو اسے بیان کر دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر واجب تھا اس لئے کہ ان کا یہ سوال تو صرف اسی وجہ سے تھا کہ لونڈی کے شادی شدہ ہو جانے کے بعد اسے کوڑے مارنے کا بیان نہیں ورنہ اس قید کے لگانے کی کیا ضرورت تھی کہ سوال میں کہتے وہ غیر شادی شدہ ہے کیونکہ پھر تو شادی شدہ اور غیر شادی شدہ میں کوئی فرق ہی نہ رہا اگر یہ آیت اتری ہوئی نہ ہوتی لیکن چونکہ ان دونوں صورتوں میں سے ایک کا علم تو نہیں ہو چکا تھا۔

اس لئے دوسری کی بابت سوال کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب دے کر معلوم کرا دیا جیسے بخاری ومسلم میں ہے کہ جب صحابہ نے حضور سے آپ پر درود پڑھنے کی نسبت پوچھا تو آپ نے اسے بیان فرمایا اور فرمایا سلام تو اسی طرح ہے جس طرح تم خود جانتے ہو' اور ایک روایت میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا صَلُّوْا عَلَيْهِ وَسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا﴾ [3] نازل ہوا اور صلوٰۃ وسلام آپ پر بھیجنے کا اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ سلام کا طریقہ اور اس کے الفاظ تو ہمیں معلوم ہیں صلوۃ کی کیفیت بیان فرمائے۔ [4] پس ٹھیک اسی طرح

---

[1] [سورة النور : آیت ۲]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب حد الزنی (۱۶۹۰) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب فی الرجم (۴۴۱۵) ترمذی : کتاب الحدود : باب ماجاء فی الرجم علی الثیب (۱۴۳۴) ابن حبان (۴۴۲۵) بیهقی (۸/۲۲۲) مسند احمد (۵/۳۱۳)]

[3] [سورة الاحزاب : آیت ۵۶]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ان اللہ وملائکة (۴۷۹۸) صحیح مسلم : کتاب الصلاة : باب الصلاة علی النبی (۴۰۶)]

یہ سوال ہے مفہوم آیت کا چوتھا جواب ابوثور رحمہ اللہ کا ہے جو داؤد رحمہ اللہ کے جواب سے زیادہ بودا ہے' وہ فرماتے ہیں جب لونڈیاں شادی شدہ ہو جائیں تو ان کی زنا کاری کی حد ان پر آدھی ہے اس حد کی جو شادی شدہ آزاد عورتوں کی زنا کاری کی حد ہے تو ظاہر ہے کہ آزاد عورتوں کی حد اس صورت میں رجم ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ رجم آدھا نہیں ہو سکتا تو لونڈی کو اس صورت میں رجم کرنا پڑے گا اور شادی سے پہلے اسے پچاس کوڑے لگیں گے' کیونکہ اس حالت میں آزاد عورت پر سو کوڑے ہیں۔ پس دراصل آیت کا مطلب سمجھنے میں اس سے خطا ہوئی اور اس میں جمہور کا بھی خلاف ہے بلکہ امام شافعی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کسی مسلمان کا اس میں اختلاف ہی نہیں کہ مملوک پر زنا کی سزا میں رجم ہے ہی نہیں' اس لیے کہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان پر محصنات کا نصف عذاب ہے اور محصنات کے لفظ میں جو الف لام ہے وہ عہد کا ہے یعنی وہ محصنات جن کا بیان آیت کے شروع میں ہے ﴿أَن يَنكِحَ الْمُحْصَنَاتِ﴾ میں گذر چکا ہے مراد صرف آزاد عورتیں ہیں۔ اس وقت یہاں آزاد عورتوں کے نکاح کے مسئلہ کی بحث نہیں بحث یہ ہے کہ پھر آگے چل کر ارشاد ہوتا ہے کہ ان پر زنا کاری کی جو سزا تھی اس سے آدھی سزا ان لونڈیوں پر ہے تو معلوم ہوا کہ یہ اس سزا کا ذکر ہے جو آدھی ہو سکتی ہو اور وہ کوڑے ہیں کہ سو سے آدھے پچاس رہ جائیں گے رجم یعنی سنگسار کرنا ایسی سزا ہے جس کے حصے نہیں ہو سکتے۔ واللہ اعلم۔

مسند احمد میں ایک واقعہ ہے جو ابوثور کے مذہب کی پوری تردید کرتا ہے اس میں ہے کہ صفیہ لونڈی نے ایک غلام سے زنا کاری کی اور اسی زنا سے بچہ ہوا جس کا دعویٰ زانی نے کیا مقدمہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس پہنچا آپ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس کا تصفیہ سونپا' علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا اس میں وہی فیصلہ کروں گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ہے بچہ تو اس کا سمجھا جائے گا جس کی یہ لونڈی ہے اور زانی کو پتھر مارے جائیں گے پھر ان دونوں کو پچاس پچاس کوڑے لگائے' [1] یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد مفہوم سے تنبیہ ہے اعلیٰ کے ساتھ ادنیٰ پر یعنی جب کہ وہ شادی شدہ ہوں تو ان پر بہ نسبت آزاد عورتوں کے آدھی حد ہے پس ان پر رجم تو سرے سے کسی صورت میں ہے ہی نہیں نہ قبل از نکاح نہ بعد نکاح' دونوں حالتوں میں صرف کوڑے ہیں جس کی دلیل حدیث ہے' صاحب الایضاح یہی فرماتے ہیں اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ سے بھی اسی کو ذکر کرتے ہیں' امام بیہقی اپنی کتاب سنن و آثار میں بھی اسے لائے ہیں لیکن یہ قول لفظ آیت سے بہت دور ہے اس طرح کہ آدھی حد کی دلیل صرف آیت ہے اس کے سوا کچھ نہیں پس اس کے علاوہ میں آدھا ہونا کس طرح سمجھا جائے گا؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ شادی شدہ ہونے کی حالت میں صرف امام ہی حد قائم کر سکتا ہے اس لونڈی کا مالک اس حال میں اس پر حد جاری نہیں کر سکتا امام احمد رحمہ اللہ کے مذہب میں ایک قول یہی ہے ہاں شادی سے پہلے اس کے مالک کو حد جاری کرنے کا اختیار ہے بلکہ حکم ہے لیکن

---

[1] [ضعیف ولہ شواھد: مسند احمد (۱/۱۰٤) طحاوی فی شرح معانی الآثار (۱۰٤/۳) بیھقی فی السنن الکبری (۳۰۲/۷) ابو داود طیالسی (۸٦)] اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی مدلس ہے۔ تاہم حدیث کے یہ الفاظ ﴿الولد للفراش وللعاھر الحجر﴾ صحیح ثابت ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے: صحیح بخاری (٦۷۵۰) صحیح مسلم (۱٤۵۸)]

دونوں صورتوں میں حد آدھی ہی آدھی رہے گی اور یہ بھی دور کی بات ہے اس لیے کہ آیت میں اس کی دلالت بھی نہیں' اور اگر یہ آیت نہ ہوتی تو ہم نہیں جان سکتے تھے کہ لونڈیوں کے بارے میں آدھی حد ہے اور اس صورت میں انہیں بھی عموم میں داخل کر کے پوری حد یعنی سو کوڑے اور رجم ان پر بھی جاری کرنا واجب ہو جاتا جیسے کہ عام روایتوں سے ثابت ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ لوگو اپنے ماتحتوں پر حدیں جاری کرو شادی شدہ ہوں یا غیر شادی شدہ اور وہ عام حدیثیں جو پہلے گذر چکی ہیں جن میں خاوندوں والی اور بغیر خاوندوں والیوں کی کوئی تفصیل نہیں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت والی حدیث جس سے جمہور نے دلیل پکڑی ہے یہ ہے کہ جب تم میں سے کسی کی لونڈی زنا کرے اور پھر اس کا زنا ظاہر ہو جائے تو اسے چاہیے کہ اس پر حد جاری کرے اور ڈانٹ ڈپٹ نہ کرے۔ (ملخص)

الغرض لونڈی کی زنا کاری کی حد میں کئی قول ہیں ایک تو یہ کہ جب تک اس کا نکاح نہیں ہوا اسے پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور نکاح ہو جانے کے بعد بھی یہی حد رہے گی اور اسے جلا وطن بھی کیا جائے گا یا نہیں؟ اس میں تین قول ہیں ایک یہ کہ جلا وطنی ہوگی دوسرے یہ کہ نہ ہوگی تیسرے یہ کہ جلا وطنی میں آدھے سال کو ملحوظ رکھا جائے گا یعنی چھ مہینے کا دیس نکالا دیا جائے گا پورے سال کا نہیں' پورا سال آزاد عورتوں کے لیے ہے۔

یہ تینوں قول امام شافعی رحمہ اللہ کے مذہب میں ہیں' لیکن امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک جلا وطنی تعزیر کے طور پر ہے وہ حد میں سے نہیں امام کی رائے پر موقوف ہے اگر چاہے جلا وطنی دے یا نہ دے مرد و عورت سب اسی حکم میں داخل ہیں ہاں امام مالک رحمہ اللہ کے مذہب میں ہے کہ جلا وطنی صرف مردوں کے لیے ہے عورتوں پر نہیں اس لیے کہ جلا وطنی صرف اس کی حفاظت کے لیے ہے اور اگر عورت کو جلا وطن کیا گیا تو حفاظت میں سے نکل جائے گی اور مردوں یا عورتوں کے بارے میں دیس نکالے کی حدیث صرف حضرت عبادہ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہما سے ہی مروی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس زانی کے بارے میں جس کی شادی نہیں ہوئی تھی حد مارنے اور ایک سال دیس نکالا دینے کا حکم فرمایا تھا[1] (بخاری) اس سے معنی مراد یہی ہے کہ اس کی حفاظت رہے اور عورت کو وطن سے نکالے جانے میں یہ حفاظت بالکل ہی نہیں ہو سکتی واللہ اعلم۔

دوسرا قول یہ ہے کہ لونڈی کو اس کی زنا کاری پر شادی کے بعد پچاس کوڑے مارے جائیں گے اور ادب سکھانے کے طور پر اسے کچھ مار پیٹ کی جائے گی لیکن اس کی کوئی مقرر گنتی نہیں پہلے گذر چکا ہے کہ شادی سے پہلے اسے مارا نہ جائے گا جیسے حضرت سعید بن مسیب رحمہ اللہ کا قول ہے لیکن اگر اس سے یہ مراد لی جائے کہ سرے سے کچھ مارنا ہی نہ چاہیے تو یہ محض تاویل ہی ہوگی ورنہ قول ثانی میں اسے داخل کیا جا سکتا ہے اور قول یہ ہے کہ شادی سے پہلے سو کوڑے اور شادی کے بعد پچاس جیسے کہ داود کا قول ہے اور یہ تمام اقوال سے بودا قول ہے اور یہ کہ شادی سے پہلے پچاس کوڑے اور شادی کے بعد رجم جیسے کہ ابو ثور کا قول ہے لیکن یہ قول بھی بودا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالٰی اعلم بالصواب۔ پھر فرمان ہے کہ لونڈیوں سے نکاح کرنا ان شرائط کی موجودگی میں جو بیان ہوئیں ان کے لیے ہے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب البکران یجلدان وینفیان (٦٨٣٣) صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب من اعترف علی نفسه بالزنی (١٦٩٨)]

جنہیں زنا میں واقع ہونے کا خطرہ ہو اور تجرد اس پر بہت شاق گذر رہا ہو اور اس کی وجہ سے سخت تکلیف میں ہو تو بیشک اسے انہیں پاکدامن لونڈیوں سے نکاح کر لینا جائز ہے گو اس حالت میں بھی اپنے نفس کو روکے رکھنا اور ان سے نکاح نہ کرنا بہت بہتر ہے اس لیے کہ اس سے جو اولاد ہوگی وہ اس کے مالک کی لونڈی غلام ہوگی۔

ہاں اگر خاوند غریب ہو تو اس کی یہ اولاد اس کے آقا کی ملکیت امام شافعی رحمہ اللہ کے قول قدیم کے مطابق نہ ہوگی۔ پھر فرمایا اگر تم صبر کرو تو تمہارے لیے افضل ہے اور اللہ غفور و رحیم ہے، جمہور علماء نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ لونڈی سے نکاح جائز ہے لیکن یہ اس وقت جب آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کی طاقت نہ ہو اور نہ ہی رکے رہنے کی طاقت ہو، بلکہ زنا واقع ہو جانے کا خوف ہو۔ کیونکہ اس میں ایک خرابی تو یہ ہے کہ اولاد غلامی میں جاتی ہے دوسرے ایک طرح کی سبکی ہے کہ آزاد عورت کو چھوڑ کر لونڈیوں کی طرف متوجہ ہونا۔

ہاں جمہور کے مخالف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں یہ دونوں باتیں شرط نہیں بلکہ جس کے نکاح میں کوئی آزاد عورت نہ ہو اسے لونڈی سے نکاح کرنا جائز ہے وہ لونڈی خواہ مومنہ ہو خواہ اہل کتاب میں سے ہو۔ چاہے اسے آزاد عورت سے نکاح کرنے کی طاقت بھی ہو اور اسے بدکاری کا خوف بھی نہ ہو، اس کی بڑی دلیل یہ آیت ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ﴾ [1] یعنی آزاد عورتیں ان میں سے جو تم سے پہلے کتاب اللہ دیئے گئے۔ پس وہ کہتے ہیں یہ آیت عام ہے جس میں آزاد اور غیر آزاد سب ہی شامل ہیں اور محصنات سے مراد پاکدامن باعصمت عورتیں ہیں لیکن اس کی ظاہری دلالت بھی اسی مسئلہ پر ہے جو جمہور کا مذہب ہے۔ واللہ اعلم۔

يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُبَيِّنَ لَكُمْ وَيَهْدِيَكُمْ سُنَنَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَيَتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۶﴾ وَاللّٰهُ يُرِيْدُ اَنْ يَّتُوْبَ عَلَيْكُمْ ۣ وَيُرِيْدُ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الشَّهَوٰتِ اَنْ تَمِيْلُوْا مَيْلًا عَظِيْمًا ﴿۲۷﴾ يُرِيْدُ اللّٰهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ﴿۲۸﴾

اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تمہارے واسطے خوب کھول کر بیان کرے اور تمہیں تم سے پہلے (نیک) لوگوں کی راہ چلائے اور تم پر اپنی رحمت لوٹائے، اللہ تعالیٰ پورے علم و حکمت والا ہے ○ اور اللہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول کرے اور جو لوگ خواہشات کے پیرو ہیں وہ چاہتے ہیں کہ تم اس سے بہت دور ہٹ جاؤ ○ اللہ تعالیٰ چاہتا ہے کہ تم سے بالکل تخفیف کر دے، کیونکہ انسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ○

اللہ تعالیٰ تخفیف کرنا چاہتا ہے: فرمان ہوتا ہے کہ اے مومنو! اللہ تعالیٰ ارادہ کر چکا ہے کہ حلال و حرام تم پر کھول کھول کر بیان فرما دے جیسے کہ اس سورت میں اور دوسری سورتوں میں اس نے بیان فرمایا وہ چاہتا ہے کہ سابقہ لوگوں کی قابل تعریف راہیں تمہیں سمجھا دے تاکہ تم بھی اس کی اس شریعت پر عمل کرنے لگ جاؤ جو اس کی محبوب اور

[1] [سورة المائدہ : آیت ۵]

اس کی پسندیدہ ہے وہ چاہتا ہے کہ تمہاری توبہ قبول فرمالے جس گناہ سے جس حرام کاری سے تم توبہ کرو وہ فوراً قبول فرمالیتا ہے وہ علم وحکمت والا ہے' اپنی شریعت اپنے اندازے اپنے کام اور اپنے فرمان میں وہ صحیح علم اور کامل حکمت رکھتا ہے' خواہش نفسانی کے پیروکار یعنی شیطانوں کے غلام یہود ونصاریٰ اور بدکار لوگ تمہیں حق سے ہٹانا اور باطل کی طرف جھکانا چاہتے ہیں' اللہ تعالیٰ اپنے حکم احکام میں یعنی روکنے اور ہٹانے میں' شریعت اور اندازہ مقرر کرنے میں تمہارے لیے آسانیاں چاہتا ہے اور اسی بنا پر چند شرائط کے ساتھ اس نے لونڈیوں سے نکاح کر لینا تم پر حلال کر دیا۔ انسان چونکہ پیدائشی کمزور ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں کوئی سختی نہیں رکھی۔ یہ فی نفسہ بھی کمزور اس کے ارادے اور حوصلے بھی کمزور یہ عورتوں کے بارے میں بھی کمزور' یہاں آ کر بالکل بیوقوف بن جانے والا۔

چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ شب معراج میں سدرۃ المنتہی سے لوٹے اور حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو آپ نے دریافت کیا کہ آپ پر کیا فرض کیا گیا؟ فرمایا ہر دن رات میں پچاس نمازیں تو کلیم اللہ علیہ السلام نے فرمایا واپس جائیے اور اللہ کریم سے تخفیف طلب کیجیے آپ کی امت میں اس کی طاقت نہیں میں اس سے پہلے لوگوں کا تجربہ کر چکا ہوں وہ اس سے بہت کم میں گھبرا گئے تھے اور آپ کی امت تو کانوں آنکھوں اور دل کی کمزوری میں ان سے بھی بڑھی ہوئی ہے۔

چنانچہ آپ واپس گئے دس معاف کرالائے پھر بھی یہی باتیں ہوئیں پھر گئے پھر دس کم ہوئیں' یہاں تک کہ آخری مرتبہ پانچ رہ گئیں۔ [1]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْكُمْ ۣ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيْمًا ﴿٢٩﴾ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ عُدْوَانًا وَّظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيْهِ نَارًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَي اللّٰهِ يَسِيْرًا ﴿٣٠﴾ اِنْ تَجْتَنِبُوْا كَبَاۗىِٕرَ مَا تُنْهَوْنَ عَنْهُ نُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَنُدْخِلْكُمْ مُّدْخَلًا كَرِيْمًا ﴿٣١﴾

اے ایمان والو! مت کھاؤ اپنے آپس کے مال ناجائز طریقہ سے مگر یہ کہ ہو خرید وفروخت تمہاری آپس کی رضامندی سے اور اپنے آپ کو قتل نہ کرو یقیناً اللہ تعالیٰ تم پر نہایت مہربان ہے ○ اور جو شخص کرے گا یہ سرکشی اور ظلم تو عنقریب ہم اس کو داخل کریں گے آگ میں۔ اور یہ اللہ پر بالکل آسان ہے ○ اگر تم بچتے رہو گے ان بڑے گناہوں سے جن سے تم کو منع کیا جاتا ہے تو ہم تمہارے چھوٹے گناہ دور کر دیں گے اور عزت وبزرگی کی جگہ داخل کریں گے ○

خرید وفروخت کے شرعی قوانین: اللہ تعالیٰ اپنے ایماندار بندوں کو ایک دوسرے کے مال باطل کے ساتھ کھانے کی ممانعت فرما رہا ہے خواہ اس کمائی کے ذریعہ سے ہو جو شرعاً حرام ہے جیسے سود خوری قمار بازی اور ایسے ہی ہر طرح

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب کیف فرضت الصلاۃ فی الاسراء (٣٤٩) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الاسراء برسول اللّٰہ (١٦٣)]

کی حیلہ سازی چاہے اسے جواز کی شرعی صورت دے دی ہو اللہ کو خوب معلوم ہے کہ اصل حقیقت کیا ہے' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ ایک شخص کپڑا خریدتا ہے اور کہتا ہے اگر مجھے پسند آیا تو رکھ لوں گا ورنہ کپڑا اور ایک درہم واپس کردوں گا آپ نے اس آیت کی تلاوت کردی یعنی اسے باطل مال کھانے میں شامل کیا۔ [1] حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ آیت محکم ہے یعنی منسوخ نہیں نہ قیامت تک منسوخ ہوسکتی ہے' آپ سے مروی ہے کہ جب یہ آیت اتری تو مسلمانوں نے ایک دوسرے کے ہاں کھانا چھوڑ دیا جس پر یہ آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الْأَعْمَى﴾ [2] اتری ﴿تِجَارَةً﴾ کو ﴿تِجَارَةٌ﴾ بھی پڑھا گیا ہے۔ یہ استثناء منقطع ہے گویا یوں فرمایا جارہا ہے کہ حرمت والے اسباب سے مال نہ ہو ہاں شرعی طریق پر تجارت سے نفع اٹھانا جائز ہے جو خریدار اور بیچنے والے کی باہم رضامندی سے ہو۔ جیسے دوسری جگہ ہے کسی بے گناہ جان کو نہ مارو ہاں حق کے ساتھ ہو تو جائز ہے [3] اور جیسے دوسری آیت میں ہے وہاں موت نہ چکھیں گے مگر پہلی بار کی موت۔ [4] حضرت امام شافعی رحمہ اللہ اس آیت سے استدلال کر کے فرماتے ہیں خرید و فروخت بغیر قبولیت کے صحیح نہیں ہوتی اس لیے کہ رضامندی کی پوری سند یہی ہے کہ صرف لین دین کر لینا کبھی بھی رضامندی پر پوری دلیل نہیں بن سکتا اور جمہور اس کے برخلاف ہیں' تینوں اماموں کا قول ہے کہ جس طرح زبانی بات چیت رضامندی کی دلیل ہے اسی طرح لین دین بھی رضامندی کی دلیل ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ کم قیمت کی معمولی چیزوں میں تو صرف دینا لینا ہی کافی ہے اور اس طرح بیوپار کا جو طریقہ بھی ہو لیکن صحیح مذہب میں احتیاطی نظر سے تو بات چیت میں قبولیت کا ہونا اور بات ہے واللہ اعلم۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں خرید و فروخت ہو یا بخشش ہو سب کے لیے یہ حکم شامل ہے۔ ابن جریر کی مرفوع حدیث میں ہے تجارت ایک دوسرے کی رضامندی ہے اور بیوپار کے بعد اختیار ہے گویا کسی مسلمان کو جائز نہیں کہ دوسرے مسلمان کو تجارت کے نام سے دھوکہ دے' یہ حدیث مرسل ہے پوری رضامندی میں مجلس کے خاتمہ تک کا اختیار بھی ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں دونوں بائع مشتری جب تک جدا نہ ہوں با اختیار ہیں۔ [5] بخاری شریف میں ہے جب دو شخص خرید و فروخت کریں تو ہر ایک کو اختیار ہے جب تک الگ الگ نہ ہوں۔ [6] اسی حدیث کے مطابق امام احمد' امام شافعی اور ان کے سب ساتھیوں کا فتویٰ ہے۔ جمہور سلف و خلف رحمہم اللہ کا بھی یہی فتویٰ ہے اور اس پوری رضامندی میں شامل ہے خرید و فروخت کے تین دن بعد تک اختیار دینا رضامندی میں شامل

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸/۲۱۷)]
[2] [سورة النور: آیت ٦١]
[3] [سورة الانعام: آیت ٥١]
[4] [سورة الدخان : آیت ٥٦]
[5] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب کم یجوز الخیار (۲۱۰۸) صحیح مسلم : کتاب البیوع : باب الصدق فی البیع والبیان (۱۵۳۲)]
[6] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب اذا لم یوقت الخیار (۲۱۰۹، ۲۱۱۱) صحیح مسلم : کتاب البیوع : باب ثبوت خیار المجلس (۱۵۳۱) نسائی : کتاب البیوع : باب ذکر الاختلاف علی نافع (٤٤٨١) ابوداؤد : کتاب الاجارۃ : باب فی خیار المتبایعین (٣٤٥٤) مسند احمد (۲/۷۳)]

ہے۔ بلکہ یہ مدت گاؤں کی رسم کے مطابق سال بھر کی بھی ہوسکتی ہے امام مالک رحمہ اللہ کا مشہور مذہب یہی ہے گو اس کے نزدیک صرف لین دین سے ہی بیع صحیح ہو جاتی ہے۔ اور شافعی مذہب میں بھی ایک قول یہ ہے اور ان میں سے بعض فرماتے ہیں کہ معمولی کم قیمت چیزوں میں جنہیں لوگ بیوپار کے لیے رکھتے ہوں صرف لین دین ہی کافی ہے۔ بعض اصحاب کا اختیار سے مراد یہی ہے جیسے کہ متفق علیہ ہے۔

پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ کے بیان کردہ حرام کاموں کا ارتکاب کر کے اور اس کی نافرمانیاں کر کے اور ایک دوسرے کا بیجا طور پر مال کھا کر اپنے آپ کو ہلاک نہ کرو اللہ تم پر رحیم ہے ہر حکم اور ہر ممانعت رحمت والی ہے۔

احترام زندگی: مسند احمد میں ہے کہ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کو ذات السلاسل والے سال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھیجا تھا آپ فرماتے ہیں مجھے ایک رات احتلام ہو گیا سردی بہت سخت تھی یہاں تک کہ مجھے نہانے میں اپنی جان جانے کا خطرہ ہو گیا تو میں نے تیمّم کر کے اپنی جماعت کو صبح کی نماز پڑھائی جب وہاں سے واپس ہم لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے یہ واقعہ کہہ سنایا آپ نے فرمایا کیا تو نے اپنے ساتھیوں کو جنبی ہونے کی حالت میں نماز پڑھا دی؟ میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جاڑا سخت تھا اور مجھے اپنی جان جانے کا اندیشہ تھا تو مجھے یاد پڑا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اپنے تئیں ہلاک نہ کر ڈالو اللہ رحیم ہے پس میں نے تیمّم کر کے نماز صبح پڑھا دی تو آپ ہنس دیئے اور مجھے کچھ نہ فرمایا۔ [1] ایک روایت میں ہے کہ اور لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تب آپ کے دریافت کرنے پر حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما نے عذر پیش کیا۔ [2]

بخاری و مسلم میں ہے جو شخص کسی لوہے سے خودکشی کرے گا وہ قیامت تک جہنم کی آگ میں لوہے سے خودکشی کرتا رہے گا اور جو جان بوجھ کر مرجانے کی نیت سے زہر کھالے گا [3] وہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم کی آگ میں زہر کھاتا رہے گا اور روایت میں ہے کہ جو شخص اپنے تئیں جس چیز سے قتل کرے گا وہ قیامت والے دن اسی چیز سے عذاب کیا جائے گا۔ [4]

---

[1] [صحیح: بخاری تعلیقا : کتاب التیمم : باب اذا خاف الجنب علی نفسه (قبل الحدیث ۳۴۵) ابو داؤد : کتاب الطهارة : باب اذا خاف الجنب البرد (۳۳۴) مسند احمد (۲۰۳/٤) بیهقی (۲۲۵/۱) مستدرك حاکم (۱۷۷/۱)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو قوی کہا ہے۔[فتح الباری (٤٥٤/۱)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[ارواء الغلیل (۱۵٤)]

[2] [ضعیف جدا: اس کی سند میں یوسف بن خالد راوی سخت ضعیف ہے۔]

[3] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الطب : باب شرب السم والدواء به (۵۷۷۸) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسه (۱۰۹) ابن ماجه : کتاب الطب : باب النص عن الدواء الخبیث (۳٤٦۰) نسائی : کتاب الجنائز : باب ترك الصلاة علی من قتل نفسه (۱۹٦۷) ابو داؤد : کتاب الطب : باب فی الادوية (۳۸۷۲) ترمذی : کتاب الطب : باب ماجآء فیمن (۲۰٤۳۔ ۲۰٤٤) مسند احمد (۲۵٤/۲)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب ماجآء فی قاتل النفس (۱۳٦۳) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان غلظ تحریم قتل النفس (۱۱۰) ابو داؤد : کتاب الایمان والنذور : باب ماجآء فی الحلف بالبرأة (۳۲۵۷) مسند احمد (۳۳/٤)]

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ تم سے پہلے کے لوگوں میں سے ایک شخص کو زخم لگے اس نے چھری سے اپنا ہاتھ کاٹ ڈالا تمام خون بہہ گیا اور وہ اسی میں مر گیا تو اللہ عزوجل نے فرمایا میرے بندے نے اپنے تئیں فنا کرنے میں جلدی کی اسی وجہ سے میں نے اس پر جنت کو حرام کیا[1] اسی لیے اللہ تعالیٰ یہاں فرماتا ہے جو شخص بھی ظلم وزیادتی کے ساتھ حرام جانتے ہوئے اس کا ارتکاب کرے دلیرانہ طور سے حرام پر کاربند رہے وہ جہنمی ہے' پس ہر عقل مند کو اس سخت تنبیہ سے ڈرنا چاہیے دل کے کان کھول کر اللہ تعالیٰ کے اس فرمان کو سن کر حرام کاریوں سے اجتناب کرنا چاہیے۔

پھر فرماتا ہے کہ اگر تم بڑے بڑے گناہوں سے بچتے رہو گے تو ہم تمہارے چھوٹے چھوٹے گناہ معاف فرما دیں گے اور تمہیں جنتی بنا دیں گے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً مروی ہے کہ اس طرح کی کوئی سخت وعید نہیں ملی جس کی تعمیل میں تمہیں اپنے اہل ومال سے الگ ہو جانا چاہیے۔ پھر ہم اس کے لیے اپنے اہل و مال سے جدا نہ ہو جائیں کہ وہ ہمارے کبیرہ گناہوں کو ہمارے چھوٹے موٹے گناہوں سے معاف فرماتا ہے پھر اس آیت کی تلاوت کی۔ اس آیت کے متعلق بہت سی حدیثیں بھی ہیں تھوڑی بہت ہم یہاں بیان کرتے ہیں۔ مسند احمد میں حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جانتے ہو جمعہ کا دن کیا ہے؟ میں نے جواب دیا کہ یہ وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے ہمارے باپ کو پیدا کیا آپ نے فرمایا مگر اب جو میں جانتا ہوں وہ بھی سن لو جو شخص اس دن اچھی طرح غسل کر کے نماز جمعہ کے لیے مسجد میں آئے اور نماز ختم ہونے تک خاموش رہے تو اس کا یہ عمل اگلے جمعہ تک کے گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے جب تک کہ وہ قتل سے بچا ہوا ہے۔[2] ابن جریر میں ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے خطبہ سناتے ہوئے فرمایا اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تین مرتبہ یہی فرمایا پھر سر نیچا کر لیا اور ہم نے بھی سر نیچا کر لیا اور ہم لوگ سب رونے لگے ہمارے دل کانپنے لگے کہ اللہ جانے اللہ کے رسول ﷺ نے کس چیز کے لیے قسم کھائی ہے اور پھر کیوں خاموشی اختیار کی ہے؟ تھوڑی دیر کے بعد آپ نے سر اٹھایا اور آپ کا چہرہ بشاش تھا جس سے ہم اس قدر خوش ہوئے کہ اگر ہمیں سرخ رنگ کے اونٹ ملتے تو اس قدر خوش نہ ہوتے' اب آپ فرمانے لگے جو بندہ پانچوں نمازیں پڑھے' رمضان کے روزے رکھے' زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور سات کبیرہ گناہوں سے بچا رہے اس کے لیے جنت کے سب دروازے کھل جائیں گے اور اسے کہا جائے گا کہ سلامتی کے ساتھ اس میں داخل ہو جاؤ۔[3]

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب ماجآء فی قاتل النفس (١٣٦٤) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب غلظ تحریم قتل الانسان نفسه (١١٣)]

[2] [حسن : مسند احمد (٥/٤٣٩) طبرانی کبیر (٦٠٨٩)] امام ہیثمی اور شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (٢/١٧٤) صحیح الترغیب (٦٨٩)] مزید اس کے شواھد کے لیے دیکھیں : صحیح بخاری (٩١٠) نسائی (١٤٠٤)]

[3] [ضعیف : نسائی : کتاب الزکاة : باب وجوب الزکاة (٢٤٤٠) تفسیر ابن جریر الطبری (٩١٨٦) بخاری فی التاریخ الکبیر (٤/٣١٦) مستدرك حاکم (٢/٢٤٠) المزی فی تهذیب الکمال (١٣/٢٤٥) صحیح ابن خزیمة (٣١٥) بیهقی فی السنن الکبری (١٠/١٨٧)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف نسائی ، التعلیق الرغیب (١/١٤٠)]

سات ہلاک کرنے والے گناہ: جن سات گناہوں کا اس میں ذکر ہے ان کی تفصیل بخاری و مسلم کی حدیث میں اس طرح ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا گناہوں سے بچو جو ہلاک کرنے والے ہیں پوچھا گیا کہ حضور ﷺ وہ کون سے گناہ ہیں؟ فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا اور جس کا قتل حرام ہوا سے قتل کرنا ہاں کسی شرعی وجہ سے اس کا خون حلال ہو گیا ہو تو اور بات ہے۔ جادو کرنا' سود کھانا اور یتیم کا مال کھانا اور میدان جنگ سے کفار کے مقابلے میں پیٹھ دکھانا اور بھولی بھالی پاک دامن مسلمان عورتوں کو تہمت لگانا۔ [1] ایک روایت میں جادو کے بدلے ہجرت کر کے پھر واپس اپنے دیس میں قیام کر لینا ہے۔ [2] یہ یاد رہے کہ ان سات گناہوں کو کبیرہ کہنے سے یہ مطلب نہیں کہ کبیرہ گناہ صرف یہی ہیں جیسے کہ بعض اور لوگوں کا خیال ہے جن کے نزدیک مفہوم مخالف معتبر ہے۔ دراصل یہ بہت انتہائی بے معنی قول اور غلط اصول ہے بالخصوص اس وقت جبکہ اس کے خلاف دلائل موجود ہوں اور یہاں تو صاف لفظوں میں اور کبیرہ گناہوں کا بھی ذکر موجود ہے۔ مندرجہ ذیل حدیثیں ملاحظہ ہوں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حجۃ الوداع میں رسول مقبول ﷺ نے فرمایا لوگو سن لو اللہ تعالیٰ کے ولی صرف نمازی ہی ہیں جو پانچوں وقت کی فرض نمازوں کو باقاعدہ بجالاتے ہیں جو رمضان شریف کے روزے رکھتے ہیں فرض جان کر اور ثواب حاصل کرنے کی نیت رکھ کر ہنسی خوشی زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور ان تمام کبیرہ گناہوں سے دور رہتے ہیں جن سے اللہ تعالیٰ نے روک دیا ہے۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ وہ کبیرہ گناہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا شرک' قتل' میدان جنگ سے بھاگنا' مال یتیم کھانا' سود خوری' پاکدامنوں پر تہمت لگانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' بیت اللہ الحرام کی حرمت کو توڑنا جو زندگی اور موت میں تمہارا قبلہ ہے سنو جو شخص مرتے دم تک ان بڑے گناہوں سے اجتناب کرتا رہے اور نماز زکوٰۃ کی پابندی کرتا رہے وہ نبی ﷺ کے ساتھ جنت میں سونے کے محلوں میں ہوگا۔ [3]

حضرت طیسلہ بن میاس رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھ سے ایک گناہ ہو گیا جو میرے نزدیک کبیرہ تھا' میں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا وہ کبیرہ گناہ نہیں کبیرہ گناہ نو ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا' کسی کو بلاوجہ مار ڈالنا' میدان جنگ میں دشمنان دین کو پیٹھ دکھانا' پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانا' سود کھانا' یتیم کا مال ظلم سے کھا جانا' مسجد حرام میں الحاد پھیلانا اور جادو جائز جاننا اور ماں باپ کو نافرمانی کے سبب رلانا' حضرت

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الوصایا (۲۷٦٦) و کتاب الطب (۵۷٦٤) و کتاب الحدود : باب رمی المحصنات (٦۸۵۷) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان الکبائر واکبرھا (۸۹) نسائی : کتاب الوصایا : باب اجتناب اکل مال الیتیم (۳۷۰۱) ابوداؤد : کتاب الوصایا : باب ماجآء فی التشدید فی اکل مال الیتیم (۲۸۷٤)]

[2] [ضعیف بزار فی کشف الاستار (۱۰۹) تفسیر ابن ابی حاتم (۵۲۰۲/۳) الدر المنثور للسیوطی (۲٦۲/۲) فتح الباری (۱۸۲/۱۲)] اس کی سند میں عمر بن ابی سلمہ راوی ضعیف ہے۔]

[3] [حسن ابوداؤد : کتاب الوصایا : باب ماجآء فی التشدید فی اکل مال الیتیم (۲۸۷۵) نسائی : کتاب تحریم الدم : باب ذکر الکبائر (٤۰۱۷) تفسیر ابن ابی حاتم (۵۲۰۰/۳) العقیلی فی الضعفاء (٤۵/۳) المزی فی تهذیب الکمال (٤۳۸/۱٦) مستدرك حاکم (۵۹/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

طیسلہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بیان کے بعد بھی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے محسوس کیا کہ خوف کم نہیں ہوا تو فرمایا کیا تمہارے دل میں جہنم کی آگ میں داخل ہونے کا ڈر اور جنت میں جانے کی چاہت ہے؟ میں نے کہا بہت زیادہ فرمایا کیا تمہارے ماں باپ زندہ ہیں؟ میں نے کہا صرف والدہ حیات ہیں' فرمایا تم ان سے نرم کلامی سے بولا کرو اور انہیں کھانا کھلاتے رہا کرو اور ان کبیرہ گناہوں سے بچتے رہا کرو تو تم یقیناً جنت میں جاؤ گے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت طیسلہ بن علی نہدی حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے میدان عرفات میں عرفہ کے دن پیلو کے درخت تلے ملے تھے اس وقت حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اپنے سر اور چہرے پر پانی بہا رہے تھے اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے تہمت لگانے کا ذکر کیا تو میں نے پوچھا کیا یہ بھی مثل قتل کے بہت بڑا گناہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں اور ان گناہوں کے ذکر میں جادو کا ذکر بھی ہے۔ ① اور روایت میں ہے کہ میری ان کی ملاقات شام کے وقت ہوئی تھی اور میں نے ان سے کبائر کے بارے میں سوال کیا تو انہوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ کبائر سات ہیں میں نے پوچھا کیا کیا؟ تو فرمایا شرک اور تہمت لگانا میں نے کہا کیا یہ بھی مثل خون ناحق کے ہے؟ فرمایا ہاں ہاں اور کسی مومن کو بے سبب مار ڈالنا' لڑائی سے بھاگنا' جادو اور سود خوری' مال یتیم کھانا' والدین کی نافرمانی اور بیت اللہ میں الحاد پھیلانا جو زندگی میں اور موت میں تمہارا قبلہ ہے۔ ②

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ کا بندہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے نماز قائم رکھے زکوٰۃ ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اور کبیرہ گناہوں سے بچے وہ جنتی ہے' ایک شخص نے پوچھا کبائر کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا مسلمان کو قتل کرنا لڑائی والے دن بھاگ کھڑا ہونا۔ ③ ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل یمن کو ایک کتاب لکھوا کر بھجوائی جس میں فرائض اور سنن کی تفصیلات تھیں دیت یعنی جرمانوں کے احکام تھے اور یہ کتاب حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے ہاتھ اہل یمن کو بھجوائی گئی تھی اس کتاب میں یہ بھی تھا کہ قیامت کے دن تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ یہ ہے کہ انسان اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرے اور ایماندار شخص کا قتل بغیر حق کے کرنا اور اللہ کی راہ میں جہاد کے میدان میں جا کر لڑتے ہوئے نامردی سے جان بچانے کی خاطر بھاگ کھڑا ہونا اور ماں باپ کی نافرمانی کرنا اور نا کردہ گناہ عورتوں پر الزام لگانا اور جادو سیکھنا اور سود کھانا اور مال یتیم برباد کرنا۔ ④ ایک اور روایت میں کبیرہ گناہوں کے بیان میں جھوٹی بات یا جھوٹی شہادت بھی ہے ⑤ اور

---

① [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۹۱۸۹)] اس کی سند میں ایوب راوی ضعیف ہے۔]

② [أيضا]

③ [حسن بالشواهد : مسند احمد (۴۱۳/۵) طبرانی کبیر (۳۸۸۵/٤) نسائی (۸۸/۷) وفی الکبری (۸٦۵۵)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس روایت کو حسن کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۲۳۵۰٦)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

④ [صحيح بالشواهد : مستدرك حاكم (۳۹۵/۱) صحيح ابن حبان (٦۵۲۵)]

⑤ [صحيح : صحيح بخاری : كتاب الادب : باب عقوق الوالدين من الكبائر (۵۹۷۷) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب الكبائر واكبرها (۸۸)]

حدیث میں ہے کہ کبیرہ گناہوں کے بیان کے وقت آپ ٹیک لگا کر بیٹھے ہوئے تھے لیکن جب یہ بیان فرمایا کہ جھوٹی گواہی اور جھوٹ بات اس وقت آپ تکیے سے ہٹ گئے اور بڑے زور سے اس بات کا بیان فرمایا اور بار بار اسی کو دہراتے رہے یہاں تک کہ ہم نے دل میں کہا اب تو آپ نہ دوہرائیں۔ [1] بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے جناب رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا کہ تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک کرے یہ جانتے ہوئے کہ تجھے صرف اسی نے پیدا کیا ہے؟ میں نے پوچھا اس کے بعد؟ فرمایا یہ کہ تو اپنے بچے کو اس ڈر سے قتل کر دے کہ وہ تیرے ساتھ کھائے گا' میں نے پوچھا پھر کون سا گناہ بڑا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے بدکاری کرے پھر حضور ﷺ نے یہ آیت ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰهًا اٰخَرَ﴾ سے ﴿اِلَّا مَنْ تَابَ﴾ [2] تک پڑھی۔ [3]

ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ مسجد الحرام میں حطیم کے اندر بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص نے شرابی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے فرمایا مجھ جیسا بوڑھا بڑی عمر کا آدمی اس جگہ بیٹھ کر اللہ کے رسول ﷺ پر جھوٹ نہیں بول سکتا شراب کا پینا تمام گناہوں سے بڑا گناہ ہے؟ یہ کام تمام خباثتوں کی ماں ہے شرابی تارک نماز ہوتا ہے وہ اپنی ماں اور خالہ اور پھوپھی سے بھی بدکاری کرنے سے نہیں چوکتا [4] یہ حدیث غریب ہے۔

ابن مردویہ میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت عمر فاروق اور دوسرے بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم ایک مرتبہ ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے وہاں کبیرہ گناہوں کا ذکر نکلا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ تو کسی کے پاس مصدقہ جواب نہ تھا اس لیے انہوں نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو بھیجا کہ تم جا کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے دریافت کر آؤ میں گیا تو انہوں نے جواب دیا کہ سب سے بڑا گناہ شراب پینا ہے میں نے واپس آ کر اس مجلس میں یہ جواب سنا دیا اس پر اہل مجلس کو تسکین نہ ہوئی اور سب حضرات اٹھ کر حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کے گھر چلے اور خود ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بیان کیا کہ لوگوں نے نبی ﷺ کے سامنے ایک واقعہ بیان کیا کہ بنی اسرائیل کے بادشاہوں میں سے ایک نے ایک شخص کو گرفتار کیا پھر اس سے کہا کہ یا تو تُو اپنی جان سے ہاتھ دھو ڈال یا ان کاموں میں سے کسی ایک کو کر یعنی یا تو شراب پی یا خون ناحق کر یا زنا کر یا سور کا گوشت کھا اس نے غور و تفکر کے بعد جان جانے کے ڈر سے شراب کو ہلکی چیز سمجھ کر پینا منظور کر لیا جب شراب پی لی تو پھر نشہ میں

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الشهادات : باب ماقیل فی شهادة الزور (٢٦٥٤) و کتاب الادب (٥٩٧٦) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان الکبائر واکبرها (٨٧) ترمذی (١٩٠١)]

[2] [سورة الفرقان : آیت ٦٨۔ ٧٠]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الادب : باب قتل الولا خشیة ان یاکل معه (٦٠٠١) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان کو ن الشرك اقبح الذنوب (٨٦) نسائی فی السنن الکبری (٣٤٧٨) مسند احمد (٤٣١/١)]

[4] [حسن : تفسیر ابن ابی حاتم (٥١٩٧/٣) طبرانی کبیر (١١٣٧٢۔ ١١٤٩٨) طبرانی اوسط (٣٢٨٥)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ابوامیہ راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (٦٧/٥)] تاہم شیخ البانیؒ نے اسے حسن قرار دیا ہے۔[السلسلة الصحیحة (١٨٠٣)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

وہ ان تمام کاموں کو کر گذرا جن سے وہ پہلے رکا تھا حضور ﷺ نے یہ واقعہ گوش گذار فرما کر ہم سے فرمایا جو شخص شراب پیتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی نمازیں چالیس رات تک قبول نہیں فرماتا اور جو شراب پینے کی حالت میں ہی مرجائے اور اس کے مثانہ میں تھوڑی سی شراب ہو اس پر اللہ جنت کو حرام کر دیتا ہے۔ اگر شراب پینے کے بعد چالیس راتوں کے اندر اندر مرے تو اس کی موت جاہلیت کی موت ہوتی ہے' ① یہ حدیث غریب ہے' ایک اور حدیث میں جھوٹی قسم کو بھی رسول اللہ ﷺ نے کبیرہ گناہوں میں شمار فرمایا ہے۔ ② (بخاری وغیرہ) ابن ابی حاتم میں جھوٹی قسم کے بیان کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ جو شخص اللہ کی قسم کھا کر کوئی بات کہے اور اس نے مچھر کے پر برابر زیادتی کی اس کے دل میں ایک سیاہ داغ ہو جاتا ہے جو قیامت تک باقی رہتا ہے۔ ③

ابن ابی حاتم میں ہے کہ انسان کا اپنے ماں باپ کو گالی دینا کبیرہ گناہ ہے لوگوں نے پوچھا حضور ﷺ اپنے ماں باپ کو کیسے گالی دے گا؟ آپ نے فرمایا اس طرح کہ اس نے دوسرے کے باپ کو گالی دی اس نے اس کے باپ کو اس نے اس کی ماں کو برا کہا اس نے اس کی ماں کو۔ بخاری شریف میں ہے سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے کہ آدمی اپنے ماں باپ پر لعنت کرے لوگوں نے کہا یہ کیسے ہو سکتا ہے فرمایا دوسرے کے ماں باپ کو کہہ کر اپنے ماں باپ کو کہلوانا۔ ④ صحیح حدیث میں ہے مسلمان کو گالی دینا فاسق بنا دیتا ہے اور اسے قتل کرنا کفر ہے۔ ⑤ ابن ابی حاتم میں ہے کہ اکبر الکبائر یعنی تمام کبیرہ گناہوں میں بڑا گناہ کسی مسلمان کی آبروریزی کرنا ہے اور ایک گالی کے

---

① [حسن : طبرانی اوسط (٣٦٥) مستدرك حاكم (١٤٧/٤)] امام حاکمؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔ امام منذریؒ نے طبرانی کی سند کو حسن کہا ہے۔ [الترغیب (٢٨٥/٣)] امام ہیثمیؒ نے بھی اس کے راویوں کو صحیح کے رواۃ قرار دیا ہے سوائے داؤد بن صالح کے اور فرماتے ہیں کہ وہ بھی ثقہ ہے۔ [مجمع الزوائد (٨١٧٣)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

② [صحیح : صحیح بخاری : كتاب الايمان والنذور : باب اليمين الغموس (٦٦٧٥) و كتاب الديات (٦٨٧٠) نسائی : كتاب تحريم الدم : باب ذكر الكبائر (٤٠١٦) ترمذی : كتاب تفسير القرآن (٣٠٢١) مسند احمد (٢٠١/٢)]

③ [حسن : ترمذی : كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة النسآء (٣٠٢٠) مستدرك حاكم (٢٩٦/٤) ابو نعيم فی الحلية (٣٢٧/٧) مسند احمد (٤٩٥/٣) تفسير ابن ابی حاتم (٥١٩٩/٣) الدر المنثور للسيوطی (٢٦٣/٢) طبرانی اوسط (٣٢٣٧/٣)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے۔ امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ [فتح الباری (١١٠/١٠)] شیخ البانیؒ بھی اسے حسن کہتے ہیں [المشكاة (٣٧٧٧)]

④ [صحیح : صحیح بخاری : كتاب الأدب : باب لا يسب الرجل والدية (٥٩٧٣) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب الكبائر واكبرها (٩٠) ترمذی : كتاب البر والصلة : باب ماجآء فی عقوق الوالدين (١٩٠٢) ابوداؤد : كتاب الادب : باب فی برالوالدين (٥١٤١) مسند احمد (٢١٤/٢)]

⑤ [صحیح : صحیح بخاری : كتاب الايمان : باب خوف المؤمن من ان يحبط عمله (٤٨) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب بيان قول النبی سباب المسلم (٦٤) نسائی : كتاب التحريم : باب قتال المسلم (٤١٠٩) ابن ماجه : مقدمه (٦٩) مسند احمد (٣٨٥/١)]

بدلے دو گالیاں دینا ہے۔[1]

ترمذی میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس شخص نے دو نمازوں کو عذر کے بغیر جمع کیا وہ کبیرہ گناہوں کے دروازوں میں سے ایک دروازے میں گھسا۔[2] ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی کتاب جو ہمارے سامنے پڑھی گئی اس میں یہ بھی تھا کہ دو نمازیں بغیر شرعی عذر کے جمع کرنا کبیرہ گناہ ہے' اور لڑائی کے میدان سے بھاگ کھڑا ہونا اور لوٹ کھسوٹ کرنا بھی کبیرہ گناہ ہے' الغرض ظہر عصر یا مغرب عشاء پہلے وقت یا پچھلے وقت بغیر کسی شرعی رخصت کے جمع کر کے پڑھنا کبیرہ گناہ ہے۔ پھر جو شخص کہ بالکل ہی نہ پڑھے اس کے گناہ کا تو کیا ٹھیک ہے؟ چنانچہ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ بندے اور شرک کے درمیان نماز کا چھوڑ دینا ہے'[3] سنن کی ایک حدیث میں ہے کہ ہم میں اور کافر میں فرق کرنے والی چیز نماز کا چھوڑ دینا ہے' جس نے اسے چھوڑا اس نے کفر کیا'[4]۔ اور روایت میں آپ کا یہ فرمان بھی منقول ہے کہ جس نے عصر کی نماز ترک کر دی اس کے اعمال غارت ہوئے[5] اور حدیث میں ہے' جس سے عصر کی نماز فوت ہوئی گویا اس کا مال اس کا اہل و عیال سبھی ہلاک ہو گئے۔[6]

ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ کبیرہ گناہ کیا کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا' اللہ کی نعمت اور اس کی رحمت سے ناامید ہونا اور اس کی خفیہ تدبیروں سے بے خوف ہو جانا اور یہ سب سے بڑا گناہ ہے۔[7] اسی کے مثل ایک روایت اور بھی بزار میں مروی ہے لیکن زیادہ ٹھیک یہ ہے کہ وہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ پر موقوف ہے۔ ابن مردویہ میں ہے حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سب سے کبیرہ

---

[1] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی الغیبة (٤٨٧٧)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود ، التعلیق الترغیب (٣/٢٩٦)]

[2] [ضعیف : ترمذی : کتاب الصلاة : باب ماجآء فی الجمع بین الصلاتین (١٨٨) بیھقی (٣/١٦٩) مستدرك حاكم (١/٢٧٥)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔[(٢/١٠١)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔[ضعیف ترمذی ، السلسلة الضعیفة (٤٥٨١)] اس کی سند میں ابوعلی رجبی راوی ضعیف ہے۔]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترك الصلاة (٨٢)]

[4] [صحیح : ترمذی : کتاب الایمان : باب ماجآء فی ترك الصلاة (٢٦٢١) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلاة : باب ماجآء فیمن ترك الصلاة (١٠٧٩) نسائی : کتاب الصلاة : باب الحکم فی تارك الصلاة (٤٦٤) مسند احمد (٥/٣٤٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المشکاة (٧٥٤)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب مواقیت الصلاة : باب من ترك العصر (٥٥٣) ابن ماجه (٦٩٤)]

[6] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب مواقیت الصلاة : باب اثم من فاقة العصر (٥٥٢) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب التغلیظ فی تفویت صلاة العصر (٦٢٦) ابن ماجه : کتاب الصلاة : باب المحافظة علی صلاة العصر (٦٨٥) نسائی : کتاب المواقیت : باب التشدید فی تأخیر العصر (٥١٣)]

[7] [حسن : تفسیر ابن ابی حاتم (٣/٥٢٠١) بزار فی کشف الاستار (١٠٦)] امام سیوطیؒ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔[الدر المنثور (٢/٢٦٤)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

گناہ اللہ عزوجل کے ساتھ بدگمانی کرنا ہے[1] یہ روایت بہت ہی غریب ہے پہلے وہ حدیث بھی گذر چکی ہے جس میں ہجرت کے بعد کفرستان میں آ کر بسنے کو بھی کبیرہ گناہ فرمایا ہے یہ حدیث ابن مردویہ میں ہے سات کبیرہ گناہوں میں اسے بھی گنا گیا ہے[2] لیکن اس کی اسناد میں اختلاف ہے اور اسے مرفوع کہنا بالکل غلط ہے ٹھیک بات وہی ہے جو تفسیر ابن جریر میں مروی ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کوفے کی مسجد میں ایک مرتبہ منبر پر کھڑے ہو کر لوگوں کو خطبہ سنا رہے تھے جس میں فرمایا لوگو کبیرہ گناہ سات ہیں اسے سن کر لوگ چیخ اٹھے آپ نے اسی کو پھر دوہرایا پھر دوہرایا پھر فرمایا تم مجھ سے ان کی تفصیل کیوں نہیں پوچھتے؟ لوگوں نے کہا امیر المومنین فرمایئے وہ کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شرک کرنا' جس جان کو مار ڈالنا اللہ نے حرام کیا ہے اسے مار ڈالنا' پاکدامن عورتوں پر تہمت لگانا' یتیم کا مال کھانا' سود خوری کرنا' لڑائی کے دن پیٹھ دکھانا اور ہجرت کے بعد پھر دارالکفر میں آ بسنا۔ راوی حدیث حضرت محمد بن سہل رحمہ اللہ نے اپنے والد حضرت سہل بن خیثمہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ اسے کبیرہ گناہوں میں کیسے داخل کیا تو جواب ملا کہ پیارے بچے اس سے بڑھ کر ستم کیا ہوگا؟ کہ ایک شخص ہجرت کر کے مسلمانوں میں ملے مال غنیمت میں اس کا حصہ مقرر ہو جائے مجاہدین میں اس کا نام درج کر دیا جائے پھر وہ ان تمام چیزوں کو چھوڑ کر اعرابی بن جائے اور دارالکفر میں چلا جائے اور جیسا تھا ویسا ہی ہو جائے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا خبردار ہو جاؤ وہ چار ہیں۔ خبردار اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو خون ناحق سے بچو (ہاں شرعی اجازت اور چیز ہے) زناکاری نہ کرو چوری نہ کرو۔[3] وہ حدیث پہلے گذر چکی ہے جس میں ہے کہ وصیت کرنے میں کسی کو نقصان پہنچانا بھی کبیرہ گناہ ہے[4] ابن جریر میں ہے کہ صحابہ نے ایک مرتبہ کبیرہ گناہوں کو دہرایا کہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا' یتیم کا مال کھانا' لڑائی سے بھاگ کھڑا ہونا' پاکدامن بے گناہ عورتوں پر تہمت لگانا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' جھوٹ بولنا' دھوکہ دینا' خیانت کرنا' جادو کرنا' سود کھانا' یہ سب کبیرہ گناہ ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور اس گناہ کو کیا کہو گے؟ جو لوگ اللہ کے عہد اور اپنی

---

[1] [ضعیف : حافظ ابن حجرؒ اور امام عجلونیؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [فتح الباری (۱۰/۴۱۱) کشف الخفاء (۱/۱۵۹)] اس کی سند میں ابو حذیفہ بخاری راوی (جس کا نام اسحٰق بن بشر ہے) بھی ضعیف ہے۔ امام ابن جوزیؒ نے فرمایا ہے کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ یہ کذاب ہے۔ امام ابن مدینیؒ، امام ابن عدیؒ اور امام دار قطنیؒ نے بھی اسے کذاب کہا ہے۔ [الکامل لابن عدی (۱/۳۳۱)]

[2] [ضعیف : طبرانی کبیر (۱/۱۰۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۹۱۸۰) مجمع الزوائد (۱/۱۰۸)] اس کی سند میں ابن لھیعہ راوی ضعیف ہے۔]

[3] [حسن : مسند احمد (۴/۳۳۹) نسائی فی السنن الکبری. (۶/۱۱۳۷۳) ابن ابی عاصم فی السنة (۲/۹۷۰) طبرانی کبیر (۷/۶۳۱۶)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ [مجمع الزوائد (۱/۱۰۹)] امام حاکمؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [المستدرک (۴/۳۵۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [ضعیف : دارقطنی (۴/۱۵۱)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

قسموں کو تھوڑی تھوڑی قیمت پر بیچتے پھرتے ہیں آخر آیت تک آپ نے تلاوت کی۔ [1] اس کی اسناد میں ضعف ہے اور یہ حدیث حسن ہے' پس ان تمام احادیث میں کبیرہ گناہوں کا ذکر موجود ہے۔

اب اس بارے میں سلف صالحین رحمۃ اللہ علیہم کے جو اقوال ہیں وہ ملاحظہ ہوں' ابن جریر میں منقول ہے چند لوگوں نے مصر میں حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے پوچھا کہ بہت سی باتیں کتاب اللہ میں ہم ایسی پاتے ہیں کہ جن پر ہمارا عمل نہیں اس لیے ہم امیر المومنین حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس بارے میں دریافت کرنا چاہتے ہیں' حضرت عبداللہ بن عمرو انہیں لے کر مدینہ آئے آپ سے ملے آپ نے پوچھا کب آئے ہو؟ جواب دیا کہ چند دن ہوئے۔ پوچھا اجازت سے آئے ہو؟ اس کا جواب دیا پھر اپنے ساتھ آنے والے لوگوں کا ذکر اور مقصد بیان کیا آپ نے فرمایا انہیں جمع کرو سبھی کو ان کے پاس لائے۔ پھر ان کے پاس آئے پھر ان میں سے ایک سے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے پوچھا تجھے اللہ اور اسلام حق کی قسم بتاؤ تم نے پورا قرآن کریم پڑھا ہے؟ اس نے کہا ہاں فرمایا کیا تو نے اسے اپنے دل میں محفوظ کر لیا ہے اسنے کہا نہیں اور اگر ہاں کہتا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ اسے کما حقہ دلائل سے عاجز کر دیتے پھر فرمایا کیا تم سب نے قرآن حکیم کے مفہوم کو نگاہوں میں زبان میں اور اعمال میں ڈھال لیا ہے پھر ایک ایک سے یہی سوال کیا پھر فرمایا تم عمر کو اس مشقت میں ڈالنا چاہتے ہو کہ لوگوں کو بالکل کتاب اللہ کے مطابق ہی ٹھیک ٹھاک کر دے' ہمارے رب کو پہلے سے ہی ہماری خطاؤں کا علم تھا پھر آپ نے آیت ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا﴾ الخ' کی تلاوت کی۔ پھر فرمایا کیا اہل مدینہ کو تمہارے آنے کا مقصد معلوم ہے؟ انہوں نے کہا نہیں فرمایا اگر انہیں بھی اس کا علم ہوتا تو مجھے اس بارے میں انہیں بھی وعظ کرنا پڑتا۔ اس کی اسناد حسن ہیں اور متن بھی حسن ہے گو یہ روایت حسن رحمہ اللہ کی حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے جس میں انقطاع ہے لیکن اتنے سے نقصان کو اس کی پوری شہرت کافی ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ یہ ہیں اللہ کے ساتھ شریک کرنا' کسی کو مار ڈالنا' یتیم کا مال کھانا' پاکدامن عورتوں کو تہمت لگانا' لڑائی سے بھاگ جانا' ہجرت کے بعد دار الکفر میں قیام کر لینا' جادو کرنا' ماں باپ کی نافرمانی کرنا' سود کھانا' جماعت سے جدا ہونا' خرید و فروخت کا عہد توڑ دینا' پہلے گذر چکا ہے کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں بڑے سے بڑا گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی کشادگی سے مایوس ہونا اور اللہ کی رحمت سے ناامید ہونا ہے اور اللہ عزوجل کی پوشیدہ تدبیروں سے بے خوف ہونا ہے۔ ابن جریر میں آپ ہی سے روایت ہے کہ سورۂ نساء کی شروع آیت سے لے کر تیس آیتوں تک کبیرہ گناہ کا بیان ہے پھر آپ نے آیت ﴿إِنْ تَجْتَنِبُوْا﴾ الخ' کی تلاوت کی۔

حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ اللہ کے ساتھ شریک کرنا' ماں باپ کو ناخوش کرنا' آسودگی کے بعد کے بچے ہوئے پانی کو حاجت مندوں سے روک رکھنا' اپنے پاس کے نر جانور کو کسی کی مادہ کے لیے بغیر کچھ لیے نہ دینا' بخاری و مسلم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے بچا ہوا پانی نہ روکا جائے اور نہ بچی ہوئی گھاس روکی جائے' [2] اور

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۹۲۲۷)] اس کی سند میں جعفر بن زبیر راوی کذاب ہے۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: كتاب المساقاة: باب من قال ان صاحب الماء احق بالماء (۲۳۵۳) صحیح مسلم: كتاب المساقاة: باب تحريم بيع فضل الماء (۱۵۶۶) ترمذی: كتاب البیوع: باب ماجاء في بيع فضل الماء (۱۲۷۲) مسند احمد (۲/۲۴۴)]

روایت میں ہے تین قسم کے گنہگاروں کی طرف قیامت کے دن اللہ تعالیٰ نظر رحمت سے نہ دیکھے گا اور نہ انہیں پاک کرے گا بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہیں ایک وہ شخص جو جنگل میں بچے ہوئے پانی پر قبضہ کر کے مسافروں کو اس سے روکے۔ ① مسند احمد میں ہے جو شخص زائد پانی کو اور زائد گھاس کو روکے رکھے اللہ قیامت کے دن اس پر اپنا فضل نہیں کرے گا۔ ② حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کبیرہ گناہ وہ ہیں جو عورتوں سے بیعت لینے کے ذکر میں بیان ہوئے ہیں یعنی آیت ﴿عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا﴾ ③ الخ میں۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اس آیت کو اللہ تعالیٰ کے عظیم الشان احسانوں میں بیان فرماتے ہیں اور اس پر بڑی خوشنودی کا اظہار فرماتے ہیں یعنی آیت ﴿اِنْ تَجْتَنِبُوْا﴾ کو۔ ایک مرتبہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے سامنے لوگوں نے کہا کبیرہ گناہ سات ہیں آپ نے کئی کئی مرتبہ فرمایا سات سے بھی زیادہ ہیں دوسری روایت میں ہے آپ نے فرمایا سات ہلکا درجہ ہے ورنہ ستر ہیں ایک اور شخص کے کہنے پر آپ نے فرمایا وہ سات سو تک ہیں اور سات بہت ہی قریب ہیں ہاں یہ یاد رکھو کہ استغفار کے بعد کبیرہ گناہ کبیرہ نہیں رہتا اور اصرار ہمیشگی اور دوام کرنے سے صغیرہ گناہ صغیرہ نہیں رہتا' اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا جس گناہ پر بھی جہنم کی وعید ہے اللہ تعالیٰ کے غضب یا لعنت یا عذاب کی وعید ہے وہ کبیرہ گناہ ہے اور روایت میں ہے جس کام سے اللہ منع فرمائے اس کا کرنا کبیرہ گناہ ہے یعنی جس کام میں بھی اللہ عزوجل کی نافرمانی ہو وہ بڑا گناہ ہے۔

تابعین کے اقوال بھی ملاحظہ ہوں۔ عبیدہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کبیرہ گناہ یہ ہیں اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرنا' قتل نفس بغیر حق' میدان جہاد میں پیٹھ پھیرنا' یتیم کا مال اڑانا' سود خوری' بہتان بازی' ہجرت کے بعد وطن دوستی' راوی حدیث ابن عون نے اپنے استاد محمد سے پوچھا کیا جادو کبیرہ گناہ میں نہیں؟ فرمایا یہ بہتان میں آ گیا' یہ لفظ بہت سی برائیوں پر مشتمل ہے' حضرت عبید بن عمیر رحمہ اللہ نے کبیرہ گناہوں پر آیات قرآنی بھی تلاوت کر کے سنائیں شرک پر ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ﴾ ④ الخ' یعنی اللہ کے ساتھ شرک کرنے والا گویا آسمان سے گر پڑا اور اسے پرندے لپک لے جائیں یا ہوا اسے دور دراز نامعلوم اور بدترین جگہ پھینک دے۔ یتیم کے مال پر ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا﴾ ⑤ الخ یعنی جو لوگ ظلم سے یتیموں کا مال ہڑپ کر لیتے ہیں وہ سب پیٹ میں جہنم کے انگارے بھرتے ہیں۔ سود خواری پر ﴿اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا﴾ ⑥ الخ' یعنی جو لوگ سود خواری کرتے ہیں وہ قیامت کے دن مخبوط الحواس اور پاگل بن کر کھڑے ہوں گے۔ بہتان پر

---

① [صحيح: صحيح بخاری ; كتاب المساقاة : باب اثم من منع ابن السبيل من الماء (۲۳۵۸) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب بيان غلظ تحريم اسبال الازار والمن (۱۰۸) ابن ماجه : كتاب التجارات : باب ماجآء فی كراهية الايمان (۲۲۰۷)]

② [حسن بالشواهد: مسند احمد (۲۲۱/۲)] شیخ البانیؒ اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح الترغيب (۸۹۷) الموسوعة الحديثية (۶۶۷۳)]

③ [سورة الممتحنة : آيت ۱۲]

④ [سورة الحج : آيت ۳۱]

⑤ [سورة النسآء : آيت ۱۰]

⑥ [سورة البقره : آيت ۲۷۵]

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنَاتُ﴾ [1] الخ جولوگ پاکدامن بے خبر باایمان عورتوں پر تہمت لگائیں۔ میدان جنگ سے بھاگنے پر ﴿یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ آمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمُ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا زَحْفًا﴾ [2] الخ۔ ایمان والو! جب کافروں سے مقابلہ ہو جائے تو پیٹھ نہ دکھاؤ۔ ہجرت کے بعد کفرستان میں قیام کرنے پر ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ ارْتَدُّوا عَلٰٓی اَدْبَارِھِمْ﴾ [3] یعنی لوگ ہدایت کے بعد مرتد ہو جائیں' قتل مومن پر ﴿وَمَنْ یَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآؤُہٗ جَھَنَّمُ خَالِدًا فِیْھَا﴾ [4] یعنی جو شخص کسی مسلمان کو جان بوجھ کر مار ڈالے اس کی سزا جہنم کا ابدی داخلہ ہے۔ حضرت عطا رحمہ اللہ سے بھی کبیرہ گناہوں کا بیان موجود ہے اور اس میں جھوٹی گواہی ہے' حضرت مغیرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ کہا جاتا تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو برا کہنا بھی کبیرہ گناہ ہے' میں کہتا ہوں علماء کی ایک جماعت نے اسے کافر کہا ہے جو صحابہ رضی اللہ عنہم کو برا کہے۔

حضرت امام مالک بن انس رحمہ اللہ سے یہ مروی ہے' امام محمد بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں یہ باور نہیں کرسکتا کہ کسی کے دل میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت ہو اور وہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے دشمنی رکھے [5] (ترمذی) حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کبائر یہ ہیں۔ اللہ کے ساتھ شرک کرنا' اللہ کی آیتوں اور اس کے رسولوں سے کفر کرنا' جادو کرنا' اولاد کو مار ڈالنا' اللہ تعالیٰ سے اولاد اور بیوی کو نسبت دینا اور اسی جیسے وہ اعمال اور وہ اقوال ہیں جن کے بعد کوئی نیکی قبول نہیں ہوتی ہاں کئی ایسے گناہ ہیں جن کے ساتھ دین رہ سکتا ہے اور عمل قبول کیا جاسکتا ہے ایسے گناہوں کو نیکی کے بدلے اللہ عزوجل معاف فرما دیتا ہے' حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مغفرت کا وعدہ ان سے کیا ہے جو کبیرہ گناہوں سے بچیں اور ہم سے یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ کبیرہ گناہوں سے بچو ٹھیک ٹھاک اور درست رہو اور خوشخبری سنو۔ مسند عبدالرزاق میں بہ سند صحیح رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا میری شفاعت میری امت کے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لیے بھی ہے۔ [6]

امام ترمذی رحمہ اللہ بھی اسے حسن صحیح فرماتے ہیں گو اس روایت کی اور سندیں ضعف سے خالی نہیں مگر اس کے جو شواہد ہیں ان میں سے بھی صحیح روایات ہیں مثلاً ایک حدیث میں ہے کیا تم یہ جانتے ہو کہ میری شفاعت صرف متقیوں اور مومنوں کے لیے ہے؟ نہیں نہیں بلکہ وہ خطا کاروں اور گناہوں سے آلودہ لوگوں کے لیے بھی ہے۔ [7]

---

[1] [سورة النور: آیت ۲۳] [2] [سورة الانفال : آیت ۱۵]

[3] [سورة محمد : آیت ۲۵] [4] [سورة النسآء : آیت ۹۳]

[5] [صحیح مقطوع : ترمذی : کتاب المناقب : باب فی مناقب ابی حفص عمر بن الخطاب (۳۶۸۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح الاسناد مقطوع کہا ہے۔[صحیح ترمذی]

[6] [صحیح : ترمذی : کتاب صفة القیامة والرقائق (۲۴۳۵۔ ۲۴۳۶) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب ذکر الشفاعة (۴۳۱۰) مستدرك حاکم (۶۹/۱) ابونعیم فی الحلیلة (۲۰۰/۳) صحیح ابن حبان (۶۴۶۷) مسند احمد (۲۱۳/۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المشکاة (۵۵۹۹)]

[7] [صحیح : ابن ماجه: کتاب الزهد : باب ذکر الشفاعة (۴۳۱۱) مسند احمد (۷۵/۲)] شیخ البانیؒ نے اس ﴿ لأنها ﴾ کے جملہ کے علاوہ باقی حدیث کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه]

اب علماء کرام کے اقوال سنیے۔ جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ بعض تو کہتے ہیں کبیرہ گناہ وہ ہیں جس پر حد شرعی ہو۔ بعض کہتے ہیں جس پر قرآن میں یا حدیث میں کسی سزا کا ذکر ہو۔ بعض کا قول ہے جس سے دین داری کم ہوتی ہو اور دیانت داری میں کمی واقع ہوتی ہو۔ قاضی ابوسعید ہروی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں جس کا حرام ہونا لفظوں سے ثابت ہو اور جس نافرمانی پر کوئی حد ہو جیسے قتل وغیرہ اسی طرح ہر فریضہ کا ترک اور جھوٹی گواہی اور جھوٹی روایت اور جھوٹی قسم۔ قاضی رویانی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کبائر سات ہیں بے وجہ کسی کو مار ڈالنا' زنا' لواطت' شراب نوشی' چوری' غصب' تہمت۔

اور ایک آٹھویں چیز بھی دوسری روایت میں مروی ہے یعنی جھوٹی گواہی اور اسی کے ساتھ یہ بھی شامل کیے گئے ہیں سود خواری' رمضان کے روزے کا بلا عذر ترک کر دینا' جھوٹی قسم' قطع رحمی' ماں باپ کی نافرمانی' جہاد سے بھاگنا' یتیم کا مال کھانا' ماپ تول میں خیانت کرنا' نماز وقت سے پہلے یا وقت گذار کر بے عذر ادا کرنا' مسلمان کو بے وجہ مارنا' رسول اللہ ﷺ پر جان کر جھوٹ باندھنا آپ کے صحابیوں کو گالی دینا اور بے سبب گواہی چھپانا' رشوت لینا' مردوں عورتوں میں ناچاقی کرا دینا' بادشاہ کے پاس چغل خوری کرنا' زکوٰۃ روک لینا' باوجود قدرت کے بھلی باتوں کا حکم نہ کرنا بری باتوں سے نہ روکنا' قرآن سیکھ کر بھول جانا' جاندار چیز کو آگ سے جلانا' عورت کا اپنے خاوند کے پاس بے سبب نہ آنا' رب کی رحمت سے ناامید ہو جانا' اللہ کے مکر سے بے خوف ہو جانا' اہل علم اور عاملان قرآن کی برائیاں کرنا' ظہار کرنا' سور کا گوشت کھانا' مردار کھانا' ہاں اگر بوجہ ضرورت اور اضطرار کے کھایا ہو تو اور بات ہے۔ امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں ان میں سے بعض میں توقف کی گنجائش ہے؟ کبائر کے بارے میں بزرگان دین نے بہت سی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں ہمارے شیخ حافظ ابوعبداللہ ذہبی رحمۃ اللہ نے بھی ایک کتاب لکھی ہے جس میں ستر کبیرہ گناہ گنوائے ہیں۔

اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ کبیرہ گناہ وہ ہے جس پر شارع علیہ السلام نے جہنم کی وعید سنائی ہو۔ اس قسم کے گناہ ہی اگر گنے جائیں تو بہت نکلیں گے اور اگر کبیرہ گناہ ہر اس کام کو کہا جائے جس سے شارع علیہ السلام نے روک دیا ہے تو بہت ہی ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔

وَلَا تَتَمَنَّوْا مَا فَضَّلَ اللّٰهُ بِهٖ بَعْضَكُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۚ لِلرِّجَالِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبُوْا ۚ وَلِلنِّسَآءِ نَصِيْبٌ مِّمَّا اكْتَسَبْنَ ۚ وَسْــَٔلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمًا ﴿۳۲﴾

اس چیز کی آرزو نہ کرو جس کے باعث اللہ تعالیٰ نے تم میں سے بعض کو بعض پر بزرگی دی ہے' مردوں کا حصہ ہے جو ان کا کیا دھرا ہے' اور عورتوں کے لیے حصہ ہے اس کا جو انہوں نے کیا' اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل مانگتے رہو' یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔

عورتیں مردوں کے مساوی نہیں: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے ایک مرتبہ کہا تھا کہ یا رسول اللہ ﷺ مرد جہاد کرتے

ہیں اور ہم عورتیں اس ثواب سے محروم ہیں اسی طرح میراث میں بھی ہمیں بہ نسبت مردوں کے آدھا ملتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [1] (ترمذی) اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد پھر آیت ﴿اَنِّیْ لَآ اُضِیْعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنْکُمْ مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی﴾ [2] الخ اتری۔ [3] اور یہ روایت میں ہے کہ عورتوں نے یہ آرزو کی تھی کہ کاش کہ ہم بھی مرد ہوتے تو جہاد میں جاتے اور روایت میں ہے کہ ایک عورت نے خدمت نبوی میں حاضر ہو کر کہا تھا کہ دیکھئے مرد کو دو عورتوں کے برابر حصہ ملتا ہے دو عورتوں کی شہادت مثل ایک مرد کے سمجھی جاتی ہے پھر عمل اس طرح ہے ایک نیکی کی آدھی نیکی رہ جاتی ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ [4] سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں مردوں نے کہا تھا کہ جب دوہرے حصے کے مالک ہم ہیں تو دوہرا اجر بھی ہمیں کیوں نہ ملے؟ اور عورتوں نے درخواست کی تھی کہ جب ہم پر جہاد فرض ہی نہیں ہمیں تو شہادت کا ثواب کیوں نہیں ملتا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے دونوں کو روکا اور حکم دیا کہ میرا فضل طلب کرتے رہو، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ انسان یہ آرزو نہ کرے کہ کاش کہ فلاں کا مال اور اولاد میرا ہوتا؟ اس پر اس حدیث سے کوئی اشکال ثابت نہیں ہو سکتا جس میں ہے کہ حسد کے قابل صرف دو ہیں ایک مالدار جو راہ اللہ اپنا مال لٹاتا ہے [5] اور دوسرا کہتا ہے کاش کہ میرے پاس بھی مال ہوتا تو میں بھی اسی طرح فی سبیل اللہ خرچ کرتا رہتا پس یہ دونوں اللہ تعالیٰ کے نزدیک اجر میں برابر ہیں اس لیے کہ یہ ممنوع نہیں یعنی ایسی نیکی کی حرص بری نہیں، کسی نیک کام کو حاصل کرنے کی تمنا یا حرص کرنا محمود ہے اس کے برعکس کسی کی چیز اپنے قبضے میں لینے کی نیت کرنا ہر طرح مذموم ہے۔ جس طرح دینی فضیلت حاصل کرنے کی حرص جائز رکھی ہے اور دنیوی فضیلت کی تمنا ناجائز ہے، پھر فرمایا ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ ملے گا خیر کے بدلے خیر اور شر کے بدلے شر اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ ہر ایک کو اس کے حق کے مطابق ورثہ دیا جاتا ہے، پھر ارشاد ہوتا ہے کہ ہم سے ہمارا فضل مانگتے رہا کرو آپس میں ایک دوسرے کی فضیلت کی تمنا بے سود امر ہے ہاں مجھ سے میرا فضل طلب کرو تو میں بخیل نہیں کریم ہوں وہاب ہوں دوں گا اور بہت کچھ دوں گا۔ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں لوگو! اللہ تعالیٰ سے اس کا فضل طلب

---

[1] [مسند احمد (٦/٣٢٢) تفسیر ابن جریر الطبری (٩٢٤١/٨) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة النسآء (٣٠٢٢) طبرانی کبیر (٦٠٩/٢٣) مستدرك حاکم (٣٠٥/٢)] امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ جبکہ امام ترمذیؒ نے اسے مرسل کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ترمذی ، تخریج الظلال (ص : ٢٠٤)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ شیخ شعیب ارناؤوط بھی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (٢٦٧٣٦)]

[2] [سورة ال عمران : آیت ١٩٥]

[3] [تفسیر ابن ابی حاتم (٥٢٢٤/٣) مستدرك حاکم (٣٠٥/٢) تفسیر ابن جریر الطبری (٩٢٣٨)]

[4] [تفسیر ابن ابی حاتم (٥٢٢٣/٣)]

[5] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب العلم : باب الاغتباط فی العلم والحکمة (٧٣) وکتاب الزکاة (١٤٠٩) صحیح مسلم : کتاب صلاة المسافرین : باب فضل من یقوم بالقرآن (٨١٦) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب الحسد (٤٢٠٨) مسند احمد (٣٥٨/١)]

کرو اللہ سے مانگنا اللہ کو بہت پسند ہے یاد رکھو سب سے اعلیٰ عبادت کشادگی اور وسعت و رحمت کا انتظار کرنا اور اس کی امید رکھنا ہیں۔ [1] اور روایت میں ہے ایسی امید رکھنے والے اللہ کو بہت بھاتے ہیں۔ اللہ علیم ہے اسے خوب معلوم ہے کہ کون دیئے جانے کے قابل ہے اور کون فقیری کے لائق ہے اور کون آخرت کی نعمتوں کا مستحق ہے اور کون وہاں کی رسوائیوں کا سزاوار ہے اسے اس کے اسباب اور اسے اس کے وسائل وہ مہیا اور آسان کر دیتا ہے۔

وَلِكُلٍّ جَعَلْنَا مَوَالِيَ مِمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ ۚ وَالَّذِينَ عَقَدَتْ أَيْمَانُكُمْ فَآتُوهُمْ نَصِيبَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدًا ﴿٣٣﴾

ماں باپ اور قرابت دار جو چھوڑ مریں اس کے وارث ہم نے ہر شخص کے مقرر کر دیئے ہیں' اور جن سے تم نے اپنے ہاتھوں گرہ باندھی انہیں ان کا حصہ دو' حقیقتاً اللہ تعالیٰ ہر چیز پر حاضر ہے ○

وراثت میں موالی' وارث اور عصبہ کی توضیح: بہت سے مفسرین سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہے [2] بعض کہتے ہیں عصبہ مراد ہے' چچا کی اولاد کو بھی موالی کہا جاتا ہے جیسے حضرت فضل بن عباس کے شعر میں ہے۔ پس مطلب آیت کا یہ ہوا کہ اے لوگو! تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے عصبہ مقرر کر دیئے ہیں جو اس مال کے وارث ہوں گے جسے ان کے ماں باپ اور قرابت دار چھوڑ مریں اور تمہارے منہ بولے بھائی ہیں تم جن کی قسمیں کھا کر بھائی بنے ہو اور وہ تمہارے بھائی بنے ہیں انہیں ان کی میراث کا حصہ دو جیسے کہ قسموں کے وقت تم میں عہد و پیمان ہو چکا تھا' یہ حکم ابتدائے اسلام میں تھا پھر منسوخ ہو گیا اور حکم ہوا کہ جن سے عہد و پیمان ہوئے وہ نبھائے جائیں اور بھولے نہ جائیں' لیکن میراث انہیں نہیں ملے گی صحیح بخاری شریف میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ موالی سے مراد وارث ہیں اور بعد کے جملہ سے مراد یہ ہے کہ مہاجرین جب مدینہ شریف میں تشریف لائے تو یہ دستور تھا کہ ہر مہاجر اپنے انصاری بھائی بند کا وارث ہوتا اس کے ذوی رحم رشتہ دار وارث نہ ہوتے پس آیت نے اس طریقے کو منسوخ قرار دیا اور حکم ہوا کہ ان کی مدد کرو انہیں فائدہ پہنچاؤ ان کی خیر خواہی کرو لیکن میراث انہیں نہیں ملے گی ہاں وصیت کر جاؤ۔ [3]

قبل از اسلام یہ دستور تھا کہ دو شخصوں میں عہد و پیمان ہو جاتا تھا کہ میں تیرا وارث اور تو میرا وارث اسی طرح قبائل عرب عہد و پیمان کر لیتے تھے پس حضور علیہ السلام نے فرمایا: جاہلیت کی قسمیں اور عہد و پیمان کو اسلام اور مضبوط کرتا ہے لیکن اب اسلام میں قسمیں اور اس قسم کے عہد نہیں اسے اس آیت نے منسوخ قرار دے دیا اور فرمایا معاہدوں والوں کی بہ نسبت ذی رحم رشتہ دار کتاب اللہ کے حکم سے زیادہ ترجیح کے مستحق ہیں۔ ایک روایت میں ہے کہ

---

[1] [**ضعیف**: ترمذی : کتاب الدعوات : باب فی انتظار الفرج وغیر ذلک (۳۵۷۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی ، السلسلة الضعیفة (۴۹۲)] اس کی سند میں حماد صفار راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸/۲۷۰)]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ولکل جعلنا موالی (۴۵۸۰)]

حضور ﷺ نے جاہلیت کی قسموں اور عہدوں کے بارے میں یہاں تک تاکید فرمائی کہ اگر مجھے سات سرخ اونٹ دیئے جائیں اور اس قسم کے توڑنے کو کہا جائے جو دار الندوہ میں ہوئی تھی تو میں اسے بھی پسند نہیں کرتا۔ [1] ابن جریر میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میں اپنے بچپنے میں اپنے ماموؤں کے ساتھ حلف طیبین میں شامل تھا میں اس قسم کو سرخ اونٹوں کے بدلے میں بھی توڑنا پسند نہیں کرتا پس یاد رہے کہ قریش وانصار میں جو تعلق رسول اللہ ﷺ نے قائم کیا تھا وہ صرف الفت و یگانگت پیدا کرنے کے لیے تھا۔ [2] لوگوں کے سوال کے جواب میں بھی حضور ﷺ کا یہ فرمان مروی ہے کہ جاہلیت کے حلف نبھاؤ۔ [3] فتح مکہ والے دن بھی آپ نے کھڑے ہو کر اپنے خطبہ میں اسی بات کا اعلان فرمایا۔ [4]

داؤد بن حصین رحمہ اللہ کہتے ہیں حضرت ام سعد بنت ربیع رضی اللہ عنہا سے قرآن پڑھتا تھا میرے ساتھ ان کے پوتے موسیٰ بن سعد بھی پڑھتے تھے جو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی گود میں یتیمی کے ایام گذار رہے تھے میں نے جب اس آیت میں ﴿عَاقَدَتْ﴾ پڑھا تو مجھے میری استانی جی نے روکا اور فرمایا ﴿عَقَدَتْ﴾ پڑھو اور یاد رکھو یہ آیت حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ان کے صاحبزادے حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جب عبدالرحمٰن اسلام کے منکر تھے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے قسم کھالی کہ اسے وارث نہ کریں گے بالآخر جب یہ مسلمانوں کی بے پناہ تلواروں سے اسلام کی طرف آمادہ ہوئے اور مسلمان ہو گئے تو جناب صدیق رضی اللہ عنہ کو حکم ہوا کہ انہیں ان کے ورثے کے حصے سے محروم نہ فرمائیں [5] لیکن یہ قول غریب ہے اور صحیح قول پہلا ہی ہے الغرض اس آیت اور ان احادیث سے ان کا قول ردّ ہوتا ہے جو قسم اور وعدوں کی بنا پر آج بھی ورثہ پہنچنے کے قائل ہیں جیسے کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کا خیال ہے اور امام احمد رحمہ اللہ سے بھی اس قسم کی ایک روایت ہے۔

جسے جمہور اور امام مالک اور امام شافعی رحمہما اللہ نے صحیح قرار دیا ہے اور مشہور قول کی بنا پر امام احمد رحمہ اللہ بھی اسے صحیح مانتے ہیں، پس آیت میں ارشاد ہے کہ ہر شخص کے وارث اس کے قرابتی لوگ ہیں اور کوئی نہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول مقبول ﷺ فرماتے ہیں حصہ دار وارثوں کو ان کے حصوں کے مطابق دے کر پھر جو بچ رہے تو عصبہ کو ملے [6] اور وارث وہ ہیں جن کا ذکر فرائض کی دو آیتوں میں ہے اور جن سے تم نے مضبوط عہد و پیمان اور قسموں کا تبادلہ کیا ہے یعنی اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے سے انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث کا اور اس کے بعد جو حلف ہو وہ کالعدم ہوگا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ خواہ اس سے پہلے کے وعدے اور قسمیں ہوں خواہ اس آیت کے اترنے کے

---

[1] [صحیح : مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب مواخاة النبی بین اصحابه (۲۵۳۰)]

[2] [صحیح بالشواهد : تفسیر ابن جریر الطبری (۹۲۹۷)]

[3] [صحیح بالشواهد : مسند احمد (۶۱/۵) تفسیر ابن جریر الطبری (۹۲۹۳)]

[4] [حسن بالشواهد : تفسیر ابن جریر الطبری (۹۲۹۹)]

[5] [ضعیف : اس کی سند میں ابن اسحاق مدلس راوی ہے اور اس نے عن سے روایت بیان کی ہے۔]

[6] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الفرائض : باب میراث الولد من ابیه وامه (۶۷۳۲)، (۶۷۲۵) صحیح مسلم : کتاب الفرائض : باب الحقوا الفرائض باهلها فما بقیی (۱۶۱۵) ترمذی : کتاب الفرائض : باب فی میراث العصبه (۲۰۹۸) مسند احمد (۲۹۲/۱)]

بعد ہوں سب کا یہی حکم ہے کہ ایسے حلف برداروں کو میراث نہ ملے۔ اور بقول حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ان کا حصہ نصرت امداد خیر خواہی اور وصیت ہے میراث نہیں۔ آپ فرماتے ہیں لوگ عہد و پیمان کر لیا کرتے تھے کہ ان میں سے جو پہلے مرے گا بعد والا اس کا وارث بنے گا پس اللہ تبارک وتعالیٰ نے آیت ﴿وَاُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ [1] الخ نازل فرما کر حکم دیا کہ ذی رحم محرم ایک سے ایک اولیٰ ہے البتہ اپنے دوستوں کے ساتھ حسن سلوک کرو یعنی اگر ان سے مال کا تیسرا حصہ دینے کی وصیت کر جاؤ تو جائز ہے۔ یہی معروف و مشہور امر اور بہت سے سلف سے بھی مروی ہے کہ یہ آیت منسوخ ہے اور ناسخ آیت ﴿اُولُوا الْاَرْحَامِ﴾ والی ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں انہیں ان کا حصہ دو یعنی میراث۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے ایک صاحب کو اپنا مولیٰ بنایا تھا تو انہیں وارث بنایا۔

ابن المسیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے حق میں اتری ہے جو اپنے بیٹوں کے سوا اوروں کو اپنا بیٹا بناتے تھے اور انہیں اپنی جائیداد کا جائز وارث قرار دیتے تھے پس اللہ تعالیٰ نے ان کا حصہ وصیت میں سے دینے کو فرمایا اور میراث کو موالی یعنی ذی رحم محرم رشتہ داروں کی اور عصبہ کی طرف لوٹا دیا' اور اس سے منع فرمایا اور اسے ناپسند فرمایا کہ صرف زبانی دعوؤں اور بنائے ہوئے بیٹوں کو ورثہ دیا جائے ہاں ان کے لیے وصیت میں سے دینے کو فرمایا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک مختار قول یہ ہے کہ انہیں حصہ دو یعنی نصرت نصیحت اور معونت کا یہ نہیں کہ انہیں ان کے ورثہ کا حصہ دو تو یہ معنی کرنے سے پھر آیت کو منسوخ بتلانے کی وجہ باقی نہیں رہتی نہ یہ کہنا پڑتا ہے کہ یہ حکم پہلے تھا اب نہیں رہا۔ بلکہ آیت کی دلالت صرف اسی امر پر ہے کہ جو عہد و پیمان آپس کی امداد و اعانت کے خیر خواہی اور بھلائی کے ہوتے تھے انہیں وفا کرو پس یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ لیکن امام صاحب کے قول میں ذرا اشکال ہے اس لیے کہ اس میں تو شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان صرف نصرت و امداد کے ہی ہوتے تھے لیکن اس میں بھی شک نہیں کہ بعض عہد و پیمان ورثے کے بھی ہوتے تھے جیسے کہ بہت سے سلف صالحین سے مروی ہے اور جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر میں منقول ہے۔ جس میں انہوں نے صاف فرمایا ہے کہ مہاجر انصار کا وارث ہوتا تھا اس کے قرابتی لوگ وارث نہیں ہوتے تھے نہ ذی رحم رشتہ دار وارث ہوتے تھے یہاں تک کہ یہ منسوخ ہو گیا پھر امام صاحب کیسے فرما سکتے ہیں کہ یہ آیت محکم اور غیر منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ وَالّٰتِىْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِى الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ ۚ فَاِنْ اَطَعْنَكُمْ فَلَا تَبْغُوْا عَلَيْهِنَّ سَبِيْلًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيًّا كَبِيْرًا ﴿٣٤﴾

مرد عورتوں پر حاکم ہیں اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک کو دوسرے پر فضیلت دے رکھی ہے اور اس وجہ سے کہ مردوں نے

---

[1] [سورۃ الانفال : آیت ٧٥]

اپنے مال خرچ کئے ہیں، پس نیک عورتیں فرمانبردار خاوند کی عدم موجودگی میں بہ حفاظت الٰہی نگہداشت رکھنے والیاں ہیں، اور جن عورتوں کی نافرمانی اور بد دماغی کا تمہیں خوف ہو انہیں نصیحت کرو اور انہیں الگ بستروں پر چھوڑ دو اور انہیں مار کی سزا دو، پھر اگر وہ تابعداری کرنے لگیں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو بیشک اللہ تعالیٰ بڑی بلندی اور بڑائی والا ہے ○

مردوں کی عورتوں پر افضلیت کی وجوہ: جناب باری ارشاد فرماتا ہے کہ مرد عورت کا حاکم رئیس اور سردار ہے اسے درست اور ٹھیک ٹھاک رکھنے والا ہے اس لیے کہ مرد عورتوں سے افضل ہیں یہی وجہ ہے کہ نبوت ہمیشہ مردوں میں ہی رہی بعینہٖ شرعی طور پر خلیفہ بھی مرد ہی بن سکتا ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں وہ لوگ کبھی نجات نہیں پا سکتے جو اپنا والی کسی عورت کو بنائیں۔ [1] (بخاری) اسی طرح ہر طرح کا منصب قضا وغیرہ بھی صرف مردوں کے لائق ہی ہیں۔ دوسری وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ مرد عورتوں پر اپنا مال خرچ کرتے ہیں جو کتاب وسنت سے ان کے ذمہ ہے مثلاً مہر، نان نفقہ اور دیگر ضروریات کا پورا کرنا۔ پس مرد فی نفسہ بھی افضل ہے اور بہ اعتبار نفع کے اور حاجت براری کے بھی اس کا درجہ بڑا ہے۔ اسی بنا پر مرد کو عورت پر سردار مقرر کیا گیا جیسے اور جگہ فرمان ہے ﴿وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ﴾ [2] الخ، ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ عورتوں کو مردوں کی اطاعت کرنی پڑے گی، اس کے بال بچوں کی نگہداشت اس کے مال کی حفاظت وغیرہ اس کا کام ہے۔ حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک عورت نے نبی ﷺ کے سامنے اپنے خاوند کی شکایت کی کہ اس نے اسے تھپڑ مارا ہے پس آپ نے بدلہ لینے کا حکم دیا ہی تھا جو یہ آیت اتری اور بدلہ نہ دلوایا گیا [3] ایک اور روایت میں ہے کہ ایک انصاری رضی اللہ عنہ اپنی بیوی صاحبہ کو لیے ہوئے حاضر خدمت ہوئے اس عورت نے حضور ﷺ سے کہا یا رسول اللہ ﷺ میرے اس خاوند نے مجھے تھپڑ مارا جس کا نشان اب تک میرے چہرے پر موجود ہے آپ ﷺ نے فرمایا اسے حق نہ تھا وہیں یہ آیت اتری کہ ادب سکھانے کے لیے مرد عورتوں پر حاکم ہیں۔ تو آپ نے فرمایا میں نے اور چاہا تھا اور اللہ تعالیٰ نے اور چاہا۔ [4] شعبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں مال خرچ کرنے سے مراد مہر کا ادا کرنا ہے دیکھو اگر مرد عورت پر زنا کاری کی تہمت لگائے تو لعان کا حکم ہے اور اگر عورت اپنے مرد کی نسبت یہ بات کہے اور ثابت نہ کر سکے تو اسے کوڑے لگیں گے۔ پس عورتوں میں سے نیک نفس وہ ہیں جو اپنے خاوندوں کی اطاعت گذار ہوں اپنے نفس اور خاوند کے مال کی حفاظت رکھنے والیاں ہوں جسے خود اللہ تعالیٰ نے محفوظ رکھنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں بہتر عورت وہ ہے کہ جب اس کا خاوند اس کی طرف دیکھے وہ اسے خوش کر دے اور جب حکم دے بجا لائے اور جب کہیں باہر جائے تو

---

[1] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب کتاب النبی الی کسری وقیصر (٤٤٢٥) و کتاب الفتن (٧٠٩٩) نسائی: کتاب آداب القضاۃ: باب النهی عن استعمال النسآء فی الحکم (٥٣٩٠) ترمذی: کتاب الفتن: باب ما جآء من یفلح قوم (٢٢٦٢) مسند احمد (٤٣/٥)]

[2] [سورة البقرة: آیت ٢٢٨]

[3] [**مرسل وضعیف**: الواحدی فی اسباب النزول (٣١١) تفسیر ابن جریر الطبری (٩٣٠٥)]

[4] [**ضعیف**: اس کی سند میں محمد بن محمد بن اشعث راوی ضعیف ہے۔ [میزان (٨١٣١)]

اپنے نفس کو برائی سے محفوظ رکھے اور اپنے خاوند کے مال کی محافظت کرے پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی۔ ① مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا جب کوئی عورت پانچوں وقت کی نماز ادا کرے رمضان کے روزے رکھے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرے اپنے خاوند کی فرمانبرداری کرے اس سے کہا جائے گا کہ جنت کے جس دروازے سے تو چاہ جنت میں چلی جا۔ ②

پھر فرمایا جن عورتوں کی سرکشی سے تم ڈرو یعنی جو تم سے بلند ہونا چاہتی ہو نافرمانی کرتی ہو بے پرواہی برتتی ہو دشمنی رکھتی ہو تو پہلے تو اسے زبانی نصیحت کرو ہر طرح سمجھاؤ اتار چڑھاؤ بتاؤ اللہ کا خوف دلاؤ حقوق زوجیت یاد دلاؤ اس سے کہو کہ دیکھو خاوند کے اتنے حقوق ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے اگر میں کسی کو حکم کر سکتا کہ وہ ماسوائے اللہ تعالیٰ کے دوسرے کو سجدہ کرے تو عورت کو حکم کرتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے کیونکہ سب سے بڑا حق اس پر اسی کا ہے' ③ بخاری شریف میں ہے کہ جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو صبح تک فرشتے اس پر لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ ④ صحیح مسلم میں ہے کہ جس رات کوئی عورت روٹھ کر اپنے خاوند کے بستر کو چھوڑے رہے تو صبح تک اللہ کی رحمت کے فرشتے اس پر لعنتیں نازل کرتے رہتے ہیں' ⑤ تو یہاں ارشاد فرماتا ہے کہ ایسی نافرمان عورتوں کو پہلے تو سمجھاؤ' بجھاؤ پھر بستروں سے الگ کرو۔

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یعنی سلائے تو بستر ہی پر مگر خود اس سے کروٹ موڑ لے اور مجامعت نہ کرے' بات چیت اور کلام بھی ترک کر سکتا ہے اور یہ عورت کی بڑی بھاری سزا ہے' بعض مفسرین فرماتے ہیں ساتھ سلانا ہی چھوڑ دے' حضور علیہ السلام سے سوال ہوتا ہے کہ عورت کا حق اس کے میاں پر کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ جب تو کھا تو اسے بھی کھلا جب تو پہن تو اسے بھی پہنا اس کے منہ پر نہ مار گالیاں نہ دے اور گھر سے الگ نہ کر غصہ میں اگر تو اس سے بطور سزا

---

① [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۹۳۲۹) مسند طیالسی (۲۳۲۵)] آیت کے ذکر کے علاوہ باقی روایت صحیح ہے۔ ملاحظہ فرمائیے: مسند احمد (۲/۲۵۱) نسائی فی السنن الکبری (۸۹۶۱) مستدرك حاکم (۲/۱۶۱) السلسلة الصحيحة للألبانی (۱۸۳۸)]

② [حسن لغیرہ : مسند احمد (۱/۱۹۱) مجمع (۴/۳۰۶)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔[صحیح الترغیب (۲۴۱۱) آداب الزفاف (ص : ۲۱۴)]

③ [صحیح : مسند احمد (۴/۳۸۱) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب حق الزوج علی المرأة (۱۸۵۳) مستدرك حاکم (۲/۱۸۷) ابن حبان (الموارد ـ ۱۲۹۱)] امام حاکمؒ ، امام ذہبیؒ اور امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔۔[ارواء الغلیل (۷/۵۵) السلسلة الصحيحة (۱۲۰۳)]

④ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب اذا قال احد کم (۳۲۳۷) و کتاب النکاح : باب اذا باتت المرأة مهاجرة فراش زوجها (۵۱۹۳) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب تحریم امتناعها من فراش زوجها (۱۴۳۶) ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی حق الزوج علی المرأة (۲۱۴۱) مسند احمد (۲/۴۳۹)]

⑤ [صحیح : صحیح مسلم (۱۴۳۶ـ ۱۲۰) صحیح بخاری (۵۱۹۴) احمد (۲/۲۵۵)]

بات چیت ترک کرے تو بھی اسے گھر سے نہ نکال [1] پھر فرمایا اس سے بھی اگر ٹھیک ٹھاک نہ ہو تو تمہیں اجازت ہے کہ یونہی سی ڈانٹ ڈپٹ اور مار پیٹ سے بھی راہ راست پر لاؤ۔

صحیح مسلم میں نبی ﷺ کے حجۃ الوداع کے خطبہ میں ہے کہ عورتوں کے بارے میں فرمایا اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو وہ تمہاری خدمت گذار اور ماتحت ہیں تمہارا حق ان پر یہ ہے کہ جس کے آنے جانے سے تم خفا ہوا سے نہ آنے دیں اگر وہ ایسا نہ کریں تو انہیں یونہی سی تنبیہ بھی تم کر سکتے ہو لیکن سخت مار جو ظاہر ہو نہیں مار سکتے تم پر ان کا حق یہ ہے کہ انہیں کھلاتے پلاتے پہناتے اوڑھاتے رہو۔ [2] پس ایسی مار نہ مارنی چاہیے جس کا نشان باقی رہے جس سے کوئی عضو ٹوٹ جائے یا کوئی زخم آئے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اگر وہ باز نہ آئے تو فدیہ لو اور طلاق دے دو۔ ایک حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اللہ کی لونڈیوں کو مارو نہیں اس کے بعد ایک مرتبہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور عرض کرنے لگے یا رسول اللہ ﷺ عورتیں آپ کے اس حکم کو سن کر اپنے مردوں پر دلیر ہو گئیں اس پر حضور ﷺ نے انہیں مارنے کی اجازت دی اب مردوں کی طرف سے دھڑا دھڑ مار پیٹ شروع ہوئی اور بہت سی عورتیں شکایتیں لے کر آنحضرت ﷺ کے پاس آئیں تو آپ نے لوگوں سے فرمایا سنو میرے پاس عورتوں کی فریاد پہنچی یاد رکھو تم میں سے جو اپنی عورتوں کو زدوکوب کرتے ہیں وہ اچھے آدمی نہیں۔ [3] (ابوداؤد وغیرہ)

حضرت اشعث رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ میں حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کا مہمان ہوا اتفاقاً اس روز میاں بیوی میں کچھ ناچاقی ہوگئی اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی صاحبہ کو مارا پھر مجھ سے فرمانے لگے اشعث تین باتیں یاد رکھ جو میں نے آنحضرت ﷺ سے سن کر یاد رکھی ہیں ایک تو یہ کہ مرد سے یہ نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی عورت کو کس بنا پر مارا؟ دوسری یہ کہ وتر پڑھے بغیر سونا مت اور تیسری بات راوی کے ذہن سے نکل گئی۔ [4] (نسائی) پھر فرمایا اگر اب بھی عورتیں

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی حق المرأۃ علی زوجھا (۲۱۴۲) ابن ماجه : کتاب النکاح : بـاب حق المـرأۃ علی الزوج (۱۸۵۰) دارقطنی (۲۶/۳) مسند ابو یعلی (۱۵۶۹/۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود ، ارواء الغلیل (۲۰۳۳)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجة النبی (۱۲۱۸) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب حجة رسول الله (۳۰۷۴) ابوداؤد : کتاب المناسك : باب صفة حجة النبی (۱۹۰۵)]

[3] [صحیح : ابوداؤد : کتـاب الـنکاح : باب فی ضرب النساء (۲۱۴۶) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب ضرب النسآء (۱۹۸۵) طبرانی کبیر (۷۸۵) حمیدی (۸۷۶/۲) مستدرك حاکم (۱۸۸/۲) بخاری فی التـاریخ الکبیر (۴۴۰/۱)] امام حاکمؒ ، امام ذہبیؒ اور امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ کی بھی یہی رائے ہے۔[غایة المـرام (۲۵) المشکاۃ (۳۲۶۱)] شیخ عبدالرزاق مہدی، حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔] ۔

[4] [ضعیف : ابوداؤد (۲۱۴۷) ابن ماجه (۱۹۸۶) نسائی فی السنن الکبری (۹۱۶۸/۵) مسند احمد (۲۰/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء (۲۰۳۴) السلسلة الضعیفة (۴۷۷۶)] اس کی سند میں عبد الرحمٰن مسلی راوی مجہول ہے۔[تہذیب الکمال للمزی]

تمہاری فرمانبردار بن جائیں تو تم ان پر کسی قسم کی سختی نہ کرو نہ مارو پیٹو نہ بیزاری کا اظہار کرو۔ اللہ بلندیوں اور بڑائیوں والا ہے۔ یعنی اگر عورتوں کی طرف سے قصور سرزد ہوئے بغیر یا قصور کے بعد ٹھیک ہو جانے کے باوجود بھی تم نے انہیں ستایا تو یادرکھو ان کی مدد پر اور ان کا انتقام لینے کے لیے اللہ تعالیٰ ہے اور یقیناً وہ بہت زورآور اور زبردست ہے۔

وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا يُّوَفِّقِ اللّٰهُ بَيْنَهُمَا ۗ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا خَبِيْرًا ﴿٣٥﴾

اگر تمہیں میاں بیوی کی آپس کی ان بن کا خوف ہو تو ایک منصف مرد والوں میں سے اور ایک عورت کی طرف والوں میں سے مقرر کرو، اگر یہ دونوں صلح کرانا چاہیں گے تو اللہ تعالیٰ دونوں میں ملاپ کرا دے گا یقیناً اللہ تعالیٰ پورے علم والا اور پوری خبر رکھنے والا ہے○

زوجین کے مابین مصالحت: اوپر اس صورت کو بیان فرمایا کہ اگر نافرمانی اور کج بحثی عورتوں کی جانب سے ہو اب یہاں اس صورت کا بیان ہو رہا ہے کہ اگر دونوں ایک دوسرے سے نالاں ہوں تو کیا کیا جائے؟ پس علماء کرام فرماتے ہیں کہ ایسی حالت میں حاکم ثقہ اور سمجھدار شخص کو مقرر کرے جو یہ دیکھے کہ ظلم و زیادتی کس طرف سے ہے؟ پس ظالم کو ظلم سے روکے، اگر اس پر بھی کوئی بہتری کی صورت نہ نکلے تو عورت والوں میں سے ایک اس کی طرف سے اور مرد والوں میں سے ایک بہتر شخص اس کی جانب سے منصف مقرر کر دے اور دونوں مل کر تحقیقات کریں اور جس امر میں مصلحت سمجھیں اس کا فیصلہ کر دیں یعنی خواہ الگ کرا دیں خواہ میل ملاپ کرا دیں۔

لیکن شارع علیہ السلام نے تو اسی امر کی طرف ترغیب دلائی ہے کہ جہاں تک ہو سکے کوشش کریں کہ کوئی شکل نباہ کی نکل آئے۔ اگر ان دونوں کی تحقیق میں خاوند کی طرف سے برائی بہت ہو تو اس کی عورت کو اس سے الگ کر لیں اور اسے مجبور کریں گے کہ اپنی عادت ٹھیک ہونے تک اس سے الگ رہے اور اس کے خرچ اخراجات ادا کرتا رہے اور اگر شرارت عورت کی طرف سے ہو تو اسے نان نفقہ نہیں دلائیں اور خاوند سے ہنسی خوشی بسر کرنے پر مجبور کریں گے۔ اسی طرح اگر وہ طلاق کا فیصلہ دیں تو خاوند کو طلاق دینی پڑے گی۔ اگر وہ آپس میں بسنے کا فیصلہ کریں تو بھی انہیں ماننا پڑے گا، بلکہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے ہیں اگر دونوں پنچ اس امر پر متفق ہوں گئے کہ انہیں رضامندی کے ساتھ ایک دوسرے سے اپنے تعلقات نباہنے چاہئیں اور اس فیصلہ کو ایک نے منظور کر لیا اور دوسرا نہیں کرتا اور اسی حالت میں ایک کا انتقال ہو گیا تو جو راضی تھا وہ اس کی جائیداد کا وارث بنے گا لیکن جو ناراض تھا اسے اس کا ورثہ نہیں ملے گا جو راضی تھا۔ (ابن جریر)[1] ایک ایسے ہی جھگڑے میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو منصف مقرر کیا تھا اور فرمایا تھا کہ اگر تم ان میں میل ملاپ کرانا چاہو تو میل ہو گا اور اگر جدائی کرانا چاہو تو جدائی ہو جائے گی، ایک روایت میں ہے کہ عقیل بن ابو طالب نے فاطمہ بنت عتبہ بن ربیعہ سے نکاح کیا تو اس نے کہا تو میرے پاس آئے گا بھی اور میں ہی تیرا خرچ بھی برداشت کروں گی؟ اب یہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٨/٣٢٥)]

ہونے لگا کہ جب عقیل انکے پاس آنا چاہتے تو وہ پوچھتی عتبہ بن ربیعہ اور شیبہ بن ربیعہ کہاں ہیں؟ یہ فرماتے تیرے بائیں جانب جہنم میں اس پر وہ بگڑ کر اپنے کپڑے ٹھیک کر لیتیں ایک مرتبہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے پاس آئیں اور یہ واقعہ بیان کیا خلیفۃ المسلمین اس پر ہنسے اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو ان کا پنچ مقرر کیا حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تو فرماتے تھے ان دونوں میں علیحدگی کرادی جائے لیکن حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ فرماتے تھے بنو عبد مناف میں یہ علیحدگی میں ناپسند کرتا ہوں۔ اب یہ دونوں حضرات حضرت عقیل رضی اللہ عنہ کے گھر آئے دیکھا تو دروازہ بند ہے اور دونوں میاں بیوی اندر ہیں یہ دونوں لوٹ گئے۔ مسند عبدالرزاق میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے میں ایک میاں بیوی اپنی ناچاقی کا جھگڑا لے کر آئے اس کے ساتھ اس کی برادری کے لوگ تھے اور اس کے ہمراہ اس کے گھرانے کے لوگ بھی' علی رضی اللہ عنہ نے دونوں جماعتوں میں سے ایک ایک کو چنا اور انہیں منصف مقرر کر دیا پھر دونوں پنچوں سے کہا جانتے بھی ہو تمہارا کام کیا ہے؟ تمہارا منصب یہ ہے کہ اگر چاہو دونوں میں اتفاق کرا دو اور اگر چاہو تو الگ الگ کرادو یہ سن کر عورت نے تو کہا میں اللہ تعالیٰ کے فیصلہ پر راضی ہوں خواہ ملاپ کی صورت میں ہو خواہ جدائی کی صورت میں مرد کہنے لگا مجھے جدائی نامنظور ہے اس پر حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا نہیں نہیں اللہ کی قسم تجھے دونوں صورتیں منظور کرنی پڑیں گی۔

پس علماء کا اجماع ہے کہ ایسی صورت میں ان دونوں منصفوں کو دونوں اختیار ہیں یہاں تک کہ حضرت ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ چاہیں دو اور تین طلاقیں بھی دے سکتے ہیں' حضرت امام مالک رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے' ہاں حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہیں اجتماع کا اختیار ہے تفریق کا نہیں' حضرت قتادہ اور زید بن اسلم رحمہما اللہ کا بھی یہی قول ہے' امام احمد اور ابوثور اور داود رحمہم اللہ کا بھی یہی مذہب ہے ان کی دلیل ﴿اِنْ يُّرِيْدَآ اِصْلَاحًا﴾ الخ' والا جملہ ہے کہ ان میں تفریق کا ذکر نہیں' ہاں اگر یہ دونوں دونوں جانب سے وکیل ہیں تو بیشک ان کا حکم جمع اور تفریق دونوں میں نافذ ہوگا تو کسی سے خلاف منقول بھی نہیں اس میں کسی کو پھر یہ بھی خیال رہے کہ یہ دونوں پنچ حاکم کی جانب سے مقرر ہوں گے اور فیصلہ کریں گے چاہے ان سے فریقین ناراض ہوں یا یہ دونوں میاں بیوی کی طرف سے ان کے بنائے ہوئے وکیل ہوں گے' جمہور کا مذہب تو پہلا ہے اور دلیل یہ ہے کہ ان کا نام قرآن حکیم نے حکم رکھا ہے اور حکم کے فیصلے سے کوئی خوش ہو یا ناخوش بہر صورت اس کا فیصلہ قطعی ہوگا آیت کے ظاہری الفاظ بھی جمہور کے ساتھ ہی ہیں۔

امام شافعی رحمہ اللہ کا نیا قول بھی یہی ہے اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا بھی یہی قول ہے' لیکن مخالف گروہ کہتا ہے کہ اگر یہ حکم کی صورت میں ہوتے تو پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ اس خاوند کو کیوں فرماتے؟ کہ جس طرح عورت نے دونوں صورتوں کو ماننے کا اقرار کیا ہے اور اسی طرح تو بھی نہ مانے تو تو جھوٹا ہے۔ واللہ اعلم۔

امام ابن عبدالبر رحمہ اللہ فرماتے ہیں علماء کرام کا اجماع ہے کہ دونوں پنچوں کا قول جب مختلف ہو تو دوسرے کے قول کا کوئی اعتبار نہیں اور اس امر پر بھی اجماع ہے کہ یہ اتفاق کرانا چاہیں تو ان کا فیصلہ نافذ ہے ہاں اگر وہ جدائی کرانا چاہیں تو بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ اس میں بھی ان کا فیصلہ نافذ ہے گو انہیں وکیل نہ بنایا گیا ہو۔

وَاعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْجَارِ ذِي الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْۢبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۙ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرَا ۙ﴿۳۶﴾

اللہ کی عبادت کرواور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو ماں باپ سے سلوک واحسان کرواور رشتہ داروں سے اور یتیموں سے اور مسکینوں سے اور قرابت دار ہمسایہ سے اور اجنبی ہمسایہ سے اور پہلو کے ساتھی سے اور راہ کے مسافر سے اور اور ان سے جن کے مالک تمہارے ہاتھ ہیں' یقیناً اللہ تعالیٰ تکبر کرنے والوں اور شیخی خوروں کو پسند نہیں فرماتا○

اللہ کے حقوق اور بندوں کے حقوق: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنی عبادت کا حکم دیتا ہے اور اپنی توحید کے ماننے کو فرماتا ہے اور اپنے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے روکتا ہے اس لئے کہ جب خالق رزاق نعمتیں دینے والا تمام مخلوق پر ہر وقت ہر حال میں انعام کی بارش برسانے والا صرف وہی ہے تو لائق عبادت بھی صرف وہی ہوا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جانتے ہو اللہ عزوجل کا حق بندوں پر کیا ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں اللہ اور اس کا رسول بہت زیادہ جاننے والے ہیں آپ نے فرمایا یہ کہ وہ اسی کی عبادت کریں اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں پھر فرمایا جانتے ہو جب بندے یہ کریں تو ان کا حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کیا ہے؟ یہ کہ انہیں وہ عذاب نہ کرے'[1] پھر فرماتا ہے ماں باپ کے ساتھ احسان کرتے رہو وہی تمہارے عدم سے وجود میں آنے کا سبب بنے ہیں۔ قرآن کریم کی بہت سی آیتوں میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنی عبادت کے ساتھ ہی ماں باپ سے سلوک واحسان کرنے کا حکم دیا ہے جیسے فرمایا ﴿اَنِ اشْكُرْ لِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ [2] اور ﴿وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ [3] یہاں بھی یہ فرما کر پھر حکم دیتا ہے کہ اپنے رشتہ داروں سے بھی سلوک واحسان کرتے رہو۔ حدیث میں ہے مسکین کو صدقہ دینا صرف صدقہ ہی ہے لیکن قریبی رشتہ داروں کو دینا صدقہ بھی ہے اور صلہ رحمی بھی ہے'[4] پھر حکم ہوتا ہے کہ یتیموں کے ساتھ بھی سلوک واحسان کرو' اس لئے کہ ان کی

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : كتاب الرقاق : باب من جاهد نفسه فى طاعة الله (٦٥٠٠) صحیح مسلم : كتاب الايمان : باب الدليل على أن من مات على التوحيد (٣٠)]

[2] [سورۃ لقمان : آیت ١٤] [3] [سورۃ بنی اسرائیل: آیت ٢٣]

[4] [صحیح : ترمذی : کتاب الزكاة : باب ماجاء فى الصدقة على ذى القرابة (٦٥٨) ابن ماجه : كتاب الزكاة : باب فضل الصدقة (١٨٤٤) نسائی : كتاب الزكاة : باب الصدقة على الاقارب (٢٥٨٣) مسند احمد (١٧/٤) صحيح ابن خزيمة (٢٣٨٥)] امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ، امام ذہبیؒ اور شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحيح ابن حبان (٣٣٤٤/٨) مستدرك حاكم (٤٠٧/١) ارواء الغليل (٨٨٣) التعليق الرغيب (٣٢/٢)] شیخ عبدالرزاق مہدی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

خبر گیری کرنے والا ان کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرنے والا ان کے ناز لاڈ اٹھانے والا انہیں محبت کے ساتھ کھلانے پلانے والا ان کے سر سے اٹھ گیا ہے۔ پھر مسکینوں کیساتھ نیکی کرنے کا ارشاد کیا کہ وہ حاجت مند ہیں خالی ہاتھ ہیں محتاج ہیں ان کی ضرورتیں تم پوری کرو ان کا احتیاج تم رفع کرو ان کے کام تم کر دیا کرو۔ فقیر و مسکین کا پورا بیان سورۂ براۃ کی تفسیر میں آئے گا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

حقوق ہمسائیگی: اپنے پڑوسیوں کا خیال رکھو ان کے ساتھ بھی برتاؤ اور نیک سلوک رکھو خواہ وہ قرابت دار ہوں یا نہ ہوں خواہ وہ مسلمان ہوں یا یہودی ونصرانی ہوں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿جَارِ ذِی الْقُرْبٰی﴾ سے مراد بیوی ہے اور ﴿جَارِ الْجُنُبِ﴾ سے مراد مرد رفیق سفر ہے[1] پڑوسیوں کے حق میں بہت سی حدیثیں آئی ہیں کچھ سن لیجئے مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے حضرت جبرائیل علیہ السلام پڑوسیوں کے بارے میں یہاں تک وصیت و نصیحت کرتے رہے کہ مجھے گمان ہوا کہ شاید یہ پڑوسیوں کو وارث بنا دیں گے[2] فرماتے ہیں بہتر ساتھی اللہ کے نزدیک وہ ہے جو اپنے ہمراہیوں کے ساتھ خوش سلوک زیادہ ہو اور پڑوسیوں میں سے سب سے بہتر اللہ کے نزدیک وہ ہے جو ہمسایوں سے نیک سلوک میں زیادہ ہو[3] فرماتے ہیں انسان کو نہ چاہئے کہ اپنے پڑوسی کی آسودگی بغیر خود شکم سیر ہو جائے۔[4] ایک مرتبہ آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے سوال کیا زنا کے بارے میں تم کیا کہتے ہو؟ لوگوں نے کہا وہ حرام ہے اللہ نے اور اس کے رسول ﷺ نے اسے حرام کیا ہے اور قیامت تک وہ حرام رہے گا آپ نے فرمایا سنو دس عورتوں سے زنا کاری کرنے والا اس شخص سے کم گنہگار ہے جو اپنے پڑوسی کی عورت سے زنا کرے پھر دریافت فرمایا تم چوری کی نسبت کیا کہتے ہو؟ انہوں نے جواب دیا کہ اسے بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حرام کیا ہے۔ اور وہ بھی قیامت تک حرام ہے آپ نے فرمایا سنو دس گھروں سے چوری کرنے والے کا

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸/۳٤۱)]

[2] [**صحیح**: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب الوصاءة بالجار (۶۰۱۵) صحیح مسلم: کتاب البر والصلة: باب الوصیة بالجار والاحسان (۲۶۲۵)]

[3] [**صحیح**: ترمذی: کتاب البر والصلة: باب ماجاء فی حق الجوار (۱۹٤٤) مسند احمد (۱۶۷/۲) الادب المفرد (۱۱۵) مستدرك حاكم (٤٤۳/۱) صحیح ابن حبان (۵۱۹)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [السلسلة الصحیحة (۱۰۳۰)]

[4] [**منقطع وله شواهد**: مسند احمد (۵٤/۱) مستدرك حاكم (۱۶۷/٤) مسند ابو یعلی (کما فی مجمع الزوائد (۱۳۵۵۶) الضیاء المقدسی فی المختارة (۲٤۳/۱)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند منقطع ہے مگر ان الفاظ ﴿لا یشبع الرجل دون جاره﴾ کے صحیح شواہد موجود ہیں جیسا کہ بزار (۱۱۹) طبرانی کبیر (۷۵۱) مسند ابو یعلی (۲۶۹۹) الادب المفرد للبخاری (۱۱۲) وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے ﴿لیس المؤمن الذی یبیت شبعان وجاره طاو﴾ اور امام منذریؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [الترغیب (۳۵۸/۳)] امام حاکمؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [المستدرك (۱۷۶/٤)]

گناہ اس شخص کے گناہ سے ہلکا ہے جو اپنے پڑوسی کے گھر سے کچھ چرا لے۔[1] بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سوال کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ کون سا گناہ سب سے بڑا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہ تو اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرائے حالانکہ اسی ایک نے تجھے پیدا کیا ہے۔ میں نے پوچھا پھر کونسا؟ فرمایا یہ کہ تو اپنی پڑوسن سے زنا کاری کرے۔[2] ایک انصاری صحابی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لئے گھر سے چلا وہاں پہنچ کر دیکھتا ہوں کہ ایک صاحب کھڑے ہیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم ان کی طرف متوجہ ہیں میں نے خیال کیا کہ شاید انہیں آپ سے کچھ کام ہوگا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہیں اور ان سے باتیں ہو رہی ہیں بڑی دیر ہوگئی یہاں تک کہ مجھے آپ کے تھک جانے کے خیال نے بے چین کر دیا بہت دیر کے بعد آپ لوٹے اور میرے پاس آئے میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص نے تو آپ کو بہت دیر کھڑا رکھا میں تو پریشان ہوگیا آپ کے پاؤں تھک گئے ہوں گے' آپ نے فرمایا اچھا تم نے انہیں دیکھا میں نے کہا ہاں خوب اچھی طرح دیکھا فرمایا جانتے ہو وہ کون تھے؟ وہ جبرائیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسیوں کے حقوق کی تاکید کرتے رہے یہاں تک ان کے حقوق بیان کئے کہ مجھے کھٹکا ہوا غالباً آج تو پڑوسی کو وارث ٹھہرا دیں گے۔[3] (مسند احمد) مسند عبد بن حمید میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک شخص عوالی مدینہ سے آیا اس وقت رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت جبرائیل علیہ السلام اس جگہ نماز پڑھ رہے تھے جہاں جنازوں کی نماز پڑھی جاتی تھی جب آپ فارغ ہوئے تو اس شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ دوسرا شخص کون نماز پڑھ رہا تھا آپ نے فرمایا تم نے انہیں دیکھا؟ اس نے کہا ہاں فرمایا تو نے بہت بڑی بھلائی دیکھی یہ جبرائیل علیہ السلام تھے مجھے پڑوسی کے بارے میں وصیت کرتے رہے یہاں تک کہ میں نے دیکھا کہ عنقریب اسے وارث بنا دیں گے[4] آٹھویں حدیث بزار میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پڑوسی تین قسم کے ہیں ایک حق والے یعنی ادنیٰ' دو حق والے اور تین حق والے یعنی اعلیٰ' ایک حق والا وہ ہے جو مشرک ہو اور اس سے رشتہ داری نہ ہو' دو حق والا وہ ہے جو مسلمان ہو اور رشتہ دار نہ ہو' ایک حق اسلام دوسرا حق پڑوس' تین حق والا وہ ہے جو مسلمان بھی ہو پڑوسی بھی

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۸/۶) طبرانی کبیر (۲۰/۲۵۶) مسند بزار (۲۱۱۵/۶) تہذیب الکمال للمزی (۲۶۱/۲۵) بیہقی فی شعب الایمان (۹۵۵۲/۷)] شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (۶۵)] امام منذریؒ اور امام ہیثمیؒ نے اس کے راویوں کو ثقہ کہا ہے۔[الترغیب (۲۷۹/۳) مجمع الزوائد (۱۷۱/۸)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب : باب قتل الولد خشیة ان یاکل معه (۶۰۰۱) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان کون الشرك اقبح الذنوب (۸۶)]

[3] [صحیح: مسند احمد (۳۲/۵) طحاوی فی مشکل الآثار (۲۷/۴)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔[مجمع الزوائد (۱۶۴/۸)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۴۰۳)]

[4] [صحیح بالشواهد: مسند بزار (۱۸۹۷) عبد بن حمید (۱۱۲۹) الادب المفرد للبخاری (۱۲۶)] اس کی سند میں فضل بن مبشر راوی ہے جسے امام ابن معینؒ، امام نسائیؒ، امام ابوزرعہؒ اور امام ابوحاتمؒ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔[الکامل لابن عدی، مجمع الزوائد] تاہم اس کے صحیح شواہد موجود ہیں، ملاحظہ فرمائیے: ارواء الغلیل (۸۹۱) صحیح الترغیب (۲۵۷۴) صحیح ابن ماجه (۲۹۶۳) الموسوعة الحدیثية (۵۵۷۷)]

ہواور رشتے ناتے کا بھی تو حق اسلام حق ہمسائیگی حق صلہ رحمی تین حق اس کے ہو گئے۔ [1] نویں حدیث مسند احمد میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ میرے دو پڑوسی ہیں میں ایک کو ہدیہ بھیجنا چاہتی ہوں تو کس کو بھجواؤں؟ آپ نے فرمایا جس کا دروازہ قریب ہو۔ [2] دسویں حدیث طبرانی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا لوگوں نے آپ کے پانی کو لینا اور ملنا شروع کیا آپ نے پوچھا ایسا کیوں کرتے ہو؟ انہوں نے کہا اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آپ نے فرمایا جسے یہ خوش لگے کہ اللہ اور اس کا رسول اس سے محبت کریں تو اسے چاہئے کہ جب بھی بات کرے سچ کرے اور جب امانت دیا جائے تو ادا کرے (تفسیر ابن کثیر میں یہ حدیث یہیں پر ختم ہے لیکن شاید اگلا جملہ اس کا سہوا رہ گیا ہے وہ یہ کہ اسے چاہئے پڑوسی کے ساتھ سلوک واحسان کرے۔ [3] مترجم) گیارھویں حدیث مسند احمد میں ہے کہ قیامت کے دن سب سے پہلے جو جھگڑا اللہ کے سامنے پیش ہوگا وہ دو پڑوسیوں کا ہوگا۔ [4] پھر حکم ہوتا ہے صاحب بالجنب کے ساتھ سلوک کرنے کا۔اس سے مراد بہت سے مفسرین کے نزدیک عورت ہے اور بہت فرماتے ہیں مراد سفر کا ساتھی ہے اور یہ بھی مروی ہے کہ اس سے مراد دوست اور ساتھی ہے عام اس سے کہ سفر میں ہو یا قیام کی حالت میں۔ابن السبیل سے مراد مہمان ہے اور یہ بھی کہ جو سفر میں کہیں ٹھہر گیا ہو اگر مہمان سے بھی یہاں مراد لی جائے کہ سفر میں جاتے جاتے مہمان بنا تو دونوں ایک ہو گئے۔اس کا پورا بیان سورة براة کی تفسیر میں آرہا ہے۔انشاء اللہ تعالیٰ۔

غلاموں کے ساتھ حسن سلوک: پھر غلاموں کے بارے میں فرمایا جارہا ہے کہ ان کے ساتھ نیک سلوک رکھو اور اس کے لئے کہ وہ غریب تمہارے ہاتھوں اسیر ہے اس پر تو تمہارا کامل اختیار ہے تو تمہیں چاہئے کہ اس پر رحم کھاؤ اور اس کی ضروریات کا اپنے امکان بھر خیال رکھو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے آخری مرض الموت میں بھی اپنی امت کو اس کی وصیت فرما گئے۔فرماتے ہیں لوگو نماز کا اور غلاموں کا خوب خیال رکھنا بار بار اسی کو فرماتے رہے یہاں تک کہ زبان رکنے لگی۔ [5] مسند کی حدیث میں ہے آپ فرماتے ہیں جو خود کھائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنے بچوں کو

---

[1] [ضعیف: مسند بزار (۱۸۹۶) مختصر الزوائد لابن حجر (۱۸۰۴/۲)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عبداللہ بن محمد حارثی راوی وضاع ہے۔[مجمع الزوائد (۱۳۵۳٦)] حافظ عراقیؒ نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔[تخریج الاحیاء (۱۹۹۸)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الشفعة : باب ای الجوار اقرب (۲۲۵۹) و کتاب الادب : باب حق الجوار فی قرب الابواب (٦۰۲۰) ابوداؤد (۵۱۵۵) مسند احمد (۱۷۵/٦)]

[3] [صحیح: ابو نعیم فی المعرفة (۵/۲) بیهقی فی شعب الایمان (۱۵۳۳/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (۲۹۹۸)]

[4] [حسن: مسند احمد (۱۵۱/٤) طبرانی کبیر (۳۰۳/۱۷)] امام منذریؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔[الترغیب (۳۳۵/۳)] شیخ البانیؒ اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (۲۵٦۳) الموسوعة الحدیثیة (۱۷۳۷۲)]

[5] [صحیح: ابن ماجه : کتاب الجنائز : باب ماجآء فی ذکر مرض رسول الله (۱٦۲۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۲۳۸/۷)]

کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنی بیوی کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے جو اپنے خادم کو کھلائے وہ بھی صدقہ ہے۔ (۱) مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے ایک مرتبہ اپنے داروغہ سے فرمایا کہ کیا غلاموں کو تم نے ان کی خوراک دے دی؟ اس نے کہا اب تک نہیں دی فرمایا جاؤ دے کر آؤ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے انسان کو یہی گناہ کافی ہے کہ جن کی خوراک کا وہ مالک ہے ان سے روک رکھے۔ (۲) مسلم میں ہے مملوک ماتحت کا حق ہے کہ اسے کھلایا پلایا پہنایا اوڑھایا جائے اور اس کی طاقت سے زیادہ کام اس سے نہ لیا جائے۔ (۳) بخاری شریف میں ہے جب تم میں سے کسی کا خادم اس کا کھانا لے کر آئے تو تمہیں چاہئے کہ اگر ساتھ بٹھا کر نہیں کھلاتے تو کم از کم اسے لقمہ دو لقمہ دے دو خیال کرو کہ اس نے پکانے کی گرمی اور تکلیف اسی نے اٹھائی ہے (۴) اور روایت میں ہے کہ چاہئے تو یہ کہ اسے اپنے ساتھ بٹھا کر کھلائے اور اگر کھانا کم ہو تو لقمہ دو لقمے ہی دے دیا کرو آپ فرماتے ہیں تمہارے غلام بھی تمہارے بھائی ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں تمہارے ماتحت کر دیا ہے پس جس کے ہاتھ تلے اس کا بھائی ہو اسے اپنے کھانے سے کھلائے اور اپنے پہننے میں سے پہنائے اور ایسا کام نہ کرے کہ وہ عاجز ہو جائے اگر کوئی ایسا مشکل کام آ پڑے تو خود بھی اس کا ساتھ دے۔ (۵) (بخاری مسلم) پھر فرمایا کہ خود بین معجب، متکبر، خود پسند، لوگوں پر اپنی فوقیت جتانے والا، اپنے آپ کو تولنے والا، اپنے تئیں دوسروں سے بہتر جاننے والا ہے اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ بندہ نہیں وہ گو اپنے آپ کو بڑا سمجھے لیکن اللہ تعالیٰ کے ہاں وہ ذلیل ہے لوگوں کی نظروں میں وہ حقیر ہے بھلا کتنا اندھیر ہے کہ خود تو اگر کسی سے سلوک کرے تو اپنا احسان اس پر رکھے لیکن رب کی نعمتوں کا جو اللہ تعالیٰ نے اسے دے رکھی ہیں شکر بجا نہ لائے لوگوں میں بیٹھ کر فخر کرے کہ میں اتنا بڑا آدمی ہوں میرے پاس یہ بھی ہے اور وہ بھی ہے۔ حضرت ابو رجا ہروی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہر بد خلق، متکبر اور خود پسند ہوتا ہے پھر اسی آیت کو تلاوت کیا اور فرمایا ہر ماں باپ کا نافرمان سرکش اور بدنصیب ہوتا ہے۔ پھر آپ نے آیت ﴿وَبَرًّا بِوَالِدَتِي وَلَمْ يَجْعَلْنِي جَبَّارًا شَقِيًّا﴾ (۶) پڑھی۔ حضرت عوام بن

---

(۱) [حسن: مسند احمد (۱۳۱/۴) بیہقی فی السنن الکبری (۱۷۹/۴) نسائی فی السنن الکبری (۹۱۸۵_۹۲۰۴)] شیخ شعیب ارناؤوط اس حدیث کو حسن کہتے ہیں۔[الموسوعۃ الحدیثیۃ (۱۷۱۷۹)]

(۲) [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الزکاۃ: باب فضل النفقۃ (۹۹۶) ابوداؤد: کتاب الزکاۃ: باب فی صلۃ الرحم (۱۶۹۲) مسند احمد (۱۶۰/۲)]

(۳) [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب اطعام المملوک (۱۶۶۲) مسند احمد (۲۴۷/۲)]

(۴) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاطعمۃ: باب الاکل مع الخادم (۵۴۶۰) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب اطعام المملوک (۱۶۶۳) ابوداؤد (۳۸۴۶)]

(۵) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الایمان (۳۰) و کتاب العتق (۲۵۴۵) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب اطعام المملوک مما یاکل (۱۶۶۱) ترمذی: کتاب البر والصلۃ: باب ماجآء فی الاحسان الی الخادم (۱۹۴۵) ابن ماجہ: کتاب الادب: باب ماجآء فی الاحسان الی الممالیک (۳۶۹۰) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی حق المملوک (۵۱۵۸) مسند احمد (۱۵۸/۵)]

(۶) [سورۃ مریم: آیت ۳۲]

حوشب رحمۃ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں حضرت مطرف رحمۃ اللہ فرماتے ہیں مجھے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ایک روایت ملی تھی میرے دل میں تمنا تھی کہ کسی وقت خود ابوذر رضی اللہ عنہ سے مل کر اس روایت کو انہی کی زبانی سنوں چنانچہ ایک مرتبہ ملاقات ہوگئی تو میں نے کہا مجھے یہ خبر ملی ہے کہ آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک حدیث بیان فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ تین قسم کے لوگوں کو دوست رکھتا ہے اور تین قسم کے لوگوں کو ناپسند فرماتا ہے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہاں یہ سچ ہے میں بھلا اپنے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان کیسے باندھ سکتا ہوں؟ میں نے کہا اچھا پھر وہ تین کون ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ دشمن رکھتا ہے۔ آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور فرمایا اسے تو تم کتاب اللہ میں پاتے بھی ہو[1] بنو ہجیم کا ایک شخص رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتا ہے مجھے کچھ نصیحت کیجئے آپ نے فرمایا کپڑا ٹخنے سے نیچا نہ لٹکاؤ کیونکہ یہ تکبر اور خود پسندی ہے جسے اللہ ناپسند رکھتا ہے۔[2]

الَّذِيْنَ يَبْخَلُوْنَ وَيَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبُخْلِ وَيَكْتُمُوْنَ مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۭ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۳۷﴾ وَالَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَھُمْ رِئَاۗءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ وَمَنْ يَّكُنِ الشَّيْطٰنُ لَهٗ قَرِيْنًا فَسَاۗءَ قَرِيْنًا ﴿۳۸﴾ وَمَاذَا عَلَيْهِمْ لَوْ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَاَنْفَقُوْا مِمَّا رَزَقَھُمُ اللّٰهُ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ بِهِمْ عَلِــيْمًا ﴿۳۹﴾

جو لوگ خود بخیلی کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی بخیلی کرنے کو کہتے ہیں اور اللہ نے جو اپنا فضل انہیں دے رکھا ہے اسے چھپاتے ہیں ہم نے ان کافروں کے لئے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ۝ اور جو لوگ اپنے مال کو لوگوں کے دکھاوے کے لئے خرچ کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور جس کا ہم نشین اور ساتھی شیطان ہو پس وہ بدترین ساتھی ہے ۝ بھلا ان کا کیا نقصان تھا اگر یہ اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لاتے اور اللہ نے انہیں جو دے رکھا ہے اس کے نام پر دیتے' اللہ خوب جاننے والا ہے ۝

بخیل لوگوں کے لیے وعید: ارشاد ہوتا ہے جو لوگ اللہ کی خوشنودی کے موقعہ پر مال خرچ کرنے سے جی چراتے ہیں مثلاً ماں باپ کو دینا' قرابت داروں سے اچھا سلوک نہیں کرتے' یتیم' مسکین' پڑوسی' رشتہ دار' غیر رشتہ دار پڑوسی' ساتھی' مسافر' غلام' اور ماتحت کو ان کی محتاجی کے وقت فی سبیل اللہ نہیں دیتے اتنا ہی نہیں بلکہ لوگوں کو بھی بخل کا اور فی

---

[1] [صحیح: تفسیر ابن ابی حاتم (۵۳۱۳/۳) مسند طیالسی (۴٦۸) مستدرک حاکم (۸۸/۲) بیہقی فی شعب الایمان (۹۰۴۹) طبرانی کبیر (۱٦۳۷/۲)] امام حاکمؒ اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔ شیخ مصطفیٰ السید ،شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: مسند احمد (۵/٦۳۔ ٦٤) ابوداود (۴۰۷۵) ترمذی (۲۷۲۱) نسائی فی الکبری (۴۸٦/۵)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤط فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۲۰٦۳۵)]

سبیل اللہ خرچ نہ کرنے کا مشورہ دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں ہے کونسی بیماری بخل کی بیماری سے بڑھ کر ہے؟ [1] اور حدیث میں ہے لوگو بخیلی سے بچو اسی نے تم سے اگلوں کو تاخت وتاراج کیا اسی کے باعث ان سے قطع رحمی اور فسق وفجور جیسے برے کام نمایاں ہوئے [2] پھر فرمایا یہ لوگ ان دونوں برائیوں کے ساتھ ہی ساتھ ایک تیسری برائی کے بھی مرتکب ہیں یعنی اللہ کی نعمتوں کو چھپاتے ہیں انہیں ظاہر نہیں کرتے نہ ان کے کھانے پینے میں وہ ظاہر ہوتی ہیں نہ پہننے اوڑھنے میں نہ دینے لینے میں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿اِنَّ الْاِنْسَانَ لِرَبِّهٖ لَكَنُوْدٌ وَاِنَّهٗ عَلٰی ذٰلِكَ لَشَهِيْدٌ﴾ [3] یعنی انسان اپنے رب کا ناشکرا ہے اور وہ خود ہی اپنی اس حالت اور اس خصلت پر گواہ ہے پھر ﴿وَاِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ﴾ [4] وہ مال کی محبت میں مست ہے۔ پس یہاں بھی فرمان ہے کہ اللہ کے فضل کو یہ چھپاتا رہتا ہے پھر انہیں دھمکایا جاتا ہے کہ کافروں کے لئے ہم نے اہانت آمیز عذاب تیار کر رکھے ہیں، کفر کے معنی ہیں پوشیدہ رکھنا اور چھپالینا پس بخیل بھی اللہ کی نعمتوں کا چھپانے والا ان پر پردہ ڈال رکھنے والا بلکہ ان کا انکار کرنے والا ہے پس وہ نعمتوں کا کافر ہوا، حدیث شریف میں ہے اللہ جب کسی بندے پر اپنی نعمت انعام فرماتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کا اثر اس پر ظاہر ہو، [5] دعا نبوی ﷺ میں ہے ﴿وَاجْعَلْنَا شَاكِرِيْنَ لِنِعْمَتِكَ مُثْنِيْنَ بِهَا عَلَيْكَ قَابِلِيْهَا وَاَتِمَّهَا عَلَيْنَا﴾ اے اللہ ہمیں اپنی نعمتوں پر شکر گذار بنا اور ان کی وجہ سے ہمیں اپنا ثنا خواں بنا ان کا قبول کرنے والا بنا اور ان نعمتوں کو ہمیں بھرپور عطا فرما، [6] بعض سلف کا قول ہے کہ یہ آیت یہودیوں کے اس بخل کے بارے میں ہے جو وہ اپنی کتاب میں حضرت محمد ﷺ کی صفات کے چھپانے میں کرتے تھے اس لیے اس کے آخر میں ہے کہ کافروں کے لئے ذلت آمیز عذاب ہم نے تیار کر رکھے ہیں۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کا اطلاق ان پر بھی ہوسکتا ہے لیکن یہ بظاہر یہاں مال کا بخل بیان ہو رہا ہے گو علم کا بخل بھی اس میں بطور اولی داخل ہے۔ خیال کیجئے کہ بیان آیت ﴿اقرباء ضعفاء﴾ کو مال دینے کے بارے میں ہے اسی طرح اس کے بعد والی آیت میں ریاکاری کے طور پر فی سبیل اللہ مال دینے کی مذمت بھی بیان کی جارہی ہے۔ پہلے ان کا بیان ہوا جو ممسک اور بخیل ہیں کوڑی کوڑی کو دانتوں سے تھام رکھتے ہیں۔

---

[1] [صحیح :بخاری : کتاب المغازی : باب قصة عمان والبحرین (۴۳۸۳)]

[2] [صحیح :مسند احمد (۱۹۵/۲) مستدرك حاکم (۱۱/۱) ابوداؤد : کتاب الزکاة : باب فی الشح (۱۶۹۸)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[3] [سورۃ العادیات: آیت ۶،۷] [4] [سورۃ العادیات : آیت ۸]

[5] [صحیح :مسند احمد (۴۷۳/۳) طبرانی کبیر (۶۲۳/۱۹) صحیح ابن حبان (۵۴۱۷)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[السلسلة الصحیحة (۱۲۹۰/۳، ۱۳۲۰)] شیخ مصطفی السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[6] [صحیح :ابوداؤد : کتاب الصلاة : باب التشهد (۹۶۹) مستدرك حاکم (۲۶۵/۱) صحیح ابن حبان (۹۹۶/۳)] امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ امام ابن حبانؒ اور شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابوداود]

پھران کا بیان ہوا جو دیتے ہیں لیکن بدنیتی اور دنیا میں واہ واہ ہونے کی خاطر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ جن تین قسم کے لوگوں سے جہنم کی آگ سلگائی جائے گی وہ یہی ریا کار ہوں گے ریا کار عالم ریا کار غازی، ریا کار سخی ایسا سخی کہے گا باری تعالیٰ تیری ہر ہر راہ میں میں نے اپنا مال خرچ کیا تو اسے اللہ تعالیٰ کی جانب سے جواب ملے گا کہ تو جھوٹا ہے تیرا ارادہ تو صرف یہ تھا کہ تو سخی اور جواد مشہور ہو جائے سو وہ ہو چکا[1] یعنی تیرا مقصود دنیا کی شہرت تھی وہ میں تجھے دنیا میں ہی دے چکا پس تیری مراد حاصل ہو چکی ہے اور حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تیرے باپ نے اپنی سخاوت سے جو چاہا وہ اسے مل گیا۔[2] حضور ﷺ سے سوال ہوتا ہے کہ عبداللہ بن جدعان تو بڑا سخی تھا جس نے مساکین وفقرا کے ساتھ بڑے سلوک کئے اور نام الہ سے بہت غلام آزاد کئے تو کیا اسے ان کا نفع نہ ملے گا؟ آپ نے فرمایا نہیں اس نے تو عمر بھر میں ایک دن بھی نہ کہا کہ اے اللہ میرے گناہوں کو قیامت کے دن معاف فرما دینا۔[3] اسی لئے یہاں بھی فرماتا ہے کہ ان کا ایمان اللہ اور قیامت پر نہیں۔ ورنہ شیطان کے پھندے میں نہ پھنس جاتے اور بد کو بھلا نہ سمجھ بیٹھتے یہ شیطان کے ساتھی ہیں اور شیطان ان کا ساتھی ہے۔ ساتھی کی برائی پر ان کی برائی بھی سوچ لو۔ عرب شاعر کہتا ہے

عَنِ الْمَرْءِ لَا تَسْأَلْ وَسَلْ عَنْ قَرِيْنِهٖ ۔۔۔ فَكُلُّ قَرِيْنٍ بِالْمُقَارِنِ يَقْتَدِيْ

انسان کے بارے میں نہ پوچھ اس کے ساتھیوں کا حال دریافت کر لے۔ ہر ساتھی اپنے ساتھی کا ہی پیروکار ہوتا ہے۔ پھر ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں اللہ پر ایمان لانے اور صحیح راہ پر چلنے اور ریا کاری کو چھوڑ دینے اور اخلاص ویقین پر قائم ہو جانے سے کونسی چیز مانع ہے؟ ان کا اس میں کیا نقصان ہے؟ بلکہ سراسر فائدہ ہے کہ ان کی عاقبت سنور جائے گی یہ کیوں اللہ کی راہ میں مال خرچ کرنے سے تنگ دلی کر رہے ہیں۔

اللہ کی محبت اور اس کی رضامندی حاصل کرنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ اللہ انہیں خوب جانتا ہے ان کی بھلی اور بری نیتوں کا اسے علم ہے اہل توفیق اور غیر اہل توفیق سب اس پر ظاہر ہیں وہ بھلوں کو عمل صالح کی توفیق عطا فرما کر اپنی خوشنودی کے کام ان سے لے کر اپنی قربت انہیں عطا فرماتا ہے اور بروں کو اپنی عالی جناب اور زبردست سرکار سے دھکیل دیتا ہے جس سے ان کی دنیا اور آخرت برباد ہوتی ہے۔ ﴿عَيَاذًا بِاللّٰهِ مِنْ ذَالِكَ﴾۔

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب من قاتل للریاء (۱۹۰۵) ترمذی : کتاب الزھد : باب ماجآء فی الریاء والسمعۃ (۲۳۸۲)]

[2] [حسن بالشواھد : مسند احمد (۲۵۸/٤) مسند طیالسی (۱۰۳٤) طبرانی کبیر (۲۵۰) صحیح ابن حبان (۳۳۲) مستدرك حاکم (۲٤۰/٤)] امام حاکمؒ نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ مسند احمد کے راوی ثقہ ہیں۔ [مجمع الزوائد (۱۲٤/۱)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب الدلیل علی ان من مات علی الکفر لا ینفعه عمل (۲۱٤)]

إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ ۖ وَإِن تَكُ حَسَنَةً يُضَاعِفْهَا وَيُؤْتِ مِن لَّدُنْهُ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٤٠﴾ فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِن كُلِّ أُمَّةٍ بِشَهِيدٍ وَجِئْنَا بِكَ عَلَىٰ هَٰؤُلَاءِ شَهِيدًا ﴿٤١﴾ يَوْمَئِذٍ يَوَدُّ الَّذِينَ كَفَرُوا وَعَصَوُا الرَّسُولَ لَوْ تُسَوَّىٰ بِهِمُ الْأَرْضُ وَلَا يَكْتُمُونَ اللَّهَ حَدِيثًا ﴿٤٢﴾

بیشک اللہ تعالیٰ ایک ذرے برابر ظلم نہیں کرتا اور اگر نیکی ہو تو اسے دوگنی کر دیتا ہے اور خاص اپنے پاس سے بہت بڑا ثواب دیتا ہے ○ پس کیا حال ہوگا جس وقت کہ ہر امت میں سے ایک گواہ ہم لائیں گے اور تجھے ان لوگوں پر گواہ بنا کر لائیں گے ○ جس روز کافر اور رسول کے نافرمان آرزو کریں گے کہ کاش کہ انہیں زمین کے ساتھ ہموار کر دیا جاتا' اور اللہ تعالیٰ سے کوئی بات نہ چھپا سکیں گے ○

اللہ ظالم نہیں: باری تعالیٰ رب العالمین فرماتا ہے کہ میں کسی پر ظلم نہیں کرتا' کسی کی نیکی کو ضائع نہیں کرتا' بلکہ بڑھا چڑھا کر قیامت کے روز اس کا اجر و ثواب عطا فرماؤں گا جیسے فرمایا تھا ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِينَ الْقِسْطَ﴾ [1] الخ' ہم عدل کی ترازو رکھیں گے۔ اور فرمایا کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے صاحبزادے سے فرمایا تھا ﴿يَا بُنَيَّ إِنَّهَا إِن تَكُ مِثْقَالَ حَبَّةٍ مِّنْ خَرْدَلٍ﴾ [2] الخ' اے بیٹے اگر کوئی چیز رائی کے دانے کے برابر ہو گو وہ کسی پتھر میں یا آسمانوں میں ہو یا زمین کے اندر ہو اللہ اسے لا حاضر کرے گا' بیشک اللہ تعالیٰ باریک بین خبردار ہے۔ اور جگہ فرمایا: ﴿يَوْمَئِذٍ يَصْدُرُ النَّاسُ﴾ [3] الخ' اس دن لوگ اپنے مختلف احوال پر لوٹیں گے تا کہ انہیں ان کے اعمال دکھائے جائیں' پس جس نے ذرہ برابر نیکی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا اور جس نے ذرہ برابر برائی کی ہوگی وہ اسے دیکھ لے گا' بخاری و مسلم کی شفاعت کے ذکر والی مطول حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا لوٹ کر جاؤ اور جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان دیکھو اسے جہنم سے نکال لاؤ۔ [4] پس بہت سی مخلوق جہنم سے آزاد ہوگی حضرت ابوسعید یہ حدیث بیان فرما کر فرماتے ہیں اگر تم چاہو تو آیت قرانی کے اس جملے کو پڑھ لو ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ﴾ الخ' ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان مروی ہے کہ قیامت کے دن کسی اللہ کے بندے یا بندی کو لایا جائے گا اور ایک پکارنے والا تمام اہل محشر کو سنا کر با آواز بلند کہے گا یہ فلاں کا بیٹا یا بیٹی ہے اس کا نام یہ ہے جس کسی کا کوئی حق اس کے ذمہ باقی ہو وہ آئے اور لے جائے اس وقت یہ حالت ہوگی کہ عورت چاہے گی کہ اس کا کوئی حق اس کے باپ پر یا ماں پر یا بھائی یا شوہر پر ہو تو دوڑ کر آئے اور لے۔ رشتے ناتے کٹ جائیں گے کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا اللہ تعالیٰ اپنا جو حق چاہے معاف فرما دے گا لیکن لوگوں کے حقوق میں سے کوئی حق معاف نہ فرمائے گا' اسی طرح جب حقدار آ جائیں گے تو کہا جائے گا کہ ان کے حق ادا کر یہ

---

[1] [سورة الانبياء : آيت ٤٧] [2] [سورة لقمان : آيت ١٦] [3] [سورة الزلزلة : آيت ٦-٨]

[4] [صحيح : صحيح بخارى : كتاب التوحيد : باب قول الله : وجوه يومئذ ناظرة (٧٤٣٩) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب معرفة طريق الرؤية (١٨٣) مسند احمد (١٦/٣)]

کہے گا دنیا تو ختم ہو چکی ہے آج میرے ہاتھ میں کیا ہے جو میں دوں؟ پس اس کے نیک اعمال لئے جائیں گے اور حقداروں کو دیئے جائیں گے اور ہر ایک کا حق اسی طرح ادا کیا جائے گا۔ اب یہ شخص اگر اللہ کا دوست ہے تو اس کے پاس ایک رائی کے دانے کے برابر نیکی بچ رہے گی جسے بڑھا چڑھا کر صرف اسی کی بناء پر اللہ تعالیٰ اسے جنت میں لے جائے گا پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی اور اگر وہ بندہ اللہ کا دوست نہیں ہے بلکہ بد بخت اور سرکش ہے تو یہ حال ہوگا کہ فرشتہ کہے گا کہ باری تعالیٰ اس کی سب نیکیاں ختم ہو گئیں اور ابھی حقدار باقی رہ گئے حکم ہوگا کہ ان کی برائیاں لے کر اس پر لاد دو پھر اسے جہنم واصل کردو اعاذنا اللہ منہا۔ اس موقوف اثر کے بعض شواہد مرفوع احادیث میں بھی موجود ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ابن عمر رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ آیت ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ [1] اعراب کے بارے میں اتری ہے۔ اس پر ان سے سوال ہوا کہ پھر مہاجرین کے بارے میں کیا ہے آپ نے فرمایا اس سے بہت اچھی آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ﴾ الخ۔

حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مشرک کے بھی عذابوں میں اس کے باعث کمی کر دی جاتی ہے ہاں جہنم سے نکلے گا نہیں، چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! آپ کے چچا ابو طالب آپ کے پشت پناہ بنے ہوئے تھے آپ کو لوگوں کی ایذاؤں سے بچاتے رہتے تھے آپ کی طرف سے ان سے لڑتے تھے تو کیا انہیں کچھ نفع بھی پہنچے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں وہ بہت تھوڑی سی آگ میں ہے اور اگر میرا یہ تعلق نہ ہوتا تو جہنم کے نیچے کے طبقے میں ہوتا۔ [2] لیکن یہ بہت ممکن ہے کہ یہ فائدہ ابو طالب کے لئے ہی ہو یعنی اور کفار اس حکم میں نہ ہوں اس لئے کہ مسند طیالسی کی حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ مومن کی کسی نیکی پر ظلم نہیں کرتا دنیا میں روزی رزق وغیرہ کی صورت میں اس کا بدلہ ملتا ہے اور آخرت میں اجر اور ثواب کی شکل میں بدلہ ملے گا۔ ہاں کافر تو اپنی نیکی دنیا میں ہی کھا جاتا ہے قیامت کے دن اس کے پاس کوئی نیکی نہ ہو گی۔ [3] اجر عظیم سے مراد اس آیت میں جنت ہے اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل و کرم لطف و رحم سے اپنی رضامندی عطا فرمائے اور جنت نصیب کرے۔ آمین۔ مسند احمد کی ایک غریب حدیث میں ہے حضرت ابو عثمان رحمہ اللہ فرماتے ہیں مجھے خبر ملی کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندے کو ایک نیکی کے بدلے ایک لاکھ نیکی کا ثواب دے گا مجھے بڑا تعجب ہوا اور میں نے کہا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی خدمت میں تم سب سے زیادہ میں رہا ہوں میں نے تو کبھی آپ سے یہ حدیث نہیں سنی اب میں نے پختہ ارادہ کر لیا کہ جاؤں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مل کر ان سے خود پوچھ آؤں چنانچہ میں نے سامان سفر درست کیا اور اس روایت کی چھان بین کے لئے روانہ ہوا معلوم ہوا کہ وہ تو حج کو گئے ہیں تو میں بھی حج کی نیت سے وہاں پہنچا ملاقات ہوئی تو میں نے کہا اے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ

---

[1] [سورۃ الانعام : آیت ۱۶۰]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب مناقب الانصار : باب قصۃ ابی طالب ، صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب ذکر شفاعۃ النبی لابی طالب (۲۰۹)]

[3] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب جزاء المؤمن (۲۸۰۸) مسند احمد (۱۲۳/۳)]

میں نے سنا آپ نے ایسی حدیث بیان کی ہے؟ کیا یہ سچ ہے؟ آپ نے فرمایا کیا تمہیں تعجب معلوم ہوتا ہے؟ تم نے قرآن میں نہیں پڑھا؟ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص اللہ کو اچھا قرض دے اللہ اسے بہت بہت بڑھا کر عنایت فرماتا ہے اور دوسری آیت میں ساری دنیا کو کم کہا گیا ہے اللہ تعالیٰ کی قسم میں نے آنحضرت ﷺ سے سنا ہے کہ ایک نیکی کو بڑھا کر اس کے بدلے دولاکھ ملیں گے۔ (۱) یہ حدیث اور طریقوں سے بھی مروی ہے۔

پھر قیامت کے دن کی سختی اور ہولناکی بیان فرما رہا ہے کہ اس دن انبیاء علیہم السلام کو بطور گواہ پیش کیا جائے گا جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَاَشْرَقَتِ الْاَرْضُ بِنُوْرِ رَبِّهَا وَوُضِعَ الْكِتٰبُ وَجِایْٓءَ بِالنَّبِیّٖنَ وَالشُّهَدَآءِ﴾ (۲) زمین اپنے رب کے نور سے چمکنے لگے گی نامہ اعمال دیئے جائیں گے اور نبیوں اور گواہوں کو لا کھڑا کیا جائے گا۔ اور جگہ فرمان ہے ﴿وَیَوْمَ نَبْعَثُ فِیْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِیْدًا عَلَیْهِمْ مِّنْ اَنْفُسِهِمْ﴾ (۳) الخ، ہر امت پر انہی میں سے ہم گواہ کھڑا کریں گے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے فرمایا مجھے کچھ قرآن پڑھ کر سناؤ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو کیا پڑھ کر سناؤں گا آپ ہی پر تو اترا ہے فرمایا ہاں لیکن میرا جی چاہتا ہے کہ دوسرے سے سنوں پس میں نے سورہ نساء کی تلاوت شروع کی پڑھتے پڑھتے جب میں نے اس آیت ﴿فَكَیْفَ﴾ کی تلاوت کی تو آپ نے فرمایا بس کرو میں نے دیکھا کہ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ (۴) حضرت محمد بن فضالہ انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قبیلہ بنی ظفر کے پاس رسول اللہ ﷺ آئے اور ایک چٹان پر بیٹھ گئے جواب تک ان کے محلے میں ہے آپ کے ساتھ ابن مسعود، معاذ بن جبل اور دیگر صحابہ رضی اللہ عنہم بھی تھے آپ نے ایک قاری سے فرمایا قرآن پڑھو وہ پڑھتے پڑھتے جب اس آیت ﴿فَكَیْفَ﴾ تک پہنچا تو آپ اس قدر روئے کہ دونوں رخسار اور داڑھی تر ہوگئی اور عرض کرنے لگے یارب جو موجود ہیں ان پر تو خیر میری گواہی ہوگی لیکن جن لوگوں کو میں نے دیکھا ہی نہیں ان کی بابت کیسے؟۔ (۵) (ابن ابی حاتم) ابن جریر میں ہے کہ آپ نے فرمایا میں ان پر گواہ ہوں جب تک کہ ان میں ہوں پس جب تو مجھے فوت کرے گا تو تو ہی ان پر نگہبان ہے' (۶) ابو عبداللہ قرطبی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تذکرہ میں باب باندھا ہے کہ نبی ﷺ کی اپنی

---

(۱) [ضعیف بمسند احمد (۵۲۱/۲)] اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔]

(۲) [سورۃ الزمر: آیت ۶۹] (۳) [سورۃ النحل : آیت ۸۹]

(۴) [صحیح بصحیح بخاری : کتاب فضائل القرآن : باب قول المقری للقاری حسبك (۵۰۵۰) صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین : باب فضل استماع القرآن (۸۰۰) مسند احمد (۳۸۰/۱)]

(۵) [حسن بمسند احمد (۳۷۴/۱) طبرانی کبیر (۲۴۳/۱۹) تفسیر ابن ابی حاتم (۵۳۴۴/۳) بخاری فی التاریخ الکبیر (۱۶/۱)] امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔[مجمع الزوائد (۷/۷)] امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔[الدر المنثور (۲۹۱/۲)]

(۶) [صحیح :تفسیر ابن حریر الطبری (۹۵۲۰) طبرانی کبیر (۹۷۸۱/۱۰) مستدرك حاکم (۳۱۹/۳)] امام حاکم رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔[مجمع الزوائد (۲۲/۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔]

امت پر شہادت کے بارے میں کیا آیا ہے؟ اس میں حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا یہ قول لائے ہیں کہ ہر دن صبح شام نبی ﷺ پر آپ کی امت کے اعمال پیش کئے جاتے ہیں مع ناموں کے پس آپ قیامت کے دن ان سب پر گواہی دیں گے پھر یہی آیت تلاوت فرمائی لیکن اولاً تو یہ حضرت سعید کا اپنا قول ہے' دوسرے یہ کہ اس کی سند میں انقطاع ہے' اس میں ایک راوی مبہم ہے' جس کا نام ہی نہیں تیسرے یہ حدیث مرفوع کر کے بیان ہی نہیں کرتے۔

ہاں امام قرطبی رحمہ اللہ اس کو قبول کرتے ہیں وہ اس کے لانے کے بعد فرماتے ہیں کہ پہلے گذر چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے سامنے ہر پیر اور ہر جمعرات کو اعمال پیش کئے جاتے ہیں پس انبیاء علیہم السلام پر اور ماں باپ پر ہر جمعہ کو پیش کئے جاتے ہیں اور اس میں کوئی تعارض نہیں ممکن ہے کہ ہمارے نبی ﷺ پر ہر جمعہ کو بھی پیش ہوتے ہوں اور ہر دن کو بھی (ٹھیک یہی ہے کہ یہ بات صحت کے ساتھ ثابت نہیں واللہ اعلم ۔ مترجم)

پھر فرماتا ہے کہ اس دن کافر اور نافرمان رسول آرزو کرے گا کہ کاش کہ زمین پھٹ جاتی اور یہ اس میں سما جاتا پھر زمین برابر ہو جاتی کیونکہ ناقابل برداشت ہولناکیوں رسوائیوں اور ڈانٹ ڈپٹ سے گھبرا اٹھے گا جیسے اور آیت میں ہے ﴿یَوْمَ یَنْظُرُ الْمَرْءُ﴾ [1] الخ' جس دن انسان اپنے آگے بھیجے ہوئے اعمال کو اپنی آنکھوں دیکھ لے گا اور کافر کہے گا کاش کہ میں مٹی ہو گیا ہوتا۔

پھر فرمایا یہ ان تمام بدافعالیوں کا اس دن اقرار کریں گے جو انہوں نے کی تھیں اور ایک چیز بھی پوشیدہ نہ رکھیں گے۔ ایک شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا حضرت ایک جگہ تو قرآن میں ہے کہ مشرکین قیامت کے دن کہیں گے ﴿وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ﴾ [2] اللہ تعالیٰ کی قسم رب کی قسم ہم نے شرک نہیں کیا اور دوسری جگہ ہے کہ ﴿وَلَا یَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا﴾ [3] اللہ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے پھر ان دونوں آیتوں کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا اس کا اور وقت ہے اس کا وقت اور ہے اور جب موحدوں کو جنت میں جاتے ہوئے دیکھیں گے تو کہیں گے آؤ تم بھی اپنے شرک کا انکار کرو کیا عجب کام چل جائے پھر ان کے منہ پر مہریں لگ جائیں گی اور ہاتھ پاؤں بولنے لگیں گے اب اللہ تعالیٰ سے ایک بات بھی نہ چھپائیں گے۔ (ابن جریر) مسند عبدالرزاق میں ہے کہ اس شخص نے آ کر کہا تھا بہت سی چیزیں مجھ پر قرآن میں مختلف ہوتی ہیں تو آپ نے فرمایا کیا مطلب تجھے کیا قرآن میں شک ہے؟ اس نے کہا شک تو نہیں ہاں میری سمجھ میں اختلاف نظر آ رہا ہے آپ نے فرمایا جہاں جہاں اختلاف تجھے نظر آیا ہو ان مقامات کو پیش کر تو اس نے یہ دو آیتیں پیش کیں کہ ایک سے چھپانا ثابت ہوتا ہے دوسرے سے نہ چھپانا پایا جاتا ہے تو آپ نے اسے یہ جواب دے کر دونوں آیتوں کی تطبیق سمجھا دی۔ ایک اور روایت میں سائل کا نام بھی آیا ہے کہ وہ نافع بن ازرق تھے یہ بھی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے ان سے یہ بھی فرمایا کہ شاید تم کسی ایسی مجلس سے آ رہے ہو جہاں ان کا تذکرہ ہو رہا ہو گا یا تم نے کیا ہو گا کہ میں جاتا ہوں اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کرتا ہوں اگر میرا گمان صحیح ہے تو تمہیں لازم ہے کہ جواب سن کر انہیں بھی جا کر سنا دو پھر یہی جواب دیا۔

---

[1] [سورۃ نبا : آیت ٤٠] [2] [سورۃ الانعام : آیت ٢٣] [3] [سورۃ النساء : آیت ٤٢]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوْا مَا تَقُوْلُوْنَ وَلَا جُنُبًا اِلَّا عَابِرِيْ سَبِيْلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا غَفُوْرًا ﴿٤٣﴾

اے ایمان والو تم جب نشے میں مست ہو تو نماز کے قریب بھی نہ جاؤ جب تک کہ اپنی بات کو نہ سمجھنے لگو اور نہ جنابت کی حالت میں جب تک کہ غسل نہ کر لو ہاں اگر راہ چلتے مسافر ہو تو اور بات ہے اور اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی پاخانے سے آیا ہو یا تم نے عورتوں سے مباشرت کی ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو پاک مٹی کا قصد کرو اور اپنے منہ اور اپنے ہاتھ مل لو بے شک اللہ تعالیٰ معاف کرنے اور بخشنے والا ہے ○

بتدریج شراب کی حرمت: اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے ایمان دار بندوں کو نشے کی حالت میں نماز پڑھنے سے روک رہا ہے کیونکہ اس وقت نمازی کو معلوم ہی نہیں ہوتا کہ وہ کیا کہہ رہا اور ساتھ ہی محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے روکا جا رہا ہے اور ساتھ ہی جنبی شخص جسے نہانے کی حاجت ہو محل نماز یعنی مسجد میں آنے سے روکا جا رہا ہے۔ ہاں ایسا شخص کسی کام کی وجہ سے مسجد کے ایک دروازے سے داخل ہو کر دوسرے دروازے سے نکل جائے تو جائز ہے، نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کا حکم شراب کی حرمت سے پہلے تھا جیسے اس حدیث سے ظاہر ہے جو ہم نے سورۂ بقرہ کی آیت ﴿يَسْـَٔـلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ [1] الخ، کی تفسیر میں بیان کی ہے کہ نبی ﷺ نے جب وہ آیت حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے تلاوت کی تو آپ نے دعا مانگی کہ اے اللہ شراب کے بارے میں اور صاف صاف بیان نازل فرما پھر نشے کی حالت میں نماز کے قریب نہ جانے کی یہ آیت اتری اس پر نمازوں کے وقت اس کا پینا لوگوں نے چھوڑ دیا اسے سن کر بھی جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے یہی دعا مانگی تو آیت ﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ﴾ سے ﴿فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ [2] تک نازل ہوئی جس میں شراب سے بچنے کا حکم صاف موجود ہے اسے سن کر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم باز آئے اسی روایت کی ایک سند میں ہے کہ جب سورہ نساء کی یہ آیت نازل ہوئی اور نشے کے وقت نماز پڑھنے کی ممانعت ہوئی اس وقت یہ دستور تھا کہ جب نماز کھڑی ہوتی تو ایک شخص آواز لگاتا کہ کوئی نشہ والا نماز کے قریب نہ آئے۔ [3] ابن ماجہ شریف میں ہے حضرت سعد رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے بارے میں چار آیتیں نازل ہوئیں ہیں۔ ایک انصاری نے بہت سے لوگوں کی دعوت کی ہم سب نے خوب کھایا پیا پھر شرابیں پیں اور مخمور ہو گئے پھر آپس میں فخر جتانے لگے ایک شخص نے اونٹ کے جبڑے کی ہڈی اٹھا کر حضرت

---

[1] [سورة البقره : آيت ٢١٩] [2] [سورة المائده : آيت ٩٠، ٩١]

[3] [صحيح : ابوداؤد : كتاب الاشربة : باب فى تحريم الخمر (٣٦٧٠) ترمذى : كتاب تفسير القرآن : باب ومن سورة المائدة (٣٠٤٩) مسند احمد (٥٣/١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابوداود، صحيح ترمذى]

سعد رضی اللہ عنہ کو ماری جس سے ناک پر زخم آیا اور اس کا نشان باقی رہ گیا اس وقت تک شراب کو اسلام نے حرام نہیں کیا تھا پس یہ آیت نازل ہوئی یہ حدیث مسلم شریف میں بھی پوری مروی ہے۔ [1]

ابن ابی حاتم کی روایت میں ہے کہ عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نے دعوت کی لوگ گئے سب نے کھانا کھایا پھر شراب پی اور مست ہو گئے اتنے میں نماز کا وقت آ گیا ایک شخص کو امام بنایا اس نے نماز میں سورہ ﴿قُلْ يَـا أَيُّهَا الْكَافِرُوْنَ﴾ میں اس طرح پڑھا ﴿مَـا أَعْبُـدُ مَـا تَـعْبُدُوْنَ وَنَحْنُ نَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ﴾ اس پر یہ آیت اتری اور نشے کی حالت میں نماز کا پڑھنا منع کیا گیا۔ یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور حسن ہے۔ [2] ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ اور تیسرے ایک اور صاحب نے شراب پی اور حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ نماز میں امام بنائے گئے اور قرآن کی قرات غلط ملط کر دی اس پر یہ آیت اتری۔ ابوداؤد اور نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ [3] ابن جریر کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے امامت کی اور جس طرح پڑھنا چاہئے تھا نہ پڑھ سکے اس پر یہ آیت نازل ہوئی [4] اور ایک روایت میں مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ بن عوف نے امامت کرائی اور اس طرح پڑھا ﴿قُلْ يَـا أَيُّهَـا الْكَافِرُوْنَ○ أَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ○ وَأَنْتُمْ عَـابِـدُوْنَ مَآ أَعْبُدُ○ وَأَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْ○ لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ○﴾ پس یہ آیت نازل ہوئی اور اس حالت میں نماز پڑھنا حرام کر دیا گیا [5] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شراب کی حرمت سے پہلے لوگ نشہ کی حالت میں نماز کے لئے کھڑے ہوتے تھے پس اس آیت سے انہیں ایسا کرنے سے روک دیا گیا۔ (ابن جریر) حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کے نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے رک گئے پھر شراب کی مطلق حرمت نازل ہونے کے بعد لوگ اس سے بالکل تائب ہو گئے۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے شراب کا نشہ مراد نہیں بلکہ نیند کا خمار مراد ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ٹھیک یہی ہے کہ مراد اس سے شراب کا نشہ ہے اور یہاں خطاب ان سے کیا گیا ہے جو نشہ میں ہیں لیکن اتنے نشہ میں نہیں کہ احکام شرع ان پر جاری ہی نہ ہو سکیں کیونکہ نشے کی ایسی حالت والا شخص مجنون کے حکم میں ہے۔ بہت سے اصولی حضرات کا قول ہے کہ خطاب ان لوگوں سے ہے جو کلام کو سمجھ سکیں ایسے نشہ والوں کی طرف نہیں جو سمجھتے ہی نہیں کہ ان سے کیا کہا جا رہا ہے اس لئے کہ خطاب کا سمجھنا شرط ہے تکلیف کی، اور بھی کہا گیا ہے کہ گو الفاظ یہ ہیں کہ نشہ کی حالت میں نماز نہ پڑھو لیکن مراد یہ

---

[1] [صحيح صحيح مسلم : كتاب فضائل الصحابة : باب فى فضل سعد بن ابى وقاص (١٧٤٨) مسند احمد (١/١٨٥ـ ١٨٦)]

[2] [صحيح تفسير ابن جرير الطبرى (٩٥٢٦) ابو داؤد : كتاب الاشربة : باب تحريم الخمر (٣٦٧١) ترمذى : كتاب تفسير القرآن (٣٠٢٦) مستدرك حاكم (٢/٣٠٧) الضياء فى المختارة (٢/٥٦٧)] امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ابو داود]

[3] [أيضا]

[4] [صحيح بالشواهد تفسير ابن جرير الطبرى (٨/٩٥٢٥)]

[5] [صحيح بالشواهد تفسير ابن جرير الطبرى (٨/٩٥٢٧)]

ہے کہ نشے کی چیز کھاؤ پیو بھی نہیں اس لئے کہ دن رات میں پانچ وقت نماز فرض ہے تو کیسے ممکن ہے کہ ایک شرابی ان پانچوں وقت کی نمازیں ٹھیک وقت پر ادا کر سکے حالانکہ شراب برابر پی رہا ہے واللہ اعلم۔ پس یہ حکم بھی اسی طرح ہوگا جس طرح یہ حکم ہے کہ ایمان والو اللہ سے ڈرتے رہو جتنا اس سے ڈرنے کا حق ہے اور نہ مرنا تم مگر اس حالت میں کہ تم مسلمان ہو تو اس سے مراد یہ کہ ایسی تیاری ہر وقت رکھو اور ایسے پاکیزہ اعمال ہر وقت کرتے رہو کہ جب تمہیں موت آئے تو اسلام پر دم نکلے یہ جو اس آیت میں ارشاد ہوا ہے کہ یہاں تک کہ تم معلوم کر سکو جو تم کہہ رہے ہو یہ نشہ کی حد ہے یعنی نشہ کی حالت میں اس شخص کو سمجھا جائے گا جو اپنی بات نہ سمجھ سکے نشہ والا انسان قرات میں غلط ملط کر دے گا اسے سوچنے سمجھنے اور غور و فکر کرنے کا موقعہ نہ ملے گا نہ ہی اسے عاجزی اور خشوع و خضوع حاصل ہو سکتا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ جب تم میں سے اگر کوئی نماز میں اونگھنے لگے تو اسے چاہئے کہ وہ نماز چھوڑ کر سو جائے جب تک کہ وہ جاننے لگے کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ (١) بخاری اور نسائی میں یہ حدیث ہے اور اس کے بعض طریق میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ممکن ہے کہ چاہے تو وہ اپنے لئے استغفار کرے لیکن اس کی زبان سے اس کے خلاف نکلے۔ (٢)

مسجد کے آداب اور تیمّم: پھر فرمان ہے کہ جنبی نماز کے قریب نہ جائے جب تک غسل نہ کر لے ہاں بطور گذر جانے کے مسجد میں سے گذرنا جائز ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ایسی ناپاکی کی حالت میں مسجد میں جانا ناجائز ہے ہاں مسجد کی ایک طرف سے نکل جانے میں کوئی حرج نہیں مسجد میں بیٹھے نہیں (٣) اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کا یہی قول ہے حضرت یزید بن ابو حبیب فرماتے ہیں بعض انصار جو مسجد کے گرد رہتے تھے اور جنبی ہوتے تھے گھر میں پانی نہیں ہوتا تھا اور گھر کے دروازے مسجد سے متصل تھے انہیں اجازت مل گئی کہ مسجد سے اسی حالت میں گذر سکتے ہیں۔ (٤) بخاری شریف کی ایک حدیث سے یہ بھی بات صاف طور پر ثابت ہوتی ہے کہ لوگوں کے گھروں کے دروازے مسجد میں تھے چنانچہ حضور ﷺ نے اپنے آخری مرض الموت میں فرمایا تھا کہ مسجد میں جن جن لوگوں کے دروازے پڑتے ہیں سب کو بند کر دو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کا دروازہ رہنے دو۔ (٥) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آپ کے بعد آپ کے جانشین حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ ہوں گے تو انہیں ہر وقت اور بکثرت مسجد میں آنے جانے کی ضرورت رہے گی تاکہ مسلمانوں کے اہم امور کا فیصلہ کر سکیں اس لئے آپ نے سب کے دروازے بند کرنے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا دروازہ کھلا رکھنے کی ہدایت فرمائی۔ بعض سنن کی اس حدیث میں بجائے

---

(١) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب الوضوء النوم (٢١٣) نسائی: کتاب الغسل والتیمم: باب الامر بالوضوء من النوم (٤٤٤) مسند احمد (١٠٠/٣)]

(٢) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب الوضوء من النوم (٢١٢) صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین: باب امر من نعس فی صلاته (٧٨٦) ترمذی: کتاب الصلاۃ: باب ماجآء فی الصلاۃ عند النعاس (٣٥٥) ابوداؤد: کتاب التطوع: باب النعاس فی الصلاۃ (١٣١٠)]

(٣) [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٨٢/٨)] (٤) [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٨١/٨)]

(٥) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب الخوخة والممر فی المسجد (٤٦٧) مسند احمد (٢٧٠/١) طبرانی کبیر (١١٩٣٨)]

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا نام ہے [1] وہ بالکل غلط ہے صحیح یہی ہے جو صحیح میں ہے اس آیت سے اکثر ائمہ نے دلیل پکڑی ہے کہ جنبی شخص کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے ہاں گذر جانا جائز ہے اسی طرح حیض ونفاس والی عورتوں کو بھی اور بعض کہتے ہیں ان دونوں کو گذرنا بھی جائز نہیں ممکن ہے مسجد میں آلودگی ہو اور بعض کہتے ہیں اگر اس بات کا خوف نہ ہو تو ان کا گذرنا بھی جائز ہے۔ صحیح مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ مسجد سے مجھے بوریا اٹھا دو تو ام المومنین نے عرض کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں حیض سے ہوں آپ نے فرمایا تیرا حیض تیرے ہاتھ میں نہیں [2] اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حائضہ مسجد میں آ جا سکتی ہے اور نفاس والی کے لئے بھی یہی حکم ہے۔ یہ دونوں بطور راستہ چلنے کے جا آ سکتی ہیں۔ ابوداؤد میں فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہے کہ میں حائضہ اور جنبی کے لئے مسجد کو حلال نہیں کرتا۔ [3]

امام ابومسلم خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کو ایک جماعت نے ضعیف کہا ہے کیونکہ افلت اس کا روای مجہول ہے۔ لیکن ابن ماجہ میں یہ روایت ہے اس میں افلت کی جگہ مخدوج ذہلی ہیں۔ [4] پہلی حدیث بروایت حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور یہ دوسری بروایت حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا ہے۔ لیکن ٹھیک نام حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا ہی ہے۔ ایک اور حدیث ترمذی میں ہے جس میں ہے کہ اے علی اس مسجد میں جنبی ہونا میرے اور تیرے سوا کسی کو حلال نہیں [5] یہ حدیث بالکل ضعیف ہے اور ہرگز ثابت نہیں ہو سکتی اس میں سالم راوی ہے جو متروک ہے اور ان کے استاد عطیہ بھی ضعیف ہیں واللہ اعلم۔ اس آیت کی تفسیر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جنبی شخص بغیر غسل کئے نماز نہیں پڑھ سکتا لیکن اگر وہ مسافرت میں ہو اور پانی نہ ملے تو پانی کے ملنے تک پڑھ سکتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن جبیر اور ضحاک رحمہما اللہ سے بھی یہی مروی ہے' حضرت مجاہد' حسن' حکم' زید اور عبدالرحمٰن رحمہم اللہ سے بھی اس کے مثل مروی ہے' عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم سنا کرتے تھے کہ یہ آیت سفر کے حکم میں ہے' اس حدیث سے بھی مسئلہ کی شہادت ہو سکتی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پاک مٹی مسلمان کی طہارت ہے گو دس سال تک پانی نہ ملے اور

---

[1] **[صحیح :** ترمذی : کتاب المناقب باب الامر لبسد الابواب الاباب علی (۳۷۳۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی]

[2] **[صحیح :** صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب جواز غسل الحائض رأس زوجها (۲۹۸) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب الحائض تناول فی المسجد (۲٦۱) ترمذی : کتاب الطهارة : باب ماجآء فی الحائض (۱۳٤) نسائی : کتاب الطهارة : باب استخدام الحائض (۲۷۲) مسند احمد (٦/۱۱٤)]

[3] **[ضعیف :** ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب فی الجنب یدخل المسجد (۲۳۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع (٦۱۱۷) ارواء الغلیل (۱۹۳)]

[4] **[ضعیف :** ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب ماجآء فی اجتناب الحائض المسجد (٦٤٥)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجه]

[5] **[ضعیف :** ترمذی : کتاب المناقب (۳۷۲۷)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔[۳٦۸/۱] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (٤۹۷۳)]

جب مل جائے تو اسی کو استعمال کرے یہ تیرے لئے بہتر ہے۔ [1] (سنن اور احمد) امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں قولوں میں اولیٰ قول ان ہی لوگوں کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد بہ طور گزر جانے کے ہیں کیونکہ جس مسافر کو جنابت کی حالت میں پانی نہ ملے اس کا حکم تو آگے صاف بیان ہوا ہے پس اگر یہی مطلب یہاں بھی لیا جائے تو پھر دوسرے جملہ میں اسے لوٹانے کی ضرورت باقی نہیں رہتی پس معنی آیت کے اب یہ ہوئے کہ ایمان والو نماز کے لئے مسجد میں نہ جاؤ جب کہ تم نشے میں ہو جب تک تم اپنی بات کو آپ نہ سمجھنے لگو اسی طرح جنابت کی حالت میں بھی مسجد میں نہ جاؤ جب تک نہا نہ لو ہاں صرف گذر جانا جائز ہے "عَابِرٌ" کے معنی آنے جانے یعنی گذر جانے والے ہیں اس کا مصدر ((عَبْرًا)) اور ((عُبُوْرًا)) آتا ہے جب کوئی نہر سے گذرے تو عرب کہتے ہیں ((عَبَّرَ فُلَانُ النَّهْرَ)) فلاں شخص نے نہر کو عبور کر لیا اسی طرح قوی اونٹنی کو جو سفر کاٹتی ہو ((عَبَّرَ الْاَسْفَارَ")) کہتے ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ جس قول کی تائید کرتے ہیں یہی قول جمہور کا ہے اور آیت سے ظاہر بھی یہی ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ اس ناقص حالت میں نماز سے منع فرما رہا ہے جو مقصود نماز کے خلاف ہے اسی طرح نماز کی جگہ میں بھی ایسی حالت میں آنے کو روکتا ہے جو اس جگہ کی عظمت اور پاکیزگی کے خلاف ہے واللہ اعلم۔

پھر جو فرمایا کہ یہاں تک کہ تم غسل کر لو امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ اسی دلیل کی روشنی میں کہتے ہیں کہ جنبی کو مسجد میں ٹھہرنا حرام ہے جب تک غسل نہ کر لے یا اگر پانی نہ ملے یا پانی ہو لیکن اس کے استعمال کی قدرت نہ ہو تو تیمم کر لے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب جنبی نے وضو کر لیا تو اسے مسجد میں ٹھرنا جائز ہے۔ چنانچہ مسند احمد اور سنن سعید بن منصور میں مروی ہے حضرت عطا بن یسار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کو دیکھا کہ وہ جنبی ہوتے اور وضو کر کے مسجد میں بیٹھے رہتے واللہ اعلم۔ پھر تیمم کے مواقع بیان فرمائے جس بیماری کی وجہ سے تیمم جائز ہو جاتا ہے وہ وہ بیماری ہے کہ اس وقت پانی کے استعمال سے عضو کے فوت ہو جانے یا اس کے خراب ہو جانے یا مرض کی مدت کے بڑھ جانے کا خوف ہو۔ بعض علماء نے ہر مرض پر تیمم کی اجازت کا فتویٰ دیا ہے کیونکہ آیت میں عموم ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری بیمار تھے نہ تو کھڑے ہو کر وضو کر سکتے تھے نہ ان کا کوئی خادم تھا جو انہیں پانی دے انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا ذکر کیا اس پر یہ حکم اترا یہ روایت مرسل ہے [2] دوسری حالت میں تیمم کا جواز سفر ہے خواہ لمبا سفر ہو خواہ چھوٹا۔ ﴿غَآئِطٌ﴾ نرم زمین کو یہاں اس سے کنایہ کیا گیا ہے پاخانہ پیشاب سے۔

﴿لٰمَسْتُمُ﴾ کی دوسری قراءت ﴿لَمَسْتُمُ﴾ ہے اس کی تفسیر میں دو قول ہیں ایک یہ کہ مراد جماع ہے جیسے

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الطھارۃ : باب الجنب یتیمم (۳۳۲) نسائی : کتاب الطھارۃ : باب الصلوات بتیمم واحد (۳۲۳) ترمذی : کتاب الطھارۃ : باب ماجآء فی التیمم (۱۲۴) مسند احمد (۱۵۵/۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (۱۵۳)]

[2] [مرسل وضعیف : الدرالمنثور (۲۹۵/۲) تفسیر ابن ابی حاتم (۵۳۶۵/۳)]

اور آیت میں ہے ﴿وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ [1] الخ، یعنی اگر تم اپنی بیویوں کو مجامعت سے پہلے طلاق دو اور ان کا مہر مقرر ہو تو جو مقرر ہوا اس سے آدھا دے دو اور آیت میں ہے اے ایمان والو! جب تم ایمان والی عورتوں سے نکاح کرو پھر مجامعت سے پہلے انہیں طلاق دے دو تو ان کے ذمہ عدت نہیں، یہاں بھی لفظ ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ﴾ ہے، حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَآءَ﴾ سے مراد مجامعت ہے [2] حضرت علی رضی اللہ عنہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ حضرت مجاہد، حضرت طاؤس، حضرت حسن، حضرت عبید بن عمیر، حضرت سعید بن جبیر، حضرت شعبی، حضرت قتادہ، حضرت مقاتل بن حیان رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ [3] سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک مرتبہ اس لفظ پر مذاکرہ ہوا تو چند موالی نے کہا یہ جماع نہیں اور چند عرب نے کہا یہ جماع ہے، میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کا ذکر کیا آپ نے پوچھا تم کن کے ساتھ تھے میں نے کہا موالی کے۔ فرمایا موالی مغلوب ہو گئے لمس اور مس اور مباشرت کا معنی جماع ہے، اللہ تعالیٰ نے یہاں کنایہ کیا ہے، بعض اور حضرات نے اس سے مراد مطلق چھونا لیا ہے خواہ جسم کے کسی حصہ کو عورت کے کسی حصہ سے ملایا جائے تو وضو واجب ہو جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لمس جماع کے ہم معنی نہیں آپ فرماتے ہیں بوسہ بھی لمس میں داخل ہے اور اس سے بھی وضو کرنا پڑے گا فرماتے ہیں مباشرت سے ہاتھ لگانے سے بوسہ لینے سے وضو کرنا پڑے گا۔ لمس سے مراد چھونا ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما بھی عورت کا بوسہ لینے سے وضو کرنے کے قائل تھے اور اسے لمس میں داخل جانتے تھے عبیدہ، ابو عثمان، ثابت، ابراہیم، زید رحمہم اللہ بھی کہتے ہیں لمس سے مراد جماع کے علاوہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں انسان کا اپنی بیوی کا بوسہ لینا اور اسے ہاتھ لگانا ملامست ہے اس سے وضو کرنا پڑے گا۔ (موطا مالک) [4] دار قطنی میں خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے لیکن دوسری روایت آپ سے اس کے خلاف بھی پائی جاتی ہے آپ باوضو تھے آپ نے اپنی بیوی کا بوسہ لیا پھر وضو نہ کیا اور نماز ادا کی۔ پس دونوں روایتوں کو صحیح ماننے کے بعد فیصلہ کرنا پڑے گا کہ آپ وضو کو مستحب جانتے تھے واللہ اعلم۔ مطلق چھونے سے وضو کے قائل امام شافعی رحمہ اللہ اور ان کے ساتھی ہیں اور امام مالک رحمہ اللہ ہیں اور مشہور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے بھی یہی روایت ہے۔ اس قول کے قائل کہتے ہیں کہ یہاں دو قرائتیں ہیں ﴿لٰمَسْتُمْ﴾ اور ﴿لَمَسْتُمْ﴾ اور لمس کا اطلاق ہاتھ لگانے پر بھی قرآن کریم میں آیا ہے چنانچہ ارشاد ہے: ﴿وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ﴾ [5] ظاہر ہے کہ یہاں ہاتھ لگانا

---

[1] [سورة البقرة : آیت ۲۳۷]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۸/۳۹۲)]
[3] [ایضاً]
[4] [مؤطا : کتاب الطهارة : باب الوضوء من قبلة الرجل امراته (٦٤) مصنف عبد الرزاق (٤٩٩/١) بیهقی فی السنن الکبری (١٢٤/١) دارقطنی (١٤٥/١) طبرانی کبیر (٩٩٢٢٦/٩)] امام دار قطنیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ مطولاً اس کی سند ضعیف ہے اور مختصراً اس کی سند صحیح ہے۔]
[5] [سورة الانعام : آیت ۷]

ہی مراد ہے اسی طرح حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا کہ شاید تم نے بوسہ لیا ہوگا یا ہاتھ لگایا ہوگا (1) وہاں بھی لفظ ﴿لَمَسْتَ﴾ ہے۔

اور صرف ہاتھ لگانے کے معنی میں ہی اور حدیث میں ہے ((وَالْيَدُ زِنَاهَا اللَّمْسُ)) ہاتھ کا ''زنا'' چھونا اور ہاتھ لگانا ہے (2) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں بہت کم دن ایسے گزرتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس آ کر بوسہ نہ لیتے ہوں اور ہاتھ نہ لگاتے ہوں۔ (3) بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع ملامست سے منع فرمایا (4) یہ بھی ہاتھ لگانے کی بیع ہے پس یہ لفظ جس طرح جماع پر بولا جاتا ہے ہاتھ سے چھونے پر بھی بولا جاتا ہے شاعر کہتا ہے ((وَأَلْمَسْتُ كَفِّي كَفَّهُ أَطْلُبُ الْغِنٰى)) میرا ہاتھ اس کے ہاتھ سے ملا تو میں تونگری چاہتا تھا۔ ایک اور روایت میں ہے کہ ایک شخص سرکار محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس شخص کے بارے میں کیا فیصلہ ہے جو ایک اجنبی عورت کے ساتھ تمام وہ کام کرتا ہے جو میاں بیوی میں ہوتے ہیں سوائے جماع کے تو آیت ﴿أَقِمِ الصَّلٰوةَ﴾ (5) نازل ہوتی ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں وضو کر کے نماز ادا کر لے اس پر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کیا یہ اسی کے لئے خاص ہے یا سب مسلمانوں کے لئے عام ہے؟ آپ جواب دیتے ہیں تمام ایمان والوں کے لئے ہے۔ (6) امام ترمذی رحمہ اللہ اسے زائدہ کی حدیث سے روایت کر کے فرماتے ہیں اس کی سند متصل نہیں۔ امام نسائی رحمہ اللہ اسے مرسلاً روایت کرتے ہیں الغرض اس قول کے قائل اس حدیث سے یہ کہتے ہیں کہ اسے وضو کا حکم اسی لئے دیا تھا کہ اس نے عورت کو چھوا تھا جماع نہیں کیا تھا۔ اس کا جواب یہ دیا جاتا ہے کہ اولاً یہ تو منقطع ہے ابن ابی لیلیٰ اور معاذ کے درمیان ملاقات کا ثبوت نہیں دوسرے یہ کہ ہوسکتا ہے اسے وضو کا حکم فرض کی ادائیگی کے لئے دیا ہو جیسے کہ حضرت صدیق رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ بندہ کوئی گناہ کرے پھر وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف فرما دیتا ہے یہ پوری حدیث سورہ آل عمران میں آیت

---

(1) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب هل یقول الامام للمقر لعلك لمست (٦٨٤٤)]

(2) [صحیح : مسند احمد (٢٣٨/٨)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (٨٥٩٨)]

(3) [صحیح : بیهقی (١٢٣/١) بیهقی فی الخلافیات (٤٢٦) مستدرك حاكم (١٣٥/١) مسند احمد (١٠٨/٦) ابوداؤد : كتاب النكاح : باب فی القسم بين النسآء (٢١٣٥)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

(4) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب بیع الملامسة (٢١٤٤) صحیح مسلم : کتاب البیوع : باب ابطال بیع الملامسة (١٥١٢) ابوداود (٣٣٧٩) ابن ماجه (٢١٧٠)]

(5) [سورة هود : آیت ١١٤]

(6) [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة هود (٣١٣١) مسند احمد (٢٤٤/٥) عبد بن حمید فی المنتخب (١١٠)] امام زیلعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف و منقطع ہونے کی وجہ سے قابل حجت نہیں۔ [نصب الراية (٧٠/١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [الضعيفة (١٠٠٠)]

﴿ذَكَرُوا اللّٰهَ فَاسْتَغْفَرُوا لِذُنُوْبِهِمْ﴾ ① کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان دونوں قولوں میں سے اولیٰ قول ان کا ہے جو کہتے ہیں کہ مراد جماع ہے نہ کہ اور کیونکہ صحیح مرفوع حدیث میں آ چکا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کسی بیوی کا بوسہ لیا اور بغیر وضو کئے نماز پڑھی۔ ② حضرت مائی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مقبول وضو کرتے بوسہ لیتے پھر بغیر وضو کئے نماز پڑھتے۔ حضرت حبیب رحمہ اللہ فرماتے ہیں مائی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیوی کا بوسہ لیتے نماز کو جاتے میں نے کہا وہ آپ ہی ہوں گی تو آپ مسکرا دیں۔ ③ اس کی سند میں کلام ہے لیکن دوسری سندوں سے ثابت ہے کہ اوپر کے راوی یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے سننے والے حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہما ہیں اور روایت میں ہے وضوء کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا بوسہ لیا اور پھر وضو کے بغیر نماز ادا کی ④ حضرت ام المومنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لیتے حالانکہ آپ روزے سے ہوتے پھر نہ تو روزہ جاتا نہ نیا وضوء کرتے۔ ⑤ (ابن جریر) حضرت زینب بنت خزیمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم بوسہ لینے کے بعد وضو نہ کرتے اور نماز پڑھتے۔ ⑥

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی سے تیمّم کرلو۔ اس سے اکثر فقہاء نے استدلال کیا ہے کہ پانی نہ پانے والے کے لئے تیمّم کی اجازت پانی کی تلاش کے بعد ہے۔ کتب فروع میں تلاش کی کیفیت بھی لکھی ہے بخاری و مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو دیکھا کہ الگ تھلگ ہے اور لوگوں کے ساتھ اس نے نماز جماعت کے ساتھ نہیں پڑھی تو آپ نے اس سے پوچھا تو نے لوگوں کے ساتھ نماز کیوں نہیں پڑھی؟ کیا تو مسلمان نہیں؟ اس نے کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہوں تو مسلمان لیکن جنبی ہو گیا اور پانی نہ ملا آپ نے فرمایا پھر اس صورت میں تجھے مٹی کافی ہے۔ ⑦ تیمّم کے لفظی معنی قصد کرنے کے ہیں عرب کہتے ہیں ((تَيَمَّمَكَ اللّٰهُ بِحِفْظِه)) یعنی اللہ اپنی حفاظت کے ساتھ تیرا قصد کرے۔ امراء القیس کے شعر میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں آیا ہے۔ صعید کے معنی میں کہا گیا ہے کہ ہر وہ چیز جو زمین میں سے اوپر کو چڑھے پس اس میں مٹی، ریت، درخت، پتھر، گھاس بھی داخل ہو جائیں گے۔ امام مالک رحمہ اللہ کا قول یہی ہے اور کہا گیا ہے کہ جو چیز مٹی کی جنس سے ہو جیسے ریت ہڑتال اور چونا یہ

---

① [سورة ال عمران : آیت ۱۳۵]

② [تفسیر ابن جریر الطبری (٩٦٣٤)]

③ [صحیح: تفسیر ابن جریر الطبری (٩٦٣٥) مسند احمد (٢١/٦) ابوداؤد: کتاب الطهارة : باب الوضوء من القبله (١٧٩) ترمذی : کتاب الطهارة : باب ما جآء فی ترك الوضوء من القبله (٨٦) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب الوضوء من القبله (٥٠٢)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

④ [صحیح: مسند احمد (٢١٠/٦) ابوداؤد (١٧٨)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

⑤ [ضعیف: الطبری (٩٦٣٨) مجمع الزوائد (٢٤٧/١)] اس کی سند میں یزید بن سنان راوی ضعیف ہے۔]

⑥ [ضعیف: مسند احمد (٦٢/٦)] اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی ضعیف ہے۔]

⑦ [صحیح: صحیح بخاری : کتاب التیمم (٣٤٨) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب قضاء الصلاة الفائتة (٦٨٢) مسند احمد (٤٣٤/٤)]

مذہب ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف مٹی ہے مگر یہ قول ہے حضرت امام شافعی اور امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ علیہ اور ان کے تمام ساتھیوں کا ہے۔ اس کی دلیل ایک تو قرآن کریم کے یہ الفاظ ہیں ﴿فَتُصْبِحَ صَعِيدًا زَلَقًا﴾ ① یعنی ہو جائے وہ مٹی پھسلتی دوسری دلیل صحیح مسلم شریف کی یہ حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمیں تمام لوگوں پر تین فضیلتیں دی گئی ہیں ہماری صفیں مثل فرشتوں کی صفوں کی ہیں، ہمارے لئے تمام زمین مسجد بنائی گئی اور زمین کی مٹی ہمارے لئے پاک اور پاک کرنے والی بنائی گئی جب کہ ہم پانی نہ پائیں۔ ②

اور ایک سند سے بجائے تربت کے تراب کا لفظ مروی ہے۔ پس اس حدیث میں احسان کے جتانے کے وقت مٹی کی تخصیص کی گئی۔ اگر کوئی اور چیز بھی وضو کے قائم مقام کام آنے والی ہوتی تو اس کا ذکر بھی ساتھ ہی کر دیتے۔

یہاں یہ لفظ طیب اسی کے معنی میں آیا ہے مراد حلال ہے اور کہا گیا ہے کہ مراد پاک ہے جیسے حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں پاک مٹی مسلمانوں کا وضو ہے گو دس سال تک پانی نہ پائے پھر جب پانی ملے تو اسے اپنے جسم پر بہائے یہ اس کے لئے بہتر ہے ③ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح کہتے ہیں حافظ ابو الحسن قطان رحمہ اللہ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں سب سے زیادہ پاک مٹی کھیت کی زمین کی مٹی ہے بلکہ تفسیر ابن مردویہ میں تو اسے مرفوعا وارد کیا ہے۔

پھر فرمان ہے کہ اسے اپنے چہرے پر اور ہاتھ پر ملو تیمّم وضو کا بدل ہے۔ صرف پاکیزگی حاصل کرنے میں نہ کہ تمام اعضاء کے بارے میں تو صرف منہ اور دونوں ہاتھوں پر ملنا کافی ہے اور اس پر اجماع ہے لیکن کیفیت تیمّم میں آئمہ کا اختلاف ہے۔ جدید مذہب شافعی یہ ہے کہ دو دفعہ کر کے منہ اور دونوں ہاتھوں کا کہنیوں تک مسح کرنا واجب ہے اس کے لئے یدین کا اطلاق بغلوں تک اور کہنیوں تک ہوتا ہے جیسے آیت وضو میں اور اسی لفظ کا اطلاق ہوتا ہے اور مراد ہتھیلیاں ہی ہوتی ہیں جیسے کہ چور کی حد کے بارے میں فرمایا ﴿فَاقْطَعُوٓا اَيْدِيَهُمَا﴾ ④ کہتے ہیں یہاں تیمّم کے حکم میں ہاتھ کا ذکر مطلق ہے اور وضو کے حکم سے مشروط ہے اس لئے اس مطلق کو اس مشروط پر محمول کیا جائے گا کیونکہ طہوریت جامع موجود ہے اور بعض لوگ اس کی دلیل میں دار قطنی والی روایت پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا تیمّم کی دو ضربیں ہیں ایک مرتبہ ہاتھ مار کر منہ پر ملنا اور ایک مرتبہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں تک ملنا۔ ⑤ لیکن یہ حدیث صحیح نہیں اس لئے کہ اس کی اسناد ضعیف ہے حدیث ثابت نہیں۔ ابو

---

① [سورۃ الکھف : آیت ٤٠]

② [صحیح: صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب المساجد و مواضع الصلاۃ (٥٢٢) نسائی فی السنن الکبری (٨٠٢٢) مسند احمد (٣٨٣/٥)]

③ [صحیح : ابو داؤد : کتاب الطھارۃ : باب الجنب یتیمم (٣٣٢) ترمذی : کتاب الطھارۃ : باب ماجآء فی التیمم للجنب اذا لم یجد المآء (١٢٤) نسائی : کتاب الطھارۃ : باب الصلوات بتیمم واحد (٣٢٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود ، ارواء الغلیل (١٥٣)]

④ [سورۃ المائدہ : آیت ٣٨]

⑤ [ضعیف :مستدرك حاکم (١٧٩/١)] اس کی سند میں علی بن ظبیان راوی ضعیف ہے۔]

داؤد کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ ایک دیوار پر مارے اور منہ پر ملے پھر دوبارہ ہاتھ مار کر اپنے دونوں بازوؤں پر ملے۔[1]

لیکن اس کی اسناد میں محمد بن ثابت عبدی ضعیف ہیں انہیں بعض حافظان حدیث نے ضعیف کہا ہے۔ اور یہی حدیث ثقہ راویوں نے بھی روایت کی ہے لیکن وہ مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کا فعل بتاتے ہیں۔ امام بخاری، امام ابوزرعہ اور امام ابن عدی رحمہم اللہ کا فیصلہ ہے کہ یہ موقوف ہی ہے اور امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس حدیث کو مرفوع کرنا منکر ہے امام شافعی رحمہ اللہ کی دلیل یہ حدیث بھی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تیمّم کیا اور اپنے چہرے اور اپنے دونوں بازوؤں پر ہاتھ پھیرا۔[2]

حضرت ابوجہیم فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ پیشاب کر رہے ہیں میں نے آپ کو سلام کیا لیکن آپ نے جواب نہ دیا فارغ ہو کر آپ ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنے دونوں ہاتھ اس پر مار کر اپنے منہ پر ملے پھر میری سلام کا جواب دیا۔[3] (ابن جریر) یہ تو تھا امام شافعی رحمہ اللہ کا جدید مذہب۔ آپ کا قدیم مذہب یہ ہے کہ ضربیں تو تیمّم کی دو ہی ہیں لیکن دوسری ضرب میں پہنچوں تک ملنا چاہئے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ صرف ایک ہی ضرب یعنی ایک ہی مرتبہ دونوں ہاتھوں کا مٹی پر مار لینا کافی ہے۔

ان گردآلود ہاتھوں کو منہ پر پھیر لے اور دونوں پہنچوں تک۔ مسند احمد میں ہے ایک شخص امیرالمومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا کہ میں جنبی ہو گیا اور مجھے پانی نہ ملا تو مجھے کیا کرنا چاہئے آپ نے فرمایا نماز نہ پڑھنی چاہئے دربار میں حضرت عمار رضی اللہ عنہ بھی موجود تھے فرمانے لگے امیرالمومنین کیا آپ کو یاد نہیں کہ میں اور آپ ایک لشکر میں تھے اور ہم جنبی ہو گئے تھے اور ہمیں پانی نہ ملا تو آپ نے نماز نہ پڑھی اور میں نے مٹی میں لوٹ پوٹ کر نماز ادا کر لی جب ہم واپس پلٹے اور آنحضرت ﷺ کی خدمت میں پہنچے تو میں نے اس واقعہ کو بیان حضور ﷺ سے کیا تو آپ نے فرمایا مجھے اتنا کافی تھا پھر حضور ﷺ نے اپنے ہاتھ زمین پر مارے اور ان میں پھونک ماردی اور اپنے منہ کو ملا اور ہتھیلیوں کو ملا۔[4] مسند احمد میں کہ حضور ﷺ نے فرمایا تیمّم میں ایک ہی مرتبہ ہاتھ مارنا جو چہرے کے

---

[1] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب التیمم فی الحضر (۳۳۰) بیهقی فی السنن الکبری (۲۱۵/۱) شرح السنة (۳۱۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود]

[2] [ضعیف : بیهقی فی السنن الکبری (۲۰۵/۱) وفی معرفة السنن والآثار (۲۸۳/۱) مسند شافعی (۱۳۰)] اس کی سند اعرج اور ابن الصمہ کے درمیان منقطع ہے۔]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۹۶۷۳)] اس کی سند میں خارجہ بن مصعب راوی ضعیف اور اعرج اور ابی جہیم راوی کے درمیان انقطاع ہے۔]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التیمم : باب التیمم هل ینفخ فیهما (۳۳۸) صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب التیمم (۳۶۸) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب ماجآء فی التیمم ضربة واحدة (۵۶۹) ابوداؤد : کتاب الطهارة (۳۲۶) نسائی : کتاب الطهارة (۳۱۳) مسند احمد (۲۶۵/۴)]

لئے دونوں ہاتھوں کی ہتھیلیوں کے لئے ہے' [1] مسند احمد میں ہے حضرت شقیق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا تو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ سے کہا کہ اگر کوئی شخص پانی نہ پائے تو نماز نہ پڑھے اس پر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا تمہیں یاد نہیں جبکہ مجھے اور آپ کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اونٹوں کے بارے میں بھیجا تھا وہاں میں جنبی ہو گیا اور مٹی میں لوٹ پوٹ لیا واپس آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا تو آپ ہنس دئے اور فرمایا تجھے اس طرح ہی کافی تھا پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ زمین پر مارے اور اپنی ہتھیلیوں کو ایک ساتھ مل لیا اور اپنے چہرے پر ایک بار ہاتھ پھیر لئے اور ضرب ایک ہی رہی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا لیکن حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس پر قناعت نہیں کی یہ سن کر ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا پھر تم اس آیت کا کیا کرو گے جو سورہ نساء میں ہے کہ پانی نہ پاؤ تو پاک مٹی کا قصد کرو اس کا جواب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نہ دے سکے اور فرمانے لگے سنو اگر ہم نے لوگوں کو تیمّم کی رخصت دے دی تو بہت ممکن ہے کہ پانی جب انہیں ٹھنڈا معلوم ہوگا تو وہ تیمّم کرنے لگیں گے [2] سورہ مائدہ میں فرمان ہے ﴿فَامْسَحُوا بِوُجُوهِكُمْ وَأَيْدِيكُم مِّنْهُ﴾ [3] اسے اپنے چہرے اور ہاتھ پر ملو۔ اس سے حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے دلیل پکڑی ہے کہ تیمّم کا پاک مٹی سے ہونا اور اس کا بھی غبار آلود ہونا جس سے ہاتھوں پر غبار لگے اور وہ منہ اور ہاتھ پر ملا جائے ضروری ہے جیسے کہ حضرت ابوجہیم رضی اللہ عنہ والی حدیث میں گذرا ہے کہ انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو استنجا کرتے ہوئے دیکھا اور سلام کیا اس میں یہ بھی ہے کہ فارغ ہو کر ایک دیوار کے پاس گئے اور اپنی لکڑی سے کھرچ کر پھر ہاتھ مار کر تیمّم کیا۔

پھر فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر تمہارے دین میں تنگی اور سختی کرنا نہیں چاہتا بلکہ وہ تمہیں پاک صاف کرنا چاہتا ہے اسی لئے پانی نہ پانے کے وقت مٹی کے ساتھ تیمّم کر لینے کو مباح قرار دے کر تم پر اپنی نعمت کا اتمام فرمایا تا کہ تم شکر کرو۔ پس یہ امت اس نعمت کے ساتھ مخصوص ہے جیسے کہ بخاری و مسلم میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں ایسی دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کو نہیں دی گئیں۔ مہینے بھر کی راہ تک میری مدد رعب سے کی گئی ہے میرے لئے ساری زمین مسجد اور پاک کرنے والی بنائی گئی ہے۔ میرے جس امتی کو جہاں نماز کا وقت آ جائے وہ وہیں پڑھ لے اس کی مسجد اور اس کا وضو وہیں اس کے پاس موجود ہے' میرے لئے غنیمت کے مال حلال کئے گئے ہیں جو مجھ سے پہلے کسی کے لئے حلال نہ تھے' مجھے شفاعت دی گئی ہے' تمام انبیاء علیہم السلام صرف اپنی قوم کی طرف بھیجے جاتے

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٤/٢٦٣) ترمذی : کتاب الطهارة : باب ماجاء فی التیمم (١٤٤) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب التیمم (٣٢٧) نسائی فی السنن الکبری (٣٠٦)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ امام دارمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ امام ابن خزیمہؒ اور امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابوداود، صحیح ترمذی]

[2] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب التیمم (٣٦٨) ، (٣٦٨) بخاری : کتاب التیمم (٣٤٥) مسند احمد (٤/٣٦٥) ابوداؤد : کتاب الطهارة (٣٢١) نسائی : کتاب الطهارة (٣١٩)]

[3] [سورة المائدة : آیت ٦]

رہے لیکن میں تمام دنیا کی طرف بھیجا گیا [1] اور صحیح مسلم کے حوالے سے وہ حدیث بھی پہلے گذر چکی ہے کہ تمام لوگوں پر ہمیں تین فضیلتیں عنایت کی گئیں ہماری صفیں فرشتوں کی صفوں کی طرح بنائی گئیں ہمارے لئے زمین مسجد بنائی گئی اور اس کی مٹی وضو بنائی گئی جب ہمیں پانی نہ ملے۔ [2] اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ بزرگ و برتر حکم دیتا ہے کہ اپنے چہرے اور اپنے ہاتھ پر مسح کرلو پانی نہ ملنے کے وقت اللہ معاف کرنے والا بخشنے والا ہے اس کی عفوودرگذر کی شان ہے کہ اس نے تمہارے لئے پانی نہ ملنے کے وقت تیمّم کو مشروع کر کے نماز ادا کرنے کی اجازت مرحمت فرمائی ہے اگر یہ رخصت نہ ہوتی تو تم ایک گونہ مشکل میں پڑ جاتے کیونکہ اس آیت کریمہ میں نماز ناقص حالت میں ادا کرنا منع کیا گیا ہے مثلاً نشے کی حالت میں ہو یا جنابت کی حالت میں ہو یا بے وضو ہو تو جب تک اپنی باتیں خود سمجھنے جتنا ہوش اور باقاعدہ غسل اور شرعی طریق پر وضو نہ ہو تو نماز نہیں پڑھ سکتے لیکن بیماری میں جنابت کی حالت میں اور پانی نہ ملنے کی صورت میں غسل اور وضو کے قائم مقام تیمّم کر دیا۔ پس اللہ تعالیٰ کے اس احسان پر ہم اس کے شکر گذار ہیں۔ الحمد للہ۔

تیمّم کی رخصت نازل ہونے کا واقعہ بھی سن لیجئے ہم اس واقعہ کو سورہ نساء کی اس آیت کی تفسیر میں اس لئے بیان کرتے ہیں کہ سورہ مائدہ میں جو تیمّم کی آیت ہے وہ نازل میں اس کے بعد کی ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ یہ واضح ہے کہ یہ آیت شراب کی حرمت سے پہلے نازل ہوئی تھی اور شراب جنگ احد کے کچھ عرصہ کے بعد جب کہ نبی ﷺ بنونضیر کے یہودیوں کا محاصرہ کئے ہوئے تھے حرام ہوئی اور سورہ مائدہ قرآن میں نازل ہونیوالی آخری سورتوں میں ہے بالخصوص اس سورت کا ابتدائی حصہ لہٰذا مناسب یہی ہے کہ تیمّم کا شان نزول یہیں بیان کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ نیک توفیق دے اور اسی کا بھروسہ ہے۔ مسند احمد میں ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حضرت اسماء رضی اللہ عنہا سے ایک ہار واپس کر دینے کے وعدے پر مستعار لیا تھا وہ سفر میں کہیں گم ہو گیا حضور ﷺ نے اسے ڈھونڈنے کے لئے آدمی بھیجے انہیں ہار مل گیا لیکن نماز کا وقت اس کی تلاش میں ہی آ گیا اور ان کے ساتھ پانی نہ تھا انہوں نے بے وضو نماز ادا کی اور آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچ کر اس کی شکایت کی اس پر تیمّم کا حکم نازل ہوا۔ حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا اللہ آپ کو جزائے خیر دے اللہ کی قسم جو تکلیف آپ کو پہنچتی ہے اس کا انجام ہم مسلمانوں کے لئے خیر ہی خیر ہوتا ہے۔ [3] بخاری میں ہے حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ہم اپنے کسی سفر میں تھے بیداء میں یا ذات الجیش میں میرا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا جس کے ڈھونڈنے کے لئے حضور ﷺ مع قافلہ ٹھہر گئے اب نہ تو ہمارے پاس پانی تھا نہ وہاں میدان میں کہیں پانی تھا لوگ میرے والد

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التیمم (۳۳۵) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب المساجد و مواضع الصلاۃ (۵۲۱)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم (۵۲۱)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التیمم : باب اذا لم یجد ماء ولا ترابا (۳۳۶) صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب التیمم (۳۶۷) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب ماجآء فی التیمم (۵٦۸) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب التیمم (۳۱۷) مسند احمد (۵۷/٦)]

ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس میری شکایتیں کرنے لگے کہ دیکھو ہم ان کی وجہ سے کیسی مصیبت میں پڑ گئے چنانچہ میرے والد صاحب میرے پاس آئے اس وقت رسول اللہ ﷺ میری ران پر اپنا سر مبارک رکھ کر سو گئے تھے آتے ہی مجھے کہنے لگے تو نے حضور ﷺ کو اور لوگوں کو روک دیا اب نہ تو ان کے پاس پانی ہے نہ یہاں اور کہیں پانی نظر آتا ہے الغرض مجھے خوب ڈانٹا ڈپٹا اور اللہ جانے کیا کیا کہا اور میرے پہلو میں اپنے ہاتھ سے کچوکے بھی مارتے رہے لیکن میں نے ذرا سی بھی جنبش نہ کی کہ ایسا نہ ہو کہ حضور ﷺ کے آرام میں خلل واقع ہو ساری رات گذر گئی صبح کو لوگ جاگے لیکن پانی نہ تھا اللہ نے تیمّم کی آیت نازل فرمائی اور سب نے تیمّم کیا حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے ابوبکر رضی اللہ عنہ کے گھرانے والو یہ کچھ تمہاری پہلی ہی برکت نہیں۔ اب جب ہم نے اس اونٹ کو اٹھایا جس پر میں سوار تھی اور اس کے نیچے سے ہی ہار مل گیا۔ (1) مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اہلیہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہمراہ ذات الجیش سے گذرے۔ ام المومنین رضی اللہ عنہا کا یمنی خرمہروں کا ہار ٹوٹ کر کہیں گر پڑا تھا اور گم ہو گیا تھا اس کی تلاش میں یہاں ٹھہر گے ساری رات آپ کے ہم سفر مسلمانوں نے آپ نے یہیں گذاری صبح اٹھے تو پانی بالکل نہ تھا پس اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی پاک پر مٹی سے تیمّم کر کے پاکی حاصل کرنے کی رخصت کی آیت اتری اور مسلمانوں نے حضور ﷺ کے ساتھ کھڑے ہو کر زمین پر اپنے ہاتھ مارے جو مٹی ان سے لت پت ہوئی اسے جھاڑے بغیر اپنے چہروں پر اور اپنے ہاتھوں پر مونڈھوں تک اور ہاتھوں کے نیچے سے بغل تک مل لی۔ (2)

ابن جریر کی روایت میں ہے کہ اس سے پہلے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا پر سخت غصہ ہو کر گئے تھے لیکن تیمّم کی رخصت کے حکم کو سن کر خوشی خوشی اپنی صاحبزادی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئے اور کہنے لگے تم بڑی مبارک ہو مسلمانوں کو اتنی بڑی رخصت ملی پھر مسلمانوں نے زمین پر ایک ضرب سے چہرے ملے اور دوسری ضرب سے کہنیوں اور بغلوں تک ہاتھ لے گئے۔ (3)

ابن مردویہ میں روایت ہے حضرت اسلع بن شریک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں' میں رسول اللہ ﷺ کی اونٹنی کو چلا رہا تھا جس پر حضور ﷺ سوار تھے جاڑوں کا موسم تھا رات کا وقت تھا سخت سردی پڑ رہی تھی اور میں جنبی ہو گیا ادھر حضور ﷺ نے کوچ کا ارادہ کیا تو میں نے اپنی اس حالت میں حضور ﷺ کی اونٹنی کو چلانا پسند نہ کیا ساتھ ہی یہ بھی خیال آیا کہ اگر سرد پانی سے نہاؤں گا تو مر جاؤں گا یا بیمار پڑ جاؤں گا تو میں نے چپکے سے ایک انصاری کو کہا کہ آپ

---

(1) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التیمم (٣٣٤) صحیح مسلم: کتاب الحیض: باب التیمم (٣٦٧)]

(2) [صحیح: مسند احمد (٢٦٣/٤) بیهقی فی السنن الکبری (٢٠٨/١) ابوداود (٣٢٠) نسائی (١٦٧/١) مسند ابو یعلی (١٦٢٩/٣)] شیخ شعیب ارناؤوط اس حدیث کو صحیح اور اس کے راویوں کو ثقہ کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (١٨٣٢٢)]

(3) [صحیح: تفسیر ابن جریر الطبری (٩٦٧٥) طحاوی فی شرح معانی الآثار (١١١/١) بیهقی فی السنن الکبری (٢٠٨/١) مسند احمد (٣٢٠/٤)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (١٨٨٨٨)]

اونٹنی کی لگام تھام لیجئے چنانچہ وہ چلتے رہے اور میں نے آگ سلگا کر پانی گرم کر کے غسل کیا پھر دوڑ بھاگ کر قافلہ میں پہنچ گیا آپ نے فرمایا اسلع کیا بات ہے؟ اونٹنی کی چال کیسے بگڑی ہوئی ہے؟ تو میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں اسے نہیں چلا رہا تھا بلکہ فلاں انصاری صاحب چلا رہے تھے آپ نے فرمایا یہ کیوں؟ تو میں نے سارا واقعہ کہہ سنایا اس پر اللہ عزوجل نے آیت ﴿لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ﴾ سے ﴿غَفُوْرًا﴾ تک نازل فرمائی۔ [1] یہ روایت دوسری سند سے بھی مروی ہے۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يَشْتَرُوْنَ الضَّلٰلَةَ وَيُرِيْدُوْنَ اَنْ تَضِلُّوا السَّبِيْلَ ﴿٤٤﴾ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِاَعْدَآئِكُمْ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَلِيًّا ۙ وَّكَفٰى بِاللّٰهِ نَصِيْرًا ﴿٤٥﴾ مِنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا يُحَرِّفُوْنَ الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا وَاسْمَعْ غَيْرَ مُسْمَعٍ وَّرَاعِنَا لَيًّا بِاَلْسِنَتِهِمْ وَطَعْنًا فِى الدِّيْنِ ؕ وَلَوْ اَنَّهُمْ قَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا وَاسْمَعْ وَانْظُرْنَا لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَاَقْوَمَ ۙ وَلٰكِنْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿٤٦﴾

کیا تو نے انہیں نہ دیکھا؟ جنہیں کتاب کا کچھ حصہ دیا گیا ہے وہ گمراہی خریدتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ تم بھی راہ سے بھٹک جاؤ○ اللہ تمہارے دشمنوں کو خوب جاننے والا ہے۔ اور اللہ کا دوست ہونا کافی ہے اور اللہ کا مددگار ہونا بس ہے○ بعض یہود باتوں کو ان کی ٹھیک جگہ سے ہیر پھیر کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں ہم نے سنا اور نافرمانی کی اور سن تجھے تیرے خلاف نہ سنایا جائے اور ہماری رعایت کر (لیکن اس کہنے میں) اپنی زبان کو پیچ دیتے ہیں اور دین میں طعنہ دیتے ہیں اور اگر یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے فرمانبرداری کی اور آپ سنئے اور ہمیں دیکھئے تو یہ ان کے لئے بہت بہتر اور نہایت ہی مناسب تھا لیکن اللہ نے ان کے کفر کی وجہ سے انہیں لعنت کی ہے پس یہ بہت ہی کم ایمان لاتے ہیں○

گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دینا یہود کی خصلت: اللہ تبارک وتعالیٰ بیان فرما رہا ہے کہ یہودیوں کی ایک مذموم خصلت یہ بھی ہے کہ وہ گمراہی کو ہدایت پر ترجیح دیتے ہیں نبی آخر الزماں ﷺ پر جو کتاب نازل ہوئی اس سے بھی روگردانی کرتے ہیں اور اللہ کا دیا ہوا جو علم ان کے پاس ہے اسے بھی پس پشت ڈال دیتے ہیں خود اپنی کتابوں میں نبی موعود علیہ السلام کی بشارتیں پڑھتے ہیں لیکن اپنے مریدوں سے چڑھاوا لینے کے لالچ میں ظاہر نہیں کرتے بلکہ ساتھ ہی یہ چاہتے ہیں کہ خود مسلمان بھی راہ راست سے بھٹک جائیں اللہ کی کتاب کے مخالف ہو جائیں ہدایت کو اور سچے علم کو چھوڑ دیں اللہ تعالیٰ تمہارے دشمنوں سے خوب باخبر ہے وہ تمہیں ان سے مطلع کر رہا ہے کہ کہیں تم ان کے دھوکے میں نہ آ جاؤ۔ اللہ کی حمایت کافی ہے تم یقین رکھو کہ وہ اپنی طرف جھکنے والوں کی ضرور حمایت کرتا ہے وہ اس کا مددگار بن جاتا ہے۔ تیسری آیت جو لفظ من سے شروع ہوئی ہے اس میں من بیان جنس کے لئے ہے جیسے

[1] [طبرانی کبیر (۸۷۷) مجمع الزوائد (۱/۲۶۲)]

﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ (١) میں۔ پھر یہودیوں کے اس فرقے کی جس تحریف کا ذکر ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ کلام اللہ کے مطلب کو بدل دیتے ہیں اور خلاف منشائے الٰہی تفسیر کرتے ہیں اور ان کا یہ فعل جان بوجھ کر ہوتا ہے قصداً افترا پردازی کے مرتکب ہوتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ اے پیغمبر (ﷺ) جو آپ نے کہا ہم نے سنا لیکن ہم ماننے کے نہیں۔ خیال کیجئے انٰ کے کفر والحاد کو دیکھئے کہ جان کر سن کر سمجھ کر کھلے لفظوں میں اپنے ناپاک خیال کا اظہار کرتے ہیں اور کہتے ہیں آپ سنئے اللہ کرے آپ نہ سنیں۔ یا یہ مطلب کہ آپ سنئے آپ کی نہ سنی جائے لیکن پہلا مطلب زیادہ اچھا ہے یہ کہنا ان کا بطور تمسخر اور مذاق کے تھا اور اللہ انہیں لعنت کرے۔ علاوہ ازیں ((رَاعِنَا)) کہتے جس سے بظاہر یہ سمجھا جاتا کہ یہ لوگ کہتے ہیں ہماری طرف کان لگایئے لیکن اس لفظ سے مراد یہ لیتے تھے کہ تم بڑی رعونت والے ہو۔ اس کا پورا مطلب ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا﴾ (٢) الخ، کی تفسیر میں گذر چکا ہے مقصد یہ ہے کہ جو ظاہر کرتے تھے اس کے خلاف اپنی زبانوں کو موڑ کر طعن آمیز لہجہ میں کہتے اور حقیقی مفہوم کو اپنے دل میں مخفی رکھتے تھے دراصل یہ لوگ حضور ﷺ کی بے ادبی اور گستاخی کرتے تھے پس انہیں ہدایت کی گئی ہے کہ وہ ان دو معنی الفاظ کا استعمال چھوڑ دیں اور صاف صاف کہیں کہ ہم نے سنا اور مانا۔ آپ ہماری عرض سنئے! آپ ہماری طرف دیکھئے! یہ کہنا ہی ان کے لئے بہتر ہے اور یہی صاف سیدھی سچی اور مناسب بات ہے لیکن ان کے دل بھلائی سے دور ڈال دیئے گئے ہیں۔ ایمان کامل طور سے ان کے دلوں میں جگہ ہی نہیں پاتا۔ اس جملے کی تفسیر بھی پہلے گذر چکی ہے مطلب یہ ہے کہ نفع دینے والا ایمان ان میں نہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اٰمِنُوْا بِمَا نَزَّلْنَا مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ نَّطْمِسَ وُجُوْهًا فَنَرُدَّهَا عَلٰٓى اَدْبَارِهَآ اَوْ نَلْعَنَهُمْ كَمَا لَعَنَّآ اَصْحٰبَ السَّبْتِ ۭ وَكَانَ اَمْرُ اللّٰهِ مَفْعُوْلًا ﴿٤٧﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۚ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدِ افْتَرٰٓى اِثْمًا عَظِيْمًا ﴿٤٨﴾

اے اہل کتاب جو کچھ ہم نے نازل فرمایا ہے جو اسے بھی سچا کرنے والا ہے جو تمہارے پاس ہے' اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم چہرے بگاڑ دیں اور انہیں لوٹا کر پیٹھ کی طرف کر دیں یا ان پر لعنت بھیج دیں جیسے ہم نے ہفتے کے دن والوں پر لعنت کر دی اللہ کا امر ہوا ہوایا ہی ہے ○ یقیناً اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو نہیں بخشتا اور اس کے سوا جسے چاہے بخش دیتا ہے۔ جو اللہ کے ساتھ شریک مقرر کرے اس نے بڑا طوفان باندھا ○

تاثیر قرآن حکیم کا اعجاز: اللہ عز وجل یہود و نصاری کو حکم دیتا ہے کہ میں نے اپنی زبردست کتاب اپنے بہترین نبی ﷺ کے ساتھ نازل فرمائی ہے جس میں خود تمہاری اپنی کتاب کی تصدیق بھی ہے اس پر ایمان لاؤ اس سے پہلے کہ ہم تمہاری صورتیں مسخ کر دیں یعنی منہ بگاڑ دیں آنکھیں بجائے ادھر کے ادھر ہو جائیں یا یہ مطلب کہ تمہارے

(١) [سورة الحج : آيت ٣٠] (٢) [سورة البقرة : آيت ١٠٤]

چہرے مٹا دیں آنکھیں کان، ناک سب مٹ جائیں پھر یہ مسخ چہرہ الٹا ہو جائے۔ یہ عذاب ان کے کرتوت کا پورا بدلہ ہے یہ بھی حق سے ہٹ کر باطل کی طرف ہدایت سے پھر کر ضلالت کی جانب بڑھے جا رہے ہیں تو اللہ بھی انہیں دھمکاتا ہے کہ میں بھی اسی طرح تمہارا منہ الٹ دوں گا تا کہ تمہیں پچھلے پیروں چلنا پڑے تمہاری آنکھیں گدی کی طرف کر دوں گا اور اسی جیسی تفسیر بعض نے ﴿اِنَّا جَعَلْنَا فِیْٓ اَعْنَاقِهِمْ﴾ ① الخ' کی آیت میں بھی کی ہے غرض یہ بری مثال ان کی گمراہی اور ہدایت سے دور پڑ جانے کی بری مثال بیان ہوئی ہے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں سچ مچ حق کے راستے سے ہٹا دیں اور گمراہی کی طرف متوجہ کر دیں۔ ہم تمہیں کافر بنا دیں اور تمہارے چہرے بندروں جیسے کر دیں۔ ابن زید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوٹا دینا یہ تھا کہ ارض حجاز سے بلاد شام میں پہنچا دیا۔ یہ بھی مذکور ہے کہ اسی آیت کو سن کر حضرت کعب بن احبار رضی اللہ عنہ مشرف باسلام ہوئے تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت ابرہیم رحمہ اللہ کے سامنے حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اسلام کا تذکرہ ہوا تو آپ نے فرمایا حضرت کعب رضی اللہ عنہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں مسلمان ہوئے یہ بیت المقدس جاتے ہوئے مدینہ میں آئے حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کے پاس گئے اور فرمایا اے کعب رضی اللہ عنہ مسلمان ہو جاؤ انہوں نے جواب دیا تم تو قرآن میں پڑھ چکے ہو کہ جنہیں توراۃ کا حامل بنایا گیا انہوں نے اسے کماحقہ قبول نہ کیا۔ ان کی مثال اس گدھے کی سی ہے جو بوجھ لادے ہوئے ہو اور یہ بھی تم جانتے ہو کہ میں بھی ان لوگوں میں سے ہوں جو توراۃ اٹھوائے گئے اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اسے چھوڑ دیا یہ یہاں سے چل کر حمص پہنچے وہاں سنا کہ ایک شخص جوان کے گھرانے میں سے تھا اس آیت کی تلاوت کر رہا ہے جب اس نے آیت ختم کی انہیں ڈر لگنے لگا کہ کہیں سچ مچ اس آیت کی وعید مجھ پر صادق نہ آ جائے اور میرا منہ مسخ کر پلٹ نہ جائے یہ جھٹ سے کہنے لگے ((یَارَبِّ اَسْلَمْتُ)) میرے اللہ میں ایمان لایا۔ پھر حمص سے ہی واپس اپنے وطن یمن میں آئے اور یہاں سے اپنے تمام گھر والوں کو لے کر سارے کنبے سمیت مسلمان ہو گئے۔ ② ابن ابی حاتم میں حضرت کعب رضی اللہ عنہ کے اسلام کا واقعہ اس طرح مروی ہے کہ ان کے استاد ابو مسلم جلیلی ان کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے میں دیر لگانے کی وجہ سے ہر وقت انہیں ملامت کرتے رہتے پھر انہیں بھیجا کہ یہ دیکھیں کہ آپ وہی پیغمبر ہیں جن کی خوشخبری اور اوصاف تورات میں ہیں؟ یہ آئے اور فرماتے ہیں جب میں مدینہ شریف پہنچا تو ناگہاں میں سنا کہ ایک شخص قرآن کریم کی اس آیت کی تلاوت کر رہا تھا کہ اے اہل کتاب ہماری نازل کردہ کتاب تمہارے پاس موجود کتاب کی تصدیق کرتی ہے بہتر ہے کہ اس پر اس سے پہلے ایمان لاؤ کہ ہم تمہارے منہ بگاڑ دیں اور انہیں الٹا کر دیں۔ میں چونک اٹھا اور جلدی جلدی غسل کرنے بیٹھ گیا اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرتا جاتا تھا کہ کہیں مجھے ایمان لانے میں دیر نہ لگ جائے اور میرا چہرہ الٹا نہ

---

① [سورۃ یسین : آیت ٨-٩]

② [**ضعیف** : تفسیر ابن جریر الطبری (٨/٤٤٦)] اس کی سند میں جابر بن نوح راوی ضعیف ہے۔ [ملاحظہ فرمائیے: میزان الاعتدال (١٤٢١)]

ہو جائے۔ پھر میں بہت جلد آ کر مسلمان ہو گیا۔ [1] اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں یا ہم ان پر لعنت کریں جیسے کہ ہفتہ والوں پر ہم نے لعنت نازل کی یعنی جن لوگوں نے ہفتہ والے دن حیلے کر کے شکار کھیلا حالانکہ انہیں اس کام سے منع کیا گیا تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بندر اور سور بنا دیئے گئے ان کا مفصل واقعہ سورہ اعراف میں آئے گا انشاء اللہ۔ ارشاد ہوتا ہے اللہ کے کام پورے ہو کر ہی رہتے ہیں وہ جب کوئی حکم کر دے تو کوئی نہیں جو اس کی مخالفت یا ممانعت کر سکے۔

پھر خبر دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شرک کئے جانے کے گناہ کو نہیں بخشتا یعنی جو شخص اللہ تعالیٰ سے اس حال میں ملاقات کرے کہ وہ مشرک ہو اس پر بخشش کے دروازے بند ہیں۔ اس جرم کے سوا اور گناہوں کو خواہ وہ کیسے ہی ہوں جس کو چاہے بخش دیتا ہے اس آیہ کریمہ کے متعلق بہت سی حدیثیں ہیں ہم یہاں بقدر آسانی ذکر کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے نزدیک گناہوں کے تین دیوان ہیں ایک تو وہ جس کی اللہ تعالیٰ کچھ پرواہ نہیں کرتا دوسرا وہ جس میں سے اللہ تعالیٰ کچھ نہیں چھوڑتا۔ تیسرا وہ جسے اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشتا۔ پس جسے وہ بخشتا نہیں وہ شرک ہے اللہ عزوجل خود فرماتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے ساتھ شریک کئے جانے کو معاف نہیں فرماتا اور جگہ ارشاد ہے جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرلے اللہ اس پر جنت کو حرام کر دیتا ہے۔

اور جس دیوان میں اللہ کے ہاں کوئی وقعت نہیں وہ بندے کا اپنی جان پر ظلم کرنا ہے اور جس کا تعلق اس سے اور اللہ کی ذات سے ہے مثلاً کسی دن کا روزہ جسے اس نے چھوڑ دیا یا نماز چھوڑ دی تو اللہ تعالیٰ اسے بخش دیتا ہے اور جس دیوان کی اللہ تعالیٰ کوئی چیز ترک نہیں کرتا وہ بندوں کے آپس میں مظالم ہیں جن کا بدلہ اور قصاص ضروری ہے۔ [2] دوسری حدیث بحوالہ مسند بزار۔ [3] الفاظ کے ہیر پھیر کے ساتھ مطلب وہی ہے۔ تیسری حدیث: بحوالہ مسند احمد۔ ممکن ہے اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو بخش دے مگر وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا دوسرا وہ جس نے کسی ایماندار کو جان بوجھ کر قتل کیا۔ [4] چوتھی حدیث بحوالہ مسند احمد۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے میرے بندے تو جب تک میری عبادت کرتا رہے گا اور مجھ سے نیک امید رکھے گا میں بھی تیری جتنی خطائیں ہیں انہیں معاف فرماتا رہوں گا میرے بندے اگر تو ساری زمین بھر کی خطائیں بھی لے کر میرے پاس آئے گا تو میں بھی زمین کی وسعتوں جتنی مغفرت کے ساتھ تجھ سے ملوں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو۔ [5]

---

[1] [**ضعیف** : اس کی سند میں عمرو بن واقد راوی ضعیف ہے۔ [ملاحظہ فرمائیے: میزان الاعتدال (٦٤٦٥)]

[2] [**ضعیف** : مسند احمد (٦/ ٢٤٠) مستدرك حاكم (٥٧٥/٤) بيهقى فى شعب الايمان (٧٤٧٣/٦)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف الجامع (٣٠٢٢)]

[3] [**حسن بالشواهد** : مسند بزار (٣٤٣٩) مجمع الزوائد (٣٣٧/١٠)] شیخ البانیؒ نے شاہد کی وجہ سے اسے حسن کہا ہے۔ [الصحيحة (١٩٢٧)]

[4] [**صحيح لغيره** : مسند احمد (٩٩/٤) نسائى فى الكبرى (٣٤٤٦) طبرانى كبير (٨٥٨/١٩)] شیخ البانیؒ اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اس حدیث کو صحیح لغیرہ کہا ہے۔ [صحيح الترغيب ٢٤٤٥، الموسوعة الحديثية (١٦٩٠٧)]

[5] [**صحيح** : مسند احمد (١٥٤/٥)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٢١٣٦٨)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [الصحيحة (٥٨١، ٢٢٨٧)]

پانچویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ جو بندہ ﴿لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ﴾ کہے پھر اسی پر اس کا انتقال ہو وہ ضرور جنت میں جائے گا یہ سن کر حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے دریافت کیا کہ اگر اس نے زنا اور چوری بھی کی ہو آپ نے فرمایا گو اس نے زنا کاری اور چوری بھی کی ہو تین مرتبہ یہی سوال و جواب ہوا۔ چوتھے سوال پر آپ نے فرمایا چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو پس حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ وہاں سے اپنی چادر گھسیٹے ہوئے یہ فرماتے ہوئے نکلے کہ چاہے ابوذر کی ناک خاک آلود ہو اور اس کے بعد جب کبھی آپ یہ حدیث بیان فرماتے یہ جملہ ضرور کہتے۔ [1] یہ حدیث دوسری سند سے قدرے زیادتی کے ساتھ مروی ہے اس میں حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مدینہ کے میدان میں چلا جارہا تھا کہ احد پہاڑ کی طرف ہماری نگاہیں تھیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے ابوذر میں نے کہا لبیک یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ نے فرمایا سنو میرے پاس اگر اس احد کے برابر سونا ہو تو میں نہ چاہوں گا کہ تیسری شام کو اس میں سے کچھ بھی باقی رہ جائے بجز اس دینار کہ جسے میں قرضہ چکانے کے لئے رکھ لوں باقی تمام مال اس طرح راہ اللہ اس کے بندوں کو دے ڈالوں گا اور آپ نے دائیں بائیں اور سامنے لپیں پھینکیں۔ پھر کچھ دیر ہم چلتے رہے پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے پکارا اور فرمایا جن کے پاس یہاں زیادتی ہے وہی وہاں کمی والے ہوں گے مگر جو اس طرح کرے اور اس طرح کرے یعنی آپ نے اپنے دائیں بائیں اور سامنے لپیں (ہتھیلیاں) بھر کر دیتے ہوں اس عمل کی وضاحت کی۔ پھر کچھ چلنے کے بعد فرمایا ابوذر میں ابھی آتا ہوں تم یہیں ٹھہرو آپ تشریف لے گئے اور میری نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور مجھے آوازیں سنائیں دینے لگیں دل بے چین ہو گیا کہ کہیں تنہائی میں کوئی دشمن نہ آ گیا ہو میں نے قصد کیا کہ وہاں پہنچوں لیکن ساتھ ہی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان یاد آ گیا کہ میں جب تک نہ آؤں تم یہیں ٹھہرے رہنا چنانچہ میں ٹھہرا رہا یہاں تک کہ آپ تشریف لے آئے تو میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ آوازیں کیسی آ رہی تھیں آپ نے فرمایا میرے پاس حضرت جبرائیل آئے تھے اور فرما رہے تھے کہ آپ کی امت میں سے وفات پانے والا اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے تو وہ جنت میں جائے گا میں نے کہا گو زنا اور چوری بھی اس سے سرزد ہوئی ہو تو فرمایا ہاں گو زنا اور چوری بھی ہوئی ہو یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے [2] اور بخاری و مسلم میں یہ بھی ہے کہ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رات کے وقت نکلا دیکھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم تنہا تشریف لے جا رہے ہیں تو مجھے خیال ہوا کہ شاید اس وقت آپ کسی کو لے جانا نہیں چاہتے تو میں چاند کی چھاؤں چھاؤں میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہو لیا آپ نے مڑ کر مجھے دیکھا تو پوچھا کون ہے میں نے کہا ابوذر اللہ مجھے آپ پر قربان کر دے تو آپ نے فرمایا آؤ میرے ساتھ چلو تھوڑی دیر ہم چلتے رہے پھر آپ نے فرمایا زیادتی والے ہی قیامت کے دن کمی والے ہوں گے مگر وہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے مال دیا پھر وہ دائیں بائیں آگے

---

[1] [صحیح]: صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب الثیاب البیض (٥٨٢٧) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الدلیل علی من مات لایشرك باللہ شیاء دخل الجنة (٩٤-١٥٤)]

[2] [صحیح]: صحیح بخاری: کتاب الاستیذان: باب من اجاب بلبیك و سعدیك (٦٢٦٨) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الدلیل علی من مات لا یشرك باللہ شیاء دخل الجنة (٩٤)]

پیچھے نیک کاموں میں خرچ کرتے رہے پھر کچھ چلنے کے بعد آپ نے مجھے ایک جگہ بٹھا کر جس کے اردگرد پتھر تھے فرمایا میری واپسی تک یہیں بیٹھے رہو۔ پھر آپ آگے نکل گئے یہاں تک کہ میری نظر سے پوشیدہ ہو گئے آپ کو زیادہ دیر لگ گئی پھر میں نے دیکھا کہ آپ تشریف لا رہے ہیں اور زبان مبارک سے فرماتے آ رہے ہیں گو زنا کیا ہو چوری کی ہو جب میرے پاس پہنچے تو میں رک نہ سکا پوچھا اے اللہ کے نبی ﷺ اللہ مجھے آپ پر قربان کرے اس میدان کے کنارے کس سے باتیں کر رہے تھے میں نے سنا کوئی آپ کو جواب بھی دے رہا تھا آپ نے فرمایا وہ جبرائیل علیہ السلام تھے یہاں میرے پاس آئے اور فرمایا اپنی امت کو خوش خبری سنا دو کہ جو مرے اور اللہ کے ساتھ اس نے کسی کو شریک نہ کیا ہو وہ جنتی ہو گا میں نے کہا اے جبرائیل علیہ السلام گو اس نے چوری کی ہو اور زنا کیا ہو۔ فرمایا ہاں' میں نے پھر یہی سوال کیا جواب دیا ہاں میں نے پھر یہی فرمایا ہاں اور اگرچہ اس نے شراب پی ہو۔ (۱) چھٹی حدیث بحوالہ مسند عبد بن حمید۔

ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ جنت واجب کر دینے والی چیزیں کیا ہیں آپ نے فرمایا جو شخص بغیر شرک کیے مرا اس کے لئے جنت واجب ہے اور جو شرک کرتے ہوئے مرا اس کے لئے جہنم واجب ہے (۲) یہی حدیث اور طریق سے مروی ہے جس میں ہے کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہوا مرا اس کے لئے بخشش حلال ہے اگر اللہ چاہے اسے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کیے جانے کو نہیں بخشتا اس کے سوا جسے چاہے بخش دے۔ (۳) (ابن ابی حاتم) اور سند سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا بندے پر مغفرت ہمیشہ رہتی ہے جب تک کہ پردے نہ پڑ جائیں دریافت کیا گیا کہ حضور ﷺ پردے پڑ جانا کیا ہے؟ فرمایا شرک' جو شخص شرک نہ کرتا ہوا اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے اس کے لئے بخشش الٰہی حلال ہو گئی اگر چاہے عذاب کرے اگر چاہے بخش دے پھر آپ نے آیت ﴿إِنَّ اللَّـهَ لَا يَغْفِرُ﴾ الخ تلاوت فرمائی (۴) (مسند ابو یعلی)۔ ساتویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔ جو شخص مرے اللہ کے ساتھ شریک نہ کرتا ہو وہ جنت میں داخل ہو گا۔ (۵) آٹھویں حدیث بحوالہ مسند احمد: رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے پاس آئے اور فرمایا تمہارے رب عزوجل نے مجھے اختیار دیا کہ میری امت میں سے ستر ہزار کا بے حساب جنت میں جانا پسند کر لوں یا اللہ تعالیٰ کے پاس جو چیز میرے لئے میری امت کی بابت پوشیدہ محفوظ ہے اسے قبول کر لوں۔ تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا کیا اللہ تعالیٰ آپ کے لئے یہ محفوظ چیز بچا کر بھی رکھے گا؟ آپ یہ سن کر اندر تشریف لے گئے پھر تکبیر پڑھتے ہوئے باہر آئے اور فرمانے لگے میرے رب

---

(۱) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب المکثرون هم المقلون (٦٤٤٣) صحیح مسلم : کتاب الزکاة : باب الترغیب فی الصدقة (٩٤)]

(۲) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان (٩٣)]

(۳) [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (٥٤٢٥/٣)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔]

(۴) [ضعیف : ابو یعلی کما فی الدر المنثور (٣٠٣/٢)] اس کی سند میں بھی موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔]

(۵) [مسند احمد (٧٩/٣) مسند بزار (٦)] اس کی سند میں عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔ تاہم اس کا متن صحیح و ثابت ہے۔ [دیکھئے: السلسلة الصحیحة (٨٢٦) صحیح الجامع الصغیر (٦٥٥١)]

نے مجھے ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار کو جنت عطا کرنا مزید عطا فرمایا اور وہ پوشیدہ حصہ بھی' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان فرما چکے تو حضرت ابورہم نے سوال کیا کہ وہ پوشیدہ محفوظ چیز کیا ہے؟ اس پر لوگوں نے انہیں کچھ کچھ کہنا شروع کر دیا کہ کہاں تم اور کہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے اختیار کردہ چیز؟ حضرت ایوب رضی اللہ عنہ نے فرمایا سنو جہاں تک ہمارا گمان ہے جو بالکل یقین کے قریب ہے یہ ہے کہ وہ چیز جنت میں جانا ہے ہر اس شخص کا جو سچے دل سے گواہی دے کہ اللہ ایک ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندے اور رسول ہیں۔ [1]

نویں حدیث بحوالہ ابن ابی حاتم۔ ایک شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرا بھتیجا حرام سے باز نہیں آتا آپ نے فرمایا اس کی دینداری کیسی ہے' کہا نمازی ہے اور توحید والا ہے آپ نے فرمایا جاؤ اور اس سے اس کا دین بطور ہبہ کے طلب کرو اگر انکار کرے تو اس سے خرید لو اس نے جا کر اس سے طلب کیا تو اس نے انکار کر دیا اس نے آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دی تو آپ نے فرمایا میں نے اسے اپنے دین سے چمٹا ہوا پایا اس پر آیت ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ﴾ الخ نازل ہوئی۔ [2] دسویں حدیث بحوالہ حافظ ابویعلی۔ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں نے کوئی حاجت یا حاجت والا نہیں چھوڑا یعنی زندگی میں سب کچھ کر چکا ہوں آپ نے فرمایا کیا تو یہ گواہی نہیں دیتا کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں تین مرتبہ اس نے کہا ہاں آپ نے فرمایا یہ ان سب پر غالب آ جائے گا۔ [3] گیارہویں حدیث بحوالہ مسند احمد۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ضمضم بن جوش یمامی رحمہ اللہ سے کہا کہ اے یمامی! کسی شخص سے ہرگز یہ نہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ تجھے نہیں بخشے گا یا تجھے جنت میں داخل نہ کرے گا یمامی رحمہ اللہ نے کہا حضرت یہ بات تو ہم لوگ اپنے بھائیوں اور دوستوں سے بھی غصے غصے میں کہہ جاتے ہیں آپ نے فرمایا خبردار ہرگز نہ کہنا سنو میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا بنی اسرائیل میں دو شخص تھے ایک تو عبادت میں بہت چست چالاک اور دوسرا اپنی جان پر زیادتی کرنے والا اور دونوں میں دوستانہ اور بھائی چارہ تھا عابد بسا اوقات اس دوسرے کو کسی نہ کسی گناہ میں دیکھتا رہتا تھا اور کہتا رہتا تھا اے شخص باز رہ وہ جواب دیتا تو مجھے میرے رب پر چھوڑ دے کیا تو مجھ پر نگہبان بنا کر بھیجا گیا ہے؟ ایک مرتبہ عابد نے دیکھا کہ وہ پھر کسی گناہ کے کام کو کر رہا ہے جو گناہ اسے بہت بڑا معلوم ہوا تو کہا افسوس تجھ پر باز آ اس نے وہی جواب دیا تو عابد نے کہا اللہ کی قسم اللہ تجھے ہرگز نہ بخشے گا یا جنت نہ دے گا اللہ تعالیٰ نے ان کے

---

[1] [ضعیف :مسند احمد (٤١٣/٥) طبرانی کبیر (٣٨٨٢)] اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف اور عبداللہ بن ناشر مجہول ہے۔]

[2] [ضعیف :طبرانی کبیر (٤٠٦٣) تفسیر ابن ابی حاتم (٥٤٢٤/٣)] اس کی سند میں واصل بن سائب راوی ضعیف ہے۔ امام ترمذیؒ، امام ابن معینؒ اور امام دارقطنیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور امام بخاریؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔[مجمع الزوائد (٨/٧) میزان الاعتدال (٩٣٢٣)]

[3] [صحیح :مسند ابویعلی (٣٤٣٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

پاس فرشتہ بھیجا جس نے ان کی روحیں قبض کر لیں جب دونوں اللہ تعالیٰ کے ہاں جمع ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس گنہگار سے فرمایا جا اور میری رحمت کی بنا پر جنت میں داخل ہو جا اور اس عابد سے فرمایا کیا تجھے حقیقی علم تھا؟ کیا تو میری چیز پر قادر تھا؟ اسے جہنم کی طرف لے جاؤ۔ حضور ﷺ نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں ابو القاسم ﷺ کی جان ہے اس نے ایک کلمہ زبان سے ایسا نکال دیا جس نے اس کی دنیا اور آخرت برباد کر دی۔ [1]

بارہویں حدیث بحوالہ طبرانی۔ جس نے اس بات کا یقین کر لیا کہ میں گناہوں کی بخشش پر قادر ہوں تو میں اسے بخش ہی دیتا ہوں اور کوئی پرواہ نہیں کرتا جب تک کہ وہ میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرا لے۔ [2] تیرہویں حدیث بحوالہ بزار، ابو یعلی۔ جس عمل پر اللہ تعالیٰ نے ثواب کا وعدہ کیا ہے اسے تو مالک ضرور پورا فرمائے گا اور جس پر سزا کا فرمایا ہے وہ اس کے اختیار میں ہے چاہے بخش دے یا سزا دے۔ [3] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہم صحابہ رضی اللہ عنہم قاتل کے بارے میں اور یتیم کا مال کھانے والے کے بارے میں اور پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے والے کے بارے میں اور جھوٹی گواہی دینے والے کے بارے میں کوئی شک وشبہ ہی نہیں کرتے تھے یہاں تک کہ آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ﴾ الخ، اتری اور اصحاب رسول ﷺ گواہی سے رک گئے۔ [4]

(ابن ابی حاتم) ابن جریر کی یہ روایت اس طرح ہے کہ جن گناہوں پر جہنم کا ذکر کتاب اللہ میں ہے اسے کرنے والے کے جہنمی ہونے میں ہمیں شک ہی نہیں تھا یہاں تک کہ ہم پر یہ آیت اتری جب ہم نے اسے سنا تو ہم شہادت کے لئے رک گئے اور تمام امور اللہ تعالیٰ کی طرف سونپ دیے۔ [5] بزار میں آپ ہی کی ایک روایت ہے کہ کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے استغفار کرنے سے ہم رکے ہوئے تھے یہاں تک کہ ہم نے حضور ﷺ سے یہ آیت سنی اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میں نے اپنی شفاعت کو اپنی امت میں سے کبیرہ گناہ کرنے والوں کے لئے مؤخر کر رکھا ہے۔ [6] ابو جعفر رازی کی روایت میں آپ کا یہ فرمان ہے کہ جب آیت ﴿يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ

---

[1] [صحیح: ابو داؤد: کتاب الأدب؛ باب النھی عن البغی (٤٩٠١) مسند احمد (٣٢٣/٢) ابن مبارك فی الزھد (٩٠٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔ شیخ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [المشکاۃ (٢٣٧٤)]

[2] [ضعیف: طبرانی کبیر (١١٦١٥/١١) عبد بن حمید فی المنتخب (٦٠٢) بغوی فی شرح السنة (٣٨٨/١٤)] اس کی سند میں ابراہیم بن حکم راوی ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف: مسند ابو یعلی (٣٣١٦) مسند بزار (٣٢٣٥) طبرانی اوسط (٨٥١١)] اس کی سند میں سہیل بن ابی حزم راوی ضعیف ہے۔]

[4] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (٩٧٣٧)] اس کی سند میں ہیثم بن جماز راوی ضعیف ہے۔]

[5] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (٥٤٢١/٣)] اس کی سند میں صالح بن بشیر راوی ضعیف ہے۔]

[6] [حسن: بزار (٣٢٥٤) ابن ابی عاصم فی السنة (٨٣٠) مسند ابو یعلی (٥٨١٣/١٠)] امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (٢١٠/١٠)] امام سیوطی رحمہ اللہ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [الدر المنثور (٣٠٢/٢)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے حسن کہا ہے۔ [ظلال الجنة (٨٣٠)]

﴿اَسْرَفُوْا﴾ [1] الخ' نازل ہوئی یعنی اے میرے بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا ہے تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو جاؤ تو ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا حضور ﷺ شرک کرنے والا بھی؟ آپ کو اس کا یہ سوال ناپسند آیا پھر آپ نے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ﴾ الخ' پڑھ کر سنائی۔ [2] سورہ تنزیل کی یہ آیت مشروط ہے توبہ کے ساتھ پس جو شخص جس گناہ سے توبہ کرے اللہ اس کی طرف رجوع کرتا ہے گو بار بار کرے پس مایوس نہ ہونے کی آیت میں توبہ کی شرط ضرور ہے ورنہ اس میں مشرک بھی آ جائے گا اور مطلب صحیح نہ ہوگا کیونکہ اس آیت میں وضاحت کے ساتھ یہاں موجود ہے کہ اللہ کے ساتھ شرک کرنیوالے کی بخشش نہیں ہے ہاں اس کے سوا جسے چاہے۔ یعنی اگر اس نے توبہ بھی نہ کی ہو اس مطلب کے ساتھ اس آیت میں جو امید دلانے والی ہے اور زیادہ امید کی آس پیدا ہو جاتی ہے' واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے اللہ کے ساتھ جو شرک کرے اس نے بہت بڑا گناہ کا افترا باندھا جیسے اور آیت میں ہے شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ بخاری و مسلم میں حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی ہے فرماتے ہیں میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ! سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اللہ تعالیٰ کا کسی کو شریک بنائے حالانکہ اسی نے تجھے پیدا کیا ہے۔ [3]

پھر پوری حدیث بیان فرمائی۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں سب سے بڑا کبیرہ گناہ بتاتا ہوں وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک کرنا ہے پھر آپ ﷺ نے اسی آیت کا یہ آخری حصہ تلاوت فرمایا پھر ماں باپ کی نافرمانی کرنا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿اَنِ اشْكُرْ لِیْ وَلِوَالِدَیْكَ اِلَیَّ الْمَصِیْرُ﴾ [4] میرا شکر کرا اور اپنے ماں باپ کا شکریہ ادا کر میری طرف لوٹنا ہے۔ [5]

اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ یُزَكُّوْنَ اَنْفُسَهُمْ ؕ بَلِ اللّٰهُ یُزَكِّیْ مَنْ یَّشَآءُ وَلَا یُظْلَمُوْنَ فَتِیْلًا ﴿۴۹﴾ اُنْظُرْ كَیْفَ یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَكَفٰی بِهٖۤ اِثْمًا مُّبِیْنًا ﴿۵۰﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ اُوْتُوْا نَصِیْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ یُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَیَقُوْلُوْنَ لِلَّذِیْنَ كَفَرُوْا هٰۤؤُلَآءِ اَهْدٰی مِنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا سَبِیْلًا ﴿۵۱﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ یَّلْعَنِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ نَصِیْرًا ﴿۵۲﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا؟ جو اپنی پاکیزگی اور ستائش خود کرتے ہیں بلکہ اللہ جسے چاہے پاکیزہ کرتا ہے کسی پر ایک دھاگے

---

[1] [سورة الزمر : آیت ۵۳]

[2] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۹۷۳۵)] اس کی سند میں ابو جعفر رازی راوی ضعیف ہے۔]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٤٧٧) و کتاب التوحید (۷۵۲۰) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب کون الشرك اقبح الذنوب (۷٦) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن (۳۱۸۲) مسند احمد (۲۲۸/۵)]

[4] [سورة لقمان : آیت ١٤]

[5] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (٥٤٢٩/٣) طبرانی کبیر (۲۹۳/۱۸)] اس کی سند میں سعید بن بشیر دمشقی راوی ضعیف ہے۔]

کے برابر بھی ظلم نہ کیا جائے گا۔ دیکھ تو یہ لوگ کس طرح اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتے ہیں؟ یہ صریح گناہ اسے کافی ہے ○ کیا تو نے انہیں دیکھا جنہیں کتاب کا کچھ حصہ ملا ہے جو بتوں کا اور باطل معبودوں کا اعتقاد رکھتے ہیں اور کافروں کے حق میں کہتے ہیں کہ یہ لوگ ایمان والوں سے زیادہ راہ راست والے ہیں۔ یہی ہیں جنہیں اللہ نے لعنت کی' اور جسے اللہ لعنت کردے تو اس کا کوئی مددگار نہ پائے گا ○

چہرے پر تعریف ممنوع ہے: یہود و نصاریٰ کا قول تھا کہ ہم اللہ تعالیٰ کی اولاد اور اس کے چہیتے ہیں اور کہتے تھے کہ جنت میں صرف یہود جائیں گے یا نصرانی ان کے اس قول کی تردید میں یہ آیت ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ الخ' نازل ہوئی اور یہ قول حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے خیال کے مطابق اس آیت کا شان نزول ہی ہے کہ یہ لوگ اپنے بچوں کو امام بناتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ بے گناہ ہیں' یہ بھی مروی ہے کہ ان کا خیال تھا کہ ہمارے جو بچے فوت ہو گئے ہیں وہ ہمارے لئے قربت الٰہی کا ذریعہ ہیں ہمارے سفارشی ہیں اور ہمیں وہ بچالیں گے پس یہ آیت اتری۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما یہودیوں کا اپنے بچوں کا آگے کرنے کا واقعہ بیان کر کے فرماتے ہیں وہ جھوٹے ہیں اللہ تعالیٰ کسی گنہگار کو بے گناہ کی وجہ سے چھوڑ نہیں دیتا' یہ کہتے تھے کہ جیسے ہمارے بچے بے خطا ہیں ایسے ہی ہم بھی بے گناہ ہیں اور کہا گیا ہے کہ یہ آیت دوسروں کی بڑھی چڑھی مدح وثنا بیان کرنے کے رد میں اتری ہے' صحیح مسلم شریف میں ہے کہ ہمیں رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ ہم مدح کرنے والوں کے منہ مٹی سے بھر دیں' [1] بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ ایک شخص کو دوسرے کی مدح وستائش کرتے ہوئے سن کر فرمایا افسوس تو نے اس اپنے ساتھی کی گردن توڑ دی پھر فرمایا اگر تم میں سے کسی کو ایسی ہی ضرورت کی وجہ سے کسی کی تعریف کرنی بھی ہو تو یوں کہے کہ میں فلاں شخص کو ایسا سمجھتا ہوں۔ اللہ کے نزدیک پسندیدہ عمل یہی ہے کہ کسی کی منہ پر تعریف نہ کی جائے۔ [2] مسند احمد میں حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ جو کہے میں مومن ہوں وہ کافر ہے اور جو کہے کہ میں عالم ہوں وہ جاہل ہے اور جو کہے میں جنتی ہوں وہ جہنمی ہے' [3] ابن مردویہ میں آپ کے فرمان میں یہ بھی مروی ہے کہ مجھے تم پر سب سے زیادہ خوف اس بات کا ہے کہ کوئی شخص خود پسندی کرنے لگے اور اپنی سمجھ پر آپ فخر کرنے بیٹھ جائے' [4] مسند احمد میں ہے کہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ بہت ہی کم حدیث بیان فرماتے اور بہت کم جمعے ایسے ہوں گے جن میں آپ نے یہ چند حدیثیں نہ سنائی ہوں کہ جس کے ساتھ اللہ کا ارادہ بھلائی کا ہوتا ہے اسے دین کی سمجھ عطا فرماتا ہے' اور یہ مال میٹھا اور سبز رنگ ہے جو اسے اس کے حق کے ساتھ لے گا اسے اس میں برکت دی

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الزھد : باب النھی عن المدح اذا کان فیه افراط (۳۰۰۲) ترمذی : کتاب الزھد : باب ماجاء فی کراھیة المدحة والمداحین (۲۳۹۳) ابن ماجه (۳۷۴۲) مسند احمد (۵/۶)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الشھادات (۲۶۶۲) و کتاب الادب : باب مایکرہ من التمادح (۶۰۶۱) صحیح مسلم : کتاب الزھد : باب النھی عن المدح اذا کان فیه فراط (۳۰۰۰) ابو داؤد : کتاب الادب : باب فی کراھیة التمادح (۴۸۰۵) مسند احمد (۴۶/۵)]

[3] [ضعیف و منقطع : مسند الفاروق (۵۷۴/۲)] نعیم اور عمرؓ کے درمیان انقطاع ہے۔]

[4] [ضعیف : اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی راوی ضعیف ہے۔]

جائے گی' توتم لوگو آپس میں ایک دوسرے کی مدح وستائش سے پرہیز کرو اس لئے کہ یہ دوسرے پر چھری پھیرنا ہے[1] یہ پچھلا جملہ ان سے ابن ماجہ میں بھی مروی ہے[2] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انسان صبح کو دین لے کر نکلتا ہے پھر جب کہ وہ لوٹتا ہے تو اس کے دین میں سے کچھ بھی نہیں ہوتا (اس کی وجہ یہ ہوتی ہے) کہ وہ صبح کسی سے اپنا کام نکالنے کے لئے ملا۔ اس کی تعریف شروع کر دی اور اس کی مدح سرائی شروع کی اور قسمیں کھا کھا کر کہنے لگا آپ ایسے ہیں اور ایسے ہیں حالانکہ نہ وہ اس کے نقصان کا مالک ہے نہ نفع کا اور بسا اوقات ممکن ہے کہ ان تعریفی کلمات کے بعد بھی اس سے اس کا کام نہ نکلے لیکن اس نے تو اللہ کو ناخوش کر دیا پھر آپ نے آیت تزکیہ کی تلاوت فرمائی۔ (ابن جریر) اور اس کا تفصیلی بیان آیت ﴿فَلَا تُزَكُّوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾[3] کی تفسیر میں آئے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ پس یہاں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی ہے وہ جسے چاہے پاک کر دے کیونکہ تمام چیزوں کی حقیقت اور اصلیت کا عالم وہی ہے۔ پھر فرمایا کہ اللہ ایک دھاگے کے وزن کے برابر بھی کسی کی نیکی نہ چھوڑے گا' فتیل کے معنی ہیں کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا دھاگہ اور مروی ہے کہ وہ دھاگہ جسے کوئی اپنی انگلیوں سے بٹ لے۔

پھر فرماتا ہے ان کی افترا پردازی تو دیکھو کہ کس طرح عز وجل کی اولاد اور اس کے محبوب بننے کے دعویدار ہیں؟ اور کیسی باتیں کر رہے ہیں کہ ہمیں تو صرف چند دن آگ میں رہنا ہو گا کس طرح اپنے بڑوں کے نیک اعمال پر اعتماد کئے بیٹھے ہیں؟ حالانکہ ایک کا عمل دوسرے کو نفع نہیں دے سکتا جیسے ارشاد ہے ﴿تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ﴾[4] الخ' یہ ایک گروہ ہے جو گذر چکا ان کے اعمال ان کے ساتھ اور تمہارے عمل تمہارے ساتھ' پھر فرماتا ہے ان کا یہ کھلا کذب وافترا ہی ان کے لئے کافی ہے' ﴿جِبْتْ﴾ کے معنی حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ وغیرہ سے جادو اور طاغوت کے معنی شیطان کے مروی ہیں[5] یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ﴿جِبْتْ﴾ حبش کا لفظ ہے اس کے معنی شیطان کے ہیں۔ شرک' بت' اور کاہن کے معنی بھی بتائے گئے ہیں بعض کہتے ہیں اس سے مراد حیی بن اخطب ہے' بعض کہتے ہیں کعب بن اشرف ہے' ایک حدیث میں ہے فال اور پرندوں سے یعنی ان کے نام یا ان کے اڑنے یا بولنے یا ان کے نام سے شگون لینا اور زمین پر لکیریں کھینچ کر معاملہ طے کرنا یہ جبت ہے[6] حسن کہتے ہیں جبت شیطان کی گنگناہٹ ہے' طاغوت کی نسبت پہلے سورہ بقرہ میں تفصیلی ذکر گذر چکا ہے اس لئے یہاں دوبارہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں' حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے جب طاغوت کی نسبت سوال کیا گیا تو فرمایا کہ یہ کاہن لوگ ہیں جن کے

---

[1] [حسن : مسند احمد (٩٣/٤) طبرانی کبیر (٨١٥/١٩) ابن ابی شیبة (٢٠٦/٦)] حافظ بوصیری ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[الزوائد (١٨/٣)] شیخ البانی ؒ بھی اسے حسن کہتے ہیں۔[الصحیحة (١٢٨٤)]

[2] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الادب : باب المدح (٣٧٤٣)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (١١٩٦، ١٢٨٤)]

[3] [سورة النجم : آیت ٣٢] [4] [سورة البقرة : آیت ١٤١] [5] [تفسیر ابن جریر الطبری (٤٦٢/٨)]

[6] [ضعیف : ابو داؤد : کتاب الطب : باب فی الخط وزجر الطیر (٣٩٠٧) عبد الرزاق (١٩٥٠٢) ابن حبان (٦١٣١) نسائی فی السنن الکبری (١١١٠٨) مسند احمد (٦٠/٥)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[غایة المرام (ص : ١٨٤)]

پاس شیطان آتے تھے' مجاہد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں انسانی صورت کے یہ شیاطین ہیں جن کے پاس لوگ اپنے جھگڑے لے کر جاتے ہیں اور انہیں حاکم مانتے ہیں' حضرت امام مالک رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس کی عبادت اللہ کے سوا کی جائے۔

پھر فرمایا کہ ان کی جہالت بے دینی اور خود اپنی کتاب کے ساتھ کفر کی نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ کافروں کو مسلمانوں پر ترجیح اور افضیلت دیتے ہیں' ابن ابی حاتم میں ہے کہ حیی بن اخطب اور کعب بن اشرف مکہ والوں کے پاس آئے تو اہل مکہ نے ان سے کہا تم اہل کتاب اور صاحب علم ہو بھلا بتاؤ تو ہم بہتر ہیں یا محمد (ﷺ) انہوں نے کہا تم کیا ہو؟ اور وہ کیا ہیں؟ تو اہل مکہ نے کہا ہم صلہ رحمی کرتے ہیں تیار اونٹنیاں ذبح کر کے دوسروں کو کھلاتے ہیں' لسی پلاتے ہیں غلاموں کو آزاد کرتے ہیں حاجیوں کو پانی پلاتے ہیں اور محمد (ﷺ) تو صنبور ہیں ہمارے رشتے ناتے تڑوا دیئے۔ ان کا ساتھ حاجیوں کے چوروں نے دیا ہے جو قبیلہ غفار میں سے ہیں اب بتاؤ ہم اچھے یا وہ؟ تو ان دونوں نے کہا تم بہتر ہو اور تم زیادہ سیدھے راستے پر ہو اس پر یہ آیت اتری دوسری روایت میں ہے کہ انہی کے بارے میں ﴿اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ﴾ [1] اتری ہے۔

بنو وائل اور بنو نضیر کے چند سردار جب عرب میں حضور ﷺ کے خلاف آگ لگا رہے تھے اور جنگ عظیم کی تیاری میں تھے اس وقت یہ قریش کے پاس آئے تو قریشیوں نے انہیں عالم و درویش جان کر ان سے پوچھا کہ بتاؤ ہمارا دین اچھا یا محمد ﷺ کا؟ تو ان لوگوں نے کہا تم اچھے دین والے اور ان سے زیادہ صحیح راستے پر ہو اس پر یہ آیت اتری اور خبر دی گئی کہ یہ لعنتی گروہ ہے اور ان کا مددومعاون دنیا اور آخرت میں کوئی نہیں اس لئے کہ صرف کفار کو اپنے ساتھ ملانے کیلئے بطور چاپلوسی اور خوشامد کے یہ کلمات اپنی معلومات کے خلاف کہہ رہے ہیں لیکن یاد رکھ لیں کہ یہ کامیاب نہیں ہو سکتے چنانچہ یہی ہوا زبردست لشکر لے کر سارے عرب کو اپنے ساتھ ملا کر تمام تر قوت وطاقت اکٹھی کر کے ان لوگوں نے مدینہ شریف پر چڑھائی کی یہاں تک رسول اللہ ﷺ کو مدینہ کے اردگرد خندق کھودنی پڑی لیکن بالآخر دنیا نے دیکھ لیا ان کی ساری سازشیں ناکام ہوئیں یہ خائب وخاسر رہے' نامرادو ناکام پلٹے' دامن مراد خالی رہا بلکہ نامرادی مایوسی اور نقصان عظیم کے ساتھ لوٹنا پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کی مدد آپ کی اور اپنی قوت وعزت سے (کافروں کو) اوندھے منہ گرا دیا۔ فالحمد للہ الکبیر المتعال

اَمْ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّنَ الْمُلْكِ فَاِذًا لَّا يُؤْتُوْنَ النَّاسَ نَقِيْرًا ﴿۵۳﴾ اَمْ يَحْسُدُوْنَ النَّاسَ عَلٰى مَآ اٰتٰىهُمُ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ ۚ فَقَدْ اٰتَيْنَآ اٰلَ اِبْرٰهِيْمَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاٰتَيْنٰهُمْ مُّلْكًا عَظِيْمًا ﴿۵۴﴾ فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ بِهٖ وَمِنْهُمْ مَّنْ صَدَّ عَنْهُ ۭ وَكَفٰى بِجَهَنَّمَ سَعِيْرًا ﴿۵۵﴾

کیا ان کا کوئی حصہ سلطنت میں ہے؟ اگر ایسا ہو تو پھر تو کسی کو ایک کھجور کے شگاف برابر بھی کچھ نہ دیں گے ○ یا یہ لوگوں کا حسد

---

[1] [سورۃ الکوثر : آیت ۳]

کرتے ہیں اس پر جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے انہیں دیا ہے، پس ہم نے تو آل ابراہیم کو کتاب اور حکمت بھی دی ہے اور بڑی سلطنت بھی عطا فرمائی ہے ○ پھر ان میں سے بعض نے تو اس کتاب کو مانا اور بعض اس سے رک گئے اور کافی ہے جہنم کا جلانا ○

یہود کی دشمنی کی انتہا: یہاں بطور انکار کے سوال ہوتا ہے کہ کیا وہ ملک کے کسی حصہ کے مالک ہیں؟ یعنی نہیں ہیں۔ پھر ان کی بخیلی بیان کی جاتی ہے کہ اگر ایسا ہوتا تو یہ کسی کو ذرا سا بھی نفع پہنچانے کے روادار نہ ہوتے خصوصاً اللہ کے اس آخری پیغمبر ﷺ کو اتنا بھی نہ دیتے جتنا کھجور کی گٹھلی کے درمیان کا پردہ ہوتا ہے، جیسے اور آیت میں ہے ﴿قُلْ لَّوْ اَنْتُمْ تَمْلِكُوْنَ خَزَآئِنَ رَحْمَةِ رَبِّيْٓ﴾ [1] الخ، یعنی اگر تم میرے رب کی رحمتوں کے خزانوں کے مالک ہوتے تو تم تو خرچ ہو جانے کے خوف سے بالکل ہی روک لیتے گو ظاہر ہے کہ وہ کم نہیں ہو سکتے تھے لیکن تمہاری کنجوسی تمہیں ڈرا دیتی اسی لئے فرمایا کہ انسان بڑا ہی بخیل ہے، ان کے ان بخیلانہ مزاج کے بعد ان کا حسد واضح کیا جا رہا ہے کہ نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے جو نبوت کا عظیم تر منصب بخشا ہے چونکہ وہ عرب میں سے ہیں بنی اسرائیل سے نہیں اس لئے ان سے حسد کی آگ میں جل رہے ہیں اور لوگوں کو آپ کی تصدیق سے روک رہے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہاں ﴿النَّاس﴾ سے مراد ہم ہیں کوئی اور نہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ہم نے آل ابراہیم کو جو بنی اسرائیل کے قبائل میں اولاد ابرہیم سے ہیں نبوت دی کتاب نازل فرمائی جینے مرنے کے آداب سکھائے بادشاہت بھی دی اس کے باوجود ان میں سے بعض تو مومن ہوئے اس انعام واکرام کو مانا لیکن بعض نے پھر بھی اسے تسلیم نہ کیا اور دوسرے لوگوں کو بھی اس سے روکا حالانکہ وہ بھی بنی اسرائیل ہی تھے تو جبکہ یہ اپنے والوں سے بھی منکر ہو چکے ہیں تو پھر اے نبی آخر الزمان آپ کا انکار ان سے کیا دور ہے؟ جبکہ آپ ان میں سے بھی نہیں، یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ بعض اس پر یعنی محمد ﷺ پر ایمان لائے اور بعض نہ لائے پس یہ کافر اپنے کفر میں بہت سخت اور نہایت پکے ہیں اور ہدایت وحق سے بہت ہی دور ہیں پھر انہیں ان کی سزا سنائی جا رہی ہے کہ جہنم کا جلنا انہیں بس ہے، ان کے کفر وعناد کی ان کی تکذیب اور سرکشی کی یہ سزا کافی ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِنَا سَوْفَ نُصْلِيْهِمْ نَارًا ۭ كُلَّمَا نَضِجَتْ جُلُوْدُھُمْ بَدَّلْنٰھُمْ جُلُوْدًا غَيْرَھَا لِيَذُوْقُوا الْعَذَابَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِھَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ لَھُمْ فِيْهَآ اَزْوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۡ وَّنُدْخِلُھُمْ ظِلًّا ظَلِيْلًا ۝

جن لوگوں نے ہماری آیتوں سے کفر کیا اور انہیں ہم یقیناً آگ میں ڈال دیں گے، جب ان کی کھالیں پک جائیں گی ہم ان کے سوا اور کھالیں بدل دیں گے تاکہ عذاب چکھتے رہیں یقیناً اللہ تعالیٰ غالب حکمت والا ہے ○ اور جو لوگ ایمان لائے اور شائستہ اعمال کئے ہم انہیں عنقریب ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں جن میں وہ ہمیشہ رہیں گے ان کے لئے وہاں صاف ستھری بیویاں ہوں گی اور ہم انہیں گھنی چھاؤں میں پوری راحت میں لے جائیں گے ○

[1] [سورۃ بنی اسرائیل : آیت ۱۰۰]

کفار اور مومنوں کا انجام: اللہ کی آیتوں کے نہ ماننے اور رسولوں سے لوگوں کو برگشتہ کرنے والوں کی سزا اور ان کے بد انجام کا ذکر ہو رہا ہے کہ انہیں اس آگ میں دھکیلا جائے گا جو انہیں چاروں طرف سے گھیر لے گی اور ان کے رونگٹے رونگٹے کو سلگا دے یہی نہیں بلکہ یہ عذاب دائمی ایسا ہو گا ایک چمڑا جل گیا تو دوسرا بدل دیا جائے گا جو سفید کاغذ کی مثال ہو گا ایک ایک کافر کی سو سو کھالیں ہوں گی ہر ہر کھال پر قسم قسم کے علیحدہ علیحدہ عذاب ہوں گے' ایک ایک دن میں ستر ہزار مرتبہ کھال الٹ پلٹ ہو گی۔ یعنی کہہ دیا جائے گا کہ جلد لوٹ آئے وہ پھر لوٹ آئے گی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے جب یہ آیت تلاوت ہوتی تو آپ پڑھنے والے سے دوبارہ سنانے کی فرمائش کرتے وہ دوبارہ پڑھتا تو حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں آپ کو اس کی تفسیر سناؤں ایک ایک ساعت میں سو سو بار بدلی جائے گی' اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہی سنا ہے [1] (ابن مردویہ وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ اس وقت کعب رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ مجھے اس آیت کی تفسیر یاد ہے میں نے وہ اسلام لانے سے پہلے پڑھی تھی آپ نے فرمایا اچھا بیان کرو اگر وہی ہوئی جو میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے تو ہم اسے قبول کریں گے ورنہ ہم اسے قابل التفات نہ سمجھیں گے تو آپ نے فرمایا ایک ساعت میں ایک سو بیس مرتبہ۔ اس پر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں نے اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے' [2] حضرت ربیع بن انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پہلی کتاب میں لکھا ہوا ہے کہ ان کی کھالیں چالیس ہاتھ یا چھہتر (۷۶) ہاتھ کی ہوں گی اور ان کے پیٹ اتنے بڑے ہوں گے کہ گر ان میں پہاڑ رکھا جائے تو سما جائے۔ جب ان کی کھالوں کو آگ کھالے گی تو اور کھالیں آ جائیں گی۔

ایک حدیث میں اس سے بھی زیادہ ہے مسند احمد میں ہے جہنمی جہنم میں اس قدر بڑے بڑے بنا دئے جائیں گے کہ ان کے کان کی نوک سے کندھا سات سال کی راہ پر ہو گا اور ان کی کھال کی موٹائی ستر ذراع ہو گی اور کچلی مثل احد پہاڑ کے ہو گی [3] اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ مراد کھال سے لباس ہے لیکن یہ ضعیف ہے اور ظاہر لفظ کے خلاف ہے۔

پھر نیک لوگوں کا بیان کیا جاتا ہے کہ وہ جنت میں عدن میں ہوں گے جس کے چپے چپے پر نہریں جاری ہوں گی جہاں چاہیں انہیں لے جائیں اپنے محلات میں باغات میں راستوں میں غرض جہاں ان کے جی چاہیں وہیں وہ پاک نہریں بہنے لگیں گی' پھر سب سے اعلیٰ لطف یہ ہے کہ یہ تمام نعمتیں ابدی اور ہمیشہ رہنے والی ہوں گے نہ انہیں زوال آئے گا' نہ ان میں کمی ہو گی' نہ وہ واپس لی جائیں گی نہ فنا ہوں گی نہ سڑیں نہ بگڑیں نہ خراب ہوں گی۔ نہ ختم

---

[1] [**ضعیف و باطل**: تفسیر ابن ابی حاتم (۵۴۹۳/۳)] اس کی سند میں نافع مولی یوسف سلمی راوی سخت ضعیف ہے۔[لسان المیزان ، مجمع الزوائد (۹/۷) الدر المنثور (۳۱۰/۲)]

[2] [**ضعیف**: الدر المنثور للسیوطی (۳۱۱/۲) ابو نعیم فی الحلیة (۳۷۴/۵)] اس کی سند میں نافع ابو ہرمز راوی سخت ضعیف ہے۔]

[3] [**ضعیف**: مسند احمد (۲۵/۲) ابن ابی شیبة (۹۷/۸) طبرانی کبیر (۱۳۴۸۲)] شیخ شعیب ارناؤط اسے ضعیف کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (۴۸۰۰)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (۱۳۲۳)] تاہم اس معنی کی صحیح روایت صحیح مسلم (۲۸۵۱) میں موجود ہے۔]

ہوں گی پھران کے لئے وہاں حیض ونفاس سے گندگی اور پلیدی سے میل کچیل اور بو باس سے رذیل صفتوں اور بے ہودہ اخلاق سے پاک بیویاں ہوگی اور گھنے لمبے چوڑے سائے ہوں گے جو بہت فرحت بخش بہت ہی سرور انگیز راحت افزا دل خوش کن ہوں گے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جنت میں ایک درخت ہے جس کے سائے تلے ایک سو سال تک بھی ایک سوار چلا جائے تو اس کا سایہ ختم نہ ہو یہ شجرۃ الخلد ہے۔ (ابن جریر)①

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰۤى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ نِعِمَّا يَعِظُكُمْ بِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ سَمِيْعًاۢ بَصِيْرًا ﴿۵۸﴾

اللہ تعالیٰ تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے کہ امانت والوں کی امانتیں انہیں پہنچاؤ اور جب لوگوں کا فیصلہ کرو تو عدل وانصاف سے فیصلہ کرو۔ یقیناً وہ بہتر چیز ہے جس کی نصیحت تمہیں اللہ کر رہا ہے بے شک اللہ سنتا اور دیکھتا ہے۔

امانت اور عدل وانصاف: رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جو تیرے ساتھ امانت داری کا برتاؤ کرے تو اس کی امانت ادا کر اور جو تیرے ساتھ خیانت کرے تو اس سے خیانت مت کر۔ (مسند احمد وسنن)② آیت کے الفاظ وسیع المعنی ہیں۔ ان میں اللہ عزوجل کے حقوق کی ادائیگی بھی شامل ہے جیسے روزہ، نماز، زکوۃ، کفارہ، نذر وغیرہ، اور بندوں کے آپس کے کل حقوق بھی شامل ہیں جیسے امانت دی ہوئی چیزیں وغیرہ، پس جس حق کو جو ادا نہ کرے گا اس کی پکڑ قیامت کے دن ہوگی، صحیح حدیث میں ہے قیامت کے دن ہر حق دار کا حق اسے دلوایا جائے گا یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگوں والی بکری نے مارا ہے تو اس کا بدلہ بھی دلوایا جائے گا۔③ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ شہادت کی وجہ سے تمام گناہ مٹ جاتے ہیں مگر امانت نہیں مٹنے لگی کوئی شخص اللہ کی راہ میں شہید بھی ہوا تو اسے بھی قیامت کے دن لایا جائے گا اور کہا جائے گا کہ اپنی امانت ادا کرو وہ جواب دے گا کہ دنیا تو اب ہے نہیں میں کہاں سے اسے ادا کروں؟ فرماتے ہیں پھر وہ چیز اسے جہنم کی تہہ میں نظر آئے گی اور کہا جائے گا کہ جا اسے لے آ وہ اسے اپنے کندھے پر لاد کر چلے گا لیکن وہ گر پڑے گی وہ پھر اسے لینے جائے گا بس اسی عذاب میں وہ مبتلا رہے گا حضرت زاذان اس روایت کو سن کر حضرت براء رضی اللہ عنہ کے پاس آ کر بیان کرتے ہیں وہ کہتے ہیں میرے بھائی نے سچ کہا پھر قرآن کی اس آیت کو پڑھتے ہیں ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں ہر نیک وبد پر یہی حکم

---

① [صحیح دون شجرة الخلد : مسند احمد (٤٦٢/٢) تفسیر ابن جریر الطبری (٩٨٤٣)] شیخ شعیب ارناؤط فرماتے ہیں کہ شجرة الخلد کے علاوہ باقی روایت صحیح ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٩٩٥٠)] ان الفاظ کے علاوہ باقی روایت صحیحین میں بھی ہے۔ دیکھئے: صحیح بخاری (٣٢٥١۔ ٦٥٥٣) صحیح مسلم (٢٨٢٨)]

② [صحیح : ابوداؤد : کتاب البیوع : باب فی الرجل یأخذ حقه (٣٥٣٥) ترمذی : کتاب البیوع (١٢٦٤) دارقطنی (٣٥/٣) مسند احمد (٤١٤/٣) مستدرك حاكم (٤٦/٢) تفسیر ابن جریر الطبری (٩٨٥٥) طحاوی فی مشكل الآثار (١٨٣١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [الصحیحة (٤٢٣٠)]

③ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب تحریم الظلم (٢٥٨٢) ترمذی : کتاب صفة القيامة والرقائق : باب ماجاء فی شان الحساب والقصاص (٢٤٢٠) مسند احمد (٢٣٥/٢)]

ہے۔ ابو العالیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس چیز کا حکم دیا گیا اور جس چیز سے منع کیا گیا وہ سب امانت ہے۔ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عورت اپنی شرمگاہ کی امانت دار ہے۔ ربیع بن انس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جو معاملات تیرے اور دوسرے لوگوں کے درمیان ہوں وہ سب اسی میں شامل ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس میں یہ بھی داخل ہے کہ سلطان عید والے دن عورتوں کو خطبہ سنائے ۔ اس آیت کے شان نزول میں مروی ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ فتح کیا اور اطمینان کے ساتھ بیت اللہ شریف میں آئے اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو کر طواف کیا۔ حجر اسود کو اپنی لکڑی سے چھوتے تھے اس کے بعد عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما کو جو کعبہ کی کنجی بردار تھے بلایا ان سے کنجی طلب کی انہوں نے دینا چاہی اتنے میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اب یہ مجھے سونپئے تا کہ میرے گھرانے میں زمزم کا پانی پلانا اور کعبہ کی کنجی رکھنا دونوں ہی باتیں رہیں یہ سنتے ہی حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما نے اپنا ہاتھ روک لیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دوبارہ طلب کی پھر وہی واقعہ ہوا آپ نے سہ بار طلب کی حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ کہہ کر دے دی کہ اللہ کی امانت آپ کو دیتا ہوں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کعبہ کا دروازہ کھول کر اندر گئے وہاں جتنے بت اور تصویریں تھیں سب کو توڑ پھوڑ کر پھینک دیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا بت بھی تھا جس کے ہاتھ میں فال کے تیر تھے آپ نے فرمایا اللہ ان مشرکین کو غارت کرے بھلا خلیل اللہ کو ان تیروں سے کیا سروکار؟ پھر ان تمام چیزوں کو برباد کر کے ان کی جگہ پانی ڈال کر ان کے نام ونشان مٹا کر آپ باہر آئے کعبہ کے دروازے پر کھڑے ہو کر آپ نے کہا کوئی معبود نہیں بجز اللہ کے وہ اکیلا ہے جس کا کوئی شریک نہیں اس نے اپنے وعدے کو سچا کیا اپنے بندے کی مدد کی اور تمام لشکروں کو اسی اکیلے نے شکست دی پھر آپ نے ایک لمبا خطبہ دیا جس میں یہ بھی فرمایا کہ جاہلیت کے تمام جھگڑے اب میرے پاؤں تلے کچل دیئے گئے خواہ مالی ہوں' خواہ جانی ہوں ہاں بیت اللہ کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو پانی پلانے کا منصب جوں کا توں باقی رہے گا اس خطبہ کو پورا کر کے آپ بیٹھے ہی تھے جو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے آگے بڑھ کر کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم چابی مجھے عنایت فرمائی جائے تا کہ بیت اللہ کی چوکیداری کا اور حاجیوں کو زمزم پلانے کا منصب دونوں یکجا ہو جائیں لیکن آپ نے انہیں نہ دی مقام ابرہیم کو کعبہ کے اندر سے نکال کر آپ نے کعبہ کی دیوار سے ملا کر رکھ دیا اور لوگوں سے کہہ دیا کہ تمہارا قبلہ یہی ہے پھر آپ طواف میں مشغول ہو گئے ابھی وہ چند پھیرے ہی پھرے تھے کہ جو حضرت جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور آپ نے اپنی زبان مبارک سے اس آیت کی تلاوت شروع کی اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا میرے ماں باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر فدا ہوں میں نے تو اس سے پہلے آپ کو اس آیت کی تلاوت کرتے نہیں سنا اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما کو بلایا اور انہیں کنجی سونپ دی اور فرمایا آج کا دن وفا کا نیکی اور سلوک کا دن ہے۔ [1]

یہ وہی عثمان بن طلحہ رضی اللہ عنہما ہیں جن کی نسل میں آج تک کعبۃ اللہ کی کنجی چلی آتی ہے یہ صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیان اسلام لائے جب ہی خالد بن ولید اور عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما مسلمان ہوئے تھے ان کا چچا عثمان بن طلحہ احد کی لڑائی

---

[1] [حسن: سیرۃ ابن هشام (٤/٤٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے حسن کہا ہے۔ جبکہ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کا آخری حصہ ضعیف ہے اور باقی حسن ہے۔]

میں مشرکوں کے ساتھ تھا بلکہ ان کا جھنڈا بردار تھا اور وہیں بہ حالت کفر مارا گیا تھا۔ الغرض مشہور تو یہی ہے کہ یہ آیت اسی کے بارے میں اتری ہے اب خواہ اس بارے نازل ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو بہر صورت اس کا حکم عام ہے جیسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اور حضرت محمد بن حنفیہ کا قول ہے کہ ہر شخص کو دوسرے کی ہر امانت کی ادائیگی کا حکم ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ فیصلے عدل کے ساتھ کرو حاکموں کو احکم الحاکمین کا حکم ہو رہا ہے کہ کسی حالت میں عدل کا دامن نہ چھوڑو۔ حدیث میں ہے اللہ حاکم کے ساتھ ہوتا ہے جب تک کہ وہ ظلم نہ کرے جب ظلم کرتا ہے تو اسے اسی کی طرف سونپ دیتا ہے۔ [1]

ایک اثر میں ہے ایک دن کا عدل چالیس سال کی عبادت کے برابر ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ ادئیگی امانات کا اور عدل وانصاف کا حکم اسی طرح شریعت کے تمام احکام اور تمام ممنوعات تمہارے لئے بہترین اور نافع چیزیں ہیں جن کا امر پروردگار نے تمہیں کر دیا ہے۔ (ابن ابی حاتم) اور روایت میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے اس آیت کے آخری الفاظ پڑھتے ہوئے اپنا انگوٹھا اپنے کان میں رکھا اور شہادت کی انگلی اپنی آنکھ پر رکھی (یعنی اشارے سے سننا دیکھنا کان اور آنکھ پر انگلی رکھ کر بتایا) فرمایا میں نے اسی طرح پڑھتے اور کرتے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ روای حدیث حضرت ابوزکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہمارے استاد مقری رحمہ اللہ نے بھی اسی طرح پڑھ کر اشارہ کر کے ہمیں بتایا اپنے داہنے ہاتھ کا انگوٹھا اپنی دائیں آنکھ پر رکھا اور اس کے پاس کی انگلی اپنے داہنے کان پر رکھی۔ (ابن ابی حاتم) یہ حدیث اسی طرح ابوداؤد نے بھی روایت کی ہے [2] اور امام ابن حبان نے بھی اپنی صحیح میں اسے نقل کیا ہے اور حاکم مستدرک میں اور ابن مردویہ نے اپنی تفسیر میں بھی اسے وارد کیا ہے۔ اس کی سند میں جو ابو یونس ہیں جو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے مولی ہیں اور ان کا نام سلیم بن جبیر رحمہ اللہ ہے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَ اُولِي الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِيْ شَيْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَى اللّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ اِنْ كُنْتُمْ تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ ذٰلِكَ خَيْرٌ وَّ اَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ؀ ع ٥

اے ایمان والو فرمانبرداری کرو اللہ کی اور فرمانبرداری کرو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اور تم میں سے اختیار والوں کی۔ پھر اگر کسی چیز میں اختلاف کرو تو اسے رجوع کرو اللہ کی طرف اور رسول کی طرف اگر تمہیں اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان ہے یہ بہت

---

[1] [حسن: ابن ماجه : كتاب الاحكام : باب التغليظ في الحيف والرشوة (٢٣١٢) ترمذي : كتاب الاحكام : باب ماجآء في الامام العادل (١٣٣٠) مستدرك حاكم (٩٣/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحيح ابن ماجه، المشكاة (٣٧٤١)]

[2] [صحيح: ابوداؤد : كتاب السنة : باب في الجهمية (٤٧٢٨) ابن خزيمه في التوحيد (ص ٤٢) مستدرك حاكم (٢٤/١)] حافظ ابن حجرؒ نے مسلم کی شرط پر اس کی سند کو قوی کہا ہے۔[فتح الباري (٣٧٣/١٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ابو داود] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

بہتر ہے اور باعتبار انجام کے بہت اچھا ہے ○

اطاعت امیر اطاعت الٰہی کے تابع: صحیح بخاری شریف میں بروایت حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹے سے لشکر میں حضرت عبداللہ بن حذافہ بن قیس کو بھیجا تھا ان کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ ① بخاری و مسلم میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس کی سرداری ایک انصاری کو دی ایک مرتبہ وہ لوگوں پر سخت غصہ ہو گئے اور فرمانے لگے کیا تمہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری فرمانبرداری کا حکم نہیں دیا؟ سب نے کہا بے شک دیا ہے فرمانے لگے اچھا لکڑیاں جمع کرو پھر آگ منگوا کر لکڑیاں جلائیں پھر حکم دیا کہ تم اس آگ میں کود پڑو ایک نوجوان نے کہا لوگو سنو آگ سے بچنے کے لئے ہی تو ہم نے دامن رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں پناہ لی ہے تم جلدی نہ کرو جب تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات نہ ہو جائے پھر اگر آپ بھی یہی فرمائیں تو بے جھجک اس آگ میں کود پڑنا چنانچہ یہ لوگ واپس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور سارا واقعہ کہہ سنایا آپ نے فرمایا اگر تم اس آگ میں کود پڑتے تو ہمیشہ آگ ہی میں جلتے رہتے۔ سنو فرمانبرداری صرف معروف میں ہے۔ ② ابوداؤد میں ہے مسلمان پر سننا اور ماننا فرض ہے جی چاہے یا طبیعت رو کے لیکن اس وقت تک کہ (اللہ تعالیٰ اور رسول کی) نافرمانی کا حکم نہ دیا جائے جب نافرمانی کا حکم ملے تو نہ سنے نہ مانے۔ ③ بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعت لی "سننے اور ماننے" کی گو ہماری خوشی ہو یا نہ خوشی ہو ہمارے لئے سختی ہو یا آسانی ہو چاہے ہم پر دوسرے کو ترجیح دی جا رہی ہو۔ ہم سے بیعت لی کہ کام کے اہل سے اس کام کو نہ چھینیں لیکن جب تم ان کا کھلا کفر دیکھو جس کے بارے میں تمہارے پاس کوئی واضح الٰہی دلیل بھی ہو۔ ④ بخاری شریف میں ہے سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنایا گیا ہو گویا کہ اس کا سر کشمش ہے۔ ⑤

مسلم شریف میں ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: مجھے میرے خلیل (یعنی رسالت مآب) نے سننے کی

---

① [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب اطیعو اللہ واطیعو الرسول واولی الامر منکم (٤٥٨٤) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب طاعۃ الامراء (١٨٣٤) ترمذی : کتاب الجهاد (١٦٧٢) نسائی کتاب التفسیر (١٢٩) ابوداؤد : کتاب الجهاد (٢٦٢٤) مسند احمد (٣٣٧/١)]

② [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب سریه عبد اللہ بن حذافه (٤٣٤٠) و کتاب الاحکام (٧١٤٥) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب طاعۃ الامراء (١٨٤٠) ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب فی الطاعۃ (٢٦٢٥) نسائی (٤٢١٠) مسند احمد (٨٢/١)]

③ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد والسیر : باب السمع والطاعۃ الامام (٢٩٥٥)، (٧١٤٤) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب طاعۃ الامراء (١٨٣٩) ابوداؤد (٢٦٢٦)]

④ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الفتن : باب قول النبی سترون بعدی امورا (٧٠٥٦) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب طاعۃ الامراء فی غیر معصیة (١٨٤٠) مسند احمد (٣٢١/٥)]

⑤ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصلاۃ : باب امامة العبد والمولی (٦٩٣) و کتاب الاحکام : باب السمع والطاعۃ (٧١٤٢) ابن ماجه (٢٨٦٠) مسند احمد (١١٤/٣)]

اور ماننے کی وصیت کی اگر چہ ناقص ہاتھ پاؤں والا حبشی غلام ہی ہو۔ (۱) مسلم کی ہی اور حدیث میں ہے حضور ﷺ نے حجۃ الوداع کے خطبہ میں فرمایا چاہے تم پر غلام عامل بنایا جائے جو تمہیں کتاب اللہ کے مطابق تمہارا ساتھ چاہے تو تم اس کی سنو اور مانو۔ایک روایت میں ہے غلام حبشی اعضاء کٹا کے الفاظ ہیں۔ (۲) ابن جریر میں ہے کہ میرے بعد والے تم سے ملیں گے نیکوں سے نیک اور بدوں سے بد' تم ہر ایک اس امر میں جو مطابق حق ہو ان کی سنو اور مانو اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے رہو اگر وہ نیکی کریں تو ان کے لئے نفع ہے اور تمہارے لئے بھی اور اگر وہ بدی کریں تو تمہارے لئے تمہاری اچھائی ہے اور ان پر گناہوں کا بوجھ ہے۔ (۳) حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بنو اسرائیل میں مسلسل لگا تار رسول آیا کرتے تھے ایک کے بعد ایک' اور میرے بعد کوئی نبی نہیں مگر خلفاء بکثرت ہوں گے لوگوں نے پوچھا پھر حضور ﷺ ہمیں کیا حکم دیتے ہیں؟ فرمایا پہلے کی بیعت پوری کرو پھر اس کے بعد آنے والے کی۔ان کے حق انہیں دے دو اللہ تعالیٰ ان سے ان کی رعیت کے بارے میں سوال کرنے والا ہے۔ (۴) آپ فرماتے ہیں جو شخص اپنے امیر کا کوئی ناپسندیدہ کام دیکھے اسے صبر کرنا چاہئے۔جو شخص جماعت سے بالشت بھر جدا ہو گیا وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (۵) (بخاری و مسلم) ارشاد ہے جو شخص اطاعت سے ہاتھ کھینچ لے وہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سے حجت و دلیل بغیر ملاقات کرے گا اور جو اس حالت میں مرے کہ اس کی گردن میں بیعت نہ ہو وہ جاہلیت کی موت مرے گا۔ (۶) (مسلم) حضرت عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں بیت اللہ شریف میں گیا دیکھا تو حضرت عبداللہ عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما کعبہ کے سایہ میں تشریف فرما ہیں اور لوگوں کا ایک مجمع ہے میں بھی اس مجلس میں ایک طرف ہو کر بیٹھ گیا اس وقت عبداللہ نے یہ حدیث بیان کی فرمایا ایک سفر میں ہم رسول مقبول ﷺ کے ساتھ تھے ایک منزل میں اترے کوئی اپنا خیمہ ٹھیک کرنے لگا کوئی اپنے تیر سنبھالنے لگا کوئی کسی اور کام میں مشغول ہو گیا اچانک ہم نے سنا کہ منادی والا نداد ے رہا ہے۔ہم ہمہ تن گوش ہو گئے اور سنا کہ رسول اللہ ﷺ فرما رہے ہیں ہر نبی پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتا ہے کہ اپنی امت کو تمام نیکیاں جو وہ جانتا ہے سکھا دے

---

(۱) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیة (۱۸۳۷)]

(۲) [صحیح : صحیح مسلم (۱۸۳۸)]

(۳) [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۹۸۸۱)] اس کی سند میں عبداللہ بن محمد راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (۲۱۸/۵) التلخیص الحبیر (۳۶/۲)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو سخت ضعیف کہتے ہیں۔]

(۴) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب ماذکر عن بنی اسرائیل (۳۴۵۵) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب الوفاء بیعة الخلفاء الاول (۱۸۴۲) ابن ماجه : کتاب الجهاد : باب الوفاء بالبیعة (۲۸۷۱) مسند احمد (۲۹۷/۲)]

(۵) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاحکام : باب السمع والطاعة (۷۱۴۳) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین (۱۸۴۹) مسند احمد (۲۷۵/۱)]

(۶) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب ملازمة جماعة المسلمین (۱۸۵۱) صحیح ابن حبان (۴۵۷۸) مسند احمد (۱۱۱/۲)]

اور تمام برائیوں سے جو اس کی نگاہ میں ہیں انہیں آگاہ کر دے۔ سنو میری امت کی عافیت کا زمانہ اول کا زمانہ ہے آخر زمانے میں بڑی بڑی بلائیں آئیں گی اور ایسے ایسے امور نازل ہوں گے جنہیں مسلمان ناپسند کریں گے اور ایک پر ایک فتنہ برپا ہوگا ایک ایسا وقت آئے گا کہ مومن سمجھ لے گا اسی میں میری ہلاکت ہے پھر وہ ہٹے گا۔ تو دوسرا اس سے بھی بڑا آئے گا جس میں اسے اپنی ہلاکت کا کامل یقین ہوگا بس یونہی لگاتار فتنے اور زبردست آزمائشیں اور کامل تکلیفیں آتی رہیں گی پس جو شخص اس بات کو پسند کرے کہ جہنم سے بچ جائے اور جنت کا مستحق ہو اسے چاہیے کہ مرتے دم تک اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھے اور لوگوں سے وہ برتاؤ کرے جو خود اپنے لئے پسند کرتا ہے سنو جس نے امام سے بیعت کر لی اس نے اپنا ہاتھ اس کے قبضہ میں اور دل کی تمنائیں اسے دے دیں اور اپنے دل کا پھل اسے دے دیا اب اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے اگر کوئی دوسرا اس سے خلافت چھیننا چاہے تو اس کی گردن اڑا دو۔ عبدالرحمٰن رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں یہ سن کر قریب گیا اور کہا آپ کو میں اللہ کی قسم دیتا ہوں کیا خود آپ نے اسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے؟ تو آپ نے اپنے دونوں ہاتھ اپنے کان اور دل کی طرف بڑھا کر فرمایا میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے ان دو کانوں سے سنا اور میں نے اسے اپنے دل میں محفوظ رکھا ہے میں نے کہا مگر آپ کے چچازاد بھائی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ ہمیں اپنے مال باطل سے کھانے اور آپس میں ایک دوسرے سے جنگ کرنے کا حکم دیتے ہیں حالانکہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کاموں سے ممانعت فرمائی ہے ارشاد ہے ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَأْكُلُوا أَمْوَالَكُمْ﴾ [1] الخ، اسے سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ ذرا سی دیر خاموش رہے۔ پھر فرمایا: اللہ کی اطاعت میں ان کی اطاعت کرو اور اگر اللہ کی نافرمانی کا حکم دیں تو اسے نہ مانو۔ [2] اس بارے میں حدیثیں اور بھی بہت سی ہیں۔

اسی آیت کی ممانعت کی تفسیر میں حضرت سدی رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر بھیجا جس کا امیر حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو بنایا اس لشکر میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما بھی تھے یہ لشکر جس قوم کی طرف جانا چاہتا تھا چلا، رات کے وقت اس کی بستی کے پاس پہنچ کر پڑاؤ کیا ان لوگوں کو اپنے جاسوسوں سے پتہ چل گیا اور چھپ چھپ کر سب راتوں رات بھاگ کھڑے ہوئے، صرف ایک شخص رہ گیا اس نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کیا۔ انہوں نے اس کا سب اسباب جلا دیا یہ شخص رات کے اندھیرے میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لشکر میں آیا اور پتہ چلا کر حضرت عمار رضی اللہ عنہ سے ملا اور ان سے کہا اے ابوالیقظان میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور گواہی دے چکا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور اس کے رسول ہیں میری ساری قوم تمہارا آنا سن کر بھاگ گئی ہے صرف میں باقی رہ گیا ہوں تو کیا کل یہ اسلام مجھے نفع دے گا؟ اگر نفع نہ دے تو میں بھی بھاگ جاؤں حضرت عمار رضی اللہ عنہ نے فرمایا یقیناً یہ اسلام تمہیں نفع دے گا تم نہ بھاگو بلکہ ٹھہرے رہو صبح کے وقت

---

[1] [سورۃ النساء : آیت ۲۹]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب الوفاء ببیعۃ الخلفاء الاول (۱۸۴۴) ابو داؤد : کتاب الفتن : باب ذکر الفتن (۴۲۴۸) ابن ماجہ : کتاب الفتن (۳۹۵۶) نسائی : کتاب البیعۃ (۴۱۹۶) مسند احمد (۱۶۱/۲)]

حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے لشکر کشی کی تو سوائے اس شخص کے وہاں کسی کو نہ پایا اسے اس کے مال سمیت گرفتار کر لیا گیا جب عمار رضی اللہ عنہ کو معلوم ہوا تو آپ حضرت خالد رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا اسے چھوڑ دیجئے یہ اسلام لا چکا ہے اور میری پناہ میں ہے حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم کون ہو جو کسی کو پناہ دے سکو؟ اس پر دونوں بزرگوں میں کچھ تیز کلامی ہو گئی اور قصہ بڑھا یہاں تک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سارا واقعہ بیان کیا گیا۔ آپ نے حضرت عمار (رضی اللہ عنہ) کی پناہ کو جائز قرار دیا اور فرمایا آئندہ امیر کی طرف سے پناہ نہ دینا پھر دونوں میں کچھ تیز کلامی ہونے لگی اس پر حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا اس ناک کٹے غلام کو آپ کچھ نہیں کہتے؟ دیکھئے تو یہ مجھے برا بھلا کہہ رہا ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خالد (رضی اللہ عنہ) عمار (رضی اللہ عنہ) کو برا نہ کہو۔ عمار (رضی اللہ عنہ) کو گالیاں دینے والے کو اللہ گالیاں دے گا عمار (رضی اللہ عنہ) سے دشمنی کرنے والے سے اللہ دشمنی رکھے گا عمار (رضی اللہ عنہ) پر جو لعنت بھیجے گا اس پر اللہ کی لعنت نازل ہو گی۔ اب تو حضرت خالد (رضی اللہ عنہ) کو لینے کے دینے پڑ گئے حضرت عمار (رضی اللہ عنہ) غصہ میں چل دیئے آپ دوڑ کر ان کے پاس گئے دامن تھام لیا معذرت کی اور تقصیر معاف کرائی تب تک پیچھا نہ چھوڑا جب تک کہ حضرت عمار (رضی اللہ عنہ) ان سے راضی نہ ہو گئے پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی [1] (امر امارت وخلافت کے متعلق شرائط وغیرہ کا بیان آیت ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّىْ جَاعِلٌ فِى الْاَرْضِ خَلِيْفَةً﴾ (البقرہ/ ۳۰) کی تفسیر میں گذر چکا ہے وہاں ملاحظہ ہو۔ مترجم) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہ روایت مروی ہے (ابن جریر اور ابن مردویہ) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں اولی الامر سے مراد سمجھ بوجھ والے اور دین والے ہیں یعنی علماء ظاہر بات تو یہ معلوم ہوتی ہے آگے حقیقی علم اللہ کو ہے کہ یہ لفظ عام ہیں امراء علماء دونوں اس سے مراد ہیں جیسے کہ پہلے گذرا۔ قرآن فرماتا ہے ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ [2] الخ، یعنی ان علماء نے انہیں جھوٹ بولنے اور حرام کھانے سے کیوں نہ روکا؟ اور جگہ ہے ﴿فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ﴾ [3] الخ، حدیث کے جاننے والوں سے پوچھ لیا کرو اگر تمہیں علم نہ ہو۔

صحیح حدیث میں ہے میری اطاعت کرنے والا اللہ کی اطاعت کرنے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی اور جس نے میرے امیر کی اطاعت کی اس نے میری فرمانبرداری کی اور جس نے میرے مقرر کردہ امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ [4] پس یہ ہیں احکام علماء امراء کی اطاعت کے۔ اس آیت میں ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ کی اطاعت کرو یعنی اس کی کتاب کی اتباع کرو اللہ کے رسول کی اطاعت کرو یعنی ان کی سنتوں پر عمل کرو اور حکم والوں کی اطاعت کرو یعنی اس چیز میں جو اللہ کی اطاعت ہو، اللہ کے فرمان کے خلاف

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۹۸۶۶) تفسیر ابن ابی حاتم (۵۵۳۱/۳) مستدرك حاکم (۳۹۰/۳)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔ امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (۲۹۶/۹)]

[2] [سورۃ المائدہ: آیت ۶۳] [3] [سورۃ النحل: آیت ۴۳]

[4] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الاحکام : باب قول الله اطیعو الله واطیعوا الرسول (۷۱۳۷) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب اطاعۃ الامرا فی غیر معصیۃ (۱۸۳۵) مسند احمد (۲۷۰/۲)]

اگران کا کوئی حکم ہوتو اطاعت نہ کرنی چاہئے کیونکہ ایسے وقت علماء یا امراء کی ماننا حرام ہے جیسے کہ پہلی حدیث گذر چکی کہ اطاعت صرف معروف میں ہے یعنی فرمان اللہ اور فرمان رسول کے دائرے میں۔ مسند احمد میں ہے اس سے بھی زیادہ صاف حدیث ہے جس میں ہے کسی کی اطاعت اللہ تعالیٰ کے فرمان کے خلاف جائز نہیں۔ [1] آگے چل کر فرمایا کہ اگر تم میں کسی بارے میں جھگڑا پڑے تو اسے اللہ اور رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول کی طرف جیسے کہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی تفسیر ہے۔ [2]

پس یہاں صریح اور صاف لفظوں میں اللہ عزوجل کا حکم ہو رہا ہے کہ لوگ جس مسئلہ میں اختلاف کریں خواہ وہ مسئلہ اصول دین سے متعلق ہو خواہ فروع دین سے متعلق اس کے تصفیہ کی صرف یہی صورت ہے کہ کتاب وسنت کو حاکم مان لیا جائے جو اس میں ہو وہ قبول کیا جائے، جیسے اور آیت قرآنی میں ہے ﴿وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهُ إِلَى اللَّهِ﴾ [3] یعنی اگر کسی چیز میں تمہارا اختلاف ہو جائے اس کا فیصلہ اللہ کی طرف ہے۔ پس کتاب وسنت جو حکم دے اور جس مسئلہ کی صحت کی شہادت دے وہی حق ہے باقی سب باطل ہے۔ قرآن فرماتا ہے حق کے بعد جو ہے ضلالت وگمراہی ہے۔ اسی لئے یہاں بھی اس حکم کے ساتھ ہی ارشاد ہوتا ہے اگر تم اللہ تعالیٰ پر اور قیامت پر ایمان رکھتے ہو یعنی اگر تم ایمان کے دعوے میں سچے ہو تو جس مسئلہ کا تمہیں علم نہ ہو یعنی مسئلہ میں اختلاف ہو جس امر میں جدا جدا آراء ہوں ان سب کا فیصلہ کتاب اللہ اور حدیث رسول ﷺ سے کیا کرو جو ان دونوں میں ہو مان لیا کرو۔ پس ثابت ہوا کہ جو شخص اختلافی مسائل کا تصفیہ کتاب وسنت کی طرف نہ لے جائے وہ اللہ پر قیامت پر ایمان نہیں رکھتا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ جھگڑوں میں اور اختلاف میں کتاب اللہ وسنت رسول کا فیصلہ لانا اور ان کی طرف رجوع کرنا ہی بہتر ہے اور یہی نیک انجام خوش آئند ہے اور یہی اچھے بدلے دلانے والا کام ہے۔ بہت اچھی جزا اسی کا ثمر ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ يَزْعُمُونَ أَنَّهُمْ آمَنُوا بِمَا أُنْزِلَ إِلَيْكَ وَمَا أُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيدُونَ أَنْ يَتَحَاكَمُوا إِلَى الطَّاغُوتِ وَقَدْ أُمِرُوا أَنْ يَكْفُرُوا بِهِ ۖ وَيُرِيدُ الشَّيْطَانُ أَنْ يُضِلَّهُمْ ضَلَالًا بَعِيدًا ﴿٦٠﴾ وَإِذَا قِيلَ لَهُمْ تَعَالَوْا إِلَىٰ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ وَإِلَى الرَّسُولِ رَأَيْتَ الْمُنَافِقِينَ يَصُدُّونَ عَنْكَ صُدُودًا ﴿٦١﴾ فَكَيْفَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ بِمَا قَدَّمَتْ أَيْدِيهِمْ ثُمَّ جَاءُوكَ يَحْلِفُونَ بِاللَّهِ إِنْ أَرَدْنَا إِلَّا إِحْسَانًا وَتَوْفِيقًا ﴿٦٢﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ يَعْلَمُ اللَّهُ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَعْرِضْ عَنْهُمْ وَعِظْهُمْ وَقُلْ لَهُمْ فِي أَنْفُسِهِمْ قَوْلًا بَلِيغًا ﴿٦٣﴾

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٤/٤٢٦) طبرانی کبیر (٣١٥٩) مسند طیالسی (٨٥٠)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (١/١٧٩)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (١٩٨٢٤)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٨/٥٠٤)] [3] [سورة الشورىٰ : آیت ١٠]

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا؟ جن کا دعویٰ تو یہ ہے کہ جو کچھ تجھ پر اور جو کچھ تجھ سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ان کا ایمان ہے (لیکن) اپنے فیصلے غیر اللہ کی طرف لے جانا چاہتے ہیں حالانکہ انہیں حکم دے دیا گیا ہے کہ شیطان کا انکار کریں' شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ انہیں بہکا کر دور ڈال دے ○ ان سے جب کبھی کہا جائے کہ اللہ کے نازل کردہ کلام کی اور رسول کی طرف آؤ تو تو دیکھ لے گا کہ یہ منافق تجھ سے منہ پھیر کر اٹک جاتے ہیں ○ پھر کیا بات ہے کہ جب ان پر ان کے کرتوت کے باعث کوئی مصیبت آ پڑتی ہے تو پھر یہ تیرے پاس آ کر اللہ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ ہمارا ارادہ تو صرف بھلائی اور میل ملاپ ہی کا تھا۔ یہ وہ لوگ ہیں کہ ان کے دلوں کا بھید اللہ تعالیٰ پر بخوبی روشن ہے تو ان سے چشم پوشی کر انہیں نصیحت کر تا رہ اور انہیں وہ بات کہہ جو ان کے دلوں میں گھر کرنے والی ہو ○

کفار سے فیصلے کرانا شیطان کی اطاعت: اوپر کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے دعوے کو جھٹلایا ہے جو زبانی تو اقرار کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی تمام اگلی کتابوں پر اور اس قرآن پر بھی ہمارا ایمان ہے۔ لیکن جب کبھی کسی مسئلہ کی تحقیق کرنی ہو' جب کبھی کسی اختلاف کو سمیٹنا ہو' جب کبھی کسی جھگڑے کا فیصلہ کرنا ہو تو قرآن وحدیث کی طرف رجوع نہیں کرتے بلکہ کسی اور طرف لے جاتے ہیں۔ چنانچہ یہ آیت ان دو شخصوں کے بارے میں نازل ہوئی جن میں کچھ اختلاف تھا ایک تو یہودی تھا دوسرا انصاری تھا یہودی تو کہتا تھا کہ چل محمد (ﷺ) سے فیصلہ کرالیں اور انصاری کہتا تھا کعب بن اشرف کے پاس چلو۔ یہ بھی کہا گیا ہے یہ آیت منافقوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کو ظاہر کرتے تھے لیکن در پردہ احکام جاہلیت کی طرف جھکنا چاہتے تھے اس کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ آیت اپنے حکم اور الفاظ کے اعتبار سے عام ہے ان تمام واقعات پر مشتمل ہے اس شخص کی مذمت اور برائی کا اظہار کرتی ہے جو کتاب وسنت سے ہٹ کر کسی اور باطل کی طرف اپنا فیصلہ لے جائے اور یہی مراد یہاں طاغوت سے ہے (یعنی قرآن وحدیث کے سوا کی چیز یا شخص) صدود سے مراد تکبر سے منہ موڑ لینا' جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا﴾ [1] یعنی جب ان سے کہا جائے کہ اللہ تعالیٰ کی اتاری ہوئی وحی کی فرمانبرداری کرو تو جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے باپ دادا کی پیروی پر ہی اڑے رہیں گے۔ ایمان والوں کا جواب یہ نہیں ہوتا بلکہ ان کا جواب دوسری آیت میں اس طرح مذکور ہے ﴿اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [2] الخ' یعنی ایمان والوں کو جب اللہ رسول کے فیصلے اور حکم کی طرف بلایا جائے تو ان کا جواب یہی ہوتا ہے کہ ہم نے سنا اور ہم نے تہہ دل سے قبول کیا۔

پھر منافقوں کی مذمت میں بیان ہو رہا ہے کہ ان کے گناہوں کے باعث جب تکلیفیں پہنچتی ہیں اور تیری ضرورت محسوس ہوتی ہے تو دوڑے بھاگے آتے ہیں اور تمہیں خوش کرنے کے لئے عذر معذرت کرنے بیٹھ جاتے ہیں اور قسمیں کھا کر اپنی نیکی اور صلاحیت کا یقین دلانا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ آپ کے سوا دوسروں کی طرف ان مقدمات کے لے جانے سے ہمارا مقصود صرف یہی تھا کہ ذرا دوسروں کا دل رکھا جائے آپس کا میل جول نبھ جائے ورنہ دل سے کچھ ہم ان کی اچھائی کے معتقد نہیں جیسے اور آیت میں ﴿فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ﴾

---

[1] [سورۃ لقمان : آیت ۲۱] [2] [سورۃ النور : آیت ۵۱]

سے ﴿نَادِمِيْنَ﴾ [1] تک بیان ہوا ہے۔ یعنی تو دیکھے گا کہ بیمار دل یعنی منافق یہود و نصاریٰ کی باہم دوستی کی تمام تر کوششیں کرتے پھرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں ان سے اختلاف کی وجہ سے آفت میں پھنس جانے کا خطرہ ہے پس بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح لائے یا اپنا کوئی حکم نازل فرمائے۔ اور یہ لوگ ان ارادوں پر پشیمان ہونے لگیں جو انکے دلوں میں پوشیدہ ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ابو برزہ اسلمی ایک کاہن شخص تھا یہود اپنے بعض فیصلے اس سے کراتے تھے ایک واقعہ میں مشرکین بھی اس کی طرف دوڑے اس پر یہ آیتیں ﴿اَلَمْ تَرَ﴾ سے ﴿تَوْفِيْقًا﴾ تک نازل ہوئیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے لوگ یعنی منافقین کے دلوں میں جو کچھ ہے؟ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو کامل ہے اس پر کوئی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی مخفی نہیں۔ وہ ان کے ظاہر باطن کا عالم ہے۔ تو ان سے چشم پوشی کر ان کے باطنی ارادوں پر ڈانٹ ڈپٹ نہ کر ہاں انہیں نفاق اور دوسروں سے شر و فساد میں وابستہ رہنے سے باز رہنے کی نصیحت کر اور دل میں اترنے والی باتیں ان سے کہہ بلکہ ان کے لئے دعا بھی کر۔

وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۭ وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَهُمْ جَاۗءُوْكَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ لَهُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰهَ تَوَّابًا رَّحِيْمًا ﴿۶۴﴾ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰي يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿۶۵﴾

ہم نے ہر ہر رسول کو صرف اسی لئے بھیجا کہ اللہ کے حکم سے اس کی فرمانبرداری کی جائے۔ اور اگر یہ لوگ جب کبھی اپنی جانوں پر ظلم کرتے تیرے پاس آ جاتے اور اللہ سے استغفار کرتے اور رسول بھی ان کے لئے استغفار کرتا تو یقیناً یہ لوگ اللہ تعالیٰ کو معاف کرنے والا مہربان پاتے ○ سو قسم ہے تیرے پروردگار کی یہ ایماندار نہیں ہو سکتے جب تک کہ اپنے تمام آپس کے اختلافات میں تجھ ہی کو حاکم نہ مان لیں پھر تو جو فیصلے ان میں کر دے ان سے اپنے دل میں کسی طرح تنگی اور ناخوشی نہ پائیں اور فرمانبرداری کے ساتھ قبول کر لیں ○

اطاعت رسول ﷺ ہی نجات کا ذریعہ: مطلب یہ ہے کہ ہر زمانہ کے رسول کی تابعداری اس کی امت پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض ہوتی ہے منصب رسالت یہی ہے کہ اس کے سبھی احکامات کو اللہ کے احکام سمجھا جائے، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿بِاِذْنِ اللّٰهِ﴾ سے یہ مراد ہے کہ اس کی توفیق اللہ تعالیٰ کے ہاتھ ہے اس کی قدرت و مشیت پر موقوف ہے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿اِذْ تَحُسُّوْنَهُمْ بِاِذْنِهٖ﴾ [2] یہاں بھی ﴿اِذْن﴾ سے مراد امر قدرت اور مشیت ہے یعنی اس نے تمہیں ان پر غلبہ دیا۔ پھر اللہ تعالیٰ عاصی اور خطا کاروں کو ارشاد فرماتا ہے کہ انہیں رسول ﷺ کے پاس آ کر اللہ تعالیٰ سے استغفار کرنا چاہئے اور خود رسول ﷺ سے بھی عرض کرنا چاہئے

[1] [سورۃ المائدہ : آیت ۵۲] [2] [سورۃ آل عمران : آیت ۱۵۲]

کہ آپ ہمارے لئے دعائیں کیجئے جب وہ ایسا کریں گے تو یقیناً اللہ ان کی طرف رجوع کرے گا انہیں بخش دے گا اوران پر رحم فرمائے گا' ابوابونصر بن صباغ نے اپنی کتاب میں جس میں مشہور قصے لکھے ہیں لکھا ہے کہ عتبی کا بیان ہے میں حضور ﷺ کی تربت کے پاس بیٹھا ہوا تھا جو ایک اعرابی آیا اور اس نے کہا السلام علیکم یا رسول اللہ ﷺ میں نے قرآن کریم کی آیت کو سنا اور آپ کے پاس آیا ہوں تا کہ آپ کے سامنے اپنے گناہوں کا استغفار کروں اور آپ کی شفاعت طلب کروں پھر اس نے یہ اشعار پڑھے:

یَاخَیْرَ مَنْ دُفِنَتْ بِالْقَاعِ اَعْظُمُهٗ فَطَابَ مِنْ طِیْبِهِنَّ الْقَاعُ وَالْاَکَمِ
نَفْسِی الْفِدَآءُ لِقَبْرٍ اَنْتَ سَاکِنُهٗ فِیْهِ الْعَفَافُ وَفِیْهِ الْجُوْدُ وَالْکَرَمِ

جن جن کی ہڈیاں میدانوں میں دفن کی گئی ہیں اوران کی خوشبو سے وہ میدان ٹیلے مہک اٹھے ہیں' اے ان تمام میں سے بہترین ہستی' میری جان اس قبر پر سے صدقے ہو جس کا ساکن تو ہے جس میں پارسائی سخاوت اور کرم ہے۔

پھر اعرابی تو لوٹ گیا اور مجھے نیند آ گئی خواب میں کیا دیکھتا ہوں حضور ﷺ مجھ سے فرمارہے ہیں جا اس اعرابی کو خوشخبری سنا کہ اللہ نے اس کے گناہ معاف فرمادئے (یہ خیال رہے کہ نہ تو یہ کسی حدیث کی کتاب کا واقعہ ہے نہ اس کی کوئی صحیح سند ہے' بلکہ آیت کا یہ حکم حضور ﷺ کی زندگی میں ہی تھا وصال کے بعد نہیں جیسے کہ ﴿جَآءُوْكَ﴾ کا لفظ بتلا رہا ہے اور مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ ہر انسان کا ہر عمل اس کی موت کے ساتھ منقطع ہو جاتا ہے [1] (واللہ اعلم۔مترجم)

پھر اللہ تعالیٰ اپنی بزرگ اور مقدس ذات کی قسم کھا کر فرماتے ہیں کہ کوئی شخص ایمان کی حدود میں نہیں آ سکتا جب تک تمام امور میں اللہ کے اس آخر الزمان افضل تر رسول ﷺ کو اپنا سچا حاکم نہ مان لے اور آپ کے ہر حکم ہر فیصلے ہر سنت اور ہر حدیث کو قابل قبول اور حق صریح تسلیم نہ کرنے لگے' دل کو اور جسم کو یکسر تابع رسول ﷺ نہ بنادے۔ غرض جو بھی ظاہر باطن چھوٹے بڑے کل امور میں حدیث رسول ﷺ کو اصل اصول سمجھے وہی مومن ہے۔ پس فرمان ہے کہ تیرے احکام کو یہ کشادہ دلی سے تسلیم کرلیا کریں اپنے دل میں ناپسندیدگی نہ لائیں تسلیم کلی تمام احادیث کے ساتھ رہے' نہ تو احادیث کے ماننے سے رکیں نہ انہیں ہٹانے کے اسباب ڈھونڈیں نہ ان کے مرتبہ کی کسی اور چیز کو سمجھیں نہ ان کی تردید کریں نہ ان کا مقابلہ کریں نہ ان کے تسلیم کرنے میں جھگڑیں جیسے فرمان رسول ﷺ ہے اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے تم میں سے کوئی صاحب ایمان نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہش کو اس چیز کا تابع نہ بنادے جسے میں لایا ہوں [2] صحیح بخاری شریف میں ہے کہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الوصیة : باب ما یلحق الانسان من الثواب بعد وفاته (۱۶۳۱)]

[2] [ضعیف : خطیب فی تاریخ بغداد (۳۶۹/۴) ابن ابی عاصم فی السنة (۱۵) بغوی فی شرح السنة (۱۰۴)] حافظ ابن حجرؒ نے نقل فرمایا ہے کہ امام نوویؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[فتح الباری (۲۸۹/۱۳)] شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کی سند میں نعیم بن حماد راوی ضعیف ہے۔[المشکاۃ (۱۶۷) ظلال الجنة (۱۵)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

کسی شخص سے نالیوں سے باغ میں پانی لینے کے بارے میں جھگڑا ہو پڑا تو حضور ﷺ نے فرمایا زبیر رضی اللہ عنہ تم پانی پلالو اس کے بعد پانی کو انصاری کے باغ میں جانے دو اس پر انصاری نے کہا ہاں یارسول اللہ ﷺ یہ تو آپ کی پھوپھی کے لڑکے ہیں یہ سن کر آپ کا چہرہ متغیر ہو گیا اور فرمایا زبیر رضی اللہ عنہ تم پانی پلالو پھر پانی کو روکے رکھو یہاں تک باغ کی دیواروں تک پہنچ جائے پھر اپنے پڑوسی کی طرف چھوڑ دو پہلے تو حضور ﷺ نے ایک ایسی صورت نکالی تھی کہ جس میں حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو تکلیف نہ ہو اور انصاری کو کشادگی ہو جائے لیکن جب انصاری نے اسے اپنے حق میں بہتر نہ سمجھا تو آپ نے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو ان کا پورا حق دلوایا حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جہاں تک میرا خیال ہے یہ آیت ﴿فَلَا وَرَبِّكَ﴾ الخ' اسی کے بارے میں نازل ہوئی ہے' [1] مسند احمد کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ یہ انصاری رضی اللہ عنہ بدری تھے [2] اور روایت میں ہے دونوں میں جھگڑا یہ تھا کہ پانی کی نہر سے پہلے حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کا کھجوروں کا باغ پڑتا تھا پھر اس انصاری کا۔ انصاری کہتے تھے کہ پانی روکو مت یونہی پانی دونوں باغوں میں ایک ساتھ آئے۔ [3] ابن ابی حاتم میں ہے کہ یہ دونوں دعویدار حضرت زبیر رضی اللہ عنہ اور حضرت حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ تھے آپ کا فیصلہ ان میں یہ ہوا کہ پہلے اونچے والا پانی پلالے پھر نیچے والا۔ [4] دوسری ایک زیادہ غریب روایت میں شان نزول یہ مروی ہے کہ دو شخص اپنا جھگڑا لے کر دربار محمدی میں آئے آپ نے فیصلہ کر دیا لیکن جس کے خلاف فیصلہ تھا اس نے کہا حضور ﷺ آپ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیجئے آپ نے فرمایا بہت اچھا ان کے پاس چلے جاؤ جب یہاں آئے تو جس کے موافق فیصلہ ہوا تھا اس نے سارا ہی واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو کہہ سنایا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس دوسرے سے پوچھا کیا یہ سچ ہے؟ اس نے اقرار کیا آپ نے فرمایا اچھا تم یہیں ٹھہرو میں آتا ہوں اور فیصلہ کر دیتا ہوں تھوڑی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ تلوار تانے آ گئے اور اس شخص کی جس نے کہا تھا کہ ہمیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس بھیج دیجئے گردن اڑا دی دوسرا شخص یہ دیکھ کر دوڑا بھاگا آنحضرت ﷺ کے پاس پہنچا اور کہا حضور ﷺ میرا ساتھی تو مار ڈالا گیا اور اگر میں بھی جان بچا کر بھاگ نہ آتا تو میری بھی خیر نہ تھی' آپ نے فرمایا میں عمر کو ایسا نہیں جانتا تھا کہ وہ جرات کے ساتھ ایک مومن کا خون بہا دے گا اس پر یہ آیت اتری اور اس کا خون برباد گیا اور اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بری کر دیا' لیکن یہ طریقہ لوگوں میں اس کے بعد بھی جاری نہ ہو جائے اس لئے اس کے بعد ہی یہ آیت اتری ﴿وَلَوْ أَنَّا كَتَبْنَا﴾ جو آگے آتی ہے۔ (ابن ابی حاتم)

ابن مردویہ میں بھی یہ روایت ہے جو غریب اور مرسل ہے اور ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے واللہ اعلم۔ دوسری سند سے مروی ہے دو شخص رسول مقبول ﷺ کے پاس اپنا جھگڑا لائے آپ نے حق والے کے حق میں ڈگری

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب فلا وربك لا یومنون (۴۵۸۵۔ ۲۳۶۱)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصلح: باب فضل اصلاح بین الناس (۲۷۰۸) مسند احمد (۱/۱۶۵) بغوی فی شرح السنة (۲۱۹۴/۸)]

[3] [صحیح: مسند احمد (۴/۴۔ ۵) صحیح بخاری (۲۳۵۹) صحیح مسلم (۱۲۹)]

[4] [مرسل و ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۵۵۵۹/۳)]

دے دی لیکن جس کے خلاف ہوا تھا اس نے کہا میں راضی نہیں ہوں آپ نے پوچھا تو کیا چاہتا ہے؟ کہا یہ کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے پاس چلیں دونوں وہاں پہنچے جب یہ واقعہ جناب صدیق رضی اللہ عنہ نے سنا تو فرمایا تمہارا فیصلہ وہی ہے جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا وہ اب بھی خوش نہ ہوا اور کہا حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس چلو وہاں گئے پھر وہ ہوا جو آپ نے اوپر پڑھا۔[1] (تفسیر حافظ ابواسحاق)

وَلَوْ اَنَّا كَتَبْنَا عَلَيْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِيَارِكُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِيْلٌ مِّنْهُمْ ۭ وَلَوْ اَنَّھُمْ فَعَلُوْا مَا يُوْعَظُوْنَ بِهٖ لَكَانَ خَيْرًا لَّھُمْ وَاَشَدَّ تَثْبِيْتًا ﴿٦٦﴾ وَّاِذًا لَّاٰتَيْنٰھُمْ مِّنْ لَّدُنَّآ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٦٧﴾ وَّلَهَدَيْنٰھُمْ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿٦٨﴾ وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَاۗءِ وَالصّٰلِحِيْنَ ۚ وَحَسُنَ اُولٰۗىِٕكَ رَفِيْقًا ﴿٦٩﴾ ذٰلِكَ الْفَضْلُ مِنَ اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ عَلِيْمًا ﴿٧٠﴾ ع

اور اگر ہم ان پر یہ فرض کر دیتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر ڈالو یا اپنے گھروں سے نکل جاؤ تو اسے ان میں سے بہت ہی کم لوگ بجالاتے' اگر یہ وہی کریں جس کی انہیں نصیحت کی جاتی ہے تو یقیناً یہی ان کے لئے بہتر ہو اور بہت زیادہ مضبوطی والا ہو۔ اور تب تو ہم انہیں اپنے پاس سے بڑا ثواب دیں ○ اور یقیناً انہیں راہ راست دکھا دیں۔ جو بھی اللہ کی اور رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کی فرمانبرداری کرے وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام کیا جیسے نبی اور صدیق اور شہید اور نیک لوگ یہ بہترین رفیق ہیں۔ یہ فضل اللہ کی طرف سے ہے اور اللہ بس ہے جاننے والا ○

اللہ اور رسول کے اطاعت گزار نبیوں کے رفیق: اللہ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ ایسے ہیں کہ اگر انہیں ان منع کردہ کاموں کا بھی حکم دیا جاتا جنہیں وہ اس وقت کر رہے ہیں تو وہ ان کاموں کو بھی نہ کرتے اس لئے کہ ان کی ذلیل طبیعتیں حکم الٰہی کی مخالفت پر ہی استوار ہوئی ہیں' پس یہاں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کی خبر دی ہے جو ظاہر نہیں ہوئی لیکن ہوتی تو کس طرح ہوتی؟ اس آیت کو سن کر ایک بزرگ نے فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ ہمیں یہ حکم دیتا تو یقیناً ہم کر گذرتے لیکن اس کا شکر ہے کہ اس نے ہمیں اس سے بچالیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پہنچی تو آپ نے فرمایا بیشک میری امت میں ایسے ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ مضبوط اور ثابت ہے۔[2] (ابن ابی حاتم) اس روایت کی دوسری سند میں ہے کہ کسی ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے یہ فرمایا تھا سدی کا قول ہے کہ ایک یہودی نے حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ سے فخریہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم پر خود ہمارا قتل بھی فرض کیا تو ہم کر گذریں گے اس پر حضرت ثابت رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ اگر ہم پر یہ فرض ہوتا تو ہم بھی کر گذرتے اس پر یہ آیت

---

[1] [مرسل و ضعیف: الدر المنثور للسیوطی (۳۲۲/۲) مسند الفاروق (۵۷۵/۲)]

[2] [مرسل و ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۹۹۲۶)]

اتری۔ اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا اگر یہ حکم ہوتا تو اس کے بجالانے والوں میں سے ایک ابن ام عبد رضی اللہ عنہ بھی ہوتے ہیں۔ [1] (ابن ابی حاتم) دوسری روایت میں ہے کہ آپ نے اس آیت کو پڑھ کر حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ یہ بھی اس عمل کرنے والوں میں سے ایک ہیں۔ [2] ارشاد الٰہی ہے کہ اگر یہ لوگ ہمارے احکام بجالاتے اور ہماری منع کردہ چیزوں اور کاموں سے رک جاتے تو یہ ان کے حق میں اس سے بہتر ہوتا کہ وہ حکم کی مخالفت کریں اور ممانعت میں مشغول ہوں۔ یہی عمل زیادہ سچائی والا ہوتا اس کے نتیجہ میں ہم انہیں جنت عطا فرماتے اور دنیا و آخرت کی بہتر راہ کی رہنمائی کرتے۔ پھر فرماتا ہے جو شخص اللہ رسول ﷺ کے احکام پر عمل کرے اور منع کردہ کاموں سے باز رہے اسے اللہ تعالیٰ عزت کے گھر میں لے جائے گا نبیوں کا رفیق بنائے گا اور صدیقوں کا جو مرتبے میں نبیوں کے بعد ہیں پھر شہیدوں کا پھر تمام مومنوں کا جنہیں صالح کہا جاتا ہے جن کا ظاہر باطن آراستہ ہے خیال تو کرو یہ کیسے پاکیزہ اور بہترین رفیق ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے نبی ﷺ سے سنا تھا کہ ہر نبی کو اس کے مرض الموت کے زمانے میں دنیا میں رہنے اور آخرت میں جانے کا اختیار دیا جاتا ہے جب حضور ﷺ بیمار ہوئے تو شدت نقاہت سے اٹھ نہیں سکتے تھے آواز بیٹھ گئی تھی لیکن میں نے سنا کہ آپ فرمار ہے ہیں ان کا ساتھ جن پر اللہ نے انعام کیا جو نبی ہیں صدیق ہیں شہید ہیں اور نیکو کار ہیں یہ سن کر مجھے معلوم ہو گیا کہ آپ کو اختیار دیا گیا ہے۔ [3] یہی مطلب ہے جو دوسری حدیث میں آپ کے یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں کہ اے اللہ میں بلند و بالا رفیق کی رفاقت کا طالب ہوں یہ کلمہ آپ نے تین مرتبہ اپنی زبان مبارک سے نکالا [4] پھر فوت ہو گئے۔ علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم

آیت کا شان نزول: ابن جریر میں ہے کہ ایک انصاری حضور ﷺ کے پاس آئے آپ نے دیکھا کہ وہ سخت مغموم ہیں سبب دریافت کیا تو جواب ملا کہ حضور ﷺ یہاں تو صبح شام ہم لوگ آپ کی خدمت میں بیٹھتے ہیں دیدار بھی ہو جاتا ہے اور دو گھڑی صحبت بھی میسر ہو جاتی ہے لیکن کل قیامت کے دن تو آپ نبیوں کی اعلیٰ مجلس میں ہوں گے ہم تو آپ تک پہنچ بھی نہ سکیں گے حضور ﷺ نے کچھ جواب نہ دیا اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام یہ آیت لائے آنحضرت ﷺ نے آدمی بھیج کر انہیں خوشخبری سنادی۔ [5] یہی اثر مرسل سند سے بھی مروی ہے جو سند بہت ہی اچھی ہے، حضرت ربیع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں صحابہ رسول اللہ ﷺ نے کہا کہ یہ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا درجہ آپ پر ایمان لانے والوں سے یقیناً بہت ہی بڑا ہے پس جب کہ جنت میں یہ سب جمع ہوں گے تو آپس میں ایک

---

[1] [مرسل وضعیف: الدرالمنثور للسیوطی (۲/ ۳۲٤)] مزید اس کی سند میں مصعب بن ثابت راوی ضعیف ہے۔]

[2] [مرسل وضعیف: الدرالمنثور (۲/ ۳۲٤)] مزید اس کی سند میں اسماعیل بن عیاش راوی ضعیف ہے۔]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب آخر ما تکلم به النبی (٤٤٦٣) و کتاب التفسیر (٤٥٨٦) صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب فی فضائل عائشة (٢٤٤٤) ابن ماجه: کتاب الجنائز: باب ماجآء فی ذکر مرض رسول الله (١٦٢٠) مسند احمد (٦/ ١٧٦)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب آخر ما تکلم به النبی (٤٤٦٣)]

[5] [مرسل وضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۹۹۲۹)] مزید اس میں جعفر بن ابی مغیرہ راوی ضعیف ہے۔]

دوسرے کو کیسے دیکھیں گے اور کیسے ملیں گے؟ پس یہ آیت اتری اور حضور ﷺ نے فرمایا اوپر کے درجہ والے نیچے والوں کے پاس اتر آئیں گے اور پر بہار باغوں میں سب جمع ہوں گے اور اللہ کے احسانات کا ذکر اور اس کی تعریفیں کریں گے اور جو چاہیں پائیں گے ناز و نعم سے ہر وقت رہیں گے۔ [1] ابن مردویہ میں ہے ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو اپنی جان سے' اپنے اہل و عیال سے اور اپنے بچوں سے بھی زیادہ محبوب رکھتا ہوں میں گھر میں رہتا ہوں لیکن شوق زیارت مجھے بیقرار کر دیتا ہے صبر نہیں ہو سکتا دوڑتا بھاگتا آتا ہوں اور دیدار کر کے چلا جاتا ہوں لیکن جب مجھے آپ کی اور اپنی موت یاد آتی ہے اور اس کا یقین ہے کہ آپ جنت میں نبیوں کے سب سے بڑے اونچے درجے میں ہوں گے تو ڈر لگتا ہے کہ پھر میں حضور ﷺ کے دیدار سے محروم ہو جاؤں گا' آپ نے تو کوئی جواب نہیں دیا لیکن یہ آیت نازل ہوئی۔ [2] اس روایت کے اور بھی طرق ہیں۔ [3]

صحیح مسلم شریف میں ہے ربیعہ بن کعب اسلمی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رات کو حضور ﷺ کی خدمت میں رہتا اور پانی وغیرہ لا دیا کرتا تھا ایک بار آپ نے مجھ سے فرمایا کچھ مانگ لے میں نے کہا جنت میں آپ کی رفاقت کا طالب ہوں فرمایا اس کے سوا اور کچھ؟ میں نے کہا وہی کافی ہے آپ نے فرمایا میری رفاقت کے لئے میری مدد کر بکثرت سجدے کر کے۔ [4] مسند احمد میں ہے ایک شخص نے آنحضرت ﷺ سے کہا میں اللہ کے لاشریک ہونے کی اور آپ کے رسول ہونے کی گواہی دیتا ہوں اور رمضان کے روزے رکھتا ہوں تو آپ نے فرمایا جو مرتے دم تک اسی پر رہے گا وہ قیامت کے دن نبیوں صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ اس طرح ہو گا پھر آپ نے اپنی انگلیاں اٹھا کر اشارہ کر کے بتایا۔ لیکن یہ شرط ہے کہ ماں باپ کا نافرمان نہ ہو۔ [5] مسند احمد میں ہے جس نے اللہ کی راہ میں ایک ہزار آیتیں پڑھیں وہ ان شاء اللہ قیامت کے دن نبیوں' صدیقوں' شہیدوں اور صالحوں کے ساتھ لکھا جائے گا' [6] ترمذی میں ہے سچا امانت دار تاجر نبیوں' صدیقوں اور شہیدوں کے ساتھ ہو گا۔ [7] ان سب سے زیادہ زبردست بشارت اس حدیث میں ہے جو صحاح اور مسانید وغیرہ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک زبردست جماعت سے بہ تواتر مروی ہے کہ نبی ﷺ سے اس شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جو ایک قوم سے محبت رکھتا ہے لیکن اس سے ملا نہیں تو آپ

---

[1] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۹۹۳۳)] اس کی سند میں ابو جعفر رازی راوی ضعیف ہے۔]

[2] [حسن بالشواھد : الدر المنثور للسیوطی (۳۲۵/۲) طبرانی کبیر (۱۲۵۵۹/۱۲)] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ یہ روایت شواہد کی بنا پر حسن ہے۔]

[3] [صحیح بالشواھد : طبرانی کبیر (۱۲۵۵۹) مجمع الزوائد ۶/۷۰۔ ۷)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصلاۃ : باب فضل السجود (۴۸۹) نسائی (۱۱۳۸)]

[5] [ضعیف : مجمع الزوائد (۱۴۶/۸)] اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔]

[6] [ضعیف : مسند احمد (۴۳۷/۳)] شیخ شعیب ارناؤوط اور شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (۱۵۶۴۹) ضعیف الترغیب (۸۱۱) السلسلة الضعیفة (۵۲۰۷)]

[7] [حسن : ترمذی : کتاب البیوع : باب ماجاء فی التجار (۱۲۰۹)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے اور شیخ البانیؒ بھی اسے حسن کہتے ہیں۔[صحیح الترغیب (۱۷۸۲)]

نے فرمایا ﴿اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ﴾ ہر انسان اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت رکھتا تھا حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں مسلمان جس قدر اس حدیث سے خوش ہوئے اتنا کسی اور چیز سے خوش نہیں ہوئے" [1] حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں واللہ میری محبت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے ہے اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ہے تو مجھے امید ہے کہ اللہ مجھے بھی انہی کے ساتھ اٹھائے گا گو میرے اعمال ان جیسے نہیں۔ [2] (اللہ تو ہمارے دل بھی اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے چاہنے والوں کی محبت سے بھر دے اور ہمارا حشر بھی انہی کے ساتھ کر دے آمین)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جنتی لوگ اپنے سے بلند درجہ والے جنتیوں کو ان کے بالا خانوں میں اس طرح دیکھیں گے جیسے تم چمکتے ستارے کو مشرق یا مغرب میں دیکھتے ہو ان میں بہت کچھ فاصلہ ہوگا صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا یہ منزلیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کے لئے ہی مخصوص ہوں گی؟ کوئی اور وہاں تک کیسے پہنچ سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا کیوں نہیں اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے ان منزلوں تک وہ بھی پہنچیں گے جو اللہ پر ایمان لائے رسولوں کو سچا جانا اور مانا۔ [3] (بخاری مسلم)

ایک حبشی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا ہے آپ فرماتے ہیں جو پوچھنا ہو پوچھو اور سمجھو وہ کہتا ہے یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو صورت میں، رنگ میں، نبوت میں اللہ عزوجل نے ہم پر فضیلت دے رکھی ہے اگر میں بھی اس چیز پر ایمان لاؤں جس پر آپ ایمان لائے ہیں اور ان احکام کو بجالاؤں جنہیں آپ بجالا رہے ہیں تو کیا جنت میں آپ کا ساتھ ملے گا؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہاں اس اللہ تعالیٰ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے جنتی حبشی تو ایسا گورا چٹا ہو کر جنت میں جائے گا کہ اس کا پنڈا ایک ہزار برس کے فاصلے سے ہی نورانیت کے ساتھ جگمگاتا ہوا نظر آئے گا۔ پھر فرمایا: ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہنے والے سے اللہ کا وعدہ ہے اور ﴿سُبْحَانَ اللّٰهِ وَبِحَمْدِهٖ﴾ کہنے والے کے لئے ایک لاکھ چوبیس ہزار نیکیاں لکھی جاتی ہیں اس پر ایک اور صاحب نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جب یہ حقائق ہیں تو پھر ہم ہلاک کیسے ہو سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا ایک انسان قیامت کے دن اس قدر اعمال لے کر آئے گا اگر کسی پہاڑ پر رکھے جائیں تو وہ بھی بوجھل ہوئے لیکن ایک نعمت جو کھڑی ہوگئی محض اس کے شکریہ میں یہ اعمال کم نظر آئیں گے ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت کاملہ سے اسے ڈھانک لے اور جنت دے دے اور یہ آیتیں اتریں ﴿هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ﴾ سے ﴿مُلْكًا كَبِيْرًا﴾ [4] تک۔ تو حبشی

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب فضائل اصحاب النبی (۳۶۸۸) صحیح مسلم : کتاب البرو الصلة : باب المرء مع من احب (۲۶۳۹)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب فضائل اصحاب النبی (۳۶۸۸) ، (۶۱۶۷) صحیح مسلم : کتاب البرو الصلة (۲۶۳۹)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب ماجآء فی صفة الجنة وانها مخلوقة (۳۲۵۶) صحیح مسلم : کتاب الجنة : باب ترائی اھل الجنة (۲۸۳۱)]

[4] [سورة الانسان : آیت ۱۔۲۰]

صحابی رضی اللہ عنہ کہنے لگا یا رسول اللہ ﷺ کیا جنت جن جن چیزوں کو آپ کی آنکھیں دیکھیں گی میری آنکھیں بھی دیکھ سکیں گی؟ آپ نے فرمایا ہاں اس پر وہ حبشی فرط شوق میں روئے اور اس قدر روئے کہ اپنی اسی حالت میں فوت ہو گئے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں نے دیکھا کہ ان کی نعش مبارک کو رسول اللہ ﷺ قبر میں اتار رہے تھے۔ [1] یہ روایت غریب ہے اور اس میں اصولی خامیاں بھی ہیں اس کی سند ضعیف ہے۔ ارشاد الٰہی ہے یہ خاص اللہ کا عنایت اور اس کا فضل ہے اس کی رحمت سے ہی یہ اس کے قابل ہوئے نہ کہ اپنے اعمال سے۔ اللہ تعالیٰ خوب جاننے والا ہے اسے بخوبی معلوم ہے کہ مستحق ہدایت وتوفیق کون ہے؟

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُوا جَمِيعًا ﴿٧١﴾ وَإِنَّ مِنكُمْ لَمَن لَّيُبَطِّئَنَّ فَإِنْ أَصَابَتْكُم مُّصِيبَةٌ قَالَ قَدْ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيَّ إِذْ لَمْ أَكُن مَّعَهُمْ شَهِيدًا ﴿٧٢﴾ وَلَئِنْ أَصَابَكُمْ فَضْلٌ مِّنَ اللَّهِ لَيَقُولَنَّ كَأَن لَّمْ تَكُن بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُ مَوَدَّةٌ يَا لَيْتَنِي كُنتُ مَعَهُمْ فَأَفُوزَ فَوْزًا عَظِيمًا ﴿٧٣﴾ فَلْيُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يَشْرُونَ الْحَيَاةَ الدُّنْيَا بِالْآخِرَةِ ۚ وَمَن يُقَاتِلْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَيُقْتَلْ أَوْ يَغْلِبْ فَسَوْفَ نُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا ﴿٧٤﴾

اے مسلمانو! اپنے ہتھیار لئے رہو پھر گروہ گروہ بن کر کوچ کرو یا سب کے سب اکٹھے نکل کھڑے ہو○ یقیناً تم میں بعض وہ بھی ہیں جو پس وپیش کرتے ہیں، پھر اگر تمہیں کوئی نقصان ہوتا ہے تو کہتے ہیں اللہ نے مجھ پر بڑا فضل کیا کہ میں ان کے ساتھ موجود نہ تھا○ اور اگر تمہیں اللہ تعالیٰ کا کوئی فضل مل جائے تو اس طرح کہ گویا تم میں ان میں کوئی دوستی تھی ہی نہیں کہتے ہیں کاش کہ میں بھی ان کے ہمراہ ہوتا تو بڑی کامیابی کو پہنچتا۔ پس جو لوگ دنیا کی زندگی کو آخرت پر قربان کرنے والے ہیں انہیں اللہ کی راہ میں جہاد کرنا چاہئے جو شخص راہ اللہ میں جہاد کرتے ہوئے شہادت پالے یا غالب آجائے یقیناً ہم اسے بہت بڑا ثواب عنایت فرمائیں گے○

بچاؤ کے اسباب تیار رکھنا: اللہ رب العزت مسلمانوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ ہر وقت اپنے بچاؤ کے اسباب تیار رکھیں ہر وقت ہتھیار بند رہیں تاکہ دشمن ان پر باآسانی کامیاب نہ ہو جائے۔ ضرورت کے ہتھیار تیار رکھیں اپنی تعداد بڑھاتے رہیں قوت مضبوط کرتے رہیں منظم مردانہ وار جہاد کے لئے بیک آواز اٹھ کھڑے ہوں چھوٹے چھوٹے لشکروں میں بٹ کر یا متحدہ فوج کی صورت میں جیسا موقعہ ہو آواز سنتے ہی کوچ بول دیں۔ منافقین کی خصلت ہے کہ خود بھی اللہ تعالیٰ کی راہ سے جی چرائیں اور دوسروں کو بھی بزدل بنائیں، جیسے عبداللہ بن ابی بن سلول سردار منافقین کا فعل تھا اللہ تعالیٰ اسے رسوا کرے اس کا کردار یہ تھا کہ اگر حکمت الہیہ سے مسلمانوں کو دشمنوں کے مقابلہ

[1] [ضعیف طبرانی کبیر (١٣٥٩٥) ابو نعیم فی الحلیۃ (٣١٩/٣)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔[(٢٣١/٢)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ایوب بن عتبہ راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (٣٥٦/١٠)]

میں کامیابی نہ ہوتی، دشمن ان پر چھا جاتا، انہیں نقصان پہنچاتا، ان کے آدمی شہید ہوتے تو یہ گھر بیٹھا خوشیاں مناتا اور اپنی دانائی پر اکڑتا اور اپنا اس جہاد میں شریک نہ ہونا اپنے حق میں اللہ تعالیٰ کا انعام قرار دیتا لیکن بے خبر یہ نہیں سمجھتا کہ جو اجر و ثواب ان مجاہدین کو ملا اس سب سے یہ بدنصیب یک لخت محروم رہا، اگر یہ بھی ان میں شامل ہوتا تو غازی کا درجہ پاتا اپنے صبر کے ثواب سمیٹتا یا شہادت کے بلند مرتبے تک پہنچ جاتا، اور اگر مسلمان مجاہدین کو اللہ کا فضل معاون ہوتا یعنی یہ دشمنوں پر غالب آ جاتے ان کی فتح ہوتی دشمنوں کو انہوں نے پامال کیا اور مال غنیمت لونڈی غلام لے کر خیر و عافیت ظفر و نصرت کے ساتھ لوٹتے تو یہ انگاروں پر لوٹتا اور ایسے لمبے لمبے سانس لے کر ہائے وائے کرتا ہے اور اس طرح پچھتاتا ہے اور ایسے کلمات زبان سے نکالتا ہے گویا یہ تمہارا کبھی تھا ہی نہیں یہ دین تمہارا نہیں بلکہ اس کا دین ہے اور کہتا افسوس میں ان کے ساتھ نہ ہوا اور نہ مجھے بھی حصہ ملتا میں بھی لونڈی، غلام، مال متاع والا بن جاتا الغرض دنیا پر ریجھا ہوا اور اسی پر مٹا ہوا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکل کھڑے ہونے والے مومنوں کو چاہئے کہ ان سے جہاد کریں جو اپنے دین کو دنیا کے بدلے فروخت کر رہے ہیں اپنے کفر اور عدم ایمان کے باعث اپنی آخرت کو برباد کر کے دنیا بناتے ہیں۔ سنو! اللہ کی راہ کا مجاہد کبھی نقصان نہیں اٹھاتا اس کے دونوں ہاتھوں میں لڈو ہیں قتل کیا گیا تو اجر موجود، غالب رہا تو ثواب حاضر۔ بخاری مسلم میں ہے اللہ کی راہ کے مجاہد کا ضامن خود اللہ عزوجل ہے یا تو اسے فوت کر کے جنت میں پہنچائے گا یا جس جگہ سے وہ چلا ہے وہیں اجر و غنیمت کے ساتھ صحیح سالم واپس لائے گا۔ [1] فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا ۚ وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِيًّا ۚ وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِيْرًا ﴿٧٥﴾ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ الطَّاغُوْتِ فَقَاتِلُوْٓا اَوْلِيَآءَ الشَّيْطٰنِ ۚ اِنَّ كَيْدَ الشَّيْطٰنِ كَانَ ضَعِيْفًا ﴿٧٦﴾

بھلا کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں اور ان ناتوانوں کے چھٹکارے کے لیے جہاد نہ کرو؟ جو مرد عورتیں اور ننھے ننھے بچے یوں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار ان ظالموں کی بستی سے ہمیں نجات دے، اور ہمارے لیے خود اپنے پاس سے حمایتی اور کارساز مقرر کر دے، اور ہمارے لیے خاص اپنے پاس سے مددگار بنا ○ جو لوگ ایمان لائے ہیں وہ تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے وہ اللہ کے سوا اوروں کی راہ میں لڑتے ہیں پس تم شیطان کے دوستوں سے جنگ کرو، یقین مانو کہ شیطانی حیلہ بالکل بودا اور سخت کمزور ہے ○

جہاد کی رغبت: اللہ تعالیٰ مومنوں کو اپنی راہ میں جہاد کی رغبت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ وہ کمزور بےبس لوگ جو مکہ

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب فرض الخمس : باب قول النبی احلت لکم الغنائم (۳۱۲۳) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب فضل الجہاد (۱۸۷۶) مسند احمد (۲/۳۹۹)]

میں ہیں جن میں عورتیں اور بچے بھی ہیں جو وہاں کے قیام سے اکتا گئے ہیں جن پر کفار نت نئی مصیبتیں توڑ رہے ہیں جو محض بے بال و پر ہیں انہیں آزاد کراؤ' جو بے کس دعائیں مانگ رہے ہیں کہ اسی بستی یعنی مکہ سے ہمارا نکلنا ممکن ہو' مکہ شریف کو اس آیت میں بھی قریہ کہا گیا ہے ﴿وَكَاَيِّنْ مِّنْ قَرْيَةٍ هِيَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْيَتِكَ الَّتِىٓ اَخْرَجَتْكَ﴾ [1] بہت سی بستیاں اس بستی سے کہیں زیادہ طاقت وقوت والی تھیں جس بستی سے (یعنی وہاں کے رہنے والوں نے) تمہیں نکالا۔ اسی مکہ کے رہنے والے مسلمان کافروں کے ظلم کی شکایت بھی کر رہے ہیں اور ساتھ ہی اپنی دعاؤں میں کہہ رہے ہیں کہ اے رب کسی کو اپنی طرف سے ہمارا ولی اور مددگار بنا کر ہماری امداد کو بھیج۔ صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں اور میری والدہ انہی کمزوروں میں تھے [2] اور روایت میں ہے کہ آپ نے ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ﴾ [3] پڑھ کر فرمایا میں اور میری والدہ صاحبہ بھی انہی لوگوں میں سے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے معذور رکھا۔ [4]

ارشاد ہے: ایماندار اللہ تعالیٰ کی فرمانبرداری اور اس کی رضا جوئی کے لیے جہاد کرتے ہیں اور کفار اطاعت شیطان میں لڑتے ہیں تو مسلمانوں کو چاہیے کہ شیطان کے دوستوں سے جو اللہ کے دشمن ہیں دل کھول کر جنگ کریں اور یقین مانیں کہ شیطان کے ہتھکنڈے اور اس کے مکروفریب سب نقش برآب ہیں۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ قِيْلَ لَهُمْ كُفُّوْٓا اَيْدِيَكُمْ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۚ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ اِذَا فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَخْشَوْنَ النَّاسَ كَخَشْيَةِ اللّٰهِ اَوْ اَشَدَّ خَشْيَةً ۚ وَقَالُوْا رَبَّنَا لِمَ كَتَبْتَ عَلَيْنَا الْقِتَالَ ۚ لَوْلَآ اَخَّرْتَنَآ اِلٰٓى اَجَلٍ قَرِيْبٍ ۗ قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيْلٌ ۚ وَالْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّمَنِ اتَّقٰى ۪ وَلَا تُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۷﴾ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يُدْرِكْكُّمُ الْمَوْتُ وَلَوْ كُنْتُمْ فِيْ بُرُوْجٍ مُّشَيَّدَةٍ ۗ وَاِنْ تُصِبْهُمْ حَسَنَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۚ وَاِنْ تُصِبْهُمْ سَيِّئَةٌ يَّقُوْلُوْا هٰذِهٖ مِنْ عِنْدِكَ ۗ قُلْ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ ۗ فَمَالِ هٰٓؤُلَآءِ الْقَوْمِ لَا يَكَادُوْنَ يَفْقَهُوْنَ حَدِيْثًا ﴿۷۸﴾ مَآ اَصَابَكَ مِنْ حَسَنَةٍ فَمِنَ اللّٰهِ ۫ وَمَآ اَصَابَكَ مِنْ سَيِّئَةٍ فَمِنْ نَّفْسِكَ ۗ وَاَرْسَلْنٰكَ لِلنَّاسِ رَسُوْلًا ۗ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ﴿۷۹﴾

کیا تو نے انہیں نہیں دیکھا جنہیں حکم کیا گیا تھا کہ اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو اور نمازیں پڑھتے رہو اور زکوۃ ادا کرتے رہو' پھر

---

[1] [سورة محمد : آيت ١٣]

[2] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب التفسير : باب ومالكم لا تقتلون فی سبيل الله (٤٥٨٧)]

[3] [سورة النساء : آيت ٩٨] [4] [صحيح بخاری (٤٥٨٨)]

جب انہیں جہاد کا حکم دیا گیا اسی وقت ان کی ایک جماعت لوگوں سے اس قدر ڈرنے لگی جیسے اللہ کا ڈر ہو بلکہ اس سے بھی زیادہ' اور کہنے لگی اے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا؟ کیوں ہمیں تھوڑی سی زندگی اور نہ جینے دیا' تو کہہ دے کہ دنیا کی سودمندی تو بہت ہی کم ہے' اور پرہیزگاروں کے لیے تو آخرت ہی بہتر ہے' تم پر ایک دھاگے کے برابر بھی ستم روا نہ رکھا جائے گا○ تم جہاں کہیں بھی ہو موت تمہیں آ پکڑے گی گو تم مضبوط برجوں میں ہو' انہیں اگر کوئی بھلائی ملتی ہے تو کہتے ہیں کہ یہ اللہ کی طرف سے ہے' اور اگر انہیں برائی پہنچتی ہے تو کہہ اٹھتے ہیں یہ تیری طرف سے ہے' انہیں خبر کر دو کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے انہیں کیا ہو گیا ہے کہ ایک بات سمجھنے کے بھی قریب نہیں؟○ تجھے جو بھلائی ملتی ہے وہ اللہ کی طرف سے ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ تیرے اپنے نفس کی طرف سے ہے' ہم نے تجھے تمام لوگوں کو پیغام پہنچانے والا بنا کر بھیجا ہے' اور اللہ بس ہے سامنے دیکھتا○

صبر وضبط اولین سبق: واقعہ بیان ہو رہا ہے کہ ابتدائے اسلام میں جب مسلمان مکہ شریف میں تھے کمزور تھے حرمت والے شہر میں تھے کفار کا غلبہ تھا یہ انہی کے شہر میں تھے وہ بکثرت تھے جنگی اسباب میں ہر طرح فوقیت رکھتے تھے' اس لیے اس وقت اللہ تعالیٰ نے مسلمانون کو جہاد وقتال کا حکم نہیں دیا تھا' بلکہ ان سے فرمایا تھا کہ یہ کافروں کی ایذائیں سہتے چلے جائیں ان کی مخالفت برداشت کریں۔ ان کے ظلم وستم برداشت کریں' جو احکام اللہ نازل ہو چکے ہیں ان پر عامل رہیں' نمازیں ادا کرتے رہیں' زکوٰۃ دیتے رہا کریں' گو ان میں عموماً مال کی زیادتی بھی نہ تھی لیکن تاہم مسکینوں اور محتاجوں کے کام آنے کا اور ان کی ہمدردی کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا مصلحت الٰہی کا تقاضا یہ تھا کہ سردست یہ کفار سے نہ لڑیں بلکہ صبر وضبط سے کام لیں' ادھر کافر بڑی دلیری سے ان پر ستم کے پہاڑ توڑ رہے تھے ہر چھوٹے بڑے کو سخت سے سخت سزائیں دے رہے تھے' مسلمانوں کا ناک میں دم کر رکھا تھا اس لیے ان کے دل میں رہ رہ کر جوش اٹھتا تھا اور زبان سے الفاظ نکل جاتے تھے کہ اس روزمرہ کی مصیبتوں سے تو یہی بہتر ہے کہ ایک مرتبہ دل کی بھڑاس نکل جائے' دو دو ہاتھ میدان میں ہو لیں کاش کہ اللہ تعالیٰ ہمیں جہاد کا حکم دے دے' لیکن اب تک حکم نہیں ملا تھا' جب انہیں ہجرت کی اجازت ملی اور مسلمان اپنی زمین' زر' رشتہ' کنبے' اللہ عزوجل کے نام پر قربان کر کے اپنا دین لے کر مکہ سے ہجرت کر کے مدینے پہنچے یہاں انہیں اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی سہولت دی امن کی جگہ دی امداد کے لیے انصار مدینہ دیئے' تعداد میں کثرت ہو گئی قوت وطاقت قدرے بڑھ گئی تو اب اللہ حاکم مطلق کی طرف سے اجازت ملی کہ اپنے لڑنے والوں سے لڑو' جہاد کا حکم اترتے ہی بعض لوگ سٹ پٹائے' خوف زدہ ہوئے۔ جہاد کا تصور کر کے میدان میں قتل کیے جانے کا تصور' عورتوں کے رنڈاپے کا خیال' بچوں کی یتیمی کا منظر آنکھوں کے سامنے آ گیا۔ گھبراہٹ میں کہہ اٹھے کہ اے اللہ ابھی سے جہاد کیوں فرض کر دیا کچھ تو مہلت دی ہوتی۔

اسی مضمون کو دوسری آیتوں میں اس طرح بیان کیا گیا ہے۔ ﴿وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ﴾ [1] الخ' مختصر مطلب یہ ہے کہ ایماندار کہتے ہیں کوئی سورت کیوں نازل نہیں کی جاتی جب کوئی سورت اتاری جاتی ہے اور اس میں جہاد کا ذکر ہوتا ہے تو بیمار دل لوگ چیخ اٹھتے ہیں اور ٹیڑھے تیوروں سے تجھے گھورتے

---

[1] [سورۃ محمد : آیت ۲۰]

ہیں اور موت کی غشی والوں کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لیتے ہیں ان پر افسوس ہے حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ اور آپ کے ساتھی مکہ شریف میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتے ہیں اور کہتے ہیں اے نبی اللہ ہم کفر کی حالت میں ذی عزت تھے آج اسلام کی حالت میں ذلیل سمجھے جانے لگے (مطلب یہ تھا کہ آپ کی فرماں برداری ضروری ہے اور آپ مقابلہ سے منع کرتے ہیں جس سے کفار کی جرات بڑھ گئی ہے اور وہ ہمیں ذلیل کرنے لگے ہیں تو آپ ہمیں مقابلہ کی اجازت کیوں نہیں دیتے ؟) لیکن آپ نے جواب دیا مجھے اللہ کا حکم یہی ہے کہ ہم درگذر کریں کافروں سے جنگ نہ کریں۔ پھر جب مدینہ کی طرف ہجرت ہوئی اور یہاں جہاد کے احکام نازل ہوئے تو لوگ ہچکچانے لگے اس پر یہ آیت اتری۔ (نسائی، حاکم، ابن مردویہ) [1] سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں صرف صلوٰۃ وزکوٰۃ کا حکم ہی تھا تو تمنائیں کرتے تھے کہ جہاد فرض ہو جب فریضہ جہاد نازل ہوا تو کمزور دل لوگ انسانوں سے ڈرنے لگے جیسے اللہ سے ڈرنا چاہیے بلکہ اس سے بھی زیادہ اور کہنے لگے اے رب تو نے ہم پر جہاد کیوں فرض کر دیا کیوں ہمیں اپنی موت کے صحیح وقت تک فائدہ نہ اٹھانے دیا۔ انہیں جواب ملتا ہے کہ دنیوی نفع بالکل ناپائیدار اور بہت ہی کم ہے ہاں متقیوں کے لیے آخرت دنیا سے بہت ہی بہتر اور پاکیزہ تر ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت یہودیوں کے بارے میں اتری ہے۔ جواباً کہا گیا ہے کہ پرہیز گاروں کا انجام آغاز سے بہت ہی اچھا ہے۔ تمہیں تمہارے اعمال پورے پورے دیئے جائیں گے کامل اجر ملے گا ایک بھی نیک عمل غارت نہ کیا جائے گا ناممکن ہے کہ ایک بال برابر ظلم اللہ تعالیٰ کی طرف سے کسی پر کیا جائے۔ اس جملے میں انہیں دنیا سے بے رغبتی دلائی جارہی ہے آخرت کی طرف توجہ دلائی جارہی ہے جہاد کی رغبت دی جارہی ہے۔

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ اس بندے پر رحم کرے جو دنیا کے ساتھ ایسا ہی رہے ساری دنیا اول سے آخرت تک اس طرح ہے جیسے کوئی سویا ہوا شخص اپنے خواب میں اپنی پسندیدہ چیز کو دیکھے لیکن آنکھ کھلتے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ کچھ نہ تھا۔ حضرت ابومصہر رحمہ اللہ کا یہ کلام کتنا پیارا ہے:

وَلاَ خَیْرَ فِی الدُّنْیَا لِمَنْ لَّمْ یَکُنْ لَّہٗ ۔۔۔ مِنَ اللّٰہِ فِیْ دَارِ الْمَقَامِ نَصِیْبٗ

فَاِنْ تُعْجِبِ الدُّنْیَا رِجَالاً فَاِنَّھَا ۔۔۔ مَتَاعٌ قَلِیْلٌ وَالزَّوَالُ قَرِیْبٗ

یعنی اس شخص کے لیے دنیا بھلائی سے یکسر خالی ہے جسے کل آخرت کا کوئی حصہ ملنے والا نہیں۔ گو دنیا کو دیکھ دیکھ کر بعض لوگ ریجھ رہے ہیں لیکن دراصل یہ یونہی سا فائدہ ہے اور وہ بھی بہت جلد فنا ہو جانے والا ہے۔

پھر ارشاد باری ہے کہ آخر موت کا مزا ہر ایک کو چکھنا ہی ہے کوئی ذریعہ کسی کو اس سے بچا نہیں سکتا، جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ﴾ [2] جتنے یہاں ہیں سب فانی ہیں، اور جگہ ارشاد ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ

---

[1] [صحیح نسائی : کتاب الجهاد : باب وجوب الجهاد (۳۰۸۸) مستدرك حاكم (۲/۶۶) تفسیر ابن ابی حاتم (۵٦٣٠/٣)] امام حاکمؒ نے اسے بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح نسائی]

[2] [سورة الرحمن : آیت ۲٦]

﴿الْمَوْتِ﴾ [1] ہر ہر جاندار مرنے والا ہے فرماتا ہے ﴿وَمَا جَعَلْنَا لِبَشَرٍ مِّنْ قَبْلِكَ الْخُلْدَ﴾ [2] تجھ سے اگلے لوگوں میں سے بھی کسی کے لیے ہم نے ہمیشہ کی زندگی مقرر نہیں کی۔

مقصد یہ ہے کہ خواہ جہاد کرے یا نہ کرے ذات اللہ کے سوا موت کا مزا تو! ایک نہ ایک روز ہر کسی کو چکھنا ہی پڑے گا۔ ہر ایک کا ایک وقت مقرر ہے اور ہر ایک کی موت کی جگہ بھی معین ہے۔

حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ اس وقت جبکہ آپ بستر مرگ پر ہیں فرماتے ہیں اللہ کی قسم فلاں جگہ فلاں جگہ غرض بیسیوں لڑائیوں میں سینکڑوں معرکوں میں گیا ثابت قدمی پامردی کے ساتھ دلیرانہ جہاد کیے آؤ دیکھ لو میرے جسم کا کوئی عضو ایسا نہ پاؤ گے جہاں کوئی نہ کوئی نشان نیزے یا برچھے یا تیر یا بھالے کا تلوار اور ہتھیار کا نہ ہو لیکن چونکہ میدان جنگ میں موت نہ لکھی تھی اب دیکھو اپنے بسترے پر اپنی موت مر رہا ہوں' کہاں ہیں لڑائی سے جی چرانے والے نامرد میری ذات سے سبق سیکھیں۔ (رضی اللہ عنہ وارضاہ)

پھر فرماتا ہے کہ موت کے پنجے سے بلند و بالا مضبوط اور محفوظ قلعے اور محل بھی بچا نہیں سکتے۔ بعض نے کہا مراد اس سے آسمان کے برج ہیں' لیکن یہ قول ضعیف ہے صحیح یہی ہے کہ مراد محفوظ مقامات ہیں یعنی کتنی ہی حفاظت موت سے کی جائے لیکن وہ اپنے وقت سے آگے پیچھے نہیں ہو سکتی۔ زہیر کا شعر ہے کہ موت سے بھاگنے والا گو زینہ لگا کر اسباب آسمانی بھی جمع کر لے تو بھی اسے کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

ایک قول ہے ((مُشَيَّدَةٌ)) بہ تشدید اور ((مَشِيْدٌ)) بغیر تشدید ایک ہی معنی میں ہیں اور بعض ان دونوں میں فرق کے قائل ہیں کہتے ہیں کہ اول کا معنی مطول دوسرے کا معنی مزین یعنی چونے سے۔ ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں اس موقعہ پر ایک مطول قصہ بزبان حضرت مجاہد رحمہ اللہ مروی ہے کہ اگلے زمانے میں ایک عورت حاملہ تھی جب اسے درد ہونے لگے اور بچی تولد ہوئی تو اس نے اپنے ملازم سے کہا کہ جاؤ کہیں سے آگ لے آؤ وہ باہر نکلا تو دیکھا کہ دروازے پر ایک شخص کھڑا ہے پوچھتا ہے کہ کیا ہوا لڑکی یا لڑکا؟ اس نے کہا لڑکی ہوئی ہے کہا سن یہ لڑکی ایک سو آدمیوں سے زنا کرائے گی پھر اس کے ہاں اب جو شخص ملازم ہے اسی سے اس کا نکاح ہو گا اور ایک مکڑی اس کی موت کا باعث بنے گی۔ یہ شخص یہیں سے پلٹ آیا اور آتے ہی ایک تیز چھری لے کر اس لڑکی کے پیٹ کو چیر ڈالا اور اسے مردہ سمجھ کر وہاں سے بھاگ نکلا اس کی ماں نے یہ حال دیکھ کر اپنی بچی کے پیٹ میں ٹانکے لگا دیئے اور علاج معالجہ شروع کیا جس سے اس کا زخم بھر گیا' اب ایک زمانہ گذر گیا ادھر یہ لڑکی بلوغت کو پہنچ گئی اور تھی بھی اچھی شکل صورت کی۔ بدچلنی میں پڑ گئی ادھر ملازم سمندر کے راستے کہیں چلا گیا کام کاج شروع کیا اور بہت رقم پیدا کی کل مال سمیٹ کر بہت مدت بعد یہ پھر اسی اپنے گاؤں میں آ گیا اور ایک بڑھیا عورت کو بلا کر کہا کہ میں نکاح کرنا چاہتا ہوں گاؤں میں جو بہت خوبصورت عورت ہو اس سے میرا نکاح کرا دو' یہ عورت گئی اور چونکہ شہر بھر میں اس لڑکی سے زیادہ خوش شکل کوئی عورت نہ تھی یہیں پیغام بھیجا' منظور ہو گیا' نکاح بھی ہو گیا اور رو داع ہو کر یہ اس کے

---

[1] [سورۃ آل عمران : آیت ۱۸۵] [2] [سورۃ الانبیاء : آیت ۳۴]

ہاں آ بھی گئی دونوں میاں بیوی میں بہت محبت ہوگئی۔

ایک دن ذکراذکار میں اس عورت نے اس سے پوچھا آخر آپ کون ہیں کہاں سے آئے ہیں یہاں کیسے آ گئے؟ وغیرہ اس نے اپنا تمام ماجرا بیان کر دیا کہ میں یہاں ایک عورت کے ہاں ملازم تھا اور وہاں سے اس کی لڑکی کے ساتھ یہ حرکت کر کے بھاگ گیا تھا اب اتنے برسوں کے بعد یہاں آیا ہوں تو اس لڑکی نے کہا جس کا پیٹ چیر کر تم بھاگے تھے میں وہی ہوں یہ کہہ کر اپنے اس زخم کا نشان بھی اسے دکھایا تب تو اسے یقین آ گیا اور کہنے لگا جب تو وہی ہے تو ایک بات تیری نسبت مجھے اور بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تو ایک سو آدمیوں سے مجھ سے پہلے مل چکی ہو اس نے کہا ٹھیک ہے یہ کام تو مجھ سے ہوا ہے لیکن گنتی یاد نہیں۔

اس نے کہا کہ مجھے تیری نسبت ایک اور بات بھی معلوم ہے وہ یہ کہ تیری موت کا سبب ایک مکڑی بنے گی۔ خیر چونکہ مجھے تجھ سے بہت زیادہ محبت ہے میں تیرے لیے ایک بلند و بالا پختہ اور اعلیٰ محل تعمیر کرا دیتا ہوں اسی میں تو رہ تا کہ وہاں تک ایسے کیڑے مکوڑے پہنچ ہی نہ سکیں چنانچہ ایسا ہی محل تیار ہوا اور یہ وہاں رہنے سہنے لگی۔

ایک مدت کے بعد ایک روز دونوں میاں بیوی بیٹھے تھے کہ اچانک چھت پر ایک مکڑی دکھائی دی۔ اسے دیکھتے ہی اس شخص نے کہا دیکھو آج یہاں مکڑی دکھائی دی عورت بولی اچھا یہ میری جان لیوا ہے؟ تو میں اس کی جان لوں گی غلاموں کو حکم دیا کہ اسے زندہ پکڑ کر میرے سامنے لاؤ نوکر پکڑ کر لے آئے اس نے زمین پر رکھ کر اپنے پیر کے انگوٹھے سے اسے مل ڈالا اور اس کی جان نکل گئی لیکن اس میں سے پیپ کا ایک آدھ قطرہ اس کے انگوٹھے کے ناخن اور گوشت کے درمیان اڑ کر چپک گیا اس کا زہر چڑھا' پیر سیاہ پڑ گیا اسی میں آخر مر گئی۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ پر جب باغی چڑھ دوڑے تو آپ نے امت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خیر خواہی اور ان کے اتفاق کی دعا کے بعد دو شعر پڑھے جن کا مطلب بھی یہی ہے کہ موت کو ٹالنے والی کوئی چیز اور کوئی حیلہ کوئی قوت اور کوئی چالا کی نہیں۔

حضر کے بادشاہ ساطرون کو کسریٰ سابور ذوالاکتاف نے جس طرح قتل کیا وہ واقعہ بھی ہم یہاں لکھتے ہیں' ابن ہشام میں ہے جب سابور عراق میں تھا تو اس کے علاقہ پر ساطرون نے چڑھائی کی تھی اس کے بدلے میں جب اس نے چڑھائی کی تو یہ قلعہ بند ہو گیا دو سال تک محاصرہ رہا لیکن قلعہ فتح نہ ہو سکا۔

ایک روز ساطرون کی بیٹی نضیرہ اپنے باپ کے قلعہ کا گشت لگا رہی تھی اچانک اس کی نظر سابور پر پڑ گئی یہ اس وقت شاہانہ پر تکلف ریشمی لباس میں تاج شاہی سر پر رکھے ہوئے تھا نضیرہ کے دل میں آیا کہ اس سے میری شادی ہو جائے تو کیا ہی اچھا ہو؟ چنانچہ اس نے خفیہ پیغام بھیجنے شروع کیے اور وعدہ ہو گیا کہ اگر یہ لڑکی اس قلعہ پر سابور کا قبضہ کرا دے تو سابور اس سے نکاح کر لے گا اس کا باپ ساطرون بڑا شرابی تھا اس کی ساری رات نشہ میں کٹتی تھی اس کی لڑکی نے موقعہ پا کر رات کو اپنے باپ کو نشہ میں مدہوش دیکھ کر اس کے سرہانے سے قلعہ کے دروازے کی کنجیاں چپکے سے نکال لیں اور اپنے ایک با اعتماد غلام کے ہاتھ سابور تک پہنچا دیں جس سے اس نے دروازہ کھول لیا

اور شہر میں قتل عام کرایا اور قابض ہو گیا یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس قلعہ میں ایک جادو تھا جب تک اس طلسم کو توڑا نہ جائے قلعہ کا فتح ہونا ناممکن تھا اس لڑکی نے اس کے توڑنے کا گر اسے بتا دیا کہ ایک چت کبرا کبوتر لے کر اس کے پاؤں کسی باکرہ کے پہلے حیض کے خون سے رنگ لو پھر اس کبوتر کو چھوڑ دو وہ جا کر قلعہ کی دیوار پر بیٹھے تو فوراً وہ طلسم ٹوٹ جائے گا اور قلعہ کا پھاٹک کھل جائے گا۔

چنانچہ ساپور نے یہی کیا اور قلعہ فتح کر کے ساطرون کو قتل کر ڈالا تمام لوگوں کو تہہ تیغ کیا اور تمام شہر کو اجاڑ دیا اور اس لڑکی کو اپنے ہمراہ لے گیا اور اس سے نکاح کر لیا۔ ایک رات جبکہ لڑکی نضیرہ اپنے بستر پر لیٹی ہوئی تھی اسے نیند نہ آ رہی تھی تلملا رہی تھی اور بے چینی سے کروٹیں بدل رہی تھی تو سابور نے پوچھا کیا بات ہے اس نے کہا شاید میرے بستر میں کچھ ہے جس سے مجھے نیند نہیں آ رہی، شمع جلائی گئی بستر ٹٹولا گیا تو گل آس کی ایک پتی نکلی سابور اس نزاکت پر حیران رہ گیا کہ ایک اتنی چھوٹی سی پتی بستر میں ہونے کی بنا پر اسے نیند نہیں آئی؟ پوچھا تیرے والد کے ہاں تیرے لیے کیا ہوتا تھا؟ اس نے کہا نرم ریشم کا بستر اتھا صرف باریک نرم ریشمی لباس تھا صرف نلیوں کا گودا کھایا کرتی تھی اور صرف انگوری خالص شراب پیتی تھی یہ انتظام میرے باپ نے میرے لیے کر رکھا تھا۔ یہ تھی بھی ایسی کہ اس کی پنڈلی کا گودا تک باہر سے نظر آتا تھا۔

ان باتوں نے سابور پر ایک اور رنگ چڑھا دیا اور اس نے کہا جس باپ نے تجھے اس طرح پالا پوسا اس کے ساتھ تو نے یہ سلوک کیا کہ میرے ہاتھوں اسے قتل کرایا اس کے ملک کو تاخت و تاراج کرایا پھر مجھے تجھ سے کیا امید رکھنی چاہیے؟ اللہ جانے میرے ساتھ تو کیا کرے؟ اسی وقت حکم دیا کہ اس کے سر کے بال گھوڑے سے باندھ دیئے جائیں اور گھوڑے کو بے لگام چھوڑ دیا جائے، چنانچہ یہی ہوا گھوڑا بدکا بھاگا اچھلنے کودنے لگا اور اس کی ٹاپوں سے زمین پر پچھاڑیں کھاتے ہوئے اس کے جسم کا چورا چورا ہو گیا۔ چنانچہ اس واقعہ کو عرب شعرا نے نظم بھی کیا ہے۔

ہر بھلائی اللہ کی طرف سے: اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں اگر انہیں خوش حالی پھلواری اولاد کھیتی ہاتھ لگے تو کہتے ہیں یہ اللہ کی طرف سے ہے اور اگر قحط سالی پڑے تنگ روزی ہو موت اور اولاد و مال کی کمی اور کھیت اور باغ کی کمی ہو تو جھٹ سے کہہ اٹھتے ہیں یہ نبی ﷺ کی تابعداری کا نتیجہ ہے، یہ فائدہ ہے مسلمان ہونے کا یہ پھل ہے صاحب ایمان بننے کا، فرعونی بھی اسی طرح برائیوں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور مسلمانوں سے منسوب کر کے بدشگونی لیا کرتے تھے۔

جیسے کہ قرآن نے اس کا ذکر کیا ہے، ایک آیت میں ہے ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ﴾ [1] الخ، یعنی بعض لوگ ایسے بھی ہیں جو ایک کنارے کھڑے رہ کر اللہ کی عبادت کرتے ہیں یعنی اگر بھلائی ملی تو باچھیں کھل جاتی ہیں اور اگر برائی پہنچے تو الٹے پیروں پلٹ جاتے ہیں۔ یہ ہیں جو دونوں جہاں میں برباد ہوں گے۔ پس یہاں بھی ان منافقوں کی جو بظاہر مسلمان ہیں اور پیٹ کے کھوٹے ہیں برائی بیان ہو رہی ہے کہ جہاں کچھ نقصان ہوا اور بہک گئے کہ اسلام لانے کی وجہ سے ہمیں نقصان ہوا۔

---

[1] [سورۃ الحج : آیت ۱۱]

سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ﴿حَسَنَه﴾ سے مراد یہاں بارشوں کا ہونا' جانوروں میں زیادتی ہونا' بال بچے بہ کثرت ہونا' خوشحالی میسر آنا وغیرہ ہے اگر یہ ہوتا تو کہتے کہ یہ سب من جانب اللہ ہے اور اگر اس کے خلاف ہوتا تو اس بے برکتی کا باعث رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتاتے اور کہتے یہ سب تیری وجہ سے ہے یعنی ہم نے اپنے بڑوں کی راہ چھوڑ دی اور اس نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی تابعداری اختیار کی اس لیے اس مصیبت میں پھنس گئے اور اس بلا میں گرفتار ہوئے۔ پس پروردگار ان کے ناپاک قول اور اس پلید عقیدے کی تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ سب کچھ اللہ کی طرف سے ہے' اس کی قضا وقدر ہر بھلے' برے' فاسق' فاجر' نیک' بد' مومن' کافر پر جاری ہے' بھلائی' برائی سب اس کی طرف سے ہے۔

پھر ان کے اس قول کی جو محض شک وشبہ کم علمی بے وقوفی جہالت اور ظلم کی بنا پر ہے تردید کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ انہیں کیا ہو گیا ہے؟ بات سمجھنے کی قابلیت بھی ان سے جاتی رہی۔ ''ایک غریب حدیث جو ((كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ)) کے متعلق ہے اسے بھی سنیئے''۔

بزار میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے تھے کہ کچھ لوگوں کے ہمراہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ آئے ان دونوں کی آوازیں بلند ہو رہی تھیں اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب آ کر دونوں صاحب بیٹھ گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت کیا کہ بلند آواز میں گفتگو کیا ہو رہی تھی؟

ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تو کہہ رہے تھے نیکیاں اور بھلائیاں اللہ کی طرف سے ہیں اور برائیاں اور بدیاں ہماری طرف سے ہیں' آپ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے پوچھا تم کیا کہہ رہے تھے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا میں کہہ رہا تھا کہ دونوں باتیں اللہ جل شانہ کی طرف سے ہیں آپ نے فرمایا یہی بحث اول اول حضرت جبرائیل علیہ السلام اور حضرت میکائیل علیہ السلام میں ہوئی تھی میکائیل علیہ السلام وہی کہتے تھے جو ابوبکر رضی اللہ عنہ کہہ رہے ہیں اور جبرائیل علیہ السلام وہ کہہ رہے تھے جو اے عمر رضی اللہ عنہ تم کہہ رہے ہو۔ پس آسمان والوں میں جب اختلاف ہوا تو زمین والوں میں تو ہونا لازمی تھا' آخر حضرت اسرافیل علیہ السلام کی طرف فیصلہ گیا اور انہوں نے فیصلہ کیا کہ حسنات اور سیأت دونوں اللہ مختار کل کی طرف سے ہیں۔

پھر آپ نے دونوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا میرا فیصلہ سنو اور یاد رکھو اگر اللہ تعالیٰ اپنی نافرمانی کے عمل کو نہ چاہتا تو ابلیس کو پیدا ہی نہ کرتا۔ [1]

لیکن شیخ الاسلام امام تقی الدین ابوالعباس حضرت ابن تیمیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث موضوع ہے اور تمام ان محدثین کا جو حدیث کی پرکھ رکھتے ہیں اتفاق ہے کہ یہ روایت گھڑی ہوئی ہے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب فرماتا ہے جس سے مراد عموم ہے یعنی سب سے ہی خطاب ہے کہ تمہیں جو بھلائی پہنچتی ہے وہ اللہ کا فضل لطف رحمت ہے اور جو برائی پہنچتی ہے وہ خود تمہاری طرف سے تمہارے اعمال کا نتیجہ ہے' جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو

[1] [موضوع: بزار (۲۱۵۳) اللآلیء المصنوعة (۱/۲۵۵)]

﴿عَنْ كَثِيرٍ﴾ [1] یعنی جو مصیبت تمہیں پہنچتی ہے وہ تمہارے بعض اعمال کی وجہ سے اور بھی تو اللہ تعالیٰ بہت سی بداعمالیوں سے درگذر فرماتا رہتا ہے۔

﴿فَمِنْ نَفْسِكَ﴾ سے مراد بہ سبب گناہ ہے یعنی شامت اعمال۔ آنحضرت ﷺ سے منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جس شخص کا ذرا سا جسم کسی لکڑی سے جل جائے یا اس کا قدم پھسل جائے یا اسے ذرا سی محنت کرنی پڑے جس سے پسینہ آ جائے تو وہ بھی کسی نہ کسی گناہ پر ہوتا ہے اور ابھی تو اللہ تعالیٰ جن گناہوں سے چشم پوشی فرماتا ہے جنہیں معاف کر دیتا ہے وہ بہت سارے ہیں [2] اس مرسل حدیث کا مضمون ایک صحیح متصل حدیث میں بھی ہے۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں: اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ ایمان دار کو غم و رنج یا جو بھی تکلیف ومشقت پہنچتی ہے یہاں تک کہ جو کانٹا بھی لگتا ہے اسے اللہ تعالیٰ اس کی خطاؤں کا کفارہ بنا دیتا ہے [3] ابو صالح رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب اس آیت کا یہ ہے کہ جو برائی تجھے پہنچتی ہے اس کا باعث تیرا گناہ ہے ہاں اسے مقدر کرنے والا اللہ تعالیٰ آپ ہے۔

حضرت مطرف بن عبداللہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں تم تقدیر کے بارے میں کیا جانتے ہو؟ کیا تمہیں سورۂ نساء کی یہ آیت کافی نہیں، پھر اس آیت کو پڑھ کر فرماتے ہیں اللہ سبحانہ کی قسم لوگ اللہ کی طرف سونپ نہیں دیئے گئے انہیں حکم دیئے گئے ہیں اور اسی کی طرف وہ لوٹتے ہیں یہ قول بہت قوی اور مضبوط ہے۔

قدریہ اور جبریہ کی پوری تردید کرتا ہے، تفسیر اس بحث کا موضوع نہیں۔ پھر فرماتا ہے تیرا کام اے نبی ﷺ شریعت کی تبلیغ کرنا ہے اس کی رضامندی اور ناراضگی کے کام کو اس کے احکام اور اس کی ممانعت کو لوگوں تک پہنچا دینا ہے، اللہ کی گواہی کافی ہے کہ اس نے تجھے رسول ﷺ بنا کر بھیجا ہے۔

اسی طرح اسی کی گواہی اس امر پر بھی کافی ہے کہ تو نے تبلیغ کر دی تیرے ان کے درمیان جو ہو رہا ہے اسے بھی وہ مشاہدہ کر رہا ہے یہ جس طرح کفار عناد اور تکبر تیرے ساتھ برتتے ہیں اسے بھی وہ دیکھ رہا ہے۔

مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ۚ وَمَنْ تَوَلّٰى فَمَآ اَرْسَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ﴿٨٠﴾ وَيَقُوْلُوْنَ طَاعَةٌ ۡ فَاِذَا بَرَزُوْا مِنْ عِنْدِكَ بَيَّتَ طَآئِفَةٌ مِّنْهُمْ غَيْرَ الَّذِيْ تَقُوْلُ ۭ وَاللّٰهُ يَكْتُبُ مَا يُبَيِّتُوْنَ ۚ فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ وَتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿٨١﴾

اس رسول کی اطاعت جو کرے اسی نے اللہ کی فرمانبرداری کی، اور جو منہ پھیرے تو ہم نے تجھے کچھ ان پر نگہبان بنا کر نہیں

---

[1] [سورة الشورى : آيت ٣٠]

[2] [مرسل وضعيف: تفسير ابن جرير الطبرى (٩٩٧٥)]

[3] [صحيح: صحيح بخارى : كتاب المرضىٰ : باب ماجآء فى كفارة المرض (٥٦٤١) صحيح مسلم : كتاب البر والصلة : باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض (٢٥٧٣) ترمذى : كتاب الجنائز : باب ماجآء فى ثواب المريض (٩٦٦) مسند احمد (٣٠٣/٢)]

بھیجا○ یہ کہتے تو ہیں کہ اطاعت ہے پھر جب آپ کے پاس سے اٹھ کر باہر نکلتے ہیں تو ان میں سے ایک جماعت جو کہہ گئی ہے اس کے خلاف راتوں کو مشورے کرتی ہے‘ ان کی راتوں کی بات چیت اللہ لکھ رہا ہے‘ تو ان کی طرف التفات بھی نہ کر اور اللہ پر بھروسہ رکھ‘ اللہ کافی کارساز ہے○

نبی کی اطاعت درحقیقت اللہ کی اطاعت : اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میرے بندے اور رسول حضرت محمد ﷺ کا تابعدار صحیح معنی میں میرا ہی اطاعت گذار ہے آپ کا نافرمان میرا نافرمان ہے‘ اس لیے کہ آپ اپنی طرف سے کچھ نہیں کہتے جو فرماتے ہیں وہ وہی ہوتا ہے جو میری طرف سے وحی کیا جاتا ہے‘ حضور ﷺ فرماتے ہیں میری ماننے والا اللہ تعالیٰ کی ماننے والا ہے اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی بات نہ مانی جس نے امیر کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے امیر کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی‘ یہ حدیث بخاری و مسلم میں ثابت ہے۔ [1]

پھر فرماتا ہے جو بھی منہ موڑ کر بیٹھ جائے تو اس کا گناہ اے نبی ﷺ آپ پر نہیں آپ کا ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے جو نیک نصیب ہوں گے مان لیں گے‘ نجات اور اجر حاصل کر لیں گے ہاں ان کی نیکیوں کا ثواب آپ کو بھی ہو گا کیونکہ دراصل اس راہ کے راہبر اس نیکی کے معلّم آپ ہی ہیں‘ اور جو نہ مانے نہ عمل کرے تو نقصان اٹھائے گا بد نصیب ہو گا اپنے بوجھ سے آپ مرے گا اس کا گناہ آپ پر نہیں اس لیے کہ آپ نے سمجھانے بجھانے اور راہ حق دکھانے میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ حدیث میں ہے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرنے والا رشد وہدایت والا ہے اور اللہ اور رسول ﷺ کا نافرمان اپنے ہی نفس کو ضرر و نقصان پہنچانے والا ہے۔ [2]

پھر منافقوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ ظاہری طور پر تو اطاعت کا اقرار کرتے ہیں موافقت کا اظہار کرتے ہیں لیکن جہاں نظروں سے دور ہوئے اپنی جگہ پر پہنچے تو ایسے ہو گئے گویا ان تلوں میں تیل ہی نہ تھا جو کچھ یہاں کہا تھا اس کے بالکل برعکس راتوں کو چھپ چھپ کر سازشیں کرنے بیٹھ گئے۔

حالانکہ اللہ تعالیٰ ان کی ان پوشیدہ چالاکیوں اور چالوں کو بخوبی جانتا ہے اس کے مقرر کردہ زمین کے فرشتے ان کی سب کرتوتوں اور ان کی تمام باتوں کو اس کے حکم سے ان کے نامہ اعمال میں لکھ رہے ہیں‘ پس انہیں ڈانٹا جا رہا ہے کہ یہ کیا بیہودہ حرکت ہے؟ اس سے جس نے تمہیں پیدا کیا ہے اس سے تمہاری کوئی بات چھپ سکتی ہے؟ تم کیوں ظاہر باطن یکساں نہیں رکھتے‘ ظاہر باطن کا جاننے والا تمہیں تمہاری اس بیہودہ حرکت پر سخت سزا دے گا۔

ایک اور آیت میں بھی منافقوں کی اس خصلت کا بیان ان الفاظ میں فرمایا ہے کہ ﴿وَيَقُوْلُوْنَ آمَنَّا بِاللّٰهِ

---

[1] [**صحیح** : صحیح بخاری: کتاب الاحکام : باب قول اللّٰہ تعالی اطیعوا اللّٰہ واطیعو الرسول (٧١٣٧) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب وجوب طاعۃ الامراء (١٨٣٥)]

[2] [**ضعیف** : ابوداؤد: کتاب الصلاۃ : باب الرجل یخطب علی قوس (١٠٩٧) مسند احمد (٢٥٦/٤) نسائی (٩٠/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود (٢٣٨) تمام المنة (ص : ٣٣٥)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

﴿وَبِالرَّسُوْلِ وَاَطَعْنَا﴾ [1] الخ۔

پھر اپنے نبی ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ آپ ان سے درگذر کیجیے' بردباری برتیے' ان کی خطا معاف کیجیے' ان کا حال ان کے نام سے دوسروں سے نہ کہیے' ان سے بالکل بے خوف رہیے' اللہ پر بھروسہ کیجیے جو اس پر بھروسہ کرے جو اس کی طرف رجوع کرے اسے وہی کافی ہے۔

اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ ۭ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا ۝۸۲ وَاِذَا جَاۗءَھُمْ اَمْرٌ مِّنَ الْاَمْنِ اَوِ الْخَوْفِ اَذَاعُوْا بِهٖ ۭ وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَ اِلٰٓى اُولِي الْاَمْرِ مِنْھُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِيْنَ يَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْھُمْ ۭ وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝۸۳

کیا یہ لوگ قرآن میں غور نہیں کرتے؟ اگر یہ اللہ کے سوا کسی اور کی طرف سے ہوتا تو یقیناً اس میں بہت کچھ اختلاف پاتے ۝ جہاں انہیں کوئی خبر امن کی یا خوف کی ملی تو انہوں نے اسے مشہور کرنا شروع کیا' اگر یہ لوگ اسے رسول (ﷺ) کے اور اپنے میں سے ایسی باتوں کی تہہ تک پہنچنے والوں کے حوالے کر دیتے تو اس کی حقیقت وہ لوگ معلوم کر لیتے جو تحقیق کا مادہ رکھتے ہیں' اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتی تو معدودے چند کے علاوہ تم سب شیطان کے پیروکار بن جاتے ۝

قرآن میں غور وفکر کی ترغیب: اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ قرآن کو غور وفکر تامل وتدبر سے پڑھیں' اس سے اعراض نہ کریں' اس سے تغافل نہ برتیں' بے پرواہی نہ کریں اس کے مستحکم مضامین اس کے حکمت بھرے احکام اس کے فصیح وبلیغ الفاظ پر غور کریں' ساتھ ہی خبر دیتا ہے کہ یہ پاک کتاب' اختلاف' اضطراب' تعارض اور تضاد سے پاک ہے' اس لیے کہ حکیم وحمید اللہ کا کلام ہے وہ خود حق ہے اور اسی طرح اس کا کلام بھی سراسر حق ہے' چنانچہ اور جگہ فرمایا ﴿اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ عَلٰي قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا﴾ [2] یہ لوگ قرآن میں غور وفکر نہیں کرتے؟ کیا ان کے دلوں پر سنگین قفل لگ گئے ہیں' پھر فرماتا ہے اگر یہ قرآن اللہ کی طرف سے نازل شدہ نہ ہوتا جیسے کہ مشرکین اور منافقین کا زعم ہے یا اگر یہ فی الحقیقت کسی کا اپنی طرف سے وضع کیا ہوا ہوتا یا کوئی اور اس کا کہنے والا ہوتا تو ضروری بات تھی کہ اس میں انسانی طبائع کے مطابق اختلاف ملتا' یعنی ناممکن ہے کہ انسانی کلام اضطراب وتضاد سے مبرا ہو لازماً یہ ہوتا کہ کہیں کچھ کہا جاتا اور کہیں کچھ اور یہاں ایک بات کہی تو آگے جا کر اس کے خلاف بھی کہہ گئے۔ چنانچہ اس پاک کتاب کا ایسی متضاد باتوں سے بچا ہوا ہونا اس سچائی کی صاف دلیل ہے کہ یہ اللہ قادر مطلق کا کلام ہے۔ اور جگہ ہے پختہ عالموں کا قول بیان کیا گیا ہے کہ وہ کہتے ہیں ہم اس پر ایمان لائے یہ سب ہمارے رب کی طرف سے ہے یعنی محکم اور متشابہ سب حق ہے اسی لیے متشابہ کو محکم کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور ہدایت پا لیتے ہیں اور جن کے دلوں میں کجی ہے بدنیتی ہے وہ محکم متشابہ کی طرف موڑ توڑ کر کے گمراہ ہو جاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے جو اللہ

---

[1] [سورۃ النور: آیت ٤٧]

[2] [سورۃ محمد: آیت ٢٤]

تعالیٰ نے پہلے صحیح مزاج والوں کی تعریف کی اور دوسری قسم کے لوگوں کی برائی بیان فرمائی۔ عمرو بن شعیب سے مروی ہے ﴿عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ﴾ والی حدیث میں ہے کہ میں اور میرے بھائی ایک ایسی مجلس میں شامل ہوئے کہ اس کے مقابلہ میں سرخ اونٹوں کا مل جانا بھی اس کے پاسنگ برابر بھی قیمت نہیں رکھتا ہم آئے دونوں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے دروازے پر چند بزرگ صحابہ رضی اللہ عنہم کھڑے ہوئے ہیں ہم ادب کے ساتھ ایک طرف بیٹھ گئے ان میں قران کریم کی کسی آیت کی بابت مذاکرہ ہو رہا تھا جس میں اختلافی مسائل بھی تھے آخر بات بڑھ گئی اور زور زور سے آپس میں بات چیت ہونے لگی رسول اللہ ﷺ اسے سن کر سخت غضبناک ہو کر باہر تشریف لائے چہرہ مبارک سرخ ہو رہا تھا ان پر مٹی ڈالتے ہوئے فرمانے لگے خاموش رہو تم سے اگلی امتیں اسی باعث تباہ ہو گئیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء علیہم السلام سے اختلاف کیا اور کتاب اللہ کی ایک آیت کو دوسری آیت کے خلاف سمجھا یاد رکھو قرآن کی کوئی آیت دوسری آیت کے خلاف اسے جھٹلانے والی نہیں بلکہ قرآن کی ایک ایک آیت ایک دوسرے کی تصدیق کرتی ہے تم جسے جان لو عمل کرو جسے نہ معلوم کر سکو اسے اس کے جاننے والے کے لیے چھوڑ دو۔ [1] دوسری روایت میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم تقدیر کے بارے میں مباحثہ کر رہے تھے، راوی کہتے ہیں کہ کاش کہ میں اس مجلس میں نہ بیٹھتا۔ [2] حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں دو پہر کے وقت حاضر حضور ہوا تو بیٹھا ہی تھا کہ ایک آیت کے بارے میں دو شخصوں کے درمیان اختلاف ہوا ان کی آوازیں اونچی ہوئیں تو آپ نے فرمایا تم سے پہلی امتوں کی ہلاکت کا باعث صرف ان کا کتاب اللہ میں اختلاف کرنا ہی تھا۔ (مسند احمد) [3]

پھر ان جلد باز لوگوں کو روکا جا رہا ہے جو کسی امن کی یا خوف کی خبر پاتے ہی بے تحقیق بات ادھر سے ادھر تک پہنچا دیتے ہیں حالانکہ ممکن ہے وہ بالکل ہی غلط ہو، صحیح مسلم شریف کے مقدمہ میں حدیث ہے کہ انسان کو یہی جھوٹ کافی ہے کہ جو سنے اس کو بیان کرنے لگ جائے ابوداؤد میں بھی یہ روایت ہے۔ [4]

بخاری و مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے گپ بازی سے منع فرمایا [5] یعنی سنی سنائی باتیں بیان کرنے سے جن کی تحقیق اچھی طرح سے نہ کی ہو، ابوداؤد کی حدیث میں ہے انسان کا یہ کہنا کہ فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا،

---

[1] [حسن صحیح : مسند احمد (۲/۱۸۱)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (۶۷۰۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[تخریج الطحاوية (ص : ۲۱۸)]

[2] [صحیح : مسند احمد (۲/۱۷۸) ابن ماجه : مقدمه : باب فی القدر (۸۵)] حافظ بوصیریؒ اور شیخ البانیؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[الزوائد (۱/۵۸) التعلیق الرغیب (۱/۸۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب العلم : باب النهی عن اتباع متشابه القرآن (۲۶۶۶) مسند احمد (۲/۱۹۲)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : مقدمه : باب النهی عن الحدیث بکل ما سمع (۵) ابوداؤد : کتاب الادب : باب التشدید فی الکذب (۴۹۹۲)]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب مایکره من قیل وقال (۶۴۷۳) صحیح مسلم : کتاب الاقضیة : باب النهی عن کثرة المسائل (۵۹۳) مسند احمد (۴/۲۳۳)]

برا فعل ہے۔ [1] اور صحیح حدیث میں ہے جو شخص کوئی بات بیان کرے اور وہ گمان کرتا ہو کہ یہ غلط ہے وہ بھی جھوٹوں میں کا ایک جھوٹا ہے۔ [2] یہاں پر ہم حضرت عمر رضی اللہ عنہ والی روایت کا ذکر کرنا بھی مناسب سمجھتے ہیں کہ جب انہیں یہ خبر پہنچی کہ حضور علیہ السلام نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی تو آپ اپنے گھر سے چلے مسجد میں آئے یہاں بھی لوگوں کو یہی کہتے سنا تو بذات خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچے اور خود آپ سے دریافت کیا کہ کیا یہ سچ ہے؟ کہ آپ نے اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کو طلاق دے دی؟ آپ نے فرمایا غلط ہے چنانچہ فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اللہ کی بڑائی بیان کی۔ [3] صحیح مسلم میں ہے کہ پھر آپ نے مسجد کے دروازے پر کھڑے ہو کر بہ آواز بلند فرمایا لوگو رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی۔ اسی پر یہ آیت نازل ہوئی' [4] پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ وہ ہیں جنہوں نے اس معاملہ کی تحقیق کی۔ علمی اصطلاح میں استنباط کہتے ہیں کسی چیز کو اس کے منبع اور مخزن سے نکا' مثلاً جب کوئی شخص کسی کان کو کھود کر اس کے نیچے سے کوئی چیز نکالے تو عرب کہتے ہیں ((استنبط الرجل)) پھر فرماتا ہے اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تم پر نہ ہوتا تو تم سب کے سب سوائے چند کامل ایمان والوں کے شیطان کے تابعدار بن جاتے۔ ایسے موقعوں پر محاورۃً یہ بھی معنی ہوتے ہیں کہ تم کل کے کل شامل ہو چنانچہ عرب کے ایسے شعر بھی ہیں۔

فَقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ لَا تُكَلَّفُ اِلَّا نَفْسَكَ وَحَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّكُفَّ بَاْسَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ وَاللّٰهُ اَشَدُّ بَاْسًا وَّاَشَدُّ تَنْكِيْلًا ﴿٨٤﴾ مَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً حَسَنَةً يَّكُنْ لَّهٗ نَصِيْبٌ مِّنْهَا ۚ وَمَنْ يَّشْفَعْ شَفَاعَةً سَيِّئَةً يَّكُنْ لَّهٗ كِفْلٌ مِّنْهَا ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ مُّقِيْتًا ﴿٨٥﴾ وَاِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَآ اَوْ رُدُّوْھَا ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ حَسِيْبًا ﴿٨٦﴾ اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا ھُوَ ۭ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ حَدِيْثًا ﴿٨٧﴾ ع

النصف ۱۱

تو اللہ کی راہ میں جہاد کرتا رہ' تجھے صرف تیری ذات کی نسبت حکم دیا جاتا ہے ان ایمان والوں کو رغبت دلاتا رہ' بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کافروں کی جنگ کو روک دے' اللہ تعالیٰ سخت لڑائی والا ہے اور سزا دینے میں بھی سخت ہے۔ جو شخص کسی نیکی اور بھلے کام کی سفارش کرے اسے بھی اس کا کچھ حصہ ملے گا اور جو برائی اور بدی کی سفارش کرے اس کے لیے بھی اس میں

---

[1] [صحیح : ابوداؤد: کتاب الادب : باب فی قول الرجل زعموا (۴۹۷۲) مسند احمد (۴۰۱/۵)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (۱۲۵۱)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : مقدمه : باب وجوب الرواية عن الثقات (۱) ابن ماجه : مقدمه : باب من حدث عن رسول الله (۳۹) مسند احمد: (۱۴/۵)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب العلم : باب التناوب فی العلم (۸۹) صحیح مسلم : کتاب الطلاق : باب فی الایلا (۱۴۷۹)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطلاق : باب فی الایلاء (۱۴۷۹)]

سے ایک حصہ ہے' اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے ○ اور جب تمہیں سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا ان ہی الفاظ کو لوٹا دو' بے شبہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا حساب لینے والا ہے ○ اللہ وہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں' وہ تم سب کو یقیناً قیامت کے دن جمع کرے گا جس کے آنے میں کوئی شک نہیں' اللہ سے زیادہ سچی بات والا اور کون ہوگا؟ ○

جہاد و قتال کا حکم: رسول ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ تنہا اپنی ذات سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کریں چاہے کوئی بھی آپ کا ساتھ نہ دے' ابو اسحاق رحمہ اللہ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے دریافت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان اکیلا تنہا ہو اور دشمن ایک سو ہوں تو کیا وہ ان سے جہاد کرے؟ آپ نے فرمایا ہاں تو کہا پھر قرآن کی اس آیت سے تو ممانعت تاکید ہوتی ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اپنے ہاتھوں آپ ہلاکت میں نہ پڑو [1] تو حضرت براء رضی اللہ عنہ نے فرمایا اللہ تعالیٰ اسی آیت میں اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے اللہ کی راہ میں لڑ تجھے فقط تیرے نفس کی تکلیف دی جاتی ہے اور حکم دیا جاتا ہے کہ مومنوں کو بھی ترغیب دیتا رہ۔ [2] (ابن ابی حاتم) مسند احمد میں اتنا اور بھی ہے کہ مشرکین پر تنہا حملہ کرنے والا ہلاکت کی طرف بڑھنے والا نہیں بلکہ اس سے مراد اللہ کی راہ میں خرچ کرنے سے رکنے والا ہے [3] اور روایت میں ہے کہ جب یہ آیت اتری تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا مجھے میرے رب نے جہاد کا حکم دیا ہے پس تم بھی جہاد کرو' [4] یہ حدیث غریب ہے۔ پھر فرماتا ہے مومنوں کو دلیری دلا اور انہیں جہاد کی رغبت دلا' چنانچہ بدر والے دن میدان جہاد میں مسلمانوں کی صفیں درست کرتے ہوئے حضور علیہ السلام نے فرمایا اٹھو اور بڑھو اس جنت کی طرف جس کی چوڑائی آسمان و زمین ہے' [5] جہاد کی ترغیب کی بہت سی حدیثیں ہیں' بخاری میں ہے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لائے' صلوٰۃ قائم کرے' زکوٰۃ دیتا رہے' رمضان کے روزے رکھے اللہ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل کرے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہو یا جہاں پیدا ہوا ہے وہیں ٹھہرا رہا ہو' لوگوں نے کہا حضور ﷺ کیا لوگوں کو اس کی خوشخبری ہم نہ دے دیں؟ آپ نے فرمایا سنو جنت میں سو درجے ہیں جن میں سے ایک درجے میں اس قدر بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں اور یہ درجے اللہ نے انکے لیے تیار کیے ہیں جو اس کی راہ میں جہاد کریں۔ پس جب تم اللہ سے جنت مانگو تو جنت الفردوس طلب کرو وہ بہترین جنت ہے اور سب سے اعلیٰ ہے اس کے اوپر رحمان کا عرش ہے اور اسی سے جنت کی سب نہریں جاری ہوتی ہیں' [6] مسلم کی حدیث میں ہے جو

---

[1] [سورۃ البقرۃ : آیت ۱۹۵]

[2] [حسن :تفسیر ابن ابی حاتم (۵۷۰۴/۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے۔]

[3] [حسن :مسند احمد (۲۸۱/٤)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس سبب نزول کو صحیح قرار دیا ہے۔[الموسوعة الحديثية (۱۸٤۷۷)] اس معنی کی حدیث صحیح بخاری (٤٥١٦) میں بھی ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[4] [ضعیف :الدر المنثور للسیوطی (۳۳٥/۲)] اس کی سند میں محمد بن حمیر راوی مجہول ہے۔[میزان (۷٤٦۰)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[5] [صحیح :صحیح مسلم : كتاب الامارة : باب ثبوت الجنة للشهيد (۱۹۰۱)]

[6] [صحیح :صحیح بخاری : كتاب الجهاد : باب درجات المجاهدين في سبيل الله (۲۷۹۰)]

شخص اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر محمد ﷺ کے رسول و نبی ہونے پر راضی ہو جائے اس کے لیے جنت واجب ہے' حضرت ابو سعید رضی اللہ عنہ اسے سن کر خوش ہو کر کہنے لگے حضور ﷺ دوبارہ ارشاد ہو آپ نے دوبارہ اسی کو بیان فرما کر کہا ایک اور عمل ہے جس کے باعث اللہ تعالیٰ اپنے بندے کے سو درجے بلند کرتا ہے ایک درجے سے دوسرے درجے تک اتنی بلندی ہے جتنی زمین و آسمان میں ہے پوچھا وہ عمل کیا ہے؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد۔[1]

ارشاد ہے جب آپ جہاد کے لیے تیار ہو جائیں گے مسلمان آپ کی تعلیم سے جہاد پر آمادہ ہو جائیں گے تو پھر اللہ کی مدد شامل حال ہو گی اللہ تعالیٰ کفر کی کمر توڑ دے گا کفار کی ہمت پست کر دے گا ان کے حوصلے ٹوٹ جائیں گے پھر کیا مجال کہ وہ تمہارے مقابلہ میں آئیں' اللہ تعالیٰ سے زیادہ جنگی قوت رکھنے والا اور اس سے سخت سزا دینے والا کوئی نہیں' وہ قادر ہے کہ دنیا میں بھی انہیں مغلوب کرے اور یہیں انہیں عذاب بھی دے اسی طرح آخرت میں بھی اسی کو قدرت حاصل ہے' جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ﴾[2] الخ' اگر اللہ چاہے ان سے از خود بدلہ لے لے' لیکن وہ ان کو اور تمہیں آزما رہا ہے۔ جو شخص کسی امر خیر میں کوشش کرے تو اسے بھی اس بھلائی کا ثواب ملے گا' اور جو اس کے خلاف کوشش کرے اور بد نتیجہ بر آمد کرے اس کی کوشش اور نیت کا اس پر بھی ویسا ہی بوجھ ہو گا۔

نبی ﷺ فرماتے ہیں: سفارش کرو اجر پاؤ گے اور اللہ اپنے نبی ﷺ کی زبان پر وہ جاری کرے گا جو چاہے[3] یہ آیت ایک دوسرے کی سفارش کرنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اس مہربانی کو دیکھئے فرمایا محض شفاعت پر ہی اجر مل جائے گا خواہ اس سے کام بنے یا نہ بنے' اللہ ہر چیز کا حافظ ہے' ہر چیز پر حاضر ہے' ہر چیز کا حساب لینے والا ہے' ہر چیز پر قادر ہے' ہر چیز کو دوام بخشنے والا ہے' ہر ایک کو روزی دینے والا ہے' ہر انسان کے اعمال کا اندازہ کرنے والا ہے۔

سلام کا بہتر جواب: مسلمانو! جب تمہیں کوئی مسلمان سلام کرے تو اس کے سلام کے الفاظ سے بہتر الفاظ اس کا جواب دو' یا کم سے کم انہیں الفاظ کو دوہرا دو' پس زیادتی مستحب ہے اور برابری فرض ہے' ابن جریر میں ہے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ﴾ آپ نے فرمایا: ﴿وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ﴾ پھر دوسرا آیا اس نے کہا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ﴾ آپ نے جواب دیا ﴿وَعَلَيْكَ السَّلَامُ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾ پھر ایک اور صاحب آئے انہوں نے کہا ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾ آپ نے جواب میں فرمایا ((وَعَلَيْكَ))

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الامارۃ: باب بیان ما اعده الله تعالی المجاهد فی الجنة (١٨٨٤) مسند احمد (١٤/٣)]

[2] [سورۃ محمد: آیت ٤]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الزکاۃ: باب التحریض علی الصدقة (١٤٣٢) و کتاب الادب (٦٠٢٧) صحیح مسلم: کتاب البر و الصلة: باب استحباب الشفاعة فیما لیس بحرام (٢٦٢٧) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی الشفاعة (٥١٣١) ترمذی: کتاب العلم: باب ماجآء أن الدال علی الخیر کفاعله (٢٦٧٢) نسائی (٢٥٥٨) مسند احمد (٤٠٠/٤)]

تو اس نے کہا اے اللہ کے نبی ﷺ فلاں اور فلاں نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے جواب دیا کچھ زیادہ دعائیہ الفاظ کے ساتھ دیا۔ جو مجھے نہیں دیا آپ نے فرمایا تم نے ہمارے لیے کچھ باقی ہی نہ چھوڑا اللہ کا فرمان ہے جب تم پر سلام کیا جائے تو تم اس سے اچھا جواب دو یا اسی کو لوٹا دو اس لیے ہم نے وہی الفاظ لوٹا دیئے۔ [1] یہ روایت ابن ابی حاتم میں بھی اسی طرح مروی ہے' اسے ابوبکر مردویہ نے بھی روایت کیا ہے مگر میں نے اسے مسند میں نہیں دیکھا واللہ اعلم۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ سلام کے کلمات میں اس سے زیادتی نہیں' اگر ہوتی تو آنحضرت ﷺ اس آخری صحابی کے جواب میں وہ لفظ کہہ دیتے۔

مسند احمد میں ہے ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آئے اور ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ يَا رَسُوْلَ اللهِ﴾ کہہ کر بیٹھ گئے آپ نے جواب دیا اور فرمایا دس نیکیاں ملیں' دوسرے آئے اور ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ يَا رَسُوْلَ اللهِ﴾ کہہ کر بیٹھ گئے آپ نے فرمایا بیس نیکیاں ملیں' پھر تیسرے صاحب آئے انہوں نے کہا: ﴿اَلسَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَكَاتُهُ﴾ آپ نے فرمایا تیس نیکیاں ملیں۔ [2] امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن غریب بتاتے ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کو عام لیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ خلق اللہ میں سے جو کوئی سلام کرے اسے جواب دو گو وہ مجوسی ہو' حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں سلام کا اس سے بہتر جواب دینا تو مسلمانوں کے لیے ہے اور اسی کو لوٹا دینا اہل ذمہ کے لیے ہے۔ لیکن اس تفسیر میں ذرا اختلاف ہے جیسے کہ اوپر کی حدیث میں گذر چکا ہے مراد یہ ہے کہ اس کے سلام سے اچھا جواب دیں اور اگر مسلمان سلام کے سبھی الفاظ کہہ دے تو پھر جواب دینے والا انہی کو لوٹا دے' ذمی لوگوں کو خود سلام کی ابتداء کرنا تو ٹھیک نہیں اور وہ خود کریں تو جواب میں اتنے ہی الفاظ کہہ دے' بخاری و مسلم میں ہے جب کوئی یہودی تمہیں سلام کرے تو خیال رکھو یہ کہہ دیتے ہیں ﴿اَلسَّامُ عَلَيْكَ﴾ تو تم کہہ دو ﴿وَعَلَيْكَ﴾ [3] صحیح مسلم میں ہے یہود و نصاریٰ کو تم پہلے سلام نہ کرو اور جب راستے میں مڈبھیڑ ہو جائے تو انہیں تنگی کی طرف مضطر کر۔ [4] امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں سلام نفل ہے اور جواب سلام فرض ہے اور علماء کرام کا

---

[1] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٠٥٠) تفسیر ابن ابی حاتم (٥٧٢٦/٣) طبرانی کبیر (٦١١٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعيفة (٥٤٣٣)]

[2] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الادب : باب کیف السلام (٥١٩٥) ترمذی : کتاب الاستیئذان : باب ماذکر فی فضل السلام (٢٦٨٩) مسند احمد (٤٣٩/٤) نسائی فی السنن الکبری (١٠١٦٩) بیهقی فی شعب الایمان (٨٨٧٠/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[التعلیق الرغیب (٢٦٨/٣)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاستیئذان : باب کیف الرد علی اهل الزمة بالسلام (٦٢٥٧) صحیح مسلم : کتاب السلام : باب النهی عن ابتداء اهل الکتاب بالسلام (٢١٦٤) ترمذی : کتاب السیر : باب ماجآء فی التسلیم علی اهل الکتاب (١٦٠٣) ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی السلام علی اهل الزمة (٥٢٠٦) مسند احمد (١٩/٢)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب السلام : باب النهی عن ابتداء اهل الکتاب بالسلام (٢١٦٧) ترمذی : کتاب السیر : باب ماجآء فی التسلیم علی اهل الکتاب (١٦٠٢) ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی السلام علی اهل الزمة (٥٢٠٥) مسند احمد (٢٦٦/٢)]

فرمان بھی یہی ہے' پس اگر جواب نہ دے گا تو گنہگار ہوگا اس لیے کہ جواب سلام اللہ کا حکم ہے' اس کے بعد اللہ تعالیٰ اپنی توحید بیان فرماتا ہے اور الوہیت اور اپنا یکتا ہونا ظاہر کرتا ہے اور اس میں ضمنی مضامین بھی ہیں' اسی لیے دوسرے جملے کو لام سے شروع کیا جو قسم کے جواب میں آتا ہے' تو اگلا جملہ خبر ہے اور قسم بھی ہے کہ وہ عنقریب تمام مقدم و موخر کو میدان محشر میں جمع کرے گا اور وہاں ہر ایک کو اس کے عمل کا بدلہ دے گا' اس اللہ سمیع بصیر سے زیادہ سچی بات والا اور کوئی نہیں' اس کی خبر اس کا وعدہ اس کی وعید سب سچ ہے' وہی معبود برحق ہے' اس کے سوا کوئی مربی نہیں۔

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا ؕ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ ؕ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾ وَدُّوْا لَوْ تَكْفُرُوْنَ كَمَا كَفَرُوْا فَتَكُوْنُوْنَ سَوَآءً فَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ اَوْلِيَآءَ حَتّٰى يُهَاجِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ ۪ وَلَا تَتَّخِذُوْا مِنْهُمْ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۸۹﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ يَصِلُوْنَ اِلٰى قَوْمٍۭ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ اَوْ جَآءُوْكُمْ حَصِرَتْ صُدُوْرُهُمْ اَنْ يُّقَاتِلُوْكُمْ اَوْ يُقَاتِلُوْا قَوْمَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَسَلَّطَهُمْ عَلَيْكُمْ فَلَقٰتَلُوْكُمْ ۚ فَاِنِ اعْتَزَلُوْكُمْ فَلَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ وَاَلْقَوْا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ ۙ فَمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَكُمْ عَلَيْهِمْ سَبِيْلًا ﴿۹۰﴾ سَتَجِدُوْنَ اٰخَرِيْنَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّاْمَنُوْكُمْ وَيَاْمَنُوْا قَوْمَهُمْ ؕ كُلَّمَا رُدُّوْۤا اِلَى الْفِتْنَةِ اُرْكِسُوْا فِيْهَا ۚ فَاِنْ لَّمْ يَعْتَزِلُوْكُمْ وَيُلْقُوْۤا اِلَيْكُمُ السَّلَمَ وَيَكُفُّوْۤا اَيْدِيَهُمْ فَخُذُوْهُمْ وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ ؕ وَاُولٰٓئِكُمْ جَعَلْنَا لَكُمْ عَلَيْهِمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿۹۱﴾ ع ۱۲ ۹

تمہیں کیا ہو گیا؟ کہ منافقوں کے بارے میں دو گروہ ہو رہے ہو انہیں تو ان کے اعمال کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اوندھا کر دیا ہے' اب کیا تم یہ منصوبے باندھ رہے ہو کہ اللہ کے گمراہ کئے ہوؤں کو تم راہ راست پر لا کھڑا کرو' جسے اللہ راہ بھلا دے تو ہرگز اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا○ ان کی تو چاہت ہے کہ جس طرح کے کافر وہ ہیں تم بھی ان کی طرح کفر کرنے لگو اور پھر سب یکساں ہو جاؤ' پس جب تک یہ اسلام کی خاطر وطن نہ چھوڑیں ان میں سے کسی کو حقیقی دوست نہ بناؤ' پس اگر یہ منہ پھیر لیں تو انہیں پکڑو اور قتل کرو جہاں بھی یہ ہاتھ لگ جائیں خبردار ان میں سے کسی کو اپنا رفیق اور مددگار نہ سمجھ بیٹھنا○ سوائے ان کے جو اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں جن سے تمہارا معاہدہ ہو چکا ہے یا جو تمہارے پاس اس حال میں آئیں کہ تم سے جنگ کرنے سے بھی تنگ دل ہیں اور اپنی قوم سے بھی جنگ کرنے سے تنگ دل ہیں' اور اگر اللہ چاہتا تو انہیں تم پر مسلط کر دیتا اور وہ تم سے یقیناً جنگ کرتے' پس اگر یہ لوگ تم سے یکسوئی اختیار کریں اور تم سے لڑائی نہ کریں اور تمہاری جانب صلح کا پیغام ڈالیں تو اللہ نے تمہارے لیے ان پر کوئی راہ لڑائی کی نہیں کی○ تم کچھ اور لوگوں کو ایسا بھی پاؤ گے جن کی (بظاہر) چاہت ہے کہ تم سے بھی امن میں رہیں اور اپنی قوم سے بھی امن میں رہیں' (لیکن) جب کبھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو اوندھے منہ

اس میں ڈال دیئے جاتے ہیں' پس اگر یہ لوگ تم سے کنارہ کشی نہ کریں اور تم سے صلح کی سلسلہ جنبانی نہ کریں اور اپنے ہاتھ نہ روک لیں تو انہیں پکڑو اور مارو جہاں کہیں بھی پالو' یہی وہ ہیں جن پر ہم نے تمہیں ظاہر حجت عنایت فرمائی ہے ○

منافقین کا کردار: اس میں اختلاف ہے کہ منافقوں کے کس معاملہ میں مسلمانوں کے درمیان دو قسم کے خیالات داخل ہوئے تھے' حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب میدان احد میں تشریف لے گئے تب آپ کے ساتھ منافق بھی تھے جو جنگ سے پہلے ہی واپس لوٹ آئے تھے ان کے بارے میں بعض مسلمان تو کہتے تھے کہ انہیں قتل کر دینا چاہیے اور بعض کہتے تھے نہیں یہ بھی ایماندار ہیں' اس پر یہ آیت اتری تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہ شہر طیبہ ہے جو خود بخود میل کچیل کو اس طرح دور کر دے گا جس طرح بھٹی لوہے کے میل کچیل کو چھانٹ دیتی ہے۔[1] (بخاری و مسلم) ابن اسحاق میں ہے کہ کل لشکر جنگ احد میں ایک ہزار کا تھا' عبداللہ بن ابی ابن سلول تین سو آدمیوں کو اپنے ہمراہ لے کر واپس لوٹ آیا تھا اور حضور ﷺ کے ساتھ پھر سات سو ہی رہ گئے تھے۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مکہ میں کچھ لوگ تھے جو کلمہ گو تو تھے لیکن مسلمانوں کے خلاف مشرکوں کی مدد کرتے تھے یہ اپنی کسی ضروری حاجت کے لیے مکہ سے نکلے' انہیں یقین تھا کہ اصحاب رسول ﷺ سے ان کی کوئی روک ٹوک نہیں ہوگی کیونکہ بظاہر کلمہ کے قائل تھے ادھر جب مدنی مسلمانوں کو اس کا علم ہوا تو ان میں سے بعض کہنے لگے ان نامرادوں سے پہلے جہاد کرو یہ ہمارے دشمنوں کے طرف دار ہیں اور بعض نے کہا سبحان اللہ جو لوگ تم جیسا کلمہ پڑھتے ہیں تم ان سے لڑو گے؟ صرف اس وجہ سے کہ انہوں نے ہجرت نہیں کی اور اپنے گھر نہیں چھوڑے' ہم کس طرح ان کے خون اور ان کے مال اپنے اوپر حلال کر سکتے ہیں؟ ان کا یہ اختلاف رسول اللہ ﷺ کے سامنے ہوا آپ خاموش تھے جو یہ آیت نازل ہوئی۔ (ابن ابی حاتم)[2]

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہما کے لڑکے فرماتے ہیں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا پر جب تہمت لگائی گئی اور رسول اللہ ﷺ نے منبر پر کھڑے ہو کر فرمایا کوئی ہے جو مجھے عبداللہ بن ابی کی ایذاء سے بچائے اس پر اوس وخزرج کے درمیان جو اختلاف ہوا اس کی بابت یہ آیت نازل ہوئی ہے' لیکن یہ قول غریب ہے' ان کے سوا اور اقوال بھی ہیں۔ اللہ نے انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے ہلاک کر دیا۔ ان کی ہدایت کی کوئی راہ نہیں۔ یہ تو چاہتے ہیں کہ سچے مسلمان بھی ان جیسے گمراہ ہو جائیں ان کے دلوں میں اس قدر عداوت ہے۔ تو تمہیں ممانعت کی جاتی ہے کہ جب تک یہ ہجرت نہ کریں انہیں اپنا نہ سمجھو' یہ خیال نہ کرو کہ یہ تمہارے دوست اور مددگار ہیں' بلکہ یہ خود اس لائق ہیں کہ ان سے باقاعدہ جہاد کیا جائے۔ پھر ان میں سے ان حضرات کا استثناء کیا جاتا ہے جو کسی ایسی قوم کی پناہ میں چلے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب فضائل المدینة: باب المدینة تنفی الخبث (١٨٨٤) و کتاب المغازی (٤٠٥٠) صحیح مسلم: کتاب الحج: باب المدینة تنفی خنثبها (١٣٨٢) و کتاب صفات المنافقین: باب صفات المنافقین (٢٧٧٦) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة النسآء (٣٠٢٨) مسند احمد (١٨٤/٥)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٠/٩)]

جائیں جس سے مسلمانوں کا عہد و پیمان صلح وسلوک ہو تو ان کا حکم بھی وہی ہوگا جو معاہدہ والی قوم کا ہے، سراقہ بن مالک مدلجی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب جنگ بدر اور جنگ احد میں مسلمان غالب آئے اور آس پاس کے لوگوں میں اسلام کی بخوبی اشاعت ہوگئی تو مجھے معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہے کہ خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو ایک لشکر دے کر میری قوم بنومدلج کی گوشمالی کے لیے روانہ فرمائیں تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا میں آپ کو احسان یاد دلاتا ہوں لوگوں نے مجھ سے کہا خاموش رہ لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسے کہنے دو کہو کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ میری قوم کی طرف لشکر بھیجنے والے ہیں میں چاہتا ہوں کہ آپ ان سے صلح کر لیں اس بات پر کہ اگر قریش اسلام لائیں تو وہ بھی مسلمان ہو جائیں گے اور اگر وہ اسلام نہ لائیں تو ان پر بھی آپ چڑھائی نہ کریں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر فرمایا ان کے ساتھ جاؤ اور ان کے کہنے کے مطابق ان کی قوم سے صلح کرآؤ، پس اس بات پر صلح ہوگئی کہ وہ دشمنان دین کی کسی قسم کی مدد نہ کریں اور اگر قریش اسلام لائیں تو یہ بھی مسلمان ہو جائیں پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری کہ یہ چاہتے ہیں کہ تم بھی کفر کرو جیسے وہ کفر کرتے ہیں پھر تم اور وہ برابر ہو جاؤ پس ان میں سے کسی کو دوست نہ جانو[1] یہی روایت ابن مردویہ میں ہے اور ان میں ہی آیت ﴿اِلَّا الَّذِیْنَ یَصِلُوْنَ﴾ الخ، نازل ہوئی۔ پس جو بھی ان سے مل جاتا وہ انہی کی طرح پر امن رہتا۔ کلام کے الفاظ سے زیادہ مناسبت اسی کو ہے۔

صحیح بخاری شریف میں صلح حدیبیہ کے قصے میں ہے کہ پھر جو چاہتا ہے کہ کفار کی جماعت میں داخل ہو جاتا اور امن پالیتا اور جو چاہتا مدنی مسلمانوں سے ملتا اور عہد نامہ کی وجہ سے مامون ہو جاتا[2] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اس حکم کو پھر اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ ﴿فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ﴾[3] الخ، یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین سے جہاد کرو جہاں کہیں انہیں پاؤ۔ ایک دوسری جماعت کا ذکر ہو رہا ہے جسے مستثنیٰ کیا ہے جو میدان میں لائے جاتے ہیں لیکن یہ بیچارے بے بس ہوتے ہیں وہ نہ تو تم سے لڑنا چاہتے ہیں نہ تمہارے ساتھ مل کر اپنی قوم سے لڑنا پسند کرتے ہیں بلکہ وہ ایسے بیچ کے لوگ ہیں جو نہ تمہارے دشمن کہے جا سکتے ہیں نہ دوست۔ یہ بھی اللہ کا فضل ہے کہ اس نے ان لوگوں کو تم پر مسلط نہیں کیا اگر وہ چاہتا تو انہیں زور و طاقت دیتا اور ان کے دل میں ڈال دیتا کہ وہ تم سے لڑیں۔ پس اگر یہ تمہاری لڑائی سے باز رہیں اور صلح و صفائی سے یکسو ہو جائیں تو تمہیں بھی ان سے لڑنے کی اجازت نہیں، اسی قسم کے لوگ تھے جو بدر والے دن بنو ہاشم کے قبیلے میں سے مشرکین کے ساتھ آئے تھے جو دل سے اسے ناپسند رکھتے تھے

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۵۷۵۰/۳) ابن ابی شیبة (۴۵۸/۸)] یہ روایت حسن اور سراقہ کے مابین انقطاع کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الشروط: باب الشروط فی الجهاد (۲۷۳۱)]

[3] [سورۃ التوبہ: آیت ۵]

جیسے حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ یہی وجہ تھی کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کے قتل کو منع فرما دیا تھا اور حکم دیا تھا کہ انہیں زندہ گرفتار کر دیا جائے۔ پھر ایک اور گروہ کا ذکر کیا جاتا ہے جو بظاہر تو اوپر والوں جیسا ہے لیکن دراصل نیت میں بہت کھوٹ ہے یہ لوگ منافق ہیں حضور ﷺ کے پاس آ کر اسلام ظاہر کر کے اپنے جان مال مسلمانوں سے محفوظ کرا لیتے ہیں ادھر کفار میں مل کر ان کے معبودان باطل کی پرستش کر کے ان میں سے ہونا ظاہر کر کے ان سے فائدہ اٹھاتے رہتے ہیں تا کہ ان کے ہاتھوں سے بھی امن میں رہیں دراصل یہ لوگ کافر ہیں جیسے اور جگہ ہے اپنے شیاطین کے پاس تنہائی میں جا کر کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں یہاں بھی فرماتا ہے کہ جب بھی فتنہ انگیزی کی طرف لوٹائے جاتے ہیں تو جی کھول کر پوری سرگرمی سے اس میں حصہ لیتے ہیں جیسے کوئی اوندھے منہ گرا ہوا ہو۔ "فتنہ" سے مراد یہاں شرک ہے۔

حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں: یہ لوگ بھی مکہ والے تھے یہاں آ کر بطور ریاکاری کے اسلام قبول کرتے تھے وہاں جا کر ان کے بت پوجتے تھے تو مسلمانوں کو فرمایا جاتا ہے کہ اگر یہ اپنی دوغلی روش سے باز نہ آئیں ایذا رسانی سے ہاتھ نہ روکیں صلح نہ کریں تو انہیں امن وامان نہ دو ان سے بھی جہاد کرو انہیں بھی قیدی بناؤ اور جہاں پاؤ قتل کر دو بے شک ان پر ہم نے تمہیں ظاہر غلبہ اور کھلی حجت عطا فرمائی ہے۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا ۚ وَمَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا خَطَـًٔا فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ وَّدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَهْلِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّصَّدَّقُوْا ۭ فَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍ عَدُوٍّ لَّكُمْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ فَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۭ وَاِنْ كَانَ مِنْ قَوْمٍۢ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَھُمْ مِّيْثَاقٌ فَدِيَةٌ مُّسَلَّمَةٌ اِلٰٓى اَھْلِهٖ وَتَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ مُّؤْمِنَةٍ ۚ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ ۡ تَوْبَةً مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِــيْمًا حَكِــيْمًا ﴿٩٢﴾ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا فَجَزَاۗؤُهٗ جَهَنَّمُ خٰلِدًا فِيْھَا وَغَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِ وَلَعَنَهٗ وَاَعَدَّ لَهٗ عَذَابًا عَظِيْمًا ﴿٩٣﴾

کسی مومن کو دوسرے مومن کا قتل کر دینا زیبا نہیں مگر غلطی سے ہو جائے (تو اور بات ہے)، جو شخص کسی مسلمان کو بلاقصد مار ڈالے اس پر ایک مسلمان غلام کی گردن کی آزادگی ہے اور مقتول کے عزیزوں کو خون بہا پہنچانا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ لوگ بطور صدقہ کے معاف کر دیں اور اگر مقتول تمہاری دشمن قوم کا ہو اور ہو وہ مسلمان تو صرف ایک مومن غلام کی گردن آزاد کرنی لازم ہے اور اگر مقتول اس قوم سے ہو کہ تم میں اور ان میں عہد و پیمان ہے تو خون بہا لازم ہے جو اس کے کنبے والوں کو پہنچایا جائے اور ایک مسلمان غلام کی آزادگی پس جو نہ پائے اس کے ذمے دو مہینے کے لگاتار روزے ہیں اللہ سے بخشوانے کے لئے اور اللہ بخوبی جاننے والا اور حکمت والا ہے ○ اور جو کوئی کسی مومن کو قصداً قتل کر ڈالے اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اس پر اللہ کا غضب ہے اسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس کیلئے بڑا عذاب تیار کر رکھا ہے ○

قصاص و دیت کے مسائل اور قتل خطا: ارشاد ہوتا ہے کہ کسی مسلمان کو لائق نہیں کہ کسی حال میں اپنے مسلمان

بھائی کا خون ناحق کرے۔ صحیح بخاری و مسلم میں ہے رسول ﷺ فرماتے ہیں کسی مسلمان کا جو اللہ کی ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہو خون بہانا حلال نہیں۔ مگر تین حالتوں میں ایک تو یہ کہ اس نے کسی کو قتل کر دیا ہو' دوسرے شادی شدہ ہو کر زنا کیا ہو' تیسرے دین اسلام چھوڑ دینے والا جماعت سے علیحدہ ہونے والا۔ [1] پھر یہ بھی یاد رہے کہ جب ان تینوں کاموں میں سے کوئی کام کسی سے واقع ہو جائے تو رعایا میں سے کسی کو اس کے قتل کا اختیار نہیں البتہ امام یا نائب امام کو بہ عہدہ قضا کا حق ہے' اس کے بعد استثناء منقطع ہے' عرب شاعروں کے کلام میں بھی اس قسم کے استثناء بہت سے ملتے ہیں' اس آیت کے شان نزول میں ایک قول تو یہ مروی ہے کہ عیاش بن ابی ربیعہ جو ابو جہل کا ماں کی طرف سے بھائی تھا جس ماں کا نام اسماء بنت مخرمہ تھا اس کے بارے میں اتری ہے اس نے ایک شخص کو قتل کر ڈالا تھا جسے وہ اسلام لانے کی وجہ سے سزائیں دے رہا تھا یہاں تک کہ اس کی جان لے لی' ان کا نام حارث بن یزید غامدی تھا' حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کے دل میں یہ کانٹا رہ گیا اور انہوں نے ٹھان لی کہ موقعہ پا کر اسے قتل کر دوں گا اللہ تعالیٰ نے کچھ دنوں بعد قاتل کو بھی اسلام کی ہدایت دی وہ مسلمان ہو گئے اور ہجرت بھی کر لی لیکن حضرت عیاش رضی اللہ عنہ کو یہ معلوم نہ تھا' فتح مکہ والے دن یہ ان کی نظر پڑے یہ جان کر کہ یہ اب تک کفر پر ہیں ان پر اچانک حملہ کر دیا اور قتل کر دیا اس پر یہ آیت اتری' [2] دوسرا قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جبکہ انہوں نے ایک شخص کافر پر حملہ کیا تلوار سونتی ہی تھی تو اس نے کلمہ پڑھ لیا لیکن ان کی تلوار چل گئی اور اسے قتل کر ڈالا' جب حضور ﷺ سے یہ واقعہ بیان ہوا تو حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ نے اپنا یہ عذر بیان کیا کہ اس نے صرف جان بچانے کی غرض سے یہ کلمہ پڑھا تھا' آپ ناراض ہو کر فرمانے لگے کیا تم نے اس کا دل چیر کر دیکھا تھا؟ [3] یہ واقعہ صحیح حدیث میں بھی ہے لیکن وہاں نام دوسرے صحابی کا ہے' پھر قتل خطا کا ذکر ہو رہا ہے کہ اس میں دو چیزیں واجب ہیں ایک تو غلام آزاد کرنا دوسرے دیت دینا' اس غلام کے لیے بھی شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو' کافر کو آزاد کرنا کافی نہ ہو گا چھوٹا نابالغ بچہ بھی کافی نہ ہو گا جب تک کہ وہ اپنے ارادے سے ایمان کا قصد کرنے والا اور اتنی عمر کا نہ ہو' امام ابن جریر رحمہ اللہ کا مختار قول یہ ہے کہ اگر اس بچے کے ماں باپ دونوں مسلمان ہوں تو جائز ہے ورنہ نہیں' جمہور کا مذہب یہ ہے کہ مسلمان ہونا شرط ہے چھوٹے بڑے کی کوئی قید نہیں۔

ایک انصاری رضی اللہ عنہ سیاہ فام لونڈی کو لے کر حاضر حضور ﷺ ہوتے ہیں اور کہتے ہیں میرے ذمے ایک مسلمان گردن کا آزاد کرنا ہے اگر یہ مسلمان ہو تو میں اسے آزاد کر دوں' آپ نے اس لونڈی سے پوچھا کیا تو گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں؟ اس نے کہا ہاں' آپ نے فرمایا اس بات کی بھی گواہی دیتی ہے کہ میں اللہ کا

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الدیات : باب قول اللّٰہ تعالی ان النفس بالنفس والعین بالعین (٦٨٧٨) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب ما یباح به دم المسلم (١٦٧٦) نسائی (٤٠٢١) ابن ماجه (٢٥٣٤) ابوداؤد (٤٣٥٢) ترمذی (١٤٠٢) مسند احمد (١/٤٤٤)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (٩/٣٢)]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٠٩٩)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زید راوی ضعیف ہے۔]

رسول ہوں؟ اس نے کہا ہاں، فرمایا کیا مرنے کے بعد جی اٹھنے کی بھی تو قائل ہے؟ اس نے کہا ہاں، آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو[1] اس کی اسناد صحیح ہیں اور صحابی کون تھے؟ اس کا مخفی رہنا سند میں مضر نہیں، یہ روایت حدیث کی اور بہت سی کتابوں میں اس طرح ہے کہ آپ نے اس سے پوچھا اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمانوں میں، دریافت کیا میں کون ہوں؟ جواب دیا آپ رسول اللہ ﷺ ہیں، آپ نے فرمایا! اسے آزاد کر دو۔ یہ ایماندار ہے[2] پس ایک تو گردن آزاد کرنا واجب ہے دوسرے خوں بہا دینا جو مقتول کے گھر والوں کو سونپ دیا جائے گا یہ ان کے مقتول کا عوض ہے یہ دیت سو اونٹ ہے پانچ قسموں کے، بیس تو دوسری سال کی عمر کی اونٹنیاں اور بیس اسی عمر کے اونٹ اور بیس تیسرے سال میں لگی ہوئی اونٹنیاں اور بیس پانچویں سال میں لگی ہوئی اور بیس چوتھے سال میں لگی ہوئی یہی فیصلہ قتل خطا کے خون بہا کا رسول اللہ ﷺ نے کیا ہے ملاحظہ ہو سنن و مسند احمد۔[3] یہ حدیث بہ روایت حضرت عبداللہ موقوف بھی مروی ہے[4]

حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ایک جماعت سے بھی یہی منقول ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے یہ دیت چار چوتھائیوں میں بٹی ہوئی ہے، یہ خون بہا قاتل کے عاقلہ اور اس کے عصبہ یعنی وارثوں کے بعد کے قریبی رشتہ داروں پر ہے، اس کے اپنے مال پر نہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے خیال میں اس امر میں کوئی بھی مخالف نہیں کہ حضور ﷺ نے دیت کا فیصلہ انہی لوگوں پر کیا ہے اور یہ حدیث خاصہ میں کثرت سے مذکور ہے، امام صاحب جن احادیث کی طرف اشارہ کرتے ہیں وہ بہت سی ہیں، بخاری و مسلم میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہذیل قبیلہ کی دو عورتیں آپس میں لڑیں ایک نے دوسرے کو پتھر مارا وہ حاملہ تھی بچہ بھی ضائع ہو گیا اور وہ بھی مرگئی قصہ آنحضرت ﷺ کے پاس آیا تو آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ وہ اس بچہ کے عوض تو ایک لونڈی یا غلام دے اور عورت مقتولہ کے بدلے دیت اور وہ دیت قاتلہ عورت کے حقیقی وارثوں کے بعد کے رشتے داروں کے ذمے ہے[5] اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جو قتل عمد خطا سے ہو وہ بھی حکم میں خطاء محض کے ہے، یعنی دیت کے اعتبار سے ہاں اس میں تقسیم ثلث پر ہوگی، تین

---

① [صحیح: مسند احمد (٣/٤٥٢)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (١٥٧٤٣)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔[مجمع الزوائد (٤/٢٤٤)]

② [صحیح: صحيح مسلم : كتاب المساجد : باب تحريم الكلام فى الصلاة (٥٣٧) ابوداؤد : كتاب الصلاة : باب تشميت العاطس فى الصلاة (٩٣٠) مسند احمد (٥/٤٤٧)]

③ [ضعیف: ابوداؤد : كتاب الديات : باب الدية كم هى (٤٥٤٥) ترمذى : كتاب الديات : باب ماجآء فى الدية كم هى من الابل (١٣٨٦) نسائى : كتاب القسامة : باب ذكر اسنان دية الخطا (٤٨٠٦) ابن ماجه : كتاب الديات : باب دية الخطا (٢٦٣١) مسند احمد (١/٤٥٠)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعيفة (٤٠٢٠)] اس کی سند میں حجاج بن ارطاۃ راوی ضعیف ہے۔]

④ [موقوف: بيهقى (٨/٤٧)]

⑤ [صحیح: صحيح بخارى : كتاب الديات : باب جنين المرأة (٦٩١٠) صحيح مسلم : كتاب القسامة : باب دية الجنين (١٦٨١-٤٨٢١) نسائى : كتاب القسامة : باب دية جنين المرأة (٤٧٣٣) ابوداؤد : كتاب الديات : باب دية الجنين (٤٥٧٦) مسند احمد (٢/٥٣٥)]

حصے ہوں گے کیونکہ اس میں شباہت عمد یعنی بالقصد بھی ہے۔ صحیح بخاری شریف میں ہے بنو جذیمہ کی جنگ کے لیے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر پر سردار بنا کر بھیجا انہوں نے جا کر انہیں دعوت اسلام دی انہوں نے دعوت تو قبول کر لی لیکن بوجہ لاعلمی بجائے ((اَسْلَمْنَا)) یعنی ہم مسلمان ہوئے کے ((صبانا)) کہا یعنی ہم بے دین ہوئے، حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے انہیں قتل کرنا شروع کر دیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ خبر پہنچی تو آپ نے ہاتھ اٹھا کر جناب باری میں عرض کی یا اللہ خالد کے اس فعل سے میں اپنی بیزاری اور برات تیرے سامنے ظاہر کرتا ہوں، پھر حضرت علی رضی اللہ عنہ کو بلا کر انہیں بھیجا کہ جاؤ ان کے مقتولین کی دیت چکا آؤ اور جوان کا مالی نقصان ہوا ہو اسے بھی کوڑی کوڑی چکا آؤ' [1] اس سے ثابت ہوا کہ امام یا نائب امام کی خطا کا بوجھ بیت المال پر ہوگا۔

پھر فرمایا ہے کہ خون بہا جو واجب ہے اگر اولیاء مقتول از خود اس سے دست بردار ہو جائیں تو انہیں اختیار ہے وہ بطور صدقہ کے اسے معاف کر سکتے ہیں۔ پھر فرمان ہے کہ اگر مقتول مسلمان ہو لیکن اس کے اولیاء حربی کافر ہوں تو قاتل پر دیت نہیں، قاتل پر اس صورت میں صرف آزادگی گردن ہے اور اگر اس کے ولی وارث اس قوم میں سے ہوں جن سے تمہاری صلح اور عہد و پیمان ہے تو دیت دینی پڑے گی اگر مقتول مومن تھا تو کامل خوں بہا اور اگر مقتول کافر تھا تو بعض کے نزدیک تو پوری دیت ہے بعض کے نزدیک آدھی بعض کے نزدیک تہائی، تفصیل کتب احکام میں ملاحظہ ہو اور قاتل پر مومن بردے کو آزاد کرنا بھی لازم ہے اگر کسی کو اس کی طاقت بوجہ مفلسی کے نہ ہو تو اس کے ذمے دو مہینے کے روزے ہیں جو لگاتار پے در پے رکھنے ہوں گے اگر کسی شرعی عذر مثلاً بیماری یا حیض یا نفاس کے بغیر کوئی روزہ بیچ میں سے چھوڑ دیا تو پھر نئے سرے سے روزے شروع کرنے پڑیں گے سفر کے بارے میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ بھی شرعی عذر ہے دوسرے یہ کہ یہ عذر نہیں۔ پھر فرماتا ہے قتل خطا کی توبہ کی یہ صورت ہے کہ غلام آزاد نہیں کر سکتا تو روزے رکھ لے اور جسے روزوں کی بھی طاقت نہ ہو وہ مسکینوں کو کھلا سکتا ہے یا نہیں؟ تو ایک قول تو یہ ہے کہ ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے جیسے کہ ظہار کے کفارے میں ہے، وہاں صاف بیان فرما دیا یہاں اس لیے بیان نہیں کیا گیا کہ یہ ڈرانے اور خوف دلانے کا مقام ہے آسانی کی صورت اگر بیان کر دی جاتی تو ہیبت و عظمت اتنی باقی نہ رہتی، دوسرا قول یہ ہے کہ روزے کے نیچے کچھ نہیں اگر ہوتا تو بیان کے ساتھ ہی بیان کر دیا جاتا، حاجب کے وقت سے بیان کو موخر کرنا ٹھیک نہیں (یہ بظاہر قول ثانی ہی صحیح معلوم ہوتا ہے واللہ اعلم۔ مترجم) اللہ علیم و حکیم ہے اس کی تفسیر کئی مرتبہ گذر چکی ہے۔

قتل عمد: قتل خطا کے بعد اب قتل عمداً کا بیان ہو رہا ہے، اس کی سختی برائی اور انتہائی تاکید والی ڈراؤنی وعید فرمائی جا رہی ہے یہ وہ گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ نے شرک کے ساتھ ملا دیا ہے فرماتا ہے ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [2] الخ، یعنی مسلمان بندے وہ ہیں جو

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب بعث النبی خالد ابن ولید (۴۳۳۹، ۷۱۸۹) مسند احمد (۲/ ۱۵۰ ـ ۱۵۱)]

[2] [سورة الفرقان: آیت ٦٨]

اللہ کے ساتھ کسی اور کو معبود ٹھہرا کر نہیں پکارتے اور نہ وہ کسی شخص کو ناحق قتل کرتے ہیں' دوسری جگہ فرمان ہے ﴿قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ﴾ [1] الخ' یہاں بھی اللہ کے حرام کیے ہوئے کاموں کا ذکر کرتے ہوئے شرک کا اور قتل کا ذکر فرمایا ہے اور بھی اس مضمون کی آیتیں بہت سی ہیں اور حدیث بھی اس باب میں بہت سی منقول ہوئی ہیں' بخاری و مسلم میں ہے کہ سب سے پہلے خون کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا' [2] ابوداؤد میں ہے ایماندار نیکیوں اور بھلائیوں میں بڑھتا رہتا ہے جب تک کہ خون ناحق نہ کرے اگر ایسا کر لیا تو تباہ ہو جاتا ہے' [3] دوسری حدیث میں ہے ساری دنیا کا زوال اللہ کے نزدیک ایک مسلمان کے قتل سے کم درجے کا ہے [4] اور حدیث میں ہے اگر تمام روئے زمین کے اور آسمان کے لوگ کسی ایک مسلمان کے قتل میں شریک ہوں تو اللہ سب کو اوندھے منہ جہنم میں ڈال دے' [5] اور حدیث میں ہے' جس شخص نے کسی مسلمان کے قتل میں آدھے کلمے سے بھی اعانت کی وہ قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس حالت میں آئے گا کہ اس کی پیشانی پر لکھا ہوا ہوگا کہ یہ شخص اللہ کی رحمت سے محروم ہے۔ [6]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا تو قول ہے کہ جس نے مومن کو قصداً قتل کیا اس کی توبہ قبول ہی نہیں' اہل کوفہ جب اس مسئلہ میں اختلاف کرتے ہیں تو ابن جبیر رحمہ اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے پاس آ کر دریافت کرتے ہیں آپ فرماتے ہیں یہ آخری آیت ہے جسے کسی آیت نے منسوخ نہیں کیا' [7] اور آپ فرماتے ہیں کہ دوسری آیت ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ﴾ الخ' جس میں توبہ کا ذکر ہے کہ وہ اہل شرک کے بارے میں نازل ہوئی ہے' پس جبکہ کسی شخص نے اسلام کی حالت میں کسی مسلمان کو غیر شرعی وجہ سے قتل کیا اس کی سزا جہنم ہے اور اس کی توبہ قبول نہیں ہوگی' حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے جب یہ قول ابن عباس رضی اللہ عنہما بیان ہوا تو فرمانے لگے مگر جو نادم ہو' سالم بن ابوالجعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں'

---

[1] [سورۃ الانعام: آیت ۱۵۱]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب القصاص یوم القیامۃ (۶۵۳۳) صحیح مسلم : کتاب القسامۃ : باب المجازۃ بالدماء فی الآخرۃ (۱۶۷۹)]

[3] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الفتن : باب فی تعظیم قتل المؤمن (۴۲۷۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود ، السلسلۃ الصحیحۃ (۵۱۱)] مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح : ترمذی : کتاب الدیات : باب ماجاء فی تشدید قتل المؤمن (۱۳۹۵) نسائی : کتاب التحریم : باب تعظیم الدم (۳۹۹۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[غایۃ المرام (۴۳۹)] شیخ عبدالرزاق مہدی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[5] [صحیح : ترمذی : کتاب الدیات : باب الحکم فی الدماء (۱۳۹۸)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی ، التعلیق الترغیب (۲۰۲/۳)]

[6] [ضعیف جدا : ابن ماجہ : کتاب الدیات : باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما (۲۶۲۰)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔[۱۰۴/۳] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔[السلسلۃ الضعیفۃ (۵۰۳)]

[7] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ومن یقتل مومن متعمدا (۴۵۹۰) صحیح مسلم : کتاب التفسیر : باب فی تفسیر آیات متفرقہ (۳۰۲۳)]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما جب نابینا ہو گئے تھے ایک مرتبہ ہم ان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے جو ایک شخص آیا اور آپ کو آواز دے کر پوچھا کہ اس کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں جس نے کسی مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے جس میں وہ ہمیشہ رہے گا اللہ کا اس پر غضب ہے اس پر اللہ کی لعنت ہے اور اس کے لیے عذاب عظیم تیار ہے اس نے پھر پوچھا اگر وہ توبہ کرے نیک عمل کرے اور ہدایت پر جم جائے تو؟ فرمانے لگے اس کی ماں اسے روئے اسے توبہ اور ہدایت کہاں ؟ اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میرا نفس ہے میں نے تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے اس کی ماں اسے روئے جس نے مومن کو جان بوجھ کر مار ڈالا ہے وہ قیامت کے دن اسے دائیں یا بائیں ہاتھ سے تھامے ہوئے رحمان کے عرش کے سامنے آئے گا اس کی رگوں سے خون بہہ رہا ہوگا اور اللہ سے کہے گا کہ اے اللہ اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ اس اللہ عظیم کی قسم جس کے ہاتھ میں عبداللہ کی جان ہے کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک اسے منسوخ کرنے والی کوئی آیت نہیں اتری[1] اور روایت میں اتنا اور بھی ہے کہ نہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی وحی اترے گی[2] حضرت زید بن ثابت' حضرت ابوہریرہ' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہم حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن' عبید بن عمیر' حسن' قتادہ' ضحاک رحمہم اللہ بھی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے خیال کے ساتھ ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ مقتول اپنے قاتل کو پکڑ کر قیامت کے دن اللہ کے سامنے لائے گا دوسرے ہاتھ سے اپنا سر اٹھائے ہوئے ہوگا اور کہے گا میرے رب اس سے پوچھ کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ قاتل کہے گا پروردگار اس لیے کہ تیری عزت ہو اللہ فرمائے گا پس یہ میری راہ میں ہے۔ دوسرا مقتول بھی اپنے قاتل کو پکڑے ہوئے لائے گا اور یہی کہے گا' قاتل جواباً کہے گا اس لیے کہ فلاں کی عزت ہو اللہ فرمائے گا قاتل کا گناہ اس نے اپنے سر لے لیا پھر اسے آگ میں جھونک دیا جائے گا جس گڑھے میں ستر سال تک تو نیچے ہی چلا جائے گا۔[3]

مسند احمد میں ہے ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہ بخش دے' لیکن ایک تو وہ شخص جو کفر کی حالت میں مرا دوسرا وہ جو کسی مومن کا قصداً قاتل بنا۔[4] ابن مردویہ میں بھی ایسی ہی حدیث ہے اور وہ بالکل غریب ہے[5] محفوظ وہ حدیث ہے جو بحوالہ مسند بیان ہوئی۔ ابن مردویہ میں اور حدیث ہے کہ جان بوجھ کر ایماندار کو مار ڈالنے والا کافر

---

[1] **[صحيح بالشواهد:** تفسير ابن جرير الطبرى (١٠١٩٣) صحيح بخارى (٤٧٦٦) صحيح مسلم (١٨) ، (٣٠٢٣) نسائى (٨٦/٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

[2] **[صحيح:** نسائى : كتاب المحاربة : باب تعظيم الدم (٤٠١٠) ابن ماجه (٢٦٢١) مسند احمد (٢٤/١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح نسائى ، الصحيحة (٢٦٩٧)] .

[3] **[صحيح:** نسائى : كتاب المحاربة : باب تحريم الدم (٣٩٨٩) ابو نعيم فى الحلية (١٤٧/٤) مسند احمد (٩٩/٤)] شيخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے ۔[السلسلة الصحيحة (٢٦٩٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔]

[4] **[صحيح:** مسند احمد (٩٩/٤)] شیخ شعیب ارناؤوط اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (١٦٩٠٧)]

[5] **[صحيح:** ابوداؤد (٤٢٧٠) مستدرك حاكم (٣٥١/٤)]

ہے۔ (۱) یہ حدیث منکر ہے اور اس کی اسناد میں بہت کلام ہے۔ حمید کہتے ہیں میرے پاس ابوالعالیہ آئے میرے ایک دوست بھی اس وقت میرے پاس تھے ہم سے کہنے لگے تم دونوں مجھ سے کم عمر اور زیادہ یادداشت والے ہو آؤ میرے ساتھ بشر بن عاصم کے پاس چلو جب وہاں پہنچے تو حضرت بشر رحمہ اللہ سے فرمایا انہیں بھی وہ حدیث سنا دو انہوں نے سنانی شروع کی کہ عقبہ بن مالک لیثی رضی اللہ عنہ نے کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا اس نے ایک قوم پر چھاپہ مارا وہ لوگ بھاگ کھڑے ہوئے ان کے ساتھ ایک شخص بھاگا جا رہا تھا اس کے پیچھے ایک لشکری بھاگا جب اس کے قریب ننگی تلوار لیے پہنچ گیا تو اس نے کہا میں تو مسلمان ہوں۔ اس نے کچھ خیال نہ کیا تلوار چلا دی۔ اس واقعہ کی خبر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ہوئی تو آپ بہت ناراض ہوئے اور سخت سست کہا یہ خبر اس شخص کو بھی پہنچی۔ ایک روز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ پڑھ رہے تھے کہ اس قاتل نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی قسم اس نے تو یہ بات محض قتل سے بچنے کے لیے کہی تھی آپ نے اس کی طرف سے نگاہ پھیر لی اور خطبہ سناتے رہے اس نے دوبارہ کہا آپ نے پھر منہ موڑ لیا' اس سے صبر نہ ہوسکا' تیسری بار کہا تو آپ نے اس کی طرف توجہ کی اور ناراضگی آپ کے چہرے سے ٹپک رہی تھی' فرمانے لگے مومن کے قاتل کی کوئی بھی معذرت قبول کرنے سے اللہ تعالیٰ انکار کرتے ہیں تین بار یہی فرمایا یہ روایت نسائی میں بھی ہے (۲) پس ایک مذہب تو یہ ہوا کہ قاتل مومن کی توبہ نہیں دوسرا مذہب یہ ہے کہ توبہ اس کے اور اللہ کے درمیان ہے جمہور سلف وخلف کا یہی مذہب ہے کہ اگر اس نے توبہ کی اللہ کی طرف رجوع کیا خشوع خضوع میں لگا رہا نیک اعمال کرنے لگ گیا تو اللہ اس کی توبہ قبول کرلے گا اور مقتول کو اپنے پاس سے عوض دے کر اسے راضی کرلے گا اللہ فرماتا ہے ﴿إِلَّا مَنْ تَابَ﴾ (۳) الخ' یہ خبر ہے اور خبر میں نسخ کا احتمال نہیں اور اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں اور اس آیت کو مومنوں کے بارے میں خاص کرنا بظاہر خلاف قیاس ہے اور کسی صاف دلیل کا محتاج ہے واللہ اعلم۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿قُلْ يَا عِبَادِيَ الَّذِينَ أَسْرَفُوا عَلَى أَنْفُسِهِمْ﴾ (۴) الخ' اے میرے وہ بندو جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کی ہے تم میری رحمت سے مایوس نہ ہو۔ یہ آیت اپنے عموم کے اعتبار سے ہر گناہ پر محیط ہے خواہ کفر وشرک ہو خواہ شک ونفاق ہو خواہ قتل وفسق ہو خواہ کچھ ہی ہو' جو اللہ کی طرف رجوع کرے اللہ اس کی طرف مائل ہوگا جو توبہ کرے اللہ اسے معاف فرمائے گا۔ فرماتا ہے ﴿إِنَّ اللَّهَ لَا يَغْفِرُ أَنْ يُشْرَكَ بِهِ﴾ (۵) الخ' اللہ تعالیٰ شرک کو تو بخشتا نہیں اس کے سوا کے تمام گناہ جسے چاہے بخش دے۔ اللہ تعالیٰ کی اس کریمی

---

(۱) ضعیف: ابن عدی فی الکامل (۱۰۵۹/۳)] اس کی سند میں بقیہ بن ولید راوی مدلس اور ابن جبیرہ انصاری ضعیف ہے۔ اسے امام بخاریؒ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق ہے۔ [تہذیب التہذیب (۶۶۰/۱)]

(۲) [صحیح: مسند احمد (۲۸۹/۵) ابو نعیم فی معرفۃ الصحابۃ (۱۹۹) صحیح ابن حبان (۵۹۷۲)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔ [الموسوعۃ الحدیثیۃ (۲۲۴۹۰)]

(۳) [سورۃ الفرقان: آیت ۶۸، ۷۰] (۴) [سورۃ الزمر: آیت ۵۳]

(۵) [سورۃ نساء: آیت ۴۸]

کے صدقے جائیے کہ اس نے اسی سورت میں اس آیت سے پہلے بھی جس کی تفسیر اب ہم کر رہے ہیں اپنی عام بخشش کی آیت بیان فرمائی اور پھر اس آیت کے بعد ہی اسے دوہرا دیا اسی طرح اپنی عام بخشش کا اعلان پھر کیا تا کہ بندوں کو اس کی کامل فطرت سے کامل امید بندھ جائے واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم کی وہ حدیث بھی اس موقعہ پر یاد رکھنے کے قابل ہے جس میں ہے کہ ایک بنی اسرائیلی نے ایک سو قتل کیے تھے۔ پھر ایک عالم سے پوچھتا ہے کہ کیا میری توبہ قبول ہو سکتی ہے وہ جواب دیتا ہے کہ تجھ میں اور تیری توبہ میں کون ہے جو حائل ہے؟ جاؤ اس بدبستی کو چھوڑ کر نیکوں کے شہر میں جا بسو چنانچہ اس نے ہجرت کی مگر راستے میں ہی فوت ہو گیا اور رحمت کے فرشتے اسے لے گئے [1] یہ حدیث پوری پوری کئی مرتبہ بیان ہو چکی ہے جبکہ بنی اسرائیل میں یہ ہے تو اس امت مرحومہ کے لیے قاتل کی توبہ کے لیے دروازے بند کیوں ہیں؟ ان پر تو ہم سے بہت زیادہ پابندیاں تھیں جن سب سے اللہ نے ہمیں آزاد کر دیا اور رحمۃ للعالمین جیسے سردار انبیاء کو بھیج کر وہ دین ہمیں دیا جو آسانیوں اور راحتوں والا سیدھا صاف اور واضح ہے، لیکن یہاں جو سزا قاتل کی بیان فرمائی ہے اس سے مراد یہ ہے کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اسے سزا ضرور دی جائے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ اور سلف کی ایک جماعت بھی یہی فرماتی ہے، بلکہ اس معنی کی ایک حدیث بھی ابن مردویہ میں ہے [2] لیکن سنداً وہ صحیح نہیں اور اسی طرح ہر وعید کا مطلب یہی ہے کہ اگر کوئی عمل صالح وغیرہ اس کے مقابل میں نہیں تو اس بدی کا بدلہ وہ ہے جو وعید میں واضح بیان ہوا ہے اور یہی طریقہ وعید کے بارے میں ہمارے نزدیک نہایت درست اور احتیاط والا ہے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

اور قاتل کا مقدر جہنم بن گیا۔ چاہے اس کی وجہ توبہ کی عدم قبولیت کہا جائے یا اس کے متبادل کسی نیک عمل کا مفقود ہونا خواہ بقول جمہور دوسرا نیک عمل نجات دہندہ نہ ہونے کی وجہ سے ہو۔ وہ ہمیشہ جہنم میں نہ رہے گا بلکہ یہاں خلود سے مراد بہت دیر تک رہنا ہے جیسا کہ متواتر احادیث سے ثابت ہے کہ جہنم میں سے وہ بھی نکل آئیں گے جن کے دل میں رائی کے چھوٹے سے چھوٹے دانے برابر بھی ایمان ہوگا۔ اوپر جو ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ ممکن ہے اللہ تعالیٰ تمام گناہوں کو بجز کفر اور قتل مومن کے معاف فرما دے۔ اس میں ((عَسٰی)) ترجی کا مسئلہ ہے ان دونوں صورتوں میں ترجی یعنی امید گو اٹھ جائے پھر بھی وقوع پذیر ہونا یعنی ایسا ہونا ان دونوں میں سے ایک بھی ممکن نہیں اور وہ قتل ہے، کیونکہ شرک و کفر کا معاف نہ ہونا تو الفاظ قرآن سے ثابت ہو چکا اور جو حدیثیں گذریں جن میں قاتل کو مقتول لے کر آئے گا وہ بالکل ٹھیک ہیں چونکہ اس میں انسانی حق ہے وہ توبہ سے ٹل نہیں جاتا۔ بلکہ انسانی حق تو توبہ ہونے کی صورت میں بھی حقدار کو پہنچانا ضروری ہے اس میں جس طرح قتل ہے اسی طرح چوری ہے غصب ہے تہمت ہے اور دوسرے حقوق انسانی ہیں جن کا توبہ سے معاف نہ ہونا اجماعاً ثابت ہے بلکہ توبہ کے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء (٣٤٧٠) صحیح مسلم: کتاب التوبة: باب قبول التوبة (٢٧٦٦)]

[2] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (٥٨١٩/٣) العقیلی فی الضعفاء (٣٤٦/٣) طبرانی اوسط (٨٦٠٦/٨)] اس کی سند میں محمد بن جامع عطار راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (١١/٧)]

لیے صحت کی شرط ہے کہ ان حقوق کو ادا کرے۔ اور جب ادائیگی محال ہے تو قیامت کے روز اس کا مطالبہ ضروری ہے۔ لیکن مطالبہ سے سزا کا واقع ہونا ضروری نہیں۔ ممکن ہے کہ قاتل کے اور سب اعمال صالحہ مقتول کو دے دیئے جائیں یا بعض دے دیئے جائیں اور اس کے پاس پھر بھی کچھ رہ جائیں اور یہ بخش دیا جائے اور یہ بھی ممکن ہے کہ مقتول کا مطالبہ اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے اپنے پاس سے اور اپنی طرف سے حور وقصور اور بلند درجات جنت دے کر پورا کر دے اور اس کے عوض وہ اپنے قاتل سے درگذر کرنے پر خوش ہو جائے اور قاتل کو اللہ تعالیٰ بخش دے وغیرہ۔ واللہ اعلم۔ جان بوجھ کر مار ڈالنے والے کے لیے کچھ تو دنیوی احکام ہیں اور کچھ اخروی۔ دنیا میں تو اللہ نے مقتول کے ولیوں کو اس پر غلبہ دیا ہے فرماتا ہے: ﴿وَمَنْ قُتِلَ مَظْلُوْمًا فَقَدْ جَعَلْنَا لِوَلِيِّهٖ سُلْطٰنًا﴾ [1] الخ' جو ظلم سے قتل کیا جائے ہم نے اس کے پیچھے والوں کو غلبہ دیا ہے انہیں اختیار ہے کہ یا تو وہ بدلہ لیں یعنی قاتل کو بھی قتل کرائیں یا معاف کر دیں یا دیت یعنی خون بہا یعنی جرمانہ وصول کر لیں اور اس کے جرمانہ میں سختی ہے جو تین قسموں پر مشتمل ہے۔ تیس تو چوتھے سال کی عمر میں لگے ہوئے اونٹ' تیس پانچویں سال میں لگے ہوئے' چالیس حاملہ اونٹنیاں جیسے کہ کتب احکام میں ثابت ہیں۔

اس میں ائمہ نے اختلاف کیا ہے کہ اس پر غلام کا آزاد کرنا یا دو ماہ کے پے در پے روزے رکھنے یا کھانا کھلانا ہے یا نہیں؟ پس امام شافعی اور ان کے اصحاب اور علماء کی ایک جماعت تو اس کی قائل ہے کہ جب خطا میں یہ حکم ہے تو عمداً میں بطور اولیٰ یہی حکم ہونا چاہئے اور ان پر جواباً جھوٹی غیر شرعی قسم کے کفارے کو پیش کیا گیا ہے اور انہوں نے اس کا عذر عمداً چھوڑ دی ہوئی نماز کو قضا قرار دیا ہے جیسے کہ اس پر اجماع ہے خطا میں۔

امام احمد رحمہ اللہ کے اصحاب اور دوسرے کہتے ہیں قتل عمداً نا قابل کفارہ ہے۔ اس لیے اس میں کفارہ نہیں اور اسی طرح جھوٹی قسم اور ان کے لیے ان دونوں صورتوں میں اور عمداً چھوٹی ہوئی نماز میں فرق کرنے کی کوئی راہ نہیں' اس لیے کہ یہ عمداً چھوٹی ہوئی نماز کی قضا کے وجوب کے قائل ہیں۔ سابقہ مکتبہ خیال کی ایک دلیل یہ حدیث بھی ہے جو مسند احمد میں مروی ہے کہ لوگ حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا کوئی ایسی حدیث سناؤ جس میں کمی زیادتی نہ ہو تو وہ بہت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے کیا تم قرآن لے کر پڑھتے ہو تو اس میں کمی زیادتی بھی کرتے ہو؟ انہوں نے کہا حضرت ہمارا مطلب یہ ہے کہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے جو سنی ہو کہا ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اپنوں میں سے ایک آدمی کی بابت حاضر ہوئے جس نے بوجہ قتل کے اپنے تئیں جہنمی بنا لیا تھا۔ تو آپ نے فرمایا اس کی طرف سے ایک غلام آزاد کرو اس کے ایک ایک عضو کے بدلہ اس کا ایک ایک عضو اللہ تعالیٰ جہنم سے آزاد کر دے گا۔ [2]

---

[1] [سورۃ بنی اسرائیل: آیت ۳۳]

[2] [ضعیف : مسند احمد (۴/۱۰۷) مستدرك حاكم (۲/۲۱۲)ابو داؤد : كتاب العتق : باب فی ثواب العتق (۳۹۶۴)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (۱۶۹۸۵)]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا ضَرَبْتُمْ فِي سَبِيلِ اللَّهِ فَتَبَيَّنُوا وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ أَلْقَىٰ إِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُونَ عَرَضَ الْحَيَاةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللَّهِ مَغَانِمُ كَثِيرَةٌ ۚ كَذَٰلِكَ كُنْتُمْ مِنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللَّهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوا ۚ إِنَّ اللَّهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرًا ﴿٩٤﴾

اے ایمان والو! جب تم راہ اللہ میں جا رہے ہو تو تحقیق کر لیا کرو اور جو تم سے سلام علیک کرے تو تم اسے نہ کہہ دو کہ تو ایمان والا نہیں، تم زندگانی دنیا کے اسباب کی تلاش میں ہو تو اللہ کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں، پہلے تم بھی ایسے ہی تھے پھر اللہ نے تم پر احسان کیا لہٰذا تم ضرور تحقیق و تفتیش کر لیا کرو، بے شک اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ○

قتل سے پہلے کافر ہونے کی تحقیق: ترمذی وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ بنو سلیم کا ایک شخص بکریاں چراتا ہوا صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اور سلام کیا تو صحابہ رضی اللہ عنہم آپس میں کہنے لگے یہ مسلمان تو ہے نہیں صرف اپنی جان بچانے کے لیے سلام کرتا ہے چنانچہ اسے قتل کر دیا اور بکریاں لے کر چلے آئے، اس پر یہ آیت اتری[1] یہ حدیث تو صحیح ہے لیکن بعض نے اس میں علتیں نکالی ہیں کہ سماک راوی کے سوائے اس طریقے کا اور کوئی مخرج ہی اس کا نہیں، اور یہ کہ عکرمہ سے اس کے روایت کرنے میں بھی تامل ہے، اور یہ کہ اس آیت کے شان نزول میں اور واقعات بھی مروی ہیں، بعض کہتے ہیں کہ محلم بن جثامہ کے بارے میں اتری ہے بعض کہتے ہیں اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کے علاوہ بھی اقوال ہیں، لیکن میرے خیال میں یہ سب ناقابل تسلیم ہیں سماک سے اسے بہت سے ائمہ کبار نے روایت کیا ہے، عکرمہ سے صحیح دلیل لی گئی ہے، یہی روایت دوسرے طریق سے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے صحیح بخاری میں مروی ہے[2] سعید بن منصور سے بھی مروی ہے، ابن جریر اور ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص کو اس کے والد اور اس کی قوم نے اپنے اسلام کی خبر پہنچانے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، راستے میں اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ایک لشکر سے رات کے وقت ملاقات ہوئی اس نے ان سے کہا میں مسلمان ہوں لیکن انہیں یقین نہ آیا اور اسے دشمن سمجھ کر قتل کر ڈالا ان کے والد کو جب یہ علم ہوا تو یہ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور واقعہ بیان کیا چنانچہ آپ نے انہیں ایک ہزار دینار دیئے اور دیت دی اور انہیں عزت کے ساتھ رخصت کیا، اس پر یہ آیت اتری۔

محلم بن جثامہ کا واقعہ یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک چھوٹا سا لشکر اضم کی طرف بھیجا جب یہ لشکر بطن اضم میں

---

[1] [حسن صحیح: مسند احمد (۲۲۹/۱) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة النساء (۳۰۳۰)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے حسن صحیح کہتے ہیں۔ [التعليق على الاحسان (۱۲۲/۷)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (۲۰۲۳)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب لا تقولوا لمن القى اليكم السلام لست مومنا (۴۵۹۱) صحیح مسلم: کتاب التفسیر: باب فی تفسیر آیات متفرقة (۳۰۲۵) ابوداؤد (۳۹۷۴)]

پہنچا تو عامر بن اضبط اشجعی اپنی سواری پر سوار مع اسباب کے آ رہے تھے پاس پہنچ کر سلام کیا سب تو رک گئے لیکن محلم بن جثامہ نے آپس کی پرانی عداوت کی بنا پر اس پر جھپٹ کر حملہ کر دیا' انہیں قتل کر ڈالا اور ان کا اسباب قبضہ میں کر لیا پھر ہم حضور ﷺ کے پاس پہنچے اور آپ سے یہ واقعہ بیان کیا اس پر یہ آیت اتری۔ [1] ایک اور روایت میں ہے کہ عامر نے اسلامی طریقہ کے مطابق سلام کیا تھا لیکن جاہلیت کی پہلی عداوت کے باعث محلم نے اسے تیر مار کر مار ڈالا یہ خبر پا کر عامر کے لوگوں سے کہا سنا محلم بن جثامہ نے مصالحانہ گفتگو کی لیکن عینیہ نے کہا نہیں نہیں اللہ کی قسم جب تک اس کی عورتوں پر بھی وہی مصیبت نہ آئے جو میری عورتوں پر آئی۔ چنانچہ محلم اپنی دونوں چادریں اوڑھے ہوئے آئے اور رسول کریم ﷺ کے سامنے بیٹھ گئے اس امید پر کہ حضور ﷺ ان کے لیے استغفار کریں لیکن آپ نے فرمایا اللہ تجھے معاف نہ کرے یہ یہاں سے سخت نادم شرمسار روتے ہوئے اٹھے اپنی چادروں سے اپنے آنسو پونچھتے جاتے تھے سات روز بھی نہ گذرے پائے تھے انتقال کر گئے۔ لوگوں نے انہیں دفن کیا لیکن زمین نے ان کی نعش اگل دی' حضور ﷺ سے جب یہ ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا تمہارے اس ساتھی سے نہایت ہی بدتر لوگوں کو زمین سنبھال لیتی ہے لیکن اللہ کا ارادہ ہے کہ وہ تمہیں مسلمان کی حرمت دکھائے چنانچہ ان کے لاشے کو پہاڑ پر ڈال دیا گیا اور اوپر سے پتھر رکھ دیئے گئے اور یہ آیت نازل ہوئی۔ [2] (ابن جریر)

صحیح بخاری شریف میں تعلیقاً مروی ہے کہ حضور ﷺ نے مقداد رضی اللہ عنہ سے فرمایا جبکہ انہوں نے قوم کفار کے ساتھ جو مسلمان مخفی ایمان والا تھا اسے قتل کر دیا تھا باوجود یہ کہ اس نے اپنے اسلام کا اظہار کر دیا تھا کہ تم بھی مکہ میں اسی طرح تھے کہ ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ [3] بزار میں یہ واقعہ پورا اس طرح مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا تھا جس میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ بھی تھے جب دشمنوں کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ سب تو ادھر ادھر ہو گئے ایک شخص مالدار وہاں رہ گیا ہے اس نے انہیں دیکھتے ہی ﴿اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہا۔ تاہم انہوں نے حملہ کر دیا اور اسے قتل کر ڈالا۔ ایک شخص جس نے یہ واقعہ دیکھا تھا وہ سخت برہم ہوا اور کہنے لگا مقداد رضی اللہ عنہ تم نے اسے قتل کر ڈالا جس نے کلمہ پڑھا تھا؟ میں اس کا ذکر حضور ﷺ سے کروں گا' جب یہ لشکر واپس پہنچا تو اس شخص نے یہ واقعہ حضور ﷺ سے عرض کیا آپ نے حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور فرمایا تم نے یہ کیا کیا؟ کل قیامت کے دن تم ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کے سامنے کیا جواب دو گے؟ پس اللہ نے یہ آیت اتاری اور آپ نے فرمایا کہ اے مقداد وہ شخص مخفی مسلمان تھا جس طرح تو مکہ میں اپنے ایمان کو مخفی رکھتا تھا پھر تو نے اس کے اسلام ظاہر کرنے کے باوجود اسے مارا؟ [4]

---

[1] [**اسنادہ محتمل للتحسین**: مسند احمد (٦/١١) سیرة ابن ہشام (١٤٨٣/٤) ابن ابی شیبة (٥٦٣/٨)] شیخ شعیب ارناؤط فرماتے ہیں کہ اس کی سند **محتمل للتحسین** ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (٢٣٨٨١)]

[2] [**ضعیف**: تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٢١٦)] اس میں ابن اسحاق مدلس راوی نے عن سے روایت بیان کی ہے۔]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری : کتاب الدیات : باب قول اللہ تعالیٰ ومن یقتل مؤمنا متعمدا (٦٨٦٦)]

[4] [**ضعیف**: مسند البزار (٢٢٠٢) طبرانی (١٢٣٧٩)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [السلسلة الضعیفة (٤١٠٩)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

اس کے بعد اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس غنیمت کے لالچ میں تم غفلت برتتے ہو اور سلام کرنے والوں کے ایمان میں شک وشبہ کر کے انہیں قتل کر ڈالتے ہو یاد رکھو وہ غنیمت بھی اللہ کی طرف سے ہے اس کے پاس بہت سی غنیمتیں ہیں جو وہ تمہیں حلال ذرائع سے دے گا اور وہ تمہارے لیے اس مال سے بہت بہتر ہوں گی۔ تم بھی اپنا وہ وقت یاد کرو کہ تم بھی ایسے ہی لاچار تھے اپنے ضعف اور اپنی کمزوری کی وجہ سے ایمان ظاہر کرنے کی جرات نہیں کر سکتے تھے قوم میں چھپے لگے پھرتے تھے آج اللہ خالق کل نے تم پر احسان کیا تمہیں قوت دی اور تم کھلے بندوں اپنے اسلام کا اظہار کر رہے ہو تو جو بے اسباب اب تک دشمنوں کے پنجے میں پھنسے ہوئے ہیں اور ایمان کا اعلان کھلے طور پر نہیں کر سکے جب وہ اپنا ایمان ظاہر کریں تو تمہیں تسلیم کر لینا چاہیے اور آیت میں ہے ﴿وَاذْكُرُوٓا اِذْ اَنْتُمْ قَلِيْلٌ﴾ [1] الخ، یاد کرو جبکہ تم کم تھے کمزور تھے۔ الغرض ارشاد ہوتا ہے کہ جس طرح یہ بکری کا چرواہا اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا اسی طرح اس سے پہلے جبکہ بے سروسامانی اور قلت کی حالت میں تم مشرکوں کے درمیان تھے ایمان چھپائے پھرتے تھے' یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ تم بھی پہلے اسلام والے نہ تھے اللہ نے تم پر احسان کیا اور تمہیں اسلام نصیب فرمایا' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے قسم کھائی تھی کہ اس کے بعد کبھی کسی ﴿لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہنے والے کو قتل نہ کروں گا کیونکہ انہیں بھی اس بارے میں پوری سرزنش ہوئی تھی۔ پھر تاکیداً دوبارہ فرمایا کہ بخوبی تحقیق کر لیا کرو' پھر دھمکی دی جاتی ہے کہ اللہ جل شانہ کو اپنے اعمال سے غافل نہ سمجھو' جو تم کر رہے ہو' وہ سب کی پوری طرح خبر رکھتا ہے۔

لَا يَسْتَوِي الْقٰعِدُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ غَيْرُ اُولِي الضَّرَرِ وَ الْمُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ ؕ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ بِاَمْوَالِهِمْ وَ اَنْفُسِهِمْ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ دَرَجَةً ؕ وَ كُلًّا وَّعَدَ اللّٰهُ الْحُسْنٰى ؕ وَ فَضَّلَ اللّٰهُ الْمُجٰهِدِيْنَ عَلَى الْقٰعِدِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿٩٥﴾ دَرَجٰتٍ مِّنْهُ وَ مَغْفِرَةً وَّ رَحْمَةً ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿٩٦﴾

اپنی جانوں اور مالوں سے راہ اللہ میں جہاد کرنے والے مومن اور بغیر عذر کے بیٹھ رہنے والے مومن برابر نہیں' اپنے مالوں اور اپنی جانوں سے جہاد کرنے والوں کو بیٹھ رہنے والے پر اللہ تعالیٰ نے درجوں میں بہت فضیلت دے رکھی ہے' اور یوں تو اللہ نے ہر ایک کو خوبی اور اچھائی کا وعدہ دیا ہے' لیکن مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر بہت بڑے اجر کی فضیلت دے رکھی ہے ○ اپنی طرف سے مرتبے کی بھی اور بخشش کی بھی اور رحمت کی بھی' اور اللہ تعالیٰ بخشش کرنے والا اور رحم کرنے والا ہے ○

مجاہد اور عوام میں فرق: صحیح بخاری میں ہے کہ جب اس آیت کے ابتدائی الفاظ اترے کہ گھروں میں بیٹھ رہنے والے اور جہاد کرنے والے مومن برابر نہیں' تو آپ اسے حضرت زید رضی اللہ عنہ کو بلوا کر لکھوا رہے تھے اس وقت حضرت ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نابینا آئے اور کہنے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم میں تو نابینا ہوں معذور ہوں اس پر الفاظ ﴿غَيْرُ اُولِي

[1] [سورۃ الانفال: آیت ٢٦]

﴿الضَّرَرِ﴾ نازل ہوئے ① یعنی وہ بیٹھ رہنے والے جو بے عذر ہوں ان کا ذکر ہے۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت زید رضی اللہ عنہ اپنے ساتھ قلم دوات اور شانہ لے کر آئے تھے ② اور حدیث میں ہے کہ ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا یا رسول اللہ ﷺ اگر مجھ میں طاقت ہوتی تو میں ضرور جہاد میں شامل ہوتا اس پر وہ آیت اتری اس وقت حضور ﷺ کی ران حضرت زید رضی اللہ عنہ کی ران پر تھی ان پر اس قدر بوجھ پڑا قریب تھا کہ ران ٹوٹ جائے۔ ③ اور حدیث میں ہے کہ جس وقت ان آیات کی وحی اتری اور اسکے بعد طمانیت آپ پر نازل ہوئی میں آپ کے پہلو میں تھا اللہ کی قسم مجھ پر رسول اللہ ﷺ کی ران کا ایسا بوجھ پڑا کہ میں نے اس سے زیادہ بوجھل چیز زندگی بھر کوئی نہیں اٹھائی پھر وحی ہٹ جانے کے بعد آپ نے ﴿عَظِيمًا﴾ تک آیت لکھوائی اور میں نے اسے شانے کی ہڈی پر لکھ لیا اور حدیث میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ ابھی تو ابن ام مکتوم رضی اللہ عنہ کے الفاظ ختم بھی نہ ہوئے تھے جو آپ پر وحی نازل ہونا شروع ہوئی' حضرت زید رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں وہ منظر اب تک میری نگاہوں کے سامنے ہے گویا میں دیکھ رہا ہوں کہ بعد میں اترے ہوئے الفاظ کو میں نے ان کی جگہ پر اپنی تحریر میں بعد میں بڑھایا ہے' ④ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مراد بدر کی لڑائی میں جانے والے اور اس میں حاضر نہ ہونے والے ہیں' ⑤ غزوہ بدر کے موقعہ پر حضرت عبداللہ بن جحش اور حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہما آ کر حضور ﷺ سے کہنے لگے ہم دونوں نابینا ہیں کیا ہمیں رخصت ہے؟ تو انہیں آیت قرآنی میں رخصت دی گئی' پس مجاہدین کو جس قسم کے بیٹھ رہنے والوں پر فضیلت دی گئی ہے وہ وہ ہیں جو صحت وتندرستی والے ہوں' ⑥ پس پہلے تو مجاہدین کو بیٹھ رہنے والوں پر مطلقاً فضیلت تھی لیکن اسی وحی میں جو الفاظ اترے اس نے ان لوگوں کو جنہیں مباح عذر ہوں عام بیٹھ رہنے والوں سے مستثنیٰ کر دیا جیسے اندھے لنگڑے لولے اور بیمار' یہ مجاہدین کے درجے میں ہیں۔ پھر مجاہدین کی جو فضیلت بیان ہوئی ہے وہ ان لوگوں پر بھی ہے جو بے وجہ جہاد میں شامل نہ ہوئے ہوں' جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی تفسیر گزری اور یہی ہونا بھی چاہیے بخاری میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مدینہ میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ تم جس جہاد کے لیے سفر کرو اور جس جنگل میں کوچ کرو وہ تمہارے ساتھ اجر میں یکساں ہیں' صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا باوجود یہ کہ وہ مدینے میں مقیم ہیں' آپ نے فرمایا ہاں اس

---

① [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر (٤٥٩٣)]

② [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب لا یستوی القاعدون من المؤمنین غیر (٤٥٩٤) نسائی : کتاب الجهاد : باب فضل المجاهدین علی القاعدین (٣١٠١) ترمذی : کتاب الجهاد : باب ماجآء فی اهل العذر فی العقود (١٦٧٠)]

③ [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب قول الله عزوجل لا یستوی القاعدون (٢٨٣٢) و کتاب التفسیر (٤٥٩٢) ترمذی (٣٠٣٣) مسند احمد (٥/٨٤)]

④ [صحیح :ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب الرخصة فی القعود من العذر (٢٥٠٧) مسند احمد (٥/١٩٠)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

⑤ [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٥٩٥)]

⑥ [صحیح :ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة النسآء (٣٠٣٢)]

لیے کہ انہیں عذر نے روک رکھا ہے [1] اور روایت میں ہے کہ تم جو خرچ کرتے ہو اس کا ثواب بھی جو تمہیں ملتا ہے انہیں بھی ملتا ہے' [2] اسی مطلب کو ایک شاعر نے ان الفاظ میں منظور کیا ہے:

يَا رَاحِلِيْنَ اِلَى الْبَيْتِ الْعَتِيْقِ لَقَدْ سِرْتُمْ جُسُوْمًا وَّسِرْنَا نَحْنُ اَرْوَاحًا

اِنَّا اَقَمْنَا عَلٰى عُذْرٍ وَّعَنْ قَدْرٍ وَمَنْ اَقَامَ عَلٰى عُذْرٍ فَقَدْ رَاحَا

یعنی اے اللہ کے گھر کے حج کو جانے والو! اگر تم اپنے جسموں سمیت اس طرف چل رہے ہو لیکن ہم بھی اپنی روحانی روش سے اسی طرف لپکے جا رہے ہیں' سنو ہماری جسمانی کمزوری اور عذر نے ہمیں روک رکھا ہے اور ظاہر ہے کہ عذر سے رک جانے والا کچھ جانے والے سے کم نہیں۔

پھر فرماتا ہے ہر ایک سے اللہ تعالیٰ کا وعدہ جنت کا اور بہت بڑے اجر کا ہے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جہاد فرض عین نہیں بلکہ فرض کفایہ ہے' پھر ارشاد ہے' مجاہدین کو غیر مجاہدین پر بڑی فضیلت ہے۔ پھر ان کے بلند درجات ان کے گناہوں کی معافی اور ان پر جو برکت و رحمت ہے اس کا بیان فرمایا اور اپنی عام بخشش اور عام رحم کی خبر دی۔ بخاری و مسلم میں ہے جنت میں سو درجے ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنی راہ کے مجاہدین کے لیے تیار کیا ہے ہر دو درجوں میں اس قدر فاصلہ ہے جتنا آسمان و زمین میں' [3] اور حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اللہ کی راہ میں تیر چلائے اسے جنت کا درجہ ملتا ہے ایک شخص نے پوچھا درجہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ تمہارے یہاں کے گھروں کے بالاخانوں جتنا نہیں بلکہ دو درجوں میں سو سال کا فاصلہ ہے۔ [4]

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ ۭ قَالُوْا كُنَّا مُسْتَضْعَفِيْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ قَالُوْٓا اَلَمْ تَكُنْ اَرْضُ اللّٰهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُوْا فِيْهَا ۭ فَاُولٰٓئِكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ؀ اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاۗءِ وَالْوِلْدَانِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ حِيْلَةً وَّلَا يَهْتَدُوْنَ سَبِيْلًا ؀ فَاُولٰٓئِكَ عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّعْفُوَ عَنْھُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَفُوًّا غَفُوْرًا ؀ وَمَنْ يُّھَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ۭ وَمَنْ يَّخْرُجْ مِنْۢ بَيْتِهٖ مُهَاجِرًا اِلَى اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ يُدْرِكْهُ الْمَوْتُ فَقَدْ وَقَعَ اَجْرُهٗ عَلَي اللّٰهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ؀

---

[1] [صحیح صحیح بخاری (۲۸۳۹)، (٤٤٢٣) ابن ماجه (٢٧٦٤) مسند احمد (١٠٣/٣)]

[2] [صحیح ابو داؤد : کتاب الجهاد : باب الرخصة فی القعود من العذر (٢٥٠٨)]

[3] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب درجات المجاهدین فی سبیل الله (٢٧٩٠) صحیح مسلم : کتاب الامارة : باب بیان ما اعده الله تعالیٰ (١٨٨٤)]

[4] [ضعیف و منقطع الدرالمنثور (٣٦٥/٢)]

جولوگ اپنی جانوں پرظلم کرنے والے ہیں جب فرشتے ان کی روح قبض کرتے ہیں' پوچھتے ہیں کہ تم کس حال میں تھے یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنی جگہ کمزور اور مغلوب تھے۔ فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ کی زمین کشادہ نہ تھی کہ تم ہجرت کر جاتے' یہی لوگ ہیں جن کا ٹھکانہ دوزخ ہے' اور وہ بری جگہ ہے پہنچنے کی ○ مگر جو مرد عورتیں اور بچے بے بس ہیں جنہیں نہ تو کسی چارہ کار کی طاقت اور نہ کسی راستے کا علم ○ بہت ممکن ہے کہ اللہ ان سے درگذر کرے اللہ درگذر کرنے والا اور معاف فرمانے والا ہے ○ جو کوئی راہ اللہ میں وطن کو چھوڑے گا وہ زمین میں بہت سی قیام کی جگہیں بھی پائے گا اور کشادگی بھی' جو کوئی اپنے گھر سے اللہ اور اس کے رسول کی طرف نکل کھڑا ہوا پھر اسے موت نے آ پکڑا تو بھی یقیناً اس کا اجر اللہ تعالیٰ کے ذمہ ثابت ہو گیا' اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے ○

غلط عذر نا قابل قبول اور ہجرت: محمد بن عبدالرحمٰن ابوالاسود فرماتے ہیں اہل مدینہ سے جنگ کرنے کے لیے جو لشکر تیار کیا گیا اس میں میرا نام بھی تھا۔ میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے مولیٰ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے ملا اور اس بات کا ذکر کیا تو انہوں نے مجھے اس میں شمولیت کرنے سے بہت سختی سے روکا۔ اور کہا سنو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے میں نے سنا ہے کہ بعض مسلمان لوگ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں مشرکوں کے ساتھ تھے اور ان کی تعداد بڑھاتے تھے بسا اوقات ایسا بھی ہوتا کہ ان میں سے کوئی تیر سے ہلاک کر دیا جاتا یا مسلمانوں کی تلواروں سے قتل کر دیا جاتا' انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے [1] یعنی موت کے وقت ان کا اپنی بے طاقتی کا حیلہ اللہ تعالیٰ کے ہاں قبول نہیں ہوتا اور روایت میں ہے کہ ایسے لوگ جو اپنے ایمان کو مخفی رکھتے تھے جب وہ بدر کی لڑائی میں کافروں کے ساتھ آ گئے تو مسلمانوں کے ہاتھوں میں سے بھی بعض مارے گئے جس پر مسلمان غمگین ہوئے کہ افسوس یہ تو ہمارے ہی بھائی تھے' اور ہمارے ہی ہاتھوں مارے گئے ان کے لیے استغفار کرنے لگے اس پر یہ آیت اتری۔ پس باقی ماندہ مسلمانوں کی طرف یہ آیت لکھی کہ ان کا کوئی عذر نہ تھا کہا یہ نکلے اور ان سے مشرکین ملے اور انہوں نے تقیہ کیا پس یہ آیت اتری ﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ آمَنَّا بِاللهِ﴾ [2] الخ' حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت ان لوگوں کے بارے میں اتری ہے جو اسلام کا کلمہ پڑھتے تھے اور تھے مکے میں ہی ان میں علی بن امیہ بن خلف اور ابوقیس بن ولید بن مغیرہ اور ابوالعاص بن منبہ بن حجاج اور حارث بن زمعہ تھے ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ ان منافقون کے بارے میں اتری ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہجرت کے بعد مکے میں رہ گئے پھر بدر کی لڑائی میں مشرکوں کے ساتھ آئے ان میں سے بعض میدان جنگ میں کام بھی آ گئے۔ مقصد یہ ہے کہ آیت کا حکم عام ہے ہر اس شخص کا جو ہجرت پر قادر ہو پھر بھی مشرکوں میں پڑا رہے اور دین پر مضبوط نہ رہے وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ظالم ہے اور اس آیت کی رو سے اور مسلمانوں کے اجماع سے وہ حرام کام کا مرتکب ہے اس آیت میں ہجرت سے گریز کرنے کو ظلم کہا گیا ہے' ایسے لوگوں سے ان کے نزع کے عالم میں فرشتے کہتے ہیں کہ تم یہاں کیوں ٹھہرے رہے؟ کیوں ہجرت نہ کی؟ یہ جواب دیتے ہیں کہ ہم اپنے شہر سے دوسرے شہر کہیں نہیں جا سکتے تھے' جس کے جواب میں

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر (٤٥٩٦)، (٧٠٨٥) تفسیر الطبری: (١٠٢٦٦)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٢٦٥)]

فرشتے کہتے ہیں کیا اللہ تعالیٰ کی زمین میں کشادگی نہ تھی؟ ابوداؤد میں ہے جو شخص مشرکین میں ملا جلا رہے انہی کے ساتھ رہے سہے وہ بھی انہی جیسا ہے۔ ① سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ عقیل اور نوفل گرفتار کئے گئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عباس تم اپنا فدیہ بھی دو اور اپنے بھتیجے کا بھی' حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہم آپ کے قبلے کی طرف نمازیں نہیں پڑھتے تھے؟ کیا ہم کلمہ شہادت ادا نہیں کرتے تھے؟ آپ نے فرمایا عباس رضی اللہ عنہ تم نے بحث تو چھیڑی ہے لیکن اس میں تم ہار جاؤ گے سنو اللہ جل شانہ فرماتا ہے پھر آپ نے یہی تلاوت فرمائی یعنی تم نے ہجرت کیوں نہ کی؟ ②

پھر جن لوگوں کو ہجرت کے چھوڑ دینے پر ملامت نہ ہوگی ان کا ذکر فرماتا ہے کہ جو لوگ مشرکین کے ہاتھوں سے نہ چھوٹ سکیں اور اگر کبھی چھوٹ بھی جائیں تو راستے کا علم انہیں نہیں ان سے اللہ تعالیٰ درگذر فرمائے گا' ((عَسٰی)) کا کلمہ اللہ کے کلام میں وجوب اور یقین کے لیے ہوتا ہے۔ اللہ درگذر کرنے والا اور بہت ہی معافی دینے والا ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عشاء کی نماز میں ((سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ)) کہنے کے بعد سجدے میں جانے سے پہلے یہ دعا مانگی اے اللہ عیاش بن ابوربیعہ کو سلمہ بن ہشام کو ولید بن ولید کو اور تمام بے بس ناطاقت مسلمانوں کو کفار کے پنجے سے رہائی دے اے اللہ اپنا سخت عذاب قبیلہ مضر پر ڈال اے اللہ ان پر ایسی قحط سالی نازل فرما جیسی حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں آئی تھی۔ ③ ابن ابی حاتم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام پھیرنے کے بعد قبلے کی طرف منہ کئے ہوئے ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی اے اللہ ولید بن ولید کو عیاش بن ابوربیعہ کو سلمہ بن ہشام کو اور تمام ناتواں بے طاقت مسلمانوں کو اور جو بے حیلے کی طاقت رکھتے ہیں نہ راہ پانے کی کافروں کے ہاتھوں سے نجات دے۔ ④

ابن جریر میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ظہر کی نماز کے بعد یہ دعا مانگا کرتے تھے۔ ⑤ اس حدیث کے شواہد صحیح میں بھی اس سند کے سوا اور سندوں میں بھی ہیں جیسے کہ پہلے گذرا۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں اور میری والدہ ان ضعیف عورتوں اور بچوں میں تھے جن کا ذکر اس آیت میں ہے۔ ہمیں اللہ نے معذور رکھا۔ ⑥

---

① [صحیح : ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب فی الاقامة بارض الشرك (۲۷۸۷)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

② [ضعیف ومرسل : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰۲۷۰)]

③ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب قوله تعالی فاولئك عسی الله ان یعفو عنهم (۴۵۹۸) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب استحباب القنوت فی جمیع الصلاة (۶۷۵) ابوداؤد : کتاب الصلاة : باب القنوت فی الصلاة (۱۴۴۲)]

④ [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (۵۸۷۲/۳)] اس کی سند میں علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔]

⑤ [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰۲۸۰)] اس کی سند میں بھی علی بن زید بن جدعان راوی ضعیف ہے۔]

⑥ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب الا المستضعفین من الرجال والنسآء (۴۵۹۷)]

ہجرت کی ترغیب دیتے ہوئے اور مشرکوں سے الگ ہونے کی ہدایات کرتے ہوئے فرماتا ہے کہ اللہ کی راہ میں ہجرت کرنے والا ہراساں نہ ہو وہ جہاں جائے گا اللہ تعالیٰ اس کے لیے اسباب پناہ تیار کر دے گا اور وہ بہ آرام وہاں اقامت کر سکے گا مراغم کے ایک معنی ایک جگہ سے دوسری جگہ جانے کے بھی ہیں' مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں وہ اپنے دکھ سے بچاؤ کی بہت سی صورتیں پالے گا' امن کے بہت سے اسباب اسے مل جائیں گے' دشمنوں کے شر سے بچ جائے گا اور وہ روزی بھی پائے گا گمراہی کی جگہ ہدایت اسے ملے گی اس کی فقیری تونگری سے بدل جائے گی۔
ارشاد ہوتا ہے جو شخص بہ نیت ہجرت اپنے گھر سے نکلا پھر ہجرت گاہ پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں اسے موت آ گئی اسے بھی ہجرت کا کامل ثواب مل گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر عمل کا مدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے وہ ہے جو اس نے نیت کی' پس جس کی ہجرت اللہ کی طرف اور اس کے رسول کی طرف ہو اس کی ہجرت اللہ کی رضامندی اور رسول کی خوشنودی کا باعث ہوگی اور جس کی ہجرت دنیا حاصل کرنے کے لیے ہو یا کسی عورت سے نکاح کرنے کے لیے ہو اسے اصل ہجرت کا ثواب نہ ملے گا بلکہ اس کی ہجرت اسی طرف سمجھی جائے گی۔ [1] یہ حدیث عام ہے ہجرت وغیرہ تمام اعمال پر مشتمل ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں اس شخص کے بارے میں ہے جس نے ننانوے قتل کیے تھے پھر ایک عابد کو قتل کر کے سو پورے کیے پھر ایک عالم سے پوچھا کہ کیا اس کی توبہ قبول ہو سکتی ہے؟ اس نے کہا تیری توبہ کے اور تیرے درمیان کوئی چیز حائل نہیں تو اپنی بستی سے ہجرت کر کے فلاں شہر چلا جا جہاں اللہ کے عابد بندے رہتے ہیں چنانچہ یہ ہجرت کر کے اس طرف چلا راستہ میں ہی تھا جو موت آ گئی۔ رحمت اور عذاب کے فرشتوں میں اس کے بارے میں اختلاف ہوا بحث یہ تھی کہ یہ شخص توبہ کر کے ہجرت کر کے مگر چلا تو سہی یہ وہاں پہنچا تو نہیں پھر انہیں حکم کیا گیا کہ وہ اس طرف کی اور اس طرف کی زمین ناپیں جس بستی سے یہ شخص قریب ہو اس کے رہنے والوں میں اسے ملا دیا جائے پھر زمین کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ بری بستی کی جانب سے دور ہو جا اور نیک بستی والوں کی طرف قریب ہو جا' جب زمین ناپی گئی تو توحید والوں کی بستی سے ایک بالشت برابر قریب نکلی اور اسے رحمت کے فرشتے لے گئے۔ [2] ایک روایت میں ہے کہ موت کے وقت یہ اپنے سینے کے بل نیک لوگوں کی بستی کی طرف گھسیٹتا ہوا گیا۔ [3]
مسند احمد کی حدیث میں ہے جو شخص اپنے گھر سے اللہ کی راہ میں ہجرت کی نیت سے نکلا پھر آپ نے اپنی تینوں انگلیوں یعنی کلمہ کی انگلی بیچ کی انگلی اور انگوٹھے کو ملا کر کہا۔ پھر فرمایا کہاں ہیں مجاہد؟ پھر وہ اپنی سواری پر سے گر

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب بدء الوحی : باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللّٰہ (۱) و کتاب الایمان (۵٤) و کتاب العتق (۲۵۲۹) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ (۱۹۰۷) نسائی : کتاب الطهارۃ (۷۵) ابن ماجه : کتاب الزهد (٤۲۲۷) ابوداؤد : کتاب الطلاق (۲۲۰۱) ترمذی : کتاب فضائل الجهاد (۱٦٤۷) مسند احمد (۱/٤۳)]

[2] [صحیح صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء (۳٤۷۰) صحیح مسلم : کتاب التوبة (۲۷٦٦) ابن ماجه : کتاب الدیات (۲٦۲۲) مسند احمد (۳/۲۰)]

[3] [صحیح صحیح مسلم : کتاب التوبة (۲۷٦٦)]

پڑا یا اسے کسی جانور نے کاٹ لیا یا اپنی موت مر گیا تو اس کی ہجرت کا ثواب اللہ کے ذمے ثابت ہو گیا (راوی کہتے ہیں اپنی موت مرنے کے لیے جو کلمہ حضور ﷺ نے استعمال کیا) واللہ میں نے اس کلمہ کو آپ سے پہلے کسی عربی کی زبانی نہیں سنا اور جو شخص غضب کی حالت میں قتل کیا گیا وہ جگہ کا مستحق ہو گیا' [1] حضرت خالد بن حزام رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے حبشہ کی طرف چلے لیکن راہ میں ہی انہیں ایک سانپ نے ڈس لیا اور اسی میں ان کی روح قبض ہو گئی ان کے بارے میں یہ آیت اتری۔ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں چونکہ ہجرت کر کے حبشہ پہنچ گیا اور مجھے ان کی خبر مل گئی تھی کہ یہ بھی ہجرت کر کے آ رہے ہیں اور میں جانتا تھا کہ قبیلہ بنو اسد سے ان کے سوا اور کوئی ہجرت کر کے آنے کا نہیں اور کم و بیش جتنے مہاجر تھے ان کے ساتھ رشتے کنبے کے لوگ تھے لیکن میرے ساتھ کوئی نہ تھا میں ان کا یعنی حضرت خالد کا بے چینی سے انتظار کر رہا تھا جو مجھے ان کی اس طرح کی اچانک شہادت کی خبر ملی تو مجھے بہت ہی رنج ہوا۔ [2] یہ اثر بہت ہی غریب ہے۔ یہ بھی وجہ ہے کہ یہ قصہ مکے کا ہے اور آیت مدینے میں اتری ہے۔ لیکن بہت ممکن ہے کہ راوی کا مقصود یہ ہو کہ آیت کا حکم عام ہے گو شان نزول یہ نہ ہو واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کہ حضرت ضمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ ہجرت کر کے رسول اللہ ﷺ کی طرف چلے لیکن آپ کے پاس پہنچنے سے پہلے ہی راستے میں انتقال کر گئے ان کے بارے میں یہ آیت شریفہ نازل ہوئی [3] اور روایت میں ہے کہ حضرت سعد بن ابی ضمرہ جن کو آنکھوں سے دکھائی نہ دیتا تھا جب وہ آیت ﴿اِلَّا الْمُسْتَضْعَفِيْنَ﴾ الخ سنتے ہیں تو کہتے ہیں میں مالدار ہوں اور چارہ کار بھی رکھتا ہوں مجھے ہجرت کرنی چاہیے چنانچہ سامان سفر تیار کر لیا اور حضور ﷺ کی طرف چل کھڑے ہوئے لیکن ابھی تنعیم میں ہی تھے جو موت آ گئی ان کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [4] طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے جو شخص میری راہ میں غزوہ کرنے کے لیے نکلا صرف میرے وعدوں کو سچا جان کر اور میرے رسولوں پر ایمان رکھ کر پس وہ اللہ کی ضمانت میں ہے یا تو وہ لشکر کے ساتھ فوت ہو کر جنت میں پہنچے گا یا اللہ کی ضمانت میں واپس لوٹے گا اجر و غنیمت اور فضل رب لے کر۔ اگر وہ اپنی موت مر جائے یا مار ڈالا جائے یا گھوڑے سے گر جائے یا اونٹ پر سے گر پڑے یا کوئی زہریلا جانور کاٹ لے یا اپنے بستر پر کسی طرح

---

[1] [ضعیف :مسند احمد (٣٦/٤) ابن ابی شیبة (٥٦٥/٤)] شیخ شعیب ارناؤط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابن اسحاق راوی مدلس ہے اور اس نے عن سے روایت بیان کی ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (١٦٤١٤)]

[2] [حسن :تفسیر ابن ابی حاتم (٥٨٨٨/٣) الدر المنثور للسیوطی (٣٧٠/٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[3] [ضعیف :تفسیر ابن ابی حاتم (٥٨٨٩/٣) مسند ابویعلی (٢٦٧٩)] اس کی سند میں اشعث بن سوار راوی ضعیف ہے۔]

[4] [صحیح :تفسیر ابن ابی حاتم (٥٨٩٠/٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

بھی فوت ہو جائے وہ شہید ہے۔ [1] ابوداؤد میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ وہ جنتی ہے [2] بعض الفاظ ابوداؤد میں نہیں ہیں۔ ابویعلی میں ہے جو شخص حج کے لیے نکلا پھر مر گیا قیامت تک اس کے لیے حج کا ثواب لکھا جاتا ہے' جو عمرے کے لیے نکلا اور راستے میں فوت ہو گیا اس کے لیے قیامت تک عمرے کا اجر لکھا جاتا ہے۔ جو جہاد کے لیے نکلا اور فوت ہو گیا اس کے لیے قیامت تک جہاد کا ثواب لکھا جاتا ہے۔ [3] یہ حدیث بھی غریب ہے۔

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ ۖ اِنْ خِفْتُمْ اَنْ يَّفْتِنَكُمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ اِنَّ الْكٰفِرِيْنَ كَانُوْا لَكُمْ عَدُوًّا مُّبِيْنًا ﴿١٠١﴾

جب تم سفر میں جا رہے ہو تو تم پر نمازوں کے قصر کرنے میں کوئی گناہ نہیں' اگر تمہیں ڈر ہو کہ کافر تمہیں ستائیں گے' البتہ کافر تمہارے کھلے دشمن ہیں ○

قصر نماز: فرمان الٰہی ہے کہ تم کہیں سفر میں جا رہے ہو۔ یہی الفاظ سفر کے لیے سورۂ مزمل میں بھی آئے ہیں۔ تو تم پر نماز کی تخفیف کرنے میں کوئی گناہ نہیں' یہ کمی یا تو کمیت میں یعنی بجائے چار رکعت کے دو رکعت ہے جیسے کہ جمہور نے اس آیت سے سمجھا ہے گو پھر ان میں بعض مسائل میں اختلاف ہوا ہے بعض تو کہتے ہیں یہ شرط ہے کہ سفر اطاعت کا ہو مثلاً جہاد کے لیے یا حج و عمرے کے لیے یا طلب و زیارت کے لیے وغیرہ۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما عطا' یحییٰ رحمۃ اللہ علیہ اور ایک روایت کی رو سے امام مالک رحمہ اللہ کا یہی قول ہے' کیونکہ اس سے آگے فرمان ہے اگر تمہیں کفار کی ایذاء رسانی کا خوف ہو' بعض کہتے ہیں اس قید کی کوئی ضرورت نہیں کہ سفر قربت الٰہیہ کا ہو بلکہ نماز کی کمی ہر مباح سفر کے لیے ہے جیسے اضطرار اور بے بسی کی صورت میں مردار کھانے کی اجازت ہے' ہاں یہ شرط ہے کہ سفر معصیت کا نہ ہو' امام شافعی' امام احمد رحمۃ اللہ علیہما وغیرہ ائمہ کا یہی قول ہے' ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ میں تجارت کے سلسلے میں دریائی سفر کرتا ہوں تو آپ نے اسے دو رکعتیں پڑھنے کا حکم دیا' یہ حدیث مرسل ہے' بعض لوگوں کا مذہب ہے کہ ہر سفر میں نماز کا قصر کرنا جائز ہے' سفر خواہ مباح ہو خواہ ممنوع ہو یہاں تک کہ اگر کوئی ڈاکہ ڈالنے کے لیے اور مسافروں کو ستانے کے لیے نکلا ہوا ہے اسے بھی نماز قصر کرنے کی اجازت ہے' ابوحنیفہ' ثوری اور داود رحمۃ اللہ علیہم کا یہی قول ہے کہ آیت عام ہے' لیکن یہ قول جمہور کے قول کے خلاف ہے۔ کفار سے ڈر کی جو شرط لگائی ہے یہ باعتبار اکثریت کے ہے آیت کے نازل ہونے کے وقت چونکہ عموماً یہی حال تھا اس لیے آیت میں بھی اسے بیان کر دیا

---

[1] [ضعیف تفسیر ابن جریر الطبری (۳۴۱۸) طبرانی کبیر (۳۴۱۸/۳) ابو نعیم فی الحلیة (۱۹۰/۵)] اس کی سند میں بقیہ مدلس راوی کا عنعنہ ہے۔]

[2] [ضعیف ابوداؤد : کتاب الجهاد : باب فیمن مات غازیا (۲۴۹۹) مستدرك حاکم (۷۸/۲)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود]

[3] [صحیح لغیرہ مسند ابویعلی (۶۳۵۷)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[صحیح الترغیب (۱۱۱۴) السلسلة الصحیحة (۲۵۵۳)]

گیا' ہجرت کے بعد سفر مسلمانوں کے سب کے سب خوف والے ہی ہوتے تھے قدم قدم پر دشمن کا خطرہ رہتا تھا بلکہ مسلمان سفر کے لیے نکل ہی نہ سکتے تھے بجز اس کے کہ یا تو جہاد کو جائیں یا کسی خاص لشکر کے ساتھ جائیں اور یہ قاعدہ ہے کہ جب منطوق بہ اعتبار غالب کے آئے تو اس کا مفہوم معتبر نہیں ہوتا۔ جیسے اور آیت میں ہے اپنی لونڈیوں کو بدکاری کے لئے مجبور نہ کرو اگر وہ پاکدامنی کرنا چاہیں اور جیسے فرمایا ان کی بیٹیاں جو تمہاری پرورش میں ہیں جن عورتوں سے تم نے صحبت کی ہے۔ پس جیسے کہ ان دونوں آیتوں میں قید کا بیان ہے لیکن اس کے ہونے پر ہی حکم کا دارومدار نہیں بلکہ بغیر اس کے بھی حکم وہی ہے یعنی لونڈیوں کو بدکاری کے لیے مجبور کرنا حرام ہے چاہے وہ پاکدامنی چاہتی ہوں یا نہ چاہتی ہوں۔ اسی طرح اس عورت کی لڑکی حرام ہے جس سے نکاح ہو کر صحبت ہو گئی ہو خواہ وہ اس کی پرورش میں ہو یا نہ ہو' حالانکہ دونوں جگہ قرآن میں یہ قید موجود ہے' پس جس طرح ان دونوں موقعوں میں بغیر ان قیود کے بھی حکم یہی ہے اسی طرح یہاں بھی گو خوف نہ ہوتا ہم محض سفر کی وجہ سے نماز کو قصر کرنا جائز ہے۔

مسند احمد میں ہے کہ حضرت یعلی بن امیہ نے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ نماز کی تخفیف کا حکم تو خوف کی حالت میں ہے اور اب تو امن ہے؟ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہی خیال مجھے ہوا تھا اور یہی سوال میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ تعالیٰ کا صدقہ ہے جو اس نے تمہیں دیا ہے تم اس کے صدقے کو قبول کرو۔ مسلم اور سنن وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے بالکل صحیح روایت ہے۔[1] ابو حنظلہ حذاء رحمہ اللہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سفر کی نماز کا پوچھا تو آپ نے فرمایا دو رکعت ہیں انہوں نے کہا قرآن میں تو خوف کے وقت دو رکعت ہیں اور اس وقت تو پوری طرح امن وامان ہے تو آپ نے فرمایا یہی سنت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی۔ (ابن ابی شیبہ)[2] ایک اور شخص کے سوال پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا تھا آسمان سے تو یہ رخصت اتر چکی ہے اب اگر تم چاہو تو اسے لوٹا دو' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مکہ اور مدینہ کے درمیان ہم نے باوجود امن کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ دو رکعت پڑھیں۔[3] (نسائی وغیرہ) اور حدیث میں ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ سے مکے کی طرف چلے تو اللہ کے سوا کسی سے خوف نہ تھا اور آپ برابر دو رکعت ہی ادا فرماتے رہے۔ بخاری کی حدیث میں ہے کہ واپسی میں بھی یہی دو رکعت آپ پڑھتے رہے اور مکے میں اس سفر میں آپ نے دس روز قیام کیا تھا۔[4] مسند احمد میں حضرت حارثہ رضی اللہ عنہ سے

---

[1] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین : باب صلاۃ المسافرین وقصرھا (٦٨٦) ابو داؤد : کتاب صلاۃ السفر : باب صلاۃ المسافر (١١٩٩) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلاۃ : باب تقصیر الصلاۃ فی السفر (١٠٦٥) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة النساء (٣٠٣٤) نسائی : کتاب التقصیر (١٤٣٤) مسند احمد (٢٥/١)]

[2] [**صحیح** : ابن ابی شیبة (٣٣٧/٢)]

[3] [**صحیح** : ترمذی: کتاب الصلاۃ : باب ماجاء فی التقصیر فی السفر (٥٤٧) نسائی : کتاب التقصیر (١٤٣٦) مسند احمد (٢١٥/١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی، ارواء الغلیل (٦/٣)]

[4] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب تقصیر الصلاۃ : باب ماجاء فی التقصیر (١٠٨١) صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین : باب صلاۃ المسافرین وقصرھا (٦٩٣) ابو داؤد (١٢٣٣) ابن ماجه (١٠٧٧) ترمذی (٥٤٨) نسائی (١٤٣٩) مسند احمد (١٩٠/٣)]

روایت ہے کہ میں نے نبی ﷺ کے ساتھ منیٰ میں ظہر کی اور عصر کی نماز دو دو رکعت پڑھی ہیں حالانکہ اس وقت ہم بکثرت تھے اور نہایت ہی پر امن تھے[1] صحیح بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے آپ ﷺ کے ساتھ اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ساتھ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ساتھ (سفر میں) دو رکعت پڑھی ہیں، لیکن اپنی خلافت کے آخری زمانہ میں پوری پڑھنے لگے ہیں۔ بخاری کی اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی چار رکعات کا ذکر آیا تو آپ نے ﴿اِنَّـا لِلّٰـهِ﴾ الخ، پڑھ کر فرمایا میں نے تو حضور ﷺ کے ساتھ بھی منیٰ میں دو رکعت پڑھی ہیں اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی اور عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے ساتھ بھی کاش کہ بجائے ان چار رکعات کے میرے حصے میں دو ہی مقبول رکعات آئیں[2] پس یہ حدیثیں کھلم کھلا دلیل ہیں اس بات کی کہ سفر کی دو رکعات کے لیے خوف کا ہونا شرط نہیں بلکہ نہایت امن واطمینان کے سفر میں بھی دوگانہ ادا کر سکتا ہے۔

اسی لیے بعض علماء کرام نے فرمایا ہے کہ یہاں کیفیت میں یعنی قرات، قومہ، رکوع، سجود وغیرہ میں قصر اور کمی مراد ہے نہ کہ کمیت میں یعنی تعداد رکعات میں تخفیف کرنا۔ ضحاک، مجاہد اور سدی رحمہم اللہ کا یہی قول ہے جیسے کہ آ رہا ہے، اس کی ایک دلیل امام مالک کی روایت کردہ یہ حدیث بھی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نماز دو دو رکعتیں ہی سفر حضر میں فرض کی گئی تھی پھر سفر میں تو وہی دو رکعتیں رہیں اور اقامت کی حالت میں دو اور بڑھا دی گئیں[3] پس علماء کی یہ جماعت کہتی ہے کہ اصل نماز دو رکعتیں تھیں تو پھر اس آیت میں قصر سے مراد کمیت یعنی رکعتوں کی تعداد میں کمی کیسے ہو سکتی ہے؟ اس قول کی بہت بڑی تائید صراحتاً اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند احمد میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے ہے کہ بزبان نبی ﷺ سفر کی دو رکعتیں ہیں اور ضحیٰ کی نماز بھی دو رکعت ہے اور عید الفطر کی نماز بھی دو رکعت ہے اور جمعہ کی نماز بھی دو رکعت ہے یہی پوری نماز ہے قصر والی نہیں[4] یہ حدیث نسائی، ابن ماجہ اور صحیح ابن حبان میں بھی ہے اس کی سند بہ شرط مسلم ہے۔ اس کے راوی ابن ابی لیلیٰ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت ہے جیسے کہ امام مسلم رحمہ اللہ نے اپنی صحیح کے مقدمہ میں لکھا ہے اور خود اس روایت میں اور اس کے علاوہ

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب تقصیر: باب الصلاۃ بمنی (١٠٨٣) صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین: باب قصر الصلاۃ بمنی (٦٩٦) ابوداؤد: کتاب المناسك: باب القصر لاهل مكة (١٩٦٥) مسند احمد (٣٠٦/٤)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری (١٠٨٤)، (١٦٥٧)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ: باب کیف فرضت الصلوت فی الاسراء (٣٥٠) صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین: باب صلاۃ المسافرین (٦٨٥) ابوداؤد: کتاب صلاۃ السفر: باب صلاۃ السفر (١١٩٨) نسائی: کتاب الصلاۃ: باب کیف فرضت الصلاۃ (٤٥٤)]

[4] [صحیح: ابن ماجہ: کتاب اقامۃ الصلاۃ: باب تقصیر الصلاۃ فی السفر (١٠٦٣) نسائی: کتاب الجمعۃ: باب عدد صلاۃ الجمعۃ (١٤٢١) مسند احمد (٣٧/١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجہ، صحیح ترمذی، ارواء الغلیل (٦٣٨)]

بھی صراحتاً موجود ہے اور یہی ٹھیک بھی ہے انشاء اللہ۔ گو بعض محدثین سننے پر فیصلہ دینے کے قائل نہیں' لیکن اسے مانتے ہوئے بھی اس سند میں کمی واقع نہیں ہوتی کیونکہ بعض طرق میں ابن ابی لیلیٰ کا ایک ثقہ سے اور ان کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے سننا مروی ہے' اور ابن ماجہ میں ان کا کعب بن عجرہ سے روایت کرنا بھی مروی ہے۔ فاللہ اعلم۔ مسلم وغیرہ میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی نماز کو اقامت کی حالت میں چار رکعت فرض کی ہے اور سفر میں دو رکعت اور خوف میں ایک رکعت [1] پس جیسے کہ قیام میں اس سے پہلے اور اس کے پیچھے نماز پڑھتے تھے یا پڑھی جاتی تھی اسی طرح سفر میں بھی اور اس روایت میں اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا والی روایت میں جو اوپر گذری کہ حضر میں اللہ تعالیٰ نے دو رکعتیں ہی فرض کی تھیں گویا کچھ منافات نہیں اس لیے کہ اصل دو ہی تھیں بعد میں دو اور بڑھا دی گئیں پھر حضر کی چار رکعت ہو گئیں تو اب کہہ سکتے ہیں کہ اقامت کی حالت میں فرض چار رکعتیں ہیں۔ جیسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کی اس روایت میں ہے واللہ اعلم۔ الغرض یہ دونوں روایتیں اسے ثابت کرتی ہیں کہ سفر میں دو رکعت نماز ہی پوری نماز ہے کم نہیں اور یہی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی ثابت ہو چکا ہے۔ مراد اس میں قصر کیت ہے جیسے کہ صلوٰۃ خوف میں ہے اسی لیے فرمایا ہے اگر تم ڈرو اس بات سے کہ کافر تمہیں فتنے میں ڈال دیں گے اور اس کے بعد فرمایا جب تو ان میں ہو اور نماز پڑھو تو بھی۔

پھر قصر کا مقصود صفت اور کیفیت بھی بیان فرما دی امام المحدثین حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب صلوٰۃ خوف کو اسی آیت ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ﴾ سے ﴿مُّهِيْنًا﴾ تک لکھ کر شروع کیا ہے۔

ضحاک رحمہ اللہ اس کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ یہ لڑائی کے وقت ہے انسان اپنی سواری پر نماز دو تکبیریں پڑھ لے اس کا منہ جس طرف بھی ہو اسی طرف صحیح ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سفر میں جب تو نے دو رکعت پڑھیں تو وہ قصر کی پوری مقدار ہے ہاں جب کافروں کی فتنہ انگیزی کا خوف ہو تو ایک ہی رکعت قصر ہے۔ اور یہ بجز ایسے خوف کے وقت کے حلال نہیں۔

مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت سے مراد وہ دن ہے جبکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مع اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے عسفان میں تھے اور مشرک ضجنان میں تھے ایک دوسرے سے برسرپیکار بالکل تیار ادھر ظہر کی نماز کا وقت آ گیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ حسب معمول چار رکعتیں پوری ادا کیں پھر مشرکین نے سامان واسباب کو لوٹ لینے کا ارادہ کیا' [2] ابن جریر اسے مجاہد اور سدی رحمہما اللہ اور جابر رضی اللہ عنہ اور ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں اور اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اسی کو کہتے ہیں کہ یہی ٹھیک ہے۔ حضرت خالد بن اسید' حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے کہتے ہیں صلوٰۃ خوف کے قصر کا حکم تو ہم کتاب اللہ میں پاتے ہیں لیکن صلوٰۃ مسافر کے قصر کا حکم کتاب اللہ میں نہیں ملتا تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما جواب دیتے ہیں ہم نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو سفر میں نماز کو قصر کرتے ہوئے پایا اور ہم نے

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صلاة المسافرين : باب صلاة المسافرين (٦٨٧) ابو داؤد : كتاب صلاة السفر : باب من قال يصلي بكل طائفة ركعة (١٢٤٧) ابن ماجه (١٠٦٤)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (٥٨٩٥/٣)]

بھی اس پر عمل کیا۔ [1] خیال فرمائیے کہ اس میں قصر کا اطلاق صلوٰۃ خوف پر کیا اور آیت سے مراد صلوٰۃ خوف لی اور صلوٰۃ مسافر کو اس میں شامل نہیں کیا اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے بھی اس کا اقرار کیا۔ اس آیت سے مسافرت کی نماز کا قصر بیان نہیں فرمایا بلکہ اس کے لیے فعل رسول ﷺ کو سند بتایا۔ اس سے زیادہ صراحت والی روایت ابن جریر کی ہے کہ حضرت سماک آپ سے صلوٰۃ پوچھتے ہیں آپ فرماتے ہیں سفر کی نماز دو رکعت ہے اور یہی دو رکعت سفر کی پوری نماز ہے قصر نہیں، قصر تو صلوٰۃ خوف میں ہے کہ امام ایک جماعت کو ایک رکعت پڑھاتا ہے دوسری جماعت دشمن کے سامنے ہے پھر یہ چلے گئے وہ آ گئے ایک رکعت امام نے انہیں پڑھائی تو امام کی دو رکعت ہوئیں اور ان دونوں جماعتوں کی ایک ایک رکعت ہوئی۔ [2]

وَاِذَا كُنْتَ فِيْهِمْ فَاَقَمْتَ لَهُمُ الصَّلٰوةَ فَلْتَقُمْ طَآىِٕفَةٌ مِّنْهُمْ مَّعَكَ وَلْيَاْخُذُوْٓا اَسْلِحَتَهُمْ ۣ فَاِذَا سَجَدُوْا فَلْيَكُوْنُوْا مِنْ وَّرَآىِٕكُمْ ۠ وَلْتَاْتِ طَآىِٕفَةٌ اُخْرٰى لَمْ يُصَلُّوْا فَلْيُصَلُّوْا مَعَكَ وَلْيَاْخُذُوْا حِذْرَهُمْ وَاَسْلِحَتَهُمْ ۚ وَدَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ تَغْفُلُوْنَ عَنْ اَسْلِحَتِكُمْ وَاَمْتِعَتِكُمْ فَيَمِيْلُوْنَ عَلَيْكُمْ مَّيْلَةً وَّاحِدَةً ۭ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ كَانَ بِكُمْ اَذًى مِّنْ مَّطَرٍ اَوْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَنْ تَضَعُوْٓا اَسْلِحَتَكُمْ ۚ وَخُذُوْا حِذْرَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ اَعَدَّ لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ۝١٠٢

جب تو ان میں ہو اور انہیں نماز میں کھڑا کر لے تو چاہیے کہ ان کی ایک جماعت تو تیرے ساتھ اپنے ہتھیار لیے کھڑی ہو۔ پھر جب یہ سجدہ کر چکیں تو یہ تو ہٹ کر تمہارے پیچھے آ جائیں اور وہ دوسری جماعت جس نے نماز نہیں پڑھی وہ آ جائے اور تیرے ساتھ نماز ادا کرے اور اپنا بچاؤ اور اپنے ہتھیار لیے رہیں، کافر چاہتے ہیں کہ کسی طرح تم اپنے ہتھیاروں اور اپنے سامان سے بے خبر ہو جاؤ تو وہ تم پر اچانک دھاوا بول دیں، ہاں اپنے ہتھیار اتار رکھنے میں اس وقت تم پر کوئی گناہ نہیں جبکہ تمہیں تکلیف ہو بوجہ بارش کے یا بہ سبب بیمار ہو جانے کے، اپنے بچاؤ کی چیزیں ساتھ لیے رہو، اللہ تعالیٰ نے منکروں کے لیے ذلت کی مار تیار کر رکھی ہے ○

نماز خوف: نماز خوف کی کئی قسمیں مختلف صورتیں اور حالتیں ہیں، کبھی تو ایسا ہوتا ہے کہ دشمن قبلہ کی طرف کبھی دشمن دوسری جانب ہوتا ہے، نماز بھی کبھی چار رکعت ہوتی ہے کبھی تین رکعت جیسے مغرب اور فجر کی دو، صلوٰۃ سفر کبھی جماعت سے ادا کرنی ممکن ہوتی ہے کبھی لشکر اس طرح باہم گتھے ہوئے ہوتے ہیں کہ نماز باجماعت ممکن ہی نہیں ہوتی بلکہ الگ الگ قبلہ کی طرف اور غیر قبلہ کی طرف پیدل اور سوار جس طرح ممکن ہو پڑھی جاتی ہے بلکہ ایسا بھی ہوتا ہے جو جائز بھی ہے کہ دشمنوں کے حملوں سے بچتے بھی جائیں ان پر برابر حملے بھی کرتے جائیں اور نماز بھی ادا

---

[1] **[صحیح:** ابن ماجہ : کتاب اقامة الصلاة : باب تقصیر الصلاة فی السفر (١٠٦٦) تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٣٢٣) مسند احمد (٢/٩٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجہ]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٣٣٢)]

کرتے جائیں' ایسی حالت میں صرف ایک رکعت ہی نماز پڑھی جاتی ہے' جس کے جواز میں علماء کا فتویٰ ہے اور دلیل حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی حدیث ہے جو اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکی ہے۔ عطاء' جابر' حسن' مجاہد' حکم' قتادہ' حماد' طاؤس' ضحاک' محمد بن نصر مروزی' ابن حزم رحمہ اللہ کا یہی فتویٰ ہے' صبح کی نماز میں ایک ہی رکعت اس حالت میں رہ جاتی ہے' اسحٰق راہویہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایسی دوڑ دھوپ کے وقت ایک ہی رکعت کافی ہے۔ ارشاد ہے ادا کر لے اگر اس قدر پر بھی قادر نہ ہو تو سجدہ کر لے یہ بھی ذکر اللہ ہے' اور لوگ کہتے ہیں صرف ایک تکبیر ہی کافی ہے لیکن یہ ہو سکتا ہے کہ ایک سجدہ اور ایک تکبیر سے مراد بھی ایک رکعت ہو۔ جیسے کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ اور ان کے اصحاب کا فتویٰ ہے اور یہی قول ہے جابر بن عبداللہ' عبداللہ بن عمر کعب وغیرہ صحابہ رضی اللہ عنہم کا۔

سدی رحمہ اللہ بھی فرماتے ہیں لیکن جن لوگوں کا قول صرف ایک تکبیر کا ہی بیان ہوا ہے اس کا بیان کرنے والے اسے پوری رکعت پر محمول نہیں کرتے بلکہ صرف تکبیر ہی جو ظاہر ہے مراد لیتے ہیں جیسے کہ اسحٰق بن راہویہ کا مذہب ہے' امیر عبدالوہاب بن بخت ملی بھی اسی طرف گئے ہیں وہ یہاں تک کہتے ہیں کہ اگر اس پر بھی قدرت نہ ہو تو اسے اپنے نفس میں بھی نہ چھوڑے یعنی نیت کر لے واللہ اعلم۔ (لیکن صرف نیت کے کر لینے یا صرف اللہ اکبر کہہ لینے پر اکتفا کرنے یا صرف ایک ہی سجدہ کر لینے کی کوئی دلیل قرآن وحدیث سے نظر سے نہیں گذری۔ واللہ اعلم۔ مترجم)

بعض علماء نے ایسے خاص اوقات میں نماز کو تاخیر کر کے پڑھنے کی رخصت بھی دی ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ خندق میں سورج ڈوب جانے کے بعد ظہر عصر کی نماز پڑھی تھی پھر مغرب عشاء'[1] پھر اس کے بعد بنو قریظہ کی جنگ کے دن ان کی طرف جنہیں بھیجا تھا انہیں تاکید کر دی تھی کہ تم میں سے کوئی بھی بنو قریظہ تک پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھے یہ جماعت ابھی راستے میں ہی تھی تو عصر کا وقت آ گیا بعض نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد اس فرمان سے صرف یہی تھا کہ ہم جلدی بنو قریظہ پہنچیں نہ یہ کہ نماز کا وقت ہو جائے تو بھی نماز نہ پڑھیں چنانچہ ان لوگوں نے تو راستے میں ہی بروقت نماز ادا کر لی اوروں نے بنو قریظہ پہنچ کر نماز پڑھی جبکہ سورج غروب ہو چکا تھا۔ جب اس بات کا ذکر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہوا تو آپ نے دونوں جماعتوں میں سے کسی ایک کو بھی ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی[2] ہم نے اس پر تفصیلی بحث اپنی کتاب السیرۃ میں کی ہے اور اسے ثابت کیا ہے کہ صحیح بات کے قریب وہ جماعت تھی جنہوں نے وقت پر نماز ادا کر لی گو دوسری جماعت بھی معذور تھی' مقصود یہ ہے کہ اس جماعت نے جہاد کے موقعہ پر دشمنوں پر تاخت کرتے ہوئے ان کے قلعے کی طرف یورش جاری رکھتے ہوئے نماز کو موخر کر دیا' دشمنوں کا یہ گروہ ملعون یہودیوں کا تھا جنہوں نے عہد توڑ دیا تھا اور صلح کے خلاف کیا تھا۔ لیکن جمہور کہتے ہیں صلوٰۃ خوف کے نازل ہونے سے یہ سب منسوخ ہو گیا یہ واقعات اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کے ہیں

[1] [حسن : ترمذی : کتاب الصلاۃ : باب ماجآء فی الرجل (۱۷۹) نسائی : کتاب المواقیت : باب کیف یقضی الفائت من الصلاۃ (۶۲۳)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ترمذی ، ارواء الغلیل (۲۵۷/۱)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب مرجع النبی من الاحزاب (۴۱۱۹) صحیح مسلم : کتاب الجهاد : باب المبادرۃ بالغزو (۱۷۷۰)]

صلوٰۃ خوف کے حکم کے بعد اب جہاد کے وقت نماز کو وقت سے ٹالنا جائز نہیں رہا' ابو سعید رضی اللہ عنہ کی روایت سے بھی یہی ظاہر ہے جسے شافعی رحمہ اللہ نے مروی کیا ہے' لیکن صحیح بخاری کے باب ((اَلصَّلٰوۃُ عِنْدَ مُنَاهَضَةِ الْحُصُوْنِ)) الخ' میں ہے کہ اوزاعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر فتح کی تیاری ہو اور نماز با جماعت کا امکان نہ ہو تو ہر شخص الگ الگ اپنی اپنی نماز اشارے سے ادا کر لے اگر یہ بھی نہ ہو سکتا ہو تو نماز میں تاخیر کر لیں یہاں تک کہ جنگ ختم ہو یا امن ہو جائے اس وقت دو رکعتیں پڑھ لیں اور اگر امن نہ ملے تو ایک رکعت ادا کر لیں صرف تکبیر کا کہہ لینا کافی نہیں۔ ایسا ہو تو نماز کو دیر کر کے پڑھیں جبکہ اطمینان نصیب ہو جائے حضرت مکحول رحمہ اللہ کا فرمان بھی یہی ہے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تستر کے قلعہ کے محاصرے میں میں موجود تھا صبح صادق کے وقت دست بدست جنگ شروع ہوئی اور سخت گھمسان کا رن پڑا ہم لوگ نماز نہ پڑھ سکے اور برابر جہاد میں مشغول رہے جب اللہ تعالیٰ نے ہمیں قلعہ پر قابض کر دیا اس وقت ہم نے دن چڑھے نماز پڑھی اس جنگ میں ہمارے امام حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ تھے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس نماز کے متبادل ساری دنیا کی تمام چیزیں بھی مجھے خوش نہیں کر سکتیں۔

امام بخاری رحمہ اللہ اس کے بعد جنگ خندق میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نمازوں کو تاخیر کرنے کا ذکر کرتے ہیں پھر بنو قریظہ والا واقعہ اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان کہ تم بنو قریظہ پہنچنے سے پہلے عصر کی نماز نہ پڑھنا وارد کرتے ہیں گویا امام ہمام حضرت امام بخاری رحمہ اللہ اسی سے اتفاق کرتے ہیں کہ ایسی اشد لڑائی اور پورے خطرے اور قرب فتح کے موقع پر اگر نماز موخر ہو جائے تو کوئی حرج نہیں۔

حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ والا فتح تستر کا واقعہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے زمانے کا ہے اور یہ منقول نہیں کہ خلیفۃ المسلمین نے یا کسی اور صحابی رضی اللہ عنہ نے اس پر اعتراض کیا ہو اور یہ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ خندق کے موقع پر بھی صلوٰۃ خوف کی آیتیں موجود تھیں اس لیے کہ یہ آیتیں غزوہ ذات الرقاع میں نازل ہوئی ہیں اور یہ غزوہ غزوہ خندق سے پہلے کا ہے اور اس پر جمہور علماء سیر و مغازی کا اتفاق ہے' محمد بن اسحٰق' موسیٰ بن عقبہ واقدی' محمد بن سعد کاتب واقدی' اور خلیفہ بن خیاط وغیرہ بھی اسی کے قائل ہیں' ہاں امام بخاری رحمہ اللہ وغیرہ کا قول ہے کہ غزوہ ذات الرقاع خندق کے بعد ہوا تھا بہ سبب بحوالہ حدیث ابو موسیٰ کے اور یہ خود خیبر میں ہی آئے تھے واللہ اعلم' لیکن سب سے زیادہ تعجب تو اس امر پر ہے کہ قاضی ابو یوسف مزنی ابراہیم بن اسماعیل بن علیہ کہتے ہیں کہ صلوٰۃ خوف منسوخ ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے غزوہ خندق میں دیر کر کے نماز پڑھنے سے۔ یہ قول بالکل ہی غریب ہے اس لیے کہ غزوہ خندق کے بعد کی صلوٰۃ خوف کی حدیثیں ثابت ہیں' اس دن کی نماز کی تاخیر کو مکحول اور اوزاعی رحمہما اللہ کے قول پر ہی محمول کرنا زیادہ قوی اور زیادہ درست ہے یعنی ان کا وہ قول جو بحوالہ بخاری بیان ہوا کہ قرب فتح اور عدم امکان صلوٰۃ خوف کے باوجود تاخیر جائز ہے واللہ اعلم۔ آیت میں حکم ہوتا ہے کہ جب تو انہیں با جماعت نماز پڑھائے۔ یہ حالت پہلی حالت کے سوا ہے اس وقت یعنی انتہائی خوف کے وقت تو ایک ہی رکعت جائز ہے اور وہ بھی الگ' الگ' پیدل' سوار قبلہ کی طرف منہ کر کے یا نہ کر کے' جس طرح ممکن ہو' جیسے کہ حدیث گذر چکی ہے۔ یہ امامت اور جماعت کا حال

بیان ہو رہا ہے جماعت کے واجب ہونے پر یہ آیت بہترین اور مضبوط دلیل ہے کہ جماعت کی وجہ سے بہت کمی کر دی گئی۔ اگر جماعت واجب نہ ہوتی تو صرف ایک رکعت جائز نہ کی جاتی۔ بعض نے اس سے ایک اور استدلال بھی کیا ہے وہ کہتے ہیں کہ اس میں چونکہ یہ لفظ ہیں کہ جب تو ان میں ہو اور یہ خطاب نبی کریم علیہ افضل الصلوۃ والتسلیم سے ہے تو معلوم ہوا کہ صلوٰۃ خوف کا حکم آپ کے بعد منسوخ ہے' یہ استدلال بالکل ضعیف ہے۔

یہ استدلال تو ایسا ہی ہے جیسا استدلال ان لوگوں کا تھا جو زکوٰۃ خلفائے راشدین سے روک بیٹھے تھے اور کہتے تھے کہ قرآن میں ہے ﴿خُذْ مِنْ اَمْوَالِهِمْ صَدَقَةً﴾ [1] الخ' یعنی تو ان کے مالوں سے زکوٰۃ لے جس سے تو انہیں پاک صاف کرے اور تو ان کے لیے رحمت کی دعا کر تیری دعا ان کے لیے باعث تسکین ہے۔ تو ہم آپ کے بعد کسی کو زکوٰۃ نہ دیں گے بلکہ ہم آپ اپنے ہاتھ سے خود جسے چاہیں دیں گے اور صرف اسی کو دیں گے جس کی دعا ہمارے لیے سبب سکون بنے۔ لیکن یہ استدلال ان کا بے معنی تھا اسی لیے صحابہ رضی اللہ عنہم نے اسے رد کر دیا اور انہیں مجبور کیا کہ یہ زکوۃ ادا کریں بلکہ ان میں سے جن لوگوں نے اسے روک لیا تھا ان سے جنگ کی۔

آیئے ہم آیت کی صفت بیان کرنے سے پہلے اس کا شان نزول بیان کر دیں ابن جریر میں ہے کہ بنو نجار کی ایک قوم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ ہم برابر ادھر ادھر آمد و رفت کیا کرتے ہیں' ہم نماز کس طرح پڑھیں تو اللہ عزوجل نے اپنا یہ قول نازل فرمایا ﴿وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ﴾ [2] اس کے بعد سال بھر تک کوئی حکم نہ آیا پھر جبکہ آپ ایک غزوے میں ظہر کی نماز کے لیے کھڑے ہوئے تو مشرکین کہنے لگے افسوس کیا ہی اچھا موقعہ ہاتھ سے جاتا رہا کاش کہ نماز کی حالت میں ہم یکبارگی ان پر حملہ کر دیتے' اس پر بعض مشرکین نے کہا یہ موقعہ تو تمہیں پھر بھی ملے گا اس کے تھوڑی دیر بعد ہی یہ دوسری نماز (یعنی نماز عصر) کے لیے کھڑے ہوں گے' لیکن اللہ تعالیٰ نے عصر کی نماز سے پہلے اور ظہر کی نماز کے بعد ﴿اِنْ خِفْتُمْ﴾ والی پوری دو آیتوں تک نازل فرما دیں اور کافر نا کام رہے خود اللہ تعالیٰ وقدوس نے صلوٰۃ خوف کی تعلیم دی۔ [3] گو یہ سیاق نہایت ہی غریب ہے لیکن اسے مضبوط کرنے والی اور روایتیں بھی ہیں۔

حضرت ابو عیاش زرقی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں عسفان میں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے خالد بن ولید اس وقت اسلام نہیں لائے تھے اور مشرکین کے لشکر کے سردار تھے یہ لوگ ہمارے سامنے پڑاؤ ڈالے تھے تب ہم نے قبلہ رخ ظہر کی نماز جب ہم نے ادا کی تو مشرکوں کے منہ میں پانی بھر آیا اور وہ کہنے لگے افسوس ہم نے موقعہ ہاتھ سے کھو دیا وقت تھا کہ یہ نماز میں مشغول تھے ادھر ہم ان پر دفعتاً دھاوا بول دیتے پھر ان میں کے بعض جاننے والوں نے کہا خیر کوئی بات نہیں اس کے بعد ان کی ایک اور نماز کا وقت آ رہا ہے اور وہ نماز تو انہیں اپنے بال بچوں سے بلکہ اپنی

---

[1] [سورۃ التوبۃ : آیت ۱۰۳]
[2] [سورۃ النسآء: آیت ۱۰۱]
[3] [**ضعیف** : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰۳۱۹) الدر المنثور للسیوطی (۹۲۷۳/۲)] اس کی سند میں عبداللہ بن ہاشم راوی مجہول ہے۔]

جانوں سے بھی زیادہ عزیز ہے اس وقت سہی۔ پس ظہر عصر کے درمیان اللہ عزوجل نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کو نازل فرمایا اور آیت ﴿اِذْ كُنْتَ فِيهِمْ﴾ اتاری چنانچہ عصر کی نماز کے وقت ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا ہم نے ہتھیار سجا لیے اور اپنی دو صفیں کر کے حضور ﷺ کے پیچھے کھڑے ہو گئے قیام میں رکوع میں قومہ میں سب کے سب ساتھ رہے جب آپ سجدے میں گئے تو دو صفوں میں سے پہلی صف آپ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف کھڑی کی کھڑی ان کی نگہبانی کرتی رہی جب سجدوں سے فارغ ہو کر یہ لوگ کھڑے ہو گئے تو اب دوسری صف والے سجدے میں گئے جب یہ دونوں سجدے کر چکے تو اب پہلی صف والے دوسری صف کی جگہ چلے گئے اور دوسری صف والے پہلی صف والوں کی جگہ آ گئے' پھر قیام رکوع اور قومہ سب نے حضور ﷺ کے ساتھ ہی ساتھ ادا کیا اور جب آپ سجدے میں گئے تو صف اول آپ کے ساتھ سجدے میں گئی اور دوسری صف والے کھڑے ہوئے پہرہ دیتے رہے جب یہ سجدوں سے فارغ ہو گئے اور التحیات میں بیٹھے تب دوسری صف کے لوگوں نے سجدے کئے اور التحیات میں سب کے سب ساتھ مل گئے اور سلام بھی حضور ﷺ کے ساتھ سب نے ایک ساتھ پھیرا۔ صلوٰۃ خوف ایک بار تو آپ نے یہاں عسفان میں پڑھی اور دوسری مرتبہ بنو سلیم کی زمین میں۔ یہ حدیث مسند احمد ابوداؤد اور نسائی میں بھی ہے [1] اس کی اسناد صحیح ہے اور شاہد بھی بکثرت ہیں۔ بخاری میں بھی یہ روایت اختصار کے ساتھ ہے اور اس میں ہے باوجودیکہ سب لوگ نماز میں تھے لیکن ایک دوسرے کی چوکیداری کر رہے تھے۔ [2] ابن جریر میں ہے کہ سلیمان بن قیس یشکری رضی اللہ عنہ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے پوچھا نماز کے قصر کرنے کا حکم کب نازل ہوا؟ تو آپ نے فرمایا قریشیوں کا ایک قافلہ شام سے آ رہا تھا ہم اس کی طرف چلے۔ وادی نخل میں پہنچے تو ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور کہنے لگا کیا آپ مجھ سے ڈرتے نہیں؟ آپ نے فرمایا نہیں اس نے کہا آپ کو مجھ سے اس وقت کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ مجھے تجھ سے بچا لے گا پھر تلوار کھینچ لی اور ڈرایا دھمکایا' پھر کوچ کی منادی ہوئی اور آپ ہتھیار سجا کر چلے۔ پھر اذان ہوئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم دو حصوں میں تقسیم ہو گئے ایک حصہ آپ کے ساتھ نماز ادا کر رہا تھا اور دوسرا حصہ پہرہ دے رہا تھا جو آپ کے متصل تھے وہ دو رکعت آپ کے ساتھ پڑھ کر پیچھے والوں کی جگہ چلے گئے اور پیچھے والے اب آگے بڑھ آئے اور ان اگلوں کی جگہ کھڑے ہو گئے انہیں بھی حضور ﷺ نے دو رکعت پڑھا دیں پھر سلام پھیر دیا پس حضور ﷺ کی چار رکعت ہوئیں اور سب کی دو دو ہوئیں اور اللہ تعالیٰ نے نماز کی کمی کا اور ہتھیار لیے رہنے کا حکم نازل فرمایا۔ [3] مسند احمد میں ہے کہ جو شخص تلوار تانے رسول

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٤/٥٩) ابوداؤد: كتاب صلاة السفر: باب صلاة الخوف (١٢٣٦) نسائی: كتاب صلاة الخوف (١٥٥١) شرح معانی الآثار (٣١٨/١)] امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے، امام بیہقیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔ [الاصابة (١٤٣/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: كتاب صلاة الخوف: باب يحرس بعضهم بعضا (٩٤٤)]

[3] [تفسير ابن جرير الطبری (١٠٣٣٠)]

اللہ ﷺ پر حملہ آور ہوا تھا یہ دشمن کے قبیلے میں سے تھا اس کا نام غورث بن حارث تھا جب آپ نے اللہ کا نام لیا تو اسکے ہاتھ سے تلوار چھوٹ گئی آپ نے تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اس سے کہا اب تو بتا کہ تجھے کون بچائے گا تو وہ معافی مانگنے لگا کہ مجھ پر آپ رحم کیجیے آپ نے فرمایا کیا تو اللہ کے ایک ہونے کی اور میرے رسول ہونے کی شہادت دیتا ہے؟ اس نے کہا یہ تو نہیں ہاں میں اقرار کرتا ہوں کہ آپ سے لڑوں گا نہیں اور ان لوگوں کا ساتھ نہ دوں گا جو آپ سے برسرِ پیکار ہوں آپ نے اسے معافی دے دی۔ جب یہ اپنے والوں میں آیا تو کہنے لگا روئے زمین پر حضور ﷺ سے بہتر کوئی شخص نہیں۔ [1] اور روایت میں ہے کہ یزید فقیر نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ سفر میں جو دو رکعت ہیں کیا یہ قصر کہلاتی ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ پوری نماز ہے قصر تو بوقت جہاد ایک رکعت ہے پھر صلوٰۃ خوف کا اسی طرح ذکر کیا اس میں یہ بھی ہے کہ آپ کے سلام کے ساتھ آپ کے پیچھے والوں نے اور ان لوگوں نے سلام پھیرا اور اس میں دونوں حصہ فوج کے ساتھ ایک ایک رکعت پڑھنے کا بیان ہے پس سب کی ایک ایک رکعت ہوئی اور حضور ﷺ کی دو رکعتیں۔ [2]

اور روایت میں ہے کہ ایک جماعت آپ کے پیچھے صف بستہ نماز میں تھی اور ایک جماعت دشمن کے مقابل تھی پھر ایک رکعت کے بعد آپ کے پیچھے والے اگلوں کی جگہ آ گئے اور یہ پیچھے آ گئے۔ یہ حدیث بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں کے ساتھ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے۔ [3] ایک اور حدیث جو بہ روایت سالم عن ابیہ مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ پھر کھڑے ہو کر صحابہ رضی اللہ عنہم نے ایک ایک رکعت اپنی اپنی ادا کر لی۔ [4] اس حدیث کی بھی بہت سی سندیں اور بہت سے الفاظ ہیں حافظ ابوبکر بن مردویہ نے ان سب کو جمع کر دیا' اور اسی طرح ابن جریر نے بھی' ہم اسے کتاب احکام کبیر میں لکھنا چاہتے ہیں ان شاء اللہ۔ خوف کی نماز میں ہتھیار لیے رہنے کا حکم بعض کے نزدیک تو بطور وجوب کے ہے کیونکہ آیت کے ظاہری الفاظ ہیں امام شافعی رحمہ اللہ کا بھی یہی قول ہے اور اسی کی تائید اس آیت کے پچھلے فقرے سے بھی ہوتی ہے کہ بارش یا بیماری کی وجہ سے ہتھیار اتار رکھنے میں تم پر گناہ نہیں اپنا بچاؤ ساتھ لیے رہو یعنی ایسے تیار رہو کہ وقت آتے ہی بے تکلف و بے تکلیف ہتھیار سے آراستہ ہو جاؤ۔ اللہ نے کافروں کے لیے اہانت والا عذاب تیار کر رکھا ہے۔

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۳/ ۳۹۰) مسند ابویعلی (۱۷۷۸) شرح معانی الآثار (۱۰۹۶)] شیخ شعیب ارناؤط اس حدیث کو صحیح کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (۱۵۱۹۰)]

[2] [حسن : تفسیر ابن ابی حاتم (۵۸۹۸/٤) نسائی (۱۵٤) طحاوی (۱/ ۳۱۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

[3] [صحیح : مسند احمد (۲۹۸/۳) ابن ابی شیبہ (٤٦٢/٢) صحیح ابن حبان (۲۸٦۹)] شیخ شعیب ارناؤط اس کی سند کو شیخین کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (۱٤۱۸۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوة ذات الرقاع (٤١٣٣) صحیح مسلم : کتاب صلاة المسافرين : باب صلاة الخوف (۸۳۹) ترمذی : کتاب الصلاة (٥٦٤) نسائی : کتاب صلاة الخوف (۱۵۳۹) ابوداؤد : کتاب صلاة السفر (۱۲٤۳) مسند احمد (۱٤۷/۲)]

فَإِذَا قَضَيْتُمُ الصَّلٰوةَ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ قِيٰمًا وَّ قُعُوْدًا وَّ عَلٰى جُنُوْبِكُمْ ۚ فَإِذَا اطْمَأْنَنْتُمْ فَأَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ۚ إِنَّ الصَّلٰوةَ كَانَتْ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ كِتٰبًا مَّوْقُوْتًا ﴿۱۰۳﴾ وَلَا تَهِنُوْا فِي ابْتِغَاءِ الْقَوْمِ ۖ إِنْ تَكُوْنُوْا تَأْلَمُوْنَ فَإِنَّهُمْ يَأْلَمُوْنَ كَمَا تَأْلَمُوْنَ ۚ وَتَرْجُوْنَ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا يَرْجُوْنَ ۗ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۰۴﴾

ع ۱۵ / ۱۲

پھر جب تم نماز ادا کر چکو تو اٹھتے بیٹھتے اور لیٹتے اللہ کا ذکر کرتے رہو اور جب اطمینان پاؤ تو نماز قائم کرو یقیناً نماز تو مومنوں پر مقررہ وقتوں پر فرض ہے ○ ان لوگوں کا پیچھا کرنے سے ہارے دل ہو کر بیٹھ نہ رہو اگر تمہیں بے آرامی ہوتی ہے تو انہیں بھی تو تمہاری طرح بے آرامی ہوتی ہے اور تم اللہ سے وہ آرزوئیں رکھتے ہو جو آرزوئیں انہیں نہیں، اللہ تعالیٰ دانا اور حکیم ہے ○

نماز خوف کے بعد ذکر: جناب باری عزاسمہ اس آیت میں حکم دیتا ہے کہ نماز خوف کے بعد اللہ کا ذکر بکثرت کیا کرو، گو ذکر اللہ کا حکم اور اس کی ترغیب و تاکید اور نمازوں کے بعد بلکہ ہر وقت ہی ہے، لیکن یہاں خصوصیت سے اس لیے بیان فرمایا ہے کہ یہاں بہت بڑی رخصت عنایت فرمائی ہے نماز میں تخفیف کر دی، پھر حالت نماز میں ادھر ادھر ہٹنا جانا اور آنا مصلحت کے مطابق جائز رکھا، جیسے حرمت والے مہینوں کے متعلق فرمایا ان میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو، جب کہ اور اوقات میں بھی ظلم ممنوع ہے لیکن ان پاک مہینوں میں اس سے بچاؤ کی مزید تاکید کی، تو فرمان ہوتا ہے کہ اپنی ہر حالت میں اللہ عزوجل کا ذکر کرتے رہو، اور جب اطمینان حاصل ہو جائے ڈر خوف نہ رہے تو باقاعدہ خشوع و خضوع سے ارکان نماز کو پابندی کے مطابق بجالاؤ، نماز پڑھنا وقت مقررہ پر منجانب اللہ فرض عین ہے، جس طرح حج کا وقت معین ہے اسی طرح نماز کا وقت بھی مقرر ہے، ایک وقت کے بعد دوسرا پھر دوسرے کے بعد تیسرا۔

پھر فرماتا ہے دشمنوں کی تلاش میں کم ہمتی نہ کرو چستی اور چالاکی سے گھات کی جگہ بیٹھ کر ان کی خبر لو، اگر قتل و زخم و نقصان تمہیں پہنچتا ہے تو کیا انہیں نہیں پہنچتا؟ اسی مضمون کو ان الفاظ میں بھی ادا کیا گیا ہے ﴿إِنْ يَّمْسَسْكُمْ قَرْحٌ﴾ [1] الخ، پس مصیبت اور تکلیف کے پہنچنے میں تم اور وہ برابر ہیں، لیکن بہت بڑا فرق یہ ہے کہ تمہیں ذات عزاسمہ سے وہ امیدیں اور وہ آسرے ہیں جو انہیں نہیں، تمہیں اجر و ثواب بھی ملے گا تمہاری نصرت و تائید بھی ہو گی، جیسے کہ خود باری تعالیٰ نے خبر دی ہے اور وعدہ کیا ہے، نہ اس کی خبر جھوٹی نہ اس کے وعدے ٹلنے والے، پس تمہیں بہ نسبت ان کے بہت تگ و دو چاہیے تمہارے دلوں میں جہاد کا ولولہ ہونا چاہیے، تمہیں اس کی رغبت کامل ہونی چاہیے، تمہارے دلوں میں اللہ کے کلمے کو مستحکم کرنے، توانا کرنے، پھیلانے اور بلند کرنے کی تڑپ ہر وقت موجود رہنی چاہیے اللہ تعالیٰ جو کچھ مقرر کرتا ہے، جو فیصلہ کرتا ہے، جو جاری کرتا ہے، جو شرع مقرر کرتا ہے، جو کام کرتا ہے سب میں پوری خبر کا مالک صحیح اور سچے علم والا ساتھ ہی حکمت والا بھی ہے، ہر حال میں ہر وقت سزاوار تعریف و حمد وہی ہے۔

---

[1] [سورۃ ال عمران : آیت ۱۴۰]

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ الْكِتَٰبَ بِالْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ بِمَآ أَرَٰىكَ اللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾ وَّاسْتَغْفِرِ اللَّهَ ۖ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَّحِيمًا ﴿١٠٦﴾ وَلَا تُجَٰدِلْ عَنِ الَّذِينَ يَخْتَانُونَ أَنفُسَهُمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ لَا يُحِبُّ مَن كَانَ خَوَّانًا أَثِيمًا ﴿١٠٧﴾ يَسْتَخْفُونَ مِنَ النَّاسِ وَلَا يَسْتَخْفُونَ مِنَ اللَّهِ وَهُوَ مَعَهُمْ إِذْ يُبَيِّتُونَ مَا لَا يَرْضَىٰ مِنَ الْقَوْلِ ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا يَعْمَلُونَ مُحِيطًا ﴿١٠٨﴾ هَٰٓأَنتُمْ هَٰٓؤُلَآءِ جَٰدَلْتُمْ عَنْهُمْ فِي الْحَيَوٰةِ الدُّنْيَا فَمَن يُجَٰدِلُ اللَّهَ عَنْهُمْ يَوْمَ الْقِيَٰمَةِ أَم مَّن يَكُونُ عَلَيْهِمْ وَكِيلًا ﴿١٠٩﴾

یقیناً ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ اپنی کتاب نازل فرمائی ہے تاکہ تو لوگوں میں اس چیز کے ساتھ انصاف کرے جس سے اللہ نے تجھے شناسا کیا ہے' خیانت کرنے والوں کا حمایتی نہ بن ○ اللہ سے بخشش مانگتا رہ بیشک اللہ بخشش کرنے والا مہربانی کرنے والا ہے ○ اور ان کی طرف سے جھگڑا نہ کر جو خود اپنی ہی خیانت کرتے ہیں۔ دغاباز گنہگار اللہ کو اچھا نہیں لگتا ○ لوگوں سے تو چھپ جاتے ہیں (لیکن) اللہ سے نہیں چھپ سکتے' وہ راتوں کے وقت جبکہ اللہ کی ناپسندیدہ باتوں کے خفیہ مشورے کرتے ہیں اس وقت بھی اللہ ان کے پاس ہوتا ہے' ان کے تمام اعمال کو وہ گھیرے ہوئے ہے ○ خبردار تم ہو وہ لوگ کہ دنیا میں تم ان کی حمایت کرتے ہو لیکن اللہ کے سامنے قیامت کے دن ان کی حمایت کون کرے گا؟ وہ کون ہے جو ان کا وکیل بن کر کھڑا ہو سکے گا؟ ○

حقیقت نہیں چھپتی: اللہ تعالیٰ نبی اکرم ﷺ سے فرماتا ہے کہ یہ قرآن کریم جو آپ پر اللہ نے اتارا ہے وہ مکمل طور پر اور ابتداء تا انتہا حق ہے' اس کی خبریں بھی حق' اس کے فرمان بھی برحق۔ پھر فرماتا ہے تاکہ تم لوگوں کے درمیان وہ انصاف کرو جو اللہ تعالیٰ تمہیں سمجھائے' بعض علمائے اصول نے اس سے استدلال کیا ہے کہ نبی ﷺ کو اجتہاد سے حکم کرنے کا اختیار دیا گیا تھا' اس کی دلیل بخاری و مسلم کی حدیث بھی ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے دروازے پر دو جھگڑنے والوں کی آواز سنی تو آپ باہر آئے اور فرمانے لگے میں ایک انسان ہوں جو سنتا ہوں اس کے مطابق فیصلہ کرتا ہوں بہت ممکن ہے کہ ایک شخص زیادہ حجت باز اور چرب زبان ہو اور میں اس کی باتوں کو صحیح جان کر اس کے حق میں فیصلہ دے دوں اور جس کے حق میں فیصلہ کر دوں فی الواقع وہ حقدار نہ ہو تو وہ سمجھ لے کہ وہ اس کے لیے جہنم کا ٹکڑا ہے اب اسے اختیار ہے کہ لے لے یا چھوڑ دے۔ [1] مسند احمد میں ہے کہ دو انصاری ایک ورثے کے بارے میں حضور ﷺ کے پاس اپنا قضیہ لائے واقعہ کو زمانہ گذر چکا تھا دونوں کے پاس گواہ کوئی نہ تھا تو

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الشهادات (۲۶۸۰) و کتاب الاحکام (۷۱۸۱) صحیح مسلم: کتاب الاقضية (۱۷۱۳) ابن ماجه: کتاب الاحکام (۲۳۱۷) ترمذی: کتاب الاحکام (۱۳۳۹) مسند احمد (۶/۲۰۳)]

اس وقت آپ نے وہی حدیث بیان فرمائی اور فرمایا کہ میرے فیصلے کی بنا پر اپنے بھائی کا حق نہ لے لے اگر ایسا کرے گا تو قیامت کے دن اپنی گردن میں جہنم کی آگ لٹکا کر آئے گا اب تو وہ دونوں بزرگ رونے لگے اور ہر ایک کہنے لگا میں اپنا حق بھی اپنے بھائی کو دے رہا ہوں' حضور ﷺ نے فرمایا اب تم جاؤ اپنے طور پر جہاں تک تم سے ہو سکے ٹھیک ٹھیک حصے تقسیم کرو پھر قرعہ ڈال کر حصہ لے لو اور ہر ایک دوسرے کو اپنا رہا سہا غلطی کا حق معاف کر دو۔ ابوداؤد میں بھی یہ حدیث ہے اور اس میں یہ الفاظ ہیں کہ میں تمہارے درمیان اپنی سمجھ سے ان امور میں فیصلہ کرتا ہوں جن میں کوئی وحی مجھ پر نازل شدہ نہیں ہوتی۔ [1]

ابن مردویہ میں ہے کہ انصار کا ایک گروہ ایک جہاد میں حضور ﷺ کے ساتھ تھا وہاں ایک شخص کی ایک چادر کسی نے چرا لی اور اس چوری کا گمان طعمہ بن ابیرق کی طرف تھا حضور ﷺ کی خدمت میں یہ قصہ پیش ہوا چور نے اس چادر کو ایک شخص کے گھر میں اس کی بے خبری میں ڈال دیا اور اپنے کنبہ قبیلے والوں سے کہا میں نے چادر فلاں کے گھر میں ڈال دی ہے تم رات کو حضور ﷺ کے پاس جاؤ اور آپ سے ذکر کرو کہ ہمارا ساتھی تو چور نہیں چور فلاں ہے اور ہم نے پتہ لگا لیا ہے کہ چادر بھی اس کے گھر میں موجود ہے اس طرح آپ ہمارے ساتھی کی تمام لوگوں کے روبرو بریت کر دیجئے اور اس کی حمایت کیجیے ورنہ ڈر ہے کہ کہیں وہ ہلاک نہ ہو جائے آپ نے ایسا ہی کیا اس پر یہ آیتیں اتریں اور جو لوگ اپنے جھوٹ کو پوشیدہ کر کے حضور ﷺ کے پاس آئے تھے ان کے بارے میں ﴿يَسْتَخْفُوْنَ﴾ سے دو آیتیں نازل ہوئیں۔

پھر اللہ عزوجل نے فرمایا جو برائی اور بدی کا کام کرے اس سے مراد بھی یہی لوگ ہیں اور چور کے اور اس کے حمایتوں کے بارے میں فرمان اترا کہ جو گناہ اور خطا کرے اور نا کردہ گناہ کے ذمہ الزام لگائے وہ بہتان باز اور کھلا گنہگار ہے' [2] لیکن یہ سیاق غریب ہے بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ یہ آیت بنو ابیرق کے چور کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔

یہ قصہ مطول ترمذی کتاب التفسیر میں بزبانی حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ اس طرح مروی ہے کہ ہماری گھرانے کے بنو ابیرق قبیلے کا ایک گھر تھا جس میں بشر' بشیر اور مبشر تھے' بشیر ایک منافق شخص تھا اشعار میں رسول اللہ ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ہجو کرتا پھر ان کو کسی اور کی طرف منسوب کر کے خوب مزے لے لے کر پڑھا کرتا تھا' اصحاب رسول ﷺ جانتے تھے کہ یہی خبیث ان اشعار کا کہنے والا ہے' یہ لوگ جاہلیت کے زمانے سے ہی فاقہ مست چلے آتے تھے مدینے کے لوگوں کا اکثر کھانا جو اور کھجوریں تھیں' ہاں تونگر لوگ شام کے آئے ہوئے قافلے والوں سے میدہ خرید لیتے جسے وہ خود اپنے لئے مخصوص کر لیتے' باقی گھر والے عموماً جو اور کھجوریں ہی کھاتے میرے چچا رفاعہ بن زید نے

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۳۰۸/۶) ابو داؤد : کتاب القضاۃ : باب فی قضاء القاضی اذا اخطاء (۳۵۸۳) مستدرک حاکم (۹۵/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود]

[2] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰٤۱۳/۹) تفسیر ابن ابی حاتم (۵۹۵۳/٤) الدر المنثور للسیوطی (۳۸٤/۲)] اس کی سند میں عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔]

بھی شام کے آئے ہوئے قافلے سے ایک بورا میدہ کا خریدا اور اپنے بالاخانے میں اسے محفوظ کر دیا جہاں ہتھیار زرہیں تلواریں وغیرہ بھی رکھی ہوئی تھیں رات کو چوروں نے نیچے سے نقب لگا کر اناج بھی نکال لیا اور ہتھیار بھی چرا لئے۔ صبح میرے چچا میرے پاس آئے اور سارا واقعہ بیان کیا' اب ہم تجسس کرنے لگے تو پتا چلا کہ آج رات کو بنو ابیرق کے گھر میں آگ جل رہی تھی اور کچھ کھا پکا رہے تھے غالباً وہ تمہارے ہاں سے چوری کر گئے ہیں' اس سے پہلے جب اپنے گھرانے والوں سے پوچھ گچھ کر رہے تھے تو اس قبیلے کے لوگوں نے ہم سے کہا تھا کہ تمہارا چور لبید بن سہل ہے ہم جانتے تھے کہ لبید رضی اللہ عنہ کا یہ کام نہیں وہ ایک دیانت دار سچا مسلمان تھا۔ حضرت لبید رضی اللہ عنہ کو جب یہ خبر ملی تو وہ آپے سے باہر ہو گئے تلوار تانے بنو ابیرق کے پاس آئے اور کہنے لگے یا تو تم میری چوری ثابت کرو ورنہ میں تمہیں قتل کر دوں گا ان لوگوں نے ان کی برات کی اور معافی چاہ لی وہ چلے گئے۔ ہم سب کے سب پوری تحقیقات کے بعد اس نتیجہ پر پہنچے کہ چوری بنو ابیرق نے کی ہے۔ میرے چچا نے مجھے کہا کہ تم جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر دو میں نے جا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے سارا واقعہ بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ آپ ہمارے ہتھیار دلوا دیجئے غلہ کی ضرورت نہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اطمینان دلایا کہ اچھا میں اس کی تحقیق کروں گا۔ جب یہ خبر بنو ابیرق کو ہوئی تو انہوں نے اپنا ایک آدمی آپ کے پاس بھیجا جن کا نام اسیر بن عمرو تھا انہوں نے آ کر کہا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تو ظلم ہو رہا ہے' بنو ابیرق تو صلاحیت اور اسلام والے لوگ ہیں انہیں قتادہ بن نعمان اور ان کے چچا چور کہتے ہیں اور بغیر کسی ثبوت اور دلیل کے چوری کا بدنما الزام ان پر رکھتے ہیں وغیرہ۔ پھر جب میں خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں پہنچا تو آپ نے مجھ سے فرمایا یہ تو تم بہت برا کرتے ہو کہ دیندار اور بھلے لوگوں کے ذمے چوری چپکاتے ہو جب کہ تمہارے پاس اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ میں چپ چاپ واپس چلا آیا اور دل میں سخت پشیمان ہوا اور پریشان تھا خیال آتا تھا کہ کاش کہ میں اس مال سے چپ چاپ دست بردار ہو جاتا اور آپ سے اس کا ذکر نہ ہی کرتا تو اچھا تھا۔ اتنے میں میرے چچا آئے اور مجھ سے پوچھا تم نے کیا کیا؟ میں نے سارا واقعہ ان سے بیان کیا جسے سن کر انہوں نے کہا ((وَاللّٰهُ الْمُسْتَعَانُ)) اللہ ہی سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ ان کا جانا تھا جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی میں یہ آیتیں اتریں پس ﴿ خَآئِنِيْنَ ﴾ سے مراد بنو ابیرق ہیں' آپ کو استغفار کا حکم ہوا یہی آپ نے حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ کو فرمایا تھا پھر ساتھ ہی فرمادیا گیا کہ اگر یہ لوگ استغفار کریں تو اللہ انہیں بخش دے گا۔ [1]

پھر فرمایا ناکردہ گناہ کے ذمہ اپنا گناہ تھوپنا بدترین جرم ہے۔ ﴿ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴾ تک۔ یعنی انہوں نے جو حضرت لبید رضی اللہ عنہ کی نسبت کہا کہ چور یہ ہیں جب یہ آیتیں اتریں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے بنو ابیرق سے ہمارے ہتھیار دلوائے میں نے انہیں لے کر اپنے چچا کے پاس آیا یہ بیچارے بوڑھے تھے آنکھوں سے بھی کم نظر آتا تھا مجھ سے فرمانے لگے بیٹا جاؤ یہ سب ہتھیار اللہ کے نام خیرات کر دو' میں آج تک اپنے چچا کی نسبت قدرے بدگمان تھا کہ یہ

---

[1] [حسن : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ النساء (٣٠٣٦) تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٤١١/٩) الدر المنثور للسیوطی (٣٨٢/٢)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ترمذی]

دل سے اسلام میں پورے طور پر داخل نہیں ہوئے لیکن اس واقعہ نے یہ بدگمانی میرے دل سے دور کر دی اور میں ان کے سچے اسلام کا قائل ہو گیا۔ بشیر یہ آیتیں سن کر مشرکین میں جا ملا اور سلافہ بنت سعد بن سمیہ کے ہاں جا کر اپنا قیام کیا' اس کے بارے میں اس کے بعد کی آیتیں ﴿وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ﴾ سے ﴿بَعِيْدًا﴾ تک نازل ہوئیں اور حضرت حسان رضی اللہ عنہ نے اس کے اس فعل کی مذمت اور اس کی ہجو اپنے شعروں میں کی' ان اشعار کو سن کر ایک عورت کو بڑی غیرت آئی اور بشیر کا سب اسباب اپنے سر پر رکھ کر ابطح میدان میں پھینک آئی اور کہا تو کوئی بھلائی لے کر میرے پاس نہیں آیا بلکہ حسان کی ہجو کے اشعار لے کر آیا ہے میں تجھے اپنے ہاں نہیں ٹھہراؤں گی'[1]

یہ روایت بہت سی کتابوں میں بہت سی سندوں سے مطول اور مختصر مروی ہے۔

ان منافقوں کی کم عقلی کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ جو اپنی سیاہ کاریوں کو لوگوں سے چھپاتے پھرتے ہیں بھلا ان سے کیا نتیجہ؟ اللہ تعالیٰ سے تو پوشیدہ نہیں رکھ سکتے' پھر انہیں خبردار کیا جا رہا ہے کہ تمہارے پوشیدہ راز بھی اللہ سے چھپ نہیں سکتے پھر فرماتا ہے مانا کہ دنیوی حاکموں کے ہاں جو ظاہر داری پر فیصلے کرتے ہیں تم نے غلبہ حاصل کر لیا۔ لیکن قیامت کے دن اللہ کے سامنے جو ظاہر و باطن کا عالم ہے تم کیا کر سکو گے؟ وہاں کسے وکیل بنا کر پیش کرو گے جو تمہارے جھوٹے دعوے کی تائید کرے' مطلب یہ ہے کہ اس دن تمہاری کچھ نہیں چلے گی۔

وَمَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا اَوْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ ثُمَّ يَسْتَغْفِرِ اللّٰهَ يَجِدِ اللّٰهَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۱۰﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ اِثْمًا فَاِنَّمَا يَكْسِبُهٗ عَلٰى نَفْسِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ﴿۱۱۱﴾ وَمَنْ يَّكْسِبْ خَطِيْۗئَةً اَوْ اِثْمًا ثُمَّ يَرْمِ بِهٖ بَرِيْۗئًا فَقَدِ احْتَمَلَ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ﴿۱۱۲﴾ ع وَلَوْلَا فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ وَرَحْمَتُهٗ لَهَمَّتْ طَّاۗىِٕفَةٌ مِّنْھُمْ اَنْ يُّضِلُّوْكَ ۭ وَمَا يُضِلُّوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَھُمْ وَمَا يَضُرُّوْنَكَ مِنْ شَيْءٍ ۭ وَاَنْزَلَ اللّٰهُ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُنْ تَعْلَمُ ۭ وَكَانَ فَضْلُ اللّٰهِ عَلَيْكَ عَظِيْمًا ﴿۱۱۳﴾

جو شخص کوئی برائی کرے یا اپنی جان پر ظلم کرے پھر اللہ سے استغفار کرے تو وہ اللہ کو بخشنے والا مہربانی کرنے والا پائے گا○ جو گناہ کرتا ہے اس کا بوجھ اسی پر ہے' اللہ بخوبی جاننے والا اور پوری حکمت والا ہے○ جو شخص کوئی خطا یا گناہ کر کے کسی ناکردہ گناہ کے ذمہ تھوپ دے اس نے بڑا بہتان اٹھایا اور کھلا گناہ کیا○ اگر اللہ تعالیٰ کا فضل و رحم تجھ پر نہ ہوتا تو ان کی ایک جماعت نے تجھے بہکانے کا قصد کر لیا تھا دراصل یہ اپنے آپ کو ہی گمراہ کرتے ہیں یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اللہ تعالیٰ نے تجھ پر کتاب و حکمت اتاری ہے اور تجھے وہ سکھایا ہے جسے تو نہیں جانتا تھا' اللہ تعالیٰ کا تجھ پر بڑا بھاری فضل ہے○

گناہگاروں کے لیے توبہ کا دروازہ: اللہ تعالیٰ اپنا کرم اور اپنی مہربانی کو بیان فرماتا ہے کہ جس گناہ سے جو کوئی توبہ کرے اللہ اس کی طرف مہربانی سے رجوع کرتا ہے' ہر وہ شخص جو رب کی طرف جھکے رب اپنی مہربانی سے اور اپنی وسعت رحمت سے اسے ڈھانپ لیتا ہے اور اس کے صغیرہ و کبیرہ گناہ کو بخش دیتا ہے' چاہے وہ گناہ آسمان و زمین

اور پہاڑوں سے بھی بڑے ہوں' بنو اسرائیل میں جب کوئی گناہ کرتا تو اس کے دروازے پر قدرتی حروف میں کفارہ لکھا ہوا نظر آ جاتا تھا جو اسے ادا کرنا پڑتا اور انہیں یہ بھی حکم تھا کہ ان کے کپڑے پر اگر پیشاب لگ جائے تو اتنا کپڑا کتروا ڈالیں اللہ نے اس امت پر آسانی کر دی پانی سے دھو لینا ہی کپڑے کی پاکی رکھی اور توبہ کر لینا ہی گناہ کی معافی' ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ عورت نے بدکاری کی پھر جب بچہ ہوا تو اسے مار ڈالا آپ نے فرمایا اس کی سزا جہنم ہے وہ روتی ہوئی واپس چلی تو آپ رضی اللہ عنہ نے اسے بلایا اور آیت ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ﴾ الخ' پڑھ کر سنائی تو نے اپنے آنسو پونچھ ڈالے اور واپس لوٹ گئی' حضور ﷺ فرماتے ہیں جس مسلمان سے کوئی گناہ سرزد ہو جائے پھر وہ وضو کر کے دو رکعت نماز ادا کر کے اللہ سے استغفار کرے تو اللہ اس کے اس گناہ کو بخش دیتا ہے پھر آپ نے یہ آیت اور آیت ﴿وَالَّذِيْنَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً﴾ [1] الخ' کی تلاوت کی۔ اس حدیث کا پورا بیان' ہم نے مسند ابوبکر رضی اللہ عنہ میں کر دیا ہے اور کچھ بیان سورہ آل عمران کی تفسیر میں بھی گذرا ہے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ کی عادت مبارک تھی کہ مجلس میں سے اٹھ کر اپنے کسی کام کے لیے کبھی جاتے اور واپس تشریف لانے کا ارادہ بھی ہوتا تو جوتی یا کپڑا کچھ نہ کچھ چھوڑ جاتے' ایک مرتبہ آپ اپنی جوتی چھوڑے ہوئے اٹھے ڈولچی پانی کی ساتھ لے کر چلے میں بھی آپ کے پیچھے ہو لیا آپ کچھ دور جا کر بغیر حاجت پوری کیے واپس آئے اور فرمانے لگے میرے پاس میرے رب کی طرف سے ایک آنے والا آیا اور مجھے یہ پیغام دے گیا' پھر آپ نے آیت ﴿وَمَنْ يَّعْمَلْ﴾ الخ' پڑھی اور فرمایا میں اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ خوشخبری سنانے کے لیے راستے میں سے ہی لوٹ آیا ہوں۔

اس سے پہلے چونکہ آیت ﴿مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ﴾ یعنی ہر برائی کرنے والے کو اس کی برائی کا بدلہ ملے گا اتر چکی تھی اس لیے صحابہ رضی اللہ عنہم بہت پریشان تھے' میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کسی نے زنا کیا ہو؟ چوری کی ہو؟ پھر وہ استغفار کرے تو اسے بھی اللہ بخش دے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں' میں نے دوبارہ پوچھا آپ نے کہا ہاں میں نے سہ بارہ دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ہاں گو ابودرداء کی ناک خاک آلود ہو۔ پس حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ جب یہ حدیث بیان کرتے اپنی ناک پر مار کر بتاتے۔ اس کی اسناد ضعیف ہیں اور یہ حدیث غریب ہے۔

پھر فرمایا گناہ کرنے والا اپنا ہی برا کرتا ہے جیسے اور جگہ ہے کوئی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا' ایک دوسرے کو نفع نہ پہنچا سکے گا' ہر شخص اپنے کرتوت کا ذمہ دار ہے' کوئی نہ ہو گا جو بوجھ اٹھائے' اللہ کا علم' اللہ کی حکمت اور الٰہی عدل ورحمت کے خلاف ہے کہ ایک گناہ کرے اور دوسرا پکڑا جائے۔ پھر فرماتا ہے جو خود برا کام کر کے کسی بے گناہ کے سر تھوپ دے جیسے بنو ابیرق نے لبید رضی اللہ عنہ کا نام لے دیا جو واقعہ تفصیل وار اس سے اگلی آیت کی تفسیر میں بیان ہو چکا ہے' یا مراد زید بن سمین یہودی ہے جیسے بعض اور مفسرین کا خیال ہے کہ اس چوری کی تہمت اس قبیلے نے اس بے گناہ شخص کے ذمہ لگائی تھی اور خود ہی خائن اور ظالم تھے' آیت گو شان نزول کے اعتبار سے خاص ہے لیکن حکم

---

[1] [سورۃ ال عمران : آیت ۱۳۵]

کے اعتبار سے عام ہے جو بھی ایسا کرے وہ اللہ کی سزا کا مستحق ہے۔ اس کے بعد کی آیت ﴿ولولا﴾ الخ' کا تعلق بھی اسی واقعہ سے ہے یعنی لبید بن عروہ اور ان کے ساتھیوں نے بنو ابیرق کے چوروں کی حضور ﷺ کے سامنے برات اور ان کی پاکدامنی کا اظہار کر کے حضور ﷺ کو اصلیت سے دور رکھنے کا سارا کام پورا کر لیا تھا' لیکن اللہ تعالیٰ نے جو آپ کی عصمت کا حقیقی نگہبان ہے آپ کو اس خطرناک موقعہ پر خائنوں کی طرف داری سے بچا لیا اور اصلی واقعہ صاف کر دیا۔ کتاب سے مراد قرآن اور حکمت سے مراد سنت ہے۔ نزول وحی سے پہلے آپ جو نہ جانتے تھے ان کا علم پروردگار نے آپ کو بذریعہ وحی کر دیا جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَكَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا﴾ [1] سے پوری سورت تک اور آیت میں ہے ﴿وَمَا كُنْتَ تَرْجُوْٓا اَنْ يُّلْقٰٓى اِلَيْكَ الْكِتٰبُ﴾ [2] الخ اسی لیے یہاں بھی فرمایا یہ سب باتیں اللہ کا فضل ہیں جو آپ کے شامل حال ہے۔

لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍۢ
بَيْنَ النَّاسِ ۭ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ ابْتِغَاۗءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ فَسَوْفَ نُؤْتِيْهِ اَجْرًا
عَظِيْمًا ﴿١١٤﴾ وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ
سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ۭ وَسَاۗءَتْ مَصِيْرًا ﴿١١٥﴾

ع ۱۷ / ۱۴

ان کے اکثر مصلحتی مشورے بے خیر ہیں۔ ہاں بھلائی اس کے مشورے میں ہے جو خیرات کا یا نیک بات کا یا لوگوں میں صلح کرانے کا حکم کرے' جو شخص صرف اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل کرنے کے ارادے سے یہ کام کرے اسے ہم یقیناً بہت بڑا ثواب دیں گے ○ جو شخص باوجود راہ ہدایت کی وضاحت ہو جانے کے بھی رسول (ﷺ) کا خلاف کرے اور تمام مومنوں کی راہ چھوڑ کر چلے ہم اسے ادھر ہی متوجہ کر دیں گے جدھر وہ خود متوجہ ہوا ہے اور اسے دوزخ میں ڈال دیں گے' وہ بہت بری جگہ ہے پہنچنے کی ○

پیغمبر اور مومنوں کے راستے کی مخالفت ہلاکت کا سبب: لوگوں کے اکثر کلام بے معنی ہوتے ہیں سوائے ان کے جن کی باتوں کا مقصد دوسروں کی بھلائی اور لوگوں میں میل ملاپ کرانا ہو' حضرت سفیان ثوری رحمہ اللہ کی عیادت کے لیے لوگ جاتے ہیں ان میں سعید بن حسان رحمہ اللہ بھی ہیں تو آپ فرماتے ہیں سعید رحمہ اللہ تم نے ام صالح کی روایت سے جو حدیث بیان کی تھی آج اسے پھر سناؤ' آپ سند بیان کر کے فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا انسان کی تمام باتیں قابل مواخذہ ہیں بجز اللہ کے ذکر اور اچھے کاموں کے بتانے اور برے کاموں سے روکنے کے' [3] حضرت سفیان نے کہا یہی مضمون اس آیت میں ہے' یہی مضمون آیت ﴿يَوْمَ يَقُوْمُ الرُّوْحُ﴾ [4] الخ'

---

[1] [سورۃ الشوری: آیت ٥٢] [2] [سورۃ القصص : آیت ٨٦]

[3] **[ضعیف :** مستدرك حاكم (٢/٥١٢) ترمذی : كتاب الذهد (٢٤١٢) ابن ماجه : كتاب الفتن (٣٩٧٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ترمذی ، التعليق الرغيب (٤/١٠)]

[4] [سورۃ نبا : آیت ٣٨]

میں ہے، یہی مضمون سورۂ ﴿وَالْعَصْرِ﴾ [1] میں ہے۔ مسند احمد میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ لوگوں کی آپس میں محبت بڑھانے اور صلح صفائی کے لیے جو بھی بات کہے ادھر سے ادھر کہے یا قسم اٹھائے وہ جھوٹوں میں داخل نہیں، حضرت ام کلثوم بنت عقبہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں میں نے آپ کو ادھر کی بات ادھر کہنے کی تین صورتوں میں اجازت دیتے ہوئے سنا ہے " جہاد کی ترغیب میں، لوگوں میں صلح کرانے اور میاں بیوی کو ملانے کی صورت میں "۔ یہ ہجرت کرنے والیوں اور بیعت کرنے والیوں میں سے ہیں۔ [2]

ایک اور حدیث میں ہے کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل بتاؤں؟ جو روزہ نماز اور صدقہ سے بھی افضل ہے لوگوں نے خواہش کی تو آپ نے فرمایا وہ آپس میں اصلاح کرانا ہے فرماتے ہیں اور آپس کا فساد نیکیوں کو ختم کر دیتا ہے (ابوداؤد وغیرہ) [3] بزار میں ہے حضور ﷺ نے حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ سے فرمایا آ میں تجھے ایک تجارت بتاؤں لوگ جب لڑ جھگڑ رہے ہوں تو ان میں مصالحت کرا دے جب ایک دوسرے سے رنجیدہ ہوں تو انہیں ملا دے۔ [4] اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ایسی بھلی باتیں رب کی رضامندی خلوص اور نیک نیتی سے جو کرے وہ اجر عظیم پائے گا۔

جو شخص غیر شرعی طریق پر چلے یعنی شرع ایک طرف ہو اور اس کی راہ ایک طرف ہو۔ فرمان رسول ﷺ کچھ ہو اور اس کا مقصد عمل اور ہو۔ حالانکہ اس پر حق واضح ہو چکا ہو دلیل دیکھ چکا ہو پھر بھی رسول ﷺ کی مخالفت کر کے مسلمانوں کی صاف راہ سے ہٹ جائے تو ہم بھی اسے ٹیڑھی اور بری راہ پر ہی لگا دیتے ہیں اسے وہی غلط راہ اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگتی ہے یہاں تک کہ بیچوں بیچ جہنم میں جا پہنچتا ہے۔ مومنوں کی راہ کے علاوہ راہ اختیار کرنا دراصل رسول اللہ ﷺ کی مخالفت اور دشمنی کے مترادف ہے جو کبھی تو شارع علیہ السلام کی صاف بات کے خلاف اور کبھی اس چیز کے خلاف ہوتا ہے جس پر ساری امت محمدیہ متفق ہے جس خطا سے انہیں اللہ نے بوجہ ان کی شرافت وکرامت کے محفوظ کر رکھا ہے۔ اس بارے میں بہت سی حدیثیں بھی ہیں اور ہم نے بھی احادیث اصول میں ان کا بڑا حصہ بیان کر دیا ہے، بعض علماء تو اس کے تواتر معنی کے قائل ہیں، حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے غور وفکر کے بعد اس آیت سے امت کے اتفاق کی دلیل ہونے پر استدلال کیا ہے حقیقتاً یہی موقف بہترین اور قوی تر ہے، بعض دیگر ائمہ نے اس دلالت کو مشکل اور دور از آیت بھی بتایا ہے۔

---

[1] [سورۃ العصر: آیت ۱، ۲]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصلح: باب لیس الکاذب یصلح بین الناس (۲۶۹۲) صحیح مسلم: کتاب البرو الصلة: باب تحریم الکذب وبیان ما یباح منه (۲۶۰۵) ترمذی: کتاب البر والصلة: باب ماجآء فی اصلاح ذات البین (۱۹۳۸) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی اصلاح ذات البین (۴۹۲۰) مسند احمد (۴۰۳/۶)]

[3] [صحیح: مسند احمد (۴۴۴/۶) ابوداؤد: کتاب الادب: باب فی اصلاح ذات البین (۴۹۱۹)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

[4] [ضعیف: بزار فی کشف الاستار (۲۰۶۰) الدر المنثور للسیوطی (۳۹۲/۲)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن عبداللہ راوی کمزور ہے۔]

غرض ایسا کرنے والے کی رسی اللہ میاں بھی ڈھیلی چھوڑ دیتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿سَنَسْتَدْرِجُهُمْ﴾ [1] اور ﴿فَلَمَّا زَاغُوْا﴾ [2] اور ﴿وَنَذَرُهُمْ﴾ [3] یعنی ہم ان کی بے خبری میں آہستہ آہستہ مہلت بڑھاتے رہتے ہیں' ان کے بہکتے ہی ہم بھی ان کے دلوں کو ٹیڑھا کر دیتے ہیں' ہم انہیں ان کی سرکشی میں گم چھوڑ دیتے ہیں' بالآخر ان کی جائے بازگشت جہنم بن جاتی ہے' جیسے فرمان ہے ظالموں کو ان کے ساتھیوں کے ساتھ قبروں سے اٹھائیں گے' اور جیسے فرمایا ظالم آگ کو دیکھ کر جان لے گا کہ اس میں کودنا پڑے گا لیکن کوئی صورت چھٹکارے کی نہ پائے گا۔

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ۭ وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيْدًا ﴿١١٦﴾ اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖٓ اِلَّآ اِنٰثًا ۚ وَاِنْ يَّدْعُوْنَ اِلَّا شَيْطٰنًا مَّرِيْدًا ﴿١١٧﴾ لَّعَنَهُ اللّٰهُ ۘ وَقَالَ لَاَتَّخِذَنَّ مِنْ عِبَادِكَ نَصِيْبًا مَّفْرُوْضًا ﴿١١٨﴾ وَّلَاُضِلَّنَّهُمْ وَلَاُمَنِّيَنَّهُمْ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُبَتِّكُنَّ اٰذَانَ الْاَنْعَامِ وَلَاٰمُرَنَّهُمْ فَلَيُغَيِّرُنَّ خَلْقَ اللّٰهِ ۭ وَمَنْ يَّتَّخِذِ الشَّيْطٰنَ وَلِيًّا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَقَدْ خَسِرَ خُسْرَانًا مُّبِيْنًا ﴿١١٩﴾ يَعِدُهُمْ وَيُمَنِّيْهِمْ ۭ وَمَا يَعِدُهُمُ الشَّيْطٰنُ اِلَّا غُرُوْرًا ﴿١٢٠﴾ اُولٰۗىِٕكَ مَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ۡ وَلَا يَجِدُوْنَ عَنْهَا مَحِيْصًا ﴿١٢١﴾ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَنُدْخِلُهُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَعْدَ اللّٰهِ حَقًّا ۭ وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا ﴿١٢٢﴾

وقف لازم

اسے تو اللہ قطعاً نہ بخشے گا کہ اس کے ساتھ شریک مقرر کیا جائے ہاں شرک کے سوا کے گناہ جسے چاہے معاف فرما دیتا ہے' اللہ کے ساتھ شریک کرنا والا بہت دور کی گمراہی میں جا پڑا○ یہ تو اللہ کو چھوڑ صرف عورتوں کو پکارتے ہیں اور دراصل یہ صرف سرکش شیطان کو پوجتے ہیں○ جسے اللہ نے لعنت کی ہے اور اس نے بیڑا اٹھایا ہے کہ تیرے بندوں میں سے ازل میں مقرر شدہ حصہ میں لے کر رہوں گا○ اور انہیں راہ سے بہکاتا رہوں گا اور باطل امیدیں دلاتا رہوں گا اور انہیں سکھاؤں گا کہ جانوروں کے کان چیر دیں اور ان سے کہوں گا کہ اللہ کی بنائی ہوئی صورت کو بگاڑ دیں' سنو جو شخص اللہ کو چھوڑ کر شیطان کو اپنا رفیق بنائے گا وہ صریح نقصان میں ڈوبے گا○ وہ ان سے زبانی وعدے کرتا رہے گا اور سبز باغ دکھاتا رہے گا شیطان کے جو وعدے ان سے ہیں وہ سراسر فریب کاریاں ہیں○ یہ لوگ ہیں جن کی جگہ جہنم ہے جہاں سے انہیں نہ بھاگنا ملے گا نہ چھٹکارا○ اور جو ایمان لائیں اور بھلے کام کریں ہم انہیں ان جنتوں میں لے جائیں گے جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں یہ ابدالآباد رہیں گے یہ ہے اللہ کا وعدہ جو سراسر سچا ہے۔ کون ہے جو اپنی بات میں اللہ سے زیادہ سچا ہو؟○

شرک کی حقیقت اور نقصان: اس سورت کے شروع میں پہلی آیت کے متعلق ہم پوری تفسیر کر چکے ہیں اور وہیں

---

[1] [سورۃ القلم: آیت ٤٤] [2] [سورۃ الصف: آیت ٥] [3] [سورۃ الانعام: آیت ١١٠]

اس آیت سے تعلق رکھنے والی حدیثیں بھی بیان کر دی ہے' حضرت علی رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے قرآن کی کوئی آیت مجھے اس آیت سے زیادہ محبوب نہیں [1] (ترمذی) مشرکین سے دنیا اور آخرت کی بھلائی دور ہو جاتی ہے اور وہ راہ حق سے دور ہو جاتے ہیں وہ اپنے آپ کو اور اپنے دونوں جہانوں کو برباد کر لیتے ہیں' یہ مشرکین عورتوں کے پرستار ہیں' حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہر صنم کے ساتھ ایک جنی عورت ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں ﴿اِنَاثًا﴾ سے مراد بت ہیں' یہ قول اور بھی مفسرین کا ہے' ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ مشرک فرشتوں کو پوجتے تھے اور انہیں اللہ کی لڑکیاں مانتے تھے [2] اور کہتے تھے کہ ان کی عبادت سے ہے ہماری اصل غرض اللہ عزوجل کی نزدیکی حاصل کرنا ہے اور ان کی تصویریں عورتوں کی شکل پر بناتے تھے پھر حکم کرتے تھے اور تقلید کرتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ صورتیں فرشتوں کی ہیں جو اللہ کی لڑکیاں ہیں۔ یہ تفسیر آیت ﴿اَفَرَاَیْتُمُ اللّٰتَ﴾ [3] الخ' کے مضمون سے خوب ملتی ہے جہاں ان کے بتوں کے نام لے کر اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ یہ خوب انصاف ہے کہ لڑکے تو تمہارے اور لڑکیاں میری؟ اور آیت میں ہے ﴿وَجَعَلُوا الْمَلٰٓئِکَۃَ الَّذِیْنَ ھُمْ عِبٰدُ الرَّحْمٰنِ اِنَاثًا﴾ [4] الخ' ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے غلام فرشتوں کو مونث سمجھ رکھا' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں مراد مردے ہیں' حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر بے روح چیز اناث ہے خواہ خشک لکڑی ہو خواہ پتھر ہو' لیکن یہ قول غریب ہے۔

پھر ارشاد ہے کہ دراصل یہ شیطان کے پجاری ہیں کیونکہ وہی انہیں یہ راہ سجھاتا ہے اور یہ فی الحقیقت اسی کی مانتے ہیں' جیسے فرمان ہے ﴿اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ﴾ [5] الخ' اے بنی آدم کیا میں نے تم سے شیطان کی عبادت نہ کرنے کا وعدہ نہیں لیا تھا؟ اسی وجہ سے فرشتے قیامت کے روز صاف کہہ دیں گے کہ ہماری عبادت کے دعویدار دراصل شیطانی پوجا کے پھندے میں تھے' شیطان کو رب نے اپنی رحمت سے دور کر دیا ہے اور اپنی بارگاہ سے نکال باہر کیا ہے' اس نے بھی بیڑا اٹھا رکھا ہے کہ اللہ کے بندوں کو معقول تعداد میں بہکائے' مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ہر ہزار میں سے نوسو ننانوے کو جہنم میں اپنے ساتھ لے جائے گا' ایک بچ رہے گا جو جنت کا مستحق ہو گا' شیطان نے کہا ہے کہ میں انہیں حق سے بہکاؤں گا اور انہیں امید دلاتا رہوں گا یہ توبہ ترک کر بیٹھیں گے' خواہشوں کے پیچھے پڑ جائیں گے موت کو بھول بیٹھیں گے نفس پروری اور آخرت سے غافل ہو جائیں گے' جانوروں کے کان کاٹ کر یا سوراخ دار کر کے اللہ کے سوا دوسروں کے نام کرنے کی انہیں تلقین کروں گا' اللہ کی بنائی ہوئی صورتوں کو بگاڑنا سکھاؤں گا جیسے جانوروں کو خصی کرنا۔

ایک حدیث میں اس سے بھی ممانعت آئی ہے (شاید مراد اس سے نسل منقطع کرنے کی غرض سے ایسا کرنا

---

[1] [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ النساء (۳۰۳۷)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف الاسناد کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] اس کی سند میں ثویر بن ابی فاختہ راوی ہے، اسے اہل علم ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۲۰۹/۹)]
[3] [سورۃ النجم : آیت ۱۹]

[4] [سورۃ الزخرف : آیت ۱۹]
[5] [سورۃ یسین : آیت ٦٠]

ہے) ایک معنی یہ بھی کیے گئے ہیں کہ چہرے پر گودنا گدوانا' جو صحیح مسلم کی حدیث میں ممنوع ہے [1] اور جس کے کرنے والے پر اللہ کی لعنت وارد ہوئی ہے' [2] ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے صحیح سند سے مروی ہے کہ گودنے والیوں اور گدوانے والیوں' پیشانی کے بال نوچنے والیوں اور نچوانے والیوں اور دانتوں میں کشادگی کرنے والیوں پر جو حسن وخوبصورتی کے لیے اللہ کی بناوٹ کو بگاڑتی ہیں اللہ کی لعنت ہے میں ان پر لعنت کیوں نہ بھیجوں؟ جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لعنت کی ہے اور جو کتاب اللہ میں موجود ہے پھر آپ نے آیت ﴿وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ﴾ الخ پڑھی [3] بعض اور مفسرین کرام رحمہم اللہ سے مروی ہے کہ مراد اللہ کے دین کو بدل دینا ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَاَقِمْ وَجْهَكَ لِلدِّيْنِ حَنِيْفًا فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا لَا تَبْدِيْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ﴾ [4] یعنی اپنا چہرہ قائم رکھ کر اللہ کے یکطرفہ دین کا رخ اختیار کرنا یہ اللہ کی وہ فطرت ہے جس پر تمام انسانوں کو اس نے پیدا کیا ہے اللہ کی خلق میں کوئی تبدیلی نہیں' اس سے پچھلے (آخری) جملے کو اگر امر کے معنی میں لیا جائے تو یہ تفسیر ٹھیک ہو جاتی ہے یعنی اللہ کی فطرت کو نہ بدلو لوگوں کو میں نے جس فطرت پر پیدا کیا ہے اسی پر رہنے دو' بخاری و مسلم میں ہے ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے لیکن اس کے ماں باپ پھر اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں جیسے بکری کا صحیح سالم بچہ بے عیب ہوتا ہے لیکن پھر لوگ اس کے کان وغیرہ کاٹ دیتے ہیں اور اسے عیب دار کر دیتے ہیں۔ [5] صحیح مسلم میں ہے اللہ عزوجل فرماتا ہے میں نے اپنے بندوں کو یکسوئی والے دین پر پیدا کیا لیکن شیطان نے آ کر انہیں بہکا دیا پھر میں نے اپنے حلال کو ان پر حرام کر دیا۔ [6]

شیطان کو دوست بنانے والا اپنا نقصان کرنے والا ہے جس نقصان کی کبھی تلافی نہ ہو سکے۔ کیونکہ شیطان انہیں سبز باغ دکھاتا رہتا ہے' غلط راہوں میں ان کی فلاح و بہبود کا یقین دلاتا ہے دراصل وہ بڑا فریب اور صاف دھوکا ہوتا ہے' چنانچہ شیطان قیامت کے دن صاف کہے گا اللہ کے وعدے سچے تھے اور میں تو وعدہ خلاف ہوں ہی میرا کوئی زور تم پر تھا ہی نہیں میری پکار کو سنتے ہی کیوں تم مست و بے عقل بن گئے؟ اب مجھے کیوں کوستے ہو؟ اپنے آپ کو برا کہو۔ شیطانی وعدوں کو صحیح جاننے والے اس کی دلائی ہوئی امیدوں کو پورا ہونے والی سمجھنے والے آخر جہنم

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب اللباس والزینة: باب النهی عن ضرب الحیوان (٢١١٦) ترمذی: کتاب الجهاد (١٧١٠) مسند احمد (٣١٨/٣)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم (٢١١٧) صحیح ابن حبان (٥٦٢٦)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب اللباس: باب المتفلجات للحسن (٥٩٣١) صحیح مسلم: کتاب اللباس: باب تحریم فعل الواصلة والمستوصلة (٢١٢٤)]

[4] [سورة الروم: آیت ٣٠]

[5] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب لا تبدیل لخلق الله (٤٧٧٥) صحیح مسلم: کتاب القدر: باب معنی کل مولود یولد علی الفطرة (٢٦٥٨)]

[6] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الجنة: باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا (٢٨٦٥)]

واصل ہوں گے جہاں سے چھٹکارا محال ہوگا۔

ان بدبختوں کے ذکر کے بعد اب نیک لوگوں کا حال بیان ہو رہا ہے کہ جو دل سے میرے ماننے والے ہیں اور جسم سے میری تابعداری کرنے والے ہیں میرے احکام پر عمل کرتے ہیں میری منع کردہ چیزوں سے باز رہتے ہیں میں انہیں اپنی نعمتیں دوں گا انہیں جنتوں میں لے جاؤں گا جن کی نہریں جہاں یہ چاہیں خود بخود بہنے لگیں جن میں زوال' کمی یا نقصان بھی نہیں ہے' اللہ کا وعدہ اٹل اور بالکل سچا ہے اور یقیناً ہونے والا ہے اللہ سے زیادہ سچی بات اور کس کی ہوگی؟ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں نہ ہی کوئی اس کے سوا مربی ہے۔

رسول اللہ ﷺ اپنے خطبے میں فرمایا کرتے تھے سب سے زیادہ سچی بات اللہ کا کلام ہے اور سب سے بہتر ہدایت محمد ﷺ کی ہدایت ہے اور تمام کاموں میں سب سے برا کام دین میں نئی بات نکالنا ہے اور ہر ایسی نئی بات کا نام بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے اور ہر گمراہی جہنم میں ہے۔ [1]

لَيْسَ بِاَمَانِيِّكُمْ وَلَآ اَمَانِيِّ اَهْلِ الْكِتٰبِ ؕ مَنْ يَّعْمَلْ سُوْٓءًا يُّجْزَ بِهٖ ۙ وَلَا يَجِدْ لَهٗ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۲۳﴾ وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَاُولٰٓئِكَ يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ وَلَا يُظْلَمُوْنَ نَقِيْرًا ﴿۱۲۴﴾ وَمَنْ اَحْسَنُ دِيْنًا مِّمَّنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ وَّاتَّبَعَ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا ؕ وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرٰهِيْمَ خَلِيْلًا ﴿۱۲۵﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطًا ﴿۱۲۶﴾ ع ۱۸ / ۱۵

حقیقت حال نہ تو تمہاری آرزو کے مطابق ہے اور نہ اہل کتاب کی امیدوں پر موقوف ہے جو برا کرے گا اس کی سزا پائے گا اور کسی کو نہ پائے گا جو اس کی حمایت و مدد اللہ کے پاس کر سکے۔ جو ایماندار ہو مرد ہو یا عورت اور وہ نیک اعمال کرے یقیناً ایسے لوگ جنت میں جائیں گے اور کھجور کے شگاف برابر بھی ان کا حق نہ مارا جائے گا○ بہ اعتبار دین کے اس سے اچھا کون ہے؟ جو اپنا منہ اللہ کے احکام پر دھر دے اور ہو بھی نیک کار' ساتھ ہی یکسوئی والے ابراہیم (علیہ السلام) کے دین کی پیروی کر رہا ہو' ابراہیم (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے اپنا دوست بنالیا ہے○ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے سب اللہ ہی کا ہے اور اللہ ہر چیز کو گھیرے رکھنے والا ہے○

آزمائشیں کفارۂ ذنوب: حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم سے ذکر کیا گیا ہے کہ اہل کتاب اور مسلمانوں میں چرچہ ہونے لگا اہل کتاب تو یہ کہہ کر اپنی فضیلت جتا رہے تھے کہ ہمارے نبی تمہارے نبی سے پہلے کے ہیں اور

[1] [**صحیح**: صحیح مسلم : کتاب الجمعة : باب تخفیف الصلاة والخطبة (۸٦۷) ابن ماجه : مقدمه : باب اجتناب البدع والجدل (٤٥) نسائی : کتاب العیدین : باب کیف الخطبة (۱۵۷۹) مسند احمد (۳/ ۳۱۰)]

ہماری کتاب بھی تمہاری کتاب سے پہلے کی ہے اور مسلمان کہہ رہے تھے کہ ہمارے نبی خاتم الانبیاء ہیں اور ہماری کتاب تمام اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اس پر یہ آیتیں اتریں اور مسلمانوں کی سابقہ دین والوں پر فضیلت بیان ہوئی، مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ عرب نے کہا نہ تو ہم مرنے کے بعد جئیں گے نہ ہمیں عذاب ہوگا یہودیوں نے کہا صرف ہم ہی جنتی ہیں، یہی قول نصرانیوں کا بھی تھا اور کہتے تھے آگ ہمیں صرف چند دن ستائے گی، آیت کا مضمون یہ ہے کہ صرف اظہار کرنے اور دعویٰ کرنے سے صداقت وحقانیت ثابت نہیں ہوتی بلکہ ایماندار وہ ہے جس کا دل صاف ہو اور عمل شاہد ہوں اور اللہ تعالیٰ کی دلیل اس کے ہاتھوں میں ہو، تمہاری خواہشیں اور زبانی دعوے کوئی وقعت نہیں رکھتے نہ اہل کتاب کی تمنائیں اور بلند باتیں نجات کا مدار ہیں بلکہ وقار ونجات اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی فرماں برداری اور رسولوں کی تابعداری میں ہے، برائی کرنے والے کسی نسبت کی وجہ سے کہ اس برائی کے خمیازے سے چھوٹ جائیں ناممکن ہے بلکہ رتی رتی بھلائی اور برائی قیامت کے دن اپنی آنکھوں سے اپنے سامنے دیکھ لیں گے۔

یہ آیت صحابہ رضی اللہ عنہم پر بہت گراں گذری تھی اور حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم اب نجات کیسے ہوگی ؟ جبکہ ایک ایک عمل کا بدلہ ضروری ہے تو آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ تجھے بخشے ابوبکر یہ سزا وہی ہے جو کبھی تیری بیماری کی صورت میں ہوتی ہے کبھی تکلیف کی صورت میں کبھی صدمے اور غم ورنج کی صورت میں اور کبھی بلا ومصیبت کی شکل میں۔ [1] (مسند احمد) اور روایت میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر برائی کرنے والا دنیا میں بدلہ پالے گا۔ [2] ابن مردویہ میں ہے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اپنے غلام سے فرمایا دیکھو جس جگہ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما کو سولی دی گئی ہے وہاں تم نہ چلنا۔ غلام بھول گیا، اب حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کی نظر ابن زبیر رضی اللہ عنہما پر پڑی تو فرمانے لگے واللہ جہاں تک میری معلومات ہیں میری گواہی ہے کہ تو روزے دار اور نمازی اور رشتے ناتے جوڑنے والا تھا مجھے اللہ سے امید ہے کہ جو لغزشیں تجھ سے ہوگئیں ان کا بدلہ دنیا میں ہی مکمل ہوا اب تجھے اللہ کوئی عذاب نہیں دے گا پھر حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی طرف دیکھ کر فرمانے لگے میں نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے سنا ہے وہ فرماتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میں نے سنا جو شخص برائی کرتا ہے اس کا بدلہ دنیا میں ہی پالیتا ہے، [3] دوسری روایت میں ہے کہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہما کو سولی پر دیکھ کر فرمایا اے ابوحبیب اللہ تجھ پر رحم کرے میں نے تیرے والد کی زبان سے یہ حدیث سنی ہے۔ [4]

---

[1] [صحیح بالشواھد :مسند احمد (۱/۱۱) بیھقی فی السنن الکبری (۳/۳۷۳) مسند ابویعلی (۹۸)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو شواہد کی بنا پر صحیح کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (۶۸)]

[2] [صحیح بالشواھد :مسند احمد (۱/۶)] شیخ شعیب ارناؤوط نے شواہد کی بنا پر اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (۲۳)]

[3] [صحیح بالشواھد مسند ابو یعلی (۱۸) الدر المنثور للسیوطی (۲/۴۰۰) مسند بزار (۲۱)]

[4] [ضعیف :مسند بزار (۲۲۰۴) ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۹/۲۸۷)] اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن سلیم راوی ہے، اسے امام دارقطنیؒ نے ضعیف کہا ہے اور امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ میں اسے نہیں جانتا اور اسی طرح دیگر متعدد اہل علم نے اس کے متعلق لاعلمی کا اظہار کیا ہے۔]

ابن مردویہ میں ہے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی موجودگی میں یہ آیت اتری' جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پڑھ کر سنایا تو حضرت صدیق رضی اللہ عنہ غم ناک ہو گئے انہیں یہ معلوم ہونے لگا کہ گویا ہر ہر عمل کا بدلہ ہی ملنا جب ٹھہرا تو تو نجات مشکل ہو جائے گا آپ نے فرمایا سنو صدیق تم اور تمہارے ساتھی یعنی مومن تو دنیا میں ہی بدلہ دے دیئے جاؤ گے اور ان مصیبتوں کے باعث تمہارے گناہ معاف ہو جائیں گے قیامت کے دن پاک صاف اٹھو گے ہاں اور لوگ جو ہیں ان کی برائیاں جمع ہوتی جاتی ہیں اور قیامت کے دن انہیں سزا دی جائے گی' یہ حدیث ترمذی نے بھی روایت کی ہے [1] اور کہا ہے کہ اس کا راوی موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے اور دوسرا راوی مولی بن سباع مجہول ہے اور بھی بہت سے طریق سے اس روایت کا ماحصل مروی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت سب سے زیادہ ہم پر بھاری پڑتی ہے تو آپ نے فرمایا مومن کا یہ بدلہ وہی ہے جو مختلف قسم کی پریشانیوں اور تکلیفوں کی صورت میں اسے دنیا میں ہی مل جاتا ہے [2] اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا یہاں تک کہ مومن اپنی نقدی جیب میں رکھ لے پھر ضرورت کے وقت تلاش کرے تھوڑی دیر نہ ملے پھر جیب میں ہاتھ ڈالنے سے نکل آئے تو اتنی دیر میں جو اسے صدمہ ہوا اس سے بھی اس کے گناہ معاف ہوتے ہیں اور یہ بھی اس کی برائیوں کا بدلہ ہو جاتا ہے یونہی مصائب دنیا اسے کندن بنا دیتے ہیں کہ قیامت کا کوئی بوجھ اس پر نہیں رہتا جس طرح سونا بھٹی میں تپا کر نکال لیا جائے اس طرح دنیا میں پاک صاف ہو کر اللہ کے پاس جاتا ہے' [3] ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا مومن کو ہر چیز میں اجر دیا جاتا ہے یہاں تک کہ موت کی سختی کا بھی' [4] مسند احمد میں ہے جب بندے کے گناہ زیادہ ہو جاتے ہیں اور انہیں دور کرنے والے بکثرت نیک اعمال نہیں ہوتے' تو اللہ اس پر کوئی غم ڈال دیتا ہے جس سے اس کے گناہ معاف ہو جاتے ہیں' [5] سعید بن منصور لائے ہیں کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم پر اس آیت کا مضمون گراں گذرا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا ٹھیک ٹھاک رہو اور ملے جلے رہو مسلمان کی ہر تکلیف اس کے گناہ کا کفارہ ہے یہاں تک کہ کانٹے کا لگنا

---

[1] [ضعیف ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب و من سورة النسآء (٣٠٣٩) عبد بن حمید (٧) مسند بزار (٢٠)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی]

[2] [ضعیف ومنقطع تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٥٣٧) ابوداؤد : کتاب الجنائز : باب عیادة النسآء (٣٠٩٣)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف الاسناد کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] اس کی سند میں عطاء اور ابوبکرؓ کے درمیان انقطاع ہے۔]

[3] [ضعیف تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٥٣٦) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة البقرة (٢٩٩١) مسند احمد (٢١٨/٦) طیالسی (١٥٨٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی]

[4] [ضعیف مسند طیالسی (١٥٨٤) بیہقی فی شعب الایمان (٩٨٠٩/٧) تفسیر ابن ابی حاتم (٣٠٦٢/٢)] اس کی سند میں محمد بن زید اور عائشہؓ کے درمیان انقطاع ہے۔]

[5] [ضعیف مسند احمد (١٥٧/٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند لیث بن ابی سلیم راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

بھی اور اس سے کم تکلیف بھی[1] اور روایت میں ہے کہ جب صحابہ رضی اللہ عنہم رو رہے تھے اور رنج میں تھے اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے یہ فرمایا' ایک شخص نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہماری ان بیماریوں میں ہمیں کیا ملتا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ تمہارے گناہوں کا کفارہ ہوتی ہیں' اسے سن کر حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ نے دعا مانگی کہ یا اللہ مرتے دم تک مجھ سے بخار جدا نہ ہو لیکن حج وعمرہ جہاد اور نماز باجماعت سے محروم نہ ہوں ان کی یہ دعا قبول ہوئی جب ان کے جسم پر ہاتھ لگایا جاتا تو بخار چڑھا رہتا[2] رضی اللہ عنہ (مسند احمد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک مرتبہ کہا گیا کہ کیا ہر برائی کا بدلہ دیا جائے گا؟ آپ نے فرمایا ہاں' اسی جیسا اور اسی جتنا لیکن ہر بھلائی کا بدلہ دس گنا کر کے دیا جائے گا پس اس پر افسوس ہے جس کی اکائیاں دہائیوں سے بڑھ جائیں۔[3] (ابن مردویہ)

حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد کافر ہیں جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَهَلْ نُجَازِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ﴾[4] ابن عباس رضی اللہ عنہما اور سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہاں برائی سے مراد شرک ہے۔ یہ شخص اللہ کے سوا اپنا کوئی ولی اور مددگار نہ پائے گا' ہاں یہ اور بات ہے کہ توبہ کر لے' امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ٹھیک بات یہی ہے کہ ہر برائی کو یہ آیت شامل ہے جیسے کہ احادیث گذر چکیں واللہ اعلم۔

بدعملیوں کی سزا کا ذکر کر کے اب نیک اعمال کی جزا کا بیان فرما رہا ہے بدی کی سزا یا تو دنیا میں ہی ہو جاتی ہے اور بندے کے لیے یہی اچھا ہے یا آخرت میں ہوتی ہے اللہ اس سے محفوظ رکھے' ہم اللہ تعالیٰ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ ہمیں دونوں جہان کی عافیت عطا فرمائے اور مہربانی اور درگذر کرے اور اپنی پکڑ اور ناراضگی سے بچالے' اعمال صالحہ کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور اپنے احسان وکرم ورحم سے انہیں قبول کرتا ہے کسی مرد عورت کے کسی نیک عمل کو وہ ضائع نہیں کرتا ہاں یہ شرط ہے کہ وہ ایماندار ہو' ان نیک لوگوں کو وہ اپنی جنت میں داخل کرے گا اور ان کی حسنات میں کوئی کمی نہیں آنے دے گا' فتیل کہتے ہیں اس گٹھلی کے درمیان جو ہلکا سا چھلکا ہوتا ہے اس کو مگر یہ دونوں تو کھجور کے بیج میں ہوتے ہیں اور قطمیر کہتے ہیں اس بیج کے اوپر کے لفافے کو اور یہ تینوں لفظ اس موقعہ پر قرآن میں آئے ہیں۔

پھر فرمایا اس سے اچھے دین والا کون ہے؟ جو اپنے اعمال خالص اسی کے لیے کرے ایمانداری اور نیک نیتی کے ساتھ اس کے فرمان کے مطابق اس کے احکام بجالائے اور ہو بھی وہ محسن یعنی شریعت کا پابند دین حق اور ہدایت پر چلنے والا رسول کی حدیث پر عمل کرنے والا ہر نیک عمل کی قبولیت کے لیے یہ دونوں باتیں شرط ہیں یعنی خلوص اور وحی کے مطابق ہونا' خلوص سے یہ مطلب کہ فقط اللہ کی رضامندی مطلوب ہو اور ٹھیک ہونا یہ ہے کہ شریعت کی ماتحتی

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب ثواب المؤمن فيما يصيبه من مرض (٢٥٧٤) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة النسآء (٣٠٣٨)]

[2] [صحیح : مسند احمد (٢٣/٣) نسائی فی السنن الکبری (٧٤٨٩/٤) مسند ابویعلی (٩٩٥)] حافظ عراقی ؒ نے اس کی سند کو جید کہا ہے۔[تخریج الاحیاء (٣٧١٤/٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔]

[3] [ضعیف : اس کی سند میں محمد بن سائب کلب راوی ضعیف ہے۔]

[4] [سورۃ سباء: آیت ١٧]

میں ہو، پس ظاہر تو قرآن وحدیث کے موافق ہونے سے ٹھیک ہو جاتا ہے اور باطن نیک نیتی سے سنور جاتا ہے اگر ان دو باتوں میں سے ایک بھی نہ ہو تو وہ عمل فاسد ہوتا ہے، اخلاص نہ ہونے سے منافقت آ جاتی ہے لوگوں کی رضا جوئی اور انہیں دکھانا مقصود ہو جاتا ہے اور عمل قابل قبول نہیں رہتا سنت کے موافق نہ ہونے سے ضلالت وجہالت کا مجموعہ ہو جاتا ہے اور اس سے بھی عمل پایہ قبولیت سے گر جاتا ہے اور چونکہ مومن کا عمل ریاکاری اور شریعت کی مخالفت سے بچا ہوا ہوتا ہے اس لیے اس کا عمل سب سے اچھا عمل ہو جاتا ہے جو اللہ کو پسند آتا ہے اور اس کی جزا کا بلکہ اور گناہوں کی بخشش کا سبب بن جاتا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام کو خلیل کا اعزاز: اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کرو یعنی آنحضرت ﷺ کی اور آپ کے قدم بہ قدم چلنے والوں کی جو بھی قیامت تک ہوں، جیسے اور آیت میں ہے ﴿اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرٰهِيْمَ﴾ [1] الخ، یعنی ابراہیم علیہ السلام سے قریب تر وہ لوگ ہیں جو ان کے ہر حکم کی تعمیل کرتے رہے اور نبی ہوئے۔ دوسری آیت میں فرمایا ﴿ثُمَّ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ [2] الخ، پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ابراہیم حنیف کی ملت کی پیروی کر جو مشرک نہ تھے، حنیف کہتے ہیں قصداً شرک سے بیزار اور پوری طرح حق کی طرف متوجہ ہونے والا جسے کوئی روکنے والا روک نہ سکے اور کوئی ہٹانے والا ہٹا نہ سکے۔

پھر حضرت خلیل اللہ علیہ السلام کی اتباع کی تاکید اور ترغیب کے لیے ان کا وصف بیان کیا کہ وہ اللہ کے دوست ہیں، یعنی بندہ ترقی کر کے جس اعلیٰ سے اعلیٰ درجے تک پہنچ سکتا ہے اس تک وہ پہنچ گئے خلت کے درجے سے کوئی بڑا درجہ نہیں محبت کا یہ اعلیٰ تر مقام ہے اور یہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام عروج کر گئے ہیں اس کی وجہ ان کی کامل اطاعت ہے جیسے فرمان ہے ﴿وَاِبْرٰهِيْمَ الَّذِيْ وَفّٰٓى﴾ [3] یعنی ابراہیم کو جو حکم ملا وہ اسے بخوشی بجا لائے، کبھی اللہ تعالیٰ کی مرضی سے منہ نہ موڑا، کبھی عبادت سے نہ اکتائے کوئی چیز انہیں عبادت الٰہیہ سے مانع نہ ہوئی اور آیت میں ہے ﴿وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ﴾ [4] الخ، جب جب جس جس طرح اللہ عزاسمہ نے ان کی آزمائش لی وہ پورے اترے جو جو اللہ تعالیٰ نے فرمایا انہوں نے کر دکھایا۔ فرمان ہے کہ ابراہیم مکمل یکسوئی سے توحید کے رنگ میں شرک سے بچتا ہوا ہمارا تابع فرمان بنا رہا۔ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے یمن میں صبح کی نماز میں جب یہ آیت پڑھی تو ایک شخص نے کہا ((لَقَدْ قَرَّتْ عَيْنُ اُمِّ اِبْرٰهِيْمَ)) ابراہیم کی ماں کی آنکھیں ٹھنڈی ہوئیں۔ [5]

بعض لوگ کہتے ہیں کہ خلیل اللہ لقب کی یہ وجہ ہوئی کہ ایک مرتبہ قحط سالی کے موقعہ پر آپ اپنے ایک دوست کے پاس مصر میں یا موصل میں گئے تاکہ وہاں سے کچھ اناج غلہ لے آئیں یہاں کچھ نہ ملا خالی ہاتھ لوٹے جب اپنی بستی کے قریب پہنچے تو خیال آیا آؤ اس ریت کے تودے میں سے اپنی بوریاں بھر کر لے چلو تاکہ گھر والوں کو قدرے تسکین ہو جائے چنانچہ بھر لیں اور جانوروں پر لاد کے لے چلے، اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ ریت سچ مچ آٹا

---

[1] [سورۃ ال عمران: آیت ٦٨]

[2] [النحل : ١٢٣] [3] [النجم : ٣٧] [4] [البقرہ : ١٢٤]

[5] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب بعث ابی موسی و معاذ الی الیمن (٤٣٤٨)]

بن گئی آپ تو گھر پہنچ کر لیٹ رہے تھکے ہارے تو تھے ہی آنکھ لگ گئی گھر والوں نے بوریاں کھولیں اور انہیں بہترین آٹے سے بھرا ہوا پایا آٹا گوندھا روٹیاں پکائیں جب یہ جاگے اور گھر میں سب کو خوش خوش پایا اور روٹیاں بھی تیار دیکھیں تو تعجب سے پوچھنے لگے آٹا کہاں سے آیا؟ جو تو تم نے روٹیاں پکائیں؟ انہوں نے کہا آپ ہی تو اپنے دوست کے ہاں سے لائے ہیں اب آپ سمجھ گئے اور فرمایا ہاں یہ میں اپنے دوست اللہ عزوجل سے لایا ہوں پس اللہ نے بھی آپ کو اپنا دوست بنالیا اور خلیل اللہ نام رکھ دیا' لیکن اس کی صحت اور اس واقعہ میں ذرا تامل ہے' زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ بنی اسرائیل کی روایت ہو جسے ہم سچا نہیں کہہ سکتے گو جھٹلا بھی نہیں سکتے حقیقت یہ ہے کہ آپ کو یہ لقب اس لیے ملا کہ آپ کے دل میں اللہ تعالیٰ کی محبت حد درجہ کی تھی کامل اطاعت شعاری اور فرمانبرداری تھی اپنی عبادتوں سے اللہ تعالیٰ کو خوش کر لیا تھا' نبی ﷺ نے بھی اپنے آخری خطبہ میں فرمایا تھا' لوگو اگر میں زمین والوں میں سے کسی کو خلیل اور دلی دوست بنانے والا ہوتا تو ابوبکر بن ابوقحافہ رضی اللہ عنہما کو بناتا بلکہ تمہارے ساتھی محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے خلیل ہیں۔ (١) (بخاری و مسلم) اور روایت میں ہے اللہ اعلیٰ واکرم نے جس طرح ابراہیم علیہ السلام کو خلیل بنالیا تھا اسی طرح مجھے بھی اپنا خلیل کر لیا ہے۔ (٢)

ایک مرتبہ اصحاب رسول ﷺ آپ کے انتظار میں بیٹھے ہوئے آپس میں ذکر تذکرے کر رہے تھے ایک کہہ رہا تھا تعجب ہے کہ اللہ نے اپنی مخلوق میں سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اپنا خلیل بنایا دوسرے نے کہا اس سے بھی بڑھ کر مہربانی یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے خود باتیں کیں اور انہیں کلیم اللہ بنایا' ایک نے کہا اور عیسیٰ علیہ السلام تو روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں' ایک نے کہا آدم علیہ السلام صفی اللہ اور اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ ہیں' حضور ﷺ جب باہر تشریف لائے سلام کیا اور یہ باتیں سنیں تو فرمایا بیشک تمہارا قول صحیح ہے' ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہیں اور موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام ہیں اور عیسیٰ روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہیں علیہ السلام اور آدم صفی اللہ علیہ السلام ہیں اور اسی طرح محمد ﷺ ہیں' مگر میں حقیقت بیان کرتا ہوں کچھ فخر کے طور پر نہیں کہتا کہ میں حبیب اللہ ہوں' میں سب سے پہلا شفاعت کرنے والا ہوں اور سب سے پہلے شفاعت قبول کیا جانے والا ہوں اور سب سے پہلے جنت کے دروازے پر دستک دینے والا ہوں اللہ میرے لیے جنت کو کھول دے گا اور مجھے اس میں داخل کرے گا اور میرے ساتھ مومن فقراء ہوں گے قیامت کے دن تمام اگلوں پچھلوں سے زیادہ اکرام وعزت والا میں ہوں یہ بطور فخر کے نہیں بلکہ بطور سچائی کو معلوم کرانے کے لیے میں تم سے کہہ رہا ہوں۔ (٣)

یہ حدیث اس سند سے تو غریب ہے لیکن اس کے بعض کے شاہد موجود ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کیا تم اس سے تعجب کرتے ہو کہ خلت صرف حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لیے تھی اور کلام حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے تھا اور دیدار حضرت محمد ﷺ کے لیے۔ (مستدرک حاکم)

---

(١) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل ابی بکر (٢٣٨٣)]

(٢) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب النهی عن بناء المسجد علی القبور (٥٣٢)]

(٣) [ضعیف : الدر المنثور للسیوطی (٤٠٧/٢) ترمذی (٣٦١٦) دارمی (٤٨)] اس کی سند میں زمعہ بن صالح راوی ہے، اسے امام ابن معینؒ، امام نسائیؒ، امام احمدؒ، امام ابوحاتمؒ اور دیگر اہل علم نے ضعیف کہا ہے۔]

اسی طرح کی روایت حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اور بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین رحمۃ اللہ علیہم اور سلف وخلف سے مروی ہے' ابن ابی حاتم میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عادت تھی کہ مہمانوں کے ساتھ کھائیں۔ ایک دن آپ مہمان کی جستجو میں نکلے لیکن کوئی نہ ملا واپس آئے گھر میں داخل ہوئے تو دیکھا کہ ایک شخص کھڑا ہوا ہے پوچھا اے اللہ کے بندے تجھے میرے گھر میں آنے کی اجازت کس نے دی؟ اس نے کہا اس مکان کے حقیقی مالک نے' پوچھا تم کون ہو؟ کہا میں ملک الموت ہوں مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک بندے کے پاس اس لئے بھیجا ہے کہ میں اسے یہ بشارت سنادوں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے اپنا خلیل بنالیا ہے' یہ سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کہا پھر تو مجھے ضرور بتایئے کہ وہ بزرگ کون ہیں؟ اللہ عزوجل کی قسم اگر وہ زمین کے کسی دور کے گوشے میں بھی ہوں گے میں ضرور جا کر ان سے ملاقات کروں گا پھر اپنی باقی زندگی ان کے قدموں میں ہی گذاروں گا' یہ سن کر حضرت ملک الموت نے کہا وہ شخص خود آپ ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کیا سچ مچ میں ہوں؟ فرشتے نے کہا ہاں آپ ہی ہیں۔ آپ نے پھر دریافت فرمایا کہ آپ مجھے یہ بھی بتائیں کہ کس بنا پر کن کاموں پر اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنا خلیل بنایا؟ فرشتے نے فرمایا اس لیے کہ تم ہر ایک کو دیتے رہتے ہو اور خود کسی سے کچھ طلب نہیں کرتے اور روایت میں ہے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خلیل اللہ کے ممتاز اور مبارک لقب سے اللہ نے ملقب کیا تب سے تو ان کے دل میں اس قدر خوف رب اور ہیبت رب سما گئی کہ ان کے دل کا اچھلنا دور سے اس طرح سنا جاتا تھا جس طرح فضا میں پرند کے پرواز کی آواز۔ صحیح حدیث میں جناب رسول آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت بھی وارد ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ کا خوف آپ پر غالب آ جاتا تھا تو آپ کے رونے کی آواز جسے آپ ضبط کرتے جاتے تھے اس طرح دور و نزدیک والوں کو سنائی دیتی تھی جیسے کسی ہنڈیا کے کھولنے کی آواز ہو۔ [1]

پھر فرماتا ہے کہ زمین وآسمان میں جو کچھ ہے سب اللہ کی ملکیت میں اور اس کی غلامی میں اور اسی کا پیدا کیا ہوا ہے۔ جس طرح جب جو تصرف ان میں وہ کرنا چاہتا ہے بغیر کسی روک ٹوک کے بلا مشورہ غیرے اور بغیر کسی کی شراکت اور مدد کے کر گذرتا ہے۔ کوئی نہیں جو اس کے ارادے سے اسے باز رکھ سکے کوئی نہیں جو اس کے حکم میں حائل ہو سکے کوئی نہیں جو اس کی مرضی کو بدل سکے وہ عظمتوں اور قدرتوں والا وہ عدل وحکمت والا وہ لطف ورحم والا واحد وصمد اللہ ہے۔ اس کا علم ہر چھوٹی بڑی چیز کو گھیرے ہوئے ہے' مخفی سے مخفی اور چھوٹی سے چھوٹی اور دور سے دور والی چیز بھی اس پر پوشیدہ نہیں' ہماری نگاہوں سے جو پوشیدہ ہیں اس کے علم میں سب ظاہر ہیں۔

وَ يَسْتَفْتُوْنَكَ فِي النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِيْهِنَّ ۙ وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ فِيْ يَتٰمَى النِّسَآءِ الّٰتِيْ لَا تُؤْتُوْنَهُنَّ مَا كُتِبَ لَهُنَّ وَ تَرْغَبُوْنَ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ وَ الْمُسْتَضْعَفِيْنَ مِنَ الْوِلْدَانِ ۙ وَاَنْ تَقُوْمُوْا لِلْيَتٰمٰى بِالْقِسْطِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِهٖ عَلِيْمًا ﴿۱۲۷﴾

---

[1] [صحیح : مسند احمد (٤/٢٥) ابو داؤد : کتاب الصلاة : باب البکاء فی الصلاة (٩٠٤) نسائی (١٢١٥) ترمذی (٣٢٢) صحیح ابن خزیمة (٩٠٠)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة (١٦٣١٢)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الترغیب (٥٤٤)]

تجھ سے عورتوں کے بارے میں حکم دریافت کرتے ہیں' تو کہہ دے کہ خود اللہ ان کے بارے میں حکم دے رہا ہے اور قرآن کی وہ آیتیں جو تم پر ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں پڑھی جاتی ہیں جنہیں ان کا مقرر حق تم نہیں دیتے اور انہیں اپنے نکاح میں لانے کی رغبت رکھتے ہو اور کمزور بچوں کے بارے میں اور اس بارے میں کہ یتیموں کی کارگزاری انصاف کے ساتھ کرو' تم جو نیک کام کرو بے شبہ اللہ اسے پوری طرح جاننے والا ہے○

یتامی کے مربیوں کے لیے احکام: صحیح بخاری شریف میں ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں اس سے مراد وہ شخص ہے جس کی پرورش میں کوئی یتیم بچی ہو جس کا ولی وارث بھی وہی ہو مال میں شریک ہو گیا ہو اب چاہتا یہ ہو کہ اس یتیمہ سے میں نکاح کر لوں اس بنا پر اور جگہ اس کی شادی روکتا ہو ایسے شخص کے بارے میں یہ آیت اتری ہے' [1] ایک روایت میں ہے کہ اس آیت کے اترنے کے بعد جب پھر لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ان یتیم لڑکیوں کے بارے میں سوال کیا تو اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَيَسْتَفْتُوْنَكَ﴾ الخ میں جو یہ فرمایا گیا ہے ﴿وَمَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ فِى الْكِتَابِ﴾ اس سے مراد پہلی آیت ﴿وَاِنْ خِفْتُمْ اَنْ لَّا تُقْسِطُوْا فِى الْيَتَامٰى﴾ [2] الخ ہے۔ [3]

آپ سے یہ بھی منقول ہے کہ یتیم لڑکیوں کے ولی وارث جب ان کے پاس مال کم پاتے یا وہ حسین نہ ہوتیں تو ان سے نکاح کرنے سے باز رہتے اور اگر مالدار اور صاحب جمال پاتے تو نکاح کی رغبت کرتے لیکن اس حال میں بھی چونکہ ان لڑکیوں کا اور کوئی محافظ نہیں ہوتا تھا ان کے مہر اور حقوق میں کمی کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں روک دیا کہ بغیر پورا مہر اور پورے حقوق دینے کے نکاح کر لینے کی اجازت نہیں۔ مقصد یہ ہے کہ ایسی یتیم بچی جس سے اس کے ولی کو نکاح حلال ہو تو وہ اس سے نکاح کر سکتا ہے بشرطیکہ جو مہر اس جیسی اس کے کنبے قبیلے کی اور لڑکیوں کو ملا ہے اسے بھی اتنا ہی دے اور اگر ایسا نہ کرے تو اسے چاہیے اس سے نکاح بھی نہ کرے۔ اس سورت کے شروع میں اس مضمون کی پہلی آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ اس یتیم بچی سے خود اس کا ایسا ولی جسے اس سے نکاح کرنا حلال ہے اسے اپنے نکاح میں لانا نہیں چاہتا خواہ کسی وجہ سے ہو لیکن یہ جان کر کہ جب یہ دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی تو جو مال میرے اور اس لڑکی کے درمیان شراکت میں ہے وہ بھی میرے قبضے سے جاتا رہے گا۔ تو ایسے ناواجبی فعل سے اس آیت میں روک دیا گیا۔ یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت میں دستور تھا کہ یتیم لڑکی کا والی جب لڑکی کو اپنی ولایت میں لیتا تو اس پر ایک کپڑا ڈال دیتا اب کسی کی مجال نہ تھی کہ اس سے نکاح کر سکے خود آپ نکاح کر لیتا اور مال بھی ہضم کر جاتا اور اگر وہ صورت شکل میں اچھی نہ ہوتی اور مالدار ہوتی تو اسے دوسری جگہ نکاح کرنے سے روک دیتا وہ بیچاری یونہی مر جاتی اور یہ اس کا مال قبضہ میں کر لیتا۔ اس سے اللہ تعالیٰ اس آیت میں منع فرما رہا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے ساتھ ہی یہ بھی مروی ہے کہ جاہلیت والے

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ویستفتونك فی النسآء (٤٦٠٠) صحیح مسلم : کتاب التفسیر : باب فی تفسیر آیات متفرقه (٣٠١٨) ابو داؤد : کتاب النکاح : باب ما یکره ان یجمع بینهن من النسآء (٢٠٦٨)]

[2] [سورة النسآء: آیت ٣]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٢٥٨/٩)]

چھوٹے لڑکوں کو اور چھوٹی لڑکیوں کو وارث نہیں سمجھتے تھے اس رسم کو بھی قرآن نے ختم کر دیا اور ہر ایک کو حصہ دلوایا اور فرمایا کہ لڑکی اور لڑکے کو خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے حصہ ضرور دو۔ البتہ لڑکی کو آدھا اور لڑکے کو پورا یعنی دو لڑکیوں کے برابر اور یتیم لڑکیوں کے بارے میں انصاف کا حکم دیا کہ جب جمال و مال والی سے خود تم اپنا نکاح کر لیتے ہو تو پھر ان سے بھی کر لیا کرو جو مال و جمال میں کم ہوں پھر فرمایا یقین مانو کہ تمہارے تمام اعمال سے اللہ تعالیٰ باخبر ہے۔ تمہیں چاہیے کہ خیر کے کام کرو فرماں برداری کرو اور نیک جزا حاصل کرو۔

وَاِنِ امْرَاَةٌ خَافَتْ مِنْۢ بَعْلِهَا نُشُوْزًا اَوْ اِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ۭ وَالصُّلْحُ خَيْرٌ ۭ وَاُحْضِرَتِ الْاَنْفُسُ الشُّحَّ ۭ وَاِنْ تُحْسِنُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ﴿١٢٨﴾ وَلَنْ تَسْتَطِيْعُوْٓا اَنْ تَعْدِلُوْا بَيْنَ النِّسَاۗءِ وَلَوْ حَرَصْتُمْ فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْھَا كَالْمُعَلَّقَةِ ۭ وَاِنْ تُصْلِحُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿١٢٩﴾ وَاِنْ يَّتَفَرَّقَا يُغْنِ اللّٰهُ كُلًّا مِّنْ سَعَتِهٖ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ وَاسِعًا حَكِيْمًا ﴿١٣٠﴾

اگر کسی عورت کو اپنے شوہر کی بد دماغی اور بے پرواہی کا خوف ہو تو دونوں آپس میں جو صلح کر لیں اس میں کسی پر کوئی گناہ نہیں، صلح بہت بہتر چیز ہے، طمع ہر ہر نفس میں حاضر کر دی گئی ہے، اگر تم اچھا سلوک اور پرہیز گاری کرو تو تم جو کر رہے ہو اس پر اللہ تعالیٰ پوری طرح خبردار ہے ○ تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ اپنی تمام بیویوں میں ہر طرح عدل کرو گو تم اس کی کتنی ہی آرزو کرو پس بالکل ہی ایک کی طرف مائل ہو کر دوسری کو ادھر لٹکتی ہوئی نہ چھوڑو، اور اگر تم اصلاح کرو اور احتیاط کرو تو بیشک اللہ تعالیٰ بڑی مغفرت اور رحمت والا ہے ○ اور اگر میاں بیوی جدا ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اپنی وسعت سے ہر ایک کو بے نیاز کر دے گا، اللہ تعالیٰ وسعت والا حکمت والا ہے ○

میاں بیوی میں مصالحت: اللہ تعالیٰ میاں بیوی کے حالات اور ان کے احکام بیان فرما رہا ہے، کبھی مرد اس سے ناخوش ہو جاتا ہے، کبھی چاہنے لگتا ہے اور کبھی الگ کر دیتا ہے۔ پس پہلی حالت میں جبکہ عورت کو اپنے شوہر کی ناراضگی کا خیال ہے اور اسے خوش کرنے کے لیے اپنے تمام حقوق سے یا کسی خاص حق سے وہ دست برداری کرنا چاہے تو کر سکتی ہے۔ مثلاً اپنا کھانا کپڑا چھوڑ دے یا شب باشی کا حق معاف کر دے تو دونوں کے لیے جائز ہے۔ پھر اسی کی رغبت دلاتا ہے کہ صلح ہی بہتر ہے۔ حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا جب بہت بڑی عمر کو ہو جاتی ہیں اور انہیں معلوم ہوتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں جدا کر دینے کا ارادہ رکھتے ہیں تو کہتی ہیں کہ میں اپنی باری کا حق حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں چنانچہ اسی پر صلح ہو گئی اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے قبول فرما لیا۔ ابوداود میں ہے کہ اسی پر یہ آیت اتری۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میاں بیوی جس بات پر رضامند ہو جائیں وہ جائز ہے۔ [1] آپ فرماتے ہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے

---

[1] [صحیح: تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٦١٣) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة النسآء (٣٠٤٠)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (٢٠٢٠)]

وصال کے وقت آپ کی نو بیویاں تھیں جن میں سے آپ نے آٹھ کو باریاں تقسیم کر رکھی تھیں۔ ①

بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا دن بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتے تھے۔ ② حضرت عروہ کا قول ہے کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو بڑی عمر میں جب یہ معلوم ہوا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں چھوڑ دینا چاہتے ہیں تو خیال کیا کہ آپ کو صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوری محبت ہے اگر میں اپنی باری انہیں دے دوں تو کیا عجب کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہو جائیں اور میں آپ کی بیویوں میں ہی آخر دم تک رہ جاؤں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا بیان ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم رات گزارنے میں اپنی تمام بیویوں کو برابر کے درجے پر رکھا کرتے تھے عموماً ہر روز سب بیویوں کے ہاں آتے بیٹھتے بولتے چالتے مگر ہاتھ نہ بڑھاتے پھر آخر میں جن بیوی صاحبہ کی باری ہوتی ان کے ہاں جاتے اور رات وہیں گذارتے۔ پھر حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ بیان فرمایا جو اوپر گذرا۔ ③ (ابوداؤد) معجم ابو العباس کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق کی خبر بھجوائی یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ہاں جا بیٹھیں جب آپ تشریف لائے تو کہنے لگیں آپ کو اس اللہ تعالیٰ کی قسم ہے جس نے آپ پر اپنا کلام نازل فرمایا اور اپنی مخلوق میں سے آپ کو برگزیدہ اور اپنا پسندیدہ بنایا آپ مجھ سے رجوع کر لیجیے میری عمر بڑی ہو گئی ہے مجھے مرد کی خاص خواہش نہیں رہی لیکن یہ چاہت ہے کہ قیامت کے دن آپ کی بیویوں میں اٹھائی جاؤں چنانچہ آپ نے یہ منظور فرما لیا اور رجوع کر لیا پھر یہ کہنے لگیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی باری کا دن اور رات آپ کی محبوب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کرتی ہوں۔ بخاری شریف میں ہے کہ اس آیت سے مراد یہ ہے کہ ایک بڑھیا عورت جو اپنے خاوند کو دیکھتی ہے کہ وہ اس سے محبت نہیں کر سکتا بلکہ اسے الگ کرنا چاہتا ہے تو وہ کہتی ہے کہ میں اپنے حق چھوڑتی ہوں تو مجھے جدا نہ کر تو آیت دونوں کو رخصت دیتی ہے۔ ④ یہی صورت اس وقت بھی ہے جب کسی کی دو بیویاں ہوں اور ایک سے اس کو بوجہ اس کے بڑھاپے یا بدصورتی کے محبت نہ ہو اور وہ اسے جدا کرنا چاہتا ہو اور یہ بوجہ اپنے لگاؤ یا بعض اور مصالح کے الگ ہونا پسند نہ کرتی ہو تو اسے حق ہے کہ اپنے بعض یا سب حقوق سے الگ ہو جائے اور خاوند اس کی بات کو منظور کر کے اسے جدا نہ کرے۔

ابن جریر میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ایک سوال کیا (جسے اس کی بیہودگی کی وجہ سے) آپ نے

---

① [صحیح : مسند الشافعی (۲/۲۸) صحیح بخاری (۵۰٦۸) صحیح مسلم (۱٤٦٥)]

② [صحیح : صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب المرأة تهب یومها (۵۲۱۲) صحیح مسلم : کتاب الرضاع : باب جواز هبتها (۱٤٦٣)]

③ [صحیح : مستدرك حاکم (۲/۱۸٦) ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی القسم بین النسآء (۲۱۳۵)] امام حاکم نے اسے صحیح کہا ہے، امام ذہبی نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ البانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابوداود] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

④ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المظالم : باب اذا حلله من ظلمه فلا رجوع فیه (۲٤۵۰) صحیح مسلم : کتاب التفسیر : باب فی تفسیر آیات متفرقة (۳۰۲۱)]

ناپسند فرمایا اور اسے کوڑا مار دیا پھر ایک اور نے اسی آیت کی بابت سوال کیا تو آپ نے فرمایا ہاں یہ باتیں پوچھنے کی ہیں' اس سے ایسی صورت مراد ہے کہ مثلاً ایک شخص کی بیوی ہے لیکن وہ بڑھیا ہوگئی ہے اولاد نہیں ہوتی اس نے اولاد کی خاطر کسی جوان عورت سے اور نکاح کیا پھر یہ دونوں جس چیز پر آپس میں اتفاق کر لیں جائز ہے۔ (۱) حضرت علی رضی اللہ عنہ سے جب اس آیت کی نسبت پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا کہ اس سے مراد وہ عورت ہے جو بوجہ اپنے بڑھاپے کے یا بد صورتی کے یا بد خلقی کے یا گندگی کے اپنے خاوند کی نظروں میں گر جائے اور اس کی چاہت یہ ہو کہ خاوند مجھے نہ چھوڑے تو یہ اپنا پورا یا ادھورا مہر معاف کر دے یا اپنی باری معاف کر دے وغیرہ تو اس طرح صلح کر سکتے ہیں۔ (۲) سلف اور ائمہ سے اس کی یہی تفسیر مروی ہے بلکہ تقریباً اس پر اتفاق ہے میرے خیال سے تو اس کا کوئی مخالف نہیں واللہ اعلم۔

محمد بن مسلم کی صاحبزادی حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کے گھر میں تھیں بوجہ بڑھاپے کے یا کسی اور امر کے یہ انہیں چاہتے نہ تھے یہاں تک کہ طلاق دینے کا ارادہ کر لیا اس پر انہوں نے کہا آپ مجھے طلاق تو نہ دیجیے اور جو آپ چاہیں فیصلہ کریں مجھے منظور ہے۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (۳) ان دونوں آیتوں میں ذکر ہے اس عورت کا جس سے اس کا خاوند بگڑا ہوا ہو اسے چاہیے کہ اپنی بیوی سے کہہ دے کہ اگر وہ چاہے تو اسے طلاق دے دے اور اگر وہ چاہے تو اس بات کو پسند کر کے اس کے گھر میں رہے کہ وہ مال کی تقسیم میں اور باری کی تقسیم میں اس پر دوسری بیوی کو ترجیح دے گا اب اسے اختیار ہے اگر یہ دوسری شق کو منظور کر لے تو شرعاً خاوند کو جائز ہے کہ اسے باری نہ دے اور جو مہر وغیرہ اس نے چھوڑا ہے اسے اپنی ملکیت سمجھے۔ حضرت رافع بن خدیج انصاری رضی اللہ عنہ کی بیوی صاحبہ جب سن رسیدہ ہو گئیں تو انہوں نے ایک نوجوان لڑکی سے نکاح کیا اور پھر اسے زیادہ چاہنے لگے اور اسے پہلی بیوی پر مقدم رکھنے لگے آخر اس سے تنگ آ کر طلاق طلب کی آپ نے دے دی پھر عدت ختم ہونے کے قریب لوٹا لی' لیکن پھر وہی حال ہوا کہ جوان بیوی کو زیادہ چاہنے لگے اور اسکی طرف جھک گئے اس نے پھر طلاق مانگی آپ نے دوبارہ طلاق دے دی پھر لوٹا لیا لیکن پھر وہی نقشہ پیش آیا پھر اس نے قسم دی کہ مجھے طلاق دے دو تو آپ نے فرمایا دیکھو اب یہ تیسری آخری طلاق ہے اگر تم چاہو تو میں دے دوں اور اگر چاہو تو اسی طرح رہنا منظور کر و اس نے سوچ کر جواب دیا کہ اچھا مجھے اسی طرح منظور ہے چنانچہ وہ اپنے حقوق سے دست بردار ہو گئیں اور اسی طرح رہنے سہنے لگیں۔ اس جملے کا کہ صلح خیر ہے۔ ایک معنی تو یہ بیان کیا گیا ہے کہ خاوند کا اپنی بیوی کو یہ اختیار دینا کہ اگر تو چاہے تو اسی طرح رہ کر دوسری بیوی کے برابر تیرے حقوق نہ ہوں اور اگر تو چاہے تو طلاق لے لے' یہ بہتر ہے اس سے کہ یونہی دوسری کو اس پر ترجیح دیئے ہوئے رہے۔ لیکن اس سے اچھا مطلب یہ ہے کہ بیوی اپنا کچھ چھوڑ دے اور خاوند اسے طلاق نہ دے اور آپس میں مل کر رہیں یہ طلاق دینے اور لینے سے بہتر ہے' جیسے کہ خود نبی اللہ علیہ السلام نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کو اپنی زوجیت میں رکھا اور انہوں نے اپنا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کر دیا۔ آپ کے اس فعل میں بھی آپ کی امت کے لیے بہترین نمونہ ہے کہ ناموافقت کی صورت میں بھی طلاق کی نوبت نہ آئے۔

---

(۱) [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰۵۸٤)] (۲) [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰۵۸۰)]

(۳) [مستدرك حاکم (۳۰۸/۲) مسند شافعی (۲۸/۲)]

چونکہ اللہ اعلیٰ واکبر کے نزدیک صلح افتراق سے بہتر ہے اس لیے یہاں فرمادیا کہ صلح خیر ہے۔

بلکہ ابن ماجہ وغیرہ کی حدیث میں ہے تمام حلال چیزوں میں سے سب سے زیادہ ناپسند چیز اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ ① پھر فرمایا تمہارا احسان اور تقویٰ کرنا یعنی عورت کی طرف کی ناراضگی سے درگذر کرنا اور اسے باوجود ناپسندیدگی کے اس کا پورا حق دینا باری میں لین دین میں برابری کرنا یہ بہترین فعل ہے جسے اللہ بخوبی جانتا ہے اور جس پر وہ بہت اچھا بدلہ عطا فرمائے گا۔ پھر ارشاد ہوتا ہے کہ گو تم چاہو کہ اپنی کئی ایک بیویوں کے درمیان ہر طرح بالکل پورا عدل وانصاف اور برابری کرو تو بھی تم کر نہیں سکتے۔ اس لیے کہ گو ایک ایک رات کی باری باندھ لو لیکن محبت چاہت شہوت جماع وغیرہ میں برابری کیسے کر سکتے ہو؟ ابن ابی ملکیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ بات حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں نازل ہوئی ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہیں بہت چاہتے تھے اسی لیے ایک حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم عورتوں کے درمیان صحیح طور پر مساوات رکھتے تھے لیکن پھر بھی اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے ہوئے فرماتے تھے الٰہی یہ وہ تقسیم ہے جو میرے بس میں تھی اب جو چیز میرے قبضہ سے باہر ہے یعنی دلی تعلق اس میں تو مجھے ملامت نہ کرنا۔ (ابوداؤد) ② اس کی اسناد صحیح ہیں لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں دوسری سند سے یہ مرسلاً مروی ہے اور وہ زیادہ صحیح ہے۔

پھر فرمایا بالکل ہی ایک جانب جھک نہ جاؤ کہ دوسری کو لٹکا دو وہ نہ بے خاوند کی رہے نہ خاوند والی وہ تمہاری زوجیت میں ہو اور تم اس سے بے رخی برتو' نہ تو اسے طلاق ہی دو کہ اپنا دوسرا نکاح کر لے' نہ اس کے وہ حقوق ادا کرو جو ہر بیوی کے لیے اس کے میاں پر ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جس کی دو بیویاں ہوں پھر وہ بالکل ہی ایک کی طرف جھک جائے تو قیامت کے دن اللہ کے سامنے اس طرح آئے گا کہ اس کا آدھا جسم ساقط ہوگا۔ (احمد وغیرہ) ③

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حدیث مرفوع طریق سے سوائے ہمام کی حدیث کے پہچانی نہیں جاتی۔ پھر فرماتا ہے اگر تم اپنے کاموں کی اصلاح کر لو اور جہاں تک تمہارے اختیار میں ہو عورتوں کے درمیان عدل وانصاف اور مساوات برتو ہر حال میں اللہ سے ڈرتے رہا کرو' اس کے باوجود اگر تم کسی وقت کسی ایک کی طرف مائل ہو گئے ہو اسے اللہ تعالیٰ معاف فرمادے گا۔ پھر تیسری حالت بیان فرماتا ہے کہ اگر کوئی صورت بھی نباہ کی نہ ہو اور

---

① [ضعیف :ابوداؤد : کتاب الطلاق : باب فی کراھیة الطلاق (۲۱۷۸) ابن ماجه (۲۰۱۸) بیھقی فی السنن الکبری (۳۲۲/۷)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود ، ارواء الغلیل (۲۰۴۰)]

② [ضعیف :ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی القسم بین النسآء (۲۱۳٤) نسائی : کتاب عشرة النسآء : باب میل الرجل الی بعض نسائه (۳۳۹۵) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب القسمة بین النسآء (۱۹۷۱) ترمذی : کتاب النکاح : باب ماجآء فی التسویة بین الضرائر (۱۱٤۰) مسند احمد (۱٤٤/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود ، ضعیف ترمذی]

③ [صحیح :ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی القسم بین النسآء (۲۱۳۳) ترمذی : کتاب النکاح : باب ماجآء فی التسویة بین الضرائر (۱۱٤۱) ابن ماجه : کتاب النکاح : باب فی القسمة بین النسآء (۱۹۶۹)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود ، ارواء الغلیل (۲۰۱۷) السلسلة الصحیحة (۲۰۷۷)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

دونوں الگ ہو جائیں تو اللہ ایک کو دوسرے سے بے نیاز کر دے گا' اسے اس سے اچھا شوہر اور اسے اس سے اچھی بیوی دے دے گا۔ اللہ کا فضل بہت وسیع ہے وہ بڑے احسانوں والا ہے اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے تمام افعال ساری تقدیریں اور پوری شریعت حکمت سے سراسر بھرپور ہے۔

وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَلَقَدْ وَصَّيْنَا الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَاِيَّاكُمْ اَنِ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَنِيًّا حَمِيْدًا ﴿۱۳۱﴾ وَلِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۳۲﴾ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ عَلٰى ذٰلِكَ قَدِيْرًا ﴿۱۳۳﴾ مَنْ كَانَ يُرِيْدُ ثَوَابَ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ ثَوَابُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا بَصِيْرًا ﴿۱۳۴﴾

زمین و آسمان کی ہر ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت میں ہے' اور واقعی ہم نے ان لوگوں کو جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے تھے اور تم کو بھی یہی حکم دیا ہے کہ اللہ سے ڈرتے رہا کرو' اور اگر تم کفر کرو تو اللہ ہی کے لیے ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اللہ بہت بے حاجت اور تعریف کیا گیا ہے ○ اللہ کے اختیار میں ہیں آسمانوں کی سب چیزیں اور زمین کی بھی اور اللہ کافی کارساز ہے ○ اگر اسے منظور ہو تو اے لوگو وہ تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے' اللہ تعالیٰ اس پر پوری قدرت رکھنے والا ہے ○ جو شخص دنیا کا ثواب چاہتا ہو تو اللہ تعالیٰ کے پاس تو دنیا اور آخرت کا ثواب موجود ہے' اللہ تعالیٰ بہت سننے والا اور خوب دیکھنے والا ہے ○

حقیقی مالک سے مانگو: اللہ تعالیٰ مطلع کرتا ہے کہ زمین و آسمان کا مالک اور حاکم وہی ہے فرماتا ہے جو احکام تمہیں دیئے جاتے ہیں کہ اللہ سے ڈرو اس کی وحدانیت کو مانو اس کی عبادت کرو۔ کسی اور کی عبادت نہ کرو یہی احکام تم سے پہلے کے اہل کتاب کو بھی دیئے گئے تھے اور اگر تم کفر کرو (تو اللہ کا کیا بگاڑو گے؟) وہ تو زمین و آسمان کا تنہا مالک ہے' جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا کہ اگر تم اور تمام روئے زمین کے انسان کفر کرنے لگو تو بھی اللہ تعالیٰ بے پرواہ اور لائق ستائش ہے اور جگہ فرمایا ﴿فَكَفَرُوْا وَتَوَلَّوْا وَّاسْتَغْنَى اللّٰهُ وَاللّٰهُ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ﴾ [1] انہوں نے کفر کیا اور منہ موڑ لیا اللہ نے ان سے بے نیازی کی اور اللہ بہت ہی بے نیاز اور تعریف کیا گیا ہے۔ اپنے تمام بندوں سے غنی اور اپنے تمام کاموں میں حمد کیا گیا ہے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز کا وہ مالک ہے اور ہر شخص کے تمام افعال پر وہ گواہ ہے اور ہر چیز کا وہ عالم اور شاہد ہے۔ وہ قادر ہے کہ اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو تو وہ تمہیں برباد کر دے اور غیروں کو آباد کر دے' جیسا کہ دوسری آیت میں ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ﴾ [2] اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں بدل کر تمہارے سوا اور قوم کو لائے گا

---

[1] [سورة التغابن : آيت ٦]
[2] [محمد: ٣٨]

جوتم جیسے نہ ہوں گے بعض سلف سے منقول ہے کہ اس آیت پر غور کرو اور سوچو کہ گنہگار بندے اللہ اکبر واعلیٰ کے نزدیک کس قدر ذلیل اور فرومایہ ہیں؟ اور آیت میں یہ بھی فرمایا ہے کہ اللہ مقتدر پر یہ کام کچھ مشکل نہیں۔

پھر فرماتا ہے اے وہ شخص جس کا پورا قصد اور جس کی تمام تر کوشش صرف دنیا کے لیے ہے تو جان لے کہ دونوں جہاں دنیا اور آخرت کی بھلائیاں اللہ کے قبضے میں ہیں' تو جب اس سے دونوں ہی طلب کرے گا تو وہ تجھے دے گا اور تجھے بے پرواہ کر دے گا اور آسودہ بنا دے گا۔ اور جگہ فرمایا بعض لوگ وہ ہیں جو کہتے ہیں اللہ تعالیٰ ہمیں دنیا دے ان کا کوئی حصہ آخرت میں نہیں اور ایسے بھی ہیں جو دعائیں کرتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمیں دنیا کی بھلائیاں دے اور آخرت میں بھی بھلائیاں عطا فرما اور جہنم کے عذاب سے ہمیں نجات عطا فرما۔ یہ ہیں جنہیں ان کے اعمال کا پورا حصہ ملے گا۔ اور جگہ ہے جو شخص آخرت کی کھیتی کا ارادہ رکھے ہم اس کی کھیتی میں زیادتی کریں گے اور آیت میں ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْعَاجِلَةَ﴾ [1] الخ جو شخص دنیا طلب ہو تو ہم جسے چاہیں جتنا چاہیں دنیا میں دے دیں۔

امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس آیت کے یہ معنی بیان کیے ہیں کہ جن منافقوں نے دنیا کی جستجو میں ایمان قبول کیا تھا انہیں دنیا گو مل گئی یعنی مسلمانوں سے مال غنیمت میں سے حصہ مل گیا' لیکن آخرت میں ان کے لیے اللہ العالمین کے پاس جو تیاری ہے وہ انہیں وہاں ملے گی یعنی جہنم کی آگ اور وہاں کے گوناگوں عذاب۔

توامام صاحب مذکور رحمہ اللہ کے نزدیک یہ آیت مثل آیت ﴿مَنْ كَانَ يُرِيْدُ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا﴾ [2] الخ' کے ہے۔ کوئی شک نہیں کہ اس آیت کے معنی تو بظاہر یہی ہیں لیکن پہلی آیت کو بھی اسی معنی میں لینا ذرا غور طلب امر ہے کیونکہ اس آیت کے الفاظ تو صاف بتا رہے ہیں کہ دنیا اور آخرت کی بھلائی دینا اللہ العالمین کے ہاتھ ہے تو ہر شخص کو چاہیے کہ وہ اپنی ہمت ایک ہی چیز کی جستجو میں خرچ نہ کر دے بلکہ دونوں چیزوں کے حاصل کرنے کی کوشش کرے جو تمہیں دنیا دیتا ہے وہی آخرت کا مالک بھی ہے۔ یہ بڑی پست ہمتی ہوگی کہ تم اپنی آنکھیں بند کر لو اور بہت دینے والے سے تھوڑا مانگو' نہیں نہیں بلکہ تم دنیا اور آخرت کے بڑے بڑے کاموں اور بہترین مقاصد کو حاصل کرنے کی کوشش کرو' اپنا نصب العین صرف دنیا کو نہ بنالو' عالی ہمتی اور بلند پردازی سے وسعت نظری کو کام میں لا کر عیش جاودانی کی کوشش وسعی کرو یاد رکھو دونوں جہان کا مالک وہی ہے ہر ہر نفع اسی کے ہاتھ میں ہے کوئی نہیں جسے اس کے ساتھ شراکت ہو یا اس کے کاموں میں دخل ہو سعادت وشقاوت اس نے تقسیم کی ہے خزانوں کی کنجیاں اس نے اپنی مٹھی میں رکھ لی ہیں' وہ ہر ایک مستحق کو جانتا ہے اور جس کا وہ مستحق ہوتا ہے اسے وہی پہچانتا ہے' بھلا تم غور تو کرو کہ تمہیں دیکھنے سننے کی طاقت دینے والے کا اپنا دیکھنا سننا کیسا ہوگا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰٓي اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا ۣ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا ۚ وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا ۝١٣٥

---

[1] [بنی اسرائیل : ۱۸] [2] [ھود: ۱۵]

اے ایمان والو عدل و انصاف پر مضبوطی سے جم جانے والے اور خوشنودی اللہ کے لیے سچی گواہی دینے والے بن جاؤ گو وہ خود تمہارے اپنے خلاف ہو یا اپنے ماں باپ کے یا رشتے دار عزیزوں کے، وہ شخص اگر امیر ہو تو اور فقیر ہو تو دونوں کے ساتھ اللہ کو زیادہ تعلق ہے سو تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا، اور اگر تم نے کج بیانی یا پہلو تہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے ○

سچی گواہی اور عدل و انصاف کی ترغیب: اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو حکم دیتا ہے کہ وہ عدل و انصاف پر مضبوطی سے جمے رہیں اس سے ایک انچ ادھر ادھر نہ سرکیں، ایسا نہ ہو کہ ڈر کی وجہ سے یا کسی لالچ کی بنا پر یا کسی خوشامد میں یا کسی پر رحم کھا کر یا کسی سفارش سے عدل و انصاف چھوڑ بیٹھیں۔ سب مل کر عدل کو قائم و جاری کریں ایک دوسرے کی اس معاملہ میں مدد کریں اور اللہ کی مخلوق میں عدالت کے سکے جما دیں۔ اللہ کے لیے گواہ بن جائیں جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ﴾ [1] الخ، یعنی گواہیاں اللہ کی رضا جوئی کے لیے دو جو بالکل صحیح صاف سچی اور بے لاگ ہوں۔ انہیں بدلو نہیں، چھپاؤ نہیں، چبا کر نہ بولو صاف صاف سچی شہادت دو چاہے وہ تمہارے اپنے خلاف ہو تم حق گوئی سے نہ رکو اور یقین رکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنے فرماں بردار غلاموں کی مخلصی کی صورتیں بہت سی نکال دیتا ہے کچھ اسی پر موقوف نہیں کہ جھوٹی شہادت سے ہی اس کا چھٹکارا ہو۔ گو سچی شہادت ماں باپ کے خلاف ہوتی ہو گو اس شہادت سے رشتے داروں کو نقصان پہنچتا ہو، لیکن تم سچ ہاتھ سے نہ جانے دو گواہی سچی دو، اس لیے کہ حق ہر ایک پر غالب ہے، گواہی کے وقت نہ تونگر کا لحاظ کرو نہ غریب پر رحم کرو، ان کی مصلحتوں کو اللہ اعلیٰ و اکبر تم سے بہت بہتر جانتا ہے، تم ہر صورت اور ہر حالت میں سچی شہادت ادا کرو، دیکھو کسی کے برے میں آ کر خود اپنا برا نہ کر لو، کسی کی دشمنی میں عصبیت اور قومیت میں فنا ہو کر عدل و انصاف ہاتھ سے نہ جانے دو بلکہ ہر حال ہر آن عدل و انصاف کا مجسمہ بنے رہو، جیسے اور جگہ فرمان باری ہے ﴿وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى﴾ [2] کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے عدل کرتے رہو یہی تقویٰ کی شان کے قریب تر ہے۔

حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہما کو جب رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر والوں کی کھیتیوں اور باغوں کا اندازہ کرنے کو بھیجا تو انہوں نے آپ کو رشوت دینا چاہی کہ آپ مقدار کم بتا دیں تو آپ نے فرمایا سنو اللہ کی قسم نبی صلی اللہ علیہ وسلم مجھے تمام مخلوق سے زیادہ عزیز ہیں اور تم میرے نزدیک کتوں اور خنزیروں سے بدتر ہو لیکن باوجود اس کے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت میں آ کر یا تمہاری عداوت کو سامنے رکھ کر ناممکن ہے کہ میں انصاف سے ہٹ جاؤں اور تم میں عدل نہ کروں۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے بس اسی سے تو زمین و آسمان قائم ہے۔ یہ پوری حدیث سورۂ مائدہ کی تفسیر میں آئے گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

پھر فرماتا ہے اگر تم نے شہادت میں تحریف کی یعنی بدل دی غلط گوئی سے کام لیا واقعہ کے خلاف گواہی دی دبی زبان سے پیچیدہ الفاظ کہے واقعات غلط پیش کر دیئے یا کچھ چھپا لیا کچھ بیان کیا تو یاد رکھو اللہ جیسے باخبر حاکم کے سامنے یہ چال چل نہیں سکتی وہاں جا کر اس کا بدلہ پاؤ گے اور سزا بھگتو گے، حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

[1] سورۃ الطلاق: آیت ٢]
[2] [سورۃ المائدہ: آیت ٨]

بہترین گواہ وہ ہیں جو دریافت کرنے سے پہلے ہی سچی گواہی دے دیں۔ [1]

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْ نَزَّلَ عَلٰي رَسُوْلِهٖ وَالْكِتٰبِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ﴿۱۳۶﴾

اے ایمان والو اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول پر اور اس کتاب پر جو اس نے اپنے رسول (ﷺ) پر اتاری ہے اور ان کتابوں پر جو اس سے پہلے اس نے نازل فرمائی ہیں ایمان لاؤ' جو شخص اللہ سے اور اس کے فرشتوں سے اور اس کی کتابوں سے اور اس کے رسولوں سے اور قیامت کے دن سے کفر کرے وہ تو بہت بڑی دور کی گمراہی میں جا پڑا ۔

تکمیل ایمان کے لیے کامل اطاعت: ایمان والوں کو حکم دیا جا رہا ہے کہ ایمان میں پورے پورے داخل ہو جائیں تمام احکام کو کل شریعت کو ایمان کی تمام جزئیات کو مان لیں' یہ خیال نہ ہو کہ اس میں تحصیل حاصل ہے نہیں بلکہ تکمیل کامل ہے۔ ایمان لائے ہو تو اب اسی پر قائم رہو اللہ جل شانہ کو مانا ہے تو جس طرح وہ منوائے مانتے چلے جاؤ۔ یہی مطلب ہر مسلمان کی اس دعا کا ہے کہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت کر' یعنی ہماری ہدایت کو ثابت رکھ مدام رکھ اس میں ہمیں مضبوط کر اور دن بدن بڑھا تا رہ' اسی طرح یہاں بھی مومنوں کو اپنی ذات پر اور اپنے رسول ﷺ پر ایمان لانے کو فرمایا ہے اور آیت میں ایمانداروں سے خطاب کر کے فرمایا اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان لاؤ۔ پہلی کتاب سے مراد قرآن ہے اور اس سے پہلے کی کتاب سے مراد تمام نبیوں پر جو کتابیں نازل ہوئیں سب ہیں۔

قرآن کے لیے لفظ ﴿نَزَّلَ﴾ بولا گیا اور دیگر کتابوں کے لیے ﴿اَنْزَلَ﴾ اس لیے کہ قرآن بتدریج وقتاً فوقتاً تھوڑا تھوڑا کر کے اترا اور باقی کتابیں پوری پوری ایک ساتھ نازل ہوئیں' پھر فرمایا جو شخص اللہ جل شانہ کے ساتھ' اس کے فرشتوں کے ساتھ' اس کی کتابوں کے ساتھ' اس کے رسولوں کے ساتھ' آخرت کے دن کے ساتھ' کفر کرے وہ راہ ہدایت سے بہک گیا اور بہت دور کی غلط راہ پڑ گیا گمراہی میں راہ حق سے ہٹ کر راہ باطل پہ چلا گیا۔

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا كُفْرًا لَّمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَھُمْ وَلَا لِيَهْدِيَھُمْ سَبِيْلًا ﴿۱۳۷﴾ۭ بَشِّرِ الْمُنٰفِقِيْنَ بِاَنَّ لَھُمْ عَذَابًا اَلِيْمَۨا ﴿۱۳۸﴾ۙ الَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَھُمُ الْعِزَّةَ فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا ﴿۱۳۹﴾ۭ وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتٰبِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ يُكْفَرُ بِھَا وَيُسْتَهْزَاُ بِھَا فَلَا تَقْعُدُوْا مَعَھُمْ حَتّٰي يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖٓ ڮ اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعَۨا ﴿۱۴۰﴾ۙ

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الاقضیة: باب بیان خیر الشهود (۱۷۱۹)]

جن لوگوں نے ایمان قبول کر کے پھر کفر کیا' پھر ایمان لا کر پھر کفر کیا' پھر اپنے کفر میں بڑھ گئے' اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں نہ بخشے گا اور نہ انہیں راہ ہدایت سجھائے گا○ منافقوں کو اس امر کی خبر پہنچا دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب یقینی ہے○ جن کی یہ حالت ہے کہ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے پھرتے ہیں کیا ان کے پاس عزت کی تلاش میں جاتے ہیں؟ پس عزت تو ساری کی ساری اللہ کے قبضہ میں ہے○ اللہ تعالیٰ تمہارے پاس اپنی کتاب میں یہ حکم اتار چکا ہے کہ تم جب کسی مجلس والوں کو اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر کرتے' مذاق اڑاتے ہوئے سنو تو اس مجمع میں ان کے ساتھ نہ بیٹھو جب تک کہ وہ اس کے علاوہ اور باتیں کرنے نہ لگیں (ورنہ) تم بھی اس وقت انہی جیسے ہو یقیناً اللہ تعالیٰ تمام کافروں اور منافقوں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے○

بری صحبت کا نقصان: ارشاد ہو رہا ہے کہ جو ایمان لا کر پھر مرتد ہو جائے پھر وہ مومن ہو کر کافر بن جائے پھر اپنے کفر پر جم جائے اور اسی حالت میں مر جائے تو نہ اس کی توبہ قبول نہ اس کی بخشش کا امکان اس کا چھٹکارا' نہ فلاح' نہ اللہ اسے بخشے' نہ راہ راست پر لائے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس آیت کی تلاوت فرما کر فرماتے تھے مرتد سے تین بار کہا جائے کہ توبہ کر لے۔ پھر فرمایا یہ منافقوں کا حال ہے کہ آخر ان کے دلوں پر مہر لگ جاتی ہے پھر وہ مومنوں کو چھوڑ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں' ادھر بظاہر مومنوں سے ملے جلے رہتے ہیں اور کافروں میں بیٹھ کر مومنوں کا مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں ہم تو انہیں بیوقوف بنا رہے ہیں دراصل ہم تو تمہارے ساتھ ہیں' پس اللہ تعالیٰ ان کے مقصود اصلی کو ان کے سامنے پیش کر کے اس میں ان کی ناکامی کو بیان فرماتا ہے کہ تم چاہتے ہو ان کے پاس تمہاری عزت ہو مگر یہ تمہیں دھوکا ہوا ہے اور تم غلطی کر رہے ہو بگوش ہوش سنو عزتوں کا مالک تو اللہ تعالیٰ وحدہ لا شریک لہ ہے وہ جسے چاہے عزت دیتا ہے اور آیت میں ہے ﴿مَنْ كَانَ يُرِيدُ الْعِزَّةَ﴾ [1] الخ' اور فرمایا ﴿وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ﴾ [2] الخ' یعنی عزت اللہ کے لیے ہے اور اس کے رسول اور مومنوں کا حق ہے' لیکن منافق بے سمجھ لوگ ہیں۔ مقصود یہ ہے کہ اگر حقیقی عزت چاہتے ہو تو اللہ کے نیک بندوں کے اعمال اختیار کرو اس کی عبادت کی طرف جھک جاؤ اور اس جناب باری سے عزت کے خواہاں بنو' دنیا اور آخرت میں وہ تمہیں وقار بنا دے گا' مسند احمد بن حنبل کی یہ حدیث اس جگہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص فخر و غرور کے طور پر اپنی عزت ظاہر کرنے کے لیے اپنا نسب اپنے کفار باپ دادا سے جوڑے اور نو تک پہنچ جائے وہ بھی ان کے ساتھ دسواں جہنمی ہو گا۔ [3]

مجالس کفر سے اجتناب: پھر فرمان ہے جب میں تمہیں منع کر چکا کہ جس مجلس میں اللہ کی آیتوں سے انکار کیا جا رہا ہو اور ان کا مذاق اڑایا جا رہا ہو اس میں نہ بیٹھو' پھر بھی اگر تم ایسی مجلسوں میں شریک ہوتے رہو گے تو یاد رکھو

---

[1] [سورة فاطر: آیت ١٠] [2] [سورة المنافقون : آیت ٨]

[3] [ضعیف : مسند احمد (١٣٤/٤) التاريخ الكبير للبخاری (٣٥٥/٢) مسند ابویعلی (١٤٣٩) ابو نعیم فی اخبار اصبهان (٢٣٥/١) بیهقی فی شعب الایمان (٥١٣٢/٤)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو انقطاع کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (١٧٢١٢)] امام ابن جوزیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔[العلل المتناهية (٧٧٦/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعيفة (٢٤٣١)]

میرے ہاں تم بھی ان کے شریک کار سمجھے جاؤ گے۔ ان کے گناہ میں تم بھی انہی جیسے ہو جاؤ گے جیسے ایک حدیث میں ہے کہ جس دستر خوان پر شراب نوشی ہو رہی ہو اس پر کسی ایسے شخص کو نہ بیٹھنا چاہیے جو اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہو[1] اس آیت میں جس ممانعت کا حوالہ دیا گیا ہے وہ سورۂ انعام کی جو مکیہ ہے یہ آیت ﴿وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ [2] الخ جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں میں غوطے لگانے بیٹھ جاتے ہیں تو تو ان سے منہ موڑ لے۔ حضرت مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت کا یہ حکم ﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ اللہ تعالیٰ کے اس فرمان ﴿وَمَا عَلَى الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾ [3] سے منسوخ ہو گیا ہے یعنی متقیوں پر ان کے احسان کا کوئی بوجھ نہیں لیکن نصیحت ہے کیا عجب کہ وہ بچ جائیں۔ پھر فرمان باری ہے اللہ تعالیٰ تمام منافقوں کو اور سارے کافروں کو جہنم میں جمع کرنے والا ہے۔ یعنی جس طرح یہ منافق ان کافروں کے کفر میں یہاں شریک ہیں قیامت کے دن جہنم میں بھی اور ہمیشہ رہنے والے وہاں کے سخت تر دل ہلا دینے والے عذابوں کے سہنے میں بھی ان کے شریک حال رہیں گے۔ وہاں کی سزاؤں میں، وہاں کی قید و بند میں، طوق و زنجیر میں، گرم پانی کے کڑوے گھونٹ اتارنے میں اور پیپ کے لہو کے زہر مار کرنے میں بھی ان کے ساتھ ہوں گے اور دائمی سزا کا اعلان سب کو ساتھ ہی سنا دیا جائے گا۔

الَّذِیْنَ یَتَرَبَّصُوْنَ بِكُمْ ۚ فَاِنْ كَانَ لَكُمْ فَتْحٌ مِّنَ اللّٰهِ قَالُوْٓا اَلَمْ نَكُنْ مَّعَكُمْ ۖ وَاِنْ كَانَ لِلْكٰفِرِیْنَ نَصِیْبٌ ۙ قَالُوْٓا اَلَمْ نَسْتَحْوِذْ عَلَیْكُمْ وَنَمْنَعْكُمْ مِّنَ الْمُؤْمِنِیْنَ ؕ فَاللّٰهُ یَحْكُمُ بَیْنَكُمْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ؕ وَلَنْ یَّجْعَلَ اللّٰهُ لِلْكٰفِرِیْنَ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ سَبِیْلًا ﴿۱۴۱﴾

یہ لوگ تمہارے انجام کار کا انتظار کرتے رہتے ہیں، پھر اگر تمہیں اللہ فتح دے تو کہتے ہیں کیا ہم تمہارے ساتھی نہیں؟ اور اگر کافروں کو تھوڑا سا غلبہ مل جائے تو کہنے لگتے ہیں کیا ہم تم پر غالب نہ آنے لگے تھے اور کیا ہم نے تمہیں مسلمانوں کے ہاتھوں سے نہ بچایا تھا، پس قیامت کے دن خود اللہ تم میں فیصلہ کر دے گا اور اللہ تعالیٰ کافروں کو ایمان والوں پر ہرگز راہ نہ دے گا ○

منافقوں کی حالت زار: منافقوں کی بدباطنی کا ذکر ہے کہ مسلمانوں کی بربادی ان کی پستی کی تلاش میں لگے رہتے ہیں ٹوہ لیتے رہتے ہیں، اگر کسی جہاد میں مسلمان کامیاب و کامران ہو گئے اللہ کی مدد سے یہ غالب آ گئے تو ان کے پیٹ میں گھسنے کے لیے آ آ کر کہتے ہیں کیوں جی ہم بھی تو تمہارے ساتھی ہیں۔ اور اگر کسی وقت مسلمانوں کی آزمائش کے لیے اللہ جل شانہ نے کافروں کو غلبہ دے دیا جیسے احد میں ہوا تھا گو انجام کار حق ہی غالب رہا تو یہ ان کی طرف لپکتے ہیں اور کہتے ہیں دیکھو پوشیدہ طور پر تو ہم تمہاری تائید ہی کرتے رہے اور انہیں نقصان پہنچاتے رہے یہ ہماری ہی چالاکی تھی جس کی بدولت آج تم نے ان پر فتح پالی۔ یہ ہیں ان کے کرتوت کہ دو کشتیوں میں پاؤں رکھ

---

[1] **[صحیح :** ترمذی : کتاب الادب : باب ماجاء فی دخول الحمام (۲۸۰۱)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی ، ارواء الغلیل (۱۹۴۹)]

[2] [سورۃ الانعام: آیت ۶۸]

[3] [سورۃ الانعام: آیت ۶۹]

چھوڑتے ہیں ''دھوبی کا کتا نہ گھر کا نہ گھاٹ کا'' گویہ اپنی اس مکاری کو اپنے لیے باعث فخر جانتے ہیں لیکن دراصل یہ سراسر ان کی بے ایمانی اور کم یقینی کی دلیل سے بھلا کچا رنگ کب تک رہتا ہے؟ گاجر کی پونگی کب تک بجے گی؟ کاغذ کی ناؤ کب تک چلے گی؟ وقت آ رہا ہے کہ اپنے کیے پر نادم ہوں گے اپنی بیوقوفی پر ہاتھ ملیں گے اپنے شرمناک کرتوت پر آنسو بہائیں گے اللہ کا سچا فیصلہ سن لیں گے اور تمام بھلائیوں سے ناامید ہو جائیں گے۔ بھرم کھل جائے گا ہر راز فاش ہو جائے گا اندر کا باہر آ جائے گا یہ پالیسی اور حکمت عملی یہ مصلحت وقت اور مقتضائے موقعہ نہایت ڈراؤنی صورت سے سامنے آ جائے گا اور عالم الغیب کے بے پناہ عذابوں کا شکار بن جائیں گے ناممکن ہے کہ کافروں کو اللہ تعالیٰ مومنوں پر غالب کر دے، حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے اس کا مطلب پوچھا تو آپ نے اول جملے کے ساتھ ملا کر پڑھ دیا۔ مطلب یہ تھا کہ قیامت کے دن ایسا نہ ہوگا' یہ بھی مروی ہے کہ سبیل سے مراد حجت ہے، لیکن تاہم اس کے ظاہری معنی مراد لینے میں بھی کوئی مانع نہیں یعنی یہ ناممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اب سے لے کر قیامت تک کوئی ایسا وقت لائے کہ کافر اس قدر غلبہ حاصل کر لیں کہ مسلمانوں کا نام مٹا دیں یہ اور بات ہے کہ کسی جگہ کسی وقت دنیاوی طور پر انہیں غلبہ مل جائے لیکن انجام کار مسلمانوں کے حق میں ہی مفید ہو گا دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔

فرمان الٰہی ہے ﴿إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ [1] الخ، ہم اپنے رسولوں اور ایماندار بندوں کو مدد دنیا میں بھی ضرور دیں گے اور یہ معنی لینے میں ایک لطافت یہ بھی ہے کہ منافقوں کے دلوں میں مسلمانوں کی ذلت اور بربادی کا شکار دیکھنے کا جو انتظار تھا مایوس کر دیا گیا کہ کفار کو مسلمانوں پر اللہ تعالیٰ اس طرح غالب نہیں کرے گا کہ تم پھولے نہ سماؤ اور کچھ لوگ جس ڈر سے مسلمانوں کا ساتھ کھلے طور پر نہ دیتے تھے ان کے ڈر کو بھی زائل کر دیا کہ تم یہ نہ سمجھو کہ کسی وقت بھی مسلمان مٹ جائیں گے۔

اسی مطلب کی وضاحت آیت ﴿فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ﴾ [2] الخ، میں کر دی ہے۔ اس آیہ کریمہ سے حضرات علماء کرام نے اس امر پر بھی استدلال کیا ہے کہ مسلمان غلام کو کافر کے ہاتھ بیچنا جائز نہیں' کیونکہ اس صورت میں ایک کافر کو ایک مسلمان پر غالب کر دینا ہے اور اس میں مسلمان کی ذلت ہے۔

جن بعض ذی علم حضرات نے اس سودے کو جائز رکھا ہے ان کا فیصلہ ہے کہ وہ اپنی ملک سے اس کو اسی وقت آزاد کر دے۔

إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَاةِ قَامُوا كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُونَ اللَّهَ إِلَّا قَلِيلًا ﴿١٤٢﴾ مُّذَبْذَبِينَ بَيْنَ ذَٰلِكَ لَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ وَلَا إِلَىٰ هَٰؤُلَاءِ ۚ وَمَن يُضْلِلِ اللَّهُ فَلَن تَجِدَ لَهُ سَبِيلًا ﴿١٤٣﴾

بیشک منافق اللہ سے چال بازیاں کر رہے ہیں وہ انہیں اس چال بازی کا بدلہ دینے والا ہے' اور جب نماز کو کھڑے ہوتے

---

[1] [سورۃ غافر: آیت ٥١] [2] [سورۃ المائدہ: آیت ٥٢]

ہیں تو بڑی کاہلی کی حالت میں کھڑے ہوتے ہیں صرف لوگوں کو دکھاتے ہیں' اور یاد اللہ تو یونہی سی برائے نام کرتے ہیں○ بیچ میں ہی معلق ڈگمگا رہے ہیں' نہ پورے ان کی طرف نہ صحیح طور پر ان کی طرف' جسے اللہ گمراہی میں ڈال دے تو تو اس کے لیے کوئی راہ نہ پائے گا○

نماز میں سستی منافقین کا رویہ: سورۂ بقرہ کے شروع میں بھی آیت ۹ ﴿یُخَادِعُوْنَ اللّٰہَ﴾ الخ' اسی مضمون کی گذر چکی ہے' یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ یہ کم سمجھ منافق اس اللہ تعالیٰ کے سامنے چالیں چلتے ہیں جو سینوں میں چھپی ہوئی باتوں اور دل کے پوشیدہ رازوں سے آگاہ ہے۔ کم فہمی سے یہ خیال کیے بیٹھے ہیں کہ جس طرح ان کی منافقت اس دنیا میں چل گئی' اور مسلمانوں میں ملے جلے رہے اسی طرح اللہ تعالیٰ کے پاس بھی یہ مکاری چل جائے گی۔ چنانچہ قرآن میں ہے کہ قیامت کے دن بھی یہ لوگ اللہ خبیر و علیم کے سامنے اپنی یک رنگی کی قسمیں کھائیں گے جیسے یہاں کھاتے ہیں لیکن اس عالم الغیب کے سامنے یہ ناکارہ قسمیں ہرگز کارآمد نہیں ہوسکتیں۔ اللہ بھی انہیں دھوکے میں رکھ رہا ہے وہ ڈھیل دیتا ہے حوصلہ افزائی کرتا ہے یہ پھولے نہیں سماتے خوش ہوتے ہیں اور اپنے لیے اسے اچھائی سمجھتے ہیں' قیامت میں بھی ان کا یہی حال ہوگا مسلمانوں کے نور کے سہارے میں ہوں گے وہ آگے نکل جائیں گے یہ آوازیں دیں گے کہ ٹھہرو ہم بھی تمہاری روشنی میں چلیں جواب ملے گا کہ پیچھے مڑ جاؤ اور روشنی تلاش کر لاؤ' یہ مڑیں گے ادھر حجاب حائل ہو جائے گا۔

مسلمانوں کی جانب رحمت اور ان کے لیے زحمت' حدیث شریف میں ہے جو سنائے گا اللہ بھی اسے سنائے گا اور جو ریاکاری کرے گا اللہ بھی اسے ویسا ہی دکھائے گا۔ [1] ایک اور حدیث میں ہے ان منافقوں میں وہ بھی ہوں گے کہ لوگوں کے سامنے اللہ تعالیٰ ان کی نسبت فرمائے گا کہ انہیں جنت میں لے جاؤ فرشتے لے جا کر دوزخ میں ڈال دیں گے اللہ اپنی پناہ میں رکھے۔ آمین

پھر ان منافقوں کی بدذوقی کا حال بیان ہو رہا ہے کہ انہیں نماز جیسی بہترین عبادت میں بھی یکسوئی اور خشوع وخضوع نصیب نہیں ہوتا کیونکہ نیک نیتی حسن عمل' حقیقی ایمان' سچا یقین' ان میں ہے ہی نہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تھکے ماندے بدن سے کسمسا کر نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے نمازی کو چاہیے کہ ذوق وشوق سے راضی خوشی پوری رغبت اور انتہائی توجہ کے ساتھ نماز میں کھڑا ہو اور یقین مانے کہ اس کی آواز پر اللہ تعالیٰ کے کان ہیں' اس کی طلب پوری کرنے کو اللہ تعالیٰ تیار ہے' یہ تو ہوئی ان منافقوں کی ظاہری حالت کہ تھکے ہارے تنگ دلی کے ساتھ بطور بیگار ٹالنے کے نماز کے لیے آئے پھر اندرونی حالت یہ ہے کہ اخلاص سے کوسوں دور ہیں رب سے کوئی تعلق نہیں رکھتے نمازی مشہور ہونے کے لیے لوگوں میں اپنے ایمان کو ظاہر کرنے کے لیے نماز پڑھ رہے ہیں' بھلا ان صنم آشنا دل والوں کو نماز میں کیا ملے گا؟ یہی وجہ ہے کہ ان نمازوں میں جن میں لوگ ایک دوسرے کو کم دیکھ سکیں یہ غیر حاضر رہتے ہیں مثلاً

---

[1] [**صحیح**: صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب الریاء والسمعة (٦٤٩٩) صحیح مسلم : کتاب الزھد : باب تحریم الریاء (٢٩٨٧) ابن ماجه (٤٢٠٧) مسند احمد (٣١٣/٤)]

عشاء کی نماز اور فجر کی نماز' بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے زیادہ بوجھل نماز منافقوں پر عشاء اور فجر کی ہے' اگر دراصل یہ ان نمازوں کے فضائل کے دل سے قائل ہوتے تو ان کو گھٹنوں کے بل بھی چل کر آنا پڑتا تو یہ ضرور آ جاتے میں تو ارادہ کر رہا ہوں کہ تکبیر کہلوا کر کسی کو اپنی امامت کی جگہ کھڑا کر کے نماز شروع کرا کر کچھ لوگوں سے لکڑیاں اٹھوا کر ان کے گھروں میں جاؤں جو جماعت میں شامل نہیں ہوتے اور لکڑیاں ان کے گھروں کے اردگرد لگا کر حکم دوں کہ آگ لگا دو اور ان کے گھروں کو جلا دو' (۱) ایک روایت میں ہے اللہ تعالیٰ کی قسم اگر انہیں ایک چرب ہڈی یا دو اچھے اچھے کھر ملنے کی امید ہو تو دوڑے چلے آئیں لیکن آخرت کی اور اللہ کے ثوابوں کی انہیں اتنی بھی قدر نہیں ۔ اگر بال بچوں اور عورتوں کا جو گھروں میں رہتی ہیں مجھے خیال نہ ہوتا تو قطعاً میں ان کے گھر جلا دیتا۔ (۲)

ابو یعلی میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں جو شخص لوگوں کی موجودگی میں نماز کو سنوار کر ٹھہر ٹھہر کر ادا کرے لیکن جب کوئی نہ ہو تو بری طرح نماز پڑھ لے یہ وہ ہے جس نے اپنے رب کی اہانت کی ۔ (۳) پھر فرمایا یہ لوگ ذکر اللہ بھی بہت ہی کم کرتے ہیں یعنی نماز میں ان کا دل نہیں لگتا' یہ اپنی کہی ہوئی بات سمجھتے بھی نہیں' بلکہ غافل دل اور بے پرواہ نفس سے نماز پڑھ لیتے ہیں' آنحضرت ﷺ فرماتے ہیں یہ نماز منافق کی ہے یہ نماز منافق کی ہے کہ بیٹھا ہوا سورج کی طرف دیکھ رہا ہے یہاں تک کہ جب وہ ڈوبنے لگا اور شیطان نے اپنے دونوں سینگ اس کے اردگرد لگا دیئے تو یہ کھڑا ہوا اور جلدی جلدی چار رکعت پڑھ لیں جن میں اللہ کا ذکر برائے نام ہی کیا۔ (مسلم وغیرہ) (۴)

یہ منافق متحیر اور ششدر و پریشان حال ہیں ایمان اور کفر کے درمیان ان کا دل ڈانوا ڈول ہو رہا ہے نہ تو صاف طور سے مسلمانوں کے ساتھی ہیں نہ بالکل کفار کے ساتھ کبھی نور ایمان چمک اٹھا تو اسلام کی صداقت کرنے لگے کبھی کفر کی اندھیریاں غالب آ گئیں تو ایمان سے الگ تھلگ ہو گئے نہ تو حضور ﷺ کے صحابہ رضی اللہ عنہم کی طرف ہیں نہ یہودیوں کی جانب ۔ رسول مقبول ﷺ کا ارشاد ہے کہ منافق کی مثال ایسی ہے جیسی دو ریوڑ کے درمیان کی ایک بکری کہ کبھی تو وہ میں میں کرتی اس ریوڑ کی طرف دوڑتی ہے کبھی اس طرف اس کے نزدیک ابھی طے نہیں ہوا

---

(۱) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب فضل صلاۃ العشاء فی الجماعۃ (٦٥٧) صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب فضل صلاۃ الجماعۃ (٦٥١) ابن ماجه : کتاب المساجد والجماعات : باب التغلیظ فی التخلف عن الجماعۃ (٧٩١) ابو داؤد (٥٤٨) مسند احمد (٢/٢٤)]

(۲) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاذان : باب وجوب صلاۃ الجماعۃ (٦٤٤)]

(۳) [ضعیف : مسند ابو یعلی (٥١١٧) مصنف عبد الرزاق (٣٧٣٨) بیھقی فی السنن الکبری (٢/٢٩٠)] اس کی سند میں ابراہیم بن مسلم ہجری راوی ہے، اسے جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ امام ہیثمیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (١٠/٢٢٤)] امام سیوطیؒ نے بھی اس کے ضعف کی طرف اشارہ کیا ہے۔[الجامع الصغیر (٨٣٣٧)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف الجامع الصغیر (٥٣٥٥) ضعیف الترغیب (١٨)]

(۴) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب المساجد : باب استحباب التبکیر بالعصر (٦٢٢) ابو داؤد : کتاب الصلاۃ : باب وقت العصر (٤١٣) نسائی : کتاب المواقیت : باب التشدید فی تاخیر العصر (٥١٢) ترمذی : کتاب الصلاۃ : باب ماجآء فی تعجیل العصر (١٦٠) مسند احمد (٣/١٤٩)]

کہ ان میں جائے یا اس کے پیچھے لگے۔ [1] ایک روایت میں ہے کہ اسی معنی کی حدیث حضرت عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ نے حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کی موجودگی میں کچھ الفاظ کے ہیر پھیر سے بیان کی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے اپنے سنے ہوئے الفاظ دوہرا کر کہا یوں نہیں بلکہ دراصل حدیث یوں ہے۔ جس پر حضرت عبید رضی اللہ عنہ ناراض ہوئے [2] (ممکن ہے ایک بزرگ نے ایک طرح کے الفاظ سنے ہوں دوسرے نے دوسری قسم کے)۔

ابن ابی حاتم میں ہے مومن کافر اور منافق کی مثال ان تین شخصوں جیسی ہے جو ایک دریا پر گئے ایک تو کنارے ہی کھڑا رہ گیا دوسرا پار کر کے منزل مقصود کو پہنچ گیا تیسرا اتر چلا مگر جب بیچوں بیچ پہنچا تو ادھر والے نے پکارنا شروع کیا کہ کہاں ہلاک ہونے جا رہا ہے ادھر آ واپس چلا آ' ادھر والے نے آواز دی جاؤ نجات کے ساتھ منزل مقصود پر میری طرف پہنچ جاؤ آدھا راستہ طے کر چکے ہو اب یہ حیران ہو کر کبھی ادھر دیکھتا ہے کبھی ادھر نظر ڈالتا ہے تذبذب ہے کہ کدھر جاؤں کدھر نہ جاؤں؟ اتنے میں ایک زبردست موج آئی اور بہا کر لے گئی اور وہ غوطے کھا کھا کر مر گیا' پس پار جانے والا مسلمان ہے کنارے کھڑا بلانے والا کافر ہے اور موج میں ڈوب مرنے والا منافق ہے' اور حدیث میں ہے کہ منافق کی مثال اس بکری جیسی ہے جو ہرے بھرے ٹیلے پر بکریوں کو دیکھ کر آئی اور سونگھ کر چل دی' پھر دوسرے ٹیلے پر چڑھی اور سونگھ کر آ گئی۔ [3]

پھر فرمایا جسے اللہ ہی راہ حق سے پھیر دے اس کا ولی و مرشد کون ہے؟ اس کے گمراہ کردہ کو کون راہ دکھا سکے؟ اللہ نے منافقوں کو ان کی بدترین بدعملی کے باعث راستے سے دھکیل دیا ہے اب نہ کوئی انہیں راہ راست پر لا سکے نہ چھٹکارا دلا سکے' اللہ کی مرضی کے خلاف کون کر سکتا ہے وہ سب پر حاکم ہے اس پر کسی کی حکومت نہیں۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الْكٰفِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا مُّبِيْنًا ﴿١٤٤﴾ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ ۚ وَلَنْ تَجِدَ لَھُمْ نَصِيْرًا ﴿١٤٥﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَاعْتَصَمُوْا بِاللّٰهِ وَاَخْلَصُوْا دِيْنَھُمْ لِلّٰهِ فَاُولٰۗىِٕكَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ ۭ وَسَوْفَ يُؤْتِ اللّٰهُ الْمُؤْمِنِيْنَ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿١٤٦﴾ مَا يَفْعَلُ اللّٰهُ بِعَذَابِكُمْ اِنْ شَكَرْتُمْ وَاٰمَنْتُمْ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ شَاكِرًا عَلِـيْمًا ﴿١٤٧﴾

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب صلاة المنافقین (٢٧٨٤) مسند احمد (١٠٢/٢)]

[2] [حسن لغیرہ : مسند احمد (٣٢/٢) مسند طیالسی (١٨٠٢) حمیدی (٦٨٨) دارمی (٣٢٤) صحیح ابن حبان (٢٦٤) بیھقی فی شعب الایمان (٨٤٣٧/٦)] شیخ شعیب ارناؤوط نے مجموع الطرق کے اعتبار سے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (٥٠٧٩)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی ،شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٧٣٧)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ قتادہ تک اس کی سند صحیح ہے۔ شیخ عبدالرزاق مہدی فرماتے ہیں کہ یہ مراسیل قتادہ میں سے ہے اور قتادہ کی مراسیل کمزور وضعیف ہیں۔]

اے ایمان والو! مومنوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست نہ بناؤ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ اپنے اوپر اللہ تعالیٰ کی صاف حجت قائم کر لو؟○ منافق تو یقیناً جہنم کے سب سے نیچے کے طبقہ میں جائیں گے' ناممکن ہے کہ تو ان کا کوئی مددگار پالے○ ہاں جو توبہ کر لیں اور اصلاح کر لیں اور اللہ تعالیٰ پر کامل یقین رکھیں اور خالص اللہ ہی کے لیے دینداری کریں تو یہ لوگ مومنوں کے ساتھ ہیں' اللہ تعالیٰ مومنوں کو بہت بڑا اجر دے گا○ اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے کر کیا کرے گا؟ اگر تم شکر گذاری کرتے رہو اور با ایمان رہو' اللہ تعالیٰ بہت قدر کرنے والا اور پورا علم رکھنے والا ہے۔

کفار سے دوستی کی ممانعت اور منافقین کا انجام: کافروں سے دوستیاں کرنے سے ان سے دلی محبت رکھنے سے ان کے ساتھ ہر وقت اٹھنے بیٹھنے سے مسلمانوں کے بھید ان کو دینے سے اور پوشیدہ تعلقات ان سے قائم رکھنے سے اللہ تعالیٰ ایمانداروں کو روک رہا ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ [1] الخ' مومنوں کو چاہیے کہ بجز مومنوں کے کفار سے دوستی نہ کریں ایسا کرنے والا اللہ کے ہاں کسی بھلائی کا مستحق نہیں ہاں اگر صرف بچاؤ کے طور پر ظاہر داری ہو تو اور بات ہے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے آپ سے ڈرا رہا ہے یعنی اگر تم اس کی نافرمانیاں کرو گے تو تمہیں اس کے عذابوں کو یاد رکھنا چاہیے' ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان مروی ہے کہ آپ نے فرمایا قرآن میں جہاں کہیں ایسی عبارتوں میں سلطان کا لفظ ہے وہاں اس سے مراد حجت ہے یعنی تم نے اگر مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دلی دوستی کے تعلقات پیدا کیے تو تمہارا یہ فعل کافی ثبوت ہو گا اور پوری دلیل ہو گی جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے' کئی ایک سلف مفسرین رحمۃ اللہ علیہم نے اس آیت کی یہی تفسیر کی ہے۔

پھر منافقوں کا انجام بیان فرماتا ہے کہ یہ اپنے اس سخت کفر کی وجہ سے جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں داخل کیے جائیں گے ﴿دَرْكَ﴾ درجہ کے مقابل کا مظہر ہے' بہشت میں درجے ہیں ایک سے ایک بلند اور دوزخ میں ﴿درك﴾ ہیں ایک سے ایک پست۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں انہیں آگ کے صندوقوں میں بند کر کے جہنم میں ڈالا جائے گا اور یہ جلتے بھنتے رہیں گے' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں یہ صندوق لوہے کے ہوں گے جو آگ لگتے ہی آگ کے ہو جائیں گے اور چاروں طرف سے بالکل بند ہوں گے اور کوئی نہ ہو گا جو ان کی کسی طرح کی مدد کرے۔ جہنم سے نکال سکے یا عذابوں میں ہی کچھ کمی کروا سکے۔ ہاں ان میں سے جو توبہ کر لیں نادم ہو جائیں اور سچے دل سے منافقت چھوڑ دیں اور رب سے اپنے اس گناہ کی معافی چاہیں۔ پھر اپنے اعمال میں اخلاص پیدا کریں صرف خوشنودی اللہ اور مرضی مولیٰ کے لیے نیک اعمال پر کمر کس لیں۔ ریا کاری کو اخلاص سے بدل دیں۔ اللہ تعالیٰ کے دین کو مضبوطی سے تھام لیں' ابن ابی حاتم میں ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اپنے دین

---

[1] [سورۃ ال عمران : آیت ٢٨]

کوخالص کرلوتو تھوڑا عمل بھی تمہیں کافی ہو جائے گا۔ [1]

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ غنی ہے' بے نیاز ہے بندوں کو سزا کرنی وہ نہیں چاہتا' ہاں جب گناہوں پر دلیر ہو جائیں تو گوشمالی ضروری ہے' پس فرمایا اگر تم اپنے اعمال کو سنوار لو اور اللہ تعالیٰ پر اور اس کے رسول ﷺ پر سچے دل سے ایمان لے آؤ تو کوئی وجہ نہیں جو اللہ تمہیں عذاب دے۔ وہ تو چھوٹی چھوٹی نیکیوں کی بھی قدر دانی کرنے والا ہے' جو اس کا شکر کرے وہ اس کی عزت افزائی کرتا ہے وہ پورے اور صحیح علم والا ہے۔ جانتا ہے کہ کس کا عمل اخلاص والا اور قبولیت اور قدر کے لائق ہے۔ اسے معلوم ہے کہ کس دل میں قوی ایمان ہے' اور کون سا دل ایمان سے خالی ہے' جو اخلاص اور ایمان والے ہیں انہیں بھرپور اور کامل بدلے اللہ تعالیٰ عنایت فرمائے گا (اللہ ہمیں ایمان واخلاص کی دولت سے مالا مال کرے اور پھر اجر وثواب سے نہال کرے۔ (آمین)

الحمد للہ تفسیر محمدی ابن کثیر کا پانچواں پارہ ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے اور ہمیں اپنے کلام کے سمجھنے سمجھانے کی اور اس پر عامل بن جانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین! الٰہ تو اس پاک تفسیر کو میرے ہاتھوں ختم کرا اور پوری کتاب چھپی ہوئی مجھے دکھا۔ میرے نامہ اعمال سے گناہوں کو مٹا کر نیکیاں تحریر فرما اور اپنے نیک بندوں میں شمار کر۔ (آمین)



[1] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (٦١٦٢/٤) مستدرك حاكم (٣٠٦/٤) بيهقى فى شعب الايمان (٣٤٢/٥) ابو نعيم فى الحلية (٢٤٤/١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعيف الجامع الصغير (٢٤٠) السلسلة الضعيفة (٢١٦٠)] اس کی سند میں عبیداللہ بن زحر راوی ضعیف ہے۔ امام ابن معینؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور امام ابن مدینیؒ نے اسے منکر الحدیث کہا ہے۔ [ملاحظہ فرمائیے: ميزان الاعتدال (٥٣٥٩)] شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿١٤٨﴾ اِنْ تُبْدُوْا خَيْرًا اَوْ تُخْفُوْهُ اَوْ تَعْفُوْا عَنْ سُوْٓءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَفُوًّا قَدِيْرًا ﴿١٤٩﴾

برائی کے ساتھ آواز بلند کرنے کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا مگر مظلوم کو اجازت ہے اللہ تعالیٰ خوب سنتا جانتا ہے ○ اگر تم کسی نیکی کو علانیہ کرو یا پوشیدہ یا کسی برائی سے درگذر کرو پس یقیناً اللہ تعالیٰ بڑی معافی کرنے والا اور پوری قدرت والا ہے ○

ظالم کے خلاف مظلوم کی پکار کا جواز: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ کسی مسلمان کو دوسرے کو بددعا دینا جائز نہیں' ہاں جس پر ظلم کیا گیا ہو اسے اپنے ظالم کو بددعا دینا جائز ہے۔ اور وہ بھی اگر صبر وضبط کرلے تو افضل یہی ہے۔ [1] ابوداؤد میں ہے ''حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی کوئی چیز چور چرا کر لے گئے تو آپ ان پر بددعا کرنے لگیں۔ حضور رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سن کر فرمایا: کیوں اس کا بوجھ ہلکا کر رہی ہو؟ [2] حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر بددعا نہ کرنی چاہیے بلکہ یہ دعا کرنی چاہیے ﴿اَللّٰهُمَّ اَعِنِّیْ عَلَیْهِ وَاسْتَخْرِجْ حَقِّیْ مِنْهُ﴾ یا اللہ اس چور پر تو میری مدد کر اور اس سے میرا حق دلوا دے' آپ سے ایک اور روایت میں مروی ہے کہ اگرچہ مظلوم کے ظالم کو کوسنے کی رخصت ہے مگر یہ خیال رہے کہ حد سے نہ بڑھ جائے۔ عبدالکریم بن مالک جزری رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں'' گالی دینے والے کو یعنی برا کہنے والے کو برا تو کہہ سکتے ہیں لیکن بہتان باندھنے والے پر بہتان نہیں باندھ سکتے''۔ ایک اور آیت میں ہے ﴿وَلَمَنِ انْتَصَرَ بَعْدَ ظُلْمِهٖ فَاُولٰٓئِكَ مَا عَلَيْهِمْ مِّنْ سَبِيْلٍ﴾ [3] جو مظلوم اپنے ظالم سے اس کے ظلم کا انتقام لے' اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔ ابوداؤد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں'' دو گالیاں دینے والوں کا وبال اس پر ہے' جس نے گالیاں دینا شروع کیا''۔ ہاں اگر مظلوم حد سے بڑھ جائے تو اور بات ہے۔ [4] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو شخص کسی کے ہاں مہمان بن کر جائے اور میزبان اس کا حق مہمانی ادا نہ کرے تو اسے جائز ہے کہ لوگوں کے سامنے اپنے میزبان کی شکایت کرے' جب تک کہ وہ حق ضیافت ادا نہ کرے۔

ابوداؤد' ابن ماجہ وغیرہ میں ہے ''صحابہ رضی اللہ عنہم نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شکایت کی کہ آپ ہمیں ادھر ادھر بھیجتے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٩/٣٤٤)]

[2] [**ضعیف**: ابوداؤد : کتاب الادب : باب فیمن دعا علی من ظلمه (٤٩٠٩)، (١٤٩٧) مسند احمد (٦/٤٥-١٣٦) بغوی فی شرح السنة (٥/١٣٥٤) نسائی فی السنن الکبری (٤/٧٣٠٩)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود (٣٢١)] اس کی سند میں حبیب بن ابی ثابت راوی مدلس ہے اور سماع کی تصریح نہیں۔] شیخ عبدالرزاق مہدی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [سورۃ الشوریٰ : آیت ٤١]

[4] [**صحیح**: ابوداؤد : کتاب الادب : باب المستبان (٤٨٩٤) مسند احمد (٢/٢٣٥) صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب النهی عن السباب (٢٥٧٨) ترمذی : کتاب البر والصلة : باب ما جاء فی الشتم (١٩٨١) بخاری فی الادب المفرد (٤٢٣) صحیح ابن حبان (٥٧٢٨)]

ہیں۔ بعض مرتبہ ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہاں کے لوگ ہماری مہمانداری نہیں کرتے'' آپ نے فرمایا ''اگر وہ میزبانی کریں تو درست' ورنہ تم ان سے لوازمات میزبانی خود لے لیا کرو۔ [1] مسند احمد کی حدیث میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ ''جو مسلمان کسی اہل قبیلہ کے ہاں مہمان بن کر جائے اور ساری رات گذار جائے لیکن وہ لوگ اس کی مہمانداری نہ کریں تو ہر مسلمان پر اس مہمان کی نصرت ضروری ہے تا کہ میزبان کے مال سے اس کی کھیتی سے بقدر مہمانی دلائیں۔ [2] مسند کی اور حدیث میں ہے ''ضیافت کی رات ہر مسلمان پر واجب ہے' اگر کوئی مسافر صبح تک محروم رہ جائے تو یہ اس میزبان کے ذمہ قرض ہے' خواہ ادا کرے خواہ باقی رکھے'' [3] ان احادیث کی وجہ سے امام احمد رحمہ اللہ' وغیرہ کا مذہب ہے کہ ضیافت واجب ہے۔

ابوداؤد شریف وغیرہ میں ہے ''ایک شخص سرکار رسالت مآب ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کرتا ہے کہ یا رسول اللہ ﷺ مجھے میرا پڑوسی بہت ایذاء پہنچاتا ہے' آپ نے فرمایا ایک کام کرو' اپنا کل مال اسباب گھر سے نکال کر باہر رکھ دو۔ اس نے ایسا ہی کیا اور راستے پر اسباب ڈال کر وہیں بیٹھ گیا' اب جو گذرتا وہ پوچھتا کیا بات ہے؟ یہ کہتا پڑوسی مجھے ستاتا ہے میں تنگ آ گیا ہوں' راہ گزر اسے برا بھلا کہتا' کوئی کہتا رب کی مار اس پڑوسی پر۔ کوئی کہتا اللہ غارت کرے اس پڑوسی کو' جب پڑوسی کو اپنی اس طرح کی رسوائی کا حال معلوم ہوا تو اس کے پاس آیا' منتیں کر کے کہا ''اپنے گھر چلو اللہ کی قسم اب مرتے دم تک تم کو کسی طرح نہ ستاؤں گا''۔ [4] پھر ارشاد ہے کہ اے لوگو تم کسی نیکی کو

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المظالم : باب قصاص المظلوم اذا وجد مال ظالمه (٢٤٦١) وكتاب الادب : باب اكرام الضيف وخدمته (٦١٣٧) صحيح مسلم : كتاب اللقطه : باب فى الضيافة ونحوها (١٧٢٧) ترمذی : كتاب السير : باب ما جآء مايحل من اموال اهل الزمة (١٥٨٩) ابن ماجه : كتاب الادب : باب حق الضيف (٣٦٧٦) ابوداؤد : كتاب الاطعمة : باب ماجاء فى الضيافة (٣٧٥٢) مسند احمد (١٩٤/٤)]

[2] [ضعیف :ابوداؤد : كتاب الاطعمة : باب ماجآء فى الضيافة (٣٧٥١) مسند طيالسى (١١٤٩) دارمى (٢٠٤٣) مسند احمد (١٣٣/٤) مستدرك حاكم (١٣٢/٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[التعليق الرغيب (٢٤٢/٣) ضعيف ابوداود (٨٠١) السلسلة الضعيفة (٦٨٨١)] شیخ شعیب ارناؤط بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (١٧١٧٨)] اس کی سند میں سعید بن مہاجر راوی مجہول ہے۔]

[3] [صحیح :ابوداؤد : كتاب الاطعمة : باب ماجآء فى الضيافة (٣٧٥٠) ابن ماجه : كتاب الادب : باب حق الضيف (٣٦٧٧) بخارى فى الادب المفرد (٧٤٤) مسند احمد (١٣٠/٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (٢٢٠٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح :بخارى فى الادب المفرد (١٢٤) ابوداؤد : كتاب الادب : باب فى حق الجوار (٥١٥٣) صحيح ابن حبان (٥٢٠) مستدرك حاكم (١٦٠/٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ابوداود ، التعليق الرغيب (٢٣٥/٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے حسن کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

ظاہر کرو یا پوشیدہ رکھو تم پر کسی نے ظلم کیا ہو اور تم اس سے درگذر کرو تو اللہ کے پاس تمہارے لیے بڑا ثواب' پورا اجر اور اعلیٰ درجے ہیں۔ خود وہ بھی معاف کرنے والا ہے اور بندوں کی بھی یہ عادت اسے پسند ہے' وہ انتقام کی قدرت کے باوجود معاف فرماتا رہتا ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ "عرش کو اٹھانے والے فرشتے اللہ کی تسبیح کرتے رہتے ہیں"۔

بعض تو کہتے ہیں ((سُبْحَانَكَ عَلٰى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ)) یا اللہ تیری ذات پاک ہے کہ تو باوجود جاننے کے پھر بھی بردباری اور چشم پوشی کرتا ہے۔ بعض کہتے ہیں سُبْحَانَكَ عَلٰى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ اے قدرت کے باوجود درگذر کرنے والے اللہ تمام پاکیاں تیری ذات کے لیے مختص ہیں۔ صحیح حدیث شریف میں ہے صدقے اور خیرات سے کسی کا مال گھٹتا نہیں' عفو و درگذر کرنے اور معاف کر دینے سے اللہ تعالیٰ اور عزت بڑھاتا ہے اور جو شخص اللہ کے حکم سے تواضع' فروتنی اور عاجزی اختیار کرے اللہ اس کا مرتبہ اور اس کی توقیر مزید بڑھا دیتا ہے"۔ [1]

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ يَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّ نَكْفُرُ بِبَعْضٍ ۙ وَّ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا ۙ﴿۱۵۰﴾ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا ۚ وَ اَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابًا مُّهِيْنًا ﴿۱۵۱﴾ وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رُسُلِهٖ وَ لَمْ يُفَرِّقُوْا بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ اُولٰٓئِكَ سَوْفَ يُؤْتِيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۱۵۲﴾ ع

٢١ ع ١١ ١

جو لوگ اللہ تعالیٰ کے ساتھ اور اس کے پیغمبروں کے ساتھ کفر کرتے ہیں اور جو لوگ یہ چاہتے ہیں کہ اللہ کے اور رسولوں کے درمیان فرق رکھیں اور جو لوگ کہتے ہیں کہ بعض نبیوں پر تو ہمارا ایمان ہے اور بعض پر نہیں اور چاہتے ہیں کہ اس کے اور اس کے بین بین کوئی راہ نکالیں ○ یقین مانو کہ یہ سب لوگ اصلی کافر ہیں' اور کافروں کے لیے ہم نے اہانت آمیز سزا تیار کر رکھی ہے ○ اور جو لوگ اللہ پر اور اس کے تمام پیغمبروں پر ایمان لاتے ہیں اور ان میں سے کسی میں فرق نہیں کرتے۔ یہ ہیں جنہیں اللہ ان کے پورے ثواب دے گا' اللہ بڑی مغفرت والا بڑی رحمت والا ہے ○

ایک نبی پر بھی ایمان نہ لانا کفر: اس آیت میں بیان ہو رہا ہے کہ جو ایک نبی کو بھی نہ مانے کافر ہے' یہودی سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد ﷺ کے اور تمام نبیوں کو مانتے تھے' نصرانی افضل الرسل خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے سوا تمام انبیاء علیہم السلام پر ایمان رکھتے تھے' سامری یوشع علیہ السلام کے بعد کسی کی نبوت کے قائل نہ تھے حضرت یوشع علیہ السلام حضرت موسیٰ بن عمران ﷺ کے خلیفہ تھے' مجوسیوں کی نسبت مشہور ہے کہ وہ اپنا نبی زرتشت کو مانتے تھے لیکن جب یہ بھی ان کی شریعت کے منکر ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے وہ شریعت ہی ان سے اٹھا لی۔ واللہ اعلم۔

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب استحباب العفو والتواضع (٢٥٨٨) ترمذی : کتاب البر والصلة : باب ماجآء فی التواضع (٢٠٢٩) صحیح ابن حبان (٣٢٤٨) بیهقی (١٨٧/٤) مسند احمد (٢٣٥/٢)]

پس یہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسولوں میں تفریق کی یعنی کسی نبی کو مانا' کسی سے انکار کر دیا۔ کسی ربانی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی نفسانی خواہش جوش تعصب اور تقلید آبائی کی وجہ سے' اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک نبی کو نہ ماننے والا اللہ کے نزدیک تمام نبیوں کا منکر ہے' اس لیے کہ اگر اور انبیاء علیہم السلام کو بوجہ نبی ہونے کے مانتا تو اس نبی کو ماننا بھی اسی وجہ سے اس پر ضروری تھا' جب وہ ایک کو نہیں مانتا تو معلوم ہوا کہ جنہیں وہ مانتا ہے انہیں بھی کسی دنیاوی غرض اور ہوا وہوس کی وجہ سے مانتا ہے' ان کی شریعت ماننا یا نہ ماننا دونوں بے معنی ہے' ایسے لوگ حتماً اور یقیناً کافر ہیں' کسی نبی پر ان کا شرعی ایمان نہیں بلکہ تقلیدی اور تعصبی ایمان ہے جو قابل قبول نہیں' پس ان کفار کو اہانت اور رسوائی آمیز عذاب کیے جائیں گے۔ کیونکہ جن پر یہ ایمان نہ لا کر ان کی توہین کرتے تھے اس کا بدلہ یہی ہے کہ ان کی توہین ہو اور انہیں ذلت والے عذاب میں ڈالا جائے' ان کے ایمان نہ لانے کی وجہ خواہ غور و فکر کے بغیر نبوت کی تصدیق نہ کرنا ہو' خواہ حق واضح ہو چکنے کے بعد دنیوی وجہ سے منہ موڑ کر نبوت سے انکار کرنا ہو' جیسے اکثر یہودی علماء کا شیوہ حضور ﷺ کے بارے میں تھا کہ محض حسد کی وجہ سے آپ کی عظیم الشان نبوت کے منکر تھے اور آپ کی مخالفت اور عداوت میں آ کر مقابلے پر تل گئے' پس اللہ نے ان پر دنیا کی ذلت بھی مسلط کر دی اور آخرت کی ذلت کی مار بھی ان کے لیے تیار کر رکھی۔ پھر امت محمد ﷺ کی تعریف ہو رہی ہے کہ یہ اللہ پر ایمان رکھ کر تمام انبیاء علیہم السلام کو اور تمام آسمانی کتابوں کو بھی الہامی کتابیں تسلیم کرتے ہیں۔ جیسے ایک اور آیت میں ہے ﴿كُلٌّ آمَنَ بِاللَّهِ﴾ [1] الخ پھر ان کے لیے جو اجر جمیل اور ثواب عظیم اس نے تیار کر رکھا ہے اسے بھی بیان فرما دیا کہ ان کے ایمان کامل کے باعث انہیں اجر و ثواب عطا ہوں گے۔ اگر ان سے کوئی گناہ بھی سرزد ہو گیا تو اللہ معاف فرما دے گا اور ان پر اپنی رحمت کی بارش برسائیں گے۔

يَسْأَلُكَ أَهْلُ الْكِتَابِ أَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتَابًا مِّنَ السَّمَاءِ فَقَدْ سَأَلُوا مُوسَىٰ أَكْبَرَ مِنْ ذَٰلِكَ فَقَالُوا أَرِنَا اللَّهَ جَهْرَةً فَأَخَذَتْهُمُ الصَّاعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ ثُمَّ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ فَعَفَوْنَا عَنْ ذَٰلِكَ ۚ وَآتَيْنَا مُوسَىٰ سُلْطَانًا مُّبِينًا ﴿١٥٣﴾ وَرَفَعْنَا فَوْقَهُمُ الطُّورَ بِمِيثَاقِهِمْ وَقُلْنَا لَهُمُ ادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُلْنَا لَهُمْ لَا تَعْدُوا فِي السَّبْتِ وَأَخَذْنَا مِنْهُمْ مِّيثَاقًا غَلِيظًا ﴿١٥٤﴾

تجھ سے یہ اہل کتاب درخواست کرتے ہیں کہ تو ان کے پاس کوئی آسمانی کتاب لائے حضرت موسیٰ سے تو انہوں نے اس سے بہت بڑی درخواست کی تھی کہا تھا کہ تو ہمیں کھلم کھلا اللہ تعالیٰ کو دکھا دے پس ان کے اس ظلم کے باعث ان پر کڑاکے کی بجلی آ پڑی' پھر باوجود یہ کہ ان کے پاس بہت دلیلیں پہنچ چکی تھیں انہوں نے بچھڑے کو اپنا معبود بنا لیا لیکن ہم نے یہ بھی معاف فرما دیا' اور ہم نے موسیٰ کو کھلا غلبہ اور صریح دلیل عنایت فرمائی ○ اور ان کا قول لینے کے لیے ہم نے ان کے سروں پر

---

[1] [سورۃ البقرہ : آیت ٢٨٥]

طور پہاڑ لا کھڑا کر دیا اور انہیں حکم دیا کہ سجدہ کرتے ہوئے دروازہ میں جاؤ اور یہ بھی فرمادیا کہ ہفتے کے دن میں تجاوز نہ کرنا اور ہم نے ان سے سخت سخت قول قرار لیے ○

بنی اسرائیل کا مطالبہ: یہودیوں نے جناب رسالت مآب ﷺ سے کہا کہ جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ کی طرف سے توراۃ ایک ساتھ لکھی ہوئی ہمارے پاس لائے، آپ بھی کوئی آسمانی کتاب پوری لکھی لکھائی لے آیئے۔ یہ بھی مروی ہے کہ انہوں نے کہا تھا کہ ہمارے نام اللہ تعالیٰ خط بھیجے کہ ہم آپ کی نبوت کو مان لیں۔ یہ سوال بھی ان کا بدنیتی سے بطور مذاق اور کفر تھا۔ جیسا کہ اہل مکہ نے بھی اسی طرح کا ایک سوال کیا تھا، جس طرح سورۂ سبحان میں مذکور ہے کہ ''جب تک عرب کی سرزمین میں دریاؤں کی ریل پیل اور تروتازگی کا دور دورہ نہ ہو جائے ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے''۔ پس بطور تسلی کے آنحضرت ﷺ سے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان کی اس سرکشی اور بیجا سوال پر آپ کبیدہ خاطر نہ ہوں ان کی یہ بدعادت پرانی ہے' انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اس سے بھی زیادہ بیہودہ سوال کیا تھا کہ ہمیں اللہ تعالیٰ خود کو دکھائے۔ اس تکبر اور سرکشی اور فضول سوالوں کی پاداش بھی یہ بھگت چکے ہیں یعنی ان پر آسمانی بجلی گری تھی۔ جیسے سورۂ بقرہ میں تفصیل وار بیان گذر چکا۔ ملاحظہ ہو آیت ﴿وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً﴾ [1] الخ یعنی ''جب تم نے کہا تھا کہ اے موسیٰ ہم تجھ پر ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ اللہ تعالیٰ کو ہم صاف طور پر اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیں پس تمہیں بجلی کے کڑاکے نے پکڑ لیا اور ایک دوسرے کے سامنے سب ہلاک ہو گئے' پھر بھی ہم نے تمہاری موت کے بعد دوبارہ تمہیں زندہ کر دیا تاکہ تم شکر کرو''۔ پھر فرماتا ہے کہ ''بڑی بڑی نشانیاں دیکھ چکنے کے بعد بھی ان لوگوں نے بچھڑے کو پوجنا شروع کر دیا''۔ مصر میں اپنے دشمن فرعون کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلہ میں ہلاک ہونا' اس کے تمام لشکروں کا نامرادی کی موت مرنا' ان کا دریا سے بچ کر پار نکل آنا' ابھی ابھی ان کی نگاہوں کے سامنے ہوا تھا لیکن وہاں سے چل کر کچھ دور جا کر ہی بت پرستوں کو بت پرستی کرتے ہوئے دیکھ کر اپنے پیغمبر سے کہتے ہیں ''ہمارا بھی ایک ایسا ہی معبود بنا دو''۔ جس کا پورا بیان سورۂ اعراف میں ہے اور سورۂ طہٰ میں بھی۔

پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ سے مناجات کرتے ہیں' ان کی توبہ کی قبولیت کی یہ صورت ٹھہرتی ہے کہ جنہوں نے گوسالہ پرستی نہیں کی وہ گوسالہ پرستوں کو قتل کریں۔ جب قتل شروع ہو جاتا ہے' اللہ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے اور مرے ہوؤں کو بھی دوبارہ زندہ کر دیتا ہے۔ پس یہاں فرماتا ہے کہ ہم نے اس سے بھی درگذر کیا اور یہ جرم عظیم بھی بخش دیا اور موسیٰ علیہ السلام کو ظاہر حجت اور کھلا غلبہ عنایت فرمایا۔ اور جب ان لوگوں نے توراۃ کے احکام ماننے سے انکار کر دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فرمانبرداری سے بیزاری ظاہر کی تو ان کے سروں پر طور پہاڑ کو معلق کھڑا کر دیا اور ان سے کہا کہ اب بولو! پہاڑ گرا کر پاش پاش کر دیں یا احکام قبول کرتے ہو؟ تو یہ سجدے میں گر پڑے اور گریہ وزاری شروع کی اور احکام الٰہی بجالانے کا مضبوط عہد و پیمان کیا یہاں تک کہ دل میں دہشت تھی اور سجدے میں کنکھیوں

---

[1] [سورۃ البقرہ : آیت ٥٥-٥٦]

سے اوپر دیکھ رہے تھے کہ کہیں پہاڑ نہ گر پڑے اور دب کر نہ مر جائیں' پھر پہاڑ ہٹایا گیا۔ ان کی دوسری سرکشی کا بیان ہو رہا ہے کہ قول و فعل دونوں کو بدل دیا' حکم ملا تھا کہ بیت المقدس کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور ﴿ حِطَّةٌ ﴾ کہیں "یعنی اے اللہ ہماری خطائیں بخش کہ ہم نے جہاد چھوڑ دیا اور تھک کر بیٹھ رہے جس کی سزا میں چالیس سال میدان تیہ میں سرگشتہ و حیران و پریشان رہے"۔ لیکن ان کی کم ظرفی کا یہاں بھی مظاہرہ ہوا اور اپنی رانوں کے بل گھسٹتے ہوئے دروازے میں داخل ہونے لگے' اور حِنطَةٌ فِي شَعْرَةٍ کہنے لگے یعنی گیہوں کی بالیں ہمیں دے۔ پھر ان کی اور شرارت سنیئے ہفتہ والے دن کی تعظیم و تکریم کرنے کا ان سے وعدہ لیا گیا اور مضبوط عہد و پیمان ہو گیا لیکن انہوں نے اس کی بھی مخالفت کی نافرمانی پر کمر بستہ ہو کر حرمت کے ارتکاب کے حیلے نکال لیے۔ جیسے کہ سورۂ اعراف میں مفصل بیان ہے ملاحظہ ہو آیت ﴿ وَاسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِي كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ ﴾ [1] الخ' ایک حدیث میں بھی ہے کہ یہودیوں سے خاصۃً اللہ تعالیٰ نے ہفتہ والے دن کی تعظیم کا عہد لیا تھا۔ یہ پوری حدیث سورۂ سبحان کی آیت ﴿ وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى تِسْعَ آيَاتٍ بَيِّنَاتٍ ﴾ [2] الخ' کی تفسیر میں آئے گی۔ ان شاء اللہ

فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ وَكُفْرِهِمْ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَقَتْلِهِمُ الْاَنْۢبِيَآءَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّقَوْلِهِمْ
قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ۭ بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝ وَّبِكُفْرِهِمْ
وَقَوْلِهِمْ عَلٰي مَرْيَمَ بُهْتَانًا عَظِيْمًا ۝ وَّقَوْلِهِمْ اِنَّا قَتَلْنَا الْمَسِيْحَ عِيْسَى
ابْنَ مَرْيَمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ ۚ وَمَا قَتَلُوْهُ وَمَا صَلَبُوْهُ وَلٰكِنْ شُبِّهَ لَهُمْ ۭ وَاِنَّ الَّذِيْنَ
اخْتَلَفُوْا فِيْهِ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ ۭ مَا لَهُمْ بِهٖ مِنْ عِلْمٍ اِلَّا اتِّبَاعَ الظَّنِّ ۚ وَمَا
قَتَلُوْهُ يَقِيْنًا ۝ بَلْ رَّفَعَهُ اللّٰهُ اِلَيْهِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ۝ وَاِنْ مِّنْ اَهْلِ
الْكِتٰبِ اِلَّا لَيُؤْمِنَنَّ بِهٖ قَبْلَ مَوْتِهٖ ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكُوْنُ عَلَيْهِمْ شَهِيْدًا ۝

(یہ سزا) بہ سبب ان کی عہد شکنی کے اور احکام الٰہی کے ساتھ کفر کرنے کے اور اللہ کے نبیوں کو ناحق قتل کر ڈالنے کے اور یوں کہنے کے کہ ہمارے دلوں پر غلاف ہے' حالانکہ دراصل ان کے کفر کی وجہ سے ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے' پس یہ قدرے قلیل ہی ایمان لاتے ہیں ○ اور ان کے کفر کے باعث اور مریم پر بہت بڑا بہتان باندھنے کے باعث ○ اور یوں کہنے کے باعث کہ ہم نے اللہ کے رسول مسیح عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا' حالانکہ نہ تو انہوں نے انہیں قتل کیا نہ سولی چڑھایا بلکہ ان کے لیے وہی صورت بنا دی گئی تھی' یقین جانو کہ عیسیٰ کے بارے میں اختلاف کرنے والے ان کے حال میں شک میں ہیں' انہیں اس کا کوئی یقین نہیں' بجز تخمینی باتوں پر عمل کرنے کے' اتنا یقینی ہے کہ انہوں نے اسے قتل نہیں کیا ○ بلکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی طرف اٹھا لیا ہے' اللہ تعالیٰ بڑا زبردست اور پوری حکمتوں والا ہے ○ اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ بچے

---

[1] [سورۃ الاعراف: آیت ١٦٣]

[2] [سورۃ بنی اسرائیل: آیت ١٠١]

گا جو حضرت عیسیٰ کی موت سے پہلے ان پر ایمان نہ لا چکے' اور قیامت کے دن آپ ان پر گواہ ہوں گے ○

انبیاء کے قاتل اہل کتاب اور عیسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ: اہل کتاب کے ان گناہوں کا بیان ہو رہا ہے جن کی وجہ سے وہ اللہ کی رحمتوں سے دور ڈال دیئے گئے اور ملعون و جلاوطن کر دیئے گئے۔ اولاً ان کی عہد شکنی یہ تھی کہ یہ وعدے انہوں نے اللہ سے کیے ان پر قائم نہ رہے' دوسرے اللہ کی آیتوں یعنی حجت و دلیل اور نبیوں کے معجزے سے انکار اور کفر' تیسرے بلا وجہ ناحق انبیاء کرام علیہم السلام کا قتل۔ ان کے رسولوں کی ایک بڑی جماعت ان کے ہاتھوں قتل ہوئی۔ چوتھی ان کا یہ خیال اور قول کہ ہمارے دل غلافوں میں ہیں یعنی پردے میں ہیں' جیسے مشرکین نے کہا تھا ﴿قُلُوْبُنَا فِيْٓ اَكِنَّةٍ مِّمَّا تَدْعُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ (1) الخ یعنی ''اے نبی تیری دعوت سے ہمارے دل پردے میں ہیں'' اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے اس قول کا مطلب یہ ہے کہ ''ہمارے دل علم کے ظروف ہیں وہ علم و عرفان سے پر ہیں''۔ سورۂ بقرہ میں بھی اس کی نظیر گذر چکی ہے' اللہ تعالیٰ ان کے اس قول کی تردید کرتا ہے کہ یوں نہیں بلکہ ان پر اللہ تعالیٰ نے مہر لگا دی ہے کیونکہ یہ کفر میں پختہ ہو چکے تھے۔ پس پہلی تفسیر کی بنا پر یہ مطلب ہوا کہ وہ عذر کرتے تھے کہ ہمارے دل بوجہ ان پر غلاف ہونے کے نبی کی باتوں کو یاد نہیں کر سکتے تو انہیں جواب دیا گیا کہ ایسا نہیں بلکہ تمہارے کفر کی وجہ سے تمہارے دل مسخ ہو گئے ہیں اور دوسری تفسیر کی بنا پر تو جواب ہر طرح ظاہر ہے۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس کی پوری تفصیل و تشریح گذر چکی ہے۔ پس بطور نتیجے کے فرمایا کہ اب ان کے دل کفر و سرکشی اور کمی ایمان پر ہی رہیں گے۔

پھر ان کا پانچواں جرم عظیم بیان ہو رہا ہے کہ انہوں نے سیدہ مریم رضی اللہ عنہا پر زنا کاری جیسی بدترین اور شرمناک تہمت لگائی اور اسی زنا کاری کے حمل سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا شدہ بتایا' بعض نے اس سے بھی ایک قدم آگے رکھا اور کہا کہ یہ بدکاری حیض کی حالت میں ہوئی تھی۔ اللہ کی پھٹکار ہو کہ ان کی بدزبانی سے اللہ کے مقبول بندے بھی نہ بچ سکے۔ پھر ان کا چھٹا گناہ بیان ہو رہا ہے کہ یہ بطور تمسخر اور اپنی بڑائی کے یہ ہانک بھی لگاتے ہیں کہ ''ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مار ڈالا''۔ جیسے کہ بطور تمسخر کے مشرکین حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہتے ہیں کہ اے وہ شخص جس پر قرآن اتارا گیا ہے تو تو مجنون ہے۔ پورا واقعہ یہ ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو نبوت دے کر بھیجا اور آپ کے ہاتھ پر بڑے بڑے معجزے دکھائے مثلاً بچپن کے اندھوں کو بینا کرنا' کوڑھیوں کو اچھا کرنا' مردوں کو زندہ کرنا' مٹی کے پرند بنا کر پھونک مارنا اور ان کا جاندار ہو کر اڑ جانا وغیرہ تو یہودیوں کو سخت طیش آیا اور مخالفت پر کمربستہ ہو گئے اور ہر طرح سے ایذا رسانی شروع کر دی' آپ کی زندگی تنگ کر دی' کسی بستی میں چند دن آرام کرنا بھی آپ کو نصیب نہ ہوا' ساری عمر جنگلوں اور بیابانوں میں اپنی والدہ کے ساتھ سیاحت میں گذاری' پھر بھی انہیں چین نہ لینے دیا' یہ اس زمانے کے دمشق کے بادشاہ کے پاس گئے جو ستارہ پرست مشرک شخص تھا (اس مذہب والوں کے ملک کو اس وقت یونان کہا جاتا تھا) یہاں آ کر یہ بہت روئے پیٹے اور بادشاہ کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے خلاف اکسایا اور کہا کہ یہ شخص بڑا مفسد ہے۔ لوگوں کو بہکا رہا ہے' روز نئے فتنے کھڑے کرتا ہے' امن میں خلل ڈالتا

(1) [سورۂ فصلت : آیت ٥]

ہے‘ لوگوں کو بغاوت پہ اکساتا ہے وغیرہ۔ بادشاہ نے اپنے گورنر کو جو بیت المقدس میں تھا‘ ایک فرمان لکھا کہ وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو گرفتار کر لے اور سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ کر لوگوں کو اس دکھ سے نجات دلوائے۔ اس نے فرمان شاہی پڑھ کر یہودیوں کے ایک گروہ کو اپنے ساتھ لے کر اس مکان کا محاصرہ کر لیا جس میں روح اللہ علیہ السلام تھے‘ آپ کے ساتھ اس وقت بارہ تیرہ یا زیادہ سے زیادہ سترہ آدمی تھے‘ جمعہ کے دن عصر کے بعد اس نے محاصرہ کیا اور ہفتہ کی رات تک مکان کو گھیرے میں لیے رکھا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ محسوس کر لیا کہ اب وہ مکان میں گھس کر آپ کو گرفتار کر لیں گے یا آپ کو خود باہر نکلنا پڑے گا تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا تم میں سے کون اس بات کو پسند کرتا ہے کہ اس پر میری مشابہت ڈال دی جائے یعنی اس کی صورت اللہ مجھ جیسی بنا دے اور وہ ان کے ہاتھوں گرفتار ہو اور مجھے اللہ مخلصی دے؟ میں اس کے لیے جنت کا ضامن ہوں۔ اس پر ایک نوجوان نے کہا مجھے یہ منظور ہے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے انہیں اس قابل نہ جان کر دوبارہ یہی کہا‘ تیسری دفعہ بھی کہا مگر ہر مرتبہ صرف یہی تیار ہوئے رضی اللہ عنہ اب آپ نے یہی منظور فرما لیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی صورت قدرتاً بدل گئی بالکل یہ معلوم ہونے لگا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام یہی ہیں اور چھت کی طرف ایک روزن نمودار ہو گیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر اونگھ کی سی حالت ہو گئی اور اسی طرح وہ آسمان پر اٹھا لیے گئے۔ جیسے قران کریم میں ہے ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ [1] الخ‘ یعنی جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا ”اے عیسیٰ میں تجھ سے پورا پورا لینے والا ہوں‘ اور اپنی طرف اٹھانے والا ہوں“ الخ۔ حضرت روح اللہ کے سوئے ہوئے آسمان پر اٹھائے جانے کے بعد یہ لوگ اس گھر سے باہر نکلے‘ یہودیوں کی جماعت نے اس بزرگ صحابی کو جس پر جناب مسیح علیہ السلام کی شباہت ڈال دی گئی تھی‘ عیسیٰ سمجھ کر پکڑ لیا اور راتوں رات اسے سولی پر چڑھا کر اس کے سر پر کانٹوں کا تاج رکھ دیا۔ اب یہود خوشیاں منانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ بن مریم کو قتل کر دیا اور لطف تو یہ ہے کہ عیسائیوں کی کم عقل اور جاہل جماعت نے بھی یہودیوں کی ہاں میں ہاں ملا دی اور ہاں صرف وہ لوگ جو مسیح علیہ السلام کے ساتھ اس مکان میں تھے اور جنہیں یقینی طور پر معلوم تھا کہ مسیح آسمان پر چڑھا لیے گئے اور یہ فلاں شخص ہے جو دھوکے میں ان کی جگہ کام آیا۔ باقی عیسائی بھی یہودیوں کا سارا گ الاپنے لگے‘ یہاں تک کہ پھر یہ بھی گھڑ لیا کہ عیسیٰ کی والدہ سولی تلے بیٹھ کر روتی چلاتی رہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ آپ نے ان سے کچھ باتیں بھی کیں‘ واللہ اعلم۔

دراصل یہ سب باتیں اللہ کی طرف سے اپنے بزرگ بندوں کا امتحان ہیں جو اس کی حکمت بالغہ کا تقاضا ہے‘ پس اس غلطی کو اللہ تعالیٰ نے واضح اور ظاہر کر کے حقیقت حال سے اپنے بندوں کو مطلع فرما دیا اور اپنے سب سے بہتر رسول اور بڑے مرتبے والے پیغمبر کی زبانی اپنے پاک‘ سچے اور بہترین کلام میں صاف فرما دیا کہ ”حقیقتاً نہ کسی نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کیا‘ نہ سولی دی بلکہ ان کی شبیہ جس پر ڈالی گئی تھی‘ اسے عیسیٰ ہی سمجھ بیٹھے‘ جو یہود و نصاریٰ آپ کے قتل کے قائل ہو گئے ہیں وہ سب کے سب شک و شبہ میں حیرت و ضلالت میں مبتلا ہیں۔ ان کے پاس کوئی

[1] [سورۂ آل عمران: آیت ٥٥]

دلیل نہیں نہ انہیں خود کچھ علم ہے صرف سنی سنائی باتوں پہ یقین کے سوا کوئی ان کے پاس دلیل نہیں"۔ اسی لیے پھر اسی کے متصل فرما دیا کہ "یہ یقینی امر ہے کہ روح اللہ کو کسی نے قتل نہیں کیا بلکہ جناب باری عزاسمہ نے جو غالب تر ہے اور جس کی قدرتیں بندوں کے فہم میں بھی نہیں آ سکتیں اور جس کی حکمتوں کی تہ تک اور کاموں کی لم تک کوئی نہیں پہنچ سکتا' اپنے خاص بندے کو جنہیں اپنی روح کہا تھا اپنے پاس اٹھالیا"۔

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اٹھانا چاہا تھا' آپ گھر میں آئے اور گھر میں بارہ حواری تھے' آپ کے بالوں سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے' آپ نے فرمایا: تم میں بعض ایسے ہیں جو مجھ پر ایمان لا چکے ہیں مگر پھر مجھ سے کفر کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا "تم میں سے کون شخص اسے پسند کرتا ہے کہ اس پر میری شبیہ ڈالی جائے اور میری جگہ وہ قتل کر دیا جائے اور جنت میں میرا رفیق بنے" الخ۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ حضرت روح اللہ کی پیش گوئی کے مطابق آپ سے بارہ بارہ بار کفر کیا۔ پھر ان کے تین گروہ ہو گئے' یعقوبیہ' نسطوریہ اور مسلمان' یعقوبیہ تو کہنے لگے خود اللہ ہم میں تھا' جب تک چاہا رہا' پھر آسمان پر چڑھ گیا' نسطوریہ کا خیال ہو گیا کہ اللہ کا لڑکا ہم میں تھا' جسے ایک زمانے تک ہم میں رکھ کر پھر اللہ نے اپنی طرف اٹھالیا اور مسلمانوں کا یہ عقیدہ رہا کہ اللہ کا بندہ اور رسول ہم میں تھا جب تک اللہ نے چاہا وہ ہم میں رہا اور پھر اللہ نے اسے اپنی طرف اٹھالیا۔ ان پہلے دو گمراہ فرقوں کا زور ہو گیا اور انہوں نے تیسرے سچے اور اچھے فرقے کو کچلنا اور دبانا شروع کیا' چنانچہ یہ کمزور ہوتے گئے' یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث فرما کر اسلام کو غالب کیا۔ اس کی اسناد بالکل صحیح ہیں اور نسائی میں حضرت ابو معاویہ سے بھی یہی منقول ہے۔ [1] اسی طرح سلف میں سے بہت سے بزرگوں کا قول ہے' حضرت وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس وقت شاہی سپاہی اور یہودی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر چڑھ دوڑے اور گھیرا ڈال دیا اس وقت آپ کے ساتھ سترہ آدمی تھے۔ ان لوگوں نے جب دروازے کھول کر دیکھا تو دیکھا کہ سب کے سب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صورت میں ہیں تو کہنے لگے تم لوگوں نے ہم پر جادو کر دیا ہے' اب یا تو تم اسے جو حقیقی عیسیٰ ہوں' ہمیں سونپ دو یا اسے منظور کر لو کہ ہم تم سب کو قتل کر ڈالیں۔ یہ سن کر روح اللہ نے فرمایا "کوئی ہے جو جنت میں میرا رفیق بنے اور یہاں میرے بدلے سولی پر چڑھنا منظور کرے" ایک صحابی اس کے لیے تیار ہو گئے اور کہنے لگے عیسیٰ میں تیار ہوں' چنانچہ دشمنان دین نے انہیں گرفتار کیا قتل کیا اور سولی چڑھایا اور بغلیں بجانے لگے کہ ہم نے عیسیٰ کو قتل کیا' حالانکہ دراصل ایسا نہیں ہوا بلکہ وہ دھوکے میں پڑ گئے اور اللہ نے اپنے رسول کو اسی وقت اپنے پاس چڑھالیا۔

تفسیر ابن جریر میں ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہ وحی کر دی کہ وہ دنیا سے رخصت ہونے والے ہیں تو آپ پر بہت گراں گذرا اور موت کی گھبراہٹ بڑھ گئی تو آپ نے حواریوں کی دعوت کی' کھانا تیار کیا اور سب سے کہہ دیا کہ آج رات کو میرے پاس تم سب ضرور آنا' مجھے ایک ضروری کام ہے۔ جب وہ آئے تو خود

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (٤/ ١١١٠) الدر المنثور للسیوطی (٢/ ٤٢٣) نسائی فی السنن الکبری (٦/ ٤٨٩)]

کھانا کھلایا سب کام کاج اپنے ہاتھوں کرتے رہے‘ جب وہ کھا چکے تو خود ان کے ہاتھ دھلائے اور اپنے کپڑوں سے ان کے ہاتھ پونچھے یہ ان پر بھاری پڑا اور برا بھی لگا لیکن آپ نے فرمایا‘ سنو اس رات میں جو کر رہا ہوں اگر تم میں سے کسی نے مجھے اس سے روکا تو میرا اس کا اس سے کچھ واسطہ نہیں نہ وہ میرا نہ میں اس کا۔ چنانچہ وہ سب خاموش ہو رہے۔ جب آپ ان تمام کاموں سے فارغ ہو گئے تو فرمایا دیکھو! تمہارے نزدیک میں تم سب سے بڑے مرتبے والا ہوں اور میں نے تمہاری خدمت خود کی ہے‘ یہ اس لیے کہ تم میری اس سنت کے عامل بن جاؤ‘ خبردار تم میں سے کوئی اپنے آپ کو اپنے بھائیوں سے بڑا نہ سمجھے‘ بلکہ ہر بڑا چھوٹے کی خدمت کرے‘ جس طرح خود میں نے تمہاری خدمت کی ہے‘ اب تم سے میرا جو خاص کام تھا جس کی وجہ سے آج میں نے تمہیں بلایا ہے وہ بھی سن لو کہ ”تم سب مل کر آج رات بھر خشوع وخضوع سے میرے لیے دعائیں کرو کہ اللہ میری اجل کو موخر کر دے“۔ چنانچہ سب نے دعائیں شروع کیں لیکن خشوع وخضوع کا وقت آنے سے پہلے ہی اس طرح انہیں نیند آنے لگی کہ زبان سے ایک لفظ نکالنا مشکل ہو گیا‘ آپ نے انہیں بیدار کرنے کی کوشش میں ایک ایک کو جھنجھوڑ جھنجھوڑ کر کہا تمہیں کیا ہو گیا؟ ایک رات بھی جاگ نہیں سکتے؟ میری مدد نہیں کرتے؟ لیکن سب نے جواب دیا اے رسول اللہ ہم خود حیران ہیں کہ یہ کیا ہو رہا ہے؟ ایک چھوڑ کئی کئی راتیں جاگتے تھے‘ جاگنے کے عادی ہیں لیکن اللہ جانے‘ آج کیا بات ہے کہ بری طرح نیند نے گھیر رکھا ہے‘ دعا کے اور ہمارے درمیان کوئی قدرتی رکاوٹ پیدا ہو گئی ہے تو آپ نے فرمایا! اچھا پھر چرواہا نہ رہے گا اور بکریاں تین تیرہ ہو جائیں گی‘ غرض اشاروں کنایوں میں اپنا مطلب ظاہر کرتے رہے‘ پھر فرمایا ”دیکھو تم میں سے ایک شخص صبح کا مرغ بولنے سے پہلے تین مرتبہ میرے ساتھ کفر کرے گا اور تم میں سے ایک چند درہموں کے بدلے مجھے بیچ دے گا اور میری قیمت کھائے گا“۔ اب یہ لوگ یہاں سے باہر نکلے ادھر ادھر چلے گئے‘ یہود جو اپنی جستجو میں تھے‘ انہوں نے شمعون حواری کو پہچان کر اسے پکڑا اور کہا یہ بھی اس کا ساتھی ہے‘ مگر شمعون نے کہا ”غلط ہے میں اس کا ساتھی نہیں ہوں۔ انہوں نے یہ باور کر کے اسے چھوڑ دیا لیکن کچھ آگے جا کر یہ دوسری جماعت کے ہاتھ لگ گیا‘ وہاں سے بھی اسی طرح انکار کر کے اپنا آپ چھڑایا۔ اتنے میں مرغ نے بانگ دی اب یہ پچھتانے لگے اور سخت غمگین ہوئے۔ صبح ایک حواری یہودیوں کے پاس پہنچتا ہے اور کہتا ہے کہ اگر میں تمہیں عیسیٰ کا پتہ بتا دوں تو تم مجھے کیا دلواؤ گے؟ انہوں نے کہا تیس درہم‘ چنانچہ اس نے وہ رقم لے لی‘ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا پتہ بتا دیا۔ اس سے پہلے وہ شبہ میں تھے‘ اب انہوں نے گرفتار کر لیا اور رسیوں میں جکڑ کر گھسیٹتے ہوئے لے چلے اور بطور طعنہ زنی کے کہتے جاتے تھے کہ آپ تو مردوں کو زندہ کرتے تھے‘ جنات کو بھگا دیا کرتے تھے‘ مجنون کو اچھا کر دیا کرتے تھے‘ اب کیا بات ہے کہ خود اپنے آپ کو نہیں بچا سکتے ان رسیوں کو بھی نہیں توڑ سکتے‘ تھو ہے تمہارے منہ پر! یہ کہتے جاتے تھے اور کانٹے ان کے اوپر ڈالتے جاتے تھے۔ اسی طرح بے دردی سے گھسیٹتے ہوئے جب اس لکڑی کے پاس لائے جہاں سولی دینا تھی اور ارادہ کیا کہ سولی پر چڑھا دیں اس وقت اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اپنی طرف چڑھا لیا اور انہوں نے دوسرے شخص کو جو آپ کے مشابہ تھا سولی پر چڑھا دیا“۔

پھر سات دن کے بعد حضرت مریم اور وہ عورت جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے جن سے نجات دلوائی تھی' وہاں آئیں اور رونے پیٹنے لگیں تو ان کے پاس حضرت عیسیٰ علیہ السلام آئے اور ان سے کہا کہ "کیوں روتی ہو؟ مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف بلند کر لیا ہے اور مجھے ان کی اذیتیں نہیں پہنچیں' ان پر تو شبہ ڈال دیا گیا ہے میرے حواریوں سے کہو کہ مجھ سے فلاں جگہ ملیں" چنانچہ یہ بشارت جب حواریوں کو ملی تو وہ سب کے سب گیارہ آدمی اس جگہ پہنچے' جس حواری نے آپ کو بیچا تھا، اسے انہوں نے وہاں نہ پایا' دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ندامت اور شرمندگی کی وجہ سے اپنا گلا گھونٹ کر آپ ہی مر گیا' اس نے خودکشی کر لی۔ آپ نے فرمایا: "اگر وہ توبہ کرتا تو اللہ اس کی توبہ قبول فرما لیتا"۔ پھر پوچھا کہ یہ بچہ جو تمہارے ساتھ ہے' اس کا نام یحییٰ ہے' اب یہ تمہارا ساتھی ہے سنو صبح کو تمہاری زبانیں بدل دی جائیں گی' ہر شخص اپنی اپنی قوم کی زبان بولنے لگے گا' اسے چاہیے کہ اسی قوم میں جا کر اسے میری دعوت پہنچائے اور اللہ سے ڈرائے۔ یہ واقعہ نہایت ہی غریب ہے۔

ابن اسحاق کا قول ہے کہ بنی اسرائیل کا بادشاہ جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قتل کے لیے اپنی فوج بھیجی تھی اس کا نام داود تھا۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس وقت سخت گھبراہٹ میں تھے' کوئی شخص اپنی موت سے اس قدر پریشان حواس باختہ اور اس قدر رواویلا کرنے والا نہ ہوگا' جس قدر آپ نے اس وقت کیا۔ یہاں تک کہ فرمایا یا اللہ اگر تو موت کے پیالے کو کسی سے بھی ٹالنے والا ہے تو مجھ سے ٹال دے اور یہاں تک کہ گھبراہٹ اور خوف کے مارے ان کے بدن سے خون پھوٹ کر بہنے لگا' اس وقت اس مکان میں آپ کے ساتھ بارہ حواری تھے' جن کے نام یہ ہیں فرطوس' یعقوب' ربداء' یحنس (یعقوب کا بھائی) اندراییس' فیلبس ابن یلما' منتا' طوماس' یعقوب بن حلقایا' تداوسیس' فتانیا' یودس ذکریا یوطا۔ بعض کہتے ہیں تیرہ آدمی تھے اور ایک کا نام سرجس تھا۔ اسی نے اپنے آپ کو سولی پر چڑھایا جانا حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشارت پر منظور کیا تھا۔

جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان پر چڑھا لئے گئے اور بقیہ لوگ یہودیوں کے ہاتھوں میں اسیر ہو گئے' اب جو گنتی گنتے ہیں تو ایک کم نکلا۔ اس کے بارے میں ان میں آپس میں اختلاف ہوا۔ یہ لوگ جب اس جماعت پر چھاپہ مارتے ہیں اور انہیں گرفتار کرنا چاہتے ہیں تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو چونکہ پہچانتے نہ تھے تو یودس ذکریا یوطا نے تیس درہم لے کر ان سے کہا تھا کہ میں سب سے پہلے جاتا ہوں جسے میں جا کر بوسہ دوں تم سمجھ لینا کہ عیسیٰ وہی ہے' جب یہ اندر پہنچتے ہیں' اس وقت حضرت عیسیٰ اٹھا لیے گئے تھے اور حضرت سرجس آپ کی صورت میں بنا دیئے گئے تھے' اس نے جا کر حسب قرارداد انہی کا بوسہ لیا اور گرفتار کر لیے گئے پھر تو یہ بہت نادم ہوا اور اپنے گلے میں رسی ڈال کر پھانسی پر لٹک گیا اور نصرانیوں میں ملعون بنا۔ بعض کہتے ہیں اس کا نام یودس زکریا یوطا تھا' یہ جیسے ہی حضرت عیسیٰ کی پہچان کرانے کے لیے اس گھر میں داخل ہوا' حضرت عیسیٰ تو اٹھا لیے گئے اور خود اس کی صورت حضرت عیسیٰ جیسی ہو گئی اور اسی کو لوگوں نے پکڑ لیا' یہ ہزار چیختا چلاتا رہا کہ میں عیسیٰ نہیں ہوں' میں تو تمہارا ساتھی ہوں' میں نے ہی تو تمہیں عیسیٰ کا پتہ دیا تھا لیکن کون سنتا؟ آخر اسی کو تختہ دار پر لٹکا دیا' اب اللہ ہی کو علم ہے کہ یہی تھا

یا وہ تھا' جس کا ذکر پہلے ہوا۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کی مشابہت جس پر ڈال دی گئی تھی اسے صلیب پر چڑھایا اور حضرت عیسیٰ کو اللہ تعالیٰ نے زندہ آسمان پر اٹھا لیا۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''حضرت عیسیٰ کی شبیہ آپ کے ان تمام ساتھیوں پر ڈال دی گئی تھی''۔ اس کے بعد ذکر ہوتا ہے کہ جناب روح اللہ کی موت سے پہلے جملہ اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے اور قیامت تک آپ ان کے گواہ ہوں گے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کی تفسیر میں کئی قول ہیں۔

ایک تو یہ کہ عیسیٰ موت سے پہلے یعنی جب آپ دجال کو قتل کرنے کے لیے دوبارہ زمین پر آئیں گے اس وقت تمام مذہب ختم ہو چکے ہوں گے اور صرف ملت اسلامیہ جو دراصل ابراہیم علیہ السلام حنیف کے ملت ہے رہ جائے گی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ﴿مَوْتِهٖ﴾ سے مراد موت عیسیٰ علیہ السلام ہے ابو مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب جناب مسیح اتریں گے' اس وقت کل اہل کتاب آپ پر ایمان لائیں گے۔ [1] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اور روایت میں ہے خصوصاً یہودی ایک بھی باقی نہیں رہے گا۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی نجاشی اور ان کے ساتھی۔ آپ سے مروی ہے کہ قسم اللہ کی حضرت عیسیٰ اللہ کے پاس اب زندہ موجود ہیں۔ جب آپ زمین پر نازل ہوں گے' اس وقت اہل کتاب میں سے ایک بھی ایسا نہ ہوگا جو آپ پر ایمان نہ لائے۔ آپ سے جب اس آیت کی تفسیر پوچھی جاتی ہے تو آپ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے مسیح علیہ السلام کو اپنے پاس اٹھا لیا ہے اور قیامت سے پہلے آپ کو دوبارہ زمین پر اس حیثیت سے بھیجے گا کہ ہر نیک و بد آپ پر ایمان لائے گا۔ حضرت قتادہ' عبدالرحمٰن رحمہم اللہ وغیرہ بہت سے مفسرین کا یہی فیصلہ ہے اور یہی قول حق ہے اور یہی تفسیر بالکل ٹھیک ہے' ان شاء اللہ العظیم اللہ تعالیٰ کی مدد اور اس کی توفیق سے ہم اسے بادلائل ثابت کریں گے۔

دوسرا قول یہ ہے کہ ہر اہل کتاب آپ پر اپنی موت سے پہلے ایمان لاتا ہے۔ اس لیے کہ موت کے وقت حق وباطل سب پر کھل جاتا ہے تو ہر کتابی حضرت عیسیٰ کی حقانیت کو زمین سے سدھارنے سے پہلے یاد کر لیتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کوئی یہودی نہیں مرتا جب تک کہ وہ حضرت روح اللہ علیہ السلام پر ایمان نہ لائے۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ کا یہی قول ہے۔ بلکہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے تو یہاں تک مروی ہے کہ اگر کسی اہل کتاب کی گردن تلوار سے اڑا دی جائے تو اس کی روح نہیں نکلتی جب تک کہ وہ حضرت عیسیٰ پر ایمان نہ لائے اور یہ نہ کہہ دے کہ آپ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔ حضرت ابی کی تو قرات میں ﴿قَبْلَ مَوْتِهِمْ﴾ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا جاتا ہے کہ فرض کرو کوئی دیوار سے گر کر مر جائے؟ فرمایا پھر بھی اس درمیانی فاصلے میں وہ ایمان لا چکتا ہے۔ عکرمہ' محمد بن سیرین' محمد ضحاک' سعید بن جبیر رحمہم اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ایک قول امام حسن رحمہ اللہ سے ایسا بھی مروی ہے کہ جس کا مطلب پہلے قول کا سا بھی ہو سکتا ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی موت سے پہلے کا بھی ہو سکتا ہے۔

تیسرا قول یہ ہے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہوگا جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنی موت سے پہلے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۹/ ۳۸۰)]

ایمان لائے گا۔ عکرمہ رحمہ اللہ یہی فرماتے ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان سب اقوال میں زیادہ ترجیح قول پہلا ہی ہے کہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے قیامت کے قریب اتریں گے اس وقت کوئی اہل کتاب آپ پر ایمان لائے بغیر نہ رہے گا۔ فی الواقع امام صاحب کا یہ فیصلہ بجانب ہے۔ اس لیے کہ یہاں کی آیتوں سے صاف ظاہر ہے کہ اصل مقصود یہودیوں کے اس دعوے کو غلط ثابت کرنا ہے کہ ہم نے جناب مسیح کو قتل کیا اور سولی دی۔ اور اسی طرح جن جاہل عیسائیوں نے یہ بھی کہا ہے ان کے قول کو بھی باطل کرنا ہے' تو اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ فی الواقع نفس الامر میں نہ تو روح اللہ مقتول ہوئے' نہ مصلوب ہوئے۔ بلکہ ان کے لیے شبہ ڈال دیا گیا اور انہوں نے حضرت عیسیٰ جیسے ایک شخص کو قتل کیا لیکن خود انہیں اس حقیقت کا علم نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو تو اپنے پاس چڑھا لیا۔ وہ زندہ ہیں، اب تک باقی ہیں' قیامت کے قریب اتریں گے' جیسے صحیح متواتر احادیث میں ہے مسیح ہر گمراہ کو قتل کریں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیروں کو قتل کریں گے' جزیہ قبول نہیں کریں گے' اعلان کر دیں گے کہ یا تو اسلام کو قبول کرو یا تلوار سے مقابلہ کرو۔ پس اس آیت میں خبر دیتا ہے کہ اس وقت تمام اہل کتاب آپ کے ہاتھ پر ایمان قبول کریں گے اور ایک بھی ایسا نہ رہے گا جو اسلام کو مانے بغیر رہ جائے یا رہ سکے۔ پس جسے یہ گمراہ یہود اور یہ جاہل نصرانی مرا ہوا جانتے ہیں اور سولی پر چڑھایا ہوا مانتے ہیں' یہ ان کی حقیقی موت سے پہلے ہی ان پر ایمان لائیں گے اور جو کام انہوں نے ان کی موجودگی میں کیے ہیں اور کریں گے یہ ان پر قیامت کے دن اللہ کے سامنے گواہی دیں گے یعنی آسمان پر اٹھائے جانے کے قبل زندگی کے مشاہدہ کیے ہوئے کام اور دوبارہ کی آخری زندگی جو زمین پر گزاریں گے' اس میں ان کے سامنے جتنے کام انہوں نے کیے وہ سب آپ کی نگاہوں کے سامنے ہوں گے اور انہیں اللہ کے سامنے پیش کریں گے۔

ہاں اس کی تفسیر میں جو دو قول اور بیان ہوئے ہیں وہ بھی واقعہ کے اعتبار سے بالکل صحیح اور درست ہیں۔ موت کا فرشتہ آ جانے کے بعد احوال آخرت' سچ جھوٹ کا معائنہ ہو جاتا ہے' اس وقت ہر شخص سچائی کو سچ کہنے اور سمجھنے لگتا ہے لیکن وہ ایمان اللہ کے نزدیک معتبر نہیں۔ اسی سورت کے شروع میں ہے ﴿وَلَيْسَتِ التَّوْبَةُ لِلَّذِيْنَ يَعْمَلُوْنَ السَّيِّاٰتِ حَتّٰٓى اِذَا حَضَرَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ اِنِّىْ تُبْتُ الْاٰنَ﴾ [1] الخ' اور جگہ فرمان ہے ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ﴾ [2] الخ' یعنی جو لوگ موت کے آ جانے تک برائیوں میں مشغول رہے ان کی توبہ قبول نہیں اور جو لوگ عذاب رب دیکھ کر ایمان لائیں' انہیں بھی ان کا ایمان نفع نہ دے گا۔ پس ان دونوں آیتوں کو سامنے رکھ کر ہم کہتے ہیں کہ پچھلے دو اقوال جن کی امام ابن جریر رحمہ اللہ نے تردید کی ہے وہ ٹھیک نہیں۔ اس لیے کہ امام صاحب فرماتے ہیں اگر پچھلے دونوں قولوں کو اس آیت کی تفسیر میں صحیح مانا جائے تو لازم آتا ہے کہ کسی یہودی یا نصرانی کے اقرباء اس کے وارث نہ ہوں' اس لیے کہ وہ تو حضرت عیسیٰ پر اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لا کر مرا اور اس کے وارث یہود و نصاریٰ ہیں' مسلمان کا وارث کافر نہیں ہو سکتا۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ اس وقت ہے جب ایمان ایسے وقت لائے کہ اللہ کے نزدیک معتبر ہو' نہ ایسے وقت ایمان لانا جو بالکل

---

[1] [سورۃ النساء : آیت ١٨]
[2] [سورۃ غافر: آیت ٨٤]

بے سود ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے قول پر گہری نظر ڈالیے کہ دیوار سے گرتے ہوئے' درندے کے جبڑوں میں' تلوار کے چلتے ہوئے وہ ایمان لاتا ہے پس صاف ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا ایمان مطلق نفع نہیں دے سکتا۔ جیسے قرآن کی مندرجہ بالا دونوں آیتیں ظاہر کر رہی ہیں واللہ اعلم۔ میرے خیال سے تو یہ بات بہت صاف ہے کہ اس آیت کی تفسیر کے پچھلے دونوں قول بھی معتبر مان لینے سے کوئی اشکال پیش نہیں آتا۔ اپنی جگہ وہ بھی ٹھیک ہیں۔ لیکن ہاں آیت سے واقعی مطلب وہی نکلتا ہے جو پہلا قول ہے۔ تو اس سے مراد یہ ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمانوں پر زندہ موجود ہیں' قیامت کے قریب زمین پر اتریں گے اور یہودیوں و نصرانیوں کو جھوٹا بتائیں گے اور جو افراط تفریط انہوں نے کی ہے' اسے باطل قرار دیں گے۔ ایک طرف ملعون جماعت یہودیوں کی ہے' جنہوں نے آپ کو آپ کی عزت سے بہت گرا دیا اور ایسی ناپاک باتیں آپ کی شان میں کہیں جن سے ایک بھلا انسان نفرت کرے۔ دوسری جانب نصرانی ہیں جنہوں نے آپ کے مرتبے کو اس قدر بڑھایا کہ جو آپ میں نہ تھا اس کے اثبات میں اتنے بڑھے کہ مقام نبوت سے مقام ربوبیت تک پہنچا دیا جس سے اللہ کی ذات بالکل پاک ہے۔

اب ان احادیث کو سنیے جن میں بیان ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام آخر زمانے میں قیامت کے قریب آسمان سے زمین پر اتریں گے اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کی طرف سب کو بلائیں گے۔ صحیح بخاری شریف جسے ساری امت نے قبول کیا ہے اس میں امام محمد بن اسماعیل بخاری رحمہ اللہ کتاب ذکر انبیاء علیہم السلام میں یہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ عنقریب تم میں ابن مریم صلی اللہ علیہ وسلم نازل ہوں گے' عادل منصف بن کر صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ ہٹا دیں گے۔ مال اس قدر بڑھ جائے گا کہ اسے لینا کوئی منظور نہ کرے گا' ایک سجدہ کر لینا دنیا اور دنیا کی سب چیزوں سے محبوب تر ہو گا۔ اس حدیث کو بیان فرما کر راوی حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے بطور شہادت قرآنی کے اسی آیت ﴿وَاِنْ مِّنْ﴾ کی آخر تک تلاوت کی۔ [1] صحیح مسلم شریف میں بھی یہ حدیث ہے اور سند سے یہی روایت بخاری و مسلم میں مروی ہے اس میں ہے کہ سجدہ اس وقت فقط اللہ رب العالمین کے لیے ہی ہوگا۔ اور اس آیت کی تلاوت میں ﴿قَبْلَ مَوْتِهٖ﴾ کے بعد یہ فرمان بھی ہے کہ ﴿قَبْلَ مَوْتِ عِيْسٰى بْنِ مَرْيَمَ﴾ پھر اسے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا تین مرتبہ دوہرانا بھی ہے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے حضرت عیسیٰ علیہ السلام حج یا عمرے پر یا دونوں پر لبیک کہیں گے' میدان فج میں' روحاء میں۔ [2] یہ حدیث مسلم میں بھی ہے۔ [3] مسند کی اور حدیث میں ہے عیسیٰ بن

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب المظالم : باب کسر الصلیب وقتل الخنزیر (۲٤٧٦) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب نزول عسی ابن مریم (١٥٥) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب فتنة الدجال وخروج عیسیٰ ابن مریم (٤٠٧٨) ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجاء فی نزول عیسیٰ ابن مریم (٢٢٣٣) مسند احمد (٢/٢٤٠)]

[2] [صحیح : مسند احمد (٢/٢٤٠ـ ٢٧٢)] شیخ شعیب ارناؤط نے اسے صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحدیثیة] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب اهلال النبی وهدیة (١٢٥٢)]

مریم ﷺ اتریں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، صلیب کو مٹائیں گے، نماز باجماعت ہوگی اور اللہ کی راہ میں مال اس قدر کثرت سے دیا جائے گا کہ کوئی قبول کرنے والا نہ ملے گا۔ خراج چھوڑ دیں گے، روحاء میں جائیں گے اور وہاں سے حج یا عمرہ کریں گے یا دونوں ایک ساتھ کریں گے۔ پھر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھی لیکن آپ کے شاگرد حضرت حنظلہ رحمہ اللہ کا خیال ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا "حضرت عیسیٰ کے انتقال سے پہلے آپ پر ایمان لائیں گے"۔ مجھے نہیں معلوم کہ یہ سب حدیث کے ہی الفاظ ہیں یا حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے اپنے۔ [1]

صحیح بخاری میں ہے اس وقت کیا ہوگا، جب تم میں مسیح بن مریم ﷺ اتریں گے اور تمہارا امام تمہیں میں سے ہوگا۔ [2] ابوداؤد، مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا "انبیاء کرام علیہم السلام سب ایک باپ کے بیٹے بھائی کی طرح ہیں، مائیں جدا جدا اور دین ایک۔ عیسیٰ بن مریم ﷺ سے زیادہ تر نزدیک میں ہوں اس لیے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی اور نبی نہیں، یقیناً وہ اترنے والے ہیں پس تم انہیں پہچان رکھو۔ درمیانہ قد ہے، سرخ سفید رنگ ہے، وہ دو گیروے رنگ میں رنگے ہوئے کپڑے اوڑھے اور باندھے ہوں گے، بال خشک ہونے کے باوجود ان کے سر سے قطرے ٹپک رہے ہوں گے، صلیب توڑیں گے، خنزیر کو قتل کریں گے، جزیہ قبول نہ کریں گے، لوگوں کو اسلام کی طرف بلائیں گے، ان کے زمانے میں تمام ملتیں مٹ جائیں گی، صرف اسلام ہی اسلام رہے گا، ان کے زمانے میں اللہ تعالیٰ مسیح دجال کو ہلاک کرے گا۔ پھر زمین پر امن ہی امن ہوگا یہاں تک کہ کالے ناگ اونٹوں کے ساتھ، چیتے گایوں کے ساتھ اور بھیڑیئے بکریوں کے ساتھ چرتے پھریں گے اور بچے سانپوں سے کھیلیں گے، انہیں وہ کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے، چالیس برس تک ٹھہریں گے، پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے"۔ [3] ابن جریر کی اسی روایت میں ہے، آپ لوگوں سے اسلام کے لیے جہاد کریں گے، اس حدیث کا ایک ٹکڑا بخاری شریف میں بھی ہے اور روایت میں ہے "سب سے زیادہ قریب تر حضرت عیسیٰ سے دنیا اور آخرت میں میں ہوں"۔ [4]

صحیح مسلم میں ہے: "قیامت قائم نہ ہوگی، جب تک رومی اعماق دالق میں نہ اتریں اور ان کے مقابلہ کے لیے مدینہ سے مسلمانوں کا لشکر نہ نکلے گا، جو اس وقت تمام زمین کے لوگوں سے زیادہ اللہ کے پسندیدہ بندے ہوں گے، جب صفیں بندھ جائیں گی تو رومی کہیں گے تم سے ہم لڑنا نہیں چاہتے، ہم میں سے جو دین بدل کر تم میں جا ملے ہم

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۲/ ۲۹۰۔ ۲۹۱) تفسیر ابن ابی حاتم (۶۲۴۹)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو مسلم کی شرط پر صحیح کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (۷۹۰۳)]

[2] [صحیح: صحيح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب نزول عیسی ابن مریم (۳۴۴۹) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب نزول عیسیٰ ابن مریم (۱۵۵)]

[3] [صحیح: ابوداؤد: کتاب الملاحم: باب خروج الدجال (۴۳۲۴) مسند احمد (۲/ ۴۰۶)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود، السلسلة الصحيحة (۲۱۸۲)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح: صحيح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول الله واذكر فی الكتاب مريم (۳۴۴۳)]

ان سے لڑنا چاہتے ہیں تم بیچ میں سے ہٹ جاؤ لیکن مسلمان کہیں گے واللہ یہ ہو ہی نہیں سکتا کہ ہم اپنے ان کمزور بھائیوں کو تمہارے حوالے کر دیں۔ چنانچہ لڑائی شروع ہو گی مسلمانوں کے اس لشکر کا تہائی حصہ تو شکست کھا کر بھاگ کھڑا ہو گا' ان کی توبہ اللہ تعالیٰ ہرگز قبول نہ فرمائے گا اور تہائی حصہ شہید ہو جائے گا' جو اللہ کے نزدیک سب سے افضل شہید ہیں لیکن آخری تہائی حصہ فتح حاصل کرے گا اور رومیوں پر غالب آ جائے گا' پھر یہ کسی فتنے میں نہ پڑیں گے' قسطنطنیہ کو فتح کریں گے' ابھی تو وہ اپنی تلواریں زیتون کے درختوں پر لٹکائے ہوئے مال غنیمت تقسیم کر رہی رہے ہوں گے جو شیطان چیخ کر کہے گا کہ تمہارے بال بچوں میں دجال آ گیا' اس کے اس جھوٹ کو سچ جان کر مسلمان یہاں سے نکل کھڑے ہوں گے' شام میں پہنچیں گے' دشمنوں سے جنگ آزما ہونے کے لیے صفیں ٹھیک کر رہے ہوں گے کہ دوسری جانب نماز کی اقامت ہو گی اور حضرت عیسیٰ بن مریم ﷺ نازل ہوں گے' ان کی امامت کرائیں گے' جب دشمن رب انہیں دیکھے گا تو اسی طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے' اگر حضرت عیسیٰ علیہ السلام اسے یونہی چھوڑ دیں' جب بھی وہ گھلتے گھلتے ختم ہو جائے لیکن اللہ تعالیٰ اسے آپ کے ہاتھ سے قتل کرائے گا اور آپ اپنے حربے پر اس کا خون لوگوں کو دکھائیں گے''۔ ①

مسند احمد اور ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ''معراج والی رات میں نے ابراہیم' موسیٰ اور عیسیٰ علیہم السلام سے ملاقات کی' آپس میں قیامت کی نسبت بات چیت ہونے لگی' ابراہیم علیہ السلام نے اپنی لاعلمی ظاہر کی' اسی طرح موسیٰ علیہ السلام نے بھی' لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اس کے آنے کا ٹھیک وقت تو سوائے اللہ عزوجل کے کوئی نہیں جانتا' ہاں مجھ سے میرے رب نے جو عہد لیا ہے وہ یہ ہے کہ دجال نکلے گا اس کے ہمراہ دو شاخیں ہوں گی' مجھے دیکھ کر اس طرح پگھلنے لگے گا جس طرح سیسہ پگھلتا ہے' پس اللہ تعالیٰ اسے ہلاک کرے گا جب وہ مجھے دیکھ لے گا' یہاں تک کہ پتھر اور درخت بھی بولنے لگیں گے کہ اے مسلمان یہاں میرے پیچھے ایک کافر ہے آؤ اور اسے قتل کر لیں' اللہ تعالیٰ ان سب کو غارت کر دے گا اور لوگ امن وامان کے ساتھ اپنے اپنے وطن اور شہروں کو لوٹ جائیں گے' اب یاجوج ماجوج نکلیں گے' ہر طرف سے چڑھ دوڑیں گے' تمام شہروں کو روندیں گے' جس جس چیز پر گذر ہو گا اسے ہلاک کر دیں گے' جس پانی کے پاس سے گذریں گے پی جائیں گے' لوگ پھر لوٹ کر میرے پاس آئیں گے' میں اللہ سے دعا کروں گا' اللہ ان سب کو ایک ساتھ فنا کر دے گا لیکن ان کے مردہ جسموں سے ہوا بگڑ جائے گی' بدبو پھیل جائے گی' پھر مینہ برسے گا اور اس قدر کہ ان کی تمام لاشوں کو بہا کر سمندر میں ڈال دے گا۔ بس اس وقت قیامت کی اس طرح آمد آمد ہو گی جس طرح پورے دن کی حاملہ عورت ہو کہ اس کے گھر والے نہیں جانتے کہ صبح کو بچہ ہو جائے یا شام کو' رات کو پیدا ہو یا دن کو؟''۔ ② مسند احمد میں ہے حضرت ابونضرہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت

---

① [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب فتح قسطنطنیة (۲۸۹۷)]

② [ضعیف : مسند احمد (۱/۳۷۵) مستدرك حاكم (٤/٤٨٨) ابن ماجه : كتاب الفتن : باب فتنة الدجال و خروج عيسى ابن مريم (٤٠٨١)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجه، السلسلة الضعيفة (٤٣١٨)] جبکہ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

عثمان بن ابوالعاص رضی اللہ عنہ کے پاس جمعہ والے دن آئے کہ ہم اپنا لکھا ہوا قرآن ان کے قرآن سے ملائیں' جب جمعہ کا وقت آیا تو آپ نے ہم سے فرمایا ''غسل کرلو'' پھر خوشبو لے آئے جو ہم نے ملی' پھر ہم مسجد میں آئے اور ایک شخص کے پاس بیٹھ گئے جنہوں نے ہم سے دجال والی حدیث بیان کی پھر حضرت عثمان بن ابوالعاص آئے' ہم کھڑے ہو گئے' پھر سب بیٹھ گئے' آپ نے فرمایا: ''میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ مسلمانوں کے تین شہر ہو جائیں گے' ایک دونوں سمندر کے ملنے کی جگہ پر' دوسرا حیرہ میں اور تیسرا شام میں' پھر تین گھبراہٹیں لوگوں کو ہوں گی' پھر دجال نکلے گا' یہ پہلے شہر کی طرف جائے گا' وہاں کے لوگ تین حصوں میں بٹ جائیں گے' ایک حصہ تو کہے گا ہم اس کے مقابلہ پر ٹھہرے رہیں گے اور دیکھیں گے کہ کیا ہوتا ہے؟ دوسری جماعت گاؤں کے لوگوں میں مل جائے گی اور تیسری جماعت دوسرے شہر میں چلی جائے گی جو ان سے قریب ہو گا' دجال کے ساتھ ستر ہزار لوگ ہوں گے جن کے سروں پر تاج ہوں گے' ان کی اکثریت یہودیوں کی اور عورتوں کی ہوگی' یہاں کے یہ مسلمان ایک گھاٹی میں سمٹ کر محصور ہو جائیں گے' ان کے جانور جو چرنے چگنے کو گئے ہوں گے' وہ بھی ہلاک ہو جائیں گے' اس سے ان کے مصائب بہت بڑھ جائیں گے اور بھوک کے مارے برا حال ہو جائے گا' یہاں تک کہ اپنی کمانوں کی تانیں سینک سینک کر کھا لیں گے' جب سخت تنگی کا عالم ہو گا تو انہیں سمندر میں سے آواز آئے گی کہ لوگو تمہاری مدد آ گئی' اس آواز کو سن کر یہ لوگ خوش ہوں گے' کیونکہ آواز سے جان لیں گے کہ یہ کسی آسودہ شخص کی آواز ہے' عین صبح کی نماز کے وقت حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام نازل ہوں گے' ان کا امیر آپ سے کہے گا کہ اے روح اللہ آگے بڑھیے اور نماز پڑھایئے لیکن آپ کہیں گے کہ اس امت کے بعض، بعض کے امیر ہیں' چنانچہ انہی کا امیر آگے بڑھے گا اور نماز پڑھائے گا' نماز سے فارغ ہو کر آپ اپنا حربہ ہاتھ میں لے کر مسیح دجال کا رخ کریں گے' دجال آپ کو دیکھ کر سیسے کی طرح پگھلنے لگے گا' آپ اس کے سینہ پر وار کریں گے جس سے وہ ہلاک ہو جائے گا اور اس کے ساتھی شکست کھا کر بھاگ کھڑے ہوں گے' لیکن انہیں کہیں امن نہیں ملے گا' یہاں تک کہ اگر وہ کسی درخت تلے چھپیں گے تو وہ درخت پکار کر کہے گا کہ اے مومن یہ ایک کافر میرے پاس چھپا ہوا ہے اور اسی طرح پتھر بھی''۔ ①

ابن ماجہ میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک خطبہ کا کم و بیش حصہ دجال کا واقعہ بیان کرنے اور اس سے ڈرانے میں ہی صرف کیا' جس میں یہ بھی فرمایا کہ دنیا کی ابتداء سے لے کر انتہاء تک کوئی فتنہ اس سے بڑا نہیں' تمام انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی امتوں کو اس سے آگاہ کرتے رہے ہیں' میں سب سے آخری نبی ہوں اور تم سب سے آخری امت ہو' وہ یقیناً تمہیں میں آئے گا' اگر میری موجودگی میں آ گیا تو میں آپ اس سے نمٹ لوں گا اور اگر بعد میں آیا تو ہر شخص کو اپنے آپ کو اس سے بچانا پڑے گا۔ میں اللہ تعالیٰ کو ہر مسلمان کا خلیفہ بناتا ہوں۔ وہ شام و عراق کے درمیان نکلے گا' دائیں بائیں خوب گھومے گا' لوگو اے اللہ کے بندو! دیکھو دیکھو تم ثابت قدم رہنا' سنو میں تمہیں اس

---

① [ضعیف مسند احمد (۲۱٦/۳) طبرانی کبیر (۸۳۹۲)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں علی بن زید راوی ضعیف ہے۔[الموسوعة الحديثية (۱۷۹۰۰)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

کی ایسی صفت بتاتا ہوں جو کسی نبی نے اپنی امت کو نہیں بتائی۔ وہ ابتداء میں دعویٰ کرے گا کہ میں نبی ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں' پھر وہ اس سے بھی بڑھ جائے گا اور کہے گا میں اللہ ہوں' پس تم یاد رکھنا کہ اللہ کو ان آنکھوں سے کوئی نہیں دیکھ سکتا' ہاں مرنے کے بعد دیدار باری تعالیٰ ہو سکتا ہے۔ اور سنو وہ کانا ہوگا اور تمہارا رب کانا نہیں' اس کی دونوں آنکھوں کے درمیان ''کافر'' لکھا ہوگا جسے پڑھا لکھا اور ان پڑھ غرض ہر ایمان دار پڑھ لے گا۔ اس کے ساتھ آگ ہوگی اور باغ ہوگا اس کی آگ دراصل جنت ہوگی اور اس کا باغ دراصل جہنم ہوگا' سنو تم میں سے جسے وہ آگ میں ڈالے' وہ اللہ سے فریاد رسی چاہے اور سورۂ کہف کی ابتدائی آیتیں پڑھے' اس کی وہ آگ اس پر ٹھنڈک اور سلامتی والی بن جائے گی جیسے کہ خلیل اللہ پر نمرود کی آگ ہو گئی تھی' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک اعرابی سے کہے گا کہ اگر میں تیرے مرے ہوئے باپ کو زندہ کر دوں تو پھر تو مجھے رب مان لے گا وہ اقرار کرے گا' اتنے میں دو شیطان اس کی ماں اور باپ کی شکل میں ظاہر ہوں گے اور ان سے کہیں گے بیٹے یہی تیرا رب ہے تو اسے مان لے' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک شخص پر مسلط کر دیا جائے گا اسے آرے سے چروا کر دو ٹکڑے کروا دے گا' پھر لوگوں سے کہے گا میرے اس بندے کو دیکھنا اب میں اسے زندہ کر دوں گا' لیکن پھر بھی یہ یہی کہے گا کہ اس کا رب میرے سوا اور ہے' چنانچہ یہ اسے اٹھا بٹھائے گا اور یہ خبیث اس سے پوچھے گا کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دے گا میرا رب اللہ ہے اور تو اللہ کا دشمن دجال ہے۔ اللہ کی قسم اب تو مجھے پہلے سے بھی بہت زیادہ یقین ہو گیا۔ دوسری سند سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا: ''یہ مومن میری تمام امت سے زیادہ بلند درجہ کا جنتی ہو گا''۔ حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس حدیث کو سن کر ہمارا خیال تھا کہ یہ شخص حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ ہی ہوں گے آپ کی شہادت تک ہمارا یہی خیال رہا' [1] حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ آسمان کو پانی برسانے کا حکم دے گا اور آسمان سے بارش ہوگی' وہ زمین کو پیداوار اگانے کا حکم دے گا اور زمین سے پیداوار نکلے گی' اس کا ایک فتنہ یہ بھی ہوگا کہ وہ ایک قبیلے کے پاس جائے گا وہ اسے نہ مانیں گے' اسی وقت ان کی تمام چیزیں برباد اور ہلاک ہو جائیں گے' ایک اور قبیلے کے پاس جائے گا جو اسے خدا مان لے گا' اسی وقت اس کے حکم سے ان پر آسمان سے بارش برسے گی اور زمین پھل اور کھیتی اگائے گی' ان کے جانور پہلے سے زیادہ موٹے تازے اور دودھ والے ہو جائیں گے۔ سوائے مکہ اور مدینہ کے تمام زمین کا گشت کرے گا' جب مدینے کا رخ کرے گا تو یہاں ہر ہر راہ پر فرشتوں کو کھلی تلواریں لیے ہوئے پائے گا تو ضریب کی انتہائی حد پر ضریب احمر کے پاس ٹھہر جائے گا' پھر مدینے میں تین بھونچال آئیں گے' اس وجہ سے جتنے منافق مرد اور جس قدر منافقہ عورتیں ہوں گی' سب مدینہ سے نکل کر اس کے لشکر میں مل جائیں گے اور مدینہ ان گندے لوگوں کو اس طرح اپنے میں سے دور پھینک دے گا جس طرح بھٹی لوہے کی میل کچیل کو الگ کر دیتی ہے' اس دن کا نام یوم الخلاص ہوگا''۔

ام شریک رضی اللہ عنہا نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ اس دن عرب کہاں ہوں گے؟ فرمایا اوّلاً

---

[1] [ضعیف :ابن ماجه (٤٠٧٧) ابن ابی عاصم فی السنة (٣٩١) الاجری فی الشريعة (٩٣٧)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعيف ابن ماجه (٨٨٤) ظلال الجنة (٣٩١)]

تو ہوں گے ہی بہت کم اور اکثریت ان کی بیت المقدس میں ہوگی' ان کا امام ایک صالح شخص ہوگا جو آگے بڑھ کر صبح کی نماز پڑھا رہا ہوگا' جیسے ہی حضرت عیسیٰ بن مریم ﷺ نازل ہوں گے۔ امام پچھلے پیروں پیچھے ہٹے گا تا کہ آپ آگے بڑھ کر امامت کرائیں لیکن آپ اس کی کمر پر ہاتھ رکھ کر فرمائیں گے کہ آگے بڑھو اور نماز پڑھاؤ' اقامت تمہارے لیے کی گئی ہے پس ان کا امام ہی نماز پڑھائے گا' نماز سے فارغ ہو کر آپ فرمائیں گے' دروازہ کھول دو' پس کھول دیا جائے گا' ادھر دجال ستر ہزار یہودیوں کا لشکر لیے ہوئے موجود ہوگا' جن کے سر پر تاج اور جن کی تلواروں پر سونا ہوگا' دجال آپ کو دیکھ کر اس طرح گھلنے لگے گا جس طرح نمک پانی میں گھلتا ہے اور ایک دم پیٹھ پھیر کر بھاگنا شروع کر دے گا لیکن آپ فرمائیں گے اللہ تعالیٰ نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تو میرے ہاتھ سے ایک ضرب کھائے گا تو اسے ٹال نہیں سکتا۔ چنانچہ آپ اسے مشرقی باب لد کے پاس پکڑ لیں گے اور وہیں اسے قتل کریں گے' اب یہودی بدحواسی سے منتشر ہو کر بھاگیں گے لیکن انہیں کہیں سر چھپانے کو جگہ نہ ملے گی' ہر پتھر ہر درخت ہر دیوار اور ہر جانور بولتا ہوگا کہ اے مسلمان یہاں یہودی ہے' آ اسے مار ڈال ببول کا درخت یہودیوں کا درخت ہے یہ نہیں بولے گا''۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کا رہنا چالیس سال تک ہوگا' سال آدھے سال کے برابر اور سال مہینہ بھر جیسا اور مہینہ جمعہ جیسا اور باقی دن مثل شرارہ کے۔ صبح ہی ایک شخص شہر کے ایک دروازے سے چلے گا' ابھی دوسرے دروازے تک نہیں پہنچا تو شام ہو جائے گی۔ لوگوں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ ﷺ پھر ان چھوٹے دنوں میں ہم نماز کیسے پڑھیں گے؟ آپ نے فرمایا اندازہ کر لیا کرو جیسے ان لمبے دنوں میں اندازہ سے پڑھا کرتے تھے۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں پس عیسیٰ بن مریم ﷺ میری امت میں حاکم ہوں گے' عادل ہوں گے' امام ہوں گے' باانصاف ہوں گے' صلیب کو توڑیں گے' خنزیر کو قتل کریں گے' جزیہ کو ہٹا دیں گے صدقہ چھوڑ دیا جائے گا پس بکری اور اونٹ پر کوشش نہ کی جائے گی' حسد اور بغض بالکل جاتا رہے گا' ہر زہریلے جانور کا زہر ہٹا دیا جائے گا' بچے اپنی انگلی سانپ کے منہ میں ڈالیں گے لیکن وہ انہیں کوئی ضرر نہیں پہنچائے گا' شیروں سے لڑکے کھیلیں گے کچھ نہ ہوگا' بھیڑیئے بکریوں کے گلے میں اس طرح پھریں گے جیسے رکھوالا کتا ہو تمام زمین اسلام اور اصلاح سے اس طرح بھر جائے گی جیسے کوئی برتن پانی سے لبالب بھرا ہوا ہو' سب کا کلمہ ایک ہو جائے گا' اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ ہوگی' لڑائی اور جنگ بالکل موقوف ہو جائے گی' قریش اپنا ملک سلب کر لیں گے' زمین مانند سفید چاندی کے منور ہو جائے گی اور جیسی برکتیں زمانہ آدم علیہ السلام میں تھیں لوٹ آئیں گی' ایک جماعت کو ایک انگور کا خوشہ پیٹ بھرنے کے لیے کافی ہوگا' ایک انار اتنا ہوگا کہ ایک جماعت کھائے اور سیر ہو جائے بیل اتنی اتنی قیمت پر ملے گا اور گھوڑا چند درہموں پر ملے گا۔ لوگوں نے پوچھا اس کی قیمت گر جانے کی کیا وجہ؟ فرمایا اس لیے کہ لڑائیوں میں اس کی سواری بالکل نہ لی جائے گی۔ دریافت کیا گیا بیل کی قیمت بڑھ جانے کی کیا وجہ ہے؟ فرمایا اس لیے کہ تمام زمین پر کھیتیاں ہونی شروع ہو جائیں گی۔ دجال کے آنے سے تین سال پیشتر سے سخت قحط سالی ہوگی' پہلے سال بارش کا تیسرا حصہ بحکم الٰہی روک لیا جائے گا اور زمین کی پیداوار کا بھی تیسرا حصہ کم ہو جائے گا' پھر دوسرے سال اللہ آسمان کو حکم دے گا کہ بارش کی دو تہائیاں روک لے اور یہی حکم زمین کو ہوگا کہ اپنی پیداوار کی دو تہائیاں کم کر دے' تیسرے سال

آسمان سے بارش کا ایک قطرہ نہ برسے گا' نہ زمین سے کوئی روئیدگی پیدا ہوگی' تمام جانور اس قحط سے ہلاک ہو جائیں گے مگر جسے اللہ چاہے۔ آپ سے پوچھا گیا کہ پھر اس وقت لوگ زندہ کیسے رہ جائیں گے' آپ نے فرمایا ''ان کی غذا کے قائم مقام اس وقت ان کا ﴿لَآ اِلٰـهَ اِلاَّ اللهُ﴾ کہنا اور ﴿اَللهُ اَكْبَرُ﴾ کہنا اور ﴿سُبْحَانَ اللهِ﴾ کہنا اور ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ﴾ کہنا ہوگا''۔ امام ابن ماجہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میرے استاد نے اپنے استاد سے سنا وہ فرماتے تھے یہ حدیث اس قابل ہے کہ بچوں کے استاد اسے بچوں کو بھی سکھا دیں بلکہ لکھوائیں تا کہ انہیں بھی یاد رہے [1] یہ حدیث اس سند سے ہے تو غریب لیکن اس کے بعض حصوں کی شواہد دوسری حدیثیں ہیں۔ اسی حدیث جیسی ایک حدیث حضرت نواس بن سمعان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے اسے بھی ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

''صحیح مسلم شریف میں ہے ایک دن صبح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کا ذکر کیا اور اس طرح اسے واضح بیان فرمایا کہ ہم سمجھے' کہیں مدینہ کے نخلستان میں وہ موجود نہ ہو پھر جب ہم لوٹ کر آپ کی طرف آئے تو ہمارے چہروں سے آپ نے جان لیا اور دریافت فرمایا کہ کیا بات ہے؟ ہم نے دل کی بات کہہ دی تو آپ نے فرمایا! دجال کے علاوہ مجھے تو تم سے اس سے بھی بڑا خوف ہے' اگر وہ میری موجودگی میں نکلا تو میں آپ اس سے سمجھ لوں گا اور اگر وہ میرے بعد آیا تو ہر مسلمان اس سے آپ بھگت لے گا' میں اپنا خلیفہ ہر مسلمان پر اللہ کو بناتا ہوں' وہ جوان ہوگا' آنکھ اس کی ابھری ہوئی ہوگی' بس یوں سمجھ لو کہ عبدالعزیٰ بن قطن جیسا ہوگا' تم میں جو اسے دیکھے اسے چاہیے کہ سورۂ کہف کی شروع کی آیتیں پڑھے وہ شام وعراق کے درمیانی گوشے سے نکلے گا اور دائیں بائیں گشت کرے گا' اے اللہ کے بندو! خوب ثابت قدم رہنا' ہم نے پوچھا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وہ رہے گا کتنی مدت؟ آپ نے فرمایا چالیس دن' ایک دن سال کے برابر' ایک دن ایک مہینے کے برابر' ایک دن جمعہ کے برابر اور باقی دن تمہارے معمولی دنوں جیسے' پھر ہم نے دریافت کیا کہ جو دن سال بھر کے برابر ہوگا' کیا اس میں ایک ہی دن کی نماز کافی ہوگی؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ اندازہ کر لو اور نماز ادا کر لو' ہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اس کی رفتار کی سرعت کیسی ہوگی؟ فرمایا جیسے بادل ہواؤں سے بھاگتے ہیں۔ ایک قوم کو اپنی طرف بلائے گا وہ مان لیں گے تو آسمان سے ان پر بارش برسے گی' زمین سے کھیتی اور پھل اگیں گے' ان کے جانور تر و تازہ اور زیادہ دودھ والے ہو جائیں گے' ایک قوم کے پاس جائے گا جو اسے جھٹلا دے گی اور اس کا انکار کر دے گی' یہ وہاں سے لوٹے گا تو ان کے ہاتھ میں کچھ نہ رہے گا' وہ بنجر زمین پر کھڑے ہو کر حکم دے گا کہ اے زمین کے خزانو نکل آؤ تو وہ سب نکل آئیں گے اور شہد کی مکھیوں کی طرح اس کے پیچھے پیچھے پھریں گے۔ یہ ایک نوجوان کو بلائے گا اسے قتل کرے گا اور اس کے ٹھیک دو ٹکڑے کر کے اتنی اتنی دور ڈال دے گا جو کسی تیر کی کمان سے نکلے ہوئے دور ہوں' پھر اسے آواز دے گا تو وہ زندہ ہو کر ہنستا ہوا اس کے پاس آجائے گا۔ اب اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم علیہ السلام کو بھیجے گا اور وہ دمشق کے سفید شرقی مینارے کے پاس دو چادریں اوڑھے دو فرشتوں کے پروں پر باز و رکھے ہوئے اتریں گے' جب سر جھکائیں گے تو قطرے ٹپکیں گے اور

---

[1] [ضعیف :المشکاۃ للألبانی (٦٠٤٤) ظلال الجنة للألبانی (٣٩١)]

جب اٹھائیں گے تو مثل موتیوں کے وہ قطرے لڑھکیں گے، جس کافر تک ان کا سانس پہنچ جائے وہ مر جائے گا اور آپ کا سانس وہاں تک پہنچے گا جہاں تک نگاہ پہنچے' آپ دجال کا پیچھا کریں گے اور باب لد کے پاس اسے پا کر قتل کریں گے' پھر ان لوگوں کے پاس آئیں گے' جنہیں اللہ نے اس فتنے سے بچایا ہوگا' ان کے چہروں پر ہاتھ پھیریں گے اور جنت کے درجوں کی انہیں خبر دیں گے' اب اللہ کی طرف سے حضرت عیسیٰ کے پاس وحی آئے گی کہ میں اپنے ایسے بندوں کو بھیجتا ہوں جن کا مقابلہ کوئی نہیں کر سکتا تو تم میرے ان خاص بندوں کو طور کی طرف لے جاؤ۔

پھر یاجوج' ماجوج نکلیں گے اور وہ ہر طرف سے کودتے پھاندتے آ جائیں گے' بحیرہ طبریہ پر ان کا پہلا گروہ آئے گا اور اس کا سارا پانی پی جائے گا' جب ان کے بعد ہی دوسرا گروہ آئے گا تو وہ اسے ایسا سوکھا ہوا پائے گا کہ وہ کہیں گے شاید یہاں کبھی پانی نہیں ہوگا؟ حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی مومن وہاں اس قدر محصور رہیں گے کہ ایک بیل کا سر انہیں اس سے بھی اچھا لگے گا جیسے تمہیں آج ایک سو دینار محبوب ہیں' اب آپ اور مومن اللہ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے' اللہ ان پر گردن کی گلٹی کی بیماری بھیج دے گا' جس میں سارے کے سارے ایک ساتھ ایک دم میں فنا ہو جائیں گے' پھر حضرت عیسیٰ اور آپ کے ساتھی زمین پر اتریں گے مگر زمین پر بالشت بھر جگہ بھی ایسی نہ پائیں گے جو ان کی لاشوں سے اور بدبو سے خالی نہ ہو' پھر آپ اللہ تعالیٰ سے دعائیں اور التجائیں کریں گے تو بختی اونٹوں کی گردنوں کے برابر ایک قسم کے پرند اللہ تعالیٰ بھیجے گا جو ان کی لاشوں کو اٹھا کر جہاں اللہ چاہے ڈال آئیں گے' پھر بارش ہوگی' جس سے تمام زمین دھل دھلا کر ہتھیلی جیسی صاف ہو جائے گی پھر زمین کو حکم ہوگا کہ اپنے پھل نکال اور اپنی برکتیں لوٹا' اس دن ایک انار ایک جماعت کو کافی ہوگا اور وہ سب اس کے چھلکے تلے آرام حاصل کر سکیں گے' ایک اونٹنی کا دودھ ایک پورے قبیلے سے نہیں پیا جائے گا' پھر پروردگار عالم ایک لطیف اور پاکیزہ ہوا چلائے گا جو تمام ایماندار مردوں عورتوں کی بغل تلے سے نکل جائے گی اور ساتھ ہی ان کی روح بھی پرواز کر جائے گی اور بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو آپس میں گدھوں کی طرح دھینگا مشتی میں مشغول ہو جائیں گے ان پر قیامت قائم ہوگی۔ [1] مسند احمد میں بھی ایک ایسی ہی حدیث ہے اسے ہم سورۂ انبیاء کی آیت ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ﴾ [2] الخ' کی تفسیر میں بیان کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ایک شخص حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا کہ یہ کیا بات ہے جو مجھے پہنچی ہے کہ آپ فرماتے ہیں قیامت یہاں یہاں تک آ جائے گی آپ نے سبحان اللہ یا لا الہ الا اللہ کہہ کر فرمایا میرا تو اب جی چاہتا ہے کہ تمہیں اب کوئی حدیث ہی نہ سناؤں' میں نے تو یہ کہا تھا کہ کچھ زمانے کے بعد تم بڑے بڑے امر دیکھو گے' بیت اللہ جلا دیا جائے گا اور یہ ہوگا وہ ہوگا وغیرہ۔ پھر فرمایا رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ دجال نکلے گا اور میری امت میں چالیس تک ٹھہرے گا' مجھے نہیں معلوم کہ چالیس دن یا چالیس مہینے یا چالیس سال۔ پھر اللہ تعالیٰ عیسیٰ بن مریم ﷺ کو بھیجے گا'

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب ذکر الدجال (٢٩٣٧)]

[2] [سورۃ الانبیاء : آیت ٩٦]

آپ کی صورت مثل حضرت عروہ بن مسعود کے ہے۔ آپ اسے تلاش کر کے قتل کریں گے پھر سات سال تک لوگ اسی طرح رہیں گے کہ دو میں بھی کچھ عداوت نہ ہوگی' پھر ایک ٹھنڈی ہوا شام کی طرف سے چلے گی اور سب ایمان والوں کو فوت کر دے گی' جس کے دل میں ایک ذرے برابر بھی بھلائی یا ایمان ہوگا اگرچہ وہ کسی پہاڑ کے غار میں ہو وہ بھی فوت ہو جائے گا' پھر بدترین لوگ باقی رہ جائیں گے جو پرندوں جیسے ہلکے اور درندوں جیسے دماغوں والے ہوں گے' اچھائی برائی کی کوئی تمیز ان میں نہ ہوگی' شیطان ان کے پاس انسانی صورت میں آ کر انہیں بت پرستی کی طرف مائل کرے گا لیکن ان کی اس حالت میں بھی ان کی روزی کے دروازے ان پر کھلے ہوں گے اور زندگی بہ آرام گذر رہی ہوگی' پھر صور پھونکا جائے گا' جس سے لوگ گرنے مرنے لگیں گے' ایک شخص جو اپنے اونٹوں کو پانی پلانے کے لیے ان کا حوض ٹھیک کر رہا ہوگا' سب سے پہلے صور کی آواز اس کے کان میں پڑے گی' جس سے یہ اور تمام اور لوگ بیہوش ہو جائیں گے۔ غرض سب کچھ فنا ہو چکنے کے بعد اللہ تعالیٰ مینہ برسائے گا' جو مثل شبنم کے یا مثل سائے کے ہوگا' اس سے دوبارہ جسم پیدا ہوں گے پھر دوسرا پھونکا جائے گا' سب کے سب جی اٹھیں گے' پھر کہا جائے گا اپنے رب کی طرف چلو' انہیں ٹھہرا کر ان سے سوال کیا جائے گا پھر فرمایا جائے گا جہنم کا حصہ نکالو' پوچھا جائے گا کتنوں سے کتنے؟ جواب ملے گا ہر ہزار میں سے نو سو ننانوے' یہ دن ہے جو بچوں کو بوڑھا بنا دے گا اور یہی دن ہے' جس میں پنڈلی کھولی جائے گی۔ [1]

مسند احمد میں ہے ابن مریم ﷺ باب لد کے پاس یا لد کی جانب مسیح دجال کو قتل کریں گے۔ [2] ترمذی میں باب لد ہے اور یہ حدیث صحیح ہے۔ [3] اس کے بعد امام ترمذی رحمہ اللہ نے چند اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے نام لیے ہیں کہ ان سے بھی اس باب کی حدیثیں مروی ہیں تو اس سے مراد وہ حدیثیں ہیں جن میں دجال کا مسیح علیہ السلام کے ہاتھ سے قتل ہونا مذکور ہے۔ صرف دجال کے ذکر کی حدیثیں تو بے شمار ہیں' جنہیں جمع کرنا سخت دشوار ہے۔ مسند میں ہے کہ عرفے سے آتے ہوئے حضور ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ایک مجمع کے پاس سے گذرے اس وقت وہاں قیامت کے ذکر افکار ہو رہے تھے تو آپ نے فرمایا جب تک دس باتیں نہ ہو لیں' قیامت قائم نہ ہوگی' آفتاب کا مغرب کی جانب سے نکلنا' دھوئیں کا آنا' دابۃ الارض کا نکلنا' یاجوج ماجوج کا آنا' عیسیٰ بن مریم کا نازل ہونا' دجال کا آنا' تین جگہ زمین کا دھنس جانا' شرق میں' غرب میں اور جزیرہ عرب میں اور عدن سے ایک آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہنکا کر ایک جگہ کر دے گی وہ شب باشی بھی انہی کے ساتھ کرے گی اور جب دو پہر کو وہ آرام کریں گے یہ آگ ان کے ساتھ

---

[1] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب خروج الدجال (٢٩٤٠)]

[2] [**صحیح لغیرہ** : مسند احمد (٣/٤٢٠)، (٤/٢٢٦) مصنف عبد الرزاق (٢٠٨٣٥) حمیدی (٨٢٨) طبرانی کبیر (١٩/١٠٧٦)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے اگرچہ یہ سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (١٥٤٦٩)]

[3] [**صحیح** : ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجاء فی قتل عیسی ابن مریم الدجال (٢٢٤٤) مسند احمد (٣/٤٢٠)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ترمذی (١٨٢٩)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

ٹھہری رہے گی۔ یہ حدیث مسلم اور سنن میں بھی ہے [1] اور حضرت حذیفہ بن اسید غفاری سے موقوفاً یہی مروی ہے واللہ اعلم۔ پس آنحضرت ﷺ کی یہ متواتر حدیثیں جو حضرت ابوہریرہ حضرت ابن مسعودؓ حضرت عثمان بن ابو العاصؓ حضرت ابوامامہؓ حضرت نواس بن سمعانؓ حضرت عبداللہ بن عمروؓ حضرت مجمع بن جاریہؓ حضرت ابوشریحہؓ حضرت حذیفہ بن اسید رضی اللہ عنہم سے مروی ہیں۔ یہ صاف دلالت کرتی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نازل ہوں گے ساتھ ہی ان میں یہ بھی بیان ہے کہ کس طرح اتریں گے اور کہاں اتریں گے اور کس وقت اتریں گے؟ یعنی صبح کی نماز کی اقامت کے وقت شام کے شہر دمشق کے شرقی مینار پر آپ اتریں گے۔ اس زمانہ میں یعنی سن سات سو کتالیس میں جامع اموی کا منارہ سفید پتھر سے بہت مضبوط بنایا گیا ہے اس لیے کہ آگ کے شعلہ سے یہ جل گیا ہے آگ لگانے والے غالباً ملعون عیسائی تھے کیا عجب کہ یہی وہ منارہ ہو جس پر مسیح بن مریم ﷺ نازل ہوں گے اور خنزیروں کو قتل کریں گے صلیبوں کو توڑ دیں گے جزیئے کو ہٹا دیں گے اور سوائے دین اسلام کے اور کوئی دین قبول نہ فرمائیں گے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم کی حدیثیں گذر چکیں جن میں پیغمبر صادق و مصدوق علیہ السلام نے یہ خبر دی ہے اور اسے ثابت بتایا ہے۔ یہ وہ وقت ہو گا جبکہ تمام شک شبے ہٹ جائیں گے اور لوگ حضرت عیسیٰ کی پیروی کے ماتحت اسلام قبول کر لیں گے۔ جیسے اس آیت میں ہے اور جیسے فرمان ہے ﴿وَاِنَّهٗ لَعِلْمٌ لِّلسَّاعَةِ﴾ [2] اور ایک قرات میں ﴿لَعَلَمٌ﴾ ہے یعنی جناب مسیح علیہ السلام قیامت کا ایک زبردست نشان ہے یعنی قرب قیامت کا اس لیے کہ آپ دجال کے آچکنے کے بعد تشریف لائیں گے اور اسے قتل کریں گے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی بیماری ایسی نہیں پیدا کی جس کا علاج نہ مہیا کیا ہو [3] آپ ہی کے وقت میں یاجوج ماجوج نکلیں گے جنہیں اللہ تعالیٰ آپ کی دعا کی برکت سے ہلاک کرے گا۔ قرآن کریم ان کے نکلنے کی خبر بھی دیتا ہے فرمان ہے ﴿حَتّٰٓى اِذَا فُتِحَتْ يَاْجُوْجُ وَمَاْجُوْجُ وَهُمْ مِّنْ كُلِّ حَدَبٍ يَّنْسِلُوْنَ وَاقْتَرَبَ الْوَعْدُ الْحَقُّ﴾ [4] یعنی ان کا نکلنا بھی قرب قیامت کی دلیل ہے۔ اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی صفتیں ملاحظہ ہوں۔ پہلے کی دو احادیث میں بھی آپ کی صفت گذر چکی ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ لیلۃ المعراج میں میں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ملاقات کی وہ درمیانہ قد صاف بالوں والے ہیں جیسے شنوہ قبیلے کے لوگ ہوتے ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بھی ملاقات کی وہ سرخ رنگ میانہ قد ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے۔ گویا ابھی حمام سے نکلے ہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی میں نے دیکھا بس وہ بالکل مجھ جیسے تھے۔ [5] بخاری کی اور

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب فی الآیات التی تکون قبل الساعۃ (۲۹۰۱) ابوداؤد : کتاب الملاحم (۴۳۱۱) ابن ماجہ : کتاب الفتن (۴۰۴۱) ترمذی : کتاب الفتن (۲۱۸۳) مسند احمد (۴/۶-۷)]

[2] [سورۃ الزخرف: آیت ۶۱]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الطب : باب ما انزل اللہ داء (۵۶۷۸) ابن ماجہ (۳۴۳۸)]

[4] [سورۃ الانبیاء : آیت ۹۶، ۹۷]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب قول اللہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم (۳۴۳۷) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب الاسراء برسول اللہ (۱۶۸) ترمذی (۳۱۳۰)]

روایت میں ہے "حضرت عیسیٰ علیہ السلام سرخ رنگ، گھنگریالے بالوں والے، چوڑے چکلے سینے والے تھے، حضرت موسیٰ علیہ السلام گندمی رنگ کے جسم اور سیدھے بالوں والے تھے، جیسے زط کے لوگ ہوتے ہیں[1] اسی طرح آپ نے دجال کی شکل وصورت بھی بیان فرما دی ہے کہ اس کی داہنی آنکھ کانی ہوگی، جیسے پھولا ہوا انگور[2] آپ فرماتے ہیں مجھے کعبہ کے پاس خواب میں دکھلایا گیا کہ ایک بہت گندمی رنگ والے آدمی جن کے سر کے پٹھے دونوں کندھوں تک تھے، صاف بالوں والے جن کے سر سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے طواف کر رہے ہیں، میں نے پوچھا یہ کون ہیں؟ تو مجھے بتلایا گیا کہ یہ مسیح بن مریم علیہ السلام ہیں، میں نے ان کے پیچھے ہی ایک شخص کو دیکھا جس کی داہنی آنکھ کانی تھی، ابن قطن سے بہت ملتا جلتا تھا، سخت الجھے ہوئے بال تھے، وہ بھی دو شخصوں کے کندھوں پر ہاتھ رکھے بیت اللہ کا طواف کر رہا ہے، میں نے کہا یہ کون ہے؟ کہا گیا یہ مسیح دجال ہے۔[3] بخاری کی اور روایت میں حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اللہ کی قسم! حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو سرخ رنگ نہیں بتایا بلکہ آپ نے گندمی رنگ بتایا ہے، پھر اوپر والی پوری حدیث ہے۔ حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابن قطن قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص تھا، جو جاہلیت میں مر چکا تھا۔[4] وہ حدیث بھی گذر چکی جس میں یہ بیان ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام اپنے نزول کے بعد چالیس سال یہاں رہیں گے پھر فوت ہوں گے اور مسلمان آپ کے جنازے کی نماز ادا کریں گے۔[5] ہاں مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ یہاں سات سال رہیں گے[6] تو ممکن ہے کہ چالیس سال کا فرمان اس مدت سمیت کا ہو جو آپ نے دنیا میں اپنے آسمانوں پر اٹھائے جانے سے پہلے گذاری ہے۔ جس وقت آپ اٹھائے گئے اس وقت آپ کی عمر تینتیس سال کی تھی اور سات سال اب آخر زمانے کے تو پورے چالیس سال ہو گئے۔ واللہ اعلم۔ (ابن عساکر) بعض کا قول ہے کہ جب آپ آسمانوں پر چڑھائے گئے اس وقت آپ کی عمر ڈیڑھ سال کی تھی، یہ بالکل فضول سا قول ہے، ہاں حافظ ابوالقاسم رحمہ اللہ نے اپنی تاریخ میں بعض سلف سے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے حجرے میں آپ کے ساتھ دفن کئے جائیں گے[7] واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہے کہ یہ قیامت کے دن ان پر گواہ ہوں گے یعنی اس بات کے کہ اللہ کی رسالت آپ نے انہیں پہنچا دی

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب قول اللّٰہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم (٣٤٣٨)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری (٣٤٣٩) صحیح مسلم (٢٩٣٢)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب ذکر المسیح ابن مریم (١٦٩)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء : باب قول اللّٰہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم (٣٤٤١) صحیح مسلم (١٦٩)]

[5] [صحیح : مسند احمد (٤٦/٢) تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٨٣٥) ابوداؤد (٤٣٢٤)]

[6] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب خروج الدجال (٢٩٤٠)]

[7] [ضعیف : ترمذی : کتاب المناقب : باب فی فضل النبی (٣٦١٧)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی ، المشکاۃ (٥٧٧٢)]

تھی اور خود آپ نے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا تھا' جیسے سورۂ مائدہ کے آخر میں ﴿وَاِذْ قَالَ اللّٰهُ﴾ سے ﴿الْحَكِيْمُ﴾ [1] تک ہے یعنی آپ کی گواہی کا وہاں ذکر ہے اور اللہ کے سوال کا۔

فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ طَيِّبٰتٍ اُحِلَّتْ لَهُمْ وَبِصَدِّهِمْ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَثِيْرًا ﴿۱۶۰﴾ وَّاَخْذِهِمُ الرِّبٰوا وَقَدْ نُهُوْا عَنْهُ وَاَكْلِهِمْ اَمْوَالَ النَّاسِ بِالْبَاطِلِ ؕ وَاَعْتَدْنَا لِلْكٰفِرِيْنَ مِنْهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ﴿۱۶۱﴾ لٰكِنِ الرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ مِنْهُمْ وَالْمُؤْمِنُوْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالْمُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ اُولٰٓئِكَ سَنُؤْتِيْهِمْ اَجْرًا عَظِيْمًا ﴿۱۶۲﴾ ع ۲۲

جو نفیس چیزیں ان کے لیے حلال کی گئی تھی وہ ہم نے ان پر حرام کر دیں ان کے ظلم کے باعث اور راہ اللہ سے اکثر لوگوں کو روکنے کے باعث ○ اور سود جس سے وہ منع کیے گئے تھے اسے لینے کے باعث اور لوگوں کا مال ناحق مار کھانے کے باعث' ان میں سے جو کفار ہیں ہم نے ان کے لیے المناک عذاب مہیا کر رکھے ہیں ○ لیکن ان میں سے جو کامل اور مضبوط علم والے ہیں اور ایمان والے ہیں جو اس پر ایمان لاتے ہیں جو تیری طرف اتارا گیا اور جو تجھ سے پہلے اتارا گیا اور نمازوں کو قائم رکھنے والے ہیں اور زکوٰۃ کے ادا کرنے والے ہیں اور خدا پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھنے والے ہیں یہ ہیں جنہیں ہم بہت بڑے بڑے اجر عطا فرمائیں گے ○

یہود کی تحریفات اور ان کا انجام: اس آیت کے دو مطلب ہو سکتے ہیں ایک تو یہ کہ حرام کام ان کا مقدر تھا یعنی اللہ کی طرف سے لکھا جا چکا تھا کہ یہ لوگ اپنی کتاب کو بدل دیں' اس میں تحریف کر لیں اور حلال چیزوں کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیں' صرف اپنے تشدد اور اپنی سخت گیری کی وجہ سے' دوسرا یہ کہ یہ حرمت شرعی ہے یعنی نزول تورات سے پہلے جو بعض چیزیں ان پر حلال تھیں' توراۃ کے اترنے کے وقت ان کی بعض بدکاریوں کی وجہ سے وہ حرام قرار دے دی گئیں جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ الطَّعَامِ كَانَ حِلًّا لِّبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ﴾ [2] الخ' یعنی اونٹ کا گوشت اور دودھ جو حضرت اسرائیل علیہ السلام نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا' اس کے سوا تمام طعام بنی اسرائیل کے لیے حلال تھے پھر توراۃ میں ان پر بعض چیزیں حرام کی گئیں' جیسے سورۂ انعام میں فرمایا ﴿وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا﴾ [3] الخ' یہودیوں پر ہم نے ہر ناخن دار جانور حرام کر دیا اور گائے بکری کی چربی بھی جو الگ تھلگ ہو' ہم نے ان پر حرام قرار دے دی' یہ اس لیے کہ یہ باغی' طاغی' مخالف رسول اور اختلاف کرنے والے لوگ تھے پہلے یہاں بھی یہی بیان ہو رہا ہے کہ ان کے ظلم و زیادتی کے سبب وہ خود اللہ کے راستہ سے الگ ہو کر اور دوسروں کو بھی بہکانے کے باعث

[1] [سورہ المائدہ: آیت ١١٦۔ ١١٨] [2] [سورہ ال عمران: آیت ٩٣]

[3] [سورہ الانعام: آیت ١٤٦]

جو ان کی پرانی عادت تھی رسولوں کے دشمن بن جاتے تھے۔ انہیں قتل کر ڈالتے تھے' انہیں جھٹلاتے تھے' ان کا مقابلہ کرتے تھے اور طرح طرح کے حیلے کر کے سود خوری کرتے تھے جو محض حرام تھی اور بھی جس طرح بن پڑتا لوگوں کے مال غصب کرنے کی تاک میں لگے رہتے اور اس بات کو جانتے ہوئے کہ اللہ نے یہ کام حرام کیے ہیں جرات سے انہیں کر گذرتے تھے' اس وجہ سے ان پر بعض حلال چیزیں بھی ہم نے حرام کر دیں' ان کفار کے لیے دردناک عذاب تیار ہیں' لیکن ان میں جو سچے دین والے اور پختہ علم والے ہیں' اس جملے کی تفسیر سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے اور جو باایمان ہیں وہ تو قرآن کو اور تمام پہلی کتابوں کو مانتے ہیں' حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس سے مراد حضرت عبداللہ بن سلام' حضرت ثعلبہ بن سعیہ' زید بن سعیہ' حضرت اسد بن عبید رضی اللہ عنہم ہیں' جو اسلام قبول کر چکے تھے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو مان چکے تھے آگے کا جملہ ﴿وَالْمُقِيْمِيْنَ الصَّلٰوةَ﴾ تمام ائمہ کے قرآن میں اور ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کے مصحف میں اسی طرح ہے لیکن بقول علامہ ابن جریر رحمہ اللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے صحیفہ میں ﴿وَالْمُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ﴾ ہے۔ صحیح قرات اگلی ہی ہے' جن بعض لوگوں نے اسے کتابت کی غلطی بتایا ہے ان کا قول غلط ہے۔ بعض تو کہتے ہیں اس کی نصبی حالت مدح کی وجہ سے ہے' جیسے ﴿وَالْمُوْفُوْنَ بِعَهْدِهِمْ اِذَا عَاهَدُوْا وَالصّٰبِرِيْنَ﴾ [1] الخ' میں ہے اور کلام عرب میں اور شعروں میں برابر یہ قاعدہ موجود پایا جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ عطف ہے اگلے جملے پر یعنی ﴿بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ﴾ پر یعنی وہ اس پر بھی ایمان لاتے ہیں اور نماز قائم کرنے پر بھی ان کا ایمان ہے' یعنی اسے واجب و برحق مانتے ہیں' یا یہ مطلب ہے کہ اس سے مراد فرشتے ہیں یعنی ان کا قرآن پر اور الہامی کتابوں پر اور فرشتوں پر ایمان ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ اسی کو پسند فرماتے ہیں لیکن اس میں تامل کی ضرورت ہے واللہ اعلم۔

اور زکوٰۃ ادا کرنے والے ہیں یعنی مال کی یا جان کی اور دونوں بھی مراد ہو سکتے ہیں واللہ اعلم۔ اور صرف اللہ ہی کو لائق عبادت جانتے ہیں اور موت کے بعد کی زندگانی پر بھی یقین کامل رکھتے ہیں کہ ہر بھلے برے عمل کی جزا سزا اس دن ملے گی' یہی لوگ ہیں جنہیں ہم اجر عظیم یعنی جنت دیں گے۔

اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ كَمَآ اَوْحَيْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِيّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَعِيْسٰى وَاَيُّوْبَ وَيُوْنُسَ وَهٰرُوْنَ وَسُلَيْمٰنَ ۚ وَاٰتَيْنَا دَاوٗدَ زَبُوْرًا ﴿١٦٣﴾ وَرُسُلًا قَدْ قَصَصْنٰهُمْ عَلَيْكَ مِنْ قَبْلُ وَرُسُلًا لَّمْ نَقْصُصْهُمْ عَلَيْكَ ۭ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا ﴿١٦٤﴾ رُسُلًا مُّبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ لِئَلَّا يَكُوْنَ لِلنَّاسِ عَلَى اللّٰهِ حُجَّةٌۢ بَعْدَ الرُّسُلِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَزِيْزًا حَكِيْمًا ﴿١٦٥﴾

---

[1] [سورہ البقرہ : آیت ١٧٧]

یقیناً ہم نے تیری طرف اسی طرح وحی کی ہے جیسے کہ نوح اور ان کے بعد والے نبیوں کی طرف کی' اور ہم نے وحی کی ابراہیم اور اسماعیل اور یعقوب اور ان کی اولادوں پر اور عیسیٰ اور ایوب اور یونس اور ہارون اور سلیمان کی طرف' اور ہم نے داؤد کو زبور عطا فرمائی ○ اور تجھ سے پہلے کے بہت سے رسولوں کے واقعات ہم نے تجھ سے بیان کیے ہیں اور بہت سے رسولوں کے نہیں بھی کیے' اور موسیٰ سے اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر کلام کیا ○ ہم نے انہیں رسول بنایا خوشخبریاں سنانے والے اور آگاہ کرنے والے تاکہ لوگوں کی کوئی حجت اور الزام رسولوں کے بھیجنے کے بعد اللہ پر رہ نہ جائے' اللہ بڑا غالب اور بڑا باحکمت ہے ○

انبیاء کرام علیہم السلام کے صحائف اور ان کی بنیادی تعلیمات: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سکین اور عدی بن زید نے کہا "اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نہیں مانتے کہ حضرت موسیٰ کے بعد اللہ نے کسی انسان پر کچھ اتارا ہو"۔ اس پر یہ آیتیں اتریں' محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب آیت ﴿يَسْئَلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ سے عَظِيْمًا﴾ تک اتری اور یہودیوں کے برے اعمال کا آئینہ ان کے سامنے رکھ دیا گیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ کسی انسان پر اللہ نے اپنا کوئی کلام نازل ہی نہیں فرمایا' نہ موسیٰ پر' نہ عیسیٰ پر' نہ کسی اور نبی پر' آپ اس وقت گوٹھ لگائے بیٹھے تھے' اسے آپ نے کھول دیا اور فرمایا کسی پر بھی نہیں؟ پس اللہ تعالیٰ نے آیت ﴿وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ﴾ [1] الخ' نازل فرمائی۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے اس لیے کہ یہ آیت سورۂ انعام میں ہے جو مکیہ ہے اور سورۂ نساء کی مندرجہ بالا آیت مدنیہ ہے جو ان کی تردید میں ہے' جب انہوں نے کہا تھا کہ آسمان سے کوئی کتاب آپ اتار لائیں' جس کے جواب میں فرمایا گیا کہ حضرت موسیٰ سے انہوں نے اس سے بھی بڑا سوال کیا تھا الخ۔ پھر ان کے عیوب بیان فرمائے ان کی پہلی اور موجودہ سیاہ کاریاں واضح کر دیں پھر فرمایا کہ اللہ نے اپنے بندے اور رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اسی طرح وحی نازل فرمائی ہے جس طرح اور انبیاء علیہم السلام کی طرف وحی کی۔ زبور اس کتاب کا نام ہے جو حضرت داود علیہ السلام پر اتری تھی' ان انبیاء علیہم السلام کے قصے سورۂ قصص کی تفسیر میں ہم بیان کریں گے' ان شاء اللہ۔ پھر فرماتا ہے اس آیت یعنی مکی سورت کی آیت سے پہلے بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر ہو چکا ہے اور بہت سے انبیاء علیہم السلام کا ذکر نہیں بھی ہوا۔ جن انبیاء علیہم السلام کے نام قرآن کے الفاظ میں آ گئے ہیں وہ یہ ہیں: آدم' ادریس' نوح' ہود' صالح' ابراہیم' لوط' اسماعیل' اسحاق' یعقوب' یوسف' شعیب' موسیٰ' ہارون' یونس' داود' سلیمان' یسع' زکریا' عیسیٰ' یحییٰ اور بقول اکثر مفسرین ذوالکفل اور ایوب اور الیاس علیہم السلام اور ان سب کے سردار محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم اور بہت سے ایسے رسول بھی ہیں جن کا ذکر قرآن میں نہیں کیا گیا' اسی وجہ سے انبیاء اور مرسلین کی تعداد میں اختلاف ہے' اس بارے میں مشہور حدیث حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کی ہے جو تفسیر ابن مردویہ میں یوں ہے کہ آپ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انبیاء علیہم السلام کتنے ہیں؟ فرمایا ایک لاکھ چوبیس ہزار میں نے پوچھا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا تین سو تیرہ' بہت بڑی جماعت۔ میں نے پھر دریافت کیا "سب سے پہلے کون سے ہیں؟" فرمایا "آدم علیہ السلام" میں نے کہا "کیا وہ بھی رسول تھے؟" فرمایا "ہاں اللہ نے انہیں اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' پھر ان میں اپنی روح پھونکی' پھر

[1] [سورہ الانعام: آیت ۹۱]

درست اور ٹھیک ٹھاک کیا'' پھر فرمایا اے ابوذر چار سریانی ہیں' آدم' شیث' نوح' خنوخ' علیہم السلام جن کا مشہور نام ادریس ہے' انہی نے پہلے قلم سے خط لکھا' چار عربی ہیں' ہود' صالح' شعیب علیہم السلام اور تمہارے نبی ﷺ اے ابوذر بنواسرائیل کے پہلے نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور آخری نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں۔ تمام نبیوں میں سب سے پہلے نبی حضرت آدم علیہ السلام ہیں اور سب سے آخری نبی تمہارے نبی ﷺ ہیں''۔ [1] اس پوری حدیث کو جو بہت طویل ہے' حافظ ابو حاتم نے اپنی کتاب الانواع والتقاسیم میں روایت کیا ہے' جس پر صحت کا نشان دیا ہے' لیکن ان کے برخلاف امام ابو الفرج بن جوزی رحمہ اللہ اسے بالکل موضوع بتلاتے ہیں' اور ابراہیم بن ہشام اس کے ایک راوی پر وضاع ہونے کا وہم کرتے ہیں' حقیقت یہ ہے کہ ائمہ جرح وتعدیل میں سے بہت سے لوگوں نے ان پر اس حدیث کی وجہ سے کلام کیا ہے واللہ اعلم' لیکن یہ حدیث دوسری سند سے حضرت ابوامامہ سے بھی مروی ہے' لیکن اس میں معان بن رفاعہ سلامی ضعیف ہیں اور علی بن یزید بھی ضعیف ہیں اور قاسم ابوعبدالرحمٰن بھی ضعیف ہیں [2] ایک اور حدیث ابویعلی میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آٹھ ہزار نبی بھیجے ہیں' چار ہزار بنواسرائیل کی طرف اور چار ہزار باقی اور لوگوں کی طرف' [3] یہ حدیث بھی ضعیف ہے اس میں زبری اور ان کے استاد رقاشی دونوں ضعیف ہیں' واللہ اعلم۔ ابویعلی کی اور حدیث میں ہے کہ آپ نے فرمایا آٹھ ہزار انبیاء علیہم السلام میرے بھائی گذر چکے ہیں ان کے بعد حضرت عیسیٰ آئے اور ان کے بعد میں آیا ہوں۔ [4] اور حدیث میں ہے میں آٹھ ہزار نبیوں کے بعد آیا ہوں جن میں سے چار ہزار تو بنی اسرائیل میں سے تھے۔ [5] یہ حدیث اس سند سے غریب تو ضرور ہے لیکن اس کے تمام راوی معروف ہیں اور سند میں کوئی کمی یا اختلاف نہیں' بجز احمد بن طارق کے کہ ان کے بارے میں مجھے کوئی علالت یا جرح نہیں ملی' واللہ اعلم۔

ابوذر غفاری والی طویل حدیث جو انبیاء علیہم السلام کی گنتی کے بارے میں ہے' اسے بھی سن لیجئے' آپ فرماتے ہیں

---

[1] [ضعیف جدا: صحیح ابن حبان (٣٦١) ابو نعیم فی الحلیة (١/١٦٦۔ ١٦٨)] اس کی سند میں ابراهیم بن هشام راوی ضعیف هے۔ [میزان (١/٧٣)، (٤/٣٧٨)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [ضعیف جدا: مسند احمد (٥/٢٦٥) تفسیر ابن ابی حاتم (٦٢٨٣)] شیخ شعیب ارناؤط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (٢١٥٤٦)]

[3] [ضعیف جدا: مسند ابو یعلی (٤١٣٢) ابو نعیم فی الحلیة (٣/٥٣)] امام سیوطیؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الدر المنثور (٢/٤٣٦)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ اور یزید رقاشی دو راوی ضعیف ہیں۔ [مجمع الزوائد (١٣٨٠٨)]

[4] [ضعیف جدا: مسند ابو یعلی (٤٠٩٢) مستدرك حاكم (٢/٥٩٨)] امام ہیثمیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (١٣٨١٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[5] [ضعیف جدا: ابو نعیم فی الحلیة (٣/١٦٢) طبرانی اوسط (٧٧٤)] اس کی سند میں مہاجر بن مسمار راوی ضعیف ہے جیسا کہ امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے۔ [مجمع الزوائد (٨/٢١٣)] مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

میں مسجد میں آیا اور اس وقت حضور ﷺ تنہا تشریف فرما تھے' میں بھی آپ کے پاس بیٹھ گیا اور کہا آپ نے نماز کا حکم دیا ہے آپ نے فرمایا ''ہاں وہ بہتر چیز ہے' چاہے کوئی زیادتی کرے چاہے کمی'' میں نے کہا ''حضور ﷺ کون سے اعمال افضل ہیں؟'' فرمایا ''اللہ پر ایمان لانا' اس کی راہ میں جہاد کرنا'' میں نے کہا ''حضور ﷺ کون سا مومن افضل ہے؟'' فرمایا سب سے اچھے اخلاق والا' میں نے کہا حضور کون سا مسلمان اعلیٰ ہے؟'' فرمایا جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں'' میں نے پوچھا ''کون سی ہجرت افضل ہے؟'' فرمایا ''برائیوں کو چھوڑ دینا'' میں نے پوچھا کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا ''لمبے قنوت والی'' میں نے کہا کون سا روزہ افضل ہے؟ فرمایا ''فرض کفایت کرنے والا ہے اور اللہ کے پاس بہت بڑھا چڑھا ثواب ہے''۔ میں نے پوچھا کون سا جہاد افضل ہے؟ ''فرمایا جس کا گھوڑا بھی کاٹ دیا جائے اور خود اس کا بھی خون بہا دیا جائے''۔ میں نے کہا غلام کو آزاد کرنے کے عمل میں افضل کیا ہے؟'' فرمایا جس قدر گراں قیمت ہو اور مالک کو زیادہ پسند ہو''۔ میں نے پوچھا صدقہ کون سا افضل ہے؟ فرمایا ''کم مال والے کا کوشش کرنا اور چپکے سے محتاج کو دے دینا''۔ میں نے کہا قرآن میں سب سے بڑی آیت کون سی ہے؟ فرمایا ''آیت الکرسی'' پھر آپ نے فرمایا ''اے ابوذر ساتوں آسمان کرسی کے مقابلے میں ایسے ہیں جیسے کوئی حلقہ کسی چٹیل میدان کے مقابلے میں اور عرش کی فضیلت کرسی پر بھی ایسی ہے جیسے وسیع میدان کی حلقے پر'' میں نے عرض کیا حضور ﷺ انبیاء علیہم السلام کتنے ہیں؟ فرمایا ''ایک لاکھ چوبیس ہزار'' میں نے کہا ان میں سے رسول کتنے ہیں؟ فرمایا ''تین سو تیرہ کی بہت بڑی پاک جماعت'' میں نے پوچھا سب سے پہلے کون ہیں؟ فرمایا ''آدم علیہ السلام میں نے کہا کیا وہ بھی نبی رسول تھے؟ فرمایا ''ہاں انہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور انہیں صحیح تر بنایا''۔ پھر آپ نے فرمایا سنو چار تو سریانی ہیں' آدم' شیث' خنوخ اور یہی ادریس ہیں علیہم السلام جنہوں نے سب سے پہلے قلم سے لکھا اور نوح اور چار عربی ہیں ہود' شعیب' صالح علیہم السلام اور تمہارے نبی ﷺ سب سے پہلے رسول حضرت آدم ہیں اور سب سے آخری رسول حضرت محمد ﷺ ہیں۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ نے کتابیں کس قدر نازل فرمائی ہیں؟ فرمایا ایک سو چار' حضرت شیث علیہ السلام پر پچاس صحیفے' حضرت خنوخ علیہ السلام پر تیس صحیفے' حضرت ابراہیم علیہ السلام پر دس صحیفے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توراۃ سے پہلے دس صحیفے اور توراۃ انجیل زبور اور فرقان' میں نے کہا یا رسول اللہ حضرت ابراہیم کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا اس کا کل یہ تھا اے بادشاہ مسلط کیا ہوا اور مغرور میں نے تجھے دنیا جمع کرنے اور ملا ملا کر رکھنے کے لیے نہیں بھیجا بلکہ اس لئے کہ تو مظلوم کی پکار کو سامنے سے ہٹا دے اگر میرے پاس پہنچے تو میں اسے رد نہ کروں گا گو وہ مظلوم کافر ہی ہو' اور ان میں مثالیں بھی تھیں یہ کہ عاقل کو لازم ہے کہ وہ اپنے اوقات کے کئی حصے کرے ایک وقت اپنے نفس کا حساب لے ایک وقت خدا کی صفت میں غور کرے ایک وقت اپنے کھانے پینے کی فکر کرے' اس کی مرکزی تعلیم جبر سے مسلط بادشاہ کو اس کے اقتدار کا مقصد سمجھانا تھا اور اسے مظلوم کی فریاد رسی کرنے کا احساس دلانا تھا۔ عقل مند کو تین چیزوں کے سوا کسی اور چیز میں دلچسپی نہ لینا چاہیے' ایک تو آخرت کے زاد راہ کی فکر' دوسرے سامان زیست اور تیسرے اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ نعمتوں سے لطف اندوز ہونا یا فکر معاش یا غیر حرام چیزوں سے سرور لذت' عقل مند کو اپنے وقت کو غنیمت

سمجھ کر سرگرم عمل رہنا چاہیے۔ اپنی زبان پر قابو اور قول و فعل میں یکسانیت برقرار رکھنا چاہیے وہ بہت کم گو ہوگا بات وہی کہو جو تمہیں نفع دے میں نے پوچھا موسیٰ علیہ السلام کے صحیفوں میں کیا تھا؟ فرمایا وہ عبرت دلانے والی تحریروں کا مجموعہ تھے مجھے تعجب ہے اس شخص پر جو موت کا یقین رکھتا ہے پھر بھی غافل ہے تقدیر کا یقین رکھتا ہے پھر بھی مال و دولت کے لیے پاگل ہو رہا ہے ہائے وائے میں پڑا ہوا ہے دنیا کی بے ثباتی دیکھ کر بھی اسی کو سب کچھ سمجھتا رہے قیامت کے دن حساب کو جانتا ہے پھر بے عمل ہے میں نے عرض کیا حضور ﷺ اگلے انبیاء علیہم السلام کی کتابوں میں جو تھا اس میں سے بھی کچھ ہماری کتاب میں ہمارے ہاتھوں میں ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں پڑھو ﴿قَدْ اَفْلَحَ مَنْ تَزَكّٰى﴾ [1] آخر سورت تک میں نے کہا حضور ﷺ مجھے وصیت کیجیے۔ آپ نے فرمایا میں تجھے اللہ سے ڈرتے رہنے کی وصیت کرتا ہوں یہی تیرے اعمال کا سر ہے میں نے کہا رسول اللہ ﷺ کچھ اور بھی آپ نے فرمایا قرآن کی تلاوت اور اللہ کے ذکر میں مشغول رہ وہ تیرے لیے آسمانوں میں ذکر کا اور زمین میں نور کے حصول کا سبب ہو گا میں نے پھر کہا حضور ﷺ کچھ مزید فرمایئے فرمایا خبردار زیادہ ہنسی سے باز رہو زیادہ ہنسی دل کو مردہ اور چہرہ کا نور دور کر دیتی ہے میں نے کہا اور زیادہ فرمایا جہاد میں مشغول رہو میری امت کی رہبانیت یعنی درویشی یہی ہے میں نے کہا اور وصیت کیجیے فرمایا بھلی بات کہنے کے سوا زبان بند رکھو اس سے شیطان بھاگ جائے گا اور دینی کاموں میں بڑی تائید ہوگی۔ میں نے کہا کچھ اور بھی فرما دیجیے فرمایا اپنے سے نیچے درجے کے لوگوں کو دیکھا کرو اور اپنے سے اعلیٰ درجہ کے لوگوں پر نظریں نہ ڈالو اس سے تمہارے دل میں اللہ کی نعمتوں کی عظمت پیدا ہوگی میں نے کہا مجھے اور زیادہ نصیحت کیجیے فرمایا مسکینوں سے محبت رکھو اور ان کے ساتھ بیٹھو اس سے اللہ کی رحمتیں تمہیں گراں قدر معلوم ہوں گی میں نے کہا اور فرمایئے فرمایا: ''قرابت داروں سے ملتے رہو چاہے وہ تجھ سے نہ ملیں'' میں نے کہا اور؟ فرمایا سچ بات کہو چاہے وہ کسی کو کڑوی لگے میں نے اور بھی نصیحت طلب کی فرمایا اللہ کے بارے میں ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کر میں نے کہا اور فرمایئے فرمایا اپنے عیبوں پر نظر رکھا کر دوسروں کی عیب جوئی سے باز رہو پھر میرے سینے پر آپ نے اپنا دست مبارک رکھ کر فرمایا اے ابوذر تدبیر کے برابر کوئی عقل مندی نہیں اور حرام سے رک جانے سے بڑھ کر کوئی پرہیز گاری نہیں اور اچھے اخلاق سے بہتر کوئی حسب نسب نہیں۔ [2] مسند احمد میں بھی یہ حدیث کچھ اسی مفہوم کی ہے۔ [3]

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ پوچھتے ہیں کیا خارجی بھی دجال کے قائل ہیں لوگوں نے کہا نہیں فرمایا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے میں ایک ہزار بلکہ زیادہ نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور ہر ہر نبی نے اپنی امت کو دجال سے ڈرایا ہے لیکن مجھ سے اللہ نے اس کی وہ علامت بیان فرمائی ہے جو کسی اور کو نہیں فرمائی ''سنو وہ بھینگا ہوگا اور رب

---

[1] [سورة الاعلى: آيت ١٤،١٩]

[2] [**ضعیف** :صحيح ابن حبان (٣٦١) ابو نعيم (١٦٦/١) ابن ماجه (٤٢١٨)] حافظ بوصیریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[الزوائد (٣٠٠/٣)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے السلسلة الضعيفة میں ذکر کیا ہے۔[(٣٨٣/٤)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ابراہیم بن ہشام راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (٢١٩/٤)]

[3] [**ضعیف و منقطع** :مسند احمد ١٧٨/٥، ١٧٩]

ایسا ہو نہیں سکتا اس کی داہنی آنکھ کانی بھینگی ہو گی' آنکھ کا ڈھیلا اتنا اٹھا ہوا جیسے چونے کی صاف دیوار پر کسی کا کھنکار پڑا ہو اور اس کی بائیں آنکھ ایک جگمگاتے ستارے جیسی ہے' وہ تمام زبانیں بولے گا' اس کے ساتھ جنت کی صورت ہو گی سرسبز و شاداب اور پانی والی اور دوزخ کی صورت ہو گی سیاہ دھواں دھار'' [1] ایک حدیث میں ہے ایک لاکھ نبیوں کو ختم کرنے والا ہوں بلکہ زیادہ کا الخ۔ [2] پھر فرماتا ہے موسیٰ سے خود اللہ نے صاف طور پر کلام کیا۔ یہ ان کی خاص صفت ہے کہ وہ کلیم اللہ تھے' ایک شخص حضرت ابوبکر بن عیاش رحمہ اللہ کے پاس آتا ہے اور کہتا ہے کہ ایک شخص اس جملہ کو یوں پڑھتا ہے ﴿وَكَلَّمَ اللهَ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ یعنی موسیٰ نے اللہ سے بات کی ہے' اس پر آپ بہت بگڑے اور فرمایا یہ کسی کافر نے پڑھا ہو گا۔ میں نے اعمش سے' اعمش نے یحییٰ سے' یحییٰ نے عبدالرحمٰن سے' عبدالرحمٰن نے علی سے' علی نے رسول اللہ ﷺ سے پڑھا ہے کہ ﴿وَكَلَّمَ اللهُ مُوسَى تَكْلِيمًا﴾ [3] غرض اس شخص کی معنوی اور لفظی تحریف پر آپ بہت زیادہ ناراض ہوئے مگر عجب نہیں کہ یہ کوئی معتزلی ہو' اس لیے کہ معتزلہ کا یہ عقیدہ ہے کہ اللہ نے موسیٰ سے کلام کیا نہ کسی اور سے۔ کسی معتزلی نے ایک بزرگ کے سامنے اسی آیت کو اسی طرح پڑھا تو انہوں نے اسے ڈانٹ کر فرمایا پھر اس آیت میں یہ بددیانتی کیسے کرو گے؟ جہاں فرمایا ہے ﴿وَلَمَّا جَآءَ مُوسَى لِمِيقَاتِنَا وَكَلَّمَهُ رَبُّهُ﴾ [4] یعنی موسیٰ ہمارے وعدے پر آئے اور ان سے ان کے رب نے کلام کیا' مطلب یہ ہے کہ یہاں تو یہ تاویل و تحریف نہیں چلے گی۔

ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ''جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ سے کلام کیا تو وہ اندھیری رات میں سیاہ چیونٹی کا کسی صاف پتھر پر چلنا بھی دیکھ لیتے تھے''۔ [5] یہ حدیث غریب ہے اور اس کی اسناد صحیح نہیں اور جب موقوفاً بقول ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ ثابت ہو جائے تو بہت ٹھیک ہے۔ مستدرک حاکم وغیرہ میں ہے کہ کلیم اللہ سے جب اللہ نے کلام کیا وہ صوف کی چادر اور صوف کی سردول اور غیر مذبوح گدھے کی کھال کی جوتیاں پہنے ہوئے تھے۔ [6]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چالیس ہزار باتیں حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کیں جو سب کی

---

[1] [ضعیف : مسند احمد: (٣/٧٩) مستدرك حاكم (٢/٥٩٧) ابن ابی شیبة (٨/٦٤٧)] اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (١٢٥٣٣)]

[2] [ضعیف : بزار فی کشف الاستار (٤/١٣٥) ابن ابی شیبة (٨/٦٤٦)] اس کی سند بھی مجالد بن سعید راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف : طبرانی اوسط (٨٦٠٣) الدر المنثور للسیوطی (٢/٤٣٨)] امام ہیثمیؒ کے مطابق اس کی سند میں عبد الجبار بن عبداللہ راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (٧/١٢)]

[4] [سوره الاعراف: آیت ١٤٣]

[5] [ضعیف : امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں حسن بن ابی جعفر راوی متروک ہے۔[مجمع الزوائد (٨/٣٧٣)]

[6] ضعیف جدا : مستدرك حاكم (٢/٣٧٩) ترمذی (١٧٣٤) مسند ابو یعلی (٤٩٨٣) تفسیر ابن جریر الطبری (١٦/١٤٤) العقیلی فی الضعفاء (١/٢٦٨)] شیخ البانیؒ نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (١٢٤٠)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

سب وصیتیں تھیں، نتیجہ یہ نکلا کہ لوگوں کی باتیں حضرت موسیٰ سے سنی نہیں جاتی تھیں کیونکہ کانوں میں اسی پاک کلام الٰہی کی گونج رہتی تھی، (1) اس کی اسناد بھی ضعیف ہیں۔ پھر اس میں انقطاع بھی ہے۔ ایک اثر ابن مردویہ میں ہے حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جو کلام اللہ تعالیٰ نے طور والے دن حضرت موسیٰ سے کیا تھا یہ تو میرے اندازے کے مطابق اس کی صفت جس دن پکارا تھا اس انداز کلام کی صفت سے الگ تھی۔ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا راز معلوم کرنا چاہا اللہ تعالیٰ نے فرمایا موسیٰ ابھی تو میں نے دس ہزار زبانوں کے برابر کی قوت سے کلام کیا ہے حالانکہ مجھے تمام زبانوں کی قوت حاصل ہے بلکہ ان سب سے بھی بہت زیادہ۔ بنو اسرائیل آپ سے جب کلام ربانی کی صفت پوچھنے لگے تو آپ نے فرمایا: ''میں تو کچھ نہیں کہہ سکتا''، انہوں نے کہا کچھ تشبیہ تو بیان کرو آپ نے فرمایا تم نے کڑاکے کی آواز سنی ہوگی، وہ اس کے مشابہ تھی لیکن ویسی نہ تھی، (2) اس کے ایک راوی فضل رقاشی ضعیف ہیں اور بہت ہی ضعیف ہیں۔ حضرت کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کلام کیا تو یہ تمام زبانوں پہ محیط تھا۔ حضرت کلیم اللہ نے پوچھا ''باری تعالیٰ یہ تیرا کلام ہے؟ فرمایا نہیں اور نہ تو میرے کلام کی استقامت کر سکتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریافت کیا کہ اے رب تیری مخلوق میں سے کسی کا کلام تیرے کلام سے مشابہ ہے؟ فرمایا نہیں سوائے سخت تر کڑاکے کے۔

یہ روایت بھی موقوف ہے اور یہ ظاہر ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ اگلی کتابوں سے روایت کیا کرتے تھے جن میں بنو اسرائیل کی حکایتیں ہر طرح صحیح اور غیر صحیح ہوتی ہیں۔ یہ رسول ہی ہیں جو اللہ کی اطاعت کرنے والوں اور اس کی رضامندی کے متلاشیوں کو جنتوں کی خوشخبریاں دیتے ہیں اور اس کے فرمان کے خلاف کرنے والوں، اور اس کے رسولوں کو جھٹلانے والوں کو عذاب اور سزا سے ڈراتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے اللہ تعالیٰ نے جو اپنی کتابیں نازل فرمائی ہیں اور اپنے رسول بھیجے ہیں اور ان کے ذریعہ اپنے اوامر ونواہی کی تعلیم دلوائی یہ اس لیے کہ کسی کو کوئی حجت یا کوئی عذر باقی نہ رہ جائے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ اَنَّآ اَهْلَكْنٰهُمْ بِعَذَابٍ مِّنْ قَبْلِهٖ﴾ (3) الخ، یعنی اگر ہم انہیں اس سے پہلے ہی اپنے عذاب سے ہلاک کر دیتے تو وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ اے ہمارے رب تو نے ہماری طرف رسول کیوں نہیں بھیجے جو ہم ان کی باتیں مانتے اور اس ذلت ورسوائی سے بچ جاتے۔

اسی جیسی یہ آیت بھی ہے ﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ﴾ (4) الخ، بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ سے زیادہ غیرت مند کوئی نہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تمام برائیوں کو حرام کیا ہے خواہ ظاہر ہوں خواہ پوشیدہ اور ایسا بھی کوئی نہیں جسے بہ نسبت اللہ کے مدح زیادہ پسند ہو یہی وجہ ہے کہ اس نے خود اپنی مدح آپ کی ہے، اور کوئی ایسا نہیں جسے اللہ سے زیادہ عذر پسند ہو، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے نبیوں کو خوش خبریاں سنانے والے اور ڈرانے

---

(1) [ضعیف : المعجم الاوسط (٣٩٤٩)] اس کی سند میں جویبر راوی ضعیف ہے۔]

(2) [ضعیف : بزار (٢٣٥٣) مجمع الزوائد (٢٠٤/٨)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ [١١٢/١] اس کی سند میں فضل بن عیسی رقاشی راوی ضعیف ہے۔[میزان (٦٨٤٦)]

(3) [سورہ طٰہٰ: آیت ١٣٤]

(4) [سورہ القصص: آیت ٤٧]

والے بنا کر بھیجا۔ (۱) دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ اسی وجہ سے اس نے رسول بھیجے اور کتابیں اتاریں۔ (۲)

لٰكِنِ اللّٰهُ يَشْهَدُ بِمَآ اَنْزَلَ اِلَيْكَ اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ يَشْهَدُوْنَ ۭ وَكَفٰى بِاللّٰهِ شَهِيْدًا ۝۱۶۶ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قَدْ ضَلُّوْا ضَلٰلًۢا بَعِيْدًا ۝۱۶۷ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَظَلَمُوْا لَمْ يَكُنِ اللّٰهُ لِيَغْفِرَ لَهُمْ وَلَا لِيَهْدِيَهُمْ طَرِيْقًا ۝۱۶۸ اِلَّا طَرِيْقَ جَهَنَّمَ خٰلِدِيْنَ فِيْهَآ اَبَدًا ۭ وَكَانَ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرًا ۝۱۶۹ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاۗءَكُمُ الرَّسُوْلُ بِالْحَقِّ مِنْ رَّبِّكُمْ فَاٰمِنُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ۭ وَاِنْ تَكْفُرُوْا فَاِنَّ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَكَانَ اللّٰهُ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۝۱۷۰

جو کچھ تیری طرف اتارا ہے اس کی بابت اللہ خود گواہی دیتا ہے کہ اسے اپنے علم سے اتارا ہے اور فرشتے بھی گواہی دیتے ہیں اور کافی ہے اللہ گواہ ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے اوروں کو روکا وہ یقیناً گمراہی میں دور نکل گئے ○ جن لوگوں نے کفر کیا اور ظلم کیا انہیں اللہ تعالیٰ ہرگز ہرگز نہ بخشے گا اور نہ انہیں کوئی راہ دکھائے گا ○ بجز جہنم کی راہ کے جس میں وہ ہمیشہ ہمیشہ پڑے رہیں گے اور یہ اللہ تعالیٰ پر بالکل آسان ہے ○ اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر رسول آ گیا ہے پس تم ایمان لاؤ تا کہ تمہارے لیے بہتری ہو اور اگر تم کافر ہو گئے تو اللہ ہی کی ہے ہر وہ چیز جو آسمانوں میں اور زمین میں ہے اور اللہ دانا ہے اور حکمت والا ○

رسالت محمدی کا خود اللہ گواہ: چونکہ سابقہ آیتوں میں حضور ﷺ کی نبوت کا ثبوت تھا اور آپ کی نبوت کے منکروں کی تردید تھی اس لیے یہاں فرماتا ہے کہ گو کچھ لوگ تجھے جھٹلائیں تیری مخالفت کریں لیکن اللہ خود تیری رسالت کا شاہد ہے وہ فرماتا ہے کہ اس نے اپنی پاک کتاب قرآن مجید وفرقان حمید تجھ پر نازل فرمایا ہے جس کے پاس باطل پھٹک ہی نہیں سکتا' اس کتاب میں ان چیزوں کا علم ہے جن پر اس نے اپنے بندوں کو مطلع فرمانا چاہا یعنی دلیلیں' ہدایت اور فرقان' اور اللہ کی رضامندی اور ناراضگی کے احکام اور ماضی کی اور مستقبل کی خبریں ہیں اور اللہ تبارک وتعالیٰ کی وہ مقدس صفتیں ہیں جنہیں نہ تو کوئی نبی مرسل جانتا ہے اور نہ کوئی مقرب فرشتہ' بجز اس کے کہ وہ خود معلوم کرائے' جیسے ارشاد ہے ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَاۗءَ﴾ (۳) اور فرمان ہے ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ (۴) حضرت عطا بن سائب رحمہ اللہ جب حضرت ابوعبدالرحمٰن سلمی سے قرآن شریف پڑھ

(۱) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ولا تقربوا الفواحش ماظهر منها (٤٦٣٧) صحیح مسلم : کتاب التوبة : باب غیرة الله تعالی و تحریم الفواحش (٢٧٦٠) ترمذی (٣٥٣٠) مسند احمد (١/٣٨١)]

(۲) [صحیح : صحیح مسلم (٢٧٦٠)] (۳) [سوره البقره: آیت ٢٥٥]

(۴) [سوره طه: آیت ١١٠]

چکتے ہیں تو آپ فرماتے ہیں تو نے اللہ کا علم حاصل کیا ہے پس آج تجھ سے افضل کوئی نہیں' بجز اس کے جو عمل میں تجھ سے بڑھ جائے' پھر آپ نے آیت ﴿اَنْزَلَهٗ بِعِلْمِهٖ﴾ سے آخر تک پڑھی۔ پھر فرماتا ہے کہ اللہ کی شہادت کے ساتھ ہی ساتھ فرشتوں کی شہادت بھی ہے کہ تیرے پاس جو علم آیا ہے' جو وحی تجھ پر اتری ہے وہ بالکل سچ اور سراسر حق ہے۔ یہودیوں کی ایک جماعت حضور ﷺ کے پاس آتی ہے تو آپ فرماتے ہیں خدا کی قسم مجھے پختہ طور پر معلوم ہے کہ تم میری رسالت کا علم رکھتے ہوئے ان لوگوں نے اس کا انکار کر دیا پس اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری۔ ①

پھر فرماتا ہے جن لوگوں نے کفر کیا' حق کی اتباع نہ کی' بلکہ اور لوگوں کو بھی راہ حق سے روکتے رہے' یہ صحیح راہ سے ہٹ گئے ہیں اور حقیقت سے الگ ہو گئے اور ہدایت سے ہٹ گئے ہیں۔ یہ لوگ جو ہماری آیتوں کے منکر ہیں' ہماری کتاب کو نہیں مانتے' اپنی جان پر ظلم کرتے ہیں ہماری راہ سے روکتے اور رکتے ہیں' ہمارے منع کردہ کام کو کر رہے ہیں' ہمارے احکام سے منہ پھیرتے ہیں' انہیں ہم بخشیں گے نہ خیر و بھلائی کی طرف ان کی رہبری کریں گے۔ ہاں انہیں جہنم کا راستہ دکھا دیں گے جس میں وہ ہمیشہ پڑے رہیں گے۔ لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حق لے کر اللہ کے رسول آ گئے' تم اس پر ایمان لاؤ اور اس کی فرمانبرداری کرو' یہی تمہارے حق میں اچھا ہے اور اگر تم کفر کرو گے تو اللہ تم سے بے نیاز ہے' تمہارا ایمان نہ اسے نفع پہنچائے' نہ تمہارا کفر اسے ضرر پہنچائے۔ زمین و آسمان کی تمام چیزیں اس کی ملکیت میں ہیں۔ یہی قول حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنی قوم سے تھا کہ تم اور روئے زمین کے تمام لوگ بھی اگر کفر پر اجماع کر لیں تو اللہ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ وہ تمام جہان سے بے پرواہ ہے' وہ علیم ہے' جانتا ہے کہ مستحق ہدایت کون ہے اور مستحق ضلالت کون ہے؟ وہ حکیم ہے اس کے اقوال' اس کے افعال' اس کی شرع اس کی تقدیر سب حکمت سے پُر ہیں۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ وَلَا تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ اِلَّا الْحَقَّ ؕ اِنَّمَا الْمَسِيْحُ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ ۚ اَلْقٰهَاۤ اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ ۫ فَاٰمِنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖ ۚ وَلَا تَقُوْلُوْا ثَلٰثَةٌ ؕ اِنْتَهُوْا خَيْرًا لَّكُمْ ؕ اِنَّمَا اللّٰهُ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ سُبْحٰنَهٗۤ اَنْ يَّكُوْنَ لَهٗ وَلَدٌ ۘ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِيْلًا ﴿۱۷۱﴾

اے اہل کتاب اپنے دین کے بارے میں حد سے نہ گذر جاؤ اور اللہ پر بجز حق کے کچھ نہ کہو' مسیح عیسیٰ بن مریم تو صرف اللہ کے رسول اور اس کے حکم ہیں' جسے مریم کی طرف ڈال دیا تھا اور اس کے پاس کی روح ہے پس تم اللہ کو اور اس کے سب رسولوں کو مانو اور نہ کہو کہ اللہ تین ہیں' اس سے باز آ جاؤ تا کہ تمہارے لیے بہتری ہے' اللہ عبادت کے لائق تو صرف ایک ہی ہے' وہ اس سے پاک ہے کہ اس کی اولاد ہو اسی کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے' اور اللہ بس ہے کام بنانے والا ○

① [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰۸۵٤) سیرۃ ابن هشام (۲/۵۹۷) بیهقی فی دلائل النبوة (۲/۵۳۵) السیوطی فی الدر المنثور (۲/٤۳۹)] اس کی سند میں محمد بن ابی محمد راوی مجہول ہے۔]

حد سے تجاوز کی ممانعت: اہل کتاب کو زیادتی سے اور حد سے آگے بڑھ جانے سے اللہ تعالیٰ روک رہا ہے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں حد سے نکل گئے تھے اور نبوت سے بڑھا کر الوہیت تک پہنچا رہے تھے' بجائے ان کی اطاعت کے عبادت کرنے لگے تھے' بلکہ اور بزرگان دین کی نسبت بھی ان کا عقیدہ خراب ہو چکا تھا' وہ انہیں بھی جو عیسائی دین کے عالم اور عامل تھے معصوم محض جاننے لگ گئے تھے اور یہ خیال کر لیا تھا کہ جو کچھ یہ ائمہ دین کہہ دیں اس کا ماننا ہمارے لیے ضروری ہے' سچ و جھوٹ' حق و باطل' ہدایت و ضلالت کے پرکھنے کا کوئی حق ہمیں حاصل نہیں۔ جس کا ذکر قرآن کی اس آیت میں ہے ﴿اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ﴾ (1) مسند احمد میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا: ”مجھے تم ایسا نہ بڑھانا جیسا نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کو بڑھایا' میں تو صرف ایک بندہ ہوں پس تم مجھے عبداللہ اور رسول اللہ کہنا“۔ (2) یہ حدیث بخاری وغیرہ میں بھی ہے مسند کی ہی ایک حدیث میں ہے کہ کسی شخص نے آپ سے کہا اے محمد ﷺ! اے ہمارے سردار اور سردار کے لڑکے' اے ہم سب سے بہتر اور بہتر کے لڑکے! تو آپ نے فرمایا ”لوگو اپنی بات کا خود خیال کر لیا کرو تمہیں شیطان بہکا نہ دے' میں محمد بن عبداللہ ہوں' میں اللہ کا غلام ہوں اور اس کا رسول ہوں' قسم اللہ کی میں نہیں چاہتا کہ تم مجھے میرے مرتبے سے بڑھا دو“۔ (3)

پھر فرماتا ہے اللہ پر افتراء نہ باندھو' اس سے بیوی اور اولاد کو منسوب نہ کرو' اللہ اس سے پاک ہے' اس سے دور ہے' اس سے بلند و بالا ہے' اس کی بڑائی اور عزت میں کوئی اس کا شریک نہیں' اس کے سوا نہ تو کوئی معبود اور نہ رب ہے۔ مسیح عیسیٰ بن مریم ﷺ رسول اللہ ہیں' وہ اللہ کے غلاموں میں سے ایک غلام ہیں اور اس کی مخلوق ہیں' وہ صرف کلمہ کن کے کہنے سے پیدا ہوئے ہیں' (4) جس کلمہ کو لے کر حضرت جبرائیل علیہ السلام حضرت مریم صدیقہ علیہا السلام کے پاس گئے اور اللہ کی اجازت سے اسے ان میں پھونک دیا پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ چونکہ محض اسی کلمہ سے بغیر باپ کے پیدا ہوئے' اس لیے خصوصیت سے کلمۃ اللہ کہا گیا۔ قرآن کی ایک اور آیت میں ہے ﴿مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ﴾ (5) الخ' یعنی مسیح بن مریم ﷺ صرف رسول اللہ ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گذر چکے ہیں' ان کی والدہ سچی ہیں' یہ دونوں کھانا کھایا کرتے تھے۔ اور آیت میں ہے ﴿اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ﴾ (6) الخ' عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم کی طرح ہے جسے مٹی سے بنا کر فرمایا ہو جا

---

(1) [سورہ التوبہ : آیت ٣١]

(2) [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب قول اللہ تعالیٰ واذکر فی الکتاب مریم (٣٤٤٥) مسند احمد (٢٣/١، ٢٤) مسند حمیدی (٢٧)]

(3) [**صحیح** : مسند احمد (١٥٣/٣، ٢٤١) عبد بن حمید (١٣٣٧) صحیح ابن حبان (٦٢٤٠) نسائی فی السنن الکبری (١٠٠٧٨) وفی عمل الیوم واللیلۃ (٢٤٩)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (١٠٩٧)]

(4) [تفسیر عبدالرزاق (١٧٧/١) تفسیر ابن ابی حاتم (١١٢٣/٤) الدر المنثور للسیوطی (٤٣٩/٢)]

(5) [سورہ المائدہ: آیت ٧٥] (6) [سورہ آل عمران: آیت ٥٩]

پس وہ ہو گیا۔ قرآن کریم اور جگہ فرماتا ہے ﴿الَّتِیْ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا﴾ [1] الخ، جس نے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کی اور ہم نے اپنی روح پھونکی اور خود اسے اور اس کے بچے کو لوگوں کے لیے اپنی قدرت کی علامت بنایا۔ اور جگہ فرمایا ﴿وَمَرْیَمَ ابْنَةَ عِمْرَانَ﴾ [2] سے آخر سورت تک۔ حضرت عیسیٰ کی بابت ایک اور آیت میں ہے ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ اَنْعَمْنَا عَلَیْهِ﴾ [3] الخ، وہ ہمارا ایک بندہ تھا جس پر ہم نے انعام کیا۔ پس یہ مطلب نہیں کہ خود کلمۃ الٰہی عیسیٰ بن گیا بلکہ کلمہ الٰہی سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ﴿اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ﴾ [4] الخ، کی تفسیر میں جو کچھ کہا ہے اس سے یہ مراد ٹھیک ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلمہ جو حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت پھونکا گیا، اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے "جس نے بھی اللہ کے ایک اور لا شریک ہونے اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عبد و رسول ہونے کی، اور عیسیٰ علیہ السلام کے عبد و رسول ہونے اور یہ کہ آپ اللہ کے کلمہ سے تھے جو مریم رضی اللہ عنہا کی طرف پھونکا گیا تھا اور اللہ کی پھونکی ہوئی روح تھے اور جس نے جنت دوزخ کو برحق مانا وہ خواہ کیسے ہی اعمال پر ہو، اللہ پر حق ہے کہ اسے جنت میں لے جائے۔ [5] ایک روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ جنت کے آٹھوں دروازوں میں سے جس سے چاہے داخل ہو جائے۔" [6] جیسے کہ جناب عیسیٰ کو آیت و حدیث میں ((رُوْحٌ مِّنْهُ)) کہا ہے ایسے ہی قرآن کی ایک آیت میں ہے ﴿وَسَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مِّنْهُ﴾ [7] اس نے مسخر کیا تمہارے لیے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے، تمام کا تمام اپنی طرف سے۔ یعنی اپنی مخلوق اور اپنے پاس سے یہی مطلب رُوْحٌ مِّنْهُ کا ہے۔ پس لفظ من تبعیض (اس کا حصہ) کے لیے نہیں جیسے ملعون نصرانیوں کا خیال ہے کہ حضرت عیسیٰ اللہ کا ایک جزو تھے بلکہ مِنْ ابتداء کے لیے ہے۔ جیسے کہ دوسری آیت میں ہے، حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ((رُوْحٌ مِّنْهُ)) سے مراد ((رَسُوْلٌ مِّنْهُ)) ہے اور لوگ کہتے ہیں ((مُحَبَّةٌ مِّنْهُ)) لیکن زیادہ قوی پہلا قول ہے یعنی آپ پیدا کیے گئے ہیں، روح سے جو خود اللہ کی مخلوق ہے۔ پس آپ کو روح اللہ کہنا ایسا ہی ہے جیسے ((نَاقَةُ اللّٰهِ)) اور ((بَیْتُ اللّٰهِ)) کہا گیا ہے یعنی صرف اس کی عظمت کے اظہار کے لیے اپنی طرف نسبت کی۔ اور حدیث میں بھی ہے کہ "میں اپنے رب کے پاس ان کے گھر میں جاؤں گا"۔

پھر فرماتا ہے تم اس کا یقین کر لو کہ اللہ واحد ہے بیوی بچوں سے پاک ہے اور یقین مان لو کہ جناب عیسیٰ اللہ کا کلام اللہ کی مخلوق اور اس کے برگزیدہ رسول ہیں۔ تم تین نہ کہو یعنی عیسیٰ اور مریم کو اللہ کا شریک نہ بناؤ اللہ کی الوہیت شرکت سے مبرا ہے۔ سورۂ مائدہ میں فرمایا ﴿لَقَدْ كَفَرَ الَّذِیْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ﴾ [8] الخ، یعنی

---

[1] [سورہ تحریم: آیت ١٢]　[2] [سورہ التحریم: آیت ١٢]

[3] [سورہ الزخرف: آیت ٥٩]　[4] [سورہ ال عمران: آیت ٤٥]

[5] [صحیح : صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء : باب قول اللہ تعالیٰ یاھل الکتاب لا تغلوافی دینکم (٣٤٣٥) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب الدلیل علی من مات علی التوحید (٢٨)]

[6] [صحیح : صحیح بخاری (٣٤٣٥) صحیح مسلم (٢٨) صحیح ابن حبان (٢٠٧)]

[7] [سورہ الجاثیہ: آیت ١٣]　[8] [المائدہ: ٧٣]

جو کہتے ہیں کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے وہ کافر ہو گئے' اللہ تعالیٰ ایک ہی ہے' اس کے سوا کوئی اور لائق عبادت نہیں۔ سورۂ مائدہ کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن حضرت عیسیٰ سے سوال ہوگا کہ اپنی اور اپنی والدہ کی عبادت کا حکم لوگوں کو تم نے دیا تھا' آپ صاف طور پر انکار کر دیں گے۔ نصرانیوں کا اس بارے میں کوئی اصول ہی نہیں ہے' وہ بری طرح بھٹک رہے ہیں اور اپنے آپ کو برباد کر رہے ہیں۔ ان میں سے بعض تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خود اللہ مانتے ہیں' بعض شریک الٰہیہ مانتے اور بعض اللہ کا بیٹا کہتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ اگر دس نصرانی جمع ہوں تو ان کے خیالات گیارہ ہوں گے۔ سعید بن بطریق اسکندری جو سن ۴۰۰ھ کے قریب گذرا ہے اس نے اور بعض ان کے اور بڑے علماء نے ذکر کیا ہے کہ قسطنطین بانی قسطنطنیہ کے زمانے میں اس وقت کے نصرانیوں کا اِس بادشاہ کے حکم سے اجتماع ہوا' جس میں دو ہزار سے زیادہ ان کے مذہبی پیشوا شامل ہوتے تھے' پھر باہم اس قدر اختلاف کیا کہ کسی بات پر ستر اسی آدمیوں کا اتفاق مفقود تھا' دس کا ایک عقیدہ ہے' بیس کا ایک خیال ہے' چالیس اور ہی کچھ کہتے ہیں' ساٹھ اور طرف جا رہے ہیں' غرض ہزارہا کی تعداد میں سے بہ مشکل تمام تین سو اٹھارہ آدمی ایک قول پر جمع ہوئے' بادشاہ نے اسی عقیدہ کو لے لیا' باقی کو چھوڑ دیا اور اسی کی تائید و نصرت کی اور ان کے لیے کلیسا اور گرجے بنا دیئے اور کتابیں لکھوا دیں' قوانین ضبط کر دیئے' یہیں انہوں نے امانت کبریٰ کا مسئلہ گھڑا' جو دراصل بدترین خیانت ہے' ان لوگوں کو ملکانیہ کہتے ہیں۔ پھر دوبارہ ان کا اجتماع ہوا' اس وقت جو فرقہ بنا اس کا نام یعقوبیہ ہے۔ پھر تیسری مرتبہ کے اجتماع میں جو فرقہ بنا اس کا نام نسطوریہ ہے' یہ تینوں فرقے اقالیم ثلثہ کو حضرت عیسیٰ کے لیے ثابت کرتے ہیں' ان میں بھی باہم دیگر اختلاف ہے اور ایک دوسرے کو کافر کہتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو تینوں کافر ہیں۔ اللہ فرماتا ہے اس شرک سے باز آؤ' باز رہنا ہی تمہارے لیے اچھا ہے' اللہ تو ایک ہی ہے' وہ توحید والا ہے' اس کی ذات اس سے پاک ہے کہ اس کے ہاں اولاد ہو' تمام چیزیں اس کی مخلوق ہیں اور اس کی ملکیت میں ہیں' سب اس کی غلامی میں ہیں اور سب اس کے قبضے میں ہیں' وہ ہر چیز پر وکیل ہے' پھر مخلوق میں سے کوئی اس کی بیوی اور کوئی اس کا بچہ کیسے ہو سکتا ہے؟ دوسری آیت میں ہے ﴿بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اَنّٰى يَكُوْنَ لَـهٗ وَلَدٌ﴾ [1] یعنی وہ تو آسمان وزمین کی ابتدائی آفرینش کرنے والا ہے' اس کا لڑکا کیسے ہو سکتا ہے؟ سورۂ مریم میں ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ﴾ سے ﴿فَرْدًا﴾ [2] تک بھی اس کا مفصلاً انکار فرمایا ہے۔

لَنْ يَّسْتَنْكِفَ الْمَسِيْحُ اَنْ يَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَلَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ۭ وَمَنْ يَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَيَسْتَكْبِرْ فَسَيَحْشُرُهُمْ اِلَيْهِ جَمِيْعًا ﴿۱۷۲﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ فَيُوَفِّيْهِمْ اُجُوْرَهُمْ وَيَزِيْدُهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ اسْتَنْكَفُوْا وَاسْتَكْبَرُوْا فَيُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ڏ وَّلَا يَجِدُوْنَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيًّا وَّلَا نَصِيْرًا ﴿۱۷۳﴾

---

[1] [الانعام: ۱۰۱] [2] [مریم: ۸۸۔۹۵]

مسیح کو اللہ کا بندہ ہونے میں کوئی ننگ وعار یا تکبر وانکار ہرگز ہو ہی نہیں سکتا اور نہ مقرب فرشتوں کو اس کی بندگی سے جو بھی دل چرائے اور تکبر وانکار کرے پس اللہ ان سب کو اکٹھا اپنی طرف جمع کرے گا○ پس جو لوگ ایمان لائے ہیں اور شائستہ اعمال کیے ہیں ان کو ان کا پورا پورا ثواب عنایت فرمائے گا اور اپنے فضل سے انہیں اور زیادتی دے گا' اور جن لوگوں نے ننگ وعار اور سرکشی اور انکار کیا انہیں المناک عذاب کرے گا' اور وہ اپنے لیے سوائے اللہ کے کوئی حمایتی دوست اور امداد کرنے والا نہ پائیں گے○

اللہ کی گرفت سے فرار نہیں: مطلب یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام اور اعلیٰ ترین فرشتے بھی اللہ کی بندگی سے انکار اور فرار نہیں کر سکتے' نہ یہ ان کی شان کے لائق ہے بلکہ جو جتنا مرتبے میں قریب ہوتا ہے' وہ اسی قدر اللہ کی عبادت میں زیادہ پابند ہوتا ہے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ فرشتے انسانوں سے افضل ہیں۔ لیکن دراصل اس کا کوئی ثبوت اس آیت میں نہیں' اس لیے یہاں ملائکہ کا عطف مسیح پر ہے اور استنکاف کا معنی رکنے کے ہیں' اور فرشتوں میں یہ قدرت بہ نسبت مسیح کے زیادہ ہے۔ اس لیے یہ فرمایا گیا ہے اور رک جانے پر زیادہ قادر ہونے سے افضلیت ثابت نہیں ہوتی اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ جس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کو لوگ پوجتے تھے' اسی طرح فرشتوں کی بھی عبادت کرتے تھے۔ تو اس آیت میں مسیح علیہ السلام کو اللہ کی عبادت سے نہ رکنے والا بتا کر فرشتوں کی بھی یہی حالت بیان کر دی' جس سے ثابت ہو گیا کہ جنہیں تم پوجتے ہو وہ خود اللہ کو پوجتے ہیں' پھر ان کی پوجا کیسی؟ جیسے اور آیت میں ہے ﴿بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ﴾ [1] اور اسی لیے یہاں بھی فرمایا کہ جو اس کی عبادت سے رکے' منہ موڑے اور بغاوت کرے' وہ ایک وقت اسی کے پاس لوٹنے والا ہے اور اپنے بارے میں اس کا فیصلہ سننے والا ہے۔ اور جو ایمان لائیں' نیک اعمال کریں' انہیں ان کا پورا ثواب بھی دیا جائے گا' پھر رحمت ایزدی اپنی طرف سے بھی انعام عطا فرمائے گی۔ ابن مردویہ کی حدیث میں ہے کہ اجر تو یہ ہے کہ جنت میں پہنچا دیا اور زیادتی فضل یہ ہے کہ جو لوگ قابل دوزخ ہوں' انہیں بھی ان کی شفاعت نصیب ہو گی' جن سے انہوں نے بھلائی اور اچھائی کی تھی' [2] لیکن اس کی سند ثابت شدہ نہیں' ہاں اگر ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے قول پر ہی اسے روایت کیا جائے تو ٹھیک ہے۔ پھر فرمایا جو لوگ اللہ کی عبادت واطاعت سے رک جائیں اور اس سے تکبر کریں' انہیں پروردگار دردناک عذاب کرے گا اور یہ اللہ کے سوا کسی کو ولی ومددگار نہ پائیں گے۔ جیسے اور آیت میں ﴿إِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِيْ سَيَدْخُلُوْنَ جَهَنَّمَ دَاخِرِيْنَ﴾ [3] جو لوگ میری عبادت سے تکبر کریں' وہ ذلیل وحقیر ہو کر جہنم میں جائیں گے' یعنی ان کے انکار اور ان کے تکبر کا یہ بدلہ انہیں ملے گا کہ ذلیل وحقیر خوار وبے بس ہو کر جہنم میں داخل کیے جائیں گے۔

---

[1] [سورہ الانبیاء : آیت ٢٦]

[2] [**ضعیف**: ابن ابی عاصم فی السنة (٨٤٦) طبرانی کبیر (١٠٤٦٢) طبرانی اوسط (٥٧٧٠) مجمع الزوائد (١٠٩٦٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند اسماعیل بن عبداللہ کندی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[3] [سورہ غافر: آیت ٦٠]

يَآيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَآءَكُمْ بُرْهَانٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ نُوْرًا مُّبِيْنًا ﴿١٧٤﴾ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَيُدْخِلُهُمْ فِيْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَ فَضْلٍ ۙ وَّيَهْدِيْهِمْ اِلَيْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِيْمًا ﴿١٧٥﴾

اے لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے سند اور دلیل آ پہنچی اور ہم نے تمہاری جانب واضح اور صاف نور اتار دیا۔ پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اسے مضبوط پکڑ لیا انہیں تو وہ عنقریب اپنی رحمت اور فضل میں لے لے گا اور انہیں اپنی طرف کی راہ راست دکھا دے۔

قرآن کریم حجت الٰہی: اللہ تبارک وتعالیٰ تمام انسانوں کو فرماتا ہے کہ میری طرف سے کامل دلیل اور عذر معذرت کو توڑ دینے والی چیز، شک وشبہ کو الگ کرنے والی برہان (دلیل) تمہاری طرف نازل ہو چکی ہے اور ہم نے تمہاری طرف کھلا نور صاف روشنی پورا اجالا اتار دیا ہے، جس سے حق کی راہ صحیح طور پر واضح ہو جاتی ہے۔

ابن جریج وغیرہ فرماتے ہیں اس سے مراد قرآن کریم ہے۔ اب جو لوگ اللہ پر ایمان لائیں اور توکل اور بھروسہ اسی پر کریں، اس سے مضبوط رابطہ کر لیں، اس کی سرکار میں ملازمت کر لیں، مقام عبودیت اور مقام توکل میں قائم ہو جائیں، تمام امور اسی کو سونپ دیں اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ پر ایمان لائیں اور مضبوطی کے ساتھ اللہ کی کتاب کو تھام لیں ان پر اللہ اپنا رحم کرے گا، اپنا فضل ان پر نازل فرمائے گا، نعمتوں اور سرور والی جنت میں انہیں لے جائے گا، ان کے ثواب بڑھا دے گا، ان کے درجے بلند کر دے گا اور انہیں اپنی طرف لے جانے والی سیدھی اور صاف راہ دکھائے گا، جو کہیں سے ٹیڑھی نہیں، کہیں سے تنگ نہیں۔ پس وہ مومن دنیا میں صراط مستقیم پر ہوتا ہے، راہ اسلام پر ہوتا ہے اور آخرت میں راہ جنت پر اور راہ سلامتی پر ہوتا ہے۔

شروع تفسیر میں ایک پوری حدیث گذر چکی ہے جس میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ اور اللہ کی مضبوط رسی قرآن کریم ہے۔ (1)

يَسْتَفْتُوْنَكَ ۭ قُلِ اللّٰهُ يُفْتِيْكُمْ فِي الْكَلٰلَةِ ۭ اِنِ امْرُؤٌا هَلَكَ لَيْسَ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ ۚ وَهُوَ يَرِثُهَآ اِنْ لَّمْ يَكُنْ لَّهَا وَلَدٌ ۭ فَاِنْ كَانَتَا اثْنَتَيْنِ فَلَهُمَا الثُّلُثٰنِ مِمَّا تَرَكَ ۭ وَاِنْ كَانُوْٓا اِخْوَةً رِّجَالًا وَّنِسَاۗءً فَلِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا ۭ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿١٧٦﴾

تجھ سے فتویٰ پوچھتے ہیں، تو کہہ کہ اللہ خود تمہیں کلالہ کے بارے میں فتویٰ دیتا ہے، اگر کوئی شخص مر جائے جس کی اولاد نہ

(1) [**ضعیف** : ترمذی : کتاب فضائل القرآن : باب ماجاء فی فضل القرآن (٢٩٠٦)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی، المشکاۃ (٢١٣٨)] اس کی سند میں حارث اعور راوی ضعیف ہے۔]

ہو اور ایک بہن ہو تو اس کے لیے اس کے چھوڑے ہوئے کا آدھا حصہ ہے اور وہ بھائی اس بہن کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو، پس اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں کل چھوڑے ہوئے کا دوتہائی ملے گا، اور اگر کئی شخص اس ناتے کے ہیں مرد بھی اور عورتیں بھی تو مرد کے لیے حصہ ہے مثل دو عورتوں کے اللہ تمہارے لیے بیان فرما رہا ہے کہ ایسا نہ ہو تم بہک جاؤ، اور اللہ ہر چیز سے واقف ہے۔

مزید کچھ مسائل وراثت: حضرت براء رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں سورتوں میں سب سے آخری سورت سورۂ برات اتری ہے اور آیتوں میں سب سے آخری آیت ﴿يَسْتَفْتُونَكَ﴾ اتری ہے[1] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "میں بیماری کے سبب بیہوش پڑا تھا کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم میری عیادت کے لیے تشریف لائے، آپ نے وضو کیا اور وہی پانی مجھ پر ڈالا، جس سے مجھے افاقہ ہوا اور میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم وارثوں کے لحاظ سے میں کلالہ ہوں، میری میراث کیسے بٹے گی؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے آیت فرائض نازل فرمائی۔[2] (بخاری ومسلم) اور روایت میں بھی اسی آیت کا اترنا آیا ہے۔[3] پس اللہ فرماتا ہے کہ لوگ تجھ سے پوچھتے ہیں یعنی کلالہ کے بارے میں۔ پہلے یہ بیان گذر چکا ہے کہ لفظ کلالہ اکیل سے ماخوذ ہے جو کہ سر کو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہوتا ہے۔ اکثر علماء نے کہا ہے کہ کلالہ وہ ہے جس میت کے لڑکے پوتے نہ ہوں، اور بعض کا قول یہ بھی ہے کہ جس کے لڑکے نہ ہوں، جیسے کہ آیت میں ہے ﴿وَلَيْسَ لَهُ وَلَدٌ﴾ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے سامنے جو مشکل مسائل آئے تھے، ان میں ایک یہ مسئلہ بھی تھا۔ چنانچہ بخاری ومسلم میں ہے کہ آپ نے فرمایا تین چیزوں کی نسبت میری تمنا رہ گئی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں ہماری طرف کوئی ایسا عہد کرتے کہ ہم اسی کی طرف رجوع کرتے دادا کی میراث، کلالہ اور سود کے ابواب[4] اور روایت میں ہے، آپ فرماتے ہیں کہ کلالہ کے بارے میں میں نے جس قدر سوالات حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کیے، اتنے کسی اور مسئلہ میں نہیں کیے یہاں تک کہ آپ نے اپنی انگلی سے میرے سینے میں کچوکا لگا کر فرمایا کہ تجھے گرمیوں کی وہ آیت کافی ہے، جو سورۂ نساء کے آخر میں ہے[5] اور حدیث میں ہے اگر میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب ویستفتونك قل اللّٰہ یفتیکم فی الکلالة (٤٦٠٥)، (٤٦٥٤) صحیح مسلم: کتاب الفرائض: باب آخر آیة انزلت آیة الکلالة (١٦١٨) ابو داؤد: کتاب الفرائض: باب من کان لیس له ولد وله اخوات (٢٨٨٨)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفرائض: باب قول اللّٰہ تعالیٰ یوصیکم اللّٰہ فی اولادکم (٦٧٢٣) صحیح مسلم: کتاب الفرائض: باب میراث الکلالة (١٦١٦) ترمذی: کتاب الفرائض: باب میراث الاخوات (٢٠٩٧) ابن ماجه: کتاب الفرائض: باب الکلالة (٢٧٢٨) ابوداؤد: کتاب الفرائض: باب فی الکلالة (٢٨٨٦) مسند احمد (٣٠٧/٣)]

[3] [صحیح: صحیح مسلم (١٦١٦)]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الاشربة: باب ماجآء ان الخمر ما خامر العقل (٥٥٨٨) صحیح مسلم: کتاب التفسیر: باب فی نزول تحریم الخمر (٣٠٣٢)]

[5] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الفرائض: باب میراث الکلالة (١٦١٧) مسند احمد (١/١٥-٢٧)]

مزید اطمینان کرلیا ہوتا تو وہ میرے لیے سرخ اونٹوں کے ملنے سے زیادہ بہتر تھا۔ (1)

حضور ﷺ کے اس فرمان کا مطلب یہ ہے کہ یہ آیت موسم گرما میں نازل ہوئی ہوگی واللہ اعلم۔ اور چونکہ حضور ﷺ نے اس کے سمجھنے کی طرف رہنمائی کی تھی اور اسی کو مسئلہ کا کافی حل بتایا تھا' لہٰذا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ اس کے معنی پوچھنے بھول گئے' جس پر اظہار افسوس کر رہے ہیں' ابن جریر رحمہ اللہ میں ہے کہ جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے حضور سے کلالہ کے بارے میں سوال کیا پس فرمایا ''کیا اللہ نے اسے بیان نہیں فرمایا'' پس یہ آیت اتری۔ (2)

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اپنے خطبے میں فرماتے ہیں جو آیت سورۂ نساء کے شروع میں فرائض کے بارے میں ہے' وہ ولد و والد کے لیے ہے اور دوسری آیت میاں بیوی کے لیے ہے اور ماں زاد بہنوں کے لیے اور جس آیت سے سورۂ نساء کو ختم کیا ہے وہ سگے بہن بھائیوں کے بارے میں ہے جو رحمی رشتہ عصبہ میں شمار ہوتا ہے (ابن جریر) اس آیت کے معنی ((هَلَكَ)) کے معنی ہیں مرگیا' جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ﴾ (3) الخ' یعنی ہر چیز فنا ہونے والی ہے' سوائے ذات الٰہی کے جو ہمیشہ باقی رہنے والا ہے۔

جیسے اور آیت میں فرمایا ﴿كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ﴾ (4) یعنی ہر ایک جو اس پر ہے فانی ہے اور تیرے رب کا چہرہ ہی باقی رہے گا جو جلال و اکرام والا ہے۔ پھر فرمایا اس کا ولد نہ ہو' اس سے بعض لوگوں نے دلیل لی ہے کہ کلالہ کی شرط میں باپ کا نہ ہونا نہیں بلکہ جس کی اولاد نہ ہو وہ کلالہ ہے' بروایت ابن جریر حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے لیکن صحیح قول جمہور کا ہے اور حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی یہی ہے کہ کلالہ وہ ہے جس کا نہ ولد ہو، نہ والد اور اس کی دلیل آیت میں اس کے بعد کے الفاظ سے بھی ثابت ہوتی ہے جو فرمایا ﴿وَلَهٗٓ اُخْتٌ فَلَهَا نِصْفُ مَا تَرَكَ﴾ یعنی اس کی بہن ہو تو اس کے لیے کل چھوڑے ہوئے مال کا آدھوں آدھ ہے اور اگر بہن باپ کے ساتھ ہو تو باپ اسے ورثہ پانے سے روک دیتا ہے اور اسے کچھ بھی اجماعاً نہیں ملتا' پس ثابت ہوا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد نہ ہو اور یہ تو نص سے ثابت ہے اور باپ بھی نہ ہو یہ بھی نص سے ثابت ہوتا ہے لیکن قدرے غور کے بعد' اس لیے کہ بہن کا نصف حصہ باپ کی موجودگی میں ہوتا ہی نہیں بلکہ وہ ورثے سے محروم ہوتی ہے۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے مسئلہ پوچھا جاتا ہے کہ ایک عورت مرگئی اس کا خاوند ہے اور ایک سگی بہن ہے تو آپ نے فرمایا آدھا بہن کو دے دو اور آدھا خاوند کو جب آپ سے اس کی دلیل پوچھی گئی تو آپ نے فرمایا میری موجودگی میں رسول اللہ ﷺ نے ایسی صورت میں یہی فیصلہ صادر فرمایا تھا۔ (5) (احمد)

---

(1) [منقطع و ضعیف :مسند احمد (۳۸/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ ابراہیم نخعی اور عمر بن خطاب کے درمیان انقطاع ہے۔]

(2) [منقطع و ضعیف :تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰۸۷۰)]

(3) [سورة القصص: آیت ۸۸]

(4) [سورہ رحمن: آیت ۲۶، ۲۷]

(5) [ضعیف :مسند احمد (۱۸۸/۵) مجمع الزوائد (۲۳۱/٤)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ ابوبکر بن عبد اللہ کے ضعف کی وجہ سے اس کی سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (۲۱٦۳۹)]

حضرت ابن عباس اور حضرت ابن زبیر رضی اللہ عنہم سے ابن جریر میں منقول ہے کہ ان دونوں کا فتویٰ اس میت کے بارے میں جو ایک لڑکی اور ایک بہن چھوڑ جائے' یہ تھا کہ اس صورت میں بہن محروم رہے گی' اسے کچھ بھی نہ ملے گا' اسی لیے کہ قرآن کی اس آیت میں بہن کو آدھا ملنے کی صورت میں یہ بیان کی گئی ہے کہ میت کی اولاد نہ ہو اور یہاں اولاد ہے۔ لیکن جمہور ان کے خلاف ہیں وہ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی آدھا لڑکی کو ملے گا اور بہ سبب فرض اور بہ سبب عصبہ ہونے کے آدھا بہن کو بھی ملے گا۔ ابراہیم اسود کہتے ہیں ہم میں حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں فیصلہ کیا کہ آدھا لڑکی کا اور آدھا بہن کا۔ [1] صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نے لڑکی اور پوتی اور بہن کے بارے میں فتویٰ دیا کہ آدھا لڑکی کو اور آدھا بہن کو پھر فرمایا ذرا ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بھی ہو آؤ وہ بھی میری موافقت ہی کریں گے' لیکن جب حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے سوال ہوا اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کا فیصلہ بھی انہیں سنایا گیا تو آپ نے فرمایا: پھر تو میں گمراہ ہو جاؤں اور راہ یافتہ لوگوں میں میرا شمار نہ رہے' سنو میں اس بارے میں وہ فیصلہ کرتا ہوں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا ہے آدھا تو بیٹی کو اور چھٹا حصہ پوتی کو تو دو ثلث پورے ہو گئے اور جو باقی بچا وہ بہن کو۔ ہم پھر واپس آئے اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو یہ خبر دی تو آپ نے فرمایا جب تک یہ علامہ تم میں موجود ہیں' مجھ سے مسائل نہ پوچھا کرو۔ [2]

پھر فرمان ہے کہ یہ اس کا وارث ہوگا اگر اس کی اولاد نہ ہو' یعنی بھائی اپنی بہن کے کل مال کا وارث ہے جبکہ وہ کلالہ مرے یعنی اس کی اولاد اور باپ نہ ہو' اس لیے کہ باپ کی موجودگی میں تو بھائی کو ورثے میں سے کچھ بھی نہ ملے گا۔ ہاں اگر بھائی کے ساتھ ہی اور کوئی مقررہ حصے والا اور وارث ہو جیسے خاوند یا ماں جایا بھائی تو اسے اس کا حصہ دے دیا جائے گا اور باقی کا وارث بھائی ہوگا۔ صحیح بخاری میں ہے حضور علیہ السلام فرماتے ہیں فرائض کو ان کے اہل سے ملا دو' پھر جو باقی بچے وہ اس مرد کا ہے جو سب سے زیادہ قریب ہو۔ [3] پھر فرماتا ہے اگر بہنیں دو ہوں تو انہیں مال متروکہ کے دو ثلث ملیں گے۔ یہی حکم دو سے زیادہ بہنوں کا بھی ہے' یہیں سے ایک جماعت نے دو بیٹیوں کا حکم لیا ہے۔ جیسے کہ دو سے زیادہ بہنوں کا حکم لڑکیوں کے حکم سے لیا ہے جس آیت کے الفاظ یہ ہیں ﴿فَاِنۡ كُنَّ نِسَآءً فَوۡقَ اثۡنَتَيۡنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ﴾ [4] پھر فرماتا ہے اگر بہن بھائی دونوں ہوں تو ہر مرد کا حصہ دو عورتوں کے برابر

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفرائض: باب میراث الاخوات والافوة (٦٧٤١)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفرائض: باب میراث ابنة ابن مع ابنة (٦٧٣٦) ترمذی: کتاب الفرائض: باب ما جآء فی میراث نبت الابن مع نبت الصلب (٢٠٩٣) ابن ماجه: کتاب الفرائض: باب فرائض الصلب (٢٧٢١) ابو داؤد: کتاب الفرائض: باب ماجآء فی میراث الصلب (٢٨٩٠) مسند احمد (٣٨٩/١)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفرائض: باب میراث الولد من ابیه وامه (٦٧٣٢) صحیح مسلم: کتاب الفرائض: باب الحقوا الفرائض باهلها (١٦١٥) ترمذی: کتاب الفرائض: باب فی میراث العصبة (٢٠٩٨) مسند احمد (٢٩٢/١)]

[4] [سوره النسآء: آیت ١١]

ہے' یہی حکم عصبات کا ہے خواہ لڑکے ہوں یا پوتے ہوں یا بھائی ہوں' جب کہ ان میں مرد و عورت دونوں موجود ہوں۔ تو جتنا دو عورتوں کو ملے گا اتنا ایک مرد کو۔ اللہ اپنے فرائض بیان فرما رہا ہے' اپنی حدیں مقرر کر رہا ہے' اپنی شریعت واضح کر رہا ہے' تاکہ تم بہک نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ تمام کاموں کے انجام سے واقف اور ہر مصلحت سے دانا' بندوں کی بھلائی برائی کا جاننے والا' مستحق کے استحقاق کو پہچاننے والا ہے۔

ابن جریر کی روایت میں ہے کہ حضور ﷺ اور صحابہ رضی اللہ عنہم کہیں سفر میں جا رہے تھے۔ حذیفہ رضی اللہ عنہ کی اونٹنی کا سر رسول اللہ ﷺ کے پیچھے بیٹھے ہوئے صحابی کے کجاوے کے پاس تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی سواری کا سر حذیفہ کی سواری کے دوسرے سوار کے پاس تھا جو یہ آیت اتری پس حضور ﷺ نے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کو سنائی اور حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو۔ اس کے بعد پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب اس کے بارے میں سوال کیا تو کہا واللہ تم بے سمجھ ہو' اس لیے کہ جیسے مجھے حضور ﷺ نے سنائی ویسے ہی میں نے آپ کو سنا دی' واللہ میں تو اس پر کوئی زیادتی نہیں کر سکتا' پس حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے الٰہی اگرچہ تو نے ظاہر کر دیا ہو مگر مجھ پر تو کھلا نہیں۔ [1] لیکن یہ روایت منقطع ہے اسی روایت کی اور سند میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے دوبارہ سوال اپنی خلافت کے زمانے میں کیا تھا [2] اور حدیث میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ سے پوچھا تھا کہ کلالہ کا ورثہ کس طرح تقسیم ہوگا؟ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری لیکن چونکہ حضرت کی پوری تشفی نہ ہوئی تھی۔ اس لیے اپنی صاحبزادی زوجہ رسول ﷺ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ جب رسول اللہ ﷺ خوشی میں ہوں تو تم پوچھ لینا۔ چنانچہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے ایک روز ایسا ہی موقعہ پا کر دریافت کیا تو آپ نے فرمایا شاید تیرے باپ نے تجھے اس کے پوچھنے کی ہدایت کی ہے میرا خیال ہے کہ وہ اسے معلوم نہ کر سکیں گے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جب یہ سنا تو فرمانے لگے۔ جب حضور ﷺ نے یہ فرما دیا تو بس میں اب اسے جان ہی نہیں سکتا [3] اور روایت میں ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے حکم پر جب حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا نے سوال کیا تو آپ نے ایک شانے پر یہ آیت لکھوائی' پھر فرمایا کیا عمر رضی اللہ عنہ نے تم سے اس کے پوچھنے کو کہا تھا؟ میرا خیال ہے کہ وہ اسے ٹھیک ٹھاک نہ کر سکیں گے۔ کیا انہیں گرمی کی وہ آیت جو سورۂ نساء میں ہے کافی نہیں؟ وہ آیت ﴿وَإِنْ كَانَ رَجُلٌ يُورَثُ كَلَالَةً﴾ الخ ہے پھر جب لوگوں نے حضور ﷺ سے سوال کیا تو وہ آیت اتری جو سورۂ نساء کے خاتمہ پر ہے اور شانہ پھینک دیا۔ یہ حدیث مرسل ہے۔ ایک مرتبہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے شانے کے ایک ٹکڑے کو لے کر فرمایا میں کلالہ کے بارے میں آج ایسا فیصلہ کر دوں گا کہ پردہ نشین عورتوں تک کو معلوم رہے' اسی وقت گھر میں سے ایک سانپ نکل آیا

---

[1] [منقطع : تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٨٧٨)] اس کی سند میں ابن سیرین اور حذیفہ کے درمیان انقطاع ہے۔]

[2] [مسند بزار (٢٢٠٦)]

[3] [مرسل : اس میں سعید بن میسب اور عمر بن خطاب کے درمیان ارسال ہے۔]

اور سب لوگ ادھر ادھر ہو گئے، پس آپ نے فرمایا اگر اللہ عزوجل کا ارادہ اس کام کو پورا کرنے کا ہوتا تو اسے پورا کر لینے دیتا۔ ① اس کی اسناد صحیح ہے، مستدرک حاکم میں ہے حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کاش میں تین مسئلے رسول مقبول ﷺ سے دریافت کر لیتا تو مجھے سرخ اونٹوں کے ملنے سے بھی زیادہ محبوب ہوتا۔ ایک تو یہ کہ آپ کے بعد خلیفہ کون ہوگا؟ دوسرے یہ کہ جو لوگ زکوٰۃ کے تو قائل ہیں لیکن کہیں کہ ہم تجھے ادا نہیں کریں گے ان سے لڑنا حلال ہے یا نہیں؟ تیسرے کلالہ کے بارے میں۔ ② ایک اور حدیث میں بجائے زکوٰۃ ادا نہ کرنے والوں کے سودی مسائل کا بیان ہے۔ ③ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے آخری وقت میں نے آپ سے سنا فرماتے تھے قول وہی ہے جو میں نے کہا، تو میں نے پوچھا وہ کیا؟ فرمایا یہ کہ کلالہ وہ ہے جس کی اولاد نہ ہو۔ ایک اور روایت میں ہے حضرت فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میرے اور حضرت صدیق کے درمیان کلالہ کے بارے میں اختلاف ہوا اور بات وہی تھی جو میں کہتا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے سگے بھائیوں اور ماں زاد بھائیوں کو جبکہ وہ جمع ہوں، ثلث میں شریک کیا تھا اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اس کے خلاف تھے۔ ابن جریر میں ہے کہ خلیفۃ المومنین جناب فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک رقعہ پر دادا کے ورثے اور کلالہ کے بارے میں کچھ لکھا پھر استخارہ کیا اور ٹھہرے رہے اور اللہ سے دعا کی کہ پروردگار اگر تیرے علم میں اس میں بہتری ہے تو تو اسے جاری کر دے پھر جب آپ کو زخم لگایا گیا تو آپ نے اس رقعہ کو منگوا کر مٹا دیا اور کسی کو علم نہ ہوا کہ اس میں کیا تحریر تھا پھر خود فرمایا کہ میں نے اس میں دادا کا اور کلالہ کا لکھا تھا اور میں نے استخارہ کیا تھا پھر میرا خیال یہی ہوا کہ تمہیں اسی پر چھوڑ دوں جس پر تم ہو۔ ابن جریر میں ہے میں اس بارے میں ابوبکر رضی اللہ عنہ کے خلاف کرتے ہوئے شرماتا ہوں اور ابوبکر رضی اللہ عنہ کا فرمان تھا کہ کلالہ وہ ہے جس کا ولد و والد نہ ہو۔ ④ اور اسی پر جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ اور ائمہ دین ہیں اور یہی چاروں اماموں اور ساتوں فقہاء کا مذہب ہے اور اسی پر قرآن کریم کی دلالت ہے جیسے کہ باری تعالیٰ عزاسمہ نے اسے واضح کر کے فرمایا اللہ تمہارے لیے کھول کھول کر بیان فرما رہا ہے تاکہ تم گمراہ نہ ہو جاؤ اور اللہ ہر چیز کو خوب جاننے والا ہے، واللہ اعلم۔

الحمد لله سورۂ نساء کی تفسیر ختم ہوئی۔ اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔



---

① [موقوف :تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٨٨٦)]

② [ضعیف ومنقطع :مستدرك حاكم (٣٠٣/٢)] حافظ زبیر علی زئی اسے ضعیف ومنقطع کہتے ہیں۔]

③ [موقوف :مستدرك حاكم (٣٠٤/٢) بیهقی (٢٢٥/٦) مصنف عبد الرزاق (٣٠٢/١٠)] امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔]

④ [تفسیر ابن جریر الطبری (٤٣٩/٩)]

تفسیر سورہ مائدۃ

حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی عضباء کی نکیل تھامے ہوئی تھی جب آپ پر سورۂ مائدہ پوری نازل ہوئی۔ قریب تھا کہ اس بوجھ سے اونٹنی کے بازو ٹوٹ جائیں۔[1] (مسند احمد) اور روایت میں ہے کہ اس وقت آپ سفر میں تھے، وحی کے بوجھ سے یہ معلوم ہوتا تھا کہ گویا اونٹنی کی گردن ٹوٹ گئی۔[2] (ابن مردویہ) اور روایت میں ہے کہ جب اونٹنی کی طاقت سے زیادہ بوجھ ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سے اتر گئے۔[3] (مسند احمد) ترمذی شریف کی روایت میں ہے کہ سب سے آخری سورت جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر اتری وہ سورۂ ﴿اِذَا جَآءَ نَصْرُ اللّٰهِ﴾ الخ ہے۔[4] مستدرک حاکم میں ہے حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں، میں حج کے لیے گیا وہاں حضرت اماں عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ نے مجھ سے فرمایا تم سورۂ مائدہ پڑھا کرتے ہو؟ میں نے کہا ہاں فرمایا سنو سب سے آخری یہی سورت نازل ہوئی ہے اس میں جس چیز کو حلال پاؤ، حلال ہی سمجھو اور اس میں جس چیز کو حرام پاؤ حرام ہی جانو۔[5] مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے۔ اس میں یہ بھی ہے کہ پھر میں نے اماں محترمہ رضی اللہ عنہا سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کی نسبت سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق قرآن کا عملی نمونہ تھے۔ یہ روایت نسائی شریف میں بھی ہے۔[6]

---

[1] [**حسن لغیرہ**: مسند احمد (٦/٤٥٥) طبرانی کبیر (٢٤/١٧٨)] احمد شاکر نے اس روایت کو صحیح کہا ہے۔ [عمدۃ التفسیر (٤/٦١)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اگرچہ اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم اور شھر بن حوشب راوی ضعیف ہے مگر یہ حسن لغیرہ ہے۔ [الموسوعۃ الحدیثیۃ (٢٧٥٧٥)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[2] [**ضعیف**: ابن ابی شیبۃ فی مسندہ (٦٦٠) ابن الأثیر فی اسد الغابۃ (٦/٣٧٣) الد رالمنثور (٢/٤٤٦) بیھقی فی دلائل النبوۃ (٧/٤٥)] اس کی سند میں اُم عمرو راویہ مجہول ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [**ضعیف**: مسند احمد (٢/١٧٦)] یہ روایت ابن لھیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (٧/١٣)]

[4] [**ضعیف**: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ المائدۃ (٣٠٦٣) مستدرك حاكم (٢/٣١١)] امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں جبکہ شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف الاسناد کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی (٥٨٩)]

[5] [**صحیح**: نسائی فی الکبری (١١١٣٨) بیھقی (٧/١٧٢) مستدرك حاكم (٢/٣١١)] امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔]

[6] [**صحیح**: مسند احمد (٦/١٨٨) نسائی فی السنن الکبری (١١١٣٨)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعۃ الحدیثیۃ (٢٥٥٤٧)]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡۤا اَوۡفُوۡا بِالۡعُقُوۡدِ ۬ؕ اُحِلَّتۡ لَکُمۡ بَہِیۡمَۃُ الۡاَنۡعَامِ اِلَّا مَا یُتۡلٰی عَلَیۡکُمۡ غَیۡرَ مُحِلِّی الصَّیۡدِ وَ اَنۡتُمۡ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰہَ یَحۡکُمُ مَا یُرِیۡدُ ① یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تُحِلُّوۡا شَعَآئِرَ اللّٰہِ وَ لَا الشَّہۡرَ الۡحَرَامَ وَ لَا الۡہَدۡیَ وَ لَا الۡقَلَآئِدَ وَ لَاۤ آٰمِّیۡنَ الۡبَیۡتَ الۡحَرَامَ یَبۡتَغُوۡنَ فَضۡلًا مِّنۡ رَّبِّہِمۡ وَ رِضۡوَانًا ؕ وَ اِذَا حَلَلۡتُمۡ فَاصۡطَادُوۡا ؕ وَ لَا یَجۡرِمَنَّکُمۡ شَنَاٰنُ قَوۡمٍ اَنۡ صَدُّوۡکُمۡ عَنِ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ اَنۡ تَعۡتَدُوۡا ۘ وَ تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡبِرِّ وَ التَّقۡوٰی ۪ وَ لَا تَعَاوَنُوۡا عَلَی الۡاِثۡمِ وَ الۡعُدۡوَانِ ۪ وَ اتَّقُوا اللّٰہَ ؕ اِنَّ اللّٰہَ شَدِیۡدُ الۡعِقَابِ ②

(المنزل الثانی (٢) ۔ مدنیۃ ۔ الربع)

رحمت ورحم کرنے والے معبود برحق کے نام سے شروع

اے ایمان والو عہد و پیمان پورے کیا کرو، تمہارے لیے مویشی چوپائے حلال کئے جاتے ہیں بجز ان کے جن کے نام پڑھ سنا دیئے جائیں گے مگر حالت احرام میں شکار کو حلال جاننے والے نہ بننا، یقیناً اللہ جو چاہے حکم کرتا ہے ○ ایمان والو اللہ تعالیٰ کے نشانوں کی بے حرمتی نہ کرو نہ ادب والے مہینوں کی نہ حرم میں قربان ہونے والے جانوروں کی اور نہ ان پٹے والے جانوروں کی جو کعبے کو جا رہے ہوں اور نہ ان لوگوں کی جو بیت اللہ کے قصد سے اپنے رب کے فضل اور اس کی رضا جوئی کی نیت سے جا رہے ہوں ہاں جب تم احرام اتار ڈالو تو شکار کھیل سکتے ہو، جن لوگوں نے تمہیں مسجد حرام سے روکا، ان کی دشمنی تمہیں اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم حد سے گذر جاؤ، نیکی اور پرہیز گاری میں ایک دوسرے کی امداد کرتے رہو، گناہ اور ظلم وزیادتی میں مدد نہ کرو اللہ سے ڈرتے رہا کرو، بے شبہ اللہ تعالیٰ سخت سزا دینے والا ہے ○

ایفائے عہد کی تلقین: ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا: آپ مجھے خاص نصیحت کیجیے۔ آپ نے فرمایا: "جب تو قرآن میں لفظ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ سن لے تو فوراً کان لگا کر دل سے متوجہ ہو جا، کیونکہ اس کے بعد کسی نہ کسی بھلائی کا حکم ہوگا یا کسی نہ کسی برائی سے ممانعت ہوگی"۔ [1] حضرت زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جہاں کہیں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو کوئی حکم دیا ہے اس حکم میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہیں"۔ حضرت خیثمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ توراۃ میں بجائے ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ کے ﴿یٰۤاَیُّہَا الۡمَسَاکِیۡنُ﴾ ہے۔ ایک روایت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے نام سے بیان کی جاتی ہے کہ جہاں کہیں لفظ ﴿یٰۤاَیُّہَا الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا﴾ ہے، ان تمام مواقع پر ان سب ایمان والوں کے سردار و شریف اور امیر حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں، اصحاب رضی اللہ عنہم رسول میں سے ہر ایک کو ڈانٹا گیا ہے بجز حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ کے کہ انہیں کسی امر میں نہیں ڈانٹا گیا، یاد رہے کہ یہ اثر بالکل بے دلیل ہے۔ اس کے الفاظ منکر ہیں اور اس کی سند بھی صحیح نہیں۔ حضرت امام

[1] [ضعیف ومنقطع: تفسیر ابن ابی حاتم (١٩٦/١)، (١٠٧٣)] عوف اور ابن مسعود کے درمیان انقطاع ہے۔]

بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا راوی عیسیٰ بن راشد مجہول اس کی روایت منکر ہے۔ میں کہتا ہوں اسی طرح اس کا دوسرا راوی علی بن بذیمہ گو ثقہ ہے مگر اعلیٰ درجہ کا شیعہ ہے۔ پھر بھلا اس کی ایسی روایت جو اس کے اپنے خاص خیالات کی تائید میں ہو کیسے قبول کی جاسکے گی؟ یقیناً وہ اس میں نا قابل قبول ٹھہرے گا اس روایت میں یہ کہا گیا ہے کہ تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو بجز حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ڈانٹا گیا اس سے مراد ان کی وہ آیت ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ نکالنے کا حکم دیا تھا پس ایک سے زیادہ مفسرین نے کہا ہے کہ اس پر عمل صرف حضرت علی رضی اللہ عنہ ہی نے کیا اور پھر یہ فرمان اترا کہ ﴿ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا﴾ [1] الخ، لیکن یہ غلط ہے کہ اس آیت میں صحابہ رضی اللہ عنہم کو ڈانٹا گیا بلکہ دراصل یہ حکم بطور واجب کے تھا ہی نہیں اختیاری امر تھا۔ پھر اس پر عمل ہونے سے پہلے ہی اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ کر دیا۔ پس حقیقتاً کسی سے اس کے خلاف عمل سرزد ہی نہیں ہوا۔ پھر یہ بات بھی غلط ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کسی بات میں ڈانٹا نہیں گیا۔ سورۂ انفال کی آیت ملاحظہ ہو جس میں ان تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کو ڈانٹا گیا ہے جنہوں نے بدری قیدیوں سے فدیہ لے کر انہیں چھوڑ دینے کا مشورہ دیا تھا دراصل سوائے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے باقی تمام صحابہ رضی اللہ عنہم کا مشورہ یہی تھا پس یہ ڈانٹ بجز حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے باقی سب کو ہے جن میں حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی شامل ہیں پس یہ تمام باتیں اس امر کی کھلی دلیل ہیں کہ یہ اثر بالکل ضعیف اور بودا ہے واللہ اعلم۔ ابن جریر میں حضرت محمد بن مسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو کتاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھوا کر دی تھی جبکہ انہیں نجران بھیجا تھا اس کتاب کو میں نے ابوبکر بن حزم کے پاس دیکھا تھا اور اسے پڑھا تھا اس میں اللہ اور رسول کے بہت سے احکام تھے اس میں ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ﴾ سے ﴿اِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ﴾ تک بھی لکھا ہوا تھا۔ [2] ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے پوتے حضرت ابوبکر بن محمد رحمہ اللہ نے فرمایا ہمارے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ کتاب ہے جسے آپ نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو لکھ کر دی تھی جبکہ انہیں یمن والوں کو دینی سمجھ اور حدیث سکھانے کے لیے اور ان سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے یمن بھیجا تھا اس وقت یہ کتاب لکھ کر دی تھی اس میں عہد و پیمان اور حکم احکام کا بیان ہے۔ اس میں بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کے بعد لکھا ہے یہ کتاب ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ایمان والو وعدوں کو اور عہد و پیمان کو پورا کرو یہ عہد محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کے لیے ہے جبکہ انہیں یمن بھیجا انہیں اپنے تمام کاموں میں اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہنے کا حکم ہے یقیناً اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ ہے جو اس سے ڈرتے رہیں اور جو احسان خلوص اور نیکی کریں۔ [3] حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ فرماتے ہیں ''عقود سے مراد عہد ہے''۔ ابن جریر اس پر اجماع بتاتے ہیں۔ خواہ قسمیہ عہد و پیمان ہو یا اور وعدے ہوں سب کو پورا کرنا فرض ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ بھی مروی ہے کہ ''عہد کو پورا کرنے میں اللہ کے حلال کو حلال جاننا اس کے حرام کو حرام جاننا اس کے فرائض کی پابندی کرنا اس کی حد بندی کی نگہداشت کرنا بھی ہے کسی بات کا

---

[1] [سورہ المجادلہ : آیت ١٣]
[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٠٩١٨)]
[3] [حسن: دلائل النبوۃ للبیہقی (٤١٣/٥)]

خلاف نہ کرو' کسی حد کو نہ توڑو' کسی حرام کام کو نہ کرو' اس پر سختی بہت ہے۔ پڑھو آیت ﴿وَالَّذِينَ يَنقُضُونَ عَهْدَ اللهِ﴾ کو ﴿سُوءُ الدَّارِ﴾ [1] تک''۔ حضرت ضحاک رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ کے حلال کو' اس کے حرام کو' اس کے وعدوں کو' جو ایمان کے بعد ہر مومن کے ذمہ آ جاتے ہیں پورا کرنا اللہ کی طرف سے فرض ہے' فرائض کی پابندی' حلال و حرام کی عقیدت مندی وغیرہ وغیرہ'' حضرت زید بن اسلم رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''یہ چھ عہد ہیں' اللہ کا عہد' آپس کی یگانگت کا قسمیہ عہد' شرکت کا عہد' تجارت کا عہد' نکاح کا عہد' اور قسمیہ وغیرہ'' محمد بن کعب رحمہ اللہ کہتے ہیں ''پانچ ہیں' جن میں جاہلیت کے زمانہ کی قسمیں ہیں اور شرکت تجارت کے عہد و پیمان ہیں' جو لوگ کہتے ہیں کہ خرید و فروخت پوری ہو چکنے کے بعد گو اب تک خریدار اور بیچنے والے ایک دوسرے سے جدا نہ ہوئے ہوں تاہم واپس لوٹانے کا اختیار نہیں وہ اپنی دلیل اس آیت کو بتلاتے ہیں''۔ امام ابوحنیفہ اور امام مالک رحمہما اللہ کا یہی مذہب ہے' لیکن امام شافعی اور امام احمد رحمہما اللہ اس کے خلاف ہیں اور جمہور علماء کرام بھی اس کے مخالف ہیں' اور دلیل میں وہ صحیح حدیث پیش کرتے ہیں جو صحیح بخاری مسلم میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''خرید و فروخت کرنے والوں کو سودے کے واپس لینے دینے کا اختیار ہے جب تک کہ جدا جدا نہ ہو جائیں''۔ [2] صحیح بخاری شریف کی ایک روایت میں یوں بھی ہے کہ ''جب دو شخصوں نے خرید و فروخت کر لی تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے سے علیحدہ ہونے تک اختیار باقی ہے۔ [3] یہ حدیث صاف اور صریح ہے کہ یہ اختیار خرید و فروخت پورے ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ ہاں اسے بیع کے لازم ہو جانے کے خلاف نہ سمجھا جائے بلکہ یہ شرعی طور پر اسی کا مقتضی ہے' پس اسے نبھانا بھی اسی آیت کے ماتحت ضروری ہے۔ پھر فرماتا ہے مویشی چوپائے تمہارے لیے حلال کیے گئے ہیں یعنی اونٹ' گائے' بکری۔ ابوالحسن' قتادہ رحمہما اللہ وغیرہ کا یہی قول ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''عرب میں ان کے لغت کے مطابق بھی یہی ہے'' حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ بہت سے بزرگوں نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ جس حلال مادہ کو ذبح کیا جائے اور اس کے پیٹ میں سے بچہ نکلے گو وہ مردہ ہو پھر بھی حلال ہے۔ ابو داؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ اونٹنی' گائے' بکری ذبح کی جاتی ہے' ان کے پیٹ سے بچہ نکلتا ہے تو ہم اسے کھالیں یا پھینک دیں۔ آپ نے فرمایا ''اگر چاہو کھا لو' اس کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے''۔ [4] امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن کہتے ہیں'

---

[1] [سورہ الرعد : آیت ٢٥]

[2] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب اذا لم یوقت الخیار هل یجوز البیع (٢١٠٩) صحیح مسلم : کتاب البیوع : باب ثبوت خیار المجلس (١٥٣١) ابوداؤد : کتاب الاجارة : باب فی خیار المتبایعین (٣٤٥٤) نسائی (٤٤٦٩) مسند احمد (٧٣/٢)]

[3] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب البیعان بالخیار مالم یتفرقا (٢١١١)]

[4] [**صحیح** : ابوداؤد : کتاب الضحایا : باب ماجآء فی ذکاة الجنین (٢٨٢٧) ترمذی : کتاب الصید : باب ماجآء فی ذکاة الجنین (١٤٧٦) ابن ماجه : کتاب الذبائح : باب ذکاة الجنین ذکاة امه (٣١٩٩) مسند ابو یعلی (٩٩٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود ، ارواء الغلیل (٢٥٣٩)]

ابوداؤد میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں ''پیٹ کے اندر والے بچے کا ذبیحہ اس کی ماں کا ذبیحہ ہے''۔ [1] پھر فرماتا ہے مگر وہ جن کا بیان تمہارے سامنے کیا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''اس سے مطلب مردار' خون اور خنزیر کا گوشت ہے''۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''مراد اس سے از خود مرا ہوا جانور اور وہ جانور ہے جس کے ذبیحہ پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو'' پورا علم تو اللہ تعالیٰ کو ہی ہے لیکن بہ ظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس سے مراد اللہ کا فرمان ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ الخ ہے یعنی تم پر مردار اور خون اور خنزیر کا گوشت اور ہر وہ چیز جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر منسوب و مشہور کی جائے اور جو گلا گھونٹنے سے مر جائے' اور جو کسی ضرب سے مر جائے، اونچی جگہ سے گر کر مر جائے اور کسی ٹکر لگنے سے مر جائے' جسے درندہ کھانے لگے پس یہ بھی گو مویشیوں چوپایوں میں سے ہیں لیکن ان وجوہ سے وہ حرام ہو جاتے ہیں اسی لیے اس کے بعد فرمایا لیکن جس کو ذبح کر ڈالو۔ جو جانور پرستش گاہوں پر ذبح کیا جائے' وہ بھی حرام ہے اور ایسا حرام کہ اس میں سے کوئی چیز حلال نہیں' اسی لیے اس سے استدراک نہیں کیا گیا اور حلال کے ساتھ اس کا کوئی فرد ملایا نہیں گیا' پس یہاں یہی فرمایا جا رہا ہے کہ چوپائے مویشی تم پر حلال ہیں لیکن وہ جن کا ذکر ابھی آئے گا۔ جو بعض احوال میں حرام ہیں' اس کے بعد کا جملہ حالیت کی بنا پر منصوب ہے۔ مراد انعام سے عام ہے بعض تو وہ جو انسانوں میں رہتے پلتے ہیں' جیسے اونٹ' گائے' بکری اور بعض وہ جو جنگلی ہیں جیسے ہرن' نیل گائے اور جنگلی گدھے۔ پس پالتو جانوروں میں سے تو ان کو مخصوص کر لیا جو بیان ہوئے اور وحشی جانوروں میں سے احرام کی حالت میں کسی کو بھی شکار کرنا ممنوع قرار دیا' یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے ''ہم نے تمہارے لیے چوپائے جانور ہر حال میں حلال کئے ہیں پس تم احرام کی حالت میں شکار کھیلنے سے رک جاؤ اور اسے حرام جانو'' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے جس طرح اس کے تمام احکام سراسر حکمت سے پر ہیں، اسی طرح اس کی ہر ممانعت میں بھی حکمت ہے، اللہ وہ حکم فرماتا ہے جو ارادہ کرتا ہے۔ ایماندارو! رب کی نشانیوں کی توہین نہ کرو، یعنی مناسک حج، صفا، مروہ، قربانی کے جانور، اونٹ اور اللہ کی حرام کردہ ہر چیز' حرمت والے مہینوں سمیت کسی کی توہین نہ کرو، ان کا ادب کرو، ان کا لحاظ رکھو، ان کی عظمت کو مانو اور ان میں خصوصیت کے ساتھ اللہ کی نافرمانیوں سے بچو۔ اور ان مبارک اور محترم مہینوں میں اپنے دشمنوں سے از خود لڑائی نہ چھیڑو۔ جیسے ارشاد ہے ﴿يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ﴾ [2] الخ' اے نبی! لوگ تم سے حرمت والے مہینوں میں جنگ کرنے کا حکم پوچھتے ہیں تم ان سے کہو کہ ان میں لڑائی کرنا بڑا گناہ ہے۔ اور آیت میں ہے مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک بارہ ہے الخ۔ صحیح بخاری شریف میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا ''زمانہ گھوم گھام کر ٹھیک اسی طرز پر آ گیا ہے جس پر وہ اس وقت تھا، جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ سال بارہ ماہ کا ہے' جن میں سے چار ماہ حرمت والے ہیں۔ تین تو یکے بعد دیگرے ذوالقعدہ، ذوالحجہ، اور محرم اور چوتھا

---

[1] [صحیح: ابوداؤد (٢٨٢٨) دارمی (١٩٨٥) دارقطنی (٢٧٣/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[2] [سورۃ البقرہ : آیت ٢١٧]

رجب، جسے قبیلے مضر رجب کہتا ہے جو جمادی الآخر اور شعبان کے درمیان ہے۔" ① اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ان مہینوں کی حرمت تا قیامت ہے جیسے کہ سلف کی ایک جماعت کا مذہب ہے آیت کی تفسیر میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما وغیرہ سے یہ مروی ہے کہ ان "مہینوں میں لڑائی کرنا حلال نہ کر لیا کرو"۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ یہ حکم منسوخ ہے اور حرمت والے مہینوں میں بھی دشمنان اسلام سے جہاد کی ابتدا کرنا بھی جائز ہے۔ ان کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے ﴿فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدْتُّمُوۡهُمۡ﴾ ② یعنی جب حرمت والے مہینے گذر جائیں تو مشرکین کو قتل کرو جہاں پاؤ۔ اور مراد یہاں ان چار مہینوں کا گذر جانا ہے، جب چار مہینے گذر چکے جو اس وقت تھے، تو اب ان کے بعد برابر جہاد جاری ہے اور قرآن نے پھر کوئی مہینہ خاص نہیں کیا، بلکہ امام ابوجعفر تو اس پر اجماع نقل کرتے ہیں کہ "اللہ تعالیٰ نے مشرکین سے جہاد کرنا، ہر وقت اور ہر مہینے میں جاری ہی رکھا ہے" آپ فرماتے ہیں کہ اس پر بھی اجماع ہے کہ "اگر کوئی کافر حرم کے تمام درختوں کی چھال اپنے اوپر لپیٹ لے تب بھی اس کے لیے امن وامان نہ سمجھی جائے گی۔ اگر مسلمان نے از خود اس سے پہلے اسے امن نہ دیا ہو"۔ اس مسئلہ کی پوری بحث یہاں نہیں ہو سکتی۔ پھر فرمایا کہ ((هَدْی)) اور ((قَلاَئِد)) کی بے حرمتی بھی مت کرو۔ یعنی بیت اللہ شریف کی طرف قربانیاں بھیجنا بند نہ کرو، کیونکہ اس میں اللہ کے نشانوں کی تعظیم ہے اور قربانی کے لیے جو اونٹ بیت الحرام کی طرف بھیجو، ان کے گلے میں بطور نشان پٹا ڈالنے سے بھی نہ رکو۔ تا کہ اس نشان سے ہر کوئی پہچان لے کہ یہ جانور اللہ کے لیے اللہ کی راہ کے لیے وقف ہو چکا ہے اب اسے کوئی برائی سے ہاتھ نہ لگائے بلکہ اسے دیکھ کر دوسروں کو بھی شوق پیدا ہو گا کہ ہم بھی اس طرح اللہ کے نام جانور بھیجیں، اور اس صورت میں تمہیں اس کی نیکی پر بھی اجر ملے گا کیونکہ جو شخص دوسروں کو ہدایت کی طرف بلائے اسے بھی وہ اجر ملے گا، جو اس کی بات مان کر اس پر عمل کرنے والوں کو ملتا ہے۔ یہ بھی خیال رہے اللہ تعالیٰ ان کے اجر کو کم کر کے اسے نہیں دے گا بلکہ اسے اپنے پاس سے عطا فرمائے گا۔ آنحضرت ﷺ جب حج کے لیے نکلے تو آپ نے وادی عقیق یعنی ذوالحلیفہ میں رات گذاری، صبح اپنی نو بیویوں کے پاس گئے، پھر غسل کر کے خوشبو ملی اور دو رکعت نماز ادا کی اور اپنی قربانی کے جانور کے کوہان پر نشان کیا اور گلے میں پٹہ ڈالا اور حج اور عمرے کا احرام باندھا۔ قربانی کے لیے آپ نے بہت خوش رنگ مضبوط اور نوجوان اونٹ ساٹھ سے اوپر اوپر اپنے ساتھ لیے تھے، جیسے کہ قرآن کا فرمان ہے جو شخص اللہ کے احکام کی تعظیم کرے اس کا دل تقوے والا ہے۔ بعض سلف کا فرمان ہے کہ "تعظیم یہ بھی ہے کہ قربانی کے جانوروں کو اچھی طرح رکھا جائے اور انہیں خوب کھلایا جائے اور مضبوط اور موٹا کیا جائے"۔ حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "ہمیں رسول اللہ ﷺ نے حکم دیا کہ ہم قربانی کے جانوروں کی آنکھیں اور کان دیکھ بھال

---

① [صحیح: صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب ماجآء فی سبع ارضین (٣١٩٧) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب تغليظ تحريم الدماء والاعراض والاموال (١٦٧٩)]

② [سورہ التوبہ: آیت ٥]

کر خریدیں"۔ ① (رواہ اہل السنن) مقاتل بن حیان رحمہ اللہ فرماتے ہیں "جاہلیت کے زمانے میں جب یہ لوگ اپنے وطن سے نکلتے تھے اور حرمت والے مہینے نہیں ہوتے تھے تو یہ اپنے اوپر بالوں اور اون کو لپیٹ لیتے تھے اور حرم میں رہنے والے مشرک لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں اپنے جسم پر باندھ لیتے تھے' اس سے عام لوگ انہیں امن دیتے تھے اور ان کو مارتے پیٹتے نہ تھے"۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بروایت حضرت مجاہد رحمہ اللہ مروی ہے کہ اس سورت کی دو آیتیں منسوخ ہیں" آیت قلائد اور یہ آیت ﴿فَاِنْ جَآؤُكَ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ اَوْ اَعْرِضْ عَنْهُمْ﴾ ② لیکن حضرت حسن رحمہ اللہ سے جب سوال ہوتا ہے کہ "کیا اس سورت میں سے کوئی آیت منسوخ ہوئی ہے؟" تو آپ فرماتے ہیں "نہیں"۔ حضرت عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "وہ لوگ حرم کے درختوں کی چھالیں لٹکا لیا کرتے تھے اور اس سے انہیں امن ملتا تھا' پس اللہ تعالیٰ نے حرم کے درختوں کو کاٹنا منع فرما دیا"۔ پھر فرماتا ہے "جو لوگ بیت اللہ کے ارادے سے نکلے ہوں' ان سے لڑائی مت لڑو۔ یہاں جو آئے وہ امن میں پہنچ گیا' پس جو اس کے قصد سے چلا ہے اس کی نیت اللہ کے فضل کی تلاش اور اس کی رضامندی کی جستجو ہے تو اب اسے ڈر' خوف کے دباؤ میں نہ رکھو' اس کی عزت اور ادب کرو اور اسے بیت اللہ سے نہ روکو"۔ بعض کا قول ہے کہ "اللہ کا فضل تلاش کرنے سے مراد تجارت ہے" جیسے اس آیت میں ہے ﴿لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ ③ یعنی زمانہ حج میں تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ نہیں۔ رضوان سے مراد حج کرنے میں اللہ کی مرضی کو تلاش کرنا ہے۔ ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں "یہ آیت حطم بن ہند بکری کے بارے میں نازل ہوئی ہے' اس شخص نے مدینہ کی چراگاہ پر دھاوا ڈالا تھا۔ پھر اگلے سال یہ عمرے کے ارادے سے آ رہا تھا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کا ارادہ ہوا کہ اسے راستے میں روکیں' اس پر یہ فرمان نازل ہوا"۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس مسئلہ پر اجماع نقل کیا ہے کہ "جو مشرک مسلمانوں کی امان لیے ہوئے نہ ہو تو چاہے کہ وہ بیت اللہ شریف کے ارادے سے جا رہا ہو یا بیت المقدس کے ارادے سے' اسے قتل کرنا جائز ہے۔ یہ حکم ان کے حق میں منسوخ ہے۔ واللہ اعلم۔ ہاں جو شخص وہاں الحاد پھیلانے کے لیے جا رہا ہو اور شرک و کفر کے ارادے کا قصد کرتا ہو تو اسے روکا جائے گا۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں پہلے مومن و مشرک سب حج کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی ممانعت تھی کہ کسی مومن کافر کو نہ روکو لیکن اس کے بعد یہ آیت اتری کہ ﴿اِنَّمَا الْمُشْرِكُوْنَ نَجَسٌ فَلَا يَقْرَبُوا الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ بَعْدَ عَامِهِمْ هٰذَا﴾ ④ یعنی مشرکین سراسر نجس ہیں اور وہ اس سال کے بعد مسجد حرام کے پاس بھی نہ آئیں۔ اور فرمان ہے

---

① [صحیح: ابوداؤد: کتاب الضحایا: باب ما یکرہ من الضحایا (٢٨٠٤) ترمذی: کتاب الاضاحی: باب مایکرہ من الاضاحی (١٤٩٨) ابن ماجہ: کتاب الاضاحی: باب مایکرہ ان یضحی بہ (٣١٤٢) نسائی: کتاب الضحایا: باب المقابلة وھی ما قعی طرف اذنھا (٤٣٧٧) مسند احمد (١/١٢٥)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے روایت کے مذکورہ الفاظ کو صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود، ارواء الغلیل (٤/٣٦٢)]

② [سورہ المائدہ: آیت ٤٢] ③ [سورہ البقرہ: آیت ١٩٨]

④ [سورہ التوبہ: آیت ٢٨]

﴿مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسَاجِدَ اللّٰهِ﴾ [1] یعنی مشرکین اللہ کی مسجدوں کو آباد رکھنے کے ہرگز اہل نہیں ۔فرمان ہے ﴿اِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللّٰهِ مَنْ آمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الآخِرِ﴾ [2] یعنی اللہ کی مسجدوں کو تو صرف وہی آباد رکھ سکتے ہیں جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان رکھتے ہوں ۔ پس مشرکین مسجدوں سے روک دیئے گئے ۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ﴿وَلاَ الْقَلاَئِدَ وَلاَ آمِّيْنَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ﴾ منسوخ ہے' جاہلیت کے زمانہ میں جب کوئی شخص اپنے گھر سے حج کے ارادے سے نکلتا تو وہ درخت کی چھال وغیرہ باندھ لیتا تو راستے میں اسے کوئی نہ ستاتا' پھر لوٹتے وقت بالوں کا ہار ڈال لیتا اور محفوظ رہتا اس وقت تک مشرکین بیت اللہ سے روکے نہ جاتے تھے' اب مسلمانوں کو حکم دیا گیا کہ وہ حرمت والے مہینوں میں نہ لڑیں اور نہ بیت اللہ کے پاس لڑیں' پھر اس حکم کو اس آیت نے منسوخ کر دیا کہ مشرکین سے لڑو جہاں کہیں انہیں پاؤ'' ۔ابن جریر رحمہ اللہ کا قول ہے کہ قلائد سے مراد یہ ہے جو ہار وہ حرم سے گلے میں ڈال لیتے تھے اور اس کی وجہ سے امن میں رہتے تھے' عرب میں اس کی تعظیم برابر چلی آ رہی تھی اور جو اس کے خلاف کرتا تھا اسے بہت برا کہا جاتا تھا اور شاعر اس کو ہجو کرتے تھے'' پھر فرماتا ہے'' جب تم احرام کھول ڈالو تو شکار کر سکتے ہو'' ۔احرام میں شکار کی ممانعت تھی' اب احرام کے بعد پھر اس کی اباحت ہوگئی جو حکم ممانعت کے بعد ہو اس حکم سے وہی ثابت ہوتا ہے جو ممانعت سے پہلے اصل میں تھا۔یعنی اگر وجوب اصلی تھا تو ممانعت کے بعد کا امر بھی وجوب کے لیے ہوگا۔اور اسی طرح مستحب ومباح کے بارے میں ۔گو بعض نے کہا ہے کہ ایسا امر وجوب کے لیے ہی ہوتا ہے اور بعض نے کہا ہے' صرف مباح ہونے کے لیے ہی ہوتا ہے لیکن دونوں جماعتوں کے خلاف قرآن کی آیتیں موجود ہیں ۔ پس صحیح مذہب جس سے تمام دلیلیں مل جائیں وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا اور بعض علماء اصول نے بھی اسے ہی اختیار کیا ہے واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے' جس قوم نے تمہیں حدیبیہ والے سال مسجد حرام سے روکا تھا تو تم ان سے دشمنی باندھ کر قصاص پر آمادہ ہو کر اللہ کے حکم سے آگے بڑھ کر ظلم وزیادتی پر نہ اتر آنا ، بلکہ تمہیں کسی وقت بھی عدل کو ہاتھ سے نہ چھوڑنا چاہیے۔اسی طرح کی وہ آیت بھی ہے جس میں فرمایا ہے'' تمہیں کسی قسم کی عداوت خلاف عدل کرنے پر آمادہ نہ کر دے ۔عدل کیا کرو' عدل ہی تقوے سے زیادہ قریب ہے'' ۔بعض سلف کا قول ہے کہ'' گو کوئی تجھ سے تیرے بارے میں اللہ کی نافرمانی کرے لیکن تجھے چاہیے کہ تو اس کے بارے میں اللہ کی فرمانبرداری ہی کرے ۔عدل ہی کی وجہ سے آسمان وزمین قائم ہے'' ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اور آپ کے اصحاب رضی اللہ عنہم کو جبکہ مشرکین نے بیت اللہ کی زیارت سے روکا اور حدیبیہ سے آگے بڑھنے ہی نہ دیا' اسی رنج وغم میں صحابہ رضی اللہ عنہم واپس آ رہے تھے جو مشرقی مشرک مکہ جاتے ہوئے انہیں ملے تو ان کا ارادہ ہوا کہ جیسے ان کے گروہوں نے ہمیں روکا ہم بھی انہیں ان تک نہ جانے دیں ۔ [3] اس پر یہ آیت اتری ۔شَنَآنُ کے معنی بغض کے ہیں بعض عرب اسے شَنَآنْ بھی کہتے ہیں لیکن کسی قاری

---

[1] [سورہ التوبہ: آیت ١٧] [2] [سورہ التوبہ: آیت ١٨]

[3] [ضعیف و مرسل : تفسیر ابن جریر الطبری (٤٧٨/٩)]

کی یہ قرات مروی نہیں' ہاں عربی شعروں میں شــنـان بھی آیا ہے' پھر اللہ تعالیٰ اپنے ایمان والے بندوں کو نیکی کے کاموں پر ایک دوسرے کی تائید کرنے کو فرماتا ہے' بر کہتے ہیں نیکیاں کرنے کو اور تقویٰ کہتے ہیں برائیوں کو چھوڑنے کو۔ اور انہیں منع فرماتا ہے گناہوں اور حرام کاموں پر کسی کی مدد کرنے کو' ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں۔ جس کام کے کرنے کا اللہ کا حکم ہو اور انسان اسے نہ کرے' یہ اثم ہے اور دین میں جو حدیں اللہ نے مقرر کر دی ہیں جو فرائض اپنی جان یا دوسروں کے بارے میں جناب باری نے مقرر فرمائے ہیں' ان سے آگے نکل جانا عُدْوَانَ ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے ''اپنے بھائی کی مدد کر' خواہ وہ ظالم ہو خواہ مظلوم ہو'' تو حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ ''یا رسول اللہ ﷺ مظلوم ہونے کی صورت میں مدد کرنا ٹھیک ہے لیکن ظالم ہونے کی صورت میں کیسے مدد کریں؟'' فرمایا ''اسے ظلم نہ کرنے دو' ظلم سے روک لو' یہی اس وقت کی اس کی مدد ہے'' یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے' [1] مسند احمد میں ہے ''جو مسلمان لوگوں سے ملے جلے اور ان کی ایذاؤں پر صبر کرے وہ اس مسلمان سے بڑے اجر والا ہے' جو نہ لوگوں سے ملے جلے' نہ ان کی ایذاؤں پر صبر کرے'' [2] مسند بزار میں ہے: ((اَلـــــدَّالُ عَـلَـى الْـخَيْـرِ كَفَاعِلِهٖ)) یعنی جو شخص کسی بھلی بات کی دوسرے کو ہدایت کرے وہ اس بھلائی کے کرنے والے جیسا ہی ہے''۔ [3] امام ابوبکر بزار رحمہ اللہ اسے بیان فرما کر فرماتے ہیں کہ ''یہ حدیث صرف اسی ایک سند سے مروی ہے''۔ لیکن میں کہتا ہوں اس کی شاہد یہ صحیح حدیث ہے کہ جو شخص ہدایت کی طرف لوگوں کو بلائے' اسے ان تمام کے برابر ثواب ملے گا جو قیامت تک آئیں گے اور اس کی تابعداری کریں گے۔ لیکن ان کے ثواب میں سے گھٹا کر نہیں' اور جو شخص کسی کو برائی کی طرف چلائے تو قیامت تک جتنے لوگ اس برائی کو کریں گے۔ ان سب کا جتنا گناہ ہوگا وہ سارا اس اکیلے کو ہوگا۔ لیکن ان کے گناہ گھٹا کر نہیں۔ [4] طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''جو شخص کسی ظالم کے ساتھ جائے تا کہ اس کی اعانت و امداد کرے اور وہ جانتا ہے کہ یہ ظالم ہے وہ یقیناً دین اسلام سے خارج ہو جاتا ہے''۔ [5]

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٣/٩٩) صحیح بخاری : کتاب الاکراہ : باب یمین الرجل لصاحبه (٦٩٥٢)]

[2] [صحیح: مسنـد احـمـد (٥/٣٦٥) الادب المفرد (٣٨٨) ترمذی : کتاب صفة القیامة (٢٥٠٧) ابن مـاجه : کتاب الفتن (٤٠٣٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (٩٣٦)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ شعیب ارناؤوط، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [حسن صحیح: مسنـد بـزار (١٥٤) ترمذی : کتاب العلم : باب ماجآء أن الـدال عـلى الخير كفاعله (٢٦٧٠)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی ، السلسلة الصحیحة (١٦٦٠)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح: صـحیح مسـلـم : کتاب العلم : باب من سن سنة حسنة أو سیئة (٢٦٧٤) ابو داؤد : کتاب السنة : باب من دعا الی السنة (٤٦٠٩) ابن ماجه: مقدمة : باب من سن سنة حسنة او سیئة (٢٠٦)]

[5] [ضعیف جدا: طبـرانی کبیـر (٦١٩) جامع المسانید (١/٤٢٧) الترغیب و الترهیب (٣/١٤٣)] امام منذریؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ اس میں عاش بن موسیٰ راوی مجہول ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الترغیب (١٣٦٢) ضعیف الجامع الصغیر (٥٨٥٩) السلسلة الضعیفة (٥٣٦٧)]

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيرِ وَمَآ أُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ أَكَلَ السَّبُعُ إِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۚ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَأَنْ تَسْتَقْسِمُوا بِالْأَزْلَامِ ۚ ذٰلِكُمْ فِسْقٌ ۗ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِنْ دِينِكُمْ فَلَا تَخْشَوْهُمْ وَاخْشَوْنِ ۚ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي وَرَضِيتُ لَكُمُ الْإِسْلَامَ دِينًا ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ فِي مَخْمَصَةٍ غَيْرَ مُتَجَانِفٍ لِإِثْمٍ ۙ فَإِنَّ اللّٰهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ③

تم پر مردار حرام کیا گیا اور خون اور خنزیر کا گوشت اور جو اللہ کے سوا دوسرے کے نام پر مشہور کیا گیا ہو اور جو گلا گھٹنے سے مرا ہو اور جو کسی ضرب سے مر گیا ہو اور جو اونچے سے گر کر مرا ہو اور جو کسی ٹکر سے مرا ہو اور جسے درندوں نے پھاڑ کھایا ہو لیکن اگر اسے تم ذبح کر ڈالو تو حرام نہیں' اور جو پرستش گاہوں پر چڑھایا گیا ہو تم پر حرام کیا جاتا ہے قرعہ کے تیروں کے ذریعہ تقسیم کرنا' یہ سب بدترین گناہ ہیں' آج کفار تمہارے دین سے ناامید ہو گئے خبردار تم ان سے نہ ڈرنا اور مجھ سے ڈرتے رہا کرنا' آج میں نے تمہارے لیے دین کو کامل کر دیا اور تمہیں اپنا انعام بھرپور دے دیا اور تمہارے لیے اسلام کے دین ہونے پر میں رضامند ہو گیا' پس جو شخص شدت کی بھوک میں بیقرار ہو جائے بشرطیکہ کسی گناہ کی طرف اس کا میلان نہ ہو تو یقیناً اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا اور بہت بڑا مہربان ہے ○

حلال وحرام کا بیان: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ ان کا بیان فرما رہا ہے جن کا کھانا اس نے حرام کیا ہے' یہ خبر ان چیزوں کے نہ کھانے کے حکم میں شامل ہے۔ میتـــہ وہ ہے جو از خود اپنے آپ مر جائے' نہ تو اسے ذبح کیا جائے' نہ شکار کیا جائے۔ اس کا کھانا اس لیے حرام کیا گیا کہ اس کا وہ خون جو مضر ہے اسی میں رہ جاتا ہے' ذبح کرنے سے تو بہہ جاتا ہے اور یہ خون دین اور بدن کو مضر ہے' ہاں یہ یاد رہے کہ ہر مردار حرام ہے مگر مچھلی نہیں۔ کیونکہ موطا مالک' مسند شافعی' مسند احمد' ابوداود' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' صحیح ابن خزیمہ اور صحیح ابن حبان میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سمندر کے پانی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا اس کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ [1] اور اسی طرح ٹڈی بھی گو خود ہی مر گئی ہو' حلال ہے۔ اس کی دلیل کی حدیث آ رہی ہے۔ دم سے مراد دم مسفوح یعنی وہ خون ہے جو بوقت ذبح بہتا ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سوال ہوتا ہے کہ آیا تلی کھا سکتے ہیں؟ آپ فرماتے ہیں ہاں' لوگوں نے کہا وہ تو خون ہے' آپ نے فرمایا ہاں صرف وہ خون حرام ہے جو بوقت

---

[1] **[صحیح]**: ابو داؤد: کتاب الطھارۃ : باب الوضوء بماء البحر (٨٣) نسائی : کتاب المیاہ : باب الوضوء بمآء البحر (٣٣٣) ابن ماجہ : کتاب الطھارۃ : باب الوضوء بمآء البحر (٣٨٦) ترمذی : کتاب الطھارۃ : باب ماجآء فی مآء البحرانہ طھور (٦٩) مؤطا (٥٠/١) مسند احمد (٢٣٧/٢) بخاری فی التاریخ الکبیر (٤٧٨/٣)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلۃ الصحیحۃ (٤٨٠)]

ذبح بہا ہو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا بھی یہی فرماتی ہیں کہ صرف بہا ہوا خون حرام ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ حدیث لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہمارے لیے دو قسم کے مردے اور دو خون حلال کیے گئے ہیں' مچھلی' ٹڈی' کلیجی اور تلی۔ [1] یہ حدیث مسند احمد' ابن ماجہ' دارقطنی اور بیہقی میں بھی بروایت عبدالرحمٰن بن زید بن اسلم رحمہ اللہ مروی ہے اور یہ ضعیف ہیں' حافظ بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''عبدالرحمٰن کے ساتھ ہی اسے اسماعیل بن ادریس اور عبداللہ بھی روایت کرتے ہیں لیکن میں کہتا ہوں یہ دونوں بھی ضعیف ہیں۔ ہاں یہ ضرور ہے کہ ان کے ضعف میں کمی بیشی ہے''۔ سلیمان بن بلال رحمہ اللہ نے بھی اس حدیث کو روایت کیا ہے اور وہ ہیں بھی ثقہ لیکن اس روایت کو بعض نے ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف رکھا ہے۔ حافظ ابوزرعہ رازی رحمہ اللہ فرماتے ہیں زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت صدی بن عجلان سے مروی ہے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قوم کی طرف بھیجا کہ میں انہیں اللہ کی طرف بلاؤں اور احکام اسلام ان کے سامنے پیش کروں۔ میں وہاں پہنچ کر اپنے کام میں مشغول ہو گیا' اتفاقاً ایک روز وہ ایک پیالہ خون کا بھر کر میرے سامنے آ بیٹھے اور حلقہ باندھ کر کھانے کے ارادے سے بیٹھے اور مجھ سے کہنے لگے آؤ سدی تم بھی کھالو میں نے کہا۔ تم غضب کر رہے ہو میں تو ان کے پاس سے آ رہا ہوں جو اس کا کھانا حرام کرتے ہیں' تب تو وہ سب کے سب میری طرف متوجہ ہو گئے اور کہا پوری بات کہو تو میں نے یہی آیت ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ﴾ الخ' پڑھ کر سنادی'' [2] یہ روایت ابن مردویہ میں بھی ہے اس میں اس کے بعد یہ بھی ہے کہ میں وہاں بہت دنوں تک رہا اور انہیں پیغام اسلام پہنچاتا رہا لیکن وہ ایمان نہ لائے' ایک دن جبکہ میں سخت پیاسا ہوا اور پانی بالکل نہ ملا تو میں نے ان سے پانی مانگا اور کہا کہ پیاس کے مارے میرا برا حال ہے' تھوڑا سا پانی پلا دو' لیکن کسی نے مجھے پانی نہ دیا' بلکہ کہا ہم تو تجھے یونہی پیاسا ہی تڑپا تڑپا کر مار ڈالیں گے' میں غمناک ہو کر دھوپ میں تپتے ہوئے انگاروں جیسے سنگریزوں پر اپنا کھردرا کمبل منہ پر ڈال کر اسی سخت گرمی میں میدان میں پڑا رہا' اتفاقاً میری آنکھ لگ گئی تو خواب میں دیکھتا ہوں کہ ایک شخص بہترین جام لیے ہوئے اور اس میں بہترین خوش ذائقہ مزیدار پینے کی چیز لیے ہوئے میرے پاس آیا اور جام میرے ہاتھ میں دے دیا' میں نے خوب پیٹ بھر کر اس میں سے پیا' وہیں آنکھ کھل گئی تو اللہ کی قسم مجھے مطلق پیاس نہ تھی بلکہ اس کے بعد سے لے کر آج تک مجھے کبھی پیاس کی تکلیف ہی نہیں ہوئی' بلکہ یوں کہنا چاہیے کہ پیاس ہی نہیں لگی۔ یہ لوگ میرے جاگنے کے بعد آپس میں کہنے لگے کہ آخر تو یہ تمہاری قوم کا سردار ہے' تمہارا مہمان بن کر آیا ہے' اتنی بے رخی بھی ٹھیک نہیں کہ ایک گھونٹ پانی بھی ہم اسے نہ دیں' چنانچہ اب یہ لوگ میرے پاس کچھ لے کر آئے' میں نے کہا اب تو مجھے کوئی حاجت نہیں' مجھے میرے رب نے کھلا پلا

---

[1] **[صحیح** : مسند احمد (٣/٩٧) مسند شافعی (٦٠٨) بغوی (٢٨٠٣) ابن ماجہ : کتاب الاطعمۃ : باب الکبد والطحال (٣٣١٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلۃ الصحیحۃ (١١١٨)]

[2] **[ضعیف** : طبرانی کبیر (٨٠٧٤)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں بشیر بن سریج راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (٣٨٩/٩)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

دیا' [1] یہ کہہ کر میں نے انہیں اپنا بھرا ہوا پیٹ دکھا دیا' اس کرامت کو دیکھ کر وہ سب کے سب مسلمان ہو گئے۔

اعشٰی نے اپنے قصیدے میں کیا ہی خوب کہا ہے کہ مردار کے قریب بھی نہ ہو اور کسی جانور کی رگ کاٹ کر خون نکال کر نہ پی اور پرستش گاہوں پر چڑھا ہوا نہ کھا اور اللہ کے سوا دوسرے کی عبادت نہ کر' صرف اللہ ہی کی عبادت کیا کر ﴿لَحْمُ الْخِنْزِيْرِ﴾ حرام ہے خواہ وہ جنگلی ہو یا پالتو ہو' لفظ لَحم شامل ہے اس کے تمام اجزاء کو' جس میں چربی بھی داخل ہے پس ظاہر یہ کی طرح تکلّفات کرنے کی کوئی حاجت نہیں کہ وہ دوسری آیت میں سے ﴿فَاِنَّهٗ رِجْسٌ﴾ لے کر ضمیر کا مرجع خنزیر کو بتلاتے ہیں تاکہ اس کے تمام اجزاء حرمت میں آ جائیں۔ درحقیقت یہ لغت سے بعید ہے مضاف الیہ کی طرف ایسے موقعوں پر ضمیر پھرتی ہی نہیں' صرف مضاف ہی ضمیر کا مرجع ہوتا ہے۔ صاف ظاہر بات یہی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو۔ لغت عرب کا مفہوم اور عام عرف یہی ہے۔ صحیح مسلم کی حدیث کے مطابق ''شطرنج کھیلنے والا اپنے ہاتھوں کو سور کے گوشت و خون میں رنگنے والا ہے۔ [2] خیال کیجیے کہ صرف چھونا بھی شرعاً کس قدر نفرت کے قابل ہے' تو پھر کھانے کے لیے بے حد برا ہونے میں کیا شک رہا؟'' اور اس میں یہ دلیل بھی ہے کہ لفظ لحم شامل ہے تمام اجزاء کو خواہ چربی ہو خواہ اور۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے شراب' مردار' خنزیر اور بتوں کی تجارت کی ممانعت کر دی' پوچھا گیا کہ ''یارسول اللہ ﷺ مردار کی چربی کے بارے میں کیا ارشاد ہے؟'' وہ کشتیوں پر چڑھائی جاتی ہے' کھالوں پر لگائی جاتی ہے اور چراغ جلانے کے کام بھی آتی ہے۔ آپ نے فرمایا ''نہیں! نہیں! وہ حرام ہے'' [3] صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ابوسفیان نے ہرقل سے کہا ''وہ (نبی) ہمیں مردار سے اور خون سے روکتا ہے''۔ [4] وہ جانور بھی حرام ہے جس کو ذبح کرنے کے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام لیا جائے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق پر اسے فرض کر دیا وہ اسی کا نام لے کر جانور کو ذبح کرے' پس اگر کوئی اس سے ہٹ جائے اور اس کے نام پاک کے بدلے کسی بت وغیرہ کا نام لے' خواہ وہ مخلوق میں سے کوئی بھی ہو تو یقیناً وہ جانور بالاجماع حرام ہو جائے گا' ہاں جس جانور کے ذبیحہ کے وقت بسم اللہ کہنا رہ جائے' خواہ جان بوجھ کر خواہ بھولے چوکے سے وہ حرام ہے یا حلال؟ اس میں علماء کا اختلاف ہے جس کا بیان سورۂ انعام میں آئے گا۔ حضرت ابوالطفیل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے لے کر آج تک یہ

---

[1] [ضعیف : أیضا]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الشعر : باب تحریم اللعب بالنرد شیر (٢٢٦٠) ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی النھی عن اللعب بالنرد (٤٩٣٩) ابن ماجه : کتاب الادب : باب اللعب بالنرد (٣٧٦٣) مسند احمد (٣٥٢/٥) الادب المفرد (١٢٧١)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب البیوع : باب بیع المیتة والاصنام (٢٢٣٦) و کتاب التفسیر (٤٦٣٣) صحیح مسلم : کتاب المساقاة : باب تحریم بیع الخمر والمیتة (١٥٨١) ترمذی : کتاب البیوع : باب ماجاء فی بیع جلود المیتة (١٢٩٧) ابن ماجه : کتاب التجارات : باب مالا یحل بیعه (٢١٦٧) ابوداؤد : کتاب البیوع : باب فی ثمن الخمر والمیتة (٣٤٨٦) مسند احمد (٣٢٤/٣)]

[4] [یہ الفاظ بخاری میں نہیں بلکہ مسند ابی عوانہ میں ہیں۔[٦٧٣٤] مطبوعہ دار المعرفة ، ٥ مجلدات]

چاروں چیزیں حرام رہیں' کس وقت ان میں سے کوئی بھی حلال نہیں ہوئی ① مردار ② خون ③ سور کا گوشت ④ اور اللہ کے سوا دوسرے کے نام کی چیز۔ البتہ بنواسرائیل کے گناہگاروں کے گناہوں کی وجہ سے بعض غیر حرام چیزیں بھی ان پر حرام کر دی گئی تھیں۔ پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ وہ دوبارہ حلال کر دی گئیں' لیکن بنواسرائیل نے آپ کو سچا نہ جانا اور آپ کی مخالفت کی'' (ابن ابی حاتم) یہ اثر غریب ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب کوفے کے حاکم تھے اس وقت ابن وائل نامی قبیلہ بنو رباح کا ایک شخص جو شاعر تھا' فرزدق کے دادا غالب کے مقابل ہوا اور یہ شرط ٹھہری کہ دونوں آمنے سامنے ایک ایک سو اونٹوں کی کوچیں کاٹیں گے' چنانچہ کوفے کی پشت پر پانی کی جگہ پر جب ان کے اونٹ آئے تو یہ اپنی تلواریں لے کر کھڑے ہو گئے اور اونٹوں کی کوچیں کاٹنی شروع کیں اور دکھاوے سناوے اور فخر یہ ریاکاری کے لیے دونوں اس میں مشغول ہو گئے کوفیوں کو جو یہ معلوم ہوا تو وہ اپنے گدھوں اور خچروں پر سوار ہو کر گوشت لینے کے لیے آنا شروع ہوئے' اتنے میں جناب علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید خچر پر سوار ہو کر یہ منادی کرتے ہوئے وہاں پہنچے کہ لوگو یہ گوشت نہ کھانا یہ جانور ﴿مَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ﴾ میں شامل ہیں۔ (ابن ابی حاتم) یہ اثر بھی غریب ہے ہاں اس کی صحت کی شاہد وہ حدیث ہے جو ابوداود میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اعراب کی طرح مقابلہ میں کوچیں کاٹنے سے ممانعت فرما دی'[1] پھر ابوداؤد رحمہ اللہ نے فرمایا کہ محمد بن جعفر نے اسے ابن عباس رضی اللہ عنہما پر وقف کیا ہے۔ ابوداؤد کی اور حدیث میں ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں شخصوں کا کھانا کھانا منع فرما دیا جو آپس میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانا اور ایک دوسرے کا مقابلہ کرنا اور ریاکاری کرنا چاہتے ہوں۔[2] ﴿مُنْخَنِقَةُ﴾ جس کا گلا گھٹ جائے خواہ کسی نے عمداً گلا گھٹ کر گلا مروڑ کر اسے مار ڈالا ہو' خواہ ازخود اس کا گلا گھٹ گیا ہو۔ مثلاً اپنے کھونٹے میں بندھا ہوا ہے اور بھاگنے لگا' پھندا گلے میں پڑ گیا اور کھینچ کھچاؤ کرتا ہوا مر گیا پس یہ حرام ہے۔ ﴿مَوْقُوْذَةُ﴾ وہ ہے' جس جانور کو کسی نے ضرب لگائی' لکڑی وغیرہ ایسی چیز سے جو دھاری دار نہیں لیکن اسی سے وہ مر گیا' تو وہ بھی حرام ہے' جاہلیت میں یہ بھی دستور تھا کہ جانور کو لٹھ سے مار ڈالتے اور پھر کھاتے۔ لیکن قرآن نے ایسے جانور کو حرام بتایا۔ صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کی کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں معراض سے شکار کھیلتا ہوں تو کیا حکم ہے؟ فرمایا جب تو اسے پھینکے اور وہ جانور کو زخم لگائے تو کھا سکتا ہے اور اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگے تو وہ جانور لٹھ مارے ہوئے کے حکم میں ہے اسے نہ کھا۔[3] پس آپ نے اس میں جسے دھار اور نوک سے شکار کیا ہو اور اس میں جسے

---

① [حسن صحیح: ابو داؤد: كتاب الضحايا: باب ماجاء فی اكل معاقرة الأعراب (٢٨٢٠) بیهقی فی السنن الكبرى (٩/٣١٣-٣١٤)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (٢٤٤٦)]

② [صحیح: ابو داؤد: كتاب الاطعمة: باب فی طعام المتبارين (٣٧٥٤)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [السلسلة الصحيحة (٦٢٧)]

③ [صحیح: صحيح بخاری: كتاب الذبائخ والصيد: باب صيد المعراض (٥٤٧٦)، (٥٤٨٦) صحيح مسلم: كتاب الصيد: باب الصيد بالكلاب المعلمة (١٩٢٩) نسائی: كتاب الصيد: باب اذا صيد المعراض (٤٣١٠) ابوداؤد: كتاب الصيد: باب فی الصيد (٢٨٥٤) مسند احمد (٤/٢٥٦)]

چوڑائی کی جانب سے لگا ہو فرق کیا۔ اول کو حلال اور دوسرے کو حرام۔ فقہاء کے نزدیک بھی یہ مسئلہ اتفاقی ہے۔ ہاں اختلاف اس میں ہے کہ جب کسی زخم کرنے والی چیز نے شکار کو صدمہ تو پہنچایا لیکن وہ مرا ہے اس کے بوجھ اور چوڑائی کی طرف سے تو آیا یہ جانور حلال ہے یا حرام۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے اس میں دونوں قول ہیں' ایک تو حرام ہونا اوپر والی حدیث کو سامنے رکھ کر۔ دوسرے حلال کرنا کتے کے شکار کی حلت کو مدنظر رکھ کر۔ اس مسئلہ کی پوری تفصیل ملاحظہ ہو۔

فصل: علماء کرام رحمہم اللہ کا اس میں اختلاف ہے کہ جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا اور کتے نے اسے اپنی مار سے اور بوجھ سے مار ڈالا' زخمی نہیں کیا تو وہ حلال ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں ایک تو یہ کہ یہ حلال ہے کیونکہ قرآن کے الفاظ عام ہیں ﴿فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ [1] یعنی وہ جن جانوروں کو روک لیں تم انہیں کھا سکتے ہو۔ اسی طرح حضرت عدی رضی اللہ عنہ وغیرہ کی صحیح حدیثیں بھی عام ہی ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے ساتھیوں نے امام صاحب کا یہ قول نقل کیا ہے' اور متاخرین نے اس کی صحت کی ہے' جیسے نووی اور رافعی رحمہما اللہ مگر میں کہتا ہوں کہ گو یوں کہا جاتا ہے کہ لیکن امام صاحب کے کلام سے صاف طور پر یہ معلوم نہیں ہوتا۔ ملاحظہ ہو کتاب الام اور مختصر ان دونوں میں جو کلام ہے وہ دونوں معنی کا احتمال رکھتا ہے۔ پس دونوں فریقوں نے اس کی توجیہ کر کے دونوں جانب علی الاطلاق ایک قول کہہ دیا۔ ہم تو بصد مشکل صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ اس بحث میں حلال ہونے کے قول کی حکایت کچھ قدرے قلیل زخم کا ہونا بھی ہے۔ گو ان دونوں میں سے کسی کی تصریح نہیں' اور نہ کسی کی مضبوط رائے' ابن الصباغ نے امام ابوحنیفہ سے حلال ہونے کا قول نقل کیا ہے اور دوسرا کوئی قول ان سے نقل نہیں کیا۔ اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں اس قول کو حضرت سلمان فارسی' حضرت ابوہریرہ' حضرت سعد بن وقاص اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے لیکن یہ بہت غریب ہے اور دراصل ان بزرگوں سے صراحت کے ساتھ یہ اقوال نہیں پائے جاتے۔ یہ صرف اپنا تصرف ہے واللہ اعلم۔ دوسرا قول یہ ہے کہ وہ حلال نہیں' حضرت امام شافعی رحمہ اللہ کے دو قولوں میں سے ایک قول یہ ہے' مزنی رحمہ اللہ نے بھی اسی کو پسند کیا ہے اور ابن صباغ کے قول سے بھی اس کی ترجیح ملتی ہے' واللہ اعلم۔ اسی کو ابو یوسف اور محمد نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے اور یہی مشہور ہے امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے اور یہی قول ٹھیک ہونے سے زیادہ مشابہت رکھتا ہے واللہ اعلم۔ اس لیے کہ اصولی قواعد اور احکام شرعی کے مطابق یہی جاری ہے۔ ابن الصباغ نے حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ کی حدیث سے دلیل پکڑی ہے کہ انہوں نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم کل دشمنوں سے بھڑنے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں تو کیا ہم تیز بانس سے ذبح کر لیا کریں؟ آپ نے فرمایا جو چیز خون بہائے اور اس کے اوپر اللہ کا نام ذکر کیا جائے اسے کھا لیا کرو الخ۔ (بخاری ومسلم) [2] یہ حدیث گو ایک خاص موقعہ کے لیے ہے لیکن عام الفاظ کا حکم ہوگا' جیسے کہ جمہور علماء اصول

---

[1] [سورۃ المائدہ: آیت ٤]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الذبائح والصید : باب ما انهرالدم من القصب (٥٥٠٣) صحیح مسلم : کتاب الاضاحی : باب جواز الذبح بکل ماانهرالدم (١٩٦٨) ترمذی : کتاب الصید : باب ماجآء فی الزکاۃ بالقصب وغیرہ (١٤٩١) مسند احمد (٣/٤٦٣)]

وفروع کا فرمان ہے۔اس کی دلیل وہ حدیث ہے کہ حضور ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ تبع جو شہد کی نبیذ سے ہے اس کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا ہر وہ پینے کی چیز جو نشہ لائے حرام ہے [1] پس یہاں سوال ہے شہد کی نبیذ سے لیکن جواب کے الفاظ عام ہیں اور مسئلہ بھی ان سے عام سمجھا گیا' اسی طرح اوپر والی حدیث ہے کہ گو سوال ایک خاص نوعیت میں ذبح کرنے کا ہے لیکن جواب کے الفاظ اسے اور اس کے سوا کی عام نوعیتوں پر مشتمل ہیں' اللہ کے رسول ﷺ کا یہ بھی ایک خاص معجزہ ہے کہ الفاظ تھوڑے اور معانی بہت' اسے ذہن میں رکھنے کے بعد اب غور کیجیے کہ کتے کے صدمے سے جو شکار مر جائے یا اس کے بوجھ یا تھپڑ کی وجہ سے جس شکار کا دم نکل جائے۔ ظاہر ہے کہ اس کا خون کسی چیز سے نہیں بہا' پس اس حدیث کے مفہوم کی بنا پر وہ حلال نہیں ہو سکتا' ہاں اس پر یہ اعتراض ہو سکتا ہے کہ اس حدیث کو کتے کے شکار کے مسئلہ سے دور کا تعلق بھی نہیں' اس لیے کہ سائل نے ذبح کرنے کے ایک آلے کی نسبت سوال کیا تھا۔ ان کا سوال اس چیز کی نسبت نہ تھا' جس سے ذبح کیا جائے' اسی لیے حضور ﷺ نے اس سے دانت اور ناخن کو مستثنیٰ کر لیا اور فرمایا سوائے دانت اور ناخن کے اور میں تمہیں بتاؤں کہ ان کے سوا کیوں؟ دانت تو ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھری ہے [2] اور یہ قاعدہ ہے کہ مستثنیٰ کی دلالت جنس مستثنیٰ منہ پر ہوا کرتی ہے' ورنہ متصل نہیں مانا جا سکتا۔ پس ثابت ہوا کہ سوال آلہ ذبح کا ہی تھا تو اب کوئی دلالت تمہارے قول پر باقی نہیں رہی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ حضور ﷺ کے جواب کے جملے کو دیکھو آپ نے یہ فرمایا ہے کہ جو چیز خون بہا دے اور اس پر نام اللہ بھی لیا گیا ہو' اسے کھا لو۔ یہ نہیں فرمایا کہ اس کے ساتھ ذبح کر لو۔ پس اس جملہ سے دو حکم ایک ساتھ معلوم ہوتے ہیں' ذبح کرنے کے آلہ کا حکم بھی اور خود ذبیحہ کا حکم بھی اور یہ کہ اس جانور کا خون کسی آلہ سے بہانا ضروری ہے' جو دانت اور ناخن کے سوا ہو۔ ایک مسلک تو یہ ہے دوسرا مسلک جو مزنی رحمہ اللہ کا ہے وہ یہ کہ تیر کے بارے میں صاف لفظ آ چکے کہ اگر وہ اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہے اور جانور مر گیا ہے تو نہ کھاؤ اور اگر اس نے اپنی دھار اور انی سے زخم کیا ہے پھر مرا ہے تو کھا لو۔ اور کتے کے بارے میں علی الاطلاق احکام ہیں پس چونکہ موجب یعنی شکار دونوں جگہ ایک ہی ہے تو مطلق کا حکم بھی مقید پر محمول ہوگا گو سبب الگ الگ ہوں۔ جیسے کہ ظہار کے وقت آزادگی گردن جو مطلق ہے محمول کی جاتی ہے قتل کی آزادگی گردن پر جو مقید ہے ایمان کے ساتھ۔ بلکہ اس سے بھی زیادہ ضرورت شکار کے اس مسئلہ میں ہے یہ دلیل ان لوگوں پر یقیناً بہت بڑی حجت ہے جو اس قاعدہ کی اصل کو مانتے ہیں اور چونکہ ان لوگوں میں اس قاعدے کے مسلم ہونے میں کوئی اختلاف نہیں تو ضروری ہے کہ یا تو وہ اسے تسلیم کریں ورنہ کوئی پختہ جواب دیں۔ علاوہ ازیں یہ فریق یہ بھی کہہ سکتا ہے کہ چونکہ اس شکار کو کتے نے بوجہ

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاشربۃ : باب الخمر من العسل (٥٥٨٥) صحیح مسلم : کتاب الاشربۃ : باب بیان ان کل مسکر خمرا (٢٠٠١) ابوداؤد : کتاب الاشربۃ : باب ما جآء فی السکر (٣٦٨٢) ترمذی (١٨٦٣) نسائی (٥٥٩٦) مسند احمد (٦/١٩٠)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الذبائح : باب التسمیۃ علی الذبیحۃ (٥٤٩٨) صحیح مسلم : کتاب الاضاحی : باب جواز الذبح بکل ما انہر الدم (١٩٦٨)]

اپنے ثقل کے مارڈالا ہے اور یہ ثابت ہے کہ تیر جب اپنی چوڑائی سے لگ کر شکار کو مارڈالے تو وہ حرام ہو جاتا ہے پس اس پر قیاس کر کے کتے کا یہ شکار بھی حرام ہو گیا کیونکہ دونوں میں یہ بات مشترک ہے کہ دونوں شکار کے آلات ہیں اور دونوں نے اپنے بوجھ اور زور سے شکار کی جان لی ہے۔ اور آیت کا عموم اس کے معارض نہیں ہو سکتا کیونکہ عموم پر قیاس مقدم ہے۔ جیسا کہ چاروں اماموں اور جمہور کا مذہب ہے۔ یہ مسلک بھی بہت اچھا ہے' دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ﴿فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ﴾ یعنی شکاری کتے جس جانور کو روک رکھیں اس کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے' یہ عام نوعیت پر ہے یعنی اسے بھی جسے زخمی کیا ہو اور اس کے سوا کو بھی' لیکن جس صورت پر اس وقت بحث ہے وہ یا تو ٹکر لگا ہوا ہے یا اس کے حکم میں یا گلا گھونٹا ہوا ہے یا اس کے حکم میں' بہر صورت اس آیت کی تقدیم ان وجوہ پر ضرور ہو گی۔ اولاً تو یہ کہ شارع نے اس آیت کا حکم شکار کی حالت میں معتبر مانا ہے۔ کیونکہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ سے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا اگر وہ چوڑائی کی طرف سے لگا ہے تو وہ لٹھ مارا ہوا ہے اسے نہ کھاؤ۔ جہاں تک ہمارا علم ہے ہم جانتے ہیں کہ کسی عالم نے یہ نہیں کہا کہ لٹھ سے اور مار سے مرا ہوا تو شکار کی حالت میں معتبر ہو اور سینگ اور ٹکر لگا ہوا معتبر نہ ہو۔ پس جس صورت میں اس وقت بحث ہو رہی ہے اس جانور کو حلال کہنا اجماع کو توڑنا ہو گا' جسے کوئی بھی جائز نہیں کہہ سکتا بلکہ اکثر علماء اسے ممنوع بتاتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ آیت ﴿فَكُلُوا مِمَّآ اَمْسَكْنَ﴾ اپنے عموم پر باقی نہیں اور اس پر اجماع ہے' بلکہ آیت سے مراد صرف حلال حیوان ہیں۔ تو اس کے عام الفاظ سے وہ حیوان جن کا کھانا حرام ہے بالاتفاق نکل گئے اور یہ قاعدہ ہے کہ عموم محفوظ عموم غیر محفوظ پر مقدم ہوتا ہے۔ ایک تقریر اسی مسئلہ میں اور بھی گوش گذار کر لیجیے کہ اس طرح کا شکار میتۃ کے حکم میں ہے' پس جس وجہ سے مردار حرام ہے وہی وجہ یہاں بھی ہے کہ یہ بھی اسی قیاس سے حلال نہیں۔ ایک اور وجہ سنیے کہ حرمت کی آیت ﴿حُرِّمَتْ﴾ الخ' بالکل محکم ہے' اس میں کسی طرح نسخ کا دخل نہیں' نہ کوئی تخصیص ہوئی ہے' ٹھیک اسی طرح آیت تحلیل بھی محکم ہی ہونی چاہیے۔ یعنی فرمان باری تعالیٰ ﴿يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ﴾ لوگ تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لیے حلال کیا گیا ہے تو کہہ دے کہ تمام طیب چیزیں تمہارے لیے حلال ہیں۔ جب دونوں آیتیں محکم اور غیر منسوخ ہیں تو یقیناً ان میں تعارض نہ ہونا چاہیے۔ لہٰذا حدیث کو اس کی وضاحت کے لیے سمجھنا چاہیے اور تیر کا واقعہ اسی کی شہادت دیتا ہے' جس میں یہ بیان کیا ہے کہ اس آیت میں یہ صورت واضح طور پر شامل ہے کہ انی اور دھار تیزی کی طرف سے زخم کرے تو جانور حلال ہو گا' کیونکہ وہ طیبات میں آ گیا۔ ساتھ ہی حدیث میں یہ بھی بیان کر دیا گیا کہ آیت تحریم میں کون سی صورت شامل ہے۔ یعنی وہ صورت جس میں جانور کی موت تیر کی چوڑائی کی چوٹ سے ہوئی ہے' وہ حرام ہو گیا جسے کھایا نہیں جائے گا۔ اس لیے کہ وہ ((وقیذ)) ہے اور ((وقیذ)) آیت تحریم کا ایک فرد ہے' ٹھیک اسی طرح اگر شکاری کتے نے جانور کو اپنے دباؤ زور بوجھ اور سخت پکڑ کی وجہ سے مار ڈالا ہے تو وہ نطیح ہے یا قطیح یعنی ٹکر اور سینگ لگے ہوئے کے حکم میں ہے اور حلال نہیں' ہاں اگر اسے مجروح کیا ہے تو وہ آیت تحلیل کے حکم میں ہے اور یقیناً حلال ہے۔ اس پر اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ اگر یہی مقصود ہوتا تو کتے کے شکار میں بھی

تفصیل بیان کر دی جاتی اور فرما دیا جاتا کہ اگر وہ جانور کو چیرے پھاڑے، زخمی کرے تو حلال اور اگر زخم نہ لگائے تو حرام۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ کتے کا بغیر زخمی کیے قتل کرنا بہت ہی کم ہوتا ہے۔ اس کی عادت یہ نہیں بلکہ عادت تو یہ ہے کہ اپنے پنجوں یا کچلیوں سے ہی شکار کو مارے یا دونوں سے، بہت کم کبھی کبھی شاذ و نادر ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ اپنے دباؤ اور بوجھ سے شکار کو مار ڈالے اس لیے اس کی ضرورت ہی نہ تھی کہ اس کا حکم بیان کیا جائے اور دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ جب آیت تحریم میں ﴿(مَيْتَةٌ ، مُنْخَنِقَةٌ، مَوْقُوْذَةٌ، مُتَرَدِّيَة، نَطِيْحَة)﴾ کی حرمت موجود ہے تو اس کے جاننے والے کے سامنے اس قسم کے شکار کا حکم بالکل ظاہر ہے، تیر اور معراض میں اس حکم کو اس لیے الگ بیان کر دیا کہ وہ عموماً خطا کر جاتا ہے بالخصوص اس شخص کے ہاتھ سے جو قادر تیر انداز نہ ہو یا نشانے میں خطا کرتا ہو اس لیے اس کے دونوں حکم تفصیل وار بیان فرما دیئے۔ واللہ اعلم۔ دیکھئے چونکہ کتے کے شکار میں یہ احتمال تھا کہ ممکن ہے وہ اپنے کیے ہوئے شکار میں سے کچھ کھالے اس لیے یہ حکم صراحت کے ساتھ الگ بیان فرما دیا اور ارشاد ہوا کہ اگر وہ خود کھالے تو تم اسے نہ کھاؤ، ممکن ہے کہ اس نے خود اپنے لیے ہی شکار کو روکا ہو۔ [1] یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے اور یہ صورت اکثر حضرات کے نزدیک آیت تحلیل کے عموم سے مخصوص ہے اور ان کا قول ہے کہ جس شکار کو کتا کھالے اس کا کھانا حلال نہیں۔

حضرت ابوہریرہ، ابن عباس رضی اللہ عنہم سے یہی روایت کیا ہے۔ حضرت حسن، شعبی اور نخعی رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے اور اسی کی طرف ابوحنیفہ، ان کے دونوں اصحاب، احمد بن حنبل اور مشہور روایت میں شافعی بھی گئے ہیں۔ ابن جریر رحمہ اللہ نے اپنی تفسیر میں علی، سعید، سلمان، ابوہریرہ، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے کہ گو کتے نے شکار میں سے کچھ کھا لیا ہو تاہم اسے کھا لینا جائز ہے، بلکہ حضرت سعید، حضرت سلمان، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہم وغیرہ تو فرماتے ہیں گو کتا آدھا حصہ کھا گیا ہو تاہم اس شکار کا کھا لینا جائز ہے۔ امام مالک اور شافعی رحمہ اللہ بھی اپنے قدیم قول میں اسی طرف گئے ہیں اور قول جدید میں دونوں قولوں کی طرف اشارہ کیا ہے، جیسے کہ امام ابومنصور بن صباغ وغیرہ نے کہا ہے۔ ابوداؤد میں قوی سند سے مروی ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''جب تو اپنے کتے کو چھوڑے اور اللہ کا نام تو نے لے لیا ہو تو کھالے، گو اس نے بھی اس میں سے کھا لیا ہو اور کھالے اس چیز کو جسے تیرا ہاتھ تیری طرف لوٹا لائے''۔ [2] نسائی میں بھی یہ روایت ہے۔ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی شخص نے اپنا کتا شکار پر چھوڑا، اس نے شکار کو پکڑا اور اس کا کچھ گوشت کھا لیا تو اسے اختیار ہے کہ باقی جانور یہ اپنے کھانے کے کام میں لے۔ [3] اس میں اتنی علت ہے کہ یہ موقوفاً حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کے قول سے مروی ہے، جمہور نے عدی والی حدیث کو اس پر مقدم کیا ہے اور ابوثعلبہ وغیرہ کی حدیث کو ضعیف بتایا ہے۔ بعض علماء کرام نے اس

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب الصید : باب الصید بالکلاب المعلمة والرمی (١٩٢٩)]

[2] [منکر: ابوداؤد : کتاب الضحایا : باب فی الصید (٢٨٥٢)] شیخ البانیؒ نے اسے منکر کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود] تاہم ابن عبدالهادی [نصب الرایة (٣١٢/٤)] اور حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (١١٢١٤)]

حدیث کواس بات پر محمول کیا ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے' جب کتے نے شکار پکڑااور دیر تک اپنے مالک کا انتظار کیا' جب وہ نہ آیا تو بھوک وغیرہ کے باعث اس نے کچھ کھالیا اس صورت میں یہ حکم ہے کہ باقی کا گوشت مالک کھالے کیونکہ ایسی حالت میں یہ ڈر باقی نہیں رہتا کہ شاید کتا ابھی شکار کا سدھا ہوا نہیں' ممکن ہے اس نے اپنے لیے ہی شکار کیا ہو' بخلاف اس کے کہ کتے نے پکڑتے ہی کھانا شروع کر دیا تو اس سے معلوم ہو جاتا ہے' کہ اس نے اپنے لیے ہی شکار دبوچا ہے واللہ اعلم۔

اب رہے شکاری پرند تو امام شافعی رحمہ اللہ نے صاف کہا ہے کہ یہ کتے کے حکم میں ہیں۔ تو اگر یہ شکار میں سے کچھ کھا لیں تو شکار کا کھانا جمہور کے نزدیک تو حرام ہے اور دیگر کے نزدیک حلال ہے' ہاں مزنی رحمہ اللہ کا مختار یہ ہے کہ گو شکاری پرندوں نے شکار کا گوشت کھالیا ہو تاہم وہ حرام نہیں۔ یہی مذہب ابوحنیفہ اور احمد رحمہما اللہ کا ہے۔ اس لیے کہ پرندوں کو کتوں کی طرح مار پیٹ کر سدھا بھی نہیں سکتے اور وہ تعلیم حاصل کر ہی نہیں سکتا جب تک اسے کھائے نہیں' تو یہاں یہ بات معاف ہے اور اس لیے بھی کہ نص کتے کے بارے میں وارد ہوئی ہے' پرندوں کے بارے میں نہیں' شیخ ابوعلی افصاح میں فرماتے ہیں جب ہم نے یہ طے کر لیا کہ اس شکار کا کھانا حرام ہے جس میں سے شکاری کتے نے کھالیا ہو تو جس شکار میں سے شکاری پرند کھالے اس میں دو وجوہات ہیں۔ لیکن قاضی ابوالطیب نے اس فرع کا اور اس ترتیب کا انکار کیا ہے۔ کیونکہ امام شافعی رحمہ اللہ نے ان دونوں کو صاف لفظوں میں برابر رکھا ہے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

﴿مُتَرَدِّيَةُ﴾ وہ ہے جو پہاڑی یا کسی بلند جگہ سے گر کر مر گیا ہو وہ جانور بھی حرام ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما یہی فرماتے ہیں۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ وہ ہیں جو کنویں میں گر پڑے۔ [1]

﴿نَطِيحَةُ﴾ وہ ہے جسے دوسرا جانور سینگ وغیرہ سے ٹکر لگائے اور وہ اس صدمہ سے مر جائے' گو اس سے زخم بھی ہوا ہو اور گو اس سے خون بھی نکلا ہو، بلکہ گو ٹھیک ذبح کرنے کی جگہ ہی لگا ہو اور خون بھی نکلا' یہ لفظ معنی میں مفعول یعنی منطوحہ کے ہے' یہ وزن عموماً کلام عرب میں بغیرت کے آتا ہے جیسے ((عَيْنٌ كَحِيْلٌ)) اور ''كَفٌّ خَضِيْبٌ)) ان مواقع میں ((كَحِيْلَةٌ)) اور ((خَضِيْبَةٌ)) نہیں کہتے' اس جگہ ت اس لیے لایا گیا ہے کہ یہاں اس لفظ کا استعمال قائم مقام اسم کے ہے' جیسے عرب کا یہ کلام ((طَرِيْقَةٌ طَوِيْلَةٌ)) بعض نحوی کہتے ہیں تاء تانیث یہاں اس لیے لایا گیا ہے کہ پہلی مرتبہ ہی تانیث پر دلالت ہو جائے بخلاف کحیل اور خضیب کے کہ وہاں تانیث کلام کے ابتدائی لفظ سے معلوم ہوتی ہے۔

﴿مَا أَكَلَ السَّبُعُ﴾ سے مراد وہ جانور ہے جس پر شیر' بھیڑیا' چیتا یا کتا وغیرہ درندہ حملہ کرے اور اس کا کوئی حصہ کھا جائے اور اس سبب سے وہ مر جائے تو اس جانور کو کھانا بھی حرام ہے' اگرچہ اس سے خون بہا ہو بلکہ اگرچہ ذبح کرنے کی جگہ سے ہی خون نکلا ہو تاہم وہ جانور بالاجماع حرام ہے۔ اہل جاہلیت میں ایسے جانور کا بقیہ کھالیا کرتے تھے' اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو اس سے منع فرمایا۔ پھر فرماتا ہے مگر وہ جسے تم ذبح کر لو' یعنی گلا گھونٹا' لٹھ مارا

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٩/٤٩٨)]

ہوا' اوپر سے گر پڑا ہوا' سینگ اور ٹکر لگا ہوا' درندوں کا کھایا ہوا' اگر اس حالت میں تمہیں مل جائے کہ اس میں جان باقی ہو اور تم اس پر با قاعدہ اللہ کا نام لے کر چھری پھیر لو تو پھر یہ جانور تمہارے لیے حلال ہو جائیں گے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سعید بن جبیر' حسن اور سدی رحمہ اللہ علیہم یہی فرماتے ہیں' حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ اگر تم ان کو اس حالت میں پالو کہ چھری پھرتے ہوئے وہ دم رگڑیں یا پیر ہلائیں یا آنکھوں کے ڈھیلے پھرائیں تو بیشک ذبح کر کے کھالو' ابن جریر میں آپ سے مروی ہے کہ جس جانور کو ضرب لگی ہو یا اوپر سے گر پڑا ہو یا ٹکر لگی ہو اور اس میں روح باقی ہو اور تمہیں وہ ہاتھ پیر رگڑتا مل جائے تو تم اسے ذبح کر کے کھا سکتے ہو۔ حضرت طاؤس' حسن' قتادہ' عبید بن عمیر' ضحاک اور بہت سے حضرات سے مروی ہے کہ بوقت ذبح اگر کوئی حرکت بھی اس جانور کی ایسی ظاہر ہو جائے جس سے یہ معلوم ہو کہ اس میں حیات ہے تو وہ حلال ہے۔ [1] جمہور فقہاء کا یہی مذہب ہے۔ تینوں اماموں کا بھی یہی قول ہے' امام مالک اس بکری کے بارے میں جسے بھیڑیا پھاڑ ڈالے اور اس کی آنتیں نکل آئیں فرماتے ہیں میرا خیال ہے کہ اسے ذبح نہ کیا جائے اس میں سے کس چیز کا ذبیحہ ہو گا؟ ایک مرتبہ آپؒ سے سوال ہوا کہ درندہ اگر حملہ کر کے بکری کی پیٹھ توڑ دے تو کیا اس بکری کو جان نکلنے سے پہلے ذبح کر سکتے ہیں؟ تو آپ نے فرمایا اگر بالکل آخر تک پہنچ گیا ہے تو میری رائے میں نہ کھانی چاہیے اور اگر اطراف میں ہی ہے تو کوئی حرج نہیں' سائل نے کہا درندے نے اس پر حملہ کیا اور کود کر اسے پکڑ لیا' جس سے اس کی کمر ٹوٹ گئی ہے تو آپ نے فرمایا مجھے اس کا کھانا پسند نہیں کیونکہ اتنی زبردست چوٹ کے بعد زندہ نہیں رہ سکتی' آپ سے پھر پوچھا گیا کہ اچھا اگر پیٹ پھاڑ ڈالا اور آنتیں نہیں نکلیں تو کیا حکم ہے' فرمایا میں تو یہی رائے رکھتا ہوں کہ نہ کھائی جائے۔ یہ ہے امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب لیکن چونکہ آیت عام ہے اس لیے امام صاحب نے جن صورتوں کو مخصوص کیا ہے ان پر کوئی خاص دلیل چاہیے' واللہ اعلم۔

بخاری و مسلم میں حضرت رافع بن خدیج رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا۔ "حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہم کل دشمن سے لڑائی میں باہم ٹکرانے والے ہیں اور ہمارے ساتھ چھریاں نہیں کیا ہم بانس سے ذبح کر لیں"۔ آپ نے فرمایا "جو چیز خون بہائے اور اس پر اللہ کا نام لیا جائے' اسے کھالو سوائے دانت اور ناخن کے' یہ اس لیے کہ دانت ہڈی ہے اور ناخن حبشیوں کی چھریاں ہیں"۔ [2] مسند احمد اور سنن میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ "ذبیحہ صرف حلق اور نرخرے میں ہی ہوتا ہے؟" آپ نے فرمایا: "اگر تو نے اس کی ران میں بھی زخم لگا دیا تو کافی ہے" [3] یہ حدیث

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٩/٥٠٢)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الذبائح : باب التسمیة علی الذبیحة ومن ترک متعمدا (٥٤٩٨) صحیح مسلم : کتاب الاضاحی : باب جواز الذبح بکل ما انهر الدم الا السن (١٩٦٨)]

[3] [منکر وضعیف : ابوداؤد : کتاب الاضاحی : باب ماجآء فی ذبیحة المتردیة (٢٨٢٥) نسائی : کتاب الضحایا : باب ذکر المتردیة (٤٤١٣) ابن ماجه : کتاب الذبائح : باب ذکاة الناد من البهائم (٣١٨٤) ترمذی : کتاب الاطعمة : باب ماجآء فی الذکاة فی الحلق واللبة (١٤٨١) مسند احمد (٤/٤٣٤)] شیخ البانیؒ نے اسے منکر وضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود ، ارواء الغلیل (٢٥٣٥)]

ہے تو سہی لیکن یہ حکم اس وقت ہے جبکہ صحیح طور پر ذبح کرنے پر قادر نہ ہوں۔ **نُصُب** پر جو جانور ذبح کیے جائیں وہ بھی حرام ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ پرستش گاہیں کعبہ کے اردگرد تھیں' [1] ابن جریج رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یہ تین سو ساٹھ بت تھے' جاہلیت کے عرب ان کے سامنے اپنے جانور قربان کرتے تھے اور ان میں سے جو بیت اللہ کے بالکل متصل تھا' اس پر ان جانوروں کا خون چھڑکتے تھے اور گوشت ان بتوں پر بطور چڑھاوا چڑھاتے تھے" [2] پس اللہ تعالیٰ نے یہ کام مومنوں پر حرام کیا اور اُن جانوروں کا کھانا بھی حرام کر دیا۔ اگرچہ ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت بسم اللہ بھی کہی گئی ہو کیونکہ یہ شرک ہے جسے اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک نے اور اس کے رسول ﷺ نے حرام کیا ہے' اور یہی لائق ہے' اس جملہ کا مطلب بھی یہی ہے کیونکہ اس سے پہلے ان کی حرمت بیان ہو چکی ہے جو اللہ کے سوا دوسروں کے نام پر چڑھائے جائیں۔

﴿اَزْلَام﴾ سے تقسیم کرنا جو حرام ہے' وہ وہ ہے جو جاہلیت کے عرب میں دستور تھا کہ انہوں نے تین تیر رکھ چھوڑے تھے' ایک پر لکھا ہوا تھا ((افعل)) یعنی کر' دوسرے پر لکھا ہوا تھا ((لا تفعل)) یعنی نہ کر' تیسرا خالی تھا۔ بعض کہتے ہیں ایک پر لکھا تھا مجھے میرے رب کا حکم ہے' دوسرے پر لکھا تھا مجھے میرے رب کی ممانعت ہے' تیسرا خالی تھا اس پر کچھ بھی لکھا ہوا نہ تھا۔ وہ لوگ بطور قرعہ اندازی کے کسی کام کے کرنے یا نہ کرنے میں جب انہیں تردد ہوتا تو ان تیروں کو نکالتے' اگر حکم "کر" کا تیر نکلا تو اس کام کو کرتے اگر ممانعت کا تیر نکلا تو باز آ جاتے اگر خالی تیر نکلا تو پھر نئے سرے سے قرعہ اندازی کرتے' اَزلام جمع ہے زُلَم کی اور بعض زَلَم بھی کہتے ہیں۔ استقسام کے معنی ان تیروں سے تقسیم کی طلب ہے' قریشیوں کا سب سے بڑا بت ہبل خانہ کعبہ کے اندر کے کنوئیں پر نصب تھا' جس کنویں میں کعبہ کے ہدیے اور مال جمع رہا کرتے تھے' اس بت کے پاس سات تیر تھے' جن پر کچھ لکھا ہوا تھا' جس کام میں اختلاف پڑتا یہ قریشی یہاں آ کر ان تیروں میں سے کسی تیر کو نکالتے اور اس پر جو لکھا پاتے اسی کے مطابق عمل کرتے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ آنحضرت ﷺ جب کعبہ میں داخل ہوئے تو وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے مجسمے گڑے ہوئے پائے' جن کے ہاتھوں میں تیر تھے تو آپ نے فرمایا اللہ انہیں غارت کرے' انہیں خوب معلوم ہے کہ ان بزرگوں نے کبھی تیروں سے فال نہیں لی۔ [3]

صحیح حدیث میں ہے کہ سراقہ بن مالک بن جعشم جب نبی ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو ڈھونڈنے کے لیے نکلا کہ انہیں پکڑ کر کفار مکہ کے سپرد کرے اور آپ اس وقت ہجرت کر کے مکہ سے مدینے کو جا رہے تھے تو اس نے اسی طرح قرعہ اندازی کی اس کا بیان ہے کہ پہلی مرتبہ وہ تیر نکلا جو میری مرضی کے خلاف تھا میں نے پھر تیروں کو ملا جلا کر تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی نکلا کہ تو انہیں کوئی ضرر نہ پہنچا سکے گا' میں نے پھر نہ مانا تیسری مرتبہ فال لینے کے لیے تیر نکالا تو اب کی مرتبہ بھی یہی تیر نکلا لیکن میں ہمت کر کے ان کا کوئی لحاظ نہ کر کے انعام حاصل

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٩/٥٠٨)] [2] [ایضا]

[3] [صحیح صحیح بخاری : کتاب الحج : باب من کبر فی نواحی الکعبة (١٦٠١) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب الصلاة الكعبة (٢٠٢٧) مسند احمد (١/٣٣٤)]

کرنے اور سرخرو ہونے کے لیے آپ کی طلب میں نکل کھڑا ہوا۔ اس وقت سراقہ مسلمان نہیں ہوا تھا' یہ حضور ﷺ کا کچھ نہ بگاڑ سکا اور پھر بعد میں اسے اللہ نے اسلام سے مشرف فرمایا۔ [1] ابن مردویہ میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ''وہ شخص جنت کے بلند درجوں کو نہیں پا سکتا جو کہانت کرے' یا تیر اندازی کرے یا کسی بدفالی کی وجہ سے سفر سے لوٹ آئے''۔ [2] حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے یہ بھی کہا ہے کہ عرب ان تیروں کے ذریعہ اور فارسی اور رومی پانسوں کے ذریعہ جوا کھیلا کرتے تھے جو مسلمانوں پر حرام کیا جاتا ہے۔ [3] ممکن ہے کہ اس قول کے مطابق ہم یوں کہیں کہ تھے تو یہ تیر استخارے کے لیے مگر ان سے جوا بھی گاہے بگاہے کھیل لیا کرتے۔ واللہ اعلم۔ اسی سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے جوئے کو بھی حرام کیا ہے۔ اور فرمایا ہے ''ایمان والو! شراب' جوا' بت اور تیر نجس اور شیطانی کام ہیں' تم ان سے الگ رہو تا کہ تمہیں نجات ملے شیطان تو یہ چاہتا ہی ہے کہ ان کے ذریعہ تمہارے درمیان عداوت و بغض ڈال دے'' الخ اسی طرح یہاں بھی فرمان ہوتا ہے کہ تیروں سے تقسیم طلب کرنا حرام ہے' اس کام کا کرنا فسق' گمراہی' جہالت اور شرک ہے۔ اس کے بجائے مومنوں کو حکم ہوا کہ جب تمہیں اپنے کسی کام میں تردد ہو تو تم اللہ تعالیٰ سے استخارہ کر لو' اس کی عبادت کر کے اس سے بھلائی طلب کرو۔ مسند احمد۔

بخاری اور سنن میں مروی ہے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں' ہمیں رسول اللہ ﷺ جس طرح قرآن کی سورتیں سکھاتے تھے' اسی طرح ہمارے کاموں میں استخارہ کرنا بھی تعلیم فرماتے تھے' آپ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ جب تم میں سے کسی کو کوئی اہم کام آ پڑے تو اسے چاہیے کہ دو رکعت نماز نفل پڑھ کر یہ دعا پڑھے ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْتَخِیْرُكَ بِعِلْمِكَ وَاَسْتَقْدِرُكَ بِقُدْرَتِكَ وَاَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ الْعَظِیْمِ فَاِنَّكَ تَقْدِرُ وَلَآ اَقْدِرُ وَتَعْلَمُ وَلَآ اَعْلَمُ وَاَنْتَ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ اَللّٰهُمَّ اِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّ هٰذَا الْاَمْرَ خَیْرٌ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاقْدِرْهُ لِیْ وَیَسِّرْهُ لِیْ ثُمَّ بَارِكْ لِیْ فِیْهِ وَاِنْ كُنْتَ تَعْلَمُ اَنَّهٗ شَرٌّ لِّیْ فِیْ دِیْنِیْ وَدُنْیَایَ وَمَعَاشِیْ وَعَاقِبَةِ اَمْرِیْ فَاصْرِفْنِیْ عَنْهُ وَاَصْرِفْهُ عَنِّیْ وَاَقْدِرْ لِیَ الْخَیْرَ حَیْثُ كَانَ ثُمَّ رَضِّنِیْ بِهٖ﴾ یعنی اے اللہ میں تجھ سے تیرے علم کے ذریعہ بھلائی طلب کرتا ہوں اور تیری قدرت کے وسیلے سے تجھ سے قدرت طلب کرتا ہوں اور تجھ سے تیرے بڑے فضل کا طالب ہوں' یقیناً تو ہر چیز پر قادر ہے اور میں محض مجبور ہوں' تو تمام تر علم والا ہے اور میں مطلق بے علم ہوں' تو ہی ہے جو تمام غیب کو بخوبی جاننے والا ہے' اے میرے اللہ اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے دین و دنیا میں آغاز و انجام کے اعتبار سے بہتر ہی بہتر ہے تو تو اسے میرے لیے مقدر کر دے اور اسے میرے لیے آسان بھی کر دے اور اس میں مجھے ہر طرح کی برکتیں عطا فرما اور اگر تیرے علم میں یہ کام میرے لیے دین' دنیا زندگی اور انجام کار کے لحاظ سے برا ہے تو اسے مجھ سے دور کر دے اور مجھے اس سے دور کر دے اور میرے لیے خیر و برکت

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب مناقب الانصار : باب هجرة النبی واصحاب الی المدینة (٣٩٠٦) مسند احمد (١٧٥/٤)]

[2] [حسن بالشواهد :مجمع الزوائد (١١٨/٥)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥١٢/٩)]

جہاں کہیں ہو مقرر کردے پھر مجھے اسی سے راضی ورضامند کردے۔ دعا کے یہ الفاظ مسند احمد میں ہیں۔ [1] ﴿هٰذَا الْاَمْرَ﴾ جہاں ہے وہاں اپنے کام کا نام لے مثلاً نکاح ہو تو ﴿هٰذَا النِّكَاحَ﴾ سفر میں ہو تو ﴿هٰذَا السَّفَرَ﴾ بیوپار میں ہو تو ﴿هٰذَا التِّجَارَةَ﴾ وغیرہ۔ بعض روایتوں میں ﴿خَيْرٌ لِّيْ فِيْ دِيْنِيْ﴾ سے ﴿اَمْرِيْ﴾ تک کے بجائے یہ الفاظ ہیں ﴿خَيْرٌ لِّيْ فِيْ عَاجِلِ اَمْرِيْ وَاٰجِلِهٖ﴾ امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو حسن غریب بتلاتے ہیں۔

پھر فرماتا ہے آج کافر تمہارے دین سے مایوس ہو گئے' یعنی ان کی یہ امیدیں خاک میں مل گئیں کہ وہ تمہارے دین میں کچھ خلط ملط کر سکیں۔ یعنی اپنے دین کو تمہارے دین میں شامل کر لیں۔ چنانچہ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''شیطان اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ نمازی مسلمان جزیرہ عرب میں اس کی پرستش کریں' ہاں وہ اس کوشش میں رہے گا کہ مسلمانوں کو آپس میں ایک دوسرے کے خلاف بھڑکا تا رہے''۔ [2] یہ بھی ہوسکتا ہے کہ مشرکین مکہ اس سے مایوس ہو گئے کہ مسلمانوں سے مل جل کر رہیں' کیونکہ احکام اسلام نے ان دونوں جماعتوں میں بہت کچھ تفاوت ڈال دیا' اسی لیے حکم ربانی ہو رہا ہے کہ مومن صبر کریں' ثابت قدم رہیں اور سوائے اللہ کے کسی سے نہ ڈریں' کفار کی مخالفت کی کچھ پرواہ نہ کریں' اللہ ان کی مدد کرے گا اور انہیں اپنے مخالفین پر غلبہ دے گا اور ان کے ضرر سے ان کی محافظت کرے گا اور دنیا و آخرت میں انہیں بلند و بالا رکھے گا۔ پھر اپنی زبردست' بہترین اعلیٰ اور افضل تر نعمت کا ذکر فرماتا ہے کہ ''میں نے تمہارا دین ہر طرح اور ہر حیثیت سے کامل و مکمل کر دیا' تمہیں اس دین کے سوا کسی دین کی احتیاج نہیں' نہ اس نبی ﷺ کے سوا اور کسی نبی کی تمہیں حاجت ہے' اللہ نے تمہارے نبی ﷺ کو خاتم الانبیاء کیا ہے' انہیں تمام جنوں اور انسانوں کی طرف بھیجا ہے' حلال وہی ہے جسے وہ حلال کہیں' حرام وہی ہے جسے وہ حرام کہیں' دین وہی ہے جسے یہ مقرر کریں' ان کی تمام باتیں حق و صداقت والی' جن میں کسی طرح کا جھوٹ اور تضاد نہیں''۔ جیسے فرمان باری ہے ﴿وَتَمَّتْ كَلِمَةُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا﴾ [3] یعنی تیرے رب کا کلمہ پورا ہوا' جو خبریں دینے میں سچا ہے اور حکم و منع میں عدل والا ہے۔

دین کو کامل کرنا تم پر اپنی نعمت کو بھرپور کرنا ہے چونکہ میں خود تمہارے اس دین اسلام پر خوش ہوں' اس لیے تم بھی اسی پر راضی رہو' یہی دین اللہ کا پسندیدہ ہے' اسی کو دے کر اس نے اپنے افضل رسول ﷺ کو بھیجا ہے اور اپنی

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التهجد : باب ماجآء فی التطوع مثنیٰ مثنیٰ (١١٦٢) و کتاب الدعوات (٦٣٨٢) نسائی : کتاب النکاح : باب کیف الاستخارة (٣٢٥٥) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلاة : باب ماجآء فی صلاة الاستخارة (١٣٨٣) ابو داؤد : کتاب الوتر : باب الاستخارة (١٥٣٨) ترمذی : کتاب الصلاة : باب ماجآء فی صلاة الاستخارة (٤٨٠) مسند احمد (٣٤٤/٣)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب تحریش الشیطان وبعثه سرایاه (٢٨١٢) ترمذی : کتاب البر والصلة : باب ماجآء فی التباغض (١٩٣٧) مسند احمد (٣١٣/٣)]

[3] [سوره الانعام: آیت ١١٥]

اشرف کتاب نازل فرمائی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس دین اسلام کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے کامل و مکمل کر دیا ہے اور اپنے نبی اور مومنوں کو اس کا کامل ہونا خود اپنے کلام میں فرما چکا ہے اب یہ رہتی دنیا تک کسی زیادتی کا محتاج نہیں' اسے اللہ نے پورا کیا ہے جو قیامت تک ناقص نہیں ہوگا۔ اس سے اللہ خوش ہے اور کبھی بھی ناخوش نہیں ہونے والا۔ حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت عرفہ کے دن نازل ہوئی' اس کے بعد حلال و حرام کا کوئی حکم نہیں اترا' اس حج سے لوٹ کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا' حضرت اسماء بنت عمیس رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں "اس آخری حج میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میں بھی تھی' ہم جا رہے تھے اتنے میں حضرت جبرئیل علیہ السلام کی تجلی ہوئی حضور صلی اللہ علیہ وسلم اپنی اونٹنی پر جھک پڑے وحی اترنی شروع ہوئی' اونٹنی وحی کے بوجھ کی طاقت نہیں رکھتی تھی۔ میں نے اسی وقت اپنی چادر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر اڑھا دی"۔ [1] ابن جریر رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں اس کے بعد اکیاسی دن تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حیات رہے' [2] حج اکبر والے دن جبکہ یہ آیت اتری تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ رونے لگے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سبب دریافت فرمایا تو جواب دیا کہ ہم دین کی تعمیل میں کچھ زیادہ ہی تھے' اب وہ کامل ہو گیا اور دستور یہ ہے کہ کمال کے بعد نقصان شروع ہو جاتا ہے' آپ نے فرمایا سچ ہے' [3] اسی معنی کی شہادت اس ثابت شدہ حدیث سے ہوتی ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان ہے کہ اسلام غربت اور انجان پن سے شروع ہوا اور عنقریب پھر غریب انجان ہو جائے گا' پس غرباء کے لیے خوشخبری ہے۔ [4] مسند احمد میں ہے کہ ایک یہودی نے حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ سے کہا تم جو اس آیت ﴿اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ﴾ الخ کو پڑھتے ہو اگر وہ ہم یہودیوں پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید منا لیتے" حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا واللہ مجھے علم ہے کہ یہ آیت کس وقت اور کس دن نازل ہوئی' عرفے کے دن جمعہ کی شام کو نازل ہوئی ہے' ہم سب اس وقت میدان عرفہ میں تھے' [5] تمام سیرت والے اس بات پر متفق ہیں کہ حجۃ الوداع والے سال عرفے کا دن جمعہ کو تھا' ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت کعب رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے یہ کہا تھا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ آیت ہمارے ہاں دوہری عید کے دن نازل ہوئی ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کی زبانی اس آیت کی تلاوت سن کر بھی یہودیوں نے یہی کہا تھا جس پر آپ نے فرمایا ہمارے ہاں تو یہ آیت دوہری عید کے دن اتری ہے' عید کا دن بھی تھا اور جمعہ کا دن بھی۔ [6] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ یہ

---

[1] [مرسل وضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٠٨٥)]

[2] [مرسل وضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٠٨٦)]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٠٨٧)]

[4] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان ان الاسلام بدأ غریباً (١٤٥، ١٤٦) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب بدأ الاسلام غریباً (٣٩٨٦) مسند احمد (٣٨٩/٢)]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب زیادة الایمان و نقصانه (٤٥) صحیح مسلم : کتاب التفسیر : باب آیات متفرقة (٣٠١٧)]

[6] [صحیح : تفسیر ابن جریر الطبری (١١١٠٤) ترمذی (٣٠٤٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی (٢٤٣٨)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

آیت عرفہ کے دن شام کو اتری ہے' ① حضرت معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ نے منبر پر اس پوری آیت کی تلاوت کی اور فرمایا جمعہ کے دن عرفے کو یہ اتری ہے۔ ② حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم موقف میں کھڑے ہوئے تھے' ③ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیر والے دن پیدا ہوئے' پیر والے دن ہی مکہ سے نکلے اور پیر والے دن ہی مدینے میں تشریف لائے' ④ یہ اثر غریب ہے اور اس کی سند ضعیف ہے۔

مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم پیر والے دن پیدا ہوئے' پیر والے دن نبی بنائے گئے' پیر والے دن ہجرت کے ارادے سے نکلے' پیر کے روز ہی مدینے پہنچے اور پیر کے دن ہی فوت کیے گئے' حجر اسود بھی پیر کے دن واقع ہوا' ⑤ اس میں سورۂ مائدہ کا پیر کے دن اترنا مذکور نہیں' میرا خیال یہ ہے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے کہا ہوگا دو عیدوں کے دن یہ آیت اتری تو دو کے لیے بھی لفظ اثنین ہے' اور پیر کے دن کو بھی اثنین کہتے ہیں اس لیے راوی کو شبہ سا ہو گیا واللہ اعلم۔ دو قول اس میں اور بھی مروی ہیں ایک تو یہ کہ یہ دن لوگوں کو نا معلوم ہے دوسرا یہ کہ یہ آیت غدیر خم کے دن نازل ہوئی ہے جس دن کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کی نسبت فرمایا تھا کہ جس کا مولیٰ میں ہوں' اس کا مولیٰ علی رضی اللہ عنہ ہے ⑥ گویا ذی الحجہ کی اٹھارہویں تاریخ ہوئی' ⑦ جبکہ آپ حجۃ الوداع سے واپس لوٹ رہے تھے لیکن یہ یاد رہے کہ یہ دونوں قول صحیح نہیں۔ بالکل صحیح اور بے شک وشبہ قول یہی ہے کہ یہ آیت عرفے کے دن جمعہ کو اتری ہے' امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب اور امیر المومنین علی بن ابو طالب اور اسلام کے پہلے بادشاہ حضرت امیر معاویہ بن ابو سفیان اور ترجمان القرآن حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہم سے یہی مروی ہے اور اسی کو حضرت شعبی' حضرت قتادہ' حضرت شہر وغیرہ ائمہ اور علماء رحمہم اللہ نے کہا ہے' یہی مختار قول ابن جریر اور طبری رحمہ اللہ کا ہے۔

پھر فرماتا ہے ''جو شخص ان حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کے استعمال کی طرف مجبور و بے بس ہو جائے تو وہ ایسے اضطرار کی حالت میں انہیں کام لا سکتا ہے۔ اللہ غفور و رحیم ہے' وہ جانتا ہے کہ اس بندے نے اس کی حد نہیں

---

① [ضعیف الدر المنثور للسیوطی (٤٥٧/٢)] اس کی سند میں عبدالحمید حمانی راوی ضعیف ہے۔ [تهذیب التهذیب (٤٥٠) التاریخ الکبیر للبخاری (٨٤٦/٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

② [تفسیر ابن جریر الطبری (١١١١٢) طبرانی کبیر (٣٩٢/١٩)]

③ [ضعیف طبرانی کبیر (٦٩١٦) مسند بزار (٢٢٠٧)] اس کی سند میں عمر بن موسیٰ راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (١٤/٧)]

④ [ضعیف تفسیر ابن جریر الطبری (١١١١٣) طبرانی کبیر (٢٣٧/١٢)] اس کی سند میں ابن لھیعہ راوی ضعیف ہے۔]

⑤ [ضعیف مسند احمد (٢٧٧/١)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٢٥٠٦)]

⑥ [ضعیف الدر المنثور للسیوطی (٤٥٧/٢)] اس کی سند میں ابو ھارون راوی ضعیف ہے۔ اگرچہ اس کی سند مذکورہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے مگر اس کا متن ثابت ہے۔ [دیکھئے: السلسلة الصحيحة (١٧٥٠)]

⑦ [ضعیف خطیب فی تاریخه (٢٩٠/٨) الدر المنثور للسیوطی (٤٥٧/٢) مسند ابو یعلی (٣٠٧/١١)] اس کی سند میں مطر بن طہمان ضعیف اور شہر بن حوشب مدلس ہے۔]

توڑی لیکن بے بسی اور اضطرار کے موقعہ پر اس نے یہ کیا ہے تو اللہ اسے معاف فرما دے گا۔ صحیح ابن حبان میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مرفوعاً مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ کو اپنی دی ہوئی رخصتوں پر بندوں کا عمل کرنا ایسا بھاتا ہے جیسے اپنی نافرمانی سے رک جانا۔ [1] مسند احمد میں ہے جو شخص اللہ کی دی ہوئی رخصت نہ قبول کرے، اس پر عرفات کے پہاڑ برابر گناہ ہے، [2] اسی لئے فقہاء کہتے ہیں کہ بعض صورتوں میں مردار کا کھانا واجب ہو جاتا ہے جیسے کہ ایک شخص کی بھوک کی حالت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ اب مردار چاہتا ہے اور کبھی جائز ہو جاتا ہے اور کبھی مباح، ہاں اس میں اختلاف ہے کہ بھوک کے وقت جب کہ حلال چیز میسر نہ ہو تو حرام صرف اتنا ہی کھا سکتا ہے کہ جان بچ جائے یا پیٹ بھر سکتا ہے بلکہ ساتھ بھی رکھ سکتا ہے، اس کے تفصیلی بیان کی جگہ احکام کی کتابیں ہیں۔ اس مسئلہ میں جب بھوکا شخص جس کے اوپر اضطرار کی حالت ہے، مردار اور دوسرے کا کھانا اور حالت احرام میں تینوں چیزیں موجود پائے تو کیا وہ مردار کھالے؟ یا حالت احرام میں ہونے کے باوجود شکار کر لے اور اپنی آسانی کی حالت میں اس کی جزا یعنی فدیہ ادا کر دے یا دوسرے کی چیز بلا اجازت کھالے اور اپنی آسانی کے وقت اسے وہ واپس کر دے، اس میں دو قول ہیں امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ سے دونوں مروی ہیں۔ یہ بھی یاد رہے کہ مردار کھانے کی یہ شرط جو عوام میں مشہور ہے کہ جب تین دن کا فاقہ ہو جائے تو حلال ہوتا یہ بالکل غلط ہے بلکہ جب اضطرار، بے قراری اور مجبوری کی حالت میں ہو اس کے لئے مردار کھانا حلال ہو جاتا ہے۔

مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ ''حضور ﷺ ہم ایسی جگہ رہتے ہیں کہ آئے دن ہمیں فقر و فاقہ کی نوبت آ جاتی ہے تو ہمارے لئے مردار کا کھالینا کیا جائز ہوتا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''جب صبح شام نہ ملے اور نہ کوئی سبزی ملے تو تمہیں اختیار ہے''۔ [3] اس حدیث کی ایک سند میں ارسال بھی ہے، لیکن مسند والی مرفوع حدیث کی اسناد شرط شیخین پر صحیح ہے۔ ابن عون فرماتے ہیں حضرت حسن رحمہ اللہ کے پاس حضرت سمرہ کی کتاب تھی، جسے میں ان کے سامنے پڑھتا تھا، اس میں یہ بھی تھا کہ صبح شام نہ ملنا اضطرار ہے۔ [4] ایک شخص نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ ''حرام کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟'' آپ نے فرمایا ''جب تک کہ تو

---

[1] **[صحیح :** صحیح ابن حبان (٢٧٤٢) مسند احمد (١٠٨/٢) مسند شهاب قضاعی (١٠٧٨) مسند بزار (٩٨٨) تاریخ بغداد (٣٤٧/١٠)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (١٨٨٦) صحیح الترغیب (١٠٥٩) ارواء الغلیل (٥٦٤)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (٥٨٦٦)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] **[ضعیف :** مسند احمد (٧١/٢)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ابن لہیعہ راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (٥٣٩٢)] شیخ البانیؒ اس روایت کو منکر کہتے ہیں۔[السلسلة الضعیفة (١٩٤٩)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] **[حسن بالشواهد :** مسند احمد (٢١٨/٥) تفسیر ابن جریر الطبری (١١١٢٨)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ طرق و شواہد کی بنا پر یہ روایت حسن ہے۔[الموسوعة الحدیثیة (٢١٨٩٨)]

[4] **[ضعیف :** تفسیر ابن جریر الطبری (١١١٣٢-١١١٣٣)]

اپنے بچوں کو دودھ سے شکم سیر نہ کر سکے اور جب تک کہ ان کا سامان نہ آ جائے''۔[1] ایک اعرابی نے حضور ﷺ سے حلال حرام کا سوال کیا' آپ نے جواب دیا کہ'' کل پاکیزہ چیزیں حلال اور کل خبیث چیزیں حرام ہاں جب کہ انکی طرف محتاج ہو جائے تو انہیں کھا سکتا ہے جب تک کہ ان سے غنی نہ ہو جائے''۔ اس نے پھر دریافت کیا کہ'' وہ محتاجی کون سی جس میں میرے لیے وہ حرام چیز حلال ہو جائے اور وہ غنی ہونا کون سا جس میں مجھے اس سے رک جانا چاہیے'' فرمایا'' جبکہ تو صرف رات کو اپنے بال بچوں کو دودھ سے آسودہ کر سکتا ہو تو تو حرام چیز سے پرہیز کر''۔[2] ابوداؤد میں ہے حضرت نجیع عامری رضی اللہ عنہ نے رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا کہ'' ہمارے لیے مردار کا کھانا کب حلال ہو جاتا ہے؟'' آپ نے فرمایا'' تمہیں کھانے کو کیا ملتا ہے؟'' اس نے کہا'' صبح کو صرف ایک پیالہ دودھ اور شام کو بھی صرف ایک پیالہ دودھ'' آپ نے کہا'' یہی ہے اور کون سی بھوک ہو گی؟''[3] پس اس حالت میں آپ نے انہیں مردار کھانے کی اجازت عطا فرمائی۔ مطلب حدیث کا یہ ہے کہ صبح شام ایک ایک پیالہ دودھ کا انہیں نا کافی تھا' بھوک باقی رہتی تھی' اس لیے ان پر مردہ حلال کر دیا گیا' تا کہ وہ پیٹ بھر لیا کریں' اسی کو دلیل بنا کر بعض بزرگوں نے فرمایا ہے کہ اضطرار کے وقت مردار کو پیٹ بھر کر کھا سکتا ہے' صرف جان بچ جائے اتنا ہی کھانا جائز ہو' یہ حد ٹھیک نہیں واللہ اعلم۔ ابوداود کی اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص مع اہل وعیال کے آیا اور حرہ میں ٹھہرا' کسی صاحب کی اونٹنی گم ہو گئی تھی' اس نے ان سے کہا اگر میری اونٹنی تمہیں مل جائے تو اسے پکڑ لینا۔ اتفاق سے یہ اونٹنی انہیں مل گئی' اب یہ اس کے مالک کو تلاش کرنے لگے لیکن وہ نہ ملا اور اونٹنی بیمار پڑ گئی تو اس شخص کی بیوی صاحبہ نے کہا کہ ہم بھوکے رہا کرتے ہیں' تم اسے ذبح کر ڈالو لیکن اس نے انکار کر دیا' آخر اونٹنی مر گئی تو پھر بیوی صاحبہ نے کہا' اب اس کی کھال کھینچ لو اور اس کے گوشت اور چربی کو ٹکڑے کر کے سکھا لو' ہم بھوکوں کو کام آ جائے گا' اس بزرگ نے جواب دیا' میں تو یہ بھی نہیں کروں گا' ہاں اگر اللہ کے نبی ﷺ اجازت دے دیں تو اور بات ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اس نے تمام قصہ بیان کیا آپ نے فرمایا کیا تمہارے پاس اور کچھ کھانے کو ہے جو تمہیں کافی ہو؟ جواب دیا کہ نہیں آپ نے فرمایا پھر تم کھا سکتے ہو۔ اس کے بعد اونٹنی والے سے ملاقات ہوئی اور جب اسے یہ علم ہوا تو اس نے کہا پھر تم نے اسے ذبح کر کے کھا کیوں نہ لیا؟ اس بزرگ صحابی رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ شرم معلوم ہوئی۔[4] یہ حدیث

---

[1] [مرسل وضعیف : طبرانی کبیر (١١١٢٩۔١١١٣٠)]

[2] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١١١٣١)] اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔]

[3] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب فی المضطر الی المیتة (٣٨١٧) بیهقی (٣٥٧/٩) ابن ابی شیبة (٦٠٩) بخاری فی التاریخ الکبیر (١٣٧/٧) ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی (١٧٢/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود (٨٢٢)]

[4] [حسن : ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب فی من اضطر الی المیتة (٣٨١٦) بیهقی فی السنن الکبری (٣٥٦/٩) عبد الله بن احمد فی زوائد المسند (٩٦/٥)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ابوداود (٣٢٣٤)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

دلیل ہے ان لوگوں کی جو کہتے ہیں کہ بوقت اضطرار مردار کا پیٹ بھر کر کھانا بلکہ اپنی حاجت کے مطابق اپنے پاس رکھ لینا بھی جائز ہے واللہ اعلم۔ پھر ارشاد ہوا ہے کہ یہ حرام بوقت اضطرار اس کے لیے مباح ہے جو کسی گناہ کی طرف میلان نہ رکھتا ہو‘ اس کے لیے اسے مباح کر کے دوسرے سے خاموشی ہے۔ جیسے سورۂ بقرہ میں ہے ﴿فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ﴾ [1] یعنی جو شخص بے قرار کیا جائے سوائے باغی اور حد سے گذرنے والے کے پس اس پر کوئی گناہ نہیں‘ اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربانی کرنے والا ہے۔ اس آیت سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ جو شخص اللہ کی کسی نافرمانی کے لیے سفر کر رہا ہے‘ اسے شریعت کی رخصتوں میں سے کوئی رخصت حاصل نہیں‘ اس لیے کہ رخصتیں گناہوں سے حاصل نہیں ہوتیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَآ اُحِلَّ لَهُمْ ۭ قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ۙ وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ
تُعَلِّمُوْنَهُنَّ مِمَّا عَلَّمَكُمُ اللّٰهُ ۡ فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ ۠
وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ۝۴

تجھ سے دریافت کرتے ہیں کہ ان کے لیے کچھ حلال ہے؟ تو کہہ دے کہ تمام پاک چیزیں تمہارے لیے حلال کی گئی ہیں اور جن حاصل کرنے والے‘ شکار کھیلنے والے جانوروں کو تم نے سدھار کھا ہو کہ تم انہیں تھوڑا بہت وہ سکھاؤ جس کی تعلیم اللہ نے تمہیں دے رکھی ہے۔ پس وہ شکار کو تمہارے لیے پکڑ کر روک رکھیں تم اسے کھالو اور اس پر اللہ کا نام ذکر کر لیا کرو اور اللہ سے ڈرتے رہو‘ یقیناً اللہ تعالیٰ جلد حساب لینے والا ہے ○

شکاری جانوروں کے ذریعے شکار: چونکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے نقصان پہنچانے والی خبیث چیزوں کی حرمت کا بیان فرمایا خواہ نقصان جسمانی ہو یا دینی یا دونوں‘ پھر ضرورت کی حالت کے احکامات مخصوص کرائے گئے جیسے فرمان ہے ﴿وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ﴾ [2] یعنی تمام حرام جانوروں کا بیان تفصیل سے تمہارے سامنے آچکا ہے یہ اور بات ہے کہ تم حالات کی بنا پر بے بس اور بے قرار ہو جاؤ۔ تو اس کے بعد ارشاد ہو رہا ہے کہ حلال چیزوں کے دریافت کرنے والوں سے کہہ دیجیے کہ تمام پاک چیزیں تم پر حلال ہیں‘ سورۂ اعراف میں آنحضرت ﷺ کی یہ صفت بیان فرمائی گئی ہے کہ آپ طیب چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور خبیث چیزوں کو حرام کرتے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ قبیلہ طائی کے دو شخصوں حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ اور زید بن مہلہل رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ مردہ جانور تو حرام ہو چکا اب حلال کیا ہے؟ اس پر یہ آیت اتری۔ حضرت سعید رحمہ اللہ فرماتے ہیں یعنی ذبح کیے ہوئے جانور طیب ہیں۔ [3] مقاتل رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر حلال رزق طیبات میں داخل ہے۔ امام زہری رحمہ اللہ سے سوال کیا گیا کہ دوا کے طور پر پیشاب کا پینا کیسا ہے؟ جواب دیا کہ وہ طیبات میں داخل نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ اس مٹی کا بیچنا کیسا ہے جسے لوگ کھاتے

---

[1] [سورۃ البقرہ : آیت ١٧٣] [2] [سورہ الانعام: آیت ١١٩]

[3] [ضعیف : اس کی سند میں ابن لھیعہ ضعیف ہے۔]

ہیں فرمایا وہ طیبات میں داخل نہیں اور تمہارے لیے شکاری جانوروں کے ذریعہ کھیلا ہوا شکار بھی حلال کیا جاتا ہے مثلاً سدھے ہوئے کتے اور شکرے وغیرہ کے ذریعے۔ یہی مذہب ہے۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین ائمہ رحمہم اللہ وغیرہ کا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شکاری سدھے ہوئے کتے' باز' چیتے' شکرے وغیرہ ہر وہ پرندہ جو شکار کرنے کی تعلیم دیا جاسکتا ہو اور بھی بہت سے بزرگوں سے یہی مروی ہے [1] کہ پھاڑنے والے جانوروں اور ایسے ہی پرندوں میں سے جو بھی تعلیم حاصل کرلے' ان کے ذریعے شکار کھیلنا حلال ہے' لیکن حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انہوں نے تمام شکاری پرندوں کا کیا ہوا شکار مکروہ کہا ہے اور دلیل میں ﴿وَمَا عَلَّمْتُمْ مِّنَ الْجَوَارِحِ مُكَلِّبِيْنَ﴾ پڑھا ہے سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح روایت کی گئی ہے۔ ضحاک اور سدی کا بھی یہی قول ابن جریر میں مروی ہے۔ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں باز وغیرہ پرند جو شکار پکڑیں اگر وہ تمہیں زندہ مل جائے تو ذبح کر کے کھالو ورنہ نہ کھاؤ' لیکن جمہور علماء اسلام کا فتویٰ یہ ہے کہ شکاری پرندوں کے ذریعہ جو شکار ہو' اس کا اور شکاری کتوں کے کیے ہوئے شکار کا ایک ہی حکم ہے' اس لیے کہ وہ بھی اپنے پنجوں کے ذریعہ کتے کی طرح شکار کھیلتا ہے۔ پھر ان میں تفریق کرنے کی کوئی چیز باقی نہیں رہتی۔ چاروں اماموں وغیرہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند کرتے ہیں اور اس کی دلیل میں اس حدیث کو لاتے ہیں کہ حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم سے باز کے کیے ہوئے شکار کا مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا ''جس جانور کو وہ تیرے لئے روک رکھے تو اسے کھالے''۔ [2] امام احمد رحمہ اللہ نے سیاہ کتے کا کیا ہوا شکار بھی مستثنیٰ کرلیا ہے' اس لئے کہ ان کے نزدیک اس کا قتل کرنا واجب ہے اور پالنا حرام ہے' کیونکہ صحیح مسلم میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''نماز کو تین چیزیں توڑ دیتی ہیں' گدھا' عورت اور سیاہ کتا۔ اس پر حضرت ابی رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سیاہ کتے کی خصوصیت کی کیا وجہ ہے؟ تو آپ نے فرمایا ''وہ شیطان ہے''۔ [3]

دوسری حدیث میں ہے کہ آپ نے کتوں کے مار ڈالنے کا حکم دیا پھر فرمایا انہیں کتوں سے کیا واسطہ؟ ان کتوں میں سے سخت سیاہ کتوں کو مار ڈالا کرو۔ [4] شکاری حیوانات کو جوارح اس لیے کہا گیا کہ جرح کہتے ہیں کسب

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٩/٥٤٨) بیهقی فی السنن الکبری (٩/٢٣٥) الدر المنثور (٢/٤٦٠)]

[2] [**ضعیف ومنکر** : ترمذی : کتاب الصید : باب ماجآء فی صید البزاة (١٤٦٧) بیهقی (٩/٢٣٨) تفسیر ابن جریر الطبری (٩/٥٥٠)] شیخ البانیؒ نے اسے منکر کہا ہے۔ [ضعیف الجامع الصغیر (٥١١٣)] اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔]

[3] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب الصلاة : باب قدر مایستر المصلی (٥١٠) ترمذی : کتاب الصلاة : باب ماجآء انه لا یقطع الصلاة (٣٣٨) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلاة : باب مایقطع الصلاة (٩٥٧) ابوداؤد : کتاب الصلاة : باب مایقطع الصلاة (٧٠٢)]

[4] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب المساقاة : باب الامر بقتل الکلاب وبیان نسخه (١٥٧٣) وکتاب الطهارة (٢٨٠) ابن ماجه : کتاب الصید : باب قتل الکلاب الا کلب صیدا (٣٢٠٠) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب الوضوء بسور الکلب (٧٤) مسند احمد (٤/٨٦)]

اور کمائی کو' جیسے عرب کہتے ہیں ((فُلَانٌ جَرَحَ اَهْلَـهٗ خَيْرًا)) یعنی فلاں شخص نے اپنی اہل کے لیے بھلائی حاصل کر لی اور عرب کہتے ہیں ((فُلَانٌ لَاَ جَارِحَ لَهٗ)) فلاں شخص کا کوئی کماؤ نہیں' قرآن میں بھی لفظ جَرْح کسب اور کمائی اور حاصل کرنے کے معنی میں آیا ہے فرمان ہے ﴿وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ [1] یعنی دن کو جو بھلائی برائی تم حاصل کرتے ہو اور اسے بھی اللہ جانتا ہے۔ اس آیت کریمہ کے اترنے کی وجہ ابن ابی حاتم میں یہ ہے کہ حضور ﷺ نے کتوں کے قتل کرنے کا حکم دیا اور وہ قتل کیے جانے لگے تو لوگوں نے آ کر آپ سے پوچھا کہ یا رسول اللہ ﷺ جس امت کے قتل کا حکم آپ نے دیا ہے ان سے ہمارے لیے کیا فائدہ حلال ہے؟ آپ خاموش رہے اس پر یہ آیت اتری۔ پس آپ نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار کے پیچھے چھوڑے اور بسم اللہ بھی کہے پھر وہ شکار پکڑ لے اور روک رکھے تو جب تک وہ نہ کھائے یہ کھا لے۔ [2] ابن جریر میں ہے "جبرائیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے اندر آنے کی اجازت چاہی' آپ نے اجازت دی لیکن وہ پھر بھی اندر نہ آئے تو آپ نے فرمایا اے قاصد رب' ہم تو تمہیں اجازت دے چکے پھر کیوں نہیں آتے؟ اس پر فرشتے نے کہا! ہم اس گھر میں نہیں جاتے' جس میں کتا ہو' اس پر آپ نے حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ مدینے کے کل کتے مار ڈالے جائیں' ابورافع رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں گیا اور سب کتوں کو قتل کرنے لگا' ایک بڑھیا کے پاس کتا تھا' جو اس کے دامن میں لپٹنے لگا اور بطور فریاد اس کے سامنے بھونکنے لگا' مجھے رحم آ گیا اور میں نے اسے چھوڑ دیا اور آ کر حضور ﷺ کو خبر دی آپ نے حکم دیا کہ اسے بھی باقی نہ چھوڑ' پھر واپس گیا اور اسے بھی قتل کر دیا' اب لوگوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ جس امت کے قتل کا آپ نے حکم دیا ہے' ان سے کوئی فائدہ ہمارے لیے حلال بھی ہے یا نہیں؟ اس پر آیت ﴿يَسْئَلُوْنَكَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ [3] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ مدینے کے کتوں کو قتل کر کے پھر ابو رافع رضی اللہ عنہ آس پاس کی بستیوں میں پہنچے اور مسئلہ دریافت کرنے والوں کے نام بھی اس میں ہیں یعنی حضرت عاصم بن عدی حضرت سعد بن خیثمہ حضرت عویم بن ساعدہ رضی اللہ عنہم [4] محمد بن کعب قرظی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آیت کا شان نزول کتوں کا قتل ہے ((مُكَلِّبِيْنَ)) کا لفظ ممکن ہے کہ ((عَلَّمْتُمْ)) کی ضمیر یعنی فاعل کا حال ہو اور ممکن ہے کہ جَوَارِح یعنی مفعول کا حال ہو۔ یعنی جن شکار حاصل کرنے والے جانوروں کو تم نے سدھایا ہو اور حالانکہ وہ شکار کو اپنے پنجوں اور ناخنوں سے شکار کرتے ہوں' اس سے بھی یہ استدلال ہو سکتا ہے کہ شکاری جانور جب شکار کو اپنے صدمے سے ہی دبوچ کر مار ڈالے تو وہ حلال نہ ہوگا جیسے کہ امام شافعی رحمہ اللہ کے دونوں قولوں میں سے ایک قول ہے اور علماء کی ایک جماعت کا خیال ہے۔ اسی لیے فرمایا تم نے انہیں اس میں سے کچھ سکھا دیا ہو جو اللہ نے تمہیں سکھا رکھا ہے۔ یعنی جب تم چھوڑو تو جائے' جب تم روکو لو رک جائے اور شکار پکڑ کر تمہارے لیے روک رکھے۔

---

[1] [سورہ الانعام: آیت ٦٠]

[2] [ضعیف: مستدرك حاكم (٢/٣١١)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف: مستدرك الحاكم (٢/٣١١)] اس کی سند میں بھی موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔]

[4] [مرسل: تفسیر ابن جریر الطبری (١١١٣٨)]

تاکہ تم جا کر اسے لے لو اس نے خود اپنے لیے اسے شکار نہ کیا ہو' اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ جب شکاری جانور سدھا ہوا ہو اور اس نے اپنے چھوڑنے والے کے لیے شکار کیا ہو اور اس نے بھی اس کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لیا ہو تو وہ شکار مسلمانوں کے لیے حلال ہے گو وہ شکار مر بھی گیا ہو' اس پر اجماع ہے۔ اس آیت کے مسئلہ کے مطابق ہی بخاری و مسلم کی یہ حدیث ہے کہ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں اللہ کے نام لے کر اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑتا ہوں تو آپ نے فرمایا جس جانور کو وہ پکڑ رکھے تو اسے کھا لے اگرچہ کتے نے اسے مار بھی ڈالا ہو' ہاں یہ ضرور ہے کہ اس کے ساتھ شکار کرنے میں دوسرا کتا نہ ملا ہو اس لیے کہ تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہے دوسرے کو بِسْمِ اللّٰہِ پڑھ کر نہیں چھوڑا میں نے کہا میں نوکدار لکڑی سے شکار کھیلتا ہوں فرمایا اگر وہ اپنی تیزی کی طرف سے زخمی کرے تو کھا لے اور اگر اپنی چوڑائی کی طرف سے لگا ہو تو نہ کھا کیونکہ وہ لٹھ مارا ہوا ہے'[1] دوسری روایت میں یہ لفظ ہیں کہ جب تو اپنے کتے کو چھوڑے تو اللہ کا نام پڑھ لیا کر پھر وہ شکار کو تیرے لیے پکڑ رکھے اور تیرے پہنچ جانے پر شکار زندہ مل جائے تو تو اسے ذبح کر ڈالے اور اگر کتے نے ہی اسے مار ڈالا ہو اور اس میں سے کھایا نہ ہو تو تو اسے بھی کھا سکتا ہے اس لیے کہ کتے کا اسے شکار کر لینا ہی اس کا ذبیحہ ہے۔[2] اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "اگر اس نے کھا لیا ہو تو پھر اسے نہ کھا' مجھے تو ڈر ہے کہ کہیں اس نے اپنے کھانے کے شکار نہ پکڑا ہو؟"[3] یہی دلیل جمہور کی ہے اور حقیقتاً امام شافعی رحمہ اللہ کا صحیح مذہب بھی یہی ہے کہ جب کتا شکار کو کھا لے تو وہ مطلق حرام ہو جاتا ہے اس میں کوئی گنجائش نہیں جیسا کہ حدیث میں ہے۔ ہاں سلف کی ایک جماعت کا یہ قول بھی ہے کہ مطلقاً حلال ہے۔ ان کے دلائل یہ ہیں۔

سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں تو کھا سکتا ہے اگرچہ کتے نے تہائی حصہ کھا لیا ہو' حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ گو ایک ٹکڑا ہی باقی رہ گیا ہو تاہم کھا سکتے ہیں۔ حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں گو دو تہائیاں کتا کھا گیا ہو پھر بھی تو کھا سکتا ہے' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا بھی یہی فرمان ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب بِسْمِ اللّٰہِ کہہ کر تو نے اپنے سدھائے ہوئے کتے کو شکار پر چھوڑا ہو تو جس جانور کو اس نے تیرے لیے پکڑ رکھا ہے تو اسے کھا لے کتے نے اس میں سے کھایا ہو یا نہ کھایا ہو' یہی مروی ہے حضرت علی اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے۔ حضرت عطاء اور حضرت حسن بصری رحمہما اللہ سے اس میں مختلف اقوال مروی ہیں' زہری ربیعہ اور

---

[1] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الذبائح والصید : باب ما اصاب المعراض بعرضه (٥٤٧٦) صحیح مسلم : کتاب الصید : باب الصید بالکلاب المعلمة (١٩٢٩) ترمذی : کتاب الصید (١٤٦٧) ابوداؤد : کتاب الصید (٢٨٤٧)]

[2] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الذبائح : باب التسمیة علی الصید (٥٤٨٤) صحیح مسلم : کتاب الصید : باب الصید بالکلاب المعلمة (١٩٢٩)]

[3] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الذبائح والصید : باب ماجآء فی التصید (٥٤٨٧) صحیح مسلم : کتاب الصید : باب الصید بالکلاب المعلمة (١٩٢٩)]

مالک سے بھی یہی روایت کی گئی ہے' اسی کی طرف امام شافعی رحمہ اللہ اپنے پہلے ہی قول میں گئے ہیں اور نئے قول میں بھی اسی کی طرف اشارہ کیا ہے۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے ابن جریر کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے کتے کو شکار پر چھوڑے پھر شکار کو اس حالت میں پائے کہ کتے نے اسے کھالیا ہو تو جو باقی ہو اسے وہ کھا سکتا ہے۔ اس حدیث کی سند میں بقول ابن جریر رحمہ اللہ نظر ہے اور سعید راوی کا حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے سننا معلوم نہیں ہوا اور دوسرے ثقہ راوی اسے مرفوع نہیں کرتے بلکہ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کا قول نقل کرتے ہیں یہ قول ہے تو صحیح لیکن اس معنی کی اور مرفوع حدیثیں بھی مروی ہیں' ابوداؤد میں ہے حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ ایک اعرابی ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس شکاری کتے سدھائے ہوئے ہیں ان کے شکار کی نسبت کیا فتویٰ ہے؟ آپ نے فرمایا جو جانور وہ تیرے لیے پکڑیں وہ تجھ پر حلال ہے' اس نے کہا ذبح کر سکوں جب بھی اور ذبح نہ کر سکوں تو بھی؟ اور اگرچہ کتے نے کھالیا ہو تو بھی؟ آپ نے فرمایا ہاں گو کھا بھی لیا ہو' انہوں نے دوسرا سوال کیا کہ میں اپنے تیر کمان سے جو شکار کروں اس کا کیا فتویٰ ہے؟ فرمایا اسے بھی تو کھا سکتا ہے' پوچھا اگر وہ زندہ ملے اور میں اسے ذبح کر سکوں تو بھی اور تیر لگتے ہی مر جائے تو بھی؟ فرمایا بلکہ گو وہ تجھے نظر نہ پڑے اور ڈھونڈنے سے مل جائے تو بھی۔ بشرطیکہ اس میں کسی دوسرے شخص کے تیر کا نشان نہ ہو' انہوں نے تیسرا سوال کیا کہ بوقت ضرورت مجوسیوں کے برتنوں کا استعمال کرنا ہمارے لیے کیسا ہے؟ فرمایا تم انہیں دھو ڈالو پھر ان میں کھا پی سکتے ہو۔[1] یہ حدیث نسائی میں بھی ہے۔

ابوداؤد کی دوسری حدیث میں ہے جب تو نے اپنے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو تو تو اس کے شکار کو کھا سکتا ہے گو اس نے اس میں سے کھا بھی لیا ہو اور تیرا ہاتھ جس شکار کو تیرے لیے لایا ہو اسے بھی تو کھا سکتا ہے۔[2] ان دونوں احادیث کی سندیں بہت ہی اعلیٰ اور عمدہ ہیں۔ اور حدیث میں ہے کہ تیرا سدھایا ہوا کتا جو شکار تیرے لیے کھیلے تو اسے کھالے' حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے پوچھا اگرچہ اس نے اس میں سے کھالیا ہو فرمایا ہاں پھر بھی' ان آثار اور احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ شکاری کتے نے شکار کو گو کھالیا ہو تاہم بقیہ شکار شکاری کھا سکتا ہے۔ کتے وغیرہ کے کھائے ہوئے شکار کو حرام نہ کہنے والوں کے یہ دلائل ہیں۔ ایک اور جماعت ان دونوں جماعتوں کے درمیان ہے وہ کہتی ہے کہ اگر شکار پکڑتے ہی کھانے بیٹھ گیا تو بقیہ حرام اور اگر شکار پکڑ کر اپنے مالک کا انتظار کیا اور باوجود خاصی دیر گذر جانے کے اپنے مالک کو نہ پایا اور بھوک کی وجہ سے اسے کھالیا تو بقیہ حلال۔ پہلی بات پر محمول ہے حضرت عدی والی حدیث اور دوسری پر محمول ہے ابوثعلبہ والی حدیث میں۔ یہ فرق بھی بہت اچھا ہے اور اس سے دو صحیح

---

[1] [حسن : ابوداؤد : کتاب الصید : باب فی الصید (٢٨٥٧)] شیخ البانیؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث حسن ہے لیکن اس کے یہ الفاظ ﴿ وان اکل منه ﴾ منکر ہیں۔[صحیح ابوداود]

[2] [منکر : ابوداؤد : کتاب الصید : باب فی الصید (٢٨٥٢)] شیخ البانیؒ نے اسے منکر کہا ہے۔[صحیح ابوداود] تاہم ابن عبدالهادی نے اسے حسن کہا ہے۔[نصب الرایة (٣١٢/٤)]

حدیثیں بھی جمع ہو جاتی ہیں۔ استاذ ابوالمعالی جوینی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب نہایہ میں یہ تمنا ظاہر کی تھی کہ کاش کوئی اس بارہ میں یہ وضاحت کرے تو الحمدللہ یہ وضاحت لوگوں نے کر لی۔

اس مسئلہ میں ایک چوتھا قول بھی ہے وہ یہ کہ کتے کا کھالیا ہوا شکار تو حرام ہے جیسا کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ کی حدیث میں ہے' اور شکرے وغیرہ کا کھایا ہوا شکار حرام نہیں اس لیے کہ وہ تو کھانے سے ہی تعلیم قبول کرتا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اگر پرندا پنے مالک کے پاس لوٹ آیا اور مارا نہیں پھر وہ پر نوچے اور گوشت کھائے تو تُو کھالے۔ ابراہیم، نخعی، شعبی' حماد بن ابی سلیمان یہی کہتے ہیں ان کی دلیل ابن ابی حاتم کی یہ روایت ہے کہ حضرت عدی رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ ہم لوگ کتوں اور باز سے شکار کھیلا کرتے ہیں تو ہمارے لیے کیا حلال ہے؟ آپ نے فرمایا جو شکاری جانور یا شکار حاصل کرنے والے خود شکار کرنے والے اور سدھائے ہوئے تمہارے لیے شکار روک رکھیں اور تم نے ان پر اللہ کا نام لے لیا ہوا سے تم کھالو۔ پھر فرمایا جس کتے کو تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو وہ جس جانور کو روک رکھے تو اسے کھالے میں نے کہا گو اسے مار ڈالا ہو فرمایا گو مار ڈالا ہو لیکن یہ شرط ہے کہ کھایا نہ ہو میں نے کہا اگر اس کتے کے ساتھ دوسرے کتے بھی مل گئے ہوں تو؟ فرمایا پھر نہ کھا جب تک کہ تجھے اس بات کا پورا اطمینان نہ ہو کہ تیرے ہی کتے نے شکار کیا ہے۔ میں نے کہا ہم لوگ تیر سے بھی شکار کیا کرتے ہیں اس میں سے کون سا حلال ہے؟ فرمایا جو تیر زخمی کرے اور تو نے اللہ کا نام لے کر چھوڑا ہو اسے کھالے' [1] وجہ دلالت یہ ہے کہ کتے میں نہ کھانے کی شرط آپ نے بتائی اور باز میں نہیں بتائی' پس ان دونوں میں فرق ثابت ہو گیا واللہ اعلم۔

اللہ رب العزت فرماتا ہے کہ تم کھالو جن حلال جانوروں کو تمہارے یہ شکاری جانور پکڑ لیں اور تم نے ان کے چھوڑنے کے وقت اللہ کا نام لے لیا ہو۔ جیسے کہ حضرت عدی اور حضرت ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے [2] اسی لیے حضرت امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ اماموں نے یہ شرط ضروری بتلائی ہے کہ شکار کے لیے جانور کو چھوڑتے وقت اور تیر چلاتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا شرط ہے۔ جمہور کا مشہور مذہب بھی یہی ہے کہ اس آیت اور اس حدیث سے مراد جانور کے چھوڑنے کا وقت ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اپنے شکاری جانور کو بھیجتے وقت بِسْمِ اللّٰهِ کہہ لے ہاں اگر بھول جائے تو کوئی حرج نہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ مراد کھانے کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ پڑھنا ہے۔ جیسے کہ بخاری و مسلم میں عمر بن ابوسلمہ کے ربیبہ کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمانا مروی ہے کہ اللہ کا نام لے اور اپنے داہنے ہاتھ سے اپنے سامنے سے کھا۔ [3] صحیح بخاری شریف میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] [ضعیف: اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری : كتاب الذبائح : باب صيد القوس (٥٤٧٨) صحيح مسلم : كتاب الصيد : باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمى (١٩٣٠)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری : كتاب الاطعمة : باب التسمية على الطعام (٥٣٧٦) صحيح مسلم : كتاب الاشربة : باب آداب الطعام (٢٠٢٢) ابن ماجه : كتاب الاطعمة : باب التسمية عند الطعام (٣٢٦٥) ترمذی : كتاب الاطعمة : باب ماجاء فى التسمية على الطعام (١٨٥٧) مسند احمد (٤/ ٢٦)]

سے پوچھا لوگ ہمارے پاس گوشت لاتے ہیں وہ نومسلم ہیں ہمیں اس کا علم نہیں ہوتا کہ انہوں نے اللہ کا نام لیا بھی ہے یا نہیں؟ تو کیا ہم اسے کھالیں آپ نے فرمایا تم خود اللہ کا نام لے لو اور کھالو۔ [1] مسند میں ہے کہ حضور ﷺ چھ صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ کھانا تناول فرما رہے تھے کہ ایک اعرابی نے آ کر دو لقمے اس میں سے اٹھائے آپ نے فرمایا اگر یہ بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لیتا تو یہ کھانا تم سب کو کافی ہو جاتا تم میں سے جب کوئی کھانے بیٹھے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے اگر اول میں بھول گیا تو جب یاد آ جائے کہہ دے ﴿بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ﴾۔ [2] یہی حدیث منقطع سند کے ساتھ ابن ماجہ میں بھی ہے۔ [3]

دوسری سند سے یہ حدیث ابوداود' ترمذی' نسائی اور مسند احمد میں ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن صحیح بتاتے ہیں۔ [4] جابر بن صبیح فرماتے ہیں حضرت مثنی بن عبدالرحمٰن خزاعی کے ساتھ میں نے واسط کا سفر کیا اور ان کی عادت یہ تھی کہ کھانا شروع کرتے وقت بِسْمِ اللّٰہِ کہہ لیتے اور آخری لقمہ کے وقت ﴿بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَآخِرَہٗ﴾ کہہ لیا کرتے میں نے اس کا سبب پوچھا تو انہوں نے امیہ بن مخشی رضی اللہ عنہ کی روایت بیان کی کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو کھاتے ہوئے دیکھا کہ اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی' یہاں تک کہ جب آخر میں پہنچا تو بولا بِسْمِ اللّٰہِ اَوَّلَہٗ وَاٰخِرَہٗ۔ حضور ﷺ نے فرمایا واللہ شیطان اس کے ساتھ کھا تارہ جب تک کہ اس نے بسم اللہ نہ کہہ لی' پھر تو شیطان نے قے کر کے سارا کھانا اپنے پیٹ سے نکال دیا۔ [5] (مسند احمد وغیرہ)

اس کے راوی کو ابن معین اور نسائی تو ثقہ کہتے ہیں لیکن ابوالفتح ازدی فرماتے ہیں یہ دلیل لینے کے قابل راوی نہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم نبی ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے کہ ایک لڑکی گرتی پڑتی آئی' جیسے کوئی اسے دھکے دے رہا ہو اور آتے ہی اس نے لقمہ اٹھانا چاہا حضور ﷺ نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ایک اعرابی بھی اسی طرح آیا اور پیالے میں ہاتھ ڈالا آپ نے اس کا ہاتھ بھی اپنے ہاتھ میں پکڑ لیا اور فرمایا جب کسی کھانے پر بسم

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: كتاب الذبائح: باب ذبيحة الاعراب ونحوهم (٥٥٠٧) ابوداؤد: كتاب الضحايا: باب ماجآء فی اكل اللحم (٢٨٢٩) ابن ماجه: كتاب الذبائح (٣١٧٤)]

[2] [حسن بالشواهد: مسند احمد (١٤٣/٦)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ حدیث شواہد کی بنا پر حسن ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٢٥١٠٦)]

[3] [صحیح: ابن ماجه: كتاب الاطعمة: باب التسمية عندالطعام (٣٢٦٤)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ابن ماجه، ارواء الغليل (١٩٦٥)]

[4] [صحیح: ابوداؤد: كتاب الاطعمة: باب التسمية على الطعام (٣٧٦٧) ترمذی (١٨٥٨) مسند احمد (٢٦٥/٦)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ابوداود]

[5] [ضعیف: ابوداؤد: كتاب الاطعمة: باب التسمية على الطعام (٣٧٦٨) مسند احمد (٣٣٦/٤) مستدرك حاكم (١٠٨/٤) نسائی فی السنن الكبرى (١٠١١٣) ابن السنی فی عمل اليوم والليلة (٤٦١)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [التعليق الرغيب (١١٦/٣)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو مثنی راوی کی جہالت کی وجہ سے ضعیف کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (١٨٩٦٣)]

اللہ نہ کہی جائے تو شیطان اسے اپنے لیے حلال کر لیتا ہے وہ پہلے تو اس لڑکی کے ساتھ آیا تا کہ ہمارا کھانا کھائے تو میں نے اس کا ہاتھ تھام لیا پھر وہ اعرابی کے ساتھ آیا میں نے اس کا بھی ہاتھ تھام لیا اس کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ شیطان کا ہاتھ ان دونوں کے ہاتھ کے ساتھ میرے ہاتھ میں ہے۔ [1] (مسند' مسلم' ابوداؤد' نسائی) مسلم' ابوداؤد' نسائی اور ابن ماجہ میں ہے کہ جب انسان اپنے گھر میں جاتے ہوئے اور کھانا کھاتے ہوئے اللہ کا نام یاد کر لیا کرتا ہے تو شیطان کہتا ہے کہ اے شیطانوں نہ تو تمہارے لیے رات گزارنے کی جگہ ہے نہ رات کا کھانا اور جب وہ گھر میں جاتے ہوئے کھاتے ہوئے اللہ کا نام نہیں لیتا تو وہ پکار دیتا ہے کہ تم نے شب باشی کی اور کھانا کھانے کی جگہ پالی۔ [2] مسند' ابوداؤد اور ابن ماجہ میں ہے کہ ایک شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں شکایت کی کہ ہم کھاتے ہیں اور ہمارا پیٹ نہیں بھرتا تو آپ نے فرمایا شاید تم الگ الگ کھاتے ہو گے کھانا سب مل کر کھاؤ اور بسم اللہ کہہ لیا کرو اس میں اللہ کی طرف سے برکت دی جائے گی۔ [3]

اَلْيَوْمَ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّيِّبٰتُ ؕ وَطَعَامُ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ حِلٌّ لَّكُمْ ۪ وَطَعَامُكُمْ حِلٌّ لَّهُمْ ۫ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الْمُؤْمِنٰتِ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ مُحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ وَلَا مُتَّخِذِيْۤ اَخْدَانٍ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ ۫ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ۝۵ ع

کل پاکیزہ چیزیں آج تمہارے لیے حلال کی گئیں اور اہل کتاب کا ذبیحہ تمہارے لیے حلال ہے اور تمہارا ذبیحہ ان کے لیے حلال ہے اور پاک دامن مسلمان عورتیں اور جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے ہیں ان کی پاک دامن عورتیں بھی حلال ہیں جبکہ تم ان کے مہر ادا کرو اس طرح کہ تم ان سے باقاعدہ نکاح کرو نہ بطور علانیہ زنا کاری کے اور نہ بطور پوشیدہ بدکاری کے' منکرین ایمان کے اعمال ضائع اور اکارت ہیں اور آخرت میں وہ ہارنے والوں میں سے ہیں ○

اہل کتاب کے کھانے اور عورتوں کی حلت کا بیان: حلال و حرام کے بیان کے بعد بطور خلاصہ فرمایا کہ کل ستھری چیزیں حلال ہیں' پھر یہود و نصاریٰ کے ذبح کیے ہوئے جانوروں کی حلت بیان فرمائی۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما ابو امامہ' مجاہد' سعید بن جبیر' عکرمہ' عطاء' حسن' مکحول' ابراہیم نخعی' سدی' مقاتل بن حیان رحمہ اللہ علیہم یہ سب یہی کہتے ہیں کہ

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الاشربة: باب آدام الطعام (٢٠١٧) ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب التسمیة علی الطعام (٣٧٦٦)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الاشربة: باب آداب الطعام والشراب (٢٠١٨) ابن ماجه: کتاب الدعاء: باب مایدعو به اذا دخل بیتة (٣٨٨٧) ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب التسمیة علی الطعام (٣٧٦٥) مسند احمد (٣/٣٨٣)]

[3] [حسن: ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب فی الاجتماع علی الطعام (٣٧٦٤) ابن ماجه (٣٢٨٦) مسند احمد (٣/٥٠١)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابوداود، السلسلة الصحیحة (٦٦٤)]

طعام سے مراد ان کا اپنے ہاتھ سے ذبح کیا ہوا جانور ہے، جس کا کھانا مسلمانوں کو حلال ہے،[1] علماء اسلام کا اس پر مکمل اتفاق ہے کہ ان کا ذبیحہ ہمارے لیے حلال ہے، کیونکہ وہ بھی غیر اللہ کے لیے ذبح کرنا ناجائز جانتے ہیں اور ذبح کرتے وقت اللہ کے سوا دوسرے کا نام نہیں لیتے گو ان کے عقیدے ذات باری کی نسبت یکسر اور سراسر باطل ہیں، جن سے اللہ تعالیٰ بلند و بالا اور پاک و منزہ ہے۔ صحیح حدیث میں حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ جنگ خیبر میں مجھے چربی کی بھری ہوئی ایک مشک مل گئی، میں نے اسے قبضہ میں کیا اور کہا اس میں سے تو آج میں کسی کو بھی حصہ نہ دوں گا، اب جو ادھر ادھر نگاہ پھرائی تو دیکھتا ہوں کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس ہی کھڑے ہوئے تبسم فرما رہے ہیں۔[2] اس حدیث سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مال غنیمت میں سے کھانے پینے کی ضروری چیزیں تقسیم سے پہلے بھی لے لینی جائز ہیں اور یہ استدلال اس حدیث سے صاف ظاہر ہے، تینوں مذہب کے فقہاء نے مالکیوں پر اپنی یہ سند پیش کی ہے اور کہا ہے کہ تم جو کہتے ہو کہ اہل کتاب کا وہی کھانا ہم پر حلال ہے جو خود ان کے ہاں بھی حلال ہو یہ غلط ہے دیکھو چربی کو یہودی حرام جانتے تھے لیکن مسلمان دے لے رہا ہے لیکن یہ ہے ایک شخصی واقعہ۔ ساتھ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ وہ چربی ہے جسے خود یہودی بھی حلال جانتے تھے یعنی پشت کی چربی انتڑیوں سے لگی ہوئی چربی اور ہڈی سے ملی ہوئی چربی۔

اس سے بھی زیادہ دلالت والی تو وہ روایت ہے جس میں ہے کہ خیبر والوں نے سالم بھنی ہوئی ایک بکری حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تحفہ میں دی جس کے شانے کے گوشت کو انہوں نے زہر آلود کر رکھا تھا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو شانے کا گوشت پسند ہے، چنانچہ آپ نے اس کا یہی گوشت لے کر منہ میں رکھ کر دانتوں سے توڑا تو فرمان باری سے اس شانے نے کہا، مجھ میں زہر ملا ہوا ہے، آپ نے اسی وقت اسے تھوک دیا اور اس کا اثر آپ کے سامنے کے دانتوں وغیرہ میں رہ بھی گیا، آپ کے ساتھ حضرت بشر بن براء بن معرور رضی اللہ عنہ بھی تھے، جو اسی کے اثر سے راہی بقا ہوئے، جن کے قصاص میں زہر ملانے والی عورت کو بھی قتل کیا گیا، جس کا نام زینب تھا، وجہ دلالت یہ ہے کہ خود حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مع اپنے ساتھیوں کے اس گوشت کے کھانے کا پختہ ارادہ کر لیا اور یہ نہ پوچھا کہ اس کی جس چربی کو تم حرام جانتے ہو اسے نکال بھی ڈالا ہے یا نہیں؟ اور حدیث میں ہے کہ ایک یہودی نے آپ کی دعوت میں جو کی روٹی اور پرانی سوکھی چربی پیش کی تھی،[3] حضرت مکحول رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس چیز پر نام رب نہ لیا جائے

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥٧٣/٩)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب فرض الخمس: باب مایصیب من الطعام فی ارض الحرب (٣١٥٣) صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب جواز الاکل من طعام الغنیمة فی دارالحرب (١٧٧٢) نسائی: کتاب الضحایا: باب ذبائح الیهود (٤٤٤٠) ابوداؤد: کتاب الجهاد: باب فی اباحة الطعام فی ارض العدو (٢٧٠٢) مسند احمد (٨٦/٤)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب البیوع: باب الخیاط (٢٠٩٢) ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب فی اکل الدباء (٣٧٨٢) مسند احمد (٢١٠/٣)]

اس کا کھانا حرام کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر رحم فرما کر منسوخ کر کے اہل کتاب کے ذبح کیے ہوئے جانور حلال کر دیئے یہ یاد رہے کہ اہل کتاب کا ذبیحہ حلال ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ جس جانور پر بھی نام الٰہی نہ لیا جائے وہ حلال ہو؟ اس لیے کہ وہ اپنے ذبیحوں پر اللہ کا نام لیتے تھے بلکہ جس گوشت کو کھاتے تھے اسے ذبیحہ پر موقوف نہ رکھتے تھے بلکہ مردہ جانور بھی کھا لیتے تھے لیکن سامرہ اور صابئہ اور ابراہیم وشیث وغیرہ پیغمبروں کے دین کے مدعی ان سے مستثنیٰ تھے' جیسے کہ علماء کے دو اقوال میں سے ایک قول ہے اور عرب کے نصرانی جیسے بنوتغلب' تنوخ بہرا' جزام' لخم' عاملہ کے ایسے اور بھی ہیں کہ جمہور کے نزدیک ان کے ہاتھ کا کیا ہوا ذبیحہ نہیں کھایا جائے گا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں قبیلہ بنوتغلب کے ہاتھ کا ذبح کیا ہوا جانور نہ کھاؤ' اس لیے کہ انہوں نے تو نصرانیت سے سوائے شراب نوشی کے اور کوئی چیز نہیں لی' ہاں سعید بن مسیّب اور حسن بنوتغلب کے نصاریٰ کے ہاتھوں ذبح کیے ہوئے جانور کے کھا لینے میں کوئی حرج نہیں جانتے تھے' باقی رہے مجوسی ان سے گو جزیہ لیا گیا ہے کیونکہ انہیں اس مسئلہ میں یہود ونصاریٰ میں ملا دیا گیا ہے اور ان کا ہی تابع کر دیا گیا ہے' لیکن ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اور ان کے ذبح کیے ہوئے جانور کا کھانا ممنوع ہے۔ ہاں ابوثور ابراہیم بن خالد کلبی جو شافعی اور احمد کے ساتھیوں میں سے تھے' اس کے خلاف ہیں' جب انہوں نے اسے جائز کہا اور لوگوں میں اس کی شہرت ہوئی تو فقہاء نے اس قول کی زبردست تردید کی۔ یہاں تک کہ حضرت امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے تو فرمایا کہ ابوثور اس مسئلہ میں اپنے نام کی طرح ہی ہے یعنی بیل کا باپ' ممکن ہے ابوثور نے ایک حدیث کے عموم کو سامنے رکھ کر یہ فتویٰ دیا ہو جس میں حکم ہے کہ مجوسیوں کے ساتھ اہل کتاب کا سا طریقہ برتو [1] لیکن اولاً تو یہ روایت ان الفاظ میں سے نہیں دوسرا یہ روایت مرسل ہے' ہاں البتہ صحیح بخاری شریف میں صرف اتنا تو ہے کہ ہجر کے مجوسیوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جزیہ لیا۔ [2] علاوہ ان سب کے ہم کہتے ہیں کہ ابوثور کی پیش کردہ حدیث کو اگر ہم صحیح مان لیں' تو بھی ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس عموم سے بھی اس آیت میں حکم امتناعی کو دلیل بنا کر اہل کتاب کے سوا اور دین والوں کا ذبیحہ بھی ہمارے لئے حرام ثابت ہوتا ہے۔

پھر فرماتا ہے کہ تمہارا ذبیحہ ان کے لئے حلال ہے یعنی تم انہیں اپنا ذبیحہ کھلا سکتے ہو۔ یہ اس امر کی خبر نہیں کہ ان کے دین میں ان کے لئے تمہارا ذبیحہ حلال ہے ہاں زیادہ سے زیادہ اتنا کہا جا سکتا ہے کہ یہ اس بات کی خبر ہو کہ انہیں بھی ان کی کتاب میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ جس جانور کا ذبیحہ اللہ کے نام پر ہوا ہو اسے وہ کھا سکتے ہیں بلحاظ اس سے کہ ذبح کرنے والا انہیں میں سے ہو یا ان کے سوا کوئی اور ہو' لیکن زیادہ باوزن بات پہلی ہی ہے یعنی یہ کہ تمہیں اجازت ہے کہ انہیں اپنا ذبیحہ کھلاؤ جیسے کہ ان کے ذبح کیے ہوئے جانور تم کھا لیتے ہو۔ یہ گویا ادل بدل کے طور پر

---

[1] **[ضعیف :** مؤطا (٤٢) مسند شافعی (٢/ ٤٣٠) بیهقی (٩/ ١٨٩)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (١٢٤٨)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] **[صحیح :** صحیح بخاری : کتاب الجزیة : باب الجزیة والموادعة (٣١٥٦) ترمذی : کتاب السیر : باب ماجآء فی اخذ الجزیة فی المجوس (١٥٨٦) ابوداؤد : کتاب الخراج : باب فی أخذ الجزیة من المجوس (٣٠٤٣) مسند احمد (١/ ١٩٠)]

ہے، جس طرح حضور ﷺ نے عبداللہ بن ابی بن سلول منافق کو اپنے خاص کرتے میں کفن دیا جس کی وجہ سے بعض حضرات نے یہ بیان کیا ہے کہ اس نے آپ کے چچا حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو اپنا کرتا دیا تھا جب وہ مدینے میں آئے تھے [1] تو آپ نے اس کا بدلہ چکا دیا۔ ہاں ایک حدیث میں ہے کہ مومن کے سوا کسی اور کی ہم نشینی نہ کر اور اپنا کھانا بجز پرہیز گاروں کے اور کسی کو نہ کھلا [2] اسے اس بدلے کے خلاف نہ سمجھنا چاہیے' ہوسکتا ہے کہ حدیث کا یہ حکم بطور پسندیدگی اور افضلیت کے ہو' واللہ اعلم۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ پاک دامن مومن عورتوں سے نکاح کرنا تمہارے لیے حلال کر دیا گیا ہے۔ یہ بطور تمہید کے ہے اسی لیے اس کے بعد ہی فرمایا کہ تم سے پہلے جنہیں کتاب دی گئی ہے ان کی عفیفہ عورتوں سے بھی نکاح تمہیں حلال ہے۔ یہ قول بھی ہے کہ مراد محصنات سے آزاد عورتیں ہیں یعنی لونڈیاں نہ ہوں۔ یہ قول حضرت مجاہد رحمہ اللہ کی طرف منسوب ہے' اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں کہ ﴿مُحْصَنَاتٍ﴾ سے آزاد مراد ہیں اور جب یہ ہے تو جہاں اس قول کا وہ مطلب لیا جاسکتا ہے کہ لونڈیاں اس سے خارج ہیں وہاں یہ معنی بھی لیے جاسکتے ہیں کہ پاک دامن عفت شعار' جیسے کہ انہی سے دوسری روایت ان ہی لفظوں میں موجود ہے' جمہور بھی یہی کہتے ہیں اور یہ زیادہ ٹھیک بھی ہے۔ تاکہ ذمیہ ہونے کے ساتھ ہی غیر عفیفہ ہونا شامل ہو کر بالکل ہی باعث فساد نہ بن جائے اور اس کا خاوند صرف فضول بھرتی کے طور پر بری رائے پر نہ چل پڑے پس بظاہر یہی ٹھیک معلوم ہوتا ہے کہ محصنات سے مراد عفت مآب اور بدکاری سے بچاؤ والیاں ہی لی جائیں' جیسے دوسری آیت میں ﴿مُحْصَنَاتٍ﴾ کے ساتھ ہی ﴿غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَّلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ﴾ [3] آیا ہے۔ علماء اور مفسرین کا اس میں بھی اختلاف ہے کہ کیا یہ آیت ہر کتابیہ عفیفہ عورت پر مشتمل ہے؟ خواہ وہ آزاد ہو خواہ لونڈی ہو؟ ابن جریر میں سلف کی ایک جماعت سے اسے نقل کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ﴿مُحْصَنَاتٍ﴾ سے مراد پاک دامن ہے' ایک قول یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہاں مراد اہل کتاب سے اسرائیلی عورتیں ہیں' امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس سے مراد ذمیہ عورتیں ہیں سوائے آزاد عورتوں کے اور دلیل یہ آیت ہے ﴿قَاتِلُوا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْآخِرِ﴾ [4] الخ' یعنی ان سے لڑو جو اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان نہیں لاتے' چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نصرانیہ عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں جانتے تھے اور فرماتے تھے اس سے بڑا شرک کیا ہوگا؟ کہ وہ کہتی

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجنائز: باب هل يخرج الميت من القبر واللحد لعلة (١٣٥٠) صحیح مسلم: کتاب صفات المنافقين: باب صفات المنافقين واحكامهم (٢٧٧٢)]

[2] [حسن: ابو داؤد: کتاب الادب: باب من يؤمر ان يجالس (٤٨٣٢) ترمذی (٢٣٩٥) مستدرك حاكم (١٢٨/٤) مسند احمد (٣٨/٣)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابو داود، المشكاة (٥٠١٧) صحيح الجامع الصغير (٧٣٤١) آداب الزفاف (ص: ٧٤)] شیخ شعیب ارناؤط بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (١١٣٣٧)]

[3] [سورہ النسآء: آیت ٢٥]

[4] [سورہ التوبہ: آیت ٢٩]

ہو کہ اس کا رب عیسیٰ علیہ السلام ہے اور جب یہ مشرک ٹھہریں تو نص قرآنی موجود ہے کہ ﴿ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكَاتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ﴾ [1] الخ، یعنی مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک کہ وہ ایمان نہ لائیں، ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب مشرکہ عورتوں سے نکاح نہ کرنے کا حکم نازل ہوا تو صحابہ رضی اللہ عنہم ان سے رک گئے یہاں تک کہ اس کے بعد کی آیت اہل کتاب کی پاکدامن عورتوں سے نکاح کرنے کی رخصت نازل ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے اہل کتاب عورتوں سے نکاح کیے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت سے ایسے نکاح اسی آیت کو دلیل بنا کر کرنے ثابت ہیں تو گویا پہلے سورۂ بقرہ کی آیت کی ممانعت میں یہ داخل تھیں لیکن دوسری آیت نے انہیں مخصوص کر دیا۔ یہ اس وقت جب یہ مان لیا جائے کہ ممانعت والی آیت کے حکم میں یہ بھی داخل تھیں ورنہ ان دونوں آیتوں میں کوئی معارض نہیں، اس لیے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں عام مشرکین سے انہیں الگ بیان کیا گیا ہے جیسے آیت ﴿ لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ﴾ [2] الخ ﴿ وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتَابَ وَالْاُمِّيّٖنَ ﴾ [3] الخ۔ پھر فرماتا ہے جب تم انہیں ان کے مقررہ مہر دے دو وہ اپنے نفس کو بچانے والیاں ہوں۔ اور تم ان کے مہر ادا کرنے والے ہو۔

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ عامر شعبی، ابراہیم نخعی، حسن بصری رحمہ اللہ کا فتویٰ ہے کہ جب کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور دخول سے پہلے اس نے بدکاری کی تو میاں بیوی میں تفریق کرا دی جائے گی اور جو مہر خاوند نے عورت کو دیا ہے اسے واپس دلوایا جائے گا۔ (ابن جریر)

پھر فرماتا ہے تم بھی پاک دامن عفت مآب ہو اور علانیہ یا پوشیدہ بدکار نہ ہوؤ۔ پس عورتوں میں جس طرح پاک دامن اور عفیفہ ہونے کی شرط لگائی تھی مردوں میں بھی یہی شرط لگائی اور ساتھ ہی فرمایا کہ وہ کھلے بدکار نہ ہوں کہ ادھر ادھر منہ مارتے پھرتے ہوں اور نہ ایسے ہوں کہ خاص تعلق سے حرام کاری کرتے ہوں۔ سورۂ نساء میں بھی سی کے تماثل حکم گذر چکا ہے۔ حضرت امام احمد رحمہ اللہ اسی طرف گئے ہیں کہ زانیہ عورتوں سے توبہ سے پہلے ہرگز کسی بھلے آدمی کو نکاح کرنا جائز نہیں، اور یہی حکم ان کے نزدیک مردوں کا بھی ہے کہ بدکار مردوں کا نکاح نیک کار عفت شعار عورتوں سے بھی ناجائز ہے جب تک وہ سچی توبہ نہ کریں اور اس رذیل فعل سے باز نہ آ جائیں۔ ان کی دلیل یک حدیث بھی ہے جس میں ہے کوڑے لگایا ہوا زانی اپنے جیسی سے ہی نکاح کر سکتا ہے۔ [4] خلیفۃ المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ فرمایا کہ میں ارادہ کر رہا ہوں کہ جو مسلمان کوئی بدکاری کرے میں اسے ہرگز کسی مسلمان پاک دامن عورت سے نکاح نہ کرنے دوں۔ اس پر حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ نے عرض کی کہ اے امیر المومنین شرک اس سے بہت بڑا ہے اس کے باوجود بھی اس کی توبہ قبول ہے۔ اس مسئلے کو ہم آیت ﴿ اَلزَّانِيْ لَا يَنْكِحُ اِلَّا

---

[1] [سورہ البقرہ: آیت ٢٢١] [2] [سورہ البينة: آیت ١]

[3] [سورہ ال عمران: آیت ٢٠]

[4] [صحیح: ابوداؤد : کتاب النکاح : باب فی قولہ تعالیٰ الزانی لا ینکح الا زانیة (٢٠٥٢) مسند احمد (٣٢٤/٢) مستدرك حاكم (١٦٦/٢)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (٧٦٨٥) السلسلة الصحیحة (٢٤٤٤) صحیح ابوداود (١٨٠٧)]

زَانِيَةً اَوْ مُشْرِكَةً﴾ [1] الخ، کی تفسیر میں پوری طرح بیان کریں گے ان شاءاللہ تعالیٰ۔ آیت کے خاتمہ پر ارشاد ہوتا ہے کہ کفار کے اعمال اکارت ہیں اور وہ آخرت میں نقصان یافتہ ہیں۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَ اَيْدِيَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَ امْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَيْنِ ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ جُنُبًا فَاطَّهَّرُوْا ۭ وَاِنْ كُنْتُمْ مَّرْضٰٓى اَوْ عَلٰي سَفَرٍ اَوْ جَاۗءَ اَحَدٌ مِّنْكُمْ مِّنَ الْغَاۗىِٕطِ اَوْ لٰمَسْتُمُ النِّسَاۗءَ فَلَمْ تَجِدُوْا مَاۗءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا فَامْسَحُوْا بِوُجُوْهِكُمْ وَاَيْدِيْكُمْ مِّنْهُ ۭ مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰكِنْ يُّرِيْدُ لِيُطَهِّرَكُمْ وَلِيُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَيْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝

اے ایمان والو جب تم نماز کے لیے اٹھو تو اپنے منہ دھولیا کرو اور ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اور اپنے سروں کا مسح کرلیا کرو اور اپنے پاؤں کو ٹخنوں سمیت دھولیا کرو، اور اگر تم جنابت کی حالت میں ہو تو غسل کرلیا کرو، ہاں اگر تم بیمار ہو یا سفر میں ہو یا تم میں سے کوئی حاجت ضروری سے فارغ ہو کر آیا ہو یا تم عورتوں سے ملے ہو اور تمہیں پانی نہ ملے تو تم پاک مٹی سے تیمّم کرلیا کرو، اسے اپنے چہروں پر اور ہاتھوں پر مل لیا کرو، اللہ تعالیٰ تم پر کسی قسم کی تنگی ڈالنا نہیں چاہتا بلکہ اس کا ارادہ تمہیں پاک کرنے کا اور تمہیں اپنی بھرپور نعمت دینے کا ہے تاکہ تم شکر ادا کرتے رہو ○

طہارت کے چند مسائل: اکثر مفسرین نے کہا ہے حکم وضو اس وقت ہے جب کہ آدمی بے وضو ہو۔ ایک جماعت کہتی ہے جب تم کھڑے ہو یعنی نیند سے جاگو یہ دونوں قول تقریباً ایک ہی مطلب کے ہیں۔ اور حضرات فرماتے ہیں آیت تو عام ہے اور اپنے عموم پر ہی رہے گی لیکن جو بے وضو اس پر وضو کرنے کا حکم وجوباً ہے اور جو باوضو ہو اس پر استحباباً۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ ابتداء اسلام میں ہر صلوٰۃ کے وقت وضو کرنے کا حکم تھا پھر منسوخ ہو گیا۔ مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ ہر نماز کے لیے تازہ وضو کیا کرتے تھے، فتح مکہ والے دن آپ نے وضو کیا اور جرابوں پر مسح کیا اور اسی ایک وضو سے کئی نمازیں ادا کیں، یہ دیکھ کر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آج آپ نے وہ کام کیا جو آج سے پہلے نہیں کرتے تھے۔ آپ نے فرمایا ہاں میں نے بھول کر ایسا نہیں کیا بلکہ جان بوجھ کر قصداً یہ کیا ہے [2] ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھا کرتے

[1] [سورہ النور: آیت ٣]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الطهارة: باب جواز الصلوات كلها بوضوء واحد (٢٧٧) ابوداؤد: كتاب الطهارة: باب الرجل يصلى الصلوات بوضوء واحد (١٧٢) نسائی: كتاب الطهارة: باب الوضوء لكل صلاة (١٣٣) ترمذی: كتاب الطهارة: باب ماجاء انه يصلى الصلوات بوضوء واحد (٦١) ابن ماجه: كتاب الطهارة (٥١٠) مسند احمد (٥/٣٥٠)]

تھے ہاں پیشاب کریں یا وضو ٹوٹ جائے تو نیا وضو کر لیا کرتے اور وضو ہی کے بچے ہوئے پانی سے جرابوں پر مسح کر لیا کرتے۔ یہ دیکھ کر حضرت فضل بن مبشر رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ کیا آپ اسے اپنی رائے سے کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں بلکہ میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسا کرتے دیکھا ہے [1] مسند احمد وغیرہ میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کو ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرتے دیکھ کر خواہ وضو ٹوٹا ہو یا نہ ٹوٹا ہو ان کے صاحبزادے عبیداللہ رحمہ اللہ سے سوال ہوتا ہے کہ اس کی کیا سند ہے؟ فرمایا ان سے حضرت اسماء بنت زید بن خطاب رضی اللہ عنہا نے کہا ہے کہ ان سے حضرت عبداللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہما نے جو فرشتوں کے غسل دیئے ہوئے کے صاحبزادے تھے بیان کیا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے تازہ وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا اس حالت میں وضو باقی ہو تو بھی اور نہ ہو تو بھی، لیکن اس میں قدرے مشقت معلوم ہوئی تو وضو کے حکم کے بدلے مسواک کا حکم رکھا گیا ہاں جب وضو ٹوٹے تو نماز کے لیے نیا وضو ضروری ہے اسے سامنے رکھ کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کا خیال ہے کہ چونکہ انہیں قوت ہے اس لیے وہ ہر نماز کے وقت وضو کرتے ہیں۔ آخری دم تک آپ کا یہی حال رہا، [2] رضی اللہ تعالی عنه وعن والده۔ اس کے ایک راوی حضرت محمد بن اسحاق رحمہ اللہ ہیں لیکن چونکہ انہوں نے صراحت کے ساتھ ﴿حدثنا﴾ کہا ہے اس لیے تدلیس کا خوف بھی جاتا رہا۔ ہاں ابن عساکر کی روایت میں یہ لفظ نہیں واللہ اعلم۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ کے اس فعل اور اس پر ہمیشگی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستحب ضرور ہے اور یہی مذہب جمہور کا ہے۔

ابن جریر میں ہے کہ خلفاء رضی اللہ عنہم ہر نماز کے وقت وضو کر لیا کرتے تھے، حضرت علی کرم اللہ وجہہ یوم القیامۃ ہر نماز کے لیے وضو کرتے اور دلیل میں یہ آیت تلاوت فرما دیتے ایک مرتبہ آپ نے ظہر کی نماز ادا کی پھر لوگوں کے مجمع میں تشریف فرما رہے پھر پانی لایا گیا اور آپ نے منہ دھویا ہاتھ دھوئے پھر سر کا مسح کیا اور پھر پیر کا۔ اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو، ایک مرتبہ آپ نے خفیف وضو کر کے بھی یہی فرمایا تھا۔ حضرت عمر فاروق رضوان اللہ علیہ سے بھی اس طرح مروی ہے۔ ابو داود طیالسی میں حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وضو ٹوٹے بغیر وضو کرنا زیادتی ہے۔ اولاً تو یہ قول سنداً بہت غریب ہے، دوسرا یہ کہ مراد اس سے وہ شخص ہے جو اسے واجب جانتا ہو۔ اور صرف مستحب سمجھ کر جو ایسا کرے وہ تو عامل بالحدیث ہے، بخاری سنن وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہر نماز کے لیے نیا وضو کرتے تھے، ایک انصاری رضی اللہ عنہ نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے یہ سن کر کہا اور آپ لوگ

---

[1] **[صحیح]**: تفسیر ابن جریر الطبری (١١/٩) ابن ماجه: کتاب الطهارة: باب الوضوء لكل صلاة (٥١١) شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابن ماجه (٤١٣)] حافظ زبیر علی زئی اسے ضعیف کہتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ اس میں فضل بن مبشر ضعیف راوی ہے۔]

[2] **[حسن]**: مسند احمد (٥/٢٢٥) مستدرك حاكم (١/١٥٦) تفسیر ابن جریر الطبری (١١٣٣١) ابو داؤد: کتاب الطهارة: باب السواك (٤٨) بیهقی (١/٣٧)] امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ اور امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ امام ابن خزیمہؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (٣٨)]

کیا کرتے تھے؟ فرمایا ایک وضو سے کئی نمازیں پڑھتے تھے جب تک وضو ٹوٹے نہیں‘ [1] ابن جریر حضور ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ جو شخص وضو پر وضو کرے اس کے لیے دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں‘ ترمذی وغیرہ میں بھی یہ روایت ہے [2] اور امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے ایک جماعت کہتی ہے کہ آیت سے صرف اتنا ہی مقصود ہے کہ کسی اور کام کے وقت وضو کرنا واجب نہیں صرف نماز کے لیے ہی اس کا وجوب ہے۔ یہ فرمان اس لیے ہے کہ حضور ﷺ کی سنت یہ تھی کہ وضو ٹوٹنے پر کوئی کام نہ کرتے تھے جب تک کہ پھر وضو نہ کرلیں‘ ابن ابی حاتم وغیرہ کی ایک ضعیف غریب روایت میں ہے کہ حضور ﷺ جب پیشاب کا ارادہ کرتے ہم آپ سے بولتے لیکن آپ جواب نہ دیتے ہم سلام علیک کرتے پھر بھی جواب نہ دیتے یہاں تک کہ یہ آیت رخصت کی اتری۔ [3] ابوداود میں ہے کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ پاخانے سے نکلے اور کھانا آپ کے سامنے لایا گیا تو ہم نے کہا اگر فرمائیں تو وضو کا پانی حاضر کریں فرمایا وضو کا حکم تو مجھے صرف نماز کے لیے کھڑا ہونے کے وقت ہی کیا گیا ہے۔ امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن بتاتے ہیں۔ [4]

ایک اور روایت میں ہے کہ آپ نے فرمایا مجھے کچھ نماز تھوڑا ہی پڑھنی ہے جو میں وضو کروں۔ [5] آیت کے ان الفاظ سے کہ جب تم نماز کے لیے کھڑے ہو تو وضو کرلیا کرو علماء کرام کی ایک جماعت نے استدلال کیا ہے کہ وضو میں نیت واجب ہے‘ مطلب کلام اللہ شریف کا یہ ہے کہ نماز کے لیے وضو کرلیا کرو۔ جیسے عرب میں کہا جاتا ہے‘ جب تو امیر کو دیکھے تو کھڑا ہو جا تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ امیر کے لیے کھڑا ہو جا۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے اعمال کا دارومدار نیت پر ہے اور ہر شخص کے لیے صرف وہی ہے جو وہ نیت کرے [6] اور منہ کے دھونے سے پہلے

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الوضوء : باب الوضوء من غیر حدث (٢١٤) ابو داؤد : کتاب الطھارۃ : باب الرجل یصلی الصلوات بوضوء واحد (١٧١) ترمذی : کتاب الطھارۃ : باب ماجآء فی الوضوء لکل صلاۃ (٦٠) ابن ماجه (٥٠٩) مسند احمد (١٣٢/٣)]

[2] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الطھارۃ : باب الرجل یجدد الوضوء من غیر حدث (٦٢) ترمذی : کتاب الطھارۃ : باب ماجاء فی الوضوء لکل صلاۃ (٥٩) ابن ماجه (٥١٢)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الجامع الصغیر (٥٥٣٦)] شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ اس کی سند میں عبدالرحمٰن بن زیاد افریقی راوی ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف :تفسیر ابن جریر الطبری (١١٣٤٢) ابن ابی عاصم فی الآحاد والمثانی (١٦٤/٥)] اس کی سند میں جابر جعفی راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (٢٨١/١)]

[4] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب فی غسل الیدین عند الطعام (٣٧٦٠) نسائی : کتاب الطھارۃ : باب الوضوء لکل صلاۃ (١٣٢) ترمذی : کتاب الاطعمة : باب فی ترك الوضوء قبل الطعام (١٨٤٧) ابن خزیمة (٣٥) بغوی (٢٨٣٥)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔امام بغویؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[مختصر الشمائل (١٥٨)]

[5] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الحیض : باب جواز اکل المحدث الطعام (٣٧٤)]

[6] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب بدء الوحی : باب کیف کان بدء الوحی (١) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب قوله صلی الله علیه وسلم انما الاعمال بالنیات (١٩٠٧)]

وضو میں بسم اللہ کہنا مستحب ہے۔ کیونکہ ایک پختہ اور بالکل صحیح حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا اس شخص کا وضو نہیں جو اپنے وضو پر بسم اللہ نہ کہے [1] (حدیث کے ظاہری الفاظ تو نیت کی طرح بسم اللہ کہنے پر بھی وجوب کی دلالت کرتے ہیں واللہ اعلم۔ مترجم) یہ بھی یاد رہے کہ وضو کے پانی کے برتن میں ہاتھ ڈالنے سے پہلے ان کا دھو لینا مستحب ہے اور جب نیند سے اٹھا ہو تب تو سخت تاکید آتی ہے بخاری و مسلم میں رسول اللہ ﷺ کا فرمان مروی ہے کہ تم میں سے کوئی نیند سے جاگ کر برتن میں ہاتھ نہ ڈالے جب تک کہ تین مرتبہ دھو نہ لے اسے نہیں معلوم کہ اس کے ہاتھ رات کے وقت کہاں رہے ہوں؟ [2]

منہ کے حد فقہاء کے نزدیک لمبائی میں سر کے بالوں کی اگنے کی جو جگہ عموماً ہے وہاں سے داڑھی کی ہڈی اور ٹھوڑی تک ہے اور چوڑائی میں ایک کان سے دوسرے کان تک۔ اس میں اختلاف ہے کہ دونوں جانب کی پیشانی کے اڑے ہوئے بالوں کی جگہ سر کے حکم میں ہے یا منہ کے؟ اور داڑھی کے لٹکتے ہوئے بالوں کا دھونا منہ کے دھونے کی فرضیت میں داخل ہے یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں' ایک تو یہ کہ ان پر پانی کا بہانا واجب ہے اس لیے کہ منہ سامنے کرنے کے وقت اس کا بھی سامنا ہوتا ہے۔ ایک حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے ایک شخص کو داڑھی ڈھانپے ہوئے دیکھ کر فرمایا اسے کھول دے یہ بھی منہ میں داخل ہے' [3] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں عرب کا محاورہ بھی یہی ہے کہ جب بچے کے داڑھی نکلتی ہے تو وہ کہتے ہیں ﴿طَلَعَ وَجْهُهٗ﴾ پس معلوم ہوتا ہے کہ کلام عرب میں داڑھی منہ کے حکم میں ہے اور لفظ وجہ میں داخل ہے۔ داڑھی گھنی اور بھری ہوئی ہو تو اسکا خلال کرنا بھی مستحب ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے وضو کا ذکر کرتے ہوئے راوی کہتا ہے کہ آپ نے منہ دھوتے وقت تین دفعہ داڑھی کا خلال کیا۔ پھر فرمایا جس طرح تم نے مجھے کرتے دیکھا اسی طرح میں نے رسول اللہ ﷺ کو کرتے دیکھا ہے۔ (ترمذی وغیرہ) [4] اس روایت کو امام بخاری اور امام ترمذی رحمہ اللہ حسن بتاتے ہیں ابوداود میں ہے کہ

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الطھارة : باب فی التسمیة علی الوضوء (١٠١) ابن ماجه : کتاب الطھارة باب ماجآء فی التسمیة فی الوضوء (٣٩٩) مستدرك حاكم (١٤٦/١)] حافظ بوصیری نے اسے حسن کہا ہے اور شیخ البانی اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابن ماجه (٣١٨) ارواء الغلیل (٨١)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوضوء : باب الاستجمار وترا (١٦٢) صحیح مسلم : کتاب الطھارة : باب کراھة غمس المتوضی(٢٧٨) ترمذی : کتاب الطھارة (٢٤) ابن ماجه : کتاب الطھارة (٣٩٣) ابوداؤد : کتاب الطھارة (١٠٣) مسند احمد (٢٤١/٢)]

[3] [ضعیف جدا : مسند الفردوس (١٩٨/٣)] امام ابن ملقن نے اسے ضعیف کہا ہے۔[خلاصة البدر المنیر (٢٩/١)] شیخ البانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔[السلسلة الضعیفة (٥٧٥٤)] شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح : ترمذی : کتاب الطھارة : باب ماجآء فی تخلیل اللحیة (٣١) ابن ماجه : کتاب الطھارة : باب ماجآء فی تخلیل اللحیة (٤٣٠) مستدرك حاكم (١٤٩/١) صحیح ابن حبان (١٠٨١)] امام ترمذی نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانی اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ترمذی(٢٨) صحیح ابن ماجه (٣٤٥)]

حضور ﷺ وضو کرتے وقت ایک چلو پانی لے کر اپنی ٹھوڑی تلے ڈال کر داڑھی مبارک کا خلال کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ مجھے میرے رب عزوجل نے اسی طرح حکم فرمایا ہے۔ [1]

حضرت امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں داڑھی کا خلال کرنا حضرت عمار' حضرت عائشہ' حضرت ام سلمہ' حضرت علی رضی اللہ عنہم سے مروی ہے' اور اس کے ترک کی رخصت ابن عمر' حسن بن علی رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہم اللہ کی ایک جماعت سے مروی ہے صحاح وغیرہ میں مروی ہے کہ حضور ﷺ جب وضو کرنے بیٹھتے کلی کرتے اور ناک میں پانی دیتے۔ ائمہ کا اس میں اختلاف ہے کہ یہ دونوں وضو اور غسل میں واجب ہیں یا مستحب؟ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا مذہب تو وجوب کا ہے اور امام شافعی رحمہ اللہ اور امام مالک رحمہ اللہ مستحب کہتے ہیں ان کی دلیل سنن کی وہ صحیح حدیث ہے جس میں جلدی جلدی نماز پڑھنے والے سے حضور ﷺ کا یہ فرمانا مروی ہے کہ وضو کر جس طرح اللہ نے تجھے حکم دیا ہے [2] امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ غسل میں واجب اور وضو میں نہیں' ایک روایت امام احمد سے مروی ہے کہ ناک میں پانی دینا تو واجب اور کلی کرنا مستحب' کیونکہ بخاری و مسلم میں حضور ﷺ کا فرمان ہے جو وضو کرے وہ ناک میں پانی ڈالے [3] اور روایت میں ہے تم میں سے جو وضو کرے وہ اپنے دونوں نتھنوں میں پانی ڈالے اور اچھی طرح وضو کرے۔ [4] مسند احمد اور بخاری میں ہے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما وضو کرنے بیٹھے تو منہ دھویا ایک چلو پانی کا لے کر کلی کی اور ناک کو صاف کیا پھر ایک چلو لے کر داہنا ہاتھ دھویا پھر ایک چلو لے کر اسی سے بایاں ہاتھ دھویا۔ پھر اپنے سر کا مسح کیا۔ پھر پانی کا ایک چلو لے کر اپنے داہنے پاؤں پر ڈال کر اسے دھویا پھر ایک چلو سے بایاں پاؤں دھویا۔ پھر فرمایا میں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا ہے۔ [5] ﴿اِلَى الْمَرَافِقِ﴾ سے مراد ﴿مَعَ الْمَرَافِقِ﴾ ہے' جیسے فرمان ہے ﴿وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا﴾ [1]

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الطھارۃ : باب تخلیل اللحیۃ (١٤٥) بیھقی (٥٤/١) المزی فی تھذیب الکمال (١٣/٣١)] امام ابن ملقن ؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[البدر المنیر (٣٩٨/٣)] شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[ارواء الغلیل (٩٢)]

[2] [صحیح : ابوداؤد: کتاب الصلاۃ : باب صلاۃ من لم یقیم صلبه فی الرکوع والسجود (٨٥٧۔ ٨٥٨) ترمذی : کتاب الصلاۃ : باب ماجاء فی وصف الصلاۃ (٣٠٢) مسند احمد (٣٤٠/٤) للبیھقی (٥٤/١) طیالسی (٦٤٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغلیل (٣٢١/١) صحیح ترمذی (٢٧)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوضوء : باب الاستنثار فی الوضوء (١٦١) صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب الایتار فی الاستنثار (٢٣٧) ابن ماجه: کتاب الطھارۃ (٤٠٩) نسائی : کتاب الطھارۃ (٨٨) مسند احمد (٤٠١/٢)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوضوء : باب الاستجمار وترا (١٦٢) صحیح مسلم (٢٣٧) ابوداود : کتاب الطھارۃ (١٤٠) نسائی: کتاب الطھارۃ (٨٦) مسند احمد (٢٧٨/٢)]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوضوء : باب غسل الوجه بالیدین من غرفة واحدۃ (١٤٠) مسند احمد (٢٦٨/١)]

یعنی یتیموں کے مالوں کو اپنے مالوں سمیت نہ کھا جایا کرو یہ بڑا ہی گناہ ہے۔ اسی طرح یہاں بھی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں تک نہیں' بلکہ کہنیوں سمیت دھونا چاہیے۔ دار قطنی وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ وضو کرتے ہوئے اپنی کہنیوں پر پانی بہاتے تھے' ② لیکن اس کے دو راویوں میں کلام ہے۔ واللہ اعلم۔

وضو کرنے والے کے لیے مستحب ہے کہ کہنیوں سے آگے اپنے شانے کو بھی وضو میں دھوئے کیونکہ بخاری ومسلم میں حدیث ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں میری امت وضو کے نشانوں کی وجہ سے قیامت کے دن چمکتے ہوئے اعضاؤں سے آئے گی پس تم میں سے جس سے ہو سکے وہ اپنی چمک کو دور تک لے جائے ③ صحیح مسلم میں ہے مومن کو وہاں تک زیور پہنائے جائیں گے جہاں تک اس کے وضو کا پانی پہنچتا تھا۔ ④ ﴿بِرُءُوسِكُمْ﴾ میں جوب ہے اس کا الحاق یعنی ملا دینے کے لیے ہونا تو زیادہ غالب ہے اور تبعیض یعنی کچھ حصے کے لیے ہونا تامل طلب ہے۔ بعض اصولی حضرات فرماتے ہیں' چونکہ آیت میں اجمال ہے اس لیے سنت نے جو اس کی تفصیل کی ہے وہی معتبر ہے اور اسی کی طرف لوٹنا پڑے گا' حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم صحابی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے کہا'' آپ وضو کر کے ہمیں بتلائیے۔ آپ نے پانی منگوایا اور اپنے دونوں ہاتھ دو دو دفعہ دھوئے' پھر تین بار کلی کی اور ناک میں پانی دیا' تین ہی دفعہ اپنا منہ دھویا' پھر کہنیوں سمیت اپنے دونوں ہاتھ دو دو مرتبہ دھوئے' پھر دونوں ہاتھ سے سر کا مسح کیا' سر کے ابتدائی حصے سے گدی تک لے گئے' پھر وہاں سے یہیں تک واپس لائے' پھر اپنے دونوں پیر دھوئے۔ (بخاری ومسلم) ⑤ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی آنحضرت ﷺ کے وضو کا طریقہ اسی طرح منقول ہے۔ ⑥ ابوداؤد میں حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ اور حضرت مقداد رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے' ⑦ یہ حدیثیں دلیل ہیں اس پر کہ

---

① [سورة النسآء: آیت ٢]

② **[صحیح بالشواهد :]** دارقطنی (٨٣/١) بیهقی (٥٦/١)] شیخ البانی ؒ نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح قرار دیا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (٢٠٦٧) صحيح الجامع الصغير (٤٥٧٤)]

③ **[صحيح :]** صحيح بخاری : کتاب الوضوء : باب فضل الوضوء والغر المحجلون (١٣٦) صحيح مسلم : كتاب الطهارة : باب استحباب اطالة الغرة (٢٤٦) مسند احمد (٤٠٠/٢)]

④ **[صحيح :]** صحيح مسلم : كتاب الطهارة : باب تبلغ الحلية حيث يبلغ الوضوء (٢٥٠) مسند احمد (٣٧١/٢) بيهقی (٥٦/١)]

⑤ **[صحيح :]** صحيح بخاری : كتاب الوضوء : باب مسح الرأس كله (١٨٥) صحيح مسلم : كتاب الطهارة : باب آخر فی صفة الوضوء (٢٣٥) ابن ماجه : كتاب الطهارة (٤٣٤) ابوداؤد : كتاب الطهارة (١٠٠) ترمذی : كتاب الطهارة (٣٢) مسند احمد (٣٨/٤)]

⑥ **[صحيح :]** ابوداؤد : كتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبی (١١١) نسائی : كتاب الطهارة (٩٢) ترمذی : كتاب الطهارة (٤٩) ابن خزيمة (١٤٧) مسند احمد (١٢٢/١)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابوداود ، صحيح ترمذی]

⑦ **[صحيح :]** ابوداؤد : كتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبی (١٢١، ١٢٤) بيهقی (٥٩/١)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابوداود (١١٥)]

پورے سر کا مسح فرض ہے۔ یہی مذہب حضرت امام مالک رحمہ اللہ اور حضرت امام احمد رحمہ اللہ کا ہے اور یہی مذہب ان تمام حضرات کا ہے جو آیت کو مجمل مانتے ہیں اور حدیث کو اس کی وضاحت جانتے ہیں حنفیوں کا خیال ہے کہ چوتھائی سر کا مسح فرض ہے جو سر کا ابتدائی حصہ ہے اور ہمارے ساتھی کہتے ہیں کہ فرض صرف اتنا ہے جتنے پر مسح کا اطلاق ہو جائے' اس کی کوئی حد نہیں۔ سر کے چند بالوں پر بھی مسح ہو گیا تو فرضیت پوری ہو گئی' ان دونوں جماعتوں کی دلیل حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ والی حدیث ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم پیچھے رہ گئے اور میں بھی آپ کے ساتھ پیچھے رہ گیا جب آپ قضا حاجت کر چکے تو مجھ سے پانی طلب کیا میں لوٹا لے آیا آپ نے اپنے دونوں پہنچے دھوئے پھر منہ دھویا پھر کلائیوں پر سے کپڑا اٹھایا اور پیشانی سے ملے ہوئے بالوں اور پگڑی پر مسح کیا اور دونوں جرابوں پر بھی۔[1] (مسلم وغیرہ) اس کا جواب امام احمد اور ان کے ساتھی یہ دیتے ہیں کہ سر کے ابتدائی حصہ پر مسح کر کے باقی پگڑی پر پورا کر لیا اور اس کی بہت سی مثالیں احادیث میں ہیں۔ آپ صافے پر اور جرابوں پر برابر مسح کیا کرتے تھے' پس یہی اولیٰ ہے اور اس میں ہرگز اس بات پر کوئی دلالت نہیں کہ سر کے بعض حصے پر یا صرف پیشانی کے بالوں پر ہی مسح کر لے اور اس کی تکمیل پگڑی پر نہ ہو۔ واللہ اعلم۔

پھر اس میں بھی اختلاف ہے کہ سر کا مسح بھی تین بار ہو یا ایک ہی بار؟ امام شافعی رحمہ اللہ کا مشہور مذہب اول ہے اور امام احمد رحمہ اللہ اور ان کے متبعین کا دوم۔ دلائل یہ ہیں حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ وضو کرنے بیٹھتے ہیں اپنے دونوں ہاتھوں پر تین بار پانی ڈالتے ہیں' انہیں دھو کر پھر کلی کرتے ہیں اور ناک میں پانی دیتے ہیں' پھر تین مرتبہ منہ دھوتے ہیں' پھر تین تین بار دونوں ہاتھ کہنیوں سمیت دھوتے ہیں' پہلے دایاں پھر بایاں۔ پھر اپنے سر کا مسح کرتے ہیں پھر دونوں پیر تین تین بار دھوتے ہیں پہلے داہنا پھر بایاں۔ پھر آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح وضو کرتے دیکھا اور وضو کے بعد آپ نے فرمایا جو شخص میرے اس وضو جیسا وضو کرے پھر دو رکعت نماز ادا کرے جس میں دل سے باتیں نہ کرے تو اس کے تمام سابقہ گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔[2] (بخاری و مسلم) سنن ابی داؤد میں اسی روایت میں سر کے مسح کرنے کے ساتھ ہی یہ لفظ بھی ہیں کہ سر کا مسح ایک مرتبہ کیا۔[3] حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی اسی طرح مروی ہے[4] اور جن لوگوں نے سر کے مسح کو بھی تین بار کہا ہے انہوں نے اس حدیث سے

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب المسح على الناصية والعمامة (٢٧٤) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب المسح على الخفين (١٥٠) مسند احمد (٢٤٨/٤)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوضوء : باب الوضوء ثلاثا ثلاثا (١٥٩) صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب صفة الوضوء وكماله (٢٢٦) نسائی: کتاب الطهارة (٨٤) ابوداؤد : کتاب الطهارة (١٠٦) مسند احمد (٥٩/١)]

[3] [حسن صحیح : ابوداؤد: کتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبی (١٠٨)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود (٩٩)]

[4] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبی (١١١) ترمذی : کتاب الطهارة (٤٩) نسائی : کتاب الطهارة (٩٢) مسند احمد (١٢٢/١)]

دلیل لی ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے تین تین بار اعضاء وضو کو دھویا۔ [1] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ نے وضو کیا پھر اسی طرح روایت ہے اور اس میں کلی کرنے اور ناک میں پانی دینے کا ذکر نہیں اور اس میں ہے کہ پھر آپ نے تین مرتبہ سر کا مسح کیا اور تین مرتبہ اپنے دونوں پیر دھوئے۔ پھر فرمایا میں نے حضور ﷺ کو اسی طرح کرتے دیکھا اور آپ نے فرمایا جو ایسا وضو کرے اسے کافی ہے۔ [2] لیکن حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے جو حدیثیں صحاح میں مروی ہیں ان سے تو سر کا مسح ایک بار ہی ثابت ہوتا ہے۔

﴿اَرْجُلَكُمْ﴾ لام کی زبر سے عطف ہے ﴿وُجُوْهَكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ﴾ پر ما تحت ہے دھونے کے حکم کے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما یونہی پڑھتے تھے اور یہی فرماتے تھے' [3] حضرت عبداللہ بن مسعود' حضرت عروہ رضی اللہ عنہما حضرت عطا' حضرت عکرمہ' حضرت حسن' حضرت مجاہد' حضرت ابراہیم' حضرت ضحاک' حضرت سدی' حضرت مقاتل بن حیان' حضرت زہری' حضرت ابراہیم تیمی رحمہم اللہ وغیرہ کا یہی قول [4] اور یہی قرات ہے' اور یہ بالکل ظاہر ہے کہ پاؤں دھونے چاہئیں۔ یہی سلف کا فرمان ہے اور یہیں سے جمہور نے وضو کی ترتیب کے وجوب پر استدلال کیا ہے' صرف ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کے خلاف ہیں' وہ وضو میں ترتیب کو شرط نہیں جانتے۔ ان کے نزدیک اگر کوئی شخص پہلے پیروں کو دھوئے پھر سر کا مسح کرے پھر ہاتھ دھوئے پھر منہ دھوئے جب بھی جائز ہے اس لیے کہ آیت نے ان اعضاء کے دھونے کا حکم دیا ہے۔ واؤ کی دلالت ترتیب پر نہیں ہوتی' اس کے جواب جمہور نے کئی ایک دیئے ہیں' ایک تو یہ کہ ((ف)) ترتیب پر دلالت کرتی ہے' آیت کے الفاظ میں نماز پڑھنے والے کو منہ دھونے کا حکم لفظ ﴿فَاغْسِلُوْا﴾ سے ہوتا ہے۔ تو کم از کم منہ کا اول اول دھونا تو لفظوں سے ثابت ہو گیا اب اس کے بعد کے اعضاء میں ترتیب اجماع سے ثابت ہے جس میں اختلاف نظر نہیں آتا۔ پھر جبکہ ((ف)) جو تعقیب کے لیے ہے اور جو ترتیب کی مقتضی ہے ایک پر داخل ہو چکی تو اس ایک کی ترتیب مانتے ہوئے دوسرے کی ترتیب کا انکار کوئی نہیں کرتا بلکہ یا تو سب کی ترتیب کے قائل ہیں یا کسی ایک کی بھی ترتیب کے قائل نہیں۔ پس یہ آیت ان پر یقیناً حجت ہے جو سرے سے ترتیب کے منکر ہیں' دوسرا جواب یہ ہے کہ واؤ ترتیب پر دلالت نہیں کرتا اسے بھی ہم تسلیم نہیں کرتے بلکہ وہ ترتیب پر دلالت کرتا ہے جیسے کہ نحویوں کی ایک جماعت کا اور بعض فقہاء کا مذہب ہے پھر یہ چیز بھی قابل غور ہے کہ بالفرض لغتاً اس کی دلالت پر ترتیب پر نہ بھی ہوتا ہم شرعاً تو جن چیزوں میں ترتیب ہو سکتی ہے ان میں اس کی دلالت ترتیب پر ہوتی ہے۔

چنانچہ صحیح مسلم شریف میں حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب بیت اللہ شریف کا طواف کر کے باب صفا سے

---

[1] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب فضل الوضوء (٢٣٠)]

[2] [صحیح :ابوداؤد : کتاب الطھارۃ : باب صفۃ وضوء النبی (١٠٧) بیھقی (٦٢/١) دارقطنی (٩١/١) مسند بزار (٧٣/٢)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ھے ۔ [صحیح ابوداود (٩٨)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٥٥/١٠)] [4] تفسیر ابن جریر الطبری (٥٤/١٠)]

نکلے تو آپ آیت ﴿إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ﴾ [1] کی تلاوت کر رہے تھے۔ اور فرمایا میں اسی سے شروع کروں گا جسے اللہ نے پہلے بیان فرمایا' چنانچہ صفا سے سعی شروع کی' نسائی میں رسول اللہ ﷺ کا یہ حکم دینا بھی مروی ہے کہ اس سے شروع کرو جس سے اللہ تعالیٰ نے شروع کیا۔ [2] اس کی اسناد بھی صحیح ہے اور اس میں امر ہے پس معلوم ہوا کہ جس کا ذکر پہلے ہوا سے پہلے کرنا اور اس کے بعد اسے جس کا ذکر بعد میں ہو کرنا واجب ہے۔ پس صاف ثابت ہو گیا کہ ایسے مواقع پر شرعاً ترتیب مراد ہوتی ہے۔ واللہ اعلم۔ تیسری جماعت جواباً کہتی ہے کہ ہاتھوں کو کہنیوں سمیت دھونے کے حکم اور پیروں کو دھونے کے حکم کے درمیان سر کے مسح کے حکم کو بیان کرنا اس امر کی صاف دلیل ہے کہ مراد ترتیب کو باقی رکھنا ہے' ورنہ نظم کلام کو یوں الٹ پلٹ نہ کیا جاتا۔ ایک جواب اس کا یہ بھی ہے کہ ابوداؤد وغیرہ میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اعضاء وضو کو ایک ایک بار دھو کر وضو کیا پھر فرمایا یہ وضو ہے کہ جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نے نماز کو قبول نہیں کرنا۔ [3] اب دو صورتیں ہیں یا تو اس وضو میں ترتیب تھی یا نہ تھی؟ اگر کہا جائے کہ حضور ﷺ کا یہ وضو مرتب تھا یعنی باقاعدہ ایک کے پیچھے ایک عضو دھویا تھا تو معلوم ہوا کہ جس وضو میں تقدیم تاخیر ہو اور صحیح طور پر ترتیب نہ ہو وہ نماز نامقبول لہٰذا ترتیب واجب و فرض اور اگر یہ مان لیا جائے کہ اس وضو میں ترتیب نہ تھی بلکہ بے ترتیب تھا' پیر دھو لیے پھر کلی کر لی پھر مسح کر لیا پھر منہ دھو لیا وغیرہ تو عدم ترتیب واجب ہو جائے گی حالانکہ اس کا قائل امت میں سے ایک بھی نہیں پس ثابت ہو گیا کہ وضو میں ترتیب فرض ہے' آیت کے اس جملے کی ایک قرات اور بھی ہے یعنی ﴿وَأَرْجُلِكُمْ﴾ لام کے زیر سے اور اس سے شیعہ نے اپنے اس قول کی دلیل لی ہے کہ پیروں پر مسح کرنا واجب ہے کیونکہ ان کے نزدیک اس کا عطف سر کے مسح کرنے پر ہے۔ بعض سلف سے بھی کچھ ایسے اقوال مروی ہیں جن سے مسح کے قول کا وہم پڑتا ہے۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے کہ موسیٰ بن انس نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے لوگوں کی موجودگی میں کہا کہ حجاج نے اہواز میں خطبہ دیتے ہوئے طہارت اور وضو کے احکام میں کہا کہ منہ ہاتھ دھوؤ اور سر کا مسح کرو اور پیروں کو دھویا کرو عموماً پیروں پر ہی گندگی لگتی ہے۔ پس تلوؤں کو اور پیروں کی پشت کو اور ایڑی کو خوب اچھی طرح دھویا کرو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے جواباً کہا کہ اللہ سچا ہے اور حجاج جھوٹا ہے' اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ﴾ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی عادت تھی کہ پیروں کا جب مسح کرتے تو انہیں بالکل بھگو لیا کرتے' آپ ہی سے مروی ہے کہ قرآن کریم میں پیروں پر مسح کرنے کا حکم ہے' ہاں حضور ﷺ کی سنت پیروں کا دھونا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وضو میں دو چیزوں

---

[1] [سورة البقرہ: آیت ١٥٨]

[2] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجة النبی (١٢١٨) ابو داؤد : کتاب المناسك : باب صفة حجة النبی (١٩٠٥) ابن ماجه : کتاب المناسك : باب حجة رسول الله (٣٠٧٤)]

[3] [ضعیف: ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب ماجآء فی الوضوء مرة ومرتين وثلاثا (٤١٩) بيهقى (٨٠/١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعيفة (٤٧٣٥) ارواء الغليل (٨٥)] شیخ عبدالرزاق مہدی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

کا دھونا ہے اور دو پر مسح کرنا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔ ابن ابی حاتم میں حضرت عبداللہ سے مروی ہے کہ آیت میں پیروں پر مسح کرنے کا بیان ہے۔ ابن عمر رضی اللہ عنہما، علقمہ، ابو جعفر محمد بن علی رحمہ اللہ اور ایک روایت میں حضرت حسن اور جابر بن زید رحمہ اللہ اور ایک روایت میں مجاہد رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح مروی ہے۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ اپنے پیروں پر مسح کر لیا کرتے تھے شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی معرفت مسح کا حکم نازل ہوا ہے، آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ کیا تم دیکھتے نہیں ہو کہ جن چیزوں کے دھونے کا حکم تھا ان پر تو تیمّم کے وقت مسح کا حکم رہا اور جن چیزوں پر مسح کا حکم تھا تیمّم کے وقت انہیں چھوڑ دیا گیا۔ عامر رحمہ اللہ سے کسی نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام پیروں کے دھونے کا حکم لائے ہیں آپ نے فرمایا جبرئیل مسح کے حکم کے ساتھ نازل ہوئے تھے۔ پس یہ سب آثار بالکل غریب ہیں اور محمول ہیں اس امر پر کہ مراد مسح سے ان بزرگوں کی ہلکا دھونا ہے، کیونکہ سنت سے صاف ثابت ہے کہ پیروں کا دھونا واجب ہے، یاد رہے کہ زیر کی قرات یا تو مجاورت اور تناسب کلام کی وجہ سے ہے جیسے عرب کا کلام حُجْرُ ضَبٍّ خربٍ میں اور اللہ کے کلام ﴿عَالِيَهُمْ ثِيَابُ سُنْدُسٍ خُضْرٌ وَّاسْتَبْرَقٌ﴾ [1] میں لغت عرب میں پاس ہونے کی وجہ سے دونوں لفظوں کو ایک ہی اعراب دے دینا یہ اکثر پایا گیا ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے اس کی ایک توجیہہ یہ بھی بیان کی ہے کہ یہ حکم اس وقت ہے جب پیروں پر جرابیں ہوں بعض کہتے ہیں مراد مسح سے ہلکا دھو لینا ہے جیسے کہ بعض روایتوں میں سنت سے ثابت ہے۔ الغرض پیروں کا دھونا فرض ہے جس کے بغیر وضو نہ ہوگا۔ آیت میں بھی یہی ہے اور احادیث میں بھی یہی ہے جیسے کہ اب ہم انہیں وارد کریں گے ان شاء اللہ تعالیٰ۔

بیہقی میں ہے حضرت علی بن ابو طالب رضی اللہ عنہ ظہر کی نماز کے بعد بیٹھک میں بیٹھے رہے اور عصر تک لوگوں کے کام کاج میں مشغول رہے، پھر پانی منگوایا اور ایک چلو سے منہ کا، دونوں ہاتھوں کا، سر کا اور دونوں پیروں کا مسح کیا اور کھڑے ہو کر بچا ہوا پانی پی لیا پھر فرمانے لگے کہ لوگ کھڑے کھڑے پانی پینے کو مکروہ کہتے ہیں اور میں نے جو کیا یہی کرتے ہوئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور فرمایا یہ وضو ہے اس کا جو بے وضو نہ ہوا ہو۔ [2] (بخاری) شیعوں میں سے جن لوگوں نے پیروں کا مسح اسی طرح قرار دیا، جس طرح جرابوں پر مسح کرتے ہیں ان لوگوں نے یقیناً غلطی کی اور لوگوں کو گمراہی میں ڈالا۔ اسی طرح وہ لوگ بھی خطا کار ہیں جو مسح اور دھونا دونوں کو جائز قرار دیتے ہیں اور جن لوگوں نے امام ابن جریر رحمہ اللہ کی نسبت یہ خیال کیا ہے کہ انہوں نے احادیث کی بنا پر پیروں کے دھونے کو اور آیت قرآنی کی بنا پر پیروں کے مسح کو فرض قرار دیا ہے۔ ان کی تحقیق بھی صحیح نہیں، تفسیر ابن جریر ہمارے ہاتھوں میں موجود ہے ان کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ پیروں کو رگڑنا واجب ہے اور اعضاء میں یہ واجب نہیں کیونکہ پیر زمین کی مٹی وغیرہ سے رگڑتے رہتے ہیں تو ان کو دھونا ضروری ہے تاکہ جو کچھ لگا ہو ہٹ جائے لیکن اس رگڑنے کے لیے مسح کا لفظ لائے ہیں اور اسی سے بعض لوگوں کو شبہ ہو گیا ہے اور وہ یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ مسح اور غسل جمع کر دیا ہے حالانکہ

---

[1] [سورۃ الدهر: آیت ٢١]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاشربة : باب الشرب قائما (٥٦١٥-٥٦١٦) مسند احمد (٧٨/١)]

دراصل اس کے کچھ معنی ہی نہیں ہوتے مسح تو غسل میں داخل ہے چاہے مقدم ہو چاہے موخر ہو پس حقیقتاً امام صاحب کا ارادہ یہی ہے جو میں نے ذکر کیا اور اس کو نہ سمجھ کر اکثر فقہاء نے اسے مشکل جان لیا' میں نے مکرر غور وفکر کیا تو مجھ پر صاف طور سے یہ بات واضح ہو گیا ہے کہ امام صاحب دونوں قراتوں کو جمع کرنا چاہتے ہیں پس زیر کی قرات یعنی مسح کو تو وہ محمول کرتے ہیں دلک پر یعنی اچھی طرح مل رگڑ کر صاف کرنے پر اور زبر کی قرات تو غسل پر یعنی دھونے پر دلیل ہے ہی پس وہ دھونے اور ملنے دونوں کو واجب کہتے ہیں تا کہ زیر اور زبر کی دونوں قراتوں پر ایک ساتھ عمل ہو جائے" اب ان احادیث کو سنیے جن میں پیروں کے دھونے کا اور پیروں کے دھونے کے ضروری ہونے کا ذکر ہے" امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان، امیر المومنین حضرت علی بن ابو طالب، حضرت ابن عباس' حضرت معاویہ' حضرت عبداللہ بن زید عاصم' حضرت مقداد بن معد یکرب رضی اللہ عنہم کی روایات پہلے بیان ہو چکی ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کرتے ہوئے اپنے پیروں کو دھویا' ایک بار یا دو بار یا تین بار' عمرو بن شعیب کی حدیث میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا اور اپنے دونوں پیر دھوئے پھر فرمایا یہ وضو ہے جس کے بغیر اللہ تعالیٰ نماز قبول نہیں فرماتا۔ [1] بخاری و مسلم میں ہے کہ ایک مرتبہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے پیچھے رہ گئے تھے جب آپ آئے تو ہم جلدی جلدی وضو کر رہے تھے کیونکہ عصر کی نماز کا وقت کافی دیر سے ہو چکا تھا ہم نے جلدی جلدی اپنے پیروں پر چھوا چھوئی شروع کر دی تو آپ نے بہت بلند آواز سے فرمایا وضو کو کامل اور پورا کرو ایڑیوں کو خرابی ہے آگ کے لگنے سے' [2] ایک اور حدیث میں ہے ویل ہے ایڑیوں کے لیے اور تلووں کے لیے آگ سے۔ (بیہقی وحاکم) [3] اور روایت میں ہے ٹخنوں کو ویل ہے آگ سے۔ [4] (مسند امام احمد) ایک شخص کے پیر میں ایک درہم کے برابر جگہ بے دھلی دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خرابی ہے ایڑیوں کے لیے آگ سے۔ [5] (مسند) ابن ماجہ وغیرہ میں ہے کہ کچھ لوگوں کو وضو کرتے ہوئے دیکھ کر جن کی ایڑیوں پر اچھی طرح پانی نہیں پہنچا تھا اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم

---

[1] [ضعیف جدا : ابن ماجه: كتاب الطهارة (٤١٩) مسند بزار (٢٣٨٥)] شیخ البانیؒ نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔[ضعيف ابن ماجه]

[2] [صحیح : صحيح بخارى : كتاب العلم : باب من أعاد الحديث ثلاثا (٩٦) صحيح مسلم : كتاب الطهارة : باب وجوب غسل الرجلين بكمالهما (٢٤١) نسائى : كتاب الطهارة : باب ايجاب غسل الرجلين (١١١) ابن ماجه : كتاب الطهارة : باب غسل العراقيب (٤٥٠) ابوداؤد : كتاب الطهارة : باب فى اسباغ الوضوء (٩٧) مسند احمد (١٩٣/٢)]

[3] [صحیح : مسند احمد (١٩١/٤) صحيح ابن خزيمة (١٦٣) شرح معانى الآثار (٣٨/١)] شیخ البانیؒ اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح الترغيب (٢١٦) الموسوعة الحديثية (١٧٧٠٦)]

[4] [صحیح : مسند احمد (٣٦٩/٣) ابن ماجه (٤٥٤) شرح معانى الآثار (٣٨/١)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔[الموسوعة الحديثية (٦٨٨٣)]

[5] [صحیح : ابن ماجه : كتاب الطهارة : باب غسل العراقيب (٤٥٤) مسند احمد (٣٩٠/٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحيح ابن ماجه]

نے فرمایا ان ایڑیوں کو آگ سے خرابی ہوگی[1] مسند احمد میں بھی حضور ﷺ کے یہ الفاظ وارد ہیں۔[2] ابن جریر میں دو مرتبہ حضور ﷺ کا ان الفاظ کو کہنا وارد ہے۔ راوی حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر تو مسجد میں ایک بھی شریف و وضیع ایسا نہ رہا جو اپنی ایڑیوں کو بار بار دھو کر نہ دیکھتا ہو[3] اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھا جس کی ایڑی یا ٹخنے میں بقدر ایک درہم کے چمڑی خشک رہ گئی تھی تو یہی فرمایا پھر تو یہ حالت تھی کہ اگر ذرا سی جگہ پیر کی کسی کی خشک رہ جاتی تو وہ پورا وضو پھر سے کرتا[4] پس ان احادیث سے کھلم کھلا ظاہر ہے کہ پیروں کا دھونا فرض ہے' اگر ان کا مسح فرض ہوتا تو ذرا سی جگہ کے خشک رہ جانے پر اللہ کے نبی ﷺ وعید سے اور وہ بھی جہنم کی آگ کی وعید سے نہ ڈراتے' اس لیے کہ مسح میں ذرا ذرا سی جگہ پر ہاتھ کا پہنچانا داخل ہی نہیں۔ بلکہ پھر تو پیر کے مسح کی وہی صورت ہوتی ہے جو پیر کے اوپر جراب ہونے کی صورت میں مسح کی صورت ہے۔ یہی چیز امام ابن جریر رحمہ اللہ نے شیعوں کے مقابلہ میں پیش کی ہے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے دیکھا کہ ایک شخص نے وضو کیا اور اس کا پیر کسی جگہ سے ناخن کے برابر دھلا نہیں خشک رہ گیا تو آپ نے فرمایا لوٹ جاؤ اور اچھی طرح وضو کرو۔[5] بیہقی وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے[6] مسند میں ہے کہ ایک نمازی کو آپ نے نماز میں دیکھا کہ اس کے پیر میں بقدر درہم کے جگہ خشک رہ گئی ہے تو اسے وضو لوٹانے کا حکم کیا۔[7] حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے حضور ﷺ کے وضو کا طریقہ جو مروی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے انگلیوں کے درمیان خلال بھی کیا۔[8] سنن میں ہے حضرت صبرہ رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ سے وضو کی نسبت دریافت کیا تو آپ نے فرمایا وضو کامل اور اچھا کرو انگلیوں کے درمیان خلال کرو اور ناک میں پانی اچھی طرح دو۔ ہاں روزے کی حالت

---

[1] [صحیح : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٥٢١)]

[2] [صحیح بالشواھد : مسند احمد (٤٢٦/٣) تفسیر ابن جریر الطبری (١١٥٢٢)]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٥٢٨)] اس کی سند میں مطرح بن یزید، عبیداللہ بن زحر اور علی بن یزید تین راوی ضعیف ہیں۔]

[4] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٥٢٩)] اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم راوی ضعیف ہے۔]

[5] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب وجوب استیعاب جمیع اجزاء (٢٤٣) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب تفریق الوضوء (١٧٣) ابن ماجه : کتاب الطهاة (٦٦٦)]

[6] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب من توضأفترك (٦٦٥) بیهقی (٨٣/١) مسند احمد (١٤٦/٣)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه ، ارواء الغلیل (٨٦)]

[7] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب تفریق الوضوء (١٧٥) مسند احمد (٤٢٤/٣)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[8] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب فضل الوضوء (٢٣٠) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب صفة وضوء النبی (١٠٧)]

میں ہوتو اور بات ہے[1] مسند و مسلم وغیرہ میں ہے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے وضو کی بابت خبر دیجیے آپ نے فرمایا جو شخص وضو کا پانی لے کر کلی کرتا ہے اور ناک میں پانی دیتا ہے اس کے منہ سے اور نتھنوں سے پانی کے ساتھ ہی خطائیں جھڑ جاتی ہیں جبکہ وہ ناک جھاڑتا پھر جب وہ منہ دھوتا ہے جیسا کہ اللہ کا حکم ہے تو اس کے منہ کی خطائیں داڑھی اور داڑھی کے بالوں سے پانی کے گرنے کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر وہ اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے کہنیوں سمیت تو اس کے ہاتھوں کے گناہ اس کی پوریوں کی طرف سے جھڑ جاتے ہیں' پھر وہ مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی خطائیں اس کے بالوں کے کناروں سے پانی کے ساتھ ہی جھڑ جاتی ہیں پھر جب وہ اپنے پاؤں ٹخنوں سمیت حکم الٰہی کے مطابق دھوتا ہے تو انگلیوں سے پانی ٹپکنے کے ساتھ ہی اس کے پیروں کے گناہ بھی دور ہو جاتے ہیں' پھر وہ کھڑا ہو کر اللہ تعالیٰ کے لائق جو حمد وثنا ہے اسے بیان کر کے دو رکعت نماز جب ادا کرتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے ایسا پاک صاف ہو جاتا ہے جیسے وہ تولد ہوا ہو۔ یہ سن کر حضرت ابوامامہ نے حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ سے کہا خوب غور کیجیے کہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے آپ نے اسی طرح سنا ہے؟ کیا یہ سب کچھ ایک ہی مقام میں انسان حاصل کر لیتا ہے؟ حضرت عمرو رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ ابوامامہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں' میری ہڈیاں ضعیف ہو چکی ہیں' میری موت قریب آ پہنچی ہے' مجھے کیا فائدہ جو میں اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر جھوٹ بولوں' ایک دفعہ نہیں' دو دفعہ نہیں' تین دفعہ نہیں' میں نے تو اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سات بار بلکہ اس سے بھی زیادہ سنا ہے' اس حدیث کی سند بالکل صحیح ہے۔[2] صحیح مسلم کی دوسری سند والی حدیث میں ہے پھر وہ اپنے دونوں پاؤں کو دھوتا ہے جیسا کہ اللہ نے اسے حکم دیا ہے۔[3] پس صاف ثابت ہوا کہ قرآن حکیم کا حکم پیروں کے دھونے کا ہے۔ ابواسحاق سبیعی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ فی الجنۃ سے بواسطہ حضرت حارث روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا دونوں پیر ٹخنوں سمیت دھوؤ جیسے کہ تم حکم کیے گئے ہو'[4] اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جس روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دونوں قدم جوتی میں ہی بھگو لیے اس سے مراد جوتیوں میں ہی ہلکا دھونا ہے اور چپل جوتی پیر میں ہوتے ہوئے پیر دھل سکتا ہے غرض یہ حدیث بھی دھونے کی دلیل ہے البتہ اس سے ان وسواسی اور واہی لوگوں کی تردید ہے جو حد سے گذر جاتے ہیں' اسی طرح وہ دوسری حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قوم کے کوڑا ڈالنے کی جگہ پر کھڑے ہو کر پیشاب کیا پھر پانی منگوا کر وضو کیا اور اپنے نعلین پر

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الصوم : باب الصائم یصب علیه الماء من العطش (٢٣٦٦) نسائی : کتاب الطھارۃ : باب المبالغة فی الاستنشاق (٨٧) ابن حبان (١٠٥٤)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابوداود، صحیح نسائی]

[2] [صحیح : مسند احمد (١١٢/٤)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب صلاۃ المسافرین : باب اسلام عمرو بن عبسة (٨٣٢)]

[4] [ضعیف : بیھقی (٧١/١)] اس کی سند میں حارث اعور راوی ضعیف ہے۔]

مسح کرلیا“ ① لیکن یہی حدیث دوسری سندوں سے مروی ہے اور ان میں کہ آپ نے اپنی جرابوں پر مسح کیا“ ② اور ان میں مطابقت کی صورت یہ بھی ہوسکتی ہے کہ جرابیں پیروں میں تھیں اور ان پر نعلین تھے اور ان دونوں پر آپ نے مسح کرلیا۔ یہی مطلب اس حدیث کا بھی ہے‘ مسند احمد میں اوس بن ابواوس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے دیکھتے ہوئے وضو کیا اور اپنے نعلین پر مسح کیا اور نماز کے لیے کھڑے ہوگئے‘ ③ یہی روایت دوسری سند سے مروی ہے اس میں آپ کا کوڑے پر پیشاب کرنا پھر وضو کرنا اور اس میں نعلین اور دونوں قدموں پر مسح کرنا مذکور ہے‘ ④ امام ابن جریر رحمہ اللہ اسے بیان کرتے ہیں‘ پھر فرمایا ہے کہ یہ محمول اس پر ہے کہ اس وقت آپ کا پہلا وضو تھا (یا یہ محمول ہے اس پر کہ نعلین جرابوں کے اوپر تھے۔ مترجم) بھلا کوئی مسلمان یہ کیسے قبول کرسکتا ہے‘ کہ اللہ کے فریضے میں اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت میں تعارض ہو اللہ کچھ فرمائے اور پیغمبر کچھ اور ہی کریں؟ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمیشہ کے فعل سے وضو میں پیروں کے دھونے کی فرضیت ثابت ہے اور آیت کا صحیح مطلب بھی یہی ہے جس کے کانوں تک یہ دلیلیں پہنچ جائیں اس پر اللہ کی حجت پوری ہوگئی۔ چونکہ زبر کی قراءت سے پیروں کا دھونا اور زیر کی قرات کا بھی اسی پر محمول ہونا فرضیت کا قطعی ثبوت ہے اس سے بعض سلف تو یہ بھی کہہ گئے ہیں کہ اس آیت سے جرابوں کا مسح ہی منسوخ ہے‘ گو ایک روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی ایسی مروی ہے لیکن اس کی اسناد صحیح نہیں بلکہ خود آپ سے صحت کے ساتھ اس کے خلاف ثابت ہے اور جن کا بھی یہ قول ہے ان کا یہ خیال صحیح نہیں بلکہ حضور علیہ السلام سے اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ مسند احمد میں حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ سورۂ مائدہ کے نازل ہونے کے بعد ہی میں مسلمان ہوا اور اپنے اسلام کے بعد میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جرابوں پر مسح کرتے دیکھا۔ ⑤ بخاری ومسلم میں ہے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ نے پیشاب کیا پھر وضو کرتے ہوئے اپنی جرابوں پر مسح کیا ان سے پوچھا گیا کہ آپ ایسا کرتے ہیں؟ تو فرمایا ہاں یہی کرتے ہوئے میں نے اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے۔ راوی حدیث حضرت ابراہیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں لوگوں کو یہ حدیث بہت اچھی لگتی تھی اس لیے کہ حضرت جریر رضی اللہ عنہ کا

---

① [تفسیر ابن جریر الطبری (١١٥٣١)]

② [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الوضوء: باب البول قائما وقاعدا (٢٢٤) صحیح مسلم: کتاب الطهارة: باب المسح علی الخفین (٢٧٣) ابن ماجه: کتاب الطهارة (٣٠٥) ابوداؤد: کتاب الطهارة (٢٣) ترمذی: کتاب الطهارة (١٣) مسند احمد (٤٠٢/٤)]

③ [صحیح: مسند احمد (٨/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود (١٦٠)] تاہم شیخ شعیب ارناؤوط اسے ضعیف کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (١٦١٥٨)]

④ [صحیح: ابوداؤد: کتاب الطهارة (١٦٠) تفسیر ابن جریر الطبری (١٥٣٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

⑤ [صحیح: مسند احمد (٣٦٣/٤)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کے راویوں کو ثقہ کہتے ہیں۔[الموسوعة الحدیثیة (١٩٢٤١)]

اسلام لانا سورۂ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا تھا۔ [1] احکام کی بڑی بڑی کتابوں میں تواتر کے ساتھ حضور ﷺ کے قول و فعل سے جرابوں پر مسح کرنا ثابت ہے۔ اب مسح کی مدت ہے یا نہیں؟ اس کے ذکر کی یہ جگہ نہیں احکام کی کتابوں میں اس کی تفصیل موجود ہے' رافضیوں نے اس میں بھی گمراہی اختیار کی ہے' اور اس کی کوئی دلیل ان کے پاس نہیں صرف جہالت اور ضلالت ہے۔ خود حضرت علی رضی اللہ عنہ کی روایت سے صحیح مسلم میں یہ ثابت ہے' [2] لیکن روافض اسے نہیں مانتے' جیسے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی ہی روایت سے بخاری و مسلم میں نکاح متعہ کی ممانعت ثابت ہے [3] لیکن تاہم شیعہ اسے مباح قرار دیتے ہیں۔ ٹھیک اسی طرح یہ آیۃ کریمہ دونوں پیروں کے دھونے پر صاف دلالت کرتی ہے اور یہی امر حضور ﷺ کا متواتر احادیث سے ثابت ہے لیکن شیعہ جماعت اس کی بھی مخالف ہے۔ فی الواقع ان مسائل میں ان کے ہاتھ دلیل سے بالکل خالی ہیں۔ وللہ الحمد۔ اسی طرح ان لوگوں نے آیت کا اور سلف صالحین کا کَعْبَیْن کے بارے میں بھی الٹ مفہوم لیا ہے وہ کہتے ہیں کہ قدم کی پشت ابھار ﴿کعبین﴾ ہے پس ان کے نزدیک ہر قدم میں ایک ہی کعب یعنی ٹخنہ ہے اور جمہور کے نزدیک ٹخنے کی وہ ہڈیاں جو پنڈلی اور قدم کے درمیان ابھری ہوئی ہیں وہ ﴿کعبین﴾ ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ جن ﴿کعبین﴾ کا یہاں ذکر ہے یہ ٹخنے کی دو ہڈیاں ہیں جو ادھر ادھر قدرے ظاہر دونوں طرف ہیں' ایک ہی قدم میں ﴿کعبین﴾ ہیں لوگوں کے عرف میں بھی یہی ہے اور حدیث کی دلالت بھی اسی پر ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وضو کرتے ہوئے اپنے داہنے پاؤں کو ﴿کعبین﴾ سمیت دھویا پھر بائیں کو بھی اسی طرح۔ [4] بخاری میں تعلیقاً بصیغہ جزم اور صحیح ابن خزیمہ میں اور سنن ابی داود میں ہے کہ ہماری طرف متوجہ ہو کر اللہ کے رسول ﷺ نے فرمایا ''اپنی صفیں ٹھیک ٹھیک درست کر لو'' تین بار یہ فرما کر فرمایا قسم اللہ کی یا تو تم اپنی صفوں کو پوری طرح درست کرو گے یا اللہ تمہارے دلوں میں مخالفت ڈال دے گا۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ راوی حدیث فرماتے ہیں پھر تو یہ ہو گیا کہ ہر شخص اپنے ساتھی کے ٹخنے سے ٹخنہ اور گھٹنے سے گھٹنا اور کندھے سے کندھا ملا لیا کرتا تھا۔ [5] اس روایت سے صاف معلوم ہو گیا کہ

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری: کتاب الصلاۃ : باب الصلاۃ فی الخفاف (٣٨٧) صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب المسح علی الخفین (٢٧٢) ترمذی : کتاب الطھارۃ (٩٣) نسائی : کتاب الطھارۃ (١١٨) ابن ماجه : کتاب الطھارۃ (٥٤٣) مسند احمد (٣٦٤/٥)]

[2] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب التوقیت فی المسح علی الخفین (٢٧٦)]

[3] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب المغازی : باب غزوۃ خیبر (٤٢١٦) و کتاب النکاح (٥١١٥) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب نکاح المتعة (١٤٠٧) ابن ماجه : کتاب النکاح (١٩٦١) ترمذی : کتاب النکاح (١١٢١) نسائی: کتاب النکاح (٣٣٦٨)]

[4] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الوضوء : باب الوضوء ثلاثا ثلاثا (١٥٩) صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب صفة الوضوء و کماله (٢٢٦) ابوداؤد : کتاب الطھارۃ : باب صفة وضوء النبی (١٠٦)]

[5] [صحیح :بخاری تعلیقا : کتاب الوضوء : باب الزاق المنکب بالمنك (٧٢٥) ابو داؤد : کتاب الصلاۃ باب تسویة الصفوف (٦٦٢)]

﴿کعبین﴾ اس ہڈی کا نام نہیں جو قدم کی پشت کی طرف ہے کیونکہ اس کا ملانا دو پاس پاس کے شخصوں میں ممکن نہیں بلکہ وہی دو ابھری ہوئی ہڈیاں ہیں جو پنڈلی کے خاتمے پر ہیں اور یہی مذہب اہلسنت کا ہے۔ ابن ابی حاتم میں یحییٰ بن حارث تیمی سے منقول ہے کہ زید کے جو ساتھی شیعہ قتل کیے گئے تھے انہیں میں نے دیکھا تو ان کا ٹخنہ قدم کی پشت پر پایا یہ انہیں قدرتی سزا تھی جو ان کی موت کے بعد ظاہر کی گئی اور مخالفت حق اور کتمان حق کا بدلہ دیا گیا۔

تیمم کے مسائل: اس کے بعد تیمم کی صورتیں اور تیمم کا طریقہ بیان ہوا ہے اس کی پوری تفسیر سورۂ نساء میں گذر چکی ہے لہٰذا یہاں بیان نہیں کی جاتی۔ آیت تیمم کا شان نزول بھی وہیں بیان کر دیا گیا ہے۔ لیکن امیر المومنین فی الحدیث حضرت امام بخاری رحمہ اللہ نے اس آیت کے متعلق خاصتاً ایک حدیث وارد کی ہے اسے سن لیجیے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ام المومنین کا بیان ہے کہ میرے گلے کا ہار بیداء میں گر گیا ہم مدینہ میں داخل ہونے والے تھے حضور ﷺ نے سواری روکی اور میری گود میں سر رکھ کر سو گئے اتنے میں میرے والد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ میرے پاس تشریف لائے اور مجھ پر بگڑنے لگے کہ تو نے ہار کھو کر لوگوں کو روک دیا اور مجھ کچوکے مارنے لگے جس سے مجھے تکلیف ہوئی لیکن حضور ﷺ کی نیند میں خلل اندازی نہ ہو اس خیال سے میں ہلی جلی نہیں، حضور ﷺ جب جاگے اور صبح کی نماز کا وقت ہو گیا اور پانی کی تلاش کی گئی تو پانی نہ ملا، اس پر یہ پوری آیت نازل ہوئی، حضرت اسید بن حضیر رضی اللہ عنہ کہنے لگے اے آل ابوبکر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے لیے تمہیں بابرکت بنا دیا ہے تم ان کے لیے سرتاپا برکت ہو۔ [1] پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں تم پر حرج ڈالنا نہیں چاہتا اسی لیے اپنے دین کو سہل آسان اور ہلکا کر دیا ہے بوجھل سخت اور مشکل نہیں۔ حکم تو اس کا یہ تھا کہ پانی سے وضو کرو لیکن جب میسر نہ ہو یا بیماری ہو تو تمہیں تیمم کرنے کی رخصت عطا فرماتا ہے، باقی احکام، احکام کی کتابوں میں ملاحظہ ہوں۔ بلکہ اللہ کی چاہت یہ ہے کہ تمہیں پاک صاف کر دے اور تمہیں پوری پوری نعمتیں عطا فرمائے تاکہ تم اس کی رحمتوں پر اسکی شکر گذاری کرو اس کی توسیع احکام اور رافت و رحمت آسانی اور رخصت پر اس کا احسان مانو۔ وضو کے بعد اللہ کے رسول ﷺ نے ایک دعا تعلیم فرمائی ہے جو گویا اس آیت کے ماتحت ہے۔ مسند، سنن، صحیح مسلم میں حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم باری باری اونٹوں کو چرایا کرتے تھے میں اپنی باری والی رات عشاء کے وقت چلا تو دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے لوگوں سے کچھ فرما رہے ہیں میں بھی پہنچ گیا اس وقت میں نے آپ سے یہ سنا کہ جو مسلمان اچھی طرح وضو کر کے دلی توجہ کے ساتھ دو رکعت نماز ادا کرے اس کے لیے جنت واجب ہے۔ میں نے کہا واہ واہ یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ میری یہ بات سن کر ایک صاحب نے جو میرے آگے ہی بیٹھے تھے فرمایا اس سے پہلے جو بات حضور ﷺ نے فرمائی ہے وہ اس سے بھی زیادہ بہتر ہے۔ میں نے جو غور سے دیکھا تو وہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ تھے آپ مجھ سے فرمانے لگے تم ابھی آئے ہو، تمہارے آنے سے پہلے حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو شخص عمدگی اور اچھائی سے وضو کرے پھر کہے ﴿أَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ﴾ اس

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: كتاب التفسير: باب فلم تجدوا ماء (٤٦٠٨)]

کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھل جاتے ہیں جس میں سے چاہے داخل ہو۔ (١) ایک اور روایت میں ہے کہ جب ایمان واسلام والا وضو کرنے بیٹھتا ہے اس کے منہ دھوتے ہوئے اس کی آنکھوں کی تمام خطائیں پانی کے ساتھ یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ جھڑ جاتی ہیں اسی طرح ہاتھوں کے دھونے کے وقت ہاتھوں کی تمام خطائیں اور اسی طرح پیروں کے دھونے کے وقت پیروں کی تمام خطائیں دھل جاتی ہیں وہ گناہوں سے بالکل پاک صاف ہو جاتا ہے۔ (٢) ابن جریر میں جو شخص وضو کرتے ہوئے جب اپنے ہاتھ یا بازوؤں کو دھوتا ہے تو اس سے اس کے گناہ دور ہو جاتے ہیں، منہ کو دھوتے وقت منہ کے گناہ الگ ہو جاتے ہیں، سر کا مسح سر کے گناہ جھاڑ دیتا ہے، پیر کا دھونا ان کے گناہ دھو دیتا ہے۔ (٣) دوسری سند میں سر کے مسح کا ذکر نہیں۔ (٤) ابن جریر میں ہے جو شخص اچھی طرح وضو کر کے نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہے اس کے کانوں سے آنکھوں سے ہاتھوں سے پاؤں سے سب گناہ الگ ہو جاتے ہیں۔ (٥) صحیح مسلم شریف میں ہے وضو آدھا ایمان ہے، الحمد للہ کہنے سے نیکی کا پلڑا بھر جاتا ہے۔ قرآن یا تو تیری موافقت میں دلیل ہے یا تیرے خلاف دلیل ہے، ہر شخص صبح ہی صبح اپنے نفس کی فروخت کرتا ہے پس یا تو اپنے تئیں آزاد کرا لیتا ہے یا ہلاک کر لیتا ہے (٦) اور حدیث میں ہے ”مال حرام کا صدقہ اللہ قبول نہیں فرماتا اور بے وضو کی نماز بھی غیر مقبول ہے“۔ (٧) (صحیح مسلم) یہ روایت ابوداود طیالسی، مسند احمد، ابوداؤد، نسائی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ (٨)

---

(١) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب الذکر المستحب عقب الوضوء (٢٣٤) ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب مایقول الرجل اذا توضاء (١٦٩) نسائی : کتاب الطهارة : باب القول بعد الفراغ من الوضوء (١٤٨) ابن ماجه : کتاب الطهارة (٤٧٠) مسند احمد (١٥٣/٤)]

(٢) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب خروج الخطایا مع ماء الوضوء (٢٤٤) ترمذی : کتاب الطهارة : باب ماجآء فی فضل الطهور (٢) مسند احمد (٣٠٣/٢)]

(٣) [صحیح المتن : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٠٤٩)]

(٤) [صحیح : مسند احمد (٢٣٥/٤) تفسیر ابن جریر الطبری (١١٠٤٦)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (١٩٠٦٤)]

(٥) [حسن : مسند احمد (٢٥٢/٥) تفسیر ابن جریر الطبری (١١٠٤٨)] امام منذریؒ اور امام ہیثمیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [الترغیب والترهیب (٢١٥/١) مجمع الزوائد (٢٢٣/١)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے شواہد کی بنا پر صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحدیثیة (٢٢٢٠٦)]

(٦) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب فضل الوضوء (٢٢٣) ترمذی : کتاب الدعوات (٣٥١٧) مسند احمد (٣٤٢/٥)]

(٧) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الطهارة : باب وجوب الطهارة (٢٢٤) ترمذی : کتاب الطهارة (١) مسند احمد (٢٠/٢)]

(٨) [صحیح : ابوداؤد: کتاب الطهارة : باب فرض الوضوء (٥٩) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب لا یقبل الله صلاة بغیر طهور (٢٧١) نسائی (٥٦/٥) ابن حبان (٦٠٥/٤)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح الجامع (١٨٥٥)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِيْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ ۙ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ لِلّٰهِ شُهَدَآءَ بِالْقِسْطِ ۡ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَاٰنُ قَوْمٍ عَلٰٓى اَلَّا تَعْدِلُوْا ؕ اِعْدِلُوْا ۟ هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۡ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۞ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ۙ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّاَجْرٌ عَظِيْمٌ ۞ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ۞ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ هَمَّ قَوْمٌ اَنْ يَّبْسُطُوْٓا اِلَيْكُمْ اَيْدِيَهُمْ فَكَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَعَلَى اللّٰهِ فَلْيَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۞ ع

تم پر رب کی جو نعمتیں نازل ہوئی ہیں انہیں یاد رکھو اور اس کے اس عہد کو بھی جس کا تم سے معاہدہ ہوا ہے جبکہ تم نے کہا ہم نے سنا اور مانا اور اللہ سے ڈرتے رہو یقیناً اللہ تعالیٰ دلوں کی باتوں کا جاننے والا ہے ○ اے ایمان والو تم للّٰہیت کے ساتھ حق پر قائم ہو جاؤ راستی اور انصاف کے ساتھ گواہی دینے والے بن جاؤ کسی قوم کی عداوت تمہیں خلاف عدل پر آمادہ نہ کر دے عدل کیا کرو جو پرہیز گاروں سے متصل ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو یقین مانو کہ اللہ تمہارے اعمال سے باخبر ہے ○ اللہ کا وعدہ ہے کہ جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان کے لیے وسیع مغفرت اور بہت بڑا اجر و ثواب ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہمارے احکام کو جھٹلایا وہ دوزخی ہیں ○ اے ایمان والو اللہ تعالیٰ نے جو احسان تم پر کیا ہے اسے یاد کرو جبکہ ایک قوم نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو اللہ نے ان کے ہاتھوں کو تم تک پہنچنے سے روک دیا اور اللہ سے ڈرتے رہو مومنوں کو اللہ ہی پر پورا بھروسہ کر لینا چاہیے ○

انعامات کی یاددہانی اور ایمانداروں سے مغفرت کا اور کفار سے جہنم کا وعدہ: اس دین عظیم اور اس رسول کریم ﷺ کو بھیج کر جو احسان اللہ تعالیٰ نے اس امت پر کیا ہے اسے یاد دلا رہا ہے اور اس عہد پر مضبوط رہنے کی انہیں ہدایت کر رہا ہے جو مسلمانوں نے اللہ کے پیغمبر ﷺ کی تابعداری اور امداد کرنے دین پر قائم رہنے اسے قبول کر لینے اسے دوسروں تک پہنچانے کے لیے کیا ہے اسلام لاتے وقت انہی چیزوں کا ہر مومن اپنی بیعت میں اقرار کرتا تھا چنانچہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے الفاظ ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی کہ ''ہم سنتے رہیں گے اور مانتے چلے جائیں گے خواہ جی چاہے خواہ نہ چاہے خواہ دوسروں کو ہم پر ترجیح دی جائے اور کسی لائق شخص سے ہم کسی کام کو نہیں چھینیں گے''۔ [1] باری تعالیٰ عزوجل کا ارشاد ہے کہ تم کیوں ایمان نہیں لاتے؟ حالانکہ رسول ﷺ تمہیں رب پر ایمان لانے کی دعوت دے رہے ہیں اگر تمہیں یقین ہو۔ اور اس نے تم سے عہد بھی لے لیا ہے۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں یہودیوں کو یاد دلایا جا رہا ہے کہ تم سے حضور ﷺ کی تابعداری کے قول و قرار ہو

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الفتن: باب قول النبی سترون بعدی امورا تنکر ونها (٧٠٥٦) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصية (١٧٠٩)]

چکے ہیں' پھر تمہاری نافرمانی کے کیا معنی؟ یہ بھی کہا گیا ہے کہ "حضرت آدم علیہ السلام کی پیٹھ سے نکال کر جو عہد اللہ رب العزت نے بنو آدم سے لیا تھا' اسے یاد دلایا جا رہا ہے جس میں فرمایا تھا کہ کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا کہ ہاں ہم اس پر گواہ ہیں' لیکن پہلا قول زیادہ ظاہر ہے' سدی رحمہ اللہ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے وہی مروی ہے اور امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی اسی کو مختار بتایا ہے۔ ہر حال میں انسان کو اللہ کا خوف رکھنا چاہیے۔ دلوں اور سینوں کے بھید سے وہ واقف ہے۔

ایمان والو! لوگوں کو دکھانے کو نہیں بلکہ اللہ کی وجہ سے حق پر قائم ہو جاؤ اور عدل کے ساتھ صحیح گواہ بن جاؤ۔ بخاری و مسلم میں حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ میرے باپ نے مجھے ایک عطیہ دے رکھا تھا' میری ماں عمرہ بنت رواحہ نے کہا میں تو اس وقت تک مطمئن نہیں ہونے لگی جب تک کہ تم اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو گواہ نہ بنا لو' میرے باپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے واقعہ بیان کیا تو آپ نے دریافت فرمایا کہ کیا اپنی دوسری اولاد کو بھی ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ جواب دیا کہ نہیں تو آپ نے فرمایا اللہ سے ڈرو' اپنی اولاد میں عدل کیا کرو' جاؤ میں کسی ظلم پر گواہ نہیں بنتا۔ چنانچہ میرے باپ نے وہ صدقہ لوٹا لیا[1] پھر فرمایا دیکھو کسی کی عداوت اور ضد میں آ کر عدل سے نہ ہٹ جانا۔ دوست ہو یا دشمن ہو' تمہیں عدل و انصاف کا ساتھ دینا چاہیے' تقوے سے زیادہ قریب یہی ہے' ھــو کی ضمیر کے مرجع پر دلالت فعل نے کر دی ہے جیسے کہ اس کی نظیریں قرآن میں اور بھی ہیں۔ اور کلام عرب میں بھی' جیسے اور جگہ ہے ﴿وَاِنْ قِيْلَ لَكُمُ ارْجِعُوْا فَارْجِعُوْا هُوَ اَزْكٰى لَكُمْ﴾[2] یعنی اگر تم کسی مکان میں جانے کی اجازت مانگو اور نہ ملے بلکہ کہا جائے کہ واپس لوٹ جاؤ' تو تم واپس چلے جاؤ یہی تمہارے لیے زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے۔ پس یہاں بھی ھــو کی ضمیر کا مرجع مذکور نہیں' لیکن فعل کی دلالت موجود ہے یعنی لوٹ جانا اسی طرح مندرجہ بالا آیت میں یعنی عدل کرنا۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہاں پر ﴿اقرب﴾ افعل التفضیل کا صیغہ ایسے موقعہ پر ہے کہ دوسری جانب اور کوئی چیز نہیں' جیسے اس آیت میں ہے ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا وَّاَحْسَنُ مَقِيْلًا﴾[3] اور جیسے کہ کسی صحابیہ کا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہنا کہ ((اَنْتَ اَفَظُّ وَاَغْلَظُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم))[4] اللہ سے ڈرو! یہ تمہارے عملوں سے باخبر ہے' ہر خیر و شر کا پورا پورا بدلہ دے گا۔ وہ ایمان والوں' نیک کاروں سے ان کے گناہوں کی بخشش کا اور انہیں اجر عظیم یعنی جنت دینے کا وعدہ کر چکا ہے۔ گو دراصل وہ اس رحمت کو صرف فضل الٰہی سے حاصل کریں گے لیکن رحمت کی توجہ کا سبب ان کے نیک اعمال بنے۔ پس حقیقتاً ہر طرح قابل تعریف و ستائش اللہ ہی ہے اور یہ سب کچھ اس کا فضل و رحم ہے۔ حکمت و عدل کا تقاضا یہی تھا کہ ایمانداروں اور

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الهبة : باب الهبة للولد (٢٥٨٦) صحیح مسلم : کتاب الهبات : باب کراهة تفضیل بعض الاولاد (١٦٢٣)]

[2] [سورة النور : آیت ٢٨]

[3] [سورة الفرقان: آیت ٢٤]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب صفة ابلیس وجنوده (٣٢٩٤) صحیح مسلم : کتاب فضائل الصحابة : باب من فضائل عمر (٢٣٩٦)]

نیک کاروں کو جنت دی جائے اور کافروں اور جھٹلانے والوں کو جہنم واصل کیا جائے چنانچہ یونہی ہوگا۔

پھر اپنی ایک اور نعمت یاد دلاتا ہے' جس کی تفصیل یہ ہے' حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ایک منزل میں اترے' لوگ ادھر ادھر سایہ دار درختوں کی تلاش میں لگ گئے' آپ نے ہتھیار اتار کر ایک درخت پر لٹکا دیئے۔ ایک اعرابی نے آ کر آپ کی تلوار اپنے ہاتھ میں لے لی اور اسے کھینچ کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھڑا ہو گیا اور کہنے لگا اب بتا کہ مجھ سے تجھے کون بچا سکتا ہے؟ آپ نے فوراً بعد جواب دیا کہ اللہ عزوجل۔ اس نے پھر یہی سوال کیا اور آپ نے پھر یہی جواب دیا' تیسری مرتبہ کے جواب کے ساتھ ہی اس کے ہاتھ سے تلوار گر پڑی' اب آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو آواز دی اور جب وہ آ گئے تو ان سے سارا واقعہ کہہ دیا' اعرابی اس وقت بھی موجود تھا لیکن آپ نے اس سے کوئی بدلہ نہ لیا۔ [1] قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کچھ لوگوں نے دھوکے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو قتل کرنا چاہا تھا اور انہوں نے اس اعرابی کو آپ کی گھات میں بھیجا تھا لیکن اللہ نے اسے ناکام اور نامراد رکھا فالحمد للہ۔ اس اعرابی کا نام صحیح احادیث میں غوث بن حارث آیا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہودیوں نے آپ کو اور آپ کے صحابہ کو قتل کرنے کے ارادہ سے زہر ملا کر کھانا پکا کر دعوت کر دی' لیکن اللہ نے آپ کو آگاہ کر دیا اور آپ بچ رہے' یہ بھی کہا گیا ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں نے اپنے گھر میں بلا کر آپ کو صدمہ پہنچانا چاہا تھا۔ ابن اسحاق رحمہ اللہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے مراد بنو نضیر کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے چکی کا پاٹ قلعہ کے اوپر سے آپ کے سر پر گرانا چاہا تھا جبکہ آپ عامری لوگوں کی دیت کے لینے کے لیے ان کے پاس گئے تھے تو ان شریروں نے عمرہ بن جحش بن کعب کو اس بات پر آمادہ کیا تھا کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نیچے کھڑا کر کے باتوں میں مشغول کر لیں گے تو اوپر سے یہ پھینک کر آپ کا کام تمام کر دینا لیکن راستے ہی میں اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شرارت وخباثت سے آگاہ کر دیا' آپ مع اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے وہیں سے پلٹ گئے' اسی کا ذکر اس آیت میں ہے' مومنوں کو اللہ تعالیٰ ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے جو کفایت کرنے والا' حفاظت کرنے والا ہے۔ اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے حکم سے بنو نضیر کی طرف مع لشکر گئے' محاصرہ کیا' وہ ہارے اور انہیں جلاوطن کر دیا۔ [2]

وَلَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَبَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ۭ وَقَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مَعَكُمْ ۭ لَىِٕنْ اَقَمْتُمُ الصَّلٰوةَ وَاٰتَيْتُمُ الزَّكٰوةَ وَاٰمَنْتُمْ بِرُسُلِيْ وَعَزَّرْتُمُوْهُمْ وَاَقْرَضْتُمُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا لَّاُكَفِّرَنَّ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَلَاُدْخِلَنَّكُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْھٰرُ ۚ فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ مِنْكُمْ فَقَدْ ضَلَّ سَوَاۗءَ السَّبِيْلِ ⑫ فَبِمَا نَقْضِهِمْ مِّيْثَاقَهُمْ لَعَنّٰهُمْ وَجَعَلْنَا قُلُوْبَهُمْ قٰسِيَةً ۚ يُحَرِّفُوْنَ

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المغازی: باب غزوۃ ذات الرقاع (٤١٣٥) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب توکله علی الله تعالی (٨٤٣) مسند احمد (٣٦٤/٣)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١١٥٦٠)]

الْكَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِهٖ ۙ وَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۚ وَلَا تَزَالُ تَطَّلِعُ عَلٰى خَآئِنَةٍ مِّنْهُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ فَاعْفُ عَنْهُمْ وَاصْفَحْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۱۳﴾ وَمِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰٓى اَخَذْنَا مِيْثَاقَهُمْ فَنَسُوْا حَظًّا مِّمَّا ذُكِّرُوْا بِهٖ ۠ فَاَغْرَيْنَا بَيْنَهُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَاۗءَ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۭ وَسَوْفَ يُنَبِّئُهُمُ اللّٰهُ بِمَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿۱۴﴾

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے عہد و پیمان لیا' اور انہی میں سے بارہ سردار ہم نے مقرر فرمائے' اور اللہ تعالیٰ نے فرمادیا کہ یقیناً میں تمہارے ساتھ ہوں۔ اگر تم نماز کو قائم رکھو گے اور زکوٰۃ دیتے رہو گے اور میرے رسولوں کو مانتے رہو گے اور ان کی مدد کرتے رہو گے اور اللہ تعالیٰ کو بہتر قرض دیتے رہو گے تو یقیناً یقیناً میں تمہاری برائیاں تم سے دور کر دوں گا اور تمہیں ان جنتوں میں لے جاؤں گا جن کے نیچے چشمے بہہ رہے ہیں' اب اس عہد و پیمان کے بعد تم میں سے جو انکاری ہو جائے وہ یقیناً راہ راست سے بھٹک گیا○ پھر ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ہم نے ان پر اپنی لعنت نازل فرمادی اور ان کے دل سخت کر دیئے' کہ کلام کو اس کی جگہ سے بدل ڈالتے ہیں جو کچھ نصیحت انہیں کی گئی تھی اس کا بہت بڑا حصہ بھلا بیٹھے' ان کی ایک نہ ایک خیانت پر تجھے اطلاع ملتی ہی رہے گی ہاں تھوڑے سے ایسے بھی ہیں' پس تو انہیں معاف کرتا جا اور درگذر کرتا رہ' بیشک اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے○ جو اپنے آپ کو نصرانی کہتے ہیں ہم نے ان سے بھی عہد و پیمان لیا انہوں نے بھی اس کا بڑا حصہ فراموش کر دیا جو انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے بھی ان کے آپس میں بغض عداوت ڈال دی جو تاقیامت رہے گی' اور جو کچھ یہ کرتے تھے اللہ تعالیٰ انہیں سب جتادے گا○

عہد شکن قوم بنی اسرائیل: اوپر کی آیتوں میں اللہ تعالیٰ نے اپنے مومن بندوں کو عہد و پیمان کی وفاداری' حق پر مستقیم رہنے اور عدل کی شہادت دینے کا حکم دیا تھا۔ ساتھ ہی اپنی ظاہری و باطنی نعمتوں کو یاد دلایا تھا۔ تو اب ان آیتوں میں ان سے پہلے کے اہل کتاب سے جو عہد و میثاق لیا تھا' اس کی حقیقت و کیفیت کو بیان فرما رہا ہے' پھر جبکہ انہوں نے اللہ سے کیے ہوئے عہد و پیمان توڑ ڈالے تو ان کا کیا حشر ہوا' اسے بیان فرما کر گویا مسلمانوں کو عہد شکنی سے روکتا ہے۔ ان کے بارہ سردار تھے۔ یعنی بارہ قبیلوں کے بارہ چوہدری تھے جو ان سے ان کی بیعت کو پورا کراتے تھے کہ یہ اللہ اور رسول کے تابع فرمان رہیں اور کتاب اللہ کی اتباع کرتے رہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سرکشوں سے لڑنے کے لیے گئے تب ہر قبیلہ میں سے ایک ایک سردار منتخب کر گئے تھے۔ روبیل قبیلے کا سردار شامون بن رکون تھا' شمعونیوں کا چوہدری شافاط بن حری' یہوذا کا کالب بن یوفنا' میخائیل ابن یوسف اور افرایم کا یوشع بن نون اور بنیامین کے قبیلے کا چوہدری فدطم بن دفون' زبولون کا جدی بن شوری' منشاء کا جدی بن موسیٰ' دان خملائیل ابن حمل' اشار کا ساطور۔ نفتالی کا بحر اور یساخر کا لایل۔ توراۃ کے چوتھے جز میں بنو اسرائیل کے قبیلوں کے سرداروں کے نام مذکور ہیں۔ جو ان ناموں سے قدرے مختلف ہیں۔ واللہ اعلم۔ موجودہ تورات کے نام یہ ہیں۔ بنو روبیل پر یصور بن سادون' بنی شمعون پر شموال بن صور' بنو یہود پر حشون بن عمیاذب' بنو یساخر پر شال بن صاعون' بنو زبولون پر الیاب بن حالوب' بنو افرایم پر منشا بن عمنہور۔ بنو منشاء پر حملیائیل بنو بنیامین پر ابیدن۔ بنو دان پر جعیذر بنو اشار

نحایل۔ بنوکان پر سیف بن دعوائیل ۔ بنونفتالی پر اجذع۔ یہ یاد رہے کہ لیلۃ العقبہ میں جب آنحضرت ﷺ نے انصار سے بیعت لی اس وقت ان کے سردار بھی بارہ ہی تھے۔ تین قبیلہ اوس کے۔ حضرت اسید بن حضیر' حضرت سعد بن خیثمہ اور حضرت رفاعہ بن عبدالمنذر رضی اللہ عنہم بعض روایتوں میں ان کے بدلے حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ کا نام ہے۔ اور نو سردار قبیلہ خزرج کے تھے۔ ابوامامہ اسعد بن زرارہ' سعد بن ربیع' عبداللہ بن رواحہ' رافع بن مالک بن عجلان' براء بن معرور' عبادہ بن صامت' سعد بن عبادہ' عبداللہ بن عمرو بن حرام' منذر بن عمر بن حنیش رضی اللہ عنہم انہی سرداروں نے اپنی اپنی قوم کی طرف سے پیغمبر آخرالزمان ﷺ سے فرامین سننے اور ماننے کی بیعت کی۔

حضرت مسروق رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم لوگ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس بیٹھے تھے' آپ ہمیں اس وقت قرآن پڑھا رہے تھے تو ایک شخص نے سوال کیا کہ آپ لوگوں نے حضور ﷺ سے یہ بھی پوچھا کہ اس امت کے کتنے خلیفہ ہوں گے؟ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا میں جب سے عراق آیا ہوں' اس سوال کو بجز تیرے کسی نے نہیں پوچھا' ہم نے حضور ﷺ سے اس بارے میں دریافت کیا تھا تو آپ نے فرمایا' بارہ ہوں گے' جتنی گنتی بنو اسرائیل کے نقیبوں کی تھی۔ (١) یہ روایت سنداً غریب ہے' لیکن مضمون حدیث بخاری اور مسلم کی روایت سے بھی ثابت ہے' جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے نبی ﷺ سے سنا ہے' لوگوں کا کام چلتا رہے گا' جب تک ان کے والی بارہ شخص نہ ہولیں' پھر ایک لفظ حضور ﷺ نے فرمایا لیکن میں نہ سن سکا تو میں نے دوسروں سے پوچھا کہ حضور ﷺ نے اب کون سا لفظ فرمایا' انہوں نے جواب دیا یہ فرمایا کہ یہ سب قریش ہوں گے''۔ (٢) صحیح مسلم میں یہی لفظ ہیں۔

اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ بارہ خلیفہ صالح نیک بخت ہوں گے۔ جو حق کو قائم کریں گے اور لوگوں میں عدل کریں گے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ سب پے در پے یکے بعد دیگرے ہی ہوں۔ پس چار خلفاء تو پے در پے حضرت ابوبکر' حضرت عمر' حضرت عثمان' حضرت علی رضی اللہ عنہم جن کی خلافت بطریق نبوت رہی۔ انہی بارہ میں سے پانچویں حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ ہیں۔ بنوعباس میں سے بھی بعض اسی طرح کے خلیفہ ہوئے ہیں اور قیامت سے پہلے پہلے ان بارہ کی تعداد پوری ہونی ضروری ہے اور انہیں میں سے حضرت امام مہدی رحمہ اللہ ہیں' جن کی بشارت احادیث میں آچکی ہے ان کا نام حضور ﷺ کے نام پر ہوگا اور ان کے والد کا نام حضور ﷺ کے

---

(١) [اسنادہ ضعیف : مسند احمد (١/٣٨٩) بزار (١٥٨٦) مسند ابو یعلی (٥٠٣١)] اس کی سند میں مجالد بن سعید راوی ضعیف ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط اسی کی وجہ سے اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [الموسوعۃ الحدیثیۃ (٣٧٨١)]

(٢) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاحکام (٧٢٢٢۔ ٧٢٢٣) صحیح مسلم : کتاب الامارۃ : باب الناس تبع لقریش (١٨٢١) ابوداؤد : کتاب المہدی (٤٢٧٩) ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجآء فی الخلفاء (٢٢٢٣) مسند احمد (٥/٨٦)]

والد کے نام پر ہوگا' زمین کو عدل وانصاف سے بھر دیں گے حالانکہ اس سے پہلے وہ ظلم و جبر سے پُر ہوگی [1] لیکن اس سے شیعوں کا امام منتظر مراد نہیں' اس کی تو دراصل کوئی حقیقت ہی نہیں' نہ سرے سے اس کا کوئی وجود ہے' بلکہ یہ تو صرف شیعہ کی وہم پرستی اوران کا تخیل ہے' نہ اس حدیث سے شیعوں کے فرقے اثنا عشریہ کے ائمہ مراد ہیں۔اس حدیث کو ان ائمہ پر محمول کرنا بھی شیعوں کے اس فرقہ کی بناوٹ ہے جو ان کی کم عقلی اور جہالت کا کرشمہ ہے۔توراۃ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی بشارت کے ساتھ ہی مرقوم ہے کہ ان کی نسل میں سے بارہ بڑے شخص ہوں گے' اس سے مراد بھی یہی مسلمانوں کے بارہ قریشی بادشاہ ہیں لیکن جو یہودی مسلمان ہوئے تھے' وہ اپنے اسلام میں کچے اور جاہل بھی تھے' انہوں نے شیعوں کے کان میں کہیں یہ صور پھونک دیا اور وہ سمجھ بیٹھے کہ اس سے مراد ان کے بارہ امام ہیں' ورنہ حدیثیں اس کے واضح خلاف موجود ہیں۔

اب اس عہد و پیمان کا ذکر ہو رہا ہے جو اللہ تعالیٰ نے یہودیوں سے لیا تھا کہ وہ نمازیں پڑھتے رہیں' زکوٰۃ دیتے رہیں' اللہ کے رسولوں کی تصدیق کریں' ان کی نصرت واعانت کریں اور اللہ کی مرضی کے کاموں میں اپنا مال خرچ کریں۔ جب وہ ایسا کریں گے تو اللہ کی مدد و نصرت ان کے ساتھ رہے گی' ان کے گناہ معاف ہوں گے اور یہ جنتوں میں داخل کیے جائیں گے' مقصود حاصل ہوگا اور خوف زائل ہوگا' لیکن اگر وہ اس عہد و پیمان کے بعد پھر گئے اور اسے غیر معروف کر دیا تو یقیناً وہ حق سے دور ہو جائیں گے' بھٹک اور بہک جائیں گے۔ چنانچہ یہی ہوا کہ انہوں نے میثاق توڑ دیا' وعدہ خلافی کی تو ان پر اللہ کی لعنت نازل ہوئی' ہدایت سے دور ہو گئے' ان کے دل سخت ہو گئے اور وعظ و پند سے مستفید نہ ہو سکے' سمجھ بگڑ گئی' اللہ کی باتوں میں ہیر پھیر کرنے لگے' باطل تاویلیں بیان کرنے لگے جو اللہ کے بتائے ہوئے نہ تھے' یہاں تک کہ اللہ کی کتاب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی' وہ اس سے بے عمل ہی نہیں بلکہ بے رغبت ہو گئے۔ دین کی اصل جب ان کے ہاتھوں سے چھوٹ گئی پھر فروعی عمل کیسے قبول ہوتے؟ عمل چھوٹ جانے کی وجہ سے نہ تو دل ٹھیک رہے' نہ فطرت اچھی رہی۔ نہ خلوص واخلاص رہا' غداری اور مکاری کو اپنا شیوہ بنا لیا۔ نت نئے جال نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور اصحاب نبی کے خلاف بنتے رہے۔ پھر نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوتا ہے کہ آپ ان سے چشم پوشی کیجیے' یہی معاملہ ان کے ساتھ اچھا ہے' جیسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جو تجھ سے اللہ کے فرمان کے خلاف سلوک کرے تو اس سے حکم الٰہی کی بجا آوری کے ماتحت سلوک کر۔ اس میں ایک بڑی مصلحت یہ بھی ہے کہ ممکن ہے ان کے دل کھچ آئیں' ہدایت نصیب ہو جائے اور حق کی طرف آ جائیں۔ اللہ تعالیٰ احسان کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ یعنی دوسروں کی بدسلوکی سے چشم پوشی کر کے خود نیک سلوک کرنے والے اللہ کے محبوب ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں "درگذر کرنے کا حکم جہاد کی آیت سے منسوخ ہے"۔

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ "ان نصرانیوں سے بھی ہم نے وعدہ لیا تھا کہ جو رسول آئے گا' یہ اس پر ایمان لائیں گے'

---

[1] [صحیح : ابوداؤد : کتاب المهدی (٤٢٨٢) ترمذی : کتاب الفتن (٢٢٣٠)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود ، صحیح ترمذی ، الروض النضیر (٢/٥٢)]

اس کی مدد کریں گے اور اس کی باتیں مانیں گے"۔ لیکن انہوں نے بھی یہودیوں کی طرح بدعہدی کی' جس کی سزا میں ہم نے ان میں آپس میں عداوت ڈال دی جو قیامت تک جاری رہے گی۔ ان میں فرقے فرقے بن گئے جو ایک دوسرے کو کافر وملعون کہتے ہیں اور اپنے عبادت خانوں میں بھی نہیں آنے دیتے' ملکیہ فرقہ یعقوبیہ فرقے کو' یعقوبیہ ملکیہ کو کھلے بندوں کافر کہتے ہیں' اسی طرح دوسرے تمام فرقے بھی' انہیں ان کے اعمال کی پوری تنبیہ عنقریب ہوگی۔ انہوں نے بھی اللہ کی نصیحتوں کو بھلا دیا ہے اور اللہ پر تہمتیں لگائی ہیں اس پر بیوی اور اولاد والا ہونے کا بہتان باندھنا ہے' یہ قیامت کے دن بری طرح پکڑے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ واحد واحد فرد ﴿اَللّٰهُ الصَّمَدُ لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْ وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ﴾ [1] ہے۔

يٰۤاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ كَثِيْرًا مِّمَّا كُنْتُمْ تُخْفُوْنَ مِنَ
الْكِتٰبِ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۬ قَدْ جَآءَكُمْ مِّنَ اللّٰهِ نُوْرٌ وَّكِتٰبٌ مُّبِيْنٌ ﴿۱۵﴾ يَّهْدِيْ
بِهِ اللّٰهُ مَنِ اتَّبَعَ رِضْوَانَهٗ سُبُلَ السَّلٰمِ وَيُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى
النُّوْرِ بِاِذْنِهٖ وَيَهْدِيْهِمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۶﴾

اے اہل کتاب یقیناً تمہارے پاس ہمارا رسول آ چکا جو تمہارے سامنے کتاب اللہ کی اکثر وہ باتیں ظاہر کر رہا ہے جنہیں تم چھپا رہے تھے اور اکثر درگذر کرتا رہتا ہے' تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور اور واضح کتاب آ چکی ہے ○ جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ انہیں جو رضائے رب کے درپے ہوں سلامتی کی راہیں بتلاتا ہے اور اپنی توفیق سے اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور راہ راست کی طرف ان کی رہبری کرتا ہے ○

نبی کریم ﷺ کی آمد اور خدمات: فرماتا ہے کہ رب الاعلیٰ نے اپنے عالی قدر رسول حضرت محمد ﷺ کو ہدایت اور دین حق کے ساتھ تمام مخلوق کی طرف بھیج دیا ہے' معجزے اور روشن دلیلیں انہیں عطا فرمائی ہیں جو باتیں یہود ونصاریٰ نے بدل ڈالی تھیں' تاویلیں کر کے دوسرے مطلب بنا لیے تھے اور اللہ کی ذات پر بہتان باندھتے تھے' کتاب اللہ کے جو حصے اپنے نفس کے خلاف پاتے تھے' انہیں چھپا لیتے تھے' ان سب علمی بددیانتیوں کو یہ رسول (ﷺ) بے نقاب کرتے ہیں۔ ہاں جس کے بیان کی ضرورت ہی نہ ہو' بیان نہیں فرماتے۔ مستدرک حاکم میں ہے "جس نے رجم کے مسئلہ کا انکار کیا' اس نے بے علمی سے قرآن سے انکار کیا" چنانچہ اس آیت میں اسی رجم کے چھپانے کا ذکر ہے' پھر قرآن عظیم کی بابت فرماتا ہے کہ "اسی نے اس نبی کریم ﷺ پر اپنی یہ کتاب اتاری ہے جو جویائے حق کو سلامتی کی راہ بتاتی ہے' لوگوں کو ظلمتوں سے نکال کر نور کی طرف لے جاتی ہے اور راہ مستقیم کی رہبر ہے۔ اس کتاب کی وجہ سے اللہ کے انعاموں کو حاصل کر لینا اور اس کی سزاؤں سے بچ جانا بالکل آسان ہو گیا ہے یہ ضلالت کو مٹا دینے والی اور ہدایت کو واضح کر دینے والی ہے"۔

---

[1] [سورة الاخلاص]

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ قُلْ فَمَنْ يَّمْلِكُ مِنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا اِنْ اَرَادَ اَنْ يُّهْلِكَ الْمَسِيْحَ ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؕ يَخْلُقُ مَا يَشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٧﴾ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ وَالنَّصٰرٰى نَحْنُ اَبْنٰٓؤُا اللّٰهِ وَاَحِبَّآؤُهٗ ؕ قُلْ فَلِمَ يُعَذِّبُكُمْ بِذُنُوْبِكُمْ ؕ بَلْ اَنْتُمْ بَشَرٌ مِّمَّنْ خَلَقَ ؕ يَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا ؗ وَاِلَيْهِ الْمَصِيْرُ ﴿١٨﴾

یقیناً وہ لوگ کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ بیشک مسیح ابن مریم اللہ ہی ہے، تو ان سے کہہ دے کہ اگر اللہ تعالیٰ مسیح بن مریم اور اس کی ماں اور روئے زمین کے سب لوگوں کو ہلاک کر دینا چاہے تو کون ہے؟ جو اللہ پر کچھ بھی اختیار رکھتا ہو؟ آسمان و زمین اور ان دونوں کے درمیان کا کل ملک اللہ ہی کا ہے، وہ جو چاہتا ہے پیدا کرتا ہے' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○ یہود و نصاریٰ کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے دوست ہیں' تو کہہ دے کہ پھر تمہیں تمہارے گناہوں کے باعث اللہ تعالیٰ کیوں سزا دیتا ہے؟ نہیں بلکہ تم بھی اس کی مخلوق میں سے ایک انسان ہو اور وہ جسے چاہتا ہے بخش دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب کرتا ہے' زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی ہر چیز اللہ ہی کی ملکیت ہے اور اسی کی طرف لوٹنا ہے ○

عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہنے والوں کا کفر: اللہ تبارک وتعالیٰ عیسائیوں کے کفر کو بیان فرماتا ہے کہ انہوں نے اللہ کی مخلوق کو الوہیت کا درجہ دے رکھا ہے۔ اللہ تعالیٰ شرک سے پاک ہے' تمام چیزیں اس کی محکوم اور مقدور ہیں' ہر چیز پر اس کی حکومت اور ملکیت ہے۔ کوئی نہیں جو اسے کسی ارادے سے باز رکھ سکے' کوئی نہیں جو اس کی مرضی کے خلاف لب کشائی کی جرات کر سکے۔ وہ اگر مسیح کو' ان کی والدہ کو اور روئے زمین کی تمام مخلوق کو نیست و نابود کر دینا چاہے تو بھی کسی کی مجال نہیں کہ اس کے آڑے آئے' اسے روک سکے۔ تمام موجودات اور مخلوقات کا موجد و خالق وہی ہے۔ سب کا مالک اور سب کا حکمران وہی ہے۔ جو چاہے کر گزرے کوئی چیز اس کے اختیار سے باہر نہیں' اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا' اس کی سلطنت و مملکت بہت وسیع ہے' اس کی عظمت' عزت بہت بلند ہے' وہ عادل و غالب ہے۔ جسے جس طرح چاہتا ہے بناتا بگاڑتا ہے' اس کی قدرتوں کی کوئی انتہا نہیں۔

نصرانیوں کی تردید کے بعد اب یہودیوں اور نصرانیوں دونوں کی تردید ہو رہی ہے کہ انہوں نے اللہ پر ایک جھوٹ یہ باندھا کہ ہم اللہ کے بیٹے اور اس کے محبوب ہیں' ہم انبیاء کی اولادیں ہیں اور وہ اللہ کے لاڈلے فرزند ہیں' اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے اسرائیل علیہ السلام کو کہا ہے ﴿اَنْتَ اِبْنِیْ بِکْرِیْ﴾ پھر تاویلیں کر کے مطلب الٹ پلٹ کر کے کہتے کہ جب وہ اللہ کے بیٹے ہوئے تو ہم بھی اللہ کے بیٹے اور عزیز ہوئے حالانکہ خود ان ہی میں سے جو عقلمند اور صاحب دین تھے وہ انہیں سمجھاتے تھے کہ ان لفظوں سے صرف بزرگی ثابت ہوتی ہے' قرابت داری نہیں۔ اسی معنی کی آیت نصرانی اپنی کتاب سے نقل کرتے تھے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا ﴿اِنِّـی

﴿ذَاهِبٌ اِلٰی اَبِیْ وَاَبِیْكُمْ﴾ اس سے مراد بھی سگا باپ نہ تھا بلکہ ان کے اپنے محاورے میں اللہ کے لیے یہ لفظ بھی آتا تھا پس مطلب اس کا یہ ہے کہ میں اپنے اور تمہارے رب کی طرف جا رہا ہوں اور عبارت کا مفہوم واضح بتا رہا ہے کہ یہاں اس آیت میں جو نسبت حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی طرف ہے، وہی نسبت ان کی تمام امت کی طرف ہے لیکن وہ لوگ اپنے باطل عقیدے میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ سے جو نسبت دیتے ہیں، اس نسبت کا اپنے اوپر اطلاق نہیں مانتے۔ پس یہ لفظ صرف عزت و وقعت کے لیے تھا نہ کہ کچھ اور۔ اللہ تعالیٰ انہیں جواب دیتا ہے کہ اگر یہ صحیح ہے تو پھر تمہارے کفر و کذب، بہتان و افتراء پر اللہ تمہیں سزا کیوں کرتا ہے؟ کسی صوفی نے کسی فقیہ سے دریافت فرمایا کہ کیا قرآن میں یہ بھی کہیں ہے کہ حبیب اپنے حبیب کو عذاب نہیں کرتا؟ اس سے کوئی جواب بن پڑا تو صوفی نے یہی آیت تلاوت فرمادی، یہ قول نہایت عمدہ ہے اور اسی کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کے ساتھ راہ سے گذر رہے تھے۔ ایک چھوٹا سا بچہ راستہ میں کھیل رہا تھا، اس کی ماں نے جب دیکھا کہ ایک جماعت کی جماعت اسی راہ آرہی ہے تو اسے ڈر لگا کہ بچہ روندا نہ جائے میرا بچہ میرا بچہ کہتی ہوئی دوڑتی ہوئی آئی اور جھٹ سے بچے کو گود میں اٹھا لیا اس پر صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم یہ عورت تو اپنے پیارے بچے کو کبھی بھی آگ میں نہیں ڈال سکتی'' آپ نے فرمایا ''ٹھیک ہے، اللہ تعالیٰ بھی اپنے پیارے بندوں کو ہرگز جہنم میں نہیں لے جائے گا''۔ [1] یہودیوں کے جواب میں فرماتا ہے کہ تم بھی منجملہ اور مخلوق کے ایک انسان ہو تمہیں دوسروں پر کوئی فوقیت و فضیلت نہیں، اللہ سبحان و تعالیٰ اپنے بندوں پر حاکم ہے اور وہی ان میں سچے فیصلے کرنے والا ہے، وہ جسے چاہے بخشے جسے چاہے پکڑے، وہ جو چاہے کر گذرتا ہے، اس کا کوئی حاکم نہیں، اسے کوئی رد نہیں کر سکتا، وہ بہت جلد بندوں سے حساب لینے والا ہے۔ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی مخلوق سب اس کی ملکیت ہے۔ اس کے زیر اثر ہے، اس کی بادشاہت تلے ہے، سب کا لوٹنا اسی کی طرف ہے، وہی بندوں کے فیصلے کرے گا، وہ ظالم نہیں عادل ہے، نیکوں کو نیکی اور بدوں کو بدی دے گا، نعمان بن آصا، بحر بن عمرو، شاس بن عدی جو یہودیوں کے بڑے بھاری علماء تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے آپ نے انہیں سمجھایا بجھایا، آخرت کے عذاب سے ڈرایا تو کہنے لگے سنیے، حضرت آپ ہمیں ڈرا رہے ہیں، ہم تو اللہ کے بچے اور اس کے پیارے ہیں، یہی نصرانی بھی کہتے تھے پس یہ آیت اتری۔ [2] ان لوگوں نے ایک بات یہ بھی گھڑ کر مشہور کر دی تھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسرائیل علیہ السلام کی طرف وحی نازل فرمائی کہ تیرا پہلوٹھا بیٹا میری اولاد میں سے ہے۔ اس کی اولاد چالیس دن تک جہنم میں رہے گی، اس مدت میں آگ انہیں پاک کر دے گی اور ان کی خطاؤں کو کھا جائے گی، پھر ایک فرشتہ منادی کرے گا کہ اسرائیل کی اولاد میں سے جو بھی ختنہ شدہ ہوں، وہ نکل آئیں، یہی معنی ہیں ان کے اس قول کے

---

[1] [صحیح: مسند احمد (٣/١٠٤) مسند ابو یعلی (٣٧٤٧) مستدرك حاكم (١/٥٨)] امام حاکم رحمہ اللہ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ امام ذہبی رحمہ اللہ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (١٢٠١٨)]

[2] [ضعیف: تفسير ابن جرير الطبرى (١١٦١٦)] اس کی سند میں محمد بن ابی محمد راوی ضعیف ہے۔]

جو قرآن میں مروی ہے کہ وہ کہتے تھے ہمیں گنتی کے چند ہی دن جہنم میں رہنا پڑے گا۔

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ۡ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿١٩﴾ ع

اے اہل کتاب بالیقین ہمارا رسول تمہارے پاس رسولوں کی آمد کی تاخیر کے زمانہ میں آ پہنچا جو تمہارے پاس صاف صاف بیان کررہا ہے تاکہ تمہاری یہ بات نہ رہ جائے کہ ہمارے پاس تو کوئی بھلائی برائی سنانے والا آیا ہی نہیں پس اب تو یقیناً خوشخبری سنانے والا اور آگاہ کرنے والا آ پہنچا' اللہ ہر چیز پر قادر ہے ○

نبی کریم ﷺ خاتم الانبیاء: اس آیت میں اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو خطاب کر کے فرماتا ہے کہ میں نے تم سب کی طرف اپنا رسول بھیج دیا ہے جو خاتم الانبیاء ہے' جس کے بعد کوئی نبی رسول آنے والا نہیں' یہ سب کے بعد ہیں' دیکھو حضرت عیسیٰ کے بعد سے لے کر اب تک کوئی رسول نہیں آیا' فترت کی اس لمبی مدت کے بعد یہ رسول آئے۔ بعض کہتے ہیں یہ مدت چھ سو سال کی تھی؛ [1] بعض کہتے ہیں ساڑھے پانچ سو برس کی' بعض کہتے ہیں پانچ سو چالیس برس کی' [2] کوئی کہتا ہے چار سو کچھ اوپر تیس برس کی۔ ابن عساکر میں ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے آسمان کی طرف اٹھائے جانے اور ہمارے نبی ﷺ کے ہجرت کرنے کے درمیان نو سو تینتیس سال کا فاصلہ تھا۔ لیکن مشہور قول پہلا ہی ہے یعنی چھ سو سال کا' بعض کہتے ہیں چھ سو بیس سال کا فاصلہ تھا۔ ان دونوں قولوں میں اس طرح تطبیق بھی ہو سکتی ہے کہ پہلا قول شمسی حساب سے ہو اور دوسرا قمری حساب سے ہو اور اس گنتی میں ہر تین سو سال میں تقریباً آٹھ کا فرق پڑ جاتا ہے۔ اسی لیے اہل کہف کے قصے میں ہے۔ ﴿وَلَبِثُوْا فِيْ كَهْفِهِمْ ثَلٰثَ مِائَةٍ سِنِيْنَ وَازْدَادُوْا تِسْعًا﴾ [3] وہ لوگ اپنے غار میں تین سو سال تک رہے اور نو برس اور زیادہ کیے۔ پس شمسی حساب سے اہل کتاب کو جو مدت ان کی غار کی معلوم تھی' وہ تین سو سال کی تھی' نو بڑھا کر قمری حساب پورا ہو گیا' آیت سے معلوم ہوا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے لے کر جو بنی اسرائیل کے آخری نبی تھے' حضرت محمد ﷺ تک جو علی الاطلاق خاتم الانبیاء تھے' فترۃ کا زمانہ تھا یعنی درمیان میں کوئی نبی نہیں ہوا۔ چنانچہ صحیح بخاری شریف میں ہے ''حضور ﷺ فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے بہ نسبت اور لوگوں کے میں زیادہ اولیٰ ہوں' اس لیے کہ میرے اور ان کے درمیان کوئی نبی نہیں''۔ [4] اس میں ان لوگوں کی بھی تردید ہے جو خیال کرتے ہیں کہ ان دونوں جلیل القدر پیغمبروں کے درمیان بھی ایک نبی گذرے ہیں' جن کا نام خالد بن سنان تھا جیسے کہ قضاعی وغیرہ نے حکایت کی ہے۔ مقصود یہ ہے کہ

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب مناقب الانصار: باب اسلام سلمان الفارسی (۳۹٤۷)]

[2] [عبدالرزاق (۱/۱۸٦)]

[3] [سورة الكهف: آیت ۲۵]

[4] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم (۳٤٤۲۔ ۳٤٤۳) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فضائل عیسیٰ (۲۳٦۵)]

خاتم الانبیاء حبیب اللہ ﷺ دنیا میں اس وقت تشریف لاتے ہیں جبکہ رسولوں کی تعلیم مٹ چکی ہے ان کی راہیں بے نشان ہو چکی ہیں دنیا توحید کو بھلا چکی ہے جگہ جگہ مخلوق پرستی ہو رہی ہے سورج چاند بت آگ کی پوجا جاری ہے اللہ کا دین بدل چکا ہے کفر کی تاریکی نور دین پر چھا چکی ہے دنیا کا چپہ چپہ سرکشی اور طغیانی سے بھر گیا ہے عدل وانصاف بلکہ انسانیت بھی فنا ہو چکی ہے جہالت وقساوت کا دور دورہ ہے بجز چند نفوس کے اللہ کا نام لیوا زمین پر نہیں رہا پس معلوم ہوا کہ آپ کی جلالت وعزت اللہ کے پاس بہت بڑی تھی اور آپ نے جو رسالت کی ذمہ داری ادا کی وہ کوئی معمولی نہ تھی۔

مسند احمد میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: ''مجھے میرے رب کا حکم ہے کہ میں تمہیں وہ باتیں سکھاؤں جن سے تم ناواقف ہو اور اللہ تعالیٰ نے مجھے آج ہی بتائی ہیں فرمایا ہے میں نے اپنے بندوں کو جو کچھ عنایت فرمایا ہے وہ ان کے لیے حلال کیا ہے میں نے اپنے سب بندوں کو موحد پیدا کیا ہے لیکن پھر شیطان ان کے پاس آتا ہے اور انہیں بہکاتا ہے اور میری حلال کردہ چیزیں ان پر حرام کرتا ہے اور انہیں کہتا ہے کہ وہ میرے ساتھ باوجود دلیل نہ ہونے کے شرک کریں۔ سنو اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کو دیکھا اور تمام عرب وعجم کو ناپسند فرمایا بجز ان چند بقایا بنی اسرائیل کے (جو توحید پر قائم ہیں) پھر (مجھ سے) فرمایا میں نے تجھے اسی لیے اپنا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ تیری آزمائش کروں اور تیری وجہ سے اوروں کی بھی آزمائش کرلوں۔ میں نے تجھ پر وہ کتاب نازل فرمائی ہے جسے پانی دھو نہیں سکتا جسے تو سوتے جاگتے پڑھتا ہے پھر مجھے میرے رب نے حکم دیا کہ میں قریشیوں میں پیغام الٰہی پہنچاؤں میں نے کہا یارب یہ تو میرا سر کچل کر روٹی جیسا بنا دیں گے پروردگار نے فرمایا تو انہیں نکال جیسے انہوں نے تجھے نکالا تو ان سے جہاد کر تیری امداد کی جائے گی تو ان پر خرچ کر تجھ پر خرچ کیا جائے گا تو ان کے مقابلے پر لشکر بھیج ہم اس سے پانچ گنا لشکر اور بھیجیں گے اپنے فرمانبرداروں کو لے کر اپنے نافرمانوں سے جنگ کر جنتی لوگ تین قسم کے ہیں بادشاہ عادل توفیق خیر والا صدقہ خیرات کرنے والا رحم دل ہر قرابت دار مسلمان کے ساتھ نرم دلی کرنے والا اور باوجود مفلس ہونے کے حرام سے بچنے والا حالانکہ اہل وعیال بھی ہے اور جہنمی لوگ پانچ قسم کے ہیں وہ سفلے لوگ جو بے دین خوشامد خورے اور ماتحت ہیں جن کی آل اولاد دھن دولت ہے اور وہ خائن لوگ جن کے دانت چھوٹی سے چھوٹی چیز پر بھی ہوتے ہیں اور حقیر چیزوں میں بھی خیانت سے نہیں چوکتے اور وہ لوگ جو صبح شام لوگوں کو ان کے اہل ومال میں دھوکہ دیتے پھرتے ہیں اور بخیل ہیں فرمایا کذاب اور شنظیر یعنی بدگو''۔ یہ حدیث مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ [1]

مقصود یہ ہے کہ حضور ﷺ کی بعثت کے وقت سچا دین دنیا میں نہ تھا اللہ تعالیٰ نے آپ کی وجہ سے لوگوں کو اندھیروں سے اور گمراہیوں سے نکال کر اجالے میں اور راہ راست پر لا کھڑا کیا اور انہیں روشن وظاہر شریعت عطا فرمائی۔ اس لیے کہ لوگوں کو عذر نہ رہے انہیں یہ کہنے کی گنجائش نہ رہے کہ ہمارے پاس کوئی نبی نہیں آیا ہمیں نہ تو

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب صفة الجنة: باب الصفات التی یعرف بها فی الدنیا (٢٨٦٥) مسند احمد (٤/٢٦٢_٢٦٦) صحیح ابن حبان (٦٥٣) نسائی فی السنن الکبری (٨٠٧١)]

کسی نے کوئی خوشخبری سنائی نہ دھمکایا ڈرایا۔ پس کامل قدرتوں والے اللہ نے اپنے برگزیدہ پیغمبر کو ساری دنیا کی ہدایت کے لیے بھیج دیا' وہ اپنے فرمانبرداروں کو ثواب دینے پر اور نافرمانوں کو عذاب کرنے پر قادر ہے۔

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَجَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖۗ وَّاٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٠﴾ يٰقَوْمِ ادْخُلُوا الْاَرْضَ الْمُقَدَّسَةَ الَّتِيْ كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَرْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِكُمْ فَتَنْقَلِبُوْا خٰسِرِيْنَ ﴿٢١﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّ فِيْهَا قَوْمًا جَبَّارِيْنَ ۖۗ وَاِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَا حَتّٰى يَخْرُجُوْا مِنْهَا ۚ فَاِنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا فَاِنَّا دٰخِلُوْنَ ﴿٢٢﴾ قَالَ رَجُلٰنِ مِنَ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمَا ادْخُلُوْا عَلَيْهِمُ الْبَابَ ۚ فَاِذَا دَخَلْتُمُوْهُ فَاِنَّكُمْ غٰلِبُوْنَ ۚ۬ وَعَلَى اللّٰهِ فَتَوَكَّلُوْٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٢٣﴾ قَالُوْا يٰمُوْسٰٓى اِنَّا لَنْ نَّدْخُلَهَآ اَبَدًا مَّا دَامُوْا فِيْهَا فَاذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَآ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ ﴿٢٤﴾ قَالَ رَبِّ اِنِّيْ لَآ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِيْ وَاَخِيْ فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٥﴾ قَالَ فَاِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ عَلَيْهِمْ اَرْبَعِيْنَ سَنَةً ۚ يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ ﴿٢٦﴾

یاد کرو جبکہ موسیٰ نے اپنی قوم سے کہا کہ اے میری قوم کے لوگو اللہ کے اس احسان کا ذکر کرو کہ اس نے تم میں سے پیغمبر بنائے اور تمہیں بادشاہ بنا دیا اور تمہیں وہ دیا جو تمام عالم میں سے کسی کو نہیں دیا○ اے میری قوم والو اس مقدس زمین میں جاؤ جسے اللہ نے تمہارے نام لکھ دی ہے اور اپنی پشت کے بل روگردانی نہ کرو کہ پھر نقصان میں جا پڑو○ انہوں نے جواب دیا کہ موسیٰ وہاں تو زور آور سرکش لوگ ہیں۔ اور جب تک وہ وہاں سے نکل نہ جائیں ہم تو ہرگز وہاں نہ جائیں گے○ ہاں اگر وہ وہاں سے نکل جائیں پھر تو ہم بہ خوشی چلے جائیں گے۔ دو شخصوں نے جو اللہ ترس لوگوں میں سے تھے جن پر اللہ کا فضل تھا کہا کہ تم ان کے پاس دروازہ میں تو پہنچ جاؤ' دروازے میں قدم رکھتے ہی یقیناً تم غالب آ جاؤ گے۔ تم اگر مومن ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ رکھنا چاہیے○ قوم نے جواب دیا کہ اے موسیٰ جب تک وہ وہاں ہیں تب تک تو ہم ہرگز وہاں جائیں گے ہی نہیں تو آپ اور تیرا پروردگار جا کر دونوں ہی لڑ بھڑ لو ہم یہیں بیٹھے ہوئے ہیں○ موسیٰ کہنے لگے اے اللہ مجھے تو بجز اپنے اور میرے بھائی کے کسی اور پر کوئی اختیار نہیں پس تو ہم میں اور ان نافرمانوں میں فیصلہ اور فرق کر دے○ ارشاد ہوا کہ اب یہ زمین ان پر چالیس سال تک حرام کر دی گئی ہے' یہ خانہ بدوش ادھر ادھر سرگرداں پھرتے رہیں گے' سو تو ان فاسقوں کے بارے میں غمگین نہ ہونا○

رحمت الٰہی کی ایک شکل انبیاء کا سلسلہ: حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اپنی قوم کو اللہ کی جو نعمتیں یاد دلا کر اس کی اطاعت کی طرف مائل کیا تھا' اس کا بیان ہو رہا ہے کہ فرمایا ''لوگو اللہ کی اس نعمت کو یاد کرو کہ اس نے ایک کے بعد

ایک نبی تم میں تمہیں میں سے بھیجا"۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے بعد سے انہی کی نسل میں نبوت رہی۔ یہ سب انبیاء علیہم السلام تمہیں دعوت توحید واتباع دیتے رہے۔ یہ سلسلہ حضرت عیسیٰ روح اللہ علیہ السلام پر ختم ہوا' پھر خاتم الانبیاء والرسل حضرت محمد بن عبداللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کاملہ عطا ہوئی' آپ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے واسطہ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے' جو اپنے سے پہلے کے تمام رسولوں اور نبیوں سے افضل تھے۔ اللہ آپ پر درود وسلام نازل فرمائے اور تمہیں اس نے بادشاہ بنادیا یعنی خادم دیئے' بیویاں دیں' گھر بار دیا اور اس وقت جتنے لوگ تھے' ان سب سے زیادہ نعمتیں تمہیں عطا فرمائیں۔ یہ لوگ اتنا پانے کے بعد بادشاہ کہلانے لگتے تھے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہما سے ایک شخص نے پوچھا کہ کیا میں فقراء مہاجرین میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا تیری بیوی ہے؟ اس نے کہا ہاں گھر بھی ہے؟ کہا ہاں' کہا پھر تو تو غنی ہے' اس نے کہا یوں تو میرا خادم بھی ہے' آپ نے فرمایا پھر تو تو بادشاہوں میں سے ہے۔

حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "سواری اور خادم ملک ہے"۔ بنو اسرائیل ایسے لوگوں کو ملوک کہا کرتے تھے۔ بقول قتادہ رحمہ اللہ خادموں کا اول اول رواج ان بنی اسرائیلیوں نے ہی دیا ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ان لوگوں میں جس کے پاس خادم' سواری اور بیوی ہو وہ بادشاہ کہا جاتا تھا۔ [1] ایک اور مرفوع حدیث میں ہے "جس کا گھر ہو اور وہ خادم ہو وہ بادشاہ ہے"۔ [2] یہ حدیث مرسل اور غریب ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے "جو شخص اس حالت میں صبح کرے کہ اس کا جسم صحیح سالم ہو' اس کا نفس امن وامان میں ہو' دن بھر کفایت کرے' اس کے لیے اتنا مال بھی ہو تو اس کے لیے گویا کل دنیا سمٹ کر آ گئی"۔ [3] اس وقت جو یونانی قبطی وغیرہ تھے ان سے یہ اشرف وافضل بنادیئے گئے تھے اور آیت میں ہے' ہم نے بنو اسرائیل کو کتاب' حکم' نبوت' پاکیزہ روزیاں اور سب پر فضیلت دی تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جب انہوں نے مشرکوں کو دیکھا دیکھی اللہ بنانے کو کہا اس کے جواب میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ کے فضل بیان کرتے ہوئے یہی فرمایا تھا کہ اس نے تمہیں تمام جہان پر فضیلت دے رکھی ہے۔ مطلب سب جگہ یہی ہے کہ اس وقت کے تمام لوگوں پر کیونکہ یہ ثابت شدہ امر ہے کہ یہ امت ان سے افضل ہے' کیا شرعی حیثیت سے' کیا احکامی حیثیت سے' کیا نبوت کی حیثیت سے' کیا بادشاہت' عزت' مملکت' دولت' حشمت' مال' اولاد وغیرہ کی حیثیت سے' خود قرآن فرماتا ہے ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ﴾ [4] الخ' اور فرمایا ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا﴾ [5] الخ' یہ بھی کہا گیا ہے کہ "بنو اسرائیل کے ساتھ اس فضیلت میں امت محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو

---

[1] [ضعیف: شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجمادی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے اور دوسرا دراج ابن سمعان راوی ہے جسے امام ابوحاتمؒ اور امام دارقطنیؒ نے ضعیف کہا ہے اور امام نسائیؒ نے اسے منکر الحدیث اور غیر قوی کہا ہے۔]

[2] [مرسل وضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (١١٦٢٩)]

[3] [صحیح: ترمذی: کتاب الزهد (٢٣٤٦) ابن ماجه: كتاب الزهد (٤١٤١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی، السلسلة الصحیحة (٢٣١٨)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[4] [سورہ آل عمران: آیت ١١٠]

[5] [سورة البقرہ: آیت ١٤٣]

بھی شامل کر کے خطاب کیا گیا ہے" اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ "بعض امور میں انہیں فی الواقع علی الاطلاق فضیلت دی گئی تھی جیسے من وسلویٰ کا اترنا' بادلوں سے سایہ مہیا کرنا وغیرہ جو خلاف عادت چیزیں تھیں"۔ یہ قول اکثر مفسرین کا ہے جیسا پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مراد اس سے ان کے اپنے زمانے والوں پر انہیں فضیلت دیا جانا ہے واللہ اعلم۔

پھر بیان ہوتا ہے کہ "بیت المقدس دراصل ان کے دادا حضرت یعقوب علیہ السلام کے زمانہ میں انہی کے قبضے میں تھا اور جب وہ مع اپنے اہل وعیال کے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس مصر چلے گئے تو یہاں عمالقہ قوم اس پر قبضہ جما بیٹھی' وہ بڑے مضبوط ہاتھ پیروں کی تھی۔ اب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے فرماتے ہیں کہ تم ان سے جہاد کرو اللہ تمہیں ان پر غالب کرے گا اور یہاں کا قبضہ پھر تمہیں مل جائے گا لیکن یہ نامردی دکھاتے ہیں اور بزدلی سے منہ پھیر لیتے ہیں۔ اس کی سزا میں انہیں چالیس سال تک وادی تیہ میں حیران وسرگرداں خانہ بدوشی میں رہنا پڑتا ہے' مقدسہ سے مراد پاک ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ وادی طور اور اس کے پاس کی زمین کا ذکر ہے ایک روایت میں اریحاء کا ذکر ہے لیکن یہ ٹھیک نہیں' اس لیے کہ نہ تو اریحاء کا فتح کرنا مقصود تھا' نہ وہ ان کے راستے میں تھا' کیونکہ وہ فرعون کی ہلاکت کے بعد مصر کے شہروں سے آ رہے تھے اور بیت المقدس جا رہے تھے یہ ہوسکتا ہے کہ وہ مشہور شہر ہو جو طور کی طرف بیت المقدس کے مشرقی رخ پر تھا' "اللہ نے اسے تمہارے لیے لکھ دیا ہے" مطلب یہ ہے کہ تمہارے باپ اسرائیل سے اللہ نے وعدہ کیا ہے کہ وہ تیری اولاد کے باایمان لوگوں کے ورثے میں آئے گا' تم اپنی پیٹھوں پر مرتد نہ ہو جاؤ۔ یعنی جہاد سے منہ پھیر کر تھک کر نہ بیٹھ جاؤ' ورنہ زبردست نقصان میں پڑ جاؤ گے۔ جس کے جواب میں وہ کہتے ہیں کہ جس شہر میں جانے اور جن شہریوں سے جہاد کرنے کے لیے آپ فرما رہے ہیں' ہمیں معلوم ہے کہ وہ بڑے قوی طاقتور اور جنگجو ہیں' ہم ان سے مقابلہ نہیں کر سکتے' جب تک وہ وہاں موجود ہیں' ہم اس شہر میں نہیں جا سکتے' ہاں اگر وہ لوگ وہاں سے نکل جائیں تو ہم چلے جائیں گے' ورنہ آپ کے حکم کی تعمیل ہماری طاقت سے باہر ہے' ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ "حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اریحاء کے قریب پہنچ گئے تو آپ نے بارہ جاسوس مقرر کیے' بنو اسرائیل کے ہر قبیلے میں سے ایک جاسوس لیا اور انہیں اریحاء میں بھیجا کہ صحیح خبریں لے آئیں۔ یہ لوگ جب گئے تو ان کی جسامت اور قوت سے خوف زدہ ہو گئے' ایک باغ میں یہ سب کے سب تھے اتفاقاً باغ والا پھل توڑنے کے لیے آ گیا' وہ پھل توڑتا ہوا ان کے قدموں کے نشان ڈھونڈتا ہوا ان کے پاس پہنچ گیا اور انہیں بھی پھلوں کے ساتھ ہی ساتھ اپنی گٹھڑی میں باندھ لیا اور جا کر بادشاہ کے سامنے باغ کے پھل کی گٹھڑی کھول کر ڈال دی' جس میں یہ سب کے سب تھے' بادشاہ نے انہیں کہا اب تو تمہیں ہماری قوت کا اندازہ ہو گیا ہے' تمہیں قتل نہیں کرتا جاؤ واپس جاؤ اور اپنے لوگوں سے ہماری قوت بیان کر دو۔ چنانچہ انہوں نے جا کر سب حال بیان کیا جس سے بنو اسرائیل رعب میں آ گئے"۔ لیکن اس کی اسناد ٹھیک نہیں۔ دوسری روایت میں ہے کہ ان بارہ لوگوں کو ایک شخص نے پکڑ لیا اور اپنی چادر میں گٹھڑی باندھ کر شہر میں لے گیا اور لوگوں کے سامنے انہیں ڈال دیا' انہوں نے پوچھا تم کون لوگ ہو؟ جواب دیا کہ ہم موسیٰ کی قوم کے لوگ ہیں' ہم تمہاری خبریں لینے کے لیے بھیجے گئے تھے۔ انہوں نے ایک انگور ان کو دیا جو ایک شخص کو کافی تھا اور کہا جاؤ ان سے کہہ دو کہ یہ ہمارے میوے ہیں۔

انہوں نے واپس جا کر قوم سے سب حال کہہ دیا' اب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے انہیں جہاد کا اور اس شہر میں جانے کا حکم دیا تو انہوں نے صاف کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جائیں اور لڑیں، ہم تو یہاں سے ہلنے کے بھی نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک بانس لے کر ناپا جو پچاس یا پچپن ہاتھ کا تھا' پھر اسے گاڑ کر فرمایا ''ان عمالیق کے قد اس قدر لمبے تھے''۔ مفسرین نے یہاں پر اسرائیلی روایتیں بہت سی بیان کی ہیں کہ یہ لوگ اس قدر قوی تھے' اتنے موٹے اور اتنے لمبے قد کے تھے' انہی میں عوج بن عنق بنت حضرت آدم تھا' جس کا قد لمبائی میں تین ہزار تین سو تینتیس (٣٣٣٣) گز کا تھا اور چوڑائی اس کے جسم کی تین گز کی تھی لیکن یہ سب باتیں واہی ہیں' ان کے تو ذکر سے بھی حیا مانع ہے' پھر یہ صحیح حدیث کے خلاف بھی ہیں' حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو ساٹھ ہاتھ پیدا کیا تھا' پھر سے آج تک مخلوق کے قد گھٹتے ہی رہے'' [1] ان اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی ہے کہ عوج بن عنق کافر تھا اور ولد الزنا تھا یہ طوفان نوح میں تھا اور حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ان کی کشتی میں نہ بیٹھا تھا' تاہم پانی اس کے گھٹنوں تک بھی نہ پہنچا تھا۔ یہ محض لغو اور بالکل جھوٹ ہے بلکہ قرآن کے خلاف ہے' قرآن کریم میں نوح علیہ السلام کی دعا یہ مذکور ہے کہ زمین پر ایک کافر بھی نہ بچنا چاہیے' یہ دعا قبول ہوئی اور یہی ہوا بھی' قرآن فرماتا ہے ''ہم نے نوح علیہ السلام کو اور ان کی کشتی والوں کو نجات دی' پھر باقی کے سب کافروں کو غرق کر دیا''۔ خود قرآن میں ہے کہ ''آج کے دن بجز ان لوگوں کے جن پر رحمت حق ہے' کوئی بھی بچنے کا نہیں'' تعجب سا تعجب ہے کہ نوح علیہ السلام کا لڑکا بھی جو ایماندار نہ تھا بچ نہ سکا لیکن عوج بن عنق کافر ولد الزناء بچ رہے۔ یہ بالکل عقل و نقل کے خلاف ہے بلکہ ہم تو سرے سے اس کے بھی قائل نہیں کہ عوج بن عنق نامی کوئی شخص تھا۔ واللہ اعلم۔ بنی اسرائیل جب اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں مانتے بلکہ ان کے سامنے سخت کلامی اور بے ادبی کرتے ہیں تو دو شخص جن پر اللہ کا انعام و اکرام تھا' وہ انہیں سمجھاتے ہیں۔ ان کے دلوں میں اللہ کا خوف تھا' وہ ڈرتے تھے' کہ بنی اسرائیل کی اس سرکشی سے کہیں عذاب الٰہی نہ آ جائے' ایک قرات میں ﴿يَخَافُوْنَ﴾ کے بدلے ﴿يَهَابُوْنَ﴾ ہے' اس سے مراد یہ ہے کہ ''ان دونوں بزرگوں کی قوم میں عزت و عظمت تھی'' ایک کا نام حضرت یوشع بن نون تھا دوسرے کا نام کالب بن یوفنا تھا''۔ انہوں نے کہا کہ اگر تم اللہ پر بھروسہ رکھو گے' اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہیں ان دشمنوں پر غالب کر دے گا اور وہ تمہاری مدد اور تائید کرے گا اور تم اس شہر میں غلبے کے ساتھ پہنچ جاؤ گے' تم دروازے تک تو چلے چلو' یقین مانو کہ غلبہ تمہارا ہی ہے۔ لیکن ان نامرادوں نے اپنا پہلا جواب اور مضبوط کر دیا اور کہا کہ اس جبار قوم کی موجودگی میں ہمارا ایک قدم بڑھانا بھی ناممکن ہے۔ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہما السلام نے دیکھ کر بہت سمجھایا یہاں تک کہ ان کے سامنے بڑی عاجزی کی لیکن وہ نہ مانے۔ یہ حال دیکھ کر حضرت یوشع بن نون اور حضرت کالب نے اپنے کپڑے پھاڑ ڈالے اور انہیں بہت کچھ ملامت کی۔ لیکن یہ بدنصیب اور اکڑ گئے' بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان دونوں بزرگوں کو انہوں نے پتھروں سے شہید کر دیا' ایک طوفان بدتمیزی شروع ہو گیا اور بے طرح

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب خلق آدم وذریته (٣٣٢٦) صحیح مسلم: کتاب الجنة: باب یدخل الجنة اقوام (٢٨٤١) مسند احمد (٢/٣١٥)]

مخالفت رسول ﷺ پر تل گئے ۔ ان کے اس حال کو سامنے رکھ کر پھر رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کے حال کو دیکھئے کہ جب نو سو یا ایک ہزار کافر اپنے قافلے کو بچانے کے لئے چلے' قافلہ تو دوسرے راستے سے نکل گیا لیکن انہوں نے اپنی طاقت وقوت کے گھمنڈ پر رسول ﷺ کو نقصان پہنچائے بغیر واپس جانا اپنی امیدوں پر پانی پھیرنا' سمجھ کر اسلام اور مسلمانوں کو کچل ڈالنے کے ارادے سے مدینہ کا رخ کیا' ادھر حضور ﷺ کو جب یہ حالات معلوم ہوئے تو آپ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے کہا کہ بتاؤ اب کیا کرنا چاہئے؟ اللہ ان سب سے خوش رہے' انہوں نے حضور ﷺ کے سامنے اپنے مال اپنی جانیں اور اپنے اہل عیال سب رکھ دیئے اور کہا: حضور مالک ﷺ ہیں' ہم نہ تعداد کو دیکھتے ہیں نہ غلبے کو دیکھتے ہیں نہ اسباب پر نظریں ہیں' بلکہ حضور ﷺ کے فرمان پہ قربان ہیں ۔ سب سے پہلے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے اس قسم کی گفتگو کی' پھر مہاجرین صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے کئی ایک نے اسی قسم کی تقریر کی ۔ لیکن پھر بھی آپ نے فرمایا اور بھی کوئی شخص اپنا ارادہ ظاہر کرنا چاہے تو کرے' آپ کا مقصد اس سے یہ تھا کہ انصار کا دلی ارادہ معلوم کریں' اس لیے کہ یہ جگہ انہی کی تھی اور تعداد میں بھی یہ مہاجرین سے زیادہ تھے ۔ اس پر حضرت سعد بن معاذ انصاری رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے شاید آپ کا ارادہ ہماری منشاء معلوم کرنے کا ہے ۔ ''سنیے یا رسول اللہ ﷺ! قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ سچا نبی بنا کر بھیجا ہے کہ اگر آپ ہمیں سمندر کے کنارے کھڑا کر کے فرمائیں کہ اس میں کود جاؤ تو بغیر کسی پس وپیش کے اس میں کود جائیں گے ۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم سے ایک بھی نہ ہوگا جو کنارے پر کھڑا رہ جائے' حضور ﷺ آپ اپنے دشمنوں کے مقابلے میں' ہمیں شوق سے لے چلیے ۔ آپ دیکھ لیں گے کہ ہم لڑائی میں صبر اور ثابت قدمی دکھانے والے لوگ ہیں' آپ جان لیں گے کہ ہم اللہ کی ملاقات کو سچ جاننے والے لوگ ہیں' آپ اللہ کا نام لیجیے' کھڑے ہو جایئے' ہمیں دیکھ کر ہماری بہادری اور استقلال کو دیکھ کر ان شاء اللہ آپ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں گی'' یہ سن کر اللہ کے رسول ﷺ خوش ہو گئے اور آپ کو انصار رضی اللہ عنہم کی یہ باتیں بہت ہی بھلی معلوم ہوئیں ۔''[1] ایک روایت میں ہے کہ بدر کی لڑائی کے موقعہ پر آپ نے مسلمانوں سے مشورہ لیا' حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کچھ کہا پھر انصاریوں نے کہا کہ اگر آپ ہماری سننا چاہتے ہیں' تو سنیے ہم بنی اسرائیل کی طرح نہیں' جو کہہ دیں کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑیں' ہم یہاں بیٹھے ہیں' بلکہ ہمارا جواب یہ ہے کہ آپ اللہ کی مدد لے کر جہاد کے لیے چلیے' ہم جان ومال سے آپ کے ساتھ ہیں ۔[2] حضرت مقداد انصاری رضی اللہ عنہ نے بھی کھڑے ہو کر یہی فرمایا تھا ۔[3] حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کے اس قول سے اللہ کے رسول ﷺ خوش ہو گئے'[4] انہوں نے کہا تھا کہ حضور ﷺ لڑائی کے وقت دیکھ لیں گے

---

[1] [صحیح: صحيح مسلم : كتاب الجهاد : باب غزوة بدر (١٧٧٩) مسند احمد (٢١٩/٣)]

[2] [صحیح: احمد (١٠٥/٣) نسائی فی فضائل الصحابة (٢٤٣) مسند ابو یعلی (٣٧٦٦) صحیح ابن حبان (٤٧٢١)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اس کی سند کو بخاری کی شرط پر صحیح کہا ہے ۔ [الموسوعة الحديثية (١٢٩٥٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں ۔]

[3] [مسند احمد (٣١٤/٤) الدر المنثور للسيوطی (٤٨٠/٢)]

[4] [صحیح: صحيح بخاری : كتاب التفسير : باب قوله فاذهب انت وربك (٤٦٠٩)]

کہ آپ کے آگے پیچھے دائیں بائیں ہم ہی ہم ہوں گے۔ [١] کاش کہ کوئی ایسا موقع مجھے میسر آتا کہ میں اللہ کے رسول ﷺ کو اس قدر خوش کر سکتا۔ ایک روایت میں حضرت مقداد رضی اللہ عنہ کا یہ قول حدیبیہ کے دن مروی ہے [٢] جبکہ مشرکین نے آپ کو عمرہ کے لیے بیت اللہ شریف جاتے ہوئے راستے میں روکا اور قربانی کے جانور بھی ذبح کی جگہ نہ پہنچ سکے تو آپ نے فرمایا میں تو اپنی قربانی کے جانور کو لے کر بیت اللہ پہنچ کر قربان کرنا چاہتا ہوں تو حضرت مقداد بن اسود رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہم اصحاب موسیٰ علیہ السلام کی طرح نہیں کہ انہوں نے اپنے نبی ﷺ سے کہہ دیا کہ آپ اور آپ کا اللہ جا کر لڑ لو ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ ہم کہتے ہیں حضور ﷺ آپ چلیے اللہ کی مدد آپ کے ساتھ ہو اور ہم سب کے سب آپ کے ساتھی ہیں' یہ سن کر اصحاب رضی اللہ عنہم نے بھی اسی طرح جاں نثاروں کے وعدے کرنے شروع کر دیئے۔ پس اگر اس روایت میں حدیبیہ کا ذکر محفوظ ہو تو ہو سکتا ہے کہ بدر والے دن بھی آپ نے یہ فرمایا ہو اور حدیبیہ والے دن بھی یہی فرمایا ہو۔ واللہ اعلم۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کا یہ جواب سن کر ان پر بہت غصہ آیا اور اللہ کے سامنے ان سے اپنی بیزاری کا اظہار کیا کہ ''رب العالمین مجھے تو اپنی جان پر اور اپنے بھائی پر اختیار ہے' تو میرے اور میری قوم کے ان فاسقوں کے درمیان فیصلہ فرما''۔ جناب باری نے یہ دعا قبول فرمائی اور فرمایا کہ اب چالیس سال تک یہاں سے جا نہیں سکتے۔ وادی تیہ میں حیران و سرگرداں گھومتے پھرتے رہیں گے' کسی طرح اس کی حدود سے باہر نہیں جا سکتے تھے۔ یہاں انہوں نے عجیب و غریب خلاف عادت امور دیکھے مثلاً ابر کا سایہ ان پر ہونا' من و سلویٰ کا اترنا۔ ایک ٹھوس پتھر سے' جو ان کے ساتھ تھا' پانی کا نکلنا' حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس پتھر پر ایک لکڑی ماری تو فوراً ہی اس سے بارہ چشمے پانی کے جاری ہو گئے اور ہر قبیلے کی طرف ایک چشمہ بہہ نکلا' اس کے سوا اور بھی بہت سے معجزے بنو اسرائیل نے وہاں پر دیکھے' یہیں تورات اتری' یہیں احکام الٰہی نازل ہوئے وغیرہ وغیرہ۔ اسی میدان میں چالیس سال تک یہ گھومتے پھرتے رہے لیکن کوئی راہ وہاں سے گذر جانے کی انہیں نہ ملی۔ ہاں ابر کا سایہ ان پر کر دیا گیا اور من و سلویٰ اتار دیا گیا۔ فتون کی مطول حدیث میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ سب مروی ہے۔ پھر حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات ہو گئی اور اس کے تین سال بعد کلیم اللہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی انتقال فرما گئے' پھر آپ کے خلیفہ حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نبی بنائے گئے۔ اسی اثنا میں بہت سے بنی اسرائیل مر مرا چکے تھے' بلکہ یہ بھی کہا گیا ہے کہ صرف حضرت یوشع اور کالب ہی باقی رہے تھے۔ بعض مفسرین ﴿سَنَةً﴾ پر وقف تام کرتے ہیں اور ﴿اَرْبَعِيْنَ سَنَةً﴾ کو نصب کی حالت میں مانتے ہیں اور اس کا عامل ﴿يَتِيْهُوْنَ فِي الْاَرْضِ﴾ کو بتلاتے ہیں۔ اس چالیس سالہ مدت کے گذر جانے کے بعد جو بھی باقی تھے' انہیں لے کر حضرت یوشع بن نون علیہ السلام نکلے اور دوسرے پہاڑ سے بھی باقی بنو اسرائیل ان کے ساتھ ہو لیے اور آپ نے بیت المقدس کا محاصرہ کر لیا۔ جمعہ کے دن عصر کے بعد جب کہ فتح کا وقت آ پہنچا دشمنوں کے قدم اکھڑ گئے' اتنے میں سورج ڈوبنے لگا اور سورج ڈوبنے کے بعد ہفتے کی تعظیم کی وجہ

---

[١] [صحیح: مسند احمد (١/٣٨٩)]

[٢] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (١١٦٨٦)]

سے لڑائی ہو نہیں سکتی تھی اس لیے اللہ کے نبی علیہ السلام نے فرمایا اے سورج تو بھی اللہ کا غلام ہے اور میں بھی اللہ کا محکوم ہوں اے اللہ اسے ذرا سی دیر روک دے۔ چنانچہ اللہ کے حکم سے سورج رک گیا اور آپ نے دلجمعی کے ساتھ بیت المقدس کو فتح کر لیا۔ اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو کہہ دو اس شہر کے دروازے میں سجدے کرتے ہوئے جائیں اور ﴿حِطَّةٌ﴾ کہیں یعنی یا اللہ ہمارے گناہ معاف فرما۔ لیکن انہوں نے اللہ کے حکم کو بدل دیا۔ رانوں پر گھسٹتے ہوئے اور زبان سے ((حَبَّةٌ فِي شَعْرَةٍ)) کہتے ہوئے شہر میں گئے مزید تفصیل سورۂ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکی ہے دوسری روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ اس قدر مال غنیمت انہیں حاصل ہوا کہ اتنا مال کبھی انہوں نے نہیں دیکھا تھا۔ فرمان رب کے مطابق اسے آگ میں جلانے کے لیے آگ کے پاس لے گئے لیکن آگ نے اسے جلایا نہیں اس پر ان کے نبی حضرت یوشع علیہ السلام نے فرمایا ''تم میں سے کسی نے اس میں سے کچھ چرا لیا ہے پس میرے پاس ہر قبیلے کا سردار آئے اور میرے ہاتھ پر بیعت کرے''۔ چنانچہ یونہی کیا گیا ایک قبیلے کے سردار کا ہاتھ اللہ کے نبی علیہ السلام کے ہاتھ سے چپک گیا آپ نے فرمایا ''تیرے پاس جو بھی خیانت کی چیز ہے اسے لے آ''۔ اس نے ایک گائے کا سر سونے کا بنا ہوا پیش کیا جس کی آنکھیں یاقوت کی تھیں اور دانت موتیوں کے تھے جب وہ بھی دوسرے مال کے ساتھ ڈال دیا گیا اب آگ نے اس سب مال کو جلا دیا۔ امام ابن جریر نے بھی اسی قول کو پسند کیا ﴿أَرْبَعِينَ سَنَةً﴾ میں ﴿فَإِنَّهَا مُحَرَّمَةٌ﴾ عامل ہے اور بنی اسرائیل کی یہ جماعت چالیس برس تک اسی میدان تیہ میں سرگرداں رہی پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ یہ لوگ نکلے اور بیت المقدس کو فتح کیا اور اس کی دلیل اگلے علماء یہود کا اجماع ہے کہ عوج بن عنق کو حضرت کلیم اللہ علیہ السلام نے ہی قتل کیا ہے۔ اگر اس کا قتل عمالیق کی اس جنگ سے پہلے کا ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بنی اسرائیل جنگ عمالیق کا انکار کر بیٹھتے؟ تو معلوم ہوا کہ یہ واقعہ تیہ سے چھوٹنے کے بعد کا ہے علماء یہود کا اس پر بھی اجماع ہے کہ بلعام بن باعورا نے قوم عمالیق کے جباروں کی اعانت کی اور اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر بددعا کی۔ یہ واقعہ بھی اس میدان کی قید سے چھوٹنے کے بعد کا ہے۔ اس لیے کہ اس سے پہلے تو جباروں کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کی قوم سے کوئی ڈر نہ تھا۔ ابن جریر رحمہ اللہ کی یہی دلیل ہے وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا عصا دس ہاتھ کا تھا اور آپ کا قد بھی دس ہاتھ کا تھا اور دس ہاتھ زمین سے اچھل کر آپ نے عوج بن عنق کو وہ عصا مارا تھا جو اس کے ٹخنے پر لگا اور وہ مر گیا اس کے جثے سے نیل کا پل بنایا گیا تھا جس پر سے سال بھر تک اہل نیل آتے جاتے رہے۔ نوف بکالی کہتے ہیں کہ اس کا تخت تین گز کا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرماتا ہے کہ تو اپنی قوم بنی اسرائیل پر غم و رنج نہ کر وہ اسی جیل خانے کے مستحق ہیں اس واقعہ میں درحقیقت یہودیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کا ذکر ہے اور ان کی مخالفتوں کا اور برائیوں کا بیان ہے یہ دشمنان رب سختی کے وقت اللہ کے دین پر قائم نہیں رہتے تھے رسولوں کی پیروی سے انکار کر جاتے تھے جہاد سے جی چراتے تھے اللہ کے اس کلیم و بزرگ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کا ان کے وعدے کا ان کے حکم کا کوئی پاس انہوں نے نہیں کیا دن رات معجزے دیکھتے تھے فرعون کی بربادی اپنی آنکھوں دیکھ لی تھی اور اسے کچھ زمانہ بھی نہ گذرا تھا اللہ کے بزرگ کلیم پیغمبر ساتھ ہیں وہ نصرت و فتح کے وعدے کر رہے ہیں مگر یہ ہیں کہ اپنی بزدلی میں مرے جا

رہے ہیں' اور نہ صرف انکار بلکہ ہولناکی کے ساتھ انکار کرتے ہیں' نبی اللہ کی بے ادبی کرتے ہیں اور صاف جواب دیتے ہیں۔ اپنی آنکھوں دیکھ چکے ہیں کہ فرعون جیسے باسامان بادشاہ کو اس کے ساز و سامان اور لشکر و رعیت سمیت اس رب نے ڈبو دیا۔ لیکن پھر بھی اسی بستی والوں کی طرف اللہ کے بھروسے پر اس کے حکم کی ماتحتی میں نہیں بڑھتے حالانکہ یہ تو فرعون کے دسویں حصہ میں بھی نہ تھے۔ پس اللہ کا غضب ان پر نازل ہوتا ہے' ان کی بزدلی دنیا پر ظاہر ہو جاتی ہے اور آئے دن ان کی رسوائی اور ذلت بڑھتی جاتی ہے۔ گو یہ لوگ اپنے تئیں اللہ کے محبوب جانتے تھے لیکن حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی۔ رب کی نظروں سے یہ گر گئے تھے' دنیا میں ان پر طرح طرح کے عذاب آئے' سور بندر بھی بنائے گئے' لعنت ابدی میں یہاں گرفتار ہو کر عذاب اخروی کے دائمی شکار بنائے گئے۔ پس تمام تعریف اس اللہ کے لیے ہے' جس کی فرمانبرداری تمام بھلائیوں کی کنجی ہے۔

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ ابْنَيْ اٰدَمَ بِالْحَقِّ ۘ اِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ اَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْاٰخَرِ ۭ قَالَ لَاَقْتُلَنَّكَ ۭ قَالَ اِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللّٰهُ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٧﴾ لَئِنْۢ بَسَطْتَّ اِلَيَّ يَدَكَ لِتَقْتُلَنِيْ مَآ اَنَا بِبَاسِطٍ يَّدِيَ اِلَيْكَ لِاَقْتُلَكَ ۚ اِنِّىْٓ اَخَافُ اللّٰهَ رَبَّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿٢٨﴾ اِنِّىْٓ اُرِيْدُ اَنْ تَبُوْۗاَ بِاِثْمِيْ وَاِثْمِكَ فَتَكُوْنَ مِنْ اَصْحٰبِ النَّارِ ۚ وَذٰلِكَ جَزٰۗؤُا الظّٰلِمِيْنَ ﴿٢٩﴾ فَطَوَّعَتْ لَهٗ نَفْسُهٗ قَتْلَ اَخِيْهِ فَقَتَلَهٗ فَاَصْبَحَ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿٣٠﴾ فَبَعَثَ اللّٰهُ غُرَابًا يَّبْحَثُ فِي الْاَرْضِ لِيُرِيَهٗ كَيْفَ يُوَارِيْ سَوْءَةَ اَخِيْهِ ۭ قَالَ يٰوَيْلَتٰٓى اَعَجَزْتُ اَنْ اَكُوْنَ مِثْلَ هٰذَا الْغُرَابِ فَاُوَارِيَ سَوْءَةَ اَخِيْ ۚ فَاَصْبَحَ مِنَ النّٰدِمِيْنَ ﴿٣١﴾

النصف — معانقة — وقف النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا کھرا کھرا حال بھی انہیں سنادو' ان دونوں نے ایک ایک نذرانہ پیش کیا ان میں سے ایک کی نذر تو قبول کی گئی اور دوسرے کی قبول نہ ہوئی' تو وہ کہنے لگا کہ میں تو تجھے مار ہی ڈالوں گا' اس نے کہا اللہ تعالیٰ تقوے والوں کا ہی عمل قبول کرتا ہے ○ گو تو میرے قتل کے لیے دست درازی کرے لیکن میں تیرے قتل کی طرف ہرگز اپنے ہاتھ نہ بڑھاؤں گا' میں تو اللہ تعالیٰ پروردگار عالم سے خوف کھاتا ہوں ○ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرے اور اپنے گناہ اپنے سر پر رکھ لے اور دوزخیوں میں شامل ہو جائے' ظالموں کا یہی بدلہ ہے ○ پس اسے اس کے نفس نے اپنے بھائی کے قتل پر آمادہ کر دیا اور اس نے اسے قتل کر ڈالا جس سے نقصان پانے والوں میں سے ہو گیا ○ پھر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کو بھیجا جو زمین کھود رہا تھا تاکہ اسے دکھادے کہ وہ کس طرح اپنے بھائی کی نعش کو چھپائے' وہ کہنے لگا ہائے افسوس کیا میں ایسا ہونے سے بھی گیا گذرا؟ کہ اس کوے کی طرح اپنے بھائی کی لاش کو دفنا دیتا؟ پھر تو بڑا ہی پشیمان اور شرمندہ ہو گیا ○

حسد و بغض کا انجام: اس قصے میں حسد و بغض سرکشی اور تکبر کا بد انجام بیان ہو رہا ہے کہ کس طرح حضرت آدم علیہ السلام کے دو صلبی بیٹوں میں کشمکش ہو گئی اور ایک اللہ کا ہو کر مظلوم بنا اور مار ڈالا گیا اور اپنا ٹھکانا جنت میں بنالیا اور دوسرے

نے اسے ظلم وزیادتی کے ساتھ بے وجہ قتل کیا اور دونوں جہان میں برباد ہوا۔ فرماتا ہے "اے نبی ﷺ انہیں حضرت آدم علیہ السلام کے دونوں بیٹوں کا صحیح صحیح بے کم وکاست قصہ سنادو۔ ان دونوں کا نام ہابیل وقابیل تھا۔ مروی ہے کہ چونکہ اس وقت دنیا کی ابتدائی حالت تھی' اس لیے یوں ہوتا تھا کہ حضرت آدم علیہ السلام کے ہاں ایک حمل سے لڑکی لڑکا دو ہوتے تھے' پھر دوسرے حمل میں بھی اسی طرح تو اس حمل کا لڑکا اور دوسرے حمل کی لڑکی ان دونوں کا نکاح کرادیا جاتا تھا' ہابیل کی بہن تو خوبصورت نہ تھی اور قابیل کی بہن خوبصورت تھی تو قابیل نے چاہا کہ اپنی ہی بہن سے اپنا نکاح کرلے' حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے منع کیا آخر یہ فیصلہ ہوا کہ تم دونوں اللہ کے نام پر کچھ نکالو' جس کی خیرات قبول ہوجائے اس کا نکاح اس کے ساتھ کردیا جائے گا۔ ہابیل کی خیرات قبول ہوگئی' پھر وہ ہوا جس کا بیان قرآن کی ان آیتوں میں ہے "مفسرین کے اقوال سنیے" "حضرت آدم علیہ السلام کی صلبی اولاد کے نکاح کا قاعدہ جو اوپر مذکور ہوا بیان فرمانے کے بعد مروی ہے کہ بڑا بھائی قابیل کھیتی کرتا تھا اور ہابیل جانوروں والا تھا' قابیل کی بہن بہ نسبت ہابیل کی بہن کے خوب روتھی۔ جب ہابیل کا پیغام اس سے ہوا تو قابیل نے انکار کردیا اور اپنا نکاح اس سے کرنا چاہا' حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے روکا۔ اب ان دونوں نے خیرات نکالی کہ جس کی قبول ہوجائے وہ نکاح کا زیادہ حقدار ہے حضرت آدم علیہ السلام اس وقت مکہ چلے گئے کہ دیکھیں کیا ہوتا ہے؟ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام سے فرمایا زمین پر جو میرا گھر ہے اسے جانتے ہو؟ آپ نے کہا نہیں حکم ہوا مکے میں ہے تم وہیں جاؤ' حضرت آدم علیہ السلام نے آسمان سے کہا کہ میرے بچوں کی تو حفاظت کرے گا؟ اس نے انکار کیا زمین سے کہا اس نے بھی انکار کیا' پہاڑوں سے کہا انہوں نے بھی انکار کیا' قابیل سے کہا اس نے کہا ہاں میں محافظ ہوں' آپ جایئے آکر ملاحظہ فرمالیں گے اور خوش ہوں گے۔ اب ہابیل نے ایک خوبصورت موٹا تازہ مینڈھا اللہ کے نام پر ذبح کیا اور بڑے بھائی نے اپنی کھیتی کا حصہ اللہ کے لیے نکالا۔ آگ آئی اور ہابیل کی نذر تو جلاگئی' جو اس زمانہ میں قبولیت کی علامت تھی اور قابیل کی نذر قبول نہ ہوئی' اس کی کھیتی یونہی رہ گئی' اس نے راہ للہ کرنے کے بعد اس میں سے اچھی اچھی بالیں توڑ کر کھالیں تھیں۔ چونکہ قابیل اب مایوس ہوچکا تھا کہ اس کے نکاح میں اس کی بہن نہیں آسکتی' اس لیے اپنے بھائی کو قتل کی دھمکی دی تھی اس نے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ تقویٰ والوں کی قربانی قبول فرمایا کرتا ہے۔ اس میں میرا کیا قصور؟ ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مینڈھا جنت میں پلتا رہا اور یہی وہ مینڈھا ہے جسے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچے کے بدلے ذبح کیا۔ ایک روایت میں ہے کہ ہابیل نے اپنے جانوروں میں سے بہترین اور مرغوب ومحبوب جانور اللہ کے نام اور خوشی کے ساتھ قربان کیا' برخلاف اس کے قابیل نے اپنی کھیتی میں سے نہایت ردی اور واہی چیز اور وہ بے دلی سے اللہ کے نام نکالی۔ ہابیل تنومندی اور طاقتوری میں بھی قابیل سے زیادہ تھا تاہم اللہ کے خوف کی وجہ سے اس نے اپنے بھائی کی ظلم وزیادتی سہ لی اور ہاتھ نہ اٹھایا۔ بڑے بھائی کی قربانی جب قبول نہ ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام نے اس سے کہا تو اس نے کہا کہ چونکہ آپ ہابیل کو چاہتے ہیں اور آپ نے اس کے لیے دعا کی تو اس کی قربانی قبول ہوگئی۔ اب اس نے ٹھان لی کہ میں اس کانٹے ہی کو اکھاڑ ڈالوں۔ موقع کا منتظر تھا ایک روز اتفاقاً حضرت ہابیل کے آنے میں دیر لگ گئی تو انہیں بلانے کے لیے حضرت آدم علیہ السلام نے قابیل کو

بھیجا۔ یہ ایک چھری اپنے ساتھ لے کر چلا' راستے میں ہی دونوں بھائیوں کی ملاقات ہوگئی' تو اس نے کہا میں تجھے مار ڈالوں گا کیونکہ تیری قربانی قبول ہوئی اور میری نہ ہوئی اس پر ہابیل نے کہا میں نے بہترین' عمدہ' محبوب اور مرغوب چیز اللہ کے نام نکالی اور تو نے بے کار بے جان چیز نکالی' اللہ تعالیٰ اپنے متقیوں ہی کی نیکی قبول کرتا ہے۔ اس پر وہ اور بگڑا اور چھری گھونپ دی' ہابیل کہتے رہ گئے کہ اللہ کو کیا جواب دے گا؟ اللہ کے ہاں اس ظلم کا بدلہ تجھ سے بری طرح لیا جائے گا۔ اللہ کا خوف کر مجھے قتل نہ کر لیکن اس بے رحم نے اپنے بھائی کو مار ہی ڈالا۔ قابیل نے اپنی توامہ بہن سے اپنا ہی نکاح کرنے کی ایک وجہ یہ بھی بیان کی تھی کہ ہم دونوں جنت میں پیدا ہوئے ہیں اور یہ دونوں زمین میں پیدا ہوئے ہیں' اس لیے میں ہی اس کا حقدار ہوں۔ یہ بھی مروی ہے کہ قابیل نے گیہوں نکالے تھے اور ہابیل نے گائے قربان کی تھی۔ چونکہ اس وقت کوئی مسکین تو تھا ہی نہیں جسے صدقہ دیا جائے' اس لیے یہی دستور تھا کہ صدقہ نکال دیتے آگ آسمان سے آتی اور اسے جلا جاتی یہ قبولیت کا نشان تھا۔ اس برتری سے جو چھوٹے بھائی کو حاصل ہوئی' بڑا بھائی حسد کی آگ میں بھڑکا اور اس کے قتل کے درپے ہو گیا' یونہی بیٹھے بیٹھے دونوں بھائیوں نے قربانی کی تھی۔ نکاح کے اختلاف کو مٹانے کی وجہ نہ تھی' قرآن کے ظاہری الفاظ کا اقتضا بھی یہی ہے کہ ناراضگی کا باعث عدم قبولیت قربانی تھی نہ کچھ اور۔ ایک روایت مندرجہ روایتوں کے خلاف یہ بھی ہے کہ قابیل نے کھیتی اللہ کے نام نذر دی تھی جو قبول ہوئی لیکن معلوم ہوتا ہے کہ اس میں راوی کا حافظہ ٹھیک نہیں اور یہ مشہور امر کے بھی خلاف ہے واللہ اعلم۔ اللہ تعالیٰ اس کا عمل قبول کرتا ہے جو اپنے فعل میں اس سے ڈرتا رہے' حضرت معاذ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں لوگ میدان قیامت میں ہوں گے تو ایک منادی ندا کرے گا کہ پرہیز گار کہاں ہیں؟ پس پروردگار سے ڈرنے والے کھڑے ہو جائیں گے اور اللہ کے بازو کے نیچے جا ٹھہریں گے اللہ تعالیٰ نہ ان سے رخ پوشی کرے گا نہ پردہ۔ راوی حدیث ابوعفیف سے دریافت کیا گیا کہ متقی کون ہیں؟ فرمایا وہ جو شرک اور بت پرستی سے بچے اور خالص اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے پھر یہ سب لوگ جنت میں جائیں گے۔ جس نیک بخت کی قربانی قبول کی گئی تھی' وہ اپنے بھائی کے اس ارادہ کو سن کر اس سے کہتا ہے کہ تو جو چاہے کر' میں تو تیری طرح نہیں کروں گا بلکہ میں صبر وضبط کروں گا' تجھے تو زور وطاقت میں یہ اس سے زیادہ مگر اپنی بھلائی' نیک بختی اور تواضع وفروتنی اور پرہیز گاری کی وجہ سے یہ فرمایا کہ تو گناہ پر آمادہ ہو جائے لیکن مجھ سے اس جرم کا ارتکاب نہیں ہو سکتا' میں تو اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں وہ تمام جہان کا رب ہے۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ''جب دو مسلمان تلواریں لے کر بھڑ گئے تو قاتل مقتول دونوں جہنمی ہیں''۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا قاتل تو خیر لیکن مقتول کیوں ہوا؟ آپ نے فرمایا اس لیے کہ وہ بھی اپنے ساتھی کے قتل پر حریص تھا۔ [1] حضرت

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الایمان (٣١) و کتاب الدیات (٦٨٧٥) و کتاب الفتن (٧٠٨٣) صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب اذ تواجه المسلمان بسفیهما (٢٨٨٨) نسائی : کتاب المحاربة : باب تحریم القتل (٤١٢٣) ابو داؤد : کتاب الفتن : باب النهی عن القتال فی الفتنة (٤٢٦٨) مسند احمد (٤٦/٧ ـ ٤٧) صحیح ابن حبان (٥٩٤٥)]

سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ نے اس وقت جبکہ باغیوں نے حضرت عثمان ذوالنورین رضی اللہ عنہ کو گھیر رکھا تھا کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ''عنقریب فتنہ برپا ہوگیا۔ بیٹھا رہنے والا اس وقت کھڑے رہنے والے سے اچھا ہو گا اور کھڑا رہنے والا چلنے والے سے بہتر ہوگا اور چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا''۔ کسی نے پوچھا ''حضور صلی اللہ علیہ وسلم اگر کوئی میرے گھر میں بھی گھس آئے اور مجھے قتل کرنا چاہے''۔ آپ نے فرمایا پھر بھی تو حضرت آدم علیہ السلام کے بیٹے کی طرح ہو جا۔ [1] ایک روایت میں آپ کا اس کے بعد اس آیت کی تلاوت کرنا بھی مروی ہے۔ [2] حضرت ایوب سختیانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اس امت میں سے سب سے پہلے جس نے اس آیت پر عمل کیا وہ امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ ہیں''۔ ایک مرتبہ ایک جانور پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سوار تھے اور آپ کے ساتھ ہی آپ کے پیچھے حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ تھے' آپ نے فرمایا ابو ذر بتاؤ تو جب لوگوں پر ایسے فاقے آئیں گے کہ گھر سے مسجد تک نہ جا سکیں گے تو تو کیا کرے گا؟ میں نے کہا جو حکم رب اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہو فرمایا صبر کرو۔ پھر فرمایا جبکہ آپس میں خونریزی ہوگی یہاں تک کہ ریت کے تھر بھی خون میں ڈوب جائیں تو تو کیا کرے گا؟ میں نے وہی جواب دیا تو فرمایا کہ اپنے گھر میں بیٹھ جا اور دروازے بند کر لے کہا پھر اگر چہ میں نہ میدان میں اتروں؟ فرمایا تو ان میں چلا جا' جن کا تو ہے اور وہیں رہ۔ عرض کیا کہ پھر میں اپنے ہتھیار ہی کیوں نہ لے لوں؟ فرمایا پھر تو تو بھی ان کے ساتھ ہی شامل ہو جائے گا بلکہ اگر تجھے کسی کی تلوار کی شعائیں پریشان کرتی نظر آئیں تو بھی اپنے منہ پر کپڑا ڈال لے تا کہ تیرے اور خود اپنے گناہوں کو وہی لے جائے۔ [3] حضرت ربعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہم حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں تھے' ایک صاحب نے کہا میں نے مرحوم سے سنا ہے آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنی ہوئی حدیثیں بیان فرماتے ہوئے کہتے تھے کہ اگر تم آپس میں لڑو گے تو میں اپنے سب سے دور دراز گھر میں چلا جاؤں گا اور اسے بند کر بیٹھ جاؤں گا' اگر وہاں بھی کوئی گھس آئے تو میں کہہ دوں گا کہ لے اپنا اور میرا گناہ اپنے سر پر رکھ لے' پس میں حضرت آدم علیہ السلام کے ان دو بیٹوں میں سے جو بہتر تھا' اس کی طرح ہو جاؤں گا۔ میں تو چاہتا ہوں کہ تو میرا اور اپنا گناہ اپنے سر رکھ لے جائے۔ یعنی تیرے وہ گناہ جو اس سے پہلے کے ہیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ یہ مطلب بھی حضرت

---

[1] [صحیح : ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجاء انه تکون فتنة القاعد (٢١٩٤) مسند احمد (١/١٨٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی ، ارواء الغلیل (٨/١٠٤)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح : ابو داؤد : کتاب الفتن : باب فی النهی عن السعی فی الفتنة (٤٢٥٧) مسند احمد (١/١٦٨)] [شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[ارواء الغلیل (٨/١٠٤)]

[3] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الفتن : باب فی النص عن السعی فی الفتنة (٤٢٦١) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب التثبت فی الفتنة (٣٩٥٨) مسند احمد (٥/١٦٣)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابوداود ، ارواء الغلیل (٢٤٥١)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ میری خطائیں بھی تجھ پر آ پڑیں اور میرے قتل کا گناہ بھی۔ لیکن انہی سے ایک قول پہلے جیسا بھی مروی ہے، ممکن ہے یہ دوسرا ثابت نہ ہو۔ اسی بنا پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ قاتل مقتول کے سب گناہ اپنے اوپر بار کر لیتا ہے۔ اور اس معنی کی ایک حدیث بھی بیان کی جاتی ہے لیکن اس کی کوئی اصل نہیں۔ بزار میں ایک حدیث ہے کہ ''بے سبب کا قتل تمام گناہوں کو مٹا دیتا ہے''۔ گو یہ حدیث اوپر والے معنی میں نہیں، تاہم یہ بھی صحیح نہیں اور اس روایت کا مطلب یہ بھی ہے کہ قتل کی ایذاء کے باعث اللہ تعالیٰ مقتول کے سب گناہ معاف کر دیتا ہے۔ اب وہ قاتل پر آ جاتے ہیں۔ یہ بات ثابت نہیں ممکن ہے بعض قاتل ویسے بھی ہوں، قاتل کو میدان قیامت میں مقتول ڈھونڈتا پھرے گا اور اس کے ظلم کے مطابق اس کی نیکیاں لے جائے گا۔ اور سب نیکیاں لے لینے کے بعد بھی اس ظلم کی تلافی نہ ہوئی تو مقتول کے گناہ قاتل پر رکھ دیئے جائیں گے، یہاں تک کہ بدلہ ہو جائے تو ممکن ہے کہ سارے ہی گناہ بعض قاتلوں کے سر پڑ جائیں کیونکہ ظلم کے اس طرح کے بدلے لیے جانے احادیث سے ثابت ہیں اور یہ ظاہر ہے کہ قتل سب سے بڑھ کر ظلم ہے اور سب سے بدتر۔ واللہ اعلم۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب اس جملے کا صحیح تر یہی ہے کہ میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ اور میرے قتل کے گناہ سب ہی اپنے اوپر لے جائے، تیرے اور گناہوں کے ساتھ ایک گناہ یہ بھی بڑھ جائے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ میرے گناہ بھی تجھ پر آ جائیں، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کی جزا سزا ملتی ہے، پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ مقتول کے عمر بھر کے گناہ قاتل پر ڈال دیئے جائیں، اور اس کے گناہوں پر اس کی پکڑ ہو؟ باقی رہی یہ بات کہ پھر ہابیل نے یہ بات اپنے بھائی سے کیوں کہی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس نے آخری مرتبہ نصیحت کی اور ڈرایا اور خوف زدہ کیا کہ اس کام سے باز آ جا، ورنہ گنہگار ہو کر جہنم واصل ہو جائے گا کیونکہ میں تو تیرا مقابلہ کرنے ہی کا نہیں، سارا بوجھ تجھ ہی پر ہوگا اور تو ہی ظالم ٹھہرے گا اور ظالموں کا ٹھکانا دوزخ ہے۔ اس نصیحت کے باوجود اس کے نفس نے اسے دھوکا دیا اور غصے اور حسد اور تکبر میں آ کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا، اسے شیطان نے قتل پر ابھار دیا اور اس نے اپنے نفس امارہ کی پیروی کر لی اور لوہے سے اسے مار ڈالا۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ اپنے جانوروں کو لے کر پہاڑیوں پر چلے گئے تھے، یہ ڈھونڈتا ہوا وہاں پہنچا اور ایک بھاری پتھر اٹھا کر ان کے سر پر دے مارا، یہ اس وقت سوئے ہوئے تھے، بعض کہتے ہیں مثل درندے کے کاٹ کاٹ کر، گلا دبا دبا کر ان کی جان لی۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ شیطان نے جب دیکھا کہ اسے قتل کرنے کا ڈھنگ نہیں آتا، یہ اس کی گردن مروڑ رہا ہے تو اس لعین نے ایک جانور پکڑا اور اس کا سر ایک پتھر پر رکھ کر اسے دوسرا پتھر زور سے دے مارا، جس سے وہ جانور اسی وقت مر گیا، یہ دیکھ کر اس نے بھی اپنے بھائی کے ساتھ یہی کیا یہ بھی مروی ہے کہ چونکہ اب تک زمین پر کوئی قتل نہیں ہوا تھا، اس لیے قابیل اپنے بھائی کو گرا کر کبھی اس کی آنکھیں بند کرتا، کبھی اسے تھپڑ اور گھونسے مارتا۔ یہ دیکھ کر ابلیس لعین اس کے پاس آیا اور اسے بتایا کہ پتھر لے کر اس کا سر کچل ڈال، جب اس نے کچل ڈالا تو لعین دوڑتا ہوا حضرت حوا رضی اللہ عنہا کے پاس آیا اور کہا قابیل نے ہابیل کو قتل کر دیا، انہوں نے پوچھا قتل کیسا ہوتا ہے؟ کہا اب نہ وہ کھاتا پیتا ہے نہ بولتا چالتا ہے کہا شاید

موت آ گئی اس نے کہا ہاں وہی موت ۔ اب تو مائی صاحبہ چیخنے چلانے لگیں' اتنے میں حضرت آدم علیہ السلام آئے پوچھا کیا بات ہے؟ لیکن یہ جواب نہ دے سکیں' آپ نے دوبارہ دریافت فرمایا لیکن فرط غم ورنج کی وجہ سے انکی زبان نہ اٹھی تو کہا اچھا تو اور تیری بیٹیاں ہائے وائے میں ہی رہیں گی اور میں اور میرے بیٹے اس سے بری ہیں ۔ قابیل خسارے ٹوٹے اور نقصان والا ہو گیا' دنیا اور آخرت دونوں ہی بگڑیں ۔

حضور ﷺ فرماتے ہیں "جو انسان ظلم سے قتل کیا جاتا ہے' اس کے خون کا بوجھ آدم علیہ السلام کے اس لڑکے پر بھی پڑتا ہے' اس لیے کہ اسی نے سب سے پہلے زمین پر خون ناحق گرایا ہے" ۔ [1] مجاہد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ "قاتل کے ایک پیر کی پنڈلی کو ران سے اس دن سے لٹکا دیا گیا اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا' اس کے گھومنے کے ساتھ گھومتا رہتا ہے' جاڑوں اور گرمیوں میں آگ اور برف کے گڑھے میں وہ معذب ہے" ۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ "جہنم کا آدھوں آدھ عذاب صرف اس ایک کو ہو رہا ہے' سب سے بڑا معذب یہی ہے زمین کے ہر قتل کے گناہ کا حصہ اس کے ذمہ ہے" ۔ ابراہیم نخعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "اس پر اور شیطان پر ہر خون ناحق کا بوجھ پڑتا ہے" ۔ جب مار ڈالا تو اب یہ معلوم نہ تھا کہ کیا کرے' کس طرح اسے چھپائے؟ تو اللہ نے دو کوے بھیجے' وہ دونوں بھی آپس میں بھائی بھائی تھے' یہ اس کے سامنے لڑنے لگے' یہاں تک کہ ایک نے دوسرے کو مار ڈالا' پھر ایک گڑھا کھود کر اس میں اس کی لاش کو رکھ کر اوپر سے مٹی ڈال دی' یہ دیکھ کر قابیل کی سمجھ میں بھی یہ ترکیب آ گئی اور اس نے بھی ایسا ہی کیا ۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ از خود مرے ہوئے ایک کوے کو دوسرے کوے نے اس طرح گڑھا کھود کر دفن کیا تھا ۔ یہ بھی مروی ہے کہ سال بھر تک قابیل اپنے بھائی کی لاش اپنے کندھے پر لادے لادے پھرتا رہا' پھر کوے کو دیکھ کر اپنے نفس پر ملامت کرنے لگا کہ میں اتنا بھی نہ کر سکا' یہ بھی کہا گیا مار ڈال کر پھر پچھتایا اور لاش کو گود میں رکھ کر بیٹھ گیا اور اس لیے بھی کہ سب سے پہلی میت اور سب سے پہلا قتل روئے زمین پر یہی تھا ۔ اہل تورات کہتے ہیں کہ جب قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تو اللہ نے اس سے پوچھا کہ تیرے بھائی ہابیل کو کیا ہوا؟ اس نے کہا مجھے کیا خبر؟ میں اس کا نگہبان تو تھا ہی نہیں' اللہ تعالیٰ نے فرمایا سن تیرے بھائی کا خون زمین میں سے مجھے پکار رہا ہے' تجھ پر میری لعنت ہے' اس زمین میں جس کا منہ کھول کر تو نے اسے اپنے بے گناہ بھائی کا خون پلایا ہے' اب تو زمین میں جو کچھ کام کرے گا وہ اپنی کھیتی میں سے تجھے کچھ نہیں دے گی' یہاں تک کہ تم زمین پر عمر بھر بے چین بھٹکتے رہو گے پھر تو قابیل بڑا ہی نادم ہوا ۔ نقصان کے ساتھ ہی پچھتاوا گویا عذاب پر عذاب تھا ۔

اس قصہ میں مفسرین کے اقوال اس بات پر تو متفق ہیں کہ یہ تو دونوں حضرت آدم علیہ السلام کے صلبی بیٹے تھے اور یہی قرآن کے الفاظ سے بظاہر معلوم ہوتا ہے اور یہی حدیث میں بھی ہے کہ روئے زمین پر جو قتل ناحق ہوتا ہے اس کا

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب خلق آدم وذریته (٣٣٣٥) و کتاب الاعتصام (٧٣٢١) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب اثم من سن القتل (١٦٧٧) ترمذی : کتاب العلم : باب ماجآء أن الدال علی الخیر کفاعله (٢٦٧٣) ابن ماجه : کتاب الدیات : باب التغلیظ فی قتل مسلم ظلما (٢٦١٦) نسائی : کتاب المحاربة : باب تحریم الدم (٣٩٩٠) مسند احمد (٣٨٢/١)]

ایک حصہ بوجھ اور گناہ کا حضرت آدم علیہ السلام کے اس پہلے لڑکے پر ہوتا ہے' اس لیے کہ اسی نے سب سے پہلے قتل کا طریقہ ایجاد کیا ہے' [1] لیکن حسن بصری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ''یہ دونوں بنی اسرائیل میں سے تھے' قربانی سب سے پہلے انہی میں آئی اور زمین پر سب سے پہلے حضرت آدم علیہ السلام کا انتقال ہوا ہے''۔ لیکن یہ قول غور طلب ہے اور اس کی اسناد بھی ٹھیک نہیں۔ ایک مرفوع حدیث میں یہ واقعہ بطور ایک مثال کے ہے ''تم اس میں سے اچھائی لے لو اور برے کو چھوڑ دو''۔ [2] یہ حدیث مرسل ہے کہتے ہیں کہ اس صدمے سے حضرت آدم علیہ السلام بہت غمگین ہوئے اور سال بھر تک انہیں ہنسی نہ آئی' آخر فرشتوں نے ان کے غم کے دور ہونے اور انہیں ہنسی آنے کی دعا کی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس وقت اپنے رنج و غم میں یہ بھی کہا تھا کہ شہر اور شہر کی سب چیزیں متغیر ہو گئیں۔ زمین کا رنگ بدل گیا اور وہ نہایت بد صورت ہو گئی' ہر ہر چیز کا رنگ و مزہ جاتا رہا اور کشش والے چہروں کی ملاحت بھی سلب ہو گئی۔ اس پر انہیں جواب دیا گیا کہ اس مردے کے ساتھ اس زندے نے بھی گویا اپنے آپ کو ہلاک کر دیا اور جو برائی قاتل نے کی تھی' اس کا بوجھ اس پر آ گیا' [3] بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ قابیل کو اسی وقت سزا دی گئی چنانچہ وارد ہوا ہے کہ اس کی پنڈلی اس کی ران سے لٹکا دی گئی اور اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا گیا اور اس کے ساتھ ہی ساتھ گھومتا رہتا تھا یعنی جدھر سورج ہوتا ادھر ہی اس کا منہ اٹھا رہتا۔ حدیث شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جتنے گناہ اس لائق ہیں کہ بہت جلد ان کی سزا دنیا میں بھی دی جائے اور پھر آخرت کے زبردست عذاب باقی رہیں ان میں سب سے بڑھ کر گناہ سرکشی اور قطع رحمی ہے۔ [4] تو قابیل میں یہ دونوں باتیں جمع ہو گئیں ﴿فَاِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ﴾ (یہ یاد رہے کہ اس قصہ کی تفصیلات جس قدر بیان ہوئی ہیں' ان میں سے اکثر و بیشتر حصہ اہل کتاب سے اخذ کیا ہوا ہے۔ واللہ علم۔ مترجم)

مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ ۛ كَتَبْنَا عَلٰى بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اَنَّهٗ مَنْ قَتَلَ نَفْسًۢا بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِى الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا ۭ وَلَقَدْ جَاۗءَتْهُمْ رُسُلُنَا بِالْبَيِّنٰتِ ۡ ثُمَّ اِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ بَعْدَ ذٰلِكَ فِى الْاَرْضِ لَمُسْرِفُوْنَ ۝ اِنَّمَا جَزٰۗؤُا الَّذِيْنَ يُحَارِبُوْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَيَسْعَوْنَ فِى الْاَرْضِ فَسَادًا اَنْ يُّقَتَّلُوْٓا اَوْ يُصَلَّبُوْٓا اَوْ تُقَطَّعَ اَيْدِيْهِمْ وَاَرْجُلُهُمْ

---

[1] [أیضا] [2] [مرسل :تفسیر ابن جریر الطبری (١١٧٧٢)]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٧٢٤)] اس میں غیاث بن ابراہیم راوی متروک ہے۔ امام ابن حبان نے اس کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ حدیثیں گھڑا کرتا تھا۔ [المجروحین (٢/٢٠٠)]

[4] [صحیح :الادب المفرد (٦٧) مسند احمد (٥/٣٦) ابو داؤد : کتاب الادب : باب فی الھنی عن النھی (٤٩٠٢) ترمذی : کتاب صفة القیامة (٢٥١١) ابن ماجه : کتاب الزھد : باب البغی (٤٢١١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود ، السلسلة الصحیحة (٩١٨)] شیخ شعیب ارناؤوط اور شیخ عبد الرزاق مہدی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔]

مِّنْ خِلَافٍ اَوْ يُنْفَوْا مِنَ الْاَرْضِ ۚ ذٰلِكَ لَهُمْ خِزْيٌ فِي الدُّنْيَا وَلَهُمْ فِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿٣٣﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا مِنْ قَبْلِ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ ۚ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٣٤﴾

اسی سبب سے، ہم نے بنی اسرائیل پر یہ لکھ دیا کہ جو شخص کسی کو بغیر اس کے کہ وہ کسی کا قاتل ہو یا زمین میں فساد مچانے والا ہو قتل کر ڈالے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کر دیا، اور جو شخص کسی ایک کی جان بچالے اس نے گویا تمام لوگوں کو بچالیا، ان کے پاس ہمارے بہت سے رسول ظاہر دلیلیں لے کر آئے لیکن پھر اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر لوگ زمین میں ظلم وزیادتی اور زبردستی کرنے والے ہی رہے ○ ان کی سزا جو اللہ سے اور اس کے رسول سے لڑیں اور زمین میں فساد کرتے پھریں یہی ہے کہ وہ قتل کر دیئے جائیں یا سولی چڑھا دیئے جائیں یا الٹے طور سے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے جائیں یا انہیں جلاوطن کر دیا جائے، یہ تو ہوئی ان کی دنیوی ذلت اور خواری اور آخرت میں تو ان کے لیے بڑا بھاری عذاب ہے ○ ہاں جو لوگ ان سے پہلے توبہ کر لیں کہ تم ان پر اختیار پالو تو یقین مانو کہ اللہ تعالیٰ بہت بڑی بخشش اور رحم وکرم والا ہے ○

آیت محاربہ کا بیان: فرمان ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے اس لڑکے کے قتل بیجا کی وجہ سے، ہم نے بنی اسرائیل سے صاف فرما دیا ان کی کتاب میں لکھ دیا اور ان کے لیے اس حکم کو حکم شرعی کر دیا کہ ”جو شخص کسی ایک کو بلاوجہ مار ڈالے نہ اس نے کسی کو قتل کیا تھا نہ اس نے زمین میں فساد پھیلایا تھا تو گویا اس نے تمام لوگوں کو قتل کیا، اس لیے کہ اللہ کے نزدیک ساری مخلوق یکساں ہے اور جو کسی بے قصور شخص کے قتل سے باز رہے اسے حرام جانے تو گویا اس نے تمام لوگوں کو زندگی دی، اس لیے کہ یہ سب لوگ اس طرح سلامتی کے ساتھ رہیں گے“۔ امیر المومنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو جب باغی گھیر لیتے ہیں، تو حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ان کے پاس جاتے ہیں اور کہتے ہیں میں آپ کی طرف داری میں آپ کے مخالفین سے لڑنے کے لیے آیا ہوں، آپ ملاحظہ فرمائیے کہ اب پانی سر سے اونچا ہو گیا ہے، یہ سن کر معصوم خلیفہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا، کیا تم اس بات پر آمادہ ہو کہ سب لوگوں کو قتل کر دو، جن میں ایک میں بھی ہوں۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا نہیں نہیں، فرمایا سنو ایک کو قتل کرنا ایسا برا ہے جیسے سب کو قتل کرنا۔ جاؤ واپس لوٹ جاؤ، میری یہی خواہش ہے اللہ تمہیں اجر دے اور گناہ نہ دے، یہ سن کر آپ واپس چلے گئے اور نہ لڑے۔ مطلب یہ ہے کہ قتل کا اجر دنیا کی بربادی کا باعث ہے اور اس کی روک لوگوں کی زندگی کا سبب ہے۔ حضرت سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”ایک مسلمان کا خون حلال کرنے والا تمام لوگوں کا قاتل ہے اور ایک مسلم کے خون کو بچانے والا تمام لوگوں کے خون کو گویا بچا رہا ہے“۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ”نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اور عادل مسلم بادشاہ کو قتل کرنے والے پر ساری دنیا کے انسانوں کے قتل کا گناہ ہے اور نبی اور امام عادل کے بازو کو مضبوط کرنا دنیا کو زندگی دینے کے مترادف ہے“۔ (ابن جریر) ایک اور روایت میں ہے کہ ”ایک کو بے وجہ مار ڈالتے ہی جہنمی ہو جاتا ہے گویا سب کو مار ڈالا“۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ”مومن کو بے وجہ شرعی مار ڈالنے والا جہنمی، دشمن رب، ملعون اور مستحق سزا ہو جاتا ہے، پھر اگر وہ سب لوگوں کو بھی مار ڈالتا تو اس سے زیادہ عذاب اسے اور کیا ہوتا؟ جو قتل سے رک جائے گویا کہ اس

کی طرف سے سب کی زندگی محفوظ ہے"۔ عبدالرحمٰن فرماتے ہیں "ایک قتل کے بدلے ہی اس کا خون حلال ہو گیا" یہ نہیں کہ کئی ایک کو قتل کرے، جب ہی وہ قصاص کے قابل ہو اور جو اسے زندگی دے یعنی قاتل کے ولی سے درگذر کرے اور اس نے گویا لوگوں کو زندگی دی"۔ اور یہ مطلب بھی بیان کیا گیا ہے کہ جس نے انسان کی جان بچالی مثلاً ڈوبتے کو نکال لیا، جلتے کو بچالیا، کسی کو ہلاکت سے ہٹالیا۔ مقصد لوگوں کو خون ناحق سے روکنا اور لوگوں کی خیر خواہی اور امن وامان پر آمادہ کرنا ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ سے پوچھا گیا کہ "کیا بنی اسرائیل جس طرح اس حکم کے مکلّف تھے، ہم بھی ہیں، فرمایا ہاں یقیناً اللہ کی قسم! کچھ بنو اسرائیل کے خون اللہ کے نزدیک ہمارے خون سے زیادہ باوقعت نہ تھے، پس ایک شخص کا بے سبب قتل سب کے قتل کا بوجھ ہے اور ایک کی جان کے بچاؤ کا ثواب سب کو بچالینے کے برابر ہے"۔ ایک مرتبہ حضرت حمزہ بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کوئی ایسی بات بتایئے کہ میری زندگی با آرام گذرے۔ آپ نے فرمایا کیا کسی کو مار ڈالنا تمہیں پسند ہے یا کسی کو بچالینا تمہیں محبوب ہے؟ جواب دیا بچالینا، فرمایا "بس اب اپنی اصلاح میں لگے رہو"۔ [1]

پھر فرماتا ہے ان کے پاس ہمارے رسول واضح دلیلیں اور روشن احکام اور کھلے معجزات لے کر آئے لیکن اس کے بعد بھی اکثر لوگ اپنی سرکشی اور دراز دستی سے باز نہ رہے۔ بنوقینقاع کے یہود و بنوقریظہ اور بنونضیرہ وغیرہ کو دیکھ لیجیے کہ اوس اور خزرج کے ساتھ مل کر آپس میں ایک دوسرے سے لڑتے تھے اور لڑائی کے بعد پھر قیدیوں کے فدیے دے کر چھڑاتے تھے اور مقتول کی دیت ادا کرتے تھے۔ جس پر انہیں قرآن میں سمجھایا گیا کہ تم سے عہد یہ لیا گیا تھا کہ نہ تو اپنے والوں کے خون بہاؤ، نہ انہیں دیس نکالا دو لیکن تم نے باوجود پختہ اقرار اور مضبوط عہد وپیمان کے اس کے خلاف کیا گو فدیے ادا کیے لیکن نکالنا بھی تو حرام تھا، اس کے کیا معنی کہ کسی حکم کو مانو اور کسی سے انکار کرو، ایسے لوگوں کی سزا یہی ہے کہ دنیا میں رسوا اور ذلیل ہوں اور آخرت میں سخت تر عذابوں کا شکار ہوں، اللہ تمہارے اعمال سے غافل نہیں۔ محاربہ کے معنی حکم کے خلاف کرنا، برعکس کرنا، مخالفت پر تل جانا ہیں۔ مراد اس سے کفر، ڈاکہ زنی، زمین میں شورش وفساد اور طرح طرح کی بدامنی پیدا کرنا ہے، یہاں تک کہ سلف نے یہ بھی فرمایا ہے کہ سکے کو توڑ دینا بھی زمین میں فساد مچانا ہے۔ قرآن کی ایک اور آیت میں ہے جب وہ کسی اقتدار کے مالک ہو جاتے ہیں تو فساد پھیلا دیتے ہیں اور کھیت اور نسل کو ہلاک کرنے لگتے ہیں اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتا۔ یہ آیت مشرکین کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اس لیے کہ اس میں یہ بھی ہے کہ جب ایسا شخص ان کاموں کے بعد مسلمانوں کے ہاتھوں میں گرفتار ہونے سے پہلے ہی توبہ کر لے تو پھر اس پر کوئی مواخذہ نہیں، برخلاف اس کے اگر مسلمان ان کاموں کو کرے اور بھاگ کر کفار میں جا ملے تو حد شرعی سے آزاد نہیں ہوتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں "یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے، پھر ان میں سے جو کوئی مسلمان کے ہاتھ آ جانے سے پہلے توبہ کر لے تو جو حکم اس پر اس کے فعل کے باعث ثابت ہو چکا ہے وہ ٹل نہیں سکتا"۔

---

[1] [ضعیف :مسند احمد (۲/۱۷۵)] یہ روایت ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الترغیب (۱۳۱۳)] حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

حضرت ابی سے مروی ہے کہ اہل کتاب کے ایک گروہ سے رسول اللہ ﷺ کا معاہدہ ہو گیا تھا لیکن انہوں نے اسے توڑ دیا اور فساد مچا دیا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اختیار دیا کہ اگر آپ چاہیں تو انہیں قتل کر دیں، چاہیں تو الٹے سیدھے ہاتھ پاؤں کٹوا دیں۔ حضرت سعد رحمہ اللہ فرماتے ہیں "یہ حرور یہ خوارج کے بارے میں نازل ہوئی ہے"۔ صحیح یہ ہے کہ جو بھی اس فعل کا مرتکب ہو اس کے لیے یہ حکم ہے۔ چنانچہ بخاری و مسلم میں ہے کہ "قبیلہ عکل کے آٹھ آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، آپ نے ان سے فرمایا اگر تم چاہو تو ہمارے چرواہوں کے ساتھ چلے جاؤ اونٹوں کا دودھ اور پیشاب تمہیں ملے گا چنانچہ یہ گئے اور جب ان کی بیماری جاتی رہی تو انہوں نے ان چرواہوں کو مار ڈالا اور اونٹ لے کر چلتے بنے، حضور ﷺ کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے پیچھے دوڑایا کہ انہیں پکڑ لائیں، چنانچہ یہ گرفتار کیے گئے اور حضور ﷺ کے سامنے پیش کیے گئے۔ پھر ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ دیئے گئے اور آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیری گئیں اور دھوپ میں پڑے ہوئے تڑپ تڑپ کر مر گئے"۔ مسلم میں ہے یا تو یہ لوگ عکل کے تھے یا عرینہ کے۔ یہ پانی مانگتے تھے مگر انہیں پانی نہ دیا گیا [1] نہ ان کے زخم دھوئے گئے۔ انہوں نے چوری بھی کی تھی، قتل بھی کیا تھا، ایمان کے بعد کفر بھی کیا تھا اور اللہ رسول سے لڑے بھی تھے۔ انہوں نے چرواہوں کی آنکھوں میں گرم سلائیاں بھی پھیری تھیں، مدینے کی آب و ہوا اس وقت درست نہ تھی، برسام کی بیماری تھی، حضور ﷺ نے ان کے پیچھے بیس انصاری گھوڑ سوار بھیجے تھے اور ایک کھوجی تھا، جو نشان قدم دیکھ کر رہبری کرتا جاتا تھا۔ موت کے وقت ان کی پیاس کے مارے یہ حالت تھی کہ زمین چاٹ رہے تھے، انہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔ [2] ایک مرتبہ حجاج نے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سوال کیا کہ سب سے بڑی اور سب سے سخت سزا جو رسول اللہ ﷺ نے کسی کو دی ہو، تم بیان کرو تو آپ نے یہ واقعہ بیان فرمایا۔ اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ بحرین سے آئے تھے، بیماری کی وجہ سے ان کے رنگ زرد پڑ گئے تھے اور پیٹ بڑھ گئے تھے تو آپ نے انہیں فرمایا کہ جاؤ اونٹوں میں رہو اور ان کا دودھ اور پیشاب پیو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں پھر میں نے دیکھا کہ حجاج نے تو اس روایت کو اپنے مظالم کی دلیل بنا لی تب تو مجھے سخت ندامت ہوئی کہ میں نے اس سے یہ حدیث کیوں بیان کی؟ [3] اور روایت میں ہے کہ ان میں سے چار شخص تو عرینہ قبیلے کے تھے اور تین عکل کے تھے، یہ سب

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوضوء (٢٣٣) و کتاب الجهاد (٣٠١٨) و کتاب التفسير (٤٦١٠) و کتاب الحدود (٦٨٠٢) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب حكم المحاربين والمرتدين (١٦٧١) نسائی : کتاب التحريم (٤٠٣٦) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب ماجآء فی المحاربة (٤٣٦٤) مسند احمد (١٩٨/٣)]

[2] [صحیح : ترمذی : کتاب الطهارة : باب ماجآء فی بول مایؤ کل لحمه (٧٢) و کتاب الاطعمة (١٨٤٥) و کتاب الطب (٢٠٤٢) ابوداود : کتاب الحدود (٤٣٦٧) نسائی : کتاب المحاربة (٤٠٢٩)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی (٦٢)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[3] [اسناده ضعيف وله شاهد : اس کی سند میں سلام بن ابی الصہباء راوی قوی نہیں جبکہ اس کا شاہد صحیح بخاری (٥٦٨٥) میں موجود ہے۔]

تندرست ہو گئے تو یہ مرتد بن گئے۔ [1] ایک اور روایت میں ہے کہ راستے بھی انہوں نے بند کر دیئے تھے اور زنا کار بھی تھے؛ [2] جب یہ آئے تو اب سب کے پاس بوجہ فقیری پہننے کے کپڑے تک نہ تھے، یہ قتل و غارت کر کے بھاگ کر اپنے شہر کو جا رہے تھے۔ حضرت جریر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ یہ اپنی قوم کے پاس پہنچنے ہی والے تھے جو ہم نے انہیں جا لیا۔ وہ پانی مانگتے تھے اور حضور ﷺ فرماتے تھے اب تو پانی کے بدلے جہنم کی آگ ملے گی۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا اللہ کو ناپسند آیا، یہ حدیث ضعیف اور غریب ہے لیکن اس سے یہ معلوم ہوا کہ جو لشکر ان مرتدوں کے گرفتار کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، ان کے سردار حضرت جریر رضی اللہ عنہ تھے۔ ہاں اس روایت میں یہ فقرہ بالکل منکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنا مکروہ رکھا۔ [3] اس لیے کہ صحیح مسلم میں یہ موجود ہے کہ انہوں نے چرواہوں کے ساتھ بھی یہی کیا تھا، پس یہ اس کا بدلہ اور ان کا قصاص تھا جو انہوں نے ان کے ساتھ کیا تھا وہی ان کے ساتھ کیا گیا واللہ اعلم۔ اور روایت میں ہے کہ یہ لوگ بنو فزارہ کے تھے، اس واقعہ کے بعد حضور ﷺ نے یہ سزا کسی کو نہیں دی۔ [4] ایک اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کا ایک غلام تھا، جس کا نام یسار تھا چونکہ یہ بڑے اچھے نمازی تھے، اس لیے حضور ﷺ نے انہیں آزاد کر دیا تھا اور اپنے اونٹوں میں انہیں بھیج دیا تھا کہ یہ ان کی نگرانی رکھیں، انہی کو ان مرتدوں نے قتل کیا اور ان کی آنکھوں میں کانٹے گاڑ کر اونٹ لے کر بھاگ گئے، جو لشکر انہیں گرفتار کر کے لایا تھا، ان میں ایک شاہ زور حضرت کرز بن جابر فہری تھے۔ [5] حافظ ابوبکر بن مردویہ رحمہ اللہ نے اس روایت کے تمام طریقوں کو جمع کر دیا ہے اللہ انہیں جزائے خیر دے۔ ابو حمزہ عبدالکریم رحمہ اللہ سے اونٹوں کے پیشاب کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ ان محاربین کا قصہ بیان فرماتے ہیں اس میں یہ بھی ہے کہ یہ لوگ منافقانہ طور پر ایمان لائے تھے اور حضور ﷺ سے مدینے کی آب و ہوا کی ناموافقت کی شکایت کی تھی، جب حضور ﷺ کو ان کی دغابازی اور قتل و غارت اور ارتداد کا علم ہوا، تو آپ نے منادی کرائی کہ اللہ کے لشکریو اٹھ کھڑے ہو، یہ آواز سنتے ہی مجاہدین کھڑے ہو گئے، بغیر اس کے کہ کوئی کسی کا انتظار کرے ان مرتد ڈاکوؤں اور باغیوں کے پیچھے دوڑے، خود حضور ﷺ بھی ان کو روانہ کر کے ان کے پیچھے چلے، وہ لوگ اپنی جائے امن میں پہنچنے ہی کو تھے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے انہیں گھیر لیا اور ان میں سے جتنے گرفتار ہو گئے، انہیں لے کر حضور ﷺ کے سامنے پیش کر دیا اور یہ آیت اتری، ان کی جلاوطنی یہی تھی کہ انہیں حکومت اسلام کی حدود سے خارج کر دیا گیا۔ پھر ان کو عبرتناک سزائیں دی گئیں، اس کے بعد حضور ﷺ نے کسی کے بھی اعضاء بدن سے جدا نہیں کرائے بلکہ آپ نے اس سے منع فرمایا ہے، جانوروں کو بھی اس طرح کرنا منع ہے۔ بعض روایتوں میں ہے کہ قتل کے بعد انہیں جلا دیا

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١١٨١٨)]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١١٨٢٠)]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (١١٨١٥)]

[4] [**ضعیف** : عبد الرزاق (١٨٥٤١)] اس کی سند میں ابراہیم اسلمی راوی سخت ضعیف ہے۔]

[5] [**ضعیف** : طبرانی کبیر (٦٢٢٣)] اس کی سند میں موسیٰ بن محمد تیمی راوی ضعیف ہے۔]

گیا' [١] بعض کہتے ہیں یہ بنو سلیم کے لوگ تھے۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ حضور ﷺ نے جو سزا انہیں دی وہ اللہ کو پسند نہ آئی اور اس آیت سے اسے منسوخ کر دیا۔ ان کے نزدیک گویا اس آیت میں آنحضرت ﷺ کو اس سزا سے روکا گیا ہے۔ جیسے آیت ﴿عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ﴾ [٢] میں اور بعض کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مثلہ کرنے سے یعنی ہاتھ پاؤں کان ناک کاٹنے سے جو ممانعت فرمائی ہے' اس حدیث سے یہ سزا منسوخ ہو گئی لیکن یہ ذرا غور طلب ہے پھر یہ بھی سوال طلب امر ہے کہ ناسخ کی تاخیر کی دلیل کیا ہے؟ بعض کہتے ہیں حدود اسلام مقرر ہوں اس سے پہلے کا یہ واقعہ ہے لیکن یہ بھی کچھ ٹھیک نہیں معلوم ہوتا' بلکہ حدود کے تقرر کے بعد کا واقعہ معلوم ہوتا ہے اس لیے کہ اس حدیث کے ایک راوی حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ ہیں اور ان کا اسلام سورۂ مائدہ کے نازل ہو چکنے کے بعد کا ہے۔ بعض کہتے ہیں حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنی چاہی تھیں لیکن یہ آیت اتری اور آپ اپنے ارادے سے باز رہے' لیکن یہ بھی درست نہیں۔ اس لیے کہ بخاری و مسلم میں یہ لفظ ہیں کہ حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں میں سلائیاں پھروائیں۔ محمد بن عجلان رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے جو سخت سزا انہیں دی' اس کے انکار میں یہ آیتیں اتری ہیں اور ان میں صحیح سزا بیان کی گئی ہے جو قتل کرنے اور ہاتھ پاؤں الٹی طرف سے کاٹنے اور وطن سے نکال دینے کے حکم پر شامل ہے چنانچہ دیکھ لیجیے کہ اس کے بعد پھر کسی کی آنکھوں میں سلائیاں پھیرنی ثابت نہیں' [٣] لیکن ''اوزاعی'' کہتے ہیں کہ یہ ٹھیک نہیں کہ اس آیت میں حضور ﷺ کے اس فعل پر آپ کو ڈانٹا گیا ہو' بات یہ ہے کہ انہوں نے جو کیا تھا اس کا وہی بدلہ مل گیا' اب آیت نازل ہوئی جس نے ایک خاص حکم ایسے لوگوں کا بیان فرمایا اور اس میں آنکھوں میں گرم سلائیاں پھیرنے کا حکم نہیں دیا''۔ اس آیت سے جمہور علماء نے دلیل پکڑی ہے کہ راستوں کی بندش کر کے لڑنا اور شہروں میں لڑنا دونوں برابر ہے کیونکہ لفظ ﴿وَيَسْعَوْنَ فِي الْاَرْضِ فَسَادًا﴾ کے ہیں۔ مالک' اوزاعی' لیث' شافعی' احمد رحمہم اللہ کا یہی مذہب ہے کہ باغی لوگ خواہ شہر میں ایسا فتنہ مچائیں یا بیرون شہر' ان کی سزا یہی ہے بلکہ امام مالک رحمہ اللہ تو یہاں تک فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص دوسرے کو اس کے گھر میں اس طرح دھوکہ دہی سے مار ڈالے تو اسے پکڑ لیا جائے گا اور اس کا تمام مال واسباب جو اس کے پاس ہے لے لیا جائے اور اسے قتل کر دیا جائے گا اور خود امام وقت ان کاموں کو از خود کرے گا' نہ کہ مقتول کے اولیاء کے ہاتھ میں یہ کام ہوں بلکہ اگر وہ درگذر کرنا چاہیں تو بھی ان کے اختیار میں نہیں بلکہ یہ جرم' بے واسطہ حکومت اسلامیہ کا ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب یہ نہیں' وہ کہتے ہیں کہ ''محاربہ اسی وقت مانا جائے گا جبکہ شہر کے باہر ایسے فساد کوئی کرے' کیونکہ شہر میں تو امداد کا پہنچنا ممکن ہے' راستوں میں یہ بات ناممکن سی ہے''۔ جو سزا ان محاربین کی بیان ہوئی ہے اس کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''جو شخص مسلمانوں پر تلوار اٹھائے' راستوں کو پرخطر بنا دے' امام المسلمین کو ان تینوں سزاؤں میں سے جو سزا دینا چاہے اس کا اختیار ہے''۔ یہی قول اور بھی بہت سوں کا ہے اور اس طرح کا اختیار ایسی ہی اور آیتوں کے احکام میں بھی موجود ہے جیسے محرم اگر شکار کھیلے

---

[١] [ضعیف: تفسیر ابن جریر طبری (١١٨١٤)] [٢] [سورۃ التوبہ: آیت ٤٣]

[٣] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (١١٨٢٢)]

تو اس کا بدلہ شکار کے برابر کی قربانی یا مساکین کا کھانا ہے یا اس کے برابر روزے رکھنا ہے' بیماری یا سر کی تکلیف کی وجہ سے حالت احرام میں سر منڈوانے اور خلاف احرام کام کرنے والے کے فدیے میں بھی روزے یا صدقہ یا قربانی کا حکم ہے۔ قسم کے کفارے میں درمیانی درجہ کا کھانا دس مسکینوں کا یا ان کا کپڑا یا ایک غلام کو آزاد کرنا ہے۔ تو جس طرح یہاں ان صورتوں میں سے کسی ایک کے پسند کر لینے کا اختیار ہے' اسی طرح ایسے محارب' مرتد لوگوں کی سزا بھی یا تو قتل ہے یا ہاتھ پاؤں الٹی طرح سے کاٹنا ہے یا جلا وطن کرنا۔ اور جمہور کا قول ہے کہ یہ آیت کئی احوال میں ہے' جب ڈاکو قتل و غارت دونوں کے مرتکب ہوئے ہوں تو قابل دار اور گردن زدنی ہیں اور جب صرف قتل سرزد ہوا ہو تو قتل کا بدلہ صرف قتل ہے اور اگر فقط مال لیا ہو تو ہاتھ پاؤں الٹے سیدھے کاٹ دیئے جائیں گے اور اگر راستے پر خطر کر دیئے ہوں' لوگوں کو خوف زدہ کر دیا ہو اور کسی گناہ کے مرتکب نہ ہوئے ہوں اور گرفتار کر لیے جائیں تو صرف جلا وطنی ہے۔ اکثر سلف اور ائمہ کا یہی مذہب ہے پھر بزرگوں نے اس میں بھی اختلاف کیا ہے کہ آیا سولی پر لٹکا کر یونہی چھوڑ دیا جائے کہ بھوکا پیاسا مر جائے؟ یا نیزے وغیرہ سے قتل کر دیا جائے؟ یا پہلے قتل کر دیا جائے پھر سولی پر لٹکایا جائے تاکہ اور لوگوں کو عبرت حاصل ہو؟ اور کیا تین دن تک سولی پر رہنے دے کر پھر اتار لیا جائے؟ یا یونہی چھوڑ دیا جائے لیکن تفسیر کا یہ موضوع نہیں کہ ہم ایسے جزئی اختلافات میں پڑیں اور ہر ایک دلیلیں وغیرہ وارد کریں۔ ہاں ایک حدیث میں کچھ تفصیل سزا ہے' اگر اس کی سند صحیح ہو تو وہ یہ کہ حضور ﷺ نے جب ان محاربین کے بارے میں حضرت جبرائیل علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا ''جنہوں نے مال چرایا اور راستوں کو خطرناک بنا دیا ان کے ہاتھ تو چوری کے بدلے کاٹ دیجیے اور جس نے قتل اور دہشت گردی پھیلائی اور بدکاری کا ارتکاب کیا ہے' اسے سولی چڑھا دو۔

فرمان ہے کہ زمین سے الگ کر دیئے جائیں یعنی انہیں تلاش کر کے ان پر حد قائم کی جائے یا وہ دارالاسلام سے بھاگ کر کہیں چلے جائیں یا یہ کہ ایک شہر سے دوسرے شہر اور دوسرے سے تیسرے شہر انہیں بھیج دیا جاتا رہے یا یہ کہ اسلامی سلطنت سے بالکل ہی خارج کر دیا جائے''۔ شعبی رحمہ اللہ تو نکال ہی دیتے تھے۔ اور عطا خراسانی کہتے ہیں ایک لشکر میں سے دوسرے لشکر میں پہنچا دیا جائے یونہی کئی سال تک مارا مارا پھرایا جائے لیکن دارالاسلام سے باہر نہ کیا جائے۔ ابو حنیفہ اور ان کے اصحاب کہتے ہیں ''اسے جیل خانے میں ڈال دیا جائے''۔ ابن جریر کا مختار قول یہ ہے کہ ''اسے اس کے شہر سے نکال کر کسی دوسرے شہر کے جیل خانے میں ڈال دیا جائے''۔ ''ایسے لوگ دنیا میں ذلیل و رذیل اور آخرت میں بڑے بھاری عذابوں میں گرفتار ہوں گے''۔ آیت کا یہ ٹکڑا تو ان لوگوں کی تائید کرتا ہے جو کہتے ہیں کہ یہ آیت مشرکوں کے بارے میں اتری ہے اور مسلمانوں کے بارے میں وہ صحیح حدیث ہے جس میں ہے کہ حضور ﷺ نے ہم سے ویسے ہی عہد لیے جیسے عورتوں سے لیے تھے کہ ''ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں' چوری نہ کریں' زنا نہ کریں' اپنی اولادوں کو قتل نہ کریں' ایک دوسرے کی نافرمانی نہ کریں جو اس وعدے کو نبھائے' اسکا اجر اللہ کے ذمے ہے اور جو ان میں سے کسی گناہ کے ساتھ آلودہ ہو جائے پھر اگر اسے سزا ہو گئی تو وہ سزا کفارہ بن جائے گی اور اگر اللہ تعالیٰ نے پردہ پوشی کر لی تو اس امر کا اللہ ہی مختار ہے اگر چاہے عذاب کرے' اگر

چاہے چھوڑ دے''۔ [1] اور حدیث میں ہے''جس کسی نے کوئی گناہ کیا پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ڈھانپ لیا اور اس سے چشم پوشی کر لی تو اللہ کی ذات اور اس کا رحم وکرم اس سے بہت بلند و بالا ہے' معاف کیے ہوئے جرائم کو دوبارہ کرنے پہ اسے دنیوی سزا ملے گی' اگر بے توبہ مر گئے تو آخرت کی وہ سزائیں باقی ہیں جن کا اس وقت صحیح تصور بھی محال ہے ہاں توبہ نصیب ہو جائے تو اور بات ہے''۔ [2] پھر توبہ کرنے والوں کی نسبت جو فرمایا ہے''اس کا اظہار اس صورت میں تو صاف ہے کہ اس آیت کو مشرکوں کے بارے میں نازل شدہ مانا جائے۔ لیکن جو مسلمان مغرور ہوں اور وہ قبضے میں آنے سے پہلے توبہ کر لیں تو ان سے قتل اور سولی اور پاؤں کاٹنا تو ہٹ جاتا ہے لیکن ہاتھ کا کٹنا بھی ہٹ جاتا ہے یا نہیں' اس میں علماء کے دو قول ہیں' آیت کے ظاہری الفاظ سے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ سب کچھ ہٹ جائے' صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل بھی اسی پر ہے۔ چنانچہ حارثہ بن بدر تیمی بصری نے زمین میں فساد کیا' مسلمانوں سے لڑا' اس بارے میں چند قریشیوں نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے سفارش کی' جن میں حضرت حسن بن علی' حضرت عبداللہ بن عباس' حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہم بھی تھے لیکن آپ نے اسے امن دینے سے انکار کر دیا۔ وہ سعید بن قیس ہمدانی کے پاس آیا' آپ نے اپنے گھر میں اسے ٹھہرایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس آئے اور کہا بتایئے تو جو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے لڑے اور زمین میں فساد کی سعی کرے پھر ان آیتوں کی ﴿قَبْلَ اَنْ تَقْدِرُوْا عَلَيْهِمْ﴾ تک تلاوت کی تو آپ نے فرمایا میں تو ایسے شخص کو امن لکھ دوں گا' حضرت سعید رضی اللہ عنہ نے فرمایا یہ جاریہ بن بدر ہے' چنانچہ جاریہ نے اس کے بعد ان کی مدح میں اشعار بھی کہے ہیں۔

قبیلہ مراد کا ایک شخص حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے پاس کوفہ کی مسجد میں جہاں کے یہ گورنر تھے' ایک فرض نماز کے بعد آیا اور کہنے لگا اے امیر کوفہ فلاں بن فلاں مرادی قبیلے کا ہوں' میں نے اللہ اور اس کے رسول سے لڑائی لڑی' زمین میں فساد کی کوشش کی لیکن آپ لوگ مجھ پر قدرت پائیں' اس سے پہلے میں تائب ہو گیا اب میں آپ سے پناہ حاصل کرنے والے کی جگہ پر کھڑا ہوں۔ اس پر حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور فرمایا اے لوگو! تم میں سے کوئی اب اس توبہ کے بعد اس سے کسی طرح کی برائی نہ کرے' اگر یہ سچا ہے تو الحمد للہ اور یہ جھوٹا ہے تو اس کے گناہ ہی اسے ہلاک کر دیں گے۔ یہ شخص ایک مدت تک تو ٹھیک رہا لیکن پھر بغاوت کر گیا' اللہ نے بھی اس کے گناہوں کے بدلے اسے غارت کر دیا اور یہ مار ڈالا گیا۔ علی نامی ایک اسدی شخص نے بھی گزرگاہوں میں دہشت پھیلا دی' لوگوں کو قتل کیا' مال لوٹا' بادشاہ لشکر اور رعایا نے ہر چند اسے گرفتار کرنا چاہا' لیکن یہ ہاتھ نہ لگا۔ ایک

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب الحدود کفارات لاھلھا (١٧٠٩)]

[2] [ضعیف : ترمذی : کتاب الایمان : باب ماجاء لایزنی الزانی وھو مؤمن (٢٦٢٦) ابن ماجہ : کتاب الحدود : باب الحد کفارۃ (٢٦٠٤) مسند احمد (٩٩/١) دارقطنی (٢١٥/٣) حاکم (٤٤٥/٢)] امام حاکمؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔ [الموسوعۃ الحدیثیۃ (٧٧٥)] تاہم شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف الجامع (٥٤٢٣) الروض النضیر (٧٠٥)] حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے اور فرمایا ہے کہ اس میں ابواسحاق راوی مدلس ہے اور تصریح بالسماع نہیں۔]

مرتبہ یہ جنگل میں تھا' ایک شخص کو قرآن پڑھتے سنا اور وہ اس وقت یہ آیت تلاوت کر رہا تھا ﴿قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا﴾ [1] الخ' یہ اسے سن کر رک گیا اور اس سے کہا اے اللہ کے بندے یہ آیت مجھے دوبارہ سنا' اس نے پھر پڑھی اللہ کی اس آواز کو سن کر کہ وہ فرماتا ہے اے میرے گنہگار بندو تم میری رحمت سے ناامید نہ ہو جاؤ' میں سب گناہوں کو بخشنے پر قادر ہوں میں غفور ورحیم ہوں۔ اس شخص نے جھٹ سے اپنی تلوار میان میں کر لی' اسی وقت سچے دل سے توبہ کی اور صبح کی نماز سے پہلے مدینے پہنچ گیا' غسل کیا اور مسجد نبوی میں نماز صبح جماعت کے ساتھ ادا کی اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے پاس جو لوگ بیٹھے تھے' ان ہی میں ایک طرف یہ بھی بیٹھ گیا۔ جب دن کا اجالا ہوا تو لوگوں نے اسے دیکھ کر پہچان لیا کہ یہ تو سلطنت کا باغی' بہت بڑا مجرم اور مفرور شخص علی اسدی ہے' سب نے چاہا کہ اسے گرفتار کر لیں۔ اس نے کہا سنو بھائیو! تم مجھے گرفتار نہیں کر سکتے' اس لیے کہ مجھ پر تمہارے قابو پانے سے پہلے ہی میں تو توبہ کر چکا ہوں بلکہ توبہ کے بعد خود تمہارے پاس آ گیا ہوں' حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا! یہ سچ کہتا ہے اور اس کا ہاتھ پکڑ کر مروان بن حکم کے پاس لے چلے' یہ اس وقت حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے مدینے کے گورنر تھے، وہاں پہنچ کر فرمایا کہ یہ علی اسدی ہیں' یہ توبہ کر چکے ہیں' اس لیے اب تم انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے۔ چنانچہ کسی نے اس کے ساتھ کچھ نہ کیا' جب مجاہدین کی ایک جماعت رومیوں سے لڑنے کے لیے چلی تو ان مجاہدوں کے ساتھ یہ بھی ہو لئے' سمندر میں ان کی کشتی جا رہی تھی کہ سامنے سے چند کشتیاں رومیوں کی آ گئیں' یہ اپنی کشتی میں سے رومیوں کی گردنیں مارنے کے لیے ان کی کشتی میں کود گئے' ان کی آبدار خارا شگاف تلوار کی چمک کی تاب رومی نہ لا سکے اور نامردی سے ایک طرف کو بھاگے' یہ بھی ان کے پیچھے اسی طرف چلے چونکہ سارا بوجھ ایک طرف ہو گیا' اس لیے کشتی الٹ گئی' جس سے وہ سارے رومی کفار ہلاک ہو گئے اور حضرت علی اسدی رحمہ اللہ بھی ڈوب کر شہید ہو گئے [2] (اللہ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے۔ آمین)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَابْتَغُوْٓا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَجَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝٣٥ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ اَنَّ لَهُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا وَّمِثْلَهٗ مَعَهٗ لِيَفْتَدُوْا بِهٖ مِنْ عَذَابِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ مَا تُقُبِّلَ مِنْهُمْ ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۝٣٦ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنَ النَّارِ وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنْهَا ۡ وَلَهُمْ عَذَابٌ مُّقِيْمٌ ۝٣٧

مسلمانو! اللہ تعالیٰ سے ڈرتے رہا کرو اور اس کی طرف نزدیکی کی جستجو کرتے رہو اور اس کی راہ میں جہاد کیا کرو تا کہ تمہارا بھلا ہو○ یقین مانو کہ کافروں کے لیے اگر وہ سب کچھ ہو جو ساری زمین میں ہے بلکہ اسی جتنا اور بھی ہو اور وہ اس سب کو قیامت کے دن عذابوں کے بدلے فدیے میں دینا چاہئیں تو بھی ناممکن ہے کہ ان کا یہ فدیہ قبول کر لیا جائے۔ ان کے

---

[1] [سورۃ الزمر: آیت ٥٣]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٠/٣٨٤)]

لیے دردناک عذاب ہی ہیں ○ یہ چاہیں گے کہ دوزخ میں سے نکل جائیں لیکن یہ ہرگز اس میں سے نہ نکل سکیں گے ان کے لیے تو دوامی عذاب ہیں ○

تقویٰ نجات کا ذریعہ: تقوے کا حکم ہو رہا ہے اور وہ بھی اطاعت سے ملا ہوا۔ مطلب یہ ہے کہ اللہ کے منع کردہ کاموں سے جو شخص رکا رہے' اس کی طرف قربت یعنی نزدیکی تلاش کرے۔ وسیلے کے یہی معنی حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول ہیں۔ حضرت مجاہد' حضرت ابووائل' حضرت حسن' حضرت ابن زید اور بہت سے مفسرین رحمہم اللہ سے بھی مروی ہے۔ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کی اطاعت اور اس کی مرضی کے اعمال کرنے سے اس سے قریب ہوتے جاؤ۔ ابن زید نے یہ آیت بھی پڑھی ﴿اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ يَبْتَغُوْنَ اِلٰى رَبِّهِمُ الْوَسِيْلَةَ﴾ [1] جنہیں یہ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے رب کی نزدیکی کی جستجو میں لگے ہوئے ہیں۔ ان ائمہ نے وسیلے کے جو معنی اس آیت میں کیے ہیں اس پر سب مفسرین کا گویا اجماع ہے' اس میں کسی ایک کو بھی اختلاف نہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اس پر ایک عربی شعر بھی وارد کیا ہے' جس میں وسیلہ معنی قربت اور نزدیکی کے مستعمل ہوا ہے۔ وسیلے کے معنی اس چیز کے ہیں جس سے مقصود کے حاصل کرنے کی طرف پہنچا جائے اور وسیلہ جنت کی اس اعلیٰ اور بہترین منزل کا نام ہے جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ ہے۔ عرش سے بہت زیادہ قریب یہی درجہ ہے۔ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے ''جو شخص اذان سن کر ﴿اَللّٰهُمَّ رَبَّ هٰذِهِ الدَّعْوَةِ التَّآمَّةِ﴾ الخ' پڑھے اس کے لیے میری شفاعت حلال ہو جاتی ہے''۔ [2] مسلم کی حدیث میں ہے ''جب تم اذان سنو تو جو موذن کہہ رہا ہو' وہی تم بھی کہو' پھر مجھ پر درود بھیجو' ایک درود کے بدلے تم پر اللہ تعالیٰ دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔ پھر میرے لیے اللہ تعالیٰ سے وسیلہ طلب کرو' وہ جنت کا ایک درجہ ہے' جسے صرف ایک ہی بندہ پائے گا' مجھے امید ہے کہ وہ بندہ میں ہی ہوں۔ پس جس نے میرے لیے وسیلہ طلب کیا' اس کے لیے میری شفاعت واجب ہو گئی''۔ [3] مسند احمد میں ہے ''جب تم مجھ پر درود پڑھو تو میرے لیے وسیلہ مانگو' پوچھا گیا کہ وسیلہ کیا ہے؟ فرمایا جنت کا سب سے بلند درجہ جسے صرف ایک شخص ہی پائے گا اور مجھے امید ہے کہ وہ شخص میں ہوں''۔ [4] طبرانی میں ہے ''تم اللہ سے دعا کرو کہ اللہ مجھے وسیلہ عطا فرمائے

---

[1] [سورة الاسراء : آيت ٥٧]

[2] **[صحيح :** صحيح بخاري : كتاب الاذان : باب الدعاء عند النداء (٦١٤) ، (٤٧١٩) ابو داؤد: كتاب الصلاة : باب ماجآء في الدعاء عند الاذان (٥٢٩) نسائي : كتاب الاذان : باب الدعاء عند الاذان (٦٨١) ابن ماجه : كتاب الاذان : باب مايقول اذا اذن المؤذن (٧٢٢) ترمذي : كتاب الصلاة : باب منه آخر (٢١١) مسند احمد (٣/٣٥٤)]

[3] **[صحيح :** صحيح مسلم : كتاب الصلاة : باب استحباب القول مثل قول المؤذن (٣٨٤) نسائي : كتاب الاذان : باب الصلاة على النبي بعد الاذان (٦٧٩) ابو داؤد (٥٢٣) ترمذي : كتاب المناقب (٣٦١٤) مسند احمد (٢/١٦٨)]

[4] **[صحيح بالشواهد :** ترمذي : كتاب المناقب (٣٦١٢) مسند احمد (٢/٣٦٥) مسند ابويعلى (٦٤١٤) عبد الرزاق (٣١٢٠)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[المشكاة (٥٧٦٧) صحيح ترمذي (٢٨٥٧)]

جوشخص دنیامیں میرے لیے یہ دعا کرے گا' میں اس پر گواہ یا اس کا سفارشی قیامت کے دن بن جاؤں گا"۔ [1] اور حدیث میں ہے" وسیلے سے بڑا درجہ جنت میں کوئی نہیں۔لہٰذا تم اللہ تعالیٰ سے میرے لیے وسیلے کے ملنے کی دعا کرو"۔ [2] ایک غریب اور منکر حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ لوگوں نے آپ سے پوچھا کہ اس وسیلے میں آپ کے ساتھ اور کون ہوں گے؟ تو آپ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اور حسن حسین رضی اللہ عنہما کا نام لیا۔ [3] ایک اور بہت غریب روایت میں ہے کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے کوفہ کے منبر پر فرمایا کہ جنت میں دو موتی ہیں' ایک سفید ایک زرد' زرد تو عرش تلے ہے اور مقام محمود سفید موتی کا ہے' جس میں ستر ہزار بالاخانے ہیں' جن میں سے ہر ہر گھر تین میل کا ہے۔اس کے دریچے دروازے تخت وغیرہ سب کے سب گویا ایک ہی جڑ سے ہیں۔اسی کا نام وسیلہ ہے' یہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی اہل بیت کے لیے ہے۔ [4]

تقویٰ کا یعنی ممنوعات سے رکنے کا اور حکم احکام کے بجالانے کا حکم دے کر پھر فرمایا کہ" اس کی راہ میں جہاد کرو' مشرکین وکفار کو جو اس کے دشمن ہیں اس کے دین سے الگ ہیں' اس کی سیدھی راہ سے بھٹک گئے ہیں' انہیں قتل کرو۔ایسے مجاہدین بامراد ہیں' فلاح وصلاح سعادت وشرافت انہی کے لیے ہے' جنت کے بلند بالاخانے اور اللہ کی بے شمار نعمتیں انہی کے لیے ہیں' یہ اس جنت میں پہنچائے جائیں گے' جہاں موت وفوت نہیں' جہاں کمی اور نقصان نہیں' جہاں ہمیشگی کی جوانی اور ابدی صحت اور دوامی عیش وعشرت ہے"۔

اپنے دوستوں کا نیک انجام بیان فرما کر اب اپنے دشمنوں کا برا نتیجہ ظاہر فرماتا ہے کہ" ایسے سخت اور بڑے عذاب انہیں ہو رہے ہوں گے کہ اگر اس وقت روئے زمین کے مالک ہوں بلکہ اتنا ہی اور بھی ہو تو ان عذابوں سے بچنے کے لیے بطور بدلے کے سب دے ڈالیں لیکن اگر ایسا ہو بھی جائے تو بھی ان سے اب فدیہ قبول نہیں بلکہ جو عذاب ان پر ہیں' وہ دائمی اور ابدی اور دوامی ہیں"۔ جیسے اور جگہ ہے کہ" جہنمی جب جہنم میں سے نکلنا چاہئیں گے تو پھر دوبارہ اسی میں لوٹا دیئے جائیں گے الخ۔بھڑکتی ہوئی آگ کے شعلوں کے ساتھ اوپر آجائیں گے کہ داروغے انہیں لوہے کے ہتھوڑے مار مار کر پھر قعر جہنم میں گرادیں گے۔غرض ان دائمی عذابوں سے چھٹکارا محال ہے"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں" ایک جہنمی کو لایا جائے گا پھر اس سے پوچھا جائے گا کہ اے ابن آدم کہو تمہاری جگہ کیسی

---

[1] [حسن : طبرانی اوسط (٦٣٧) مجمع الزوائد (٣٣٨/٩) الترغيب والترهيب (٢٥٨/١)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح الترغیب (٢٥٢)]

[2] [صحیح : طبرانی اوسط (٢٦٠)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح الجامع الصغیر (٧١٥١) السلسلة الصحيحة (٣٥٧١)] شیخ مصطفیٰ السید شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔جبکہ شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (١١٧٨٣)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف جدا : اس کی سند میں حارث اعور اور عبدالحمید راوی ضعیف ہے۔شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔]

[4] [موقوف ضعیف : اس کی سند میں سعد بن طریف راوی ضعیف ہے۔[میزان (٣١١٨)]

ہے؟ وہ کہے گا بدترین اور سخت ترین۔ اس سے پوچھا جائے گا کہ اس سے چھوٹنے کے لیے تو کیا کچھ خرچ کر دینے پر راضی ہے؟ وہ کہے گا ساری زمین بھر کا سونا دے کر بھی میں یہاں سے چھوٹوں تو بھی سستا چھوٹا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا جھوٹا ہے میں نے تو تجھ سے اس سے بہت ہی کم مانگا تھا لیکن تو نے کچھ بھی نہ کیا۔ پھر حکم دیا جائے گا اور اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا''۔ [1] (مسلم) ایک مرتبہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ فرمان بیان کیا کہ ایک قوم جہنم میں سے نکال کر جنت میں پہنچائی جائے گی۔ اس پر ان کے شاگرد حضرت یزید فقیر رحمہ اللہ نے پوچھا کہ پھر اس آیت قرآنی کا کیا مطلب ہے؟ کہ ﴿یُرِیْدُوْنَ اَنْ یَّخْرُجُوْا مِنْهَا﴾ الخ، یعنی وہ جہنم سے آزاد ہونا چاہیں گے لیکن وہ آزاد ہونے والے نہیں تو آپ نے فرمایا اس سے پہلے کی آیت ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا﴾ الخ، پڑھو جس سے صاف ہو جاتا ہے۔ کہ یہ کافر لوگ ہیں یہ کبھی نہ نکلیں گے [2] (مسند وغیرہ) دوسری روایت میں ہے کہ یزید رحمہ اللہ کا خیال یہی تھا کہ جہنم میں سے کوئی بھی نہ نکلے گا اس لیے یہ سن کر انہوں نے حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ مجھے اور لوگوں پر تو افسوس نہیں ہاں آپ صحابیوں پر افسوس ہے کہ آپ بھی قرآن کے الٹ کہتے ہیں اس وقت مجھے بھی غصہ آ گیا تھا اس پر ان کے ساتھیوں نے مجھے ڈانٹا لیکن حضرت جابر رضی اللہ عنہ بہت ہی حلیم الطبع تھے انہوں نے سب کو روک دیا اور مجھے سمجھایا کہ قرآن میں جن کا جہنم سے نہ نکلنے کا ذکر ہے وہ کفار ہیں۔ تم نے قرآن نہیں پڑھا؟ میں نے کہا ہاں مجھے سارا قرآن یاد ہے؟ کہا پھر کیا یہ آیت قرآن میں نہیں ہے؟ ﴿وَمِنَ الَّیْلِ فَتَهَجَّدْ بِهٖ﴾ [3] الخ، اس میں مقام محمود کا ذکر ہے یہی مقام شفاعت ہے۔ اللہ تعالیٰ بعض لوگوں کو جہنم میں ان کی خطاؤں کی وجہ سے ڈالے گا اور جب تک چاہے انہیں جہنم میں ہی رکھے گا پھر جب چاہے گا انہیں اس سے آزاد کر دے گا۔ حضرت یزید رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد سے میرا خیال ٹھیک ہو گیا۔ [4] حضرت طلق بن حبیب رحمہ اللہ کہتے ہیں میں بھی منکر شفاعت تھا یہاں تک کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے ملا اور اپنے دعوے کے ثبوت میں جن جن آیتوں میں جہنم کے ہمیشہ رہنے والوں کا ذکر ہے سب پڑھ ڈالیں تو آپ نے سن کر فرمایا! اے طلق کیا تم اپنے تئیں کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم میں مجھ سے افضل جانتے ہو؟ سنو جتنی آیتیں تم نے پڑھی ہیں وہ سب اہل جہنم کے بارے میں ہیں یعنی مشرکوں کے لیے۔ لیکن جو لوگ نکلیں گے یہ وہ لوگ ہیں جو مشرک نہ تھے لیکن گنہگار تھے گناہوں کے بدلے سزا بھگت لی پھر جہنم سے نکال دیئے گئے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہ سب فرما کر اپنے دونوں ہاتھوں سے اپنے دونوں کانوں کی طرف اشارہ کر کے فرمایا یہ دونوں بہرے ہو جائیں اگر میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ نہ سنا ہو کہ جہنم میں داخل ہونے کے بعد بھی لوگ اس میں سے نکالے جائیں گے اور وہ جہنم سے

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب من نوقش الحساب عذب (٦٥٣٨) صحیح مسلم : کتاب صفات المنافقین : باب طلب الکافر فداء بملء الارض ذهبا (٢٨٠٥) مسند احمد (٢١٨/٣)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب ادنی اهل الجنة منزلة فیها (١٩١) مسند احمد (٣٥٥/٣)]

[3] [سورة الاسرار: آیت ٧٩]

[4] [ضعیف : اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں مبارک بن فضالہ راوی قوی نہیں۔]

آزاد کر دیئے جائیں گے قرآن کی یہ آیتیں جس طرح تم پڑھتے ہو ہم بھی پڑھتے ہی ہیں۔ [1]

وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْٓا اَيْدِيَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ۝ فَمَنْ تَابَ مِنْۢ بَعْدِ ظُلْمِهٖ وَاَصْلَحَ فَاِنَّ اللّٰهَ يَتُوْبُ عَلَيْهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ يُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ وَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝

چوری کرنے والے مرد و عورت کے ہاتھ کاٹ دیا کرو بدلہ اس کا جو انہوں نے کیا یہ تنبیہ اللہ کی طرف سے اور اللہ قوت وحکمت والا ہے ○ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کر لے اور اصلاح کر لے تو اللہ تعالیٰ رحمت کے ساتھ اس کی طرف لوٹتا ہے یقیناً اللہ تعالیٰ معاف فرمانے والا مہربانی کرنے والا ہے ○ کیا تجھے معلوم نہیں؟ کہ اللہ ہی کے لیے آسمان وزمین کی بادشاہت ہے جسے چاہے سزا دے اور جسے چاہے معاف فرما دے اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے ○

چوری کی حد کا بیان: حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات میں ﴿فَاقْطَعُوْٓا اَيْمَانَهُمَا﴾ ہے لیکن یہ قرات شاذ ہے گو عمل اسی پر ہے لیکن وہ عمل اس قرات کی وجہ سے نہیں بلکہ دوسرے دلائل کی بنا پر ہے۔ چور کے ہاتھ کاٹنے کا طریقہ اسلام سے پہلے بھی تھا اسلام نے اسے تفصیل وار اور منظم کر دیا اسی طرح قسامت دیت فرائض کے مسائل بھی پہلے تھے لیکن غیر منظم اور ادھورے۔ اسلام نے انہیں ٹھیک ٹھاک کر دیا۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ سب سے پہلے دویک نامی ایک خزاعی شخص کے ہاتھ چوری کے الزام میں قریش نے کاٹے تھے اس نے کعبے کا غلاف چرایا تھا اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ چوروں نے اس کے پاس رکھ دیا تھا۔ بعض فقہاء کا خیال ہے کہ چوری کی چیز کی کوئی حد نہیں تھوڑی ہو یا بہت محفوظ جگہ سے لی ہو یا غیر محفوظ جگہ سے بہر صورت ہاتھ کاٹا جائے گا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ یہ آیت عام ہے تو ممکن ہے اس قول کا یہی مطلب ہو اور دوسرے مطالب بھی ممکن ہیں۔ ایک دلیل ان حضرات کی یہ حدیث بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ چور پر لعنت کرے کہ انڈا چراتا ہے اور ہاتھ کٹواتا ہے رسی چرائی ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے۔ [2] جمہور علماء کا مذہب یہ ہے کہ چوری کے مال کی حد مقرر ہے۔ گو اس کی حد کے تقرر میں اختلاف ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ کہتے ہیں تین درہم سکے والے خالص یا ان کی قیمت یا زیادہ کی کوئی چیز چنانچہ صحیح بخاری مسلم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ڈھال کی چوری پر ہاتھ کاٹنا مروی ہے اور اس کی قیمت

---

[1] [**ضعیف** : الادب المفرد (٨١٨) مشکل الآثار (٥٦٦٨)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند سعید بن مہلب کی جہالت کی وجہ سے ضعیف ہے۔[الموسوعة الحديثية (٤٠٥/٢٢)]

[2] [**صحیح** : صحيح بخاري : كتاب الحدود : باب لعن السارق (٦٧٨٣) صحيح مسلم : كتاب الحدود : باب حد السرقة ونصابها (١٦٨٧) ابن ماجه : كتاب الحدود : باب حد السارق (٢٥٨٣) نسائي : كتاب قطع السارق : باب تعظيم السرقة (٤٨٧٧) مسند احمد (٢٥٣/٢)]

اتنی ہی تھی۔ ① حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اترنج کے چور کے ہاتھ کاٹے تھے جبکہ وہ تین درہم کی قیمت کا تھا۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ فعل گویا صحابہ رضی اللہ عنہم کا اجماع سکوتی ہے اور اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ پھل کے چور کے ہاتھ بھی کاٹے جائیں گے۔ حنفیہ اسے نہیں مانتے اور ان کے نزدیک چوری کے مال کا دس درہم کی قیمت کا ہونا ضروری ہے۔ اس میں شافعیہ کا اختلاف ہے پاؤ یا دینار کے تقرر میں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ پاؤ دینار کی قیمت کی چیز ہو یا اس سے زیادہ۔ ان کی دلیل بخاری و مسلم کی حدیث ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چور کا ہاتھ پاؤ دینار میں پھر جو اس سے اوپر ہو اس میں کاٹنا چاہیے۔ ② مسلم کی ایک حدیث میں ہے چور کا ہاتھ نہ کاٹا جائے مگر پاؤ دینار پھر اس سے اوپر میں۔ ③ پس یہ حدیث اس مسئلے کا صاف فیصلہ کر دیتی ہے اور جس حدیث میں تین درہم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے ہاتھ کاٹنے کو فرمانا مروی ہے وہ اس کے خلاف نہیں اس لیے کہ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا۔ پس اصلی چوتھائی دینار ہے نہ کہ تین درہم۔ حضرت عمر بن خطاب، حضرت عثمان بن عفان، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہم بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز، لیث بن سعد، اوزاعی، شافعی، اسحاق بن راہویہ، ابوثور، داود بن علی ظاہری رحمہم اللہ کا بھی یہی قول ہے۔ ایک روایت میں امام اسحٰق بن راہویہ اور امام احمد بن حنبل رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ خواہ ربع دینار ہو خواہ تین درہم دونوں ہی ہاتھ کاٹنے کا نصاب ہے۔ مسند احمد کی ایک حدیث میں ہے چوتھائی دینار کی چوری پر ہاتھ کاٹ دو اس سے کم میں نہیں۔ اس وقت دینار بارہ درہم کا تھا تو چوتھائی دینار تین درہم کا ہوا۔ ④ نسائی میں ہے چور کا ہاتھ ڈھال کی قیمت سے کم میں نہ کاٹا جائے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا ڈھال کی قیمت کیا ہے؟ فرمایا پاؤ دینار۔ ⑤ پس ان تمام احادیث سے صاف صاف ثابت ہو رہا ہے کہ دس درہم شرط لگانی کھلی غلطی ہے واللہ اعلم۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں نے کہا ہے کہ جس ڈھال کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں چور کا ہاتھ کاٹا گیا اس کی قیمت نو درہم تھی چنانچہ ابوبکر بن شیبہ میں یہ موجود ہے ⑥ اور

---

① [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب قول اللہ والسارق والسارقة فقطعوا ایدیھما (٦٧٩٥) صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب حد السرقة ونصابھا (١٦٨٦) نسائی : کتاب قطع السارق (٤٩١٢) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب مایقطع فیه السارق (٤٣٨٥)]

② [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب قول اللہ تعالی والسارق والسارقة (٦٧٨٩) صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب حد السرقة ونصابھا (١٦٨٤) ابن ماجه : کتاب الحدود : باب حد السارق (٢٥٨٥) مسند احمد (١٦٣/٦)]

③ [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب حد السرقة ونصابھا (١٦٨٤)]

④ [**صحیح** : مسند احمد (٨٠/٦)] شیخ البانی رحمہ اللہ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [ارواء الغلیل (٢٤٠٢)]

⑤ [**صحیح لغیرہ** : نسائی : کتاب قطع السارق : باب ذکر اختلاف ابی بکر بن محمد (٤٩٣٩)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح لغیرہ قرار دیا ہے۔ [صحیح نسائی (٤٥٨٣)] حافظ زبیر علی زئی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

⑥ [**ضعیف** : ابن ابی شیبة (٤٦٥/٦) مسند ابو یعلی (٢٤٩٥) دارقطنی (١٩٢/٣) مستدرك حاکم (٣٧٨/٤)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود (٩٤٤) ضعیف نسائی (٣٦١)]

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے۔ عبداللہ بن عباس اور عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہم مخالفت کرتے رہے ہیں اور حدود کے بارے میں احتیاط پر عمل کرنا چاہیے اور احتیاط زیادتی میں ہے اس لیے دس درہم نصاب ہم نے مقرر کیا ہے۔ بعض سلف کہتے ہیں کہ دس درہم یا ایک دینار حد ہے علی، ابن مسعود رضی اللہ عنہما، ابراہیم نخعی، ابوجعفر باقر رحمۃ اللہ علیہما سے یہی مروی ہے۔

سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں پانچوں نہ کاٹی جائیں مگر پانچ دینار یا پچاس درہم کی قیمت کے برابر کے مال کی چوری میں۔ ظاہر یہ کا مذہب ہے کہ ہر تھوڑی بہت چیز کی چوری پر ہاتھ کٹے گا انہیں جمہور نے یہ جواب دیا کہ اولاً تو یہ اطلاق منسوخ ہے لیکن یہ جواب ٹھیک نہیں اس لیے کہ تاریخ نسخ کا کوئی یقینی عمل نہیں۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ انڈے سے مراد لوہے کا انڈا ہے اور رسی سے مراد کشتیوں کے قیمتی رسے ہیں۔ [1] تیسرا جواب یہ ہے کہ یہ فرمان باعتبار نتیجے کے ہے یعنی ان چھوٹی چھوٹی معمولی سی چیزوں سے چوری شروع کرتا ہے آخر قیمتی چیزیں چرانے لگتا ہے اور ہاتھ کاٹا جاتا ہے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا یہ فرمان بہ طور واقعہ کے بیان ہو۔ ایام جاہلیت میں ہر چھوٹی سی چیز کی چوری پر بھی ہاتھ کاٹ دیا جاتا تھا تو گویا حضور ﷺ بطور افسوس کے اور چور کو نادم کرنے کے فرما رہے ہیں کہ کیسا ذلیل اور بے خوف انسان ہے کہ معمولی چیز کے لیے ہاتھ جیسی نعمت سے محروم ہوجاتا ہے۔ مذکور ہے کہ ابوالعلاء معری جب بغداد میں آیا تو اس نے اس بارے میں بڑے اعتراض شروع کیے اور اس کے جی میں یہ خیال بیٹھ گیا کہ میرے اس اعتراض کا جواب کسی سے نہیں ہوسکتا تو اس نے ایک شعر کہا کہ اگر ہاتھ کاٹ ڈالا جائے تو دیت میں پانچ سو دلوائیں اور پھر اسی ہاتھ کو پاؤ دینار کی چوری پر کٹوادیں یہ ایسا تناقض ہے کہ ہماری سمجھ میں تو آتا ہی نہیں خاموش ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمارا مولا ہمیں جہنم سے بچائے۔ لیکن جب اس کی یہ بکواس مشہور ہوئی تو علماء کرام نے اسے جواب دینا چاہا تو یہ بھاگ گیا پھر جواب بھی مشہور کردیئے گئے۔ قاضی عبدالوہاب نے جواب دیا تھا کہ جب تک ہاتھ امین تھا تب تک ثمین یعنی قیمتی تھا اور جب یہ خائن ہوگیا اس نے چوری کرلی تو اس کی قیمت گھٹ گئی۔ بعض بزرگوں نے اسے قدرے تفصیل سے جواب دیا تھا کہ اس سے شریعت کی کامل حکمت ظاہر ہوتی ہے اور دنیا کا امن وامان قائم ہوتا ہے، جو کسی کا ہاتھ بے وجہ کاٹ ڈالے اس پر بڑا جرمانہ رکھا تاکہ لوگ اس برے فعل سے بچیں وہاں یہی حکم مناسب تھا، چوری میں تھوڑی سی چیز پر اسے کاٹ دینے کا حکم دیا تاکہ چوری کا دروازہ اس خوف سے بند ہوجائے۔ پس یہ تو عین حکمت ہے اگر چوری میں بھی اتنی رقم کی قید لگائی جاتی تو چوریوں کا انسداد نہ ہوتا۔ یہ بدلہ ہے ان کے کرتوت کا۔ مناسب مقام یہی ہے کہ جس عضو سے اس نے دوسرے کو نقصان پہنچایا ہے، اسی عضو پر سزا ہو۔ تاکہ انہیں کافی عبرت حاصل ہو اور دوسروں کو بھی تنبیہ ہوجائے۔

اللہ اپنے انتقام میں غالب ہے اور اپنے احکام میں حکیم ہے۔ جو شخص اپنے گناہ کے بعد توبہ کرلے اور اللہ کی طرف جھک جائے، اللہ اسے اپنا گناہ معاف فرمادیا کرتا ہے۔ ہاں جو مال چوری میں کسی کا لے لیا ہے چونکہ وہ اس شخص کا حق ہے، لہٰذا صرف توبہ کرنے سے وہ معاف نہیں ہوتا تاوقتیکہ وہ مال جس کا ہے اسے نہ پہنچائے یا اس کے

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم (۱٦٨٧)]

بدلے پوری پوری قیمت ادا کرے۔ جمہور ائمہ کا یہی قول ہے' صرف امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ''جب چوری پر ہاتھ کٹ گیا اور مال تلف ہو چکا ہے تو اس کا بدلہ دینا اس پر ضروری نہیں''۔ دار قطنی وغیرہ کی ایک مرسل حدیث میں ہے کہ ''ایک چور حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا' جس نے چادر چرائی تھی' آپ نے اس سے فرمایا' میرا خیال ہے کہ تم نے چوری نہیں کی ہوگی' انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ میں نے چوری کی ہے تو آپ نے فرمایا اسے لے جاؤ اور اس کا ہاتھ کاٹ دو جب ہاتھ کٹ چکا اور آپ کے پاس واپس آئے تو آپ نے فرمایا توبہ کرو' انہوں نے توبہ کی' آپ نے فرمایا اللہ نے تمہاری توبہ قبول فرمالی''۔ (١) ابن ماجہ میں ہے کہ ''حضرت عمر بن سمرہ رضی اللہ عنہما حضور ﷺ کے پاس آکر کہتے ہیں کہ مجھ سے چوری ہوگئی ہے تو آپ مجھے پاک کیجیے' فلاں قبیلے والوں کا اونٹ میں نے چرا لیا ہے۔ آپ نے اس قبیلے والوں کے پاس آدمی بھیج کر دریافت فرمایا تو انہوں نے کہا کہ ہمارا اونٹ تو ضرور گم ہو گیا ہے۔ آپ نے حکم دیا اور ان کا ہاتھ کاٹ ڈالا گیا وہ ہاتھ کٹنے پر کہنے لگے' اللہ کا شکر ہے جس نے تجھے میرے جسم سے الگ کر دیا' تو نے تو میرے سارے جسم کو جہنم میں لے جانا چاہا تھا''۔ (٢) ابن جریر میں ہے کہ ''ایک عورت نے کچھ زیور چرا لیے' ان لوگوں نے حضور ﷺ کے پاس اسے پیش کیا' آپ نے اس کا داہنا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا' جب کٹ چکا تو اس عورت نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا میری توبہ بھی ہے؟ آپ نے فرمایا تم تو ایسی پاک صاف ہو گئیں کہ گویا آج ہی پیدا ہوئی ہو''۔ اس پر آیت ﴿فَمَنْ تَابَ﴾ الخ نازل ہوئی۔ (٣) مسند میں اتنا اور بھی ہے کہ اس وقت اس عورت والوں نے کہا ہم اس کا فدیہ دینے کو تیار ہیں لیکن آپ نے اسے قبول نہ فرمایا اور ہاتھ کاٹنے کا حکم دے دیا۔ (٤) یہ عورت مخزومیہ قبیلے کی تھی اور اس کا یہ واقعہ بخاری و مسلم میں بھی موجود ہے کہ چونکہ یہ بڑے گھرانے کی عورت تھی' لوگوں میں بڑی تشویش پھیلی اور ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے اس کے بارے میں کچھ کہیں سنیں' یہ واقعہ غزوۂ فتح میں ہوا تھا' بالآخر یہ طے ہوا کہ حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما جو رسول اللہ ﷺ کے بہت پیارے ہیں' وہ ان کے بارے میں حضور ﷺ سے سفارش کریں' حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ نے جب اس کی سفارش کی تو حضور ﷺ کو سخت ناگوار گذرا اور غصے سے فرمایا! اسامہ رضی اللہ عنہ تو اللہ کی حدوں میں سے ایک حد کے بارے میں سفارش کر رہا ہے؟ اب تو حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بہت گھبرائے اور کہنے لگے مجھ سے بڑی خطا ہوئی' میرے لیے آپ استغفار کیجیے۔ شام کے وقت اللہ کے رسول ﷺ نے ایک خطبہ سنایا جس میں اللہ تعالیٰ کی پوری

---

(١) [ضعیف : دار قطنی (١٠٢/٣) مستدرك حاکم (٣٨١/٤) شرح معانی الآثار (١٦٨/٣) بیھقی (٢٧٥/٨)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ارواء الغلیل (١٢٠/٨)]

(٢) [ضعیف : ابن ماجه : کتاب الحدود : باب السارق یعترف (٢٥٨٨)] اس کی سند ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔ حافظ بوصیریؒ اور شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[الزوائد (٣١٧/٢) ضعیف ابن ماجه (٥٦٢)] مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

(٣) [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١١٩٢٢)] یہ روایت ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

(٤) [ضعیف :مسند احمد (١٧٧/٢)] یہ بھی ابن لہیعہ کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ تم سے پہلے کے لوگ اسی خصلت پر تباہ و برباد ہو گئے کہ ان میں سے جب کوئی شریف شخص بڑا آدمی چوری کرتا تھا تو اسے چھوڑ دیتے تھے اور جب کوئی معمولی آدمی ہوتا تو اس پر حد جاری کرتے۔ اس اللہ کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر فاطمہ رضی اللہ عنہا بنت محمد ﷺ بھی چوری کریں تو میں ان کے بھی ہاتھ کاٹ دوں۔ پھر حکم دیا اور اس عورت کا ہاتھ کاٹ دیا گیا۔ حضرت صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں پھر اس بیوی صاحبہ نے توبہ کی اور پوری اور پختہ توبہ کی اور نکاح کر لیا' پھر وہ میرے پاس اپنے کسی کام کاج کے لیے آتی تھیں اور میں اس کی حاجت آنحضرت ﷺ سے بیان کر دیا کرتی تھی۔ (١) ''مسلم میں ہے کہ ایک عورت لوگوں سے اسباب ادھار لیتی تھی' پھر انکار کر جایا کرتی تھی' حضور ﷺ نے اس کے ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا''۔ (٢) اور روایت میں ہے یہ زیور ادھار لیتی تھی اور اس کا ہاتھ کاٹنے کا حکم حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو ہوا تھا۔ (٣) کتاب الاحکام میں ایسی بہت سی حدیثیں وارد ہیں جو چوری سے تعلق رکھتی ہیں۔ فالحمد للہ۔ جمیع مملوک کا مالک ساری کائنات کا حقیقی بادشاہ' سچا حاکم اللہ ہی ہے۔ جس کے کسی حکم کو کوئی روک نہیں سکتا' جس کے کسی ارادے کو کوئی بدل نہیں سکتا' جسے چاہے بخشے جسے چاہے عذاب کرے۔ ہر ہر چیز پر وہ قادر ہے اس کی قدرت کامل اور اس کا قبضہ سچا ہے۔

يَٰٓأَيُّهَا ٱلرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ ٱلَّذِينَ يُسَٰرِعُونَ فِى ٱلْكُفْرِ مِنَ ٱلَّذِينَ قَالُوٓا۟ ءَامَنَّا بِأَفْوَٰهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِن قُلُوبُهُمْ ۛ وَمِنَ ٱلَّذِينَ هَادُوا۟ ۛ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ سَمَّٰعُونَ لِقَوْمٍ ءَاخَرِينَ لَمْ يَأْتُوكَ ۖ يُحَرِّفُونَ ٱلْكَلِمَ مِنۢ بَعْدِ مَوَاضِعِهِۦ ۖ يَقُولُونَ إِنْ أُوتِيتُمْ هَٰذَا فَخُذُوهُ وَإِن لَّمْ تُؤْتَوْهُ فَٱحْذَرُوا۟ ۚ وَمَن يُرِدِ ٱللَّهُ فِتْنَتَهُۥ فَلَن تَمْلِكَ لَهُۥ مِنَ ٱللَّهِ شَيْـًٔا ۚ أُو۟لَٰٓئِكَ ٱلَّذِينَ لَمْ يُرِدِ ٱللَّهُ أَن يُطَهِّرَ قُلُوبَهُمْ ۚ لَهُمْ فِى ٱلدُّنْيَا خِزْىٌ ۖ وَلَهُمْ فِى ٱلْءَاخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيمٌ ﴿٤١﴾ سَمَّٰعُونَ لِلْكَذِبِ أَكَّٰلُونَ لِلسُّحْتِ ۚ فَإِن جَآءُوكَ فَٱحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ ۖ وَإِن تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَن يَضُرُّوكَ شَيْـًٔا ۖ وَإِنْ حَكَمْتَ فَٱحْكُم

مع ٣ — الوقف على الاولى احوز ١٢

(١) [صحيح: صحيح بخاری : كتاب فضائل الصحابة : باب ذكر اسامة بن زيد (٣٧٣٢) صحيح مسلم : كتاب الحدود : باب قطع السارق الشريف (١٦٨٨) نسائی : كتاب قطع السارق (٤٨٩٩) ابن ماجه: كتاب الحدود (٢٥٤٧) ابوداؤد : كتاب الحدود : باب فی الحد يشفع فيه (٤٣٧٣) ترمذی : كتاب الحدود : باب ماجآء فی كراهية ان يشفع فی الحدود (١٤٣٠)]

(٢) [صحيح: صحيح مسلم (١٦٨٨)]

(٣) [صحيح: نسائی : كتاب قطع السارق : باب مايكون حرزا وما لايكون (٤٨٩٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[ارواء الغليل (٢٤٠٥)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

بَيْنَهُمْ بِالْقِسْطِ ۔ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ ﴿۴۲﴾ وَكَيْفَ يُحَكِّمُوْنَكَ وَعِنْدَهُمُ التَّوْرٰىةُ فِيْهَا حُكْمُ اللّٰهِ ثُمَّ يَتَوَلَّوْنَ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ ۭ وَمَآ اُولٰۗىِٕكَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۴۳﴾ ع ۹ ۱۰ اِنَّآ اَنْزَلْنَا التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ ۚ يَحْكُمُ بِهَا النَّبِيُّوْنَ الَّذِيْنَ اَسْلَمُوْا لِلَّذِيْنَ هَادُوْا وَالرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوْا مِنْ كِتٰبِ اللّٰهِ وَكَانُوْا عَلَيْهِ شُهَدَاۗءَ ۚ فَلَا تَخْشَوُا النَّاسَ وَاخْشَوْنِ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِيْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ ﴿۴۴﴾

اے رسول (ﷺ) تو ان لوگوں کے پیچھے اپنا دل نہ کڑھا جو کفر میں سبقت کر رہے ہیں خواہ وہ ان منافقوں میں سے ہوں جو زبانی تو ایمان کا دعویٰ کرتے ہیں لیکن حقیقتاً ان کے دل باایمان نہیں' اور خواہ وہ یہودیوں میں سے ہوں' جو غلط باتوں کے سننے کے عادی ہیں اور ان لوگوں کے جاسوس ہیں جواب تک آپ کے پاس نہیں آئے' باتوں کے اصلی موقعہ کو چھوڑ کر انہیں بے اسلوب اور متغیر کر دیا کرتے ہیں' کہتے ہیں کہ اگر تم یہی حکم دیئے جاؤ تو قبول کر لینا' اور اگر یہ حکم نہ دیئے جاؤ تو الگ تھلگ رہنا' جس کا خراب کرنا اللہ ہی کو منظور ہو تو تو اس کے لیے اللہ کی ہدایت میں سے کسی چیز کا مختار نہیں' اللہ کا ارادہ ان کے دلوں کو پاک کرنے کا نہیں' ان کے لیے دنیا میں بھی بڑی ذلت اور رسوائی ہے اور آخرت میں بھی ان کے لیے بہت بڑی سخت سزا ہے ○ یہ کان لگا لگا کر جھوٹ کے سننے والے اور جی بھر بھر کر حرام کے کھانے والے ہیں' اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے خواہ ان کے آپس کا فیصلہ کر خواہ ان کو ٹال دے۔ اگر تو ان سے منہ بھی پھیرلے گا تو بھی یہ تجھے ہرگز کوئی ضرر نہیں پہنچا سکتے' اور اگر تو فیصلہ کرے تو ان میں عدل وانصاف کے ساتھ فیصلہ کر' عدل والوں سے اللہ محبت کرتا ہے ○ تعجب کی بات ہے کہ اپنے پاس تورات ہوتے ہوئے جس میں احکام اللہ ہیں تجھے حکم بناتے ہیں پھر اس کے بعد بھی پھر جاتے ہیں دراصل یہ ایمان ویقین والے ہیں ہی نہیں ○ ہم نے ہی تورات نازل فرمائی ہے جس میں ہدایت و نور ہے' یہودیوں میں اسی تورات کے ساتھ اللہ کے ماننے والے انبیاء اور اہل اللہ اور علماء فیصلے کرتے تھے کیونکہ انہیں اللہ کی اس کتاب کی حفاظت کا حکم دیا گیا تھا اور وہ اس پر اقراری گواہ تھے۔ اب تمہیں چاہیے کہ لوگوں سے نہ ڈرو اور صرف میرا ڈر رکھو میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول پر نہ بیچو' جو لوگ اللہ کی اتاری ہوئی وحی کے ساتھ فیصلے نہ کریں وہ پورے اور پختہ کافر ہیں ○

غیر اللہ کے قانون کے مطابق فیصلہ کرنے والے کافر، فاسق، ظالم: ان آیتوں میں ان لوگوں کی مذمت بیان ہو رہی ہے' جو رائے' قیاس اور خواہش نفسانی کو اللہ کی شریعت پر مقدم رکھتے ہیں۔ اللہ ورسول کی اطاعت سے نکل کر کفر کی طرف دوڑتے بھاگتے رہتے ہیں۔ گو یہ لوگ زبانی ایمان کے دعوے کریں لیکن ان کا دل ایمان سے خالی ہے۔ منافقوں کی یہی حالت ہے کہ زبان کے کھرے' دل کے کھوٹے اور یہی خصلت یہودیوں کی ہے جو اسلام اور اہل اسلام کے دشمن ہیں۔ یہ جھوٹ کو مزے مزے سے سنتے ہیں اور دل کھول کر قبول کرتے ہیں۔ لیکن سچ سے بھاگتے ہیں' بلکہ نفرت کرتے ہیں اور جو لوگ آپ کی مجلس میں نہیں آتے یہ یہاں کی وہاں پہنچاتے ہیں۔ ان کی طرف سے جاسوسی کرنے کو آتے ہیں۔ پھر نالائقی یہ کرتے ہیں کہ یہ بات کو بدل ڈالا کرتے ہیں مطلب کچھ ہو'

لے کچھ اڑتے ہیں' ارادے یہی ہیں کہ اگر تمہاری خواہش کے مطابق کہے تو مان لو' طبیعت کے خلاف ہو تو دور رہو۔ کہا گیا ہے کہ یہ آیت ان یہودیوں کے بارے میں اتری تھی جن میں ایک کو دوسرے نے قتل کر دیا تھا' اب کہنے لگے چلو حضور ﷺ کے پاس چلیں اگر آپ دیت جرمانے کا حکم دیں تو منظور کر لیں گے اور اگر قصاص بدلے کو فرمائیں گے تو نہیں مانیں گے۔ لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ وہ ایک زنا کار کو لے کر آئے تھے۔ ان کی کتاب توراۃ میں دراصل حکم تو یہ تھا کہ شادی شدہ زانی کو سنگسار کیا جائے۔ لیکن انہوں نے اسے بدل ڈالا تھا اور سو کوڑے مار کر' منہ کالا کر کے' الٹا گدھے پر سوار کر کے رسوائی کر کے چھوڑ دیتے تھے۔ جب ہجرت کے بعد ان میں سے کوئی زنا کاری کے جرم میں پکڑا گیا تو یہ کہنے لگے آؤ حضور ﷺ کے پاس چلیں اور آپ سے اس کے بارے میں سوال کریں' اگر آپ بھی وہی فرمائیں گے جو ہم کرتے ہیں تو اسے قبول کر لیں گے اور اللہ کے ہاں بھی یہ ہماری سند ہو جائے گی اور اگر رجم کو فرمائیں گے تو نہیں مانیں گے۔ چنانچہ یہ آئے اور حضور ﷺ سے ذکر کیا کہ ہمارے ایک مرد عورت نے بدکاری کی ہے' ان کے بارے میں آپ کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ آپ نے فرمایا تمہارے ہاں توراۃ میں کیا حکم ہے؟ انہوں نے کہا ہم تو اسے رسوا کرتے ہیں اور کوڑے مار کر چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ سن کر حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ نے فرمایا' جھوٹ کہتے ہیں' تورات میں سنگسار کرنے کا حکم ہے۔ لاؤ تورات پیش کرو' انہوں نے تورات کھولی لیکن آیت رجم پر ہاتھ رکھ کر آگے پیچھے کی سب عبارت پڑھ سنائی۔ حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ سمجھ گئے اور آپ نے فرمایا اپنے ہاتھ کو تو ہٹا' ہاتھ ہٹایا تو سنگسار کرنے کی آیت موجود تھی' اب تو انہیں بھی اقرار کرنا پڑا۔ پھر حضور ﷺ کے حکم سے زانیوں کو سنگسار کر دیا گیا' حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''میں نے دیکھا کہ وہ زانی عورت کو پتھروں سے بچانے کے لیے اس کے آڑے آ جاتا تھا''۔ [1] (بخاری و مسلم) اور سند سے مروی ہے کہ یہودیوں نے کہا ''ہم تو اسے کالا منہ کر کے کچھ مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں''۔ اور آیت کے ظاہر ہونے کے بعد انہوں نے کہا ہے تو یہی حکم لیکن ہم نے تو اسے چھپا لیا تھا' جو پڑھ رہا تھا اسی نے رجم کی آیت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا تھا' جب اس کا ہاتھ اٹھوایا تو آیت پر اچٹتی ہوئی نظر پڑ گئی۔ ان دونوں کے رجم کرنے والوں میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بھی موجود تھے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ ان لوگوں نے اپنے آدمی بھیج کر آپ کو بلوایا تھا' اپنے مدرسے میں گدی پر آپ کو بٹھایا تھا اور جو تورات آپ کے سامنے پڑھ رہا تھا' وہ ان کا بہت بڑا عالم تھا۔ [2] ایک روایت میں ہے کہ آپ نے ان سے قسم دے کر پوچھا تھا کہ تم تورات میں شادی شدہ زانی کی کیا سزا پاتے ہو؟ تو انہوں نے یہی جواب دیا تھا' لیکن ایک نوجوان کچھ نہ بولا' خاموش ہی کھڑا رہا' آپ نے اس کی طرف دیکھ کر خاص اسے دوبارہ قسم دی اور جواب

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الحدود : باب احکام اھل الزمة واحصانھم (٦٨٤١) صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب رجم الیھود اھل الزمة فی الزنی (١٦٩٩) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب فی رجم الیھود یین (٤٤٤٦)]

[2] [حسن: ابوداؤد: کتاب الحدود : باب فی رجم الیھودیین (٤٤٤٩)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (٥/٩٤)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

مانگا' اس نے کہا جب آپ ایسی قسمیں دے رہے ہیں تو میں جھوٹ نہ بولوں گا' واقعی تورات میں ان لوگوں کی سزا سنگساری ہے۔ آپ نے فرمایا اچھا پھر یہ بھی سچ سچ بتاؤ کہ پہلے پہل اس رجم کو تم نے کیوں اور کس پر سے اڑایا؟ اس نے کہا حضرت ہمارے کسی بادشاہ کے رشتے دار' بڑے آدمی نے زنا کاری کی۔ اس کی عظمت اور بادشاہ کی ہیبت کے مارے اسے رجم نہ کیا۔ پھر ایک عام آدمی نے بدکاری کی تو اسے رجم کرنا چاہا لیکن اس کی ساری قوم چڑھ دوڑی کہ یا تو اس اگلے شخص کو بھی رجم کرو ورنہ اسے بھی چھوڑو۔ آخر ہم نے مل ملا کر یہ طے کیا کہ بجائے رجم کے اس قسم کی کوئی سزا مقرر کردی جائے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے توراۃ کے حکم کو جاری کیا اور اسی بارے میں آیت ﴿إِنَّا أَنزَلْنَا﴾ ' الخ' اتری۔ پس آنحضرت ﷺ بھی ان احکام کے جاری کرنے والوں میں سے ہیں۔ [1] (احمد ابوداود) مسند احمد میں ہے کہ ایک شخص کو یہودی کالا منہ کیے لے جا رہے تھے اور اسے کوڑے بھی مار رکھے تھے' تو آپ نے بلا کر ان سے ماجرا پوچھا انہوں نے کہا اس نے زنا کیا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ کیا زانی کی یہی سزا تمہارے ہاں ہے؟ کہا ہاں۔ آپ نے ان کے ایک عالم کو بلا کر اسے سخت قسم دے کر پوچھا تو اس نے کہا کہ اگر آپ ایسی قسم نہ دیتے تو میں ہرگز نہ بتاتا' بات یہ ہے کہ ہمارے ہاں دراصل زنا کاری کی سزا سنگساری ہے لیکن چونکہ امیر امراء اور شرفاء لوگوں میں یہ بدکاری بڑھ گئی تھی' اور انہیں اس قسم کی سزا دینی ہم نے مناسب نہ جانی' اس لیے انہیں تو چھوڑ دیتے تھے اور اللہ کا حکم مارا نہ جائے اس لیے غریب غرباء' کم حیثیت لوگوں کو رجم کرا دیتے تھے پھر ہم نے رائے زنی کی کہ آؤ کوئی ایسی سزا تجویز کرو کہ شریف وغیر شریف' امیر غریب پر سب یکساں جاری ہو سکے چنانچہ ہمارا سب کا اس بات پر اتفاق ہوا کہ منہ کالے کر دیں اور کوڑے لگائیں۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان دونوں کو سنگسار کرو چنانچہ انہیں رجم کر دیا گیا اور آپ نے فرمایا اے اللہ میں پہلا وہ شخص ہوں جس نے تیرے ایک مردہ حکم کو زندہ کیا۔ اس پر آیت ﴿يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ لَا يَحْزُنكَ﴾ سے ﴿هُمُ الْكَافِرُونَ﴾ (المائدہ / ٤١-٤٤) تک نازل ہوئی۔

انہی یہودیوں کے بارے میں اور آیت میں ہے کہ اللہ کے نازل کردہ حکم کے مطابق فیصلہ نہ کرنے والے ظالم ہیں اور آیت میں ہے فاسق ہیں۔ [2] (مسلم وغیرہ) اور روایت میں ہے کہ "واقعہ زنا فدک میں ہوا تھا اور وہاں کے یہودیوں نے مدینے شریف کے یہودیوں کو لکھ کر حضور ﷺ سے پچھوایا تھا جو عالم ان کا آیا اس کا نام ابن صوریا تھا یہ آنکھ کا بھینگا تھا' اور اس کے ساتھ ایک دوسرا عالم بھی تھا۔ حضور ﷺ نے جب انہیں قسم دی تو دونوں نے قبول کیا تھا' آپ نے انہیں کہا تھا' تمہیں اس اللہ کی قسم جس نے بنو اسرائیل کے لیے پانی میں راہ کر دی تھی اور ابر کا سایہ ان پر کیا تھا اور فرعونیوں سے بچا لیا تھا اور من وسلوٰی اتارا تھا۔ اس قسم سے وہ چونک گئے اور آپس میں کہنے

---

[1] [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الحدود : باب رجم الیھودیین (٤٤٥٠) تفسیر ابن جریر الطبری (١١٩٢٨)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود (٩٥٩) ارواء الغلیل (٥/٩٥)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحدود : باب رجم الیھود اھل الزمة فی الزنی (١٧٠٠) ابوداؤد : کتاب الحدود : باب فی رجم الیھودیین (٤٤٤٧-٤٤٤٨) مسند احمد (٤/٢٨٦)]

لگے بڑی زبردست قسم ہے' اس موقع پر جھوٹ بولنا ٹھیک نہیں تو کہا حضور ﷺ تورات میں یہ ہے کہ بری نظر سے دیکھنا بھی مثل زنا کے ہے اور گلے لگانا بھی' اور بوسہ لینا بھی' پھر اگر چار گواہ اس بات کے ہوں کہ انہوں نے دخول خروج دیکھا ہے جیسا کہ سلائی سرمہ دانی میں جاتی آتی ہے تو رجم واجب ہو جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا یہی مسئلہ ہے پھر حکم دیا اور انہیں رجم کرا دیا گیا''۔ اس پر آیت ﴿فَـاِنْ جَـآءُوْكَ﴾ الخ' اتری۔ [1] (ابوداؤد وغیرہ) ایک روایت میں جو دو عالم سامنے لائے گئے تھے' یہ دونوں صوریا کے لڑکے تھے۔ ترک حد کا سبب اس روایت میں یہودیوں کی طرف سے یہ بیان ہوا ہے کہ جب ہم میں سلطنت نہ رہی تو ہم نے اپنے آدمیوں کی جان لینی مناسب نہ سمجھی پھر آپ نے گواہوں کو بلوا کر گواہی لی جنہوں نے بیان دیا کہ ہم نے اپنی آنکھوں سے انہیں اس برائی میں دیکھا ہے' جس طرح سرمہ دانی میں سلائی ہوتی ہے۔ [2] دراصل توراۃ وغیرہ کا منگوانا ان کے عالموں کو بلوانا' یہ سب انہیں الزام دینے کے لیے نہ تھا' نہ اس لیے تھا کہ وہ اسی کے ماننے کے مکلّف ہیں' نہیں بلکہ خود رسول اللہ ﷺ کا فرمان واجب العمل ہے' اس سے مقصد ایک تو حضور ﷺ کی سچائی کا اظہار تھا کہ اللہ کی وحی سے آپ نے یہ معلوم کر لیا کہ ان کی تورات میں بھی حکم رجم موجود ہے اور یہی نکلا' دوسرے ان کی رسوائی کہ انہیں پہلے کے انکار کے بعد اقرار کرنا پڑا اور دنیا پر ظاہر ہو گیا کہ یہ لوگ فرمان الٰہی کو چھپا لینے والے اور اپنی رائے قیاس پر عمل کرنے والے ہیں اور اس لیے بھی کہ یہ لوگ سچے دل سے حضور ﷺ کے پاس کچھ اس لیے نہیں آئے تھے کہ آپ کی فرماں برداری کریں بلکہ محض اس لیے آئے تھے کہ اگر آپ کو بھی اپنے اجماع کے موافق پائیں گے تو اتحاد کر لیں گے ورنہ ہرگز قبول نہ کریں گے' اسی لیے فرمان ہے کہ ''جنہیں اللہ گمراہ کر دے تو ان کو کسی قسم سے راہ راست آنے کا اختیار نہیں ہے ان کے گندے دلوں کو پاک کرنے کا اللہ کا ارادہ نہیں ہے' یہ دنیا میں ذلیل وخوار ہوں گے اور آخرت میں داخل نار ہوں گے۔ یہ باطل کو کان لگا کر مزے لے کر سننے والے ہیں اور رشوت جیسی حرام چیز کو دن دہاڑے کھانے والے ہیں' بھلا ان کے نجس دل کیسے پاک ہوں گے؟ اور ان کی دعائیں اللہ کیسے سنے گا؟ اگر یہ تیرے پاس آئیں تو تجھے اختیار ہے کہ ان کے فیصلے کر یا نہ کر اگر تو ان سے منہ پھیر لے جب بھی یہ تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے کیونکہ ان کا قصد اتباع حق نہیں بلکہ اپنی خواہشوں کی پیروی ہے''۔ بعض بزرگ کہتے ہیں یہ آیت منسوخ ہے اس آیت سے ﴿وَاَنِ احْـكُـمْ بَيْـنَـهُـمْ بِـمَـآ اَنْـزَلَ اللّٰـهُ﴾ (المـائدہ/ ٤٩) پھر فرمایا ''اگر تو ان میں فیصلے کرے تو عدل وانصاف کے ساتھ کر' گو یہ خود ظالم ہیں اور عدل سے ہٹے ہوئے ہیں اور مان لو کہ اللہ تعالیٰ عادل لوگوں سے محبت رکھتا ہے۔

پھر ان کی خباثت بد باطنی اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ ''ایک طرف تو اس کتاب اللہ کو چھوڑ رکھا ہے' جس کی تابعداری اور حقانیت کے خود قائل ہیں' دوسری طرف اس جانب جھک رہے ہیں' جسے نہیں مانتے اور جسے جھوٹ

---

[1] [صحیح: ابوداؤد: كتاب الحدود: باب رجم اليهوديين (٤٤٥٢) ابن ماجه: كتاب الاحكام: باب بما يستحلف اهل الكتاب (٢٣٢٨) شیخ البانیؒ نے اسے شواہد کی بنا پر صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابو داود (٣٧٤٠)]

[2] [أيضا]

مشہور کر رکھا ہے' پھر اس میں بھی نیت بد ہے کہ اگر وہاں سے ہماری خواہش کے مطابق حکم ملے گا تو لے لیں گے۔ ورنہ چھوڑ چھاڑ دیں گے"۔ تو فرمایا کہ یہ کیسے تیری فرماں برداری کریں گے؟ انہوں نے تو تورات کو بھی چھوڑ رکھا ہے' جس میں اللہ کے احکامات ہونے کا اقرار انہیں بھی ہے لیکن پھر بھی بے ایمانی کر کے اس سے پھر جاتے ہیں۔ پھر اس تورات کی مدحت و تعریف بیان فرمائی جو اس نے اپنے برگزیدہ رسول حضرت موسیٰ بن عمران علیہما السلام پر نازل فرمائی تھی کہ اس میں ہدایت و نورانیت تھی۔ انبیاء جو اللہ کے زیر فرمان تھے' اسی پر فیصلہ کرتے رہے' یہودیوں میں اسی کے احکام جاری کرتے رہے' تبدیلی اور تحریف سے بچے رہے' ربانی یعنی عابد' علماء اور احبار یعنی ذی علم لوگ بھی اسی روش پر رہے۔ کیونکہ انہیں یہ پاک کتاب سونپی گئی تھی اور اس کے اظہار کا اور اس پر عمل کرنے کا انہیں حکم دیا گیا تھا اور اس پر گواہ و شاہد تھے۔ اب تمہیں چاہیے کہ بجز اللہ کے کسی اور سے نہ ڈرو۔ ہاں قدم قدم اور لحہ لحہ پر خوف رکھو اور میری آیتوں کو تھوڑے تھوڑے مول فروخت نہ کیا کرو۔ جان لو کہ اللہ کی وحی کا حکم جو نہ مانے وہ کافر ہے۔ اس میں دو قول ہیں جو ابھی بیان ہوں گے ان شاء اللہ۔ ان آیتوں کا ایک شان نزول بھی سن لیجیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایسے لوگوں کو اس آیت میں تو کافر کہا دوسری میں ظالم تیسری میں فاسق۔ بات یہ ہے کہ یہودیوں کے دو گروہ تھے' ایک غالب تھا، دوسرا مغلوب۔ ان کی آپس میں اس بات پر صلح ہوئی تھی کہ غالب' ذی عزت فرقے کا کوئی شخص اگر مغلوب ذلیل فرقے کے کسی شخص کو قتل کر ڈالے تو پچاس وسق دیت دے اور ذلیل لوگوں میں سے کوئی عزیز کو قتل کر دے تو ایک سو وسق دیت دے۔ یہی رواج ان میں چلا آ رہا تھا۔ جب حضور ﷺ مدینے میں آئے' اس کے بعد ایک واقعہ ایسا ہوا کہ ان نیچے والے یہودیوں میں سے کسی نے کسی اونچے یہودی کو مار ڈالا۔ یہاں سے آدمی گیا کہ لاؤ سو وسق دلواؤ' وہاں سے جواب ملا کہ یہ صریح ناانصافی ہے کہ ہم دونوں ایک ہی قبیلے کے' ایک ہی دین کے' ایک ہی نسب کے' ایک ہی شہر کے پھر ہماری دیت کم اور تمہاری زیادہ؟ ہم چونکہ اب تک تمہارے دبے ہوئے تھے' اس ناانصافی کو بادل ناخواستہ برداشت کرتے رہے لیکن اب جبکہ حضرت محمد (ﷺ) جیسے عادل بادشاہ یہاں آ گئے ہیں ہم تمہیں اتنی ہی دیت دیں گے جتنی تم ہمیں دو۔ اس بات پر ادھر ادھر سے آستینیں چڑھ گئیں' پھر آپس میں یہ بات طے ہوئی کہ اچھا اس جھگڑے کا فیصلہ حضرت محمد (ﷺ) کریں گے۔ لیکن اونچی قوم کے لوگوں نے آپس میں جب مشورہ کیا تو ان کے سمجھداروں نے کہا دیکھو اس سے ہاتھ دھو رکھو کہ حضور ﷺ کوئی ناانصافی پہ مبنی حکم کریں۔ یہ تو صریح زیادتی ہے کہ ہم آدھی دیں اور پوری لیں اور فی الواقع ان لوگوں نے دب کر اسے منظور کیا تھا جو تم نے آنحضرت ﷺ کو حکم اور ثالث مقرر کیا ہے تو یقیناً تمہارا یہ حق مارا جائے گا کسی نے رائے دی کہ اچھا یوں کرو' کسی کو حضور ﷺ کے پاس چپکے سے بھیج دو' وہ معلوم کر آئے کہ آپ فیصلہ کیا کریں گے؟ اگر ہماری حمایت میں ہوا تو بہت اچھا چلو اور ان سے حق حاصل کر آؤ اور اگر خلاف ہوا تو پھر الگ تھلگ ہی اچھے ہیں۔ چنانچہ مدینہ کے چند منافقوں کو انہوں نے جاسوس بنا کر حضرت ﷺ کے پاس بھیجا اس سے پہلے کہ وہ یہاں پہنچیں اللہ تعالیٰ نے یہ آیتیں اتار کر اپنے رسول ﷺ کو ان دونوں فرقوں کے بدکرداروں

سے مطلع فرمادیا۔ [1] (ابوداود) ایک روایت میں ہے کہ یہ دونوں قبیلے بنونضیر اور بنوقریظہ تھے۔ بنونضیر کی پوری دیت تھی اور بنوقریظہ کی آدھی۔ حضور ﷺ نے دونوں کی دیت یکساں دینے کا فیصلہ صادر فرمایا۔ ایک روایت میں ہے کہ قرظی اگر کسی نضری کو قتل کر ڈالے تو اس سے قصاص لیتے تھے لیکن اس کے خلاف میں قصاص تھا ہی نہیں سو وسق دیت تھی۔ [2]

یہ بہت ممکن ہے کہ ادھر یہ واقعہ ہوا' ادھر زنا کا قصہ واقع ہوا' جس کا تفصیلی بیان گذر چکا ہے اور ان دونوں پر یہ آیتیں نازل ہوئیں واللہ اعلم۔

ہاں ایک بات اور ہے جس سے اس دوسری شان نزول کی تقویت ہوتی ہے وہ یہ کہ اس کے بعد ہی فرمایا ہے ﴿وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَا﴾ الخ 'یعنی ہم نے یہودیوں پر تورات میں یہ حکم فرض کر دیا تھا کہ جان کے عوض جان' آنکھ کے عوض آنکھ الخ واللہ اعلم۔ پھر انہیں کافر کہا گیا جو اللہ کی شریعت اور اس کی اتاری ہوئی وحی کے مطابق فیصلہ اور حکم نہ کریں گو یہ آیت شان نزول کے اعتبار سے بقول مفسرین اہل کتاب کے بارے میں ہے لیکن حکم کے اعتبار سے ہر شخص کو شامل ہے۔ بنو اسرائیل کے بارے میں اتری اور اس امت کا بھی یہی حکم ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رشوت حرام ہے اور رشوت ستانی کے بعد کسی شرعی مسئلہ کے خلاف فتویٰ دینا کفر ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس نے وحی الٰہی کے خلاف عمداً فتویٰ دیا جاننے کے باوجود اس کے خلاف کیا وہ کافر ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جس نے اللہ کے فرمان سے انکار کیا' اس کا یہ حکم ہے اور جس نے انکار تو نہ کیا لیکن اس کے مطابق نہ کہا وہ ظالم اور فاسق ہے۔ خواہ اہل کتاب ہو خواہ کوئی اور ہو۔ شعبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''مسلمانوں میں جس نے کتاب کے خلاف فتویٰ دیا وہ کافر ہے اور یہودیوں میں دیا ہو تو ظالم ہے اور نصرانیوں میں دیا ہو تو فاسق ہے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''اس کا کفر اس آیت کے ساتھ ہے''۔ طاؤس فرماتے ہیں ''اس کا کفر اس کے کفر جیسا نہیں جو سرے سے ہی اللہ رسول قرآن اور فرشتوں کا منکر ہو''۔ عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''کفر کفر سے کم ہے اسی طرح ظلم و فسق کے بھی ادنیٰ اعلیٰ درجے ہیں۔ اس کفر سے وہ ملت اسلام سے پھر جانے والا ہو جاتا ہے''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''اس سے مراد وہ کفر نہیں جس کی طرف تم جا رہے ہو''۔

وَكَتَبْنَا عَلَيْهِمْ فِيهَآ اَنَّ النَّفْسَ بِالنَّفْسِ ۙ وَالْعَيْنَ بِالْعَيْنِ وَالْاَنْفَ بِالْاَنْفِ وَالْاُذُنَ بِالْاُذُنِ وَالسِّنَّ بِالسِّنِّ ۙ وَالْجُرُوْحَ قِصَاصٌ ۭ فَمَنْ تَصَدَّقَ بِهٖ فَهُوَ كَفَّارَةٌ لَّهٗ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٥﴾

---

[1] [حسن صحيح الاسناد: مسند احمد (١/٢٤٦) ابوداؤد : كتاب القضاء : باب فى القاضى يخطى (٣٥٧٦) طبرانی کبیر (١٠٧٣٢) مجمع الزوائد (١٦/٧)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ابوداود (٣٠٥٣) السلسلة الصحيحة (٢٥٥٢)] شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے حسن کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (٢٢١٢)]

[2] [حسن: مسند احمد (١/٣) ابوداؤد : كتاب القضآء : باب الحكم بين اهل الزمة (٣٥٩١) نسائى : كتاب القسامة : باب تأويل قول الله تعالى وان حكمت فاحكم بينهم بالقسط (٤٧٣٧)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحيح ابوداود] تاہم حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

ہم نے (یہودیوں کے ذمہ تورات میں) یہ بات مقرر کر دی تھی کہ جان کے بدلے جان اور آنکھ کے بدلے آنکھ اور ناک ناک کے بدلے اور کان کان کے بدلے اور دانت دانت کے بدلے اور خاص زخموں کا بھی بدلہ ہے۔ پھر جو شخص اس کو معاف کر دے تو وہ اس کے لیے کفارہ ہے۔ اور جو شخص اللہ تعالیٰ کے نازل کیے ہوئے کے مطابق حکم نہ کرے وہی لوگ ظالم ہیں ○

قصاص کا بیان: یہودیوں کو اور سرزنش کی جا رہی ہے کہ ان کی کتاب میں صاف لفظوں میں جو حکم تھا یہ کھلم کھلا اس کا بھی خلاف کر رہے ہیں اور سرکشی اور بے پرواہی سے اسے بھی چھوڑ رہے ہیں۔ نضری یہودیوں کو تو قرظی یہودیوں کے بدلے قتل کرتے ہیں لیکن قریظہ کے یہود کو بنونضیر کے عوض قتل نہیں کرتے بلکہ دیت لے کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی طرح انہوں نے شادی شدہ زانی کی سنگساری کے حکم کو بدل دیا ہے اور صرف کالا منہ کر کے رسوا کر کے مار پیٹ کر چھوڑ دیتے ہیں۔ اسی لیے وہاں تو انہیں کافر کہا یہاں انصاف نہ کرنے کی وجہ سے انہیں ظالم کہا۔ ایک حدیث میں حضور ﷺ کا ﴿والعین﴾ پڑھنا بھی مروی ہے۔[1] (ابوداؤد وغیرہ) علماء کرام کا قول ہے کہ اگلی شریعت چاہے ہمارے سامنے بطور تقریر بیان کی جائے اور منسوخ نہ ہو تو وہ ہمارے لیے بھی شریعت ہے۔ جیسے یہ احکام سب کے سب ہماری شریعت میں بھی اسی طرح ہیں۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس مسئلہ میں تین مسلک ہیں ایک تو وہی ہے جو بیان ہوا ایک اس کے بالکل برعکس ایک یہ کہ صرف ابراہیمی شریعت جاری اور باقی ہے اور کوئی نہیں۔ اس آیت کے عموم سے یہ بھی استدلال کیا گیا ہے کہ مرد عورت کے بدلے بھی قتل کیا جائے گا کیونکہ یہاں لفظ نفس ہے جو مرد عورت دونوں کو شامل ہے۔ چنانچہ حدیث شریف میں بھی ہے کہ مرد عورت کے خون کے بدلے قتل کیا جائے گا[2] اور حدیث میں ہے کہ مسلمانوں کے خون آپس میں مساوی ہیں۔[3] بعض بزرگوں سے مروی ہے کہ ”مرد جب کسی عورت کو قتل کر دے تو اسے اس کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا بلکہ صرف دیت لی جائے گی“۔ لیکن یہ قول جمہور کے خلاف ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ ”ذمی کافر کے قتل کے بدلے بھی مسلمان قتل کر دیا جائے گا اور غلام کے قتل کے بدلے آزاد بھی قتل کر دیا جائے گا“۔ لیکن یہ مذہب جمہور کے خلاف ہے۔ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مسلمان کافر کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا[4] اور سلف کے

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (٣/٢١٥) مستدرك حاكم (٢/٢٣٦) ابوداؤد : كتاب الحروف والقراءات (٣٩٧٦) ترمذی : كتاب القرأت (٢٩٢٩)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود] اس کی سند میں ابوعلی بن یزید راوی مجہول ہے۔]

[2] [ضعیف : نسائی: كتاب القسامة : باب ذكر حديث عمرو بن حزم فی العقول (٤٨٥٧) مستدرك حاكم (١/٣٩٥)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعيف الجامع (٢٠٣٣٣)]

[3] [صحیح : ابوداؤد : كتاب الجهاد : باب فی السرية ترد على اهل العسكر (٢٧٥١) ابن ماجه : كتاب الديات : باب المسلمون تتكافأ دماؤهم (٢٦٨٥) مسند احمد (٢/١٩١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه (٢١٧٢) المشكاة (٣٤٧٥)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : كتاب العلم : باب كتابة العلم (١١١) ترمذی : كتاب الديات : باب ماجاء لايقتل مسلم بكافر (١٤١٢) ابن ماجه : كتاب الديات : باب لا يقتل مسلم بكافر (٢٦٥٨)]

بہت سے آثار اس بارے میں موجود ہیں کہ وہ غلام کا قصاص آزاد سے نہیں لیتے تھے اور آزاد غلام کے بدلے قتل نہ کیا جائے گا۔ حدیثیں بھی اس بارے میں مروی ہیں لیکن صحت کو نہیں پہنچیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے خلاف اجماع ہے لیکن ان باتوں سے اس قول کا بطلان لازم نہیں آتا تاوقتیکہ آیت کے عموم کو خاص کرنے والی کوئی زبردست صاف ثابت دلیل نہ ہو۔

بخاری و مسلم میں ہے کہ ''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کی پھوپھی ربیع نے ایک لونڈی کے دانت توڑ دیئے' اب لوگوں نے اس سے معافی چاہی لیکن وہ نہ مانی' حضور ﷺ کے پاس معاملہ آیا آپ نے بدلہ لینے کا حکم دے دیا' اس پر حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے فرمایا کیا اس عورت کے سامنے کے دانت توڑ دیئے جائیں گے؟ آپ نے فرمایا ہاں اے انس اللہ کی کتاب میں قصاص کا حکم موجود ہے۔ یہ سن کر فرمایا نہیں نہیں یارسول اللہ ﷺ قسم ہے اس اللہ کی جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' اس کے دانت ہرگز نہ توڑے جائیں گے' چنانچہ ہوا بھی یہی کہ وہ لوگ رضامند ہو گئے اور قصاص چھوڑ دیا بلکہ معاف کر دیا۔ اس وقت آپ نے فرمایا ''بعض بندگان رب ایسے بھی ہیں کہ اگر وہ اللہ پر کوئی قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ اسے پوری ہی کر دے''۔ [1] دوسری روایت میں ہے کہ ''پہلے انہوں نے نہ تو معافی دی نہ دیت لینی منظور کی''۔ نسائی وغیرہ میں ہے' ایک غریب جماعت کے غلام نے کسی مالدار جماعت کے غلام کے کان کاٹ دیئے' ان لوگوں نے حضور ﷺ سے آ کر عرض کی کہ ہم لوگ فقیر مسکین ہیں' مال ہمارے پاس نہیں تو حضور ﷺ نے ان پر کوئی جرمانہ نہ رکھا۔ [2] ہوسکتا ہے کہ یہ غلام بالغ نہ ہو اور ہوسکتا ہے کہ آپ نے دیت اپنے پاس سے دے دی ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ان سے سفارش کر کے معاف کرا لیا ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جان جان کے بدلے ماری جائے گی' آنکھ پھوڑ دینے والے کی آنکھ پھوڑ دی جائے گی' ناک کاٹنے والے کا ناک کاٹ دیا جائے گا' دانت توڑنے والے کا دانت توڑ دیا جائے گا اور زخم کا بھی بدلہ لیا جائے گا۔ [3] اس میں آزاد مسلمان سب کے سب برابر ہیں۔ مرد عورت ایک ہی حکم میں ہیں۔ جبکہ یہ کام قصداً کیے گئے ہوں۔ اس میں غلام بھی آپس میں برابر ہیں' ان کے مرد بھی اور عورتیں بھی۔

قاعدہ: اعضاء کا کٹنا تو کبھی جوڑ سے ہوتا ہے اس میں تو قصاص واجب ہے۔ جیسے ہاتھ' پیر' قدم' ہتھیلی وغیرہ۔ لیکن جو زخم جوڑ پر نہ ہوں بلکہ ہڈی پر آئے ہوں' ان کی بابت حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''ان میں بھی قصاص ہے مگر ران میں اور اس جیسے اعضاء میں اس لیے کہ وہ خوف وخطر کی جگہ ہے''۔ ان کے برخلاف ابو

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الصلح : باب الصلح فی الدیة (٢٧٠٣) ، (٢٨٠٦) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب اثبات القصاص فی الاسنان (١٦٧٥) ابوداؤد : کتاب الدیات : باب القصاص من السن (٤٥٩٥) مسند احمد (١٢٨/٣)]

[2] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الدیات : باب جنایة العبد یکون للفقراء (٤٥٩٠) نسائی : کتاب القسامة (٤٧٥٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (٣٦٠/١٠)]

حنیفہ رحمہ اللہ اور ان کے دونوں ساتھیوں کا مذہب ہے کہ کسی ہڈی میں قصاص نہیں، بجز دانت کے اور امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک مطلق کسی ہڈی کا قصاص نہیں۔ یہی مروی ہے حضرت عمر بن خطاب اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہم سے بھی اور یہی کہتے ہیں عطا، شعبی، حسن بصری، زہری، ابراہیم نخعی اور عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ علیہم بھی اور اسی کی طرف گئے ہیں سفیان ثوری اور لیث بن سعد رحمہ اللہ علیہما بھی۔ امام احمد سے بھی یہی قول زیادہ مشہور ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی دلیل وہی حضرت انس رضی اللہ عنہ والی روایت ہے جس میں ربیع سے دانت کا قصاص دلوانے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمودہ ہے۔ لیکن دراصل اس روایت سے یہ مذہب ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں یہ لفظ ہیں کہ اس کے سامنے کے دانت اس نے توڑ دیئے تھے اور ہوسکتا ہے کہ بغیر ٹوٹنے کے جھڑ گئے ہوں۔ اس حالت میں قصاص اجماع سے واجب ہے۔ ان کی دلیل کا پورا حصہ وہ ہے جو ابن ماجہ میں ہے کہ ''ایک شخص نے دوسرے کے بازو کو کہنی سے نیچے نیچے ایک تلوار ماردی، جس سے اس کی کلائی کٹ گئی، حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس مقدمہ آیا، آپ نے حکم دیا کہ دیت ادا کرو، اس نے کہا میں قصاص چاہتا ہوں، آپ نے فرمایا اسی کو لے لے اللہ تجھے اسی میں برکت دے گا اور آپ نے قصاص کو نہیں فرمایا''۔ [1] لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف اور گری ہوئی ہے، اس کے راوی دھشم بن قران اعرابی ضعیف ہیں، ان کی حدیث سے حجت نہیں پکڑی جاتی، دوسرے راوی نمران بن جاریہ اعرابی بھی ضعیف ہیں۔ پھر وہ کہتے ہیں کہ زخموں کا قصاص ان کے درست ہو جانے اور بھر جانے سے پہلے لینا جائز نہیں اور اگر پہلے لے لیا گیا پھر زخم بڑھ گیا تو کوئی بدلہ دلوایا نہ جائے گا۔ اس کی دلیل مسند احمد کی یہ حدیث ہے کہ ایک شخص نے دوسرے کے گھٹنے میں چوٹ ماری، وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا مجھے بدلہ دلوایئے، آپ نے دلوا دیا، اس کے بعد وہ پھر آیا اور کہنے لگا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو لنگڑا ہو گیا، آپ نے فرمایا میں نے تجھے منع کیا تھا لیکن تو نہ مانا، اب تیرے اس لنگڑے پن کا بدلہ کچھ نہیں۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے زخموں کے بھر جانے سے پہلے بدلہ لینے کو منع فرما دیا۔ [2]

اگر کسی نے دوسرے کو زخمی کیا اور بدلہ اس سے لے لیا گیا، اس میں یہ مر گیا تو اس پر کچھ نہیں۔ مالک، شافعی، احمد رحمہ اللہ علیہم اور جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم اور تابعین رحمہ اللہ علیہم کا یہی قول ہے۔ ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ اس پر دیت واجب ہے، اسی کے مال میں سے۔ بعض اور بزرگ فرماتے ہیں ''اس کے ماں باپ کی طرف کے رشتہ داروں کے مال پر وہ دیت واجب ہے''۔ بعض اور حضرات کہتے ہیں ''بقدر اس کے بدلے کے تو ساقط ہے باقی اسی کے مال میں سے واجب ہے''۔

پھر فرماتا ہے ''جو شخص قصاص سے درگذر کرے اور بطور صدقے کے اپنے بدلے کو معاف کر دے تو زخمی کرنے والے کا کفارہ ہو گیا اور جو زخمی ہوا ہے، اسے ثواب ہو گا جو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے''۔ بعض نے یہ بھی کہا ہے کہ ''وہ زخمی کے لیے کفارہ ہے یعنی اس کے گناہ اسی زخم کی مقدار سے اللہ تعالیٰ بخش دیتا ہے''۔ ایک مرفوع حدیث

---

[1] [ضعیف : ابن ماجه : كتاب الديات : باب مالا قود فيه (٢٦٣٦)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود ، ارواء الغليل (٢٢٣٥)]

[2] [صحیح بالشواهد : مسند احمد (٢/٢١٧) مجمع الزوائد (٦/٢٩٥) بيهقى (٨/٦٧)] شیخ البانی ؒ نے شواہد کی بنا پر اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغليل (٢٢٣٧)]

میں یہ آیا ہے کہ ”اگر چوتھائی دیت کے برابر کی چیز ہے اور اس نے درگذر کر لیا تو اس کے چوتھائی گناہ معاف ہو جاتے ہیں۔ ثلث ہے تو تہائی گناہ آدھی ہے تو آدھے گناہ اور پوری ہے تو پورے گناہ“۔ (١) ایک قریشی نے ایک انصاری کو زور سے دھکا دے دیا جس سے اس کے آگے کے دانت ٹوٹ گئے۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس مقدمہ گیا اور جب وہ بہت سر ہو گیا تو آپ نے فرمایا' اچھا جا تجھے اختیار ہے۔ حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ وہیں تھے فرمانے لگے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ”جس مسلمان کے جسم میں کوئی ایذاء پہنچائی جائے اور وہ صبر کر لے بدلہ نہ لے تو اللہ اس کے درجے بڑھاتا ہے اور اس کی خطائیں معاف فرماتا ہے' اس انصاری رضی اللہ عنہ نے یہ سن کر کہا' کیا سچ مچ آپ نے خود ہی اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی سنا ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں میرے ان کانوں نے سنا ہے اور میرے دل نے یاد کیا ہے' اس نے کہا پھر گواہ رہو کہ میں نے اپنے مجرم کو معاف کر دیا۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے اور اسے انعام دیا“۔ (ابن جریر) ترمذی میں بھی یہ روایت ہے (٢) لیکن امام ترمذی رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ حدیث غریب ہے۔ ابوسفر راوی کا ابودرداء رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہیں (٣) اور روایت میں ہے کہ تین گنی دیت وہ دینا چاہتا تھا لیکن یہ راضی نہیں ہوا تھا' اس میں حدیث کے الفاظ یہ ہیں کہ ”جو شخص خون یا اس سے کم کو معاف کر دے' وہ اس کی پیدائش سے لے کر موت تک کا کفارہ ہے“۔ (٤) مسند میں ہے کہ ”جس شخص کے جسم میں کوئی زخم لگے اور وہ معاف کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے اتنے ہی گناہ معاف فرما دیتا ہے“۔ (٥) مسند میں یہ بھی حدیث ہے ”اللہ کے حکم کے مطابق حکم نہ کرنے والے ظالم ہیں“۔ پہلے گذر چکا ہے کہ کفر کفر سے کم ہے' ظلم میں بھی تفاوت ہے اور فسق میں بھی درجے ہیں۔

وَقَفَّيْنَا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ بِعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ ۠ وَاٰتَيْنٰهُ الْاِنْجِيْلَ فِيْهِ هُدًى وَّنُوْرٌ ۙ وَّمُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ التَّوْرٰىةِ وَهُدًى وَّمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِيْنَ ۝ وَلْيَحْكُمْ اَهْلُ الْاِنْجِيْلِ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فِيْهِ ۭ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ۝

---

(١) [ضعیف :الدر المنثور للسیوطی (٥١٠/٢)] اس کی سند میں معلیٰ بن ہلال راوی متروک ہے۔]

(٢) [ضعیف : تفسیر ابن جریر طبری (١٢٠٨٥) ابن ماجه : كتاب الديات : باب العفو فی القصاص (٢٦٩٣) ترمذی : كتاب الديات : باب ماجآء فی العفو (١٣٩٣)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف الجامع الصغیر (٥١٧٧) السلسلة الضعیفة (٤٤٨٢)]

(٣) [صحیح لغیرہ مرفوعا وھذا اسناد ضعیف : مسند احمد (٤٤٨/٦)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرفوعاً صحیح لغیرہ ہے، البتہ یہ سند ضعیف ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٢٧٥٣٤)]

(٤) [ضعیف و منقطع :تفسیر ابن جریر الطبری (٣٦٨/١٠) الدر المنثور للسیوطی (٥١١/٢)] اس کی سند میں عمران بن ظبیان راوی ضعیف ہے۔ اور عدی بن ثابت کی معاویہ سے ملاقات ثابت نہیں۔]

(٥) [صحیح بالشواھد : مسند احمد (٣١٦/٥) نسائی فی التفسیر (١٦٦) تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٠٨٦)] شیخ شعیب ارناؤوط نے شواہد کی بنا پر اسے صحیح کہا ہے۔ [الموسوعة الحديثية (٢٢٧٥٣)]

اور ہم نے ان کے پیچھے عیسیٰ بن مریم (علیہما السلام) کو بھیجا جو اپنے سے آگے کی کتاب یعنی تورات کی تصدیق کرنے والے تھے اور ہم ہی نے انہیں انجیل عطا فرمائی جس میں ہدایت تھی اور نور اور وہ اپنے سے پہلے کی کتاب تورات کی تصدیق کرتی تھی اور وہ سراسر ہدایت ونصیحت تھی پارسا لوگوں کے لیے ○ انجیل والوں کو بھی چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ انجیل میں نازل فرمایا ہے اسی کے مطابق حکم کریں' جو اللہ کے نازل کردہ سے ہی حکم نہ کریں وہ بدکار فاسق ہیں ○

حق چھوڑ کر باطل اختیار کرنے والے: انبیاء بنی اسرائیل کے پیچھے ہم عیسیٰ علیہ السلام نبی کو لائے جو توراۃ پر ایمان رکھتے تھے' اس کے احکام کے مطابق لوگوں میں فیصلے کرتے تھے' ہم نے انہیں بھی اپنی کتاب انجیل دی' جس میں حق کی ہدایت تھی اور شبہات اور مشکلات کی توضیح تھی اور پہلی الہامی کتابوں کی تصدیق تھی' ہاں چند مسائل جن میں یہودی اختلاف کرتے تھے' ان کے صاف فیصلے اس میں موجود تھے۔ جیسے قرآن میں اور جگہ ہے کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا' میں' تمہارے لیے بعض وہ چیزیں حلال کروں گا جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں''۔ اسی لیے علماء کا مشہور مقولہ ہے کہ انجیل نے تورات کے بعض احکام منسوخ کر دیئے ہیں۔ انجیل سے پارسا لوگوں کی رہنمائی اور وعظ و پند ہوتی تھی کہ وہ نیکی کی طرف رغبت کریں اور برائی سے بچیں۔ ﴿اَهْلَ الاِنْجِيْلِ﴾ بھی پڑھا گیا ہے اس صورت میں ﴿وَالْيَحْكُمْ﴾ میں لام کَیْ کے معنی میں ہوگا۔ مطلب یہ ہوگا کہ ہم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو انجیل اس لیے دی تھی کہ وہ اپنے زمانے کے اپنے ماننے والوں کو اسی کے مطابق چلائیں اور اس لام کو امر کا لام سمجھا جائے اور مشہور قراۃ ﴿وَلْيَحْكُمْ﴾ پڑھی جائے تو معنی یہ ہوں گے کہ انہیں چاہیے کہ انجیل کے کل احکام پر ایمان لائیں اور اسی کے مطابق فیصلہ کریں۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ﴾ [1] الخ' یعنی اے اہل کتاب جب تک تم تورات و انجیل پر اور جو کچھ اللہ کی طرف سے اترا ہے' اگر اس پر قائم نہیں ہو تو تم کسی چیز پر نہیں ہو۔ اور آیت میں ہے ﴿اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ﴾ [2] الخ' جو لوگ اس رسول نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تابعداری کرتے ہیں' جس کی صفت اپنے ہاں توراۃ میں لکھی ہوئی پاتے ہیں الخ وہ لوگ جو کتاب اللہ اور اپنے نبی کے فرمان کے مطابق حکم نہ کریں وہ اللہ کی اطاعت سے خارج' حق کے تارک اور باطل کے عامل ہیں' یہ آیت نصرانیوں کے حق میں ہے۔ روشن آیت سے بھی یہ ظاہر ہے اور پہلے بیان بھی گذر چکا ہے۔

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ مِنَ الْكِتٰبِ وَ
مُهَيْمِنًا عَلَيْهِ فَاحْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَهُمْ عَمَّا جَآءَكَ
مِنَ الْحَقِّ ؕ لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجًا ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَعَلَكُمْ
اُمَّةً وَّاحِدَةً وَّلٰكِنْ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اِلَى اللّٰهِ مَرْجِعُكُمْ
جَمِيْعًا فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَ اَنِ احْكُمْ بَيْنَهُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ

---

[1] [سورة المائده: آیت ٦٨] [2] [سورة الاعراف: آیت ١٥٧]

وَلَا تَتَّبِعۡ اَهۡوَآءَهُمۡ وَاحۡذَرۡهُمۡ اَنۡ يَّفۡتِنُوۡكَ عَنۡۢ بَعۡضِ مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ اِلَيۡكَ‌ ؕ فَاِنۡ تَوَلَّوۡا فَاعۡلَمۡ اَنَّمَا يُرِيۡدُ اللّٰهُ اَنۡ يُّصِيۡبَهُمۡ بِبَعۡضِ ذُنُوۡبِهِمۡ‌ ؕ وَاِنَّ كَثِيۡرًا مِّنَ النَّاسِ لَفٰسِقُوۡنَ ﴿۴۹﴾ اَفَحُكۡمَ الۡجَاهِلِيَّةِ يَبۡغُوۡنَ‌ ؕ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ حُكۡمًا لِّقَوۡمٍ يُّوۡقِنُوۡنَ ﴿۵۰﴾

ع ١١

ہم نے تیری طرف حق کے ساتھ یہ کتاب نازل فرمائی ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے اور ان کی محافظ ہے سو تو ان کے آپس کے معاملات میں اسی اللہ کی اتاری ہوئی کتاب کے ساتھ حکم کر اس حق سے ہٹ کر ان کی خواہشوں کے پیچھے نہ لگ' تم میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے ایک دستور اور راہ مقرر کر دی ہے' اگر منظور مولیٰ ہوتا تو تم سب کو ایک ہی امت بنا دیتا لیکن اس کی چاہت ہے کہ جو تمہیں دیا ہے اس میں تمہیں آزما لے تم نیکیوں کی طرف جلدی کرو' تم سب کا رجوع اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ تمہیں ہر وہ چیز جتا دے گا جس میں تم اختلاف کرتے رہتے تھے ○ آپ ان کے باہمی معاملات میں اللہ کی نازل کردہ وحی کے مطابق ہی حکم کیا کیجئے' ان کی خواہشوں کی تابعداری نہ کیجئے ان سے ہوشیار رہ کہ کہیں یہ تجھے اللہ کے اتارے ہوئے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ کر دیں' اگر یہ لوگ منہ پھیر لیں تو تو یقین کر لے کہ اللہ کا ارادہ یہی ہے کہ انہیں ان کے بعض گناہوں کی سزا دے ہی لے۔ اکثر لوگ بے حکم ہی ہوتے ہیں ○ کیا یہ لوگ پھر سے جاہلیت کا فیصلہ چاہتے ہیں؟ یقین رکھنے والے لوگوں کے لیے اللہ سے بہتر فیصلے اور حکم کرنے والا کون ہو سکتا ہے ○

ہر ایک کے لیے شریعت اور منہاج: تورات وانجیل کی ثناء وصفت اور تعریف ومدحت کے بعد اب قرآن عظیم کی بزرگی بیان ہو رہی ہے کہ ''ہم نے اسے حق وصداقت کے ساتھ نازل فرمایا ہے یہ بالیقین اللہ واحد کی طرف سے ہے اور اسی کا کلام ہے۔ یہ تمام پہلی الٰہی کتابوں کو سچا مانتا ہے اور ان کتابوں میں بھی اس کی صفت وثنا موجود ہے اور یہ بھی بیان ان میں ہے کہ یہ پاک اور آخری کتاب آخری اور افضل رسول ﷺ پر اترے گی' پس ہر دانا شخص اس پر یقین رکھتا ہے اور اسے مانتا ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿اِنَّ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ مِنۡ قَبۡلِهٖۤ﴾ [1] الخ' جنہیں اس سے پہلے علم دیا گیا تھا' جب ان کے سامنے اس کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ ٹھوڑیوں کے بل سجدے میں گر پڑتے ہیں اور زبانی اقرار کرتے ہیں کہ ہمارے رب کا وعدہ سچا ہے اور وہ سچا ثابت ہو چکا ہے' اس نے اگلے رسولوں کی زبانی جو خبر دی تھی وہ پوری ہوئی اور آخری رسول رسولوں کے سرتاج رسول آ ہی گئے اور یہ کتاب ان پہلی کتابوں کی امین ہے۔ یعنی اس میں جو کچھ ہے' وہی پہلی کتابوں میں بھی تھا' اب اس کے خلاف کوئی کہے کہ فلاں پہلی کتاب میں یوں ہے تو یہ غلط ہے۔ یہ ان کی سچی گواہ اور انہیں گھیر لینے والی اور سمیٹ لینے والی ہے۔ جو جو اچھائیاں پہلے کی تمام کتابوں میں جمع تھیں' وہ سب اس آخری کتاب میں یکجا موجود ہیں' اسی لیے یہ سب پر حاکم اور سب پر مقدم ہے اور اس کی حفاظت کا کفیل خود اللہ تعالیٰ ہے۔ جیسے فرمایا ﴿اِنَّا نَحۡنُ نَزَّلۡنَا الذِّكۡرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوۡنَ﴾ [2]

---

[1] [سورہ بنی اسرائیل: آیت ١٠٧۔١٠٨]
[2] [سورۃ الحجر: آیت ٩]

بعض نے کہا ہے مراد اس سے یہ ہے کہ حضور ﷺ اس کتاب پر امین ہیں۔ واقع میں تو یہ قول بہت صحیح ہے لیکن اس آیت کی تفسیر یہ کرنی ٹھیک نہیں بلکہ عربی زبان کے اعتبار سے بھی یہ غور طلب امر ہے۔ صحیح تفسیر پہلی ہی ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے اس قول کو نقل کر کے فرمایا ہے "یہ بہت دور کی بات ہے بلکہ ٹھیک نہیں ہے اس لیے ﴿مهيمن﴾ کا عطف مصدق پر ہے، پس یہ بھی اسی چیز کی صفت ہے جس کی صفت مصدق کا لفظ تھا"۔ اگر حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے معنی صحیح مان لیے جائیں تو عبارت بغیر عطف کے ہونی چاہیے تھی۔

پس اے نبی ﷺ! آپ ان سب میں خدا کی اس کتاب کے احکام پھیلائیے۔ خواہ عرب ہوں، خواہ عجم ہوں، خواہ لکھے پڑھے ہوں، خواہ ان پڑھ ہوں۔ اللہ کی طرف سے نازل کردہ سے مراد وحی اللہ ہے خواہ وہ اس کتاب کی صورت میں ہو، خواہ جو پہلے احکام اللہ نے مقرر کر رکھے ہوں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس آیت سے پہلے تو آپ کو آزادی دی گئی تھی، اگر چاہیں ان میں فیصلے کریں چاہیں نہ کریں، لیکن اس آیت نے حکم دیا کہ وحی الٰہی کے ساتھ ان میں فیصلے کرنے ضروری ہیں"[1] ان بدنصیب جاہلوں نے اپنی طرف سے جو احکام گھڑ لیے ہیں اور ان کی وجہ سے کتاب اللہ کو پس پشت ڈال دیا ہے، خبردار اے نبی ﷺ تو ان کی چاہتوں کے پیچھے لگ کر حق کو نہ چھوڑ بیٹھنا۔ ان میں سے ہر ایک کے لیے ہم نے راستہ اور طریقہ بنا دیا ہے۔ کسی چیز کی طرف ابتداء کرنے کو شرعۃ کہتے ہیں، منہاج لغت میں کہتے ہیں واضح اور آسان راستے کو۔ پس ان دونوں لفظوں کی یہی تفسیر زیادہ مناسب ہے۔ پہلی تمام شریعتیں جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تھیں، وہ سب توحید پر متفق تھیں، البتہ چھوٹے موٹے احکام میں قدرے ہیر پھیر تھا۔ جیسے حدیث شریف میں ہے "ہم سب انبیاء علاتی بھائی ہیں، ہم سب کا دین ایک ہی ہے"[2] ہر نبی توحید کے ساتھ بھیجا جاتا رہا اور ہر آسمانی کتاب میں توحید کا بیان اس کا ثبوت اور اسی کی طرف دعوت دی جاتی رہی"۔ جیسے قرآن فرماتا ہے کہ "تجھ سے پہلے جتنے بھی رسول ہم نے بھیجے، ان سب کی طرف یہی وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود حقیقی نہیں، تم سب صرف میری ہی عبادت کرتے رہو"۔ اور آیت میں ہے ﴿وَلَقَدْ بَعَثْنَا﴾[3] الخ ہم نے ہر امت کو بزبان رسول کہلوا دیا کہ اللہ کی عبادت کرو اور اس کے سوا دوسروں کی عبادت سے بچو۔ ہاں احکام کا اختلاف ضرور رہا، کوئی چیز کسی زمانے میں حرام تھی پھر حلال ہوگئی یا اس کے برعکس۔ یا کسی حکم میں تخفیف تھی اب تاکید ہوگئی یا اس کے خلاف اور یہ بھی حکمت اور مصلحت اور حجت ربانی کے ساتھ پس توراۃ مثلاً ایک شریعت ہے، انجیل ایک شریعت ہے، قرآن ایک مستقل شریعت ہے تاکہ ہر زمانے کے فرمانبرداروں اور نافرمانوں کا امتحان ہو جایا کرے۔ البتہ توحید سب زمانوں میں یکساں رہی اور معنی اس جملہ کے یہ ہیں کہ اے امت محمد ﷺ! تم میں سے ہر شخص کے لیے ہم نے اپنی اس کتاب قرآن کریم کو شریعت اور طریقہ بنایا ہے، تم سب کو اس کی اقتدا اور تابعداری

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٠/٣٣٢)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول الله تعالی واذکر فی الکتاب مریم (٣٤٤٣) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فضائل عیسی (٢٣٦٥) مسند احمد (٢/٣١٩)]

[3] [سورة النحل: آیت ٣٦]

کرنی چاہیے۔اس صورت میں ((جَعَلْنَا)) کے بعد ضمیر ((ہٗ)) کی محذوف ماننی پڑے گی۔پس بہترین مقاصد حاصل کرنے کا ذریعہ اور طریقہ صرف قرآن کریم ہی ہے اور بس۔لیکن صحیح قول پہلا ہی ہے اور اس کی ایک دلیل یہ بھی ہے کہ اس کے بعد ہی فرمان ہوا ہے اگر اللہ چاہتا تو تم سب کو ایک ہی امت کر دیتا۔پس معلوم ہوا کہ اگلا خطاب صرف اس امت سے ہی نہیں بلکہ سب امتوں سے ہے اور اس میں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی اور کامل قدرت کا بیان ہے کہ اگر وہ چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی شریعت اور دین پر کر دیتا کوئی تبدیلی کسی وقت نہ ہوتی۔لیکن رب کی حکمت کاملہ کا تقاضا یہ ہوا کہ علیحدہ علیحدہ شریعتیں مقرر کرے ایک کے بعد دوسرا نبی بھیجے اور بعض احکام اگلے نبی کے پچھلے نبی سے بدلوا دے یہاں تک کہ اگلے دین حضرت محمد ﷺ کی نبوت سے منسوخ ہو گئے اور آپ تمام روئے زمین کی طرف بھیجے گئے اور خاتم الانبیاء بنا کر بھیجے گئے۔یہ مختلف شریعتیں صرف تمہاری آزمائش کے لیے ہوئیں تاکہ تابعداروں کو جزا اور نافرمانوں کو سزا ملے۔یہ بھی کہا گیا ہے کہ وہ تمہیں آزمائے اس چیز میں جو تمہیں اس نے دی ہے یعنی کتاب۔پس تمہیں خیرات اور نیکیوں کی طرف سبقت اور دوڑ کرنی چاہیے۔اللہ کی اطاعت اس کی شریعت کی فرمانبرداری کی طرف آگے بڑھنا چاہیے اور اس آخری شریعت آخری کتاب اور آخری پیغمبر ﷺ کی بہ دل و جان فرماں برداری کرنی چاہیے۔لوگو! تم سب کا مرجع و ماویٰ اور لوٹنا پھرنا اللہ ہی کی طرف ہے وہاں وہ تمہیں تمہارے اختلاف کی اصلیت بتادے گا۔سچوں کو ان کی سچائی کا اچھا پھل دے گا اور بروں کو ان کی کج بحثی سرکشی اور خواہش نفس کی پیروی کی سزا دے گا۔

جو حق کو ماننا تو ایک طرف بلکہ حق سے چڑتے ہیں اور مقابلہ کرتے ہیں۔ضحاک رحمہ اللہ کہتے ہیں مراد امت محمد ﷺ ہے مگر اول ہی اولیٰ ہے۔پھر پہلی بات کی اور تاکید ہو رہی ہے اور اس کے خلاف سے روکا جاتا ہے اور فرمایا جاتا ہے کہ ”دیکھو کہیں اس خائن مکار کذاب کفار یہود کی باتوں میں آ کر اللہ کے کسی حکم سے ادھر ادھر نہ ہو جانا۔اگر وہ تیرے احکام سے روگردانی کریں اور شریعت کے خلاف کریں تو تو سمجھ لے کہ ان کی سیاہ کاریوں کی وجہ سے اللہ کا کوئی عذاب ان پر آنے والا ہے۔اسی لیے توفیق خیر ان سے چھین لی گئی ہے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اطاعت حق سے خارج۔اللہ کے دین کے مخالف ہدایت سے دور ہیں“۔جیسے فرمایا ﴿وَمَآ اَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِيْنَ﴾ [1] یعنی گو تو حرص کر کے چاہے لیکن اکثر لوگ مومن نہیں ہیں۔اور فرمایا ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [2] اگر تو زمین والوں کی اکثریت کی مانے گا تو وہ تجھے بھی راہ حق سے بہکا دیں گے۔یہودیوں کے چند بڑے بڑے رئیسوں اور عالموں نے آپس میں ایک میٹنگ کر کے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ آپ جانتے ہیں اگر ہم آپ کو مان لیں تو تمام یہود آپ کی نبوت کا اقرار کر لیں گے اور ہم آپ کو ماننے کے لیے تیار ہیں آپ صرف اتنا کیجیے کہ ہم میں اور ہماری قوم میں ایک جھگڑا ہے اس کا فیصلہ ہمارے مطابق کر دیجیے آپ نے انکار کر دیا اور اسی پر یہ آیتیں اتریں۔[3] اس کے بعد

---

[1] [سورہ یوسف: آیت ۱۰۳]   [2] [سورة الانعام: آيت ۱۱٦]

[3] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۱۵٦) بیهقی فی دلائل النبوة (۲/۵۳٦)] اس کی سند میں محمد بن ابی محمد راوی مجہول ہے۔]

جناب باری تعالیٰ ان لوگوں کا ذکر کر رہا ہے جو اللہ کے حکم سے ہٹ جائیں، جس میں تمام بھلائیاں موجود اور تمام برائیاں دور ہیں۔ ایسے پاک حکم سے ہٹ کر رائے قیاس کی طرف، خواہش نفسانی کی طرف اور ان احکام کی طرف جھکے جو لوگوں نے از خود اپنی طرف سے بغیر دلیل شرعی کے گھڑ لیے ہیں جیسے کہ اہل جاہلیت اپنی جہالت وضلالت اور اپنی رائے اور اپنی مرضی کے مطابق حکم احکام جاری کر لیا کرتے تھے اور جیسے کہ تاتاری ملکی معاملات میں چنگیز خان کے احکام کی پیروی کرتے تھے جو الیاسق نے گھڑ دیئے تھے۔ وہ بہت سے احکام کے مجموعے کے دفاتر تھے جو مختلف شریعتوں اور مذہبوں سے چھانٹے گئے تھے۔ یہودیت، نصرانیت، اسلامیت وغیرہ سب کے احکام کا وہ مجموعہ تھا اور پھر اس میں بہت سے احکام وہ بھی تھے، جو صرف اپنی عقلی اور مصلحت وقت کے پیش نظر ایجاد کیے گئے تھے، جن میں اپنی خواہش کی ملاوٹ بھی تھی۔ پس وہی مجموعے ان کی اولاد میں قابل عمل ٹھہر گئے اور اسی کو کتاب وسنت پر فوقیت اور تقدیم دے لی۔ درحقیقت ایسا کرنے والے کافر ہیں اور ان سے جہاد واجب ہے یہاں تک کہ وہ لوٹ کر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حکم کی طرف آ جائیں اور کسی چھوٹے یا بڑے اہم یا غیر اہم معاملہ میں سوائے کتاب وسنت کے کوئی حکم کسی کا نہ لیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کیا یہ جاہلیت کے احکام کا ارادہ کرتے ہیں اور حکم رب سے سرک رہے ہیں؟ یقین والوں کے لیے اللہ سے بہتر حکمران اور کار فرما کون ہو گا؟ اللہ سے زیادہ عدل وانصاف والے احکام کس کے ہوں گے؟ ایماندار اور یقین کامل والے بخوبی جانتے اور مانتے ہیں کہ اس احکم الحاکمین اور ارحم الراحمین سے زیادہ اچھے، صاف، سہل اور عمدہ احکام وقواعد مسائل وضوابط کسی کے بھی نہیں ہو سکتے۔ وہ اپنی مخلوق پر اس سے بھی زیادہ مہربان ہے جتنی ماں اپنی اولاد پر ہوتی ہے، وہ پورے اور پختہ علم والا کامل اور عظیم الشان قدرت والا اور عدل وانصاف والا ہے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اللہ کے فیصلے کے بغیر جو فتویٰ دے اس کا فتویٰ جاہلیت کا حکم ہے''۔ ایک شخص نے حضرت طاؤس رحمہ اللہ سے پوچھا کیا میں اپنی اولاد میں سے ایک کو زیادہ اور ایک کو کم دے سکتا ہوں؟ تو آپ نے یہی آیت پڑھی۔ طبرانی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں سب سے بڑا اللہ کا دشمن وہ ہے جو اسلام میں جاہلیت کا طریقہ اور حیلہ تلاش کرے اور بے وجہ کسی کی گردن مارنے کے درپے ہو جائے۔ یہ حدیث بخاری میں بھی قدرے الفاظ کی زیادتی کے ساتھ ہے۔ [1]

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الْيَهُودَ وَالنَّصَارَىٰ أَوْلِيَاءَ ۘ بَعْضُهُمْ أَوْلِيَاءُ بَعْضٍ ۚ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ مِنْكُمْ فَإِنَّهُ مِنْهُمْ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ ﴿٥١﴾ فَتَرَى الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُونَ فِيهِمْ يَقُولُونَ نَخْشَىٰ أَنْ تُصِيبَنَا دَائِرَةٌ ۚ فَعَسَى اللَّهُ أَنْ يَأْتِيَ بِالْفَتْحِ أَوْ أَمْرٍ مِنْ عِنْدِهِ فَيُصْبِحُوا عَلَىٰ مَا أَسَرُّوا فِي أَنْفُسِهِمْ نَادِمِينَ ﴿٥٢﴾ وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا أَهَٰؤُلَاءِ الَّذِينَ أَقْسَمُوا بِاللَّهِ جَهْدَ أَيْمَانِهِمْ ۙ إِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ ۚ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فَأَصْبَحُوا خَاسِرِينَ ﴿٥٣﴾

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الدیات: باب من طلب دم امری بغیر حق (٦٨٨٢) طبرانی کبیر (١٠٧٤٩)]

اے ایمان والو تم یہود و نصاریٰ کو دوست نہ بناؤ یہ تو آپس میں ہی ایک دوسرے کے دوست ہیں' تم میں سے جو بھی ان میں سے کسی سے دوستی کرے وہ انہی میں سے ہے' ظالموں کو اللہ تعالیٰ ہرگز راہ راست نہیں دکھاتا○ تو دیکھے گا کہ جن کے دل میں بیماری ہے وہ دوڑ دوڑ کر ان میں گھس رہے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی حادثہ ہم پر پڑ جائے' بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ فتح دے دے یا اپنے پاس سے کوئی اور چیز لائے پھر تو یہ اپنے دلوں میں چھپائی ہوئی باتوں پر بے طرح نادم ہونے لگیں گے○ اور ایماندار کہنے لگیں گے کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جو بڑے مبالغہ سے اللہ کی قسمیں کھا کھا کر کہتے ہیں ہم تمہارے ساتھ ہیں' ان کے اعمال غارت ہوئے اور یہ ناکام ہو گئے○

یہود و نصاریٰ سے دوستی کی ممانعت: دشمنان اسلام یہود و نصاریٰ سے دوستیاں کرنے کی اللہ تبارک وتعالیٰ ممانعت فرما رہا ہے اور فرماتا ہے کہ "وہ تمہارے دوست ہرگز نہیں ہو سکتے کیونکہ تمہارے دین سے انہیں بغض وعداوت ہے۔ ہاں اپنے والوں سے ان کی دوستیاں اور محبتیں ہیں۔ میرے نزدیک تو جو بھی ان سے دلی محبت رکھے وہ ان ہی میں سے ہے"۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کو اس بات پر پوری تنبیہ کی اور یہ آیت پڑھ سنائی۔ [1] حضرت عبداللہ بن عتبہ نے فرمایا لوگو تمہیں اس سے بچنا چاہیے کہ تمہیں خود تو معلوم نہ ہو اور تم اللہ کے نزدیک یہود و نصرانی بن جاؤ' ہم سمجھ گئے کہ آپ کی مراد اسی آیت کے مضمون سے ہے۔ [2] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے عرب نصرانیوں کے ذبیحہ کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔ جس کے دل میں کھوٹ ہے وہ تو لپک لپک کر پوشیدہ طور پر ان سے ساز باز اور محبت ومودت کرتے ہیں اور بہانہ یہ بناتے ہیں کہ ہمیں خطرہ ہے اگر مسلمانوں پر یہ لوگ غالب آ گئے تو پھر ہماری تباہی کر دیں گے' اس لیے ہم ان سے میل ملاپ رکھتے ہیں' ہم کیوں کسی سے بگاڑیں؟ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ممکن ہے اللہ مسلمانوں کو صاف طور پر غالب کر دے' مکہ بھی ان کے ہاتھوں فتح ہو جائے' فیصلے اور حکم ان ہی کے چلنے لگیں' حکومت ان کے قدموں میں سر ڈال دے۔ یا اللہ تعالیٰ اور کوئی چیز اپنے پاس سے لائے یعنی یہود و نصاریٰ کو مغلوب کر کے انہیں ذلیل کر کے ان سے جزیہ لینے کا حکم مسلمانوں کو دے دے پھر تو یہ منافقین جو آج لپک لپک کر ان سے گہری دوستی کرتے پھرتے ہیں' بڑے بھنانے لگیں گے اور اپنی اس چالاکی پر خون کے آنسو بہانے لگیں گے۔ ان کے پردے کھل جائیں گے اور یہ جیسے اندر تھے ویسے ہی باہر سے نظر آئیں گے۔ اس وقت مسلمان ان کی مکاریوں پر تعجب کریں گے اور کہیں گے اے لو یہی وہ لوگ ہیں' جو بڑی بڑی قسمیں کھا کھا کر ہمیں یقین دلاتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھی ہیں۔ انہوں نے جو پایا تھا وہ کھو دیا تھا اور برباد ہو گئے۔ ﴿وَيَـقُوْلُ﴾ تو جمہور کی قرات ہے۔ ایک قرات بغیر واؤ کے بھی ہے اہل مدینہ کی یہی قرات ہے۔ ﴿يَـقُوْلُ﴾ تو مبتدا ہے اور دوسری قرات اس کی ﴿يَـقُوْلَ﴾ ہے تو یہ ﴿فَعَسٰى﴾ الخ پر عطف ہو گا گویا ﴿وَاَنْ يَّقُوْلَ﴾ ہے اہل مدینہ کے نزدیک۔

---

[1] [حسن: الدرالمنثور (٣/ ١٠٠) تفسیر ابن ابی حاتم (١١٥٦/٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (١١٥٦/٤)]

ان آیتوں کا شان نزول یہ ہے کہ جنگ احد کے بعد ایک شخص نے کہا کہ میں اس یہودی سے دوستی کرتا ہوں تا کہ موقع پر مجھے نفع پہنچے' دوسرے نے کہا' میں فلاں نصرانی کے پاس جاتا ہوں' اس سے دوستی کر کے اس کی مدد کروں گا۔ اس پر یہ آیتیں اتریں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''ابولبابہ بن عبدالمنذر کے بارے میں یہ آیتیں اتریں جبکہ حضور ﷺ نے انہیں بنوقریظہ کی طرف بھیجا تو انہوں نے آپ سے پوچھا کہ حضور ﷺ ہمارے ساتھ کیا سلوک کریں گے؟ تو آپ نے اپنے گلے کی طرف اشارہ کیا یعنی تم سب کو قتل کرا دیں گے''۔ ایک روایت میں ہے کہ یہ آیتیں عبداللہ بن ابی بن سلول کے بارے میں اتری ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے حضرت ﷺ سے کہا کہ بہت سے یہودیوں سے میری دوستی ہے مگر میں ان سب کی دوستیاں توڑتا ہوں' مجھے اللہ رسول ﷺ کی دوستی کافی ہے۔ اس پر اس منافق نے کہا میں دوراندیش ہوں' دور کی سوچنے کا عادی ہوں' مجھ سے یہ نہ ہو سکے گا' نہ جانے کس وقت کیا موقعہ پڑ جائے؟ حضور ﷺ نے فرمایا اے عبداللہ تو عبادہ رضی اللہ عنہ کے مقابلے میں بہت ہی گھاٹے میں رہا' اس پر یہ آیتیں اتریں۔ [1] ایک روایت میں ہے کہ ''جب بدر میں مشرکین کو شکست ہوئی تو بعض مسلمانوں نے اپنے ملنے والے یہودیوں سے کہا کہ یہی تمہاری حالت ہو' اس سے پہلے ہی تم اس دین برحق کو قبول کر لو' انہوں نے جواب دیا کہ چند قریشیوں پر جو لڑائی کے فنون سے بے بہرہ ہیں' فتح مندی حاصل کر کے کہیں تم مغرور نہ ہو جانا' ہم سے اگر پالا پڑا تو ہم تو تمہیں بتا دیں گے کہ لڑائی اسے کہتے ہیں۔ اس پر حضرت عبادہ رضی اللہ عنہ اور عبداللہ بن ابی کا وہ مکالمہ ہوا جو اوپر بیان ہو چکا ہے۔ [2] جب یہودیوں کے اس قبیلہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی اور بفضل رب یہ غالب آ گئے تو اب عبداللہ بن ابی آپ سے کہنے لگا' حضور ﷺ میرے دوستوں کے معاملہ میں مجھ پر احسان کیجئے یہ لوگ خزرج کے ساتھی تھے' حضور ﷺ نے اسے کوئی جواب نہ دیا' اس نے پھر کہا' آپ نے منہ موڑ لیا' یہ آپ کے دامن سے چپک گیا' آپ نے غصہ سے فرمایا کہ چھوڑ دے' اس نے کہا نہیں یا رسول اللہ ﷺ میں نہ چھوڑوں گا' یہاں تک کہ آپ ان کے بارے میں احسان کریں' ان کی بڑی پوری جماعت ہے اور آج تک یہ لوگ میرے طرفدار رہے اور ایک ہی دن میں یہ سب فنا کے گھاٹ اتر جائیں گے۔ مجھے تو آنے والی مصیبتوں کا کھٹکا ہے۔ آخر حضور ﷺ نے فرمایا' ''جا وہ سب تیرے لیے ہیں''۔ [3] ایک روایت میں ہے کہ ''جب بنوقینقاع کے یہودیوں نے حضور ﷺ سے جنگ کی اور اللہ نے انہیں نیچا دکھایا تو عبداللہ بن ابی ان کی حمایت حضور ﷺ کے سامنے کرنے لگا اور حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ نے باوجودیکہ یہ بھی ان کے حلیف تھے لیکن انہوں نے ان سے صاف براءت ظاہر کی''۔ اس پر یہ آیتیں ﴿هُمُ الْغَالِبُونَ﴾ تک اتریں۔ [4] مسند احمد میں ہے کہ ''اس منافق عبداللہ بن ابی کی عیادت کے لیے حضور ﷺ تشریف لے گئے تو آپ نے فرمایا' میں نے تو تجھے بارہا ان یہودیوں کی محبت سے

---

[1] [مرسل وضعیف :تفسیر ابن جریر الطبری (١٢١٦٢)] اس کی سند میں عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔]

[2] [مرسل وضعیف :تفسیر ابن جریر الطبری (١٢١٦٣)]

[3] [مرسل وضعیف :بیھقی فی دلائل النبوۃ (١٧٤/٣)]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٢١٦٤) سیرۃ ابن ھشام (٥٢/٣)]

روکا تو اس نے کہا اسعد بن زرارہ تو ان سے دشمنی رکھتا تھا وہ بھی مر گیا''۔ [1]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَ يُحِبُّوْنَهٗۤ ۙ اَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ؗ يُجَاهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ ؕ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۵۴﴾ اِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ يُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَيُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ رٰكِعُوْنَ ﴿۵۵﴾ وَمَنْ يَّتَوَلَّ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَاِنَّ حِزْبَ اللّٰهِ هُمُ الْغٰلِبُوْنَ ﴿۵۶﴾ ع ۱۲

اے ایمان والو تم میں سے جو شخص اپنے دین سے پھر جائے تو اللہ تعالیٰ بہت جلد ایسی قوم کو لائے گا جو اللہ کی محبوب ہو گی اور وہ بھی اللہ سے محبت رکھتی ہو گی نرم دل ہوں گے مسلمانوں پر اور سخت اور تیز ہوں گے کفار پر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے رہیں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ بھی نہ کریں گے' یہ ہے اللہ کا فضل جسے چاہے دے' اللہ تعالیٰ بڑی وسعت والا اور زبردست علم والا ہے ○ مسلمانو تمہارا دوست خود اللہ ہے اور اس کا رسول ہے اور ایمان والے ہیں جو نمازوں کی پابندی کرتے ہیں اور زکوٰۃ ادا کرتے رہتے ہیں اور وہ خشوع و خضوع کرنے والے ہیں ○ جو شخص اللہ سے اور اس کے رسول (ﷺ) سے اور مسلمانوں سے دوستی کرے وہ یقین مانے کہ اللہ تعالیٰ کی جماعت ہی غالب رہے گی ○

حقیقی اللہ کے ولی اہل ایمان: اللہ رب العزت جو قادر و غالب ہے خبر دیتا ہے کہ اگر کوئی اس پاک دین سے مرتد ہو جائے تو وہ اسلام کی قوت گھٹا نہیں دے گا' اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کے بدلے ان لوگوں کو اس سچے دین کی خدمت پر مامور کرے گا' جو ان سے ہر حیثیت میں اچھے ہوں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَاِنْ تَتَوَلَّوْا﴾ [2] الخ اور آیت میں ہے ﴿اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اَيُّهَا النَّاسُ وَيَاْتِ بِاٰخَرِيْنَ﴾ [3] اور جگہ فرمایا ﴿وَيَاْتِ بِخَلْقٍ جَدِيْدٍ﴾ [4] الخ' مطلب ان سب آیتوں کا وہی ہے جو بیان ہوا۔ ارتداد کہتے ہیں' حق کو چھوڑ کر باطل کی طرف پھر جانے کو۔ محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ آیت سرداران قریش کے بارے میں اتری ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''خلافت صدیقی رضی اللہ عنہ میں جو لوگ اسلام سے پھر گئے تھے' ان کا حکم اس آیت میں ہے۔ جس قوم کو ان کے بدلے لانے کا وعدہ دے رہا ہے وہ اہل قادسیہ ہیں یا قوم سبا ہے۔ یا اہل یمن ہیں جو کندہ اور سکون قبیلہ کے ہیں''۔ ایک بہت ہی غریب مرفوع حدیث میں بھی یہ پچھلی بات بیان ہوئی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آپ نے

---

[1] [ضعیف : ابو داؤد: كتاب الجنائز : باب في العيادة (٣٠٩٤) مسند احمد (٥/٢٠١)] اس کی سند میں ابن اسحاق راوی مدلس ہے اور تصریح بالسماع نہیں۔ شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابو داود (٦٨١)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [سورہ محمد : آیت ٣٨]

[3] [سورۂ النساء : آیت ١٣٣]

[4] [سورہ ابراھیم : آیت ١٩]

حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا وہ اس کی قوم ہے۔ (1) اب ان کامل ایمان والوں کی صفت بیان ہو رہی ہے کہ ''یہ اپنے دوستوں یعنی مسلمانوں کے سامنے تو بچھ جانے والے' جھک جانے والے ہوتے ہیں اور کفار کے مقابلہ میں تن جانے والے' ان پر بھاری پڑنے والے اور ان پر تیز ہونے والے ہوتے ہیں''۔ جیسے فرمایا ﴿اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ﴾ (2) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی صفتوں میں ہے کہ آپ خندہ مزاج بھی تھے اور قتال بھی یعنی دوستوں کے سامنے ہنس مکھ خندہ رو اور دشمنان دین کے مقابلہ میں سخت اور جنگجو۔

سچے مسلمان راہ حق کے جہاد سے نہ منہ موڑتے ہیں' نہ پیٹھ دکھاتے ہیں' نہ تھکتے ہیں' نہ بزدلی اور آرام طلبی کرتے ہیں' نہ کسی کی مروت میں آتے ہیں' نہ کسی کی ملامت کا خوف کرتے ہیں' وہ برابر اطاعت الٰہی میں اس کے دشمنوں سے جنگ کرنے میں بھلائی کا حکم کرنے میں اور برائیوں سے روکنے میں مشغول رہتے ہیں۔ حضرت ابو ذر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''مجھے میرے خلیل صلی اللہ علیہ وسلم نے سات باتوں کا حکم دیا ہے۔ مسکینوں سے محبت رکھنے' ان کے ساتھ بیٹھنے اٹھنے اور دنیوی امور میں اپنے سے کم درجے کے لوگوں کو دیکھنے اور اپنے سے بڑھے ہوؤں کو نہ دیکھنے' صلہ رحمی کرتے رہنے' گو دوسرے نہ کرتے ہوں اور کسی سے کچھ بھی نہ مانگنے' حق بات بیان کرنے کا گو وہ سب کو کڑوی لگے اور دین کے معاملات میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت سے نہ ڈرنے کا اور بہ کثرت ((لا حول ولا قوۃ الا باللہ)) پڑھنے کا' کیونکہ یہ کلمہ عرش کے نیچے کا خزانہ ہے''۔ (3) (مسند احمد) ایک روایت میں ہے ''میں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پانچ مرتبہ بیعت کی ہے اور سات باتوں کی آپ نے مجھے یاد دہانی کی ہے اور سات مرتبہ اپنے اوپر اللہ کو گواہ کرتا ہوں کہ میں اللہ کے دین کے بارے میں کسی بدگو کی بدگوئی کی مطلق پرواہ نہیں کرتا۔ مجھے بلا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا مجھ سے جنت کے بدلے میں بیعت کرے گا؟ میں نے منظور کر کے ہاتھ بڑھایا تو آپ نے شرط کی کہ کسی سے کچھ بھی نہ مانگنا۔ میں نے کہا بہت اچھا' فرمایا اگرچہ کوڑا بھی ہو۔ یعنی اگر وہ بھی گر پڑے تو خود سواری سے اتر کر لے لینا''۔ (4) (مسند احمد) حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ''لوگوں کی ہیبت میں آ کر حق گوئی سے نہ رکنا' یاد رکھو نہ تو کوئی موت کو قریب کر سکتا ہے' نہ رزق کو دور کر سکتا ہے''۔ (5) ملاحظہ ہو امام احمد رحمہ اللہ کی مسند۔ ''فرماتے ہیں خلاف شرع امر دیکھ کر' سن کر اپنے آپ کو کمزور جان کر' خاموش نہ ہو جانا۔ ورنہ اللہ کے ہاں اس کی باز پرس ہوگی' اس وقت انسان جواب دے گا کہ میں لوگوں کے ڈر سے چپکا ہو گیا تو جناب باری تعالیٰ فرمائے گا'

---

(1) [صحیح : مستدرك حاكم (٢/٣١٣) تفسير ابن جرير الطبری (١٢١٩٤) بیهقی فی دلائل النبوة (٥/٣٥١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (٣٣٦٨)]

(2) [سورة الفتح : آیت ٢٩]

(3) [صحیح : مسند احمد (٥/١٥٩) مجمع الزوائد (١٠/٢٦٣)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحيحة (٢١٦٦)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

(4) [ضعیف : مسند احمد (٥/١٧٢)] اس کی سند میں ابوثنی راوی مجہول ہے۔]

(5) [ضعیف : مسند احمد (٣/٥٠، ٨٧) طبرانی اوسط (٢٨٢٥)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔[الموسوعة الحديثية (١١٤٧٤)]

میں اس کا زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے ڈرتا''۔ ① (مسند احمد) فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ اپنے بندے سے قیامت کے دن ایک سوال یہ بھی کرے گا کہ تو نے لوگوں کو خلاف شرع کام کرتے دیکھ کر اس سے روکا کیوں نہیں؟ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی اسے جواب سمجھائے گا اور یہ کہے گا پروردگار میں نے تجھ پر بھروسہ کیا اور لوگوں سے ڈرا۔ ② (ابن ماجہ) ایک اور صحیح حدیث میں ہے ''مومن کو نہ چاہیے کہ اپنے آپ کو ذلت میں ڈالے' صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا' یہ کس طرح؟ فرمایا ان بلاؤں کو اپنے اوپر لے لے' جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ ③ پھر فرمایا اللہ کا فضل ہے' جسے چاہے دے۔ یعنی کمال ایمان کی یہ صفتیں خاص اللہ کا عطیہ ہیں' اسی کی طرف سے ان کی توفیق ہوتی ہے' اس کا فضل بہت ہی وسیع ہے اور وہ کامل علم والا ہے' خوب جانتا ہے کہ اس بہت بڑی نعمت کا مستحق کون ہے؟

پھر ارشاد ہوتا ہے کہ تمہارے دوست کفار نہیں بلکہ حقیقتاً تمہیں اللہ سے اس کے رسول ﷺ اور مومنوں سے دوستیاں رکھنی چاہئیں۔ مومن بھی وہ جن میں یہ صفتیں ہوں کہ وہ نماز کے پورے پابند ہوں' جو اسلام کا اعلیٰ اور بہترین رکن ہے اور صرف اللہ کا حق ہے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں جو اللہ کے ضعیف مسکین بندوں کا حق ہے''۔ اور آخری جملہ جو ہے اس کی نسبت بعض لوگوں کو وہم سا ہو گیا ہے کہ یہ ﴿يُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ﴾ سے حال واقع ہے یعنی رکوع کی حالت میں زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ یہ بالکل غلط ہے۔ اگر اسے مان لیا جائے تو یہ تو نمایاں طور پر ثابت ہو جائے گا کہ رکوع کی حالت میں زکوٰۃ دینا افضل ہے حالانکہ کوئی عالم اس کا قائل ہی نہیں' ان وہمیوں نے یہاں ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ نماز کے رکوع میں تھے جو ایک سائل آ گیا تو آپ نے اپنی انگوٹھی اتار کر اسے دے دی' ④ ﴿وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ سے مراد بقول عتبہ جملہ مسلمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہ ہیں۔ اس پر یہ آیت اتری ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی انگوٹھی کا قصہ ہے اور بعض دیگر مفسرین نے بھی یہ تفسیر کی ہے لیکن سند ایک کی بھی صحیح نہیں' رجال ایک کے بھی ثقہ اور ثابت نہیں' پس یہ واقعہ بالکل غیر ثابت شدہ ہے اور صحیح نہیں۔ ⑤ ٹھیک وہی ہے جو ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ یہ سب آیتیں حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جبکہ انہوں نے کھلے لفظوں میں یہود کی دوستی توڑی اور اللہ اور اس کے رسول اور ایمان دار لوگوں کی دوستی پر راضی ہو گئے' اسی لیے ان تمام آیتوں کے آخر میں فرمان ہوا کہ جو شخص اللہ اور اس کے رسول اور مومنون

---

① [ضعیف : مسند احمد (٣/٤٧) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهی عن المنکر (٤٠٠٨)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابن ماجه ، التعلیق الرغیب (٣/١٦٩)]

② [صحیح : ابن ماجه : کتاب الفتن : باب قوله تعالی یایها الذین امنوا علیکم انفسکم (٤٠١٧) مسند احمد (٣/٢٧۔ ٧٧)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابن ماجه ، الصحیحة (٩٢٩)]

③ [صحیح : ابن ماجه : کتاب الفتن : باب قوله تعالی یایها الذین امنو علیکم انفسکم (٤٠١٦) ترمذی : کتاب الفتن : باب لا یتعرض من البلاء لما لا یطیق (٢٢٥٤) مسند احمد (٥/٤٠٥)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (٦١٣)]

④ [ضعیف : اس کی سند میں موسیٰ بن قیس راوی سخت ضعیف ہے۔]

⑤ [تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٢١٩)]

سے دوستی رکھے وہ اللہ کے لشکر میں داخل ہے اور یہی اللہ کا لشکر غالب ہے۔ جیسے فرمان باری ہے ﴿كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِیْ﴾ [1] الخ، یعنی اللہ تعالیٰ یہ دیکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ﷺ ہی غالب رہیں گے اللہ پر اور آخرت پر ایمان رکھنے والوں کو تو اللہ اور رسول ﷺ کے دشمنوں سے دوستی رکھنے والا کبھی پسند نہ آئے گا چاہے وہ باپ بیٹے بھائی اور کنبے قبیلے کے لوگوں میں سے ہی کیوں نہ ہو، یہی ہیں جن کے دلوں میں اللہ نے ایمان لکھ دیا ہے اور اپنی روح سے ان کی تائید کی ہے، انہیں اللہ تعالیٰ ان جنتوں میں لے جائے گا، جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں، جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے، رب ان سے راضی ہے، یہ اللہ سے خوش ہیں، یہی اللہ کے لشکر ہیں اور اللہ ہی کا لشکر فلاح پانے والا ہے۔ پس جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور مومنوں کی دوستیوں پر راضی اور رضامند ہو جائے، وہ دنیا میں فاتح ہے اور آخرت میں فلاح پانے والا ہے۔ اسی لیے اس آیت کو بھی اس جملے پر ختم کیا۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَكُمْ هُزُوًا وَّلَعِبًا مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿٥٧﴾ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْقِلُوْنَ ﴿٥٨﴾

مسلمانو! ان لوگوں کو دوست نہ بناؤ جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنائے ہوئے ہیں خواہ وہ ان میں سے ہوں جو تم سے پہلے کتاب دیئے گئے خواہ کفار ہوں اگر تم سچے مومن ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ○ جب تم نماز کے لیے پکارتے ہو تو وہ اسے ہنسی کھیل ٹھہرا لیتے ہیں، یہ اس واسطے کہ یہ بے عقل ہیں ○

اذان اور دشمنان دین: اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو غیر مسلموں کی محبت سے نفرت دلاتا ہے اور فرماتا ہے کہ ''کیا تم ان سے دوستیاں کرو گے جو تمہارے طاہر و مطہر دین کی ہنسی اڑاتے ہیں اور اسے ایک بازیچہ اطفال بنائے ہوئے ہیں''۔ ﴿من﴾ بیان جنس کے لیے جیسے ﴿مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ میں۔ [2] بعض نے ﴿وَالْكُفَّارِ﴾ پڑھا ہے اور عطف ڈالا ہے اور بعض نے ﴿وَالْكُفَّارَ﴾ پڑھا ہے اور ﴿لَا تَتَّخِذُوْا﴾ کا نیا معمول بنایا ہے تو تقدیر عبارت ﴿وَلَا الْكُفَّارَ اَوْلِيَآءَ﴾ ہو گی، کفار سے مراد مشرکین ہیں، ابن مسعود کی قرات میں ﴿وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا﴾ ہے۔ [3] اللہ سے ڈرو اور ان سے دوستیاں نہ کرو اگر تم سچے مومن ہو۔ یہ تو تمہارے دین کے، اللہ کی شریعت کے دشمن ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ﴾ [4] الخ، مومن مومنوں کو چھوڑ کر کفار سے دوستیاں نہ کریں اور جو ایسا کرے وہ اللہ کے ہاں کسی بھلائی میں نہیں ہاں ان سے بچاؤ مقصود ہو تو اور بات ہے، اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ذات سے ڈرا رہا ہے اور اللہ ہی کی طرف لوٹنا ہے۔ اسی طرح یہ کفار اہل کتاب اور مشرک اس وقت بھی مذاق

---

[1] [سورة المجادله: آیت ۲۱، ۲۲]

[2] [سورة الحج : آیت ۳۰]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۰/۴۳۰)]

[4] [سوره آل عمران : آیت ۲۸]

اڑاتے ہیں جب تم نمازوں کے لیے لوگوں کو پکارتے ہو حالانکہ وہ اللہ تعالیٰ کی سب سے پیاری عبادت ہے' لیکن یہ بیوقوف اتنا بھی نہیں جانتے' اس لیے کہ یہ متبع شیطان ہیں' اس کی یہ حالت ہے کہ اذان سنتے ہی بدبو چھوڑ کر دم دبائے بھاگتا ہے اور وہاں جا کر ٹھہرتا ہے' جہاں اذان کی آواز نہ سن پائے۔ اس کے بعد آ جاتا ہے پھر تکبیر سن کر بھاگ کھڑا ہوتا ہے اور اس کے ختم ہوتے ہی آ کر اپنے بہکاوے میں لگ جاتا ہے' انسان کو ادھر ادھر کی بھولی بسری باتیں یاد دلاتا ہے یہاں تک کہ اسے یہ بھی خبر نہیں رہتی کہ نماز کی کتنی رکعت پڑھیں؟ جب ایسا ہو تو وہ سجدہ سہو کر لے۔ (متفق علیہ) [1] امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ''اذان کا ذکر قرآن کریم میں بھی ہے پھر یہی آیت تلاوت کی''۔ [2] ایک نصرانی مدینے میں تھا، اذان میں جب ﴿اَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ﴾ سنتا تو کہتا کذاب جل جائے۔ ایک مرتبہ رات کو اس کی خادمہ گھر میں آگ لائی' کوئی پتنگا اڑا جس سے گھر میں آگ لگ گئی' وہ شخص اس کا گھر بار سب جل کر ختم ہو گیا۔ فتح مکہ والے سال حضور ﷺ نے حضرت بلال رضی اللہ عنہ کو کعبے میں اذان کہنے کا حکم دیا' قریب ہی ابوسفیان بن حرب' عتاب بن اسید' حارث بن ہشام بیٹھے تھے' عتاب نے تو اذان سن کر کہا میرے باپ پر تو اللہ کا فضل ہوا کہ وہ اس غصہ دلانے والی آواز کے سننے سے پہلے ہی دنیا سے چل بسا۔ حارث کہنے لگا اگر میں اسے سچا جانتا تو مان ہی نہ لیتا۔ ابوسفیان نے کہا بھئی میں تو کچھ بھی زبان سے نہیں نکالتا' ڈر ہے کہ کہیں یہ کنکریاں اسے خبر نہ کر دیں۔ انہوں نے باتیں ختم کی ہی تھیں کہ حضور ﷺ آ گئے اور فرمانے لگے اس وقت تم نے یہ یہ باتیں کیں ہیں' یہ سنتے ہی عتاب اور حارث تو بول پڑے کہ ہماری گواہی ہے کہ آپ اللہ کے سچے رسول ﷺ ہیں' یہاں تو کوئی چوتھا تھا ہی نہیں' ورنہ ہم یہ گمان کر سکتے تھے کہ اس نے جا کر آپ سے کہہ دیا ہوگا۔ [3] (سیرۃ محمد بن اسحٰق)

حضرت عبداللہ بن محیریز رحمہ اللہ جب شام کے سفر کو جانے لگے تو حضرت ابومحذورہ رضی اللہ عنہ سے جن کی گود میں انہوں نے ایام یتیمی بسر کیے تھے' کہا آپ کی اذان کے بارے میں مجھ سے وہاں کے لوگ ضرور سوال کریں گے تو آپ اپنے واقعات تو مجھے بتا دیجیے۔ فرمایا ہاں سنو جب رسول اللہ ﷺ حنین سے واپس آ رہے تھے راستے میں' ہم لوگ ایک جگہ رکے' تو نماز کے وقت حضور ﷺ کے موذن نے اذان کہی' ہم نے اس کا مذاق اڑانا شروع کیا' کہیں آپ کے کان میں بھی آوازیں پڑ گئیں۔ سپاہی آیا اور ہمیں آپ کے پاس لے گیا۔ آپ نے دریافت فرمایا کہ تم سب میں زیادہ اونچی آواز کس کی تھی؟ سب نے میری طرف اشارہ کیا تو آپ نے اور سب کو چھوڑ دیا اور مجھے روک لیا اور فرمایا ''اٹھو اذان کہو'' واللہ اس وقت حضور ﷺ کی ذات سے اور آپ کی فرماں برداری سے زیادہ بری چیز میرے نزدیک کوئی نہ تھی لیکن بے بس تھا' کھڑا ہو گیا' اب خود آپ نے مجھے اذان سکھائی اور جو آپ سکھاتے رہے' میں کہتا رہا' پھر اذان پوری بیان کی' جب میں اذان سے فارغ ہوا تو آپ نے مجھے ایک تھیلی دی' جس میں چاندی تھی' پھر اپنا دست مبارک میرے سر پر رکھا اور پیٹھ تک لائے۔

[1] [صحیح]: صحیح بخاری: کتاب السهو: باب اذا لم یدر کم صلی ثلاثا (١٢٣١) صحیح مسلم: کتاب المساجد: باب السهو فی الصلاۃ (٣٨٩)]

[2] [تفسیر ابن ابی حاتم (١١٦٤/٤)]

[3] [دلائل النبوۃ (٧٨/٥)]

پھر فرمایا اللہ تجھ میں اور تجھ پر اپنی برکت نازل کرے۔ اب تو اللہ کی قسم میرے دل سے رسول ﷺ کی عداوت بالکل جاتی رہی، ایسی محبت حضور ﷺ کی دل میں پیدا ہوگئی، میں نے آرزو کی کہ مکے کا موذن حضور ﷺ مجھ کو بنا دیں۔ آپ نے میری یہ درخواست منظور فرمالی اور میں مکے میں چلا گیا اور وہاں کے گورنر حضرت عتاب بن اسید رضی اللہ عنہ سے مل کر اذان پر مامور ہوگیا۔ (1) حضرت ابو محذورہ کا نام سمرہ بن معیر بن لوذان تھا، حضور ﷺ کے چار موذنوں میں سے ایک آپ تھے اور لمبی مدت تک آپ اہل مکہ کے موذن رہے۔ رضی اللہ عنہ وارضاہ۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ هَلْ تَنْقِمُوْنَ مِنَّآ اِلَّآ اَنْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلُ ۙ وَاَنَّ اَكْثَرَكُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿٥٩﴾ قُلْ هَلْ اُنَبِّئُكُمْ بِشَرٍّ مِّنْ ذٰلِكَ مَثُوْبَةً عِنْدَ اللّٰهِ ۭ مَنْ لَّعَنَهُ اللّٰهُ وَغَضِبَ عَلَيْهِ وَجَعَلَ مِنْهُمُ الْقِرَدَةَ وَالْخَنَازِيْرَ وَعَبَدَ الطَّاغُوْتَ ۭ اُولٰۗىِٕكَ شَرٌّ مَّكَانًا وَّاَضَلُّ عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ﴿٦٠﴾ وَاِذَا جَاۗءُوْكُمْ قَالُوْٓا اٰمَنَّا وَقَدْ دَّخَلُوْا بِالْكُفْرِ وَهُمْ قَدْ خَرَجُوْا بِهٖ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِمَا كَانُوْا يَكْتُمُوْنَ ﴿٦١﴾ وَتَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يُسَارِعُوْنَ فِي الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿٦٢﴾ لَوْلَا يَنْهٰىهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ وَالْاَحْبَارُ عَنْ قَوْلِهِمُ الْاِثْمَ وَاَكْلِهِمُ السُّحْتَ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَصْنَعُوْنَ ﴿٦٣﴾

کہہ دے کہ اے یہودیو اور نصرانیو! تم ہم سے صرف اسی وجہ سے دشمنیاں کر رہے ہو کہ ہم اللہ پر اور جو کچھ ہماری جانب نازل کیا گیا ہے اور جو کچھ اس سے پہلے اتارا گیا ہے اس پر ایمان لائے ہیں اور اس لیے بھی کہ تم میں سے اکثر فاسق ہیں ○ کہہ کہ کیا میں تمہیں بتاؤں؟ کہ اس سے بھی زیادہ برے بدلے والا اللہ کے نزدیک کون ہے؟ وہ جس پر اللہ نے لعنت کی اور اس پر وہ غصے ہوا اور ان میں سے بعض کو بندر اور سور بنا دیئے اور وہ جنہوں نے معبودان باطل کی پرستش کی، یہی لوگ بدتر درجے والے ہیں اور یہی راہ راست سے بہت زیادہ بھٹکنے والے ہیں ○ جب تمہارے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے حالانکہ وہ کفر لیے ہوئے ہی آئے تھے اور اسی کفر کے ساتھ ہی گئے بھی، یہ جو کچھ چھپا رہے ہیں اور اس سے اللہ تعالیٰ خوب دانا ہے ○ تو دیکھے گا کہ ان میں سے اکثر گناہ کے کاموں کی طرف اور ظلم و زیادتی کی طرف اور مال حرام کے کھانے کی طرف لپک رہے ہیں، جو کچھ یہ کر رہے ہیں وہ یقیناً نہایت برے کام ہیں ○ انہیں ان کے عابد و عالم جھوٹ باتوں کے کہنے اور حرام چیزوں کے کھانے سے کیوں نہیں روکتے؟ بیشک بہت برا کام ہے جو یہ کر رہے ہیں ○

---

(1) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصلاۃ : باب صفة الاذان (٣٨٩) ابو داؤد : کتاب الصلاۃ : باب کیف الاذان (٥٠٠ ـ ٥٠١) نسائی : کتاب الاذان : باب خفض الصوت فی الترجیع (٦٣٠) ابن ماجه : کتاب الاذان : باب الترجیع فی الاذان (٧٠٨ ـ ٧٠٩) ترمذی : کتاب الصلاۃ : باب ماجآء فی الترجیع (١٩١ ـ ١٩٢) مسند احمد (٤٠٩/٣)]

بدترین لوگ اور اہل علم کو امر بالمعروف کی نصیحت: حکم ہوتا ہے کہ جو اہل کتاب تمہارے دین پر مذاق اڑاتے ہیں، ان سے کہو کہ تم نے جو دشمنی ہم سے کر رکھی ہے، اس کی کوئی وجہ اس کے سوا نہیں کہ ہم اللہ پر اور اس کی تمام کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس دراصل نہ تو یہ کوئی وجہ بغض ہے، نہ سبب مذمت یہ استثناء منقطع ہے اور آیت میں ہے ﴿وَمَا نَقَمُوْا مِنْهُمْ﴾ [1] الخ، یعنی فقط اس وجہ سے انہوں نے ان سے دشمنی کی تھی کہ وہ اللہ عزیز وحمید کو مانتے تھے۔ اور جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَمَا نَقَمُوْٓا اِلَّآ اَنْ اَغْنَاهُمُ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ مِنْ فَضْلِهٖ﴾ [2] یعنی انہوں نے صرف اس کا انتقام لیا ہے کہ انہیں اللہ نے اپنے فضل سے اور رسول ﷺ نے مال دے کر غنی کر دیا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے "ابن جمیل اسی کا بدلہ لیتا ہے کہ وہ فقیر تھا تو اللہ نے اسے غنی کر دیا [3] اور یہ کہ تم میں سے اکثر صراط مستقیم سے الگ اور خارج ہو چکے ہیں۔ تم جو ہماری نسبت گمان رکھتے ہو آؤ میں تمہیں بتاؤں کہ اللہ کے ہاں سے بدلہ پانے میں کون بدتر ہے؟ اور وہ تم ہو کیونکہ یہ خصلتیں تم میں ہی پائی جاتی ہیں۔ یعنی جسے اللہ نے لعنت کی ہو، اپنی رحمت سے دور پھینک دیا ہو، اس پر غضبناک ہوا ہو، ایسا جس کے بعد رضامند نہیں ہوگا اور جن میں سے بعض کی صورتیں بگاڑ دی ہوں، بندر اور سور بنا دیئے ہوں"۔ اس کا پورا بیان سورۂ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ کیا یہ بندر و سور وہی ہیں؟ تو آپ نے فرمایا جس قوم پر اللہ کا ایسا عذاب نازل ہوتا ہے، ان کی نسل ہی نہیں ہوتی، ان سے پہلے بھی سور اور بندر تھے۔ یہ روایت مختلف الفاظ میں صحیح مسلم اور نسائی میں بھی ہے۔ [4] مسند میں ہے کہ "جنوں کی ایک قوم سانپ بنا دی گئی تھی۔ جیسے کہ بندر اور سور بنا دیئے گئے"۔ [5] یہ حدیث بہت ہی غریب ہے۔ انہی میں سے بعض کو غیر اللہ کے پرستار بنا دیئے۔ ایک قرات میں اضافت کے ساتھ طاغوت کی زیر سے بھی ہے۔ یعنی انہیں بتوں کا غلام بنا دیا۔ حضرت بریدہ اسلمی رضی اللہ عنہ اسے ﴿عَابِدُ الطَّاغُوْتِ﴾ پڑھتے تھے۔ حضرت ابو جعفر قاری رضی اللہ عنہ سے ﴿وَعُبِدَ الطَّاغُوْتُ﴾ بھی منقول ہے جو بعید از معنی ہو جاتا ہے لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہوتا مطلب یہ ہے کہ تم ہی وہ ہو، جنہوں نے طاغوت کی عبادت کی۔ الغرض اہل کتاب کو الزام دیا جاتا ہے کہ ہم پر تو عیب گیری کرتے ہو، حالانکہ ہم موحد ہیں، صرف ایک اللہ برحق کے ماننے والے ہیں اور تم تو وہ ہو کہ مذکورہ سب برائیاں تم میں پائی گئیں۔ اسی لیے خاتمے پر فرمایا کہ یہی لوگ باعتبار قدر و منزلت کے بہت برے ہیں اور باعتبار گمراہی کے انتہائی غلط راہ پر پڑے ہوئے ہیں۔ اس افعل التفضیل میں دوسری جانب کچھ مشارکت نہیں اور یہاں تو سرے سے ہے ہی نہیں۔ جیسے اس آیت میں ﴿اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مُّسْتَقَرًّا

---

[1] [سورة البروج: آيت ٨] [2] [سورة التوبة: آيت ٧٤]

[3] [صحيح صحيح بخاری : کتاب الزکاة : باب قول الله تعالى وفى الرقاب والغارمين وفى سبيل الله (١٤٦٨) صحيح مسلم : كتاب الزكاة : باب في تقديم الزكاة (٩٨٣)]

[4] [صحيح صحيح مسلم : كتاب القدر : باب بيان ان الآجال والارزاق وغيرها (٢٦٦٣)]

[5] [صحيح مسند احمد (٣٤٨/١) مسند بزار (١٢٣٢) طبرانی کبیر (١١٤٦)] شیخ البانیؒ اور شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (١٨٢٤) الموسوعة الحديثية (٣٠٥/١٠)]

وَاَحۡسَنُ مَقِيۡلًا ⑴ پھر منافقوں کی ایک اور بدخصلت بیان کی جارہی ہے کہ ''ظاہر میں تو وہ مومنوں کے سامنے ایمان کا اظہار کرتے ہیں اور ان کے باطن کفر سے بھرے پڑے ہیں۔ یہ تیرے پاس کفر کی حالت میں آتے ہیں اور اسی حالت میں تیرے پاس سے جاتے ہیں تو تیری باتیں، تیری نصیحتیں ان پر کچھ اثر نہیں کرتیں۔ بھلا یہ پردہ داری انہیں کیا کام آئے گی، جس سے ان کا معاملہ ہے، وہ تو عالم الغیب ہے، دلوں کے بھید اس پر روشن ہیں۔ وہاں جا کر پورا پورا بدلہ بھگتنا پڑے گا۔ تو دیکھ رہا ہے کہ یہ لوگ گناہوں پر، حرام پر اور باطل کے ساتھ لوگوں کے مال پر کس طرح چڑھ دوڑتے ہیں؟ ان کے اعمال نہایت ہی خراب ہو چکے ہیں۔ ان کے اولیاء اللہ یعنی عابد و عالم اور ان کے علماء انہیں ان باتوں سے کیوں نہیں روکتے؟ دراصل ان کے علماء اور پیروں کے اعمال بدترین ہو گئے ہیں''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ''علماء اور فقراء کی ڈانٹ کے لیے اس سے زیادہ سخت آیت کوئی نہیں''۔

حضرت ضحاک رحمہ اللہ سے بھی اسی طرح منقول ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک خطبے میں اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا ''لوگو تم سے اگلے لوگ اسی بنا پر ہلاک کر دیئے گئے کہ وہ برائیاں کرتے تھے تو ان کے عالم اور اللہ والے خاموش رہتے تھے، جب یہ عادت ان میں پختہ ہو گئی تو اللہ نے انہیں قسم قسم کی سزائیں دیں۔ پس تمہیں چاہیے کہ بھلائی کا حکم کرو، برائی سے روکو، اس سے پہلے کہ تم پر بھی وہی عذاب آ جائیں جو تم سے پہلے والوں پر آئے، یقین رکھو کہ اچھائی کا حکم برائی سے ممانعت نہ تو تمہاری روزی گھٹائے گا، نہ تمہاری موت قریب کر دے گا''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ ''جس قوم میں کوئی اللہ کی نافرمانی کرے اور وہ لوگ باوجود روکنے کی قدرت اور غلبے کے اسے نہ مٹائیں تو اللہ تعالیٰ سب پر اپنا عذاب نازل فرمائے گا''۔ ⑵ (مسند احمد) ابوداود میں ہے کہ ''یہ عذاب ان کی موت سے پہلے ہی آئے گا''۔ ⑶ ابن ماجہ میں بھی یہ روایت ہے۔ ⑷

وَقَالَتِ الۡيَهُوۡدُ يَدُ اللّٰهِ مَغۡلُوۡلَةٌ ؕ غُلَّتۡ اَيۡدِيۡهِمۡ وَلُعِنُوۡا بِمَا قَالُوۡا ۘ بَلۡ يَدٰهُ مَبۡسُوۡطَتٰنِ ۙ (وقف لازم) يُنۡفِقُ كَيۡفَ يَشَآءُ ؕ وَلَيَزِيۡدَنَّ كَثِيۡرًا مِّنۡهُمۡ مَّاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ طُغۡيَانًا وَّكُفۡرًا ؕ وَاَلۡقَيۡنَا بَيۡنَهُمُ الۡعَدَاوَةَ وَالۡبَغۡضَآءَ اِلٰى يَوۡمِ الۡقِيٰمَةِ ؕ كُلَّمَاۤ اَوۡقَدُوۡا

⑴ [سورة الفرقان: آيت ٢٤]

⑵ [حسن : مسند احمد (٣/٣٦٣)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔ [الموسوعة الحديثية (١٩٢١٦)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

⑶ [حسن : ابوداؤد: كتاب الملاحم : باب في الامر والنهى (٤٣٣٩)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [صحيح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

⑷ [صحيح : ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر باالمعروف والنهى عن المنكر (٤٠٠٩) مسند احمد (٣٦٤/٤) صحيح ابن حبان (٣٠٠)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ابن ماجه ، التعليق الرغيب (١٧٠/٣)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

نَارًا لِّلۡحَرۡبِ اَطۡفَاَهَا اللّٰهُ ۙ وَيَسۡعَوۡنَ فِى الۡاَرۡضِ فَسَادًا ‌ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الۡمُفۡسِدِيۡنَ ﴿۶۴﴾ وَلَوۡ اَنَّ اَهۡلَ الۡكِتٰبِ اٰمَنُوۡا وَاتَّقَوۡا لَـكَفَّرۡنَا عَنۡهُمۡ سَيِّاٰتِهِمۡ وَلَاَدۡخَلۡنٰهُمۡ جَنّٰتِ النَّعِيۡمِ ﴿۶۵﴾ وَلَوۡ اَنَّهُمۡ اَقَامُوا التَّوۡرٰىةَ وَالۡاِنۡجِيۡلَ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡهِمۡ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ لَاَ كَلُوۡا مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَمِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِهِمۡ‌ ؕ مِنۡهُمۡ اُمَّةٌ مُّقۡتَصِدَةٌ ‌ؕ وَكَثِيۡرٌ مِّنۡهُمۡ سَآءَ مَا يَعۡمَلُوۡنَ ﴿۶۶﴾

ع ۹ / ۱۲

یہودیوں نے کہا کہ اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' انہی کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں اور ان کے اس قول کی وجہ سے ان پر لعنت کی گئی بلکہ اللہ کے تو دونوں ہاتھ کھلے ہوئے ہیں' جس طرح چاہتا ہے خرچ کرتا رہتا ہے۔ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اتارا جاتا ہے وہ ان میں سے اکثر کو تو اور سرکشی اور کفر میں بڑھا دیتا ہے' ہم نے ان کی آپس میں ہی قیامت تک کے لیے عداوت و بغض ڈال دیا ہے' وہ جب کبھی لڑائی کی آگ کو بھڑکانا چاہتے ہیں اللہ تعالیٰ اسے بجھا دیتا ہے یہ ملک بھر میں شر و فساد مچاتے پھرتے ہیں اللہ تعالیٰ فسادیوں سے محبت نہیں کرتا ○ اگر یہ اہل کتاب ایمان لاتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو ہم ان کی تمام برائیاں معاف فرما دیتے اور ضرور انہیں راحت و آرام کی جنتوں میں لے جاتے ○ اور اگر یہ لوگ تورات و انجیل اور ان کی جانب جو کچھ اللہ کی طرف سے نازل فرمایا گیا ہے ان پر پورے پابند رہتے تو یہ لوگ اپنے اوپر نیچے سے روزیاں پاتے اور کھاتے ایک جماعت تو ان میں سے درمیانہ روش کی ہے۔ باقی ان میں سے اکثر لوگوں کے بڑے برے اعمال ہیں ○

بخل اور فضول خرچی سے بچنے کی تلقین: ملعون یہودیوں کا ایک خبیث قول اللہ بیان فرما رہا ہے کہ یہ اللہ کو بخیل کہتے تھے' یہی لوگ اللہ کو فقیر بھی کہتے ہیں۔ اللہ کی ذات ان کے اس ناپاک مقولے سے بہت بلند و بالا ہے۔ پس اللہ کے ہاتھ بندھے ہوئے ہیں' مطلب ان کا یہ نہ تھا کہ ہاتھ جکڑ دیئے گئے ہیں بلکہ مراد اس سے بخل تھا۔ یہی محاورہ قرآن میں اور جگہ بھی ہے فرماتا ہے ﴿وَلَا تَجْعَلْ يَدَكَ مَغْلُوْلَةً اِلٰى عُنُقِكَ﴾ [1] الخ' یعنی اپنے ہاتھ اپنی گردن سے باندھ بھی نہ لے اور نہ حد سے زیادہ پھیلا دے کہ پھر تھکان اور ندامت کے ساتھ بیٹھ رہنا پڑے' پس بخل سے اور اسراف سے اللہ نے اس آیت میں روکا۔ پس ملعون یہودیوں کی بھی ہاتھ باندھا ہوا ہونے سے یہی مراد تھی۔ فنحاص نامی یہودی نے یہ کہا تھا اور اسی ملعون کا وہ دوسرا قول بھی تھا کہ اللہ فقیر ہے اور ہم غنی ہیں۔ جس پر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اسے پیٹا تھا۔ ایک روایت میں ہے کہ شاس بن قیس نے یہی کہا تھا جس پر یہ آیت اتری۔ اور ارشاد ہوا کہ بخیل اور کنجوس ذلیل اور بزدل یہ لوگ خود ہیں۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ اگر یہ بادشاہ بن جائیں تو کسی کو کچھ بھی نہ دیں۔ بلکہ یہ تو اوروں کی نعمتیں دیکھ کر جلتے ہیں۔ یہ ذلیل تر لوگ ہیں۔ بلکہ اللہ کے ہاتھ کھلے ہیں وہ سب کچھ خرچ کرتا رہتا ہے اس کا فضل وسیع ہے' اس کی بخشش عام ہے' ہر چیز کے خزانے اس کے ہاتھوں میں ہیں۔ ہر نعمت اس کی طرف سے ہے۔ ساری مخلوق دن رات ہر وقت ہر جگہ اسی کی محتاج ہے۔ فرماتا ہے ﴿وَاٰتٰىكُمْ

[1] [سورۃ الاسراء: آیت ۲۹]

﴿مِّنْ كُلِّ مَا سَاَلْتُمُوْهُ وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ ① تم نے جو مانگا' اللہ نے دیا' اگر تم اللہ کی نعمتوں کا شمار کرنا چاہو تو شمار بھی نہیں کر سکتے، یقیناً انسان بڑا ہی ظالم بے حد ناشکرا ہے"۔ مسند میں حدیث ہے کہ "اللہ تعالیٰ کا داہنا ہاتھ اوپر ہے' دن رات کا خرچ اس کے خزانے کو گھٹاتا نہیں' شروع سے لے کر آج تک جو کچھ بھی اس نے اپنی مخلوق کو عطا فرمایا' اس نے اس کے خزانے میں کوئی کمی نہیں کی۔ اس کا عرش پہلے پانی پر تھا' اسی کے ہاتھ میں فیض ہی فیض ہے' وہی بلند اور پست کرتا ہے۔ اس کا فرمان ہے کہ لوگو تم میری راہ میں خرچ کرو گے تم تو دیئے جاؤ گے"۔ بخاری و مسلم میں بھی یہ حدیث ہے۔② پھر فرمایا "اے نبی ﷺ! جس قدر اللہ کی نعمتیں تم پر زیادہ ہوں گی' اتنا ہی ان شیاطین کا کفر حسد اور جلاپا بڑھے گا۔ ٹھیک اسی طرح جس طرح مومنوں کا ایمان اور ان کی تسلیم و اطاعت بڑھتی ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿قُلْ هُوَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هُدًى وَّشِفَآءٌ﴾ ③ الخ' ایمان والوں کے لیے تو یہ ہدایت و شفا ہے اور بے ایمان اس سے اندھے بہرے ہوتے ہیں۔ یہی ہیں جو دروازے سے پکارے جاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ﴾ ④ الخ ہم نے وہ قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے اور ظالموں کا تو نقصان ہی بڑھتا رہتا ہے۔

پھر ارشاد ہوا کہ ان کے دلوں میں سے خود آپس کا بغض و بیر بھی قیامت تک نہیں مٹے گا' ایک دوسرے کا آپس میں ہی خون پینے والے لوگ ہیں۔ ناممکن ہے کہ یہ حق پر جم جائیں' یہ اپنے ہی دین میں فرقہ فرقہ ہو رہے ہیں' ان کے جھگڑے اور عداوتیں آپس میں جاری ہیں اور جاری ہی رہیں گی۔ یہ لوگ بسا اوقات لڑائی کے سامان کرتے ہیں' تیرے خلاف چاروں طرف ایک آگ بھڑکانا چاہتے ہیں' لیکن ہر مرتبہ منہ کی کھاتے ہیں' ان کا مکر انہی پر لوٹ جاتا ہے' یہ مفسد لوگ ہیں اور اللہ کے دشمن ہیں' کسی مفسد کو اللہ اپنا دوست نہیں بناتا۔ اگر یہ باایمان اور پرہیز گار بن جائیں تو ہم ان سے تمام ڈر دور کر دیں اور اصل مقصد حیات سے انہیں ملا دیں۔ اگر یہ تورات و انجیل اور اس قرآن کو مان لیں کیونکہ توراۃ انجیل کا ماننا' قرآن کے ماننے کو لازم کر دے گا' ان کتابوں کی صحیح تعلیم یہی ہے کہ یہ قرآن سچا ہے اس کی اور نبی آخر الزمان ﷺ کی تصدیق پہلے کی کتابوں میں موجود ہے تو اگر یہ اپنی ان کتابوں کو بغیر تحریف و تبدیل اور تاویل و تفسیر کے مانیں تو وہ انہیں اسی اسلام کی ہدایت دیں گی' جو آنحضرت ﷺ بتاتے ہیں۔ اس صورت میں اللہ انہیں دنیا کے کئی فائدے دے گا' آسمان سے پانی برسائے گا' زمین سے پیداوار اگائے گا' نیچے اوپر کی یعنی زمین و آسمان کی برکتیں انہیں مل جائیں گی۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْقُرٰى اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ ⑤ الخ یعنی اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیز گاری کرتے تو ہم ان پر آسمان

---

① [سورۂ ابراھیم: آیت ٣٤]

② [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التوحید: باب و کان عرشه علی الماء (٧٤١٩) صحیح مسلم: کتاب الزکاۃ: باب الحث علی النفقة (٩٩٣) مسند احمد (٢/٣١٣)]

③ [سورہ فصلت: آیت ٤٤] ④ [سورۃ الاسراء: آیت ٨٢]

⑤ [سورۃ الاعراف: آیت ٩٦]

وزمین سے برکتیں نازل فرماتے ۔اور آیت میں ہے ﴿ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ ﴾ [1] لوگوں کی برائیوں کی وجہ سے خشکی اور تری میں فساد ظاہر ہو گیا ہے' اور یہ بھی معنی ہو سکتے ہیں کہ بغیر مشقت و مشکل کے ہم انہیں بکثرت بابرکت روزیاں دیتے ہیں' بعض نے اس جملہ کا مطلب یہ بھی بیان کیا ہے کہ یہ لوگ ایسا کرتے تو بھلائیوں سے مستفید ہو جاتے ۔لیکن یہ قول اقوال سلف کے خلاف ہے ۔ابن ابی حاتم نے اس جگہ ایک اثر وارد کیا ہے کہ ''حضور ﷺ نے فرمایا قریب ہے کہ علم اٹھا لیا جائے ۔ یہ سن کر حضرت زیاد بن لبید رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ علم اٹھ جائے' ہم نے قرآن سیکھا' اپنی اولادوں کو سکھایا۔آپ نے فرمایا افسوس میں تو تمام مدینے والوں سے زیادہ تم کو سمجھدار جانتا تھا لیکن کیا تو نہیں دیکھتا کہ یہود ونصاریٰ کے ہاتھوں میں بھی تورات وانجیل ہے ۔لیکن کس کام کی؟ جبکہ انہوں نے اللہ کے احکام چھوڑ دیئے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی''۔ [2] یہ حدیث مسند میں بھی ہے کہ حضور ﷺ نے کسی چیز کا بیان فرمایا کہ یہ بات علم کے جاتے رہنے کے وقت ہوگی' اس پر حضرت ابن لبید رضی اللہ عنہ نے کہا علم کیسے جاتا رہے گا؟ ہم نے قرآن پڑھے ہوئے ہیں اپنے بچوں کو پڑھا رہے ہیں' وہ اپنی اولاوں کو پڑھائیں گے' یہی سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا' اس پر آپ نے فرمایا جو اوپر بیان ہوا۔ [3]

پھر فرمایا ان میں ایک جماعت میانہ رو بھی ہے مگر اکثر بد اعمال ہیں ۔جیسے فرمان ہے ﴿ وَمِنْ قَوْمِ مُوسَىٰ أُمَّةٌ يَهْدُونَ بِالْحَقِّ وَبِهِ يَعْدِلُونَ ﴾ [4] موسیٰ کی قوم میں سے ایک گروہ حق کی ہدایت کرنے والا اور اسی کے ساتھ عدل وانصاف کرنے والا بھی تھا۔اور قوم عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں فرمان ہے ﴿ فَآتَيْنَا الَّذِينَ آمَنُوا مِنْهُمْ أَجْرَهُمْ ﴾ [5] الخ' ان میں سے ایمان دار لوگوں کو ہم نے ان کے ثواب عنایت فرمائے' یہ نکتہ خیال میں رہے کہ ان کا بہترین درجہ بیچ کا درجہ بیان فرمایا اور اس امت کا یہ درجہ دوسرا درجہ ہے' جس پر ایک تیسرا اونچا درجہ بھی ہے ۔جیسے فرمایا ﴿ ثُمَّ أَوْرَثْنَا الْكِتَابَ الَّذِينَ اصْطَفَيْنَا ﴾ [6] الخ' یعنی پھر ہم نے کتاب کا وارث اپنے چیدہ بندوں کو بنایا' ان میں سے بعض تو اپنے نفسوں پر ظلم کرنے والے ہیں' بعض میانہ رو ہیں اور بعض اللہ کے حکم سے نیکیوں میں آگے بڑھنے والے ہیں' یہی بہت بڑا فضل ہے الخ ۔پس یہ تینوں قسمیں اس امت کی داخل جنت ہونے والی ہیں ۔ابن مردویہ میں ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے حضور ﷺ نے فرمایا ''موسیٰ علیہ السلام کی امت کے اکہتر گروہ ہو گئے' جن میں سے ایک تو جنتی ہے' باقی ستر دوزخی ۔عیسیٰ علیہ السلام کی امت کے بہتر گروہ ہو گئے جن میں سے ایک جنتی باقی اکہتر دوزخی میری یہ امت دونوں سے بڑھ جائے گی ۔ان کا بھی ایک گروہ تو جنت میں جائے گا' باقی

---

[1] [سورة الروم: آیت ٤١]
[2] [مرسل : طبرانی کبیر (١٨/٧٥) مجمع الزوائد (١/٢٠٠)]
[3] [صحیح : ابن ماجه : کتاب الفتن : باب ذهاب القرآن والعلم (٤٠٤٨) مسند احمد (٤/١٦٠)] شیخ البانی ؒ اسے صحیح کہتے ہیں ۔ [صحیح ابن ماجه ، المشکاة (٢٤٥، ٢٧٧)]
[4] [سورة الاعراف : آیت ١٥٩]
[5] [سورة الحدید: آیت ٢٧]
[6] [سوره فاطر: آیت ٣٢]

بہتر گروہ جہنم میں جائیں گے۔ لوگوں نے پوچھا وہ کون ہیں؟ فرمایا جماعتیں جماعتیں‘‘۔ یعقوب بن زید کہتے ہیں جب حضرت علی بن ابوطالب یہ حدیث بیان کرتے تو قرآن کی آیت ﴿وَلَوْ اَنَّ اَهْلَ الْكِتٰبِ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا﴾ الخ ‘اور ﴿وَمِمَّنْ خَلَقْنَآ اُمَّةٌ يَّهْدُوْنَ بِالْحَقِّ وَبِهٖ يَعْدِلُوْنَ﴾ [1] بھی پڑھتے اور فرماتے اس سے مراد امت محمد ﷺ ہے۔ [2] لیکن یہ حدیث ان لفظوں اور اس سند سے بے حد غریب ہے اور ستر سے اوپر فرقوں کی حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے‘ جسے ہم نے اور جگہ بیان کر دیا ہے فالحمد للہ۔

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۭ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ ۭ وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٧﴾

اے رسول پہنچا دے جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے نازل کیا گیا ہے‘ اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے رسالت اللہ ادا نہیں کی‘ تجھے اللہ تعالیٰ لوگوں سے بچا لے گا‘ بیشک اللہ تعالیٰ کافر لوگوں کی رہبری نہیں کرتا○

نبی ﷺ کو اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ تمام احکام کی تبلیغ کا حکم: اپنے نبی ﷺ کو رسول کے پیارے خطاب سے آواز دے کر اللہ تعالیٰ حکم دیتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کل احکام لوگوں کو پہنچا دو۔ حضور ﷺ نے بھی ایسا ہی کیا۔ صحیح بخاری میں ہے ’’حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں جو تجھ سے کہے کہ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ کسی حکم کو چھپا لیا تو جان لو کہ وہ جھوٹا ہے، اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو یہ حکم دیا ہے کہ پھر اسی آیت کی تلاوت آپ نے کی‘‘۔ یہ حدیث یہاں مختصر ہے اور جگہ پر مطول بھی ہے۔ [3] بخاری و مسلم میں ہے ’’اگر حضور ﷺ اللہ کے کسی فرمان کو چھپانے والے ہوتے تو اس آیت کو چھپا لیتے ﴿وَتُخْفِيْ فِيْ نَفْسِكَ مَا اللّٰهُ مُبْدِيْهِ وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ تَخْشٰىهُ﴾ [4] یعنی تو اپنے دل میں وہ چھپاتا تھا جسے اللہ ظاہر کرنے والا تھا اور لوگوں سے جھینپ رہا تھا حالانکہ اللہ زیادہ حقدار ہے کہ تو اس سے ڈرے‘‘۔ [5] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے کہا کہ لوگوں میں چرچا ہو رہا ہے کہ تمہیں کچھ باتیں حضور ﷺ نے ایسی بتائی ہیں جو اور لوگوں سے چھپائی جاتی تھیں تو آپ نے یہی آیت پڑھی اور فرمایا قسم اللہ کی ہمیں حضور ﷺ نے کسی ایسی مخصوص چیز کا وارث نہیں بنایا۔ (ابن ابی حاتم) صحیح بخاری شریف میں ہے کہ ’’حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ایک شخص نے پوچھا کیا تمہارے پاس قرآن کے علاوہ کچھ اور وحی

---

[1] [سورة الاعراف: آیت ۱۸۱]

[2] [ضعیف: مسند ابویعلی (٣٦٦٨) مجمع الزوائد (٢٦١/٧)] اس کی سند میں ابومعشر سندی راوی ضعیف ہے۔[دیکھئے: میزان الاعتدال (٩٠١٧)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب یایها الرسل بلغ ما انزل الیك من ربك (٤٦١٢) و کتاب التفسیر (٤٨٥٥) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب معنی قول الله عزوجل ولقد راه نزلة اخری (١٧٧) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الانعام (٣٠٦٨)]

[4] [سورة الاحزاب: آیت ٣٧]

[5] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب معنی قول الله عزوجل ولقدراه نزلة اخری (١٧٧)]

بھی ہے؟ آپ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے دانے کو اگایا ہے اور جانوں کو پیدا کیا ہے کہ کچھ نہیں بجز اس فہم و روایت کے جو اللہ کسی شخص کو دے اور جو کچھ اس صحیفے میں ہے' اس نے پوچھا صحیفے میں کیا ہے؟ فرمایا دیت کے مسائل ہیں' قیدیوں کو چھوڑ دینے کے احکام ہیں اور یہ ہے کہ مسلمان کافر کے بدلے قصاصاً قتل نہ کیا جائے''۔ [1] صحیح بخاری شریف میں حضرت زہری رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ اللہ کی طرف سے رسالت ہے اور پیغمبر کے ذمے تبلیغ ہے اور ہمارے ذمہ قبول کرنا اور تابع فرمان ہونا ہے۔ [2] حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی سب باتیں پہنچا دیں' اس کی گواہ آپ کی تمام امت ہے کہ فی الواقع آپ نے امانت کی پوری ادائیگی کی اور سب سے بڑی مجلس جو تھی' اس میں سب نے اس کا اقرار کیا یعنی حجۃ الوداع خطبے میں' جس وقت آپ کے سامنے چالیس ہزار صحابہ رضی اللہ عنہم کا گروہ عظیم تھا''۔ صحیح مسلم میں ہے کہ ''آپ نے اس خطبے میں لوگوں سے فرمایا تم میرے بارے میں اللہ کے ہاں پوچھے جاؤ گے تو بتاؤ کیا جواب دو گے؟ سب نے کہا ہماری گواہی ہے کہ آپ نے تبلیغ کر دی اور حق رسالت ادا کر دیا اور ہماری پوری خیر خواہی کی' آپ نے اپنے ہاتھ اور سر آسمان کی طرف اٹھا کر لوگوں کی طرف جھکا کر فرمایا اے اللہ کیا میں نے تیرے تمام احکام کو پہنچا دیا، اے اللہ! کیا میں نے پہنچا دیا؟''۔ [3] مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپ نے اس خطبے میں پوچھا کہ لوگو یہ کون سا دن ہے؟ سب نے کہا حرمت والا' پوچھا یہ کون سا شہر ہے' جواب دیا' حرمت والا' فرمایا یہ کون سا مہینہ ہے؟ جواب ملا حرمت والا' فرمایا پس تمہارے مال اور خون و آبرو آپس میں ایک دوسرے پر ایسی ہی حرمت والے ہیں جیسے اس دن کی اس شہر میں اور اس مہینے میں حرمت ہے۔ پھر بار بار اسی کو دوہرایا۔ پھر اپنی انگلی آسمان کی طرف اٹھا کر فرمایا اے اللہ کیا میں نے پہنچا دیا''۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اللہ کی قسم یہ آپ کے رب کی طرف آپ کی وصیت تھی۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو ہر حاضر شخص غیر حاضر کو یہ بات پہنچا دے۔ دیکھو میرے پیچھے کہیں کافر نہ ہو جانا کہ ایک دوسرے کی گردنیں مارتے پھرو۔ [4] امام بخاری رحمہ اللہ نے بھی اسے روایت کیا ہے۔

پھر فرماتا ہے اگر تو نے میرے فرمان میرے بندوں تک نہ پہنچائے تو تو نے حق رسالت ادا نہیں کیا' پھر اس کی جو سزا ہے وہ ظاہر ہے' اگر ایک آیت بھی چھپالی تو حق رسالت ادا نہ ہو۔ [5] حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب یہ حکم نازل ہوا کہ جو کچھ اترا ہے سب پہنچا دو تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ میں اکیلا ہوں اور یہ سب مل کر مجھ پر چڑھ دوڑتے ہیں' میں کس طرح کروں تو دوسرا جملہ اترا کہ اگر تو نے نہ کیا تو تو نے رسالت کا حق ادا نہیں کیا۔ پھر فرمایا تجھے لوگوں سے بچالینا میرے ذمہ ہے۔ تیرا حافظ و ناصر میں ہوں' بے خطر رہئے وہ کوئی تیرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے' اس آیت سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم چوکنے رہتے تھے' لوگ نگہبانی پر مقرر رہتے تھے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی

---

[1] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجهاد : باب فكاك الاسير (٣٠٤٧)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب قول الله تعالىٰ يا ايها الرسول بلغ ما انزل اليك تعليقاً (٧٥٣)]

[3] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الحج : باب حجة النبی (١٢١٨)]

[4] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الحج : باب الخطبة ايام منى (١٧٣٩)]

[5] [تفسير ابن جرير الطبری (١٠/٤٦٨)]

ہیں کہ ایک رات کو حضور بیدار تھے انہیں نیند نہیں آ رہی تھی میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آج کیا بات ہے؟ فرمایا کاش کہ میرا کوئی نیک بخت صحابی آج پہرہ دیتا' یہ بات ہو ہی رہی تھی کہ میرے کانوں میں ہتھیار کی آواز آئی آپ نے فرمایا کون ہے؟ جواب ملا کہ میں سعد بن مالک ہوں' فرمایا کیسے آئے؟ جواب دیا اس لیے کہ رات بھر حضور ﷺ کی چوکیداری کروں۔ اس کے بعد حضور ﷺ با آرام سو گئے' یہاں تک کہ خراٹوں کی آواز آنے لگی۔ (1) (بخاری ومسلم) ایک روایت میں ہے کہ یہ واقعہ ۲ھ کا ہے۔ اس آیت کے نازل ہوتے ہی آپ نے خیمے سے سر نکال کر چوکیداروں سے فرمایا' ' جاؤ اب میں اللہ کی پناہ میں آ گیا' تمہاری چوکیداری کی ضرورت نہیں رہی' '۔ (2) ایک روایت میں ہے کہ ابو طالب آپ کے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی آدمی کو رکھتے' جب یہ آیت اتری تو آپ نے فرمایا بس چچا! اب میرے ساتھ کسی کے بھیجنے کی ضرورت نہیں' میں اللہ کے بچاؤ میں آ گیا ہوں۔ (3) لیکن یہ روایت غریب اور منکر ہے یہ واقعہ ہو تو مکہ کا ہو اور یہ آیت تو مدنی ہے' مدینہ کی بھی آخری مدت کی آیت ہے' اس میں شک نہیں کہ مکے میں بھی اللہ کی حفاظت اپنے رسول ﷺ کے ساتھ رہی باوجود دشمن جاں ہونے کے اور ہر ہر اسباب اور سامان سے لیس ہونے کے سرداران مکہ اور اہل مکہ آپ کا بال تک بیکا نہ کر سکے' ابتداء رسالت کے زمانہ میں اپنے چچا ابو طالب کی وجہ سے جو کہ قریشیوں کے سردار اور بارسوخ شخص تھے' آپ کی حفاظت ہوتی رہی' ان کے دل میں اللہ نے آپ کی محبت اور عزت ڈال دی' یہ محبت طبعی تھی شرعی نہ تھی۔ اگر شرعی ہوتی تو قریش حضور ﷺ کے ساتھ ہی ان کی بھی جان کے خواہاں ہو جاتے۔ ان کے انتقال کے بعد اللہ تعالیٰ نے انصار کے دلوں میں حضور ﷺ کی شرعی محبت پیدا کر دی اور آپ انہی کے ہاں چلے گئے۔ اب تو مشرکین بھی اور یہود بھی مل ملا کر نکل کھڑے ہوئے' بڑے بڑے ساز و سامان لشکر کے چڑھ دوڑے' لیکن بار بار کی ناکامیوں نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اسی طرح خفیہ سازشیں بھی جتنی کیں' قدرت نے وہ بھی انہی پر الٹ دیں۔ ادھر وہ جادو کرتے' ادھر سورۂ معوذتین نازل ہوتی ہے اور ان کا جادو اتر جاتا ہے۔ ادھر ہزاروں جتن کر کے بکری کے شانے میں زہر ملا کر حضور ﷺ کی دعوت کر کے آپ کے سامنے رکھتے ہیں' ادھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو ان کی دھوکہ دہی سے آگاہی فرما دیتا ہے اور یہ ہاتھ کاٹتے رہ جاتے ہیں اور بھی ایسے واقعات آپ کی زندگی میں بہت سارے نظر آتے ہیں۔ ابن جریر میں ہے کہ' ' ایک سفر میں آپ ایک درخت تلے' جو صحابہ رضی اللہ عنہم اپنی عادت کے مطابق ہر منزل میں تلاش کر کے آپ کے لیے چھوڑ دیتے تھے' دوپہر کے وقت قیلولہ کر رہے تھے تو ایک اعرابی اچانک آ نکلا' آپ کی تلوار جو اسی درخت میں لٹک رہی تھی' اتار لی اور میان سے باہر نکال لی اور ڈانٹ کر آپ سے کہنے لگا' اب بتا کون ہے جو تجھے بچا لے؟

---

(1) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجهاد: باب الحراسة فی الغزو فی سبیل الله (٢٨٨٥)، (٧٢٣١) صحیح مسلم: کتاب فضائل الصحابة: باب فی فضل سعد بن ابی وقاص (٢٤١٠)]

(2) [صحیح: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة المائده (٣٠٤٦) تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٢٧٩)] شیخ البانی ؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [السلسلة الصحيحة (٢٤٨٩)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

(3) [ضعیف: طبرانی کبیر (١١٦٦٣)] اس کی سند میں محمد بن مفضل راوی مجہول ہے۔]

آپ نے فرمایا اللہ مجھے بچائے گا' اسی وقت اس اعرابی کا ہاتھ کانپنے لگتا ہے اور تلوار اسکے ہاتھ سے گر جاتی ہے اور وہ درخت سے ٹکراتا ہے۔ جس سے اس کا دماغ پاش پاش ہو جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ یہ آیت اتارتا ہے''۔ [1] ابن ابی حاتم میں ہے کہ ''جب حضور ﷺ نے بنوانمار سے غزوہ کیا۔ ذات الرقاع کھجور کے باغ میں آپ ایک کنوئیں میں پیر لٹکائے بیٹھے تھے' جو بنو نجار کے ایک شخص حارث نامی نے کہا دیکھو میں محمد (ﷺ) کو قتل کرتا ہوں۔ لوگوں نے کہا کیسے؟ کہا میں کسی حیلے سے آپ کی تلوار لے لوں گا اور پھر ایک ہی وار کر کے پار کردوں گا۔ یہ آپ کے پاس آیا اور ادھر ادھر کی باتیں بنا کر آپ سے تلوار دیکھنے کو مانگی' آپ نے اسے دے دی لیکن تلوار کے ہاتھ میں آتے ہی اس پر اس بلا کا لرزہ چڑھا کہ آخر تلوار سنبھل نہ سکی اور ہاتھ سے گر پڑی تو آپ نے فرمایا تیرے اور تیرے بدارادے کے درمیان اللہ حائل ہو گیا اور یہ آیت اتری۔ [2] غوث بن حارث کا بھی ایسا قصہ مشہور ہے۔ ابن مردویہ میں ہے کہ ''صحابہ رضی اللہ عنہم کی عادت تھی کہ سفر میں جس جگہ ٹھہرتے' آنحضرت ﷺ کے لیے گھنا سایہ دار بڑا درخت چھوڑ دیتے کہ آپ اسی کے تلے آرام فرمائیں' ایک دن آپ اسی طرح ایسے درخت تلے سو گئے اور آپ کی تلوار اس درخت میں لٹک رہی تھی' ایک شخص آ گیا اور تلوار ہاتھ میں لے کر کہنے لگا' اب بتا کہ میرے ہاتھ سے تجھے کون بچائے گا؟ آپ نے فرمایا اللہ بچائے گا' تلوار رکھ دے اور وہ اس قدر ہیبت میں آ گیا کہ تعمیل حکم کرنا ہی پڑا اور تلوار آپ کے سامنے ڈال دی''۔ اور اللہ نے یہ آیت اتاری کہ ﴿وَاللّٰهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ﴾ [3] مسند میں ہے کہ ''حضور ﷺ نے ایک موٹے آدمی کے پیٹ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا اگر یہ اس کے سوا میں ہوتا تو تیرے لیے بہتر تھا۔ ایک شخص کو صحابہ رضی اللہ عنہم پکڑ کر آپ کے پاس لائے اور کہا یہ آپ کے قتل کا ارادہ کر رہا تھا' وہ کانپنے لگا' آپ نے فرمایا گھبرا نہیں چاہے تو ارادہ کر لے لیکن اللہ اسے پورا نہیں ہونے دے گا''۔ [4] پھر فرماتا ہے تیرے ذمہ صرف تبلیغ ہے' ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے' وہ کافروں کو ہدایت نہیں دے گا۔ تو پہنچا دے' حساب کا لینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ۭ وَلَيَزِيْدَنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ مَّآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ طُغْيَانًا وَّكُفْرًا ۚ فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿٦٨﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالصّٰبِـُٔوْنَ وَالنَّصٰرٰى مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٦٩﴾

---

[1] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٢٨١)] اس کی سند میں ابومعشر سندی راوی ضعیف ہے۔]

[2] [ضعیف : اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف ہے۔ لیکن نزول آیت کے ذکر کے بغیر یہ روایت صحیح ہے۔ دیکھئے: صحیح بخاری (٢٩١٣) صحیح مسلم (٨٤٣)]

[3] [حسن : ابن حبان (١٧٣٩)] شیخ عبدالرزاق مہدی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[4] [ضعیف : مسند احمد (٤٧١/٣) مجمع الزوائد (٢٢٧/٨)] اس میں ابواسرائیل ضعیف ہے۔]

کہہ دے کہ اے اہل کتاب تم دراصل کسی چیز پر نہیں ہو جب تک کہ توراۃ انجیل پر اور جو کچھ تمہاری طرف تمہارے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے قائم نہ ہو جاؤ' جو کچھ تیری جانب تیرے رب کی طرف سے اترا ہے وہ ان میں سے اکثر کو شرارت اور انکار میں اور بھی بڑھائے گا ہی' تو تو ان کافروں پر غمگین نہ ہو○ مسلمان یہودی ستارہ پرست نصرانی کوئی ہو جو بھی اللہ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے وہ محض بے خوف رہے گا اور بالکل بے غم ہو جائے گا○

نزول قرآن کے ساتھ اہل کتاب کی سرکشی میں اضافہ: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہود و نصاریٰ کسی دین پر نہیں' جب تک کہ اپنی کتابوں پر اور اللہ کی اس کتاب پر ایمان نہ لائیں لیکن ان کی حالت تو یہ ہے کہ جیسے جیسے قرآن اترتا ہے یہ لوگ سرکشی اور کفر میں بڑھتے جاتے ہیں۔ پس اے نبی ﷺ تو ان کافروں کے لیے حسرت و افسوس کر کے کیوں اپنی جان کو روگ لگاتا ہے۔ صابی' نصرانیوں اور مجوسیوں کی بے دین جماعت کو کہتے ہیں اور صرف مجوسیوں کو بھی علاوہ ازیں ایک اور گروہ تھا' یہود اور نصاریٰ دونوں مثل مجوسیوں کے تھے۔ قتادہ رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ زبور پڑھتے تھے غیر قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے تھے اور فرشتوں کو پوجتے تھے۔ وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ کو ایک جانتے تھے' اپنی شریعت کے حامل تھے' ان میں کفر کی ایجاد نہیں ہوئی تھی' یہ عراق کے متصل آباد تھے' بکوثی کہے جاتے تھے' نبیوں کو مانتے تھے' ہر سال میں تیس روزے رکھتے تھے اور یمن کی طرف منہ کر کے دن بھر میں پانچ نمازیں بھی پڑھتے تھے اس کے سوا اور قول بھی ہیں۔ ان تمام لوگوں سے جناب باری فرماتا ہے کہ ''امن و امان والے بے ڈر اور بے خوف وہ ہیں جو اللہ پر اور قیامت پر سچا ایمان رکھیں اور نیک اعمال کریں اور یہ ناممکن ہے' جب تک اس آخری رسول ﷺ پر ایمان نہ ہو جو کہ تمام جن وانس کی طرف اللہ کے رسول بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ پس آپ پر ایمان لانے والے آنے والی زندگی کے خطرات سے بے خوف ہیں اور یہاں چھوڑ کر جانے والی چیزوں کی انہیں کوئی تمنا اور حسرت نہیں''۔ سورۂ بقرہ کی تفسیر میں اس جملے کے مفصل معنی بیان کر دیئے گئے ہیں۔

لَقَدْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ وَاَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ رُسُلًا ۭ كُلَّمَا جَاۗءَهُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُهُمْ ۙ فَرِيْقًا كَذَّبُوْا وَفَرِيْقًا يَّقْتُلُوْنَ ۝ وَحَسِبُوْٓا اَلَّا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ فَعَمُوْا وَصَمُّوْا ثُمَّ تَابَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ثُمَّ عَمُوْا وَصَمُّوْا كَثِيْرٌ مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ۝

ہم نے بالیقین بنو اسرائیل سے عہد و پیمان لیا اور ان کی طرف رسولوں کو بھیجا' جب کبھی رسول ان کے پاس وہ احکام لے کر آئے جو ان کی اپنی منشا کے خلاف تھے تو انہوں نے ان کی ایک جماعت کی تو تکذیب کی اور ایک جماعت کو قتل کر دیا○ اور سمجھ بیٹھے کہ کوئی سزا نہ ہو گی پس اندھے' بہرے بن بیٹھے پھر اللہ ان پر متوجہ ہوا' اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر اندھے' بہرے ہو گئے' اللہ ان کے اعمال کو بخوبی دیکھنے والا ہے○

یہود و نصاریٰ انبیاء کے قاتل: اللہ تعالیٰ نے یہود و نصاریٰ سے وعدے لیے تھے کہ وہ اللہ کے احکام کے عامل اور

وحی کے پابند رہیں گے۔ لیکن انہوں نے وہ میثاق توڑ دیا۔ اپنی رائے اور خواہش کے پیچھے لگ گئے کتاب اللہ کی جو بات ان کی منشاء اور رائے کے مطابق تھی مان لی جس میں اختلاف نظر آیا ترک کر دی' نہ صرف اتنا ہی کیا بلکہ رسولوں کے مخالف ہو کر بہت سے رسولوں کو جھوٹا بتایا اور بہتیروں کو قتل بھی کر دیا کیونکہ ان کے لائے ہوئے احکام ان کی رائے اور قیاس کے خلاف تھے۔ اتنے بڑے گناہ کے بعد بھی بے فکر ہو کر بیٹھے رہے اور سمجھ لیا کہ ہمیں کوئی سزا نہ ہو گی لیکن انہیں زبردست روحانی سزا دی گئی یعنی وہ حق سے دور پھینک دیئے گئے اور اس سے اندھے اور بہرے بنا دیئے گئے نہ حق کو سنیں اور نہ ہدایت کو دیکھ سکیں لیکن پھر بھی اللہ نے ان پر مہربانی کی افسوس اس کے بعد بھی ان میں سے اکثر حق سے نابینا اور حق کے سننے سے محروم ہی ہو گئے اللہ ان کے اعمال سے باخبر ہے وہ جانتا ہے کہ کون کس چیز کا مستحق ہے۔

لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ ؕ وَقَالَ الْمَسِيْحُ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اعْبُدُوا اللّٰهَ رَبِّيْ وَرَبَّكُمْ ؕ اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَمَاْوٰىهُ النَّارُ ؕ وَمَا لِلظّٰلِمِيْنَ مِنْ اَنْصَارٍ ﴿٧٢﴾ لَقَدْ كَفَرَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّ اللّٰهَ ثَالِثُ ثَلٰثَةٍ ۘ وَمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّآ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ؕ وَاِنْ لَّمْ يَنْتَهُوْا عَمَّا يَقُوْلُوْنَ لَيَمَسَّنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿٧٣﴾ اَفَلَا يَتُوْبُوْنَ اِلَى اللّٰهِ وَيَسْتَغْفِرُوْنَهٗ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٧٤﴾ مَا الْمَسِيْحُ ابْنُ مَرْيَمَ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ وَاُمُّهٗ صِدِّيْقَةٌ ؕ كَانَا يَاْكُلٰنِ الطَّعَامَ ؕ اُنْظُرْ كَيْفَ نُبَيِّنُ لَهُمُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ انْظُرْ اَنّٰى يُؤْفَكُوْنَ ﴿٧٥﴾

بیشک وہ لوگ کافر ہو گئے جن کا قول ہے کہ مسیح بن مریم ہی اللہ ہے۔ حالانکہ خود مسیح نے ان سے کہا تھا کہ اے بنی اسرائیل اللہ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا سب کا رب ہے' یقین مانو کہ جو شخص اللہ کے ساتھ شریک کرتا ہے اللہ اس پر قطعاً جنت کو حرام کر دیتا ہے اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے' گنہگاروں کی مدد کرنے والا کوئی نہیں ۞ وہ لوگ بھی قطعاً کافر ہو گئے جنہوں نے کہا کہ اللہ تین میں کا تیسرا ہے' دراصل سوا ایک اللہ کے اور کوئی معبود نہیں' اگر یہ لوگ اپنے اس قول سے باز نہ رہے تو ان میں سے جو کفر پر ہیں انہیں المناک عذاب ضرور پہنچیں گے ۞ یہ لوگ کیوں اللہ کی طرف نہیں جھکتے اور کیوں اس سے استغفار نہیں کرتے؟ اللہ تو بہت ہی بخشنے والا اور بڑا ہی مہربان ہے ۞ مسیح بن مریم سوا پیغمبر ہونے کے اور کچھ بھی نہیں اس سے پہلے بھی بہت سے پیغمبر ہو چکے ہیں' اس کی ماں ایک ذکیہ عورت تھیں' دونوں ماں بیٹے کھانا کھایا کرتے تھے دیکھ تو کس طرح ہم ان کے سامنے دلیلیں رکھتے جاتے ہیں پھر غور کر لے کہ کس طرح پلٹائے جاتے ہیں ۞

عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا کہنے والے کافر: نصرانیوں کے فرقوں کی یعنی ملکیہ' یعقوبیہ' نسطوریہ کی کفر کی حالت بیان کی جا رہی ہے کہ یہ مسیح ہی کو اللہ کہتے ہیں اور مانتے ہیں۔ اللہ ان کے قول سے پاک' منزہ اور مبرا ہے۔ مسیح تو اللہ کے غلام

تھے سب سے پہلا کلمہ ان کا دنیا میں قدم رکھتے ہی گہوارے میں ہی یہ تھا کہ ﴿اِنِّیْ عَبْدُ اللّٰہِ﴾ [1] میں اللہ کا غلام ہوں۔ انہوں نے یہ نہیں کہا تھا کہ میں اللہ ہوں یا اللہ کا بیٹا ہوں بلکہ اپنی غلامی کا اقرار کیا تھا اور ساتھ ہی فرمایا تھا کہ میرا اور تم سب کا رب اللہ ہی ہے اسی کی عبادت کرتے رہو سیدھی اور صحیح راہ یہی ہے اور یہی بات اپنی جوانی کے بعد کی عمر میں بھی کہی کہ اللہ ہی کی عبادت کرو اس کے ساتھ دوسرے کی عبادت کرنے والے پر جنت حرام ہے اور اس کے لیے جہنم واجب ہے۔ جیسے قرآن کی اور آیت میں ہے اللہ تعالیٰ شرک کو معاف نہیں فرماتا۔ جہنمی جب جنتیوں سے کھانا پانی مانگیں گے تو اہل جنت کا یہی جواب ہوگا کہ یہ دونوں چیزیں کفار پر حرام ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے بذریعہ منادی کے مسلمانوں میں آواز لگوائی تھی کہ جنت میں فقط ایمان و اسلام والے ہی جائیں گے۔ [2] سورۂ نساء کی آیت ﴿اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ﴾ [3] الخ، کی تفسیر میں وہ حدیث بھی بیان کر دی گئی ہے جس میں ہے کہ گناہ کے تین دیوان ہیں جس میں سے ایک وہ ہے جسے اللہ نے کبھی نہیں بخشا اور وہ اللہ کے ساتھ شرک کا ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام نے بھی اپنی قوم میں یہی وعظ بیان کیا اور فرمادیا کہ ایسے ناانصاف مشرکین کا کوئی مددگار بھی کھڑا نہ ہوگا۔

اب ان کا کفر بیان ہو رہا ہے کہ جو اللہ کو تین میں سے ایک مانتے تھے یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا کہتے تھے اور اللہ کو تین میں کا ایک مانتے تھے لیکن یہ آیت صرف نصرانیوں کے بارے میں ہے وہ باپ بیٹا اور اس کلمے کو جو باپ کی طرف سے بیٹے کی جانب تھا اللہ مانتے تھے پھر ان تینوں کے مقرر کرنے میں بھی بڑا اختلاف تھا اور ہر فرقہ دوسرے کو کافر کہتا تھا اور حق تو یہ ہے کہ سبھی سب کافر تھے حضرت مسیح علیہ السلام کو اور ان کی ماں کو اور اللہ کو ملا کر اللہ مانتے تھے اسی کا بیان اس سورت کے آخر میں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے فرمائے گا کیا تم نے لوگوں سے کہا تھا کہ مجھے اور میری والدہ کو بھی اللہ مانو' وہ اس سے صاف انکار کریں گے اور اپنی لاعلمی اور بے گناہی ظاہر کریں گے۔ زیادہ ظاہر قول بھی یہی ہے واللہ اعلم۔ دراصل لائق عبادت سوائے اس ذات واحد کے اور کوئی نہیں تمام کائنات اور کل موجودات کا معبود برحق وہی ہے۔ اگر یہ اپنے اس کافرانہ نظریہ سے باز نہ آئے تو یقیناً یہ المناک عذابوں کا شکار ہوں گے۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے کرم وجود کو' بخشش و انعام اور لطف و رحمت کو بیان فرما رہا ہے اور باوجود ان کے اس قدر سخت جرم' اتنی اشد بے حیائی اور کذب و افترا کے انہیں اپنی رحمت کی دعوت دیتا ہے اور فرماتا ہے کہ اب بھی میری طرف جھک جاؤ ابھی سب معاف فرمادوں گا اور دامن رحمت تلے لے لوں گا۔ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ کے بندے اور رسول ہی تھے۔ ان جیسے رسول ان سے پہلے بھی ہوئے ہیں جیسے فرمایا ﴿اِنْ هُوَ اِلَّا عَبْدٌ﴾ [4] الخ' وہ ہمارے ایک غلام ہی تھے ہاں ہم نے ان پر رحمت نازل فرمائی تھی اور بنی اسرائیل کے لیے قدرت کی ایک نشانی بنائی۔ والدہ عیسیٰ مومنہ اور سچ والی تھیں اس لیے معلوم ہوا کہ نبیہ نہ تھیں کیونکہ یہ مقام وصف ہے تو بہترین وصف جو آپ کا

---

[1] [سورۃ مریم : آیت ٣٠]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٣٨٢)] اس کی اصل دیکھیں: صحیح مسلم (١١٤)]

[3] [سورۃ النساء : آیت ٤٨]

[4] [الزخرف : ٥٩]

تھا وہ بیان کر دیا اگر نبوت والی ہوتیں تو اس موقعہ پر اس کا بیان نہایت ضروری تھا۔ ابن حزم رحمہ اللہ وغیرہ کا خیال ہے کہ ام اسحٰق اور ام موسیٰ اور ام عیسیٰ رضی اللہ عنہا نبیہ تھیں اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ فرشتوں نے حضرت سارہ اور حضرت مریم سے خطاب اور کلام کیا اور والدہ موسیٰ رضی اللہ عنہا کی نسبت فرمان ہے ﴿وَاَوْحَيْنَآ اِلٰٓى اُمِّ مُوْسٰٓى﴾ [1] الخ، ہم نے موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کی طرف وحی کی کہ تو انہیں دودھ پلایا۔ لیکن جمہور کا مذہب اس کے خلاف ہے وہ کہتے ہیں کہ نبوت مردوں میں ہی رہی۔ جیسے قرآن کا فرمان ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا﴾ [2] الخ، تجھ سے پہلے ہم نے بستی والوں میں سے مردوں ہی کی طرف رسالت انعام فرمائی ہے شیخ ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ نے تو اس پر اجماع نقل کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ ماں بیٹا تو دونوں کھانے پینے کے محتاج تھے اور ظاہر ہے کہ جو اندر جائے گا وہ باہر بھی آئے گا پس ثابت ہوا کہ وہ بھی مثل اوروں کے بندے ہی تھے اللہ کی صفات ان میں نہ تھیں دیکھ تو ہم کس طرح کھول کھول کر ان کے سامنے اپنی حجتیں پیش کر رہے ہیں؟ پھر یہ بھی دیکھ کہ باوجود اس کے یہ کس طرح ادھر ادھر بھٹکتے اور بھاگتے پھرتے ہیں؟ کیسے گمراہ مذہب قبول کر رہے ہیں؟ اور کیسے ردی اور بے دلیل اقوال کو گرہ میں باندھے ہوئے ہیں؟

قُلْ اَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا ۭ وَاللّٰهُ هُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَا تَغْلُوْا فِيْ دِيْنِكُمْ غَيْرَ الْحَقِّ وَلَا تَتَّبِعُوْٓا اَهْوَاۗءَ قَوْمٍ قَدْ ضَلُّوْا مِنْ قَبْلُ وَاَضَلُّوْا كَثِيْرًا وَّضَلُّوْا عَنْ سَوَاۗءِ السَّبِيْلِ ۝ۧ

کہہ دے کہ کیا تم اللہ کے سوا ان کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے کسی نقصان کے مالک نہ کسی نفع کے اللہ ہی ہے خوب سننے اور پوری طرح جاننے والا ○ کہہ دے کہ اے اہل کتاب اپنے دین میں ناحق غلو اور زیادتی نہ کرو اور ان لوگوں کی نفسانی خواہشوں کی پیروی نہ کرو جو پہلے ہی سے بہک چکے ہیں اور بہتوں کو بہکا بھی چکے ہیں اور سیدھی راہ سے ہٹ گئے ہیں○

باطل معبود: معبودان باطل کی جو اللہ کے سوا ہیں عبادت کرنے سے ممانعت کی جاتی ہے کہ ان تمام لوگوں سے کہہ تو دو کہ جو تم سے ضرر کو دفع کرنے کی اور نفع کے پہنچانے کی کچھ بھی طاقت نہیں رکھتے آخر تم کیوں انہیں پوجے چلے جا رہے ہو؟ تمام باتوں کے سننے والے تمام چیزوں سے باخبر اللہ سے ہٹ کر بے سمع و بصر، بے ضرر و بے نفع و بے قدر اور بے قدرت چیزوں کے پیچھے پڑ جانا یہ کون سی عقلمندی ہے؟ اے اہل کتاب اتباع حق کی حدوں سے آگے نہ بڑھو جس کی توقیر کرنے کا جتنا حکم ہوا تنی ہی اس کی توقیر کرو۔ انسانوں کو جنہیں اللہ نے نبوت دی ہے نبوت کے درجے سے معبود کے درجے تک نہ پہنچاؤ۔ جیسے کہ تم جناب مسیح علیہ السلام کے بارے میں غلطی کر رہے ہو اور اس کی اور کوئی وجہ نہیں بجز اس کے کہ تم اپنے پیرں مرشدوں استادوں اور اماموں کے پیچھے لگ گئے ہو وہ تو خود ہی گمراہ ہیں بلکہ گمراہ کن ہیں۔ استقامت اور عدل کے راستے کو چھوڑے ہوئے انہیں زمانہ گذر گیا۔ ضلالت اور بدعتوں میں مبتلا

[1] [القصص : ٧] [2] [یوسف : ١٠٩]

ہوئے عرصہ ہو گیا ہے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک شخص ان میں بڑا پابند دین حق تھا ایک زمانہ کے بعد شیطان نے اسے بہکا دیا کہ جو اگلے کر گئے وہی تم بھی کر رہے ہو اس میں کیا رکھا ہے؟ اس کی وجہ سے نہ تو لوگوں میں تمہاری قدر ہو گی نہ شہرت تمہیں چاہیے کہ کوئی نئی بات ایجاد کرو اسے لوگوں میں پھیلاؤ پھر دیکھو کہ کیسی شہرت ہوتی ہے؟ اور کس طرح جگہ بہ جگہ تمہارا ذکر ہونے لگتا ہے چنانچہ اس نے ایسا ہی کیا اس کی بدعتیں لوگوں میں پھیل گئیں اور زمانہ اس کی تقلید کرنے لگا۔ اب تو اسے بڑی ندامت ہوئی سلطنت و ملک چھوڑ دیا اور تنہائی میں اللہ کی عبادتوں میں مشغول ہو گیا لیکن اللہ کی طرف سے اسے جواب ملا کہ میری خطا ہی صرف ہوتی تو میں معاف کر دیتا لیکن تو نے تو عام لوگوں کو بگاڑ دیا اور انہیں گمراہ کر کے غلط راہ پر لگا دیا۔ جس راہ پر چلتے چلتے وہ مر بھی گئے ان کا بوجھ تجھ پر سے کیسے ٹلے گا؟ میں تو تیری توبہ قبول نہیں فرماؤں گا پس ایسوں ہی کے بارے میں یہ آیت اتری ہے۔

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝ كَانُوْا لَا يَتَنَاهَوْنَ عَنْ مُّنْكَرٍ فَعَلُوْهُ ۭ لَبِئْسَ مَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝ تَرٰى كَثِيْرًا مِّنْهُمْ يَتَوَلَّوْنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۭ لَبِئْسَ مَا قَدَّمَتْ لَهُمْ اَنْفُسُهُمْ اَنْ سَخِطَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ وَفِي الْعَذَابِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ۝ وَلَوْ كَانُوْا يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَالنَّبِيِّ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مَا اتَّخَذُوْهُمْ اَوْلِيَاۗءَ وَلٰكِنَّ كَثِيْرًا مِّنْهُمْ فٰسِقُوْنَ ۝

بنی اسرائیل کے کافروں پر حضرت داود اور حضرت عیسیٰ بن مریم کی زبانی لعنت کی گئی' اس وجہ سے کہ وہ نافرمانیاں کرتے تھے اور حد سے آگے بڑھ جاتے تھے ○ آپس میں ایک دوسرے کو برے کاموں کے جو وہ کرتے تھے' روکتے نہ تھے' جو کچھ بھی یہ کرتے تھے یقیناً وہ بہت برا تھا ○ ان میں کے اکثر لوگوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں کرتے ہیں' جو کچھ انہوں نے اپنے لیے آگے بھیج رکھا ہے وہ بہت برا ہے کہ اللہ ان سے ناراض ہوا اور وہ ہمیشہ عذاب میں رہیں گے ○ اگر انہیں اللہ پر اور نبی پر جو نازل کیا گیا ہے اس پر ایمان ہوتا تو یہ کفار سے دوستیاں نہ کرتے لیکن ان میں کے اکثر لوگ فاسق ہیں ○

امر بالمعروف سے گریز اللہ کی لعنت و عذاب کا سبب: ارشاد ہے کہ بنو اسرائیل کے کافر پرانے ملعون ہیں' حضرت داود علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی انہی کے زمانہ میں ملعون قرار پا چکے ہیں۔ کیونکہ وہ اللہ کے نافرمان تھے اور اللہ کی مخلوق پر ظالم تھے' توراۃ' انجیل' زبور اور قرآن سب کتابیں ان پر لعنت برساتی آئیں۔ یہ اپنے زمانہ میں بھی ایک دوسرے کو برے کاموں پر دیکھتے تھے لیکن چپ چاپ بیٹھے رہتے تھے' حرام کاریاں اور گناہ کھلے عام ہوتے تھے اور کوئی کسی کو روکتا نہ تھا۔ یہ تھا ان کا بدترین فعل۔ مسند احمد میں فرمان رسول ﷺ ہے کہ ''بنو اسرائیل میں پہلے پہل جب گناہوں کا سلسلہ چلا تو ان کے علماء نے انہیں روکا۔ لیکن جب دیکھا کہ باز نہیں آتے تو انہوں نے انہیں الگ نہیں کیا بلکہ انہی کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے کھاتے پیتے رہے' جس کی وجہ سے دونوں گروہوں کے دلوں کو

آپس میں ٹکرا دیا اللہ تعالیٰ نے ایک دوسرے کے دل بھڑا دیئے اور حضرت داود علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زبانی ان پر اپنی لعنت نازل فرمائی۔ کیونکہ وہ نافرمان اور ظالم تھے۔ اس کے بیان کے وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگائے ہوئے تھے لیکن اب ٹھیک ہو کر بیٹھ گئے۔ اور فرمایا نہیں نہیں اللہ کی قسم تم پر ضروری ہے کہ لوگوں کو خلاف شرع باتوں سے روکو اور انہیں شریعت کی پابندی پر لاؤ''۔ [1]

ابوداؤد کی حدیث میں ہے کہ ''سب سے پہلی برائی بنی اسرائیل میں یہی داخل ہوئی تھی کہ ایک شخص دوسرے کو خلاف شرع کوئی کام کرتے دیکھتا تو اسے روکتا' اسے کہتا کہ اللہ سے ڈر اور اس برے کام کو چھوڑ دے یہ حرام ہے۔ لیکن دوسرے روز جب وہ نہ چھوڑتا تو یہ اس سے کنارہ کشی نہ کرتا بلکہ اس کا ہم نوالہ ہم پیالہ رہتا اور میل جول باقی رکھتا' اس وجہ سے سب میں ہی سنگدلی آ گئی۔ پھر آپ نے اس پوری آیت کی تلاوت کر کے فرمایا واللہ تم پر فرض ہے کہ بھلی باتوں کا ہر ایک کو حکم کرو' برائیوں سے روکو' ظالم کو اس کے ظلم سے باز رکھو اور اسے تنگ کرو کہ حق پر آ جائے''۔ [2] ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ [3] ابوداؤد وغیرہ میں اسی حدیث کے آخر میں یہ بھی ہے کہ اگر تم ایسا نہ کرو گے تو اللہ تمہارے دلوں کو بھی آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ ٹکرا دے گا اور تم پر اپنی پھٹکار نازل فرمائے گا جیسی ان پر نازل فرمائی۔ [4] اس بارے میں اور بہت سی حدیثیں ہیں کچھ سن بھی لیجیے حضرت جابر رضی اللہ عنہ والی حدیث تو آیت ﴿لَوْلَا يَنْهٰهُمُ الرَّبّٰنِيُّوْنَ﴾ [5] الخ' کی تفسیر میں گذر چکی اور ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا عَلَيْكُمْ اَنْفُسَكُمْ﴾ [6] الخ کی تفسیر میں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوثعلبہ رضی اللہ عنہ کی حدیثیں آئیں گی' ان شاء اللہ تعالیٰ۔ مسند اور ترمذی میں ہے کہ ''یا تو تم بھلائی کا حکم اور برائی سے منع کرتے رہو گے یا اللہ تم پر اپنی طرف سے کوئی عذاب بھیج دے گا پھر تم اس سے دعائیں بھی کرو گے لیکن وہ قبول نہیں فرمائے گا۔ [7] ''ابن

---

[1] [منقطع: مسند احمد (۱/۳۹۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند منقطع ہے۔]

[2] [ضعیف: ابوداود: کتاب الملاحم: باب فی الامر والنھی (٤٣٣٦)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود]

[3] [ضعیف: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة المائده (٣٠٤٧) ابن ماجه: کتاب الفتن: باب الامر بالمعروف والنهی عن المنكر (٤٠٠٦)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف ترمذی (٥٨٢)] شیخ عبدالرزاق مہدی، حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[4] [ضعیف: ابوداؤد: کتاب الملاحم: باب الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (٤٣٣٧) تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٣٠٩)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف ابوداود ٩٣٣] شیخ عبدالرزاق مہدی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[5] [سورة المائدہ: آیت ٦٣]

[6] [سورة المائدہ: آیت ١٠٥]

[7] [صحیح: مسند احمد (٥/٣٩١) ترمذی: کتاب الفتن: باب ماجآء فی الامر بالمعروف والنھی عن المنکر (٢١٢٩)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [السلسلة الصحیحة (٢٨٦٨)]

ماجہ میں ہے ''اچھائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرو اس سے پہلے کہ تمہاری دعائیں قبول ہونے سے روک دی جائیں''۔ ① صحیح حدیث میں ہے ''تم میں سے جو شخص خلاف شرع کام دیکھے' اس پر فرض ہے کہ اسے اپنے ہاتھ سے مٹائے اگر اس کی طاقت نہ ہو تو زبان سے' اگر اس کی بھی طاقت نہ رکھتا ہو تو دل سے اور یہ بہت ہی ضعیف ایمان والا ہے''۔ ②

(مسلم) مسند احمد میں ہے ''اللہ تعالیٰ خاص لوگوں کے گناہوں کی وجہ سے عام لوگوں کو عذاب نہیں کرتا لیکن اس وقت کہ برائیاں ان میں پھیل جائیں اور وہ باوجود قدرت کے انکار نہ کریں' اس وقت عام خاص سب کو اللہ تعالیٰ عذاب میں گھیر لیتا ہے''۔ ③ ابوداؤد میں ہے کہ جس جگہ اللہ کی نافرمانی ہونی شروع ہو وہاں جو بھی ہو' ان خلاف شرع امور سے ناراض ہو (ایک اور روایت میں ہے ان کا انکار کرتا ہو) وہ مثل اس کے ہے جو وہاں حاضر ہی نہ ہو اور جو ان خطاؤں سے راضی ہو گو وہاں موجود نہ ہو وہ ایسا ہے گویا ان میں حاضر ہے۔ ④ ابوداؤد میں ہے لوگوں کے عذر جب تک ختم نہ ہو جائیں وہ ہلاک نہ ہوں گے۔ ⑤ ابن ماجہ میں ہے حضور ﷺ نے اپنے خطبے میں فرمایا خبردار کسی شخص کو لوگوں کی ہیبت حق بات کہنے سے روک نہ دے۔ اس حدیث کو بیان فرما کر حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ رو پڑے اور فرمانے لگے افسوس ہم نے ایسے موقعوں پر لوگوں کی ہیبت مان لی۔ ⑥ ابوداؤد' ترمذی اور ابن ماجہ میں ہے افضل جہاد کلمہ حق ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا ہے ⑦ ابن ماجہ میں ہے کہ جمرۂ اولیٰ کے پاس حضور ﷺ کے سامنے ایک شخص آیا اور آپ سے سوال کیا کہ سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ آپ خاموش رہے۔ پھر آپ جمرۂ

---

① [حسن: ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر (٤٠٠٤) مسند احمد (١٥٩/٦)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [صحيح ابن ماجه ، التعليق الرغيب (١٧٢/٣)]

② [صحيح: صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب بيان كون النهى عن المنكر من الايمان (٤٩) ابوداؤد : كتاب الصلاة : باب الخطبة العيد (١١٤٠) نسائى : كتاب الايمان : باب تفاضل اهل الايمان (٥٠١١) ابن ماجه : كتاب اقامة الصلاة (١٢٧٥) مسند احمد (١٠/٣)]

③ [صحيح بالشواهد: مسند احمد (١٩٢/٤) ابوداؤد (٤٣٣٩) ابن ماجه (٤٠٠٩)]

④ [حسن: ابوداؤد : كتاب الملاحم : باب فى الامر والنهى (٤٣٤٥، ٤٣٤٦)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [صحيح ابوداود ، المشكاة (٥١٤١)]

⑤ [صحيح: ابوداؤد : كتاب الملاحم : باب فى الامر والنهى (٤٣٤٧)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ابوداود ، صحيح الجامع (٥٢٣١)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

⑥ [صحيح: ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر (٤٠٠٧)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ابن ماجه ، السلسلة الصحيحة (١٦٨-٣٢٣٧)]

⑦ [صحيح: ابوداؤد : كتاب الملاحم : باب فى الامر والنهى (٤٣٤٤) ترمذى : كتاب الفتن : باب ماجاء افضل الجهاد كلمة عدل عند سلطان جائر (٢١٧٤) ابن ماجه : كتاب الفتن (٤٠١١)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [السلسلة الصحيحة (٤٩١)]

ثانیہ پر آئے تو اس نے پھر وہی سوال کیا مگر آپ خاموش ہو رہے جب جمرۂ عقبہ پر کنکر مار چکے اور سواری پر سوار ہونے کے ارادے سے رکاب میں پاؤں رکھے تو دریافت فرمایا کہ وہ پوچھنے والا کہاں ہے؟ اس نے کہا حضور ﷺ میں حاضر ہوں فرمایا حق بات ظالم بادشاہ کے سامنے کہہ دینا۔ (۱) ابن ماجہ میں ہے کہ تم میں سے کسی شخص کو اپنی بے عزتی نہ کرنی چاہیے لوگوں نے پوچھا: حضور یہ کیسے؟ فرمایا خلاف شرع کوئی امر دیکھے اور کچھ نہ کہے قیامت کے دن اس سے باز پرس ہوگی کہ فلاں موقعے پر تو کیوں خاموش رہا؟ یہ جواب دے گا کہ لوگوں کے ڈر کی وجہ سے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں سب سے زیادہ حقدار تھا کہ تو مجھ سے خوف کھائے۔ (۲) ایک روایت میں ہے کہ جب اسے اللہ تلقین حجت کرے گا تو یہ کہے گا کہ تجھ سے تو میں نے امید رکھی اور لوگوں سے خوف کھا گیا۔ (۳) مسند احمد میں ہے کہ مسلمانوں کو اپنے آپ کو ذلیل نہ کرنا چاہیے۔ لوگوں نے پوچھا کیسے؟ فرمایا ان بلاؤں کو سر پر لینا جن کی برداشت کی طاقت نہ ہو۔ (۴) ابن ماجہ میں ہے کہ حضور ﷺ سے سوال کیا گیا ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کب چھوڑی جائے؟ فرمایا اس وقت جب تم میں بھی وہی خرابی ہو جائے جو تم سے اگلوں میں ظاہر ہوئی تھی ہم نے پوچھا وہ کیا چیز ہے؟ فرمایا کمینے آدمیوں میں سلطنت کا چلا جانا۔ بڑے آدمیوں میں بدکاری کا آ جانا۔ رذیلوں میں علم کا آ جانا۔ حضرت زید رحمہ اللہ کہتے ہیں رذیلوں میں علم آ جانے سے مراد فاسقوں میں علم کا آ جانا ہے۔ (۵) اس حدیث کی شاہد حدیثیں ابو ثعلبہ رضی اللہ عنہ کی روایت سے آیت ﴿لَا يَضُرُّكُمْ﴾ (۶) الخ کی تفسیر میں آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ

پھر فرماتا ہے کہ اکثر منافقوں کو تو دیکھے گا کہ وہ کافروں سے دوستیاں گانٹھتے ہیں ان کے اس فعل کی وجہ سے یعنی مسلمانوں سے دوستیاں چھوڑ کر کافروں سے دوستیاں کرنے کی وجہ سے انہوں نے اپنے لیے بڑا ذخیرہ جمع کر رکھا ہے۔ اس کی پاداش میں ان کے دلوں میں نفاق پیدا ہو گیا ہے۔ اور اسی بنا پر اللہ کا غضب ان پر نازل ہوا ہے اور قیامت کے دن کے لیے دائمی عذاب بھی ان کے لیے آگے آ رہے ہیں۔ ابن ابی حاتم میں ہے اے مسلمانو! زنا

---

(۱) [صحیح: ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر (٤٠١٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ابن ماجه ، السلسلة الصحيحة (٤٩١)]

(۲) [ضعیف: ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهى عن المنكر (٤٠٠٧)] شیخ البانیؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعيف ابن ماجه] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

(۳) [صحیح: ابن ماجه : كتاب الفتن : باب قوله تعالى يايها الذين امنو عليكم انفسكم (٤٠١٧)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحيحة (٩٢٩)]

(۴) [صحیح: ترمذی : كتاب الفتن (٢٢٥٤) ابن ماجه : كتاب الفتن (٤٠١٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ترمذى ، السلسلة الصحيحة (٦١٣)]

(۵) [ضعیف: ابن ماجه : كتاب الفتن (٤١٠٥) السلسلة الضعيفة (٥٧٠٣)]

(۶) [سورة المائدہ: آیت ١٠٥]

کاری سے بچو اس سے چھ برائیاں آتی ہیں، تین دنیا میں اور تین آخرت میں۔ اس سے عزت و وقار، رونق و تازگی جاتی رہتی ہے۔ اس سے فقر و فاقہ آ جاتا ہے۔ اس سے عمر گھٹتی ہے اور قیامت کے دن تین برائیاں یہ ہیں اللہ کا غضب، حساب کی سختی اور برائی، اور جہنم کا خلود۔ پھر حضور ﷺ نے اسی آخری جملے کی تلاوت فرمائی۔ [1]

یہ حدیث ضعیف ہے واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے اگر یہ لوگ اللہ پر اور اس کے رسول ﷺ پر اور قرآن پر پورا ایمان رکھتے تو ہرگز کافروں سے دوستیاں نہ کرتے اور چھپ چھپا کر ان سے میل ملاپ جاری نہ رکھتے۔ نہ سچے مسلمانوں سے دشمنیاں رکھتے۔ دراصل بات یہ ہے کہ ان میں سے اکثر لوگ فاسق ہیں یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت سے خارج ہو چکے ہیں اس کی وحی اور اس کے پاک کلام کی آیتوں کے مخالف بن بیٹھے ہیں۔

لَتَجِدَنَّ اَشَدَّ النَّاسِ عَدَاوَةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الْيَهُوْدَ وَالَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚ وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ۭ ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۸۲﴾

یقیناً تو ایمان والوں کا سب سے زیادہ دشمن یہودیوں اور مشرکوں کو پائے گا اور ایمان والوں سے سب سے زیادہ دوستی کے قریب تو یقیناً انہیں پائے گا جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں۔ یہ اس لیے کہ ان میں دانش منداور گوشہ نشین ہیں اور اس وجہ سے کہ وہ تکبر نہیں کرتے ○

اہل ایمان کے سخت ترین دشمن یہودی: یہ آیت اور اس کے بعد کی چار آیتیں نجاشی اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں اتری ہیں۔ جب ان کے سامنے حبشہ کے ملک میں حضرت جعفر بن ابو طالب رضی اللہ عنہ نے قرآن کریم پڑھا تو ان کی آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے اور ان کی داڑھیاں تر ہو گئیں۔ یہ خیال رہے کہ یہ آیتیں مدینے میں اتری ہیں اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کا یہ واقعہ ہجرت سے پہلے کا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیتیں اس وفد کے بارے میں نازل ہوئی ہیں جسے نجاشی نے حضور ﷺ کی خدمت میں بھیجا تھا کہ وہ آپ سے ملیں حاضر خدمت ہو کر آپ کے حالات وصفات دیکھیں اور آپ کا کلام سنیں۔ جب یہ آئے آپ سے ملے اور آپ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سنا تو ان کے دل نرم ہو گئے بہت روئے دھوئے اور اسلام قبول کیا اور واپس جا کر نجاشی سے سب حال کہا، نجاشی اپنی سلطنت چھوڑ کر حضور ﷺ کی طرف ہجرت کر کے آنے لگے لیکن راستے میں ہی انتقال ہو گیا۔ [2] یہاں بھی یہ خیال رہے کہ یہ بیان صرف سدی رحمہ اللہ کا ہے اور صحیح روایات سے یہ ثابت ہے کہ وہ حبشہ میں ہی سلطنت کرتے ہوئے فوت ہوئے ان کے انتقال والے دن ہی حضور ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم کو ان کے انتقال کی

---

[1] [ضعیف جدا : بیهقی فی شعب الایمان (٥٤٧٥) ابو نعیم فی الحلیة (٤/١١١)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ [٣/١٠٧] اس کی سند میں مسلمہ راوی متروک ہے اور ابو عبدالرحمٰن راوی مجہول ہے۔]

[2] [مرسل : تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٣١٨)]

خبر دی اور ان کی نماز جنازہ غائبانہ ادا کی۔ [1] بعض تو کہتے ہیں اس وفد میں سات تو علماء تھے اور پانچ زاہد تھے یا پانچ علماء اور سات زاہد تھے۔ بعض کہتے ہیں یہ کل پچاس آدمی تھے اور کہا گیا ہے کہ ساٹھ سے کچھ اوپر تھے ایک قول یہ بھی ہے کہ یہ ستر تھے۔ فاللہ اعلم۔ حضرت عطا رحمہ اللہ فرماتے ہیں جن کے اوصاف آیت میں بیان کیے گئے ہیں یہ اہل حبشہ ہیں۔ مسلمان مہاجرین حبشہ جب ان کے پاس پہنچے تو یہ سب مسلمان ہو گئے تھے۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں پہلے یہ دین عیسوی پر قائم تھے لیکن جب انہوں نے مسلمانوں کو دیکھا اور قرآن کریم کو سنا تو فوراً سب مسلمان ہو گئے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کا فیصلہ ان سب اقوال کو ٹھیک کر دیتا ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہ آیتیں ان لوگوں کے بارے میں ہیں جن میں یہ اوصاف ہوں خواہ وہ حبشہ کے ہوں یا کہیں کے۔ یہودیوں کو مسلمانوں سے جو سخت دشمنی ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں سرکشی اور انکار کا مادہ زیادہ ہے اور جان بوجھ کر کفر کرتے ہیں اور ضد سے ناحق پر اڑتے ہیں، حق کے مقابلہ میں بگڑ بیٹھتے ہیں حق والوں پر حقارت کی نظریں ڈالتے ہیں ان سے بغض و بیر رکھتے ہیں۔ علم سے کورے ہیں علماء کی تعداد ان میں بہت ہی کم ہے اور علم اور ذی علم لوگوں کی کوئی وقعت ان کے دل میں نہیں یہی تھے جنہوں نے بہت سے انبیاء علیہم السلام کو قتل کیا خود پیغمبر الزمان احمد مجتبیٰ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے قتل کا ارادہ بھی کیا اور ایک دفعہ نہیں بلکہ بار بار۔ آپ کو زہر دیا، آپ پر جادو کیا اور اپنے جیسے بد باطن لوگوں کو اپنے ساتھ ملا کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر حملے کیے لیکن اللہ نے ہر مرتبہ انہیں نامراد اور ناکام کیا۔ ابن مردویہ میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب کبھی کوئی یہودی کسی مسلمان کو تنہائی میں پاتا ہے اس کے دل میں اس کے قتل کا قصد پیدا ہوتا ہے [2] ایک دوسری سند سے بھی یہ حدیث مروی ہے لیکن ہے بہت ہی غریب ہاں مسلمانوں سے دوستی میں زیادہ قریب وہ لوگ ہیں جو اپنے آپ کو نصاریٰ کہتے ہیں حضرت مسیح علیہ السلام کے سچے تابعدار ہیں انجیل کے اصلی اور صحیح طریقے پر قائم ہیں ان میں ایک حد تک فی الجملہ مسلمانوں اور اسلام کی محبت ہے یہ اس لیے کہ ان میں نرم دلی ہے جیسے ارشاد باری ہے

﴿وَجَعَلْنَا فِیْ قُلُوْبِ الَّذِیْنَ اتَّبَعُوْہُ رَاْفَۃً وَّرَحْمَۃً﴾ [3] الخ۔

یعنی حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابعداروں کے دلوں میں ہم نے نرمی اور رحم ڈال دیا ہے۔ ان کی کتاب میں حکم ہے کہ جو تیرے داہنے رخسار پر تھپڑ مارے تو اس کے سامنے بایاں رخسار بھی پیش کر دے۔ ان کی شریعت میں لڑائی ہے ہی نہیں۔ یہاں ان کی اس دوستی کی وجہ یہ بیان فرمائی کہ ان میں خطیب اور واعظ ہیں ﴿قِسِّیْسٌ﴾ اور ﴿قِسٌّ﴾ کی جمع ﴿قِسِّیْسِیْنَ﴾ ہے ﴿قُسُوْسٌ﴾ بھی اس کی جمع آتی ہے

---

[1] صحیح: صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب الصفوف علی الجنازۃ (١٣١٨) صحیح مسلم : کتاب الجنائز : باب فی التکبیر علی الجنازۃ (٩٥١۔ ٩٥٢)]

[2] [ضعیف: المجروحین لابن حبان (١٢٢/٣) السلسلۃ الضعیفۃ (٤٤٣٩)]

[3] [سورۃ الحدید: آیت ٢٧]

﴿رُهْبَانٌ﴾ جمع ہے راہب کی۔ راہب کہتے ہیں عابد کو۔ یہ لفظ مشتق ہی رہبت سے اور رہبت کے معنی ہیں خوف اور ڈر کے۔ جیسے ﴿رَاكِبٌ﴾ کی جمع ﴿رُكْبَانٌ﴾ ہے اور ﴿فُرْسَانٌ﴾ ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کبھی ﴿رُهْبَانٌ﴾ واحد کے لیے بھی آتا ہے اور اس کی جمع ﴿رَهَابِيْنَ﴾ آتی ہے جیسے ﴿قُرْبَانٌ﴾ اور ﴿قَرَابِيْنَ﴾ اور ﴿جردان﴾ اور ﴿جرادين﴾ اور کبھی اس کی جمع ﴿رَهَابِنَه﴾ بھی آتی ہے۔ عرب کے اشعار میں بھی لفظ ﴿رُهْبَانٌ﴾ واحد کے لیے آیا۔ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ سے ایک شخص ﴿قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا﴾ پڑھ کر اس کے معنی دریافت کرتا ہے تو آپ فرماتے ہیں ﴿قِسِّيْسِيْنَ﴾ کو خانقاہوں اور غیر آباد جگہوں میں چھوڑ مجھے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ﴿صِدِّيْقِيْنَ وَرُهْبَانًا﴾ پڑھایا ہے۔ [1] (بزار اور ابن مردویہ) الغرض ان کے تین اوصاف یہاں بیان ہوئے ہیں ان میں عالموں کا ہونا۔ ان میں عابدوں کا ہونا۔ ان میں تواضع، فروتنی اور عاجزی کا ہونا۔

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے محض اس کے فضل وکرم لطف وکرم سے تفسیر محمدی کا چھٹا پارہ بھی ختم ہوا۔ اللہ تعالیٰ اسے قبول فرمائے اور ہمیں اس سے دونوں جہاں میں فائدہ بخشے۔ آمین۔



---

[1] [ضعیف جدا : طبرانی کبیر (٦١٧٥) مجمع الزوائد (١٠٩٨٢)] اس میں یحییٰ حمانی اور نصیر بن زیاد دو راوی ضعیف ہیں۔ شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

وَاِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰٓى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿٨٣﴾ وَمَا لَنَا لَا نُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَا جَآءَنَا مِنَ الْحَقِّ ۙ وَنَطْمَعُ اَنْ يُّدْخِلَنَا رَبُّنَا مَعَ الْقَوْمِ الصّٰلِحِيْنَ ﴿٨٤﴾ فَاَثَابَهُمُ اللّٰهُ بِمَا قَالُوْا جَنّٰتٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۭ وَذٰلِكَ جَزَآءُ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿٨٥﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ﴿٨٦﴾

اور جب وہ اس قرآن کو سنتے ہیں جو اس رسول (ﷺ) پر اتارا گیا تو تو دیکھ لے گا کہ ان کی آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں کیونکہ وہ حق کو جانتے پہچانتے ہیں' کہنے لگتے ہیں کہ اے پروردگار! ہم ایمان لائے پس تو ہمیں بھی گواہوں میں لکھ لے ○ آخر اس کی کیا وجہ؟ کہ ہم اللہ کو اور جو حق ہمارے پاس آ پہنچا اس کو نہ مانیں؟ ہماری تو دلی منشا یہ ہے کہ ہمارا رب ہمیں نیک لوگوں کی جماعت میں شامل کر لے۔ پس ان کے اس قول کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کے ثواب میں وہ جنتیں عطا فرمائیں جن کے نیچے چشمے جاری ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے' نیک کاروں کا یہی بدلہ ہے ○ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیتوں کو جھٹلایا وہ جہنمی ہیں ○

قرآن سن کر اہل ایمان کی حالت: اوپر بیان گذر چکا ہے کہ عیسائیوں میں سے جو نیک دل لوگ اس پاک مذہب اسلام کو قبول کیے ہوئے ہیں ان میں جو اچھے اوصاف ہیں مثلاً عبادت' علم' تواضع' انکساری وغیرہ' ساتھ ہی ان میں رحمدلی وغیرہ بھی ہے۔ حق کی قبولیت بھی ہے۔ اللہ کے احکامات کی اطاعت بھی ہے ادب اور لحاظ سے کلام اللہ سنتے ہیں۔ اس سے اثر لیتے ہیں اور نرم دلی سے رو دیتے ہیں کیونکہ وہ حق کے جاننے والے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی نبوت کی بشارت سے پہلے ہی آگاہ ہو چکے ہیں۔ اس لیے قرآن سنتے ہی دل موم ہو جاتے ہیں۔ ایک طرف آنکھیں آنسو بہانے لگتی ہیں دوسری جانب زبان سے حق کو تسلیم کرتے ہیں۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ آیتیں حضرت نجاشی رحمہ اللہ اور ان کے ساتھیوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔[1]

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا بیان ہے کہ کچھ لوگ حضرت جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہما کے ساتھ حبشہ سے آئے تھے حضور ﷺ کی زبان مبارک سے قرآن کریم سن کر ایمان لائے اور بے تحاشہ رونے لگے۔ آپ نے ان سے دریافت فرمایا کہ کہیں اپنے وطن پہنچ کر اس سے پھر تو نہیں جاؤ گے؟ انہوں نے کہا ناممکن ہے اسی کا بیان ان آیتوں میں ہے۔[2] حضرت

---

[1] **[مرسل]**: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۳۳۰)]

[2] **[ضعیف]**: طبرانی کبیر (۱۲۴۵۵)] امام ہیثمی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں عباس بن فضل راوی ضعیف ہے۔ [مجمع الزوائد (۱۸/۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے ضعیف کہا ہے۔ شیخ عبد الرزاق مہدی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شاہدوں سے مراد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کی تبلیغ کی شہادت ہے۔ پھر اس قسم کے نصرانیوں کا ایک اور وصف بیان ہو رہا ہے۔ ان ہی کا دوسرا وصف اس آیت میں ہے ﴿وَاِنَّ مِنْ اَهْلِ الْكِتَابِ لَمَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِمْ خَاشِعِيْنَ لِلّٰهِ﴾ [1] الخ، یعنی اہل کتاب میں ایسے لوگ بھی ہیں جو اللہ پر اور اس قرآن پر اور جو ان پر نازل کیا گیا ہے سب پر ایمان رکھتے ہیں اور پھر اللہ سے ڈرنے والے بھی ہیں۔ ان ہی کے بارے میں فرمان ربانی ﴿اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِهٖ هُمْ بِهٖ يُؤْمِنُوْنَ﴾ سے ﴿لَا نَبْتَغِي الْجَاهِلِيْنَ﴾ [2] تک ہے کہ یہ لوگ اس کتاب کو اور اس کتاب کو سچ جانتے ہیں اور دونوں پر ایمان رکھتے ہیں۔ پس یہاں بھی فرمایا کہ وہ کہتے ہیں کہ جب ہمیں صالحین میں ملنا ہے تو اللہ پر اور اس کی اس آخری کتاب پر ہم ایمان کیوں نہ لائیں؟ ان کے اس ایمان و تصدیق اور قبولیت حق کا بدلہ اللہ نے انہیں یہ دیا کہ وہ ہمیشہ رہنے والے تر و تازہ باغات و چشموں والی جنتوں میں جائیں گے۔ محسن، نیکوکار، مطیع حق، تابع فرمان الٰہی لوگوں کی جزا یہی ہے، وہ کہیں کے بھی ہوں کوئی بھی ہوں۔

جو ان کے خلاف ہیں انجام کے لحاظ سے بھی ان کے برعکس ہیں، کفر و تکذیب اور مخالفت یہاں ان کا شیوہ ہے اور وہاں جہنم ان کا ٹھکانا ہے۔

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَلَا تَعْتَدُوْا ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾ وَكُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ حَلٰلًا طَيِّبًا ۠ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ اَنْتُمْ بِهٖ مُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾

اے ایمان والو! اللہ تعالیٰ کی حلال کردہ پاکیزہ چیزوں کو حرام نہ کرو اور نہ حد سے آگے بڑھو، ایسی زیادتی کرنے والوں کو اللہ پسند نہیں فرماتا ○ ستھری اور حلال چیزیں جو بھی اللہ تعالیٰ نے تمہیں دے رکھی ہیں ان میں سے کھاؤ پیو اور اس اللہ سے ڈرتے رہا کرو جس پر تم ایمان رکھتے ہو ○

اسلام میں رہبانیت نہیں: ابن ابی حاتم میں ہے کہ ''چند صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں کہا کہ ہم خصی ہو جائیں، دنیوی لذتوں کو ترک کر دیں، بستی چھوڑ کر جنگلوں میں جا کر تارک دنیا لوگوں کی طرح زندگی یاد الٰہی میں بسر کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی یہ باتیں معلوم ہو گئیں، آپ نے انہیں یاد فرمایا اور ان سے پوچھا، انہوں نے اقرار کیا، اس پر آپ نے فرمایا تم دیکھ نہیں رہے؟ کہ میں نفلی روزے رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا۔ رات کو نفلی نماز پڑھتا بھی ہوں اور سوتا بھی ہوں۔ میں نے نکاح بھی کر رکھے ہیں۔ سنو جو میرے طریقے پر ہو وہ تو میرا ہے اور جو میری سنتوں کو نہ لے وہ میرا نہیں''۔ [3] صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں ہے کہ ''لوگوں نے امہات المومنین رضی اللہ عنہن سے

---

[1] [سورۃ آل عمران : آیت ۱۹۹]

[2] [سورۃ القصص: آیت ۵۲۔ ۵۵]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۳۵۰)]

حضور ﷺ کے اعمال کی نسبت سوال کیا پھر بعض نے کہا کہ ہم گوشت نہیں کھائیں گے بعض نے کہا ہم نکاح نہیں کریں گے بعض نے کہا ہم بستر پر سوئیں گے ہی نہیں۔ جب یہ واقعہ حضور ﷺ کے گوش گذار ہوا تو آپ نے فرمایا ان لوگوں کو کیا ہو گیا ہے کہ ان میں سے بعض یوں کہتے ہیں حالانکہ میں روزہ رکھتا ہوں اور نہیں بھی رکھتا' سوتا بھی ہوں اور تہجد بھی پڑھتا ہوں' گوشت بھی کھاتا ہوں' اور نکاح بھی کئے ہوئے ہوں جو میری سنت سے منہ موڑے وہ میرا نہیں۔ [1] ترمذی وغیرہ میں ہے کہ کسی شخص نے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر کہا کہ گوشت کھانے سے میری قوت باہ بڑھ جاتی ہے اس لیے میں نے اپنے اوپر گوشت کو حرام کر لیا ہے اس پر یہ آیت اتری۔ [2] امام ترمذی رحمہ اللہ اسے حسن غریب بتاتے ہیں اور سند سے بھی یہ روایت مرسلاً مروی ہے اور موقوفاً بھی' واللہ اعلم۔ بخاری و مسلم میں ہے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہم آنحضرت ﷺ کی ماتحتی میں جہاد کرتے تھے اور ہمارے ساتھ ہماری بیویاں نہیں ہوتی تھیں تو ہم نے کہا اچھا ہوا اگر ہم خصی ہو جائیں لیکن اللہ کے رسول ﷺ نے ہمیں اس سے روکا اور مدت معینہ تک کے لیے کپڑے کے بدلے پر نکاح کرنے کی رخصت ہمیں عطا فرمائی پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت پڑھی۔ [3] یہ یاد رہے کہ یہ نکاح کا واقعہ متعہ کی حرمت سے پہلے کا ہے واللہ اعلم۔ معقل بن مقرن نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کو کہا کہ میں نے اپنا بستر اپنے اوپر حرام کر لیا ہے تو آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے سامنے کھانا لایا جاتا ہے تو ایک شخص اس مجمع سے الگ ہو جاتا ہے آپ اسے بلاتے ہیں کہ آؤ ہمارے ساتھ کھالو وہ کہتا ہے میں نے اس چیز کا کھانا اپنے اوپر حرام کر رکھا ہے۔ آپ فرماتے ہیں آؤ کھالو اپنی قسم کا کفارہ دے دینا' پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی (مستدرک حاکم) [4] ابن ابی حاتم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ کے گھر کوئی مہمان آئے آپ حضور ﷺ کے پاس سے رات کو جب واپس گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ گھر والوں نے آپ کے انتظار میں اب تک مہمان کو بھی کھانا نہیں کھلایا۔ آپ کو بہت غصہ آیا اور فرمایا تم نے میری وجہ سے مہمان کو بھوکا رکھا' یہ کھانا مجھ پر حرام ہے۔ بیوی صاحبہ رضی اللہ عنہا بھی ناراض ہو کر یہی کہہ بیٹھیں مہمان نے یہ دیکھ کر اپنے اوپر بھی حرام کر لیا اب تو حضرت عبداللہ بہت گھبرائے کھانے کی طرف ہاتھ بڑھایا اور سب سے کہا چلو بسم اللہ کرو۔ کھا پی لیا' پھر جب حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے سارا واقعہ

---

[1] [**صحیح**: صحیح بخاری : کتاب النکاح : باب الترغیب فی النکاح (٥٠٦٣) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه الیه (١٤٠١) مسند احمد (٣/٢٤١)]

[2] [**صحیح**: ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة المائدة (٣٠٥٤) تفسیر ابن ابی حاتم (١١٨٦/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عثمان کاتب راوی ضعیف ہے۔]

[3] [**صحیح**: صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب قوله تعالی : یایها الذین امنوا لا تحرموا طیبت (٤٦١٥) صحیح مسلم : کتاب النکاح : باب نکاح المتعة وبیان انه ابیح (١٤٠٤)]

[4] [تفسیر ابن ابی حاتم (١١٨٧/٤) مستدرك حاكم (٣١٤/٢) طبرانی کبیر (٨٩٠٧)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔[مجمع الزوائد (١٩٣/٤)]

کہہ سنایا پس یہ آیت اتری۔ لیکن یہ اثر منقطع ہے۔ (1) صحیح بخاری شریف میں اس جیسا ایک قصہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اپنے مہمانوں کے ساتھ کا ہے (2) اس سے امام شافعی رحمہ اللہ وغیرہ علماء کا وہ قول ثابت ہوتا ہے کہ جو شخص علاوہ عورتوں کے کسی اور کھانے پینے کی چیز کو اپنے اوپر حرام کرے تو وہ اس پر حرام نہیں ہو جاتی اور نہ اس پر اس میں کوئی کفارہ ہے۔ دلیل یہ آیت اور دوسری وہ حدیث ہے جو اوپر گذر چکی کہ جس شخص نے اپنے اوپر گوشت حرام کر لیا تھا اسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی کفارے کا حکم نہیں فرمایا۔ لیکن امام احمد رحمہ اللہ اور ان کی ہم خیال جماعت علماء کا خیال ہے کہ جو شخص کھانے پہننے وغیرہ کی کسی چیز کو اپنے اوپر حرام کر لے تو اس پر قسم کا کفارہ ہے۔ جیسے اس شخص پر جو کسی چیز کے ترک پر قسم کھا لے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فتویٰ یہی ہے اور اس کی دلیل یہ آیت ﴿یٰٓاَیُّهَا النَّبِیُّ لِمَ تُحَرِّمُ﴾ (3) الخ، بھی ہے اور اس آیت کے بعد ہی کفارہ قسم کا ذکر بھی اسی امر کا مقتضی ہے کہ یہ حرمت قائم مقام قسم کے ہے واللہ اعلم۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض حضرات نے ترک دنیا کا خصی ہو جانے کا اور ٹاٹ پہننے کا عزم مصمم کر لیا اس پر یہ آیتیں اتریں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان بن مظعون، حضرت علی بن ابی طالب، حضرت عبداللہ بن مسعود، حضرت مقداد بن اسود، حضرت سالم مولیٰ، حضرت ابی حذیفہ رضی اللہ عنہم وغیرہ ترک دنیا کا ارادہ کر کے گھروں میں بیٹھ رہے باہر آنا جانا ترک کر دیا عورتوں سے علیحدگی اختیار کر لی ٹاٹ پہننے لگے اچھا کھانا اور اچھا پہننا حرام کر لیا اور بنی اسرائیل کے عابدوں کی وضع کر لی بلکہ ارادہ کر لیا کہ خصی ہو جائیں تا کہ یہ طاقت ہی سلب ہو جائے اور یہ بھی نیت کر لی کہ تمام راتیں عبادت میں اور تمام دن روزے میں گذاریں گے اس پر یہ آیت اتری یعنی یہ خلاف سنت ہے۔ پس حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بلا کر فرمایا کہ تمہاری جانوں کا تم پر حق ہے، تمہاری آنکھوں کا بھی تم پر حق ہے۔ نفلی روزے رکھو اور کبھی کبھی چھوڑ بھی دو۔ نفل نماز رات کو پڑھو اور کچھ دیر سو بھی جاؤ جو ہماری سنت کو چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں اس پر ان بزرگوں نے فرمایا یا اللہ ہم نے سنا اور جو فرمان ہوا اس پر ہماری گردنیں خم ہیں۔ (4) یہ واقعہ بہت سے تابعین سے مرسل سندوں سے مروی ہے۔ اس کی شاہد وہ مرفوع حدیث بھی ہے جو اوپر بیان ہو چکی۔ فالحمد للہ۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم کے سامنے وعظ کیا اور اس میں خوف اور ڈر کا ہی بیان تھا اسے سن کر دس صحابیوں نے جن میں حضرت علی، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہما وغیرہ تھے آپس میں کہا کہ ہمیں تو کوئی بڑے بڑے طریقے عبادت کے اختیار کرنا چاہئیں نصرانیوں کو دیکھو کہ انہوں نے اپنے نفس پر بہت سی چیزیں حرام کر رکھی ہیں اس پر کسی نے گوشت اور چربی وغیرہ کھانا اپنے اوپر حرام کیا، کسی نے دن کو کھانا بھی حرام کر لیا، کسی نے رات کی نیند اپنے اوپر حرام کر لی کسی نے عورتوں سے مباشرت حرام کر لی۔ حضرت

---

(1) [مرسل و ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۱۱۸۷/٤) تفسیر ابن جریر الطبری (۵۱۹/۱۰)] اس کی سند میں ہشام مدنی راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی اسے مرسل ضعیف کہتے ہیں۔]

(2) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب مواقیت الصلاۃ: باب السمر مع الاهل والضیف (۶۰۲)، (۳۵۸۱)]

(3) [سورۃ التحریم: آیت ۱-۲]

(4) [مرسل وضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۳۵۲) الدرالمنثور (۵٤٤/۲)]

عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی سے میل جول اسی بنا پر ترک کر دیا۔ میاں بیوی اپنے صحیح تعلقات سے الگ رہنے لگے۔ ایک دن یہ بیوی صاحبہ حضرت خولہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس آئیں وہاں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج مطہرات بھی تھیں انہیں پراگندہ حالت میں دیکھ کر سب نے پوچھا کہ تم نے اپنا یہ حلیہ کیا بنا رکھا ہے؟ نہ کنگھی نہ چوٹی کی خبر ہے نہ لباس ٹھیک ٹھاک ہے نہ صفائی اور خوبصورتی کا خیال ہے؟ کیا بات ہے؟ حضرت خولہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا مجھے اب اس بناؤ سنگھار کی ضرورت ہی کیا رہی؟ اتنی مدت ہوئی جو میرے میاں مجھ سے ملے ہی نہیں نہ کبھی میرا کپڑا ہٹایا یہ سن کر اور بیویاں ہنسنے لگیں اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور دریافت فرمایا کہ یہ ہنسی کیسی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے سارا واقعہ بیان فرمایا آپ نے اسی وقت آدمی بھیج کر حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کو بلوایا اور فرمایا یہ کیا قصہ ہے؟ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے کل واقعہ بیان کر کے کہا کہ میں نے اسے اس لیے چھوڑ رکھا ہے کہ اللہ کی عبادت دلچسپی اور فارغ البالی سے کر سکوں بلکہ میرا ارادہ ہے کہ میں خصی ہو جاؤں تاکہ عورتوں کے قابل ہی نہ رہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں تجھے قسم دیتا ہوں جا اپنی بیوی سے میل کر لے اور اس سے بات چیت کر جواب دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تو میں روزے سے ہوں فرمایا جاؤ روزہ توڑ ڈالو چنانچہ انہوں نے حکم برداری کی، روزہ توڑ دیا اور بیوی سے بھی ملے۔ اب پھر جو حضرت خولہ رضی اللہ عنہا آئیں تو وہ اچھی ہئیت میں تھیں۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ہنس کر پوچھا کہو اب کیا حال ہے جواب دیا کہ اب حضرت عثمان نے اپنا عہد توڑ دیا ہے اور کل وہ مجھ سے ملے بھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں فرمایا لوگو یہ تمہارا کیا حال ہے کہ کوئی بیویاں حرام کر رہا ہے، کوئی کھانا، کوئی سونا، تم نہیں دیکھتے کہ میں سوتا بھی ہوں اور قیام بھی کرتا ہوں، افطار بھی کرتا ہوں اور روزے بھی رکھتا ہوں۔ عورتوں سے ملتا بھی ہوں نکاح بھی کر رکھے ہیں۔ سنو جو مجھ سے بے رغبتی کرے وہ مجھ سے نہیں ہے، اس پر یہ آیت اتری۔ حد سے نہ گزرو سے مطلب یہ ہے کہ عثمان رضی اللہ عنہ کو خصی نہیں ہونا چاہیے۔ یہ حد سے گذر جانا ہے اور ان بزرگوں کو اپنی قسموں کا کفارہ ادا کرنے کا حکم ہوا اور فرمایا ﴿لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ﴾ [1] الخ، پس ﴿لَا تَعْتَدُوْا﴾ سے مراد یا تو یہ ہے کہ اللہ نے جن چیزوں کو تمہارے لیے مباح کیا ہے تم انہیں اپنے اوپر حرام کر کے تنگی نہ کرو اور یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ حلال بقدر کفایت لے لو اور اس میں حد سے آگے نہ نکل جاؤ۔ جیسے فرمایا کھاؤ پیو لیکن حد سے نہ بڑھو۔ [2] ایک اور آیت میں ہے ایمانداروں کا ایک وصف یہ بھی ہے کہ وہ خرچ کرنے میں اسراف اور بخیلی کے درمیان درمیان رہتے ہیں۔ [3] پس افراط و تفریط اللہ کے نزدیک بری بات ہے اور درمیانی روش رب کو پسند ہے۔ اسی لیے یہاں بھی فرمایا حد سے گذر جانے والوں کو اللہ ناپسند فرماتا ہے۔

پھر فرمایا اللہ تعالیٰ نے جو حلال وطیب چیزیں تمہیں دے رکھی ہیں انہیں کھاؤ پیو اور اپنے تمام امور میں اللہ سے ڈرتے رہو اس کی اطاعت اور طلب رضامندی میں رہا کرو۔ اس کی نافرمانی اور اس کی حرام کردہ چیزوں سے الگ رہو۔ اسی اللہ پر تم یقین رکھتے ہو اسی پر تمہارا ایمان ہے پس ہر امر میں اس کا لحاظ رکھو۔

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۳٤۹)]
[2] [سورۃ الاعراف: آیت ۳۱]
[3] [سورۃ الفرقان: آیت ٦٧]

لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ ۚ فَكَفَّارَتُهٗٓ اِطْعَامُ عَشَرَةِ مَسٰكِيْنَ مِنْ اَوْسَطِ مَا تُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ اَوْ كِسْوَتُهُمْ اَوْ تَحْرِيْرُ رَقَبَةٍ ۭ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ ۭ ذٰلِكَ كَفَّارَةُ اَيْمَانِكُمْ اِذَا حَلَفْتُمْ ۭ وَاحْفَظُوْٓا اَيْمَانَكُمْ ۭ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۸۹﴾

فضول اور بے قصد قسموں پر تو اللہ تعالیٰ تمہاری پکڑ نہیں کرے گا لیکن جن قسموں کو تم بہ تاکید اور بہ قصد مضبوط کر دو ان پر مواخذہ ہے ایسی قسموں کا کفارہ دس مسکینوں کو کھانا دینا ہے درمیانہ درجے کا جو عموماً تم اپنے گھر والوں کو کھلاتے رہتے ہو یا انہیں کپڑا پہنانا یا ایک گردن کا آزاد کرنا' اگر کسی کو مقدور ہی نہ ہو تو تین دن کے روزے۔ یہ ہے تمہاری قسموں کا کفارہ جبکہ تم قسم کھا کر (توڑ دو)' تمہیں اپنی قسمیں پوری کرنی چاہئیں' اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنے احکام بیان فرما رہا ہے تاکہ تم شکر گزاری کرو○

قسم کا کفارہ: لغو قسمیں کیا ہوتی ہیں؟ ان کے کیا احکام ہیں؟ یہ سب سورۂ بقرہ کی تفسیر میں بالتفصیل بیان کر چکے ہیں اس لیے یہاں ان کے دوہرانے کی ضرورت نہیں۔ فالحمد للہ۔ مقصد یہ ہے کہ روانی کلام میں انسان کے منہ سے بغیر قصد کے جو قسمیں عادۃً نکل جائیں وہ لغو قسمیں ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا یہی مذہب ہے۔ مذاق میں قسم کھا بیٹھنا' اللہ کی نافرمانی کے کرنے پر قسم کھا بیٹھنا' زیادتی گمان کی بنا پر قسم کھا بیٹھنا بھی اس کی تفسیر میں کہا گیا ہے۔ غصے اور غضب میں' نسیان اور بھول چوک سے کھانے پینے پہننے اوڑھنے کی چیزوں میں قسم کھا بیٹھنا مراد ہے۔ اس قول کی دلیل میں آیت ﴿لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ﴾ الخ' کو پیش کیا جاتا ہے۔ بالکل صحیح بات یہ ہے کہ لغو قسموں سے مراد بغیر قصد کی قسمیں ہیں اور اس کی دلیل ﴿وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا عَقَّدْتُّمُ الْاَيْمَانَ﴾ ہے یعنی جو قسمیں بالقصد اور بالعزم ہوں ان پر گرفت ہے اور ان پر کفارہ ہے۔ کفارہ دس مسکینوں کا کھلانا جو محتاج فقیر ہوں جن کے پاس بقدر کفایت کے نہ ہو۔ اوسط درجے کا کھانا جو عموماً گھر میں کھایا جاتا ہو وہی انہیں کھلا دینا۔ مثلاً دودھ روٹی' گھی روٹی زیتون کا تیل روٹی۔ یہ بھی مطلب بیان کیا گیا ہے کہ بعض لوگوں کی خوراک بہت اعلیٰ ہوتی ہے بعض لوگ بہت ہی ہلکی غذا کھاتے ہیں تو نہ وہ ہو نہ یہ ہو۔ تکلف بھی نہ ہو اور بخل بھی نہ ہو۔ سختی اور فراخی کے درمیان ہو۔ مثلاً گوشت روٹی ہے' سرکہ اور روٹی ہے' روٹی اور کھجوریں ہیں۔ جیسی جس کی درمیانی حیثیت۔ اسی طرح قلت اور کثرت کے درمیان ہو۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ صبح شام کا کھانا' حسن رحمہ اللہ اور محمد بن حنفیہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ دس مسکینوں کو ایک ساتھ بٹھا کر روٹی گوشت کھلا دینا کافی ہے یا اپنی حیثیت کے مطابق روٹی کسی اور چیز سے کھلا دینا۔ بعض نے کہا ہے ہر مسکین کو آدھا صاع گیہوں یا کھجوریں وغیرہ دے دینا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ گیہوں تو آدھا صاع کافی ہے اور اس کے علاوہ ہر چیز کا پورا صاع دے دے۔ ابن مردویہ کی روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صاع کھجوروں کا کفارے میں ایک شخص کو دیا ہے اور لوگوں کو بھی یہی حکم فرمایا ہے لیکن جس

کی اتنی حیثیت نہ ہو وہ آدھا صاع گیہوں کا دے دے۔ یہ حدیث ابن ماجہ میں بھی ہے [1] لیکن اس کا ایک راوی بالکل ضعیف ہے جس کے ضعف پر محدثین کا اتفاق ہے۔ دار قطنیؒ نے اسے متروک کہا ہے اس کا نام عمر بن عبداللہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ ہر مسکین کو ایک مد گیہوں مع سالن کے دے دے۔ امام شافعی رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں لیکن سالن کا ذکر نہیں ہے اور دلیل ان کی وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ رمضان شریف کے دن میں اپنی بیوی سے جماع کرنے والے کو ایک مکتل (خاص پیمانہ) میں سے ساٹھ مسکینوں کو کھلانے کا حکم حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دیا تھا [2] اس میں پندرہ صاع آتے ہیں تو ہر مسکین کے لیے ایک مد ہوا۔ ابن مردویہ کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کے کفارے میں گیہوں کا ایک مد مقرر کیا ہے لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہے کیونکہ نضر بن زرارہ کوفی کے بارے میں امام ابو حاتم رازی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ وہ مجہول ہے گو اس سے بہت سے لوگوں نے روایت کی ہے اور امام ابن حبان رحمہ اللہ نے اسے ثقہ کہا ہے واللہ اعلم۔ پھر ان کے استاد عمری بھی ضعیف ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ گیہوں کا ایک مد اور باقی اناج کے دو مد دے۔ واللہ اعلم (یہ یاد رہے کہ صاع انگریزی اسی روپے بھر کے سیر کے حساب سے تقریباً پونے تین سیر کا ہوتا ہے اور ایک صاع کے چار مد ہوتے ہیں واللہ اعلم۔ مترجم) یا ان دس کو کپڑا پہنانا۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ ہر ایک کو خواہ کچھ ہی کپڑا دے دے جس پر کپڑے کا اطلاق ہوتا ہو کافی ہے۔ مثلاً کرتہ، پاجامہ ہے، تہبند ہے، پگڑی ہے یا سر پر لپیٹنے کا رومال ہے۔ پھر امام صاحب کے شاگردوں میں سے بعض تو کہتے ہیں ٹوپی بھی کافی ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ نا کافی ہے۔ کافی کہنے والے یہ دلیل دیتے ہیں کہ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہما سے جب اس کے بارے میں سوال ہوتا ہے تو آپ فرماتے ہیں اگر کوئی وفد کسی امیر کے پاس آئے اور وہ انہیں ٹوپیاں دے تو عرب تو یہی کہیں گے کہ ﴿قَدْ كُسُوْا﴾ انہیں کپڑے پہنائے گئے۔ لیکن اس کی اسناد بھی ضعیف ہے۔ کیونکہ محمد بن زبیر ضعیف ہیں واللہ اعلم۔ [3] موزے پہنانے کے بارے میں بھی اختلاف ہے۔ صحیح یہ ہے کہ جائز نہیں۔ امام مالک رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کم سے کم اتنا اور ایسا کپڑا ہو کہ اس میں نماز جائز ہو جائے مرد کو دیا ہے تو اس کی اور عورت کو دیا ہے تو اس کی۔ واللہ اعلم۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں عبا ہو یا شملہ ہو۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں ادنیٰ درجہ یہ ہے کہ ایک کپڑا ہو اور اس سے زیادہ

---

[1] [ضعیف: ابن ماجه: كتاب الكفارات: باب كم يطعم في كفارة اليمين (۲۱۱۲)] حافظ بوصیریؒ اور شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (۱۴۷/۲) ضعيف ابن ماجه (۴۵۹)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ کیونکہ اس کی سند میں عمر بن عبداللہ راوی ہے، جسے ائمہ محدثین نے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [صحیح: صحيح بخاري: كتاب الصوم: باب اذا جامع في رمضان (۱۹۳۶)، (۱۹۳۷) صحيح مسلم: كتاب الصيام: باب تغليظ تحريم الجماع (۱۱۱۱)]

[3] [موقوف ضعیف: تفسير ابن ابي حاتم (۱۱۹۳/۴) بيهقي (۵۶/۱۰) الدر المنثور للسيوطي (۵۵۴/۲)] اس کی سند میں محمد بن زبیر حنظلی راوی ضعیف ہے۔ امام نسائیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے، امام بخاریؒ اسے منکر الحدیث کہتے ہیں اور امام ابن حجرؒ نے اسے متروک کہا ہے۔ [التقريب، التهذيب]

ہو۔غرض کفارہ قسم میں ہر چیز سوائے جانگئے کے جائز ہے۔بہت سے مفسرین فرماتے ہیں ایک ایک کپڑا ایک ایک مسکین کو دے دے۔ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے ایسا کپڑا ہو جو پورا کارآمد ہو مثلاً لحاف چادر وغیرہ نہ کہ کرتہ دوپٹہ وغیرہ ابن سیرین اور حسن رحمہما اللہ دو دو کپڑے کہتے ہیں۔سعید بن مسیّب کہتے ہیں عمامہ جسے سر پر باندھے اور عبا جسے بدن پر پہنے۔حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ قسم کھاتے ہیں پھر اسے توڑتے ہیں تو دو کپڑے بحرین کے دے دیتے ہیں۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ہر مسکین کے لئے ایک عبا۔ [1] یہ حدیث غریب ہے۔یا ایک غلام کا آزاد کرنا۔امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ تو فرماتے ہیں کہ یہ مطلق ہے کافر ہو یا مسلمان، امام شافعی رحمہ اللہ اور دوسرے بزرگان دین فرماتے ہیں اس کا مومن ہونا ضروری ہے کیونکہ قتل کے کفارے میں غلام کی آزادی کا حکم ہے اور وہ مقید ہے کہ وہ مسلمان ہونا چاہے۔تو گو سبب دونوں کفاروں کا جداگانہ ہے لیکن وجہ ایک ہی ہے اور اس کی دلیل وہ حدیث بھی ہے جو مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضرت معاویہ بن حکم سلمی رضی اللہ عنہ کے ذمے ایک گردن آزاد کرنا تھی وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اپنے ساتھ ایک لونڈی لئے ہوئے آئے۔حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سیاہ فام لونڈی سے دریافت فرمایا کہ اللہ کہاں ہے؟ اس نے کہا آسمان میں پوچھا ہم کون ہیں؟ جواب دیا کہ آپ رسول اللہ ہیں (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ نے فرمایا اسے آزاد کر دو یہ ایماندار عورت ہے۔ [2] پس ان تینوں کاموں میں سے جو بھی کر لے وہ قسم کا کفارہ ہو جائے گا اور کافی ہوگا۔اس پر سب کا اجماع ہے۔قرآن کریم نے ان چیزوں کا بیان سب سے زیادہ آسان چیز سے شروع کیا ہے اور بتدریج اوپر کو پہنچایا ہے۔پس سب سے سہل تو کھانا کھلانا ہے۔پھر اس سے قدرے بھاری کپڑا پہنانا ہے اور اس سے بھی زیادہ بھاری غلام کو آزاد کرنا ہے۔پس اس میں ادنیٰ سے اعلیٰ بہتر ہے۔اب اگر کسی شخص کو ان تینوں میں سے ایک کی بھی قدرت نہ ہو تو وہ تین دن کے روزے رکھ لے۔سعید بن جبیر، اور حسن بصری رحمہما اللہ سے مروی ہے کہ جس کے پاس تین درہم ہوں وہ تو کھانا کھلا دے ورنہ روزے رکھ لے اور بعض متاخرین سے منقول ہے کہ یہ اس کے لئے ہے جس کے پاس ضروریات سے فاضل چیز نہ ہو معاش وغیرہ پونجی کے بعد جو فالتو ہو اس سے کفارہ ادا کرے۔امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں جس کے پاس اس دن کے اپنے اور اپنے بال بچوں کے کھانے سے جو بچے اس میں سے کفارہ ادا کرے۔قسم کے توڑنے کے کفارے کے روزے پے در پے رکھنے واجب ہیں یا مستحب ہیں اس میں دو قول ہیں۔ایک یہ کہ واجب نہیں۔امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب الایمان میں اسے صاف لفظوں میں کہا ہے۔امام مالک رحمہ اللہ کا قول بھی یہی ہے کیونکہ قرآن کریم میں روزوں کا حکم مطلق ہے تو خواہ پے در پے ہوں خواہ الگ الگ ہوں تو سب پر یہ صادق آتا ہے جیسے کہ رمضان کے روزوں کی

---

[1] [ضعیف : شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں مقاتل بن سلیمان اور اسماعیل عیاش راوی ضعیف ہے۔[دیکھیے: میزان (۸۷٤۱)]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب المساجد و مواضع الصلاۃ : باب تحریم الکلام فی الصلاۃ (۵۳۷) نسائی : کتاب السھو : باب الکلام فی الصلاۃ (۱۲۱۹) ابو داؤد : کتاب الصلاۃ : باب تشمیت العاطس فی الصلاۃ (۹۳۰) مسند احمد (۵/٤٤۷)]

قضا کے بارے میں ﴿فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ﴾ [1] فرمایا گیا ہے وہاں بھی پے در پے کی یا علیحدہ علیحدہ کی قید نہیں اور حضرت امام شافعی رحمہ اللہ نے کتاب اَلْاُمْ میں ایک جگہ صراحت سے کہا ہے کہ قسم کے کفارے کے روزے پے در پے رکھنے چاہئیں یہی قول حنفیہ اور حنابلہ کا ہے۔ اس لئے کہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ وغیرہ سے مروی ہے کہ ان کی قرات ﴿فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ مُّتَتَابِعَاتٍ﴾ ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی یہی مروی ہے۔ اس صورت میں اگر چہ اس کا متواتر قرات ہونا ثابت نہ ہو۔ تاہم خبر واحد یا تفسیر صحابہ رضی اللہ عنہم سے کم درجے کی تو یہ قرات نہیں پس حکماً یہ بھی مرفوع ہے۔ ابن مردویہ کی ایک بہت ہی غریب حدیث میں ہے کہ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیں اختیار ہے آپ نے فرمایا ہاں' تو اختیار پر ہے خواہ گردن آزاد کر خواہ کپڑا پہنا دے خواہ کھانا کھلا دے اور جو نہ پائے وہ پے در پے تین روزے رکھ لے۔ [2] پھر فرماتا ہے کہ تم جب قسم کھا کر توڑ دو تو یہ کفارہ ہے لیکن تمہیں اپنی قسموں کی حفاظت کرنی چاہئے انہیں بغیر کفارے کے نہ چھوڑنا چاہئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ تمہارے سامنے اپنی آیتیں واضح طور پر بیان فرما رہا ہے تا کہ تم شکر گذاری کرو۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۹۰﴾ اِنَّمَا يُرِيْدُ الشَّيْطٰنُ اَنْ يُّوْقِعَ بَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةَ وَالْبَغْضَآءَ فِي الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ وَيَصُدَّكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ وَعَنِ الصَّلٰوةِ ۚ فَهَلْ اَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا ۚ فَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْۤا اَنَّمَا عَلٰى رَسُوْلِنَا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ ﴿۹۲﴾ لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ جُنَاحٌ فِيْمَا طَعِمُوْۤا اِذَا مَا اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاٰمَنُوْا ثُمَّ اتَّقَوْا وَّاَحْسَنُوْا ۗ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ ع

اے ایمان والو! شراب' جوا' فال کے تیر اور پانسے گندے پلید اور شیطانی کام ہیں تم ان سے رک جاؤ اور بچتے رہا کرو تا کہ تم فلاح پاؤ○ شیطان کا ارادہ تو یہی ہے کہ شراب اور جوئے کی وجہ سے تم میں آپس میں بغض و عداوت ڈلوا دے اور تمہیں یاد اللہ سے اور نماز سے روک دے' پس اب تو تم اس سے باز آ جاؤ گے○ تمہیں اللہ کی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کرنی چاہیے اور احتیاط اور ڈر رکھنا چاہئے' اب بھی تم منہ موڑ لو گے تو جان رکھو کہ ہمارے رسولوں کے ذمہ تو صرف صاف صاف پہنچا دینا ہی تھا○ جو لوگ ایمان لائے ہیں اور نیکیوں کے پابند ہیں وہ جو کچھ کھا پی گذرے اس میں کوئی گناہ نہیں جبکہ وہ پرہیز گاری کریں اور ایمان لائیں اور نیک عمل کریں۔ پھر ڈرتے رہیں اور ایمان لائیں پھر تقویٰ کریں اور احسان و اخلاص کو کام میں

---

[1] [سورة البقرہ: آیت ۱۸۵]

[2] [ضعیف : الدر المنثور للسیوطی (۵۵۵/۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس میں اسماعیل بن یحییٰ تیمی راوی ضعیف ہے۔]

لائیں' اللہ تعالیٰ نیک کاروں سے محبت رکھتا ہے○

شراب اور جوئے جیسی لغویات سے ممانعت: ان آیتوں میں اللہ تعالیٰ بعض چیزوں سے روکتا ہے۔ شراب کی ممانعت فرمائی' پھر جوئے کی روک کی۔ امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ شطرنج بھی جوئے میں داخل ہے (ابن ابی حاتم) عطا مجاہد اور طاؤس رحمہم اللہ سے یا ان میں سے دو سے مروی ہے کہ جوئے کی ہر چیز میسر میں داخل ہے گو بچوں کے کھیل کے طور پر ہو۔ جاہلیت کے زمانے میں جوئے کا بھی عام رواج تھا جسے اسلام نے غارت کیا۔ ان کا ایک جوا یہ بھی تھا کہ گوشت کو بکری کے بدلے بیچتے تھے۔ پانسے پھینک کر مال یا پھل لینا بھی جوا ہے۔ حضرت قاسم بن محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو چیز ذکر اللہ اور نماز سے غافل کر دے وہ جوا ہے۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع غریب حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان پانسوں سے بچو جن سے لوگ کھیلا کرتے تھے۔ یہ بھی جوا ہے[1] صحیح مسلم شریف میں ہے پانسوں سے کھیلنے والا گویا اپنے ہاتھوں کو سور کے خون اور گوشت میں آلودہ کرنے والا ہے۔[2] سنن میں ہے کہ وہ اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا نافرمان ہے۔[3] حضرت ابو موسیٰ کا قول بھی اسی طرح مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ مسند میں ہے پانسوں سے کھیل کر نماز پڑھنے والے کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی شخص قے اور گندگی سے اور سور کے خون سے وضو کر کے نماز ادا کرے۔[4] حضرت عبداللہ فرماتے ہیں میرے نزدیک شطرنج اس سے بھی بری ہے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے شطرنج کا جوئے میں سے ہونا پہلے بیان ہو چکا ہے۔ امام مالک' امام ابوحنیفہ' امام احمد رحمہم اللہ تو کھلم کھلا اسے حرام بتاتے ہیں اور امام شافعی رحمہ اللہ بھی اسے مکروہ بتاتے ہیں۔ ﴿اَنْصَابُ﴾ ان پتھروں کو کہتے ہیں جن پر مشرکین اپنے جانور چڑھایا کرتے تھے اور انہیں وہیں ذبح کرتے تھے ﴿اَزْلَامُ﴾ ان تیروں کو کہتے ہیں جن میں وہ فال لیا کرتے تھے۔ ان سب چیزوں کی نسبت فرمایا کہ یہ اللہ کی ناراضگی کے اور شیطانی کام ہیں۔ یہ گناہ کے اور برائی کے کام ہیں تم ان شیطانی کاموں سے بچو انہیں چھوڑ دو تا کہ تم نجات پاؤ۔ اس فقرے میں مسلمانوں کو ان کاموں سے روکنے کی ترغیب ہے۔ پھر رغبت آمیز دھمکی کے

---

[1] [**ضعیف** : تفسیر ابن ابی حاتم (۱۱۹۶/٤) الدر المنثور للسیوطی (٥٦٣/٢)] امام ابن ابی حاتمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے والد سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا یہ باطل ہے کیونکہ اس میں علی بن زید (ضعیف) راوی ہے۔ مزید دیکھئے: مجمع الزوائد (١٣٢٦٥)]

[2] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب الشعر : باب تحریم اللعب بالنردشیر (٢٢٦٠) ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی النهی عن اللعب بالنرد (٤٩٣٩) ابن ماجه : کتاب الادب : باب اللعب بالنرد (٣٧٦٣) مسند احمد (٣٥٢/٥) الادب المفرد (١٢٧١)]

[3] [**حسن** : ابوداؤد : کتاب الادب : باب فی النهی عن اللعب بالنرد (٤٩٣٨) ابن ماجه : کتاب الادب : باب اللعب بالنرد (٣٧٦٢) بغوی (٣٤١٤) مسند احمد (٣٩٧/٤)] شیخ البانیؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [صحیح ابوداود ، ارواء الغلیل (٢٦٧٠)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[4] [**ضعیف** : مسند احمد (٣٧٠/٥) التاریخ الکبیر للبخاری (٢٩١/٧) مسند ابو یعلی (١١٠٤) بیهقی (٢١٥/١٠) مجمع الزوائد (١٣٢٦١)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبدالرحمٰن راوی مجہول ہے۔]

ساتھ مسلمانوں کو ان چیزوں سے روکا گیا ہے۔

اب ہم یہاں پر حرمت شراب کی مزید احادیث وارد کرتے ہیں۔ مسند احمد میں ہے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شراب تین مرتبہ حرام ہوئی۔ آنحضرت ﷺ جب مدینے شریف میں آئے تو لوگ جواری شرابی تھے حضور ﷺ سے اس بارے میں سوال ہوا اور آیت ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ﴾ [1] الخ، نازل ہوئی۔ اس پر لوگوں نے کہا یہ دونوں چیزیں ہم پر حرام نہیں کی گئیں بلکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ ان میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے لئے کچھ فوائد بھی ہیں۔ چنانچہ شراب پیتے رہے۔ ایک دن ایک صحابی رضی اللہ عنہ اپنے ساتھیوں کو مغرب کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو قرات خلط ملط ہوگئی اس پر آیت ﴿يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكَارٰى﴾ [2] الخ، نازل ہوئی۔ یہ بہ نسبت پہلی آیت کے زیادہ سخت تھی اب لوگوں نے نمازوں کے وقت شراب چھوڑ دی لیکن عادت برابر جاری رہی۔ اس پر اس سے بھی زیادہ سخت اور صریح آیت ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ﴾ الخ، نازل ہوئی اسے سن کر سارے صحابہ رضی اللہ عنہم بول اٹھے ﴿اِنْتَهَيْنَا رَبَّنَا﴾ اے اللہ ہم اب باز رہے، ہم رک گئے۔ پھر لوگوں نے ان لوگوں کے بارے میں دریافت فرمایا جو شراب اور جوئے کی حرمت کے نازل ہونے سے پیشتر اللہ کی راہ میں شہید کیے گئے تھے اس کے جواب میں اس کے بعد کی آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ﴾ الخ، نازل ہوئی اور آپ نے فرمایا اگر ان کی زندگی میں یہ حکم اترتا تو وہ بھی تمہاری ہی طرح اسے مان لیتے۔ [3] مسند احمد میں ہے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے تحریم شراب کے نازل ہونے پر فرمایا یا اللہ ہمارے سامنے اور کھول کر بیان فرما پس سورہ بقرہ کی آیت ﴿فِيْهِمَا إِثْمٌ كَبِيْرٌ﴾ الخ نازل ہوئی۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا اور ان کے سامنے اس کی تلاوت کی گئی۔ پھر بھی آپ نے فرمایا اے اللہ تو ہمیں اور واضح لفظوں میں فرما پس سورہ نساء کی آیت ﴿وَأَنْتُمْ سُكَارٰى﴾ الخ نازل ہوئی اور موذن جب حی علی الصلوٰۃ کہتا تو ساتھ ہی کہہ دیتا کہ نشہ باز ہرگز ہرگز نماز کے قریب بھی نہ آئیں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بلوایا گیا اور یہ آیت بھی انہیں سنائی گئی لیکن پھر بھی آپ نے یہی فرمایا کہ اے اللہ اس بارے میں صفائی سے بیان فرما۔ پس سورۂ مائدہ کی آیت اتری آپ کو بلوایا گیا اور یہ آیت سنائی گئی جب ﴿فَهَلْ أَنْتُمْ مُّنْتَهُوْنَ﴾ تک سنا تو فرمانے لگے ﴿اِنْتَهَيْنَا اِنْتَهَيْنَا﴾ ہم رک گئے ہم رک گئے۔ [4] بخاری و مسلم میں ہے کہ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے منبر نبوی پر خطبہ

---

[1] [سورة البقرہ: آیت ۲۱۹] [2] [سورة النسآء : آیت ۴۳]

[3] [ضعیف : مسند احمد (۲/۳۵۱)] علامہ احمد شاکر نے مسند احمد کی تحقیق میں اسے ضعیف کہا ہے۔[(۸۶۰۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[4] [صحیح : ابوداؤد : کتاب الاشربۃ : باب فی تحریم الخمر (۳۶۷۰) نسائی : کتاب الاشربۃ : باب تحریم الخمر (۵۵۴۲) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ المائدہ (۳۰۴۹) مسند احمد (۱/۵۳) تفسیر ابن ابی حاتم (۴/۱۲۰۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابو داود (۳۱۱۷) السلسلۃ الصحیحۃ (۲۳۴۸)]

دیتے ہوئے فرمایا کہ شراب کی حرمت جب نازل ہوئی اس وقت شراب پانچ چیزوں کی بنائی جاتی تھی، انگور، شہد، کھجور، گیہوں اور جو۔ ہر وہ چیز جو عقل پر غالب آ جائے خمر ہے۔ [1] یعنی شراب کے حکم میں ہے اور حرام ہے۔ صحیح بخاری میں حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ شراب کی حرمت کی آیت کے نزول کے موقع پر مدینے شریف میں پانچ قسم کی شرابیں تھیں ان میں انگور کی شراب نہ تھی۔ [2] ابوداؤد طیالسی میں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں شراب کے بارے میں تین آیتیں اتریں۔ اول تو ﴿يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ﴾ الخ والی آیت اتری تو کہا گیا کہ شراب حرام ہوگئی اس پر بعض صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ ہمیں اس سے نفع اٹھانے دیجیے جیسے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آپ خاموش ہوگئے پھر ﴿وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى﴾ الخ والی آیت اتری اور کہا گیا کہ لو شراب حرام ہوگئی۔ لیکن صحابہ رضی اللہ عنہم نے فرمایا یا رسول اللہ ﷺ ہم بوقت نماز نہ پئیں گے۔ آپ پھر چپ رہے پھر یہ دونوں آیتیں اتریں اور خود رسول اللہ ﷺ نے فرمادیا کہ اب شراب حرام ہوگئی۔ [3] مسلم وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ کا ایک دوست تھا قبیلہ ثقیف میں سے یا قبیلہ دوس میں سے۔ فتح مکہ والے دن وہ آپ سے ملا اور ایک مشک شراب کی آپ کو تحفتاً دینے لگا آپ نے فرمایا کیا تمہیں معلوم نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کر دیا ہے۔ اب اس شخص نے اپنے غلام سے کہا کہ جا اسے بیچ ڈال، آپ نے فرمایا کیا کہا؟ اس نے جواب دیا کہ بیچنے کو کہہ رہا ہوں آپ نے فرمایا جس اللہ نے اس کا پینا حرام کیا ہے۔ اسی نے اس کا بیچنا بھی حرام کیا ہے۔ اس نے اسی وقت کہا جاؤ اسے لے جاؤ اور بطحا کے میدان میں بہا آؤ۔ [4] ابو یعلی موصلی میں ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کو تحفہ دینے کے لیے ایک مشک شراب کی لائے، آپ اسے دیکھ کر ہنس دیئے اور فرمایا یہ تو تمہارے جانے کے بعد حرام ہوگئی ہے کہا خیر یا رسول اللہ ﷺ میں اسے واپس لے جاتا ہوں اور بیچ کر قیمت وصول کرلوں گا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا یہودیوں پر اللہ کی لعنت ہوئی کہ ان پر جب گائے بکری کی چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچنا شروع کیا۔ اللہ تعالیٰ نے شراب کو اور اس کی قیمت کو حرام کر دیا ہے [5] مسند احمد میں بھی یہ روایت ہے اس میں ہے کہ ہر سال حضرت داری

---

[1] [صحیح: صحيح بخاری: كتاب التفسير: باب قوله انما الخمر والميسر والانصاب (٤٦١٩) و كتاب الاشربة: باب الخمر من العنب وغيره (٥٥٨١) وباب ماجآء فى ان الخمر ما خامر العقل من الشراب (٥٥٨٨) صحيح مسلم: كتاب التفسير: باب فى نزول التحريم الخمر (٣٠٣٢) نسائى: كتاب الاشربة: باب تحريم كل شراب أسكر (٥٥٩٤) ابوداؤد: كتاب الاشربة: باب تحريم الخمر (٣٦٦٩) ترمذى: كتاب الاشربة: باب ماجآء فى الحبوب التى (١٨٧٤)]

[2] [صحیح: صحيح بخارى: كتاب التفسير: باب قوله انما الخمر والميسر (٤٦١٦)]

[3] [ضعیف: مسند طيالسى (١٩٥٧) تفسير ابن ابى حاتم (١١٩٩/٤) بيهقى فى شعب الايمان (٥٥٧٠)] اس کی سند محمد بن ابی حمید کی وجہ سے ضعیف ہے۔ امام سیوطیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے اور فرمایا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [الدر المنثور للسيوطى (٥٥٧/٢)]

[4] [صحیح: صحيح مسلم: كتاب المساقاة: باب تحريم بيع الخمر (١٥٧٩) مسند احمد (٢٤٤/١)]

[5] [ضعیف: طبرانى كبير (١٢٧٥) مجمع الزوائد (٩١/٤)] امام ہیثمیؒ نے اس روایت کے انقطاع کا ذکر کیا ہے۔]

ایک مشک ہدیہ کرتے تھے۔ اس کے آخر میں حضور ﷺ کا دو مرتبہ یہ فرمانا ہے کہ شراب بھی حرام اور اس کی قیمت بھی حرام۔ [1] ایک حدیث مسند احمد میں اور ہے۔ اس میں ہے کہ حضرت کیسان رضی اللہ عنہ شراب کے تاجر تھے جس سال شراب حرام ہوئی اس سال یہ شام کے ملک سے بہت سی شراب تجارت کے لیے لائے تھے حضور ﷺ سے ذکر کیا آپ نے فرمایا اب تو حرام ہوگئی پوچھا پھر میں اسے بیچ ڈالوں؟ آپ نے فرمایا یہ بھی حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے۔ چنانچہ حضرت کیسان رضی اللہ عنہ نے وہ ساری شراب بہادی۔ [2] مسند احمد میں ہے حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ میں حضرت ابوعبیدہ بن جراح' حضرت ابی بن کعب' حضرت سہل بن بیضاء اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت کو شراب پلا رہا تھا دور چل رہا تھا سب لذت اندوز ہو رہے تھے قریب تھا کہ نشے کا پارہ بڑھ جائے۔ اتنے میں کسی صحابی رضی اللہ عنہ نے آ کر خبر دی کہ کیا تمہیں علم نہیں شراب تو حرام ہوگئی؟ انہوں نے کہا بس کر و انس رضی اللہ عنہ جو باقی بچی ہے اسے لنڈھا دو۔ اللہ کی قسم اس کے بعد ایک قطرہ بھی ان میں سے کسی کے حلق میں نہیں گیا۔ یہ شراب کھجور کی تھی اور عامتاً اسی کی شراب بنا کرتی تھی۔ یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی ہے [3] اور روایت میں ہے کہ شراب خوری کی یہ مجلس حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ کے مکان پر تھی۔ ناگاہ منادی کی آواز پڑی مجھ سے کہا گیا باہر جاؤ دیکھو کیا منادی ہو رہی ہے؟ میں نے جا کر سنا منادی ندا دے رہا ہے کہ شراب تم پر حرام کی گئی ہے۔ میں نے آ کر خبر دی تو حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اٹھو جتنی شراب ہے سب بہادو میں نے بہادی اور میں نے دیکھا کہ مدینے کی گلی کوچوں میں شراب بہہ رہی ہے۔ بعض اصحاب رضی اللہ عنہم نے کہا ان کا کیا حال ہوگا جن کے پیٹ میں شراب تھی اور وہ قتل کر دیے گئے؟ اس پر اس کے بعد کی آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ﴾ الخ' نازل ہوئی یعنی ان پر کوئی حرج نہیں۔ [4] ابن جریر کی روایت میں اس مجلس والوں کے ناموں میں حضرت ابودجانہ اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہما کا نام بھی ہے اور یہ بھی ہے کہ ندا سنتے ہی ہم نے شراب بہادی۔ مٹکے اور پیپے توڑ ڈالے۔ کسی نے وضو کرلیا' کسی نے غسل کرلیا اور حضرت ام سلیم رضی اللہ عنہا کے ہاں سے خوشبو منگوا کر لگائی اور مسجد پہنچے تو دیکھا حضور ﷺ یہ آیت پڑھ رہے تھے۔ ایک شخص نے سوال کیا کہ حضور ﷺ اس سے پہلے جو لوگ فوت ہو گئے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ پس اس کے بعد آیت

---

[1] [**صحیح بالشواهد** : مسند احمد (۲۲۷/٤) مجمع الزوائد (۸۸/٤)] اس کی سند میں شہر بن حوشب اور عبد الحمید راوی ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند حسن ہے اور اس کا شاہد صحیح مسلم (۱۵۷۹) میں موجود ہے۔]

[2] [**ضعیف** : مسند احمد (۳۳۵/٤) مجمع الزوائد (۸۸/٤) طبرانی کبیر (۱۹۵/۱۹)] اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے۔]

[3] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الاشربة : باب نزول تحریم الخمر وهی من البسر والتمر (۵۵۸۲) صحیح مسلم : کتاب الاشربة : باب تحریم الخمر (۱۹۸۰)]

[4] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب المظالم : باب صب الخمر فی الطریق (۲٤٦٤) و کتاب التفسیر : باب قوله لیس علی الذین امنو و عملوا الصالحات (٤٦٢٠) صحیح مسلم : کتاب الاشربة : باب تحریم الخمر و بیان انها تکون (۱۹۸۰) ابو داؤد : کتاب الاشربة (۳٦۷۳) مسند احمد (۲۲۷/۳)]

اتری۔ کسی نے حضرت قتادہ رحمہ اللہ سے پوچھا کہ آپ نے یہ حدیث حضرت انس رضی اللہ عنہ سے سنی ہے؟ فرمایا ہاں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے پوچھا آپ نے یہ حدیث خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہے؟ فرمایا ہاں ہم جھوٹ نہیں بولتے بلکہ ہم تو جانتے بھی نہیں کہ جھوٹ کسے کہتے ہیں؟ (۱) مسند احمد میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے شراب اور پانسے اور بربط کا باجا حرام کر دیا ہے۔ شراب سے بچو ﴿غُبَیْرَا﴾ نام کی شراب عام ہے۔ (۲) مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مجھ سے وہ بات منسوب کرے جو میں نے نہ کہی ہو وہ اپنی جگہ جہنم میں بنا لے۔ میں نے آپ سے سنا ہے کہ شراب جوا پانسے اور غبیرا سب حرام ہیں۔ اور ہر نشے والی چیز حرام ہے۔ (۳) مسند احمد میں ہے شراب کے بارے میں دس لعنتیں ہیں خود شراب پر اس کے پینے والے پر اس کے پلانے والے پر اس کے بیچنے والے پر اس کے خریدنے والے پر اس کے نچوڑنے والے پر اس کے بنانے والے پر اس کے اٹھانے والے پر اور اس پر بھی جس کے پاس یہ اٹھا کر لے جایا جائے اور اس کی قیمت کھانے والے پر (۴) (ابوداود، ابن ماجہ) مسند میں ہے ابن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باڑے کی طرف نکلے میں آپ کے ساتھ تھا۔ آپ کے دائیں جانب چل رہا تھا جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ آئے میں ہٹ گیا اور آپ کے داہنے حضرت صدیق رضی اللہ عنہ چلنے لگے۔ تھوڑی دیر میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ آ گئے میں ہٹ گیا آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بائیں طرف ہو گئے جب آپ باڑے میں پہنچے تو دیکھا کہ وہاں پر چند مشکیں شراب کی رکھی ہوئی ہیں آپ نے مجھے بلایا اور فرمایا چھری لاؤ جب میں لایا تو آپ نے حکم دیا کہ یہ مشکیں کاٹ دی جائیں پھر فرمایا شراب پر اس کے پینے والے پر پلانے والے پر بیچنے والے پر خریدار پر اٹھانے والے پر اٹھوانے والے پر بنانے والے پر بنوانے والے پر قیمت لینے والے پر سب پر لعنت ہے۔ (۵) مسند احمد کی اور روایت میں ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ مشکیں کٹوا کر ان کی شراب بہا کر پھر بازار میں جا کر جو مشکیں شراب کی پائیں سب کٹوا دیں پھر مجھے اور میرے ساتھیوں کو چھری دے کر فرمایا جاؤ جتنی مشکیں شراب کی جہاں پاؤ سب کاٹ کر بہا دو۔ پس ہم گئے

---

(۱) [صحیح بالشواهد : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۵۳۱)]

(۲) [ضعیف : مسند احمد (۴۲۲/۳) طبرانی کبیر (۳۵۲/۱۸)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ [مسند احمد محقق (۶۵۴۷)]

(۳) [صحیح لغیرہ : مسند احمد (۱۷۱/۲)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح لغیرہ ہے۔ [مسند احمد محقق (۶۴۷۸)]

(۴) [صحیح : ابن ماجہ : کتاب الاشربة : باب لعنت الخمر علی عشرة اوجه (۳۳۸۰) ابو داؤد : کتاب الاشربة : باب العنب یعصر للخمر (۳۶۷۴) مسند احمد (۲۵/۲)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود (۳۱۲۱) ارواء الغلیل (۱۵۲۹) الروض النضیر (۵۴۶)] علامہ احمد شاکر نے مسند احمد پر تعلیق لگاتے ہوئے اسے صحیح کہا ہے۔ [(۴۷۸۷)]

(۵) [صحیح : مسند احمد (۷۱/۲)] علامہ احمد شاکر نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۴۷۸۷)] حافظ زبیر علی زئی نے اس کی سند کو حسن کہا ہے۔]

اور سارے بازار میں ایک مشک بھی نہ چھوڑی۔ ① بیہقی کی حدیث میں ہے کہ ایک شخص شراب بیچتے تھے اور بہت خیرات کیا کرتے تھے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے شراب فروشی کا مسئلہ پوچھا گیا تو آپ نے فرمایا یہ حرام ہے اور اس کی قیمت بھی حرام ہے اے امت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تمہاری کتاب کے بعد کوئی کتاب اترنے والی ہوتی اور اگر تمہارے نبی کے بعد کوئی نبی اور آنے والا ہوتا' جس طرح اگلوں کی رسوائیاں اور ان کی برائیاں تمہاری کتاب میں اتریں تمہاری خرابیاں ان پر نازل ہوتیں لیکن تمہارے افعال کا اظہار قیامت کے دن پر موخر رکھا گیا ہے اور یہ بہت بھاری اور بڑا ہے۔ پھر حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے یہ سوال کیا گیا تو انہوں نے فرمایا سنو میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں تھا۔ آپ گوٹھ لگائے ہوئے بیٹھے تھے فرمانے لگے جس کے پاس جتنی شراب ہو وہ ہمارے پاس لائے۔ لوگوں نے لانی شروع کی' جس کے پاس جتنی تھی حاضر کی۔ آپ نے فرمایا جاؤ اسے بقیع کے میدان میں فلاں فلاں جگہ رکھو۔ جب سب جمع ہو جائے مجھے خبر کرو' جب جمع ہو گئی اور آپ سے کہا گیا تو آپ اٹھے میں آپ کے داہنے جانب تھا آپ مجھ پر ٹیک لگائے چل رہے تھے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ جب آئے تو آپ نے مجھے ہٹا دیا اپنے بائیں کر دیا اور میری جگہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے لے لی۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ملاقات ہوئی تو آپ نے مجھے اور پیچھے ہٹا دیا اور جناب فاروق رضی اللہ عنہ کو اپنے بائیں لے لیا اور وہاں پہنچے لوگوں سے فرمایا جانتے ہو یہ کیا ہے؟ سب نے کہا ہاں جانتے ہیں یہ شراب ہے' فرمایا سنو اس پر' اس کے بنانے والے پر' بنوانے والے پر' پینے والے پر' پلانے والے پر' اٹھانے والے پر' اٹھوانے والے پر' بیچنے والے پر' خریدنے والے پر' قیمت لینے والے پر اللہ کی پھٹکار ہے۔ پھر چھری منگوائی اور فرمایا اسے تیز کر لو' پھر اپنے ہاتھ سے مشکیں پھاڑنی اور مٹکے توڑنے شروع کیے' لوگوں نے کہا بھی کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم مشکوں اور مٹکوں کو رہنے دیجیے اور کام آئیں گی فرمایا ٹھیک ہے لیکن میں تو اب ان سب کو توڑ کر ہی رہوں گا یہ غضب وغصہ اللہ کے لیے ہے کیونکہ ان تمام چیزوں سے رب ناراض ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا حضور صلی اللہ علیہ وسلم آپ خود کیوں تکلیف کرتے ہیں ہم حاضر ہیں فرمایا نہیں میں اپنے ہاتھ سے انہیں نیست ونابود کروں گا۔ ② بیہقی کی حدیث میں ہے کہ شراب کے بارے میں چار آیتیں اتری ہیں۔ پھر حدیث بیان فرما کر کہا کہ ایک انصاری نے دعوت کی ہم دعوت میں جمع ہوئے خوب شرابیں پیں۔ نشے میں جھومتے ہوئے اپنے نام ونسب پر فخر کرنے لگے' یہ واقعہ حرمت شراب کے پہلے کا ہے۔ انصاری کہنے لگے ہم افضل ہیں۔ قریش نے کہا ہم افضل ہیں۔ ایک انصاری نے اونٹ کا جبڑا لے کر حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو مارا اور ہاتھا پائی ہونے لگی پھر شراب کی حرمت کی آیت اتری۔ ③ مسلم میں بھی یہ حدیث ہے بیہقی

---

① [حسن : مسند احمد (۲/۱۳۲)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۶۱۶۵)] شیخ البانیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۵/۳۶۵)]

② [مستدرك حاكم (٤/١٤٤) مشكل الآثار (٣٣٤٢) بيهقى : كتاب الاشربة والحد فيها : باب ما جاء في تحريم الخمر (٨/٢٨٧)] امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

③ [صحیح : صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة : باب في فضل سعد بن ابي وقاص (٤٤-١٧٤٨) ابو داود (٢٧٤٠) ترمذى (٣٠٧٩) مسند احمد (١/١٨٥) بيهقى في السنن الكبرى (٦/٢٦٩)]

میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے شراب کی حرمت انصار کے دو قبیلوں کے بارے میں اتری۔ یہ شراب پی کر بدمست ہو گئے اور آپس میں لاف زنی ہونے لگی جب نشے اترے تو دیکھتے ہیں اس کی ناک پر زخم ہے اس کے چہرے پر زخم ہے اس کی داڑھی نچی ہوئی ہے اور اسے چوٹ لگی ہوئی ہے' کہنے لگے مجھے فلاں نے مارا میری بے حرمتی فلاں نے کی اگر اس کا دل میری طرف سے صاف ہوتا تو میرے ساتھ یہ حرکت نہ کرتا دلوں میں نفرت اور دشمنی بڑھنے لگی پس یہ آیت اتری۔ اس پر بعض لوگوں نے کہا جب یہ گندگی ہے تو فلاں فلاں صحابہ رضی اللہ عنہم تو اسے پیتے ہوئے ہی رحلت کر گئے ہیں ان کا کیا حال ہوگا؟ ان میں سے بعض احد کے میدان میں شہید ہوئے ہیں اس کے جواب میں اگلی آیت اتری۔ [1] ابن جریر میں ہے حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ کے والد کہتے ہیں کہ ہم چار شخص ریت کے ایک ٹیلے پر بیٹھے شراب پی رہے تھے دور چل رہا تھا جام گردش میں تھا ناگہاں میں کھڑا ہوا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سلام کیا وہیں حرمت شراب کی یہ آیت نازل ہوئی۔ میں پچھلے پیروں اپنی اسی مجلس میں آیا اور اپنے ساتھیوں کو یہ آیت پڑھ کر سنائی' بعض وہ بھی تھے' جن کے منہ سے جام لگا ہوا تھا لیکن واللہ انہوں نے اسی وقت اسے الگ کر دیا اور جتنا پیا تھا اسے قے کر کے نکال دیا اور کہنے لگے یا اللہ ہم رک گئے ہم باز آ گئے۔ [2]

صحیح بخاری شریف میں ہے کہ جنگ احد کی صبح بعض لوگوں نے شرابیں پی تھیں اور میدان میں اسی روز اللہ کی راہ میں شہید کر دیئے گئے اس وقت تک شراب حرام نہیں ہوئی تھی۔ [3] بزار میں یہ زیادتی بھی ہے کہ اسی پر بعض یہودیوں نے اعتراض کیا اور جواب میں آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ الخ' نازل ہوئی ابو یعلی موصلی میں ہے کہ ایک شخص خیبر سے شراب لا کر مدینے میں فروخت کیا کرتا تھا ایک دن وہ لا رہا تھا ایک صحابی رضی اللہ عنہ راستے میں ہی اسے مل گئے اور فرمایا شراب تو اب حرام ہو گئی وہ واپس مڑ گیا اور ایک ٹیلے تلے اسے کپڑے سے ڈھانپ کر آ گیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہنے لگا کیا یہ سچ ہے کہ شراب حرام ہو گئی؟ آپ نے فرمایا ہاں سچ ہے کہا پھر مجھے اجازت دیجیے کہ جس سے لی ہے کہ اسے واپس کر دوں۔ فرمایا اس کا لوٹانا بھی جائز نہیں۔ کہا پھر اجازت دیجیے کہ میں اسے ایسے شخص کو تحفہ دوں جو اس کا معاوضہ مجھے دے آپ نے فرمایا یہ بھی ٹھیک نہیں کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس میں یتیموں کا مال بھی لگا ہوا ہے فرمایا دیکھو جب ہمارے پاس بحرین کا مال آئے گا اس سے ہم تمہارے یتیموں کی مدد کریں گے پھر مدینہ میں منادی ہو گئی۔ ایک شخص نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم شراب کے برتنوں سے نفع حاصل کرنے کی اجازت دیجیے

---

[1] [حسن : بیہقی فی السنن الکبری (۸/۲۸۵) نسائی فی التفسیر (۱۷۱) وفی السنن الکبری (۶/۳۳۷) مستدرک حاکم (۴/۱۴۱) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۵۲۶) طبرانی کبیر (۱۲۴۵۹) الدر المنثور للسیوطی (۲/۵۵۷)] امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ امام ہیثمیؒ نے اس کے راویوں کو صحیح کے راوی کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (۷/۲۱)] حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۵۲۷) الدر المنثور للسیوطی (۲/۵۵۷)] اس کی سند سلام بن ابی حفص راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب قوله انما الخمر والمیسر (۴۶۱۸)]

آپ نے فرمایا جاؤ مشکوں کو کھول ڈالو اور شراب بہا دو اس قدر شراب بہی کہ میدان بھر گئے ۔ یہ حدیث غریب ہے۔ [1] مسند احمد میں ہے کہ حضرت ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میرے ہاں جو یتیم بچے پل رہے ہیں ان کے ورثے میں انہیں شراب ملی ہے آپ نے فرمایا جاؤ اسے بہا دو عرض کیا اگر اجازت ہو تو اس کا سرکہ بنالوں فرمایا نہیں نہیں۔ یہ حدیث مسلم ابوداود اور ترمذی میں بھی ہے۔ [2] ابن ابی حاتم میں صحیح سند سے مروی ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے فرمایا جیسے یہ آیت قرآن میں ہے تورات میں بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حق کو نازل فرمایا تا کہ اس کی وجہ سے باطل کو دور کر دے اور اس سے کھیل تماشے باجے گاجے بربط دف طنبورہ راگ راگنیاں فنا کر دے۔ شرابی کے لیے شراب نقصان دہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ جو اسے حرمت کے بعد پئے گا اسے میں قیامت کے دن پیاسا رکھوں گا اور حرمت کے بعد جو اسے چھوڑے گا میں اسے جنت کے پاکیزہ چشمے سے پلاؤں گا۔ [3] حدیث شریف میں ہے جس شخص نے نشہ کی وجہ سے ایک وقت کی نماز چھوڑی وہ ایسا ہے جیسے کسی سے روئے زمین کی سلطنت چھن گئی اور جس شخص نے چار بار کی نماز نشے میں چھوڑ دی اللہ تعالیٰ اسے ﴿طینة الخبال﴾ پلائے گا۔ پوچھا گیا کہ ﴿طینة الخبال﴾ کیا ہے؟ فرمایا جہنمیوں کا لہو پیپ پسینہ پیشاب وغیرہ [4] (مسند احمد) ابوداود میں ہے کہ ہر عقل کو ڈھانپنے والی چیز خمر ہے اور ہر نشہ والی چیز حرام ہے اور جو شخص نشہ والی چیز پئے گا اس کی چالیس دن کی نمازیں نامقبول ہیں۔ اگر وہ توبہ کرے گا تو توبہ قبول ہوگی اگر اس نے چوتھی مرتبہ شراب پی تو اللہ تعالیٰ اسے ضرور ﴿طینة الخبال﴾ پلائے گا پوچھا گیا وہ کیا ہے؟ فرمایا جہنمیوں کا نچوڑ اور ان کی پیپ اور جو شخص اسے کسی بچہ کو پلائے گا جو حلال حرام کی تمیز نہ رکھتا ہو اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ اسے بھی جہنمیوں کا پیپ پلائے گا۔ [5] بخاری و مسلم وغیرہ میں ہے دنیا میں جو شراب پئے گا اور توبہ نہ کرے گا وہ جنت کی شراب سے محروم رہے گا۔ [6] صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہر نشے والی چیز خمر ہے اور ہر نشے والی چیز

---

[1] [**ضعیف** : مسند ابویعلی (۱۸۸٤) مجمع الزوائد (۹۲/٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں عیسیٰ بن جاریہ راوی ہے جسے امام ابن معین رحمہ اللہ نے ضعیف کہا ہے اور امام ابوداود رحمہ اللہ نے منکر الحدیث کہا ہے۔ تاہم حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

[2] [**صحیح** : صحیح مسلم : کتاب الاشربة : باب تحریم تخلیل الخمر (۱۹۸۳) ترمذی : کتاب البیوع : باب النهی ان یتخذ الخمر خلاً (۱۲۹٤) ابوداؤد : کتاب الاشربة : باب ماجاء فی الخمر تخلل (۳٦۷۵) مسند احمد (۱۱۹/۳)]

[3] [**موقوف** : تفسیر ابن ابی حاتم (۱۱۹٦/٤) الدر المنثور للسیوطی (۵٦۰/۲)]

[4] [**حسن** : مسند احمد (۱۷۸/۲) مستدرك حاکم (۱٤٦/٤) بیهقی (۲۸۷/۸) مجمع الزوائد (۷۲/۵)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے حسن کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (٦٦۵۹)]

[5] [**صحیح** : ابوداؤد: کتاب الاشربة : باب النهی عن المسکر (۳٦۸۰) بیهقی فی السنن الکبری (۲۸۸/۸)] شیخ البانی رحمہ اللہ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود ، السلسلة الصحیحة (۲۰۳۹)]

[6] [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الاشربة : باب قول الله تعالی انما الخمر والمیسر (۵۵۷۵) صحیح مسلم : کتاب الاشربة : باب عقوبة من شرب الخمر اذا لم یتب منها (۲۰۰۳)]

حرام ہے اور جس شخص نے شراب کی عادت ڈالی اور بے توبہ مر گیا وہ جنت کی شراب سے محروم رہے گا۔ [1] نسائی وغیرہ میں ہے تین شخصوں کی طرف اللہ تعالیٰ قیامت کے دن نظر رحمت سے نہ دیکھے گا' ماں باپ کا نافرمان' شراب کی عادت والا اور اللہ کی راہ میں دے کر احسان جتلانے والا۔ [2] مسند احمد میں ہے کہ دے کر احسان جتلانے والا' ماں باپ کا نافرمان اور شرابی جنت میں نہیں جائے گا۔ [3] مسند احمد میں اس کے ساتھ ہی ہے کہ زنا کی اولاد بھی۔ [4]

حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں شراب سے پرہیز کرو وہ تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ سنو اگلے لوگوں میں ایک ولی اللہ تھا جو بڑا عبادت گذار تھا اور تارک دنیا تھا۔ بستی سے الگ تھلگ ایک عبادت خانے میں شب و روز عبادت الٰہی میں مشغول رہا کرتا تھا۔ ایک بدکار عورت اس کے پیچھے لگ گئی' اس نے اپنی لونڈی کو بھیج کر اسے اپنے ہاں ایک شہادت کے بہانے بلوایا۔ یہ چلے گئے لونڈی اپنے گھر میں انہیں لے گئی جس دروازے کے اندر یہ پہنچ جاتے پیچھے سے لونڈی اسے بند کرتی جاتی۔ آخری کمرے میں جب گئے تو دیکھا کہ ایک بہت ہی خوبصورت عورت بیٹھی ہے' اس کے پاس ایک بچہ ہے اور ایک جام شراب لبالب بھرا رکھا ہے۔ اس عورت نے اس سے کہا سنیے جناب میں نے آپ کو درحقیقت کسی گواہی کے لیے نہیں بلوایا فی الواقع اس لیے بلوایا ہے کہ یا تو آپ میرے ساتھ بدکاری کریں یا اس بچے کو قتل کر دیں یا شراب پی لیں درویش نے سوچ کر تینوں کاموں میں ہلکا کام شراب کا پینا جان کر جام کو منہ سے لگا لیا' سارا پی گیا۔ کہنے لگا اور لاؤ اور لاؤ' خوب پیا' جب نشے میں مدہوش ہو گیا تو اس عورت کے ساتھ زنا بھی کر بیٹھا اور اس لڑکے کو بھی قتل کر دیا۔ پس اے لوگو! تم شراب سے بچو سمجھ لو کہ شراب اور ایمان جمع نہیں ہوتے ایک کا آنا دوسرے کا جانا ہے (بیہقی) امام ابوبکر بن ابی الدنیا رحمہ اللہ نے اپنی کتاب ذم المسکر میں بھی اسے وارد کیا ہے اور اس میں مرفوع ہے لیکن زیادہ صحیح اس کا موقوف ہونا ہی ہے واللہ اعلم۔ اس کی شاہد بخاری و مسلم کی مرفوع حدیث بھی ہے جس میں ہے کہ زانی زنا کے وقت' چور چوری کے وقت' شرابی شراب خوری کے وقت مومن نہیں رہتا۔ [5] مسند احمد میں

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم : کتاب الاشربة : باب بیان ان کل مسکر خمر (۲۰۰۳) ابو داؤد : کتاب الاشربة : باب ما جآء فی السکر (۳۶۷۹) نسائی : کتاب الاشربة : باب اثبات اسم الخمر لکل مسکر من الاشربة (۵۵۸۸) ترمذی : کتاب الاشربة : باب ماجآء فی شارب الخمر (۱۸۶۱)]

[2] [صحیح: نسائی : کتاب الزکاة : باب المنان بما اعطی (۲۵۶۳) مسند احمد (۱۳۴/۲) بیھقی فی السنن الکبری (۳۸۸/۸)] شیخ البانی نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الجامع الصغیر (۳۰۷۱)]

[3] [صحیح بالشواھد: مسند احمد (۲۸/۳۔ ۴۴) مسند ابو یعلی (۱۱۶۸) نسائی فی السنن الکبری (۴۹۲۰)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[مسند احمد محقق (۶۸۸۲)] حافظ زبیر علی زئی اسے شواہد کی بنا پر حسن کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح لغیره دون الجملة: مسند احمد (۲۰۳/۲) صحیح ابن حبان (۳۳۸۳) مشکل الآثار (۹۱۴) دارمی (۱۱۲/۲)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے ان الفاظ ﴿ ولد زنیة ﴾ کے علاوہ صحیح لغیرہ کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (۶۸۹۲)]

[5] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب الاشربة : باب قول اللّٰہ تعالی انما الخمر والمیسر (۵۵۷۸) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان نقصان الایمان بالمعاصی (۵۷) ابو داؤد : کتاب السنة : باب الدلیل علی زیادة الایمان ونقصانه (۴۶۸۹) ترمذی : کتاب الایمان (۲۶۲۵) مسند احمد (۳۷۶/۲)]

ہے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب شراب حرام ہوئی تو صحابہ رضی اللہ عنہم نے سوال کیا کہ اس کی حرمت سے پہلے جو لوگ انتقال کر چکے ہیں ان کا کیا حکم ہے؟ اس پر یہ آیت ﴿لَيْسَ عَلَى الَّذِيْنَ﴾ الخ' نازل ہوئی یعنی ان پر اس میں کوئی حرج نہیں اور جب بیت المقدس کا قبلہ بدلا اور بیت اللہ شریف قبلہ ہوا اس وقت بھی صحابہ رضی اللہ عنہم نے پہلے قبلہ کی طرف نمازیں پڑھتے ہوئے انتقال کر جانے والوں کی نسبت دریافت کیا تو آیت ﴿وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ﴾ [1] الخ' نازل ہوئی یعنی ان کی نمازیں ضائع نہ ہوں گی۔ [2] مسند احمد میں ہے جو شخص شراب پیئے چالیس دن تک اللہ تعالیٰ کی ناراضگی اس پر رہتی ہے اگر وہ اسی حالت میں مر گیا تو کافر مرے گا۔ ہاں اگر اس نے توبہ کی تو اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا اور اگر اس نے پھر بھی شراب پی تو اللہ تعالیٰ دوزخیوں کا فضلہ پلائے گا [3] اور روایت میں ہے کہ جب یہ حکم اترا کہ ایمانداروں پر حرمت سے پہلے پی ہوئی کا کوئی گناہ نہیں تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے کہا گیا ہے کہ تو انہیں میں سے ہے۔ [4] مسند احمد میں ہے پانسوں کے کھیل سے بچو یہ عجمیوں کا جوا ہے۔ [5]

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَرِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۹۴﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْتُلُوا الصَّيْدَ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ۚ وَمَنْ قَتَلَهٗ مِنْكُمْ مُّتَعَمِّدًا فَجَزَآءٌ مِّثْلُ مَا قَتَلَ مِنَ النَّعَمِ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًۢا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا لِّيَذُوْقَ وَبَالَ اَمْرِهٖ ۗ عَفَا اللّٰهُ عَمَّا سَلَفَ ۗ وَمَنْ عَادَ فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ ذُو انْتِقَامٍ ﴿۹۵﴾

مسلمانو! یاد رکھو اللہ تعالیٰ تمہیں کچھ ایک شکار کے حکم سے ضرور آزمائے گا جس تک تمہارے ہاتھ اور نیزے پہنچ جائیں

---

[1] [سورة البقرہ: آیت ۱۴۳]

[2] [صحیح لغیرہ: مسند احمد (۱/۲۹۵ـ ۳۴۹) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة المائدة (۲۹۶٤) مستدرك حاكم (۲/۲۶۹)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام حاکمؒ نے اسے صحیح الاسناد کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح لغیرہ کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۲۶۹۱)]

[3] [حسن: مسند احمد (٦/٤٦٠) طبرانی كبير (۲٤/۱٦۸ـ ۱٦۹)] شیخ شعیب ارناؤوط اس روایت کو حسن کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (٤۹۱۷)]

[4] [صحیح: صحيح مسلم: كتاب فضائل الصحابة: باب من فضائل عبد الله بن مسعود وامه (۲٤٥۹) ترمذی: كتاب تفسير القرآن: باب ومن سورة المائدة (۳۰٥۳)]

[5] [ضعیف: زوائد المسند (۱/٤٤٦) مجمع الزوائد (۸/۱۱٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں ابراہیم ہجری راوی ضعیف ہے، اسے امام ابن معینؒ، امام نسائیؒ اور امام ابوحاتمؒ وغیرہ نے ضعیف کہا ہے۔ [دیکھئے: میزان (۱/٦٥)]

گے۔ یہ اس لیے کہ جو اس سے غائبانہ بھی ڈرتے رہتے ہیں ان کی تمیز ہو جائے۔ سنو اس کے بعد جو بھی حد سے نکل جائے اس کے لیے دکھ کی مار ہے ○ مسلمانو! احرام کی حالت میں ہرگز شکار نہ کھیلنا تم میں سے جو کوئی جان بوجھ کر (اس حال میں) شکار کھیلے اس کے ذمہ بدلہ ہے اس شکار کے مثل چوپائے جانور کا جس کا فیصلہ تم میں سے دو معتبر شخص کر دیں اور یہ قربانی کعبہ کو پہنچے یا اس کا بدلہ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہے یا اسی کے برابر برابر روزے رکھنے تا کہ اپنے فعل کا وبال چکھ لے پہلے جو کچھ گذر چکا اس سے تو اللہ تعالیٰ نے درگذر فرما لیا' اب جو کوئی پھر اسے کرے گا اس سے اللہ تعالیٰ انتقام لے گا' اللہ بڑا ہی غالب اور صحیح انتقام لینے والا ہے ○

احرام میں شکار: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں چھوٹے چھوٹے شکار اور کمزور شکار اور ان کے بچے جنہیں انسان اپنے ہاتھ سے پکڑ لے اور اپنے نیزے کی نوک پر رکھ لے اس سے اللہ اپنے بندوں کی آزمائش کرے گا۔ یعنی انہیں منع فرمایا ہے کہ تم باوجود اس کے بھی ان کا شکار حالت احرام میں نہ کرو خواہ چھوٹے ہوں خواہ بڑے خواہ آسانی سے شکار ہو سکتا ہو خواہ سختی سے۔ چنانچہ عمرۂ حدیبیہ کے موقعہ پر یہی ہوا کہ قسم قسم کے شکار اس قدر بکثرت آ پڑے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے خیموں میں گھسنے لگے ادھر اللہ کی طرف سے ممانعت ہو گئی تا کہ پوری آزمائش ہو جائے ادھر شکار گویا ہنڈیا میں ہے ادھر ممانعت ہے ہتھیار تو کہاں یونہی اگر چاہیں تو ہاتھ سے پکڑ سکتے ہیں اور پوشیدہ طور سے شکار قبضہ میں کر سکتے ہیں۔ یہ صرف اس لیے تھا کہ فرمانبردار اور نافرمان کا امتحان ہو جائے پوشیدگی میں بھی اللہ کا ڈر رکھنے والے غیروں سے ممتاز ہو جائیں۔ چنانچہ فرمان ہے کہ جو لوگ اللہ تعالیٰ سے غائبانہ ڈرتے رہتے ہیں ان کے لیے بڑی بھاری مغفرت اور بہت بڑا اجر ہے۔ اب جو شخص اس حکم کے آنے کے بعد بھی حالت احرام میں شکار کھیلے گا وہ سخت المناک مار مارا جائے گا کیونکہ یہ اللہ کے فرمان کی اور اس کی شریعت کی مخالفت ہے۔

پھر فرمایا ایماندارو حالت احرام میں شکار نہ کھیلو۔ یہ حکم اپنے معنی کی حیثیت سے تو شامل ہے حلال جانوروں کو اور ان سے جو چیزیں حاصل ہوتی ہیں' ان کے لیے ہے۔ لیکن جو خشکی کے حرام جانور ہیں ان کا شکار کھیلنا امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک تو جائز ہے اور جمہور کے نزدیک حرام ہے۔ ہاں اس عام حکم سے صرف وہ چیزیں مخصوص ہیں جن کا ذکر بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پانچ جانور فاسق ہیں وہ حرم میں قتل کر دیئے جائیں اور غیر حرم میں بھی۔ کوا' چیل' بچھو' چوہا اور کاٹنے والا کالا کتا [1] اور روایت کے الفاظ یوں ہیں کہ ان پانچ جانوروں کے قتل میں احرام والے پر بھی کوئی گناہ نہیں۔ [2] اس روایت کو سن کر حضرت ایوب اپنے استاد حضرت نافع سے پوچھتے ہیں کہ سانپ کا کیا حکم ہے؟ آپ نے فرمایا وہ اس میں شامل ہے یہ بھی قتل کر دیا جائے اس میں کسی کو اختلاف نہیں بعض علماء نے جیسے امام احمد امام مالک رحمہما اللہ وغیرہ نے کتے کے حکم میں درندوں کو بھی رکھا ہے جیسے

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب اذا وقع الذباب فی شراب احد کم (۳۳۱۴) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب ماindب للمحرم وغیرہ قتله (۱۱۹۸)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب جزاء الصید : باب مایقتل المحرم من الدواب (۱۸۲۶) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب ماندب للمحرم وغیرہ قتله (۱۱۹۹)]

بھیڑیا شیر وغیرہ۔ اس لیے کہ یہ کتے سے بہت زیادہ ضرر والے ہیں۔ حضرت زید بن اسلم اور حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ہر حملہ کرنے والے درندے کا حکم کتے کا حکم ہے۔ دیکھئے رسول اللہ ﷺ نے عتبہ بن ابو لہب کے حق میں جب بددعا کی تو فرمایا اے اللہ اس پر شام میں اپنا کوئی کتا مقرر کر دے۔ پس جب وہ زرقاء میں پہنچا وہاں اسے بھیڑیئے نے پھاڑ ڈالا۔ ہاں اگر محرم نے حالت احرام میں کوے کو یا لومڑی وغیرہ کو مار ڈالا تو اسے بدلہ دینا پڑے گا۔ اسی طرح ان پانچوں قسم کے جانوروں کے بچے اور حملہ کرنے والے درندوں کے بچے بھی اس حکم سے مستثنیٰ ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر وہ جانور جو کھایا نہیں جاتا اس کے قتل میں اور اس کے بچوں کے قتل میں محرم پر کوئی حرج نہیں۔ وجہ یہ ہے کہ ان کا گوشت کھایا نہیں جاتا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کالا کتا حملہ کرنے والا اور بھیڑیا تو محرم قتل کر سکتا ہے اس لیے کہ بھیڑیا بھی جنگلی کتا ہے ان کے سوا جس جانور کا شکار کھیلے گا فدیہ دینا پڑے گا۔ ہاں اگر کوئی شیر وغیرہ جنگلی درندہ اس پر حملہ کرے اور یہ اسے مار ڈالے تو اس صورت میں فدیہ نہیں۔ آپ کے شاگرد زفر رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ حملہ کرنے کی صورت میں بھی اگر مار ڈالے گا تو فدیہ دینا پڑے گا۔ بعض احادیث میں غراب ابقع کا لفظ آیا ہے [1] یہ وہ کوا ہے جس کے پیٹ اور پیٹھ پر سفیدی ہوتی ہے۔ مطلق سیاہ اور بالکل سفید کوے کو غراب ابقع نہیں کہتے۔ لیکن جمہور کا مذہب یہ ہے کہ ہر قسم کے کوے کا یہی حکم ہے کیونکہ بخاری و مسلم کی حدیث میں مطلق کوے کا ذکر ہے۔ امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کوے کو بھی اس حال میں مار سکتا ہے کہ وہ اس پر حملہ کرے یا اسے ایذاء دے مجاہد وغیرہ کا قول ہے کہ اس حالت میں بھی مار نہ ڈالے بلکہ اسے پتھر وغیرہ پھینک کر ہٹا دے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی یہ مروی ہے۔ ایک روایت میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے سوال ہوا کہ محرم کس کس جانور کو قتل کر دے؟ تو آپ نے فرمایا سانپ بچھو اور چوہا اور کوے کو کنکر مارے اسے مار نہ ڈالے اور کالا کتا اور چیل اور حملہ کرنے والا درندہ۔ [2] (ابوداود وغیرہ) پھر فرماتا ہے کہ جو شخص جان بوجھ کر حالت احرام میں شکار کرے اس پر فدیہ ہے۔ حضرت طاؤس رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ خطا سے قتل کرنے والے پر کچھ نہیں۔ لیکن یہ مذہب غریب ہے اور آیت کے ظاہری الفاظ سے یہی مشتق ہے۔ مجاہد بن جبیر رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ مراد وہ شخص ہے جو شکار تو قصداً کرتا ہے لیکن اپنی حالت احرام کی یاد اسے نہیں رہی۔ لیکن جو شخص باوجود احرام کی یاد کے عمداً شکار کرے وہ تو کفارے کی حد سے نکل گیا اس کا احرام باطل ہو گیا۔ یہ قول بھی غریب ہے۔ جمہور کا مذہب یہ ہے کہ قصداً شکار کرنے والا اور بھول کر کرنے والا دونوں کفارے میں برابر ہیں امام زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں قرآن سے تو قصداً

---

[1] [صحیح: صحيح مسلم : كتاب الحج : باب مايندب للمحرم وغيره قتله من الدواب (١١٩٨) نسائی : كتاب مناسك الحج : باب قتل الحية (٢٨٣٢)]

[2] [ضعیف: ابوداؤد : كتاب المناسك : باب مايقتل المحرم من الدواب (١٨٤٨) ابن ماجه : كتاب المناسك : باب مايقتل المحرم (٣٠٨٩) ترمذی : كتاب الحج : باب ماجاء مايقتل المحرم من الدواب (٨٣٨) مسند احمد (٣/٣۔ ٣٢)] حافظ بوصیریؒ اور شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [الزوائد (٣٩/٣) ارواء الغليل (٢٢٦/٤)]

شکار کھیلنے والے پر کفارہ ثابت ہوا اور حدیث نے یہی حکم بھولنے والے کا بھی بیان فرمایا۔ مطلب اس قول کا یہ ہے کہ قصداً شکار کھیلنے والے پر کفارہ قرآن کریم سے ثابت ہے اور اس کا گنہگار ہونا بھی۔ کیونکہ اس کے بعد ﴿لِيَذُوقَ وَبَالَ أَمْرِهِ﴾ الخ فرمایا ہے اور آنحضرت ﷺ اور آپ کے اصحاب سے خطا میں بھی یہی حکم ثابت ہے' اور اس لیے بھی کہ شکار کو قتل کرنا اس کا تلف کرنا ہے اور ہر تلف کرنے کا بدلہ ضروری ہے خواہ وہ بالقصد ہو یا انجان پنے سے ہو۔ ہاں قصداً کرنے والا گنہگار بھی ہے اور بلا قصد جس سے سرزد ہو جائے وہ قابل ملامت نہیں۔ پھر فرمایا اس کا بدلہ یہ ہے کہ اسی کے مثل چوپایہ جانور راہ اللہ قربان کرے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہما کی قرات میں ﴿فَجَزَاؤُهُ﴾ ہے ان دونوں قراتوں میں مالک شافعی' احمد رحمۃ اللہ علیہم اور جمہور کی دلیل ہے کہ جب شکار کا کوئی مثیل جانور چوپایوں میں ہو تو وہی اس کے بدلے میں دینا ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اس کے خلاف کہتے ہیں کہ خواہ شکار کے کسی جانور کی مثل ہو یا نہ ہو دونوں صورتوں میں قیمت دینی پڑے گی ہاں اس محرم شکاری کو اختیار ہے کہ خواہ اس قیمت کو صدقہ کر دے خواہ اس سے قربانی کا کوئی جانور خرید لے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ امام صاحب کے اس قول سے صحابہ رضی اللہ عنہم کا فیصلہ ہمارے لیے زیادہ قابل عمل ہے انہوں نے شتر مرغ کے شکار کے بدلے اونٹ مقرر کیا ہے اور جنگلی گائے کے بدلے پالتو گائے مقرر فرمائی ہے اور ہرن کے بدلے بکری۔ یہ فیصلے ان بزرگ صحابیوں کے سندوں سمیت احکام کی کتابوں میں موجود ہیں جہاں شکار جیسا اور کوئی پالتو چوپایہ نہ ہو اس میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فیصلہ قیمت کا ہے جو مکہ شریف پہنچائی جائے (بیہقی) پھر فرمایا کہ اس کا فیصلہ دو عادل مسلمان کر دیں کہ کیا قیمت ہے یا کون سا جانور بدلے میں دیا جائے۔ فقہاء نے اس بارے میں اختلاف کیا کہ فیصلہ کرنے والے دو میں ایک خود قاتل ہو سکتا یا نہیں؟ تو امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ نے تو انکار کیا ہے کیونکہ اسی کا معاملہ ہو اور وہی حکم کرنے والا ہو۔ اور امام شافعی رحمہ اللہ امام احمد رحمہ اللہ وغیرہ نے آیت کے عموم کو سامنے رکھ کر فرمایا ہے کہ یہ بھی ہو سکتا ہے۔ پہلے مذہب کی دلیل تو یہ ہے کہ خود حاکم اپنے اوپر اپنا ہی حکم کر کے اسی حکم میں اپنا منصف آپ نہیں بن سکتا۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ایک اعرابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے پاس آیا اور کہا میں نے ایک شکار کو احرام کی حالت میں قتل کر دیا ہے اب آپ فرمایئے کہ اس میں مجھ پر بدلہ کیا ہے؟ آپ نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی طرف دیکھ کر ان سے دریافت فرمایا کہ آپ فرمایئے کیا حکم ہے؟ اس پر اعرابی نے کہا سبحان اللہ میں آپ سے دریافت کرنے آیا ہوں آپ خلیفہ رسول ہیں اور آپ کسی سے دریافت فرما رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا اس میں تیرا کیا بگڑا؟ یہ تو اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ دو عادل جو فیصلہ کر دیں اس لیے میں نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا۔ جب ہم دونوں کسی بات پر اتفاق کر لیں گے تو تجھ سے کہہ دیں گے۔ اس کی سند تو بہت مضبوط ہے لیکن اس میں میمون اور صدیق رضی اللہ عنہ کے درمیان انقطاع ہے۔ یہاں یہی چاہیے تھا حضرت صدیق رضی اللہ عنہ نے جب دیکھا کہ اعرابی جاہل ہے اور جہل کی دوا تعلیم ہے تو آپ نے اسے نرمی اور محبت سے سمجھا دیا اور جبکہ اعتراض کرنے والا خود مدعی علم ہو پھر وہاں یہ صورت نہیں رہتی۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے حضرت قبیصہ بن جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں ہم حج کے لیے چلے ہماری عادت تھی کہ

صبح کی نماز پڑھتے ہی ہم سواریوں سے اتر پڑتے اور انہیں چلاتے ہوئے باتیں کرتے ہوئے پیدل چل پڑتے۔ ایک دن اسی طرح جا رہے تھے کہ ایک ہرن ہماری نگاہ میں پڑا ہم میں سے ایک شخص نے اسے پتھر مارا جو اسے پوری طرح لگا اور وہ مر کر گر گیا وہ شخص اسے مردہ چھوڑ کر اپنی سواری پر سوار ہو گیا۔ ہمیں یہ کام بڑا برا معلوم ہوا اور ہم نے اسے بہت کچھ کہا سنا مکہ شریف پہنچ کر میں اسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے پاس لے گیا اس نے سارا واقعہ خود بیان کیا اس وقت جناب فاروق رضی اللہ عنہ کے پہلو میں ایک صاحب کھڑے تھے جن کا چہرہ چاندی کی طرح جگمگا رہا تھا یہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ تھے آپ نے ان کی طرف متوجہ ہو کر کچھ باتیں کیں پھر میرے ساتھی سے فرمایا کہ تو نے اسے جان بوجھ کر مار ڈالا یا بھول چوک سے اس نے کہا میں نے پتھر اسی پر پھینکا اور قصداً پھینکا لیکن اسے مار ڈالنے کی میری نیت نہ تھی۔ آپ نے فرمایا پھر تو خطا اور عمد کے درمیان درمیان ہے۔ جا تو ایک بکری ذبح کر دے اس کا گوشت صدقہ کر دے اور اس کی کھال اپنے کام میں لا۔ یہ سن کر ہم وہاں سے چلے آئے میں نے اپنے ساتھی سے کہا دیکھو تو نے بڑا قصور کیا ہے کہ اللہ جل شانہ کی نشانیوں کی تجھے عظمت کرنی چاہیے اور ایک بات یہ بھی ہے کہ خود امیر المومنین رضی اللہ عنہ کو تو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا انہوں نے اپنے ساتھی سے دریافت کیا میرے خیال سے تو تو اپنی اونٹنی اللہ کے نام سے قربان کر دے شاید اس سے تیرا جرم معاف ہو جائے۔ افسوس کہ اس وقت مجھے یہ آیت یاد ہی نہ رہی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تو اس حکم پر عمل کیا ہے کہ دو عادل شخص باہم اتفاق سے جو فیصلہ کریں۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو بھی میرا یہ فتویٰ دینا معلوم ہو گیا اچانک آپ کوڑا لیے ہوئے آ گئے۔ اول تو میرے ساتھی پر کوڑا اٹھا کر فرمایا تو نے ایک تو جرم میں قتل کیا دوسرے حکم کی تعمیل میں بیوقوفی کر رہا ہے۔ اب میری طرف متوجہ ہوئے میں نے کہا امیر المومنین رضی اللہ عنہ اگر آپ نے مجھے تکلیف پہنچائی تو میں آپ کو آج کی تکلیف ہرگز معاف نہ کروں گا۔ آپ نرم پڑ گئے اور مجھ سے فرمانے لگے اے قبیصہ میرے خیال سے تو تو جوانی کی عمر والا کشادہ سینے والا اور چلتی زبان والا ہے۔ یاد رکھ نو جوانوں میں اگر نو خصلتیں اچھی ہوں اور ایک بری ہو تو وہ ایک بری خصلت نو بھلی خصلتوں کو مات کر دیتی ہے۔ سن جوانی کی لغزشوں سے بچا رہ۔ ابن جریر میں ہے کہ حضرت جریر بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ نے احرام کی حالت میں ایک ہرن کا شکار کر لیا پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے پاس گئے آپ نے فرمایا جاؤ اپنے دور شتے داروں کو لے آؤ وہی فیصلہ کریں گے میں جا کر حضرت عبدالرحمٰن کو اور حضرت سعد رضی اللہ عنہما کو بلا لایا۔ دونوں نے فیصلہ کیا کہ میں ایک موٹا تازہ بکرا فدیہ دوں۔ حضرت طارق فرماتے ہیں ایک شخص نے ایک ہرن کو تیر مارا وہ مر گیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے اس نے مسئلہ پوچھا تو آپ نے خود اس کو بھی مشورے میں شریک کر لیا دونوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ گھر کی پالتو بکری راہ للہ قربان کر و اس میں یہ دلیل ہے کہ خود قاتل بھی دو حکم کرنے والوں میں ایک بن سکتا ہے۔ جیسے کہ امام شافعی رحمہ اللہ اور امام احمد رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ پھر آیا ہر معاملہ میں اب بھی موجودہ لوگوں میں سے دو حکم فیصلہ کریں گے یا صحابہ رضی اللہ عنہم کے فیصلے کافی ہیں؟ اس میں بھی اختلاف ہے امام مالک رحمہ اللہ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر فیصلہ اس وقت کے موجود دو عقلمند لوگوں سے کرایا جائے گو اس سے پہلے کا کوئی فیصلہ ہو یا نہ ہو۔ پھر فرماتا ہے یہ فدیئے کی

قربانی حرم میں پہنچے یعنی وہیں ذبح ہو اور وہیں اس کا گوشت مسکینوں میں تقسیم ہو۔ اس پر سب کا اتفاق ہے پھر فرمایا یا کفارہ ہے مسکینوں کا کھانا کھلانا یا اس کے برابر کے روزے۔ یعنی جب محرم اپنے قتل کیے ہوئے شکار کے مانند کوئی جانور نہ پائے یا خود شکار ایسا ہوا ہی نہیں جس کے مثل کوئی جانور پالتو ہو۔ یہاں پر لفظ ((او)) اختیار کے ثابت کرنے کے لیے ہے یعنی بدلے کے جانور میں کھانا کھلانے میں اور روزے رکھنے میں اختیار ہے جیسے کہ امام مالک ' امام ابوحنیفہ ' امام ابو یوسف ' امام محمد بن حسن اور امام شافعی رحمہم اللہ کے دو قولوں میں سے ایک قول اور امام احمد رحمہ اللہ کا مشہور قول ہے اور آیت کے ظاہر الفاظ بھی یہی ہیں۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ ترتیب وار ہیں۔ یعنی پہلے تو بدلہ پس مالک رحمہ اللہ ابوحنیفہ رحمہ اللہ ان کے ساتھی ' حماد اور ابراہیم رحمہم اللہ کا تو قول ہے کہ خود شکار کی قیمت لگائی جائے گی اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں شکار کے برابر کے جانور کی قیمت لگائی جائے گی اگر وہ موجود ہو پھر اس کا اناج خریدا جائے گا اور اس میں سے ایک ایک مد ایک ایک مسکین کو دیا جائے گا مالک اور فقہاء رحمہم اللہ حجاز کا قول بھی یہی ہے۔ امام ابوحنیفہ اور ان کے ساتھی کہتے ہیں ہر مسکین کو دو مد دیئے جائیں گے مجاہد کا قول بھی یہی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں گیہوں ہوں تو ایک مد اور اس کے سوا کچھ ہو تو دو مد۔ پس اگر نہ پائے یا اختیار اس آیت سے ثابت ہو جائے تو ہر مسکین کے کھانے کے عوض ایک روزہ رکھ لے۔ بعض کہتے ہیں جتنا اناج ہو اس کے ہر ایک صاع کے بدلے ایک روزہ رکھے جیسے کہ اس شخص کے لیے یہ حکم ہے جو خوشبو وغیرہ لگائے۔ شارع علیہ السلام نے حضرت کعب بن عجرہ رضی اللہ عنہ کو حکم دیا تھا کہ وہ ایک فرق کو چھ شخصوں کے درمیان تقسیم کر دیں یا تین دن کے روزے رکھیں۔ [1] فرق تین صاع کا ہوتا ہے۔ اب کھانا پہنچانے کی جگہ میں بھی اختلاف ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ اس کی جگہ حرم ہے۔ عطاء کا قول بھی یہی ہے۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں جہاں شکار کیا ہے وہیں کھلوا دے۔ یا اس سے بہت زیادہ کی قریب کی جگہ میں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں خواہ حرم میں خواہ غیر حرم میں اختیار ہے۔ سلف کے اس آیت کے متعلق اقوال ملاحظہ ہوں۔ ابن ابی حاتم میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ جب محرم شکار کھیل لے اس پر اس کے بدلے کے چوپائے کا فیصلہ کیا جائے گا اگر نہ ملے تو دیکھا جائے گا کہ وہ کس قیمت کا ہے۔ پھر اس نقدی کے اناج کا اندازہ کیا جائے گا پھر جتنا اناج ہو گا اسی کے ناپ سے ہر نصف صاع کے بدلے ایک روزہ رکھنا ہو گا پھر جب طعام پایا جائے گا ' جزا پالی گئی اور روایت میں ہے جب محرم نے ہرن کو مار ڈالا تو اس پر ایک بکری ہے جو مکے میں ذبح کی جائے گی۔ اگر نہ پائے تو چھ مسکین کا کھانا ہے اگر نہ پائے تو تین روزے ہیں۔ اگر کسی نے اونٹ کو قتل کیا تو اس کے ذمہ ایک گائے ہے اگر نہ پائے تو بیس مسکینوں کا کھانا دینا اگر یہ بھی نہ پائے تو بیس روزے۔ اگر شتر مرغ یا گورخر وغیرہ مارا ہے تو اس پر ایک اونٹنی ہے اگر نہ ملے تو تیس مسکینوں کا کھانا ہے اگر نہ پائے تو تیس دن کے روزے۔ ابن جریر کی اسی روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ طعام ایک ایک مد ہو جوان کا پیٹ بھر دے۔ دوسرے

---

[1] [صحیح صحیح بخاری : کتاب المحصر : باب قول الله تعالیٰ او صدقة (۱۸۱۵) مسلم : کتاب الحج : باب جواز حلق الرأس للمحرم اذا کان به اذی (۱۲۰۱)]

بہت سے تابعین نے بھی طعام کی مقدار یہی بتلائی ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ سب چیزیں ترتیب وار ہیں اور بزرگ فرماتے ہیں کہ تینوں باتوں میں اختیار ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کا مختار قول بھی یہی ہے۔ پھر فرمان ہے کہ یہ کفارہ ہم نے اس لیے واجب کیا ہے کہ وہ اپنے کرتوت کی سزا کو پہنچ جائے۔ زمانہ جاہلیت میں جو کچھ کسی نے خطا کی ہے وہ اسلام کی اچھائی کی وجہ سے معاف ہے۔ اب اسلام میں ان احکام کی موجودگی میں بھی پھر سے اگر کوئی شخص یہ گناہ کرے تو اللہ تعالیٰ اس سے انتقام لے گا۔ گو اس میں حد نہیں امام وقت اس پر کوئی سزا نہیں دے سکتا یہ گناہ اللہ اور بندے کے درمیان ہے ہاں اسے فدیہ ضرور دینا پڑے گا۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ فدیہ ہی انتقام ہے۔ یہ یاد رہے کہ جب کبھی محرم حالت احرام میں شکار کو مارے گا اس پر بدلہ واجب ہوگا خواہ کئی دفعہ اس سے یہ حرکت ہو جائے اور خواہ عمداً ہو خواہ خطا ہو۔ ایک دفعہ شکار کے بعد اگر دوبارہ شکار کیا تو اس سے کہہ دیا جائے کہ اللہ تجھ سے بدلہ لے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے ایک روایت یہ بھی مروی ہے کہ پہلی دفعہ کے شکار پر فدیہ کا حکم ہوگا دوبارہ کے شکار پر خود اللہ اس سے انتقام لے گا اس پر فیصلہ فدیہ کا نہ ہوگا۔ لیکن امام ابن جریر رحمہ اللہ کا مختار مذہب پہلا قول ہی ہے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ایک شخص نے محرم ہو کر شکار کیا اس پر فدیئے کا فیصلہ کیا گیا اس نے پھر شکار کیا تو آسمان سے آگ آ گئی اور اسے جلا کر بھسم کر دیا یہی معنی ہیں اللہ کے فرمان ﴿فَيَنْتَقِمُ اللّٰهُ مِنْهُ﴾ کے۔ اللہ اپنی سلطنت میں غالب ہے اسے کوئی مغلوب نہیں کر سکتا کوئی اسے انتقام سے روک نہیں سکتا اس کا عذاب جس پر آ جائے کوئی نہیں جو اسے ٹال دے۔ مخلوق سب اسی کی پیدا کی ہوئی ہے حکم اسی کا سب پر نافذ ہے عزت اور غلبہ اسی کے لیے ہے۔ وہ اپنے نافرمانوں سے زبردست انتقام لیتا ہے۔

أُحِلَّ لَكُمْ صَيْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهُ مَتَاعًا لَّكُمْ وَلِلسَّيَّارَةِ ۖ وَحُرِّمَ عَلَيْكُمْ صَيْدُ الْبَرِّ مَا دُمْتُمْ حُرُمًا ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِيْٓ إِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿٩٦﴾ جَعَلَ اللّٰهُ الْكَعْبَةَ الْبَيْتَ الْحَرَامَ قِيٰمًا لِّلنَّاسِ وَالشَّهْرَ الْحَرَامَ وَالْهَدْيَ وَالْقَلَآئِدَ ۚ ذٰلِكَ لِتَعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَأَنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿٩٧﴾ اِعْلَمُوْٓا أَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ وَأَنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿٩٨﴾ مَا عَلَى الرَّسُوْلِ إِلَّا الْبَلٰغُ ۗ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ ﴿٩٩﴾

دریا کا شکار تمہارے لیے حلال کر دیا گیا اور اس کا کھانا بھی‘ تاکہ تمہارے لیے اور مسافروں کے لیے نفع ہو‘ جب تک تم احرام کی حالت میں ہو تم پر خشکی کا شکار حرام کیا گیا ہے‘ اس اللہ سے ڈرتے رہا کرو جس کے سامنے تمہارا حشر کیا جائے گا ○ اس خانہ کعبہ کو جو حرمت و بزرگی کا مکان ہے اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے قائم رہنے کا سبب بنا دیا ہے اسی طرح حرمت والے مہینوں کو اور قربانیوں کو اور جن جانوروں کے گلے میں پٹے ہیں ان کو بھی‘ یہ سب بیان اس لیے ہے کہ تم جان لو کہ اللہ تعالیٰ آسمانوں اور زمینوں کی تمام چیزوں کو جانتا ہے یقین جانو کہ اللہ تعالیٰ ہر ہر چیز سے واقف کار ہے ○ جان رکھو

کہ اللہ تعالیٰ سخت عذابوں والا اور بخشش و رحم والا ہے ○ رسول کے ذمہ تو صرف پہنچا دینا ہے۔ اللہ تعالیٰ تمہارے ہر کھلے چھپے کو بخوبی جانتا ہے ○

سمندری شکار حلال خشکی کا شکار حرام: دریائی شکار سے مراد تازہ پکڑے ہوئے جانور اور طعام سے مراد ہے ان کا جو گوشت سکھا کر نمکین بطور توشے کے ساتھ رکھا جاتا ہے۔ یہ بھی مروی ہے کہ پانی میں سے جو زندہ پکڑا جائے وہ صید یعنی شکار ہے اور جو مردہ ہو کر باہر نکل آئے وہ طعام یعنی کھانا ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق' حضرت زید بن ثابت' حضرت عبداللہ بن عمرو' حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہم حضرت عکرمہ' حضرت ابوسلمہ' حضرت ابراہیم نخعی' حضرت حسن بصری رحمۃ اللہ علیہم سے بھی یہی مروی ہے۔ خلیفہ بلا فصل ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ پانی میں جتنے بھی جانور ہیں وہ سب طعام ہیں۔ (ابن ابی حاتم وغیرہ) آپ نے ایک خطبے میں اس آیت کے اگلے حصے کی تلاوت کر کے فرمایا کہ جو چیز سمندر پھینک دے وہ طعام ہے (ابن جریر) ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی یہی منقول ہے ایک روایت میں ہے کہ جو مردہ جانور پانی نکال دے۔ سعید بن مسیّب رحمہ اللہ سے اس کی تفسیر میں مروی ہے کہ جس زندہ آبی جانور کو پانی کنارے پر ڈال دے یا پانی اس سے ہٹ جائے یا وہ باہر سے مردہ ملے (ابن ابی حاتم) ابن جریر میں ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ سمندر نے بہت سی مردہ مچھلیاں کنارے پر پھینک دی ہیں تو آپ کیا فرماتے ہیں؟ ہم انہیں کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ ابن عمر رضی اللہ عنہما نے جواب دیا انہیں نہ کھاؤ۔ جب واپس آئے تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نے قرآن کریم کھول کر تلاوت کی اور سورۂ مائدہ کی اس آیت پر نظر پڑی تو ایک آدمی کو دوڑایا اور کہا جاؤ کہہ دو کہ وہ اسے کھا لیں یہی بحری طعام ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ کے نزدیک بھی قول مختار یہی ہے کہ مراد طعام سے وہ آبی جانور ہیں جو پانی میں ہی مر جائیں۔ فرماتے ہیں اس بارے میں ایک روایت مروی ہے گو بعض نے اسے موقوف روایت کہا ہے۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے آپ نے ﴿اُحِلَّ لَکُمْ صَیْدُ الْبَحْرِ وَطَعَامُهٗ مَتَاعًا لَّکُمْ﴾ پڑھ کر فرمایا اس کا طعام وہ ہے جسے وہ پھینک دے اور وہ مرا ہوا ہو۔ [1] بعض لوگوں نے اسے بقول ابی ہریرہ رضی اللہ عنہ موقوف روایت کیا ہے۔ پھر فرماتا ہے یہ منفعت ہے تمہارے لیے اور راہ رو مسافروں کے لیے۔ یعنی جو سمندر کے کنارے رہتے ہوں اور جو وہاں وارد ہوئے ہوں۔ پس کنارے رہنے والے تو تازہ شکار خود کھیلتے ہیں پانی جسے دھکے دے کر باہر پھینک دے اور مر جائے اسے کھا لیتے ہیں اور نمکین ہو کر دور دراز والوں کو سوکھا ہوا پہنچتا ہے۔ الغرض جمہور علماء کرام نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ پانی کا جانور خواہ مردہ ہی ہو حلال ہے اس کی دلیل علاوہ اس آیت کے امام مالک کی روایت کردہ وہ حدیث بھی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سمندر کے کنارے پر ایک چھوٹا سا لشکر بھیجا جس کا سردار حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو مقرر کیا۔ یہ لوگ کوئی تین سو تھے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں میں بھی ان میں سے تھا ہم ابھی راستے میں ہی تھے جو ہمارے توشے تھے ختم ہو گئے۔ امیر لشکر کو جب یہ علم ہوا تو حکم دیا کہ جو کچھ جس کسی کے پاس ہو میرے پاس لاؤ چنانچہ سب جمع کر لیا اب حصہ رسدی کے طور پر ایک مقررہ مقدار ہر ایک کو بانٹ

---

[1] [**موقوف**: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۷۳۳)]

دیتے تھے یہاں تک کہ آخر میں ہمیں ہر دن ایک ایک کھجور ملنے لگی آخر میں یہ بھی ختم ہوگئی۔اب سمندر کے کنارے پہنچ گئے دیکھتے ہیں کہ کنارے پر ایک بڑی مچھلی ایک ٹیلے کی طرح کی پڑی ہوئی ہے۔سارے لشکر نے اٹھارہ راتوں تک اسے کھایا۔وہ اتنی بڑی تھی کہ اس کی دو پسلیاں کھڑی کی گئیں تو اس کے نیچے سے ایک شتر سوار نکل گیا اور اس کا سر اس پسلی کی ہڈی تک نہ پہنچا۔ (1) یہ حدیث بخاری و مسلم میں بھی ہے ایک اور روایت میں ہے کہ اس کا نام عنبر تھا ایک روایت میں ہے کہ یہ مردہ ملی تھی اور صحابہ رضی اللہ عنہم نے آپس میں کہا تھا کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجے ہوئے ہیں اور اس وقت سخت دقت اور تکلیف میں ہیں اسے کھالو ہم تین سو آدمی ایک مہینے تک وہیں رہے اور اسی کو کھاتے رہے یہاں تک کہ ہم موٹے تازے اور تیار ہو گئے اس کی آنکھ کے سوراخ میں سے ہم چربی ہاتھوں میں بھر بھر کر نکالتے تھے تیرہ شخص اس کی آنکھ کی گہرائی میں بیٹھ گئے تھے۔اس کی پسلی کی ہڈی کے درمیان سے سانڈنی سوار گذر جاتا تھا۔ہم نے اس کے گوشت اور چربی سے مٹکے بھر لئے۔جب ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس واپس پہنچے اور آپ سے اس کا ذکر کیا تو آپ نے فرمایا یہ اللہ کی طرف سے روزی تھی جو اللہ جل مجدہ نے تمہیں دی کیا اس کا گوشت اب بھی تمہارے پاس ہے؟ اگر ہو تو ہمیں بھی کھلاؤ۔ہمارے پاس تو تھا ہی ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا اور خود آپ نے بھی کھایا۔ (2) مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ اس واقعہ میں خود اللہ کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم بھی موجود تھے اس وجہ سے بعض محدثین کہتے ہیں کہ ممکن ہے یہ دو واقعے ہوں اور بعض کہتے ہیں واقعہ تو ایک ہی ہے۔شروع میں اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کے ساتھ تھے بعد میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مختصر جماعت کو بہ ماتحتی حضرت ابوعبیدہ رضی اللہ عنہ روانہ فرمادیا تھا اور انہیں یہ واقعہ پیش آیا واللہ اعلم۔ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سمندر کے سفر کو جاتے ہیں ہمارے ساتھ پانی بہت کم ہوتا ہے اگر اسی سے وضو کرتے ہیں تو پیاسے رہ جائیں تو کیا ہمیں سمندر کے پانی سے وضو کر لینے کی اجازت ہے؟ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سمندر کا پانی پاک ہے اور اس کا مردہ حلال ہے۔ (3) امام شافعی، امام احمد، اور سنن اربعہ رحمہم اللہ والوں نے اسے روایت کیا ہے امام بخاری، امام ترمذی، امام ابن خزیمہ، امام ابن حبان رحمہم اللہ وغیرہ نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے صحابہ رضی اللہ عنہم کی ایک جماعت نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اسی کے مثل روایت کیا ہے، ابوداود، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے۔حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ

---

(1) [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الشرکة : باب الشرکة فی الطعام والنهد والعروض (٢٤٨٣) صحیح مسلم : کتاب الصید : باب اباحة میتات البحر (١٩٣٥)]

(2) [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الصید : باب اباحة میتتان البحر (١٩٣٥) نسائی : کتاب الصید والذبائح : باب میتة البحر (٤٣٥٧) ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب فی دواب البحر (٣٨٤٠) مسند احمد (٣٠٣/٣) مسند ابو یعلی (١٩٢٠)]

(3) [صحیح :ابوداؤد : کتاب الطهارة : باب الوضوء بماء البحر (٨٣) نسائی : کتاب الطهارة : باب فی ماء البحر (٥٩) ابن ماجه : کتاب الطهارة : باب الوضوء بما البحر (٣٨٦) ترمذی : کتاب الطهارة : باب ماجآء فی ماء البحرانه طهور (٦٩) مسند احمد (٣٦١/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود ، ارواء الغلیل (٢٥٠١) السلسلة الصحیحة (٤٨٠)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

فرماتے ہیں ہم اللہ کے رسول ﷺ کے ساتھ حج یا عمرے میں تھے اتفاق سے ٹڈیوں کا دل کا دل آ پہنچا ہم نے انہیں مارنا اور پکڑنا شروع کیا لیکن پھر خیال آیا کہ ہم تو احرام کی حالت میں ہیں انہیں کیا کریں گے؟ چنانچہ ہم نے جا کر حضور علیہ السلام سے مسئلہ پوچھا تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ دریائی جانوروں کے شکار میں کوئی حرج نہیں۔ [1] اس کا ایک راوی ابوالمہزم ضعیف ہے۔ واللہ اعلم۔ ابن ماجہ میں ہے کہ جب ٹڈیاں نکل آتیں اور نقصان پہنچاتیں تو رسول کریم علیہ افضل الصلوٰۃ والتسلیم اللہ تعالیٰ سے دعا کرتے کہ اے اللہ ان سب کو خواہ چھوٹی ہوں خواہ بڑی ہلاک کر ان کے انڈے تباہ کر ان کا سلسلہ کاٹ دے اور ہماری معاش سے ان کے منہ بند کر دے یا اللہ ہمیں روزیاں دے یقیناً تو دعاؤں کا سننے والا ہے۔ حضرت خالد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آپ ان کے سلسلہ کے کٹ جانے کی دعا کرتے ہیں حالانکہ وہ بھی ایک قسم کی مخلوق ہے آپ نے فرمایا ان کی پیدائش کی اصل مچھلی سے ہے۔ حضرت زیاد رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جس نے انہیں مچھلی سے ظاہر ہوتے دیکھا تھا خود اسی نے مجھ سے بیان کیا ہے۔ [2] ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انہوں نے حرم میں ٹڈی کے شکار سے بھی منع کیا ہے جن فقہاء کرام کا یہ مذہب ہے کہ سمندر میں جو کچھ ہے سب حلال ہے ان کا استدلال اسی آیت سے ہے وہ کسی آبی جانور کو حرام نہیں کہتے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا وہ قول بیان ہو چکا ہے کہ طعام سے مراد پانی میں رہنے والی ہر ایک چیز ہے۔ بعض حضرات نے صرف مینڈک کو اس حکم سے الگ کر لیا ہے اور مینڈک کے سوا پانی کے تمام جانوروں کو وہ مباح کہتے ہیں۔ کیونکہ مسند وغیرہ کی ایک حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مینڈک کے مارنے سے منع فرمایا ہے۔ [3] اور فرمایا ہے کہ اس کی آواز اللہ کی تسبیح ہے۔ [4] بعض اور کہتے ہیں سمندر کے شکار سے مچھلی کھائی جائے گی اور مینڈک نہیں کھایا جائے گا اور باقی کی چیزوں میں اختلاف ہے کچھ تو کہتے ہیں کہ باقی سب حلال ہے اور کچھ کہتے

---

[1] [ضعیف ابوداؤد: کتاب المناسك : باب الجراد للمحرم (۱۸۵٤) ابن ماجه : کتاب الصید : باب صید الحیتان والجراد (۳۲۲۲) ترمذی : کتاب الحج : باب ماجآء فی صید البحر للمحرم (۸۵۰) مسند احمد (۳۰٦/۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود، ضعیف ابن ماجه] شیخ عبد الرزاق مہدی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [موضوع ابن ماجه : کتاب الصید : باب صید الحیتان والجراد (۳۲۲۱) ترمذی : کتاب الاطعمة : باب ما جآء فی الدعآء علی الجراد (۱۸۲۳)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔[۱٤/۳] شیخ البانیؒ نے بھی اسے موضوع کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (۱۱۲)]

[3] [صحیح ابوداؤد : کتاب الطب : باب فی الأدویة المکروهة (۳۸۷۱) نسائی : کتاب الصید : باب الضفدع (٤۳٦۰) مستدرك حاکم (٤۱۰/٤) مسند احمد (٤۵۳/۳) مسند طیالسی (۱۱۸۳)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [ضعیف طبرانی اوسط (۳۷۲۸) طبرانی صغیر (۵۲۱) ذخیرة الحفاظ (٦۱۲٤) البدر المنیر (۳٤٦/٦) مجمع الزوائد (٤۱/٤-٤۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (٤۷۸۸)] شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

ہیں باقی سب نہ کھایا جائے۔ ایک جماعت کا خیال ہے کہ خشکی کے جو جانور حلال ہیں ان جیسے جو جانور پانی کے ہوں وہ بھی حلال ہیں اور خشکی کے جو جانور حرام ہیں ان کی مشابہت کے جو جانور تری کے ہوں وہ بھی حرام۔ یہ سب وجوہ مذہب شافعی میں ہیں حنفی مذہب یہ ہے کہ سمندر میں جو مر جائے اس کا کھانا حلال نہیں جیسے کہ خشکی میں از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں۔ کیونکہ قرآن نے اپنی موت آپ مرے ہوئے جانور کو ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ﴾ میں حرام کر دیا ہے اور یہ عام ہے۔ ابن مردویہ میں حدیث ہے کہ جو تم شکار کر لو اور وہ زندہ ہو پھر مر جائے تو اسے کھا لو اور جسے پانی آپ ہی پھینک دے اور وہ مرا ہوا الٹا پڑا ہوا ہو اسے نہ کھاؤ۔ [1] لیکن یہ حدیث سند کی رو سے منکر ہے صحیح نہیں۔ مالکیوں' شافعیوں اور حنبلیوں کی دلیل ایک تو وہی عنبر والی حدیث ہے جو پہلے گذر چکی دوسری دلیل وہ حدیث ہے جس میں ہے کہ سمندر کا پانی پاک اور اس کا مردہ حلال۔ وہ بھی گذر چکی۔ مسند شافعی میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں ہمارے لیے دو مردے اور دو خون حلال کیے گئے ہیں دو مردے مچھلی اور ٹڈی۔ اور دو خون کلیجی اور تلی۔ [2] یہ حدیث مسند احمد ابن ماجہ دار قطنی اور بیہقی میں بھی ہے اور اس کے شواہد بھی ہیں اور یہی روایت موقوفاً بھی مروی ہے۔ واللہ اعلم۔ پھر فرماتا ہے کہ تم پر احرام کی حالت میں شکار کھیلنا حرام ہے۔ پس اگر کسی احرام والے نے شکار کر لیا اور اگر قصداً کیا ہے تو اسے کفارہ دینا پڑے گا اور گنہگار بھی ہوگا اور اگر خطا اور غلطی سے شکار کر لیا ہے تو اسے کفارہ دینا پڑے گا اور اس کا کھانا اس پر حرام ہے خواہ وہ احرام والے ہوں یا نہ ہوں۔ عطا' قاسم' سالم' ابو یوسف محمد بن حسن رحمہم اللہ وغیرہ بھی یہی کہتے ہیں' پھر اگر اسے کھا لیا تو عطا وغیرہ کا قول ہے کہ اس پر دو کفارے لازم ہیں۔ لیکن امام مالک رحمہ اللہ وغیرہ فرماتے ہیں کہ کھانے میں کوئی کفارہ نہیں۔ جمہور بھی امام صاحب کے ساتھ ہیں۔ ابو عمر نے اس کی توجیہ یہ بیان کی ہے کہ جس طرح زانی کے کئی زنا پر حد ایک ہی ہوتی ہے۔ حضرت ابو حنیفہ رحمہ اللہ کا قول ہے کہ شکار کر کے کھانے والے کو اس کی قیمت بھی دینی پڑے گی۔ ابو ثور رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ محرم نے جب کوئی شکار مارا تو اس پر جزا ہے۔ ہاں اس شکار کا کھانا اس کے لیے حلال ہے لیکن میں اسے اچھا نہیں سمجھتا۔ کیونکہ فرمان رسول ﷺ ہے کہ خشکی کے شکار کو کھانا تمہارے لیے حلال ہے جب تک کہ تم آپ شکار نہ کرو اور جب تک کہ خاص تمہارے لیے شکار نہ کیا جائے۔ [3] اس حدیث کا تفصیلی بیان آگے آ

---

[1] [ضعیف : ابو داؤد : كتاب الاطعمة : باب فى اكل الطافى من السمك (٣٨١٥)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے، اس میں ابو زبیر مدلس ہے اور اس نے سماع کی تصریح نہیں کی۔]

[2] [صحیح : ابن ماجه : كتاب الاطعمة : باب الكبد والطحال (٣٣١٤) مسند شافعى (٦٠٨) شرح السنة (٢٨٠٣) مسند احمد (٩٧/٢) بيهقى (٢٥٧/٩) دارقطنى (٢٧١/٤)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ھے۔ [صحيح ابن ماجه ، السلسلة الصحيحة (١١١٨)]

[3] [ضعیف : ابو داؤد : كتاب المناسك : باب لحم الصيد للمحرم (١٨٥١) ترمذى : كتاب الحج : باب ماجآء فى اكل الصيد للمحرم (٨٤٦)نسائى : كتاب المناسك : باب اذا أشار المحرم الى الصيد (٢٨٣٠) مسند احمد (٣٦٢/٣) مستدرك حاكم (٤٥٢/١)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعيف الجامع (٣٥٢٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں انقطاع ہے، مطلب بن حنطب نے جابر سے نہیں سنا۔]

رہا ہے۔ان کا یہ قول غریب ہے۔ ہاں شکاری کے سوا اور لوگ بھی اسے کھا سکتے ہیں یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے۔ بعض تو منع کرتے ہیں جیسے پہلے گذر چکا ہے اور بعض جائز بتاتے ہیں ان کی دلیل وہی حدیث ہے جو اوپر ابوثور کے قول کے بیان میں گذری۔ واللہ اعلم۔ اگر کسی ایسے شخص نے شکار کیا جو احرام باندھے ہوئے نہیں پھر اس نے کسی احرام والے کو وہ جانور ہدیئے میں دیا بعض تو کہتے ہیں کہ یہ مطلقاً حلال ہے خواہ اسی کی نیت سے شکار کیا ہو خواہ اس کے لیے شکار نہ کیا ہو۔ حضرت عمر' حضرت ابوہریرہ' حضرت زبیر رضی اللہ عنہم حضرت کعب احبار' حضرت مجاہد' حضرت عطا' حضرت سعید بن جبیر رحمۃ اللہ علیہم اور کوفیوں کا یہی خیال ہے۔ چنانچہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہ مسئلہ پوچھا گیا کہ غیر محرم کے شکار کو محرم کھا سکتا ہے؟ تو آپ نے جواز کا فتویٰ دیا۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو یہ خبر ملی تو آپ نے فرمایا اگر تو اس کے خلاف فتویٰ دیتا تو میں تیری سزا کرتا' کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اس صورت میں بھی محرم کو اس کا کھانا درست نہیں۔ ان کی دلیل اس آیت کا عموم ہے۔ حضرت ابن عباس' اور ابن عمر رضی اللہ عنہم سے بھی یہی مروی ہے اور بھی صحابہ رضی اللہ عنہم تابعین اور ائمہ دین رحمۃ اللہ علیہم اس طرف گئے ہیں۔ تیسری جماعت نے اس کی تفصیل کی ہے وہ کہتے ہیں کہ اگر کسی غیر محرم نے کسی محرم کے ارادے سے شکار کیا ہے تو اس محرم کو اس کا کھانا جائز نہیں۔ ورنہ جائز ہے ان کی دلیل حضرت صعب بن جثامہ رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ابوا کے میدان میں یا وَدّان کے میدان میں ایک گورخر شکار کردہ بطور ہدیئے کے دیا تو آپ نے اسے واپس کر دیا جس سے صحابی رنجیدہ ہوئے۔ آثار رنج ان کے چہرے پر دیکھ کر رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اور کچھ خیال نہ کرو ہم نے بوجہ احرام میں ہونے کے ہی اسے واپس کیا ہے۔ [1] یہ حدیث بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ تو یہ لوٹانا آپ کا اسی وجہ سے تھا کہ آپ نے سمجھ لیا تھا کہ اس نے یہ شکار خاص میرے لیے ہی کیا ہے اور جب شکار محرم کے لیے ہی نہ ہو تو پھر اسے قبول کرنے اور کھانے میں کوئی حرج نہیں کیونکہ حضرت ابوقتادہ رحمہ اللہ کی حدیث میں ہے کہ انہوں نے بھی جبکہ وہ احرام کی حالت میں نہ تھے ایک گورخر شکار کیا صحابہ رضی اللہ عنہم جو احرام میں تھے انہوں نے اس کے کھانے میں توقف کیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ مسئلہ پوچھا تو آپ نے فرمایا کیا تم میں سے کسی نے اسے اشارہ کیا تھا؟ کیا اسے کوئی مدد دی؟ سب نے انکار کیا تو آپ نے فرمایا پھر کھالو اور خود آپ نے بھی کھایا یہ واقعہ بھی بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ [2] مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنگلی شکار کا کھانا تمہارے لیے حلال ہے اس حالت میں بھی کہ تم احرام میں ہو جب تک کہ خود تم نے شکار نہ کیا ہو اور جب تک کہ خود تمہارے لیے شکار نہ کیا گیا ہو۔ ابوداود' ترمذی' نسائی میں بھی یہ حدیث موجود ہے۔ [3] امام ترمذی رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی

---

[1] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب جزاء الصید : باب اذا ھدی للمحرم (۱۸۲۵) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب تحریم الصید الماء (۱۱۹۳) مسند احمد (۷۲/٤)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب جزاء الصید : باب لا یشیر المحرم الی الصید (۱۸۲٤) صحیح مسلم (۱۱۹٦) مسند احمد (۳۰۲/٥)]

[3] [ضعیف :ابوداؤد : کتاب المناسك : باب لحم الصید للمحرم (۱۸۵۱) نسائی : کتاب مناسك الحج : باب اذا اشار المحرم الی الصید (۲۸۳۰) ترمذی : کتاب الحج : باب ماجآء فی اکل الصید للمحرم (۸٤٦) دارقطنی (۲۹۰/۲) طحاوی (۱۷۱/۲) مستدرك حاکم (٤۵۲/۱) مسند شافعی (۳۲۲/۱)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ابوداود ، المشکاۃ (۲۷۰۰)]

مطلب کا جابر رضی اللہ عنہ سے سننا ثابت نہیں۔ ربیعہ فرماتے ہیں کہ عرج میں جناب خلیفہ رسول اللہ ﷺ حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ تھے۔ آپ احرام کی حالت میں تھے سردی کے دن تھے ایک چادر سے آپ منہ ڈھکے ہوئے تھے کہ آپ کے سامنے شکار کا گوشت پیش کیا گیا تو آپ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا تم کھالو انہوں نے کہا اور آپ کیوں نہیں کھاتے؟ فرمایا مجھ میں تم میں فرق ہے یہ شکار میرے ہی لیے کیا گیا ہے اس لیے میں نہیں کھاؤں گا تمہارے لیے نہیں کیا گیا اس لیے تم کھا سکتے ہو۔[1]

قُلْ لَّا يَسْتَوِي الْخَبِيْثُ وَالطَّيِّبُ وَلَوْ اَعْجَبَكَ كَثْرَةُ الْخَبِيْثِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿١٠٠﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَسْـَٔلُوْا عَنْ اَشْيَآءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَاِنْ تَسْـَٔلُوْا عَنْهَا حِيْنَ يُنَزَّلُ الْقُرْاٰنُ تُبْدَ لَكُمْ ۭ عَفَا اللّٰهُ عَنْهَا ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿١٠١﴾ قَدْ سَاَلَهَا قَوْمٌ مِّنْ قَبْلِكُمْ ثُمَّ اَصْبَحُوْا بِهَا كٰفِرِيْنَ ﴿١٠٢﴾

کہہ دے کہ ناپاک اور پاک برابر نہیں ہوتے گو ناپاک کی کثرت تجھے تعجب میں ڈال دے۔ اے عقلمندو! اللہ سے ڈرتے رہا کرو تا کہ تم کامیاب ہو جاؤ ○ ایمان دارو! ایسی باتیں نہ پوچھا کرو کہ اگر وہ ظاہر کر دی جائیں تو تمہیں برا لگے اگر تم نے ایسی باتیں اب پوچھیں جبکہ قرآن اتارا جا رہا ہے تو تم پر وہ کھول دی جائیں گی اللہ نے ایسی باتوں سے درگذر فرما لیا ہے اور اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور بردبار ہے ○ تم سے اگلے لوگوں نے بھی ایسی باتیں پوچھی تھیں نتیجہ یہ ہوا کہ وہ ان سے کافر ہو گئے ○

حلال اور حرام برابر نہیں اور کثرت سوال کی ممانعت: مقصد یہ ہے کہ حلال گو تھوڑا ہو وہ بہتر ہے حرام سے گو بہت سارا ہو جیسے وارد ہے کہ جو کم ہو اور کفایت کرے وہ بہتر ہے اس سے جو زیادہ ہو اور غافل کر دے۔[2] ابن حاطب رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں عرض کی کہ یا رسول اللہ ﷺ دعا کیجیے کہ اللہ تعالیٰ مجھے مال عطا فرمائے آپ نے فرمایا کم مال جس کا شکر یہ تو ادا کرے یہ بہتر ہے اس زیادہ سے جس کی تو طاقت نہ رکھے۔[3] اے عقلمند لوگو اللہ سے ڈرو حرام سے بچو حلال پر اکتفا کرو قناعت کیا کرو تا کہ دین و دنیا میں کامیاب ہو جاؤ۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو ادب سکھاتا ہے کہ بے فائدہ سوالات مت کیا کرو۔ کرید میں نہ پڑو۔ ایسا نہ ہو کہ پھر ان کا جواب اور ان امور کا اظہار تم پر شاق گذرے۔ صحیح حدیث میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا مجھے کوئی کسی

---

[1] [حسن : مؤطا : كتاب الحج : باب ما لا يحل للمحرم كله من الصيد (١/٣٥٤)، (٨٤) دارقطنی (٢٩١/٢) عبدالرزاق (٨٣٤٥) بیهقی (١٩١/٥) مسند شافعی (٨٤٣)] حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[2] [حسن : مسند ابو یعلی (١٠٥٣) صحیح ابن حبان (٣٣١٩) مجمع الزوائد (١٠/٢٥٥)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔[مسند احمد محقق (٢١٧٢١)] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[3] [ضعیف جدا : طبرانی کبیر (٢٦٠/٨) ابو نعیم فی معرفة الصحابة (٧٢١/٣)] شیخ البانی نے اسے سخت ضعیف کہا ہے۔[السلسلة الضعیفة (٤٠٨١) ضعیف الجامع (٤١١٢)]

کی برائی کی بات نہ پہنچائے۔ میں چاہتا ہوں کہ تمہاری طرف اس حالت میں آؤں کہ میرے دل میں کسی کی طرف سے کوئی برائی نہ ہو۔ (۱) صحیح بخاری شریف میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں خطبہ سنایا۔ ایسا بے مثل کہ ہم نے کبھی ایسا خطبہ نہ سنا تھا اسی میں فرمایا کہ اگر تم وہ جانتے جو میں جانتا ہوں تو تم بہت کم ہنستے اور بہت زیادہ روتے۔ یہ سن کر اصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم منہ ڈھانپ کر رونے لگے اسی اثنا میں ایک شخص آپ سے پوچھ بیٹھا کہ میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا فلاں۔ اس پر یہ آیت اتری۔ (۲) بخاری و مسلم کی اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ لوگوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے بہ کثرت سوالات شروع کر دیئے۔ چنانچہ آپ منبر پر آ گئے اور فرمایا آؤ اب جس کسی کو جو کچھ پوچھنا ہو پوچھ لو جو پوچھو گے جواب پاؤ گے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم کانپ اٹھے کہ ایسا نہ ہو اس کے پیچھے کوئی اہم امر ظاہر ہو جتنے بھی تھے سب اپنے اپنے چہرے ڈھانپ کر رونے لگے۔ ایک شخص تھے جن سے مذاق کیا جاتا تھا اور جنہیں لوگ ان کے باپ کے سوا دوسرے کی طرف نسبت کر کے بلاتے تھے اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا حذافہ۔ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ کھڑے ہو گئے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم اللہ کے رب ہونے پر اسلام کے دین ہونے پر اور آپ کے رسول ہونے پر راضی ہو گئے ہم تمام فتنوں سے اللہ کی پناہ طلب کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا آج کی طرح میں نے بھلائی برائی کبھی نہیں دیکھی جنت دوزخ میرے سامنے اس دیوار کے پیچھے بطور نقشے کے پیش کر دی گئی تھی (۳) اور روایت میں ہے یہ سوال کرنے والے حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ تھے۔ ان سے ان کی والدہ نے کہا تجھ سے بڑھ کر ماں باپ کا نافرمان میں نے نہیں دیکھا۔ تجھے کیا خبر تھی جاہلیت میں کس چیز کا پرہیز تھا؟ فرض کرو اگر میں بھی کسی معصیت میں اس وقت آلودہ ہو گئی ہوتی تو آج اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی میری رسوائی ہوتی اور سب کے سامنے بے آبروئی ہوتی۔ آپ نے فرمایا سنو اماں اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی مجھے معلوم ہوتا کہ فلاں حبشی غلام کا میں بیٹا ہوں تو واللہ میں اسی سے مل جاتا۔ (۴) ابن جریر میں ہے کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سخت غصے کی حالت میں آئے منبر پر چڑھ گئے آپ کا چہرہ مبارک اس وقت سرخ ہو رہا تھا ایک شخص نے کھڑے ہو کر پوچھا میں کہاں جاؤں گا؟ آپ نے فرمایا

---

(۱) [**ضعیف** : ابوداؤد: کتاب الادب : باب رفع الحدیث من المجلس (٤٨٦٠) ترمذی : کتاب المناقب : بـاب فضل ازواج النبی (٣٨٩٦) مسند احمد (١/٣٩٥)] شیخ البانی ؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [ضعیف ابوداود (١٠٣٥)]

(۲) [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب لاتسئلو عن اشیاء (٤٦٢١) ، (٦٤٨٦) صحیح مسلم : کتاب الفضائل : باب توقیرہ وترك اكثار سؤاله (٢٣٥٩) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة المائدة (٣٠٥٦) مسند احمد (٣/٢١٠)]

(۳) [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الدعوات : باب التعوذ من الفتن (٦٣٦٢) صحیح مسلم (٢٣٥٩) مسند احمد (٣/٢٥٤) تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٨٠١)]

(۴) [**صحیح** : صحیح بخاری : کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة : باب ما یکرہ من کثرة السوال (٧٢٩٤) مسلم (١٣٦ـ ٢٣٥٩) عبد الرزاق (٢٠٧٩٧)]

جہنم میں۔ دوسرے نے پوچھا میرا باپ کون ہے؟ آپ نے فرمایا: حذافہ۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کھڑے ہو کر فرمایا ہم اللہ کے رب ہونے پر' اسلام کے دین ہونے پر' محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر' قرآن کے امام ہونے پر راضی ہیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جاہلیت اور شرک میں سے ہم ابھی ابھی آپ کی طرف آئے ہیں۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہمارے آباؤ اجداد کون ہیں؟ اس سے آپ کا غصہ کم ہوا اور یہ آیت اتری۔ [1] ایک مرسل حدیث میں ہے کہ اس دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر بیٹھ کر فرمایا جو چاہو پوچھو' جو پوچھو گے' بتاؤں گا۔ یہ شخص جس نے اپنے باپ کا نام پوچھا یہ قریش کے قبیلے بنو سہم میں سے تھا۔ اس روایت میں یہ بھی ہے کہ جناب عمر رضی اللہ عنہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم چوم کر یہ عرض کیا تھا اور یہ بھی فرمایا تھا کہ آپ ہم سے درگذر فرمایئے اللہ تعالیٰ آپ سے درگذر فرمائے' اسی دن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قاعدہ مقرر فرمایا تھا کہ اولاد اسے ملے گی جس کی بیوی یا لونڈی ہو اور زانی کو پتھر ملیں گے۔ [2]

بخاری شریف میں ہے کہ بعض لوگ از روئے مذاق حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے باپ کا نام اور اپنی گم شدہ اونٹنیوں کی جگہ وغیرہ دریافت کرتے تھے جس پر یہ آیت اتری۔ [3] مسند احمد میں ہے کہ جب آیت ﴿وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا﴾ [4] نازل ہوئی یعنی صاحب مقدور لوگوں پر حج بیت اللہ فرض ہے تو لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ خاموش ہو رہے انہوں نے پھر دوبارہ یہی سوال کیا آپ نے پھر سکوت فرمایا انہوں نے تیسری دفعہ پھر یہی پوچھا آپ نے فرمایا ہر سال نہیں اور اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال واجب ہو جاتا اور تم ادا نہ کر سکتے۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت اتاری۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ میں بھی ہے۔ [5] امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ روایت اس سند سے غریب ہے اور میں نے امام بخاری رحمہ اللہ سے سنا ہے کہ اس کے راوی ابوالبختری نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ملاقات نہیں کی۔ ابن جریر کی اس روایت میں یہ بھی ہے کہ میری ہاں کے بعد اگر تم اسے چھوڑ دیتے تو یقیناً تم کافر ہو جاتے۔ [6] ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ پوچھنے والے محصن اسدی رضی اللہ عنہ تھے۔ دوسری روایت میں ان کا نام عکاشہ بن محصن مروی ہے۔ یہی زیادہ ٹھیک ہے اور

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۸۰۶)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کی سند میں عبدالعزیز راوی ہے، اسے حافظ ابن حجرؒ نے متروک کہا ہے اور امام ابن معینؒ وغیرہ نے کذاب کہا ہے۔]

[2] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۸۰۵) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۲۱۹/٤)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله لاتسئلو عن اشیاء ان تبدلکم تسئولکم (٤٦٢٢)]

[4] [سورۃ آل عمران: آیت ۹۷]

[5] [ضعیف: ترمذی: کتاب الحج: باب ما جاء کم فرض الحج (۸۱٤) و کتاب التفسیر (۳۰۵۵) ابن ماجہ: کتاب المناسك: باب فرض الحج (۲۸۸٤) مسند احمد (۱۱۳/۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی، ارواء الغلیل (۹۹۰)] شیخ عبدالرزاق مہدی، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

[6] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۸۰۸) دارقطنی (۲۸۲/۲)] اس کی سند میں ابراہیم ہجری راوی ضعیف ہے۔]

روایت میں ہے کہ سائل ایک اعرابی تھے اس میں یہ بھی ہے کہ آپ نے فرمایا تم سے اگلے لوگ ائمہ حرج کے ایسے ہی سوالوں کی وجہ سے ہلاک ہوئے واللہ تمہاری حالت تو یہ ہے کہ اگر میں ساری زمین تمہارے لیے حلال کر دوں اور صرف ایک موزے کے برابر کی جگہ حرام کر دوں تو تم اسی حرمت والی زمین پر گرو گے۔ اس کی سند بھی ضعیف ہے۔ (۱) ظاہر آیت کے الفاظ کا مطلب تو صاف ہے یعنی ان باتوں کا پوچھنا منع ہے جن کا ظاہر ہونا برا ہو۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ ایسے سوالات ترک کر دیئے جائیں اور ان سے اعراض کر لیا جائے۔ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا دیکھو مجھے کسی کی کوئی برائی کوئی نہ پہنچائے میں چاہتا ہوں کہ تمہارے پاس صاف سینہ لے کر آؤں۔ (۲) پھر فرماتا ہے کہ جن چیزوں کے سوال سے تمہیں روکا جا رہا ہے اگر تم نے ان کی بابت پوچھ گچھ کی اور تم دیکھ رہے ہو کہ وحی نازل ہو رہی ہے۔ تو تمہارے سوالات کا جواب آ جائے گا۔ اور جس چیز کا ظاہر ہونا تمہیں برا معلوم ہوتا تھا وہ ظاہر ہو جائے گی۔ اس سے پہلے کے ایسے سوالات سے تو اللہ تعالیٰ نے درگذر فرما لیا۔ اللہ ہے ہی بخشش والا اور حلم و بردباری والا۔ مطلب یہ ہے کہ سوالات ترک کر دو ایسا نہ ہو کہ تمہارے سوال کی وجہ سے کوئی آسانی سختی میں بدل جائے۔ حدیث شریف میں ہے مسلمانوں میں سب سے بڑا گنہگار وہ ہے جس نے کسی چیز کی نسبت دریافت کیا جو حرام نہ تھی پھر اس کے سوال کی وجہ سے وہ حرام ہو گئی۔ (۳) یہ بات اور ہے کہ قرآن شریف میں کوئی حکم آئے اس میں اجمال ہو اور اس کی تفصیل دریافت کی جائے۔ اللہ تعالیٰ نے جس چیز کا ذکر اپنی پاک کتاب میں نہیں کیا اس سے خود اس نے درگذر فرما لیا ہے۔ پس تمہیں بھی اس سے خاموشی اختیار کرنی چاہیے جیسے کہ خود اللہ تعالیٰ نے کی ہے۔ صحیح حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں جب تک میں تمہیں چھوڑے رکھوں تم بھی مجھے چھوڑ رکھو۔ یاد رکھو کہ تم سے اگلے لوگوں کی ہلاکت کی وجہ صرف کثرت سوال اور انبیاء پر اختلاف ہی ہوئی ہے (۴) اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے فرائض مقرر کر دیئے ہیں انہیں ضائع نہ کرو حدیں باندھ دی ہیں انہیں نہ توڑو۔ جو چیزیں حرام کر دی ہیں ان کی حرمت کو سنبھالو جن چیزوں سے خاموشی کی ہے صرف تم پر رحم کھا کر نہ کہ بھول کر تم بھی اس کی پوچھ گچھ نہ کرو۔ (۵)

---

(۱) [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۸۱۱)] اس کی سند میں معاویہ بن یحییٰ راوی کو اہل علم نے ضعیف کہا ہے۔]

(۲) [ضعیف : مسند احمد (۱/۳۹۵ ـ ۳۹۶) مسند ابویعلی (۵۳۸۸) ابوداؤد : کتاب الادب : باب رفع الحدیث من المجلس (۴۸۶۰) ترمذی : کتاب المناقب : باب فضل ازواج النبی (۳۸۹۶)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود ، ضعیف ترمذی]

(۳) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة : باب مایکره من کثرة السؤال (۷۲۸۹) صحیح مسلم : کتاب الفضائل : باب توقیره وترك اکثار سواله (۲۳۵۸) ابوداؤد : کتاب السنة : باب من دعاء الی السنة (۴۶۱۰) مسند ابویعلی (۷۶۱) مسند احمد (۱/۱۷۶)]

(۴) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة : باب الاقتداء بسنن رسول اللّٰه (۷۲۸۸) صحیح مسلم : کتاب الحج : باب فرض الحج مرة فی العمر (۱۳۳۷)]

(۵) [ضعیف : دارقطنی (۴/۱۸۳) بیهقی (۱۰/۱۲) جامع العلوم والحکم (۲/۱۴۶)] شیخ البانی ؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [غایة المرام (۴)]

پھر فرماتا ہے ایسے ہی مسائل تم سے اگلے لوگوں نے بھی دریافت کیے انہیں بتائے گئے پھر وہ ان پر ایمان نہ لائے بلکہ ان کے باعث کافر بن گئے ان پر وہ باتین بیان کی گئیں ان سے انہوں نے فائدہ نہ اٹھایا کیونکہ ان کے سوال ہی سرکشی پر تھے نہ کہ سمجھنے اور ماننے کے لیے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں میں اعلان کیا پھر فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تم پر حج فرض کر دیا ہے۔ بنو اسد قبیلے کا ایک شخص کھڑا ہوا اور کہا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیا ہر سال؟ آپ سخت غضبناک ہوئے اور فرمایا قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں ہاں کہہ دیتا تو ہر سال فرض ہو جاتا اور اگر ایسا ہوتا تو اس پر عمل تمہاری طاقت سے باہر تھا اور جب عمل نہ کرتے تو کافر ہو جاتے پس جب تک میں نہ کہوں تم بھی نہ پوچھو میں خود جب تمہیں کسی بات کا حکم دوں تو اسے بجا لاؤ اور جب میں تمہیں کسی چیز سے روکوں تو رک جاؤ۔ پس اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور صحابہ رضی اللہ عنہم کو ممانعت کر دی کہ کہیں وہ بھی نصرانیوں کی طرح آسمانی دستر خوان طلب نہ کریں۔ جس کے طلب کرنے کے بعد اور آنے کے بعد پھر وہ کافر ہو گئے پس منع کر دیا اور صاف فرما دیا کہ ایسی باتیں نہ پوچھو کہ اگر قرآن میں ان کی بابت سخت احکام نازل ہوں تو تمہیں برے لگیں بلکہ تم منتظر رہو قرآن اتر رہا ہے جو پوچھنا چاہتے ہو سب کا بیان اس میں پاؤ گے۔ [1] بہ روایت مجاہد رحمہ اللہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس آیت کی تفسیر میں یہ بھی مروی ہے کہ مراد اس سے وہ جانور ہیں جن کا ذکر اس آیت کے بعد ہی ہے۔ عکرمہ فرماتے ہیں مراد معجزات کی طلبی ہے جیسے کہ قریشیوں نے کہا تھا کہ عرب میں نہریں جاری ہو جائیں۔ اور صفا پہاڑ سونے کا ہو جائے وغیرہ اور جیسے یہود نے کہا تھا کہ خود ان پر آسمان سے کتاب اترے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ﴾ [2] الخ، یعنی معجزوں کے ظاہر کرنے سے مانع تو کچھ بھی نہیں مگر یہ کہ اگلے لوگوں نے بھی اسے جھٹلایا ہم نے ثمود کو اونٹنی کا نشان دیا تھا جس پر انہوں نے ظلم کیا ہم تو نشانات صرف دھمکانے کے لیے بھیجتے ہیں اور آیت میں ہے ﴿وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا﴾ [3] الخ، بڑی زوردار قسمیں کھاتے ہیں کہ اگر کوئی معجزہ آ گیا تو ضرور ایمان لائیں گے تو جواب دے دے کہ یہ تو اللہ کے قبضے کی چیز ہے ہو سکتا ہے کہ معجزہ دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں ہم ان کے دلوں کو اور آنکھوں کو الٹ دیں گے جیسے کہ پہلی دفعہ قرآن پر ایمان نہیں لائے تھے اور ہم انہیں ان کی سرکشی کی حالت میں ہی پڑے رہنے دیں گے کہ بھٹکتے پھریں۔ اگر ہم ان پر آسمان سے فرشتے بھی اتارتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرنے لگتے اور تمام چیزیں یہ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتے تب بھی تو اللہ کی چاہت کے بغیر انہیں ایمان نصیب نہ ہوتا۔ ان میں سے اکثر ہیں ہی بے علم۔

---

[1] [ضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۸۱۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند عوفی راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

[2] [سورۃ بنی اسرائیل: آیت ۵۹]

[3] [سورۃ الانعام: آیت ۱۰۹۔ ۱۱۱]

مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْۢ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ ۙ وَّلٰكِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ ؕ وَاَكْثَرُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۰۳﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰى مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَى الرَّسُوْلِ قَالُوْا حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۰۴﴾

اللہ تعالیٰ نے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ اور حام مقرر نہیں فرمایا یہ تو کفار کا جھوٹ افترا اللہ تعالیٰ کے ذمہ ہے' ان میں سے اکثر بے عقل ہیں ○ ان سے جب کہا جاتا ہے کہ اللہ کی اتاری ہوئی کتاب اور رسول کی طرف آؤ تو جواب دیتے ہیں کہ ہم نے تو جس طریقے پر اپنے باپ دادوں کو پایا وہی ہمیں کافی ہے' اگرچہ ان کے باپ دادا محض بے علم اور بے راہ تھے ○

بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام: صحیح بخاری شریف میں حضرت سعید بن میسّب رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ بحیرہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے بطن کا دودھ وہ لوگ اپنے بتوں کے نام کر دیتے تھے اسے کوئی دوہتا نہ تھا سائبہ ان جانوروں کو کہتے تھے جنہیں وہ اپنے معبود باطل کے نام پر چھوڑ دیتے تھے سواری اور بوجھ سے آزاد کر دیتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے عمرو بن عامر خزاعی کو دیکھا کہ وہ جہنم میں اپنی آنتیں گھسیٹ رہا ہے اسی نے سب سے پہلے یہ رسم ایجاد کی تھی۔ وصیلہ وہ اونٹنی ہے جس کے پلوٹھے دو بچے اوپر تلے کے مادہ ہوں ان دونوں کے درمیان کوئی نر اونٹ پیدا نہ ہوا ہو اسے بھی وہ اپنے بتوں کے نام وقف کر دیتے تھے۔ حام اس نر اونٹ کا نام تھا جس کی نسل سے کئی بچے ہو گئے ہوں پھر اسے بھی اپنے بزرگوں کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور کسی کام میں نہ لیتے تھے۔ [۱] ایک حدیث میں ہے کہ میں نے جہنم کو دیکھا اس کا ایک حصہ دوسرے کو گویا کھائے جا رہا تھا اس میں میں نے عمرو کو دیکھا کہ اپنی آنتیں گھسیٹتا پھرتا ہے اسی نے سائبہ کا رواج سب سے پہلے نکالا تھا [۲] ایک حدیث میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرو کا یہ ذکر حضرت اکثم بن جون رضی اللہ عنہ سے کر کے فرمایا وہ صورت شکل میں بالکل تیرے جیسا ہے اس پر حضرت اکثم رضی اللہ عنہ نے فرمایا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کہیں یہ مشابہت مجھے نقصان نہ پہنچائے؟ آپ نے فرمایا نہیں فکر نہ کرو وہ کافر تھا تم مسلمان ہو۔ اسی نے حضرت ابراہیم کے دین کو سب سے پہلے بدلا اسی نے بحیرہ' سائبہ اور حام کی رسم نکالی۔ اسی نے بت پرستی دین ابراہیمی میں ایجاد کی۔ [۳] ایک

---

[۱] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ماجعل اللہ من بحیرة (٤٦٢٣) صحیح مسلم : کتاب الجنة : باب النار یدخلها الجبارون (٢٨٥٦) تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٨١٩) بیهقی فی السنن الکبری (١٠٩/١٠) مسند احمد (٢٧٥/٢) صحیح ابن حبان (٦٢٦٠)]

[۲] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب ماجعل اللہ من بحیرة (٤٦٢٤)]

[۳] [صحیح :تفسیر ابن جریر الطبری (١٢٨٢٠) مستدرك حاکم (٦٠٥/٤) مسند ابویعلی (٦١٢١) صحیح ابن حبان (٧٤٩٠)] امام حاکمؒ نے اسے مسلم کی شرط پر صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے اور اس کے راوی ثقہ ہیں۔]

روایت میں ہے یہ بنو کعب میں سے ہے۔ جہنم میں اس کے جلنے کی بد بو سے دوسرے جہنمیوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ بحیرہ کی رسم کو ایجاد کرنے والا بنو مدلج کا ایک شخص تھا اس کی دو اونٹنیاں تھیں جن کے کان کاٹ دیئے اور دودھ حرام کر دیا پھر کچھ عرصہ کے بعد پینا شروع کر دیا۔ میں نے اسے بھی دوزخ میں دیکھا دونوں اونٹنیاں اسے کاٹ رہی تھیں اور روندرہی تھیں یاد رہے کہ یہ عمرو لحی بن قمعہ کا لڑکا ہے جو خزاعہ کے سرداروں میں سے ایک تھا قبیلہ جرہم کے بعد بیت اللہ شریف کی تولیت انہی کے پاس تھی یہی شخص عرب میں بت لایا اور سفلے لوگوں میں ان کی عبادت جاری کی اور بہت سی بدعتیں ایجاد کیں جن میں سے چوپایوں کو الگ الگ طریقے پر بتوں کے نام کرنے کی رسم بھی تھی۔ جس کی طرف اشارہ آیت ﴿وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا﴾ [1] میں ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اونٹنی کے جب پانچ بچے ہوتے تو پانچواں اگر نر ہوتا تو اسے ذبح کر ڈالتے اور اس کا گوشت صرف مرد کھاتے عورتوں پر حرام جانتے اور اگر مادہ ہوتی تو اس کے کان کاٹ کر اس کا نام بحیرہ رکھتے۔ سائبہ کی تفسیر میں مجاہد رحمہ اللہ سے اسی کے قریب قریب بکریوں میں مروی ہے۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ کا قول ہے کہ جس اونٹنی کے پے در پے دس اونٹنیاں پیدا ہوتیں اسے چھوڑ دیتے نہ سواری لیتے نہ بال کاٹتے نہ دودھ دوہتے اور اسی کا نام سائبہ ہے۔ صرف مہمان کے لیے تو دودھ نکال لیتے ورنہ اس کا دودھ یونہی رکا رہتا۔ ابوروق رحمہ اللہ کہتے ہیں یہ نذر کا جانور ہوتا تھا جب کسی کی کوئی حاجت پوری ہو جاتی تو وہ اپنے بت اور بزرگ کے نام کوئی جانور آزاد کر دیتا پھر اس کی نسل بھی آزاد سمجھی جاتی۔ سدی رحمہ اللہ کہتے ہیں اگر کوئی شخص اس جانور کی بے حرمتی کرتا تو اسے یہ لوگ سزا دیتے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ وصیلہ اس جانور کو کہتے ہیں کہ مثلاً ایک بکری کا ساتواں بچہ ہے اب اگر وہ نر ہے اور ہے مردہ تو اسے مرد عورت سب کھاتے اور اگر وہ مادہ ہے تو اسے زندہ باقی رہنے دیتے اور اگر نر مادہ دونوں ایک ساتھ ہوئے ہیں تو اس نر کو بھی زندہ رکھتے اور کہتے کہ اس کے ساتھ اس کی بہن ہے اس نے اسے ہم پر حرام کر دیا۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ جس اونٹنی کے مادہ پیدا ہو پھر دوسرا بچہ بھی مادہ ہو تو اسے وصیلہ کہتے تھے۔ محمد بن اسحاق رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو بکری پانچ دفعہ دو دو مادہ بکریاں بچے دے اس کا نام وصیلہ تھا پھر اسے چھوڑ دیا جاتا تھا اس کے بعد اس کا جو بچہ ہوتا اسے ذبح کر کے صرف مرد کھا لیتے اور اگر مردہ پیدا ہوتا تو مرد عورت سب کا حصہ سمجھا جاتا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حام اس نر اونٹ کو کہتے تھے جس کی نسل سے دس بچے پیدا ہو جائیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ جس کے بچے سے کوئی بچہ ہو جائے اسے وہ آزاد کر دیتے نہ اس پر سواری لیتے نہ اس پر بوجھ لادتے۔ نہ اس کے بال کام میں لاتے نہ کسی کھیتی یا چارے یا حوض سے اسے روکتے۔ اور اقوال بھی ہیں۔ حضرت مالک بن نضلہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اس وقت میں پھٹے پرانے میلے کچیلے کپڑے پہنے ہوئے تھا آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا تیرے پاس کچھ مال بھی ہے؟ میں نے کہا ہاں۔ فرمایا کس قسم کا کہا ہر قسم کا اونٹ، بکریاں، گھوڑے، غلام وغیرہ آپ نے فرمایا پھر تو اللہ نے تجھے بہت کچھ دے رکھا ہے

---

[1] [سورۃ الانعام: آیت ۱۳۶]

سن اونٹ کے جب بچہ ہوتا ہے تو صحیح سالم کان والا ہی ہوتا ہے؟ میں نے کہا ہاں آپ نے فرمایا پھر تو استرا لے کر ان کے کان کاٹ دیتا ہے اور ان کا نام بحیرہ رکھ دیتا ہے؟ اور بعض کے کان چیر کر انہیں حرام سمجھنے لگتا ہے؟ میں نے کہا جی ہاں۔ فرمایا خبردار ایسا نہ کرنا اللہ نے تجھے جتنے جانور دے رکھے ہیں سب حلال ہیں۔ پھر آپ نے اس آیت کی تلاوت کی۔ [1] بحیرہ وہ ہے جس کے کان کاٹ دیئے جاتے تھے پھر گھر والوں میں سے کوئی بھی اس سے کسی قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا تھا ہاں جب وہ مر جاتا تو سب بیٹھ کر اس کا گوشت کھا جاتے۔ سائبہ اس جانور کو کہتے ہیں جسے اپنے معبودوں کے پاس لے جا کر ان کے نام کا کر دیتے تھے۔ وصیلہ اس بکری کو کہتے تھے جس کے ہاں ساتویں دفعہ بچہ ہو اس کے کان اور سینگ کاٹ کر آزاد کر دیتے۔ اس روایت کے مطابق تو حدیث ہی میں ان جانوروں کی تفصیل ملی جلی ہے۔ ایک روایت میں یہ بقول حضرت عوف بن مالک مروی ہے اور یہی زیادہ ٹھیک ہے پھر فرمان قرآن ہے کہ یہ نام اور چیزیں اللہ کی مقرر کردہ نہیں، نہ اس کی شریعت میں داخل ہیں، نہ ذریعہ ثواب ہیں۔ یہ لوگ اللہ کی پاک صاف شریعت کی طرف دعوت دیئے جاتے ہیں تو اپنے باپ دادوں کے طریقوں کو اس کے مقابلے میں پیش کرتے ہیں حالانکہ ان کے بڑے محض ناواقف اور بے راہ تھے ان کی تابعداری تو وہ کرے گا جو ان سے بھی زیادہ بہکا ہوا اور بے عقل ہو۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا عَلَيْكُمْ أَنفُسَكُمْ ۖ لَا يَضُرُّكُم مَّن ضَلَّ إِذَا اهْتَدَيْتُمْ ۚ إِلَى اللَّهِ مَرْجِعُكُمْ جَمِيعًا فَيُنَبِّئُكُم بِمَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ﴿١٠٥﴾

مسلمانو! تم خود اپنے آپ کو راہ راست پر قائم رکھو، جب تم راہ راست پر ہو تو بھٹکنے والے کا ضرر تم پر نہیں تم سب کو لوٹ کر اللہ ہی کی طرف جانا ہے تم جو کچھ کرتے رہے سب کچھ وہ تم کو بتا دے گا○

خود کو راہ راست پر رکھو: اللہ تعالیٰ اپنے مومن بندوں کو حکم دیتا ہے کہ وہ خود اپنی اصلاح کریں اور اپنی طاقت کے مطابق نیکیوں میں مشغول رہیں۔ جب وہ خود ٹھیک ٹھاک ہو جائیں گے تو برے لوگوں کا ان پر کوئی بوجھ نہیں پڑے گا خواہ وہ رشتے دار اور قریبی ہوں خواہ اجنبی اور دور کے ہوں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ جب کوئی شخص اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عامل ہو جائے برائیوں سے بچ جائے تو اس پر گنہگار لوگوں کے گناہ کا کوئی بوجھ بار نہیں۔ مقاتل رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ ہر عامل کو اس کے عمل کا بدلہ ملتا ہے بروں کو سزا اچھوں کو جزا۔ اس سے یہ نہ سمجھا جائے کہ اچھی بات کا حکم اور بری باتوں سے منع بھی نہ کرے۔ کیونکہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے خطبے میں فرمایا لوگو تم اس آیت کو پڑھتے ہو اور اس کا مطلب غلط لیتے ہو سنو! میں نے خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لوگ جب بری باتوں کو دیکھتے ہوئے انہیں نہیں

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۴۷۳/۳) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۲۲۰/۴) مسند طیالسی (۱۳۰۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۸۲۹) طبرانی صغیر (۴۸۹) مجمع الزوائد (۸۵۸۷)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح کہتے ہیں۔[مسند احمد محقق (۱۷۲۲۹)]

روکیں گے تو بہت ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کوئی عام عذاب آ جائے۔ امیر المومنین رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی ہے کہ جھوٹ سے بچو جھوٹ ایمان کی ضد ہے [1] (سنن اربعہ) حضرت ابوثعلبہ خشنی رضی اللہ عنہ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو آپ نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں سوال کیا تھا تو آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم بھلائی کا حکم اور برائی سے ممانعت کرتے رہو یہاں تک کہ بخیلی کی پیروی اور خواہش نفس کی اتباع اور دنیا کی پسندیدگی اور ہر شخص کا اپنی رائے پر پھولنا عام نہ ہو جائے اس وقت تم صرف اپنی اصلاح میں مشغول ہو جاؤ اور عام لوگوں کو چھوڑ دو یاد رکھو تمہارے پیچھے صبر کے دن آ رہے ہیں اس وقت دین اسلام پر جما رہنے والا ایسا ہو گا جیسے کوئی انگارے کو مٹھی میں لیے ہوئے ہو۔ اس وقت عمل کرنے والے کو مثل پچاس شخصوں کے عمل کا اجر ملے گا جو بھی اچھے اعمال کرے گا ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے پوچھا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مثل پچاس شخصوں کے ان میں سے یا ہم میں سے؟ آپ نے فرمایا نہیں بلکہ تم میں سے [2] (ترمذی) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے بھی جب اس آیت کا مطلب دریافت کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ وہ وقت نہیں آج تو تمہاری مان لی جاتی ہیں لیکن ہاں ایک زمانہ ایسا بھی آنے والا ہے کہ نیک باتیں کہنے اور بھلائی کا حکم کرنے والوں کے ساتھ ظلم و زیادتی کی جائے گی اور اس کی بات قبول نہ کی جائے گی اس وقت تم صرف اپنے نفس کی اصلاح میں لگ جانا۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی مجلس میں کچھ لوگ بیٹھے ہوئے تھے دو شخصوں میں کچھ جھگڑا ہو گیا اور وہ آمنے سامنے کھڑے ہو گئے تو ایک نے کہا میں اٹھتا ہوں اور انہیں نیکی کا حکم کرتا ہوں اور برائی سے روکتا ہوں تو دوسرے نے کہا تجھے کیا پڑی؟ تو اپنی اصلاح میں لگا رہ۔ پھر یہی آیت تلاوت کی اسے سن کر حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا چپ رہ اس آیت کے عمل کا یہ وقت نہیں قرآن میں کئی طرح کی آیتیں ہیں بعض تو وہ ہیں جن کے مضامین گذر چکے بعض وہ ہیں جن کے واقعات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہو گئے۔ بعض کے واقعات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد ہوئے بعض قیامت کے دن ہوں گے مثلاً جنت دوزخ وغیرہ۔ سنو جب تک تمہارے دل نہ پھٹیں تمہارا مقصود ایک ہی ہو تم میں پھوٹ نہ پڑی ہو تم

---

[1] [**صحیح**: مسند احمد (۱/۵) صحیح ابن حبان (۳۰۴ـ ۳۰۵) بیهقی فی السنن الکبری (۹۱/۱۰) ابوداؤد : کتاب الملاحم : باب الأمر والنهی (۴۳۳۸) ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجاء فی نزول العذاب اذا لم یغیر المنکر (۲۱۶۸) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب الامر بالمعروف والنهی عن المنکر (۴۰۰۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود ، السلسلة الصحیحة (۱۵۶۴)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند صحیح ہے۔]

[2] [**ضعیف** : ترمذی : کتاب التفسیر : باب ومن سورة المائدة (۳۰۵۸) ابوداؤد : کتاب الملاحم : باب الأمر والنهی (۴۳۴۱) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب قوله تعالی : یایها الذین امنوا علیکم بأنفسکم (۴۰۱۴) صحیح ابن حبان (۳۸۵) بیهقی (۹۲/۱۰) ابونعیم فی الحلیة (۳۰/۲) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۲۲۵/۴) الدر المنثور للسیوطی (۵۹۸/۲) طبرانی کبیر (۳۱۹/۶)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود، ضعیف ترمذی (۵۸۵) المشکاة (۵۱۴۴) السلسلة الضعیفة (۱۰۲۵)] شیخ عبد الرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

میں لڑائی دنگے شروع نہ ہوئے ہوں تم اچھی باتوں کی ہدایت کرتے رہو اور بری باتوں سے روکتے رہو۔ ہاں جب دلوں میں جدائی ہو جائے۔ آپس میں اختلاف پڑ جائیں لڑائیاں شروع ہو جائیں اس وقت صرف اپنے آپ کو پابند شریعت رکھنا کافی ہے اور وہی وقت ہے اس آیت کے عمل کا (ابن جریر) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے کہا گیا کہ ان دنوں تو آپ اگر اپنی زبان روک لیں تو اچھا ہو آپ کو کیا پڑی کوئی کچھ ہی کرے آپ نہ کسی کو روکیں نہ کچھ کہیں دیکھئے قرآن میں بھی تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم اپنے آپ کو سنبھالو گمراہوں کی گمراہی کا وبال تم پر نہیں جبکہ تم خود راہ راست پر ہو۔ تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے کہا یہ حکم میرے اور میرے ساتھیوں کے لیے نہیں اس لیے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے خبردار ہر موجود شخص غیر موجود لوگوں کو پہنچا دے۔ پس ہم موجود تھے اور تم غیر موجود تھے۔ یہ آیت تو ان لوگوں کے حق میں ہے جو بعد میں آئیں گے وہ لوگوں کو نیک باتیں کہیں گے لیکن ان کی بات قبول نہ کی جائے گی [1] (ابن جریر) حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی مجلس میں ایک صاحب آئے بڑے غصیل اور تیز زبان۔ کہنے لگے سنیے جناب چھ شخص ہیں سب قرآن پڑھے ہوئے، جاننے بوجھنے والے، مجتہد سمجھدار لیکن ہر ایک دوسرے کو مشرک بتلاتا ہے۔ اس نے کہا میں تم سے نہیں پوچھتا میں تو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے سوال کرتا ہوں، اور پھر وہی بات دوہرا دی تو حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فرمایا شاید تو یہ چاہتا ہے کہ میں تجھے یہ کہہ دوں کہ جا انہیں قتل کر ڈال۔ نہیں میں کہتا ہوں جا انہیں نصیحت کر انہیں برائی سے روک نہ مانیں تو اپنی راہ لگ۔ پھر آپ نے یہی آیت تلاوت کی۔ خلیفہ ثالث حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانے میں حضرت ابو مازن رحمہ اللہ مدینے میں آتے ہیں یہاں مسلمانوں کا ایک مجمع جمع تھا جس میں سے ایک شخص نے اسی آیت کی تلاوت کی تو اکثر لوگوں نے کہا اس کے عمل کا وقت ابھی تک نہیں آیا۔

حضرت جبیر بن نفیر رحمہ اللہ کہتے ہیں میں ایک مجلس میں تھا جس میں بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم موجود تھے یہی ذکر ہو رہا تھا کہ اچھی باتوں کا حکم کرنا چاہیے اور بری باتوں سے روکنا چاہیے میں اس مجلس میں سب سے چھوٹی عمر کا تھا لیکن جرات کر کے یہ آیت پڑھ دی اور کہا کہ پھر اس کا کیا مطلب ہوگا؟ تو سب نے ایک زبان ہو کر مجھے جواب دیا کہ اس کا صحیح مطلب تمہیں معلوم نہیں اور جو مطلب تم لے رہے ہو بالکل غلط ہے مجھے بڑا افسوس ہوا۔ پھر وہ اپنی باتوں میں مشغول ہو گئے جب اٹھنے کا وقت آیا تو مجھ سے فرمایا تم ابھی بچے ہو بے موقعہ آیت پڑھ دیتے ہو اصلی مطلب تک نہیں پہنچتے بہت ممکن ہے کہ تم اس آیت کے زمانے کو پالو یہ حکم اس وقت ہے جب بخیلی کا دور دورہ ہو، خواہش پرستی عام ہو، ہر شخص اپنی سمجھ پر نازاں ہو اس وقت انسان خود نیکیوں اور بھلائیوں میں مشغول رہے گمراہوں کی گمراہی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچائے گی۔ حضرت حسن رحمہ اللہ نے اس آیت کی تلاوت کر کے فرمایا اس پر اللہ کا شکر ہے اگلے اور پچھلے مومنوں کے ساتھ منافق ضرور رہے جو ان کے اعمال سے بیزار ہی رہے۔ حضرت سعید بن مسیّب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جب تم نے اچھی بات کی نصیحت کر دی اور بری بات سے روک دیا پھر بھی کسی نے برائیاں

---

[1] [**ضعیف** : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۲۸۵۵) طبرانی کبیر (۲۰۱/۹)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں الا کہ حسن بغوی کا ابن مسعود سے سماع ثابت نہیں۔ [مجمع الزوائد (۲۲/۷)]

کیں نیکیاں چھوڑیں تو تمہیں کوئی نقصان نہیں۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ حضرت کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس کا وقت وہ ہے جب مسجد دمشق کا کلیسا ڈھا دیا جائے اور تعصب بڑھ جائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ حِيْنَ الْوَصِيَّةِ اثْنٰنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ اَوْ اٰخَرٰنِ مِنْ غَيْرِكُمْ اِنْ اَنْتُمْ ضَرَبْتُمْ فِي الْاَرْضِ فَاَصَابَتْكُمْ مُّصِيْبَةُ الْمَوْتِ ۭ تَحْبِسُوْنَهُمَا مِنْۢ بَعْدِ الصَّلٰوةِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ اِنِ ارْتَبْتُمْ لَا نَشْتَرِيْ بِهٖ ثَمَنًا وَّلَوْ كَانَ ذَا قُرْبٰى ۙ وَلَا نَكْتُمُ شَهَادَةَ اللّٰهِ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الْاٰثِمِيْنَ ۝١٠٦ فَاِنْ عُثِرَ عَلٰٓي اَنَّهُمَا اسْتَحَقَّآ اِثْمًا فَاٰخَرٰنِ يَقُوْمٰنِ مَقَامَهُمَا مِنَ الَّذِيْنَ اسْتَحَقَّ عَلَيْهِمُ الْاَوْلَيٰنِ فَيُقْسِمٰنِ بِاللّٰهِ لَشَهَادَتُنَآ اَحَقُّ مِنْ شَهَادَتِهِمَا وَمَا اعْتَدَيْنَآ ښ اِنَّآ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝١٠٧ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِالشَّهَادَةِ عَلٰي وَجْهِهَآ اَوْ يَخَافُوْٓا اَنْ تُرَدَّ اَيْمَانٌۢ بَعْدَ اَيْمَانِهِمْ ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاسْمَعُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝١٠٨ۧ

ایمان والو تم میں سے کسی کی موت کا وقت جب آ جائے اور وہ وصیت کرنے لگے تو دو مسلمان عادل گواہ ہونے چاہئیں ہاں اگر تم سفر میں ہو اور وہیں موت کی مصیبت آ جائے تو دو غیر مسلم گواہ ہی سہی، اگر تمہیں ان کی صداقت میں کوئی شک وشبہ ہو تو انہیں نماز کے بعد ٹھہرا لو وہ اللہ کی قسم کھا کر کہیں کہ ہم اپنی قسموں کو مال پر نہیں بیچتے، گو قرابت دار ہی ہو اور نہ ہم اللہ لگتی گواہی کو چھپاتے ہیں۔ اگر ہم ایسا کریں تو بیشک ہم بھی مجرم ○ پھر اگر معلوم ہو جائے کہ ان دونوں نے ناجائز طور پر حق دبا لیا ہے تو ان کے قائم مقام دو اور شخص کھڑے ہوں جن کا حق دبا ہے جو بہت نزدیک کے رشتہ دار ہیں یہ دونوں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا کر کہیں کہ اگلے دو گواہوں سے ہماری گواہی زیادہ معتبر ہے اور ہم نے کوئی کمی زیادتی نہیں کی اگر ہم نے ایسا کیا ہو تو ہم بھی ظالم ○ یہی صورت قرین قیاس ہے کہ گواہ اپنی گواہی کو مطابق واقعہ ادا کریں اور انہیں خوف رہے کہ ہماری قسمیں ان کی قسموں کے بعد الٹی پھیر دی جائیں گی۔ لوگو اللہ کا خوف رکھو اور اس کے احکام سنتے رہو اللہ تعالیٰ بدکاروں کی رہبری نہیں فرماتا ○

گواہی کے چند مسائل: بعض لوگوں نے اس آیت کے عزیز حکم کو منسوخ کہا ہے لیکن اکثر حضرات اس کے خلاف ہیں ﴿اِثْنَانِ﴾ خبر ہے۔ اس کی تقدیر ﴿شَهَادَةُ اثْنَيْنِ﴾ ہے مضاف کو حذف کر کے مضاف الیہ اس کے قائم مقام کر دیا گیا ہے یا دلالت کلام کی بنا پر فعل محذوف کر دیا گیا ہے یعنی ﴿اَنْ يَّشْهَدَ اِثْنَانِ۔ ذَوَا عَدْلٍ﴾ صفت ہے۔ ﴿مِنْكُمْ﴾ سے مراد مسلمانوں میں سے ہونا یا وصیت کرنے والے کے اہل میں سے ہونا ہے۔ ﴿مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ سے مراد اہل کتاب ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿مِنْكُمْ﴾ سے مراد قبیلہ میت اور ﴿مِنْ غَيْرِكُمْ﴾ سے مراد اس کے قبیلے کے سوا۔ شرطیں دو ہیں ایک مسافر کے سفر میں ہونے کی صورت میں

موت کے وقت وصیت کے لیے غیر مسلم کی گواہی چل سکتی ہے۔ حضرت شریح سے یہی مروی ہے۔ امام احمد رحمہ اللہ بھی یہی فرماتے ہیں اور تینوں امام خلاف ہیں۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ ذمی کافروں کی گواہی آپس میں ایک دوسرے پر جائز مانتے ہیں۔ زہری رحمہ اللہ کا قول ہے کہ سنت جاری ہو چکی ہے کہ کافر کی شہادت جائز نہیں نہ سفر میں نہ حضر میں۔ ابن زید کہتے ہیں کہ یہ آیت اس شخص کے بارے میں اتری ہے جس کی موت کے وقت اس کے پاس کوئی مسلمان نہ تھا یہ ابتدائے اسلام کا وقت تھا جبکہ زمین کافروں سے بھری تھی اور وصیت سے ورثہ بٹتا تھا۔ ورثے کے احکام نازل نہیں ہوئے تھے۔ پھر وصیت منسوخ ہوگئی ورثے کے احکام اترے اور لوگوں نے ان پر عمل درآمد شروع کر دیا۔ پھر یہ بھی کہ ان دونوں غیر مسلموں کو وصی بنایا جائے گا یا گواہ؟ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ یہ حکم اس شخص کے بارے میں ہے جو سفر میں ہو اور وہیں اجل آجائے اور مال اس کے پاس ہو پس اگر دو مسلمان اسے مل جائیں تو انہیں اپنا مال سونپ دے اور دو گواہ مسلمان مقرر کر لے۔ اس قول کے مطابق تو یہ دونوں وصی ہوئے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ یہ دونوں گواہ ہوں گے۔ آیت کے الفاظ کا ظاہر مطلب بھی یہی معلوم ہوتا ہے۔ ہاں جس صورت میں ان کے ساتھ اور گواہ نہ ہوں تو یہی وصی ہوں گے اور یہی گواہ بھی ہوں گے امام ابن جریر رحمہ اللہ نے ایک مشکل اس میں یہ بیان کی ہے کہ شریعت کے کسی حکم میں گواہ پر قسم نہیں۔ لیکن ہم کہتے ہیں یہ ایک حکم ہے جو مستقل طور پر بالکل علیحدہ صورت میں ہے اور احکام کا قیاس اس پر جاری نہیں ہے۔ یہ ایک خاص شہادت خاص موقعہ کی ہے اس میں اور بھی بہت سی ایسی باتیں ہیں جو دوسرے احکام میں نہیں۔ پس شک کے قرینے کے وقت اس آیت کے حکم کے مطابق ان گواہوں پر قسم لازم آتی ہے "نماز کے بعد ٹھہرالو"۔ سے مطلب نماز عصر کے بعد ہے۔ ایک قول یہ بھی ہے کہ نماز سے مراد مسلمانوں کی نماز ہے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ ان کے مذہب کی نماز۔ مقصود یہ ہے کہ انہیں نماز کے بعد لوگوں کی موجودگی میں کھڑا کیا جائے اور اگر خیانت کا شک ہو تو ان سے قسم اٹھوائی جائے وہ کہیں کہ اللہ کی قسم ہم اپنی قسموں کو کسی قیمت بیچنا نہیں چاہتے۔ دنیوی مفاد کی بنا پر جھوٹی قسم نہیں کھاتے چاہے ہماری قسم سے کسی ہمارے قریبی رشتہ دار کو نقصان پہنچ جائے تو پہنچ جائے لیکن ہم جھوٹی قسم نہیں کھائیں گے۔ اور نہ ہم سچی گواہی چھپائیں گے۔ اس گواہی کی نسبت اللہ کی طرف اس کی عزت وعظمت کے اظہار کے لیے ہے بعض نے اسے قسم کی بنا پر مجرور پڑھا ہے لیکن مشہور قرات پہلی ہی ہے۔ وہ ساتھ ہی یہ بھی کہیں کہ اگر ہم شہادت کو بدلیں یا الٹ پلٹ کریں یا کچھ حصہ چھپالیں تو ہم بھی گنہگار۔

پھر اگر یہ مشہور ہو یا ظاہر ہو جائے یا اطلاع مل جائے کہ ان دونوں نے مرنے والے کے مال میں سے کچھ چرالیا یا کسی قسم کی خیانت کی ﴿اَوْلَيٰنِ﴾ کی دوسری قرات ﴿اَوَّلَانِ﴾ بھی ہے مطلب یہ ہے کہ جب کسی خبر صحیح سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ان دونوں نے کوئی خیانت کی ہے تو میت کے وارثوں میں سے جو میت کے زیادہ نزدیک ہوں وہ دو شخص کھڑے ہوں اور حلفیہ بیان دیں کہ ہماری شہادت ہے کہ انہوں نے چرایا اور یہی زیادہ حق زیادہ صحیح اور پوری سچی بات ہے۔ ہم ان پر جھوٹ نہیں باندھتے اگر ہم ایسا کریں تو ہم ظالم۔ یہ مسئلہ اور قسامت کا مسئلہ اس

بارے میں بہت ملتا جلتا ہے۔ اس میں بھی مقتول کے اولیاء قسمیں کھاتے ہیں۔ تمیم داری سے منقول ہے کہ اور لوگ اس سے بری ہیں صرف میں اور عدی بن بداء اس سے متعلق ہیں۔ یہ دونوں نصرانی تھے اسلام سے پہلے ملک شام میں بغرض تجارت آتے جاتے تھے بنو سہم کے مولی بدیل بن ابو مریم بھی مال تجارت لے کر شام کے ملک گئے ہوئے تھے۔ ان کے ساتھ ایک چاندی کا جام تھا' جسے وہ خاص بادشاہ کے ہاتھ فروخت کرنے کے لیے لے جا رہے تھے۔ اتفاقاً وہ بیمار ہو گئے ان دونوں کو وصیت کی اور مال سونپ دیا کہ یہ میرے وارثوں کو دے دینا اس کے مرنے کے بعد ان دونوں نے وہ جام تو مال سے الگ کر دیا اور ایک ہزار درہم میں بیچ کر آدھوں آدھ بانٹ لیا باقی مال واپس لا کر بدیل کے رشتہ داروں کو دے دیا۔ انہوں نے پوچھا کہ چاندی کا جام کیا ہوا؟ دونوں نے جواب دیا ہمیں کیا خبر؟ ہمیں تو جو دیا تھا وہ ہم نے تمہیں دے دیا۔ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینے میں آئے اور اسلام نے مجھ پر اثر کیا۔ میں مسلمان ہو گیا تو میرے دل میں خیال آیا کہ یہ انسانی حق مجھ پر رہ جائے گا اور اللہ تعالیٰ کے ہاں میں پکڑا جاؤں گا تو میں بدیل کے وارثان کے پاس آیا اور انہیں پورے واقعہ کی اطلاع دی اور پانچ سو درہم جو میں نے لیے تھے ان کے حوالے کر دیئے۔ اب یہ لوگ عدی کے پاس پہنچے اور اس سے کہا پانچ سو درہم جو تو نے لے لیے ہیں وہ بھی واپس کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ اس سے قسم لی جائے اس پر یہ آیت اتری اور عمرو بن عاص نے اور ان میں سے ایک اور شخص نے قسم کھائی عدی بن براء کو پانچ سو درہم دینے پڑے [1] (ترمذی) ایک روایت میں ہے کہ عدی جھوٹی قسم بھی کھا گیا تھا اور روایت میں ہے کہ اس وقت ارض شام کے اس حصے میں کوئی مسلمان نہ تھا۔ یہ جام چاندی کا تھا اور سونے سے منڈھا ہوا تھا اور مکے میں سے جام خریدا گیا تھا جہاں سے ملا تھا انہوں نے بتایا تھا کہ ہم نے اسے تمیم اور عدی سے خریدا ہے اب میت کے دو وارث کھڑے ہوئے اور قسم کھائی۔ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے [2] ایک روایت میں ہے کہ قسم عصر کی نماز کے بعد کھائی تھی۔ ابن جریر میں ہے کہ ایک مسلمان کی وفات کا موقعہ سفر میں آیا' جہاں کوئی مسلمان اسے نہ ملا تو اس نے اپنی وصیت پر دو اہل کتاب گواہ رکھے۔ ان دونوں نے کوفے میں آ کر حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کے سامنے شہادت دی وصیت بیان کی اور ترکہ پیش کیا حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے فرمایا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد یہ واقعہ پہلا ہے۔ پس عصر کی نماز کے بعد ان سے قسم لی کہ نہ انہوں نے خیانت کی ہے' نہ جھوٹ بولا ہے' نہ بدلا ہے' نہ چھپایا

---

[1] [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة المائدة (۳۰۵۹) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۲۳۰/٤) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۸٦/۱۱)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف کہا ہے کیونکہ اس میں محمد بن سائب کلبی راوی متروک ہے۔]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الوصایا : باب قول اللّٰه تعالی یایها الذین امنوا شهادة بینکم (۲۷۸۰) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة المائدة (۳۰٦۰) ابو داؤد : کتاب القضآء : باب شهادة اهل الذمة وفی الوصية والسفر حدیث (۳٦۰٦)]

ہے، نہ الٹ پلٹ کیا ہے بلکہ سچی وصیت اور پورا تر کہ انہوں نے پیش کر دیا ہے آپ نے ان کی شہادت کو مان لیا۔ [1] حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ کے فرمان کا مطلب یہی ہے کہ ایسا ہی واقعہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تمیم اور عدی کا ہوا تھا اور اب یہ دوسرا اس قسم کا واقعہ ہے۔ حضرت تمیم بن اوس داری رضی اللہ عنہ کا اسلام سنہ ۹ ہجری کا ہے اور یہ آخری زمانہ ہے۔ سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں لازم ہے کہ موت کے وقت وصیت کرے اور دو گواہ رکھے اگر سفر میں ہے اور مسلمان نہیں ملتے تو خیر غیر مسلم ہی سہی۔ انہیں وصیت کرے اپنا مال سونپ دے۔ اگر میت کے وارثوں کا اطمینان ہو جائے تو خیر آئی گئی بات ہوئی ورنہ سلطان اسلام کے سامنے وہ مقدمہ پیش کر دیا جائے۔ اوپر جو واقعہ بیان ہوا اس میں یہ بھی ہے کہ جب حضرت ابو موسیٰ رضی اللہ عنہ نے ان سے عصر کے بعد قسم لینی چاہی تو آپ سے کہا گیا کہ انہیں عصر کے بعد کی کیا پرواہ؟ ان سے ان کی نماز کے وقت قسم لی جائے اور ان سے کہا جائے کہ اگر تم نے کچھ چھپایا یا خیانت کی تو ہم تمہیں تمہاری قوم میں رسوا کر دیں گے اور تمہاری گواہی کبھی بھی قبول نہ کی جائے گی اور تمہیں سنگین سزا دی جائے گی۔ بہت ممکن ہے کہ اس طرح ان کی زبان سے حق بات معلوم ہو جائے پھر بھی اگر شک شبہ رہ جائے اور کسی اور طریق سے ان کی خیانت معلوم ہو جائے تو مرحوم کے دو مسلمان وارث قسمیں کھائیں کہ ان کافروں کی شہادت غلط ہے تو ان کی شہادت غلط مان لی جائے گی اور ان سے ثبوت لے کر فیصلہ کر دیا جائے گا۔ پھر بیان ہوتا ہے کہ اس صورت میں فائدہ یہ ہے کہ شہادت ٹھیک ٹھیک آ جائے گی۔ ایک تو اللہ کی قسم کا لحاظ ہو گا دوسرے لوگوں میں رسوا ہونے کا ڈر رہے گا۔ لوگو! اللہ تعالیٰ سے اپنے سب کاموں میں ڈرتے رہو اس کی باتیں سنتے رہو اور مانتے چلے جاؤ۔ جو لوگ اس کے فرمان سے ہٹ جائیں اور اس کے احکام کے خلاف چلیں وہ راہ راست نہیں پاتے۔

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ۭ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

جس دن اللہ تعالیٰ رسولوں کو جمع کر کے دریافت فرمائے گا کہ تم کیا جواب دیئے گئے؟ وہ کہیں گے اے اللہ ہمیں کچھ علم نہیں، بیشک تو تمام چھپی ہوئی باتوں کا بخوبی جاننے والا ہے ○

جس روز انبیاء علیہم السلام سے سوال ہو گا: اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے کہ رسولوں سے قیامت کے دن سوال ہو گا کہ تمہاری امتوں نے تمہیں مانا یا نہیں؟ جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [2] یعنی رسولوں سے بھی اور ان کی امتوں سے بھی ہم ضرور دریافت فرمائیں گے۔ اور جگہ ارشاد ہے ﴿فَوَرَبِّكَ لَنَسْـَٔلَنَّهُمْ اَجْمَعِيْنَ﴾ [3] الخ، تیرے رب کی قسم ہم

---

[1] [ضعیف: ابوداؤد: كتاب القضاء: باب شهادة اهل الذمة وفى الوصية فى السفر (٣٦٠٥) تفسير ابن جرير الطبرى (١٢٩٥٢)، (١٧٤/١١) الدر المنثور للسيوطى (٦٠٤/٢)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود] حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں زکریا بن ابی زائدہ راوی مدلس ہے اور تصریح بالسماع ثابت نہیں۔]

[2] [سورة الاعراف: آيت ٦]

[3] [سورة الحجر: آيت ٩٢، ٩٣]

سب سے ان کے اعمال کا سوال ضرور ضرور کریں گے۔ رسولوں کا یہ جواب کہ ہمیں مطلق علم نہیں اس دن کی ہول و دہشت کی وجہ سے ہوگا۔ گھبراہٹ کی وجہ سے کچھ جواب بن نہ پڑے گا۔ یہ وہ وقت ہوگا کہ عقل جاتی رہے گی پھر دوسری منزل میں ہر نبی اپنی اپنی امت پر گواہی دے گا۔ ایک مطلب اس آیت کا یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ سوال کی غرض یہ ہے کہ تمہاری امتوں نے تمہارے بعد کیا کیا عمل کیے اور کیا کیا نئی باتیں نکالیں؟ تو وہ ان سے اپنی لاعلمی ظاہر کریں گے۔ یہ معنی بھی درست ہو سکتے ہیں کہ ہمیں کوئی ایسا علم نہیں جو اے جناب باری تیرے علم میں نہ ہو۔ حقیقتاً یہ قول بہت ہی درست ہے کہ اللہ کے علم کے مقابلے میں بندے محض بے علم ہیں۔ تقاضائے ادب اور طریقہ گفتگو یہی مناسب مقام ہے۔ گو انبیاء علیہم السلام جانتے تھے کہ کس کس نے ہماری نبوت کو ہمارے زمانے میں تسلیم کیا لیکن چونکہ وہ ظاہر کے دیکھنے والے تھے اور رب عالم باطن میں ہے اس لیے ان کا یہی جواب بالکل درست ہے کہ ہمیں حقیقی علم مطلقاً نہیں تیرے علم کی نسبت تو ہمارا علم محض لاعلمی ہے حقیقی عالم تو صرف ایک تو ہی ہے۔

وقف لازم

اِذْ قَالَ اللّٰهُ یٰعِیْسَى ابْنَ مَرْیَمَ اذْكُرْ نِعْمَتِیْ عَلَیْكَ وَعَلٰى وَالِدَتِكَ ۘ اِذْ اَیَّدْتُّكَ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۗ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِی الْمَهْدِ وَكَهْلًا ۚ وَاِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَالتَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِیْلَ ۚ وَاِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّیْنِ كَهَیْـَٔةِ الطَّیْرِ بِاِذْنِیْ فَتَنْفُخُ فِیْهَا فَتَكُوْنُ طَیْرًۢا بِاِذْنِیْ وَتُبْرِئُ الْاَكْمَهَ وَالْاَبْرَصَ بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتٰى بِاِذْنِیْ ۚ وَاِذْ كَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ عَنْكَ اِذْ جِئْتَهُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ اِنْ هٰذَاۤ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ ﴿۱۱۰﴾ وَاِذْ اَوْحَیْتُ اِلَى الْحَوَارِیّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ وَبِرَسُوْلِیْ ۚ قَالُوْۤا اٰمَنَّا وَاشْهَدْ بِاَنَّنَا مُسْلِمُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

جس وقت اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے عیسیٰ بن مریم میرے ان احسانوں کو یاد کرو جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کیے ہیں' جبکہ میں نے روح القدس سے تیری تائید کی تو گہوارے میں لوگوں سے باتیں کرتا تھا اور ادھیڑ عمر میں بھی' اور جبکہ میں نے تجھے کتاب و حکمت اور توراۃ و انجیل سکھائی' اور جبکہ تو میرے حکم سے جانور کی صورت مٹی سے بناتا تھا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا' اور میرے ہی حکم سے تو مادرزاد اندھوں کو اور کوڑھیوں کو اچھا کر دیتا تھا۔ اور جب تو میرے فرمان سے مردے نکال کھڑے کرتا تھا' اور جبکہ میں نے بنی اسرائیل کی ایذاؤں کو تجھ سے ہٹا دیا جبکہ تو ان کے پاس دلیلیں لایا اور ان میں جو کفار تھے انہوں نے صاف کہہ دیا تھا کہ یہ تو محض کھلا کھلا جادو ہی ہے ○ اس وقت میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ وہ مجھے اور میرے رسول کو مان لیں تو ان سب نے کہہ دیا کہ ہم یقین لائے اور تو گواہ رہ کہ ہم سب حکم بردار ہیں ○

عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات: جناب مسیح علیہ الصلوٰۃ والسلام پر جو احسانات تھے ان کا اور آپ کے معجزوں کا بیان ہو رہا

ہے کہ بغیر باپ کے صرف ماں سے آپ کو پیدا کیا اور اپنی کمال قدرت کا نشان آپ کو بنایا۔ پھر آپ کی والدہ پر احسان کیا کہ ان کی برات اسی بچے کے منہ سے کرائی اور جس برائی کی نسبت ان کی طرف بیہودہ لوگ کر رہے تھے اللہ نے آج کے پیدا شدہ بچے کی زبان سے ان کی پاک دامنی کی شہادت اپنی قدرت سے دلوائی۔ جبرئیل علیہ السلام کو اپنے نبی کی تائید پر مقرر کر دیا۔ بچپن میں اور بڑی عمر میں انہیں اپنی دعوت دینے والا بنایا گیا۔ گہوارے میں ہی بولنے کی طاقت عطا فرمائی' اپنی والدہ محترمہ کی برات ظاہر کر کے اللہ کی عبودیت کا اقرار کیا اور اپنی رسالت کی طرف لوگوں کو بلایا۔ مراد کلام کرنے سے اللہ کی طرف بلانا ہے ورنہ بڑی عمر میں کلام کرنا کوئی خاص بات یا تعجب کی چیز نہیں۔ لکھنا اور سمجھنا آپ کو سکھایا۔ تورات جو کلیم اللہ پر اتری تھی اور انجیل جو آپ پر نازل ہوئی دونوں کا علم آپ کو سکھایا۔ آپ مٹی سے پرند کی صورت بناتے پھر اس میں دم کر دیتے تو وہ اللہ کے حکم سے چڑیا بن کر اڑ جاتا۔ اندھوں اور کوڑھیوں کے بھلا چنگا کرنے کی پوری تفسیر سورۂ آل عمران میں گذر چکی ہے۔ مردوں کو آپ بلاتے تو وہ بحکم الٰہی زندہ ہو کر اپنی قبروں سے اٹھ کر آ جاتے۔ ابو ہذیل فرماتے ہیں جب حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کسی مردے کے زندہ کرنے کا ارادہ کرتے تو دو رکعت نماز ادا کرتے پہلی میں سورہ تبارک اور دوسری میں سورہ الم تنزیل السجدہ پڑھتے پھر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا پڑھتے اور اس کے سات نام لیتے جو یہ ہیں یا قدیم' یا خفی' یا دائم' یا فرد' یا وتر' یا احد' یا صمد اور جب آپ کو کوئی سختی پہنچتی تو آپ اللہ تعالیٰ کے سات نام اور لیتے **یا حی' یا قیوم' یا اللہ' یا رحمن' یا رحیم' یا ذوالجلال والاکرام' یا نُورُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَرَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيْمِ یا رب** [1] یہ اثر بڑا زبردست اور عظمت والا ہے۔ اور میرے اس احسان کو بھی یاد کرو کہ جب تم دلائل و براہین لے کر اپنی امت کے پاس آئے اور ان میں سے جو کافر تھے انہوں نے اسے جادو بتایا اور در پے آزار ہوئے تو ان کے شر سے میں نے تمہیں بچا لیا۔ انہوں نے قتل کرنا چاہا' سولی دینا چاہی لیکن میں ہمیشہ تیرا کفیل وحفیظ رہا اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ احسان آپ کے آسمان پر چڑھا لینے کے بعد کے ہیں یا یہ کہ یہ خطاب آپ سے بروز قیامت ہوگا اور ماضی کے صیغہ سے اس کا بیان اس کے پختہ اور یقینی ہونے کے سبب ہے۔ یہ غیبی اسرار میں سے ہے جس پر اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو مطلع فرما دیا۔

پھر اپنا ایک اور احسان بتایا کہ میں نے تیرے مددگار اور ساتھی بنا دیئے۔ حواریوں کے دل میں الہام اور القا کیا۔ یہاں بھی لفظ وحی کا اطلاق ویسا ہی ہے جیسا ام موسیٰ کے بارے میں ہے اور شہد کی مکھی کے بارے میں ہے۔ انہوں نے الہام رب پر عمل کیا۔ یہ مطلب بھی ہوسکتا ہے کہ میں نے تیری زبانی ان تک اپنی وحی پہنچائی اور انہیں قبولیت کی توفیق دی۔ تو انہوں نے مان لیا اور کہہ دیا کہ ہم تو مسلمین یعنی تابع فرمان اور حکم بردار ہیں۔

---

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (١٢٤١/٤)]

اِذْ قَالَ الْحَوَارِيُّوْنَ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبُّكَ اَنْ يُّنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ ؕ قَالَ اتَّقُوا اللّٰهَ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۲﴾ قَالُوْا نُرِيْدُ اَنْ نَّاْكُلَ مِنْهَا وَ تَطْمَئِنَّ قُلُوْبُنَا وَ نَعْلَمَ اَنْ قَدْ صَدَقْتَنَا وَ نَكُوْنَ عَلَيْهَا مِنَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۱۱۳﴾ قَالَ عِيْسَى ابْنُ مَرْيَمَ اللّٰهُمَّ رَبَّنَآ اَنْزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ السَّمَآءِ تَكُوْنُ لَنَا عِيْدًا لِّاَوَّلِنَا وَ اٰخِرِنَا وَ اٰيَةً مِّنْكَ ۚ وَارْزُقْنَا وَ اَنْتَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ قَالَ اللّٰهُ اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ بَعْدُ مِنْكُمْ فَاِنِّىْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۱۵﴾ ع

جبکہ حواریوں نے کہا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تیرے رب سے یہ ہوسکتا ہے کہ ہم پر آسمان سے کوئی خوان نازل فرمائے؟ آپ نے جواب دیا کہ اگر تم باایمان ہو تو اللہ سے ڈرتے رہو ○ انہوں نے کہا ہم چاہتے ہیں وہ اس خوان میں سے ہم کھائیں اور ہمارے دلوں کو تسکین حاصل ہو اور ہمیں آپ کی صداقت کا بھی یقین ہو جائے اور اس پر ہم خود بھی گواہ بن جائیں ○ حضرت عیسیٰ بن مریم نے دعا کی اے معبود برحق اے ہمارے پروردگار تو ہم پر آسمان سے کھانے بھرا خوان اتار تاکہ وہ ہمارے لیے اور ہمارے اگلوں پچھلوں کے لیے عید ہو جائے اور تیری ایک خاص نشانی بن جائے اے اللہ تو ہمیں روزی دے اور تو بہترین روزی رساں ہے ○ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اچھا میں اسے تمہارے لیے نازل فرماؤں گا، لیکن یہ یاد رہے کہ اس کے بعد تم میں سے جو ناشکری کرے گا میں اسے وہ سزا دوں گا جو دنیا میں کسی کو نہ دی ہو ○

دسترخوان کے نزول کا واقعہ: یہ مائدہ کا واقعہ ہے اور اسی کی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ مائدہ ہے یہ بھی جناب مسیح علیہ السلام کی نبوت کی ایک زبردست دلیل اور آپ کا ایک اعلیٰ معجزہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی دعا سے آسمانی دسترخوان اتارا اور آپ کی سچائی ظاہر کی۔ بعض ائمہ نے فرمایا ہے کہ اس کا ذکر موجودہ انجیل میں نہیں عیسائیوں نے اسے مسلمانوں سے لیا ہے واللہ اعلم۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ماننے والے آپ سے تمنا ظاہر کرتے ہیں کہ اگر ہوسکے تو اللہ تعالیٰ سے ایک خوان کھانے سے بھرا ہوا طلب کیجیے ایک قرات میں ((هَلْ يَسْتَطِيْعُ رَبَّكَ)) یعنی کیا آپ سے یہ ہوسکتا ہے؟ کہ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں؟ مائدہ کہتے ہیں اس دسترخوان کو جس پر کھانا رکھا ہوا ہو۔ بعض لوگوں کا بیان ہے کہ انہوں نے بوجہ فقر و فاقہ، تنگی اور حاجت کے یہ سوال کیا تھا۔ جناب مسیح علیہ السلام نے ان سے فرمایا کہ اللہ پر بھروسہ رکھو اور رزق کی تلاش کرو، ایسے انوکھے سوالات نہ کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ فتنہ ہو جائے اور تمہارے ایمان ڈگمگا جائیں۔

انہوں نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول علیہ السلام ہم تو کھانے پینے سے تنگ ہو رہے ہیں محتاج ہو گئے ہیں اس سے ہمارے دل مطمئن ہو جائیں گے کیونکہ ہم اپنی آنکھوں سے اپنی روزیاں آسمان سے اترتی خود دیکھ لیں گے۔ اسی طرح آپ پر جو ایمان ہے وہ بھی بڑھ جائے گا، آپ کی رسالت کو یوں تو ہم مانتے ہی ہیں لیکن یہ دیکھ کر ہمارا

یقین اور بڑھ جائے گا اور اس پر خود ہم گواہ بن جائیں گے' اللہ کی قدرت اور آپ کے معجزہ کی یہ ایک روشن دلیل ہو گی جس کی شہادت ہم خود دیں گے اور یہ آپ کی نبوت کی کافی دلیل ہوگی۔

اب حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ عید ہونے سے مراد تو عید کا دن ہونا ہے یا نماز گذارنے کا دن ہونا ہے۔ یا اپنے بعد والوں کے لیے یادگار کا دن ہونا ہے یا اپنی اور اپنے بعد کی نسلوں کے لیے نصیحت وعبرت ہونا ہے یا اگلوں پچھلوں کے لیے کافی وافی ہونا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں یا اللہ یہ تیری قدرت کی ایک نشانی ہوگی اور میری سچائی کی بھی کہ تو نے میری دعا قبول فرمالی۔ پس لوگوں تک ان باتوں کو جو تیرے نام سے ہیں انہیں پہنچاؤں گا یقین کرلیا کریں گے۔ یا اللہ تو ہمیں یہ روزی بغیر مشقت وتکلیف کے محض اپنے فضل وکرم سے عطا فرما۔ تو تو بہترین رازق ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دعا کی قبولیت کا وعدہ فرمالیا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمادیا کہ اس کے اترنے کے بعد تم میں سے جو کوئی بھی جھٹلائے گا اور کفر کرے گا تو میں اسے وہ عذاب دوں گا جو تمہارے زمانے میں کسی اور کو نہ دیا ہو۔ جیسے آل فرعون کو قیامت کے دن کہا جائے گا کہ تم سخت تر عذاب میں داخل ہو جاؤ۔ اور جیسے منافقوں کے لیے جہنم کا سب سے نیچے کا طبقہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ قیامت کے دن بدترین عذاب تین قسم کے لوگوں کو ہوگا۔ منافقوں کو اور مائدہ آسمانی کے بعد انکار کرنے والوں کو اور فرعونیوں کو۔

اب ان روایات کو سنیے جو اس بارے میں سلف سے مروی ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل سے فرمایا کہ تم اللہ کے لیے ایک مہینے کے روزے رکھو پھر رب سے دعا کرو وہ قبول فرمائے گا انہوں نے تیس روزے پورے کر کے کہا اے بھلائیوں کے بتانے والے ہم اگر کسی کا کام ایک ماہ کامل کرتے تو وہ بعد فراغت ضرور ہماری دعوت کرتا تو آپ بھی اللہ سے بھرے ہوئے خوان کے آسمان سے اترنے کی دعا کیجیے حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے پہلے تو انہیں سمجھایا لیکن ان کی نیک نیتی کے اظہار پر اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی ساتھ ہی دھمکا بھی دیا۔ پھر فرشتوں کے ہاتھوں آسمان سے خوان نعمت اتارا' جس پر سات مچھلیاں تھیں سات روٹیاں تھیں۔ جہاں یہ تھے وہیں وہیں ان کے کھانے کو رکھ گئے سب بیٹھ گئے اور شکم سیر ہو کر اٹھے۔ ابن ابی حاتم کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ اس مائدہ آسمانی میں گوشت روٹی اترا تھا حکم تھا کہ خیانت نہ کریں' کل کے لیے نہ لے جائیں لیکن انہوں نے حکم کی خلاف ورزی کی۔ لے بھی گئے اور چرا بھی لیا' جس کی سزا میں وہ سور بندر بن گئے۔ [1] حضرت عمار رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اس میں جنت کے میوے تھے۔ آپ فرماتے ہیں اگر وہ لوگ خیانت اور ذخیرہ نہ کرتے تو وہ خوان یوں ہی رہتا لیکن شام ہونے سے پہلے ہی انہوں نے چوریاں شروع کر دیں۔

---

[1] [ضعیف ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة المائدة (۳۰۶۱) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۰۰۶) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۲۴۵/۴) الدر المنثور للسیوطی (۶۱۲/۲)] شیخ البانی نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ اس کی سند میں سعید بن ابی عروبہ اور قتادہ راوی مدلس ہیں اور عن سے روایت بیان کر رہے ہیں۔]

پھر سخت عذاب کیے گئے۔ اے عرب بھائیو! یاد کرو تم اونٹوں اور بکریوں کی دمیں مروڑتے تھے۔ اللہ نے تم پر احسان کیا خود تم ہی میں سے رسول کو بھیجا جن سے تم واقف تھے جن کے حسب ونسب سے تم آگاہ تھے' اس رسول علیہ السلام نے تمہیں بتا دیا کہ عجمیوں کے ملک تمہارے ہاتھوں فتح ہوں گے لیکن خبردار تم سونے چاندی کے خزانوں کے درپے نہ ہو جانا لیکن واللہ دن رات وہی ہیں اور تم وہ نہ رہے' تم نے خزانے جمع کرنے شروع کر دیئے۔ مجھے تو خوف ہے کہ کہیں تم پر بھی اللہ کا عذاب برس نہ پڑے۔ اسحٰق بن عبداللہ فرماتے ہیں جن لوگوں نے مائدہ آسمانی میں سے چرایا ان کا خیال یہ تھا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ ختم ہو جائے اور کل کے لیے ہمارے پاس کچھ نہ رہے۔ مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ جب وہ اترتے ان پر مائدہ اترتا عطیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں گو وہ تھی تو مچھلی لیکن اس میں ذائقہ ہر چیز کا تھا۔ وہب بن منبہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر دن اس مائدہ پر آسمان سے میوے اترتے تھے قسم قسم کی روزیاں کھاتے تھے' چار ہزار آدمی ایک وقت اس پر بیٹھ جاتے پھر اللہ کی طرف سے غذا تبدیل ہو جاتی۔ یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس پر روٹیاں جو کی تھیں۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر سوائے گوشت کے تمام چیزیں تھیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس پر چاول کی روٹی تھی۔ حضرت وہب رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے اس سوال پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام بہت رنجیدہ ہوئے تھے اور فرمایا تھا کہ زمین کے رزق پر قناعت کرو اور آسمانی دسترخوان نہ مانگو اگر وہ اترا تو چونکہ زبردست نشان ہوگا اگر ناقدری کی تو بری طرح پکڑے جاؤ گے۔ ثمودیوں کی ہلاکت کا باعث بھی یہی ہوا کہ انہوں نے اپنے نبی علیہ السلام سے نشان طلب کیا تھا لیکن حواریوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ایک نہ مانی اور اصرار کیا کہ نہیں آپ ضرور دعا کیجیے اب جناب عیسیٰ علیہ السلام اٹھے' صوف کا جبہ اتار دیا' سیاہ بالوں کا لبادہ پہن لیا اور چادر بھی بالوں کی اوڑھ لی' وضو کر کے' غسل کر کے مسجد میں جا کر نماز پڑھ کر' قبلہ کی طرف متوجہ ہو کر کھڑے ہو گئے۔ دونوں پیر ملا لیے' ایک پنڈلی دوسری پنڈلی سے لگا لی' انگلیاں بھی ملا لیں' اپنے سینے پر اپنا داہنا ہاتھ بائیں ہاتھ پر رکھا' نگاہیں زمین میں گاڑ لیں' سر جھکا دیا' اور نہایت خشوع وخضوع سے عاجزانہ طور پر گریہ وزاری شروع کر دی۔ آنسو رخساروں سے بہ کر داڑھی کو تر کر کے زمین پر ٹپکنے لگے یہاں تک کہ زمین بھی تر ہو گئی۔ اب دعا کی جس کا بیان اس آیت میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمایا اور ایک سرخ رنگ کا خوان دو بادلوں کے درمیان آسمان سے اترا' جسے اترتے ہوئے سب نے دیکھا۔ سب تو خوشیاں منا رہے تھے لیکن روح اللہ کانپ رہے تھے' رنگ اڑ گیا تھا اور زار وقطار رو رہے تھے کہ اللہ ہی خیر کرے' ذرا بے ادبی ہوئی تو مارے گئے زبان مبارک سے یہ دعا نکل رہی تھی کہ یا اللہ اسے تو رحمت کا سبب بنا عذاب کا سبب نہ بنا۔ یا اللہ بہت سی عجیب وغریب چیزیں میں نے تجھ سے طلب کیں اور تو نے عطا فرمائیں۔ باری تعالیٰ تو ان نعمتوں کے شکر کی ہمیں توفیق عطا فرما۔ اے پروردگار تو اپنی اس نعمت کو ہمارے لیے سبب غضب نہ بنا' الٰہی تو اسے سلامتی اور عافیت کر' اسے فتنہ اور عذاب نہ کر۔ یہاں تک کہ وہ خوان زمین تک پہنچ گیا اور حضرت عیسیٰ حواری اور عیسائیوں کے سامنے رکھ دیا گیا۔ اس میں سے ایسی پاکیزہ خوشبوئیں آ رہی تھیں کہ کسی دماغ میں ایسی خوشبو اس سے پہلے کبھی نہیں آئی تھی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے اصحاب اسے دیکھ کر سجدے میں گر پڑے' یہودی بھی یہ

سب کچھ دیکھ رہے تھے اور جل بھن رہے تھے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور آپ کے ساتھی اس دستر خوان کے ارد گرد بیٹھ گئے دیکھا کہ اس پر ایک رومال ڈھکا ہوا ہے' مسیح علیہ السلام نے فرمایا کون نیک بخت جرات و ہمت کر کے اسے کھولتا ہے؟ حواریوں نے کہا اے کلمۃ اللہ آپ سے زیادہ حقدار اس کا کون ہے؟ یہ سن کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کھڑے ہوئے' نئے سرے سے وضو کیا' مسجد میں جا کر کئی رکعت نماز ادا کی دیر تک روتے رہے' پھر دعا کی کہ یا اللہ اس کے کھولنے کی اجازت مرحمت ہو اور اسے برکت و رزق بنا دیا جائے۔ پھر واپس آئے اور بسم اللہ خیر الرازقین کہہ کر رومال اٹھا لیا۔ تو سب نے دیکھا کہ ایک بہت بڑی لمبی چوڑی اور موٹی بھنی ہوئی مچھلی ہے۔ جس کے اوپر چھلکا نہیں اور جس میں کانٹے نہیں۔ گھی اس میں سے بہ رہا ہے اسی میں ہر قسم کی سبزیاں بھی ہیں۔ سوائے گندنا اور مولی کے اس کے سر کے پاس سرکہ رکھا ہوا ہے اور دم کے پاس نمک ہے۔ سبزیوں۔ کے پاس پانچ روٹیاں ہیں۔ ایک پر زیتون کا تیل ہے دوسری پر کھجوریں ہیں۔ اور ایک پر پانچ انار ہیں۔ شمعون نے جو حواریوں کے سردار تھے کہا کہ اے روح اللہ یہ دنیا کا کھانا ہے یا جنت کا؟ آپ نے فرمایا ابھی تک تمہارے سوال ختم نہیں ہوئے؟ ابھی تک کریدنا باقی ہی ہے؟ واللہ مجھے تو ڈر لگ رہا ہے کہ کہیں اس پر تمہیں کوئی عذاب نہ ہو۔ حضرت شمعون نے کہا اسرائیل کے معبود برحق کی قسم میں کسی سرکشی کی بنا پر نہیں پوچھ رہا۔ اے سچی ماں کے اچھے بیٹے! یقین مانئے کہ میری نیت بد نہیں۔ آپ نے فرمایا نہ یہ طعام دنیا ہے نہ طعام جنت بلکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص حکم سے اسے آسمان و زمین کے درمیان اسی طرح کا پیدا کر دیا ہے اور تمہارے پاس بھیج دیا ہے' اب اللہ کا نام لے کر کھاؤ اور کھا کر اس کا شکر ادا کرو شکر گزاروں کو وہ زیادہ دیتا ہے اور وہ ابتداءً پیدا کرنے والا اور قدردان ہے۔ شمعون نے کہا اے نبی اللہ ہم چاہتے ہیں کہ اس نشان قدرت میں ہی اور نشان قدرت دیکھیں۔ آپ نے فرمایا سبحان اللہ گویا ابھی تم نے کوئی نشان قدرت دیکھا ہی نہیں؟ اچھا لو دیکھو یہ کہہ کر آپ نے اس مچھلی سے فرمایا اے مچھلی اللہ کے حکم سے جیسی تو زندہ تھی' زندہ ہو جا۔ اسی وقت اللہ کی قدرت سے وہ زندہ ہو گئی اور ہل جل کر چلنے پھرنے لگی' آنکھیں چمکنے لگیں' دیدے کھل گئے اور شیر کی طرح منہ پھاڑنے لگی اور اس کے جسم پر کھپرے بھی آ گئے۔ یہ دیکھتے ہی تمام حاضرین ڈر گئے اور ادھر ادھر ہٹنے اور دبکنے لگے۔ آپ نے فرمایا دیکھو تو خود ہی نشان طلب کرتے ہو خود ہی اسے دیکھ کر گھبراتے ہو واللہ مجھے ڈر لگتا ہے کہ یہ مائدہ آسمانی تمہارے لیے غضب اللہ کا نمونہ نہ بن جائے۔ اے مچھلی تو بحکم الٰہی جیسی تھی' ویسی ہی ہو جا۔ چنانچہ اسی وقت وہ ویسی ہی ہو گئی۔ اب سب نے کہا کہ اے نبی اللہ آپ اسے کھانا شروع کیجیے اگر آپ کو کوئی برائی نہ پہنچے تو ہم بھی کھا لیں گے۔ آپ نے فرمایا معاذ اللہ وہی پہلے کھائے جس نے مانگی ہے۔ اب تو سب کے دلوں میں دہشت بیٹھ گئی کہ کہیں اس کے کھانے سے کسی وبال میں نہ پڑ جائیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ دیکھ کر فقیروں کو مسکینوں کو اور بیماروں کو بلا لیا اور حکم دیا کہ تم کھانا شروع کر دو یہ تمہارے رب کی دی ہوئی روزی ہے جو تمہارے نبی کی دعا سے اتری ہے۔ اللہ کا شکر کر دکھاؤ تمہیں مبارک ہو اس کی پکڑ اوروں پر ہو گی۔ تم بسم اللہ پڑھ کر کھانا شروع کرو اور الحمد للہ پر ختم کرو۔ پس تیرہ سو آدمیوں نے بیٹھ کر پیٹ بھر کر کھانا کھایا لیکن وہ کھانا مطلقاً کم نہیں ہوا تھا پھر

سب نے دیکھا وہ دسترخوان آسمان پر چڑھ گیا وہ کل فقیر غنی ہو گئے وہ تمام بیمار تندرست ہو گئے اور ہمیشہ تک امیری اور صحت والے رہے۔ حواری اور صحابی سب کے سب بڑے ہی نادم ہوئے اور مرتے دم تک حسرت وافسوس کرتے رہے۔ آپ فرماتے ہیں اس کے بعد جب یہ دسترخوان اترتا تو بنی اسرائیل ادھر سے ادھر دوڑتے بھاگے آتے کیا چھوٹا' کیا بڑا' کیا امیر' فقیر' تندرست' کیا مریض ایک بھیڑ لگ جاتی ایک دوسرے پر گرتے پڑتے آتے۔ یہ دیکھ کر باری مقرر ہو گئی ایک دن اترتا ایک دن نہ اترتا۔ چالیس دن تک یہی کیفیت رہی کہ دن چڑھے اترتا اور ان کے سونے کے وقت چڑھ جاتا۔ جس کا سایہ سب دیکھتے رہتے۔ اس کے بعد فرمان ہوا کہ اب اس میں صرف یتیم فقیر اور بیمار لوگ ہی کھائیں۔ مالداروں نے اس سے بہت برا مانا اور لگے باتیں بنانے۔ خود بھی شک میں پڑ گئے اور لوگوں کے دلوں میں بھی طرح طرح کے وسوسے ڈالنے لگے یہاں تک کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آ کر کہنے لگے کہ آپ سچ سچ بتایئے کہ کیا واقعی یہ آسمان سے ہی اترتا ہے؟ سنیے ہم میں سے بہت سے لوگ اس میں متردد ہیں۔ جناب مسیح علیہ السلام سخت ناراض ہوئے اور فرمانے لگے قسم ہے مسیح کے رب کی اب تمہاری ہلاکت کا وقت آ گیا۔ تم نے خود طلب کیا' تمہارے نبی کی دعا اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی آسمانی دسترخوان تم پر اترا۔ تم نے آنکھوں سے اسے اترتے دیکھا' رب کی رحمت وروزی اور برکت تم پر نازل ہوئی۔ بڑی عبرت ونصیحت کی نشانی تم نے دیکھ لی لیکن آہ اب تک تمہارے دلوں کی کمزوری نہ گئی اور تمہاری زبانیں نہ رکیں۔ مجھے تو ڈر ہے کہ اگر رب نے تم پر رحم نہ کیا تو عنقریب تم بدترین عذابوں کے شکار ہو جاؤ گے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور نبی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی نازل فرمائی کہ جس طرح میں نے پہلے ہی فرما دیا تھا کہ میں ان لوگوں کو وہ عبرتناک سزائیں دوں گا جو کسی کو نہ دی ہوں۔ دن غروب ہوا اور یہ بے ادب' گستاخ' جھٹلانے والے اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے والے اپنے اپنے بستروں پر جا لیٹے امن وامان سے ہمیشہ کی طرح اپنے بال بچوں کے ساتھ میٹھی نیند میں تھے کہ پچھلی رات عذاب الٰہی آ گیا اور جتنے بھی یہ لوگ تھے سب کے سب سور بنا دیئے گئے۔ جو صبح کے وقت پاخانوں کی پلیدی کھا رہے تھے۔ یہ اثر بہت غریب ہے۔ ابن ابی حاتم میں قصہ ٹکڑے ٹکڑے کر کے منقول ہے۔ لیکن میں نے اسے پورا بیان کر دیا ہے تا کہ سمجھ آ جائے۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ بہرصورت ان تمام آثار سے صاف ظاہر ہے کہ جناب مسیح علیہ السلام کے زمانے میں بنو اسرائیل کی طلب پر آپ کی دعا سے اللہ تعالیٰ نے آسمان سے یہ دسترخوان نازل فرمایا۔ یہی قرآن عظیم کے الفاظ سے ظاہر ہے۔ بعض کا یہ بھی قول ہے کہ یہ مائدہ اترا ہی نہ تھا یہ صرف بطور مثال کے بیان فرما دیا ہے۔ چنانچہ حضرت مجاہد رحمہ اللہ سے بھی منقول ہے کہ جب عذاب کی دھمکی سنی تو خاموش ہو گئے اور مطالبہ سے دستبردار ہو گئے۔ حسن کا قول بھی یہی ہے اس قول کی تائید اس سے بھی ہو سکتی ہے کہ نصرانیوں کی کتاب میں اس کا ذکر نہیں۔ اتنے بڑے اہم واقعے کا ان کی کتابوں میں مطلق نہ پایا جانا حضرت حسن اور حضرت مجاہد رحمہ اللہ کے اس قول کو قوی بناتا ہے اور اس کی سند بھی ان دونوں بزرگوں تک صحت کے ساتھ پہنچتی ہے۔ واللہ اعلم۔ لیکن جمہور کا مذہب یہی ہے کہ مائدہ نازل ہوا تھا امام ابن جریر رحمہ اللہ کا مختار مذہب بھی یہی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ فرمان ربی ﴿اِنِّىْ مُنَزِّلُهَا

عَلَيْكُمْ ﴾ میں وعدہ ہے اور اللہ تعالیٰ کے وعدے سچے ہی ہوتے ہیں صحیح اور حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے لیکن زیادہ ٹھیک قول یہی ہے جیسے کہ سلف کے آثار واقوال سے ظاہر ہے۔ تاریخ میں بھی اتنا تو ہے کہ بنی امیہ کے نائب موسیٰ بن نصیر نے مغربی شہروں کی فتح کے موقعہ پر وہیں یہ مائدہ پایا تھا اور اسے امیر المومنین ولید بن عبدالملک کی خدمت میں جو بانی جامع دمشق ہیں بھیجا تھا لیکن ابھی قاصد راستے ہی میں تھے کہ خلیفۃ المسلمین کا انتقال ہو گیا۔ آپ کے بعد آپ کے بھائی سلیمان بن عبدالملک خلیفہ ہوئے' اور ان کی خدمت میں اسے پیش کیا گیا یہ ہر قسم کے جڑاؤ اور جواہر سے مرصع تھا جسے دیکھ کر بادشاہ اور درباری سب دنگ رہ گئے یہ بھی کہا گیا ہے کہ یہ مائدہ حضرت سلیمان بن داود علیہ السلام کا تھا واللہ اعلم۔ مسند احمد میں ہے کہ قریشیوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ اللہ تعالیٰ سے دعا کیجیے کہ وہ صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنادے تو ہم آپ پر ایمان لائیں گے۔ آپ نے فرمایا بالکل سچا وعدہ ہے' انہوں نے کہا نہایت پختہ اور بالکل سچا۔ آپ نے دعا کی اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمایا اللہ تعالیٰ آپ کو سلام کہتا ہے اور فرماتا ہے کہ اگر آپ چاہیں تو میں کوہ صفا کو سونے کا بنا دیتا ہوں لیکن اگر پھر ان لوگوں نے کفر کیا تو میں انہیں وہ عذاب دوں گا جو کسی کو نہ دیا ہو اس پر بھی اگر آپ کا ارادہ ہو تو میں ان کے لیے توبہ اور رحمت کا دروازہ کھول دوں۔ آپ نے فرمایا یا اللہ معاف فرما۔ توبہ اور رحمت کا دروازہ ہی کھول دے۔ [1] یہ حدیث ابن مردویہ اور مستدرک حاکم میں بھی ہے۔

وَإِذْ قَالَ اللَّهُ يَٰعِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَأَنتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ مِن دُونِ اللَّهِ ۖ قَالَ سُبْحَٰنَكَ مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ ۚ إِن كُنتُ قُلْتُهُ فَقَدْ عَلِمْتَهُ ۚ تَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِي وَلَا أَعْلَمُ مَا فِي نَفْسِكَ ۚ إِنَّكَ أَنتَ عَلَّٰمُ الْغُيُوبِ ﴿١١٦﴾ مَا قُلْتُ لَهُمْ إِلَّا مَا أَمَرْتَنِي بِهِ أَنِ اعْبُدُوا اللَّهَ رَبِّي وَرَبَّكُمْ ۚ وَكُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۖ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي كُنتَ أَنتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ ۚ وَأَنتَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ شَهِيدٌ ﴿١١٧﴾ إِن تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ ۖ وَإِن تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١١٨﴾

وقف النبي صلى الله عليه وآله وسلم

جب اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ اے عیسیٰ بن مریم کیا تو نے لوگوں سے یہ کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو تم اللہ بنا لینا؟ وہ جواب دیں گے کہ اے اللہ تیری ذات پاک ہے مجھے جس بات کے کہنے کا حق نہ تھا میں کیسے کہہ دیتا؟ میں نے

[1] [صحیح : مسند احمد (۱/۲۴۲) عبد بن حمید (۷۰۰) مستدرك حاكم (۱/۵۳) طبرانی کبیر (۱۲۷۳۶)] امام حاکم ؒ اور امام ذہبی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند مسلم کی شرط پر صحیح ہے۔[مسند احمد محقق (۲۱۶۶)] شیخ مصطفیٰ عدوی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح الاحادیث القدسیہ (ص : ۴۹)] شیخ البانی ؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح الترغیب (۳۱۴۲) صحیح السيرة النبوية (ص : ۳۵۱) السلسلة الصحيحة (۳۳۸۸)]

اگر کہا ہو تو تو خوب جانتا ہے میرے دل کی باتیں تجھ پر بخوبی روشن ہیں ہاں تیرے جی میں جو ہے وہ مجھ سے مخفی ہے' تو تو تمام تر پوشیدگیوں کو خوب خوب جاننے والا ہے ○ میں نے انہیں صرف وہی کہا تھا جو تو نے مجھے فرمایا تھا کہ صرف اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو جو میرا اور تم سب کا پالنے والا ہے' جب میں ان میں رہا ان کی دیکھ بھال کرتا رہا پھر جبکہ تو نے آپ مجھے لے لیا پھر تو تو ہی ان پر نگہبان تھا' اور تو تو ہر ہر چیز سے پورا باخبر ہے ○ اگر تو انہیں سزا دے تو یہ تیرے غلام ہیں' اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو زبردست غلبے والا اور حکمت والا ہے ○

قیامت کے روز نصاریٰ کی اپنے عقائد پر ندامت: جن لوگوں نے مسیح پرستی یا مریم پرستی کی تھی۔ان کی موجودگی میں قیامت کے دن اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سوال کرے گا کہ کیا تم ان لوگوں سے اپنی اور اپنی والدہ کی پوجا پاٹ کرنے کو کہہ آئے تھے؟ اس سوال سے مردود نصرانیوں کو ڈانٹ ڈپٹ کرنا اور ان پر غصے ہونا ہے تا کہ وہ تمام لوگوں کے سامنے شرمندہ اور ذلیل وخوار ہوں۔حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا یہی قول ہے اور اس پر وہ آیت ﴿هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ﴾ [1] الخ' سے استدلال کرتے ہیں۔سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ خطاب اور جواب دنیا ہی کا ہے۔امام ابن جریر رحمہ اللہ اس قول کو ٹھیک بتا کر فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ اس وقت کا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان دنیا پر چڑھا لیا تھا۔اس کی دلیل ایک تو یہ ہے کہ کلام لفظ ماضی کے ساتھ ہے۔دوسری دلیل آیت ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ﴾ الخ ہے لیکن یہ دونوں دلیلیں ٹھیک نہیں۔پہلی دلیل کا جواب تو یہ ہے کہ بہت سے امور جو قیامت کے دن ہونے والے ہیں ان کا ذکر قرآن کریم میں لفظ ماضی کے ساتھ موجود ہے۔اس سے مقصود صرف اسی قدر ہے کہ وقوع اور ثبوت بخوبی ثابت ہو جائے۔دوسری دلیل کا جواب یہ ہے کہ اس سے مقصود جناب مسیح علیہ السلام کا یہ ہے کہ ان سے اپنی برات ظاہر کر دیں۔اور ان کا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیں۔اسے شرط کے ساتھ معلق رکھنے سے اس کا وقوع لازم نہیں جیسے کہ اسی جگہ اور آیتوں میں ہے۔زیادہ ظاہر وہی تفسیر ہے جو حضرت قتادہ رحمہ اللہ وغیرہ سے مروی ہے اور جو اوپر گذر چکی ہے یعنی یہ کہ یہ گفتگو اور یہ سوال جواب قیامت کے دن ہوں گے تا کہ سب کے سامنے نصرانیوں کی ذلت اور ان پر ڈانٹ ڈپٹ ہو' چنانچہ ایک مرفوع غریب وعزیز حدیث میں بھی یہ مروی ہے' جسے حافظ ابن عساکر رحمہ اللہ ابوعبداللہ مولی عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے حالات میں لائے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن انبیاء اپنی اپنی امتوں سمیت اللہ کے سامنے بلوائے جائیں گے پھر حضرت عیسیٰ بلوائے جائیں گے اور اللہ تعالیٰ اپنے احسان انہیں جتائے گا جن کا وہ اقرار کریں گے فرمائے گا کہ اے عیسیٰ جو احسانات میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کیے' انہیں یاد کر الخ۔پھر فرمائے گا کیا تو نے لوگوں سے کہا تھا کہ اللہ کو چھوڑ کر مجھے اور میری والدہ کو الٰہ سمجھنا۔آپ اس کا بالکل انکار کریں گے' پھر نصرانیوں کو بلا کر ان سے دریافت فرمائے گا تو وہ کہیں گے۔ہاں انہوں نے ہی ہمیں اس راہ پر ڈالا تھا اور ہمیں یہی حکم دیا تھا۔اس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سارے بدن کے بال کھڑے ہو جائیں گے' جنہیں لے کر فرشتے اللہ کے سامنے جھکا دیں گے بہ مقدار ایک ہزار

[1] [سورۃ المائدۃ: آیت ۱۱۹]

سال کے یہاں تک کہ عیسائیوں پر حجت قائم ہو جائے گی۔ اب ان کے سامنے صلیب کھڑی کی جائے گی اور انہیں دھکے دے کر جہنم میں پہنچا دیا جائے گا۔ [1] جناب عیسیٰ علیہ السلام کے جواب کو دیکھئے کہ کس قدر باادب اور کامل ہے؟ دراصل یہ بھی اللہ کی ایک نعمت ہے۔ آپ کو اسی وقت یہ جواب سکھایا جائے گا جیسے کہ ایک مرفوع حدیث میں بھی ہے کہ آپ فرمائیں گے کہ باری تعالیٰ نہ مجھے ایسی بات کہنے کا حق تھا نہ میں نے کہی۔ تجھ سے نہ میری کوئی بات پوشیدہ ہے نہ میرا کوئی ارادہ چھپا ہوا ہے۔ دلی راز تجھ پر ظاہر ہیں۔ ہاں تیرے بھید کسی نے نہیں پائے تمام ڈھکی چھپی باتیں تجھ پر کھلی ہوئی ہیں غیبوں کا جاننے والا تو ہی ہے۔

جس تبلیغ پر میں مامور اور مقرر تھا میں نے تو وہی تبلیغ کی تھی جو کچھ مجھ سے اے جناب باری تو نے ارشاد فرمایا تھا' وہی بلا کم و کاست میں نے ان سے کہہ دیا تھا۔ جس کا ماحصل یہ ہے کہ صرف ایک اللہ ہی کی عبادت کرو' وہی میرا رب ہے اور وہی تم سب کا پالنہار ہے۔ جب میں ان میں موجود تھا ان کے اعمال دیکھتا بھالتا تھا لیکن جب تو نے مجھے بلا لیا پھر تو تو ہی دیکھتا بھالتا رہا اور تو تو ہر چیز پر شاہد ہے۔ ابوداود طیالسی میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا اے لوگو تم سب اللہ عزوجل کے سامنے ننگے پیر' ننگے بدن' بے ختنہ جمع ہونے والے ہو۔ جیسے کہ ہم نے شروع پیدائش کی تھی ویسے ہی دوبارہ لوٹائیں گے۔ سب سے پہلے خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کپڑے پہنائے جائیں گے' سنو کچھ لوگ میری امت کے ایسے لائے جائیں گے جنہیں بائیں جانب گھسیٹ لیا جائے گا تو میں کہوں گا۔ یہ تو میرے ہیں۔ کہا جائے گا' آپ کو نہیں معلوم کہ آپ کے بعد انہوں نے کیا کیا گل کھلائے تھے۔ تو میں وہی کہوں گا جو اللہ کے صالح بندے کا قول ہے کہ جب تک میں ان میں رہا' ان کے اعمال پر شاہد تھا الخ۔ پس فرمایا جائے گا کہ آپ کے بعد یہ تو دین سے مرتد ہی ہوتے رہے۔ [2]

اس کے بعد کی آیت کا مضمون اللہ تعالیٰ کی چاہت اور اس کی مرضی کی طرف کاموں کو لوٹانا ہے' وہ جو کچھ چاہے کرتا ہے اس سے کوئی کسی قسم کا سوال نہیں کر سکتا اور وہ ہر ایک سے باز پرس کرتا ہے۔ ساتھ ہی اس مقولے میں جناب مسیح علیہ السلام کی بیزاری ہے' ان نصرانیوں سے جو اللہ پر اور اس کے رسول پر بہتان باندھتے تھے اور اللہ کا شریک ٹھہراتے تھے اور اس کی اولاد اور بیوی بتاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ان تہمتوں سے پاک ہے اور وہ بلند و برتر ہے۔ اس عظیم الشان آیت کی عظمت کا اظہار اس حدیث سے ہوتا ہے۔ جس میں ہے کہ پوری ایک رات

---

[1] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (۱۲۳۶/٤) ابن عساکر فی تاریخہ (۱۹/ق ۱۲۷) الدر المنثور للسیوطی (۶۰۸/۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عمر بن عبدالعزیز کا غلام مجہول ہے۔]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب و کنت علیهم شهیدا مادمت فیهم (٤٦٢٥) صحیح مسلم : کتاب الجنة : باب فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیامة (۲۸٦۰) مسند طیالسی (۲٦۳۸) صحیح ابن حبان (۷۳٤۷) مسند احمد (۲۲۹/۱)]

اللہ کے نبی ﷺ اسی ایک آیت کی تلاوت فرماتے رہے۔ [1] چنانچہ مسند احمد میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک رات نماز پڑھی اور صبح تک ایک ہی آیت کی تلاوت فرماتے رہے' اسی کو رکوع میں اور اسی کو سجدے میں پڑھتے رہے۔ وہ آیت یہی ہے صبح کو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ آج کی رات تو آپ نے اسی ایک آیت میں گذاری رکوع میں بھی اسی کی تلاوت رہی اور سجدے میں بھی۔ آپ نے فرمایا میں نے اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کی شفاعت کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے اس دعا کو قبول فرمالیا۔ پس میری یہ شفاعت ہر موحد شخص کے لیے ہو گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ [2] مسند احمد کی اور حدیث میں ہے حضرت جسرہ بنت دجاجہ عمرے کے ارادے سے جاتی ہیں جب ربذہ میں پہنچتی ہیں تو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے حدیث سنتی ہیں کہ ایک رات رسول اللہ ﷺ نے عشاء کی نماز پڑھائی۔ فرضوں کے بعد دیکھا کہ صحابہ رضی اللہ عنہم نماز میں مشغول ہیں تو آپ اپنے خیمے کی طرف تشریف لے گئے۔ جب جگہ خالی ہوگئی اور صحابہ رضی اللہ عنہم چلے گئے تو آپ واپس تشریف لائے اور نماز میں کھڑے ہوگئے میں بھی آ گیا اور آپ کے پیچھے کھڑا ہو گیا تو آپ نے اپنی دائیں طرف کھڑا ہونے کا مجھے اشارہ کیا' میں دائیں جانب آ گیا۔ پھر حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ آئے اور وہ آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے تو آپ نے اپنی بائیں طرف کھڑے ہونے کا اشارہ کیا چنانچہ وہ آ کر بائیں جانب کھڑے ہوگئے۔ اب ہم تینوں نے اپنی اپنی نماز شروع کی الگ الگ تلاوت قرآن اپنی نماز میں کر رہے تھے اور حضور علیہ السلام کی زبان مبارک پر ایک ہی آیت تھی۔ بار بار اسی کو پڑھ رہے تھے جب صبح ہوئی تو حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ ذرا حضور ﷺ سے دریافت تو کرو کہ رات کو ایک ہی آیت کے پڑھنے کی کیا وجہ تھی؟ انہوں نے کہا اگر حضور ﷺ خود کچھ فرمائیں تو اور بات ہے ورنہ میں تو کچھ بھی نہ پوچھوں گا۔ اب میں نے خود ہی جرات کر کے آپ سے دریافت کیا کہ حضور ﷺ پر میرے ماں باپ فدا ہوں' سارا قرآن تو آپ پر اترا ہے اور آپ کے سینے میں ہے پھر آپ نے ایک ہی آیت میں ساری رات کیسے گذار دی؟ اگر کوئی اور ایسا کرتا تو ہمیں تو بہت برا معلوم ہوتا۔ آپ نے فرمایا اپنی امت کے لیے دعا کر رہا تھا۔ میں نے پوچھا پھر کیا جواب ملا؟ آپ نے فرمایا اتنا اچھا' ایسا پیارا' اس قدر آسانی والا کہ اگر عام لوگ سن لیں تو ڈر ہے کہ کہیں نماز بھی نہ چھوڑ بیٹھیں۔ میں نے کہا مجھے اجازت ہے کہ میں لوگوں میں یہ خوشخبری پہنچا دوں؟ آپ نے اجازت دی۔ میں ابھی کچھ ہی دور گیا ہوں گا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ اگر یہ خبر آپ نے عام طور پر کرا دی تو ڈر ہے کہ کہیں لوگ عبادت سے بے پرواہ نہ ہو جائیں۔ تو آپ نے آواز دی کہ لوٹ آؤ چنانچہ وہ لوٹ

---

[1] [حسن] نسائی : کتاب الافتتاح : باب تردید الایۃ (۱۰۱۱) ابن ماجہ : کتاب الصلوات : باب ما جاء فی القرائۃ فی صلاۃ اللیل (۱۳۵۰) بزار فی کشف الاستار (۳۵۰/۱) طحاوی فی شرح معانی الآثار (۳۴۷/۱) بغوی فی شرح السنۃ (۹۱۵) ابن ابی شیبۃ (۴۳۹/۷) نسائی فی السنن الکبری (۱۱۱۶۱) بیھقی فی السنن الکبری (۱۴/۳) المزی فی تھذیب الکمال (۵۴۸/۲۳)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح نسائی ، صحیح ابن ماجہ]

[2] [حسن] مسند احمد (۱۴۹/۵)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔[مسند احمد محقق (۲۱۳۲۸)]

آئے اور وہ آیت ﴿اِنْ تُعَذِّبْهُمْ﴾ الخ، تھی ابن ابی حاتم میں ہے حضور ﷺ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اس قول کی تلاوت کی پھر ہاتھ اٹھا کر فرمایا اے میرے رب میری امت۔ اور آپ رونے لگے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ جا کر پوچھو کہ کیوں رو رہے ہیں؟ حالانکہ اللہ کو سب کچھ معلوم ہے۔ حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے دریافت کیا تو آپ نے فرمایا اپنی امت کے لیے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جاؤ کہہ دو کہ ہم آپ کو آپ کی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے اور آپ بالکل رنجیدہ نہ ہوں گے۔ [2] مسند احمد میں ہے حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس آئے ہی نہیں یہاں تک کہ ہم نے خیال کیا کہ آج آپ آئیں گے ہی نہیں۔ پھر آپ تشریف لائے اور آتے ہی سجدے میں گر پڑے اتنی دیر لگ گئی کہ ہمیں خوف ہوا کہ کہیں آپ کی روح پرواز نہ کر گئی ہو؟ تھوڑی دیر میں آپ نے سر اٹھایا اور فرمانے لگے مجھ سے میرے رب عزوجل نے میری امت کے بارے میں دریافت فرمایا کہ میں ان کے ساتھ کیا کروں؟ میں نے عرض کیا کہ باری تعالیٰ وہ تیری مخلوق ہے وہ سب تیرے بندے اور تیرے غلام ہیں۔ تجھے اختیار ہے۔ پھر مجھ سے دوبارہ میرے اللہ نے دریافت فرمایا میں نے پھر بھی یہی جواب دیا تو مجھ سے اللہ عزوجل نے فرمایا اے نبی (ﷺ) میں آپ کو آپ کی امت کے بارے میں کبھی شرمندہ نہ کروں گا۔ سنو مجھے میرے رب نے خوشخبری دی ہے کہ سب سے پہلے میری امت میں سے میرے ساتھ ستر ہزار شخص جنت میں جائیں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار شخص جنت میں جائیں گے۔ ہر ہزار کے ساتھ ستر ہزار اور ہوں گے، ان سب پر حساب کتاب مطلقاً نہیں۔ پھر میری طرف پیغام بھیجا کہ میرے حبیب مجھ سے دعا کرو میں قبول فرماؤں گا مجھ سے مانگو میں دوں گا میں نے اس قاصد سے کہا کہ جو میں مانگوں مجھے ملے گا؟ اس نے جواب دیا کہ ہاں اسی لیے تو مجھے اللہ نے بھیجا ہے۔ چنانچہ میرے رب نے بہت کچھ عطا فرمایا۔ میں یہ سب کچھ فخر کے طور پر نہیں کہہ رہا۔ مجھے میرے رب نے بالکل بخش دیا، اگلے پچھلے سب گناہ معاف فرما دیئے حالانکہ زندہ سلامت چل پھر رہا ہوں۔ مجھے میرے رب نے یہ بھی عطا فرمایا کہ میری تمام امت قحط سالی کی وجہ سے بھوک کے مارے ہلاک نہ ہوگی اور نہ سب کے سب مغلوب ہو جائیں گے۔ مجھے میرے رب نے حوض کوثر دیا ہے، وہ جنت کی ایک نہر ہے جو میرے حوض میں بہ رہی ہے۔ مجھے اس نے عزت، مدد اور رعب دیا ہے جو میرے امتیوں کے آگے آگے مہینہ بھر کی راہ پر چلتا ہے۔ تمام نبیوں میں سب سے پہلے میں جنت میں جاؤں گا۔ میرے اور میری امت کے لیے غنیمت کا مال حلال طیب کر دیا گیا وہ سختیاں جو پہلوں پر تھیں ہم پر سے ہٹا دی گئیں اور ہمارے دین میں کسی طرح کی کوئی تنگی نہیں رکھی گئی۔ [3]

---

[1] [حسن مسند احمد (۱۷۰/۵)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔[مسند احمد محقق (۲۱۴۹۵)]

[2] [صحیح صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب دعآء النبی لامته (۲۰۲) تفسیر ابن ابی حاتم (۱۲۵٤٤) نسائی فی السنن الکبری (۱۱۲۶۹)]

[3] [ضعیف مسند احمد (۳۹۳/۵)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں کیونکہ اس میں ابن لھیعہ راوی ضعیف ہے۔[مسند احمد محقق (۲۳۳۳۶)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ تاہم امام ہیثمی رحمہ اللہ نے اسے شواہد کی بنا پر حسن کہا ہے۔[مجمع الزوائد (۱۶۷۱۱)]

قَالَ اللّٰهُ هٰذَا يَوْمُ يَنْفَعُ الصّٰدِقِيْنَ صِدْقُهُمْ ؕ لَهُمْ جَنّٰتٌ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ خٰلِدِيْنَ فِيْهَاۤ اَبَدًا ؕ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمْ وَرَضُوْا عَنْهُ ؕ ذٰلِكَ الْفَوْزُ الْعَظِيْمُ ﴿۱۱۹﴾ لِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَا فِيْهِنَّ ؕ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۲۰﴾ ع

اللہ تعالیٰ فرمائے گا یہ وہ دن ہے کہ سچوں کو ان کا سچ نفع دے گا' ان ہی کو وہ جنتیں ملیں گی جن کے نیچے نہریں جاری ہیں جہاں وہ ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے' اللہ ان سے خوش اور یہ رب سے راضی' یہی تو زبردست کامیابی ہے ○ زمین و آسمان اور ان کے درمیان کی تمام چیزوں کی بادشاہت اللہ ہی کی ہے' وہ ہر ہر چیز پر قادر ہے ○

روز قیامت اہل توحید ہی کامیاب ہوں گے: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام کو ان کی بات کا جو جواب قیامت کے دن ملے گا اس کا بیان ہو رہا ہے کہ آج کے دن موحدوں کو توحید نفع دے گی' وہ ہمیشگی والی جنت میں جائیں گے۔ وہ اللہ سے خوش ہوں گے اور اللہ ان سے خوش ہوگا۔ فی الواقع رب کی رضامندی زبردست چیز ہے۔ ابن ابی حاتم کی حدیث میں ہے کہ پھر اللہ تعالیٰ ان پر تجلی فرمائے گا۔ اور ان سے کہے گا تم جو چاہو مجھ سے مانگو میں دوں گا' وہ اللہ تعالیٰ سے اس کی خوشنودی طلب کریں گے' اللہ تعالیٰ سب کے سامنے اپنی رضامندی کا اظہار کرے گا۔ [1] پھر فرماتا ہے یہ کیسی بے مثل کامیابی ہے جس سے بڑھ کر اور کوئی کامیابی نہیں ہو سکتی۔ جیسے اور جگہ ہے اسی کے لیے عمل کرنے والوں کو عمل کی کوشش کرنی چاہیے اور آیت میں ہے رغبت کرنے والے اس کی رغبت کر لیں۔

پھر فرماتا ہے سب کا خالق' سب کا مالک' سب پر قادر' سب کا متصرف اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ ہر چیز اسی کی ملکیت میں اسی کے قبضے میں اسی کی چاہت میں ہے۔ اس جیسا کوئی نہیں' نہ کوئی اس کا وزیر و مشیر ہے' نہ کوئی نظیر و عدیل ہے نہ اس کی ماں ہے' نہ باپ' نہ اولاد' نہ بیوی۔ اس کے سوا کوئی معبود نہیں نہ کوئی اس کے سوا رب ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں۔ سب سے آخری سورت یہی سورۂ مائدہ اتری ہے۔ [2] الحمدللہ سورہ مائدہ کی تفسیر ختم ہوئی۔

---

[1] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (۱۲۵٦/٤)] اس کی سند میں لیث بن ابی سلیم اور عثمان بن عمیر دو راوی ضعیف ہیں۔ [دیکھئے: میزان (٥٥٥٠)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[2] [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة المائدة (۳۰٦۳) مستدرك حاكم (۳۱۱/۲) بیهقی فی السنن الکبری (۱۷۲/۷)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] جبکہ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

تفسیر سورۃ الانعام

یہ سورت مکے میں اتری ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ ایک ساتھ ہی ایک ہی رات میں مکہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ اس کے اردگرد ستر ہزار فرشتے تھے جو تسبیح پڑھ رہے تھے۔ [1] ایک روایت میں ہے کہ اس وقت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کہیں جا رہے تھے فرشتوں کی کثرت زمین سے آسمان تک تھی۔ یہ ستر ہزار فرشتے اس سورت کے پہنچانے کے لئے آئے تھے۔ [2] مستدرک حاکم میں ہے۔ اس سورت کے نازل ہونے پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ''اس مبارک سورت کو پہنچانے کے لئے اس قدر فرشتے آئے تھے کہ آسمان کے کنارے دکھائی نہیں دیتے تھے''۔ [3] ابن مردویہ میں یہ بھی ہے کہ فرشتوں کی اس وقت کی تسبیح نے ایک گونج پیدا کر دی تھی زمین گونج رہی تھی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم **سبحان الله العظيم سبحان الله العظيم** پڑھ رہے تھے۔ [4] ابن مردویہ کی ایک مرفوع حدیث میں ہے کہ ''مجھ پر سورہ انعام ایک دفعہ ہی اتری۔ اس کے ساتھ ستر فرشتے تھے جو تسبیح وحمد بیان کر رہے تھے۔'' [5]

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۥ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ① هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ طِيْنٍ ثُمَّ قَضٰٓى اَجَلًا ۭ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ ② وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ ۭ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ ③

---

[1] [**ضعيف** : طبرانی کبیر (۱۲۹۳۰)] اس کی سند میں ابن جدعان راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو سخت ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [**ضعيف** : طبرانی کبیر (۱۷۸/۲۴)] اس کی سند میں شہر بن حوشب اور لیث راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو بھی ضعیف کہا ہے۔]

[3] [**ضعيف ومنقطع** : مستدرك حاكم (۳۱۵/۲) السلسلة الضعيفة (تحت الحديث / ۵۶۲۷)]

[4] [**ضعيف** : طبرانی اوسط (۶۴۴۳) بیهقی فی شعب الایمان (۲۴۳۳) الدر المنثور للسيوطی (۳/۳) ابو بكر اسماعیلی فی المعجم (۵۵۱/۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں جہالت ہے۔]

[5] [**ضعيف** : طبرانی صغير (۲۲۰)، (۸۱/۱) مجمع الزوائد (۲۰/۷) الدر المنثور (۳/۳) ابو نعيم فی الحلية (۴۴/۳)] اس کی سند میں یوسف بن عطیہ راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس کی سند کو سخت ضعیف کہتے ہیں۔]

دریا دلی کرنے والے معافیاں دینے والے اللہ تعالیٰ کے نام سے شروع

سب تعریفیں اللہ ہی کو سزاوار ہیں جس نے تمام آسمان وزمین پیدا کئے ہیں اور جس نے اندھیروں اور روشنی کو پیدا کیا ہے' پھر بھی کفار لوگ اپنے رب کے شریک ٹھہرا رہے ہیں ○ اسی نے تم سب کو مٹی سے پیدا کر کے ایک وقت مقرر کر دیا ہے اور معین کردہ نامزد وقت اسی کے نزدیک ہے پھر بھی تم شک کر رہے ہو ○ وہی معبود برحق ہے آسمانوں میں اور زمین میں وہ تمہارے بھیدوں کو اور ظاہر احوال کو خوب جانتا ہے اور جو کچھ تم عمل کر رہے ہو اسے بھی وہ جانتا ہے ○

اللہ تعالیٰ کی چند عظیم صفات: اللہ تعالیٰ اپنی تعریف کر رہا ہے گویا ہمیں اپنی تعریفوں کا حکم دے رہا ہے' اس کی تعریف جن امور پر ہے ان میں سے ایک زمین وآسمان کی پیدائش بھی ہے دن کی روشنی اور رات کا اندھیرا بھی ہے اندھیرے کو جمع کے لفظ سے اور نور کو واحد کے لفظ سے لانا نور کی شرافت کی وجہ سے ہے۔ جیسے فرمان ربانی ﴿عَنِ الْيَمِيْنِ وَ الشَّمَآئِلِ﴾ [1] میں اور اس سورت کے آخری حصے کی آیت ﴿وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ﴾ [2] میں یہاں بھی راہ راست کو واحد رکھا اور غلط راہوں کو جمع کے لفظ سے بتایا۔ باوجود یہ کہ اللہ ہی قابل حمد ہے' کیونکہ وہی خالق کل ہے مگر پھر بھی کافر لوگ اپنی نادانی سے اس کے شریک ٹھہرا رہے ہیں کبھی بیوی اور اولاد قائم کرتے ہیں کبھی شریک اور ساجھی ثابت کرنے بیٹھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان تمام باتوں سے پاک ہے۔

اس رب نے تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام کو مٹی سے پیدا کیا اور پھر تمہیں اس کی نسل سے مشرق مغرب میں پھیلا دیا۔ موت کا وقت بھی اسی کا مقرر کیا ہوا ہے۔ آخرت کے آنے کا وقت بھی اسی کا مقرر کیا ہوا ہے۔ پہلی اجل سے مراد دنیاوی زندگی دوسری اجل سے مراد قبر کی رہائش۔ گویا پہلی اجل خاص ہے یعنی ہر شخص کی عمر اور دوسری اجل عام ہے یعنی دنیا کی انتہا اور اس کا خاتمہ۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ سے مروی ہے کہ ﴿قَضٰى اَجَلًا﴾ سے مراد مدت دنیا ہے اور ﴿اَجَلٌ مُّسَمًّى﴾ سے مراد عمر انسان ہے۔ بہت ممکن ہے کہ اس کا استدلال آنے والی آیت ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ﴾ سے ہو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ﴿ثُمَّ قَضٰى اَجَلًا﴾ سے مراد نیند ہے جس میں روح قبض کی جاتی ہے' پھر جاگنے کے وقت لوٹا دی جاتی ہے۔ اور اجل مسمی سے مراد موت ہے یہ قول غریب ہے۔ ﴿عِنْدَهٗ﴾ سے مراد اس کے علم کا اللہ ہی کے ساتھ مخصوص ہونا ہے جیسے فرمایا ﴿اِنَّمَا عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّيْ﴾ [3] یعنی قیامت کا علم تو صرف میرے رب کے پاس ہی ہے۔ سورۃ نازعات میں بھی فرمان ہے کہ لوگ تجھ سے قیامت کے صحیح وقت کا حال دریافت کرتے ہیں حالانکہ تجھے اس کا علم کچھ بھی نہیں وہ تو صرف اللہ ہی کو معلوم ہے۔ [4] باوجود اتنی پختگی کے اور باوجود کسی قسم کا شک وشبہ نہ ہونے کے پھر بھی لوگ قیامت کے آنے نہ آنے میں تردد اور شک کر رہے ہیں۔ اس کے بعد جو ارشاد جناب باری نے فرمایا

---

① [سورة النحل: آيت ٤٨]
② [سورة الانعام: آيت ١٥٣]
③ [سورة الاعراف: آيت ١٨٧]
④ سورة النازعات : آيت ٤٢-٤٤]

ہے۔اس میں مفسرین کے کئی ایک اقوال ہیں' لیکن کسی کا بھی وہ مطلب نہیں جو جہمیہ لے رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اپنی ذات سے ہر جگہ ہے۔نعوذ باللہ اللہ کی برتر و بالا ذات اس سے بالکل پاک ہے۔آیت کا بالکل صحیح مطلب یہ ہے کہ آسمانوں میں بھی اسی کی ذات کی عبادت کی جاتی ہے اور زمینوں میں بھی۔اسی کی الوہیت وہاں بھی ہے اور یہاں بھی۔اوپر والے اور نیچے والے سب اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہیں۔سب کی اسی سے امیدیں وابستہ ہیں اور سب کے دل اسی سے لرز رہے ہیں جن وانس سب اسی کی الوہیت اور بادشاہی مانتے ہیں جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَهُوَ الَّذِىْ فِى السَّمَآءِ اِلٰهٌ وَّفِى الْاَرْضِ اِلٰهٌ﴾ [1] الخ' یعنی وہی آسمانوں میں معبود برحق ہے اور وہی زمین میں معبود برحق ہے' یعنی آسمانوں میں جو ہیں' سب کا معبود وہی ہے اور اسی طرح زمین والوں کا بھی سب کا معبود وہی ہے۔اب اس آیت کا اور جملہ ﴿يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ خبر ہو جائے گا یا حال سمجھا جائے گا اور یہ بھی قول ہے کہ اللہ وہ ہے جو آسمانوں کی سب چیزوں کو اور زمین کی سب چیزوں کو چاہے وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ' جانتا ہے۔پس ﴿يَعْلَمُ﴾ متعلق ہوگا ﴿فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ﴾ کا اور تقدیر آیت یوں ہو جائے گی ﴿وَهُوَ اللّٰهُ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الْاَرْضِ وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُوْنَ﴾ ایک قول یہ بھی ہے کہ ﴿وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ﴾ پر وقف تام ہے' اور پھر جملہ مستانفہ کے طور پر خبر ہے کہ ﴿وَفِى الْاَرْضِ يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ﴾ امام ابن جریر رحمہ اللہ اسی تیسرے قول کو پسند کرتے ہیں۔پھر فرماتا ہے تمہارے کل اعمال سے خیر و شر سے وہ واقف ہے۔

وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ ۝ فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ ۗ فَسَوْفَ يَاْتِيْهِمْ اَنْۢبٰٓؤُا مَا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ مَّكَّنّٰهُمْ فِى الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ وَاَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِمْ مِّدْرَارًا ۠ وَّجَعَلْنَا الْاَنْهٰرَ تَجْرِىْ مِنْ تَحْتِهِمْ فَاَهْلَكْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ ۝

ان کے پاس ان کے رب کی جو بھی نشانی آئی یہ اس سے منہ موڑتے ہی رہے ○ یہ حق بھی جب ان کے پاس آیا انہوں نے اسے بھی ناحق کہا' یہ جسے مذاق میں اڑاتے رہے اس کی خبریں ان کے پاس عنقریب پہنچ جائیں گی ○ کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ان سے پہلے ہم نے ان جماعتوں کو تہ و بالا کر دیا ہے جنہیں ہم نے زمین میں وہ قوت و طاقت دے رکھی تھی کہ تمہیں تو ویسی دی بھی نہیں ہم نے ان پر بارش کی بھی ریل پیل کر رکھی تھی اور ان کے مکانات کے نیچے سے چشمے جاری تھے آخر ہم نے ان کے گناہوں کی وجہ سے انہیں نیست و نابود کر دیا اور ان کے بعد اور نئی جماعتیں پیدا کر دیں ○

نافرمانوں کے لیے عبرت کا مقام: کفار کی سرکشی کی انتہا بیان ہو رہی ہے کہ ہر امر کی تکذیب پر گویا انہوں نے

[1] [سورۃ الزخرف: آیت ۸۴]

کمر باندھ لی ہے۔ نیت کر کے بیٹھے ہیں کہ جو نشانی دیکھیں گے' اسی کا انکار کریں گے۔

ان کی یہ خطرناک روش انہیں ایک دن ذلیل کرے گی اور وہ ذائقہ آئے گا کہ ہونٹ کاٹتے رہیں۔ یہ یوں نہ سمجھیں کہ ہم نے انہیں چھوڑ دیا ہے نہیں بلکہ عنقریب انہیں اللہ کی پکڑ ہوگی۔ کیا ان سے پہلے کے ایسے سرکشوں کے حالات ان کے کان میں نہیں پڑے؟ کیا ان کے عبرتناک انجام ان کی نگاہوں کے سامنے نہیں؟ وہ تو قوت طاقت میں اور زور میں ان سے بہت بڑھے چڑھے ہوئے تھے۔ وہ اپنی رہائش میں اور زمین کو بسانے میں ان سے کہیں زیادہ آگے گے تھے۔ ان کے لاؤ لشکر' ان کی جاہ و عزت' غرور و تمکنت ان سے کہیں زیادہ تھی۔ ہم نے انہیں خوب مست بنا رکھا تھا۔ بارشیں پے در پے حسب ضرورت ان پر برابر برسا کرتی تھیں۔ زمین ہر وقت تر و تازہ رہتی تھی چاروں طرف پانی کی ریل پیل کی وجہ سے آبشاریں اور چشمے صاف شفاف پانی کے بہتے رہتے تھے۔ جب وہ تکبر میں آ گئے' ہماری نشانیوں کی حقارت کرنے لگے تو آخر نتیجہ یہ ہوا کہ برباد کر دیئے گئے۔ تہس نہس ہو گئے' بھوسی اڑ گئی۔ لوگوں میں ان کے افسانے باقی رہ گئے اور ان میں سے ایک بھی نہ بچا حرف غلط کی طرح صفحہ ہستی سے مٹا دیئے گئے اور ان کے بعد ان کے قائم مقام اور زمانہ آیا۔ اگر وہ بھی اسی روش پر چلا تو یہی سلوک ان کے ساتھ بھی ہوا۔ اتنی نظیریں جب تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہیں پھر بھی تم عبرت حاصل نہیں کرتے' یہ کس قدر تمہاری غفلت ہے' یاد رکھو تم کچھ اللہ کے ایسے لاڈلے نہیں ہو کہ جن کاموں کی وجہ سے اوروں کو وہ تباہ کر دے وہ کام تم کرتے رہو اور تباہی سے بچ جاؤ۔ اسی طرح جن رسولوں کو جھٹلانے اور ان کو نہ ماننے کی وجہ سے وہ ہلاک ہوئے ان رسولوں سے کسی طرح یہ رسول کم درجے کے نہیں بلکہ ان سے زیادہ اللہ کے ہاں یہ باعزت ہیں۔ یقین مانو کہ پہلوں سے بھی سخت اور نہایت سخت عذاب تم پر آئیں گے' پس تم اپنی اس غلط روش کو چھوڑ دو۔ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا لطف و کرم ہے کہ اس نے تمہاری بدترین اور انتہائی شرارتوں کے باوجود تمہیں ڈھیل دے رکھی ہے۔

وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ۝ وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۭ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْاَمْرُ ثُمَّ لَا يُنْظَرُوْنَ ۝ وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا وَّلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ ۝ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ ۝ قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝

اگر ہم کاغذ پر لکھی لکھائی کتاب بھی نازل فرماتے جسے یہ لوگ اپنے ہاتھوں سے چھو بھی لیتے تاہم منکر لوگ تو یہی کہتے کہ یہ تو صاف صریح جادو ہی ہے ○ یہ کہتے تو ہیں کہ اس نبی (ﷺ) کے ساتھ کوئی فرشتہ کیوں نہیں اتارا گیا؟ اگر ہم فرشتے ہی کو بھیجتے تو کام ہی فیصل کر دیا جاتا اور مہلت ہی نہ دیئے جاتے ○ بالفرض اگر ہم اسے فرشتہ ہی بناتے تب بھی لامحالہ

بصورت انسانی کرتے پھر بھی جو شبہ وہ اب کرتے ہیں وہی انتباہ ہم ان پر ڈالتے ○ تجھ سے پہلے کے رسولوں کا بھی مذاق اڑایا گیا بالآخر ان مذاق اڑانے والوں پر ان کے مذاق کا وبال آ ہی پڑا○ کہہ دے کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ بھال لو کہ جھٹلانے والوں کا کیا کچھ انجام ہوا○

پیغمبر کا انسان ہونا بھی اللہ کا ایک احسان: کفار کی ضد اور سرکشی بیان ہو رہی ہے کہ یہ تو حق کے دشمن ہیں۔ بالفرض یہ کتاب اللہ کو آسمان سے اترتی ہوئی اپنی آنکھوں دیکھ لیتے اور اپنے ہاتھ لگا کر اسے اچھی طرح معلوم کر لیتے پھر بھی ان کا کفر نہ ٹوٹتا اور یہ کہہ دیتے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ محسوسات کا انکار بھی ان پر بھاری نہیں۔ جیسے اور جگہ ہے ﴿وَلَوْ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ بَابًا مِّنَ السَّمَاءِ﴾ [1] الخ یعنی اگر ہم آسمان کا دروازہ کھول دیتے اور یہ خود اوپر چڑھ جاتے' جب بھی یہی کہتے کہ ہماری آنکھوں پر پٹی باندھ دی گئی ہے بلکہ ہم پر جادو کر دیا گیا ہے۔ اور ایک آیت میں ہے ﴿وَاِنْ يَّرَوْا كِسْفًا مِّنَ السَّمَاءِ سَاقِطًا﴾ [2] الخ' غرض کہ جن باتوں کے ماننے کے عادی نہیں انہیں ہوتے ہوئے دیکھ کر بھی ایمان نصیب نہیں ہونے کا۔

یہ کہتے ہیں کہ اگر حضور ﷺ سچے رسول ہیں تو ان کے ساتھ اللہ تعالیٰ نے کسی فرشتے کی ڈیوٹی کیوں نہیں لگائی؟ اللہ تعالیٰ جواب دیتا ہے کہ ان کی اس بے ایمانی پر اگر فرشتے آ جاتے تو پھر تو کام ہی ختم کر دیا جاتا۔ چنانچہ اور آیت میں ہے ﴿مَا نُنَزِّلُ الْمَلٰٓئِكَةَ اِلَّا بِالْحَقِّ﴾ [3] الخ' یعنی فرشتوں کو ہم حق کے ساتھ ہی اتارتے ہیں۔ اگر یہ آ جائیں تو پھر مہلت و تاخیر ناممکن ہے۔ اور جگہ ہے ﴿يَوْمَ يَرَوْنَ الْمَلٰٓئِكَةَ لَا بُشْرٰى يَوْمَئِذٍ لِّلْمُجْرِمِيْنَ﴾ [4] الخ' جس دن یہ لوگ فرشتوں کو دیکھ لیں گے اس دن گنہگاروں کو کوئی بشارت نہیں ہوگی الخ۔

پھر فرماتا ہے بالفرض رسول ﷺ کے ساتھ کوئی فرشتہ ہم اتارتے۔ یا خود فرشتے ہی کو اپنا رسول بنا کر انسانوں میں بھیجتے تو لامحالہ اسے بصورت انسانی ہی بھیجتے تاکہ یہ لوگ اس کے ساتھ بیٹھ اٹھ سکیں۔ بات چیت کر سکیں اس سے حکم احکام سیکھ سکیں۔ یکجہتی کی وجہ سے طبیعت مانوس ہو جائے اور اگر ایسا ہوتا تو پھر انہیں اسی شک کا موقعہ ملتا کہ نہ جانیں یہ سچ مچ فرشتہ ہے یا نہیں؟ کیونکہ وہ بھی انسان جیسا ہے' اور آیت میں ہے ﴿قُلْ لَّوْ كَانَ فِي الْاَرْضِ مَلٰٓئِكَةٌ﴾ [5] الخ' یعنی اگر زمین میں فرشتوں کی آبادی ہوتی تو ہم ان کی طرف فرشتے ہی کو رسول بنا کر نازل فرماتے۔ پس درحقیقت اس رب محسن کا ایک احسان یہ بھی ہے کہ انسانوں کی طرف انہی کی جنس میں سے انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا۔ تاکہ اس کے پاس اٹھ بیٹھ سکیں اس سے پوچھ گچھ لیں اور ہم جنسی کی وجہ سے خلط ملط ہو کر فائدہ اٹھا سکیں۔ چنانچہ ارشاد ہے ﴿لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ

---

[1] [سورۃ الحجر: آیت ١٤۔ ١٥] [2] [سورۃ الطور: آیت ٤٤]

[3] [سورۃ الحجر: آیت ٨] [4] [سورۃ الفرقان: آیت ٤٢]

[5] [سورۃ الاسراء: آیت ٩٥]

اَنۡفُسِهِمۡ ① الخ، یعنی یقیناً اللہ تعالیٰ محسن حقیقی کا ایک زبردست احسان مسلمانوں پر یہ بھی ہے کہ اس نے انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو آیات الٰہیہ ان کے سامنے تلاوت کرتا رہتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اگر فرشتہ ہی اترتا تو چونکہ اس نور محض کو یہ لوگ دیکھ ہی نہیں سکتے اس لیے اسے انسانی صورت میں ہی بھیجتے تو پھر بھی ان پر شبہ ہی رہتا۔

پھر اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو تسکین اور تسلی دیتا ہے کہ آپ دل گرفتہ نہ ہوں آپ سے پہلے بھی جتنے انبیاء علیہم السلام آئے ان کا بھی مذاق اڑایا گیا لیکن بالآخر مذاق اڑانے والے تو برباد ہو گئے اسی طرح آپ کے ساتھ بھی جو لوگ بے ادبی سے پیش آتے ہیں ایک روز پیس دیئے جائیں گے۔

لوگو! ادھر ادھر پھر پھرا کر عبرت کی آنکھوں سے ان کے انجام کو دیکھو جنہوں نے تم سے پہلے رسولوں کے ساتھ بدسلوکی کی، ان کی نہ مانی اور ان پر پھبتیاں کسیں دنیا میں بھی وہ خراب وخستہ ہوئے اور آخرت کی مار ابھی باقی ہے۔ رسولوں کو اور ان کے ماننے والوں کو ہم نے یہاں بھی ترقی دی اور وہاں بھی انہیں بلند درجے عطا فرمائے۔

قُلۡ لِّمَنۡ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ قُلۡ لِّلّٰہِ ؕ کَتَبَ عَلٰی نَفۡسِہِ الرَّحۡمَۃَ ؕ لَیَجۡمَعَنَّکُمۡ اِلٰی یَوۡمِ الۡقِیٰمَۃِ لَا رَیۡبَ فِیۡہِ ؕ اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَہُمۡ فَہُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ ﴿۱۲﴾ وَ لَہٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیۡلِ وَ النَّہَارِ ؕ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡعَلِیۡمُ ﴿۱۳﴾ قُلۡ اَغَیۡرَ اللّٰہِ اَتَّخِذُ وَلِیًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ ہُوَ یُطۡعِمُ وَ لَا یُطۡعَمُ ؕ قُلۡ اِنِّیۡۤ اُمِرۡتُ اَنۡ اَکُوۡنَ اَوَّلَ مَنۡ اَسۡلَمَ وَ لَا تَکُوۡنَنَّ مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ ﴿۱۴﴾ قُلۡ اِنِّیۡۤ اَخَافُ اِنۡ عَصَیۡتُ رَبِّیۡ عَذَابَ یَوۡمٍ عَظِیۡمٍ ﴿۱۵﴾ مَنۡ یُّصۡرَفۡ عَنۡہُ یَوۡمَئِذٍ فَقَدۡ رَحِمَہٗ ؕ وَ ذٰلِکَ الۡفَوۡزُ الۡمُبِیۡنُ ﴿۱۶﴾

پوچھ تو کہ آسمان وزمین کی تمام چیزوں کا مالک کون ہے؟ جواب دے کہ اللہ ہی ہے، اس نے اپنے اوپر رحم کرنا واجب کر لیا ہے، قیامت کے دن وہ تم سب کو یقیناً جمع کرے گا اس میں ذرا سا بھی شبہ نہیں، ایمان سے محروم وہی رہتے ہیں جو اپنے آپ کو نقصان میں ڈالتے ہیں ○ اسی کا ہے جو بستا ہے رات میں اور دن میں، اور وہی سنتا جانتا ہے ○ کہہ دے کہ کیا میں اللہ کے سوا اور کسی کو اپنا مددگار بنالوں؟ جو اللہ آسمان وزمین کا پیدا کرنے والا ہے اور جو سب کو روزیاں دیتا ہے اور خود کھانے پینے کی حاجت سے پاک ہے، مجھ سے تو یہ فرمایا گیا ہے کہ میں سب سے پہلا فرمانبردار بن جاؤں خبردار ہرگز مشرکوں میں نہ ہو جانا ○ میں تو اپنے رب کی نافرمانی کرتے ہوئے بہت بڑے عذاب کے دن سے ڈر رہا ہوں ○ جس سے اس دن کا عذاب دور کر دیا گیا یقیناً اس پر اللہ کا کرم ہوا۔ بہت بڑی مراد مل جانی یہی ہے ○

آسمان وزمین کی ہر چیز کا مالک اللہ ہی: آسمان وزمین اور جو کچھ ان میں ہے، سب اللہ کا ہے، اس نے اپنے نفس مقدس پر رحمت لکھ لی ہے۔ بخاری ومسلم کی حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو جب پیدا کیا تو ایک کتاب لکھی

---

① [سورة ال عمران: آیت ١٦٤]

جو اس کے پاس اس کے عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ [۱] پھر اپنے پاک نفس کی قسم کھا کر فرماتا ہے کہ وہ اپنے بندوں کو قیامت کے دن ضرور جمع کرے گا اور وہ دن یقیناً آنے والا ہے شکی لوگ چاہے شک وشبہ کریں لیکن وہ ساعت اٹل ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ کیا اس دن پانی بھی ہوگا؟ آپ نے فرمایا اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے اس دن پانی ہوگا' اولیاء اللہ ان حوضوں پر آئیں گے جو انبیاء کے ہوں گی۔ ان حوضوں کی نگہبانی کے لیے ایک ہزار فرشتے نور کی لکڑیاں لیے ہوئے مقرر ہوں گے جو کافروں کو وہاں سے ہٹا دیں گے۔ یہ حدیث ابن مردویہ میں ہے لیکن ہے غریب۔ [۲] ترمذی شریف کی حدیث میں ہے ''ہر نبی کے لیے حوض ہوگا مجھے امید ہے کہ سب سے زیادہ لوگ میرے حوض پر آئیں گے''۔ [۳] جو لوگ اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور اس دن کو نہیں مانتے وہ اپنی جانوں سے خود ہی دشمنی رکھتے ہیں اور اپنا نقصان آپ ہی کرتے ہیں۔

زمین وآسمان کی ساکن چیزیں یعنی کل مخلوق اللہ کی ہی پیدا کردہ ہے اور سب اس کے ماتحت ہے' سب کا مالک وہی ہے۔ وہ سب کی باتیں سننے والا اور سب کی حرکتیں جاننے والا ہے' چھپا کھلا اس پر روشن ہے۔

پھر اپنے نبی ﷺ کو جنہیں توحید خالص کے ساتھ اور کامل شریعت کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ حکم دیتا ہے کہ آپ اعلان کر دیں کہ آسمان وزمین پیدا کرنے والے اللہ کے سوا میں کسی اور کو اپنا دوست ومددگار نہیں جانتا۔ وہ ساری مخلوق کا رازق ہے سب اس کے محتاج ہیں اور وہ سب سے بے نیاز ہے۔ فرماتا ہے میں نے تمام انسانوں جنوں کو اپنی غلامی اور عبادت کے لیے پیدا کیا ہے۔ ایک قرات میں ﴿وَلَا يَطْعَمُ﴾ بھی ہے یعنی وہ خود نہیں کھاتا۔ قبا کے رہنے والے ایک انصاری رضی اللہ عنہ نے آنحضرت ﷺ کی دعوت کی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ ہم بھی آپ کے ساتھ گئے۔ جب حضور ﷺ کھانا تناول فرما کر ہاتھ دھو چکے تو آپ نے فرمایا اللہ کا شکر ہے جو سب کو کھلاتا ہے اور خود نہیں کھاتا۔ اس کے بہت بڑے احسان ہم پر ہیں کہ اس نے ہمیں ہدایت دی اور کھانے پینے کو دیا اور تمام بھلائیاں عطا فرمائیں اللہ کا شکر ہے جسے ہم پورا ادا کر ہی نہیں سکتے اور نہ اسے چھوڑ سکتے ہیں' ہم اس کی ناشکری نہیں کرتے' نہ اس سے کسی وقت ہم بے نیاز ہو سکتے ہیں' الحمد للہ اللہ نے ہمیں کھانا کھلایا' پانی پلایا' کپڑے پہنائے' گمراہی سے نکال کر راہ راست دکھائی' اندھے پن سے ہٹا کر آنکھیں عطا فرمائیں اور اپنی بہت

---

[۱] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب ماجآء فی قول اللّٰہ تعالی وھو الذی یبدؤ الخلق ثم یعیدہ (۳۱۹۴)، (۷۴۰۴) صحیح مسلم : کتاب التوبۃ : باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ (۲۷۵۱) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ان رحمتی تغلب غضبی (۳۵۴۳) ابن ماجہ : مقدمہ (۱۸۹) مسند احمد (۳۱۳/۲) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۰۹۹) صحیح ابن حبان (۶۱۴۳۔ ۶۱۴۴)]

[۲] [ضعیف : شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں جہالت ہے۔ حافظ زبیر علی زئی فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے، زبیر بن شبیب اور محصن دونوں نامعلوم ہیں۔]

[۳] [صحیح : ترمذی : کتاب صفۃ القیامۃ : باب ماجآء فی صفۃ الحوض (۲۴۴۳)] شیخ البانی ؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی ، السلسلۃ الصحیحۃ (۱۵۸۹) المشکاۃ (۵۵۹۴)]

سی مخلوق پر ہمیں فضیلت عنایت فرمائی۔ اللہ ہی کے لیے سب تعریفیں مختص ہیں جو تمام جہان کا پالنہار ہے۔ [1]

پھر فرماتا ہے کہ اے پیغمبر ﷺ اعلان کر دو کہ مجھے حکم ملا ہے کہ اس امت میں سب سے پہلے اللہ کا غلام میں بن جاؤں۔ پھر فرماتا ہے خبردار ہرگز ہرگز مشرکوں سے نہ ملنا۔

یہ بھی اعلان کر دیجیے کہ مجھے خوف ہے اگر میں اللہ کی نافرمانی کروں تو مجھے قیامت کے دن عذاب ہوں گے جو اس روز عذابوں سے محفوظ رکھا گیا یقین ماننا کہ اس پر رحمت رب نازل ہوئی۔ سچی کامیابی یہی ہے۔ اور آیت میں فرمایا ہے جو بھی جہنم سے ہٹا دیا گیا اور جنت میں پہنچا دیا گیا اس نے منہ مانگی مراد پالی۔ [2] ﴿فَوْزٌ﴾ کے معنی نفع مل جانے اور نقصان سے بچ جانے کے ہیں۔

وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ۭ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ⑰ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ۭ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ⑱ قُلْ اَيُّ شَيْءٍ اَكْبَرُ شَهَادَةً ۭ قُلِ اللّٰهُ ڗ شَهِيْدٌۢ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۣ وَاُوْحِيَ اِلَيَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ۭ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰي ۭ قُلْ لَّآ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ⑲ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَاۗءَهُمْ ۘ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ⑳ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ㉑

اگر اللہ تعالیٰ تجھے کوئی نقصان پہنچائے تو اسے ہٹانے والا بھی بجز اس کے کوئی نہیں، اور اگر وہ تجھے کوئی نفع پہنچائے تو بھی وہ تمام چیزوں پر قادر ہے ○ وہ اپنے تمام بندوں پر غالب ہے۔ اور وہ حکمت والا اور خبردار ہے ○ دریافت تو کر کہ سب سے بڑی معتبر گواہی والا کون ہے؟ جواب دے کہ میرے اور تمہارے درمیان اللہ گواہ ہے، میری جانب یہ قرآن اس لیے وحی کیا گیا ہے کہ میں تمہیں بھی اور جسے یہ پہنچے اسے ہوشیار کر دوں، کیا سچ مچ تم گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ اور معبود بھی ہیں؟ کہہ دے کہ میں تو یہ گواہی نہیں دے سکتا صاف کہہ دے کہ معبود برحق تو صرف اللہ اکیلا ہی ہے اور میں تو جن جن کو تم شریک بناتے ہو ان کا روادار ہی نہیں ○ جنہیں ہم نے اپنی کتاب عطا فرمائی ہے وہ تو اسے اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو، جو اپنے ہاتھوں اپنا نقصان کر رہے ہیں وہ ایمان نہیں لاتے ○ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا؟ جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے، ظالم فلاح اور نجات نہ پائیں گے ○

---

[1] [صحیح: نسائی فی السنن الکبری (۱۰۱۳۳/٦) و فی عمل الیوم واللیلة (۳۰۱) ابن السنی فی الیوم واللیلة (٤۸٦) صحیح ابن حبان (۵۲۱۹) مستدرك حاکم (۵٤٦/۱) بیهقی فی شعب الایمان (٤۳۷۷/٤) الدر المنثور للسیوطی (۱۲/۳)] امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [سورة ال عمران: آیت ۱۸۵]

نفع ونقصان کا مالک اللہ ہی: اللہ تعالیٰ خبر دے رہا ہے کہ نفع ونقصان کا مالک وہی ہے اپنی مخلوق میں جیسی وہ چاہے تبدیلیاں کرتا ہے اس کے احکام کو کوئی ٹال نہیں سکتا اس کے فیصلوں کو کوئی رد نہیں کرسکتا اسی آیت جیسی آیت ﴿مَا يَفْتَحِ اللّٰهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ﴾ [1] الخ ہے یعنی اللہ مقتدر اعلیٰ جسے جو رحمت دینا چاہے اسے کوئی روک نہیں سکتا۔ اور جس سے وہ روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ اس آیت میں خاص اپنے نبی ﷺ کو خطاب کر کے بھی یہی فرمایا۔ صحیح حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرمایا کرتے تھے اے اللہ جسے تو دے اس سے کوئی روک نہیں سکتا اور جس سے تو روک لے اسے کوئی دے نہیں سکتا۔ [2] اس کے بعد فرماتا ہے وہ اپنے بندوں پر قاہر وغالب ہے۔ سب کی گردنیں اس کے سامنے پست ہیں۔ سب بڑے اس کے سامنے چھوٹے ہیں۔ ہر چیز اس کے قبضے اور قدرت میں ہے تمام مخلوق اس کی تابعدار ہے۔ اس کے جلال' اس کی کبریائی' اس کی عظمت' اس کی بلندی' اس کی قدرت تمام چیزوں پر ہے۔ ہر ایک کا مالک وہی ہے۔ حکم اسی کا چلتا ہے۔ حقیقی شہنشاہ اور کامل قدرت والا وہی ہے۔ اپنے تمام کاموں میں وہ باحکمت ہے۔ وہ ہر چھوٹی بڑی چھپی کھلی چیز سے باخبر ہے۔ وہ جسے جو دے وہ بھی حکمت سے اور جس سے جو روک لے وہ بھی حکمت سے۔

پھر فرماتا ہے پوچھو تو سب سے بڑا اور زبردست اور بالکل سچا گواہ کون ہے؟ جواب دے کہ مجھ میں تم میں اللہ ہی گواہ ہے۔ جو میں تمہارے پاس لایا ہوں اور جو تم مجھ سے کر رہے ہو اسے وہ خوب دیکھ بھال رہا ہے' اور بخوبی جانتا ہے۔ میری جانب اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ میں تم سب حاضرین کو بھی اس سے آگاہ کر دوں۔ اور جسے بھی یہ پہنچی اس تک میرا پیغام پہنچ جائے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ [3] یعنی دنیا کے تمام لوگوں میں جو بھی اس قرآن سے انکار کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہی ہے۔ حضرت محمد بن کعب رحمہ اللہ فرماتے ہیں جسے قرآن پہنچ گیا اس نے گویا خود رسول اللہ ﷺ کو دیکھ لیا بلکہ گویا آپ سے باتیں کر لیں اور اس پر اللہ کے رسول ﷺ نے اللہ کا دین پیش کر دیا۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے اللہ کا پیغام اس کے بندوں کو پہنچاؤ جسے ایک آیت قرآنی پہنچ گئی اسے اللہ کا امر پہنچ گیا۔ [4] حضرت ربیع بن انس رحمہ اللہ کا قول ہے کہ

---

[1] [سورة فاطر: آيت ٢]

[2] [**صحيح** : صحيح بخاري : كتاب الاذان : باب الذكر بعد الصلاة (٨٤٤) و كتاب القدر (٦٦١٥) صحيح مسلم : كتاب المساجد : باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفة (٥٩٣) نسائي : كتاب السهو : باب نوع آخر من القول عند انقضاء الصلاة (١٣٤٢) ابوداؤد : كتاب الصلاة : باب مايقول الرجل اذا سلم (١٥٠٥) مسند احمد (٤/ ٢٥٠)]

[3] [سورة هود: آيت ١٧]

[4] [**مرسل وضعيف** : تفسير عبد الرزاق (٧٨١) تفسير ابن جرير الطبري (١٣١٢٢) تفسير ابن ابی حاتم (٤/ ٧١٦٦) الدر المنثور للسيوطی (٣/ ١٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے مرسل کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے مرسل یعنی ضعیف کہتے ہیں۔]

اللہ کے نبی ﷺ کے تمام تابع فرمان لوگوں پر حق ہے کہ وہ مثل دعوت رسول ﷺ کے لوگوں کو دعوت خیر دیں۔ اور جن چیزوں اور کاموں سے آپ نے ڈرا دیا ہے یہ بھی اس سے ڈراتے رہیں مشرکو تم چاہے اللہ کے ساتھ اور معبود بھی بتاؤ لیکن میں تو ہرگز ایسا نہیں کروں گا جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَإِنْ شَهِدُوا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ﴾ [1] یہ گو شہادت دیں لیکن تو ان کا ہمنوا نہ بن۔ یہاں فرمایا تم صاف کہہ دو کہ اللہ تو ایک ہی ہے اور تمہارے تمام معبودان باطل سے میں الگ تھلگ ہوں۔ میں ان سب سے بیزار ہوں۔ کسی کا بھی روادار نہیں۔

پھر فرماتا ہے یہ اہل کتاب اس قرآن کو اور اس نبی علیہ السلام کو خوب جانتے ہیں جس طرح انسان اپنی اولاد سے واقف ہوتا ہے اسی طرح یہ لوگ آپ سے اور آپ کے دین سے واقف اور باخبر ہیں۔ کیونکہ خود ان کی کتابوں میں یہ سب خبریں موجود ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے وجود کی آپ کی نبوت کی خبریں ان کی آسمانی کتابوں میں لکھی ہوئی ہیں۔ آپ کی صفتیں، آپ کا وطن، آپ کی ہجرت، آپ کی امت کی صفت، ان تمام چیزوں سے یہ لوگ آگاہ ہیں اور ایسے صاف طور پر کہ جس میں کسی قسم کا شک وشبہ نہیں۔ پھر ایسے ظاہر باہر صاف شفاف کھلم کھلا امر سے بے ایمانی کرنا انہی کا حصہ ہے جو خود اپنا برا چاہنے والے ہوں اور اپنی جانوں کو ہلاک کرنے والے ہوں۔ حضور ﷺ کی آمد سے پہلے ہی نشان ظاہر ہو چکے۔ جو نبی ﷺ آپ سے پہلے آپ کی بشارتیں دیتا ہوا آیا۔ پھر انکار کرنا سورج چاند کے وجود سے انکار کرنا ہے۔

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ باندھ لے؟ اور فی الواقع اس سے بھی زیادہ ظالم کوئی نہیں جو سچ کو جھوٹ کہے اور اپنے رب کی باتوں اور اس کی اٹل حجتوں اور روشن دلیلوں سے انکار کرے۔ ایسے لوگ فلاح سے، کامیابی سے، اپنا مقصد پانے اور نجات و آرام سے محروم محض ہیں۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ
تَزْعُمُونَ ﴿٢٢﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَنْ قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿٢٣﴾ انْظُرْ
كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنْفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُمْ مَا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿٢٤﴾ وَمِنْهُمْ مَنْ يَسْتَمِعُ
إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَنْ يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِنْ يَرَوْا كُلَّ
آيَةٍ لَا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا
إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿٢٥﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِنْ يُهْلِكُونَ إِلَّا
أَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿٢٦﴾

وہ دن بھی ہوگا جب ہم سب کو جمع کر کے مشرکوں سے فرمائیں گے کہ جنہیں تم اپنے گمان میں میرا شریک ٹھہراتے

---

[1] [سورۃ انعام: آیت ۱۵۰]

تھے وہ سب کہاں ہیں؟ ○ پھر تو ان کا جواب اور عذر یہی کہنا ہوگا کہ اللہ کی قسم' ہمارے رب کی قسم ہم تو مشرک ہی نہ تھے ○ دیکھ تو انہوں نے کس طرح خود اپنے اوپر جھوٹ بولا؟ اور ان کی تمام افتراء پردازیاں غائب ہو گئیں ○ ان میں بعض ایسے بھی ہیں جو تیری باتوں کی طرف کان لگاتے ہیں' ہم نے ان کے دلوں پر پردے ڈال دیئے ہیں کہ وہ انہیں سمجھیں اور ان کے کانوں میں ڈاٹ دے رکھی ہے' گو یہ تمام معجزے دیکھ لیں لیکن انہیں مانیں گے ہی نہیں' یہ تو تیرے سامنے آ کر تجھ سے لڑتے جھگڑتے ہوئے صاف کہتے ہیں کہ اس قرآن میں بجز اگلوں کی کہانیوں کے دھرا ہی کیا ہے ○ دوسروں کو بھی اس سے روکتے ہیں اور خود بھی اس سے رکتے ہیں' دراصل یہ اپنے آپ کو ہی غارت کر رہے ہیں اور لطف یہ ہے کہ اسے سمجھتے بھی نہیں ○

روز قیامت مشرکین کا انجام: قیامت کے دن اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کا حشر اپنے سامنے کرے گا پھر جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کی پرستش کرتے تھے انہیں لاجواب شرمندہ اور بے دلیل کرنے کے لیے ان سے فرمائے گا کہ جن جن کو تم میرا شریک ٹھہراتے تھے آج وہ کہاں ہیں؟ سورۂ قصص کی آیت ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيهِمْ﴾ [1] الخ میں بھی یہ موجود ہے۔

اس کے بعد کی آیت میں جو لفظ ﴿فِتْنَتُهُمْ﴾ ہے اس کا مطلب فتنہ سے مراد حجت و دلیل' عذر و معذرت' ابتلا اور جواب ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے کسی نے مشرکین کے اس انکار شرک کی بابت سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ ایک وقت یہ ہوگا کہ اللہ سے کوئی بات چھپائیں گے نہیں۔ پس ان دونوں آیتوں میں کوئی تعارض واختلاف نہیں جب مشرکین دیکھیں گے کہ موحد نمازی جنت میں جانے لگے تو کہیں گے آؤ ہم بھی اپنے مشرک ہونے کا انکار کر دیں۔ اس انکار کے بعد ان کی زبانیں بند کر دی جائیں گی اور ان کے ہاتھ پاؤں گواہیاں دینے لگیں گے تو اب کوئی بات اللہ سے نہ چھپائیں گے۔ یہ توجیہ بیان فرما کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا اب تو تیرے دل میں کوئی شک باقی نہیں رہا؟ سنو بات یہ ہے کہ قرآن میں ایسی چیزوں کا دوسری جگہ بیان و توجیہ موجود ہے لیکن بے علمی کی وجہ سے لوگوں کی نگاہیں وہاں تک نہیں پہنچتیں۔ یہ بھی مروی ہے کہ یہ آیت منافقوں کے بارے میں ہے۔ لیکن یہ کچھ ٹھیک نہیں۔ اس لیے کہ آیت مکیہ ہے اور منافقوں کا وجود مکہ شریف میں تھا ہی نہیں۔ ہاں منافقوں کے بارے میں آیت ﴿يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا فَيَحْلِفُوْنَ لَهٗ﴾ [2] الخ ہے۔ دیکھ لو کہ کس طرح انہوں نے خود اپنے اوپر جھوٹ بولا؟ اور جن جھوٹے معبودوں کا افترا انہوں نے کر رکھا تھا کیسے ان سے خالی ہاتھ ہو گئے؟ چنانچہ دوسری جگہ ہے کہ جب ان سے یہ سوال ہوگا خود یہ کہیں گے ((ضَلُّوْا عَنَّا)) وہ سب آج ہم سے دور ہو گئے۔

پھر فرماتا ہے بعض ان میں وہ بھی ہیں جو قرآن سننے کو تیرے پاس آتے ہیں لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں اٹھاتے۔ ان کے دلوں پر پردے ہیں وہ سمجھتے ہی نہیں ان کے کان انہیں یہ مبارک آوازیں اس طرح سناتے ہی نہیں کہ یہ اس سے فائدہ اٹھا سکیں اور احکام قرآنی کو قبول کریں۔ جیسے اور جگہ ان کی مثال ان چوپائے جانوروں سے دی گئی جو اپنے چرواہے کی آواز تو سنتے ہیں لیکن مطلب خاک نہیں سمجھتے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو بکثرت دلائل

---

[1] [سورۂ قصص: آیت ۶۲]
[2] [سورۂ مجادلہ: آیت ۱۸]

وبراہین اور معجزات اور نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان قبول نہیں کرتے۔ ان ازلی بدقسمتوں کے نصیب میں ایمان ہے ہی نہیں۔ یہ بے انصاف ہونے کے ساتھ ہی بے سمجھ بھی ہیں۔ اگر اب ان میں بھلائی دیکھتا تو ضرور انہیں سننے کی توفیق کے ساتھ ہی توفیق عمل وقبول بھی مرحمت فرماتا۔ ہاں انہیں اگر سوجھتی ہے تو یہ کہ اپنے باطل کے ساتھ تیرے حق کو دبادیں تجھ سے جھگڑتے ہیں اور صاف کہہ جاتے ہیں کہ یہ تو اگلوں کے افسانے ہیں جو پہلی کتابوں سے نقل کر لیے گئے ہیں۔

اس کے بعد کی آیت کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ یہ کفار خود بھی ایمان نہیں لاتے ہیں اور دوسروں کو بھی ایمان لانے سے روکتے ہیں نہ خود اتباع حق کرتے ہیں نہ دوسروں کو کرنے دیتے ہیں۔ نہ خود حضور ﷺ کے پاس آ کر آپ سے ہدایت حاصل کرتے ہیں نہ کسی اور کو آنے دیتے ہیں۔ زیادہ ظاہر مطلب تو یہی ہے۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اوروں کو تو ایذاء رسانی سے روکتے ہیں حضور ﷺ کی حمایت کرتے ہیں آپ کو برحق جانتے ہیں اور خود حق کو قبول نہیں کرتے۔ جیسے کہ ابوطالب کہ حضور ﷺ کا بڑا ہی حمایتی تھا۔ لیکن ایمان نصیب نہیں ہوا۔ آپ کے دس چچا تھے جو علانیہ تو آپ کے ساتھی تھے لیکن خفیہ مخالف تھے۔ لوگوں کو آپ کے قتل وغیرہ سے روکتے تھے لیکن خود آپ سے اور آپ کے دین سے دور ہوتے جاتے تھے۔ افسوس اس اپنے فعل سے خود اپنے ہی آپ کو غارت کرتے تھے لیکن یہ جانتے ہی نہ تھے کہ اس کرتوت کا وبال ہمیں ہی پڑ رہا ہے۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ۭ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْٓا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ۭ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ۭ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ۭ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع

کاش کہ تو دیکھتا جبکہ یہ دوزخ پر لا کھڑے کئے جائیں گے اور کہیں گے کیا اچھا ہوتا کہ ہم واپس لوٹائے جاتے' اور اپنے رب کی آیتوں کو نہ جھٹلاتے اور ایمان داروں میں ہو جاتے ○ حقیقت یہ ہے کہ جسے یہ اس سے پہلے چھپا رہے تھے وہ ان کے سامنے آ گئے' بالفرض اگر یہ واپس بھیج دیئے جائیں تو بھی یقیناً یہ پھر سے وہی کریں گے جس سے منع کیے گئے ہیں بیشک یہ جھوٹے لوگ ہیں ○ کہتے ہیں کہ بجز ہماری اس زندگانی دنیا کے اور کچھ بھی نہیں اور نہ ہم مرنے کے بعد جلا دیئے جانے والے ہیں ○ کاش کہ تو انہیں اس وقت دیکھتا جب یہ اپنے رب کے سامنے لا کھڑے کر دیئے جائیں گے' اللہ فرمائے گا کیا یہ سچ نہیں؟ کہیں گے ہاں ہمارے رب کی قسم سچ ہے' فرمائے گا کہ اب تو اپنے کئے ہوئے کفر کا عذاب چکھو ○

موت کے بعد واپسی نہیں: کفار کا حال اور ان کا برا انجام بیان ہو رہا ہے کہ جب یہ جہنم کو وہاں کے طرح طرح کے عذابوں کو وہاں کی بدترین سزاؤں کو طوق وزنجیر کو دیکھ لیں گے اس وقت ہائے وائے مچائیں گے اور تمنا کریں

گے کہ کیا اچھا ہو کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جائیں تا کہ وہاں جا کر نیکیاں کریں اللہ کی باتوں کو نہ جھٹلائیں اور پکے سچے موحد بن جائیں۔

حقیقت یہ ہے کہ جس کفر و تکذیب کو اور سختی و بے ایمانی کو یہ چھپا رہے تھے وہ ان کے سامنے کھل گئی۔ جیسے اس سے اوپر کی آیتوں میں گذرا کہ اپنے کفر کا تھوڑی دیر پہلے انکار تھا اب یہ تمنا گویا اس انکار کے بعد کا اقرار ہے اور اپنے جھوٹ کا خود اعتراف ہے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جس سچائی کو دنیا میں چھپاتے رہے اسے آج کھول دیں گے۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون سے کہا تھا کہ تو بخوبی جانتا ہے کہ یہ تمام نشانیاں آسمان وزمین کے رب کی اتاری ہوئی ہیں۔ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ﴿وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا﴾ [1] یعنی فرعونیوں کے دلوں میں تو کامل یقین تھا لیکن صرف اپنی برائی اور سنگدلی کی وجہ سے بہ ظاہر منکر تھے اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد منافق ہوں جو ظاہراً مومن تھے اور دراصل کافر تھے اور یہ خبر جماعت کفار کے کلام سے متعلق ہو۔ اگرچہ منافقوں کا وجود مدینے میں پیدا ہوا لیکن اس عادت کے موجود ہونے کی خبر مکی سورتوں میں بھی ہے۔ ملاحظہ ہو سورۂ عنکبوت جہاں صاف فرمان ہے ﴿وَلَيَعْلَمَنَّ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَيَعْلَمَنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ﴾ [2] پس یہ منافقین دار آخرت میں عذابوں کو دیکھ لیں گے اور جو کفر و نفاق چھپا رہے تھے وہ آج ان پر ظاہر ہو جائیں گے۔ واللہ اعلم۔ اب ان کی جو تمنا ہوگی کہ ہم دنیا کی طرف لوٹائے جائیں یہ بھی دراصل طمع ایمانی کی وجہ سے نہیں ہوگی بلکہ عذابوں سے چھوٹ جانے کے لیے ہوگی۔ چنانچہ عالم الغیب اللہ فرماتا ہے کہ اگر یہ لوٹا دیئے جائیں جب بھی ان ہی نافرمانیوں میں پھر سے مشغول ہو جائیں گے۔ ان کا یہ قول کہ وہ رغبت ایمان کر رہے ہیں اب بھی غلط ہے۔ نہ یہ ایمان لائیں گے نہ جھٹلانے سے باز رہیں گے۔ بلکہ لوٹنے کے بعد بھی وہی پہلا سبق رٹنے لگیں لگے کہ بس اب تو یہی دنیا ہی زندگانی ہے۔ دوسری زندگی اور آخرت کوئی چیز نہیں۔ نہ مرنے کے بعد ہم اٹھائے جائیں گے۔

پھر ایک اور حال بیان ہو رہا ہے کہ یہ اللہ عزوجل کے سامنے کھڑے ہوں گے۔ اس وقت جناب باری ان سے فرمائے گا کہو اب تو اس کا سچا ہونا تم پر ثابت ہو گیا؟ اب تو مان گئے کہ یہ غلط اور باطل نہیں؟ اس وقت سرنگوں ہو کر کہیں گے کہ ہاں اللہ کی قسم یہ بالکل سچ اور سراسر حق ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اب اپنے جھٹلانے اور نہ ماننے اور کفر و انکار کا خمیازہ بھگتو اور عذابوں کا مزہ چکھو۔ بتاؤ اب یہ جادو ہے یا تم اندھے ہو۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰي مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰي ظُهُوْرِهِمْ ۭ اَلَا سَاۗءَ مَا يَزِرُوْنَ ۝۳۱ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ۭ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۳۲

[1] [سورۃ النمل: آیت ۱۴]
[2] [سورۃ العنکبوت: آیت ۱۱]

یقیناً اس جماعت نے نقصان اٹھایا جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا' یہاں تک کہ ان کے پاس ناگہاں قیامت آ پہنچی کہنے لگے افسوس ہماری کوتاہی پر جو ہم نے قیامت کے بارے میں کی یہ لوگ اپنے گناہوں کے بوجھ اپنی کمر پر لادے ہوئے ہوں گے' دیکھو تو کیا ہی برا بوجھ لادے ہوئے ہیں ○ دنیا کی زندگی تو صرف ایک کھیل تماشا ہے' ہاں بیشک پرہیزگاروں کے لیے آخرت کا گھر بہت ہی بہتر ہے' کیا تم لوگ عقل ہی نہیں رکھتے ○

جہنم دیکھ کر ندامت بے سود: قیامت کو جھٹلانے والوں کا نقصان ان کا افسوس اور ان کی ندامت وخجالت کا بیان ہو رہا ہے جو اچانک قیامت کے آ جانے کے بعد انہیں ہوگا۔ نیک اعمال کے ترک کا افسوس الگ' بداعمالیوں پر پچھتاوا جدا ہے۔ ﴿فِيْهَا﴾ کی ضمیر کا مرجع ممکن ہے کہ ﴿اَلْحَيَاةُ﴾ ہو اور ممکن ہے ﴿اَلْاَعْمَالُ﴾ ہو اور ممکن ہے ﴿الدَّارُ الْاٰخِرَةُ﴾ ہو۔ یہ اپنے گناہوں کے بوجھ سے لدے ہوئے ہوں گے۔ اپنی بدکرداریاں اپنے اوپر اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ آہ! کیسا برا بوجھ ہے؟ حضرت ابومرزوق رحمہ اللہ فرماتے ہیں کافر یا فاجر جب اپنی قبر سے اٹھے گا اسی وقت اس کے سامنے ایک شخص آئے گا جو نہایت بھیانک' خوفناک اور بدصورت ہوگا اس کے جسم سے تعفن والی سڑاند کی سخت بدبو آ رہی ہوگی وہ اس کے پاس جب پہنچے گا یہ دہشت و وحشت سے گھبرا کر اس سے پوچھے گا تو کون ہے؟ وہ کہے گا خوب! کیا تو مجھے پہچانتا نہیں؟ یہ جواب دے گا ہرگز نہیں صرف اتنا جانتا ہوں کہ تو نہایت بدصورت' کریہہ منظر اور تیز بدبو والا ہے تجھ سے زیادہ بدصورت کوئی بھی نہ ہوگا۔ وہ کہے گا سن میں تیرا خبیث عمل ہوں جسے تو دنیا میں مزے لے لے کر کرتا رہا۔ سن تو دنیا میں مجھ پر سوار رہا اب کمر جھکا میں تجھ پر سوار ہو جاؤں گا چنانچہ وہ اس پر سوار ہو جائے گا یہی مطلب ہے اس آیت کا کہ وہ لوگ اپنے بداعمال کو اپنی پیٹھ پر لادے ہوئے ہوں گے۔ حضرت سدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو بھی ظالم شخص قبر میں جاتا ہے اس کی لاش کے قبر میں پہنچتے ہی ایک شخص اس کے پاس جاتا ہے سخت بدصورت سخت بدبودار اور سخت میلے اور قابل نفرت لباس والا یہ اسے دیکھتے ہی کہتا ہے تو تو بڑا ہی بدصورت ہے بدبودار ہے یہ کہتا ہے تیرے اعمال ایسے ہی گندے تھے وہ کہتا ہے تیرا لباس نہایت متعفن ہے۔ یہ کہتا ہے تیرے اعمال ایسے ہی قابل نفرت تھے۔ وہ کہتا ہے اچھا بتا تو سہی اے منحوس تو ہے کون؟ یہ کہتا ہے تیرے عمل کا مجسمہ۔ اب یہ اس کے ساتھ ہی رہتا ہے اور اس کے لیے عذابوں کے ساتھ ہی ایک عذاب ہوتا ہے۔ جب قیامت کے دن یہ اپنی قبر سے چلے گا تو یہ کہے گا ٹھہر جاؤ دنیا میں تو نے میری سواری لی ہے اب میں تیری سواری لوں گا چنانچہ وہ اس پر سوار ہو جاتا ہے اور اسے مارتا پیٹتا ذلت کے ساتھ جانوروں کی طرح ہنکاتا ہوا جہنم میں پہنچاتا ہے۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے اس جملے کے۔ دنیا کی زندگانی بجز کھیل تماشے کے ہے ہی کیا' آنکھ بند ہوئی اور خواب ختم۔ البتہ اللہ سے ڈرنے والے لوگوں کے لیے آخرت کی زندگانی بڑی چیز ہے اور بہت ہی بہتر چیز ہے تمہیں کیا ہو گیا کہ تم عقل سے کام ہی نہیں لیتے؟

قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾ وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا

حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِی الْمُرْسَلِیْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَیْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَآءِ فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِیْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا یَسْتَجِیْبُ الَّذِیْنَ یَسْمَعُوْنَ ؔؕ وَالْمَوْتٰى یَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

ہمیں بخوبی علم ہے کہ تجھے ان کی باتیں رنجیدہ کرتی ہیں' یقین مانناکہ یہ دراصل تجھے نہیں جھٹلاتے بلکہ یہ ظالم تو اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے ہیں ○ بلاشبہ تجھ سے پہلے کے پیغمبر بھی جھٹلائے گئے' انہوں نے اپنے اس جھٹلائے جانے پر اور ایذاء دہی پر صبر کیا یہاں تک کہ ان کے پاس ہماری مدد آ پہنچی' اللہ کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں' تیرے پاس پیغمبروں کے حالات پہنچ چکے ہیں ○ اگر ان کی سرتابی تجھ پر گراں گذر رہی ہے تو اگر تجھ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ لگا کر یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا کر انہیں کوئی معجزہ لا دے' اگر اللہ کو منظور ہوتا تو ان سب کو راہ راست پر جمع کر دیتا خبردار کہیں تو جاہلوں میں سے نہ ہو جانا ○ وہی لوگ قبول کرتے ہیں جو گوش دل سے سنتے ہیں مردوں کو اللہ تعالیٰ زندہ کر کے اٹھائے گا پھر سب کے سب اللہ ہی کی طرف لوٹائے جائیں گے ○

اللہ تعالیٰ کی نبی ﷺ کو تسلی: اللہ تعالیٰ اپنے نبی محترم حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تسلی دیتا ہے کہ آپ اپنی قوم کے جھٹلانے نہ ماننے اور ایذائیں پہنچانے سے تنگ دل نہ ہوں' فرماتا ہے کہ ہمیں ان کی حرکت خوب معلوم ہے۔ آپ ﷺ ان کی اس لغویت پر ملال نہ کرو۔ کیا اگر یہ ایمان نہ لائیں تو آپ ان کے پیچھے اپنی جان کو روگ لگا لیں گے؟ کہاں تک ان کے لیے حسرت و افسوس کریں گے؟ سمجھا دیجئے اور ان کا معاملہ سپرد اللہ کیجیے۔ یہ لوگ دراصل آپ کو جھوٹا نہیں جانتے بلکہ یہ تو حق کے دشمن ہیں۔ چنانچہ ابو جہل نے صاف کہا تھا کہ ہم تجھے نہیں جھٹلاتے لیکن تو جو لے کر آیا ہے اسے نہیں مانتے۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ اسی بارے میں یہ آیت نازل ہوئی۔ [1] ابن ابی حاتم میں ہے کہ ابو جہل کو حضور ﷺ سے مصافحہ کرتے ہوئے دیکھ کر کسی نے اس سے کہا کہ اس بے دین سے تو مصافحہ کرتا ہے؟ تو اس نے جواب دیا کہ اللہ کی قسم مجھے خوب علم ہے اور کامل یقین ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے سچے نبی ﷺ ہیں۔ ہم صرف خاندانی بنا پر ان کی نبوت کے ماتحت نہیں ہوتے۔ ہم نے آج تک بنی عبد مناف کی تابعداری نہیں کی۔ [2] الغرض حضور ﷺ کو رسول اللہ مانتے ہوئے آپ کی فرمانبرداری سے بھاگتے تھے۔ امام محمد بن

---

[1] [**ضعیف**: مستدرک حاکم (۳۱۵/۲) تفسیر ابن ابی حاتم (۷۲۳۴/۴) دارقطنی فی العلل (۱۴۳/۴) الضیاء فی المختارہ (۷۴۸/۲) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ الانعام (۳۰۶۴)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف الاسناد کہا ہے۔[ضعیف ترمذی]

[2] [**مرسل وضعیف**: تفسیر ابن ابی حاتم (۷۲۳۹/۴) الدر المنثور للسیوطی (۱۸/۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے مرسل کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے مرسل کہتے ہیں۔]

اسحٰق رحمہ اللہ نے بیان فرمایا ہے کہ حضرت زہری رحمہ اللہ اس قصے کو بیان کرتے ہوئے جس میں ابوجہل ابوسفیان صخر بن حرب اخنس بن شریق کا رات کے وقت پوشیدہ طور پر آ کر ایک دوسرے کی بے خبری میں رسول اللہ ﷺ کی زبانی قرآن سننا ہے۔ کہتے ہیں کہ ان لوگوں نے صبح تک قرآن سنا روشنی ذرا سی نمودار ہوئی تھی جو یہ واپس چلے اتفاقاً ایک چوک میں ایک دوسرے سے ملاقات ہوگئی۔ حیرت سے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کہ اس وقت یہاں کہاں؟ پھر ہر ایک دوسرے سے صاف صاف کہہ دیتا ہے کہ حضور ﷺ سے قرآن سننے کے لیے چپ چاپ آ گئے تھے۔ اب تینوں بیٹھ کر معاہدہ کرتے ہیں کہ آئندہ ایسا نہ کرنا ورنہ اگر اوروں کو خبر ہوئی اور وہ آئے تو وہ سچے پکے مسلمان ہو جائیں گے۔ دوسری رات کو ہر ایک نے اپنے طور پہ گمان کر کے کل رات کے وعدے کے مطابق وہ دونوں تو آئیں گے نہیں میں تنہا کیوں نہ جاؤں؟ میرے جانے کی کسے خبر ہوگی؟ اپنے گھر سے پچھلی رات کے اندھیرے اور سوفتے میں ہر ایک چلا اور ایک کونے میں دب کر اللہ کے نبی ﷺ کی زبانی تلاوت قرآن کا مزہ لیتا رہا اور صبح کے وقت واپس چلا۔ اتفاقاً آج بھی اسی جگہ تینوں کا میل ہوگیا۔ ہر ایک نے ایک دوسرے کو بڑی ملامت کی بہت طعن ملامت کی اور نئے سرے سے عہد کیا کہ اب ایسی حرکت نہیں کریں گے۔ لیکن تیسری شب پھر صبر نہ ہو سکا اور ہر ایک اسی طرح پوشیدہ طور پر پہنچا اور ہر ایک کو دوسرے کے آنے کا علم بھی ہوگیا۔ پھر جمع ہو کر اپنے آپ کو برا بھلا کہنے لگے اور بڑی سخت قسمیں کھا کر قول قرار کیے کہ اب ایسا نہیں کریں گے۔ صبح ہوتے ہی اخنس بن شریق کپڑے پہن کر تیار ہو کر ابوسفیان بن حرب کے پاس اس کے گھر میں گیا اور کہنے لگا اے ابوحنظلہ ایمان سے بتاؤ سچ سچ کہو جو قرآن تم نے محمد (ﷺ) کی زبانی سنا اس کی بابت تمہاری اپنی ذاتی رائے کیا ہے؟ اس نے کہا ابوثعلبہ سنو! واللہ بہت سی آیتوں کے الفاظ معنی اور مطلب تو میں سمجھ گیا اور بہت سی آیتوں کو ان کی مراد کو میں جانتا ہی نہیں۔ اخنس نے کہا واللہ یہی حال میرا بھی ہے۔ اب یہاں سے اٹھ کر اخنس سیدھا ابوجہل کے پاس پہنچا اور کہنے لگا ابوالحکم تم سچ بتا دو جو کچھ تم حضور ﷺ سے سنتے ہو اس میں تمہارا خیال کیا ہے؟ اس نے کہا سن جو سنا ہے اسے تو ایک طرف رکھ دے بات یہ ہے کہ بنوعبد مناف اور ہم میں چشمک ہے وہ ہم سے اور ہم ان سے بڑھنا اور سبقت کرنا چاہتے ہیں اور مدت سے یہ رسہ کشی ہو رہی ہے۔ انہوں نے مہمانداریاں اور دعوتیں کیں تو ہم نے بھی کیں انہوں نے لوگوں کو سواریاں دیں تو ہم نے بھی یہی کیا۔ انہوں نے عوام الناس کے ساتھ احسان وسلوک کیے تو ہم نے بھی اپنی تھیلیوں کے منہ کھول ڈالے گویا ہم کسی معاملہ میں ان سے کم نہیں رہے۔ اب جبکہ برابر کی ٹکر چلی جا رہی تھی تو انہوں نے کہا ہم میں ایک نبی ہے۔ سنو چاہے ادھر کی دنیا ادھر ہو جائے نہ تو ہم اس کی تصدیق کریں گے نہ مانیں گے۔ اخنس مایوس ہو گیا اور اٹھ کر چل دیا۔ [1] اسی آیت کی تفسیر میں ابن جریر میں ہے کہ بدر والے دن اخنس

---

[1] **[مرسل وضعیف** : بیهقی فی دلائل النبوة (۲/۲۰۶۔ ۲۰۷) سیرة ابن هشام (۱/۳۳۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس میں انقطاع ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

بن شریق نے قبیلہ بنو زہرہ سے کہا کہ محمد (ﷺ) تمہاری قرابت کے ہیں تم ان کی ننہیال میں ہو تمہیں چاہیے کہ اپنے بھانجے کی مدد کرو۔ اگر وہ واقعی نبی ہے تو مقابلہ بے سود ہی نہیں بلکہ سراسر نقصان دہ ہے اور بالفرض نہ بھی ہو تو بھی وہ تمہارا ہے۔ اچھا ٹھہرو دیکھو میں ابوالحکم (یعنی ابوجہل) سے بھی ملتا ہوں سنو اگر محمد (ﷺ) غالب آ گئے تو وہ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے تم سلامتی کے ساتھ واپس چلے جاؤ گے اور اگر تمہاری قوم غالب آ گئی تو ان میں تو تم ہی ہو۔ اسی دن سے اس کا نام اخنس ہوا اصل نام ابی تھا۔ اب اخنس تنہائی میں ابوجہل سے ملا اور کہنے لگا سچ بتا محمد (ﷺ) تمہارے نزدیک سچے ہیں یا جھوٹے؟ دیکھو یہاں میرے اور تمہارے سوا کوئی اور نہیں دل کی بات مجھ سے نہ چھپانا۔ اس نے کہا جب یہی بات ہے تو سنو اللہ کی قسم محمد (ﷺ) بالکل سچے اور یقیناً صادق ہیں عمر بھر میں کسی چھوٹی سی چھوٹی بات میں کبھی بھی آپ نے جھوٹ نہیں بولا۔ ہمارے رکنے اور مخالفت کرنے کی وجہ ایک اور صرف ایک ہی ہے وہ یہ کہ جب بنو قصی کے خاندان میں جھنڈے اور پھریرے چلے گئے جب حج کے حاجیوں کے اور بیت اللہ شریف کے مہتمم و منتظم یہی ہو گئے پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ نبوت بھی اسی قبیلے میں چلی گئی تو اب اور قریشیوں کے لیے کون سی فضیلت باقی رہ گئی؟ اسی کا ذکر اس آیت میں ہے۔ پس آیات اللہ سے مراد ذات حضرت محمد (ﷺ) ہے۔

پھر دوبارہ تسلی دی جاتی ہے کہ آپ اپنی قوم کی تکذیب ایذا رسانی وغیرہ پر صبر کیجیے جیسے اولوالعزم پیغمبروں نے صبر کیا اور یقین مانئے کہ جس طرح انجام کار گذشتہ نبیوں کا غلبہ رہا اور ان کے مخالفین تباہ و برباد ہوئے اسی طرح اللہ تعالیٰ آپ کو غالب کرے گا اور آپ کے مخالفین مغلوب ہوں گے۔ دونوں جہان میں حقیقی بلندی آپ کی ہی ہو گی۔ رب تو یہ بات فرما چکا ہے کہ اللہ کی باتوں کو کوئی بدل نہیں سکتا جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَلَقَدْ سَبَقَتْ كَلِمَتُنَا لِعِبَادِنَا الْمُرْسَلِينَ﴾ [1] یعنی ہم تو پہلے سے ہی یہ فرما چکے ہیں کہ ہمارے رسولوں کو مدد دی جائے گی اور ہمارا لشکر ہی غالب رہے گا اور آیت میں فرماتا ہے ﴿كَتَبَ اللَّهُ لَأَغْلِبَنَّ أَنَا وَرُسُلِي إِنَّ اللَّهَ قَوِيٌّ عَزِيزٌ﴾ [2] اللہ تعالیٰ یہ لکھ چکا ہے کہ میں اور میرے رسول ہی غالب آئیں گے یقیناً اللہ تعالیٰ قوت والا اور غلبہ والا ہے۔ ان نبیوں کے اکثر قصے آپ کے سامنے بیان ہو چکے ہیں ان کے حالات آپ کو پہنچ چکے ہیں۔ آپ خوب جانتے ہیں کہ کس طرح ان کی نصرت و تائید ہوئی اور مخالفین پر انہیں کامیابی حاصل ہوئی۔

پھر فرماتا ہے اگر ان کی یہ بے رخی تجھ پر گراں گذرتی ہے اگر تجھ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ کھود لے اور جو معجزہ یہ تجھ سے مانگتے ہیں لا دے یا تیرے بس میں ہو تو کوئی زینہ لگا کر آسمان پر چڑھ جا اور وہاں سے ان کی چاہت کی کوئی نشانی لے آ۔ میں نے تجھے اتنی نشانیاں اس قدر معجزے دیئے ہیں کہ ایک اندھا بھی شک نہ کر سکے۔ اب ان کی طلب معجزات محض مذاق ہے اور عناد و ضد ہے تو کوئی ضرورت نہیں کہ تو انہیں ان کی چاہت کے معجزے ہر وقت دکھاتا پھرے۔ یا اگر وہ تیرے بس کے نہ ہوں تو تم غم کر کے رہو۔ اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو ہدایت پر متفق کر دیتا۔ تجھے نادانوں میں نہ ملنا چاہیے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ اگر رب چاہتا تو روئے زمین کی

---

[1] [سورة الصافات: آیت ۱۷۱، ۱۷۳]
[2] [سورة المجادله: آیت ۲۱]

مخلوق کو مومن بنا دیتا۔ [1] آپ کی حرص تھی کہ سب لوگ ایماندار بن کر آپ کی تابعداری کریں تو رب نے فرما دیا کہ یہ سعادت جس کے حصے میں ہے توفیق اسی کی رفیق ہو گی۔

پھر فرمایا کہ آپ کی دعوت پر لبیک کہنا اسے نصیب ہو گی جو کان لگا کر آپ کے کلام کو سنے سمجھے یاد رکھے اور دل میں جگہ دے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ یہ اسے آگاہ کرتا ہے جو زندہ ہو۔ کفار پر تو کلمہ عذاب ثابت ہو چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ مردوں کو اٹھا کر بٹھائے گا پھر اسی کی طرف سب کے سب لوٹائے جائیں گے۔ مردوں سے مراد یہاں کفار ہیں کیونکہ وہ مردہ دل ہیں تو انہیں مردہ جسموں سے تشبیہ دی۔ جس میں ان کی ذلت و خواری ظاہر ہوتی ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓي اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَمَا مِنْ دَاۗبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰۗىِٕرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ۭ مَا فَرَّطْنَا فِي الْكِتٰبِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ۝ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِي الظُّلُمٰتِ ۭ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ۭ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰي صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝

کہتے ہیں اس پر کوئی نشان کیوں نازل نہیں کیا گیا؟ تو جواب دے کہ اللہ ہر نشان کے اتارنے پر قادر ہے مگر ان میں کے اکثر بے علم ہیں ○ زمین پر چلنے والے تمام تر جاندار اور کل کے کل پرند جو اپنے دو پروں پر اڑتے پھرتے ہیں سب کے سب تم جیسے ہی گروہ ہیں ہم نے اپنی کتاب میں کسی چیز کو نہیں چھوڑا پھر یہ سب اپنے رب ہی کی طرف جمع کئے جائیں گے ○ ہماری آیتوں کے جھٹلانے والے بہرے اور گونگے اندھیروں میں پڑے ہوئے ہیں، جسے اللہ چاہے گمراہ کر دے اور جسے چاہے راہ راست پر لگا دے ○

معجزات ظاہر نہ کرنے کی حکمت: کافر لوگ بطور اعتراض کہا کرتے تھے کہ جو معجزہ ہم طلب کرتے ہیں یہ کیوں نہیں دکھاتے؟ مثلاً عرب کی کل زمین میں چشموں اور آبشاروں کا جاری ہو جانا وغیرہ۔ فرماتا ہے کہ قدرت الٰہی سے تو کوئی چیز باہر نہیں لیکن اس وقت حکمت الٰہیہ کا تقاضا یہ نہیں۔ اس میں ایک ظاہری حکمت تو یہ ہے کہ تمہارے چاہے ہوئے معجزے کو دیکھ لینے کے بعد بھی اگر تم ایمان نہ لائے تو اصول الٰہیہ کے مطابق تم سب کو اسی جگہ ہلاک کر دیا جائے گا۔ جیسے تم سے اگلے لوگوں کے ساتھ ہوا۔ ثمودیوں کی نظیر تمہارے سامنے موجود ہے ہم تو جو چاہیں نشان بھی دکھا سکتے ہیں اور جو چاہیں عذاب بھی کر سکتے ہیں۔

چرنے چگنے والے جانور، اڑنے والے پرند بھی تمہاری طرح قسم قسم کے ہیں مثلاً پرند ایک امت، انسان ایک امت، جنات ایک امت وغیرہ۔ یہ کہ وہ بھی سب تمہاری ہی طرح مخلوق ہیں۔ سب پر اللہ کا علم محیط ہے۔ سب اس کی کتاب میں لکھے ہوئے ہیں۔ نہ کسی کا وہ رزق بھولے، نہ کسی کی حاجت اٹکے، نہ کسی کی حسن تدبیر سے وہ غافل

---

[1] [سورۃ یونس : آیت ۹۹]

خشکی تری کا ایک ایک جاندار اس کی حفاظت میں ہے جیسے فرمان ہے: ﴿وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِی الْاَرْضِ اِلَّا عَلَی اللّٰهِ رِزْقُهَا﴾ [1] الخ، یعنی جتنے جاندار زمین پر چلتے پھرتے ہیں سب کی روزیاں اللہ کے ذمہ ہیں وہی ان کے جیتے جی کے ٹھکانے کو اور مرنے کے بعد سونپے جانے کے مقام کو بخوبی جانتا ہے اس کے پاس لوح محفوظ ہیں یہ سب کچھ درج بھی ہے۔ ان کے نام ان کی گنتی ان کی حرکات و سکنات سب سے وہ واقف ہے اس کے وسیع علم سے کوئی چیز خارج اور باہر نہیں۔ اور مقام پر ارشاد ہے: ﴿وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّةٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَهَا﴾ [2] الخ، بہت سے وہ جاندار ہیں جن کی روزی تیرے ذمہ نہیں انہیں اور تم سب کو اللہ ہی روزیاں دیتا ہے وہ باریک سے باریک آواز کو سننے والا ہے۔ اور ہر چھوٹی بڑی چیز کا جاننے والا ہے۔ ابو یعلی میں حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی دو سال کی خلافت کے زمانہ میں سے ایک سال ٹڈیاں دکھائی ہی نہیں دیں تو آپ کو بہت خیال ہوا اور شام عراق یمن وغیرہ کی طرف سوار دوڑائے کہ دریافت کر آئیں کہ ٹڈیاں اس سال کہیں نظر بھی پڑیں یا نہیں؟ یمن والا قاصد جب واپس آیا تو اپنے ساتھ مٹھی بھر ٹڈیاں بھی لیتا آیا اور حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے سامنے ڈال دیں آپ نے انہیں دیکھ کر تین مرتبہ تکبیر کہی اور فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ اللہ عزوجل نے ایک ہزار امتیں پیدا کی ہیں جن میں سے چھ سو تری میں ہیں اور چار سو خشکی میں۔ ان تمام امتوں میں سے سب سے پہلے ٹڈی ہلاک ہوگی اس کے بعد تو ہلاکت کا سلسلہ شروع ہو جائے گا بالکل اس طرح جیسے کسی تسبیح کا دھاگہ ٹوٹ گیا اور موتی یکے بعد دیگرے جھڑنے لگ گئے۔ [3] پھر فرماتا ہے سب کا حشر اللہ کی طرف ہے یعنی سب کو موت ہے۔ چوپایوں کی موت ہی ان کا حشر ہے۔ ایک قول تو یہ ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ میدان محشر میں بروز قیامت یہ بھی اللہ جل شانہ کے سامنے جمع کیے جائیں گے جیسے فرمایا ﴿وَاِذَا الْوُحُوْشُ حُشِرَتْ﴾ [4] مسند احمد میں ہے کہ دو بکریوں کو آپس میں لڑتے ہوئے دیکھ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو یہ کیوں لڑ رہی ہیں؟ جواب ملا کہ میں کیا جانوں؟ فرمایا لیکن اللہ تعالیٰ جانتا ہے اور ان کے درمیان وہ فیصلہ بھی کرے گا۔ [5] ابن جریر کی ایک اور روایت میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ اڑنے والے ہر ایک پرند کا علم بھی

---

[1] [سورة هود: آیت ٦]

[2] [سورة العنكبوت: آیت ٦٠]

[3] [موضوع خطیب فی تاریخه (١١/٢١٨) بیهقی فی شعب الایمان (١٠١٣٢/٧) مجمع الزوائد (١٢٤٣٣) ابن عدی فی الكامل (٥/٣٥٢)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔ [٣/١٣-١٤] امام ابن حبانؒ نے فرمایا ہے کہ بلاشبہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام نہیں بلکہ من گھڑت بات ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔]

[4] [سورة التكوير: آیت ٥]

[5] [حسن مسند احمد (٥/١٦٢) مسند طیالسی (٤٨٠) مجمع الزوائد (١٠/٣٥١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [السلسلة الصحیحة (١٥٨٨)]

ہمارے سامنے بیان کیا گیا ہے۔ [1] مسند کی اور روایت میں ہے کہ بے سینگ بکری قیامت کے دن سینگ والی بکری سے اپنا بدلہ لے گی۔ [2] حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ تمام مخلوق چوپائے بہائم پرند وغیرہ غرض تمام چیزیں اللہ کے سامنے حاضر ہوں گی۔ پھر ان میں یہاں تک عدل ہوگا کہ بے سینگ والی بکری کو اگر سینگ والی بکری نے مارا ہوگا تو اس کا بھی بدلہ دلوایا جائے گا پھر ان سے جناب باری فرمائے گا تم مٹی ہو جاؤ۔ اس وقت کافر بھی یہی آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے۔ صور والی حدیث میں یہ مرفوعاً بھی مروی ہے۔

پھر کافروں کی مثال بیان کی گئی ہے کہ وہ اپنی کم علمی اور کج فہمی میں ان بہروں گونگوں کے مثل ہیں جو اندھیروں میں ہوں۔ بتاؤ تو وہ کیسے راہ راست پر آ سکتے ہیں؟ نہ کسی کی سنیں اور نہ اپنی کہیں نہ کچھ دیکھ سکیں۔ جیسے سورۂ بقرہ کی ابتداء میں ہے کہ ان کی مثال اس شخص جیسی ہے جو آگ سلگائے جب آس پاس کی چیزیں اس پر روشن ہو جائیں اس وقت آگ بجھ جائے اور وہ اندھیروں میں رہ جائے اور کچھ نہ دیکھ سکے۔ ایسے لوگ بہرے گونگے اندھے ہیں وہ راہ راست کی طرف لوٹ نہیں سکتے اور آیت میں ہے ﴿اَوْ كَظُلُمٰتٍ فِیْ بَحْرٍ لُّجِّیٍّ﴾ [3] الخ یعنی مثل ان اندھیروں کے جو گہرے سمندر میں ہوں جس کی موجوں پر موجیں اٹھ رہی ہوں اور اوپر سے ابر چھایا ہوا اندھیروں پر اندھیریاں ہوں کہ ہاتھ بھی نظر نہ آ سکے۔ جسے قدرت نے نور نہیں بخشا وہ بے نور ہے۔ پھر فرمایا ساری مخلوق میں اللہ ہی کا تصرف ہے وہ جسے چاہے صراط مستقیم پر کر دے۔

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ۭ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ۭ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

---

[1] [حسن بالشواھد: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۲۲۷) مسند بزار (۴۳۵۰) مسند احمد (۱۷۳/۵) تفسیر عبد الرزاق (۲۰۶/۲) طبرانی اوسط (۶۱۱۰/۶)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے حسن کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (۲۱۴۳۸)]

[2] [حسن لغیرہ: زوائد المسند (۷۲/۱) مسند احمد (۳۲۳/۲) مسند بزار (۳۴۴۹) ترمذی (۲۴۲۰) صحیح ابن حبان (۷۳۶۳)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن لغیرہ کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۵۲۰)]

[3] [سورۃ النور: آیت ۴۰]

دریافت تو کر کہ ذرا یہ تو بتلاؤ کہ اگر تم پر عذاب اللہ آجائے یا تم پر قیامت قائم ہو جائے تو کیا اللہ کے سوا کسی اور کو پکارو گے اگر تم سچے ہو ○ بلکہ تم صرف اسی اللہ کو پکارو گے پھر اگر وہ چاہے گا تو اس تکلیف کو ہٹا دے گا جس کے ہٹنے کی تم دعا کرتے تھے تم اس وقت اپنے تمام شریکوں کو بھول جاؤ گے ○ اور ہم نے تجھ سے پہلے کی امتوں کی طرف اپنے رسول بھیجے آخر ہم نے انہیں تنگی اور تکلیف میں مبتلا کر دیا تا کہ وہ عاجزی کریں ○ پھر عذاب کے ان کے پاس آچکنے کے بعد بھی انہوں نے عاجزی کیوں نہ کی؟ لیکن ان کے دل سخت ہو گئے اور وہ جو کچھ کر رہے ہیں اسے شیطان نے ان کی نظر میں زینت دے دی ○ جو نصیحت انہیں کی گئی تھی جب یہ اسے فراموش کر بیٹھے تو ہم نے بھی ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیئے یہاں تک کہ جو کچھ دیئے گئے تھے اس پر اترانے لگے تو ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا تو وہ ایک دم ناامید ہو گئے ○ پس ظالم لوگوں کی جڑیں کاٹ دی گئیں سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○

اللہ کے شریکوں کو مصیبت میں کیوں نہیں پکارتے؟ مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے تمام مخلوق اس کے آگے پست ولا چار ہے جو چاہتا ہے حکم کرتا ہے۔ اس کا کوئی ارادہ بدلتا نہیں' اس کا کوئی حکم ٹلتا نہیں کوئی نہیں جو اس کی چاہت کا خلاف کر سکے یا اس کے حکم کو ٹال سکے یا اس کی قضا کو پھیر سکے وہ سارے ملک کا تنہا مالک ہے اس کی کسی بات میں کوئی شریک یا دخیل نہیں جو اس سے مانگے وہ اسے دیتا ہے۔ جس کی چاہے دعا قبول فرماتا ہے۔ پس فرماتا ہے خود تمہیں بھی ان تمام باتوں کا علم واقرار ہے یہی وجہ ہے کہ آسمانی سزاؤں کے آپڑنے پر تم اپنے تمام شریکوں کو بھول جاتے ہو اور صرف اللہ واحد کو پکارتے ہو۔ اگر تم سچے ہو کہ اللہ کے ساتھ اس کے کچھ اور شریک بھی ہیں تو ایسے کٹھن موقعوں پر ان میں سے کسی کو کیوں نہیں پکارتے؟

بلکہ صرف اللہ واحد کو پکارتے ہو اور اپنے تمام معبودان باطل کو بھول جاتے ہو۔ چنانچہ اور آیت میں ہے کہ سمندر میں جب ضرر پہنچتا ہے تو اللہ کے سوا ہر ایک تمہاری یاد سے نکل جاتا ہے۔ ہم نے اگلی امتوں کی طرف بھی رسول بھیجے پھر ان کے نہ ماننے پر ہم نے انہیں فقر وفاقہ میں' تنگی ترشی میں' بیماریوں اور دکھ درد میں مبتلا کر دیا کہ اب بھی وہ ہمارے سامنے گریہ وزاری کریں' عاجزانہ طور پر ہمارے سامنے جھک جائیں۔ ہم سے ڈر جائیں اور ہمارے دامن سے چمٹ جائیں۔ پھر انہوں نے ہمارے عذابوں کے آجانے کے بعد بھی ہمارے سامنے عاجزی کیوں نہ کی؟ مسکینی کیوں نہ جتائی؟ بلکہ ان کے دل سخت ہو گئے۔ شرک' دشمنی' ضد' تعصب' سرکشی' نافرمانی وغیرہ کو شیطان نے انہیں بڑا احسن میں دکھایا اور یہ اس پر جمے رہے۔

جب یہ لوگ ہماری باتوں کو فراموش کر گئے ہماری کتاب کو پس پشت ڈال دیا ہمارے فرمان سے منہ موڑ لیا تو ہم نے بھی انہیں ڈھیل دے دی کہ یہ اپنی برائیوں میں اور آگے نکل جائیں۔ ہر طرح کی روزیاں اور زیادہ سے زیادہ مال انہیں دیتے رہے یہاں تک کہ مال اولاد و رزق وغیرہ کی وسعت پر وہ پھولنے لگے اور غفلت کے گہرے گڑھے میں اتر گئے تو ہم نے انہیں ناگہاں پکڑ لیا۔ اس وقت وہ مایوس ہو گئے۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ کا صوفیانہ مقولہ ہے کہ جس نے کشادگی کے وقت اللہ تعالیٰ کی ڈھیل نہ سمجھی وہ محض بے عقل ہے اور جس نے تنگی کے وقت رب کی رحمت کی امید چھوڑ دی وہ بھی محض بیوقوف ہے۔ پھر آپ اسی آیت کی تلاوت فرماتے ہیں رب کعبہ

کی قسم ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنی چاہتوں کو پوری ہوتے ہوئے دیکھ کر اللہ کو بھول جاتے ہیں اور پھر رب کی گرفت میں آ جاتے ہیں۔ حضرت قتادہ رحمہ اللہ کا فرمان ہے کہ جب کوئی قوم اللہ کے فرمان سے سرتابی کرتی ہے تو اول تو انہیں دنیا خوب مل جاتی ہے جب وہ نعمتوں میں پڑ کر بدمست ہو جاتے ہیں تو اچانک پکڑ لیے جاتے ہیں۔ لوگو اللہ کی ڈھیل کو سمجھ جایا کرو نافرمانیوں پر نعمتیں ملیں تو غافل ہو کر نافرمانیوں میں بڑھ نہ جاؤ۔ اس لیے کہ یہ تو بدکار اور بے نصیب لوگوں کا کام ہے۔ زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں ہر چیز کے دروازے کھول دینے سے مراد دنیا میں آسائش و آرام کا دینا ہے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جب تم دیکھو کہ کسی گنہگار شخص کو اس کی گنہگاری کے باوجود اللہ کی نعمتیں دنیا میں مل رہی ہیں تو اسے استدراج سمجھنا یعنی وہ ایک مہلت ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی [1] اور حدیث میں ہے کہ جب کسی قوم کی بربادی کا وقت آ جاتا ہے تو ان پر خیانت کا دروازہ کھل جاتا ہے یہاں تک کہ وہ ان دی گئی ہوئی چیزوں پر اترانے لگتے ہیں تو ہم انہیں ناگہاں پکڑ لیتے ہیں اور اس وقت وہ محض ناامید ہو جاتے ہیں۔

پھر فرمایا ظالموں کی باگ ڈور کاٹ دی جاتی ہے۔ تعریفوں کے لائق وہ معبود برحق ہے جو سب کا پالنہار ہے [2] (مسند وغیرہ)

قُلْ اَرَءَیْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَ اَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَیْرُ اللّٰهِ یَاْتِیْكُمْ بِهٖ ؕ اُنْظُرْ كَیْفَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ ثُمَّ هُمْ یَصْدِفُوْنَ ۝ قُلْ اَرَءَیْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ یُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِیْنَ اِلَّا مُبَشِّرِیْنَ وَمُنْذِرِیْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَ اَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ وَالَّذِیْنَ كَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا یَفْسُقُوْنَ ۝

دریافت تو کر کہ اچھا یہ تو بتلاؤ کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارا سننا اور تمہاری آنکھیں لے لے اور تمہارے دلوں پر مہر لگا دے تو

---

[1] [حسن: مسند احمد (٤/١٤٥) تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٢٤٣) الدولابی فی الکنی (١/١١١) مجمع الزوائد (٧/٢٣) طبرانی کبیر (١٧/٣٣٠)، (٩١٣) بیهقی فی شعب الایمان (٤٥٤٠)] شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔[السلسلة الصحیحة (٤١٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف و منقطع: تفسیر ابن ابی حاتم (٧٢٨٣/٤) ابن عساکر فی تاریخ دمشق (٥٢٢/١١) الدر المنثور للسیوطی (٢٢/٣) دیلمی (٩٧/١/١)] شیخ البانی نے اسے سلسلہ ضعیفہ میں نقل فرمایا ہے۔[٢٣٠٦] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے کیونکہ اس میں انقطاع ہے۔]

اللہ کے سوا کون ہے جو تمہیں یہ سب لا دے' دیکھ لے کہ ہم کس کس طرح دلائل بیان کر رہے ہیں پھر بھی وہ روگرداں ہو رہے ہیں ○ پوچھ تو کہ اچھا یہ بھی بتاؤ کہ اگر تمہارے پاس عذاب اللہ اچانک آ جائے یا کھلم کھلا آ جائے تو کیا ظالموں کے سوا اور لوگ بھی ہلاک کر دیئے جائیں گے؟ ○ ہم تو رسولوں کو صرف خوشخبریاں سنانے والے اور ڈرانے والے بنا کر ہی بھیجتے ہیں' پھر جو ایمان لائیں اور نیک کام کریں ان پر نہ تو کوئی ڈر خوف ہے نہ اداسی اور مایوسی ○ اور جو ہماری آیتوں کو جھٹلائیں انہیں ان کی بدکاری کے باعث عذاب پہنچیں گے ○

اللہ تعالیٰ نعمتیں چھین لے تو کوئی بھی عطا کرنے والا نہیں: فرمان ہے کہ ان مخالفین اسلام سے پوچھو تو کہ اگر اللہ تعالیٰ تم سے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں چھین لے جیسے کہ اس نے تمہیں دیئے ہیں جیسے فرمان ہے ﴿هُوَ الَّذِىٓ اَنْشَاَكُمْ وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ [1] الخ یعنی اللہ خالق کل وہ ہے جس نے تمہیں پیدا کیا اور تمہیں سننے کو کان اور دیکھنے کو آنکھیں دیں۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مراد چھین لینے سے شرعی نفع نہ پہنچانا ہو اس کی دلیل اس کے بعد کا جملہ دل پر مہر لگا دینا ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ﴾ [2] کون ہے جو کان کا اور آنکھوں کا مالک ہو؟ اور فرمان ہے ﴿وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ يَحُوْلُ بَيْنَ الْمَرْءِ وَقَلْبِهٖ﴾ [3] جان لو کہ اللہ تعالیٰ انسان کے اور اس کے دل کے درمیان حائل ہے۔ یہاں ان سے سوال ہوتا ہے کہ بتلاؤ تو کہ اللہ کے سوا اور کوئی ان چیزوں کے واپس دلانے پر قدرت رکھتا ہے؟ یعنی کوئی نہیں رکھتا۔ دیکھ لے کہ میں نے اپنی توحید کے کس قدر زبردست' پرزور' صاف اور بجے تلے دلائل بیان کر دیئے ہیں اور یہ ثابت کر دیا کہ میرے سوا سب بے بس ہیں۔ لیکن یہ مشرک لوگ باوجود اس قدر کھلی روشن اور صاف دلیلوں کے حق کو نہیں مانتے بلکہ اوروں کو بھی حق کو تسلیم کرنے سے روکتے ہیں۔ پھر فرماتا ہے ذرا اس سوال کا جواب بھی دو کہ اللہ کا عذاب تمہاری بے خبری میں یا ظاہر کھلم کھلا تمہارے پاس آ جائے تو کیا سوا ظالموں اور مشرکوں کے کسی اور کو بھی ہلاکت ہو گی؟ یعنی نہ ہو گی۔ اللہ کی عبادت کرنے والے اس ہلاکت سے محفوظ رہیں گے۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ﴾ [4] الخ' جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو شرک سے خراب نہ کیا ان کے لیے امن و امان ہے اور وہ ہدایت یافتہ ہیں۔ پھر فرمایا کہ رسولوں کا کام تو یہی ہے کہ ایمان والوں کو ان کے درجوں کی خوشخبریاں سنائیں اور کفار کو اللہ کے عذاب سے ڈرائیں۔ جو لوگ دل سے آپ کی بات مان لیں اور اللہ کے فرمان کے مطابق اعمال بجا لائیں۔ انہیں آخرت میں کوئی ڈر خوف نہیں اور دنیا کے چھوڑنے پر کوئی ملال نہیں۔ ان کے بال بچوں کا اللہ والی ہے اور ان کے ترکے کا وہی حافظ ہے۔

کافروں کو اور جھٹلانے والوں کو ان کے کفر و فسق کی وجہ سے بڑے سخت عذاب ہوں گے کیونکہ انہوں نے اللہ کے فرمان چھوڑ رکھے تھے اور اس کی نافرمانیوں میں مشغول تھے۔ اس کے حرام کردہ کاموں کو کرتے تھے اور اس کے بتائے ہوئے کاموں سے بھاگتے تھے۔

---

[1] [سورة الملك: آيت ٢٣] [2] [سورة يونس: آيت ٣١]

[3] [سورة الانفال: آيت ٢٤] [4] [سورة الانعام: آيت ٨٢]

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ ؕ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ؕ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾ وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِىِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَىْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَىْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾

کہہ دے کہ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ میں تمہیں یہ کہتا ہوں کہ میں فرشتہ ہوں' میں تو صرف اسی کی تابعداری کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے' پوچھ تو کہ کیا نابینا اور آنکھوں والا برابر ہو سکتے ہیں؟ پھر بھی کیا تم غور نہیں کرتے؟ ○ اس قرآن کے ساتھ تو انہیں ڈرا دے جو اپنے رب کی طرف جمع کیے جانے کا خوف رکھتے ہیں (جبکہ) اس کے سوا ان کا کوئی حمایتی اور سفارشی نہ ہوگا تاکہ وہ پرہیزگاری کریں ○ اپنے پاس سے انہیں ہرگز دور نہ کرنا جو صبح شام اپنے رب سے مناجاتیں کرتے ہیں اسی کے دیدار کے طالب ہیں' تجھ پر ان کا کوئی حساب نہیں اور نہ تیرا کوئی حساب ان پر ہے کہ تو انہیں دور کرے پھر تو تو آپ ظالموں میں سے ہو جائے گا ○ اسی طرح ہم نے بعض لوگوں کا بعض سے امتحان کر لیا تاکہ یہ کہیں کہ کیا یہی وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے ہم سب کے درمیان میں سے احسان کیا' کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو بخوبی جاننے والا نہیں؟ ○ اور جب تیرے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں تو تو کہہ کہ تم پر سلام نازل ہوں تمہارے رب نے خاص اپنے اوپر رحمت و رحم لازم کر لیا ہے کہ تم میں سے جو بھی بوجہ نادانی کوئی بدی کر کے پھر اس کے بعد ہی توبہ کر لے اور نیک کاری کرے تو وہ بخشنے والا مہربان ہے ○

اللہ ہی عالم الغیب: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ سے فرماتا ہے کہ لوگوں میں اعلان کر دو کہ میں اللہ کے خزانوں کا مالک نہیں نہ مجھے ان میں کسی طرح کا اختیار ہے۔ نہ میں یہ کہتا ہوں کہ میں غیب کا جاننے والا ہوں۔ رب نے جو چیزیں خاص اپنے علم میں رکھی ہیں مجھے ان میں سے کچھ بھی معلوم نہیں۔ ہاں جن چیزوں سے خود اللہ مجھے مطلع کر دے ان پر مجھے اطلاع ہو جاتی ہے۔ میرا یہ بھی دعویٰ نہیں کہ میں کوئی فرشتہ ہوں' میں تو انسان ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے جو شرف دیا ہے۔ یعنی میری طرف جو وحی نازل فرمائی ہے میں اسی کا عمل پیرا ہوں اس سے ایک بالشت ادھر ادھر نہیں ہٹتا۔ کیا حق کے تابعدار جو بصارت والے ہیں اور حق سے محروم جو اندھے ہیں برابر ہو سکتے ہیں کیا تم

اتنا غور بھی نہیں کرتے ؟ اور آیت میں ہے کہ کیا وہ شخص جو جانتا ہے کہ جو کچھ تیری طرف تیرے رب کی جانب سے اترا ہے حق ہے۔ اس شخص جیسا ہوسکتا ہے جو نابینا ہے؟ نصیحت تو صرف وہی حاصل کرتے ہیں جو عقلمند ہیں۔ [1]

اے نبی ﷺ آپ قرآن کے ذریعہ انہیں راہ راست پر لائیں جو رب کے سامنے کھڑے ہونے کا خوف دل میں رکھتے ہیں، حساب کا کھٹکا رکھتے ہیں، جانتے ہیں کہ رب کے سامنے پیش ہونا ہے اس دن اس کے سوا اور کوئی ان کا قریبی یا سفارشی نہ ہوگا۔ وہ اگر عذاب کرنا چاہے تو کوئی شفاعت نہیں کرسکتا۔ یہ تیرا ڈرانا اس لئے ہے کہ شاید وہ متقی بن جائیں، حاکم حقیقی سے ڈر کر نیکیاں کریں اور قیامت کے عذابوں سے چھوٹیں اور ثواب کے مستحق بن جائیں۔

پھر فرماتا ہے یہ مسلمان غرباء جو صبح شام اپنے پروردگار کا نام جپتے ہیں خبردار انہیں حقیر نہ سمجھنا انہیں اپنے پاس سے نہ ہٹانا بلکہ انہی کو اپنی صحبت میں رکھ کر انہی کے ساتھ بیٹھ اٹھ۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ﴾ [2] الخ، یعنی انہی کے ساتھ رہ جو صبح شام اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں اسی کی رضامندی کی طلب کرتے ہیں خبردار ان کی طرف سے آنکھیں نہ پھیرنا کہ دنیا کی زندگی کی آسائش طلب کرنے لگو اس کا کہا نہ ماننا جس کے دل کو ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا ہے اور اس نے اپنی خواہش کی پیروی کی ہے اور اس کا ہر کام حد سے گذرا ہوا ہے بلکہ ان کا ساتھ دے جو صبح شام اللہ کی عبادت کرتے ہیں اور اسی سے دعائیں مانگتے ہیں۔ بعض بزرگ فرماتے ہیں مراد اس سے فرض نمازیں ہیں اور آیت میں ہے ﴿وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ﴾ [3] تمہارے رب کا اعلان ہے کہ مجھ سے دعائیں کرو میں قبول کروں گا۔ ان اطاعتوں اور عبادتوں سے ان کا ارادہ اللہ کریم کے دیدار کا ہے۔ محض خلوص اخلاص والی ان کی نیتیں ہیں۔ ان کا کوئی حساب تجھ پر نہیں نہ تیرا کوئی حساب ان پر۔ جناب نوح علیہ السلام سے جب ان کی قوم کے شرفاء نے کہا تھا کہ ہم تجھے کیسے مان لیں گے؟ تیرے ماننے والے تو اکثر غریب مسکین لوگ ہیں تو آپ نے یہی جواب دیا تھا کہ ان کے اعمال کا مجھے کیا علم ہے ان کا حساب تو میرے رب پر ہے لیکن تمہیں اتنا بھی شعور نہیں۔ پھر بھی تم نے ان غریب مسکین لوگوں کو اپنی مجلس میں نہ بیٹھنے دیا۔ ان سے ذرا بھی بے رخی کی تو یاد رکھنا تمہارا شمار بھی ظالموں میں ہو جائے گا۔ مسند احمد میں ہے کہ قریش کے بڑے لوگ نبی ﷺ کے پاس گئے اس وقت آپ کی مجلس مبارک میں حضرت صہیب، حضرت بلال، حضرت خباب، حضرت عمار رضی اللہ عنہم تھے۔ انہیں دیکھ کر یہ لوگ کہنے لگے دیکھو تو ہمیں چھوڑ کر کن کے ساتھ بیٹھے ہیں؟ تو آیت ﴿وَاَنْذِرْ بِهٖ﴾ سے ﴿بِالشّٰكِرِيْنَ﴾ تک اتری۔ [4] ابن جریر میں ہے کہ ان لوگوں اور ان جیسے اوروں کو حضور ﷺ کی مجلس میں دیکھ کر مشرک سرداروں نے یہ بھی کہا تھا کہ کیا یہی لوگ رہ گئے ہیں کہ اللہ نے ہم سب میں سے چن چن کر انہی پر احسان کیا؟ یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ یہ بے زر، بے سہارا لوگ بھی ہم امیروں رئیسوں

---

[1] [الرعد: ١٩] [2] [الكهف: ٢٨] [3] [مؤمن: ٦٠]

[4] [حسن: مسند بزار (٢٢٠٩) مسند احمد (٤٢٠/١) مجمع الزوائد (١٠٩٩٧) طبرانی کبیر (١٠٥٢٠) ابو نعيم فى الحلية (١٨٠/٤) تفسير ابن جرير الطبرى (١٣٢٥٥/١١)] شیخ شعیب ارناؤط فرماتے کہ یہ روایت حسن ہے البتہ یہ سند اشعث راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔ [مسند احمد محقق (٣٩٨٥)]

کے برابر بیٹھیں؟ دیکھئے حضرت اگر آپ انہیں اپنی مجلس سے نکال دیں تو ہم آپ کی مجلس میں بیٹھ سکتے ہیں اس پر آیت ﴿وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ﴾ الخ، ﴿شَاكِرِيْنَ﴾ تک اتری۔ [1] ابن ابی حاتم میں قریش کے ان معززین لوگوں میں سے دو کے نام یہ ہیں اقرع بن حابس تیمی، عیینہ بن حصن فزاری، اس روایت میں یہ بھی ہے کہ تنہائی میں مل کر انہوں نے حضور ﷺ کو سمجھایا کہ ان غلام اور گرے پڑے بے حیثیت لوگوں کے ساتھ ہمیں بیٹھتے ہوئے شرم معلوم ہوتی ہے۔ آپ کی مجلس میں عرب کے وفد آیا کرتے ہیں وہ ہمیں ان کے ساتھ دیکھ کر ہمیں بھی ذلیل خیال کریں گے تو آپ کم از کم اتنا ہی کیجیے کہ جب ہم آئیں تب خاص مجلس ہو اور ان جیسے گرے پڑے لوگ اس میں شامل نہ کیے جائیں۔ ہاں جب ہم نہ ہوں تو آپ کو اختیار ہے۔ جب یہ بات طے ہوگئی اور آپ نے بھی اس کا اقرار کر لیا تو انہوں نے کہا ہمارا یہ معاہدہ تحریر میں آ جانا چاہیے آپ نے کاغذ منگوایا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو لکھنے کے لیے بلوایا۔ مسلمانوں کا یہ غریب طبقہ ایک کونے میں بیٹھا ہوا تھا اسی وقت حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے اور یہ آیت نازل ہوئی حضور ﷺ نے کاغذ پھینک دیا اور ہمیں اپنے پاس بلا لیا اور ہم نے پھر سے رسول اللہ ﷺ کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ [2] لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ آیت مکی ہے اور اقرع اور عیینہ ہجرت کے بہت سارے زمانے کے بعد اسلام میں آئے ہیں۔ حضرت شریح رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ یہ آیت اصحاب رسول ﷺ میں سے چھ کے بارے میں نازل ہوئی ہے جن میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ بھی تھے ہم لوگ سب سے پہلے خدمت نبوی میں جاتے اور آپ کے اردگرد بیٹھتے تاکہ پوری طرح اور شروع سے آخر تک آپ کی حدیثیں سنیں۔ قریش کے بڑے لوگوں پر یہ بات گراں گذرتی تھی اس کے برخلاف یہ آیت اتری [3] (مستدرک حاکم)

پھر فرماتا ہے اسی طرح ہم ایک دوسرے کو پرکھ لیتے ہیں اور ایک سے ایک کا امتحان لے لیتے ہیں کہ یہ امراء ان غرباء سے متعلق اپنی رائے ظاہر کر دیں کہ کیا یہی لوگ ہیں جن پر اللہ نے احسان کیا اور ہم سب میں سے اللہ کو یہی لوگ پسند آئے؟ حضور ﷺ کو سب سے پہلے تسلیم کرنے والے یہی بیچارے بے مایہ غریب غرباء لوگ تھے مرد عورت لونڈی غلام وغیرہ، بڑے بڑے اور ذی وقعت لوگوں میں سے تو اس وقت یونہی کوئی اکا دکا آ گیا تھا۔ یہی لوگ دراصل انبیاء علیہم السلام کے مطیع اور فرمانبردار ہوتے رہے۔ قوم نوح نے کہا تھا ﴿وَمَا نَرَاكَ اتَّبَعَكَ إِلَّا الَّذِيْنَ هُمْ أَرَاذِلُنَا بَادِيَ الرَّأْيِ﴾ [4] الخ، یعنی ہم تو دیکھتے ہیں کہ تیری تابعداری ہم میں سے رذیل اور بے

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۲۵۸)]

[2] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۷۳۳۱/٤) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۲٦۱۔ ۱۳۲٦۲) ابن ماجہ (٤۱۲۷) بیهقی فی شعب الایمان (۱۰٤۹۱/۷) مسند بزار (۲۱۳۰/٦) طبرانی کبیر (۳٦۹۳/٤) طحاوی فی مشکل الآثار (۱۵۷/۱)] اس کی سند میں ابوسعید راوی مجہول ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں جہالت ہے۔]

[3] [صحیح: مستدرك حاكم (۳۱۹/۳) صحیح مسلم (۲٤۱۳) ابن ماجہ (٤۱۲۸) مسند ابویعلی (۸۲٦) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۲٦٦) صحیح ابن حبان (٦۵۷۳)]

[4] [سورة هود: آیت ۲۷]

وقوف لوگوں نے ہی کی ہے۔ شاہ روم ہرقل نے جب ابوسفیان سے حضور ﷺ کی بابت یہ دریافت کیا کہ شریف لوگوں نے اس کی پیروی اختیار کی ہے؟ یا ضعیف لوگوں نے؟ تو ابوسفیان نے جواب دیا تھا کہ ضعیف لوگوں نے۔ بادشاہ نے اس سے یہ نتیجہ نکالا کہ فی الواقع تمام نبیوں کا اول پیرو یہی طبقہ ہوتا ہے۔ (۱) الغرض مشرکین مکہ ان ایمان داروں کا مذاق اڑاتے تھے اور انہیں ستاتے تھے جہاں تک بس چلتا انہیں سزائیں دیتے اور کہتے کہ یہ ناممکن ہے کہ بھلائی انہیں تو نظر آ جائے اور ہم یونہی رہ جائیں؟ قرآن میں ان کا قول یہ بھی ہے کہ ﴿لَوْ كَانَ خَيْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَيْهِ﴾ (۲) اگر یہ کوئی اچھی چیز ہوتی تو یہ لوگ ہم سے آگے نہ بڑھ سکتے۔ اور آیت میں ہے جب ان کے سامنے ہماری صاف اور واضح آیتیں تلاوت کی جاتی ہیں تو یہ کفار ایمانداروں سے کہتے ہیں کہ بتاؤ تو مرتبے میں، عزت میں، حسب نسب میں کون شریف ہے؟ اس کے جواب میں رب نے فرمایا ﴿وَكَمْ اَهْلَكْنَا قَبْلَهُمْ مِّنْ قَرْنٍ هُمْ اَحْسَنُ اَثَاثًا وَّرِئْيًا﴾ (۳) یعنی ان سے پہلے ہم نے بہت سی بستیاں تباہ کر دی ہیں جو باعتبار سامان و اسباب کے اور باعتبار نمود وریا کے ان سے بہت ہی آگے بڑھی ہوئی تھیں۔ چنانچہ یہاں بھی ان کے ایسے ہی قول کے جواب میں فرمایا گیا کہ شکر گذاروں کو اللہ خوب جانتا ہے۔ جو اپنے اقوال و افعال اور دلی ارادوں کو درست رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں سلامتیوں کی راہیں دکھاتا ہے اور اندھیریوں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور سیدھی راہ کی رہنمائی کرتا ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا﴾ (۴) الخ، جو لوگ ہماری فرمانبرداری کی کوشش کرتے ہیں، ہم انہیں اپنی صحیح راہ پر لگا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نیک کاروں کا ساتھ دیتا ہے۔ صحیح حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ تمہاری صورتوں اور رنگتوں کو نہیں دیکھتا بلکہ نیتوں اور اعمال کو دیکھتا ہے۔ (۵) عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں ربیعہ کے دونوں بیٹے عتبہ اور شیبہ اور عدی کا بیٹا مطعم اور نوفل کا بیٹا حارث اور عمرو کا بیٹا قرظہ اور بنو عبد مناف کے قبیلے کے کافر سب کے سب جمع ہو کر ابوطالب کے پاس گئے اور کہنے لگے دیکھو آپ کے بھتیجے اگر ہماری ایک درخواست قبول کر لیں تو ہمارے دلوں میں ان کی عظمت و عزت ہو گی اور پھر ان کی مجلس میں بھی آمد و رفت شروع کر دیں گے اور ہو سکتا ہے کہ ان کی سچائی سمجھ میں آ جائے اور ہم بھی مان لیں۔ ابوطالب نے قوم کے بڑوں کا یہ پیغام رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پہنچایا حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہما بھی اس وقت اس مجلس میں تھے فرمانے لگے یا رسول اللہ ﷺ ایسا کرنے میں کیا حرج ہے؟ کچھ دن کر دیکھئے کیا عجب کہ انہیں ہدایت نصیب ہو۔ اسی وقت اللہ عزوجل نے ﴿وَاَنْذِرْ﴾ سے ﴿بِالشّٰكِرِيْنَ﴾ تک آیتیں

---

(۱) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ (۷) صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب کتب النبی الی هرقل (۱۷۷۳)]

(۲) [سورة الاحقاف: آیت ۱۱] (۳) [سورة مریم: آیت ۷۴]

(۴) [سورة العنکبوت: آیت ۶۹]

(۵) [صحیح: صحیح مسلم: کتاب البر والصلة: باب تحریم ظلم المسلم وخذله (۲۵۶۴) ابن ماجه: کتاب الزهد: باب القناعة (۴۱۴۳) مسند احمد (۲/۴۳۹)]

اتاریں۔ ① یہ غرباء جنہیں یہ لوگ فیض صحبت سے محروم کرنا چاہتے تھے یہ تھے بلال عمار سالم صبیح ابن مسعود مقداد مسعود واقد عمرو ذوالشمالین مرثد اور انہی جیسے اور حضرات رضی اللہ عنہم انہی دونوں جماعتوں کے بارے میں آیت ﴿وَكَذَٰلِكَ فَتَنَّا﴾ الخ بھی نازل ہوئی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان آیتوں کو سن کر عذر معذرت کرنے لگے اس پر آیت ﴿وَإِذَا جَاءَكَ الَّذِينَ يُؤْمِنُونَ﴾ الخ نازل ہوئی۔

آخری آیت میں حکم ہوتا ہے کہ ایمان والے جب تیرے پاس آ کر سلام کریں تو ان کے سلام کا جواب دو ان کا احترام کرو اور انہیں اللہ کی وسیع رحمت کی خبر دو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے اپنے نفس پر رحم و کرم واجب کر لیا ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے کہ گناہ ہر شخص جہالت سے ہی کرتا ہے۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں دنیا ساری جہالت ہے۔ غرض جو بھی کوئی برائی کرے پھر اس سے ہٹ جائے اور پورا ارادہ کر لے کہ آئندہ کبھی ایسی حرکت نہیں کرے گا۔ اور آگے کے لیے اپنے عمل کی اصلاح بھی کر لے تو وہ یقین مانے کہ غفور و رحیم اللہ اسے بخشے گا اور اس پر مہربانی بھی کرے گا۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جب مخلوق کی قضا و قدر مقرر کی تو اپنی کتاب میں لکھا جو اس کے پاس عرش کے اوپر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ ② ابن مردویہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ جس وقت اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے کر دے گا اپنے عرش کے نیچے سے ایک کتاب نکالے گا جس میں یہ تحریر ہے کہ میرا رحم و کرم میرے غصے اور غضب سے آگے بڑھا ہوا ہے اور میں سب سے زیادہ رحمت کرنے والا ہوں۔ پھر اللہ تبارک و تعالیٰ ایک بار مٹھیاں بھر کر اپنی مخلوق کو جہنم میں سے نکالے گا جنہوں نے کوئی بھلائی نہیں کی ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا ہو گا کہ یہ اللہ تعالیٰ کے آزاد کردہ ہیں۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ توراۃ میں ہم لکھا دیکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کو پیدا کیا اور اپنی رحمت کے سو حصے کیے پھر ساری مخلوق میں ان میں سے ایک حصہ رکھا اور ننانوے حصے اپنے پاس باقی رکھے اسی ایک حصہ رحمت کا یہ ظہور ہے کہ مخلوق بھی ایک دوسرے پر مہربانی کرتی ہے اور تواضع سے پیش آتی ہے اور آپس کے تعلقات قائم ہیں۔ اونٹنی، گائے، بکری، پرند، مچھلی وغیرہ جانور اپنے بچوں کی پرورش میں تکلیفیں جھیلتے ہیں اور ان پر پیار و محبت کرتے ہیں۔ روز قیامت میں اس حصے کو کامل کرنے کے بعد اس میں ننانوے حصے ملا لئے جائیں گے فی الواقع رب کی رحمت اور اس کا فضل بہت ہی وسیع اور کشادہ ہے۔ یہ حدیث دوسری سند سے مرفوعاً بھی مروی ہے اور ایسی ہی اکثر حدیثیں آیت ﴿وَرَحْمَتِي وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ﴾ ③ کی تفسیر میں آئیں گی ان شاء اللہ تعالیٰ۔ ایسی

---

① [مرسل وضعیف: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۲۶۴/۱۱) الدر المنثور للسیوطی (۲٤/۳)]

② [صحیح: صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق: باب ماجاء فی قول اللّٰہ تعالی و ھوالذی یبدء الخلق ثم یعیدہ (۳۱۹٤)، (۷٤۰٤)، (۷۵۵۳) صحیح مسلم: کتاب التوبۃ: باب فی سعۃ رحمۃ اللہ تعالیٰ (۲۷۵۱) ابن ماجہ: مقدمہ: باب فیما انکرت الجھمیۃ (۱۸۹) ترمذی: کتاب الدعوات (۳۵٤۳) مسند احمد (۳۱۳/۲) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۰۹۹) صحیح ابن حبان (٦۱٤۳۔ ٦۱٤٤)]

③ [سورۃ الاعراف: آیت ۱۵٦]

ہی احادیث میں سے ایک یہ بھی ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے پوچھا جانتے ہو اللہ کا حق بندوں پر کیا ہے؟ وہ یہ ہے کہ وہ سب اسی کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں۔ پھر فرمایا جانتے ہو بندے جب یہ کرلیں تو ان کا حق اللہ تعالیٰ کے ذمہ کیا ہے؟ یہ ہے کہ وہ انہیں عذاب نہ کرے۔ [1] مسند احمد میں یہ حدیث بروایت حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ مروی ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ اَهْوَاۗءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّىْ عَلٰي بَيِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّيْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ۭ مَا عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ۭ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ۭ يَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِيْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِيَ الْاَمْرُ بَيْنِيْ وَبَيْنَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۸﴾ وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾

ہم اسی طرح اپنی آیتوں کو تفصیل سے بیان کرتے ہیں تاکہ گنہگاروں کا طریقہ ظاہر ہوجائے ○ کہہ دے کہ مجھے صاف منع کر دیا گیا ہے کہ میں ان کی عبادت کروں جنہیں تم پکارتے رہتے ہو کہہ دے کہ میں تمہاری خواہشوں پر نہیں چلوں گا اس صورت میں تو میں گمراہ ہوجاؤں اور راہ یافتہ لوگوں میں نہ رہوں ○ کہہ دے کہ میں تو اپنے رب کی صاف دلیل پر ہوں اور تم اسے جھٹلا رہے ہو، جس عذاب کی تم جلدی مچا رہے ہو وہ میرے پاس نہیں، سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کا حکم نہیں چلتا، وہ حق حق باتیں بیان فرماتا ہے اور وہ سب سے بہتر فیصلے کرنے والا ہے ○ کہہ دے کہ اگر وہ عذاب میرے بس میں ہوتے جن کو تم ابھی ابھی طلب کر رہے ہو، تو کبھی کا ہمارا آپس کا جھگڑا طے ہو چکا ہوتا، اللہ تعالیٰ ظالموں کے حال سے بخوبی واقف ہے ○ غیب کی کنجیاں صرف اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی اور نہیں جانتا، وہ تری خشکی کی ہر چیز کا علم رکھتا ہے، جو پتہ جھڑے اس کا بھی اسے علم ہے زمین کے اندھیروں میں کوئی دانہ اور کوئی تری اور خشکی ایسی نہیں جو کھلی کتاب میں نہ ہو ○

امت کو دعوت کے لیے نبی ﷺ کو ہدایات: یعنی جس طرح ہم نے اس سے پہلے ہدایت کی باتیں اور بھلائی کی راہیں واضح کر دیں نیکی بدی کھول کھول کر بیان کر دی اسی طرح ہم ہر اس چیز کا تفصیلی بیان کرتے ہیں، جس کی تمہیں ضرورت پیش آنے والی ہے۔ اس میں علاوہ اور فوائد کے ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ مجرموں کا راستہ نیکوں پر عیاں ہو جائے۔ ایک

---

[1] [صحیح] صحیح بخاری: کتاب التوحید : باب ماجآء فی دعاء النبی امته الی توحید اللّٰه تبارك و تعالی (۷۳۷۳) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب الدلیل علی ان من مات علی التوحید دخل الجنة قطعاً (۳۰) ترمذی : کتاب الایمان (۲٦٤۳) مسند احمد (۵/۲۲۸)]

اورقرات کے اعتبار سے یہ مطلب ہے تا کہ تو گنہگاروں کا طریقہ واردات لوگوں کے سامنے کھول دے۔

پھر حکم ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ لوگوں میں اعلان کر دو کہ میرے پاس الٰہی دلیل ہے میں اپنے رب کی دی ہوئی سچی شریعت پر قائم ہوں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے میرے پاس وحی آتی ہے۔ افسوس کہ تم اس حق کو جھٹلا رہے ہو۔ تم اگرچہ عذابوں کی جلدی مچا رہے ہو لیکن عذاب کا لانا میرے اختیار کی چیز نہیں۔ یہ سب کچھ اللہ کے حکم کے ماتحت ہے۔ اس کی مصلحت وہی جانتا ہے اگر چاہے دیر سے لائے اگر چاہے تو جلدی لائے۔ وہ حق بیان فرمانے والا اور اپنے بندوں کے درمیان بہترین فیصلے کرنے والا ہے۔

سنو اگر میرا ہی حکم چلتا' میرے ہی اختیار میں ثواب وعذاب ہوتا۔ میرے بس میں بقا اور فنا ہوتی تو میں جو چاہتا ہو جایا کرتا اور میں تو ابھی اپنے اور تمہارے درمیان فیصلہ کر لیتا اور تم پر وہ عذاب برس پڑتے جن سے میں تمہیں ڈرا رہا ہوں۔ بات یہ ہے کہ میرے بس میں کوئی بات نہیں' اختیار والا اللہ تعالیٰ اکیلا ہی ہے۔ وہ ظالموں کو بخوبی جانتا ہے۔ بخاری و مسلم کی ایک حدیث میں ہے کہ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے ایک بار رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ احد سے زیادہ سختی کا تو آپ پر کوئی دن نہ آیا ہو گا؟ آپ نے فرمایا عائشہ رضی اللہ عنہا کیا پوچھتی ہو کہ مجھے اس تمہاری قوم نے کیا کیا ایذائیں پہنچائیں؟ سب سے زیادہ بھاری دن مجھ پر عقبہ کا دن تھا جبکہ میں ابن عبد یالیل بن عبد کلال کے پاس پہنچا اور میں نے اس سے آرزو کی کہ وہ میرا ساتھ دے مگر اس نے میری بات نہ مانی۔ واللہ میں سخت غمگین ہو کر وہاں سے چلا مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں کدھر جا رہا ہوں۔ قرن ثعالب میں آ کر میرے حواس ٹھیک ہوئے تو میں نے دیکھا کہ اوپر سے ایک بادل نے مجھے ڈھک لیا ہے۔ سر اٹھا کر دیکھتا ہوں تو حضرت جبرائیل علیہ السلام مجھے آواز دے کر فرما رہے ہیں اللہ تعالیٰ نے تیری قوم کی باتیں سنیں اور جو جواب انہوں نے تجھے دیا وہ بھی سنا۔ اب پہاڑوں کے داروغہ فرشتے کو اس نے بھیجا ہے آپ جو چاہیں انہیں حکم دیجیے یہ بجا لائیں گے۔ اسی وقت اس فرشتے نے مجھے پکارا سلام کیا اور کہا اللہ تعالیٰ نے آپ کی قوم کی باتیں سنیں اور مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے کہ ان کے بارے میں جو ارشاد آپ فرمائیں میں بجا لاؤں۔ اگر آپ حکم دیں تو مکہ شریف کے ان دونوں پہاڑوں کو جو جنوب شمال میں ہیں میں اکٹھے کر دوں اور ان تمام کو ان دونوں کے درمیان پیس دوں۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں جواب دیا کہ نہیں میں یہ نہیں چاہتا بلکہ مجھے تو امید ہے کہ کیا عجب ان کی نسل میں آگے جا کر ہی کچھ ایسے لوگ ہیں جو اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت کریں اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں' [1] ہاں یہاں یہ بات خیال میں رہے کہ کوئی اس شبہ میں نہ پڑے کہ قران کی آیت میں تو ہے کہ اگر میرے بس میں عذاب ہوتا تو ابھی ہی فیصلہ کر دیا جاتا اور حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بس میں کر دیئے پھر بھی آپ نے ان کے لیے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب بدء الخلق: باب اذا قال احدکم آمین والملائكة فی السماء (٣٢٣١)، (٧٣٨٩) صحیح مسلم: كتاب الجهاد: باب مالقی النبی من اذی المشركين والمنافقين (١٧٩٥) صحیح ابن حبان (٦٥٦١)]

تاخیر طلب کی۔اس شبہ کا جواب یہ ہے کہ آیت سے اتنا معلوم ہوتا ہے کہ جب وہ عذاب طلب کرتے اس وقت اگر آپ کے بس میں ہوتا تو اسی وقت ان پر عذاب آ جاتا اور حدیث میں یہ نہیں کہ اس وقت انہوں نے کوئی عذاب مانگا تھا۔حدیث میں تو صرف اتنا ہے کہ پہاڑوں کے فرشتے نے آپ کو یہ بتلایا کہ بحکم اللہ میں یہ کر سکتا ہوں صرف آپ کی زبان مبارک کے ہلنے کا منتظر ہوں لیکن رحمۃ للعالمین کو رحم آ گیا اور نرمی برتی۔پس آیت وحدیث میں کوئی معارضہ نہیں۔واللہ اعلم۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے غیب کی کنجیاں پانچ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا پھر آپ نے آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ [1] الخ، پڑھی۔ [2] یعنی قیامت کا علم، بارش کا علم، پیٹ کے بچے کا علم، کل کے کام کا علم، موت کی جگہ کا علم۔اس حدیث میں جس میں حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بصورت انسان آ کر حضور ﷺ سے ایمان اسلام احسان کی تفصیل پوچھنا بھی مروی ہے یہ بھی ہے کہ جب قیامت کے صحیح وقت کا سوال ہوا تو آپ نے فرمایا یہ ان پانچ چیزوں میں سے ہے جن کا علم اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کو نہیں۔پھر آپ نے آیت ﴿اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ﴾ الخ، تلاوت فرمائی۔ [3] پھر فرماتا ہے اس کا علم تمام موجودات کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔بری بحری کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔آسمان وزمین کا ایک ذرہ اس پر پوشیدہ نہیں۔صرصری کا کیا ہی اچھا شعر ہے:

فَلَا يَخْفٰى عَلَيْهِ الذَّرُّ اِمَّا — تَرَاءٰى لِلنَّوَاظِرِ اَوْ تَوَارٰى

یعنی کسی کو کچھ دکھائی دے یا نہ دے رب پر کچھ بھی پوشیدہ نہیں۔وہ سب کی حرکات سے بھی واقف ہے۔جمادات کا ہلنا جلنا یہاں تک کہ پتے کا جھڑنا بھی اس کے وسیع علم سے باہر نہیں۔پھر بھلا جنات اور انسان کا کون سا عمل اس پر مخفی رہ سکتا ہے؟ جیسے فرمان عالی شان ہے ﴿يَعْلَمُ خَآئِنَةَ الْاَعْيُنِ وَمَا تُخْفِى الصُّدُوْرُ﴾ [4] آنکھوں کی خیانت اور دلوں کے پوشیدہ بھید بھی اس پر عیاں ہیں۔حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ خشکی تری کا کوئی درخت ایسا نہیں جس پر اللہ کی طرف سے کوئی فرشتہ مقرر نہ ہو جو اس کے جھڑ جانے والے پتوں کو بھی لکھ لے۔پھر فرماتا ہے زمین کے اندھیروں کے دانوں کا بھی اس اللہ کو علم ہے۔حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔تیسری زمین کے اوپر اور چوتھی کے نیچے اتنے جن بستے ہیں کہ اگر وہ اس زمین پر آ جائیں تو ان کی وجہ سے کوئی روشنی نظر نہ پڑے۔زمین کے ہر کونے پر اللہ کی مہروں میں سے ایک مہر ہے اور ہر مہر پر ایک

---

[1] [سورۃ لقمان: آیت ٣٤]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب عنده مفاتیح الغیب (٤٦٢٧) مسند احمد (١٢٢/٢)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب سؤال جبریل النبی عن الایمان (٥٠) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب الایمان ماھو وبیان خصاله (٨) ابن ماجه: مقدمه: باب فی الایمان (٦٣) ترمذی: کتاب الایمان: باب ماجآء فی وصف جبریل للنبی (٢٦١٠)]

[4] [سورۃ غافر: آیت ١٩]

فرشتہ مقرر ہے اور ہر دن اللہ کی طرف سے اس کے پاس ایک اور فرشتے کے ذریعہ سے حکم پہنچتا ہے کہ تیرے پاس جو ہے اس کی بخوبی حفاظت کر۔ [1] حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ زمین کے ہر ایک درخت وغیرہ پر فرشتے مقرر ہیں جو ان کی خشکی، تری وغیرہ کی بابت اللہ کی جناب میں عرض کر دیتے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نون یعنی دوات کو پیدا کیا اور تختیاں بنا دیں اور اس میں دنیا کے تمام ہونے والے امور لکھے۔ کل مخلوق کی روزیاں، حلال حرام، نیکی بدی سب کچھ لکھ دیا ہے۔ پھر یہی آیت پڑھی۔

وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ
لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿٦٠﴾ ع
وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۭ حَتّٰٓى اِذَا جَاۗءَ اَحَدَكُمُ
الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوْٓا اِلَى اللّٰهِ مَوْلٰىهُمُ الْحَقِّ ۭ اَلَا لَهُ
الْحُكْمُ ۣ وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ ﴿٦٢﴾

وہی ہے جو تمہیں رات کو فوت کرتا ہے اور تم دن کو جو کچھ کرتے ہو اسے وہ جانتا ہے پھر تمہیں دن کو اٹھا دیتا ہے تا کہ مقرر کیا ہوا وقت انجام کو پہنچایا جائے، پھر تم سب کا اسی کی طرف پھر جانا ہے پھر وہ تمہیں جو کچھ کرتے تھے جتا دے گا ○ وہی اپنے بندوں پر غالب ہے اور وہ ہی تمہاری نگہبانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی موت واقعی آ جاتی ہے تو اسے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے فوت کر لیتے ہیں اور وہ کوئی کوتاہی نہیں کرتے ○ پھر سب لوگ اپنے رب کی طرف جو ان کا حقیقی کارساز ہے واپس بلا لئے جائیں گے، سن رکھو کہ حکم اسی کا ہے اور وہ سب سے زیادہ جلد حساب لینے والا ہے ○

نیند بھی ایک طرح کی موت: وفاۃ صغریٰ یعنی چھوٹی موت کا بیان ہو رہا ہے اس سے مراد نیند ہے۔ جیسے اس آیت میں ہے ﴿اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَرَافِعُكَ اِلَيَّ﴾ [2] یعنی جبکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے عیسیٰ میں تجھے فوت کرنے والا (یعنی تجھ پر نیند ڈالنے والا ہوں) اور اپنی طرف چڑھا لینے والا ہوں اور جیسے آیت میں ہے ﴿اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا فَيُمْسِكُ الَّتِيْ قَضٰى عَلَيْهَا الْمَوْتَ وَيُرْسِلُ الْاُخْرٰٓى اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى﴾ [3] الخ، یعنی اللہ تعالیٰ نفسوں کو ان کی موت کے وقت مار ڈالتا ہے اور جن کی موت نہیں آئی انہیں نیند کے وقت فوت کر لیتا ہے (یعنی سلا دیتا ہے) موت والے نفس کو تو اپنے پاس روک لیتا ہے، اور دوسرے کو مقررہ وقت پورا کرنے کے لیے پھر بھیج دیتا ہے۔ اس آیت میں

[1] [تفسیر ابن ابی حاتم (٧٣٧٠/٤) الدر المنثور للسیوطی (٢٨/٣)] اس کی سند میں ابن اسحاق مدلس راوی ہے اور اس نے عن سے روایت بیان کی ہے اس لیے یہ صحیح نہیں۔]

[2] [سورۃ ال عمران: آیت ٥٥] [3] [سورۃ الزمر: آیت ٤٢]

دونوں وفاۃ بیان کر دی ہیں۔ وفاۃ کبریٰ اور وفاۃ صغریٰ اور جس آیت کی اس وقت تفسیر ہو رہی ہے اس میں بھی دونوں وفاتوں کا ذکر ہے۔ وفاۃ صغریٰ یعنی نیند کا پہلے پھر وفاۃ کبریٰ یعنی حقیقی موت کا۔ بیچ کا جملہ ﴿وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ﴾ جملہ معترضہ ہے جس سے اللہ کے وسیع علم کی دلالت ہو رہی ہے کہ وہ دن رات کے کسی وقت اپنی مخلوق کی کسی حالت سے بے علم نہیں۔ ان کی حرکات وسکنات سب جانتا ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿سَوَاءٌ مِّنْكُمْ مَّنْ اَسَرَّ الْقَوْلَ وَمَنْ جَهَرَ بِهٖ وَمَنْ هُوَ مُسْتَخْفٍ بِاللَّيْلِ وَسَارِبٌ بِالنَّهَارِ﴾ [1] الخ، یعنی چھپا کھلا رات کا دن کا سب باتوں کا اسے علم ہے اور آیت میں ہے ﴿وَمِنْ رَّحْمَتِهٖ جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ﴾ [2] الخ، یعنی یہ بھی رب کی رحمت ہے کہ اس نے تمہارے سکون کا وقت رات کو بنایا۔ اور دن کو تلاش معاش کا وقت بنایا۔ اور آیت میں ارشاد ہے ﴿وَجَعَلْنَا اللَّيْلَ لِبَاسًا﴾ [3] الخ، رات کو ہم نے لباس اور دن کو سبب معاش بنایا۔ یہاں فرمایا رات کو وہ تمہیں سلا دیتا ہے اور دنوں کو جو تم کرتے ہو اس سے وہ آگاہ ہے۔ پھر دن میں تمہیں اٹھا بٹھا دیتا ہے۔ ایک معنی یہ بھی بیان کیے گئے ہیں کہ وہ نیند میں یعنی خواب میں تمہیں اٹھا کھڑا کرتا ہے لیکن اول معنی ہی اولیٰ ہیں۔ ابن مردویہ کی ایک مرفوع روایت میں ہے کہ ہر انسان کے ساتھ ایک فرشتہ مقرر ہے جو سونے کے وقت اس کی روح کو لے جاتا ہے پھر اگر قبض کرنے کا حکم ہوتا ہے تو وہ اس روح کو نہیں لوٹاتا ورنہ بحکم الٰہ لوٹا دیتا ہے۔ [4] یعنی معنی اس آیت کے جملے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ يَتَوَفّٰكُمْ بِاللَّيْلِ﴾ کا ہے تاکہ اس طرح عمر کا پورا وقت گذرے اور جو اجل مقرر ہے وہ پوری ہو۔ قیامت کے دن سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے پھر وہ ہر ایک کو اس کے اعمال کا بدلہ دے گا نیکوں کو نیک اور بدوں کو برا۔

وہی ذات ہے جو ہر چیز پر غالب وقادر ہے اس کی جلالت عظمت عزت کے سامنے ہر کوئی پست ہے بڑائی اسی کی ہے اور سب اس کے سامنے عاجز و مسکین ہیں۔ وہ اپنے محافظ فرشتوں کو بھیجتا ہے جو انسان کی دیکھ بھال رکھتے ہیں جیسے فرمان عالیشان ہے ﴿لَهٗ مُعَقِّبَاتٌ مِّنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ﴾ [5] پس یہ فرشتے تو وہ ہیں جو انسان کی جسمانی حفاظت رکھتے ہیں دائیں بائیں آگے پیچھے سے اسے بحکم الٰہ بلاؤں سے بچاتے رہتے ہیں۔ دوسری قسم کے وہ فرشتے ہیں جو اس کے اعمال کی دیکھ بھال کرتے ہیں اور ان کی نگہبانی کرتے رہتے ہیں۔ جیسے فرمایا ﴿وَاِنَّ عَلَيْكُمْ لَحٰفِظِيْنَ﴾ [6] ان ہی فرشتوں کا ذکر آیت ﴿اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيٰنِ﴾ [7] الخ، میں ہے پھر فرمایا یہاں تک کہ تم میں سے کسی کی موت کا وقت آ جاتا ہے تو اس کی سکرات کے عالم میں اس کے پاس ہمارے وہ فرشتے آتے ہیں جو اسی کام پر مقرر ہیں۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ملک الموت کے بہت سے مددگار فرشتے ہیں جو روح کو جسم سے نکالتے ہیں اور حلقوم تک جب روح آ جاتی ہے

---

[1] [سورۃ الرعد: آیت ۱۰]

[2] [سورۃ القصص: آیت ۷۳]

[3] [سورۃ النباء: ۱۰]

[4] [ضعیف الدر المنثور (۲۹/۳)]

[5] [سورۃ الرعد: آیت ۱۱]

[6] [سورۃ الانفطار: آیت ۱۰، ۱۱]

[7] [سورۃ ق: آیت ۱۷، ۱۸]

پھر ملک الموت اسے قبض کر لیتے ہیں۔ اس کا مفصل بیان آیت ﴿يُثَبِّتُ اللّٰهُ﴾ [1] الخ میں آئے گا ان شاءاللہ تعالیٰ۔ پھر فرمایا وہ کوئی کمی نہیں کرتے یعنی روح کی حفاظت میں کوتاہی نہیں کرتے۔ اسے پوری حفاظت کے ساتھ یا تو علیین میں نیک روحوں سے ملا دیتے ہیں یا سجین میں بری روحوں میں ڈال دیتے ہیں۔

پھر وہ سب اپنے سچے مولیٰ کی طرف بلا لیے جائیں گے۔ مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں کہ مرنے والے کی روح کو نکالنے کے لیے فرشتے آتے ہیں اور اگر وہ نیک ہے تو اس سے کہتے ہیں کہ اے مطمئن روح جو پاک جسم میں تھی تو نہایت اچھائیوں اور بھلائیوں سے چل تو راحت و آرام کی خوشخبری سن تو اس رب کی طرف چل جو تجھ پر کبھی خفا نہ ہوگا۔ وہ اسے سنتے ہی نکلتی ہے اور جب تک وہ نکل نہ چکے تب تک یہی مبارک صدا اسے سنائی جاتی ہے پھر اسے آسمانوں پر لے جاتے ہیں اس کے لیے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں اور فرشتے اس کی آؤ بھگت کرتے ہیں مرحبا کہتے ہوئے ہاتھوں ہاتھ لیتے ہیں اور جو موت کے فرشتوں نے کہا تھا وہی خوشخبری یہ بھی سناتے ہیں یہاں تک اسی طرح نہایت تپاک گرم جوشی سے فرشتوں کے استقبال کے ساتھ یہ نیک روح اس آسمان تک پہنچتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ ہے۔ (اللہ تعالیٰ ہماری موت بھی نیکی پر کرے) اور جب کوئی برا آدمی ہوتا ہے تو موت کے فرشتے اس سے کہتے ہیں کہ اے خبیث روح جو گندے جسم میں تھی تو بری بن کر چل گرم کھولتے ہوئے پانی اور سڑی بھسی غذا اور طرح طرح کے عذابوں کی طرف چل۔ پھر وہ اس روح کو نکالتے ہیں اور یہی کہتے رہتے ہیں پھر اسے آسمان کی طرف چڑھاتے ہیں دروازہ کھلوانا چاہتے ہیں۔ آسمان کے فرشتے پوچھتے ہیں کون ہے؟ یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو وہ کہتے ہیں اس خبیث نفس کے لیے مرحبا نہیں۔ یہ تھا بھی ناپاک جسم میں تو برائی کے ساتھ لوٹ جا۔ تیرے لیے آسمانوں کے دروازے نہیں کھلتے۔ چنانچہ اسے زمین کی طرف پھینک دیا جاتا ہے۔ پھر قبر میں لائی جاتی ہے۔ پھر قبر میں ان دونوں روحوں سے سوال و جواب ہوتے ہیں۔ [2]

جیسے پہلی حدیثیں گذر چکیں۔ پھر اللہ کی طرف لوٹائے جاتے ہیں۔ اس سے مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ فرشتے لوٹائے جاتے ہیں یا یہ کہ مخلوق لوٹائی جاتی ہے یعنی قیامت کے دن۔ پھر جناب باری ان میں عدل و انصاف کرے گا اور احکام جاری فرمائے گا۔ جیسے فرمایا ﴿قُلْ اِنَّ الْاَوَّلِيْنَ وَالْاٰخِرِيْنَ﴾ [3] الخ، یعنی کہہ دے کہ اول آخر والے سب قیامت کے دن جمع ہوں گے اور آیت میں ہے ﴿وَحَشَرْنٰهُمْ فَلَمْ نُغَادِرْ مِنْهُمْ اَحَدًا﴾ [4] ہم سب

---

[1] [سورة ابراهيم: آیت ۲۷]

[2] [صحیح: مسند احمد (۲/۳۶۴ - ۳۶۵) ابوداؤد: كتاب الجنائز: باب كيف يجلس عند القبر (۳۲۱۲) ابن ماجه: كتاب الزهد: باب ذكر الموت والاستعداد (۴۲۶۲) نسائی فی التفسیر من الکبری (۱۱۴۴۲/۶) تفسير ابن جرير الطبری (۱۴۶۱۵/۱۲) الشريعة للآجری (۹۷۹/۲)] حافظ بوصیریؒ، امام منذریؒ، امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [الزوائد للبوصیری (۳۱۱/۳) الترغيب والترهيب (۳۷۰/۴) صحيح ابن حبان (۳۰۱۳/۷) مستدرك حاكم (۳۵۲/۱)]

[3] [سورة الواقعه: آیت ۴۹ - ۵۰] [4] [سورة الكهف: آیت ۶۳]

کو جمع کریں گے اور کسی کو بھی باقی نہ چھوڑیں گے الخ' یہاں بھی فرمایا کہ اپنے سچے مولیٰ کی طرف سب کا لوٹنا ہے۔ جو بہت جلد حساب لینے والا ہے اس سے زیادہ جلدی حساب میں کوئی نہیں کر سکتا۔

قُلْ مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً ۚ لَئِنْ اَنْجٰىنَا مِنْ هٰذِهٖ لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ ﴿۶۳﴾ قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ ﴿۶۴﴾ قُلْ هُوَ الْقَادِرُ عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا وَّيُذِيْقَ بَعْضَكُمْ بَاْسَ بَعْضٍ ۗ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ ﴿۶۵﴾

پوچھ تو کہ تمہیں خشکی اور تری کے اندھیروں سے کون نجات دیتا ہے؟ تم اسی اللہ کو بلند اور پست آواز سے پکارتے ہو کہ اے اللہ اگر تو ہمیں اس سے نجات دے گا تو ہم بالیقین تیرے شکر گزار بندوں میں ہو جائیں گے ○ جواب دے کہ تمہیں ان اندھیروں سے اور ہر طرح کی گھبراہٹ سے اللہ ہی نجات دیتا ہے اس پر بھی تم اللہ کے شریک ٹھہراتے ہو ○ کہہ دے کہ اللہ قادر ہے کہ تم پر تمہارے اوپر کی طرف سے یا تمہارے پیروں تلے سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہیں گروہ گروہ کر کے بھڑا دے اور بعض کو بعض کی لڑائی کا مزا چکھا دے' دیکھ تو ہم کس طرح پھیر پھیر کر اپنی آیتوں کو بیان فرماتے ہیں تا کہ لوگ سمجھ لیں ○

اللہ کے احسانات کو یاد رکھو: اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرماتا ہے کہ جب تم خشکی کے بیابانوں اور لق ودق سنسان جنگلوں میں راہ بھٹکے ہوئے' قدم قدم پر خوف وخطر میں مبتلا ہوتے ہو اور جب تم کشتیوں میں بیٹھے ہوئے طوفان کے وقت سمندر کے تلاطم میں مایوس و عاجز ہو جاتے ہو۔ اس وقت اپنے دیوتاؤں اور بتوں کو چھوڑ کر صرف اللہ تعالیٰ ہی کو پکارتے ہو۔ یہی مضمون قرآن کریم کی آیت ﴿وَاِذَا مَسَّكُمُ الضُّرُّ﴾ [1] میں اور آیت ﴿هُوَ الَّذِيْ يُسَيِّرُكُمْ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ﴾ [2] میں اور آیت ﴿اَمَّنْ يَّهْدِيْكُمْ﴾ [3] میں بھی بیان ہوا ہے۔ ﴿تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً﴾ کے معنی ﴿جَهْرًا اَوْ سِرًّا﴾ یعنی بلند آواز اور پست آواز کے ہیں۔ الغرض اس وقت صرف اللہ کو ہی پکارتے ہیں اور وعدہ کرتے ہیں کہ اگر تو ہمیں اس وقت سے نجات دے گا تو ہم ہمیشہ تیرے شکر گزار رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے باوجود اس عہد و پیمان کے ادھر ہم نے انہیں تنگی اور مصیبت سے چھوڑا ادھر یہ آزاد ہوتے ہی ہمارے ساتھ شرک کرنے لگے اور اپنے جھوٹے معبودوں کو پھر پکارنے لگے۔ پھر فرماتا ہے کیا تم نہیں جانتے کہ جس اللہ نے تمہیں اس وقت آفت میں ڈالا تھا وہ اب بھی قادر ہے کہ تم پر کوئی اور عذاب اوپر سے یا نیچے سے لے آئے جیسے کہ سورۂ سبحان میں ﴿رَبُّكُمُ الَّذِيْ يُزْجِيْ لَكُمُ الْفُلْكَ﴾ [4] سے ﴿تَبِيْعًا﴾ تک بیان فرمایا۔ یعنی تمہارا پروردگار وہ ہے جو دریا میں تمہارے لیے کشتیاں چلاتا ہے تا کہ تم اس کا فضل حاصل کرو اور وہ تم پر

---

[1] [سورۃ الاسراء: آیت ۶۷]
[2] [سورۃ یونس: آیت ۲۲]
[3] [سورۃ النحل: آیت ۶۳]
[4] [سورۃ الاسراء: آیت ۶۶، ۶۹]

بہت ہی مہربان ہے۔ لیکن جب تمہیں دریا میں کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو جن کی تم عبادت کرتے رہتے تھے وہ سب تمہارے خیال سے نکل جاتے ہیں اور صرف اللہ ہی کی طرف لو لگ جاتی ہے۔ پھر جب وہ تمہیں خشکی پر پہنچا دیتا ہے تو تم اس سے منہ پھیر لیتے ہو فی الواقع انسان بڑا ہی ناشکرا ہے۔ کیا تم اس سے بے خوف ہو کہ وہ تمہیں خشکی میں ہی دھنسا دے یا تم پر آندھی کا عذاب بھیج دے پھر تم کسی کو بھی اپنا کارساز نہ پاؤ۔ کیا تم اس بات سے بھی نڈر ہو کہ وہ تمہیں پھر دوبارہ دریا میں لے جائے اور تم پر تند و تیز ہوا بھیج دے اور تمہیں تمہارے کفر کے باعث غرق کر دے تم پھر کسی کو نہ پاؤ جو ہمارا پیچھا کر سکے۔ حضرت حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں اوپر نیچے کے عذاب مشرکوں کے لیے ہیں۔ حضرت مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس آیت میں اسی امت کو ڈرایا گیا تھا لیکن پھر اللہ تعالیٰ نے معافی دے دی۔ ہم یہاں اس آیت سے تعلق رکھنے والی حدیثیں اور آثار بیان کرتے ہیں ملاحظہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ پر ہمارا بھروسہ ہے اور اس سے ہم مدد چاہتے ہیں۔ صحیح بخاری شریف میں ہے ﴿يَلْبِسَكُمْ﴾ کے معنی ﴿يُخْلِطَكُمْ﴾ کے ہیں۔ یہ لفظ التباس سے ماخوذ ہے ﴿شِيَعًا﴾ کے معنی ﴿فِرَقًا﴾ کے ہیں۔ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ اللہ قادر ہے کہ تمہارے اوپر سے عذاب نازل فرمائے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا کی کہ یا اللہ میں تیرے پر عظمت وجلال چہرہ کی پناہ میں آتا ہوں۔ اور جب یہ سنا کہ نیچے سے عذاب لے آئے تو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا کی۔ پھر یہ سن کر کہ یا وہ تم میں اختلاف ڈال دے اور تمہیں ایک دوسرے سے تکلیف پہنچے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ بہت زیادہ ہلکا ہے۔ [1]

ابن مردویہ کی اس حدیث کے آخر میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ فرمان بھی مروی ہے کہ اگر اس آپس کی ناچاقی سے بھی پناہ مانگتے تو پناہ مل جاتی۔ [2]

مسند میں ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے جب اس آیت کے بارے میں سوال کیا گیا تو آپ نے فرمایا یہ تو ہونے والا ہی ہے اب تک یہ ہوا نہیں۔ [3] یہ حدیث ترمذی میں بھی ہے اور امام ترمذی رحمہ اللہ اسے غریب بتاتے ہیں۔ مسند احمد میں

---

[1] [صحیح] صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب قل هو القادر علی ان (٤٦٢٨) صحیح ابن حبان (٧٢٢٠) تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٣٦٨) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الانعام (٣٠٦٥) مسند ابویعلی (١٩٨٢)]

[2] [ضعیف] الدر المنثور للسیوطی (٣٢/٣) طبرانی اوسط (٩٠٦٨/٩) تفسیر ابن ابی حاتم (٧٤١١/٤)] اس کی سند میں ابن لہیعہ راوی ضعیف ہے اور ابو زبیر مدلس ہے اور اس نے عن سے روایت بیان کی ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

[3] [ضعیف] مسند احمد (١٧١/١) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الانعام (٣٠٦٦) تفسیر ابن ابی حاتم (٧٣٩٧/٤) ابن عساکر فی تاریخ دمشق (١٧١/٢) الذهبی فی معجم الشیوخ (٢٦٤/١) نعیم بن حماد فی الفتن (ص: ٤١٥) الدر المنثور للسیوطی (٣٢/٣)] شیخ احمد شاکر اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [التعلیق علی المسند (١٤٦٦)] امام ذہبیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ اس کی سند میں ابوبکر بن ابی مریم راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آ رہے تھے آپ مسجد بنی معاویہ میں گئے اور دو رکعت نماز ادا کی ہم نے بھی آپ کے ساتھ پڑھی پھر آپ نے لمبی مناجات کی اور فرمایا میں نے اپنے رب سے تین چیزیں طلب کیں ایک تو یہ کہ میری تمام امت کو ڈبوئے نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے یہ چیز عطا فرمائی۔ پھر میں نے دعا کی کہ میری جام امت کو قحط سالی سے اللہ تعالیٰ ہلاک نہ کرے اللہ تعالیٰ نے میری یہ دعا بھی قبول فرمائی پھر میں نے دعا کی کہ ان میں آپس میں پھوٹ نہ پڑے میری یہ دعا قبول نہ ہوئی۔ صحیح مسلم وغیرہ میں بھی یہ حدیث ہے۔[1] مسند احمد میں ہے حضرت عبداللہ بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ہمارے پاس عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما بنی معاویہ کے محلے میں آئے اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ جانتے ہو تمہاری اس مسجد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کس جگہ پڑھی؟ میں نے مسجد کے ایک کونے کو دکھا کر کہا یہاں۔ پھر پوچھا جانتے ہو یہاں تین دعائیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا کیا کیں؟ میں نے کہا ایک تو یہ کہ آپ کی امت پر کوئی غیر مسلم طاقت اس طرح غالب نہ آ جائے کہ ان کو پیس ڈالے دوسرے یہ کہ ان پر عام قحط سالی ایسی نہ آئے کہ یہ سب تباہ ہو جائیں اللہ تبارک وتعالیٰ نے آپ کی یہ دونوں دعائیں قبول فرمائیں پھر تیسری دعا یہ کی کہ ان میں آپس میں لڑائیاں نہ ہوں لیکن یہ دعا قبول نہ ہوئی یہ سن کر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا تم نے سچ کہا یاد رکھو قیامت تک یہ آپس کی لڑائیاں چلی جائیں گی۔[2] ابن مردویہ میں ہے کہ حضور علیہ السلام بنو معاویہ کے محلے میں گئے اور وہاں آٹھ رکعت نماز ادا کی' بڑی لمبی رکعت پڑھیں پھر میری طرف توجہ فرما کر فرمایا میں نے اپنے رب سے تین چیزیں مانگیں اللہ پاک نے دو تو دیں اور ایک نہ دی۔ میں نے سوال کیا کہ میری امت پر ان کے دشمن اس طرح نہ چھا جائیں کہ انہیں برباد کر دیں اور ان سب کو ڈبویا نہ جائے۔ اللہ نے ان دونوں باتوں سے مجھے امن دیا پھر میں نے آپس میں لڑائیاں نہ ہونے کی دعا کی لیکن اس سے منع کر دیا۔[3] ابن ماجہ اور مسند احمد میں ہے حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا تو مجھے معلوم ہوا کہ آپ تشریف لے گئے اب دریافت کرتا کرتا حضور صلی اللہ علیہ وسلم جہاں تھے وہیں پہنچا دیکھا تو آپ نماز پڑھ رہے ہیں میں بھی آپ کے پیچھے نماز میں کھڑا ہو گیا۔ آپ نے بڑی لمبی نماز پڑھی۔ جب فارغ ہوئے تو میں نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وسلم بڑی لمبی نماز آپ نے آج پڑھی' آپ نے فرمایا ہاں یہ نماز رغبت اور ڈر کی نماز تھی پھر آپ نے

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب هلاك هذه الامة بعضهم ببعض (۲۸۹۰) مسند ابویعلی (۷۳٤) صحیح ابن حبان (۷۲۳٦) مسند احمد (۱۷٥/۱)]

[2] [صحیح : مسند احمد (٤٤٥/٥) مؤطا (۳٥) الدر المنثور للسیوطی (۳٤/۳) طبرانی کبیر (۱۷۸۱) مجمع الزوائد (۲۲۱/۷)] امام ہیثمیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ ہیں۔ شیخ شعیب ارناؤوط نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے۔[مسند احمد محقق (۲۳۷٤۹)]

[3] [ضعیف : الدر المنثور للسیوطی (۳٤/۳) ابن ابی شیبة : کتاب الدعا : باب ما دعا النبی لامته فأعطی بعضه (۸۰/۷) بخاری فی التاریخ الکبیر (۲۸٥/٦)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

اپنی ان تینوں دعاؤں کا ذکر کیا۔ ① نسائی وغیرہ میں حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ نے ضحیٰ کی نماز کی آٹھ رکعتیں پڑھیں، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کے سوال پر اپنی دعاؤں کا ذکر کیا اس میں عام قحط سالی کا ذکر ہے۔ ② نسائی وغیرہ میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ساری رات نماز میں گذاری صبح کے وقت سلام پھیرا تو حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ نے جو بدری صحابی رضی اللہ عنہ ہیں پوچھا کہ ایسی طویل نماز تو میں نے آپ کی کبھی نہیں دیکھی آپ نے اس کے جواب میں وہی فرمایا جو اوپر مذکور ہوا۔ اس میں ایک دعا یہ ہے کہ اگلی امتوں پر جو عام عذاب آئے وہ میری امت پر عام طور پر نہ آئیں۔ ③ تفسیر ابن جریر میں ہے کہ حضور ﷺ نے نماز پڑھی جس کے رکوع و سجود پورے تھے اور نماز ہلکی تھی پھر سوال و جواب وہی ہیں جو اوپر بیان ہوئے ④ مسند احمد میں ہے رسول اکرم ﷺ فرماتے ہیں میرے لیے زمین لپیٹ دی گئی یہاں تک کہ میں نے مشرقین مغربین دیکھ لیے جہاں جہاں تک یہ زمین میرے لیے لپیٹ دی گئی تھی وہاں وہاں تک میری امت کی بادشاہت پہنچے گی۔ مجھے دونوں خزانے دیئے گئے ہیں سفید اور سرخ۔ میں نے اپنے رب عزوجل سے سوال کیا کہ میری امت کو عام قحط سالی سے ہلاک نہ کرا اور ان پر کوئی ان کے سوا ایسا دشمن مسلط نہ کر جو انہیں عام طور پر ہلاک کر دے یہاں تک کہ یہ خود آپس میں ایک دوسروں کو ہلاک کرنے لگیں اور ایک دوسروں کو قتل کرنے لگیں اور ایک دوسروں کو قید کرنے لگیں اور حضور ﷺ نے فرمایا میں اپنی امت پر کسی چیز سے نہیں ڈرتا بجز گمراہ کرنے والے اماموں کے۔ پھر جب میری امت میں تلوار رکھ دی جائے گی تو قیامت تک ان میں سے اٹھائی نہ جائے گی۔ ⑤ ابن مردویہ میں ہے کہ جب آپ لوگوں میں نماز پڑھتے

---

① [صحیح : مسند احمد (٥/٢٤٠) ابن ماجہ : کتاب الفتن : باب مایکون من الفتن (٣٩٥١) ابن ابی شیبة : کتاب الدعا (٨٠/٧) صحیح ابن خزیمة (١٢١٨)] حافظ بوصیریؒ اور شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [الزوائد (٢٢٩/٣) السلسلة الصحیحة (١٧٢٤)]

② [صحیح لغیرہ : مسند احمد (١٤٦/٣، ١٥٦) صحیح ابن خزیمة (١٢٢٨) نسائی فی السنن الکبری کما فی التحفة (٩٢٠/١) ابو نعیم فی الحلیة (٣٣٦/٨) مجمع الزوائد (٢٣٦/٢)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (١٢٤٨٦)]

③ [صحیح : مسند احمد (١٠٨/٥-١٠٩) ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجآء فی سوال النبی ثلاثا فی امته (٢١٧٥) نسائی : کتاب قیام اللیل : باب احیاء اللیل (١٦٣٩)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [ن]

④ [صحیح بالشواهد : تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٣٧٠) طبرانی کبیر (٤١١٢/٤) ابن ابی عاصم فی الأحاد والمثانی (٢٣٣٣/٤) مسند بزار (١٦٢٩/٢) بخاری فی التاریخ الکبیر (١٣٨/٣)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ اس کے راوی ثقہ اور اس کی سند حسن ہے۔ [الاصابة (٧٥/٣)]

⑤ [صحیح : مسند احمد (١٢٣/٤) مسند بزار (٣٢٩١) تفسیر عبد الرزاق (٢١٠/٢) تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٣٦٩/١١) صحیح ابن حبان (٤٥٧٠/١٠)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ [فتح الباری (٢٩٣/٨)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (٢٢١/٧)]

تو نماز ہلکی ہوتی۔ مگر رکوع وسجود پورے ہوتے ایک روز آپ بہت دیر تک بیٹھے رہے یہاں تک کہ ہم نے ایک دوسرے کو اشارے سے سمجھا دیا کہ شاید آپ پر وحی اتر رہی ہے خاموشی سے بیٹھے رہو۔ جب آپ فارغ ہوئے تو بعض لوگوں نے کہا حضور ﷺ آج تو اس قدر زیادہ دیر تک آپ کے بیٹھے رہنے سے ہم نے یہ خیال کیا تھا اور آپس میں ایک دوسرے کو اشارے سے یہ سمجھایا تھا۔ آپ نے فرمایا نہیں یہ بات تو نہ تھی بلکہ میں نے یہ نماز بڑی رغبت ویکسوئی سے ادا کی تھی۔ میں نے اس میں تین چیزیں اللہ تبارک وتعالیٰ سے طلب کی تھیں جن میں سے دو تو اللہ تعالیٰ نے دے دیں اور ایک نہیں دی۔ میں نے اللہ تعالیٰ سے سوال کیا کہ وہ تمہیں وہ عذاب نہ کرے جو تم سے پہلی قوموں کو کئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اسے پورا کیا ہے میں نے پھر کہا کہ یا اللہ میری امت پر کوئی ایسا دشمن چھا نہ جائے جو ان کا صفایا کر دے تو اللہ تعالیٰ نے میری یہ مراد بھی پوری کر دی۔ پھر میں نے دعا کی کہ اللہ تعالیٰ تم میں پھوٹ نہ ڈالے کہ ایک دوسرے کو ایذا پہنچائیں مگر اللہ تعالیٰ نے یہ دعا قبول نہ فرمائی۔ [1] مسند احمد کی حدیث میں ہے میں نے اللہ تبارک وتعالیٰ سے چار دعائیں کیں تو تین پوری ہوئیں اور ایک رد ہوگئی۔ چوتھی دعا اس میں یہ ہے کہ میری امت گمراہی پر جمع نہ ہو جائے [2] اور حدیث میں ہے دو چیزیں اللہ نے دیں دو نہ دیں آسمان سے پتھروں کا سب پر برسانا موقوف کر دیا گیا زمین کے پانی کے طوفان سے سب کا غرق ہو جانا موقوف کر دیا گیا لیکن قتل اور آپس کی لڑائی موقوف نہیں کی گئی [3] (ابن مردویہ) ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جب یہ آیت اتری تو آنحضرت ﷺ وضو کر کے اٹھ کھڑے ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ میری امت پر نہ تو ان کے اوپر سے عذاب اتار نہ نیچے سے انہیں عذاب چکھا اور نہ ان میں تفرقہ ڈال کہ ایک دوسرے کو مصیبت پہنچائے۔ اسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام اترے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے آپ کی امت کو اس سے پناہ دے دی کہ ان کے اوپر سے یا ان کے نیچے سے ان پر عام عذاب اتارا جائے [4] (ابن مردویہ) ابن ابی کعب رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ دو چیزیں اس امت سے ہٹ گئیں اور دو رہ گئیں اوپر کا عذاب یعنی پتھراؤ اور نیچے کا عذاب یعنی زمین کا دھنساؤ ہٹ گیا اور آپس کی پھوٹ اور ایک کا ایک کو ایذائیں پہنچانا رہ گیا۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس آیت میں چار چیزوں کا ذکر ہے جن میں سے دو تو

---

[1] [صحیح بالشواهد: طبرانی کبیر (٤١١٢) مسند بزار (٣٢٨٩) ابن حبان (٦٧١٤/١٥)]

[2] [صحیح: مسند احمد (٣٩٦/٦) طبرانی کبیر (٢١٧١) مجمع الزوائد (٢٢١/٧) الدر المنثور للسیوطی (٣٤/٣)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے البتہ یہ سند ضعیف ہے۔ [مسند احمد محقق (١٧١١٥)]

[3] [ضعیف: الدر المنثور للسیوطی (٣٣/٣) طبرانی کبیر (١٢٠٤٩/١١) مجمع الزوائد (١٢٢/١)] اس کی سند میں عبداللہ بن کیسان راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[4] [ضعیف: الدر المنثور للسیوطی (٣٣/٣)] اس کی سند میں محمد بن سائب کلبی راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں جہالت ہے۔]

حضور ﷺ کی وفات کے پچیس سال بعد ہی شروع ہوگئیں یعنی پھوٹ اور آپس کی دشمنی۔ دو باقی رہ گئیں وہ بھی ضرور ہی آنے والی ہیں یعنی رجم اور خسف آسمان سے سنگباری اور زمین میں دھنسایا جانا[1] (احمد) حضرت حسن رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں گناہ سے لوگ بچے ہوئے تھے عذاب رکے ہوئے تھے جب گناہ شروع ہوئے عذاب اتر پڑے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ با آواز بلند مجلس میں یا منبر پر فرماتے تھے لوگو تم پر آیت ﴿قُلْ هُوَ الْقَادِرُ﴾ الخ اتر چکی ہے اگر آسمانی عذاب آ جائے ایک بھی باقی نہ بچے اگر تمہیں وہ زمین میں دھنسا دے تو تم سب ہلاک ہو جاؤ اور تم میں سے ایک بھی نہ بچے لیکن تم پر آپس کی پھوٹ کا تیسرا عذاب آ چکا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اوپر کا عذاب برے امام اور بد بادشاہ ہیں نیچے کا عذاب بد باطن غلام اور بد دیانت نوکر چاکر ہیں۔ یہ قول بھی گو صحیح ہوسکتا ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ ظاہر اور قوی ہے۔ اس کی شہادت میں آیت ﴿ءَ اَمِنْتُمْ مَّنْ فِی السَّمَآءِ﴾ [2] الخ، پیش ہوسکتی ہے۔ ایک حدیث میں ہے میری امت میں سنگ باری اور زمین میں دھنس جانا اور صورت بدل جانا ہوگا۔[3] اس قسم کی بہت سی حدیثیں ہیں جو قیامت کے قرب کی علامتوں کے بیان میں اس کے موقعہ پر جا بجا آئیں گی۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔ آپس کی پھوٹ سے مراد فرقہ بندی ہے، خواہشوں کو پیشوا بنانا ہے۔ ایک حدیث میں ہے یہ امت تہتر فرقوں میں بٹ جائے گی سب جہنمی ہوں گے سوائے ایک کے۔[4]

ایک دوسرے کی تکلیف کا مزہ چکھے اس سے مراد سزا اور قتل ہے۔ دیکھ لے کہ ہم کس طرح اپنی آیتیں وضاحت کے ساتھ بیان فرما رہے ہیں۔ تاکہ لوگ غور و تدبر کریں سوچیں سمجھیں۔ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا لوگو! میرے بعد کافر بن کر نہ لوٹ جانا کہ ایک دوسروں کی گردنوں پر تلواریں چلانے لگو۔ اس پر لوگوں نے کہا حضور ﷺ کیا ہم اللہ کی وحدانیت اور آپ کی رسالت کو مانتے ہوئے ایسا کر سکتے ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں ہاں یہی ہوگا۔ کسی نے کہا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم مسلمان رہتے ہوئے مسلمانوں ہی کو قتل کریں اس پر آیت کا آخری حصہ اور اسکے بعد کی آیت ﴿وَكَذَّبَ بِهٖ﴾ الخ، اتری[5] (ابن ابی حاتم اور ابن جریر)

---

[1] [ضعيف : مسند احمد (۵/۱۳۴-۱۳۵) مجمع الزوائد (۷/۲۴) السير للذهبی (۱/۳۹۳) ابو نعيم فی الحلية (۱/۲۵۳) تفسير ابن جرير الطبری (۱۱/۱۳۳۶۱)] اس کی سند میں ابو جعفر رازی راوی ضعیف ہے۔]

[2] [سورة ملك: آيت ۱۶-۱۷]

[3] [صحيح : ترمذی : كتاب القدر: باب ما جآء فی المكذبين بالقدر من الوعيد (۲۱۵۲) ابن ماجه : كتاب الفتن : باب الخسوف (۴۰۶۱) صحيح ابن حبان (۱۵/۶۷۵۹)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ترمذی ، المشكاة (۱۰۶-۱۱۶) السلسلة الصحيحة (۱۷۸۷)]

[4] [صحيح : ترمذی : كتاب الايمان : باب ماجآء فی افتراق هذه الامة (۲۶۴۱) مستدرك حاكم (۱/۱۲۹)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ترمذی ، السلسلة الصحيحة (۱۳۴۸)]

[5] [مرسل وضعيف : تفسير ابن جرير الطبری (۱۳۳۸۱) تفسير ابن ابی حاتم (۴/۷۴۱۸)]

وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ وَهُوَ الْحَقُّ ؕ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ ؕ ﴿۶۶﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ز وَّسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ﴿۶۷﴾ وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْۤ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۶۸﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۶۹﴾

تیری قوم نے اس قرآن کو جھٹلایا حالانکہ وہ سراسر حق ہے' کہہ دے کہ میں تم پر کچھ محافظ نہیں ○ ہر خبر کے لیے ایک معین وقت مقرر ہے تم عنقریب جان لو گے ○ تو جب انہیں دیکھے جو ہماری آیتوں کا مضحکہ اڑاتے ہیں تو ان سے منہ پھیر لیا کر یہاں تک کہ وہ اس کے سوا کسی اور بحث کو شروع کریں' اور اگر کبھی شیطان تجھے بھلا دے تو خبردار یاد آ جانے کے بعد ہرگز ظالم لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھنا ○ ان کے حساب میں سے کوئی چیز پرہیز گاری کرنے والوں پر نہیں ہاں ان کے ذمہ نصیحت کرنا ہے تاکہ وہ لوگ پرہیز گاری اختیار کریں ○

تاویلیں کرنے والوں سے دور رہو: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جس قرآن کو اور جس ہدایت و بیان کو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے لایا ہے اور جسے تیری قوم قریش جھٹلا رہی ہے حقیقتاً وہ سراسر حق ہے بلکہ اس کے سوا اور کوئی حق ہے ہی نہیں ان سے کہہ دیجیے میں نہ تو تمہارا محافظ ہوں نہ تم پر وکیل ہوں۔ جیسے اور آیت میں ہے کہہ دے کہ یہ تمہارے رب کی طرف سے حق ہے جو چاہے ایمان لائے۔ یعنی مجھ پر صرف تبلیغ کرنا فرض ہے۔ تمہارے ذمہ سننا اور ماننا ہے ماننے والے دنیا اور آخرت میں نیکی پائیں گے اور نہ ماننے والے دونوں جہان میں بدنصیب رہیں گے۔ ہر خبر کی حقیقت ہے وہ ضرور واقع ہونے والی ہے اس کا وقت مقرر ہے۔ تمہیں عنقریب حقیقت حال معلوم ہو جائے گی۔ واقعہ کا انکشاف ہو جائے گا اور جان لو گے۔

پھر فرمایا جب تو انہیں دیکھے جو میری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں اور ان کا مذاق اڑاتے ہیں تو تو ان سے منہ پھیر لے اور جب تک وہ اپنی شیطانیت سے باز نہ آ جائیں تو ان کے ساتھ نہ اٹھو نہ بیٹھو۔ اس آیت میں گو فرمان حضرت رسالت مآب ﷺ کو ہے لیکن حکم عام ہے۔ آپ کی امت کے ہر شخص پر حرام ہے کہ وہ ایسی مجلس میں یا ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھے جو اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہوں ان کے معنی الٹ پلٹ کرتے ہوں اور ان کی بے جا تاویلیں کرتے ہوں۔ اگر بالفرض کوئی شخص بھولے سے ان میں بیٹھ بھی جائے تو یاد آنے کے بعد ایسے ظالموں کے پاس بیٹھنا ممنوع ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا اور بھول سے درگذر فرما لیا ہے اور ان کاموں سے بھی جو ان سے زبردستی مجبور کر کے کرائے جائیں۔ [1] اس آیت کے اسی حکم کی

---

[1] [صحیح] ابن ماجه: کتاب الطلاق: باب طلاق المکره والناسی (۲۰۴۵) بیهقی فی السنن الکبری (۷/۳۵۶۔۳۵۷)] شیخ البانی ؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابن ماجه، ارواء الغلیل (۸۲)]

طرف اشارہ اس آیت میں ہے ﴿وَقَدْ نَزَّلَ عَلَيْكُمْ فِي الْكِتَابِ اَنْ اِذَا سَمِعْتُمْ﴾ [1] الخ، یعنی تم پر اس کتاب میں یہ فرمان نازل ہو چکا ہے کہ جب اللہ کی آیتوں کے ساتھ کفر اور مذاق ہوتا ہوا سنو تو ایسے لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو اور اگر تم نے ایسا کیا تو تم بھی اس صورت میں ان جیسے ہی ہو جاؤ گے ہاں جب وہ اور باتوں میں مشغول ہوں تو خیر۔ مطلب یہ ہے کہ اگر تم ان کے ساتھ بیٹھے اور ان کی باتوں کو برداشت کر لیا تو تم بھی ان کی طرح ہی ہو۔ پھر فرمان ہے کہ جو لوگ ان سے دوری کریں ان کے ساتھ شریک نہ ہوں ان کی ایسی مجلسوں سے الگ رہیں وہ بری الذمہ ہیں ان پر ان کا کوئی گناہ نہیں۔ ان کی اس بدکرداری کا کوئی بوجھ ان کے سر نہیں۔ دیگر مفسرین کہتے ہیں کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ اگرچہ ان کے ساتھ بیٹھیں لیکن جبکہ ان کے کام میں اور ان کے خیال میں ان کی شرکت نہیں تو یہ بے گناہ ہیں لیکن یہ حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ یہ حکم سورۂ نساء مدنی کی آیت ﴿اِنَّكُمْ اِذًا مِّثْلُهُمْ﴾ [2] سے منسوخ ہے۔ ان مفسرین کی اس تفسیر کے مطابق آیت کے آخری جملے کے یہ معنی ہوں گے کہ ہم نے تمہیں ان سے الگ رہنے کا حکم اس لیے دیا ہے کہ انہیں عبرت حاصل ہو اور ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے گناہ سے باز آ جائیں اور ایسا نہ کریں۔

وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ۚ وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ۗ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ۚ لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌۢ بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿۷۰﴾

انہیں چھوڑ دے جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشا بنا رکھا ہے اور جنہیں زندگانی دنیا نے مغرور کر دیا ہے اور اس قرآن کے ساتھ نصیحت کر دے تاکہ کوئی شخص اپنے اعمال کی وجہ سے ہلاک نہ کیا جائے سوائے اللہ کے کسی کا نہ کوئی دوست ہے نہ سفارشی، گو کوئی سب کچھ بدلے میں دینا چاہے لیکن اس سے لیا نہ جائے گا، یہی ہیں جو اپنے کیے ہوئے کاموں کی وجہ سے ہلاک کیے گئے، انہیں گرم گرم پانی پینے کو ملے گا اور ان کے کفر کی وجہ سے انہیں دردناک عذاب ہوں گے ○

یعنی بے دینوں سے منہ پھیر لو ان کا انجام نہایت برا ہے اس قرآن کو پڑھ کر، سنا کر لوگوں کو ہوشیار کر دو۔ اللہ کی ناراضگی سے اور اس کے عذابوں سے انہیں ڈرا دو تاکہ کوئی شخص اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک نہ ہو، پکڑا نہ جائے، رسوا نہ کیا جائے، اپنے مطلوب سے محروم نہ رہ جائے۔ جیسے فرمان ہے ﴿كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ﴾ [3] الخ، ہر شخص اپنے اعمال کا گروی ہوا ہے مگر داہنے ہاتھ والے۔ یاد رکھو کسی کا کوئی والی اور سفارشی نہیں جیسے ارشاد فرمایا ﴿مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ﴾ [4] الخ، اس سے پہلے کہ وہ دن آ جائے جس میں نہ خرید و فروخت ہے نہ دوستی اور محبت نہ سفارش اور نہ شفاعت۔ کافر پورے ظالم ہیں

---

[1] [سورة النسآء: آیت ۱۴۰]
[2] [سورة النسآء: آیت ۱۴۰]
[3] [المدثر: ۳۸-۳۹]
[4] [البقرہ: ۲۵۴]

اگر یہ لوگ قیامت کے دن تمام دنیا کی چیزیں فدیئے یا بدلے میں دے دینا چاہیں تو بھی ان سے نہ فدیہ لیا جائے گا نہ بدلہ۔ کسی چیز کے بدلے وہ عذابوں سے نجات نہیں پا سکتے۔ جیسے فرمان ہے ﴿اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَمَاتُوْا وَھُمْ کُفَّارٌ﴾ [1] الخ' جو لوگ کفر پر جئے اور کفر پر ہی مرے یہ اگر زمین بھر کر سونا بھی دیں تو ناممکن ہے کہ قبول کیا جائے اور انہیں چھوڑا جائے پس فرمادیا گیا کہ یہی وہ لوگ ہیں جو اپنی بداعمالیوں کی وجہ سے رسوا کر دیئے گئے انہیں گرم کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا اور انہیں سخت المناک عذاب ہوں گے کیونکہ یہ کافر تھے۔

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۖ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ڛ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

کہہ دے کہ کیا ہم اللہ کے سوا انہیں پکاریں جو نہ ہمیں کوئی نفع دے سکیں نہ کوئی نقصان پہنچا سکیں؟ اور کیا ہم اس کے بعد کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی اپنی ایڑیوں کے بل لوٹ جائیں؟ مثل اس شخص کے جسے شیطان راہ بھلا دیں اور وہ سرگشتہ و پریشان رہ جائے اس کے ساتھی اسے راہ راست کی طرف بلائیں اور کہیں کہ ہمارے ساتھ آ جا' تو کہہ دے کہ اللہ ہی کی ہدایت ہدایت ہے' ہمیں یہ فرمان ہوا ہے کہ ہم رب العالمین کے فرمانبردار بن جائیں ○ اور یہ کہ تم نمازوں کو پابندی سے ادا کرو اور اس سے ڈرتے رہو' وہی ہے جس کی طرف تمہارا سب کا حشر کیا جائے گا ○ وہی ہے جس نے آسمان اور زمین کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے' جب وہ فرماتا ہے ہو جا تو ہو جاتا ہے۔ اسی کا قول حق ہے اور اسی کا ملک ہے جس دن صور پھونکا جائے گا' اللہ ہی کو پوشیدہ اور ظاہر کا علم ہے' اور وہی حکمتوں والا اور خبرداری رکھنے والا ہے ○

اسلام ہی نجات کا راستہ: مشرکوں نے مسلمانوں سے کہا تھا کہ ہمارے دین میں آ جاؤ اور اسلام چھوڑ دو اس پر یہ آیت اتری کہ کیا ہم بھی تمہاری طرح بے جان و بے نفع و نقصان معبودوں کو پوجنے لگیں؟ اور جس کفر سے ہٹ گئے ہیں کیا پھر لوٹ کر اسی پر آ جائیں؟ اور تم جیسے ہی ہو جائیں؟ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ اب تو ہماری آنکھیں کھل گئیں صحیح راہ مل گئی اب اسے کیسے چھوڑ دیں اگر ہم ایسا کر لیں تو ہماری مثال اس شخص جیسی ہو گی جو لوگوں کے ساتھ نکلا سیدھے راستے پر جا رہا تھا مگر راستہ گم ہو گیا شیطان نے اسے پریشان کر دیا اور ادھر ادھر بھٹکانے لگا اس کے ساتھ جو راستے پر تھے وہ اسے پکارنے لگے کہ ہمارے ساتھ مل جا ہم صحیح راستے پر جا رہے ہیں۔ یہی مثال اس شخص کی ہے

---

[1] [آل عمران: ۹۱]

جو آنحضرت ﷺ کو جان اور پہچان لینے کے بعد مشرکوں کا ساتھ دے۔ آنحضرت ﷺ ہی پکارنے والے ہیں اور اسلام ہی سیدھا اور صحیح راستہ ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں یہ مثال اللہ تعالیٰ نے معبودان باطل کی طرف بلانے والوں کی بیان فرمائی ہے اور ان کی بھی جو اللہ کی طرف بلاتے ہیں۔ ایک شخص راستہ بھولتا ہے وہیں اس کے کان میں آواز آتی ہے کہ اے فلاں ادھر آ سیدھی راہ یہی ہے۔ لیکن اس کے ساتھی جس غلط راستے پر لگ گئے ہیں وہ اسے تھپکتے ہیں اور کہتے ہیں یہی راستہ صحیح ہے اسی پر چلا چل۔ اب اگر یہ سچے شخص کو مانے گا تو راہ راست پر لگ جائے گا ورنہ بھٹکتا پھرے گا۔ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرنے والے اس امید میں ہوتے ہیں کہ ہم بھی کچھ ہیں لیکن مرنے کے بعد انہیں معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ کچھ نہ تھے اس وقت بہت نادم ہوتے ہیں اور سوائے ہلاکت کے کوئی چیز انہیں دکھائی نہیں دیتی۔ یعنی جس طرح کسی جنگل میں گم شدہ انسان کو جنات اس کا نام لے کر آوازیں دے کر اسے غلط راستوں پر ڈال دیتے ہیں جہاں وہ مارا مارا پھرتا ہے اور بالآخر ہلاک اور تباہ ہو جاتا ہے اسی طرح جھوٹے معبودوں کا پجاری بھی برباد ہو جاتا ہے۔ ہدایت کے بعد گمراہ ہونے والے کی یہی مثال ہے جس راہ کی طرف شیطان اسے بلا رہے ہیں وہ تو تباہی اور بربادی کی راہ ہے اور جس راہ کی طرف اللہ بلا رہا ہے اور اس کے نیک بندے جس راہ کو بجھا رہے ہیں وہ ہدایت ہے گو وہ اپنے ساتھیوں کے مجمع میں سے نہ نکلے اور انہیں ہی راہ راست پر سمجھتا رہے اور وہ ساتھی بھی اپنے آپ کو ہدایت یافتہ کہتے رہیں۔ لیکن یہ قول آیت کے لفظوں کے مطابق نہیں کیونکہ آیت میں موجود ہے کہ وہ اسے ہدایت کی طرف بلاتے ہیں۔ پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ وہ ضلالت ہو؟ ((حَیْـرَانَ)) پر زبر حال ہونے کی وجہ سے ہے صحیح مطلب یہی ہے کہ اس کے ساتھی جو ہدایت پر ہیں جب اسے غلط راہ پر دیکھتے ہیں تو اس کی خیر خواہی کے لیے پکار پکار کر کہتے ہیں کہ ہمارے پاس آ جا سیدھا راستہ یہی ہے لیکن یہ بدنصیب ان کی بات پر اعتماد نہیں کرتا بلکہ توجہ تک نہیں کرتا۔ سچ تو یہ ہے کہ ہدایت اللہ کے قبضے میں ہے۔ وہ جسے راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کر سکتا۔ چنانچہ خود قرآن میں ہے کہ تو چاہے ان کی ہدایت پر حرص کرے لیکن جسے اللہ بھٹکا دے اسے وہی راہ پر لا سکتا ہے ایسوں کا کوئی مددگار نہیں۔ ہم سب کو یہی حکم کیا گیا ہے کہ ہم خلوص سے ساری عبادتیں محض اسی وحدہ لاشریک لہ کے لیے کریں۔

اور یہ بھی حکم ہے کہ نمازیں قائم رکھیں اور ہر حال میں اس سے ڈرتے رہیں قیامت کے دن اسی کے سامنے حشر کیا جائے گا سب وہیں جمع کیے جائیں گے۔ اسی نے آسمان و زمین کو عدل کے ساتھ پیدا کیا ہے وہی مالک اور مدبر ہے قیامت کے دن فرمائے گا ہو جا تو ہو جائے گا ایک لمحہ بھی دیر نہ لگے گی ((یوم)) کا زبر یا تو ((وَاتَّقُوْهُ)) پر عطف ہونے کی وجہ سے ہے۔ یعنی اس دن سے ڈرو جس دن اللہ فرمائے گا ہو اور ہو جائے گا اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ((یَوْمَ)) کا زبر ﴿خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ﴾ پر عطف ہونے کی بنا پر ہو تو گویا ابتداء پیدائش کو بیان فرما کر پھر دوبارہ پیدائش کو بیان فرمایا۔ یہی زیادہ مناسب ہے۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ فعل مضمر ہو یعنی ((اُذْکُرْ)) اور اس وجہ سے ((یَـوْمَ)) پر زبر آیا ہو۔ اس کے بعد کے دونوں جملے محلاً مجرور ہیں۔ کیونکہ یہ صفت ہیں اور موصوف لفظ رب العالمین ہے اور وہ مجرور ہے۔ پس یہ دونوں جملے بھی محلاً مجرور ہیں۔ ان میں پہلی صفت یہ ہے کہ اللہ کا قول

حق ہے رب کے فرمان سب کے سب سچ ہیں۔ تمام ملک کا وہی اکیلا مالک ہے سب چیزیں اسی کی ملکیت ہیں ﴿یَوْمَ یُنْفَخُ﴾ میں ((یَوْمَ)) ممکن ہے کہ ﴿یَوْمَ یَقُوْلُ﴾ کا بدل ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ﴿وَلَهُ الْمُلْكُ﴾ کا ظرف ہو۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ﴾ [1] الخ' آج کس کا ملک ہے؟ صرف اللہ اکیلے غالب کا اور جیسے اس آیت میں ارشاد ہوا ہے ﴿اَلْمُلْكُ يَوْمَئِذِ ِالْحَقُّ لِلرَّحْمٰنِ﴾ [2] الخ یعنی ملک آج صرف رحمان کا ہے اور آج کا دن کفار پر بہت سخت ہے اور بھی اس طرح کی اور اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔ بعض کہتے ہیں صور جمع ہے صورۃ کی جیسے سور شہر پناہ کو کہتے ہیں اور وہ جمع ہے سورۃ کی۔ لیکن صحیح یہ ہے کہ مراد صور سے قرن ہے جسے حضرت اسرافیل علیہ السلام پھونکیں گے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ بھی اسی کو پسند فرماتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ حضرت اسرافیل علیہ السلام صور کو اپنے منہ میں لیے ہوئے اپنی پیشانی جھکائے ہوئے حکم الٰہی کے منتظر ہیں۔ [3] مسند احمد میں ہے کہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ کے سوال پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صور ایک نرسنگھے جیسا ہے جو پھونکا جائے گا۔ [4] طبرانی کی مطولات میں ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین کی پیدائش کے بعد صور کو پیدا کیا اور اسے حضرت اسرافیل علیہ السلام کو دیا وہ اسے لیے ہوئے ہیں اور عرش کی طرف نگاہ جمائے ہوئے ہیں کہ کب حکم ہو اور میں اسے پھونک دوں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے دریافت کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صور کیا ہے؟ آپ نے فرمایا ایک نرسنگھا ہے میں نے کہا وہ کیسا ہے؟ آپ نے فرمایا بہت ہی بڑا ہے واللہ اس کے دائرے کی چوڑائی آسمان وزمین کے برابر ہے اس میں سے تین نفخے پھونکے جائیں گے۔ پہلا گھبراہٹ کا دوسرا بیہوشی کا تیسرا رب العالمین کے سامنے کھڑے ہونے کا۔ اول اول جناب باری حضرت اسرافیل علیہ السلام کو صور پھونکنے کا حکم دے گا وہ پھونک دیں گے جس سے آسمان وزمین کی تمام مخلوق گھبرا اٹھے گی مگر جسے اللہ چاہے یہ صور بحکم رب دیر تک برابر پھونکا جائے گا اسی طرف اشارہ اس آیت میں ہے ﴿وَمَا يَنْظُرُ هٰؤُلَاۗءِ اِلَّا صَيْحَةً وَّاحِدَةً مَّا لَهَا مِنْ فَوَاقٍ﴾ [5] یعنی انہیں صرف ایک بلند زوردار چیخ کا انتظار ہے پہاڑ اس صور سے مثل بادلوں کے چلنے پھرنے لگیں

---

[1] [سورۃ غافر: آیت ۱۶] [2] [سورۃ الفرقان: آیت ۲۶]

[3] [صحیح : مسند احمد (۳۲۶/۱) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ الزمر (۳۲۴۳) ابن ابی شیبہ (۹۶/۷) مجمع الزوائد (۱۳۴/۷) طبرانی کبیر (۱۲۶۷۱)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی] البتہ حافظ زبیر علی زئی اس کی سند کو عطیہ عوفی کی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح : ابوداؤد : کتاب السنۃ : باب فی ذکر البعث والصور (۴۷۴۲) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ الزمر (۳۲۴۳۔ ۳۲۴۴) صحیح ابن حبان (۷۳۱۲) مستدرک حاکم (۴۳۶/۲) مسند احمد (۳۱۲/۲) بیہقی فی شعب الایمان (۳۵۰/۱) تفسیر ابن جریر الطبری (۲۹/۱۶) تفسیر ابن ابی حاتم (۷۴۸۳/۴)] امام ابن حبانؒ، امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [السلسلۃ الصحیحۃ (۱۰۷۸۔۱۰۷۹)]

[5] [سورۃ ص: آیت ۱۵]

گے پھر ریت ریت ہو جائیں گے زمین میں بھونچال آ جائے گا اور وہ اس طرح تھرتھرانے لگے گی جیسے کوئی کشتی دریا کے بیچ زبردست طوفان میں موجوں سے ادھرادھر ہو رہی ہو اور غوطے کھا رہی ہو۔ مثل اس ہانڈی کے جو عرش میں لٹکی ہوئی ہے جسے ہوائیں ہلا جلا رہی ہیں اسی کا بیان اس آیت میں ہے ﴿يَوْمَ تَرْجُفُ الرَّاجِفَةُ﴾ ① الخ، اس دن زمین جنبش میں آ جائے گی اور بہت ہی ہلنے لگے گی اس کے پیچھے ہی پیچھے لگنے والی آ جائے گی دل دھڑکنے لگیں گے اور کلیجے الٹنے لگیں گے لوگ ادھرادھر گرنے لگیں گے مائیں اپنے دودھ پیتے بچوں کو بھول جائیں گی۔ حاملہ عورتوں کے حمل گر جائیں گے۔ بچے بوڑھے ہو جائیں گے شیاطین مارے گھبراہٹ اور پریشانی کے بھاگتے بھاگتے زمین کے کناروں پر آ جائیں گے۔ یہاں سے فرشتے انہیں مار مار کر ہٹائیں گے۔ لوگ پریشان حال حواس باختہ ہوں گے کوئی جائے پناہ نظر نہ آئے گی امر الٰہی سے بچاؤ نہ ہو سکے گا ایک دوسرے کو آوازیں دیں گے لیکن سب اپنی اپنی مصیبت میں پڑے ہوئے ہوں گے کہ ناگہاں زمین پھٹنی شروع ہو جائے گی کہیں ادھر سے پھٹی کہیں ادھر سے پھٹی اب تو ابتر حالت ہو جائے گی کلیجہ کپکپانے لگے گا دل الٹ جائے گا اور اتنا صدمہ اور غم ہو گا جس کا اندازہ نہیں ہو سکتا۔ جو آسمان کی طرف نظر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ گھل رہا ہے اور وہ بھی پھٹ رہا ہے ستارے جھڑ رہے ہیں سورج چاند بے نور ہو گیا ہے۔ ہاں مردوں کو اس کا کچھ علم نہ ہو گا حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے سوال کیا کہ یارسول اللہ ﷺ قرآن کی آیت میں جو فرمایا گیا ہے ﴿فَفَزِعَ مَنْ فِى السَّمٰوٰتِ وَمَنْ فِى الْاَرْضِ اِلَّا مَنْ شَآءَ اللّٰهُ﴾ ② یعنی زمین و آسمان کے سب لوگ گھبرا اٹھیں گے لیکن جنہیں اللہ چاہے۔ اس سے مراد کون لوگ ہیں؟ آپ نے فرمایا یہ شہید لوگ ہیں کہ وہ اللہ کے ہاں زندہ ہیں روزیاں پاتے ہیں اور سب زندہ لوگ گھبراہٹ میں ہوں گے لیکن اللہ تعالیٰ انہیں پریشانی سے محفوظ رکھے گا یہ تو عذاب ہے جو وہ اپنی بدترین مخلوق پر بھیجے گا۔ اسی کا بیان آیت ﴿يٰاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ﴾ ③ الخ، میں ہے یعنی اے لوگو اپنے رب سے ڈرو یاد رکھو قیامت کا زلزلہ بہت بڑی چیز ہے جس دن تم اسے دیکھ لو گے ہر ایک دودھ پلانے والی اپنے دودھ پیتے بچے سے غافل ہو جائے گی ہر حمل والی کا حمل گر جائے گا۔ دیکھا جائے گا کہ سب لوگ بیہوش ہوں گے حالانکہ وہ نشہ پئے ہوئے نہیں بلکہ اللہ کے سخت عذابوں نے انہیں بدحواس کر رکھا ہے یہی حالت رہے گی جب تک اللہ چاہے بہت دیر تک یہی گھبراہٹ کا عالم رہے گا پھر اللہ تبارک وتعالیٰ حضرت اسرافیل علیہ السلام کو بیہوشی کے نفخے کا حکم دے گا اس نفخہ کے پھونکتے ہی زمین و آسمان کی تمام مخلوق بیہوش ہو جائیں گی مگر جسے اللہ چاہے اور اچانک سب کے سب مر جائیں گے۔ حضرت ملک الموت اللہ تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ اے باری تعالیٰ زمین آسمان کی تمام مخلوق مر گئی مگر جسے تو نے چاہا۔ اللہ تعالیٰ باوجود علم کے سوال کرے گا کہ یہ بتاؤ اب باقی کون کون ہے؟ وہ جواب دیں گے تو باقی ہے تو حی وقیوم ہے تجھ پر کبھی فنا نہیں اور عرش کے اٹھانے والے فرشتے اور

---

① [سورة النازعات : آیت ٦،٨]　② [سورة النمل: آیت ٨٧]

③ [سورة الحج: آیت ١]

جبرئیل علیہ السلام ومیکائیل علیہ السلام اس وقت عرش کو زبان ملے گی اور وہ کہے گا اے پروردگار کیا جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام بھی مریں گے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا میں نے اپنے عرش سے نیچے والوں پر سب پر موت لکھ دی ہے چنانچہ یہ دونوں بھی فوت ہو جائیں گے پھر ملک الموت رب جبار وقہار کے پاس آئیں گے اور خبر دیں گے کہ جبرئیل ومیکائیل بھی انتقال کر گئے۔ جناب الٰہ علم کے باوجود پھر دریافت فرمائے گا کہ اب باقی کون ہے؟ ملک الموت جواب دیں گے کہ باقی ایک تو تو ہے ایسی بقاوالا جس پر فنا ہے ہی نہیں اور تیرے عرش کے اٹھانے والے اللہ فرمائے گا عرش کے اٹھانے والے بھی مرجائیں گے اس وقت وہ بھی مرجائیں گے۔ پھر اللہ کے حکم سے حضرت اسرافیل علیہ السلام سے صور کو عرش لے لے گا۔ ملک الموت حاضر ہو کر عرض کریں گے کہ یا اللہ عرش کے اٹھانے والے فرشتے بھی مر گئے اللہ تعالیٰ دریافت فرمائے گا حالانکہ وہ خوب جانتا ہے کہ اب باقی کون رہا؟ ملک الموت جواب دیں گے کہ ایک تو جس پر موت ہے ہی نہیں اور ایک تیرا غلام میں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ فرمائے گا تو بھی میری مخلوق میں سے ایک مخلوق ہے تجھے میں نے ایک کام کے لیے پیدا کیا تھا جسے تو کر چکا اب تو بھی مرجا چنانچہ وہ بھی مرجائیں گے۔ اب اللہ تعالیٰ اکیلا باقی رہ جائے گا جو غلبہ والا یگانگت والا بے ماں باپ اور بے اولاد کے ہے۔ جس طرح مخلوق کے پیدا کرنے سے پہلے وہ یکتا اور اکیلا تھا۔ پھر آسمانوں اور زمینوں کو وہ اس طرح لپیٹ لے گا جیسے دفتری کاغذ کو لپیٹتا ہے پھر انہیں تین مرتبہ الٹ پلٹ کرے گا اور فرمائے گا میں جبار ہوں میں کبریائی والا ہوں۔ پھر تین مرتبہ فرمائے گا آج ملک کا مالک کون ہے؟ کوئی نہ ہوگا جو جواب دے تو خود ہی جواب دے گا اللہ واحد وقہار۔ قرآن میں ہے اس دن آسمان وزمین بدل دیئے جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ انہیں پھیلا دے گا اور کھینچ دے گا جس طرح چمڑا کھینچا جاتا ہے کہیں کوئی اونچ نیچ باقی نہ رہے گی۔ پھر ایک الٰہی آواز کے ساتھ ہی ساری مخلوق اس تبدیل شدہ زمین میں آجائے گی اندر والے اندر اور اوپر والے اوپر پھر اللہ تعالیٰ اپنے عرش تلے سے اس پر بارش برسائے گا پھر آسمان کو حکم ہوگا اور وہ چالیس دن تک مینہ برسائے گا یہاں تک کہ پانی ان کے اوپر بارہ ہاتھ چڑھ جائے گا۔ پھر جسموں کو حکم ہوگا کہ وہ اگیں اور وہ اس طرح اگنے لگیں گے جیسے سبزیاں اور ترکاریاں۔ اور وہ پورے پورے کامل جسم جیسے تھے ویسے ہی ہو جائیں گے پھر حکم فرمائے گا کہ میرے عرش کے اٹھانے والے فرشتے جی اٹھیں۔ چنانچہ وہ زندہ ہو جائیں گے پھر اسرافیل کو حکم ہوگا کہ صور لے کر منہ سے لگا لیں۔ پھر فرمان ہوگا کہ جبرئیل ومیکائیل علیہما السلام زندہ ہو جائیں یہ دونوں بھی اٹھیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ روحوں کو بلائے گا مومنوں کی نورانی ارواح اور کفار کی ظلماتی روحیں آئیں گی۔ انہیں لے کر اللہ تعالیٰ صور میں ڈال دے گا۔ پھر اسرافیل کو حکم ہوگا کہ اب صور پھونک دو چنانچہ بعث کا صور پھونکا جائے گا جس سے ارواح اس طرح نکلیں گی جیسے شہد کی مکھیاں۔ تمام خلا ان سے بھر جائے گا پھر رب عالم کا ارشاد ہوگا کہ مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم ہے ہر روح اپنے اپنے جسم میں چلی جائے۔ چنانچہ سب روحیں اپنے اپنے جسموں میں نتھنوں کے راستے چلی جائیں گی اور جس طرح زہر رگ وپے میں اثر کر جاتا ہے روح روئیں روئیں میں دوڑ جائے گی۔ پھر زمین پھٹ جائے گی اور لوگ اپنی قبروں سے نکل کھڑے ہوں گے۔ سب سے پہلے

میرے اوپر سے زمین شق ہوگی۔ لوگ نکل کر دوڑتے ہوئے اپنے رب کی طرف چل دیں گے۔ اس وقت کافر کہیں گے کہ آج کا دن بڑا بھاری ہے۔ سب ننگے پیروں ننگے بدن بے ختنہ ہوں گے ایک میدان میں بقدر ستر سال کے کھڑے رہیں گے۔ نہ ان کی طرف نگاہ اٹھائی جائے گی نہ ان کے درمیان فیصلے کیے جائیں گے۔ لوگ بے طرح گریہ وزاری میں مبتلا ہوں گے یہاں تک کہ آنسو ختم ہو جائیں گے اور خون آنکھوں سے نکلنے لگے گا۔ پسینہ اس قدر آئے گا کہ منہ تک یا ٹھوڑیوں تک اس میں ڈوبے ہوئے ہوں گے۔ آپس میں کہیں گے آؤ کسی سے کہیں کہ وہ ہماری شفاعت کرے۔ ہمارے پروردگار سے عرض کرے کہ وہ آئے اور ہمارے فیصلے کرے تو کہیں گے کہ اس کے لائق ہمارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے بہتر کون ہوگا؟ جنہیں اللہ نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا' اپنی روح ان میں پھونکی اور آمنے سامنے ان سے باتیں کیں۔ چنانچہ سب مل کر آپ کے پاس جائیں گے اور سفارش طلب کریں گے لیکن حضرت آدم علیہ السلام صاف انکار کر جائیں گے اور فرمائیں گے مجھ میں اتنی قابلیت نہیں پھر وہ اسی طرح ایک ایک نبی کے پاس جائیں گے اور سب انکار کر دیں گے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پھر سب کے سب میرے پاس آئیں گے۔ میں عرش کے آگے جاؤں گا اور سجدے میں گر پڑوں گا۔ اللہ تعالیٰ میرے پاس فرشتہ بھیجے گا وہ میرا بازو تھام کر مجھے سجدے سے اٹھائے گا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم میں جواب دوں گا کہ جی ہاں اے میرے رب! اللہ عزوجل باوجود کل عالم ہونے کے مجھ سے دریافت فرمائے گا کہ کیا بات ہے؟ میں کہوں گا یا اللہ تو نے مجھ سے شفاعت کی قبولیت کا وعدہ فرمایا ہے اپنی مخلوق کے بارے میں میری شفاعت کو قبول فرما اور ان کے فیصلوں کے لیے تشریف لے آ۔ رب العالمین فرمائے گا میں نے تیری سفارش قبول کی اور میں آ کر تم میں فیصلے کیے دیتا ہوں۔ میں لوٹ کر لوگوں کے ساتھ ٹھہر جاؤں گا کہ ناگہاں آسمانوں سے ایک بہت بڑا دھماکہ سنائی دے گا جس سے لوگ خوف زدہ ہو جائیں گے اتنے میں آسمان کے فرشتے اترنے شروع ہوں گے جن کی تعداد کل انسانوں اور سارے جنوں کے برابر ہوگی۔ جب وہ زمین کے قریب پہنچیں گے تو ان کے نور سے زمین جگمگا اٹھے گی وہ صفیں باندھ کر کھڑے ہو جائیں گے۔ ہم سب ان سے دریافت کریں گے کہ کیا تم میں ہمارا رب آیا ہے؟ وہ جواب دیں گے نہیں پھر اس تعداد سے بھی زیادہ تعداد میں اور فرشتے آئیں گے۔ آخر ہمارا رب عزوجل ابر کے سائے میں نزول فرمائے گا اور فرشتے بھی اس کے ساتھ ہوں گے اس کا عرش اس دن آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اس وقت عرش کے اٹھانے والے چار فرشتے ہیں ان کے قدم آخری نیچے والی زمین کی تہ میں ہیں زمین و آسمان ان کے نصف جسم کے مقابلے میں ہے ان کے کندھوں پر عرش الٰہی ہے۔ ان کی زبانیں ہر وقت اللہ تبارک وتعالیٰ کی پاکیزگی کے بیان میں تر ہیں۔ ان کی تسبیح یہ ہے ﴿سُبْحَانَ ذِی الْعَرْشِ وَالْجَبَرُوْتِ سُبْحَانَ ذِی الْمُلْكِ وَالْمَلَكُوْتِ سُبْحَانَ الْحَیِّ الَّذِیْ لَا یَمُوْتُ سُبْحَانَ الَّذِیْ یُمِیْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوْتُ سُبُّوْحٌ قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ قُدُّوْسٌ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلٰی رَبِّ الْمَلَائِكَةِ وَالرُّوْحِ سُبْحَانَ رَبِّنَا الْاَعْلَی الَّذِیْ یُمِیْتُ الْخَلَائِقَ وَلَا یَمُوْتُ﴾ پھر اللہ جس جگہ چاہے گا اپنی کرسی زمین پر رکھے گا

اور بلند آواز سے فرمائے گا اے جنو اور انسانو میں نے تمہیں جس دن سے پیدا کیا تھا اس دن سے آج تک میں خاموش رہا تمہاری باتیں سنتا رہا تمہارے اعمال دیکھتا رہا سنو تمہارے اعمال نامے میرے سامنے پڑھے جائیں گے جو اس میں بھلائی پائے وہ اللہ کی حمد کرے اور جو اس میں اور کچھ پائے وہ اپنی جان کو ملامت کرے۔ پھر بحکم الٰہ جہنم میں سے ایک دیکھتی ہوئی گردن نکلے گی اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے آدم علیہ السلام کی اولاد کیا میں نے تم سے عہد نہیں لیا تھا کہ شیطان کی پوجا نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے؟ اور صرف میری ہی عبادت کرتے رہنا یہی سیدھی راہ ہے۔ شیطان نے تو بہت سی مخلوق کو گمراہ کر دیا ہے کیا تمہیں عقل نہیں؟ یہ ہے وہ جہنم جس کا تم وعدہ دیئے جاتے تھے اور جسے تم جھٹلاتے رہے اے گنہگارو! آج تم نیک بندوں سے الگ ہو جاؤ۔ اس فرمان کے ساتھ ہی بدلوگ نیکوں سے الگ ہو جائیں گے تمام امتیں گھٹنوں کے بل گر پڑیں گی جیسے قرآن کریم میں ہے کہ تو ہر امت کو گھٹنوں کے بل گرے ہوئے دیکھے گا ہر امت اپنے نامہ اعمال کی طرف بلائی جائے گی۔ پھر اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق میں فیصلے کرے گا پہلے جانوروں میں فیصلے ہوں گے یہاں تک کہ بے سینگ والی بکری کا بدلہ سینگ والی بکری سے لیا جائے گا۔ جب کسی کا کسی کے ذمہ کوئی دعویٰ باقی نہ رہے گا تو اللہ تعالیٰ انہیں فرمائے گا تم سب مٹی ہو جاؤ۔ اس فرمان کے ساتھ ہی تمام جانور مٹی بن جائیں گے۔ اس وقت کافر بھی یہی آرزو کریں گے کہ کاش ہم بھی مٹی ہو جاتے۔ پھر اللہ تبارک وتعالیٰ اپنے بندوں کے فیصلے شروع کرے گا سب سے پہلے قتل وخون کا فیصلہ ہو گا۔ اللہ تعالیٰ اپنی راہ کے شہیدوں کو بھی بلائے گا ان کے ہاتھوں سے قتل شدہ لوگ اپنا سر اٹھائے ہوئے حاضر ہوں گے رگوں سے خون بہہ رہا ہو گا کہیں گے کہ باری تعالیٰ دریافت فرما کہ اس نے مجھے کیوں قتل کیا؟ پس باوجود علم کے اللہ عزوجل مجاہدین سے پوچھے گا کہ تم نے انہیں کیوں قتل کیا؟ وہ جواب دیں گے اس لیے کہ تیری بات بلند ہو اور تیری عزت ہو اللہ تعالیٰ فرمائے گا تم سچے ہو اسی وقت ان کا چہرہ نورانی ہو جائے گا سورج کی طرح چمکنے لگے گا اور فرشتے انہیں اپنے جھرمٹ میں لے کر جنت کی طرف چلیں گے پھر باقی کے اور تمام قاتل ومقتول اسی طرح پیش ہوں گے اور جو نفس ظلم سے قتل کیا گیا ہے اس کا بدلہ ظالم قاتل سے دلوایا جائے گا اسی طرح ہر مظلوم کو ظالم سے بدلہ دلوایا جائے گا یہاں تک کہ جو شخص دودھ میں پانی ملا کر بیچتا تھا اسے فرمایا جائے گا کہ اپنے دودھ سے پانی جدا کر دے۔ ان فیصلوں کے بعد ایک منادی با آواز بلند ندا کرے گا جسے سب سنیں گے' ہر عابد اپنے معبود کے پیچھے ہو لے اور اللہ کے سوا جس نے کسی اور کی عبادت کی ہے وہ جہنم میں چل دے۔ سنو اگر یہ سچے معبود ہوتے تو جہنم میں وارد نہ ہوتے یہ سب تو جہنم میں ہی ہمیشہ رہیں گے اب صرف باایمان لوگ باقی رہیں گے ان میں منافقین بھی شامل ہوں گے اللہ تعالیٰ ان کے پاس جس ہئیت میں چاہے تشریف لائے گا اور ان سے فرمائے گا کہ سب اپنے معبودوں کے پیچھے چلے گئے تم بھی جس کی عبادت کرتے تھے اس کے پاس چلے جاؤ۔ یہ جواب دیں گے کہ واللہ ہمارا تو کوئی معبود نہیں بجز الٰہ العالمین کے۔ ہم نے کسی اور کی عبادت نہیں کی۔ اب ان کے لیے پنڈلی کھول دی جائے گی اور اللہ تعالیٰ اپنی عظمت کی تجلیاں ان پر ڈالے گا جس سے یہ اللہ تعالیٰ کو پہچان لیں گے اور سجدے میں گر پڑیں گے لیکن منافق سجدہ نہیں کر سکیں

گے یہ اوندھے اور الٹے ہو جائیں گے اور اپنی کمر کے بل گر پڑیں گے۔ ان کی پیٹھ سیدھی کر دی جائے گی مڑ نہیں سکیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ مومنوں کو سجدے سے اٹھنے کا حکم دے گا اور جہنم پر پل صراط رکھی جائے گی جو تلوار جیسی تیز دھار والی ہوگی اور جگہ جگہ آنکڑے اور کانٹے ہوں گے بڑی پھسلنی اور خطرناک ہوگی ایماندار تو اس پر سے اتنی سی دیر میں گذر جائیں گے جتنی دیر میں کوئی آنکھ بند کر کے کھول دے جس طرح بجلی گذر جاتی ہے اور جیسے ہوا تیزی سے چلتی ہے۔ یا جیسے تیز رو گھوڑے یا اونٹ ہوتے ہیں یا خوب بھاگنے والے آدمی ہوتے ہیں۔ بعض صحیح سالم گذر جائیں گے بعض زخمی ہو کر پار اتر جائیں گے بعض کٹ کر جہنم میں گر جائیں گے جنتی لوگ جب جنت کے پاس پہنچیں گے تو کہیں گے کون ہمارے رب سے ہماری سفارش کرے کہ ہم جنت میں چلے جائیں؟ دوسرے لوگ جواب دیں گے اس کے حقدار تمہارے باپ حضرت آدم علیہ السلام سے زیادہ اور کون ہوں گے؟ جنہیں رب ذوالکرم نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا اور اپنی روح ان میں پھونکی اور آمنے سامنے باتیں کیں۔ پس سب لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور آپ سے سفارش کرانی چاہیں گے لیکن آپ اپنا گناہ یاد کر کے جواب دیں گے کہ میں اس لائق نہیں ہوں تم نوح علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ اللہ کے پہلے رسول ہیں۔ لوگ حضرت نوح علیہ السلام کے پاس آ کر ان سے یہ درخواست کریں گے لیکن وہ بھی اپنے گناہ کو یاد کر کے یہی فرمائیں گے اور کہیں گے کہ تم سب حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خلیل اللہ ہیں لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور یہی کہیں گے آپ بھی اپنے گناہ کو یاد کر کے یہی جواب دیں گے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جانے کی ہدایت کریں گے کہ اللہ نے انہیں سرگوشیاں کرتے ہوئے نزدیک کیا تھا وہ کلیم اللہ ہیں ان پر توراۃ نازل فرمائی گئی تھی لوگ آپ کے پاس آئیں گے اور آپ سے طلب سفارش کریں گے آپ بھی اپنے گناہ کا ذکر کریں گے اور روح اللہ اور کلمۃ اللہ حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہ السلام کے پاس بھیجیں گے لیکن حضرت عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں اس قابل نہیں تم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جاؤ۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں پس سب لوگ میرے پاس آئیں گے۔ میں اللہ کے سامنے تین شفاعتیں کروں گا میں جاؤں گا جنت کے پاس پہنچ کر دروازے کا کنڈا پکڑ کر کھٹکھٹاؤں گا تو مجھے مرحبا کہا جائے گا اور خوش آمدید کہا جائے گا میں جنت میں جا کر اپنے رب کو دیکھ کر سجدے میں گر پڑوں گا اور وہ وہ حمد و ثنا جناب باری کی بیان کروں گا جو کسی نے نہ کی ہو۔ پھر اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر اٹھاؤ شفاعت کرو قبول کی جائے گی مانگو ملے گا میں سر اٹھاؤں گا اللہ تعالیٰ تو دلوں کے بھید بھی جانتا ہے تاہم وہ دریافت فرمائے گا کہ کیا کہنا چاہتے ہو؟ میں کہوں گا اے اللہ تو نے میری شفاعت کے قبول فرمانے کا وعدہ کیا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ میری شفاعت ان جنتیوں کے بارے میں قبول فرمائے گا اور انہیں جنت کے داخلے کی اجازت ہو جائے گی۔ واللہ جیسے تم اپنے گھر سے اپنے بال بچوں سے آگاہ ہو اس سے بہت زیادہ یہ جنتی اپنی جگہ اور اپنی بیویوں سے واقف ہوں گے ہر ایک اپنے اپنے ٹھکانے پر پہنچ جائے گا ستر ستر حوریں اور دو دو عورتیں ملیں گی۔ یہ دونوں عورتیں اپنی کی ہوئی نیکیوں کے سبب پر فضیلت چہروں کی مالک ہوں گی جنتی ان میں سے ایک کے پاس جائے گا جو یاقوت کے بالاخانے میں سونے کے جڑاؤ تخت پر ستر ریشمی حلے پہنے

ہوئے ہوگی اس کا جسم اس قدر نورانی ہوگا کہ ایک طرف اگر جنتی اپنا ہاتھ رکھے تو دوسری طرف سے نظر آئے گا اس کی صفائی کی وجہ سے اس کی پنڈلی کا گودا گوشت پوست میں نظر آرہا ہوگا اس کا دل اس کا آئینہ ہوگا نہ یہ اس سے بس کرے نہ وہ اس سے اکتائے۔ جب کبھی اس کے پاس جائے گا باکرہ پائے گا۔ نہ یہ تھکے نہ اسے تکلیف ہو۔ نہ کوئی مکروہ چیز ہو۔ یہ اپنی اسی مشغولی میں مزے میں اور لطف وراحت میں اللہ جانے کتنی مدت گذار دے گا جو ایک آواز آئے گی کہ مانا نہ تمہارا دل اس سے بھرتا ہے نہ ان کا دل تم سے بھرے گا۔ لیکن اللہ نے تمہارے لیے اور بیویاں بھی رکھی ہوئی ہیں۔ اب یہ اوروں کے پاس جائے گا جس کے پاس جائے گا بے ساختہ زبان سے یہی نکلے گا اللہ کی قسم ساری جنت میں تم سے بہتر کوئی چیز نہیں مجھے تو جنت کی تمام چیزوں سے زیادہ تم سے محبت ہے۔ ہاں جنہیں ان کی بدعملیوں اور گناہوں نے تباہ کر رکھا ہے وہ جہنم میں جائیں گے اپنے اپنے اعمال کے مطابق آگ میں جلیں گے۔ بعض قدموں تک بعض آدھی پنڈلی تک بعض گھٹنے تک بعض آدھے بدن تک بعض گردن تک۔ صرف چہرہ باقی رہ جائے گا کیونکہ صورت کا بگاڑنا اللہ نے آگ پر حرام کر دیا ہے۔ رسول کریم ﷺ اللہ تعالیٰ سے اپنی امت کے گنہگار دوزخیوں کی شفاعت کریں گے اللہ تعالیٰ فرمائے گا جاؤ جنہیں پہچانو انہیں نکال لاؤ۔ پھر یہ لوگ جہنم سے آزاد ہوں گے یہاں تک کہ ان میں سے کوئی باقی نہ رہے گا پھر تو شفاعت کی عام اجازت مل جائے گی کل انبیاء اور شہداء شفاعت کریں گے۔ جناب باری کا ارشاد ہوگا کہ جس کے دل میں ایک دینار برابر بھی ایمان پاؤ اسے نکال لاؤ۔ پس یہ لوگ بھی آزاد ہوں گے اور ان میں سے بھی کوئی باقی نہ رہے گا۔ پھر فرمائے گا انہیں بھی نکال لاؤ جس کے دل میں دو ثلث دینار کے برابر ایمان ہو۔ پھر فرمائے گا ایک ثلث والوں کو بھی۔ پھر ارشاد ہوگا چوتھائی دینار کے برابر والوں کو بھی۔ پھر فرمائے گا کہ ایک قیراط کے برابر والوں کو بھی۔ پھر ارشاد ہوگا انہیں بھی جہنم سے نکال لاؤ جن کے دل میں رائی کے دانے کے برابر ایمان ہو۔ پس یہ سب بھی نکل آئیں گے۔ اور ان میں سے ایک شخص بھی باقی نہ بچے گا۔ بلکہ جہنم میں ایک شخص بھی ایسا نہ رہ جائے گا جس نے خلوص کے ساتھ کوئی نیکی بھی اللہ کی فرمانبرداری کے ماتحت کی ہو۔ جتنے شفیع ہوں گے سب سفارش کر لیں گے یہاں تک کہ ابلیس کو بھی امید بندھ جائے گی اور وہ بھی گردن اٹھا اٹھا کر دیکھے گا کہ شاید کوئی میری بھی شفاعت کرے کیونکہ وہ اللہ کی رحمت کا جوش دیکھ رہا ہوگا ان کے بعد اللہ تعالیٰ ارحم الراحمین فرمائے گا کہ اب تو صرف میں ہی باقی رہ گیا اور میں تو سب سے زیادہ رحم وکرم کرنے والا ہوں۔ پس اپنا ہاتھ ڈال کر خود اللہ تبارک وتعالیٰ جہنم میں سے لوگوں کو نکالے گا جن کی تعداد سوائے اس کے اور کوئی نہیں جانتا۔ وہ جلتے جھلتے ہوئے کوئلے کی طرح ہو گئے ہوں گے۔ انہیں نہر حیوان میں ڈالا جائے گا جہاں وہ اس طرح اگیں گے جس طرح دانہ اگتا ہے جو کسی دریا کے کنارے بویا گیا ہو کہ اس کا دھوپ کا رخ تو سبز رہتا ہے اور سائے کا رخ زرد رہتا ہے۔ ان کی گردنوں پر تحریر ہوگا کہ یہ رحمان کے آزاد کردہ ہیں۔ اس تحریر سے انہیں دوسرے جنتی پہچان لیں گے۔ ایک مدت تک تو یونہی رہیں گے پھر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ اے اللہ یہ حروف بھی مٹ جائیں

اللہ عزوجل یہ بھی مٹا دے گا۔ [1] یہ حدیث اور آگے بھی ہے اور بہت ہی غریب ہے اور اس کے بعض حصوں کے شواہد متفرق احادیث میں ملتے ہیں۔ اس کے بعض الفاظ منکر ہیں۔ اسماعیل بن رافع قاضی اہل مدینہ اس کی روایت کے ساتھ منفرد ہیں ان کو بعض محدثین نے تو ثقہ کہا ہے اور بعض نے ضعیف کہا ہے اور ان کی حدیث کی نسبت کئی ایک محدثین نے منکر ہونے کی صراحت کی ہے۔ جیسے امام احمد' امام ابوحاتم' امام عمرو بن علی رحمہم اللہ بعض نے ان کے بارے میں فرمایا ہے کہ یہ متروک ہیں۔ امام ابن عدی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ان کی سب احادیث میں نظر ہے مگر ان کی حدیثیں ضعیف احادیث میں لکھنے کے قابل ہیں۔ میں نے اس حدیث کی سندوں میں جو اختلاف کئی وجوہ سے ہے اسے علیحدہ ایک جزو میں بیان کر دیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کا بیان بہت ہی غریب ہے۔ یہ بھی کہا گیا کہ بہت سی احادیث کو ملا کر ایک حدیث بنالی ہے اسی وجہ سے اسے منکر کہا گیا ہے۔ میں نے اپنے استاد حافظ ابوالحجاج مزی سے سنا ہے کہ انہوں نے امام ولید بن مسلم رحمہ اللہ کی ایک کتاب دیکھی ہے جس میں ان باتوں کے جو اس حدیث میں ہی ہیں شواہد بیان کئے ہیں واللہ اعلم۔

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّیْۤ اَرٰىكَ وَ قَوْمَكَ فِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ﴿۷۴﴾ وَ كَذٰلِكَ نُرِیْۤ اِبْرٰهِیْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لِیَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِیْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ الَّیْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَاۤ اُحِبُّ الْاٰفِلِیْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَ قَالَ لَىِٕنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّیْ هٰذَاۤ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّاۤ اَفَلَتْ قَالَ یٰقَوْمِ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ حَنِیْفًا وَّ مَاۤ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۷۹﴾

جبکہ ابراہیم نے اپنے باپ آزر سے فرمایا کہ کیا تو بتوں کو اللہ مانتا ہے؟ میں تو تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی پر جانتا ہوں ○ اسی طرح ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو آسمانوں اور زمینوں کے ملک و مخلوق بطور دلیل کے دکھائے تھے کہ وہ یقین ہونے والوں میں سے ہو جائیں ○ پھر جب اس پر رات کی اندھیری آئی تو اس نے ایک تارا دیکھا' کہنے لگا یہ میرا رب ہے' جب وہ غائب ہو گیا کہنے لگا میں چھپ جانے والوں سے محبت نہیں رکھتا ○ پھر چاند کو چمکتا ہوا دیکھ کر کہہ اٹھا کہ یہ میرا رب ہے۔

---

[1] [ضعیف جدا: طبرانی فی الطوالات الجزء المطبوع فی آخر المعجم الکبیر (۳۶) ابوالشیخ فی العظمة (۳۸۶/۳) ابن ابی الدنیا فی الاهوال (۵۵) فتح الباری (۳۶۸/۱۱) بیهقی فی البعث (۶۶۸-۶۶۹) تفسیر ابن جریر الطبری (۲/ ۳۳۰-۳۳۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

جب وہ بھی چھپ گیا تو کہنے لگا اگر میرے رب نے میری سچی رہبری نہ فرمائی تو میں تو گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا○ پھر آفتاب کو روشن دیکھ کر کہنے لگا یہ میرا رب ہے یہ تو سب سے بڑا ہے۔ جب وہ بھی غروب ہو گیا تو کہنے لگا اے میری قوم کے لوگو میں تو تمہارے مقرر کردہ شریکوں سے بالکل بیزار ہوں○ میں تو پابند توحید ہو کر اپنا رخ اس کی طرف کرتا ہوں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا ہے اور میں مشرکوں میں نہیں ہوں○

ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ: حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر نہ تھا بلکہ تارخ تھا۔ آزر سے مراد بت ہے۔ آپ کی والدہ کا نام مثلے تھا آپ کی بیوی صاحبہ کا نام سارہ تھا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ کا نام ہاجرہ تھا یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی سریہ تھیں۔ علماء نسب میں سے اوروں کا بھی قول ہے کہ آپ کے والد کا نام تارخ تھا۔ مجاہد اور سدی رحمۃ اللہ علیہما فرماتے ہیں آزر اس بت کا نام تھا جس کے پجاری اور خادم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تھے ہو سکتا ہے کہ اس بت کے نام کی وجہ سے انہیں بھی اسی نام سے یاد کیا جاتا ہو اور یہی نام مشہور ہو گیا ہو۔ واللہ اعلم۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آزر کا لفظ ان میں بطور عیب گیری کے استعمال کیا جاتا تھا اس کے معنی ہیں ٹیڑھے آدمی کے۔ لیکن اس کلام کی سند نہیں نہ امام صاحب نے اسے کسی سے نقل کیا ہے۔ سلیمان رحمۃ اللہ علیہ کا قول ہے کہ اس کے معنی ٹیڑھے پن کے ہیں، اور یہی سب سے سخت لفظ ہے جو خلیل اللہ کی زبان سے نکلا۔ ابن جریر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان ہے کہ ٹھیک بات یہی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام آزر تھا اور یہ جو عام تاریخ داں کہتے ہیں کہ ان کا نام تارخ تھا اس کا جواب یہ ہے کہ ممکن ہے دونوں نام ہوں یا ایک تو نام ہو اور دوسرا لقب ہو۔ بات تو یہ ٹھیک ہے اور نہایت قوی ہے واللہ اعلم۔ آزرُ اور آزرَ دونوں قرأتیں ہیں پچھلی قرات یعنی راء کے زبر کے ساتھ تو جمہور کی ہے۔ پیش والی قرأت میں ندا کی وجہ سے پیش ہے اور زبر والی قرات ((لِاَبِيْهِ)) سے بدل ہونے کی ہے اور ممکن ہے کہ عطف بیان ہو اور یہی زیادہ مشابہ ہے یہ لفظ علمیت اور عجمیت کی بنا پر غیر منصرف ہے۔ بعض لوگ اسے صفت بتلاتے ہیں اس بنا پر بھی یہ غیر منصرف رہے گا جیسے احمر اور اسود۔ بعض اسے ((اَتَتَّخِذُ)) کا معمول مان کر منصوب کہتے ہیں۔ گویا حضرت ابراہیم علیہ السلام یوں فرماتے ہیں کہ اے باپ کیا آپ آزر بت کو معبود مانتے ہیں؟ لیکن یہ دور کی بات ہے خلاف لغت ہے کیونکہ حرف استفہام کے بعد والا اپنے سے پہلے والے میں عامل نہیں ہوتا اس لیے کہ اس کے لیے ابتداء کلام کا حق ہے۔ عربی کا یہ تو مشہور قاعدہ ہے۔ الغرض حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام اپنے باپ کو وعظ سنا رہے ہیں اور انہیں بت پرستی سے روک رہے ہیں لیکن وہ باز نہ آئے۔ آپ فرماتے ہیں کہ یہ تو نہایت بری بات ہے کہ تم ایک بت کے سامنے الحاج اور عاجزی کرو۔ جو اللہ تعالیٰ کا حق ہے یقیناً اس مسلک کے لوگ سب کے سب بہکے ہوئے اور راہ بھٹکے ہوئے ہیں اور آیت میں ہے کہ صدیق نبی ابراہیم خلیل علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا ابا آپ ان کی پرستش کیوں کرتے ہیں جو نہ سنیں نہ دیکھیں نہ کچھ فائدہ پہنچائیں۔ ابا میں آپ کو وہ کھری بات سناتا ہوں جو اب تک آپ کے علم میں نہیں آئی تھی۔ آپ میری بات مان لیجیے میں آپ کو صحیح راہ کی رہنمائی کروں گا۔ ابا شیطان کی عبادت سے ہٹ جائیے۔ وہ تو رحمان کا نافرمان ہے۔ ابا

مجھے تو ڈر لگتا ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو آپ پر اللہ کا کوئی عذاب آ جائے اور آپ شیطان کے رفیق کار بن جائیں۔ باپ نے جواب دیا کہ ابراہیم کیا تو میرے معبودوں سے ناراض ہے؟ سن اگر تو اس سے باز نہ آیا تو میں تجھے سنگسار کر دوں گا۔ پس اب تو مجھ سے الگ ہو جا۔ آپ نے فرمایا اچھا میرا اسلام لو میں تو اب بھی اپنے پروردگار سے تمہاری معافی کی درخواست کروں گا وہ مجھ پر بہت مہربان ہے۔ میں تم سب کو اور تمہارے ان معبودوں کو جو اللہ کے سوا ہیں چھوڑتا ہوں اپنے رب کی عبادت میں مشغول ہوتا ہوں ناممکن ہے کہ میں اس کی عبادت بھی کروں اور پھر بے نصیب اور خالی ہاتھ رہوں۔ چنانچہ حسب وعدہ خلیل اللہ علیہ السلام اپنے والد کی زندگی تک استغفار کرتے رہے لیکن جبکہ مرتے ہوئے بھی وہ شرک سے باز نہ آئے تو آپ نے استغفار بند کر دیا اور بیزار ہو گئے۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے باپ کے لیے استغفار کرنا ایک وعدے کی بنا پر تھا۔ جب آپ پر یہ کھل گیا کہ وہ دشمن اللہ ہے تو آپ اس سے بیزار اور بری ہو گئے۔ ابراہیم علیہ السلام بڑے ہی اللہ سے ڈرنے والے، نرم دل، حلیم الطبع تھے۔ حدیث صحیح میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام قیامت کے دن اپنے باپ آزر سے ملاقات کریں گے آزر آپ کو دیکھ کر کہے گا بیٹا آج میں تیری کسی بات کی مخالفت نہ کروں گا۔ آپ اللہ تعالیٰ سے دعا کریں گے کہ اے اللہ تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ قیامت کے دن تو مجھے رسوا نہ کرے گا۔ اس سے زیادہ رسوائی کیا ہو گی کہ میرا باپ رحمت سے دور کر دیا جائے۔ آپ سے فرمایا جائے گا کہ تم اپنے پیچھے کی طرف دیکھو۔ دیکھیں گے کہ ایک بجو کیچڑ میں لتھڑا کھڑا ہے اس کے پاؤں پکڑے جائیں گے اور آگ میں ڈال دیا جائے گا۔[1] مخلوق کو دیکھ کر خالق کی وحدانیت سمجھ میں آ جائے اس لیے ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمان وزمین کی مخلوق دکھا دی جیسے اور آیت میں ہے ﴿اَوَلَمْ یَنْظُرُوْا فِیْ مَلَكُوْتِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ [2] اور جگہ ہے ﴿اَفَلَمْ یَرَوْا اِلٰى مَا بَیْنَ اَیْدِیْهِمْ﴾ [3] الخ، یعنی لوگوں کو آسمان وزمین کی مخلوق پر عبرت کی نظریں ڈالنی چاہئیں انہیں اپنے آگے پیچھے آسمان وزمین کو دیکھنا چاہیے اگر ہم چاہیں تو انہیں زمین میں دھنسا دیں اگر چاہیں آسمان کا ٹکڑا ان پر گرا دیں رغبت ورجوع والے بندوں کے لیے اس میں نشانیاں ہیں۔ مجاہد رحمہ اللہ وغیرہ سے منقول ہے کہ آسمان حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سامنے کھول دیئے گئے عرش تک آپ کی نظریں پہنچیں۔ حجاب اٹھا دیئے گئے اور آپ نے سب کچھ دیکھا۔ بندوں کو گناہوں میں دیکھ کر ان کے لیے بددعا کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا تجھ سے زیادہ میں ان پر رحیم ہوں بہت ممکن ہے کہ یہ توبہ کر لیں اور بداعمالیوں سے ہٹ جائیں۔ پس یہ دکھلانا موقوف کر دیا گیا۔ ممکن ہے یہ کشف کے طور پر ہو اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس سے مراد معلوم کرانا اور حقائق سے متعارف کرا دینا ہو۔ چنانچہ مسند احمد اور ترمذی کی ایک حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے خواب کا ذکر ہے کہ میرے پاس میرا رب بہت اچھی صورت میں آیا اور مجھ سے دریافت فرمایا کہ اونچی جماعت

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالی واتخذ اللہ ابراهیم خلیلا (۳۳۵۰) نسائی فی السنن الکبری (۱۱۳۷۵)]

[2] [سورۃ الاعراف: ۱۸۵]

[3] [سورۃ سبأ: آیت ۹]

کے فرشتے اس وقت کس بارے میں گفتگو کر رہے ہیں؟ میں نے اپنی لاعلمی ظاہر کی تو اللہ تعالیٰ نے اپنی ہتھیلی میری دونوں بازوؤں کے درمیان رکھ دی یہاں تک کہ اس کی پوریوں کی ٹھنڈک میں نے اپنے سینے میں محسوس کی پھر تو تمام چیزیں میرے سامنے کھل گئیں اور میں نے اسے پہچان لیا[1] ﴿وَلِيَكُوْنَ﴾ کا واؤ زائد ہے۔ جیسے ﴿وَلِتَسْتَبِيْنَ﴾ [2] میں اور کہا گیا ہے کہ وہ اپنی جگہ پر ہے یعنی اس لیے کہ وہ عالم اور یقین والے ہو جائیں۔

رات کے اندھیرے میں خلیل اللہ ستارے کو دیکھ کر فرماتے ہیں کہ یہ میرا رب ہے جب وہ غروب ہو جاتا ہے تو آپ سمجھ لیتے ہیں کہ یہ پروردگار نہیں کیونکہ رب دوام والا ہوتا ہے وہ زوال اور انقلاب سے پاک ہوتا ہے۔ پھر جب چاند چڑھتا ہے تو یہی فرماتے ہیں جب وہ بھی غروب ہو جاتا ہے تو اس سے بھی یکسوئی کر لیتے ہیں۔ پھر سورج کے طلوع ہونے پر اسے سب سے بڑا پا کر سب سے زیادہ روشن دیکھ کر یہی کہتے ہیں جب وہ بھی ڈھل جاتا ہے تو اللہ کے سوا تمام معبودوں سے بیزار ہو جاتے ہیں۔ اور پکار اٹھتے ہیں کہ میں تو اپنی عبادت کے لیے اللہ کی ذات کو مخصوص کرتا ہوں جس نے ابتداء میں بغیر کسی نمونے کے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا ہے میں شرک سے ہٹ کر توحید کی طرف لوٹتا ہوں اور میں مشرکوں میں شامل رہنا نہیں چاہتا۔ مفسرین ان آیتوں کی بابت دو خیال ظاہر کرتے ہیں۔ ایک تو یہ کہ یہ بطور نظر اور غور و فکر کے تھا دوسرے یہ کہ یہ سب بطور مناظرہ کے تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دوسری بات ہی مروی ہے ابن جریر میں بھی اسی کو پسند کیا گیا ہے اس کی دلیل میں آپ کا یہ قول لاتے ہیں کہ اگر مجھے میرا رب ہدایت نہ کرتا تو میں گمراہوں میں ہو جاتا۔ امام محمد بن اسحٰق رحمہ اللہ نے ایک لمبا قصہ نقل کیا ہے جس میں ہے کہ نمرود بن کنعان بادشاہ سے یہ کہا گیا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جس کے ہاتھوں تیرا تخت تاراج ہوگا۔ تو اس نے حکم دے دیا تھا کہ اس سال میری مملکت میں جتنے بچے پیدا ہوں سب قتل کر دیئے جائیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ نے جب یہ سنا تو کچھ وقت قبل شہر کے باہر ایک غار میں چلی گئیں، وہیں حضرت خلیل اللہ علیہ السلام پیدا ہوئے۔ تو جب آپ اس غار سے باہر نکلے تب آپ نے یہ سب فرمایا تھا جس کا ذکر ان آیتوں میں ہے، بالکل صحیح بات یہ ہے کہ یہ گفتگو اللہ کے خلیل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مناظرانہ تھی اپنی قوم کی باطل پرستی کا احوال انہیں سمجھا رہے تھے۔ اول تو آپ نے اپنے والد کی خطا ظاہر کی کہ وہ زمین کے ان بتوں کی پوجا کرتے تھے جنہیں انہوں نے فرشتوں وغیرہ کی شکل پر بنا لیا تھا اور جنہیں وہ سفارشی سمجھ رہے تھے۔ یہ لوگ بزعم خود اپنے آپ کو اس قابل نہیں جانتے تھے کہ براہ راست اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں۔ اس لیے بطور وسیلے کے فرشتوں کو پوجتے تھے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے بارہ میں کہہ سن کر ان کی روزی وغیرہ بڑھوا دیں اور ان کی حاجتیں پوری کرا دیں پھر جن آسمانی چیزوں کو یہ پوجتے تھے ان میں ان کی خطابیان کی۔ یہ ستارہ پرست بھی تھے ساتوں ستاروں کو جو چلنے پھرنے والے ہیں۔

---

[1] [صحيح: ترمذی: كتاب تفسير القرآن: باب ومن سورة صٓ (٣٢٣٥) مسند احمد (٥/ ٢٤٣)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحيح ترمذی] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

[2] [سورة الانعام: آیت ۵۵]

پوجتے تھے۔ چاند' عطارد' زہری' سورج' مریخ' مشتری' زحل۔ ان کے نزدیک سب سے زیادہ روشن سورج ہے' پھر چاند پھر زہرہ' پس آپ نے ادنیٰ سے شروع کیا اور اعلیٰ تک لے گئے۔ پہلے تو زہرہ کی نسبت فرمایا کہ وہ پوجا کے قابل نہیں کیونکہ یہ دوسرے کے قابو میں ہیں۔ یہ مقررہ چال سے چلتا۔ مقررہ جگہ پر چلتا ہے دائیں بائیں ذرا بھی کھسک نہیں سکتا۔ تو جبکہ وہ خود اپنے اوپر بھی قابو نہیں رکھتا خود بھی آزاد نہیں تو تم پر یا دنیا پر اس کا کیا قبضہ ہوگا؟ اور کہاں سے ہوگا؟ یہ تو خود اللہ کی ملکیت کی بے شمار چیزوں میں سے ایک چیز ہے۔ اس میں روشنی بھی اللہ کی دی ہوئی ہے یہ مشرق سے نکلتا ہے پھر چلتا پھرتا رہتا ہے اور ڈوب جاتا ہے پھر دوسری رات اسی طرح ظاہر ہوتا ہے تو ایسی چیز معبود ہونے کی صلاحیت کیا رکھتی ہے؟ پھر اس سے زیادہ روشن چیز یعنی چاند کو دیکھتے ہیں اور اس کو بھی عبادت کے قابل نہ ہونا ظاہر فرما کر پھر سورج کو لیا اور اس کی مجبوری اور اس کی غلامی اور مسکینی کا اظہار کیا اور لوگوں کے سامنے اتنی پاکیزہ دلیل رکھ دی تو صاف فرما دیا کہ لوگو میں تمہارے ان شرکاء سے' ان کی عبادت سے' ان کی عقیدت سے' ان کی محبت سے دور ہوں۔ سنو اگر یہ سچے معبود ہیں اور کچھ قدرت رکھتے ہیں تو ان سب کو ملا لو اور جو تم سب سے ہو سکے میرے خلاف کر لو۔ میں تو اس اللہ کا عابد ہوں جو ان مصنوعات کا صانع جو ان مخلوقات کا خالق ہے جو ہر چیز کا مالک رب اور سچا معبود ہے جیسے قرآنی ارشاد ہے کہ تمہارا رب صرف وہی ہے جس نے چھ دن میں آسمان و زمین کو پیدا کیا پھر عرش پر مستوی ہو گیا رات کو دن سے دن کو رات سے ڈھانپتا ہے۔ ایک دوسرے کے برابر پیچھے جا آ رہا ہے سورج چاند اور تارے سب اس کے فرمان کے ماتحت ہیں خلق وامر اسی کی ملکیت میں ہیں وہ رب العالمین ہے بڑی برکتوں والا ہے' یہ تو بالکل ناممکن سا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے یہ سب فرمان بطور واقعہ کے ہوں اور حقیقت میں آپ اللہ کو پہچانتے ہی نہ ہوں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدَهُ مِنْ قَبْلُ﴾ [1] الخ' یعنی ہم نے پہلے ہی سے حضرت ابراہیم کو سیدھا راستہ دے دیا تھا اور ہم اس سے خوب واقف تھے جبکہ اس نے اپنے باپ سے اور اپنی قوم سے فرمایا یہ صورتیں کیا ہیں جن کی تم پرستش اور مجاورت کر رہے ہو؟ اور آیت میں ہے ﴿إِنَّ إِبْرَاهِيمَ كَانَ أُمَّةً قَانِتًا لِلَّهِ﴾ [2] الخ' ابراہیم تو بڑے خلوص والے اللہ کے سچے فرمانبردار تھے وہ مشرکوں میں سے نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے اللہ نے انہیں پسند فرما لیا تھا اور صراط مستقیم کی ہدایت دی تھی دنیا کی بھلائیاں دی تھیں اور آخرت میں بھی انہیں صالح لوگوں میں ملا دیا تھا اب ہم تیری طرف وحی کر رہے ہیں کہ ابراہیم حنیف کے دین کا تابعدار رہ وہ مشرک نہ تھا۔ بخاری و مسلم میں ہے۔ حضور علیہ السلام فرماتے ہیں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا ہوتا ہے۔ [3] صحیح مسلم کی حدیث قدسی میں ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

---

[1] [سورۃ الانبیاء: آیت ۵۱ ـ ۵۲]

[2] [سورۃ النحل: آیت ۱۲۰]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب لا تبدیل لخلق اللہ (۴۷۷۵) صحیح مسلم: کتاب القدر: باب معنی کل مولود یولد علی الفطرۃ (۲۶۵۸) ترمذی: کتاب القدر: باب ما جاء کل مولود یولد علی الفطرۃ (۲۱۳۸) مسند احمد (۲/۳۵۳ ـ ۳۹۳)]

میں نے اپنے بندوں کو موحد پیدا کیا ہے۔ [1] کتاب اللہ میں ہے ﴿فِطْرَتَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا﴾ [2] اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو فطرت اللہ پر پیدا کیا ہے۔ اللہ کی خلق کی تبدیلی نہیں اور آیت میں ہے تیرے رب نے آدم کی پیٹھ سے ان کی اولاد نکال کر انہیں ان کی جانوں پر گواہ کیا کہ کیا میں تمہارا سب کا رب نہیں ہوں؟ سب نے اقرار کیا کہ ہاں بے شک تو ہمارا رب ہے پس یہی فطرت اللہ ہے جیسے کہ اس کا ثبوت عنقریب آئے گا ان شاء اللہ پس جبکہ تمام مخلوق کی پیدائش دین اسلام پر اللہ کی سچی توحید پر ہے تو ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام جن کی توحید اور اللہ پرستی کا ثنا خواں خود کلام رحمان ہے ان کی نسبت کون کہہ سکتا ہے کہ آپ اللہ جل شانہ سے آگاہ نہ تھے اور کبھی تارے کو اور کبھی چاند سورج کو اپنا اللہ سمجھ رہے تھے۔ نہیں نہیں آپ کی فطرت سالم تھی آپ کی عقل صحیح تھی آپ اللہ کے سچے دین پر اور خالص توحید پر تھے۔ آپ کا یہ تمام کلام بحیثیت مناظرہ تھا اور اس کی زبردست دلیل اس کے بعد کی آیت ہے۔

وَحَاۗجَّهٗ قَوْمُهٗ ۭ قَالَ اَتُحَاۗجُّوْۗنِّىْ فِي اللّٰهِ وَقَدْ هَدٰىنِ ۭ وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ
بِهٖٓ اِلَّآ اَنْ يَّشَاۗءَ رَبِّيْ شَـيْـــًٔـا ۭ وَسِعَ رَبِّيْ كُلَّ شَيْءٍ عِلْمًا ۭ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوْنَ ۝
وَكَيْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَكْتُمْ وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّكُمْ اَشْرَكْتُمْ بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ
بِهٖ عَلَيْكُمْ سُلْطٰنًا ۭ فَاَيُّ الْفَرِيْقَيْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ ۚ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝
اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ يَلْبِسُوْٓا اِيْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰۗىِٕكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۝
وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰي قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ
عَلِيْمٌ ۝

اس کی قوم اس سے حجت کرنے لگی تو اس نے کہا کیا تم مجھ سے اللہ کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہو؟ مجھے تو اللہ راہ دکھا چکا ہے۔ جنہیں تم اللہ کے ساتھ شریک بنا رہے ہو میں ان سے بالکل نہیں ڈرتا۔ ہاں اگر میرا پروردگار ہی کوئی بات چاہے میرا رب ہر چیز کو اپنے علم میں گھیرے ہوئے ہے کیا پھر بھی تم نصیحت حاصل نہیں کرتے ○ میں تمہارے معبودوں سے کیوں خوف کھاؤں؟ اور تم نہیں ڈرتے کہ اللہ کے ساتھ انہیں شریک ٹھہرا رہے ہو جس کی کوئی دلیل اللہ نے تم پر نازل نہیں فرمائی اگر تم میں صحیح علم ہے تو تم ہی بتلا دو کہ ہم دونوں جماعتوں میں سے امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟ ○ جو لوگ ایمان لا کر اپنے ایمان کو شرک سے خلط ملط نہیں کرتے ان ہی کے لیے امن ہے اور حقیقتاً راہ یافتہ وہی لوگ ہیں ○ یہی ہمارے وہ دلائل تھے جو ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا فرما رکھے تھے ہم جسے چاہیں مرتبوں میں بڑھا چڑھا دیں بیشک تیرا رب بڑی حکمت والا کامل علم والا ہے ○

---

[1] [صحیح: صحيح مسلم: كتاب صفة الجنة: باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا اهل الجنة واهل النار (٢٨٦٥) مسند احمد (٤/٢٦٦)]

[2] [سورة الروم: آيت ٣٠]

واضح دلائل سننے کے بعد بھی توحید کا انکار: ابراہیم علیہ السلام کی سچی توحید کے دلائل سن کر پھر بھی مشرکین آپ سے بحث جاری رکھتے ہیں تو آپ ان سے فرماتے ہیں تعجب ہے کہ تم مجھ سے اللہ جل جلالہ کے بارے میں جھگڑا کر رہے ہو؟ حالانکہ وہ یکتا اور لاشریک ہے اس نے مجھے راہ دکھا دی ہے اور دلیل عطا فرمائی ہے میں یقیناً جانتا ہوں کہ تمہارے یہ سب معبود محض بے بس اور بے طاقت ہیں۔ میں نہ تو تمہاری فضول اور باطل باتوں میں آؤں گا نہ تمہاری دھمکیاں سچی جانوں گا۔ جاؤ تم سے اور تمہارے باطل معبودوں سے جو ہو سکے کر لو۔ ہرگز ہرگز کمی نہ کرو بلکہ جلدی کر گذرو اگر تمہارے اور ان کے قبضے میں میرا کوئی نقصان ہے تو جاؤ پہنچا دو۔ میرے رب کی منشا بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا ضرر نفع سب اسی کی طرف سے ہے تمام چیزیں اسی کے علم میں ہیں اس پر چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی پوشیدہ نہیں۔ افسوس اتنی دلیلیں سن کر بھی تمہارے دل نصیحت حاصل نہیں کرتے۔ حضرت ہود علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کے سامنے یہی دلیل پیش کی تھی۔ قرآن میں موجود ہے کہ ان کی قوم نے ان سے کہا اے ہود تم کوئی دلیل تو لائے نہیں ہو اور صرف تمہارے قول سے ہم اپنے معبودوں سے دست بردار نہیں ہو سکتے نہ ہم تجھ پر ایمان لائیں گے۔ ہمارا اپنا خیال تو یہ ہے کہ ہمارے معبودوں نے تجھے کچھ کر دیا ہے۔ آپ نے جواب دیا کہ میں اللہ کو گواہ کرتا ہوں اور تم بھی گواہ رہو کہ تم جن کو بھی اللہ کا شریک ٹھہرا رہے ہو۔ میں سب سے بیزار ہوں۔ جاؤ تم سب مل کر جو کچھ مکر میرے ساتھ کرنا چاہتے ہو وہ کر لو اور مجھے مہلت بھی نہ دو۔ میں نے تو اس رب پر توکل کر لیا ہے جو تمہارا میرا سب کا پالنہار ہے۔ تمام جانداروں کی پیشانیاں اسی کے ہاتھ میں ہیں الخ۔ [1]

سمجھو اور سوچو تو سہی کہ میں تمہارے ان باطل معبودوں سے کیوں ڈروں گا؟ جبکہ تم اس اکیلے اللہ وحدہ لا شریک سے نہیں ڈرتے اور کھلم کھلا اس کی ذات کے ساتھ دوسروں کو شریک ٹھہرا رہے ہو۔ تم ہی بتلاؤ کہ ہم تم میں سے امن کا زیادہ حقدار کون ہے؟ دلیل میں اعلیٰ کون ہے؟ یہ آیت مثل آیت ﴿اَمْ لَهُمْ شُرَكٰٓؤُا﴾ [2] الخ اور آیت ﴿اِنْ هِيَ اِلَّآ اَسْمَآءٌ﴾ [3] الخ کے ہے مطلب یہ ہے کہ اس کا بندہ جو خیر و شر کا نفع و ضرر کا مالک ہے امن والا ہو گا یا اس کا بندہ جو محض بے بس اور بے قدرت ہے قیامت کے دن کے عذابوں سے امن میں رہے گا پھر جناب باری تعالیٰ فرماتا ہے کہ جو لوگ صرف اللہ ہی کی عبادت کریں اور خلوص کے ساتھ دینداری کریں رب کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں امن و امان اور راہ راست والے یہی لوگ ہیں۔ جب یہ آیت اتری تو صحابہ رضی اللہ عنہم ظلم کا لفظ سن کر چونک اٹھے اور کہنے لگے یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہم میں سے ایسا کون ہے جس نے کوئی گناہ ہی نہ کیا ہو؟ اس پر آیت ﴿اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ﴾ [4] نازل ہوئی یعنی یہاں مراد ظلم سے شرک ہے [5] (بخاری شریف)

---

[1] [سورۃ ہود: آیت ۵۳۔۵٦]
[2] [سورۃ شوریٰ: آیت ۲۱]
[3] [سورۃ النجم: آیت ۲۳]
[4] [سورۃ لقمان: آیت ۱۳]
[5] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الایمان: باب ظلم دون ظلم (۳۲)، (٤٦۲۹) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب صدق الایمان واخلاصه (۱۲٤) ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ الانعام (۳۰٦۷) مسند احمد (۱/۳۸۷)]

اور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ان کے اس سوال پر فرمایا کیا تم نے اللہ کے نیک بندے کا یہ قول نہیں سنا کہ اے میرے پیارے بچے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا شرک بڑا بھاری ظلم ہے۔ پس مراد یہاں ظلم سے شرک ہے [1] اور روایت میں ہے کہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ تم جو سمجھ رہے ہو وہ مقصد نہیں [2] اور حدیث میں آپ کا خود ((لَظُلْمٌ)) کی تفسیر ((بِشِرْكٍ)) سے کرنا مروی ہے۔ بہت سے صحابیوں سے بہت سی سندوں کے ساتھ بہت سی کتابوں میں یہ حدیث مروی ہے۔ ایک روایت میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھ سے کہا گیا کہ تو ان ہی لوگوں میں سے ہے۔ مسند احمد میں زاذان اور جریر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ تھے جب ہم مدینہ شریف سے باہر نکل گئے تو ہم نے دیکھا کہ ایک اونٹ سوار بہت تیزی سے اپنے اونٹ کو دوڑاتا ہوا آ رہا ہے حضور ﷺ نے فرمایا یہ تمہاری طرف ہی آ رہا ہے اس نے پہنچ کر سلام کیا ہم نے جواب دیا حضور ﷺ نے ان سے پوچھا کہاں سے آ رہے ہو؟ اس نے کہا اپنے گھر سے' اپنے بال بچوں میں سے' اپنے کنبے قبیلے میں سے۔ دریافت فرمایا کیا ارادہ ہے؟ کیسے نکلے ہو؟ جواب دیا اللہ کے رسول ﷺ کی جستجو میں۔ آپ نے فرمایا پھر تو تم اپنے مقصد میں کامیاب ہو گئے میں ہی اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے خوش ہو کر کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے سمجھائیے کہ ایمان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا یہ کہہ دو کہ اللہ ایک ہے اور محمد اللہ کے رسول ﷺ ہیں اور نمازوں کو قائم رکھے اور زکوٰۃ ادا کرتا رہے اور رمضان کے روزے رکھے اور بیت اللہ کا حج کرے اس نے کہا مجھے سب باتیں منظور ہیں میں سب اقرار کرتا ہوں۔ اتنے میں ان کے اونٹ کا پاؤں ایک سوراخ میں گر پڑا اور اونٹ ایک دم سے جھٹکا لے کر جھک گیا اور وہ اوپر سے گرے اور سر کے بل گرے اور اسی وقت روح پرواز کر گئی حضور ﷺ نے ان کے گرتے ہی فرمایا کہ دیکھو انہیں سنبھالو اسی وقت حضرت عمار بن یاسر اور حضرت حذیفہ بن یمان رضی اللہ عنہم اپنے اونٹوں سے کود پڑے اور انہیں اٹھا لیا تو روح جسم سے علیحدہ ہو چکی ہے حضور ﷺ سے کہنے لگے یا رسول اللہ ﷺ یہ تو فوت ہو گئے آپ نے منہ پھیر لیا پھر ذرا سی دیر میں فرمانے لگے تم نے مجھے منہ موڑتے ہوئے دیکھا ہو گا اس کی وجہ یہ تھی کہ میں نے دیکھا دو فرشتے آئے تھے اور مرحوم کے منہ میں جنت کے پھول دے رہے تھے اس سے میں نے جان لیا کہ بھوکے فوت ہوئے ہیں۔ سنو یہ انہیں لوگوں میں سے ہیں جن کی بابت اللہ تبارک وتعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ جو لوگ ایمان لائے اور اپنے ایمان کو ظلم سے نہ ملایا ان کے لیے امن وامان ہے اور وہ راہ یافتہ ہیں۔ اچھا اپنے پیارے بھائی کا کفن دفن کرو چنانچہ ہم انہیں پانی کے پاس اٹھا لے گئے غسل دیا خوشبو ملی اور قبر کی طرف جنازہ لے کر چلے آنحضرت ﷺ قبر کے کنارے بیٹھ گئے اور فرمانے لگے بغلی قبر بناؤ سیدھی نہ بناؤ بغلی قبر ہمارے لیے ہے اور سیدھی ہمارے سوا اوروں کے

---

[1] [صحیح : مسند احمد (۱/۳۸۷)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ اس کی سند شیخین کی شرط پر صحیح ہے۔[مسند احمد محقق (۳۵۸۹)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح : صحیح مسلم (۱۲۴) صحیح ابن حبان (۲۵۳) مسند ابو یعلی (۵۱۵۹)]

لیے ہے۔ (۱) لوگو یہ وہ شخص ہے جس نے عمل بہت ہی کم کیا اور ثواب زیادہ پایا۔ (۲) یہ ایک اعرابی تھے انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ یارسول اللہ ﷺ اس اللہ کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے میں اپنے گھر سے اپنے بال بچوں سے اپنے مال سے اپنے کنبے قبیلے سے اس لیے اور صرف اس لیے الگ ہوا ہوں کہ آپ کی ہدایت کو قبول کروں آپ کی سنتوں پر عمل کروں آپ کی حدیثیں لوں۔ یارسول اللہ ﷺ میں گھاس پھوس کھاتا ہوا آپ تک پہنچا ہوں۔ آپ مجھے اسلام سکھایئے حضور ﷺ نے سکھایا اس نے قبول کیا ہم سب ان کے اردگرد بھیڑ لگائے کھڑے تھے اتنے میں جنگلی چوہے کے بل میں ان کے اونٹ کا پاؤں پڑ گیا یہ گر پڑے اور گردن ٹوٹ گئی آپ نے فرمایا اس اللہ کی قسم جس نے مجھے حق کے ساتھ مبعوث فرمایا یہ سچ مچ فی الواقع اپنے گھر سے اپنے اہل وعیال سے اور اپنے مال مویشی سے صرف میری تابعداری کی دھن میں نکلا تھا اور وہ اس بات میں بھی سچے تھے کہ وہ میرے پاس نہیں پہنچے یہاں تک کہ ان کا کھانا صرف سبز پتے اور گھاس رہ گیا تھا تم نے ایسے لوگ بھی سنے ہوں گے جو عمل کم کرتے ہیں اور ثواب بہت پاتے ہیں۔ یہ بزرگ انہی میں سے تھے۔ تم نے سنا ہوگا کہ باری تعالیٰ فرماتا ہے جو ایمان لائیں اور ظلم نہ کریں وہ امن وہدایت والے ہیں یہ انہی میں سے تھے۔

پھر فرمایا ابراہیم علیہ السلام کو یہ دلیلیں ہم نے سکھائیں جن سے وہ اپنی قوم پر غالب آ گئے جیسے انہوں نے ایک اللہ کے پرستار کا امن اور اس کی ہدایت بیان فرمائی اور خود اللہ کی طرف سے اس بات کی تصدیق کی گئی ﴿دَرَجَاتٍ مَّنْ نَّشَاءُ﴾ کی یہی ایک قرات ہے۔ اضافت کے ساتھ اور بے اضافت دونوں طرح پڑھا گیا ہے جیسے سورۂ یوسف میں ہے اور معنی دونوں قراتوں کے قریب قریب برابر ہیں۔ تیرے رب کے اقوال حکمت والے اور اس کے کام بھی حکمت والے ہیں۔ وہ صحیح راستے والوں کو اور گمراہوں کو بخوبی جانتا ہے جیسے فرمان ہے جن پر تیرے رب کی بات صادق آ گئی ہے ان کے پاس چاہے تم تمام نشانیاں لے آؤ پھر بھی انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا یہاں تک کہ وہ اپنی آنکھوں سے عذاب دیکھ لیں۔ پس رب کی حکمت اور اس کے علم میں کوئی شبہ نہیں۔

وَوَهَبْنَا لَهٗۤ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ؕ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ؕ وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ؕ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ؕ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾ وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ

(۱) [ضعیف: مسند احمد (۴/۳۵۹) طبرانی کبیر (۲۳۲۹) مجمع الزوائد (۱/۴۱۔ ۴۲)] اس کی سند میں ابوجناب راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اس روایت کو اسی کی وجہ سے ضعیف کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

(۲) [ضعیف: مسند احمد (۴/۳۵۹)]

إِلَىٰ صِرَاطٍ مُّسْتَقِيمٍ ﴿٨٧﴾ ذَٰلِكَ هُدَى اللَّهِ يَهْدِي بِهِ مَن يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ ۚ وَلَوْ أَشْرَكُوا لَحَبِطَ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿٨٨﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَإِن يَكْفُرْ بِهَا هَٰؤُلَاءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوا بِهَا بِكَافِرِينَ ﴿٨٩﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ ۖ فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ ۗ قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا ۖ إِنْ هُوَ إِلَّا ذِكْرَىٰ لِلْعَالَمِينَ ﴿٩٠﴾

ہم نے ابراہیم کو اسحٰق اور یعقوب دیا' ہر ایک کو ہم نے ہدایت کی' اس سے پہلے کے زمانے میں ہم نے نوح کو بھی راہ راست دکھائی تھی اور ان کی اولاد میں سے داؤد' سلیمان' ایوب' یوسف' موسیٰ اور ہارون کو بھی' نیک کام کرنے والوں کو ہم اسی طرح صلہ دیا کرتے ہیں ○ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس کو بھی' یہ سب نیک بندوں میں تھے ○ اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط کو بھی' ان سب کو ہم نے دنیا کے لوگوں پر برتری دی ○ ان کے بعض باپ دادوں' اولادوں اور بھائیوں کو بھی ہم نے ہدایت دی' اور ہم نے انہیں اپنا پسندیدہ کر لیا اور راہ مستقیم کی طرف ان کی رہبری کی ○ یہ ہے اللہ کی ہدایت اس سے نوازتا ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے' یہ لوگ بھی اگر شرک کرتے تو ان کے کیے کرائے تمام اعمال غارت ہو جاتے ○ یہ وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب و حکمت اور پیغمبری عطا فرمائی' اگر یہ کفار قرآنی آیتوں کا انکار کریں تو ہم نے ان آیتوں پر ایمان لانے والی وہ قوم مقرر کی ہے جو ان سے کبھی کفر نہ کرے گی ○ یہی وہ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے پس تو بھی انہی کی ہدایت کی پیروی کر' کہہ دے کہ میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا' دنیا جہاں کے سب لوگوں کے لیے یہ تو محض نصیحت ہے ○

ابراہیم علیہ السلام کو نعمتِ اولاد کی عطائیگی: اللہ تعالیٰ اپنا احسان بیان فرما رہا ہے کہ خلیل الرحمٰن کو اس نے ان کے بڑھاپے کے وقت بیٹا عطا فرمایا جن کا نام اسحٰق علیہ السلام ہے اس وقت آپ بھی اولاد سے مایوس ہو چکے تھے اور آپ کی بیوی صاحبہ حضرت سارہ رضی اللہ عنہا بھی مایوس ہو چکی تھیں۔ جو فرشتے بشارت سنانے آتے ہیں۔ وہ قوم لوط کی ہلاکت کے لیے جا رہے تھے۔ ان سے بشارت سن کر مائی صاحبہ سخت متعجب ہو کر کہتی ہیں میں بڑھیا کھوسٹ ہو چکی میرے خاوند عمر سے اتر چکے ہمارے ہاں بچہ ہونا تعجب کی بات ہے۔ فرشتوں نے جواب دیا اللہ کی قدرت میں ایسے تعجبات عام ہوتے ہیں۔ اے نبی کے گھرانے والو تم پر رب کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہوں اللہ بڑی تعریفوں والا اور بڑی بزرگیوں والا ہے اتنا ہی نہیں کہ تمہارے ہاں بچہ ہوگا بلکہ وہ نبی زادہ خود بھی نبی ہوگا اور اس سے تمہاری نسل پھیلے گی اور باقی رہے گی۔ قرآن کی اور آیت میں بشارت کے الفاظ میں نبیا کا لفظ بھی ہے۔ پھر لطف یہ ہے کہ اولاد کی اولاد بھی تم دیکھ لو گے اسحٰق علیہ السلام کے گھر یعقوب علیہ السلام پیدا ہوں گے اور تمہیں خوشی پر خوشی ہو گی اور پھر پوتے کا نام یعقوب رکھنا جو عقب سے مشتق ہے خوشخبری ہے اس امر کی کہ یہ نسل جاری رہے گی۔ فی الواقع خلیل اللہ علیہ السلام اس بشارت کے قابل بھی تھے قوم کو چھوڑا ان سے منہ موڑا شہر کو چھوڑا ہجرت کی۔ اللہ نے دنیا میں بھی انعام دیئے۔ اتنی نسل پھیلائی جو آج تک دنیا میں آباد ہے۔ فرمان اللہ ہے کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم کو اور ان کے معبودوں کو چھوڑا تو ہم نے انہیں اسحٰق و یعقوب علیہما السلام بخشا اور دونوں کو نبی بنایا۔ یہاں فرمایا ان سب کو ہم نے ہدایت دی تھی اور ان کی

بھی نیک اولاد دنیا میں باقی رہی۔طوفان نوح علیہ السلام میں کفار سب غرق ہو گئے پھر حضرت نوح علیہ السلام کی نسل پھیلی انبیاء انہی کی نسل میں سے ہوتے رہے۔حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد تو نبوت انہی کے گھرانے میں رہی جیسے فرمان ہے ﴿وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾ [1] ہم نے ان ہی کی اولاد میں نبوت اور کتاب رکھی اور آیت میں ہے ﴿وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّاِبْرَاهِیْمَ وَجَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِهِمَا النُّبُوَّةَ وَالْكِتَابَ﴾ [2] یعنی ہم نے نوح اور ابراہیم علیہما السلام کو رسول بنا کر پھر ان ہی دونوں کی اولاد میں نبوت اور کتاب کر دی اور آیت میں ہے یہ ہیں جن پر اللہ کا انعام ہوا۔نبیوں میں سے آدم کی اولاد میں سے اور جنہیں ہم نے نوح کے ساتھ کشتی میں لے لیا تھا اور ابراہیم اور اسرائیل کی اولاد میں سے اور جنہیں ہم نے ہدایت کی تھی اور پسند کر لیا تھا ان پر جب رحمان کی آیتیں پڑھی جاتی تھیں تو روتے گڑگڑاتے سجدے میں گر پڑتے تھے پھر فرمایا ہم نے اس کی اولاد میں سے داود و سلیمان علیہما السلام کو ہدایت کی۔اس میں اگر ضمیر کا مرجع نوح کو کیا جائے تو ٹھیک ہے اس لیے کہ ضمیر سے پہلے سب سے قریب نام یہی ہے۔امام ابن جریر رحمہ اللہ اسی کو پسند فرماتے ہیں اور ہے بھی یہ بالکل ظاہر جس میں کوئی اشکال نہیں ہاں اسے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹانا بھی ہے تو اچھا اس لیے کہ کلام انہی کے بارے میں ہے' قصہ انہی کا بیان ہو رہا ہے لیکن بعد کے ناموں میں سے لوط علیہ السلام کا نام اولاد آدم علیہ السلام میں ہونا ذرا مشکل ہے اس لیے کہ حضرت لوط علیہ السلام خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد میں نہیں بلکہ ان کے والد کا نام ماران ہے وہ آزر کے لڑکے تھے تو وہ آپ کے بھتیجے ہوئے ہاں اس کا جواب یہ ہو سکتا ہے کہ باعتبار غلبے کے انہیں بھی اولاد میں شامل کر لیا گیا جیسے کہ آیت ﴿اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ﴾ [3] الخ' میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کو جو اولاد یعقوب کے چچا تھے باپوں میں شمار کر لیا گیا ہے۔

ہاں یہ بھی خیال رہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اولاد ابراہیم یا اولاد نوح میں گننا اس بنا پر ہے کہ لڑکیوں کی اولاد یعنی نواسے بھی اولاد میں داخل ہیں کیونکہ حضرت عیسیٰ بن باپ کے پیدا ہوئے تھے۔روایت میں ہے حجاج نے حضرت یحییٰ بن یعمر کے پاس آدمی بھیجا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تو حسن حسین رضی اللہ عنہما کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں گنتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ قرآن سے ثابت ہے لیکن میں تو پورے قرآن میں کسی جگہ یہ نہیں پاتا۔آپ نے جواب دیا کیا تو نے سورۂ انعام میں ﴿وَمِنْ ذُرِّیَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَیْمَانَ﴾ [4] الخ' نہیں پڑھا اس نے کہا ہاں یہ تو پڑھا ہے کہا پھر دیکھو اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نام ہے اور ان کا کوئی باپ تھا ہی نہیں تو معلوم ہوا کہ لڑکی کی اولاد بھی اولاد ہی ہے حجاج نے کہا بیشک آپ سچے ہیں اسی لیے مسئلہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی ذریت کے لیے وصیت کرے یا وقف کرے یا ہبہ کرے تو لڑکیوں کی اولاد بھی اس میں داخل ہے ہاں اگر اس نے اپنے لڑکوں کو دیا ہے یا ان پر وقف کیا ہے تو اس کے اپنے صلبی لڑکے اور لڑکوں کے لڑکے اس میں شامل ہوں گے اس کی دلیل عربی شاعر کا یہ شعر سنئے:

بَنُوْنَا بَنُوْا اَبْنَآئِنَا وَبَنَاتُنَا ۔۔۔ بَنُوْهُنَّ اَبْنَآءُ الرِّجَالِ الْاَجَانِبِ

---

[1] [العنكبوت : ٢٧]
[2] [الحديد: ٢٦]
[3] [البقرہ : ١٣٣]
[4] [سورة الانعام: آيت ٨٤]

یعنی ہمارے لڑکوں کے لڑکے تو ہمارے لڑکے ہیں اور ہماری لڑکیوں کے لڑکے اجنبیوں کے لڑکے ہیں اور لوگ کہتے ہیں کہ لڑکیوں کے لڑکے بھی ان میں داخل ہیں کیونکہ صحیح بخاری شریف کی حدیث میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کی نسبت فرمایا میرا یہ لڑکا سید ہے اور ان شاء اللہ اس کی وجہ سے مسلمانوں کی دو بڑی جماعتوں میں اللہ تعالیٰ صلح کرا دے گا۔ (۱) پس نواسے کو اپنا لڑکا کہنے سے لڑکیوں کی اولاد کو بھی اپنی اولاد میں داخل ہونا ثابت ہوا اور لوگ کہتے ہیں کہ یہ مجاز ہے۔

اس کے بعد فرمایا ان کے باپ دادے' ان کی اولادیں' ان کے بھائی الغرض اصول وفروع اور اہل طبقہ کا ذکر آ گیا کہ ہدایت اور پسندیدگی ان سب کو گھیرے ہوئے ہے۔ یہ اللہ کی سچی اور سیدھی راہ پر لگا دیئے گئے ہیں۔ یہ جو کچھ انہیں حاصل ہوا یہ اللہ کی مہربانی اس کی توفیق اور اس کی ہدایت سے ہے۔ پھر شرک کی کامل برائی لوگوں کے ذہن میں آ جائے اس لیے فرمایا کہ اگر بالفرض نبیوں کا یہ گروہ بھی شرک کر بیٹھے تو ان کی بھی تمام ترنیکیاں ضائع ہو جائیں جیسے ارشاد ہے ﴿وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ﴾ (۲) الخ' تجھ پر اور تجھ سے پہلے کے ایک ایک نبی پر یہ وحی بھیج دی گئی کہ اگر تو نے شرک کیا تو تیرے اعمال اکارت ہو جائیں گے الخ۔ یہ یاد رہے کہ یہ شرط ہے اور شرط کا واقع ہونا ہی ضروری نہیں جیسے فرمان ہے ﴿قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ﴾ (۳) الخ' یعنی اگر اللہ کی اولاد ہو تو میں تو سب سے پہلے ماننے والا بن جاؤں اور جیسے اور آیت میں ہے ﴿لَوْ اَرَدْنَا اَنْ نَّتَّخِذَ لَهْوًا لَّاتَّخَذْنٰهُ مِنْ لَّدُنَّا﴾ (۴) الخ' یعنی اگر کھیل تماشا بنانا ہی چاہتے تو اپنے پاس سے ہی بنا لیتے۔ اور فرمان ہے ﴿لَوْ اَرَادَ اللّٰهُ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا﴾ (۵) الخ' اگر اللہ تعالیٰ اولاد کا ہی ارادہ کرتا تو اپنی مخلوق میں سے جسے چاہتا چن لیتا لیکن وہ اس سے پاک ہے اور وہ یکتا اور غالب ہے۔ پھر فرمایا بندوں پر رحمت نازل فرمانے کے لیے ہم نے انہیں کتاب حکمت اور نبوت عطا فرمائی۔ پس اگر یہ لوگ یعنی اہل مکہ اس کے ساتھ یعنی نبوت کے ساتھ یا کتاب وحکمت ونبوت کے ساتھ کفر کریں یہ اگر ان نعمتوں کا انکار کریں خواہ قریش ہوں خواہ اہل کتاب ہوں خواہ کوئی اور عربی یا عجمی ہوں تو کوئی حرج نہیں۔ ہم نے ایک قوم ایسی بھی تیار کر رکھی ہے جو اس کے ساتھ کبھی کفر نہ کرے گی۔ یعنی مہاجرین انصار اور ان کی تابعداری کرنے والے ان کے بعد آنے والے یہ لوگ نہ کسی امر کا انکار کریں گے نہ تحریف یا ردوبدل کریں گے بلکہ ایمان کامل لے آئیں گے ہر ہر حرف کو مانیں گے محکم متشابہ سب کا اقرار کریں گے سب پر عقیدہ رکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل وکرم سے ان ہی باایمان لوگوں میں کر دے۔

---

(۱) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الصلح: باب قول النبی للحسن بن علی (۲۷۰۴)-ترمذی: کتاب المناقب باب ان ابنی ھذا سید (۳۷۷۳) ابو داؤد: کتاب السنة: باب مایدل علی ترك الکلام فی الفتنة (٤٦٦٢) مسند احمد (٥/٤٩)]

(۲) [سورة الزمر: آیت ٦٥]

(۳) [سورة الزخرف: آیت ٨١]

(۴) [سورة الانبیاء: آیت ١٧]

(۵) [سورة الزمر: آیت ٤]

پھر اپنے پیغمبر ﷺ سے خطاب کر کے فرماتا ہے کہ جن انبیاء کرام علیہم السلام کا ذکر ہوا اور جو مجمل طور پر ان کے بڑوں چھوٹوں اور لواحقین میں سے مذکور ہوئے یہی سب اہل ہدایت ہیں تو اپنے نبی آخر الزمان ہی کی اقتدا اور اتباع کرو اور جب یہ حکم نبی ﷺ کو ہے تو ظاہر ہے کہ آپ کی امت بطور اولیٰ اس میں داخل ہے۔ صحیح بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں حدیث لائے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے آپ کے شاگرد رشید حضرت مجاہد رحمہ اللہ نے سوال کیا کہ کیا سورۂ ص میں سجدہ ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں ہے پھر آپ نے یہی آیت تلاوت فرمائی اور فرمایا آنحضرت ﷺ کو ان کی تابعداری کا حکم ہوا ہے۔ [1] پھر فرماتا ہے کہ اے نبی ﷺ ان میں اعلان کر دو کہ میں تو قرآن پہنچانے کا کوئی معاوضہ یا بدلہ یا اجرت تم سے نہیں چاہتا۔ یہ تو صرف دنیا کے لیے نصیحت ہے کہ وہ اندھے پن کو چھوڑ کر آنکھوں کا نور حاصل کرلیں اور برائی سے ہٹ کر بھلائی پالیں اور کفر سے نکل کر ایمان میں آجائیں۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ۭ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَاۗءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَاۗؤُكُمْ ۭ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿91﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۭ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰي صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿92﴾

جیسی قدر اللہ کی جاننی چاہیے انہوں نے نہیں جانی کہ کہنے لگے اللہ نے کسی انسان پر کچھ بھی نازل نہیں فرمایا' دریافت تو کر کہ اس کتاب کو جسے موسیٰ (علیہ السلام) لے کر آئے کس نے نازل فرمائی تھی؟ جو لوگوں کے لیے نور و ہدایت ہے جسے تم نے ورق ورق بنا رکھا ہے جسے تم ظاہر کرتے ہو اور بہت سے حصے کو چھپاتے ہو' تمہیں وہ وہ سکھایا گیا جسے نہ تم جانتے تھے نہ تمہارے باپ دادا' جواب دے کہ اللہ ہی نے نازل فرمائی تھی پھر انہیں ان کی بحث میں کھیلتا ہوا چھوڑ دے ○ اور یہ قرآن وہ کتاب ہے جسے ہم نے بابرکت اور اپنے سے پہلی کتابوں کو سچا کرنے والی کر کے اتارا ہے تاکہ تو اہل مکہ کو اور اس کے آس پاس والوں کو آگاہ کر دے' آخرت کے ماننے والے تو اس قرآن پر ایمان رکھتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی پوری حفاظت کرتے ہیں ○

تمام پیغمبر انسان ہی تھے: اللہ کے رسولوں کے جھٹلانے والے دراصل اللہ کی عظمت کے ماننے والے نہیں۔ عبداللہ بن کثیر رحمہ اللہ کہتے ہیں کفار قریش کے حق میں یہ آیت اتری ہے اور قول ہے کہ یہود کی ایک جماعت کے حق میں ہے اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ فنحاص یہودی کے حق میں اور یہ بھی ہے کہ مالک بن صیف کے بارے میں کہا گیا ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ پہلا قول حق ہے اس لیے کہ آیت مکیہ ہے اور اس لیے بھی کہ یہودی آسمان سے کتاب اترنے کے بالکل منکر نہ تھے۔ ہاں البتہ قریشی اور عام عرب حضور ﷺ کی رسالت کے قائل نہ تھے اور کہتے تھے کہ انسان اللہ کا رسول نہیں ہو سکتا۔ جیسے قرآن ان کا تعجب نقل کرتا ہے ﴿اَكَانَ لِلنَّاسِ عَجَبًا اَنْ اَوْحَيْنَآ اِلٰى

---

[1] [صحيح: صحيح بخاري: كتاب التفسير (٤٦٣٢)]

﴿رَجُلٍ مِّنْهُمْ﴾ ① الخ، یعنی کیا لوگوں کو اس بات پر اچنبھا ہوا کہ ہم نے انہی میں سے ایک شخص کی طرف وحی نازل فرمائی کہ وہ لوگوں کو ہوشیار کردے اور آیت میں ہے ﴿وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْا﴾ ② الخ، لوگوں کے اس خیال نے ہی کہ کیا اللہ نے انسان کو اپنا رسول بنالیا انہیں ایمان سے روک دیا ہے۔ سنو اگر زمین میں فرشتے بستے ہوتے تو ہم بھی آسمان سے کسی فرشتے کو رسول بنا کر بھیجتے۔ یہاں بھی کفار کا یہی اعتراض بیان کرکے فرماتا ہے۔ کہ انہیں جواب دو کہ تم جو بالکل انکار کرتے ہو کہ کسی انسان پر اللہ تعالیٰ نے کچھ بھی نازل نہیں فرمایا یہ تمہاری کیسی کھلی غلطی ہے؟ بھلا بتلاؤ موسیٰ پر تورات کس نے اتاری تھی؟ جو سراسر نور و ہدایت تھی الغرض تورات کے تم سب قائل ہو جو مشکل مسائل آسان کرنے والی، کفر کے اندھیروں کو چھانٹنے، شبہ کو ہٹانے اور راہ راست دکھانے والی ہے۔ تم نے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر رکھے ہیں صحیح اور اصلی کتاب میں سے بہت سا حصہ چھپا رکھا ہے کچھ اس میں سے لکھ لاتے ہو اور پھر اسے بھی تحریف کرکے لوگوں کو بتا رہے ہو۔ اپنی باتوں اپنے خیالات کو اللہ کی کتاب کی طرف منسوب کرتے ہو۔ قرآن تو وہ ہے جو تمہارے سامنے وہ علوم پیش کرتا ہے جن سے تم اور تمہارے اگلے اور تمہارے بڑے سب محروم تھے۔ پچھلی سچی خبریں اس میں موجود، آنے والے واقعات کی صحیح خبریں اس میں موجود ہیں۔ جو آج تک دنیا کے علم میں نہیں آئی تھیں۔ کہتے ہیں اس سے مراد مشرکین عرب ہیں اور بعض کہتے ہیں اس سے مراد مسلمان ہیں۔ پھر حکم دیتا ہے کہ یہ لوگ تو اس کا جواب کیا دیں گے کہ تورات کس نے اتاری؟ تو خود کہہ دے کہ اللہ نے اتاری ہے پھر انہیں ان کی جہالت وضلالت میں ہی کھیلتا ہوا چھوڑ دے یہاں تک کہ انہیں موت آئے اور یقین کی آنکھوں سے خود ہی دیکھ لیں کہ اس جہان میں یہ اچھے رہتے ہیں یا مسلمان متقی؟

یہ کتاب یعنی قرآن کریم ہمارا اتارا ہوا ہے۔ یہ بابرکت ہے یہ اگلی کتابوں کی تصدیق کرنے والا ہے، ہم نے اسے تیری طرف اس لیے نازل فرمایا کہ تو اہل مکہ کو اس کے پاس والوں کو یعنی عرب کے قبائل اور عجمیوں کو ہوشیار کر دے اور ڈرا وا دے دے۔ تو ﴿مَنْ حَوْلَهَا﴾ سے مراد ساری دنیا ہے اور آیت میں ہے ﴿قُلْ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اِنِّىْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ جَمِيْعًا﴾ ③ یعنی اے دنیا جہان کے لوگو میں تم سب کی طرف اللہ کا پیغمبر ہوں اور آیت میں ہے ﴿لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ﴾ ④ تاکہ میں تمہیں بھی اور جسے یہ پہنچے اسے ڈرا دوں۔ اور قرآن سنا کر عذابوں سے خبردار کردوں۔ اور فرمان ہے ﴿وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ مِنَ الْاَحْزَابِ فَالنَّارُ مَوْعِدُهٗ﴾ ⑤ جو بھی اس کے ساتھ کفر کرے اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور آیت میں فرمایا گیا ﴿تَبٰرَكَ الَّذِىْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰى عَبْدِهٖ لِيَكُوْنَ لِلْعٰلَمِيْنَ نَذِيْرًا﴾ ⑥ یعنی اللہ برکتوں والا ہے جس نے اپنے بندے پر قرآن نازل فرمایا تاکہ وہ تمام جہاں والوں کو آگاہ کردے اور آیت میں ارشاد ہے ﴿وَقُلْ لِّلَّذِيْنَ اُوْتُوا

---

① [سورة يونس: آيت ٢] ② [سورة الاسراء: آيت ٩٤، ٩٥]

③ [سورة الاعراف: آيت ١٥٨] ④ [سورة الانعام: آيت ١٩]

⑤ [هود: ١٧] ⑥ [الفرقان: ١]

الْكِتٰبَ وَالْاُمِّيّٖنَ ءَاَسْلَمْتُمْ فَاِنْ اَسْلَمُوْا فَقَدِ اهْتَدَوْا وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِالْعِبَادِ ﴿١﴾ یعنی اہل کتاب سے اور ان پڑھوں سے سب سے کہہ دو کہ کیا تم اسلام قبول کرتے ہو؟ اگر قبول کر لیں تو راہ راست پر ہیں اور اگر منہ موڑ لیں تو تجھ پر تو صرف پہنچا دینا ہے اللہ اپنے بندے کو خوب دیکھ رہا ہے۔ بخاری و مسلم کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں مجھے پانچ چیزیں دی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کے کسی نبی کو نہیں دی گئیں ان کو بیان فرماتے ہوئے ایک یہ بیان فرمائی کہ ہر نبی صرف اپنی قوم کی طرف بھیجا جاتا تھا لیکن میں عام لوگوں کی طرف بھیجا گیا ہوں۔ ﴿٢﴾ اسی لیے یہاں بھی ارشاد ہوا کہ قیامت کے معتقد تو اسے مانتے ہیں، جانتے ہیں کہ یہ قرآن اللہ کی سچی کتاب ہے اور وہ نمازیں بھی صحیح وقتوں پر برابر پڑھا کرتے ہیں اللہ کے اس فرض کے قیام میں اور اس کی حفاظت میں سستی اور کاہلی نہیں کرتے۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ۭ وَلَوْ تَرٰٓي اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰۗىِٕكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ۚ اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ۭ اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿٩٣﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰي كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَاۗءَ ظُهُوْرِكُمْ ۚ وَمَا نَرٰي مَعَكُمْ شُفَعَاۗءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰۗؤُا ۭ لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ﴿٩٤﴾ ع ۱۱

اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ پر جھوٹ افترا کرے یا کہے کہ میری طرف وحی کی جاتی ہے حالانکہ اس کی طرف کوئی وحی نہیں کی گئی اور جو کہے جو اللہ نے اتارا ہے میں بھی اسی جیسا اتار سکتا ہوں، کاش کہ تو ان ظالموں کو اس وقت دیکھتا جبکہ یہ موت کی بے ہوشیوں میں ہوں گے اور فرشتے ان کی طرف ہاتھ بڑھائے ہوئے ہوں گے، کہ اپنی جانیں نکالو، آج تمہیں ذلت کی مار ماری جائے گی کیونکہ تم اللہ تعالیٰ کے ذمے ناحق باتیں کہتے تھے اور اس کی آیتوں کو سن کر اکڑا کرتے تھے ○ یقیناً تم ہمارے پاس ایسے ہی تنہا تنہا حاضر ہوئے جیسے کہ پہلی بار ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا اور جو ساز و سامان ہم نے تمہیں عطا فرما رکھا تھا سب کچھ تم اپنی پیٹھ پیچھے چھوڑ آئے، ہم تو تمہارے ساتھ تمہارے ان سفارشیوں کو بھی نہیں دیکھتے جنہیں تم اپنے میں شریک سمجھتے رہے، تمہارے آپس کے سب تعلقات ٹوٹ گئے اور جو دعوے تم کر رہے تھے سب جاتے رہے ○

سب سے بڑھ کر ظالم لوگ: اللہ پر جھوٹ باندھنے والوں سے زیادہ ظالم اور کوئی نہیں۔ خواہ اس جھوٹ کی نوعیت یہ ہو کہ اللہ کی اولاد ہے یا اس کے کئی شریک ہیں یا یوں کہے کہ وہ اللہ کا رسول ہے حالانکہ دراصل رسول نہیں۔ خواہ

﴿١﴾ [آل عمران: ۲۰]

﴿٢﴾ **[صحیح]**: صحیح بخاری: کتاب التیمم (۳۳۵) صحیح مسلم: کتاب المساجد (۵۲۱) مسند احمد (۳۰۴/۳) صحیح ابن حبان (۶۳۹۸)]

مخواہ کہہ دے کہ میری طرف وحی نازل ہوتی ہے حالانکہ کوئی وحی نہ اتری ہو اور اس سے بڑھ کر بھی کوئی ظالم نہیں جو اللہ کی سچی وحی سے صف آرائی کا مدعی ہو۔ چنانچہ اور آیتوں میں ایسے لوگوں کا بیان ہے کہ وہ قرآن کی آیتوں کو سن کر کہا کرتے تھے کہ اگر ہم چاہیں تو ہم بھی ایسا کلام کہہ سکتے ہیں۔ کاش کہ تو ان ظالموں کو سکرات موت کی حالت میں دیکھتا جبکہ فرشتوں کے ہاتھ ان کی طرف بڑھ رہے ہوں گے اور وہ مار پیٹ کر رہے ہوں گے۔ یہ محاورہ مار پیٹ سے ہے۔ جیسے ہابیل قابیل کے قصے میں ﴿لَئِنْ بَسَطْتَ اِلَیَّ یَدَكَ﴾ [1] ہے اور آیت میں ﴿وَیَبْسُطُوْٓا اِلَیْكُمْ اَیْدِیَهُمْ وَاَلْسِنَتَهُمْ بِالسُّوْٓءِ﴾ [2] ہے ضحاک اور ابو صالح رحمہ اللہ نے بھی یہی تفسیر کی ہے۔ خود قرآن کی آیت میں ﴿یَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ﴾ [3] موجود ہے یعنی کافروں کی موت کے وقت فرشتے ان کے منہ پر اور کمر پر مارتے ہیں۔ یہی بیان یہاں ہے کہ فرشتے ان کی جان نکالنے کے لیے انہیں مار پیٹ کرتے ہیں اور کہتے ہیں اپنی جانیں نکالو۔ کافروں کی موت کے وقت فرشتے انہیں عذابوں' زنجیروں' طوقوں کی' گرم کھولتے ہوئے جہنم کے پانی کی اور اللہ کے غضب وغصے کی خبر سناتے ہیں جس سے ان کی روح ان کے بدن میں چھپتی پھرتی ہے اور نکلنا نہیں چاہتی۔ اس پر فرشتے انہیں مار پیٹ کر جبراً گھسیٹتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اب تمہاری بدترین اہانت ہوگی اور تم بری طرح رسوا کیے جاؤ گے جیسے کہ تم اللہ کی آیتوں کا انکار کرتے تھے اس کے فرمان کو نہیں مانتے تھے اور اس کے رسولوں کی تابعداری سے چڑتے تھے۔ مومن وکافر کی موت کا منظر جو احادیث میں آیا ہے وہ اس آیت ﴿یُثَبِّتُ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ﴾ [4] الخ' کی تفسیر میں ہے۔ ابن مردویہ نے اس جگہ ایک بہت لمبی حدیث بیان کی ہے لیکن اس کی سند غریب ہے [5] واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ جس دن انہیں ان کی قبروں سے اٹھایا جائے گا اس دن ان سے کہا جائے گا کہ تم تو اسے بہت دور اور محال مانتے تھے لو اب دیکھ لو جس طرح شروع شروع میں ہم نے تمہیں پیدا کیا تھا اب دوبارہ بھی پیدا کر دیا۔ جو کچھ مال ومتاع ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا سب تم وہیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں انسان کہتا ہے میرا مال میرا مال حالانکہ تیرا مال وہی ہے جسے تو نے کھا پی لیا وہ تو فنا ہو گیا یا تو نے پہن اوڑھ لیا وہ پھٹا پرانا ہو کر ضائع ہو گیا یا تو نے اللہ کے نام پر خیرات کیا وہ باقی رہا اس کے سوا جو کچھ ہے اسے تو تو اوروں کے لیے چھوڑ کر یہاں سے جانے والا ہے۔ [6] حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں انسان کو قیامت کے دن اللہ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا اور رب العالمین اس سے دریافت فرمائے گا کہ جو تو نے جمع کیا تھا وہ کہاں ہے؟ یہ جواب دے گا کہ خوب

---

[1] [سورة المائدہ: آیت ۲۸]
[2] [سورة الممتحنة: آیت ۲]
[3] [سورة الانفال: آیت ۵۰]
[4] [سورة ابراهیم: آیت ۲۷]
[5] [ضعیف: الدر المنثور للسیوطی (۳/۵۶-۵۸)] شیخ مصطفیٰ اسید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]
[6] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الزهد: باب الدنیا سجن المومن وجنة الکافر (۲۹۵۸) ترمذی: کتاب الزهد (۲۳۴۲) مسند طیالسی (۱۱۴۸) مسند احمد (۲۴/۴)]

بڑھا چڑھا کر اسے دنیا میں چھوڑ آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا اے ابن آدم پیچھے چھوڑا ہوا تو یہاں نہیں ہے البتہ آگے بھیجا ہوا یہاں موجود ہے اب جو یہ دیکھے گا تو کچھ بھی نہ پائے گا پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ پھر انہیں ان کا شرک یاد دلا کر دھمکایا جائے گا کہ جنہیں تم اپنا شریک سمجھ رہے تھے اور جن پر ناز کر رہے تھے کہ یہ ہمیں بچا لیں گے اور نفع دیں گے وہ آج تمہارے ساتھ کیوں نہیں؟ وہ کہاں رہ گئے؟ انہیں شفاعت کے لیے کیوں آگے نہیں بڑھاتے؟ حق یہ ہے کہ قیامت کے دن سارے جھوٹ بہتان افترا کھل جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ سب کو سنا کر ان سے فرمائے گا جنہیں تم نے میرے شریک ٹھہرا رکھا تھا وہ کہاں ہیں؟ اور ان سے کہا جائے گا کہ جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے تھے وہ کہاں ہیں؟ کیا وجہ ہے کہ نہ وہ تمہاری مدد کرتے ہیں نہ خود اپنی مدد وہ آپ کرتے ہیں۔ تم تو دنیا میں انہیں مستحق عبادت سمجھتے رہے۔ ﴿بَيْنَكُمْ﴾ کی ایک قرات ﴿بَيْنُكُمْ﴾ بھی ہے یعنی تمہاری یکجہتی ٹوٹ گئی اور پہلی قرات پر یہ معنی ہیں کہ جو تعلقات تم میں تھے جو وسیلے تم نے بنا رکھے تھے سب کٹ گئے معبودان باطل سے جو غلط منصوبے تم نے باندھ رکھے تھے سب برباد ہو گئے جیسے فرمان باری ہے ﴿إِذْ تَبَرَّأَ الَّذِينَ اتُّبِعُوا﴾ [1] الخ، یعنی تابعداری کرنے والے ان سے بیزار ہوں گے جن کی تابعداری وہ کرتے رہے اور سارے رشتے ناتے اور تعلقات کٹ جائیں گے اس وقت تابعدار لوگ حسرت وافسوس سے کہیں گے کہ اگر ہم دنیا میں واپس جائیں تو تم سے بھی ایسے ہی بیزار ہو جائیں جیسے تم ہم سے بیزار ہوئے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ انہیں ان کے کرتوت دکھائے گا ان پر حسرتیں ہوں گی اور یہ جہنم سے نہیں نکلیں گے اور آیت میں ہے جب صور پھونکا جائے گا تو آپس کے نسب منقطع ہو جائیں گے اور کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا اور آیت میں ہے کہ جن جن کو تم نے اپنا معبود ٹھہرا رکھا ہے اور ان سے دوستیاں رکھتے ہو وہ قیامت کے دن تمہارے اور تم ان کے منکر ہو جاؤ گے اور ایک دوسرے پر لعنت کرو گے اور تم سب کا ٹھکانا جہنم ہوگا اور کوئی بھی تمہارا مددگار کھڑا نہ ہوگا اور آیت میں ہے ﴿وَقِيلَ ادْعُوا شُرَكَاءَكُمْ﴾ [2] الخ، یعنی ان سے کہا جائے گا کہ اپنے شریکوں کو آواز دو وہ پکاریں گے لیکن انہیں کوئی جواب نہ ملے گا اور آیت میں ہے ﴿وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا﴾ [3] الخ، یعنی قیامت کے دن ہم ان سب کا حشر کریں گے پھر مشرکوں سے فرمائیں گے کہاں ہیں تمہارے شریک؟ الخ اس بارے کی اور آیتیں بھی بہت ہیں۔

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذَٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾

اللہ تعالیٰ ہی دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر درخت نکالنے والا ہے، وہی زندے کو مردے سے نکالتا ہے اور وہی مردے کو زندے

---

[1] [البقرة: ١٦٦، ١٦٧] [2] [القصص: ٦٤] [3] [الانعام: ٢٢]

سے نکالنے والا ہے' یہی تو تمہارا اللہ ہے پھر تم کدھر بہکے چلے جا رہے ہو○ صبح کی روشنی کا پھاڑ نکالنے والا وہی ہے' اسی نے آرام کے لیے رات بنائی اور سورج چاند کو حساب کا معیار بنایا' یہ ہیں اندازے باندھے ہوئے اللہ غالب عالم کے○ یہ وہی ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کو پیدا کیا کہ تم خشکی اور تری کے اندھیروں میں ان سے راہ پاتے رہو' جو لوگ ذی علم ہیں ان کے لیے تو ہم نے کھول کھول کر اپنی نشانیاں بیان کر دیں○

اللہ کی قدرت کے مظاہر: دانوں سے کھیتیاں بیج اور گٹھلی سے درخت اللہ ہی اگاتا ہے تم تو انہیں مٹی میں ڈال کر چلے آتے ہو وہاں انہیں اللہ تعالیٰ پھاڑتا ہے۔ کونپل نکالتا ہے پھر وہ بڑھتے ہیں قوی درخت بن جاتے ہیں اور دانے اور پھل پیدا ہوتے ہیں۔ پھر گویا اسی کی تفسیر میں فرمایا کہ زندہ درخت اور زندہ کھیتی کو مردہ بیج اور مردہ دانے سے وہ نکالتا ہے جیسے سورۂ یاسین میں ارشاد ہے ﴿وَاٰیَةٌ لَّھُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ﴾ [1] الخ' ﴿مُخْرِجُ﴾ کا عطف ﴿فَالِقُ﴾ پر ہے اور مفسرین نے دوسرے انداز سے ان جملوں میں ربط قائم کیا ہے لیکن مطلب سب کا یہی ہے اور اسی کے قریب قریب ہے۔ کوئی کہتا ہے مرغ کا انڈے سے نکلنا اور مرغ سے انڈے کا نکلنا مراد ہے۔ بدشخص کے ہاں نیک اولاد ہونا اور نیکوں کی اولاد کا بد ہونا مراد ہے۔ وغیرہ۔ آیت درحقیقت ان تمام صورتوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ پھر فرماتا ہے ان تمام کاموں کا کرنے والا اکیلا اللہ ہی ہے پھر کیا وجہ کہ تم حق سے پھر جاتے ہو؟ اور اس لاشریک کے ساتھ دوسروں کو شریک کرنے لگتے ہو؟ وہی دن کی روشنی کا لانے والا اور رات کے اندھیرے کا پیدا کرنے والا ہے۔ جیسے کہ اس سورت کے شروع میں فرمایا تھا کہ وہی نور وظلمت کا پیدا کرنے والا ہے۔ رات کے گھٹاٹوپ اندھیرے کو دن کی نورانیت سے بدل دیتا ہے۔ رات اپنے اندھیروں سمیت چھپ جاتی ہے اور دن اپنی تجلیوں سمیت کائنات پر قبضہ جما لیتا ہے۔ جیسے فرمان ہے وہی دن رات چڑھاتا ہے۔ الغرض چیز اور اس کی ضد اس کے زیر اختیار ہے اور یہ اس کی بے انتہا عظمت اور بہت بڑی سلطنت پر دلیل ہے۔ دن کی روشنی اور اس کی چہل پہل رات کی ظلمت اور اس کا سکون اس کی عظیم الشان قدرت کی نشانیاں ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَالضُّحٰی وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی﴾ [2] اور جیسے اس آیت میں فرمایا ﴿وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ○ وَالنَّھَارِ اِذَا تَجَلّٰی﴾ [3] اور آیت میں ہے ﴿وَالنَّھَارِ اِذَا جَلّٰھَا وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰھَا﴾ [4] ان تمام آیتوں میں دن رات کا اور نور وظلمت روشنی اور اندھیرے کا ذکر ہے حضرت صہیب رومی رضی اللہ عنہ سے ایک بار ان کی بیوی صاحبہ نے کہا کہ رات ہر ایک کے لیے آرام کی ہے لیکن میرے خاوند حضرت صہیب کے لیے وہ بھی آرام کی نہیں اس لیے کہ وہ رات کو اکثر حصہ جاگ کر کاٹتے ہیں۔ جب انہیں جنت یاد آتی ہے تو شوق بڑھ جاتا ہے اور یاد اللہ میں رات گذار دیتے ہیں اور جب جہنم کا خیال آ جاتا ہے تو مارے خوف کے ان کی نیند اڑ جاتی ہے۔ سورج چاند اس کے مقرر کیے ہوئے اندازے پر برابر چل رہے ہیں کوئی تغیر اور اضطراب ان میں نہیں ہوتا ہر ایک کی منزل مقرر ہے جاڑے کی

---

[1] [سورۃ یسین : آیت ۳۳]
[2] [سورۃ الضحی : آیت ۱۔۲]
[3] [سورۃ اللیل : ۱۔۲]
[4] [سورۃ الشمس : آیت ۳۔٤]

الگ گرمی کی الگ اور اسی اعتبار سے دن رات ظاہر ہوتے ہیں چھوٹے اور بڑے ہوتے ہیں جیسے فرمان ﴿هُوَ الَّذِىْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَآءً﴾ [1] الخ' اسی اللہ نے سورج کو روشن اور چاند کو منور کیا ہے ان کی منزلیں مقرر کردی ہیں اور آیت میں ہے ﴿لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِىْ لَهَا﴾ [2] الخ نہ تو آفتاب ہی سے بن پڑتا ہے کہ چاند کو جالے اور نہ رات دن پر سبقت لے سکتی ہے۔ ہر ایک اپنے فلک میں تیرتا پھرتا ہے اور جگہ فرمایا سورج چاند ستارے سب اس کے فرمان کے ماتحت ہیں۔ یہاں فرمایا یہ سب اندازے اس اللہ کے مقرر کردہ ہیں جسے کوئی روک نہیں سکتا جس کے خلاف کوئی کچھ نہیں کرسکتا۔ جو ہر چیز کو جانتا ہے جس کے علم سے ایک ذرہ باہر نہیں۔ زمین وآسمان کی کوئی مخلوق اس سے پوشیدہ نہیں۔ عموماً قرآن کریم جہاں کہیں رات' دن' سورج' چاند کی پیدائش کا ذکر کرتا ہے وہاں کلام کا خاتمہ اللہ جل وعلا نے اپنی عزت وعلم کی خبر پر کیا ہے جیسے اس آیت میں اور ﴿وَاٰيَةٌ لَّهُمُ الَّيْلُ﴾ [3] میں اور سورۂ حم سجدہ کی شروع کی آیت ﴿وَزَيَّنَّا السَّمَآءَ الدُّنْيَا﴾ [4] میں۔

پھر فرمایا ستارے تمہیں خشکی اور تری میں راہ دکھانے کے لیے ہیں بعض سلف کا قول ہے کہ ستاروں میں ان تین فوائد کے علاوہ اگر کوئی اور کچھ مانے تو اس نے خطا کی اور اللہ پر جھوٹ باندھا۔ ایک تو یہ کہ یہ آسمان کی زینت ہیں دوسرے یہ کہ شیاطین پر آگ بن کر برستے ہیں جبکہ وہ آسمانوں کی خبریں لینے کو چڑھیں تیسرے یہ کہ مسافروں اور مقیم لوگوں کو یہ راستہ دکھاتے ہیں۔ پھر فرمایا ہم نے عقلمندوں عالموں اور واقف کار لوگوں کے لیے اپنی آیتیں بالتفصیل بیان فرمادی ہے۔

وَهُوَ الَّذِىْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ﴿۹۸﴾ وَهُوَ الَّذِىْٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا ۚ وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾

وہی ہے جس نے تم سب کو ایک ہی جان سے پیدا کیا پھر رہنے کی جگہ ہے اور سونپنے کی بھی' ہم نے ان کے سامنے جو سمجھ رکھتے ہیں اپنی آیتیں تفصیل وار بیان کردیں ○ وہی ہے جو آسمان سے بارش اتارتا ہے' پھر ہم نے اس سے ہر قسم کی روئیدگی اور بوٹیاں نکالیں پھر اس سے ہرا سبزہ ہم نکالتے ہیں جس سے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے دانے ہم پیدا کرتے ہیں' اور کھجور کے گابھے میں سے گچھے ہیں جھکے ہوئے اور باغات انگور کے اور زیتون اور انار ایک دوسرے سے ملتے جلتے اور نہ ملتے جلتے' یہ سب پھل لائیں ان کا پھل لانا اور پکنا دیکھو' جو لوگ ایمان رکھتے ہیں ان کے لیے تو ان سب چیزوں میں بہت کچھ نشانات ہیں ○

[1] [سورة يونس: آيت ٥] [2] [يسين : ٤٠]
[3] [يسين : ٣٧] [4] [فصلت : ١٢]

قدرت باری تعالیٰ کی مزید کچھ نشانیاں: فرماتا ہے کہ تم سب انسانوں کو اللہ تعالیٰ نے تن واحد یعنی حضرت آدم علیہ السلام سے پیدا کیا ہے جیسے اور آیت میں ہے لوگو اپنے اس رب سے ڈرو جس نے تمہیں ایک نفس سے پیدا کیا اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا پھر ان دونوں سے مرد و عورت خوب پھیلا دیئے[1] ﴿مُسْتَقَرٌّ﴾ سے مراد ماں کا پیٹ اور ﴿مُسْتَوْدَعٌ﴾ سے مراد باپ کی پیٹھ ہے اور قول ہے کہ جائے قرار دنیا ہے اور سپردگی کی جگہ موت کا وقت ہے۔ سعید بن جبیر رحمہ اللہ فرماتے ہیں ماں کا پیٹ' زمین اور جب مرتا ہے سب جائے قرار کی تفسیر ہے۔ حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں جو مر گیا اس کے عمل رک گئے یہی مراد مستقر سے ہے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے مستقر آخرت میں ہے لیکن پہلا قول ہی زیادہ ظاہر ہے۔ واللہ اعلم۔ سمجھداروں کے سامنے نشان ہائے قدرت بہت کچھ آ چکے۔ اللہ کی بہت سی باتیں بیان ہو چکیں جو کافی وافی ہیں۔ وہی اللہ ہے جس نے آسمان سے پانی اتارا نہایت صحیح اندازے سے بڑا بابرکت پانی جو بندوں کی زندگانی کا باعث بنا اور سارے جہان پر اللہ کی رحمت بن کر برسا۔ اسی سے تمام تر ترو تازہ چیزیں اگیں جیسے فرمان ہے ﴿وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاۗءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ﴾[2] پانی سے ہم نے ہر چیز کی زندگانی قائم کر دی۔ پھر اس سے سبزہ یعنی کھیتی اور درخت اگتے ہیں جس میں سے دانے اور پھل نکلتے ہیں۔ دانے بہت سارے ہوتے ہیں گتھے ہوئے تہ بہ تہ چڑھے ہوئے اور کھجور کے خوشے جو زمین کی طرف جھکے پڑتے ہیں۔ بعض درخت خرما چھوٹے ہوتے ہیں اور خوشے چمٹے ہوئے ہوتے ہیں۔ قنوان کو قبیلہ تمیم قنیان کہتا ہے اس کا مفرد قنو ہے۔ جیسے صنوان صنو کی جمع ہے اور باغات انگوروں کے۔ پس عرب کے نزدیک یہی دونوں میوے سب میووں سے اعلیٰ ہیں کھجور اور انگور اور فی الحقیقت ہیں بھی یہ اسی درجے کے۔ قرآن کی دوسری آیت ﴿وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِيْلِ وَالْاَعْنَابِ﴾[3] الخ' میں اللہ تعالیٰ نے ان ہی دونوں چیزوں کا ذکر فرما کر اپنا احسان بیان فرمایا ہے اس میں جو شراب بنانے کا ذکر ہے اس پر بعض حضرات کہتے ہیں کہ حرمت شراب کے نازل ہونے سے پہلے کی یہ آیت ہے اور آیت میں بھی باغ کے ذکر میں فرمایا کہ ہم نے اس میں کھجور و انگور کے درخت پیدا کئے تھے۔ زیتون بھی ہیں انار بھی ہیں آپس میں ملتے جلتے پھل الگ الگ۔ شکل صورت مزہ حلاوت فوائد وغیرہ ہر ایک جداگانہ۔ ان درختوں میں پھلوں کا آنا اور ان کا پکنا ملاحظہ کرو اور اللہ کی ان قدرتوں کا نظارہ اپنی آنکھوں سے کرو کہ لکڑی میں سے میوہ نکالتا ہے۔ عدم سے وجود میں لاتا ہے۔ سوکھے کو گیلا کرتا ہے۔ مٹھاس لذت خوشبو سب کچھ پیدا کرتا ہے رنگ روپ شکل صورت دیتا ہے فوائد رکھتا ہے۔ جیسے اور جگہ فرمایا ہے کہ پانی ایک زمین ایک کھیتیاں باغات ملے جلے لیکن ہم جسے چاہیں جب چاہیں بنا دیں کھٹاس مٹھاس کمی زیادتی سب ہمارے قبضہ میں ہے یہ سب خالق کی قدرت کی نشانیاں ہیں جن سے ایماندار اپنا عقیدہ مضبوط کرتے ہیں۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَاۗءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ۝۱۰۰ۧ

[1] [النسآء : ۱] [2] [الانبیاء : ۳۰] [3] [النحل : ۶۷]

ان لوگوں نے جنات کو اللہ کے شریک ٹھہرا لیے حالانکہ اللہ ہی نے جنوں کو پیدا کیا ہے انہوں نے بے جانے بوجھے اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں بھی تراش لیں، یہ لوگ جو کچھ اللہ کے اوصاف بیان کرتے ہیں اللہ ان سے بہت برتر اور پاکیزہ ہے ○

شیطان کا وعدہ فریب ودھوکہ: جو لوگ اللہ کے سوا اوروں کی عبادت کرتے تھے جنات کو پوجتے تھے ان پر انکار فرما رہا ہے۔ ان کے کفر و شرک سے اپنی بیزاری کا اعلان فرماتا ہے اگر کوئی کہے کہ جنوں کی عبادت کیسے ہوئی وہ تو بتوں کی پوجا پاٹ کرتے تھے تو جواب یہ ہے کہ بت پرستی کے سکھانے والے جنات ہی تھے جیسے خود قرآن کریم میں ہے ﴿اِنْ يَّدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِلَّاۤ اِنٰثًا﴾ [1] الخ، یعنی یہ لوگ اللہ کے سوا جنہیں پکار رہے ہیں وہ سب عورتیں ہیں اور یہ سوائے سرکش ملعون شیطان کے اور کسی کو نہیں پکارتے وہ تو پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ کچھ نہ کچھ انسانوں کو تو میں اپنا کر ہی لوں گا انہیں بہکا کر سبز باغ دکھا کر اپنا مطیع بنالوں گا۔ پھر تو وہ بتوں کے نام پر جانوروں کے کان کاٹ کر چھوڑ دیں گے۔ اللہ کی پیدا کردہ ہئیت کو بگاڑنے لگیں گے۔ حقیقتاً اللہ کو چھوڑ کر شیطان کی دوستی کرنے والے کے نقصان میں کیا شک ہے؟ شیطانی وعدے تو صرف دھوکے بازیاں ہیں اور آیت میں ہے ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ﴾ [2] کیا تم مجھے چھوڑ کر شیطان اور اولاد شیطان کو اپنا ولی بناتے ہو؟ حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے اپنے والد سے فرمایا ﴿يٰۤاَبَتِ لَا تَعْبُدِ الشَّيْطٰنَ﴾ [3] الخ، میرے باپ! شیطان کی پرستش نہ کرو وہ تو اللہ کا نافرمان ہے۔ سورۂ یاسین میں ہے کہ کیا نے تم سے یہ عہد نہیں لیا تھا کہ اے اولاد آدم تم شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے اور یہ کہ تم صرف میری ہی عبادت کرنا سیدھی راہ یہی ہے۔ قیامت کے دن فرشتے بھی کہیں گے ﴿سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ﴾ [4] الخ، یعنی تو پاک ہے یہ نہیں بلکہ سچا والی ہمارا تو تو ہی ہے۔ یہ لوگ تو جنوں کو پوجتے تھے ان میں سے اکثر لوگوں کا ان پر ایمان تھا۔ پس یہاں فرمایا ہے کہ انہوں نے جنات کی پرستش شروع کر دی حالانکہ پرستش کے لائق صرف اللہ ہے وہ سب کا خالق ہے۔ جب خالق وہی ہے تو معبود بھی وہی ہے۔ جیسے حضرت خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا: ﴿اَتَعْبُدُوْنَ مَا تَنْحِتُوْنَ﴾ [5] الخ یعنی کیا تم ان کی عبادت کرتے ہو جنہیں خود میں گھڑ لیتے ہو حالانکہ تمہارا اور تمہارے تمام کاموں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ یعنی معبود وہی ہے جو خالق ہے۔ پھر ان لوگوں کی حماقت وضلالت بیان ہو رہی ہے۔ جو اللہ کی اولاد بیٹے، بیٹیاں قرار دیتے تھے۔ یہودی حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصرانی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا جبکہ مشرکین عرب فرشتوں کو اللہ کی لڑکیاں کہتے تھے۔ یہ سب ان کی من گھڑت اور خود تراشیدہ بات تھی اور محض غلط اور جھوٹ تھا۔ حقیقت سے بہت دور نرا بہتان باندھا تھا اور بے سمجھی سے اللہ کی شان کے خلاف ایک زبان سے اپنی جہالت سے کہہ دیا تھا بھلا اللہ کو بیٹوں اور بیٹیوں سے کیا واسطہ؟ نہ اس کی اولاد نہ اس کی بیوی نہ اس کی کفو کا کوئی۔ وہ سب کا خالق وہ کسی کی شرکت سے پاک وہ کسی کی حصہ داری سے پاک۔ یہ گمراہ جو کہہ رہے ہیں سب سے وہ پاک اور برتر سب سے دور اور بالاتر ہے۔

---

[1] [سورة النسآء: ۱۱۷، ۱۲۰]
[2] [سورة الكهف: آيت ۵۰]
[3] [سورة مريم: آيت ۴۴]
[4] [سورة سبا: آيت ۴۱]
[5] [سورة الصافات: آيت ۹۵، ۹۶]

بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾

آسمان وزمین کو بے نمونہ بنانے والا' اس کی اولاد کیسے ہوگی؟ جبکہ کبھی اس کی بیوی ہی نہیں رہی' اسی نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے' اور وہ ہر چیز کے حال سے واقف ہے ○

اللہ تعالیٰ اولاد اور بیوی سے بے نیاز: زمین وآسمان کا موجد بغیر کسی مثال اور نمونے کے انہیں عدم سے وجود میں لانے والا اللہ ہی ہے۔ بدعت کو بھی بدعت اسی لیے کہتے ہیں کہ پہلے اس کی کوئی نظیر نہیں ہوتی' بھلا اس کا صاحب اولاد ہونا کیسے ممکن ہے جبکہ اس کی بیوی ہی نہیں' اولاد کے لیے تو جہاں باپ کا ہونا ضروری ہے وہیں ماں کا وجود بھی لازمی ہے' اللہ کے مشابہ جبکہ کوئی نہیں ہے اور جوڑا تو ساتھ کا اور جنس کا ہوتا ہے پھر اس کی بیوی کیسے؟ اور بیوی نہیں تو اولاد کہاں؟ وہ ہر چیز کا خالق ہے اور یہ بھی اس کے منافی ہے کہ اس کی اولاد اور زوجہ ہو۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَقَالُوا اتَّخَذَ الرَّحْمٰنُ وَلَدًا﴾ [1] الخ 'لوگ کہتے ہیں اللہ کی اولاد ہے۔ ان کی بڑی فضول اور غلط افواہ ہے عجب نہیں کہ اس بات کو سن کر آسمان پھٹ جائیں اور زمین شق ہو جائے اور پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں۔ رحمٰن اور اولاد؟ وہ تو ایسا ہے کہ آسمان وزمین کی کل مخلوق اس کی بندگی میں مصروف ہے۔ سب پر اس کا غلبہ سب پر اس کا علم سب اس کے سامنے فرداً فرداً آنے والے۔ وہ خالق کل ہے اور عالم کل ہے۔ اس کی جوڑ کا کوئی نہیں وہ اولاد سے اور بیوی سے پاک ہے اور مشرکوں کے اس بیان سے بھی پاک ہے۔

ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۫ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے' کوئی معبود اس کے سوا نہیں' تمام چیزوں کا پیدا کرنے والا ہے تو تم سب اسی کی عبادت کرو وہ ہر ہر چیز کا کارساز ونگہبان ہے ○ اسے نگاہیں نہیں پا سکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو پالیتا ہے' وہ تو بہت ہی باریک بین اور بڑا ہی واقف ہے ○

دنیوی آنکھوں سے دیدارِ الٰہی ممکن نہیں: جس کے یہ اوصاف ہیں یہی تمہارا اللہ ہے' یہی تمہارا پالنہار ہے' یہی سب کا خالق ہے۔ تم اسی ایک کی عبادت کرو' اس کی وحدانیت کا اقرار کرو۔ اس کے سوا کسی کو عبادت کے لائق نہ سمجھو۔ اس کی اولاد نہیں' اس کے ماں باپ نہیں' اس کی بیوی نہیں' اس کی برابری کا اس جیسا کوئی نہیں' وہ ہر چیز کا حافظ نگہبان اور وکیل ہے ہر کام کی تدبیر وہی کرتا ہے سب کی روزیاں اسی کے ذمہ ہیں' ہر ایک کی ہر وقت وہی حفاظت کرتا ہے۔

سلف کہتے ہیں دنیا میں کوئی آنکھ اللہ کو نہیں دیکھ سکتی۔ ہاں قیامت کے دن مومنوں کو اللہ کا دیدار ہوگا۔ [2] حضرت

---

[1] [سورۂ مریم : آیت ۸۸]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر (٤٨٥٥)]

عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جو کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا ہے اس نے جھوٹ کہا پھر آپ نے یہی آیت پڑھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے برخلاف مروی ہے انہوں نے رؤیت کو مطلق رکھا ہے اور فرماتے ہیں اپنے دل سے حضور ﷺ نے دو مرتبہ اللہ کو دیکھا [1] سورۂ نجم میں یہ مسئلہ پوری تفصیل سے بیان ہوگا ان شاء اللہ تعالیٰ۔ اسماعیل بن علیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دنیا میں کوئی شخص اللہ کو نہیں دیکھ سکتا اور حضرات فرماتے ہیں یہ تو عام طور پر بیان ہوا ہے پھر اس میں سے قیامت کے دن مومنوں کا اللہ کو دیکھنا مخصوص کر لیا ہے ہاں معتزلہ کہتے ہیں دنیا اور آخرت میں کہیں بھی اللہ کا دیدار نہ ہوگا۔ اس میں انہوں نے اہل سنت کی مخالفت کے علاوہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ سے بھی نادانی برتی۔ کتاب اللہ میں موجود ہے ﴿وُجُوْهٌ يَّوْمَئِذٍ نَّاضِرَةٌ اِلٰى رَبِّهَا نَاظِرَةٌ﴾ [2] یعنی اس دن بہت سے چہرے تر و تازہ ہوں گے اپنے رب کی طرف دیکھنے والے ہوں گے اور فرمان ہے ﴿كَلَّاۤ اِنَّهُمْ عَنْ رَّبِّهِمْ يَوْمَئِذٍ لَّمَحْجُوْبُوْنَ﴾ [3] یعنی کفار قیامت والے دن اپنے رب کے دیدار سے محروم ہوں گے۔ امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے صاف ظاہر ہے کہ مومنوں سے اللہ تعالیٰ کا حجاب نہیں ہوگا متواتر احادیث سے بھی یہی ثابت ہے۔ حضرت ابو سعید، ابو ہریرہ، انس، جریج، صہیب، بلال رضی اللہ عنہم وغیرہ سے مروی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن اللہ تبارک و تعالیٰ کو قیامت کے میدانوں میں جنت کے باغوں میں دیکھیں گے۔ اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہمیں بھی انہی میں سے کرے آمین۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ اسے آنکھیں نہیں دیکھ پاتیں یعنی عقلیں۔ لیکن یہ قول بہت دور کا ہے اور ظاہر کے خلاف ہے اور گویا کہ ادراک کو اس نے رؤیت کے معنی میں سمجھا۔ واللہ اعلم۔ اور حضرات دیدار کے دیکھنے کو ثابت شدہ مانتے ہیں لیکن ادراک کے انکار کے بھی مخالف نہیں اس لیے کہ ادراک رؤیت سے خاص ہے اور خاص کی نفی عام کی نفی کو لازم نہیں ہوتی۔ اب جس ادراک کی یہاں نفی کی گئی ہے یہ ادراک کیا ہے اور کس قسم کا ہے اس میں کئی قول ہیں مثلاً معرفت حقیقت پس حقیقت کا عالم بجز اللہ کے اور کوئی نہیں گو مومن دیدار کریں گے لیکن حقیقت اور چیز ہے۔ چاند کو لوگ دیکھتے ہیں لیکن اس میں حقیقت اس کی ذات اس کی ساخت تک کس کی رسائی ہوتی ہے؟ پس اللہ تعالیٰ تو بے مثل ہے۔ ابن علیہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں نہ دیکھنا دنیا کی آنکھوں کے ساتھ مخصوص ہے۔ بعض کہتے ہیں ادراک اخص ہے رؤیت سے کیونکہ ادراک کہتے ہیں احاطہ کر لینے کو اور عدم احاطہ سے عدم رؤیت لازم نہیں آتی جیسے علم کا احاطہ نہ ہونے سے مطلق علم کا نہ ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ احاطہ علم کا نہ ہونا اس آیت سے ثابت ہے کہ ﴿وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِهٖ عِلْمًا﴾ [4] صحیح مسلم میں ہے ﴿لَا

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب معنی قول اللہ عزوجل ولقد راہ نزلہ اخری (۱۷٦)
ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورۃ الانعام (۳۰٦۸) مسند احمد (٦/۲٤۱)]

[2] [القیامۃ: ۲۲،۲۳]

[3] [مطففین: ۱۵]

[4] [طہ: ۱۱۰]

﴿أُحْصِي ثَنَاءً عَلَيْكَ كَمَا أَثْنَيْتَ عَلَى نَفْسِكَ﴾ [1] یعنی اے اللہ میں تیری ثنا کا احاطہ نہیں کر سکتا لیکن ظاہر ہے کہ اس سے مراد مطلق ثنا کا نہ کرنا نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ کسی کی نگاہ مالک الملک کو گھیر نہیں سکتی۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ سے کہا گیا کہ ﴿لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ﴾ تو آپ نے فرمایا کیا تو آسمان کو نہیں دیکھ رہا؟ اس نے کہا ہاں فرمایا پھر سب دیکھ چکا ہے؟ قتادہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اللہ اس سے بہت بڑا ہے کہ اسے آنکھیں ادراک کر لیں۔ چنانچہ ابن جریر میں ہے ﴿وُجُوهٌ يَوْمَئِذٍ نَاضِرَةٌ﴾ [2] کی تفسیر میں ہے کہ اللہ کی طرف دیکھیں گے ان کی نگاہیں اس کی عظمت کے باعث احاطہ نہ کر سکیں گی اور اس کی نگاہ ان سب کو گھیرے ہوئے ہوگی۔ اس آیت کی تفسیر میں ایک مرفوع حدیث میں ہے اگر انسان جن شیطان فرشتے سب کے سب ایک صف باندھ لیں اور شروع سے لے کر آخر تک کے سب موجود ہوں تاہم ناممکن ہے کہ کبھی بھی وہ اللہ کا احاطہ کر سکیں۔ [3] یہ حدیث غریب ہے اس کی اس کے سوا کوئی سند نہیں نہ صحاح ستہ والوں میں سے کسی نے اس حدیث کو روایت کیا ہے۔ واللہ اعلم۔ حضرت عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے سنا کہ آنحضرت ﷺ نے اللہ تبارک وتعالیٰ کو دیکھا تو میں نے کہا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ اللہ کو آنکھیں نہیں پا سکتیں اور وہ تمام نگاہوں کو گھیر لیتا ہے الخ۔ تو آپ نے مجھے فرمایا یہ اللہ کا نور ہے اور وہ جو اس کا ذاتی نور ہے جب وہ اپنی تجلی کرے تو اس کا ادراک کوئی نہیں کر سکتا [4] اور روایت میں ہے اس کے بالمقابل کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی۔ اسی جواب کے مترادف معنی وہ حدیث ہے جو بخاری و مسلم میں ہے کہ اللہ تعالیٰ سوتا نہیں نہ اسے سونا لائق ہے وہ ترازو کو جھکاتا ہے اور اٹھاتا ہے اس کی طرف دن کے عمل رات سے پہلے اور رات کے عمل دن سے پہلے چڑھ جاتے ہیں اس کا حجاب نور ہے یا نار ہے اگر وہ ہٹ جائے تو اس کے چہرے کی تجلیاں ہر اس چیز کو جلا دیں جو اس کی نگاہوں

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصلاۃ : باب مایقال فی الرکوع والسجود (٤٨٦) ابوداؤد : کتاب الصلاۃ : باب الدعآء فی الرکوع والسجود (٨٧٩) ترمذی : کتاب الدعوات (٣٤٩٣) ابن ماجہ : کتاب الدعآء (٣٨٤١) نسائی : کتاب الافتتاح (١١٠١) مسند احمد (٥٨/٦)]

[2] [سورۃ القیامۃ : آیت ٢٢]

[3] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (٧٧٣٦/٤) ابو الشیخ فی العظمۃ (٧٢/١) ابن عدی فی الکامل (١٠/٢) العقیلی فی الضعفاء (١/ ١٤٠ـ١٧٠)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں۔ [(١١٤/١)] امام شوکانیؒ، امام سیوطیؒ، علامہ ابن عراق کنانیؒ اور شیخ البانیؒ نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔ [الفوائد المجموعۃ للشوکانی (ص : ١٨٠) اللآلی المصنوعۃ للسیوطی (١٣/١) تنزیہ الشریعۃ للکنانی (١٤١/١) السلسلۃ الضعیفۃ للألبانی (٥٣٧٦)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے ضعیف سخت ضعیف کہتے ہیں۔ اس کی سند میں عطیہ عوفی راوی ضعیف ہے۔ دیکھئے: الدر المنثور (٦٨/٣)]

[4] [ضعیف : ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورۃ النجم (٣٢٧٩) مستدرک حاکم (٣١٦/٢)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی، ظلال الجنۃ (١٩٠ـ٤٣٧)]

تلے ہے۔ [1] اگلی کتابوں میں ہے کہ حضرت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دیدار دیکھنے کی خواہش کی تو جواب ملا کہ اے موسیٰ جو زندہ مجھے دیکھے گا وہ مر جائے گا اور جو خشک مجھے دیکھ لے گا وہ ریزہ ریزہ ہو جائے گا۔ خود قرآن میں ہے کہ جب تیرے رب نے پہاڑ پر تجلی ڈالی تو وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا اور موسیٰ علیہ السلام بیہوش ہو کر گر پڑے افاقہ کے بعد کہنے لگے اللہ تو پاک ہے میں تیری طرف توبہ کرتا ہوں اور میں سب سے پہلا مومن ہوں۔ یاد رہے کہ اس خاص ادراک کے انکار سے قیامت کے دن مومنوں کے اپنے رب کے دیکھنے سے انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کی کیفیت کا علم اسی کو ہے۔ ہاں بیشک اس کی حقیقی عظمت جلالت قدرت بزرگی وغیرہ جیسی ہے وہ بھلا کہاں کسی کی سمجھ میں آ سکتی ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں آخرت میں دیدار ہو گا اور دنیا میں کوئی بھی اللہ کو نہیں دیکھ سکتا اور یہی آیت تلاوت فرمائی۔ پس جس ادراک کی نفی کی ہے وہ معنی میں عظمت وجلال کی رویت کے ہے جیسا کہ وہ ہے۔ یہ تو انسان کیا فرشتوں کے لیے بھی ناممکن ہے ہاں وہ سب کو گھیرے ہوئے ہے جب وہ خالق ہے تو عالم کیوں نہ ہو گا جیسے فرمان ہے ﴿الا یعلم من خلق﴾ [2] الخ، کیا وہ نہیں جانے گا جو پیدا کرتا ہے جو لطف وکرم والا اور بڑی خبر داری والا ہے اور ہو سکتا ہے کہ نگاہ سے مراد نگاہ والا ہو یعنی اسے کوئی نہیں دیکھ سکتا اور وہ سب کو دیکھتا ہے وہ ہر ایک کو نکالنے میں لطیف ہے اور ان کی جگہ سے خبیر ہے واللہ اعلم۔ جیسے کہ حضرت لقمان علیہ السلام نے اپنے بیٹے کو وعظ کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ بیٹا اگر کوئی بھلائی یا برائی رائی کے دانہ کے برابر بھی ہو خواہ پتھر میں ہو یا آسمانوں یا زمین میں اللہ اسے لائے گا اللہ تعالیٰ بڑا باریک بین اور خبر دار ہے۔

قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ ۚ فَمَنْ اَبْصَرَ فَلِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ عَمِيَ فَعَلَيْهَا ۭ وَمَآ اَنَا عَلَيْكُمْ بِحَفِيْظٍ ۝ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ وَلِيَقُوْلُوْا دَرَسْتَ وَلِنُبَيِّنَهٗ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ۝

لوگو! تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے دلیلیں آ چکیں، اب جو دیکھے وہ اس کا اپنا ہی نفع ہے۔ اور جو اندھا ہو جائے اس کا وبال اسی پر ہے، میں تم پر کچھ محافظ تو نہیں ۝ ہم تو اسی طرح سے نشانیاں بیان کر دیتے ہیں تا کہ وہ بھی قائل ہو جائیں کہ تو نے پڑھ سنایا اور اس لیے بھی کہ ہم اسے علم والوں کے لیے واضح کر دیں ۝

قرآن کریم سے بصیرت حاصل کرنے کا فائدہ اپنے نفس کو ہی: بصائر سے مراد دلیلیں اور حجتیں ہیں جو قرآن وحدیث میں موجود ہیں جو انہیں دیکھے اور ان سے نفع حاصل کرے وہ اپنا ہی بھلا کرتا ہے جیسے فرمان ہے کہ راہ پانے والا اپنے لیے راہ پاتا ہے اور گمراہ ہونے والا اپنا ہی بگاڑتا ہے۔ یہاں بھی فرمایا اندھا اپنا ہی نقصان کرتا ہے کیونکہ آخر گمراہی کا اسی پر اثر پڑتا ہے جیسے ارشاد ہے آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں کے اندر دل اندھے ہو

---

[1] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب فی قوله علیه السلام ان الله لا ینام (۱۷۹) ابن ماجه: کتاب السنة: باب فیما انکرت الجهمیة (۱۹۵) صحیح ابن حبان (۲۶۶) مسند طیالسی (۴۹۱) مسند احمد (۴/۳۹۵)]

[2] [سورة ملك: آیت ۱۴]

جاتے ہیں۔ میں تم پر نگہبان' محافظ چوکیدار نہیں بلکہ میں تو صرف مبلغ ہوں ہدایت اللہ کے ہاتھ ہے۔
جس طرح توحید کے دلائل واضح فرمائے اسی طرح اپنی آیتوں کو کھول کھول کر تفسیر اور وضاحت کے ساتھ بیان فرمایا تا کہ کوئی جاہل نہ رہ جائے اور تا کہ مشرکین مکذبین اور کافرین یہ نہ کہہ دیں کہ تو نے اے نبی ﷺ اہل کتاب سے یہ درس لیا ہے ان سے پڑھا ہے انہی نے تجھے سکھایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ معنی بھی مروی ہیں کہ تو نے پڑھ سنایا تو نے جھگڑا کیا تو یہ اسی آیت کی طرح آیت ہوگی جہاں بیان ہے ﴿وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اِفْكُ ِۨافْتَرٰىهُ﴾ [1] الخ کافروں نے کہا کہ یہ تو صرف بہتان ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے اور دوسروں نے اس کی تائید کی ہے الخ' اور آیتوں میں ان کے بڑے کا قول ہے کہ اس نے بہت کچھ غور وخوض کے بعد فیصلہ کیا کہ یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔ یقیناً یہ انسانی قول ہے اور اس لیے کہ ہم علماء کے سامنے وضاحت کر دیں تا کہ وہ حق کے قائل اور باطل کے دشمن بن جائیں۔ رب کی مصلحت وہی جانتا ہے کہ جو ایک گروہ کو ہدایت اور دوسرے کو ضلالت عطا کرتا ہے۔ جیسے فرمایا اس کے ساتھ بہت کو ہدایت کرتا ہے اور بہت کو گمراہ کرتا ہے اور آیت میں ہے تا کہ وہ شیطان کے القا کو بیمار دلوں کے لیے سبب فتنہ کر دے اور فرمایا ﴿وَمَا جَعَلْنَآ اَصْحٰبَ النَّارِ﴾ [2] الخ' یعنی ہم نے دوزخ کے پاسبان فرشتے مقرر کیے ہیں ان کی مقررہ تعداد بھی کافروں کے لیے فتنہ ہے تا کہ اہل کتاب کامل یقین کر لیں ایماندار ایمان میں بڑھ جائیں اہل کتاب اور مومن شک شبہ سے الگ ہو جائیں اور بیمار دل کفر والے کہتے ہیں کہ اس مثال سے اللہ کی کیا مراد ہے اسی طرح جسے اللہ چاہے گمراہ کرتا ہے اور جسے چاہے راہ راست دکھاتا ہے۔ تیرے رب کے لشکروں کو بجز اس کے کوئی نہیں جانتا اور آیت میں ہے ﴿وَنُنَزِّلُ مِنَ الْقُرْاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ﴾ [3] الخ' یعنی ہم نے قرآن اتارا ہے جو مومنوں کے لیے شفا اور رحمت ہے البتہ ظالموں کو تو نقصان ہی ملتا ہے اور آیت میں ہے کہ یہ ایمان والوں کے لیے ہدایت وشفا ہے اور بے ایمانوں کے کانوں میں بوجھ ہے اور ان پر اندھاپن غالب ہے یہ دور کی جگہ سے پکارے جا رہے ہیں اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن سے لوگ نصیحت حاصل کرتے ہیں اور گمراہ بھی ہوتے ہیں۔
﴿دَارَسْتَ﴾ کی دوسری قرات ﴿دَرَسْتَ﴾ بھی ہے یعنی پڑھا اور سیکھا اور یہ معنی ہیں کہ اسے تو مدت گذر چکی یہ تو تو پہلے سے لایا ہوا ہے' یہ تو تو پڑھایا گیا ہے اور سکھایا گیا ہے۔ ایک قرات میں **درس** بھی ہے [4] لیکن یہ غریب ہے ابی بن کعب فرماتے ہیں رسول اللہ ﷺ نے ﴿دَرَسْتَ﴾ پڑھایا ہے۔ [5]

اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٠٦﴾ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا ۭ وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا ۚ وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِوَكِيْلٍ ﴿١٠٧﴾

---

[1] [الفرقان: ٤] [2] [المدثر: ٣١] [3] [الاسراء: ٨٢]
[4] [الدر المنثور للسیوطی (٧٠/٣) تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٧٣٥/١٢)]
[5] [الدر المنثور للسیوطی (٧٠/٣) مستدرك حاكم (٢٣٨/٢)]

تیرے رب کی طرف سے جو وحی تیری طرف کی جا رہی ہے تو اس کی تابعداری کیے چلا جا' اس کے سوا کوئی معبود نہیں' مشرکوں سے منہ پھیر لے ○ اگر تیرا رب چاہتا یہ شرک ہی نہ کرتے' ہم نے تجھے ان کا نگہبان نہیں بنایا اور نہ تو ان پر وکیل ہے ○

وحی کی اتباع کی نصیحت: حضور ﷺ کو اور آپ کی امت کو حکم ہو رہا ہے کہ وحی اللہ کی اتباع اور اسی کے مطابق عمل کرو جو وحی اللہ کی جانب سے اترتی ہے وہ سراسر حق ہے اس کے حق ہونے میں ذرا سا بھی شبہ نہیں۔ معبود برحق صرف وہی ہے۔ مشرکین سے درگذر کر' ان کی ایذا دہی پر صبر کر' ان کی بدزبانی برداشت کر لے' ان کی بدزبانی سن لے۔ یقین مان کہ تیری فتح کا' تیرے غلبہ کا' تیری طاقت وقوت کا وقت دور نہیں۔ اللہ کی مصلحتوں کو کوئی نہیں جانتا دیر گو ہو لیکن اندھیر نہیں۔

اگر اللہ چاہتا تو سب کو ہدایت دے دیتا اس کی مشیت اس کی حکمت وہی جانتا ہے نہ کوئی اس سے باز پرس کر سکے نہ اس کا ہاتھ تھام سکے وہ سب کا حاکم اور سب سے سوال کرنے پر قادر ہے تو اس کے اقوال واعمال کا محافظ نہیں تو ان کے رزق وغیرہ امور کا وکیل نہیں تیرے ذمہ صرف اللہ کے حکم کو پہنچا دینا ہے جیسے فرمایا نصیحت کر دے کیونکہ تیرا کام یہی ہے تو ان پر داروغہ نہیں اور فرمایا تمہاری ذمہ داری تو صرف پہنچا دینا ہے حساب ہمارے ذمہ ہے۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِينَ يَدْعُونَ مِنْ دُونِ اللَّهِ فَيَسُبُّوا اللَّهَ عَدْوًا بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ كَذَٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ أُمَّةٍ عَمَلَهُمْ ثُمَّ إِلَىٰ رَبِّهِمْ مَرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٠٨﴾

جنہیں یہ لوگ اللہ کے سوا پکارتے ہیں تم اے مسلمانو انہیں گالیاں نہ دو کہ یہ از روئے ظلم کے بے علمی سے اللہ کو گالیاں نہ دے لیں' اسی طرح ہم نے ہر گروہ کے اعمال ان کے لیے خوبصورت بنا دیئے ہیں پھر ان سب کا لوٹنا تو ان کے رب کی طرف ہی ہے پس وہ انہیں ان کے کردار پر متنبہ کرے گا ○

معبودانِ باطلہ کو گالیاں دینے کی ممانعت: اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کو اور آپ کے ماننے والوں کو مشرکین کے معبودوں کو گالیاں دینے سے منع فرماتا ہے گو کہ اس میں کچھ مصلحت بھی ہو لیکن اس میں مفسدہ بھی ہے اور وہ بہت بڑا ہے یعنی ایسا نہ ہو کہ مشرک اپنی نادانی سے اللہ کو گالیاں دینے لگ جائیں ایک روایت میں ہے کہ مشرکین نے ایسا ارادہ ظاہر کیا تھا اس پر یہ آیت اتری۔ قتادہ رحمۃ اللہ کا قول ہے کہ ایسا ہوا تھا اس لیے یہ آیت اتری اور ممانعت کر دی گئی۔ ابن ابی حاتم میں سدی رحمۃ اللہ سے مروی ہے کہ ابو طالب کی موت کی بیماری کے وقت قریشیوں نے آپس میں کہا کہ چلو چل کر ابو طالب سے کہیں کہ وہ اپنے بھتیجے (حضرت محمد رسول اللہ ﷺ) کو روک دیں ورنہ یہ یقینی بات ہے کہ اب ہم اسے مار ڈالیں گے تو ممکن ہے کہ عرب کی طرف سے آواز اٹھے کہ چچا کی موجودگی میں تو قریشیوں کی چلی نہیں اس کی موت کے بعد مار ڈالا۔ یہ مشورہ کر کے ابو جہل' ابو سفیان' نضر بن حارث' امیہ بن خلف' عقبہ بن ابو معیط' عمرو بن عاص اور اسود بن بختری چلے۔ مطلب نامی ایک شخص کو ابو طالب کے پاس بھیجا کہ وہ ان کے آنے کی خبر دیں اور اجازت لیں۔ اس نے جا کر کہا کہ آپ کی قوم کے سردار آپ سے ملنا چاہتے ہیں ابو طالب نے کہا بلا لو

یہ لوگ گئے اور کہنے لگے آپ کو ہم اپنا بڑا اور سردار مانتے ہیں آپ کو معلوم ہے کہ محمد (ﷺ) نے ہمیں ستا رکھا ہے وہ ہمارے معبودوں کو برا کہتا ہے۔ ہم چاہتے ہیں کہ آپ بلا کر منع کر دیجیے ہم بھی اس سے رک جائیں گے۔ ابو طالب نے حضور ﷺ کو بلایا آپ تشریف لائے ابو طالب نے کہا آپ دیکھتے ہیں آپ کی قوم کے بڑے یہاں جمع ہیں یہ سب آپ کے کنبے قبیلے اور رشتے کے ہیں یہ چاہتے ہیں کہ آپ انہیں اور ان کے معبودوں کو چھوڑ دیں یہ بھی آپ کو اور آپ کے اللہ کو چھوڑ دیں گے۔ آپ نے فرمایا خیر ایک بات میں کہتا ہوں یہ سب لوگ سوچ سمجھ کر اس کا جواب دیں۔ میں ان سے صرف ایک کلمہ طلب کرتا ہوں اور وعدہ کرتا ہوں کہ اگر یہ میری ایک بات مان لیں تو تمام عرب ان کا ماتحت ہو جائے تمام عجم ان کی مملکت میں آ جائے بڑی بڑی سلطنتیں انہیں خراج ادا کریں۔ یہ سن کر ابو جہل نے کہا قسم ہے ایک ہی نہیں ایسی دس باتیں بھی اگر آپ کی ہوں تو ہم ماننے کو موجود ہیں فرمایئے وہ کلمہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا بس ﴿لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کہہ دو۔ اس پر ان سب نے انکار کیا اور ناک بھوں چڑھائی۔ یہ بات دیکھ کر ابو طالب نے کہا پیارے بھتیجے اور کوئی بات کہو دیکھو تمہاری قوم کے سرداروں کو تمہاری یہ بات پسند نہیں آئی آپ نے فرمایا چچا جان آپ مجھے کیا سمجھاتے ہیں اللہ کی قسم مجھے اسی ایک کلمہ کی دھن ہے اگر یہ لوگ سورج کو لا کر میرے ہاتھ میں رکھ دیں جب بھی میں کوئی اور کلمہ نہیں کہوں گا یہ سن کر وہ لوگ اور بگڑے اور کہنے لگے بس ہم کہے دیتے ہیں کہ یا تو آپ ہمارے معبودوں کو گالیاں دینے سے رک جائیں ورنہ پھر ہم بھی آپ کو اور آپ کے معبود کو گالیاں دیں گے اس پر رب العالمین نے یہ آیت اتاری۔ [1] اسی مصلحت کو مد نظر رکھ کر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ ملعون ہے جو اپنے ماں باپ کو گالیاں دے۔ صحابہ رضی اللہ عنہم نے کہا حضور ﷺ کوئی شخص اپنے ماں باپ کو گالی کیسے دے گا؟ آپ نے فرمایا اس طرح کہ یہ دوسرے کے باپ کو گالی دے دوسرا اس کے باپ کو۔ یہ کسی کی ماں کو گالی دے وہ اس کی ماں کو۔ [2] پھر فرماتا ہے اسی طرح اگلی امتیں بھی اپنی گمراہی کو اپنے حق میں ہدایت سمجھتی رہیں۔ یہ بھی رب کی حکمت ہے یاد رہے کہ سب کا لوٹنا اللہ ہی کی طرف ہے وہ انہیں ان کے سب برے بھلے اعمال کا بدلہ دے گا اور ضرور دے گا۔

وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا ۭ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْ ۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿١٠٩﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْــِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖٓ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿١١٠﴾ ع

---

[1] [مرسل : تفسير ابن جرير الطبرى (١٣٧٤٤)]

[2] [صحيح : صحيح بخارى : كتاب الادب : باب لا يسب الرجل والدية (٥٩٧٣) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب الكبائر واكبرها (٩٠) ترمذى : كتاب البر والصلة : باب ماجاء فى عقوق الوالدين (١٩٠٢) ابوداؤد : كتاب الادب : باب فى بر الوالدين (٥١٤١) مستدرك حاكم (٣٥٦/٤) مسند احمد (٣٠٩/١_٣١٧) مسند ابويعلى (٢٥٣٩)]

اللہ تعالیٰ کی پرزور قسمیں کھا کھا کر کفار نے کہا کہ اگر ان کے پاس کوئی نشان آئے گا تو وہ ضرور اس پر ایمان لائیں گے، تو کہہ دے کہ معجزے اللہ کے قبضے میں ہیں مسلمانو تم کیا جانو؟ یہ لوگ تو نشانیاں آ جانے کے بعد بھی ایمان نہیں لائیں گے ○ ہم ان کے دلوں کو اور ان کی آنکھوں کو الٹ دیں گے جیسا کہ یہ لوگ پہلی دفعہ اس پر ایمان نہیں لائے اور ہم انہیں ان کی سرکشی میں ہی بھٹکتا چھوڑ دیں گے ○

مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لیے مشرکین کے حربے: صرف مسلمانوں کو دھوکا دینے کے لیے اور اس لیے بھی کہ خود مسلمان شک وشبہ میں پڑ جائیں کافر لوگ قسمیں کھا کھا کر بڑے زور سے کہتے تھے کہ ہمارے طلب کردہ معجزے ہمیں دکھا دیئے جائیں تو واللہ ہم بھی مسلمان ہو جائیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی کو ہدایت فرماتا ہے کہ آپ کہہ دیں کہ معجزے میرے قبضے میں نہیں یہ اللہ کے ہاتھ میں ہیں وہ چاہے دکھائے چاہے نہ دکھائے۔ ابن جریر میں ہے کہ مشرکین نے حضور ﷺ سے کہا کہ آپ فرماتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام ایک پتھر پر لکڑی مارتے تھے تو اس سے بارہ چشمے نکلتے تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں میں جان ڈال دیتے تھے اور حضرت ثمود علیہ السلام نے اونٹنی کا معجزہ دکھایا تھا تو آپ بھی جو معجزہ ہم کہیں دکھا دیں واللہ ہم سب آپ کی نبوت کو مان لیں گے، آپ نے فرمایا کیا معجزہ دیکھنا چاہتے ہو؟ انہوں نے کہا کہ آپ صفا پہاڑ کو ہمارے لیے سونے کا بنا دیں پھر تو قسم اللہ کی ہم سب آپ کو سچا ماننے لگیں گے۔ آپ کو ان کے اس کلام سے کچھ امید بندھ گئی اور آپ نے کھڑے ہو کر اللہ تعالیٰ سے دعا مانگنی شروع کی وہیں حضرت جبرئیل علیہ السلام آئے اور فرمانے لگے سنیے اگر آپ چاہیں تو اللہ بھی اس صفا پہاڑ کو سونے کا کر دے گا لیکن اگر یہ ایمان نہ لائے تو اللہ کا عذاب ان سب کو فنا کر دے گا ورنہ اللہ تعالیٰ اپنے عذابوں کو روکے ہوئے ہے ممکن ہے ان میں نیک سمجھ والے بھی ہوں اور وہ ہدایت پر آ جائیں۔ آپ نے فرمایا نہیں اللہ تعالیٰ میں صفا کا سونا نہیں چاہتا بلکہ یہ چاہتا ہوں کہ تو ان پر مہربانی فرما کر انہیں عذاب نہ کر اور ان میں سے جسے چاہے ہدایت نصیب فرما۔ اسی پر یہ آیتیں ﴿وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ﴾ تک نازل ہوئیں[1] یہ حدیث گو مرسل ہے لیکن اس کے شواہد بہت ہیں چنانچہ قرآن کریم میں اور جگہ ہے ﴿وَمَا مَنَعَنَآ اَنْ نُّرْسِلَ بِالْاٰيٰتِ اِلَّآ اَنْ كَذَّبَ بِهَا الْاَوَّلُوْنَ﴾[2] یعنی معجزوں کے اتارنے سے صرف یہ چیز مانع ہے کہ ان سے اگلوں نے بھی انہیں جھٹلایا۔ الخ ﴿اَنَّهَا﴾ کی دوسری قرات ﴿اِنَّهَا﴾ بھی ہے اور ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ کی دوسری قرات ﴿لَا تُؤْمِنُوْنَ﴾ ہے اس صورت میں معنی یہ ہوں گے کہ اے مشرکین کیا خبر؟ ممکن ہے خود تمہارے طلب کردہ معجزوں کے آ جانے کے بعد بھی تمہیں ایمان لانا نصیب نہ ہو اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس آیت میں خطاب مومنوں سے ہے یعنی اے مسلمانو تم نہیں جانتے یہ لوگ ان نشانیوں کے ظاہر ہو چکنے پر بھی بے ایمان ہی رہیں گے۔ اس صورت میں ﴿اِنَّهَا﴾ الف کے زیر کے ساتھ بھی ہو سکتا ہے اور الف کے زبر کے ساتھ بھی ﴿يُشْعِرُكُمْ﴾ کا معمول ہو کر اور ﴿لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ کالام

[1] [مرسل: تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۷۵۰)]

[2] [بنی اسرائیل: ۵۹]

اس صورت میں صلہ ہوگا جیسے آیت ﴿اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ﴾ [1] میں۔ اور آیت ﴿وَحَرَامٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰـهَا اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ﴾ [2] میں تو مطلب یہ ہوتا ہے کہ اے مومنو! تمہارے پاس اس کا کیا ثبوت ہے کہ یہ اپنی من مانی اور منہ مانگی نشانی دیکھ کر ایمان لائیں گے بھی؟ اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ ﴿اَنَّهَا﴾ معنی میں ﴿لَعَلَّهَا﴾ کے ہے بلکہ حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کی قرات میں ﴿اَنَّهَا﴾ کے بدلے ﴿لَعَلَّهَا﴾ ہی ہے۔ عرب کے محاورے میں اور شعروں میں بھی یہی پایا گیا ہے۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ اسی کو پسند فرماتے ہیں اور اس کے بہت سے شواہد بھی انہوں نے پیش کیے ہیں۔ واللہ اعلم۔

پھر فرماتا ہے کہ ان کے انکار اور کفر کی وجہ سے ان کے دل اور ان کی نگاہیں ہم نے پھیر دی ہیں۔ اب یہ کسی بات پر ایمان لانے والے ہی نہیں۔ ایمان اور ان کے درمیان دیوار حائل ہو چکی ہے۔ روئے زمین کے نشانات دیکھ لیں گے تو بھی بے ایمان ہی رہیں گے اگر ایمان قسمت میں ہوتا تو حق کی آوازِ پر پہلے ہی لبیک پکار اٹھتے اللہ تعالیٰ ان کی بات سے پہلے یہ جانتا تھا کہ یہ کیا کہیں گے؟ اور ان کے عمل سے پہلے جانتا تھا کہ یہ کیا کریں گے؟ اسی لیے اس نے بتلا دیا کہ ایسا ہوگا فرماتا ہے ﴿وَلَا يُنَبِّئُكَ مِثْلُ خَبِيْرٍ﴾ [3] اللہ تعالیٰ جو کامل خبر رکھنے والا ہے اور اس جیسی خبر اور کون دے سکتا ہے؟ اس نے فرمایا کہ یہ لوگ قیامت کے روز حسرت و افسوس کے ساتھ آرزو کریں گے کہ اگر اب لوٹ کر دنیا کی طرف جائیں تو نیک اور بھلے بن کر رہیں۔ لیکن اللہ سبحانہ وتعالیٰ فرماتا ہے اگر بالفرض یہ لوٹا بھی دیئے جائیں تو بھی یہ ایسے کے ایسے ہی رہیں گے۔ اور جن کاموں سے روکے گئے ہیں انہی کو کریں گے، ہرگز نہ چھوڑیں گے، یہاں بھی فرمایا کہ معجزوں کا دیکھنا بھی ان کے لیے مفید نہ ہوگا ان کی نگاہیں حق کو دیکھنے والی ہی نہیں رہیں ان کے دل میں حق کے لیے کوئی جگہ خالی ہی نہیں۔ پہلی بار ہی انہیں ایمانِ نصیب نہیں ہوا اسی طرح نشانوں کے ظاہر ہونے کے بعد بھی ایمان سے محروم رہیں گے۔ بلکہ اپنی سرکشی اور گمراہی میں ہی بہکتے اور بھٹکتے حیران و سرگرداں رہیں گے۔ (اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے دین پر ثابت رکھے۔ آمین)



---

[1] [الاعراف : ١٢]

[2] [الانبياء : ٩٥]

[3] [سورة فاطر : آيت ١٤]

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اگر ہم ان کے پاس فرشتے بھی اتارتے اور مردے بھی ان سے باتیں کرتے اور ہر چیز کو ہم ان کے سامنے بھی لا کر جمع کر دیتے تو بھی یہ ایمان نہ لاتے ہاں یہ اور بات ہے کہ اللہ چاہے بلکہ ان میں کے اکثر نادانی کرتے ہیں○

فرماتا ہے کہ یہ کفار جو قسمیں کھا کھا کر تم سے کہتے ہیں کہ اگر کوئی معجزہ وہ دیکھ لیتے تو ضرور ایمان لے آتے۔ یہ غلط کہتے ہیں تمہیں ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو جانا چاہیے۔ یہ کہتے ہیں کہ اگر فرشتے اترتے تو ہم مان لیتے لیکن یہ بھی جھوٹ ہے فرشتوں کے آ جانے پر بھی اور ان کے کہہ دینے پر بھی کہ یہ رسول برحق ہیں انہیں ایمان نصیب نہیں ہوگا۔ یہ صرف ایمان نہ لانے کے بہانے تراشتے ہیں کہ کبھی کہہ دیتے ہیں اللہ کو لے آ۔ کبھی کہتے ہیں فرشتوں کو لے آ۔ کبھی کہتے ہیں اگلے نبیوں جیسے معجزے لے آ۔ یہ سب حجت بازی اور حیلے حوالے ہیں۔ دلوں میں تکبر بھرا ہوا ہے زبان سے سرکشی اور برائی ظاہر کرتے ہیں۔ اگر مردے بھی قبروں سے اٹھ کر آ جائیں اور کہہ دیں کہ یہ رسول برحق ہیں ان کے دلوں پر اس کا بھی کوئی اثر نہیں ہوگا ﴿قُبُلًا﴾ کی دوسری قرات ﴿قَبلًا﴾ ہے جس کے معنی مقابلے اور معائینہ کے ہوتے ہیں۔ ایک قول میں ﴿قُبُلًا﴾ کے معنی بھی یہی بیان کیے گئے ہیں۔ ہاں مجاہد رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ اس کے معنی گروہ گروہ کے ہیں یعنی ان کے سامنے اگر ایک ایک امت آ جاتی اور رسولوں کی صداقت کی گواہی دیتی تو بھی یہ ایمان نہ لاتے مگر یہ کہ اللہ چاہے اس لیے کہ ہدایت کا مالک وہی ہے نہ کہ یہ۔ وہ جسے چاہے ہدایت دے دے وہ جو کرنا چاہے کوئی اس سے پوچھ نہیں سکتا اور وہ چونکہ حاکم کل ہے ہر ایک سے باز پرس کر سکتا ہے وہ علیم و حکیم ہے۔ حاکم و غالب و قہار ہے اور آیت میں ہے ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ حَقَّتْ عَلَيْهِمْ كَلِمَتُ رَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ﴾ [1] الخ، یعنی جن لوگوں کے ذمہ کلمہ عذاب ثابت ہو گیا ہے وہ تمام تر نشانیاں دیکھتے ہوئے بھی ایمان نہ لائیں گے جب تک کہ المناک عذاب نہ دیکھ لیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ۭ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن چند شریر انسانوں اور سرکش جنوں کو بنا دیا ہے کہ دھوکہ دہی کی غرض سے ایک دوسرے کے کان میں چکنی چپڑی باتیں پہنچاتے رہتے ہیں۔ اگر تیرا رب چاہتا تو یہ شیاطین ایسی حرکت نہ کرتے تو ان سے اور ان کی

---

[1] [سورة يونس: آيت ٩٦ - ٩٧]

بہتان بازیوں سے بے نیاز ہو جا○ یہ صرف اس لیے کہ ان لوگوں کے دل ان باتوں کی طرف مائل ہو جائیں جو آخرت کو نہیں مانتے اور وہ انہیں پسند کر لیں اور جس عمل کے لائق یہ ہیں کر گذریں○

شیطان انسانوں میں بھی اور جنوں میں بھی: ارشاد ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ تنگ دل اور مغموم نہ ہوں جس طرح آپ کے زمانے کے یہ کفار آپ سے دشمنی کرتے ہیں اسی طرح ہر نبی کے زمانے کے کفار اپنے نبیوں کے ساتھ دشمنی کرتے رہے ہیں جیسے اور آیت میں تسلی دیتے ہوئے فرمایا ﴿وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ﴾ [1] الخ، تجھ سے پہلے کے پیغمبروں کو بھی جھٹلایا گیا انہیں بھی ایذائیں پہنچائی گئیں جس پر انہوں نے صبر کیا اور آیت میں کہا گیا ہے کہ تجھ سے بھی وہی کہا جاتا ہے جو تجھ سے پہلے کے نبیوں کو کہا گیا تھا تیرا رب بڑی مغفرت والا ہے اور ساتھ ہی المناک عذاب کرنے والا بھی ہے اور آیت میں ہے ﴿وَكَذَٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا مِّنَ الْمُجْرِمِينَ﴾ [2] ہم نے گناہگاروں کو ہر نبی کا دشمن بنا دیا ہے۔ یہی بات ورقہ بن نوفل نے آنحضرت ﷺ سے کہی تھی کہ آپ جیسی چیز جو رسول بھی لے کر آیا اس سے عداوت کی گئی۔ [3] نبیوں کے دشمن شریر انسان بھی ہوتے ہیں اور جنات بھی ﴿عَدُوًّا﴾ سے بدل ﴿شَيَاطِينَ الْإِنسِ وَالْجِنِّ﴾ ہے۔ انسانوں میں بھی شیطان ہیں اور جنوں میں بھی۔ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ ایک دن نماز پڑھ رہے تھے تو آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا کہ کیا تم نے شیاطین انس و جن سے اللہ کی پناہ بھی مانگ لی؟ صحابی رضی اللہ عنہ نے پوچھا کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں۔ یہ حدیث منقطع ہے۔ [4] ایک اور روایت میں ہے کہ میں حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس مجلس میں آپ دیر تک تشریف فرما رہے۔ مجھ سے فرمانے لگے ابوذر رضی اللہ عنہ تم نے نماز پڑھ لی؟ میں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ نہیں پڑھی آپ نے فرمایا اٹھو اور دو رکعت ادا کر لو۔ جب میں فارغ ہو کر آیا تو فرمانے لگے کیا تم نے انسانی و جناتی شیاطین سے اللہ کی پناہ مانگی تھی؟ میں نے کہا نہیں۔ کیا انسانوں میں بھی شیطان ہیں؟ آپ نے فرمایا ہاں اور وہ جنوں کے شیطانوں سے بھی زیادہ شریر ہیں۔ اس میں بھی انقطاع ہے۔ [5] ایک متصل روایت مسند احمد میں مطول ہے اس میں یہ بھی ہے کہ یہ واقعہ مسجد کا ہے [6] اور روایت میں

---

① [سورة الانعام : آيت ٣٤] ② [سورة الفرقان: آيت ٣١]

③ [صحيح : صحيح بخارى : كتاب بدء الوحى : باب كيف كان بداء الوحى الى رسول الله (٣)، (٤٩٥٦) صحيح مسلم : كتاب الايمان : باب بدء الوحى الى رسول الله (١٦٠) صحيح ابن حبان (٣٣) مسند احمد (٦/٢٣٢)]

④ [ضعيف ومنقطع : تفسير عبد الرزاق (٨٤٦- ٨٤٧)] قتادہ اور ابوذر کے درمیان انقطاع۔]

⑤ [ضعيف ومنقطع : تفسير ابن جرير الطبرى (١٣٧٧٣)] ابن عائذ اور ابوذر کے درمیان انقطاع۔]

⑥ [ضعيف : مسند احمد (٥/١٧٨، ١٧٩) نسائى : كتاب الاستعاذة : باب الاستعاذة من شر شياطين الإنس (٥٥٠٩) مسند طيالسى (٤٧٨) بزار فى كشف الاستار (١٦٠)] اس کی سند میں ابو عمر دمشقی راوی ضعیف ہے۔[مجمع الزوائد (١١٩/٣)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔]

حضور ﷺ کا اس فرمان کے بعد یہ پڑھنا بھی مروی ہے کہ ﴿شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا﴾ [1] الغرض یہ حدیث بہت سی سندوں سے مروی ہے جس سے قوت صحت کا فائدہ ہو جاتا ہے واللہ اعلم۔ عکرمہ رحمہ اللہ سے مروی ہے کہ انسانوں میں شیطان نہیں' جنات کے شیاطین ایک دوسرے سے کانا پھوسی کرتے ہیں' آپ سے یہ بھی مروی ہے کہ انسانوں کے شیطان جو انسانوں کو گمراہ کرتے ہیں اور جنوں کے شیطان جو جنوں کو گمراہ کرتے ہیں جب آپس میں ملتے ہیں تو ایک دوسرے سے اپنی کارگذاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے فلاں کو اس طرح بہکایا تو فلاں کو اس طرح بہکایا ایک دوسرے کو گمراہی کے طریقے بتاتے ہیں۔ اس سے امام ابن جریر رحمہ اللہ تو یہ سمجھے ہیں کہ شیطان تو جنوں میں سے ہی ہوتے ہیں لیکن بعض انسانوں پر لگے ہوئے ہوتے ہیں بعض جنات پر۔ تو یہ مطلب عکرمہ رحمہ اللہ کے قول سے تو ظاہر ہے ہاں سدی رحمہ اللہ کے قول میں متحمل ہے۔ ایک قول میں عکرمہ اور سدی رحمہما اللہ دونوں سے یہ مروی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جنات کے شیاطین ہیں جو انہیں بہکاتے ہیں جیسے انسانوں کے شیطان جو انہیں بہکاتے ہیں اور ایک دوسرے سے مل کر مشورہ دیتے ہیں کہ اسے اس طرح بہکا۔ صحیح وہی ہے جو حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ والی حدیث میں اوپر گذرا۔ عربی میں ہر سرکش شریر کو شیطان کہتے ہیں صحیح مسلم میں ہے کہ حضور ﷺ نے سیاہ رنگ کے کتے کو شیطان فرمایا ہے [2] تو اس کے معنی یہ ہوئے کہ وہ کتوں میں شیطان ہے واللہ اعلم۔ مجاہد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کفار جن کفار انسانوں کے کانوں میں صور پھونکتے رہتے ہیں۔ عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں میں مختار بن ابی عبید کے پاس گیا اس نے میری بڑی تعظیم تکریم کی اپنے ہاں مہمان بنا کر ٹھہرایا رات کو بھی شاید اپنے ہاں سلاتا لیکن مجھ سے اس نے کہا کہ جاؤ لوگوں کو کچھ سناؤ میں جا کر بیٹھا ہی تھا کہ ایک شخص نے مجھ سے پوچھا آپ وحی کے بارے میں کیا فرماتے ہیں؟ میں نے کہا وحی کی دو قسمیں ہیں ایک اللہ کی طرف سے جیسے فرمان ہے ﴿بِمَآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ هٰذَا الْقُرْاٰنَ﴾ [3] اور دوسری وحی شیطانی جیسے فرمان ہے ﴿شَيَاطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ﴾ الخ' اتنا سنتے ہی لوگ میرے اوپر پل پڑے قریب تھا کہ پکڑ کر مار پیٹ شروع کر دیں میں نے کہا ارے بھائیو! یہ تم میرے ساتھ کیا کرنے لگے؟ میں نے تو تمہارے سوال کا جواب دیا اور میں تو تمہارا مہمان ہوں چنانچہ انہوں نے مجھے چھوڑ دیا۔ مختار ملعون لوگوں سے کہتا تھا کہ میرے پاس وحی آتی ہے اس کی بہن حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت عبداللہ بن

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (۵/۲٦۵) تفسیر ابن ابی حاتم (۷۷۸٦/٤) طبرانی کبیر (۷۸۷۱)] اس کی سند میں علی بن یزید ہانی راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو سخت ضعیف کہا ہے۔]

[2] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الصلاۃ : باب قدر مایستتر المصلی (۵۱۰) ابوداؤد : کتاب الصلاۃ : باب مایقطع الصلاۃ (۷۰۲) ابن ماجه : کتاب اقامة الصلاۃ : باب مایقطع الصلاۃ (۹۵۲) ترمذی : کتاب الصلاۃ : باب ماجاء أنه لا یقطع الصلاۃ (۳۳۸) مسند احمد (۵/۱٤۹)]

[3] [سورۃ یوسف : آیت ۳]

عمر رضی اللہ عنہما کے گھر میں تھیں اور بڑی دیندار تھیں جب حضرت عبداللہ کو مختار کا یہ قول معلوم ہوا تو آپ نے فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے قرآن میں ہے ﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓئِهِمْ﴾ [1] یعنی شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی لے جاتے ہیں۔ الغرض ایسے متکبر سرکش جنات وانس آپس میں ایک دوسرے کو دھوکے بازی کی باتیں سکھاتے ہیں یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضا وقدر اور چاہت ومشیت ہے وہ ان کی وجہ سے اپنے نبیوں کی اولو العزمی اپنے بندوں کو دکھا دیتا ہے۔ تو ان کی عداوت کا خیال بھی نہ کر۔ ان کا جھوٹ تجھے کچھ بھی نقصان نہ پہنچا سکے گا تو اللہ پر بھروسہ رکھ اسی پر توکل کر اور اپنے کام اسے سونپ کر بے فکر ہو جا۔ وہ تجھے کافی ہے اور وہی تیرا مددگار ہے۔ یہ لوگ جو اس طرح کی خرافات کرتے ہیں یہ محض اس لیے کہ بے ایمانوں کے دل ان کی نگاہیں اور ان کے کان ان کی طرف جھک جائیں وہ ایسی باتوں کو پسند کریں اس سے خوش ہو جائیں پس ان کی باتیں وہی قبول کرتے ہیں جنہیں آخرت پر ایمان نہیں ہوتا۔ ایسے واصل جہنم ہونے والے بھکے ہوئے لوگ ہی ان کی فضول اور چکنی چپڑی باتوں میں پھنس جاتے ہیں۔ پھر وہ کرتے ہیں جو ان کے قابل ہے۔

اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا ۭ وَالَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۱۴﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَّعَدْلًا ۭ لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۱۵﴾

کیا میں اللہ کے سوا کسی اور کو فیصلہ کرنے والا تلاش کروں؟ حالانکہ اسی نے تفصیل وار کتاب نازل فرمائی ہے، جن لوگوں کو ہم نے کتاب دے رکھی ہے وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ بلاشبہ تیرے رب کی طرف سے ہی حق کے ساتھ اتاری گئی ہے پس تو شک کرنے والوں میں سے نہ ہونا ○ تیرے رب کی بات صداقت وعدالت کے ساتھ کامل ہوگئی، اس کی باتوں کا بدلنے والا کوئی نہیں، اور وہی سننے والا جاننے والا ہے ○

اللہ کے فیصلے میں تبدیلی نہیں: حکم ہوتا ہے کہ مشرک جو کہ اللہ کے سوا دوسروں کی پرستش کر رہے ہیں ان سے کہہ دیجیے کہ کیا ہم تم میں فیصلہ کرنے والا بجز اللہ تعالیٰ کے میں کسی اور کو تلاش کروں؟ اسی نے صاف کھلے فیصلے کرنے والی کتاب نازل فرما دی ہے یہود ونصاریٰ جو صاحب کتاب ہیں اور جن کے پاس اگلے نبیوں کی بشارتیں ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ یہ قرآن کریم اللہ کی طرف سے حق کے ساتھ نازل شدہ ہے تجھے شکی لوگوں میں نہ ملنا چاہیے۔ جیسے فرمان ہے ﴿فَاِنْ كُنْتَ فِيْ شَكٍّ مِّمَّآ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ﴾ [2] الخ، یعنی ہم نے جو کچھ وحی تیری طرف اتاری ہے اگر تجھے اس میں شک ہو تو جو لوگ اگلی کتابیں پڑھتے ہیں تو ان سے پوچھ لے یقین مان کہ تیرے رب کی

---

[1] [سورة الانعام: آيت ١٢١]

[2] [سورة يونس: آيت ٩٤]

جانب سے تیری طرف حق اتر چکا ہے پس تو شک کرنے والوں میں نہ ہو۔ یہ شرط ہے اور شرط کا واقع ہونا کچھ ضروری نہیں۔ اسی لیے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا نہ میں شک کروں نہ کسی سے سوال کروں۔ [1]

تیرے رب کی باتیں صداقت میں پوری ہیں۔ اور اس کا ہر حکم عدل ہے۔ وہ اپنے حکم میں بھی عادل ہے اور خبروں میں صادق ہے اور یہ خبر صداقت پر مبنی ہے۔ جو خبریں اس نے دی ہیں وہ بلاشبہ درست ہیں اور جو حکم فرمایا ہے وہ سراسر عدل ہے اور جس چیز سے روکا وہ یکسر باطل ہے۔ کیونکہ وہ جس چیز سے روکتا ہے وہ برائی والی ہی ہوتی ہے۔ جیسے فرمان ہے ﴿يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ﴾ [2] وہ انہیں بھلی باتوں کا حکم دیتا ہے اور بری باتوں سے روکتا ہے الخ۔ کوئی نہیں جو اس کے فرمان کو بدل سکے۔ اس کے حکم اٹل ہیں۔ دنیا میں کیا اور آخرت میں کیا اس کا کوئی حکم ٹل نہیں سکتا۔ اس کا تعاقب کوئی نہیں کر سکتا۔ وہ اپنے بندوں کی باتیں سنتا ہے اور ان کی حرکات و سکنات کو بخوبی جانتا ہے۔ ہر عامل کو اس کے بُرے بھلے عمل کا بدلہ وہ ضرور دے گا۔

وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٦﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾

دنیا میں اکثر لوگ ایسے ہیں اگر تو ان کے کہے پر چلے تو وہ تجھے اللہ کی راہ سے بھٹکا دیں، وہ تو صرف گمان کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں اور اٹکل پچو باتیں ہی بناتے ہیں ○ تیرا رب ہی انہیں بخوبی جانتا ہے جو اس کی راہ سے بھٹکے ہوئے ہیں اور جو راہ راست پر ہیں انہیں بھی وہی خوب جانتا ہے ○

اکثر ایمان لانے والے نہیں: اللہ تعالیٰ خبر دیتا ہے کہ اکثر لوگ دنیا میں گمراہ کن ہوتے ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ ضَلَّ قَبْلَهُمْ أَكْثَرُ الْأَوَّلِينَ﴾ [3] اور جگہ ہے ﴿وَمَا أَكْثَرُ النَّاسِ وَلَوْ حَرَصْتَ بِمُؤْمِنِينَ﴾ [4] گو تو حرص کرے لیکن اکثر لوگ ایمان لانے والے نہیں۔ پھر یہ لوگ اپنی گمراہی میں بھی کسی یقین پر نہیں صرف باطل گمان اور بیکار خیالوں کا شکار ہیں اندازے سے باتیں بنا لیتے ہیں۔ پھر ان کے پیچھے ہو لیتے ہیں۔ خیالات کے پیرو ہیں۔ توہم پرستی میں گرے ہوئے ہیں۔

یہ سب مشیت الٰہی ہے وہ گمراہوں کو بھی جانتا ہے اور ان پر گمراہیاں آسان کر دیتا ہے۔ وہ راہ یافتہ لوگوں سے بھی واقف ہے اور انہیں ہدایت آسان کر دیتا ہے۔ ہر شخص پر وہی کام آسان ہوتے ہیں جن کے لیے وہ پیدا کیا گیا ہے۔

---

[1] [مرسل وضعيف: عبد الرزاق (۱۲۶/٦) تفسير ابن جرير الطبري (۱۷۹۰۷ ـ ۱۷۹۰۸)]

[2] [سورة الاعراف: آيت ۱۵۷]

[3] [سورة الصافات: آيت ۷۱]

[4] [سورة يوسف: آيت ۱۰۳]

QLRF

فَكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ بِاٰيٰتِهٖ مُؤْمِنِيْنَ ﴿۱۱۸﴾ وَمَا لَكُمْ اَلَّا تَاْكُلُوْا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَّا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ اِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ اِلَيْهِ ؕ وَاِنَّ كَثِيْرًا لَّيُضِلُّوْنَ بِاَهْوَآئِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ ﴿۱۱۹﴾

جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھالیا کرو اگر تم اس کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہو ○ تمہیں کیا ہو گیا کہ تم اسے نہ کھاؤ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو حالانکہ جو چیزیں تم پر حرام کی گئی ہیں وہ کھول کھول کر بیان ہو چکی ہیں بجز اس حالت کے کہ تم ان چیزوں کی طرف بے بس کر دیئے جاؤ۔ اکثر لوگ صرف اپنی خواہشوں کی بنا پر بغیر علم کے دوسروں کو بہکاتے رہتے ہیں۔ ہر ایک حد سے تجاوز کرنے والے کو اللہ بخوبی جانتا ہے ○

حلال و حرام ذبیحہ: حکم بیان ہو رہا ہے کہ جس جانور کو اللہ کا نام لے کر ذبح کیا جائے اسے کھالیا کرو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جس جانور کے ذبح کے وقت اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اس کا کھانا مباح نہیں جیسے مشرکین از خود مرا ہوا مردار جانور، بتوں اور تھانوں پر ذبح کیا ہوا جانور کھالیا کرتے تھے۔ کوئی وجہ نہیں کہ جن حلال جانوروں کو شریعت کے حکم کے مطابق ذبح کیا جائے اس کے کھانے میں حرج سمجھا جائے بالخصوص اس وقت کہ ہر حرام جانور کا بیان کھول کھول کر کر دیا گیا ہے فَصَّلَ کی دوسری قرات فَصَلَ ہے وہ حرام جانور کھانے ممنوع ہیں سوائے مجبوری اور سخت بے بسی کے کہ اس وقت جو مل جائے اس کے کھالینے کی اجازت ہے۔ پھر کافروں کی زیادتی بیان ہو رہی ہے کہ وہ مردار جانور کو اور ان جانوروں کو جن پر اللہ کے سوا دوسروں کے نام لیے گئے ہوں حلال جانتے تھے۔ یہ لوگ بلا علم صرف خواہش پرستی کر کے دوسروں کو بھی راہ حق سے ہٹا رہے ہیں۔ ایسوں کی افترا پردازی دروغ بافی اور زیادتی کو اللہ بخوبی جانتا ہے۔

وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ؕ اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْسِبُوْنَ الْاِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوْا يَقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۲۰﴾

کھلے چھپے ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو گنہگاریاں کرنے والوں کو ان کی کی ہوئی گنہگاریوں کی سزا یقیناً دی جائے گی ○

ظاہری اور باطنی گناہوں کو ترک کر دو۔ چھوٹے بڑے پوشیدہ اور ظاہر، ہر گناہ کو چھوڑ و۔ نہ کھلی بدکار عورتوں کے ہاں جاؤ نہ چوری چھپے بدکاریاں کرو۔ کھلم کھلا ان عورتوں سے نکاح نہ کرو جو تم پر حرام کر دی گئی ہیں۔ غرض ہر گناہ سے دور رہو۔ کیونکہ ہر بدکاری کا برا بدلہ ہے۔ حضور ﷺ سے سوال ہوا کہ گناہ کسے کہتے ہیں؟ آپ نے فرمایا جو تیرے دل میں کھٹکے اور تو نہ چاہے کہ کسی کو اس کی اطلاع ہو جائے۔ [1]

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب البر والصلة : باب تفسیر البر والاثم (۲۵۵۳) ترمذی : کتاب الزھد : باب ماجاء فی البر والاثم (۲۳۸۹) مسند احمد (۴/۱۸۲)]

وَلَا تَأْكُلُوْا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَاِنَّهٗ لَفِسْقٌ ؕ وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ لَيُوْحُوْنَ اِلٰٓى اَوْلِيٰٓـئِهِمْ لِيُجَادِلُوْكُمْ ۚ وَاِنْ اَطَعْتُمُوْهُمْ اِنَّكُمْ لَمُشْرِكُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ ع

جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ۔ اس کا کھانا کھلی نافرمانی ہے۔ شیطان اپنے ڈھب کے لوگوں کے دلوں میں وسوسہ ڈالتے رہتے ہیں تاکہ وہ تم سے کج بحثی کریں' اگر تم نے ان کا کہا مان لیا تو تمہارے بھی مشرک ہونے میں کوئی شک نہیں ○

اللہ کا نام نہ لیا ہو تو ذبیحہ حرام: یہی آیت ہے جس سے بعض علماء نے یہ سمجھا ہے کہ گو کسی مسلمان نے ہی ذبح کیا ہو لیکن اگر بوقت ذبح اللہ کا نام نہیں لیا تو اس ذبیحہ کا کھانا حرام ہے' اس بارے میں علماء کے تین قول ہیں۔ ایک تو وہی جو مذکور ہوا۔ خواہ جان بوجھ کر اللہ کا نام نہ لیا ہو یا بھول کر۔ اس کی دلیل ﴿فَكُلُوْا مِمَّآ اَمْسَكْنَ عَلَيْكُمْ وَاذْكُرُوا اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهِ﴾ [1] ہے یعنی جس شکار کو تمہارے شکاری کتے روک رکھیں تم اسے کھا لو اور اللہ کا نام اس پر لو۔ اس آیت میں اسی کی تاکید کی اور فرمایا کہ یہ کھلی نافرمانی ہے یعنی اس کا کھانا۔ یا غیر اللہ کے نام پر ذبح کرنا۔ احادیث میں بھی شکار کے اور ذبیحہ کے متعلق حکم وارد ہوا ہے آپ فرماتے ہیں جب تو اپنے سدھائے ہوئے کتے کو اللہ کا نام لے کر چھوڑے جس جانور کو وہ تیرے لیے پکڑ کر روک لے تو اسے کھا لے [2] اور حدیث میں ہے جو چیز خون بہا دے اور اللہ کا نام بھی اس پر لیا گیا ہو اسے کھا لیا کرو۔ [3] جنوں سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا تمہارے لیے ہر وہ ہڈی غذا ہے جس پر اللہ کا نام لیا جائے۔ [4] عید کی قربانی کے متعلق آپ کا ارشاد مروی ہے کہ جس نے نماز عید پڑھنے سے پہلے ہی ذبح کر لیا وہ اس کے بدلے دوسرا جانور ذبح کرلے اور جس نے قربانی نہیں کی وہ ہمارے ساتھ عید کی نماز پڑھے پھر اللہ کا نام لے کر اپنی قربانی کے جانور کو ذبح کرے۔ [5] چند لوگوں نے حضور ﷺ سے پوچھا کہ بعض نو مسلم ہمیں گوشت دیتے ہیں کیا خبر انہوں نے ان جانوروں کے ذبح کرنے کے وقت اللہ کا نام بھی

---

[1] [سوره المائدة : آيت ٤]

[2] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب الذبائح والصيد : باب التسمية على الصيد (٥٤٧٥) صحيح مسلم : كتاب الصيد : باب الصيد بالكلاب المعلمة والرمی (١٩٢٩)]

[3] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب الذبائح : باب ما انهر الدم من القصب والمروة (٥٥٠٣) صحيح مسلم : كتاب الاضاحی : باب جواز الذبح بكل ما انهر الدم (١٩٦٨) ترمذی : كتاب الاحكام : باب ماجآء فی الذكاة بالقصب وغيره (١٤٩١) ابن ماجه : كتاب الذبائح : باب ما يذكى به (٣١٧٨) مسند احمد (٤٦٣/٣)]

[4] [صحيح : صحيح مسلم : كتاب الصلاة : باب الجهر بالقرأة فی الصبح (٤٥٠) ترمذی : كتاب التفسير : باب ومن سورة الاحقاف (٣٢٥٨)]

[5] [صحيح : صحيح بخاری : كتاب العيدين (٩٨٥) و كتاب الذبائح والصيد (٥٥٠٠) صحيح مسلم : كتاب الاضاحی : باب وقتها (١٩٦٠) ابن ماجه : كتاب الاضاحی : باب النهی عن ذبح الاضحية قبل الصلاة (٣١٥٢) نسائی : كتاب الضحايا (٤٣٧٣) مسند احمد (٣١٢/٤)]

لیایانہیں؟ تو آپ نے فرمایاتم ان پر اللہ کا نام لواور کھالو۔ (۱)

الغرض اس حدیث سے بھی یہ مذہب قوی ہوتا ہے کیونکہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے بھی سمجھا کہ بسم اللہ پڑھنا ضروری ہے اور یہ لوگ احکام اسلام سے صحیح طور پر واقف نہیں ابھی ابھی مسلمان ہوئے ہیں کیا خبر اللہ کا نام لیتے بھی ہیں یا نہیں؟ تو حضور ﷺ نے انہیں بطور مزید احتیاط فرمادیا کہ تم خود اللہ کا نام لے لوتا کہ بالفرض انہوں نے نہ بھی لیا ہو تو یہ اس کا بدلہ ہو جائے۔ ورنہ ہر مسلمان پر ظاہراً حسن ظن ہی ہوگا۔ دوسرا قول اس مسئلہ میں یہ ہے کہ بوقت ذبح بسم اللہ کا پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے اگر چھوٹ جائے گو وہ عمداً ہو یا بھول کر کوئی حرج نہیں۔ اس آیت میں جو فرمایا گیا ہے کہ یہ فسق ہے اس کا مطلب یہ لوگ یہ لیتے ہیں کہ اس سے مراد غیر اللہ کے لیے ذبح کیا ہوا جانور ہے جیسے اور آیت میں ہے ﴿اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ﴾ (۲) بقول عطاء رحمہ اللہ ان جانوروں سے روکا گیا ہے جنہیں کفار اپنے معبودوں کے نام ذبح کرتے تھے اور مجوسیوں کے ذبیحہ سے بھی ممانعت کی گئی۔ اس کا جواب بعض متاخرین نے یہ بھی دیا ہے کہ ((وَاِنَّهٗ)) میں واؤ حالیہ ہے۔ تو فسق اسی وقت ہوگا جب اسے غیر اللہ کے نام کا مان لیں اور یہ واؤ عطف کا ہو نہیں سکتا ورنہ اس سے جملہ اسمیہ خبریہ کا عطف جملہ فعلیہ حالیہ پر لازم آئے گا۔ لیکن یہ دلیل اس کے بعد کے جملے ﴿وَاِنَّ الشَّيٰطِيْنَ﴾ سے ہی ٹوٹ جاتی ہے اس لیے کہ وہ یقیناً عاطفہ جملہ ہے۔ تو جس اگلے واؤ کو حالیہ کہا گیا ہے اگر اسے حالیہ مان لیا جائے تو پھر اس پر اس جملے کا عطف ناجائز ہوگا اور اگر اسے پہلے کے حالیہ جملے پر عطف ڈالا جائے تو جو اعتراض یہ دوسرے پر وارد کر رہے تھے وہی ان پر پڑے گا ہاں اگر اس واؤ کو حالیہ نہ مانا جائے تو یہ اعتراض ہٹ سکتا ہے لیکن جو بات اور دعویٰ تھا وہ سرے سے باطل ہو جائے گا۔ واللہ اعلم۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے مراد اس سے مردار جانور ہے جو اپنی موت آپ مر گیا ہو۔ اس مذہب کی تائید ابوداود کی ایک مرسل حدیث سے بھی ہو سکتی ہے جس میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ مسلمان کا ذبیحہ حلال ہے اس نے اللہ کا نام لیا ہو یا نہ لیا ہو کیونکہ اگر وہ لیتا تو اللہ کا نام ہی لیتا۔ (۳) اس کی مضبوطی دار قطنی کی اس روایت سے ہوتی ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا جب مسلمان ذبح کرے اور اللہ کا نام نہ ذکر کرے تو کھا لیا کرو کیونکہ مسلمان اللہ کے ناموں میں سے ایک نام ہے۔ اسی مذہب کی دلیل میں وہ حدیث بھی پیش ہو سکتی ہے جو پہلے بیان ہو چکی ہے

---

(۱) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الذبائح والصید: باب ذبیحة الاعراب ونحوهم (۵۵۰۷) ابن ماجه: کتاب الضحایا: باب التسمیة عند الذبح (۳۱۷۴) ابوداؤد: کتاب الضحایا: باب ما جآء فی اکل اللحم (۲۸۲۹) بیهقی فی السنن الکبری (۲۳۹/۹)]

(۲) [سورة الانعام: آیت ۱۴۵]

(۳) [مرسل وضعیف: ابوداؤد فی المراسیل (۳۴۱) بیهقی فی السنن الکبری (۲۴۰/۹) ابن الجوزی فی التحقیق (۱۹۳۸)] علامہ عبدالحق فرماتے ہیں کہ یہ روایت مرسل وضعیف ہے۔ [الاحکام الوسطی (۱۰۴/۷)] امام ابن قطانؒ نے فرمایا ہے کہ یہ مرسل ہے۔ [بیان الوهم والایهام (۱۳۶۹/۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے مرسل ضعیف کہتے ہیں۔]

کہ نومسلموں کے ذبیحہ کے کھانے کی جس میں دونوں احتمال تھے آپ نے اجازت دی۔ تو اگر بسم اللہ کا کہنا شرط اور لازم ہوتا تو حضور ﷺ تحقیق کرنے کا حکم دیتے۔ تیسرا قول یہ ہے کہ اگر بسم اللہ کہنا بوقت ذبح بھول گیا ہے تو ذبیحہ حلال ہے اور اگر قصداً نہیں کہی تو حلال نہیں۔ ہدایہ میں لکھا ہے کہ امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے اس بات پر اجماع تھا کہ جس ذبیحہ پر عمداً بسم اللہ نہ کہی جائے وہ حرام ہے۔ اسی لیے امام ابو یوسف اور مشائخ رحمہم اللہ نے کہا ہے کہ اگر کوئی حاکم اسے بیچنے کا حکم بھی دے تو وہ حکم جاری نہیں ہوسکتا کیونکہ اجماع کا خلاف ہے۔ لیکن صاحب ہدایہ کا یہ قول محض غلط ہے۔ امام شافعی رحمہ اللہ سے پہلے بھی بہت سے ائمہ اس کے خلاف تھے۔ چنانچہ اوپر جو دوسرا مذہب بیان ہوا ہے کہ بسم اللہ پڑھنا شرط نہیں بلکہ مستحب ہے یہ امام شافعی رحمہ اللہ کا ان کے سب ساتھیوں کا اور ایک روایت میں امام احمد رحمہ اللہ کا اور امام مالک رحمہ اللہ کا اور اشہب بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا مذہب ہے اور یہی بیان کیا گیا ہے۔ حضرت ابن عباس، حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم حضرت عطا بن ابی رباح رحمہ اللہ کا اس سے اختلاف ہے۔ پھر اجماع کا دعویٰ کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے واللہ اعلم۔ امام ابو جعفر بن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے بوقت ذبح بسم اللہ بھول کر نہ کہے جانے پر بھی ذبیحہ حرام کہا ہے انہوں نے اور دلائل سے اس حدیث کی بھی مخالفت کی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مسلم کو اس کا نام ہی کافی ہے اگر وہ ذبح کے وقت اللہ کا نام ذکر کرنا بھول گیا تو اللہ کا نام لے اور کھالے۔ [1] یہ حدیث بیہقی میں ہے لیکن اس کا مرفوع روایت کرنا خطا ہے۔ اور یہ خطا معقل بن عبیداللہ جزری کی ہے۔ ہیں تو یہ صحیح مسلم کے راویوں میں سے مگر سعید بن منصور اور عبداللہ بن زبیر حمیدی اسے عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے موقوف روایت کرتے ہیں۔ بقول امام بیہقی رحمہ اللہ یہ روایت سب سے زیادہ صحیح ہے۔ شعبی اور محمد بن سیرین اس جانور کا کھانا مکروہ جانتے تھے جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو گو بھول سے ہی رہ گیا ہو۔ ظاہر ہے کہ سلف کراہیت کا اطلاق حرمت پر کرتے تھے۔ واللہ اعلم۔ ہاں یہ یاد رہے کہ امام ابن جریر رحمہ اللہ کا قاعدہ یہ ہے کہ وہ ان دو ایک قولوں کو کوئی چیز نہیں سمجھتے جو جمہور کے مخالف ہوں اور اسے اجماع شمار کرتے ہیں۔ واللہ الموفق۔ امام حسن بصری رحمہ اللہ سے ایک شخص نے مسئلہ پوچھا کہ میرے پاس بہت سے پرند ذبح شدہ آئے ہیں ان میں سے بعض کے ذبح کے وقت بسم اللہ پڑھی گئی ہے اور بعض پر بھول سے رہ گئی ہے اور یہ سب خلط ملط ہو گئے ہیں آپ نے فتویٰ دیا کہ سب کھالو۔ پھر محمد بن سیرین رحمہ اللہ سے یہی سوال ہوا تو آپ نے فرمایا جن پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا انہیں نہ کھاؤ۔ اس تیسرے مذہب کی دلیل میں یہ حدیث بھی پیش کی جاتی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میری امت کی خطا کو، بھول کو اور جس کام پر زبردستی کی جائے اس کو معاف فرما دیا ہے۔ [2] لیکن اس میں ضعف ہے۔

---

[1] [صحیح موقوف: دارقطنی (٤/٢٩٦) بیهقی فی السنن الكبرى (٩/٢٣٩) حمیدی (٩/٢٣٩)] حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا ہے کہ یہ روایت مرفوعاً ضعیف ہے۔ [التلخيص (٤/١٥١)] ایک دوسرے مقام پر فرماتے ہیں کہ یہ موقوفاً صحیح ہے۔ [فتح البارى (٩/٦٢٤)]

[2] [صحیح: ابن ماجه : كتاب الطلاق : باب طلاق المكره والناسى (٢٠٤٣)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابن ماجه ، المشكاة (٦٢٨٤)]

ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا یا رسول اللہ ﷺ بتایئے تو ہم میں سے کوئی شخص ذبح کرے اور بسم اللہ کہنا بھول جائے؟ آپ نے فرمایا اللہ کا نام ہر مسلمان کی زبان پر ہے [1] (یعنی وہ حلال ہے) لیکن اس کی اسناد ضعیف ہیں۔ مروان بن سالم ابو عبداللہ شامی اس حدیث کا راوی ہے اور ان پر بہت سے ائمہ نے جرح کی ہے۔ واللہ اعلم۔ میں نے اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب لکھی ہے اس میں تمام مذاہب اور ان کے دلائل وغیرہ تفصیل سے لکھے ہیں اور پوری بحث کی ہے۔ بظاہر دلیلوں سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ ذبح کے وقت بسم اللہ کہنا ضروری ہے۔ لیکن اگر کسی مسلمان کی زبان سے جلدی میں یا بھولے سے یا کسی اور وجہ سے نہ نکلے اور ذبح ہو گیا تو وہ حرام نہیں ہوتا' واللہ اعلم مترجم) عام اہل علم تو کہتے ہیں کہ اس آیت کا کوئی حصہ منسوخ نہیں لیکن بعض حضرات کہتے ہیں اس میں سے اہل کتاب کے ذبیحہ کا استثنا کر لیا گیا ہے اور ان کا ذبح کیا ہوا حلال جانور کھا لینا ہمارے ہاں حلال ہے۔ تو گو وہ اپنی اصطلاح میں اسے نسخ سے تعبیر کریں لیکن دراصل یہ ایک مخصوص صورت ہے پھر فرمایا کہ شیطان اپنے ولیوں کی طرف وحی کرتے ہیں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے جب کہا گیا کہ مختار گمان کرتا ہے کہ اس کے پاس وحی آتی ہے تو آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرما کر فرمایا وہ ٹھیک کہتا ہے۔ شیطان بھی اپنے دوستوں کی طرف وحی کرتے ہیں اور روایت میں ہے کہ اس وقت مختار حج کو آیا ہوا تھا۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کے اس جواب سے کہ وہ سچا ہے اس شخص کو سخت تعجب ہوا اس وقت آپ نے تفصیل بیان فرمائی کہ ایک تو اللہ کی وحی جو آنحضرت ﷺ کی طرف آئی اور ایک شیطانی وحی ہے جو شیطان کے دوستوں کی طرف آتی ہے۔ شیطانی وساوس کو لے کر لشکر شیطان اللہ والوں سے جھگڑتے ہیں۔ چنانچہ یہودیوں نے آنحضرت ﷺ سے کہا کہ یہ کیا اندھیر ہے؟ کہ ہم اپنے ہاتھ سے مارا ہوا جانور تو کھا لیں اور جسے اللہ مار دے یعنی اپنی موت آپ مر جائے اسے نہ کھائیں؟ اس پر یہ آیت اتری [2] اور بیان فرمایا کہ وجہ حلت اللہ کے نام کا ذکر ہے۔ لیکن ہے یہ قصہ غور طلب اولاً اس وجہ سے کہ یہودی از خود مرے ہوئے جانور کا کھانا حلال نہیں جانتے تھے دوسرے اس وجہ سے بھی کہ یہودی تو مدینے میں تھے اور یہ پوری سورت مکہ میں اتری ہے۔ تیسرے یہ کہ یہ حدیث ترمذی میں مروی تو ہے لیکن مرسل۔ طبرانی میں ہے کہ اس حکم کے نازل ہونے کے بعد کہ جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اسے کھا لو اور جس پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو اسے نہ کھاؤ تو اہل فارس نے قریشیوں سے کہلوا بھیجا کہ آنحضرت ﷺ سے وہ جھگڑیں اور کہیں کہ جسے تم اپنی چھری سے ذبح کرو وہ تو حلال اور جسے اللہ تعالیٰ سونے کی چھری سے خود ذبح کرے وہ حرام؟ یعنی میتہ از خود مرا ہوا جانور۔ اس پر یہ

---

[1] [ضعیف :بیھقی فی السنن الکبری (۹/ ۲۴۰) وفی معرفة السنن والآثار (۵۵۹۷/۷) دارقطنی (۲۹۵/٤) ابن عدی فی الکامل (۳۸۵/٦)] اس کی سند میں مروان بن سالم راوی ضعیف ہے۔]

[2] [صحیح :ابوداؤد: کتاب الضحایا : باب فی ذبائح اھل الکتاب (۲۸۱۹) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة الانعام (۳۰٦۹) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۸۲۹) بیھقی فی المعرفة (۵۵۹۹/۷) الضیاء فی المختارہ (۲۷۱/۱۰)] شیخ البانی ؒ فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے مگر اس میں یہودیوں کا ذکر منکر ہے۔ [صحیح ابو داود]

آیت اتری۔ پس شیاطین سے مراد فارسی ہیں اور ان کے اولیاء قریشی ہیں [1] اور بھی اس طرح کی بہت سی روایتیں کئی ایک سندوں سے مروی ہیں لیکن کسی میں بھی یہود کا ذکر نہیں۔ پس صحیح یہی ہے کیونکہ آیت مکی ہے اور یہود مدینے میں تھے اور اس لیے بھی کہ یہودی خود مردار خوار نہ تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جسے تم نے ذبح کیا یہ تو وہ ہے جس پر اللہ کا نام لیا گیا اور جو از خود مر گیا وہ وہ ہے جس پر اللہ کا نام نہیں لیا گیا۔ [2] مشرکین قریش فارسیوں سے خط و کتابت کر رہے تھے اور رومیوں کے خلاف انہیں مشورے اور امداد پہنچاتے تھے اور فارسی قریشیوں سے خط و کتابت رکھتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف انہیں اکساتے اور ان کی امداد کرتے تھے۔ اسی میں انہوں نے مشرکین کی طرف یہ اعتراض بھی بھیجا تھا اور مشرکین نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے یہی اعتراض کیا اور بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں یہ بات کھٹکی اس پر یہ آیت اتری۔ پھر فرمایا اگر تم نے ان کی تابعداری کی تو تم مشرک ہو جاؤ گے کہ تم نے اللہ کی شریعت اور فرمان قرآن کے خلاف دوسرے کی مان لی اور یہی شرک ہے کہ اللہ کے قول کے مقابل دوسرے کا قول مان لیا چنانچہ قرآن کریم میں ہے ﴿اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِّن دُونِ اللَّهِ﴾ [3] یعنی انہوں نے اپنے عالموں اور درویشوں کو الٰہ بنا لیا ہے۔ ترمذی میں ہے کہ جب حضرت عدی بن حاتم رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم انہوں نے ان کی عبادت کبھی نہیں کی تو آپ نے فرمایا انہوں نے حرام کو حلال کہا اور حلال کو حرام کہا اور انہوں نے ان کا کہنا مانا یہی عبادت ہے۔ [4]

أَوَمَن كَانَ مَيْتًا فَأَحْيَيْنَاهُ وَجَعَلْنَا لَهُ نُورًا يَمْشِي بِهِ فِي النَّاسِ كَمَن مَّثَلُهُ فِي الظُّلُمَاتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۚ كَذَٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكَافِرِينَ مَا كَانُوا يَعْمَلُونَ ﴿١٢٢﴾

کیا ایک وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور اسے ایک نور عطا فرمایا جس کے ساتھ وہ لوگوں میں چل پھر رہا ہے مثل اس شخص کے ہے؟ جس کی حالت یہ ہو کہ وہ اندھیریوں میں گھرا ہوا ہو جس سے نکل نہیں سکتا ٹھیک اسی طرح کافروں کے لیے ان کے اعمال خوبصورت کر دیئے گئے ہیں ○

---

[1] [ضعیف :تفسیر ابن جریر الطبری (١٣٨٠٨) طبرانی کبیر (١١٦١٤)] اس کی سند میں علی بن مبارک اور موسیٰ بن عبدالعزیز دو راوی ضعیف ہیں۔]

[2] [صحیح :ابو داؤد : کتاب الضحایا : باب فی ذبائح اهل الکتاب (٢٨١٨) ابن ماجه : کتاب الذبائح : باب التسمیة عند الذبح (٣١٧٣) بیهقی فی السنن الکبری (٩/٢٤١) تفسیر ابن جریر الطبری (١٢/١٣٨٢٢) تفسیر ابن ابی حاتم (٤/٧٨٤٥) مستدرك حاکم (٤/٢٣٣)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے اور امام ذہبیؒ نے ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے حسن کہتے ہیں۔ شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابو داود]

[3] [سورة التوبه: آیت ٣١]

[4] [حسن :ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة التوبه (٣٠٩٥)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ترمذی]

مومن اور کافر کی مثال: مومن اور کافر کی مثال بیان ہو رہی ہے ایک تو وہ جو پہلے مردہ تھا یعنی کفر و گمراہی کی حالت میں حیران و سرگشتہ تھا اللہ نے اسے زندہ کیا' ایمان و ہدایت بخشی اتباع رسول کا چسکا دیا قرآن جیسا نور عطا فرمایا جس کے منور احکام کی روشنی میں وہ اپنی زندگی گزارتا ہے' اسلام کی نورانیت اس کے دل میں رچ گئی ہے' دوسرا وہ جو جہالت و ضلالت کی تاریکیوں میں گھرا ہوا ہے جو ان میں سے نکلنے کی کوئی راہ نہیں پاتا کیا یہ دونوں برابر ہو سکتے ہیں؟ اسی طرح مسلم و کافر میں بھی تفاوت ہے نور و ظلمت کا فرق اور ایمان و کفر کا فرق ظاہر ہے۔ اور آیت میں ہے ﴿اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا﴾ (۱) الخ ایمانداروں کا ولی اللہ تعالیٰ ہے وہ انہیں اندھیروں سے نکال کر نور کی طرف لاتا ہے اور کافروں کے ولی طاغوت ہیں جو انہیں نور سے ہٹا کر اندھیروں میں لے جاتے ہیں یہ ابدی جہنمی ہیں اور آیت میں ہے ﴿اَفَمَنْ يَّمْشِيْ مُكِبًّا عَلٰى وَجْهِهٖ﴾ (۲) یعنی خمیدہ قامت والا ٹیڑھی راہ چلنے والا اور سیدھے قامت والا سیدھی راہ چلنے والا کیا برابر ہے؟ اور آیت میں ہے ان دونوں فرقوں کی مثال اندھے بہرے اور سنتے دیکھتے کی طرح ہے کہ دونوں میں فرق نمایاں ہے افسوس پھر بھی تم عبرت حاصل نہیں کرتے اور جگہ فرمان ہے اندھا اور بینا' اندھیرا اور روشنی' سایہ اور دھوپ' زندے اور مردے برابر نہیں۔ اللہ جسے چاہے سنا دے لیکن تو قبر والوں کو سنا نہیں سکتا تو تو صرف آگاہ کر دینے والا ہے۔ اور بھی آیتیں اس مضمون کی بہت سی ہیں۔ اس سورت کے شروع میں ظلمات اور نور کا ذکر تھا اسی مناسبت سے یہاں بھی مومن اور کافر کی یہی مثال بیان فرمائی گئی۔ بعض کہتے ہیں مراد اس سے وہ خاص معین شخص ہیں جیسے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہ یہ پہلے گمراہ تھے اللہ نے انہیں اسلامی زندگی بخشی اور انہیں نور عطا فرمایا جسے لے کر لوگوں میں چلتے پھرتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما ہیں اور ظلمات میں جو پھنسا ہوا ہے اس سے مراد ابو جہل ہے۔ صحیح یہی ہے کہ آیت عام ہے ہر مومن اور کافر کی مثال ہے۔ کافروں کی نگاہ میں ان کی اپنی جہالت و ضلالت اسی طرح آراستہ و پیراستہ کر کے دکھائی جاتی ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر ہے کہ وہ اپنی برائیوں کو ہی اچھائیاں سمجھتے ہیں۔ مسند کی ایک حدیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اندھیرے میں پیدا کر کے پھر اپنا نور ان پر ڈالا جسے اس نور کا حصہ ملا اس نے دنیا میں آ کر راہ پائی اور جو وہاں محروم رہا وہ یہاں بھی بہکا ہوا ہی رہا۔ (۳) جیسے فرمان ہے کہ اللہ اپنے بندوں کو اندھیروں سے اجالے کی طرف لے جاتا ہے اور جیسے فرمان ہے اندھا اور دیکھتا اور اندھیرا اور روشنی برابر نہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ۭ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَاۗءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ۘ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ۭ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

---

(۱) [سورة البقره: آیت ۲۵۷] (۲) [سورة الملك: آیت ۲۲]

(۳) [صحیح: مسند احمد (۲/۱۷۶)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۶۶۴۴)]

اسی طرح ہم نے ہر شہر میں وہاں کے فاسق رئیسوں کو پیدا کر دیا ہے کہ وہ وہاں فساد مچاتے رہیں' دراصل یہ اپنے ہی حق میں فتنہ انگیزیاں کر رہے ہیں لیکن ہیں بھی بے سمجھ ○ ان کے پاس جب کبھی کوئی نشانی پہنچتی ہے کہہ دیتے ہیں کہ جب تک خود ہمیں اس جیسا نہ دیا جائے جو اللہ کے نبیوں کو دیا گیا ہے' ہم ہرگز نہیں ماننے کے' اپنی پیغمبری کے لائق جگہ کا زیادہ جاننے والا اللہ ہی ہے۔ ان گنہگاروں کو ابھی ہی اللہ کے پاس کی ذلت اور بڑے بھاری عذاب ان کے فتنہ انگیزیوں کے بدلے ہوں گے ○

سرداروں کی گمراہی تباہی کی علامت: ان آیتوں میں بھی اللہ تعالیٰ اپنے نبی ﷺ کی تسکین فرماتا ہے اور ساتھ ہی کفار کو ہوشیار کرتا ہے۔ فرماتا ہے کہ جیسے آپ کی اس بستی میں روسائے کفر موجود ہیں جو دوسروں کو بھی دین برحق سے روکتے ہیں اسی طرح ہر پیغمبر کے زمانے میں اس بستی میں کفر کے ستون اور مرکز رہے ہیں لیکن آخر کار وہ غارت اور تباہ ہوتے ہیں اور نتیجہ ہمیشہ نبیوں کا ہی اچھا رہتا ہے جیسے فرمایا کہ ہر نبی کے دشمن ان کے زمانے کے گنہگار رہے اور آیت میں ہے کہ ہم جب کسی بستی کو تباہ کرنا چاہتے ہیں تو وہاں کے رئیسوں کو کچھ حکم احکام دیتے ہیں جس میں وہ کھلم کھلا ہماری نافرمانی کرتے ہیں الخ۔ پس اطاعت سے گریز کرنے پر عذابوں میں گھر جاتے ہیں۔ وہاں کے شریر لوگ اوج پر آ جاتے ہیں پھر بستی ہلاک ہوتی ہے اور قسمت کا ان مٹ لکھا سامنے آ جاتا ہے۔ چنانچہ اور آیتوں میں ہے کہ جہاں کہیں کوئی پیغمبر آیا وہاں کے رئیسوں اور بڑے لوگوں نے جھٹ سے کہہ دیا کہ ہم تمہاری رسالت کے منکر ہیں۔ مال میں اولاد میں ہم تم سے زیادہ ہیں اور ہم اسے بھی مانتے نہیں کہ ہمیں سزا ہو۔ اور آیت میں ہے کہ ہم نے جس بستی میں جس رسول کو بھیجا وہاں کے بڑے لوگوں نے جواب دیا ہم نے تو جس طریقے پر اپنے بڑوں کو پایا ہم تو اسی پر چلے چلیں گے۔ مکر سے مراد گمراہی کی طرف بلانا ہے اور اپنی چکنی چپڑی باتوں میں لوگوں کو پھنسانا ہے جیسے کہ قوم نوح کے بارے میں ہے ﴿وَمَكَرُوْا مَكْرًا كُبَّارًا﴾ [1] قیامت کے دن بھی جبکہ یہ ظالم اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے ایک دوسرے کو مورد الزام ٹھہرائیں گے چھوٹے بڑے لوگوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم تو مسلمان ہو جاتے وہ جواب دیں گے کہ ہم نے تمہیں ہدایت سے کب روکا تھا؟ تم تو خود گنہگار تھے۔ یہ کہیں گے تمہاری دن رات کی فتنہ انگیزیوں نے اور کفر و شرک کی دعوت نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ الخ مکر کے معنی حضرت سفیان رحمہ اللہ نے ہر جگہ عمل کے کئے ہیں پھر فرماتا ہے کہ ان کے مکر کا وبال انہی پر پڑے گا لیکن انہیں اس کا شعور نہیں۔ جن لوگوں کو انہوں نے بہکایا ان کا وبال بھی انہیں کے دوش پر ہوگا جیسے فرمان ہے۔ ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ [2] یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی ڈھوئیں گے۔ جن کو بے علمی کے ساتھ انہوں نے بہکایا تھا۔

جب کوئی نشان اور دلیل دیکھتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ کچھ بھی ہو جب تک اللہ کا پیغام فرشتے کی معرفت خود ہمیں نہ آئے ہم تو باور کرنے والے نہیں۔ کہا کرتے تھے کہ ہم پر فرشتے کیوں نازل نہیں ہوتے؟ اللہ ہمیں اپنا دیدار کیوں نہیں دکھاتا؟ حالانکہ رسالت کے مستحق کی اصلی جگہ تو اللہ ہی جانتا ہے۔ ان کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ

[1] [سورۃ نوح: آیت ۲۲]
[2] [سورۃ العنکبوت: آیت ۱۳]

ان دونوں بستیوں میں سے کسی بڑے رئیس پر یہ قرآن کیوں نہ اترا؟ جس کے جواب میں اللہ عزوجل نے فرمایا کیا تیرے رب کی رحمت کے تقسیم کرنے والے وہ ہیں؟ الخ پس مکے یا طائف کے کسی رئیس پر قرآن کے نازل نہ ہونے سے وہ آنحضرت ﷺ کی تحقیر کا ارادہ کرتے تھے اور یہ صرف ضد اور تکبر کی بنا پر تھا۔ جیسے فرمان ہے کہ تجھے دیکھتے ہی یہ لوگ مذاق اڑاتے ہیں اور کہہ دیتے ہیں کہ کیا یہی ہے جو تمہارے معبودوں کا ذکر کیا کرتا ہے؟ یہ لوگ ذکر رحمٰن کے منکر ہیں۔ کہا کرتے تھے کہ اچھا یہی ہیں جنہیں اللہ نے اپنا رسول بنایا؟ نتیجہ یہ ہوا کہ ان مسخروں کا مسخراپن انہیں الٹا پڑا۔ انہیں ماننا ہی پڑا تھا کہ آپ شریف النسب ہیں آپ سچے اور امین ہیں یہاں تک کہ نبوت سے پہلے قوم کی طرف سے آپ کو امین کا خطاب ملا تھا۔ ابوسفیان جیسے ان کافر قریشیوں کے سردار نے بھی دربار ہرقل میں بھی حضور ﷺ کے عالی نسب ہونے اور سچے ہونے کی شہادت دی تھی۔ [1] جس سے شاہ روم نے حضور ﷺ کی صداقت، طہارت، نبوت وغیرہ کو مان لیا تھا۔ مسند کی حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اولاد ابراہیم سے اسمٰعیل علیہ السلام کو پسند فرمایا اور اولاد اسماعیل سے بنو کنانہ کو پسند فرمایا۔ بنو کنانہ سے قریش کو قریش میں سے بنو ہاشم کو اور بنو ہاشم میں سے مجھے۔ [2] فرمان ہے کہ یکے بعد دیگرے قرنوں میں سے سب سے بہتر زمانے میں پیغمبر بنایا گیا۔ [3] ایک مرتبہ جبکہ آپ کو لوگوں کی بعض کہی ہوئی باتیں پہنچیں تو آپ منبر پر تشریف لائے اور لوگوں سے پوچھا میں کون ہوں؟ انہوں نے کہا آپ اللہ کے رسول ﷺ ہیں۔ فرمایا میں محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب ہوں اللہ تعالیٰ نے اپنی تمام مخلوق میں مجھے بہتر بنایا ہے مخلوق کو جب دو حصوں میں تقسیم کیا تو مجھے ان دونوں میں جو بہتر حصہ تھا اس میں کیا پھر قبیلوں کی تقسیم کے وقت مجھے سب سے بہتر قبیلے میں کیا پھر جب گھرداریوں میں تقسیم کیا تو مجھے سب سے اچھے گھرانے میں بنایا پس میں گھرانے کے اعتبار سے اور ذات کے اعتبار سے تم سب سے بہتر ہوں [4] صلوات اللہ وسلامہ علیہ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے ایک مرتبہ آپ سے فرمایا میں نے تمام مشرق ومغرب ٹٹول لیا لیکن آپ سے زیادہ افضل کسی کو نہیں پایا [5] (حاکم بیہقی) مسند احمد

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب بدء الوحی: باب کیف کان بدء الوحی الی رسول اللہ (۷) صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب کتب النبی الی هرقل (۱۷۷۳)]

[2] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فضل نسب النبی (۲۲۷۶) ترمذی: کتاب المناقب: باب ما جآء فی فضل النبی (۳۶۰۵) مسند احمد (۴/۱۰۷)]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المناقب: باب صفه النبی (۳۵۵۷)]

[4] [حسن لغیرہ: مسند احمد (۱/۲۱۰) بیهقی فی دلائل النبوة (۱/۱۶۹) ترمذی: کتاب المناقب: باب ما جآء فی فضل النبی (۳۶۰۸)، (۳۵۳۲)] شیخ شعیب ارناؤوط مسند احمد کی حدیث کو حسن لغیرہ کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۱۷۸۸)] جبکہ شیخ البانیؒ نے جامع ترمذی کی روایت کو ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعیفه (۳۰۷۳)]

[5] [ضعیف: بیهقی فی دلائل النبوة (۱/۱۷۶) مجمع الزوائد (۱۳۸۲۹)] اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ ربذی راوی ضعیف ہے۔]

میں ہے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں کو دیکھا اور سب سے بہتر دل حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کا پایا۔ پھر مخلوق کے دلوں پر نگاہ ڈالی تو سب سے بہتر دل والے اصحاب رسول ﷺ پائے پس حضور ﷺ کو اپنا خاص چیدہ رسول بنایا اور اصحاب کو آپ کا وزیر بنایا جو آپ کے دین کے دشمنوں کے دشمن ہیں۔ پس یہ مسلمان جس چیز کو بہتر سمجھیں وہ اللہ وحدہٗ لاشریک کے نزدیک بھی بہتر ہے اور جسے یہ برا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی بری ہے۔[1] ایک باہر کے شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کو مسجد کے دروازے سے آتا ہوا دیکھ کر مرعوب ہو کر لوگوں سے پوچھا یہ کون بزرگ ہیں؟ لوگوں نے کہا یہ رسول کریم ﷺ کے چچا کے بیٹے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہیں تو ان کے منہ سے بے ساختہ یہ آیت نکلی نبوت کی جگہ کو اللہ ہی بخوبی جانتا ہے۔ پھر فرماتا ہے کہ جو لوگ اس عظیم الشان نبی کی نبوت میں شک شبہ کر رہے ہیں اطاعت سے منہ پھیر رہے ہیں انہیں اللہ کے سامنے قیامت کے دن بڑی ذلت اٹھانی پڑے گی دنیا کے تکبر کی سزا خواری کی صورت میں انہیں ملے گی جو ان پر دائمی ہو گی۔ جیسے فرمان ہے کہ جو لوگ میری عبادت سے جی چراتے ہیں وہ ذلیل و خوار ہو کر جہنم میں جائیں گے۔ انہیں ان کے مکر کی سزا اور سخت سزا ملے گی چونکہ مکاروں کی چالیں خفیہ اور ہلکی ہوتی ہیں اس کے بدلے میں عذاب علانیہ اور سخت ہوں گے۔ یہ اللہ کا ظلم نہیں بلکہ ان کا پورا بدلہ ہے اس دن ساری چھپی عیاریاں کھل جائیں گی حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ ہر بدعہد کی رانوں کے پاس قیامت کے دن ایک جھنڈا لہراتا ہو گا اور اعلان ہوتا ہو گا کہ یہ فلاں بن فلاں کی غداری ہے[2] پس اس دنیا کی پوشیدگی اس طرح قیامت کے دن ظاہر ہو گی۔ اللہ ہمیں بچائے۔ (آمین)

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۭ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۱۲۵

جس کی ہدایت کا ارادہ اللہ کا ہوتا ہے اس کے سینے کو اسلام کے لئے کھول دیتا ہے اور جسے وہ گمراہ کرنا چاہتا ہے اس کے سینے کو اتنا بھچا ہوا اور تنگ کر دیتا ہے کہ گویا اسے آسمان پر چڑھنا پڑ رہا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ان کے دلوں پر پھٹکار اور نجاست ڈال دیتا ہے جو یقین نہیں کرتے ○

راہ ہدایت کا حصول منشائے الٰہی سے ہی: اللہ کا ارادہ جسے ہدایت کرنے کا ہوتا ہے اس پر نیکی کے راستے آسان

[1] [حسن: مسند احمد (۳۷۹/۱) طبرانی کبیر (۸۵۸۳) مستدرک حاکم (۷۸/۳) مسند بزار (۱۸۱۶/۵)] امام حاکمؒ نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔ شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۳۶۰۰)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس اور حافظ زبیر علی زئی اسے حسن کہتے ہیں۔]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجزیة: باب اثم الغادر للبرو الفاجر (۳۱۸۶) صحیح مسلم: کتاب الجهاد: باب تحریم الغدر (۱۷۳۵) ابن ماجه (۲۸۷۲) بیهقی (۱۶۰/۹) صحیح ابن حبان (۷۳۴۱)]

ہوجاتے ہیں' جیسے فرمان ہے ﴿اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ﴾ (۱) الخ یعنی اللہ ان کے سینے اسلام کی طرف کھول دیتا ہے اور انہیں اپنا نور عطا فرماتا ہے اور آیت میں فرمایا ﴿وَلٰكِنَّ اللّٰهَ حَبَّبَ اِلَيْكُمُ الْاِيْمَانَ وَزَيَّنَهٗ فِيْ قُلُوْبِكُمْ﴾ (۲) الخ' اللہ نے تمہارے دلوں میں ایمان کی محبت پیدا کر دی اور اسے تمہارے دلوں میں زینت دار بنا دیا اور کفر فسق اور نافرمانی کی تمہارے دلوں میں کراہیت ڈال دی یہی لوگ راہ یافتہ اور نیک بخت ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں اس کا دل ایمان وتوحید کی طرف کشادہ ہوجاتا ہے۔ حضور ﷺ سے سوال کیا کہ سب سے زیادہ دانا کون سا مومن ہے؟ فرمایا سب سے زیادہ موت یاد رکھنے والا اور سب سے زیادہ موت کے بعد کی زندگی کے لئے تیاریاں کرنے والا۔ حضور ﷺ سے اس آیت کی بابت سوال ہوا تو فرمایا کہ اس کے دل میں ایک نور ڈال دیا جاتا ہے جس سے اس کا سینہ کھل جاتا ہے۔ لوگوں نے اس کی نشانی دریافت کی تو فرمایا جنت کی طرف جھکنا اور اس کی جانب رغبت کامل رکھنا اور دنیا کے فریب سے بھاگنا اور الگ ہونا اور موت کے آنے سے پہلے تیاریاں کرنا (۳) ﴿ضَيِّقًا﴾ کی ایک قرات ﴿ضَيْقًا﴾ بھی ہے ﴿حَرَجًا﴾ کی دوسری قرات ﴿حَرِجًا﴾ بھی ہے یعنی گنہگار۔ یا دونوں کے ایک ہی معنی یعنی تنگ جو ہدایت کے لئے نہ کھلے اور ایمان میں جگہ نہ پائے۔ ایک مرتبہ ایک بادیہ نشین بزرگ سے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ﴿حرجه﴾ کے بارے میں دریافت فرمایا تو اس نے کہا یہ ایک درخت ہوتا ہے جس کے پاس نہ چرواہے جاتے ہیں نہ جانور نہ وحشی۔ آپ نے فرمایا سچ ہے ایسا ہی منافق کا دل ہوتا ہے کہ اس میں کوئی بھلائی جگہ پاتی ہی نہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ اسلام باوجود آسان اور کشادہ ہونے کے اسے سخت تنگ ہوتا ہے خود قرآن میں ہے ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِى الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (۴) اللہ نے تمہارے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔ لیکن منافق کا شکی دل اس نعمت سے محروم رہتا ہے اسے ﴿لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ کا اقرار ایک مصیبت معلوم ہوتی ہے جیسے کسی پر آسمان کی چڑھائی مشکل ہو۔ جیسے وہ اس کے بس کی بات نہیں اسی طرح توحید وایمان بھی اس کے قبضے سے باہر ہیں پس مردہ دل والے کبھی بھی اسلام قبول نہیں کرتے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ بے ایمانوں پر شیطان مقرر کر دیتا ہے جو انہیں بہکاتے رہتے ہیں اور خیر سے ان کے دل تنگ کرتے رہتے ہیں۔ نحوست ان پر برستی رہتی ہے اور عذاب ان پر اتر آتے ہیں۔

وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ۭ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

---

(۱) [سورة الزمر: آیت ۲۲] (۲) [سورة الحجرات: آیت ۷]

(۳) [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۳۸۵۷) عبد الرزاق فی التفسیر (۸۵۲) بیهقی فی الصفات (۲۵۷/۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجمادی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔ اس کی سند میں جعفر مدائنی راوی ضعیف ہے۔]

(۴) [سورة الحج : آیت ۷۸]

تیرے رب کی سیدھی راہ یہی ہے۔ جو لوگ غور وفکر کرتے ہیں ان کے لئے تو ہم اپنی آیتیں تفصیل وار بیان کر چکے ہیں ○
ان کے لئے ان کے رب کے ہاں امن وامان کا گھر ہے وہی ان کا کارساز ہے بہ سبب ان اعمال کے جو وہ کرتے رہے ○

قرآن ہی صراط مستقیم: گمراہوں کا طریقہ بیان فرما کر اپنے دین حق کی نسبت فرماتا ہے کہ سیدھی اور صاف راہ جو بے روک اللہ کی طرف پہنچادے یہی ہے ﴿مُسْتَقِيمًا﴾ کا نصب حالیت کی وجہ سے ہے۔ پس شرع محمدی کلام باری تعالیٰ ہی راہ راست ہے چنانچہ حدیث میں بھی قرآن کی صفت میں کہا گیا ہے کہ اللہ کی سیدھی راہ' اللہ کی مضبوط رسی اور حکمت والا ذکر یہی ہے [1] (ملاحظہ ہو ترمذی مسند وغیرہ) جنہیں اللہ کی جانب سے عقل وفہم وعمل دیا گیا ہے ان کے سامنے تو وضاحت کے ساتھ اللہ کی آیتیں آ چکیں۔

ان ایمانداروں کے لئے اللہ کے ہاں جنت ہے۔ جیسے کہ یہ سلامتی کی راہ یہاں چلے ویسے ہی قیامت کے دن سلامتی کا گھر انہیں ملے گا۔ وہی سلامتیوں کا مالک اللہ تعالیٰ ہے ان کا کارساز اور دلی دوست ہے حافظ وناصر موید ومولیٰ ان کا وہی ہے ان کے نیک اعمال کا بدلہ یہ پاک گھر ہو گا جہاں ہمیشگی ہے اور یکسر راحت واطمینان' سرور اور خوشی ہی خوشی ہے۔

وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ۚ يَٰمَعْشَرَ ٱلْجِنِّ قَدِ ٱسْتَكْثَرْتُم مِّنَ ٱلْإِنسِ ۖ وَقَالَ أَوْلِيَآؤُهُم مِّنَ ٱلْإِنسِ رَبَّنَا ٱسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ وَبَلَغْنَآ أَجَلَنَا ٱلَّذِىٓ أَجَّلْتَ لَنَا ۚ قَالَ ٱلنَّارُ مَثْوَىٰكُمْ خَٰلِدِينَ فِيهَآ إِلَّا مَا شَآءَ ٱللَّهُ ۗ إِنَّ رَبَّكَ حَكِيمٌ عَلِيمٌ ﴿١٢٨﴾

جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا' اے جنو! تم نے بنی آدم میں سے اپنی جماعت بہت بڑی کر لی تھی' ان کے دوست انسان کہیں گے کہ اے ہمارے پروردگار ہم ایک دوسرے سے فائدے اٹھاتے رہے اور جو وقت تو نے ہمارے لئے مقرر کر دیا تھا اس وعدے تک ہم پہنچ گئے' فرمائے گا تم سب کا ٹھکانا دوزخ ہے جہاں تم ہمیشہ رہو گے آگے جو اللہ کی مرضی' تیرا رب حکمت وعلم والا ہے ○

حشر کے دن جنات سے سوال: وہ دن بھی قریب ہے جبکہ اللہ تعالیٰ ان سب کو جمع کرے گا۔ جنات انسان عابد معبود سب ایک میدان میں کھڑے ہوں گے اس وقت جنات سے ارشاد ہو گا کہ تم نے انسانوں کو خوب بہکایا اور ورغلایا۔ انسانوں کو یاد دلایا جائے گا کہ میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ شیطان کی نہ ماننا وہ تمہارا دشمن ہے میری ہی عبادت کرتے رہنا یہی سیدھی راہ ہے۔ لیکن تم نے سمجھ سے کام نہ لیا اور شیطانی راگ میں آ گئے۔ اس وقت جنات کے دوست انسان جواب دیں گے کہ ہاں انہوں نے حکم دیا اور ہم نے عمل کیا دنیا میں ایک دوسرے کے ساتھ رہے اور فائدہ حاصل کرتے رہے جاہلیت کے زمانہ میں جو مسافر کہیں اترتا تو کہتا کہ اس وادی کے

---

[1] [ضعیف :مسند احمد (۱/۹۱) ترمذی : کتاب فضائل القرآن : باب ماجآء فی فضل القرآن (۲۹۰۶)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعیف ترمذی ، المشکاۃ (۲۱۳۸)] اس کی سند میں حارث اعور راوی ضعیف ہے۔]

بڑے جن کی پناہ میں میں آتا ہوں۔ انسانوں سے جنات کو بھی فائدہ پہنچتا تھا کہ وہ اپنے آپ کو انکے سردار سمجھنے لگے تھے موت کے وقت تک یہی حالت رہی اس وقت انہیں کہا جائے گا کہ اچھا اب بھی تم ساتھ ہی جہنم میں جاؤ وہیں ہمیشہ پڑے رہنا۔ یہ استثناء جو ہے وہ راجع ہے برزخ کی طرف بعض کہتے ہیں دنیا کی مدت کی طرف اس کا پورا بیان سورہ ہود کی آیت ﴿ خَالِدِيْنَ فِيْهَا مَا دَامَتِ السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ اِلَّا مَا شَآءَ رَبُّكَ ﴾ [1] الخ' کی تفسیر میں آئے گا انشاءاللہ۔ اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے کہ کوئی کسی کے لئے جنت دوزخ کا فیصلہ نہیں کر سکتا۔ سب مشیت رب پر موقوف ہے۔

وَكَذٰلِكَ نُوَلِّيْ بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًاۢ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ﴿١٢٩﴾ ع

اسی طرح ہم بعض ظالموں کو بعض کا دوست بنا دیتے ہیں بہ سبب اس کے جو وہ کرتے رہے ○

جیسا مزاج ویسا ساتھی: لوگوں کی دوستیاں اعمال پر ہوتی ہیں مومن کا دل مومن ہی سے لگتا ہے گو وہ کہیں کا ہو اور کیسا ہی ہو اور کافر کافر بھی ایک ہی ہیں گو وہ مختلف ممالک اور مختلف ذات پات کے ہوں۔ ایمان تمناؤں اور ظاہر داریوں کا نام نہیں۔ اس مطلب کے علاوہ اس آیت کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ اسی طرح یکے بعد دیگرے تمام کفار جہنم میں جھونک دیئے جائیں گے۔ مالک بن دینار کہتے ہیں میں نے زبور میں پڑھا ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے میں منافقوں سے انتقام منافقوں کے ساتھ ہی لوں گا پھر سب سے ہی انتقام لوں گا۔ اس کی تصدیق قرآن کی مندرجہ بالا آیت سے بھی ہوتی ہے کہ ہم ولی بنائیں گے بعض ظالموں کو بعض ظالموں کا یعنی ظالم جن اور ظالم انس۔ پھر آپ نے اس آیت ﴿ وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ ﴾ [2] کی تلاوت کی اور فرمایا کہ ہم سرکش جنوں کو سرکش انسانوں پر مسلط کر دینگے ایک مرفوع حدیث میں ہے جو ظالم کی مدد کرے گا اللہ اسی کو اس پر مسلط کر دے گا [3] کسی شاعر کا قول ہے:

وَمَا مِنْ يَدٍ اِلَّا يَدُ اللهِ فَوْقَهَا وَلَا ظَالِمٌ اِلَّا سَيُبْلٰى بِظَالِمٍ

یعنی ہر ہاتھ پر ہر طاقت پر اللہ کا ہاتھ اور اللہ کی طاقت بالا ہے۔ اور ہر ظالم دوسرے ظالم کے پنجے میں پھنسنے والا ہے۔ مطلب آیت کا یہ ہے کہ ہم نے جس طرح ان نقصان یافتہ انسانوں کے دوست ان بہکانے والے جنوں کو بنا دیا اسی طرح ظالموں کو بعض کو بعض کا ولی بنا دیتے ہیں اور بعض بعض سے ہلاک ہوتے ہیں اور ہم ان کے ظلم و سرکشی اور بغاوت کا بدلہ بعض سے بعض کو دلا دیتے ہیں۔

---

[1] [سورة هود: آيت ١٠٧] [2] [سورة الزخرف: آيت ٣٦]

[3] [موضوع: المقاصد الحسنة للسخاوی (١٠٦٣)] شیخ حوت، ملا علی قاری، امام زرکشی، امام سیوطی، امام شوکانی امام عجلونی اور علامہ البانی نے اسے ضعیف وموضوع قرار دیا ہے۔ [أسنى المطالب للحوت (ص: ٢٦٠) الاسرار المرفوعة للقاری (ص: ٣٢٨) التذكرة للزركشی (ص: ١١٤) الدرر المنتثرة للسيوطی (ص: ١٧) الفوائد المجموعة للشوكانی (ص: ٢١١) كشف الخفاء (٢٢٧/٢) السلسلة الضعيفة (١٩٣٧)]

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

اے جنوں اور انسانوں کے گروہ کیا تمہارے پاس خود تم میں سے ہی رسول نہیں آئے تھے؟ جو تمہارے سامنے میری آیتیں تلاوت کرتے تھے اور تمہیں اس دن کی ملاقات سے ہوشیار کر رہے تھے سب کہیں گے کہ ہاں ہم خود اپنے اوپر گواہ ہیں انہیں حیات دنیا نے دھوکے میں ڈال دیا اور اپنے کافر ہونے کی گواہی خود انہوں نے ہی دے دی○

روز قیامت جن وانس سے باز پرس: یہ اور سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ ہے جو قیامت کے دن اللہ کی طرف سے انسانوں اور جنوں کو ہوگی ان سے سوال ہوگا کہ کیا تم میں سے ہی تمہارے پاس میرے بھیجے ہوئے رسول نہیں آئے تھے۔ یہ یاد رہے کہ رسول کل کے کل انسان ہی تھے کوئی جن رسول نہیں ہوا۔ ائمہ سلف خلف کا مذہب یہی ہے جنات میں نیک لوگ اور جنوں کو نیکی کی تعلیم کرتے تھے۔ بدی سے روکتے تھے۔ رسول صرف انسانوں میں سے ہی آتے رہے۔ ضحاک بن مزاحم سے ایک روایت مروی ہے کہ جنات میں بھی رسول ہوتے ہیں اور ان کی دلیل ایک تو یہ آیت ہے سو یہ تو کوئی دلیل نہیں اس لئے کہ اس میں صراحت نہیں اور یہ آیت تو بالکل ویسی ہی ہے جیسے ﴿مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ﴾ الخ، سے ﴿يَخْرُجُ مِنْهُمَا اللُّؤْلُؤُ وَالْمَرْجَانُ﴾ [1] الخ، تک کی آیتیں صاف ظاہر ہے کہ موتی مرجان صرف کھاری پانی کے سمندروں میں نکلتے ہیں میٹھے پانی سے نہیں نکلتے۔ لیکن ان آیتوں میں دونوں قسم کے سمندروں میں سے موتیوں کا نکلنا پایا جاتا ہے کہ ان کی جنس میں سے نہیں نکلتے لیکن ان آیتوں میں دونوں قسم کے سمندروں میں سے موتیوں کا نکلنا پایا جاتا ہے کہ ان کی جنس میں سے مراد یہی ہے۔ اسی طرح اس آیت میں مراد جنوں انسانوں کی جنس میں سے ہے نہ کہ ان دونوں میں سے ہر ایک میں سے اور رسولوں کے صرف انسان ہی ہونے کی دلیل ﴿اِنَّآ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ﴾ سے ﴿بَعْدَ الرُّسُلِ﴾ [2] تک کی آیتیں اور ﴿وَجَعَلْنَا فِيْ ذُرِّيَّتِهِ النُّبُوَّةَ وَالْكِتٰبَ﴾ [3] پس ثابت ہوتا ہے کہ خلیل اللہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد نبوت کا انحصار آپ ہی کی اولاد میں رہا۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس انوکھی بات کا قائل ایک بھی نہیں کہ آپ سے پہلے نبی جن ہوتے تھے اور پھر ان میں سے نبوت چھین لی گئی۔ اور آیت اس سے بھی صاف ہے فرمان ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا قَبْلَكَ مِنَ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّآ اِنَّهُمْ لَيَاْكُلُوْنَ الطَّعَامَ وَيَمْشُوْنَ فِي الْاَسْوَاقِ﴾ [4] یعنی تجھ سے پہلے جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کھانا کھاتے تھے اور بازاروں میں آتے جاتے تھے اور آیت میں ہے اور اس نے یہ مسئلہ بالکل صاف کر دیا ہے فرماتا ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْٓ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ

---

[1] [سورۃ الرحمٰن: آیت ۱۹-۲۲]
[2] [سورۃ النسآء: آیت ۱۶۲-۱۶۵]
[3] [سورۃ العنکبوت: آیت ۲۷]
[4] [سورۃ الفرقان: آیت ۲۰]

﴿الْقُرٰی﴾ [1] یعنی تجھ سے پہلے ہم نے مردوں کو ہی بھیجا ہے جو شہروں کے ہی تھے جن کی طرف ہم نے اپنی وحی نازل فرمائی تھی۔ چنانچہ جنات کا یہی قول قرآن میں موجود ہے ﴿وَاِذْ صَرَفْنَآ اِلَيْكَ نَفَرًا مِّنَ الْجِنِّ﴾ [2] الخ، جبکہ ہم نے جنوں کی ایک جماعت کو تیری طرف پھیرا جو قرآن سنتے رہے جب سن چکے تو واپس اپنی قوم کے پاس گئے اور انہیں آگاہ کرتے ہوئے کہنے لگے کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کے بعد کی نازل شدہ کتاب سنی جو اپنے سے پہلے کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے اور راہ حق دکھاتی ہے اور صراط مستقیم کی رہبری کرتی ہے۔ پس تم اللہ کی طرف دعوت دینے والے کی مانو اور اس پر ایمان لاؤ تاکہ تمہارے گناہوں کو بخشے اور تمہیں المناک عذابوں سے بچائے اللہ کی طرف سے جو پکارنے والا ہے اس کی نہ ماننے والے اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے نہ اس کے سوا اپنا کوئی اور کارساز اور والی پا سکتے ہیں بلکہ ایسے لوگ کھلی گمراہی میں ہیں ترمذی وغیرہ کی حدیث میں ہے کہ اس موقعہ پر جنات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سورہ الرحمٰن پڑھ کر سنائی تھی [3] جس میں ایک آیت ﴿سَنَفْرُغُ لَكُمْ اَيُّهَ الثَّقَلٰنِ﴾ [4] الخ، ہے یعنی اے جنو انسانو ہم صرف تمہاری ہی طرف تمام تر توجہ کرنے کے لئے عنقریب فارغ ہوں گے۔ پھر تم اپنے رب کی کس نعمت کو جھٹلا رہے ہو؟ الغرض انسانوں اور جنوں کو اس آیت میں نبیوں کے ان میں سے بھیجنے میں بطور خطاب کے شامل کرلیا ہے ورنہ رسول سب انسان ہی ہوتے ہیں۔ نبیوں کا کام یہی رہا کہ وہ اللہ کی آیتیں سنائیں اور قیامت کے دن سے ڈرائیں اس سوال کے جواب میں سب کہیں گے کہ ہاں ہمیں اقرار ہے تیرے رسول ہمارے پاس آئے اور تیرا کلام بھی پہنچایا اور اس دن سے بھی متنبہ کر دیا تھا۔ پھر جناب باری فرماتا ہے انہوں نے دنیا کی زندگی دھوکے میں گذاری رسولوں کو جھٹلاتے رہے۔ معجزوں کی مخالفت کرتے رہے دنیا کی آرائش پر جان دیتے رہ گئے۔ شہوت پرستی میں پڑے رہے قیامت کے دن اپنی زبانوں سے اپنے کفر کا اقرار کریں گے کہ ہاں بیشک ہم نے نبیوں کی نہیں مانی۔ صلوات اللہ وسلامہ علیہم

ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾

یہ اس لئے کہ تیرا رب ظلم کے ساتھ کسی بستی کو اس حال میں کہ وہ غافل ہوں ہلاک کرنے والا نہیں ○ ہر شخص کے لئے اس کے اعمال کے بدلے کے درجے ہیں، تیرا رب ان کے اعمال سے غافل نہیں ○

اللہ ظالم نہیں: جن اور انسانوں کی طرف رسول بھیج کر، کتابیں اتار کر ان کے عذر ختم کر دیئے اس لئے کہ یہ اللہ کا اصول نہیں کہ وہ کسی بستی کے لوگوں کو اپنی منشا معلوم کرائے بغیر چپ چاپ اپنے عذابوں میں جکڑ لے اور اپنا پیغام

---

[1] [سورۃ یوسف: آیت ۱۰۹] [2] [سورۃ الاحقاف: آیت ۲۹،۳۲]

[3] [حسن ترمذی: كتاب تفسير القرآن: باب ومن سورة الرحمن (۳۲۱۹)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحيح ترمذی، السلسلة الصحيحة (۲۱۵۰)]

[4] [سورۃ الرحمن: آیت ۳۱-۳۲]

پہنچائے بلاوجہ ظلم کے ساتھ ہلاک کردے۔ فرماتا ہے ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ (1) یعنی کوئی بستی ایسی نہیں جہاں کوئی آگاہ کرنے والا نہ آیا ہو اور آیت میں ہے ہم نے ہر امت میں رسول بھیجا کہ اے لوگو اللہ ہی کی عبادت کرو اور اس کے سوا ہر ایک کی عبادت سے بچو اور جگہ ہے ہم رسولوں کو بھیجنے سے پہلے عذاب نہیں کرتے۔ سورہ تبارک میں ہے جب جہنم میں کوئی جماعت جائے گی تو وہاں کے داروغے ان سے کہیں گے کہ کیا تمہارے پاس آگاہ کرنے والے نہیں آئے تھے؟ وہ کہیں گے آئے تھے۔ اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں اس آیت کے پہلے جملے کے ایک معنی امام ابن جریر رحمہ اللہ نے اور بھی بیان کئے ہیں اور فی الواقع وہ معنی بہت درست ہیں امام صاحب نے بھی اسی کو ترجیح دی ہے یعنی یہ کہ کسی بستی والوں کے ظلم اور گناہوں کی وجہ سے اللہ تعالیٰ انہیں اسی وقت ہلاک نہیں کرتا جب تک نبیوں کو بھیج کر انہیں غفلت سے بیدار نہ کردے۔

ہر عامل اپنے عمل کے بدلے کا مستحق ہے۔ نیک نیکی کا اور بد بدی کا۔ خواہ انسان ہو خواہ جن ہو بدکاروں کے جہنم میں درجے ان کی بدکاری کے مطابق مقرر ہیں جو لوگ خود بھی کفر کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اللہ کی راہ سے روکتے ہیں انہیں عذاب ہوں گے اور ان کے فساد کا بدلہ ملے گا ہر عامل کا عمل اللہ پر روشن ہے تا کہ قیامت کے دن ہر شخص کو اس کے کئے ہوئے کا بدلہ مل جائے۔

وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ۚ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ (133) اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ (134) قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ۭ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ (135)

تیرا رب بے نیاز اور رحمت والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کردے اور تمہارے بعد جسے چاہے تمہارا جانشین بنادے جیسے کہ اس نے تمہیں دوسری قوموں کی نسل سے پیدا کیا ہے۔ جو کچھ وعدے تمہیں دیے جارہے ہیں وہ قطعاً آنے والے ہیں تم اللہ کو کسی بات پر عاجز نہیں کرسکتے ○ کہہ دے کہ اے لوگو تم سب اپنی جگہ عمل کئے جاؤ میں بھی عمل کرنے والا ہوں، تمہیں ابھی معلوم ہوجائے گا کہ دار آخرت میں نیک انجام کس کا ہوتا ہے؟ اس میں کچھ شک نہیں کہ بے انصاف کسی طرح فلاح پانے والے نہیں ○

پروردگار رحیم و بے نیاز ہے: اللہ تعالیٰ اپنی تمام مخلوق سے بے نیاز ہے، اسے کسی کی کوئی حاجت نہیں۔ اسے کسی سے کوئی فائدہ نہیں وہ کسی کا محتاج نہیں۔ ساری مخلوق اپنے ہر حال میں اس کی محتاج ہے۔ وہ بڑی ہی رافت و رحمت والا ہے رحم و کرم اس کی خاص صفتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ﴾ (2) اللہ اپنے بندوں کے ساتھ مہربانی اور لطف سے پیش آنے والا ہے تم جو اس کی مخالفت کر رہے ہو تو یاد رکھو کہ اگر وہ

(1) [سورۃ فاطر: آیت ۲۴] (2) [سورۃ الحج: آیت ٦٥]

چاہے تو تمہیں ایک آن میں غارت کر سکتا ہے اور تمہارے بعد ایسے لوگوں کو بسا سکتا ہے جو اس کی اطاعت کریں یہ اس کی قدرت میں ہے تم دیکھ لو اس نے آخر اوروں کے قائم مقام تمہیں بھی کیا ہے ایک قرن کے بعد دوسرا قرن وہی لاتا ہے۔ ایک کو مار ڈالتا ہے دوسرے کو پیدا کر دیتا ہے لانے لے جانے پر اسے مکمل قدرت ہے جیسے فرمان ہے اگر وہ چاہے تو اے لوگو تم سب کو فنا کر دے اور دوسروں کو لے آئے وہ اس پر قادر ہے فرمان ہے ﴿یَـٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ﴾ [1] لوگو تم سب کے سب اللہ کے محتاج ہو اور اللہ بے نیاز اور تعریفوں والا ہے۔ اگر وہ چاہے تو تم سب کو فنا کر دے اور نئی مخلوق لے آئے اللہ کے لئے یہ انوکھی بات نہیں۔ اور فرمان ہے ﴿وَاللّٰهُ الْغَنِیُّ وَاَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ﴾ [2] اللہ غنی ہے اور تم سب فقیر ہو۔ فرماتا ہے اگر تم نافرمان ہو گئے تو وہ تمہیں بدل کر اور قوم لائے گا جو تم جیسے نہ ہوں گے۔ ذریت سے مراد اصل و نسل ہے۔

اے نبی (ﷺ)! آپ ان سے کہہ دیجئے کہ قیامت جنت دوزخ وغیرہ کے جو وعدے تم سے کئے جا رہے ہیں وہ یقیناً سچے ہیں اور یہ سب کچھ ہونے والا ہے تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے وہ تمہارے اعادے پر قادر ہے۔ تم گل سڑ کر مٹی ہو جاؤ گے پھر وہ تمہیں نئی پیدائش میں پیدا کرے گا اس پر کوئی عمل مشکل نہیں حضور ﷺ فرماتے ہیں اے بنی آدم تم میں عقل ہے تو اپنے آپ کو مردوں میں شمار کرو اللہ کی فرمائی ہوئی سب باتیں بہ یقین ہونے والی ہیں کوئی نہیں جو اللہ کے ارادے میں اسے ناکام کر دے۔ [3] اس کی چاہت کو نہ ہونے دے۔ لوگو تم اپنی کرنی کئے جاؤ میں اپنے طریقے پر قائم ہوں ابھی ابھی معلوم ہو جائے گا کہ ہدایت پر کون تھا؟ اور ضلالت پر کون تھا؟ کون نیک انجام ہوتا ہے اور کون گھٹنوں میں سر ڈال کر روتا ہے۔ جیسے فرمایا بے ایمانوں سے کہہ دو کہ تم اپنے شغل میں رہو میں بھی اپنے کام میں لگا ہوا ہوں۔ تم منتظر رہو ہم بھی انتظار میں ہیں معلوم ہو جائے گا کہ انجام کے لحاظ سے کون اچھا رہا؟ یاد رکھو اللہ نے جو وعدے اپنے رسول سے کئے ہیں سب اٹل ہیں۔ چنانچہ دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ نبی جس کا چپہ چپہ مخالف تھا جس کا نام لینا دوبھر تھا جو یکہ و تنہا تھا جو وطن سے نکال دیا گیا تھا جس کی دشمنی ایک ایک کرتا تھا اللہ نے اسے غلبہ دیا لاکھوں دلوں پر اس کی حکومت ہو گئی اس کی زندگی میں ہی تمام جزیرہ عرب کا وہ تنہا مالک بن گیا یمن اور بحرین پر بھی اس کے سامنے اس کا جھنڈا الہرانے لگا پھر اس کے جانشینوں نے دنیا کو کھنگال ڈالا بڑی بڑی سلطنتوں کے منہ پھیر دیئے' جہاں گئے غلبہ پایا جدھر رخ کیا' فتح حاصل کی' یہی اللہ کا وعدہ تھا کہ میں اور میرے رسول غالب آئیں گے۔ مجھ سے زیادہ قوت و عزت کسی کی نہیں۔ فرما دیا تھا کہ ہم اپنے رسولوں کی اور ایمانداروں کی مدد فرمائیں گے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی الخ۔ رسولوں کی طرف اس نے وحی بھیجی تھی کہ ہم ظالموں کو تہ و بالا کر دیں گے اور ان کے بعد زمینوں کے سرتاج تمہیں بنا دیں گے کیونکہ تم مجھ سے اور میرے عذابوں سے ڈرنے

---

[1] [سورۃ فاطر: آیت ۱۵۔۱۷] [2] [سورۃ محمد: آیت ۳۸]

[3] [ضعیف: تفسیر ابن ابی حاتم (۷۹۰۷/۴) بیہقی فی شعب الایمان (۱۰۵۶۴) حلیۃ الاولیاء (۹۱/۶) الاصبہانی فی الترغیب (۱۷۴) ابن عساکر فی تاریخ دمشق (۶۹۴/۲)] اس کی سند میں ابوبکر بن ابی مریم راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس روایت کو ضعیف کہا ہے۔]

والے ہو۔ وہ پہلے ہی فرما چکا تھا کہ تم میں سے ایمانداروں اور نیک کاروں کو میں زمین کا سلطان بنا دوں گا جیسے کہ پہلے سے یہ دستور چلا آ رہا ہے ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ان کے دین میں مضبوطی اور کشائش دے گا جس کے دین سے وہ خوش ہے اور ان کے خوف کو امن سے بدل دے گا کہ وہ میری عبادت کریں اور میرے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائیں الخ۔ الحمدللہ اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اپنا یہ وعدہ پورا فرمایا۔ ﴿فَلِلّٰهِ الْحَمْدُ وَالْمِنَّةُ اَوَّلاً وَّاٰخِراً وَّظَاهِرًا وَّبَاطِنًا﴾

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ
وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ
يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ۗ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾

اللہ تعالیٰ نے جو کھیتی اور چوپائے پیدا کئے ہیں اس میں سے کچھ حصہ تو وہ اللہ کا مقرر کرتے ہیں اور کہتے ہیں یہ تو اللہ کا ہے اپنے گمان سے اور یہ ہمارے شریکوں کا ہے' پھر جو ان کے شریکوں کا ہوتا ہے وہ تو اللہ کو نہیں پہنچتا' اور جو حصہ اللہ کا ہوتا ہے وہ ان کے بنائے ہوئے شریکوں کو پہنچ سکتا ہے کیا ہی برے فیصلے کرتے ہیں ○

کفر و شرک پر مشتمل بدعت: مشرکین کی ایک نو ایجاد بدعت جو کفر و شرک کا ایک طریقہ تھی بیان ہو رہی ہے کہ ہر چیز پیدا کی ہوئی تو ہماری ہے پھر یہ اس میں سے نذرانہ کا کچھ حصہ ہمارے نام ٹھہراتے ہیں اور کچھ اپنے گھڑے ہوئے معبودوں کا جنہیں وہ ہمارا شریک بنائے ہوئے ہیں' اسی کے ساتھ ہی یہ بھی کرتے تھے کہ اللہ کے نام کا ٹھہرایا ہوا نذرانہ بتوں کے نام والے میں مل گیا وہ تو بتوں کا ہو گیا لیکن اگر بتوں کے لئے ٹھہرائے ہوئے میں سے کچھ اللہ والے میں مل گیا تو اسے جھٹ سے نکال لیتے ہیں' کوئی ذبیحہ اگر اللہ کے نام کا کریں بھی تو اس پر اپنے معبودان باطل کا نام لیتے ہیں اور اگر کوئی ذبیحہ اپنے معبودوں کے نام کا کریں تو بھول کر بھی اس پر اللہ کا نام نہیں لیتے یہ کیسی بری تقسیم کرتے ہیں۔ اولاً تو یہ تقسیم ہی جہالت کی علامت ہے کہ سب چیزیں اللہ کی پیدا کی ہوئیں اسی کی ملکیت کی پھر ان میں سے دوسرے کے نام کی کسی چیز کو نذر کرنے والے یہ کون؟ جو اللہ لاشریک ہے انہیں اس کے شریک ٹھہرانے کا کیا مقصد؟ پھر اس ظلم کو دیکھو اللہ کے حصے میں سے تو بتوں کو پہنچ جائے اور بتوں کا حصہ ہرگز اللہ کو نہ پہنچ سکے یہ کیسے بدترین اصول ہیں۔ ایسی ہی غلطی یہ بھی تھی کہ اللہ کے لئے لڑکیاں اور اپنے لئے لڑکے اور اس کے بندوں کو اس کا جز ٹھہرا کر اپنے اوپر کفر اوڑھتے تھے اتنا نہیں سوچتے تھے کہ یہ کیسے ممکن ہے کہ لڑکے تو تمہارے ہوں اور جن لڑکیوں سے تم بیزار ہو وہ اللہ کی ہوں۔ کیسی بری تقسیم ہے۔

وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا
عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ۖ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

اسی طرح اکثر مشرکوں کے لئے ان کے معبودوں نے اپنی اولادوں کو مار ڈالنا بھی بھلا کر دکھایا ہے تا کہ انہیں برباد کر دیں اور

ان کے دین کو ان پر خلط ملط کر دیں اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے پس تو انہیں اور ان کی افتراء پردازیوں کو چھوڑ دے ○

شیطان کی گمراہیاں: جیسے کہ شیطانوں نے انہیں راہ پر لگا دیا ہے کہ وہ اللہ کے لئے خیرات کریں تو اپنے بزرگوں کے نام کا بھی حصہ نکالیں اسی طرح انہیں شیطان نے اس راہ پر بھی لگا رکھا ہے کہ وہ اپنی اولادوں کو بے وجہ قتل کر دیں۔ کوئی اس وجہ سے کہ ہم اسے کھلائیں گے کہاں سے؟ کوئی اس وجہ سے کہ ان بیٹیوں کی بنا پر ہم کسی کے خسر بنیں گے وغیرہ۔ اس شیطانی حرکت کا نتیجہ ہلاکت اور دین کی الجھن ہے۔ یہاں تک کہ یہ بدترین طریقہ ان میں پھیل گیا تھا کہ لڑکی کے ہونے کی خبر ان کے چہرے سیاہ کر دیتی تھی ان کے منہ سے یہ نکلتا نہ تھا کہ میرے ہاں لڑکی ہوئی۔ قرآن نے فرمایا کہ ان بے گناہ زندہ در گور کی ہوئی بچیوں سے قیامت کے دن سوال ہوگا کہ وہ کس گناہ پر قتل کر دی گئیں پس یہ سب وسوسے شیطانی تھے۔ لیکن یہ یاد رہے کہ رب کا ارادہ اور اختیار اس سے الگ نہ تھا اگر وہ چاہتا تو مشرک ایسا نہ کر سکتے۔ لیکن اس میں بھی اس کی حکمت ہے۔ اس سے کوئی باز پرس نہیں کر سکتا اور اس کی باز پرس سے کوئی بچ نہیں سکتا۔ پس اے نبی ﷺ تو ان سے اور ان کی اس افترا پردازی سے علیحدگی اختیار کر لو اللہ خود ان سے نمٹ لے گا۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ۭ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾

کہتے ہیں کہ یہ چوپائے اور یہ کھیتی اچھوتی ہے جسے صرف وہی کھا سکتے ہیں جنہیں ہم چاہیں یہ سب ان کی اٹکل سے ہے اور کچھ مویشی ایسے بھی ہیں جن کی سواری لینا حرام کر دیا گیا ہے اور کچھ چوپائے ایسے بھی ہیں جن پر نام اللہ یہ لوگ نہیں لیتے صرف اللہ پر افترا پردازی کر کے ان کی افترا پردازیوں کی سزا اللہ عنقریب دے گا ○

شرکیہ اُمور شیطانی طریقے: حجر کے معنی احرام کے ہیں۔ یہ طریقے شیطانی تھے کوئی اللہ کا مقرر کردہ راستہ نہ تھا۔ اپنے معبودوں کے نام یہ چیزیں کر دیتے تھے۔ پھر جسے چاہتے کھلاتے۔ جیسے فرمان ہے ﴿قُلْ اَرَاَيْتُمْ مَّآ اَنْزَلَ اللّٰهُ لَكُمْ﴾ [1] الخ، یعنی بتلاؤ تو یہ اللہ کے دیئے رزق میں سے تم جو اپنے طور پر حلال حرام مقرر کر لیتے ہو اس کا حکم تمہیں اللہ نے دیا ہے یا تم نے خود ہی اللہ پر تراش لیا ہے؟ دوسری آیت میں صاف فرمایا ﴿مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ﴾ [2] الخ، یہ کافروں کی نادانی، افترا اور جھوٹ ہے۔ بحیرۂ سائبہ اور حام نام رکھ کر ان جانوروں کو اپنے معبودان باطل کے نام پر داغ دیتے تھے پھر ان سے سواری نہیں لیتے تھے۔ جب ان کے بچے ہوتے تھے تو انہیں ذبح کرتے تھے حج کے لئے بھی ان جانوروں پر سواری کرنا حرام جانتے تھے۔ نہ کسی کام میں ان کو لگاتے تھے نہ ان کا دودھ نکالتے تھے پھر ان کاموں کو شرعی کام قرار دیتے تھے اور اللہ کا فرمان جانتے تھے اللہ انہیں ان کے اس

[1] [سورۃ یونس: آیت ۵۹] [2] [سورۃ المائدہ: آیت ۱۰۳]

کرتوت کا اور بہتان بازی کا بدلہ دے گا۔

وَقَالُوْا مَا فِیْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰۤى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾

کہا کرتے تھے کہ ان چوپایوں کے پیٹ میں جو ہے وہ صرف ہمارے مردوں کے لئے ہی ہے اور ہماری عورتوں پر وہ حرام ہے' ہاں اگر وہ مرا ہوا نکلے تو اس میں وہ سب شریک ہیں' ان کی اس غلط بیانی کی سزا انہیں ہو گی' اللہ تعالیٰ حکمت و علم والا ہے ○

شرکیہ نذر و نیاز: ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں جاہلیت میں یہ بھی رواج تھا کہ جن چوپایوں کو وہ اپنے معبودان باطل کے نام کر دیتے تھے ان کا دودھ صرف مرد پیتے تھے جب انہیں بچہ ہوتا اگر نر ہوتا تو صرف مرد ہی کھاتے اگر مادہ ہوتا تو اسے ذبح ہی نہ کرتے اور اگر پیٹ ہی سے مردہ نکلتا تو مرد عورت سب کھاتے اللہ نے اس فعل سے بھی روکا۔ شعبی رحمہ اللہ کا قول ہے کہ بحیرہ کا دودھ صرف مرد پیتے اگر وہ مر جاتا تو گوشت مرد عورت سب کھاتے۔ ان کی ان جھوٹی باتوں کا بدلہ اللہ انہیں دے گا کیونکہ یہ سب ان کا جھوٹ اللہ پر باندھا ہوا تھا' فلاح و نجات اسی لئے ان سے دور کر دی گئی تھی۔ یہ اپنی مرضی سے کسی کو حلال کسی کو حرام کر لیتے تھے پھر اسے رب کی طرف منسوب کر دیتے تھے اللہ جیسے حکیم کا کوئی فعل کوئی قول کوئی شرع کوئی تقدیر بے حکمت نہیں ہوتی وہ اپنے بندوں کی خیر و شر سے دانا ہے اور انہیں بدلے دینے والا ہے۔

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْۤا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

بیشک وہ لوگ بڑے ہی گھاٹے میں ہیں جو جہالت سے اپنی اولادوں کو مار ڈالتے ہیں اور اللہ کی دی ہوئی روزی کو اللہ پر جھوٹ افترا باندھ کر حرام کر لیتے ہیں' یقیناً یہ لوگ بہک گئے اور سیدھے راستے پر آنے والے بھی نہیں ○

اولاد کو قتل کرنے والے خسارے میں: اولادوں کے قاتل اللہ کے حلال کو حرام کرنے والے دونوں جہان کی بربادی اپنے اوپر لینے والے۔ دنیا کا گھاٹا تو ظاہر ہے ان کے یہ دونوں کام خود انہیں نقصان پہنچانے والے ہیں بے اولاد یہ ہو جائیں گے مال کا ایک حصہ ان کا تباہ ہو جائے گا۔ رہا آخرت کا نقصان سو چونکہ یہ مفتری ہیں' کذاب ہیں' وہاں کی بدترین جگہ انہیں ملے گی' عذابوں کے سزاوار یہ ہوں گے جیسے فرمان ہے کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے والے نجات سے محروم کامیابی سے دور ہیں یہ دنیا میں گو کچھ فائدہ اٹھالیں لیکن آخر تو ہمارے بس میں آئیں گے پھر تو ہم انہیں سخت تر عذاب چکھائیں گے کیونکہ یہ کافر تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اگر تو اسلام سے پہلے کے عربوں کی بد خصلتی معلوم کرنا چاہے تو سورہ انعام کی ایک سو تیس آیات کے بعد ﴿قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ﴾ الخ' والی آیت پڑھو۔ [1] [بخاری کتاب مناقب قریش]

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب المناقب: باب قصه زمزم و جهل العرب (۳۵۲۴)]

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖؗ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

اسی نے باغات پیدا کئے ہیں وہ بھی جو ٹٹیوں پر چڑھائے جاتے ہیں اور وہ بھی جو ٹٹیوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور کھجور کے درخت اور کھیتی جدا جدا ذائقہ کی چیزیں' اور زیتون اور انار یکساں بھی اور جدا گانہ بھی' ان کے میوے دار ہونے کے بعد تم ان کا میوہ کھاؤ اور اس کی زکوٰۃ اس کے کاٹنے کے دن ہی ادا کیا کرو اور بے جانہ اڑاؤ' فضول خرچ لوگوں کو اللہ تعالیٰ پسند نہیں فرماتا ○ اسی نے چوپائے پیدا کئے بعض تو بوجھ لادنے والے اور بعض چھوٹے قد کے' اللہ کی دی ہوئی روزی کھاؤ اور شیطان کے قدموں پر نہ چلو کیونکہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے ○

عشر کے مسائل: خالق کل اللہ تعالیٰ ہی ہے کھیتیاں پھل چوپائے سب اسی کے پیدا کئے ہوئے ہیں کافروں کو کوئی حق نہیں کہ حرام حلال کی تقسیم از خود کریں۔ درخت بعض تو بیل والے ہیں جیسے انگور وغیرہ کہ وہ محفوظ ہوتے ہیں بعض کھڑے درخت ہیں جو جنگلوں اور پہاڑوں پر کھڑے ہوئے ہیں۔ دیکھنے میں ایک دوسرے سے ملتے جلتے مگر پھلوں کے ذائقے کے لحاظ سے الگ الگ۔ انگور کھجور یہ درخت تمہیں دیتے ہیں کہ تم کھاؤ مزہ اٹھاؤ لطف پاؤ۔ اس کا حق اس کے کٹنے اور ناپ تول ہونے کے دن ہی دو یعنی فرض زکوٰۃ جو اس میں مقرر ہو وہ ادا کر دو۔ پہلے لوگ کچھ نہیں دیتے تھے شریعت نے دسواں حصہ مقرر کیا اور ویسے بھی مسکینوں اور بھوکوں کا خیال رکھنا۔ چنانچہ مسند احمد کی حدیث میں ہے کہ حضور نے فرمان صادر فرمایا تھا کہ جس کی کھجوریں دس وسق سے زیادہ ہوں وہ چند خوشے مسجد میں لا کر لٹکا دے تا کہ مسکین کھالیں۔ [1] یہ بھی مراد ہے کہ زکوٰۃ کے سوا اور کچھ سلوک بھی اپنی کھیتیوں باڑیوں اور باغات کے پھلوں سے اللہ کے بندوں کے ساتھ کرتے رہو۔ مثلاً پھل توڑنے اور کھیت کاٹنے کے وقت عموماً مفلس لوگ پہنچ جایا کرتے ہیں انہیں کچھ دے دیا کرو۔ بالیں پک گئی ہوں' پھل گدرا گئے ہوں اور کوئی محتاج شخص نکل آئے تو خاطر تواضع کرو۔ جس روز کاٹو کچھ چھوڑ دو تا کہ مسکینوں کے کام آئے۔ ان کے جانوروں کا چارہ ہو۔ زکوٰۃ سے پہلے بھی حقداروں کو کچھ دیتے رہا کرو۔ پہلے تو یہ بطور وجوب تھا لیکن زکوٰۃ کی فرضیت کے بعد بطور نفل رہ گیا

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۳/۳۶۰) ابو داؤد: کتاب الزکاۃ: باب فی حقوق المال (۱۶۶۲) مسند ابویعلی (۲۰۳۸) طحاوی فی معانی الآثار (۳۰/٤) بیهقی فی السنن الکبری (۳۱۱/٥) مجمع الزوائد (۱۰٦/٤) صحیح ابن خزیمة (۲٤٦۹)] امام ابن خزیمہؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابو داود (۱٤٦٥)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے حسن کہا ہے۔ [مسند احمد محقق (۱٤۸٦۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

زکوٰۃ اس میں عشر یا نصف عشر مقرر کر دی گئی لیکن اس سے فسخ نہ سمجھا جائے۔ پہلے کچھ دینا ہوتا تھا پھر مقدار کر دی گئی زکوٰۃ کی مقدار سنہ۲ ہجری میں مقرر ہوئی۔ واللہ اعلم۔ کھیتی کاٹتے وقت اور پھل اتارتے وقت صدقہ نہ دینے والوں کی اللہ تعالیٰ نے مذمت بیان فرمائی، سورہ قلم میں ان کا قصہ بیان فرمایا کہ ان باغ والوں نے قسمیں کھا کر کہا صبح ہوتے ہی آج کے پھل ہم اتار لیں گے اس پر انہوں نے انشاء اللہ بھی نہ کہا۔ یہ ابھی رات کو بے خبری کی نیند میں ہی تھے وہاں آفت ناگہانی آ گئی اور سارا باغ ایسا ہو گیا پھل گویا توڑ لیا گیا ہے بلکہ جلا کر خاکستر کر دیا گیا ہے یہ صبح کو اٹھ کر ایک دوسرے کو جگا کر پوشیدہ طور سے چپ چاپ چلے کہ ایسا نہ ہو حسب عادت فقیر مسکین جمع ہو جائیں اور انہیں کچھ دینا پڑے یہ اپنے دلوں میں یہی سوچتے ہوئے کہ ابھی ابھی پھل توڑ لائیں گے بڑے اہتمام کے ساتھ صبح سویرے وہاں پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ سارا باغ تو وہ خاک بنا ہوا ہے اوّلاً تو کہنے لگے بھئی ہم راستہ بھول گئے کسی اور جگہ آ گئے ہمارا باغ تو شام تک لہلہا رہا تھا پھر کہنے لگے نہیں باغ تو یہی ہے ہماری قسمت پھوٹ گئی ہم محروم ہو گئے۔ اس وقت ان میں سے جو باخبر شخص تھا کہنے لگا دیکھو میں تم سے نہ کہتا تھا کہ اللہ کا شکر کرو اس کی پاکیزگی بیان کرو۔ اب تو سب کے سب کہنے لگے ہمارا رب پاک ہے یقیناً ہم نے ظلم کیا پھر ایک دوسرے کو ملامت کرنے لگے کہ ہائے ہماری بدبختی کہ ہم سرکش اور حد سے گذر جانے والے بن گئے تھے۔ ہمیں اب بھی اللہ عزوجل سے امید ہے کہ وہ ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے ہم اب صرف اپنے رب سے امید رکھتے ہیں کہ وہ ہمیں اس سے بہتر عطا فرمائے ہم اب صرف اپنے رب سے رغبت رکھتے ہیں۔ ناشکری کرنے اور تنہا خوری پسند کرنے والوں پر اسی طرح ہمارے عذاب آیا کرتے ہیں اور بھی آخرت کے بڑے عذاب باقی ہیں لیکن افسوس کہ یہ سمجھ بوجھ اور علم و عقل سے کام ہی نہیں لیتے۔ یہاں اس آیت میں صدقہ دینے کا حکم فرما کر خاتمے پر فرمایا کہ فضول خرچ اللہ کا دوست نہیں۔ اپنی اوقات سے زیادہ نہ لٹا فخر وریا کے طور پر اپنا مال برباد نہ کرو۔ حضرت ثابت بن قیس بن شماس رضی اللہ عنہ نے اپنے کھجوروں کے باغ سے کھجوریں اتاریں اور عہد کر لیا کہ آج جو لینے آئے گا میں اسے دوں گا لوگ ٹوٹ پڑے شام کو ان کے پاس ایک کھجور بھی نہ رہی۔ اس پر یہ فرمان اترا۔ ہر چیز میں اسراف منع ہے۔ اللہ کے حکم سے تجاوز کر جانے کا نام اسراف ہے خواہ وہ کسی بارے میں ہو۔ اپنا سارا ہی مال لٹا کر فقیر ہو کر دوسروں پر اپنا انبار ڈال دینا بھی اسراف ہے۔ اور منع ہے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ صدقہ نہ روکو جس سے اللہ کے نافرمان بن جاؤ یہ بھی اسراف ہے گو یہ مطلب اس آیت کے ہیں لیکن بہ ظاہر الفاظ یہ معلوم ہوتا ہے کہ پہلے کھانے کا ذکر ہے تو اسراف اپنے کھانے پینے میں کرنے کی ممانعت یہاں ہے کیونکہ اس سے عقل میں اور بدن میں ضرر پہنچتا ہے۔ قرآن کی اور آیت میں ہے ﴿كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا﴾ [1] کھاؤ پیو اور اسراف نہ کرو۔ صحیح بخاری میں ہے کھاؤ پیو پہنو! اوڑھو لیکن اسراف اور تکبر سے بچو [2] واللہ اعلم۔

---

[1] [سورہ الاعراف: آیت ۳۱]

[2] [حسن: صحيح بخاری تعليقا : كتاب اللباس : باب قول الله تعالى قل من حرم زينة الله التى (۵۷۸۳) ابن ماجه (۳۶۰۵) نسائی (۲۵۶۰) مسند طیالسی (۲۲۶۱)] شیخ البانی ؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح الجامع الصغیر (۴۵۰۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

اسی اللہ نے تمہارے لئے چوپائے پیدا کئے ہیں ان میں سے بعض تو بوجھ ڈھونے والے ہیں جیسے اونٹ گھوڑے خچر گدھے وغیرہ اور بعض پستہ قد ہیں جیسے بکری وغیرہ۔ انہیں فرش اس لئے کہا گیا کہ یہ قد و قامت میں پست ہوتے ہیں زمین سے ملے رہتے ہیں۔ یہ بھی کہا گیا ہے کہ حمولہ سے مراد سواری کے جانور اور فرشا سے مراد جن کا دودھ پیا جاتا ہے اور جن کا گوشت کھایا جاتا ہے جو سواری کے قابل نہیں ان کے بالوں سے لحاف اور فرش تیار ہوتے ہیں۔ یہ قول حضرت سدی رحمہ اللہ کا ہے۔ اور بہت ہی مناسب ہے خود قرآن کی سورہ یاسین میں موجود ہے کہ کیا انہوں نے اس بات پر نظر نہیں کی؟ کہ ہم نے ان کے لئے چوپائے پیدا کر دیئے ہیں جو ہمارے ہی ہاتھوں کے بنائے ہوئے ہیں اور اب یہ ان کے مالک بن بیٹھے ہیں ہم نے ہی تو انہیں انکے بس میں کر دیا ہے کہ بعض پر یہ سواریاں کر رہے ہیں اور بعض کو یہ کھانے کے کام میں لاتے ہیں۔ اور آیت میں ہے ﴿وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً﴾ [1] الخ، مطلب یہ ہے کہ ہم تمہیں ان چوپایوں کا دودھ پلاتے ہیں اور ان کے بال اون وغیرہ سے تمہارے اوڑھنے بچھانے اور طرح طرح کے فائدے اٹھانے کی چیزیں بناتے ہیں اور جگہ ہے اللہ وہ ہے جس نے تمہارے لئے چوپائے جانور پیدا کئے تاکہ تم ان پر سواریاں کرو انہیں کھاؤ اور بھی فائدے اٹھاؤ ان پر اپنے سفر طے کر کے اپنے کام پورے کرو اسی نے تمہاری سواری کے لئے کشتیاں بنا دیں وہ تمہیں اپنی بے شمار نشانیاں دکھا رہا ہے بتلاؤ تو کس کس نشانی کا انکار کرو گے؟ پھر فرماتا ہے اللہ کی روزی کھاؤ پھل، اناج، گوشت وغیرہ۔ شیطانی راہ پر نہ چلو اس کی تابعداری نہ کرو جیسے کہ مشرکوں نے اللہ کی چیزوں میں از خود حلال کی تقسیم کر دی تم بھی یہ کر کے شیطان کے ساتھی نہ بنو۔ وہ تمہارا دشمن ہے، اسے دوست نہ سمجھو۔ وہ تو اپنے ساتھ تمہیں بھی اللہ کے عذابوں میں پھنسانا چاہتا ہے۔ دیکھو کہیں اس کے بہکانے میں نہ آ جانا اسی نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو جنت سے باہر نکلوایا۔ اس کھلے دشمن کو بھولے سے بھی اپنا دوست نہ سمجھو۔ اس کی ذریت سے اور اس کے یاروں سے بھی بچو۔ یاد رکھو ظالموں کو برا بدلہ ملے گا۔ اس مضمون کی اور بھی بہت سی آیتیں کلام اللہ شریف میں ہیں۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ۭ قُلْ ءٰۗالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ۭ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَاۗءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِھٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰي عَلَي اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۭ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾

ع ۱۷

---

[1] [سورة النحل : آیت ٦٦]

آٹھ نر و مادہ ۔بھیڑ میں دو قسم اور دو قسم بکری میں' پوچھ تو کہ کیا دونوں نر حرام ہیں یا دونوں مادہ یا وہ بچہ جسے یہ دونوں مادیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں؟ میرے سامنے اس کی کوئی سند بیان کرو اگر تم سچے ہو تو○ اور اونٹوں میں سے دو قسم اور گائے کی دو قسم نر و مادہ' پوچھ کہ کیا ان دونوں نروں کو اللہ نے حرام کیا ہے یا مادیں کو یا اس بچے کو جسے یہ دونوں مادیں اپنے پیٹ میں لئے ہوئے ہیں؟ جس وقت اللہ نے اس کا حکم فرمایا کیا تم آپ اس وقت موجود تھے؟ اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہو گا جو اللہ کے ذمہ جھوٹ افترا باندھ کر باوجود بے علمی کے اوروں کو بہکاتا پھرے' اللہ تعالیٰ ایسے ظالم لوگوں کو ہدایت سے محروم رکھتا ہے○

جاہلیت کا ایک نمونہ خود ساختہ حلال وحرام: اسلام سے پہلے عربوں کی جہالت بیان ہو رہی ہے کہ ''انہوں نے چوپائے جانوروں میں تقسیم کر کے اپنے طور پر بہت حلال بنائے تھے اور بہت سے حرام کر لئے تھے جیسے بحیرہ' سائبہ' وصیلہ' اور حام وغیرہ۔ اسی طرح کھیت اور باغات میں بھی تقسیم کر رکھی تھی'' اللہ تعالیٰ بیان فرماتا ہے کہ سب کا خالق اللہ ہے' کھیت ہوں' باغات ہوں' چوپائے ہوں' پھر ان چوپایوں کی قسمیں بیان فرمائیں ''بھیڑ' مینڈھا' بکری' بکرا' اونٹ' اونٹنی' گائے' بیل۔ اللہ نے یہ سب چیزیں تمہارے کھانے پینے' سواریاں لینے اور دوسری قسم کے فائدوں کے لئے پیدا کی ہیں'' جیسے فرمان ہے ﴿وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ الْاَنْعَامِ ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ﴾ [1] ''اس نے تمہارے لئے آٹھ قسم کے مویشی پیدا کئے ہیں'' بچوں کا ذکر اس لئے کیا کہ ان میں بھی کبھی وہ مردوں کے لئے مخصوص کر کے عورتوں پر حرام کر دیتے تھے پھر ان سے ہی سوال ہوتا ہے کہ آخر اس حرمت کی کوئی دلیل کوئی کیفیت کوئی وجہ ہو تو پیش کرو۔ چار قسم کے جانور اور مادہ اور نر ملا کر آٹھ قسم کے ہو گئے' ان سب کو اللہ نے حلال کیا ہے۔ کیا تم اپنی دیکھی سنی کہہ رہے ہو؟ اس فرمان الٰہی کے وقت تم موجود تھے؟ کیوں جھوٹ کہہ کر افترا پردازی کر کے بغیر علم کے باتیں بنا کر اللہ کی مخلوق کی گمراہی کا بوجھ اپنے اوپر لاد کر سب سے بڑھ کر ظالم بن رہے ہو؟ اگر یہی حال رہا تو دستور ربانی کے ماتحت ہدایت الٰہی سے محروم ہو جاؤ گے۔ سب سے پہلے یہ ناپاک رسم عمرو بن لحی بن قمعہ خبیث نے نکالی تھی اسی نے انبیاء کے دین کو سب سے پہلے بدلا اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑے۔ جیسے کہ صحیح حدیث میں آ چکا ہے۔ [2]

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۴۵﴾

کہہ دے کہ میں تو جو وحی میری طرف اتاری گئی ہے اس میں کسی کھانے والے پر کوئی چیز حرام نہیں پاتا مگر جو مردار ہو یا بہا ہوا خون یا سور کا گوشت کہ بیشک وہ حرام و ناپاک ہے یا وہ گناہ کی چیز جو اللہ کے سوا اوروں کے نام پر نامزد کی گئی ہو' پس جو شخص بے بس اور عاجز ہو جائے نہ تو وہ نافرمان ہو نہ حد سے گذر جانے والا تو بیشک تیرا پروردگار بخشنے والا مہربان ہے○

---

[1] [سورة الزمر : آيت ٦]

[2] **[صحيح** : صحيح بخارى : كتاب التفسير : باب ماجعل الله من بحيرة ولا سائبة (٤٦٢٤) صحيح مسلم : كتاب الجنة : باب النار يدخلها الجبارون (٢٨٥٦)]

حرام کھانے کی اشیاء: اللہ تعالیٰ عزوجل اپنے بندے اور نبی حضرت محمد ﷺ کو حکم دیتا ہے کہ ''آپ ان کافروں سے جو اللہ کے حلال کو اپنی طرف سے حرام کرتے ہیں فرمادیں کہ جو وحی میرے پاس آئی ہے اس میں تو حرام صرف ان چیزوں کو کیا گیا ہے، جو میں تمہیں سناتا ہوں' اس میں وہ چیزیں حرمت والی نہیں، جن کی حرمت کو تم رائج کررہے ہو۔ کسی کھانے والے پر حیوانوں میں سے سوا ان جانوروں کے جو بیان ہوئے ہیں کوئی بھی حرام نہیں'' اس آیت کے مفہوم کا رفع کرنے والی سورہ مائدہ کی آئندہ آیتیں اور دوسری حدیثیں ہیں جن میں حرمت کا بیان ہے وہ بیان کی جائیں گی۔ بعض لوگ اسے نسخ کہتے ہیں اور اکثر متاخرین اسے نسخ نہیں کہتے' کیونکہ اس میں تو اصلی مباح کو اٹھادینا ہے۔ واللہ اعلم۔ خون وہ حرام ہے جو بوقت ذبح بہہ جاتا ہے' رگوں میں اور گوشت میں جو خون مخلوط ہو وہ حرام نہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا گدھوں اور درندوں کا گوشت ہنڈیا کے اوپر جو خون کی سرخی آجائے' اس میں کوئی حرج نہیں جانتی تھیں۔ عمرو بن دینار نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما سے سوال کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ''رسول اللہ ﷺ نے جنگ خیبر کے موقعہ پر پالتو گدھوں کا کھانا حرام کردیا تھا'' آپ نے فرمایا' ہاں حکم بن عمرو رضی اللہ عنہ تو رسول اللہ ﷺ سے یہی روایت کرتے ہیں لیکن حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما اس کا انکار کرتے ہیں اور آیت ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ﴾ الخ تلاوت کرتے ہیں[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما کا فرمان ہے کہ اہل جاہلیت بعض چیزیں کھاتے تھے بعض طبعی کراہیت کے چھوڑ دیتے تھے۔ اللہ نے اپنے نبی ﷺ کو بھیجا اپنی کتاب اتاری' حلال حرام کی تفصیل کردی' پس جسے حلال کردیا وہ حلال ہے اور جسے حرام کردیا وہ حرام ہے اور جس سے خاموش رہے وہ معاف ہے۔ پھر آپ نے اسی آیت ﴿قُلْ لَّآ اَجِدُ﴾ الخ کی تلاوت کی۔[2] حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا کی بکری مرگئی' جب حضور ﷺ سے ذکر ہوا تو آپ نے فرمایا تم نے اس کی کھال کیوں نہ اتارلی؟ جواب دیا کہ کیا مردہ بکری کی کھال اتارلینی جائز ہے؟ آپ نے یہی آیت تلاوت فرماکر فرمایا کہ ''اس کا صرف کھانا حرام ہے' لیکن تم اسے دباغت دے کر نفع حاصل کرسکتے ہو۔'' چنانچہ انہوں نے آدمی بھیج کر کھال اتروالی اور اس کی مشک بنوائی جو ان کے پاس مدتوں رہی اور کام آئی (بخاری وغیرہ)[3] حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے قنفذ (یعنی خار پشت جسے اردو میں ساہی بھی کہتے ہیں) کے کھانے کی نسبت سوال ہوا تو آپ نے یہی آیت پڑھی اس پر ایک بزرگ نے فرمایا میں نے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے سنا ہے کہ ایک مرتبہ اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ کے سامنے آیا تھا تو آپ نے فرمایا وہ خبیثوں میں سے ایک خبیث ہے اسے سن کر حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے فرمایا اگر حضور ﷺ نے یہ

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الذبائح: باب لحوم الحمر الانسیة (۵۵۲۹)]

[2] [صحیح: ابوداؤد: کتاب الاطعمة: باب مالم یذکر تحریمه (۳۸۰۰) مستدرک حاکم (۱۱۵/۴)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الایمان والنذور: باب اذا حلف ان لا یشرب نبیذا (۶۶۸۶) مسند احمد (۳۲۷/۱) بیهقی فی السنن الکبری (۱۸/۱)]

فرمایا ہے تو وہ یقیناً ویسی ہی ہے جیسے آپ نے ارشاد فرمادیا[1] (ابوداؤد وغیرہ) پھر فرمایا جو شخص ان حرام چیزوں کو کھانے پر مجبور ہو جائے لیکن وہ باغی اور حد سے تجاوز کرنے والا نہ ہو تو اسے اس کا کھا لینا جائز ہے اللہ اسے بخش دے گا کیونکہ وہ غفور و رحیم ہے اس کی کامل تفسیر سورہ بقرہ میں گذر چکی ہے یہاں تو مشرکوں کے اس فعل کی تردید منظور ہے جو انہوں نے اللہ کے حلال کو حرام کر دیا تھا اب بتا دیا گیا کہ یہ چیزیں تم پر حرام ہیں اس کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں۔ اگر اللہ کی طرف سے وہ بھی حرام ہوتیں تو ان کا ذکر بھی آ جاتا۔ پھر تم اپنی طرف سے حلال کیوں مقرر کرتے ہو؟ اس بنا پر پھر اور چیزوں کی حرمت باقی نہیں رہتی جیسے کہ گھروں کے پالتو گدھوں کی ممانعت اور درندوں کے گوشت کی اور جنگل والے پرندوں کی جیسے کہ علماء کا مشہور مذہب ہے (یہ یاد رہے کہ ان کی حرمت قطعی ہے کیونکہ صحیح احادیث سے ثابت ہے اور قرآن نے حدیث کا ماننا بھی فرض کیا ہے۔ مترجم)

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ڮ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ۝۱۴۶

یہودیوں پر خاصۃً ہم نے ہر ناخن والے جانور کو حرام کر دیا تھا' اور گائے بکری کی چربی کو بھی ہم نے حرام کر دیا تھا بجز اس کے جو ان کی پیٹھ پر لگی ہوئی ہو یا انتڑیوں پر یا ہڈیوں سے ملی جلی ہو' ہم نے انہیں ان کی سرکشی کی یہ سزا دی تھی بیشک ہم بالکل سچے ہیں ○

حلال وحرام کی مزید کچھ تفصیل: ناخن دار جانور چوپایوں اور پرندوں میں سے وہ ہیں' جن کی انگلیاں کھلی ہوئی نہ ہوں جیسے اونٹ' شتر مرغ' بطخ وغیرہ' سعید بن جبیر کا قول ہے کہ ''جو کھلی انگلیوں والا نہ ہو'' ایک روایت میں ان سے مروی ہے کہ ''ہر ایک جدا انگلیوں والا اور انہی میں سے شتر مرغ ہے''۔ قتادہ رحمہ اللہ کا قول ہے ''جیسے اونٹ' شتر مرغ اور بہت سے پرند' مچھلیاں' بطخ اور اس جیسے جانور جن کی انگلیاں الگ الگ نہیں۔ ان کا کھانا یہودیوں پر حرام تھا۔ اسی طرح گائے بکری کی چربی بھی ان پر حرام تھی'' یہود کا مقولہ تھا کہ اسرائیل نے اسے حرام کر لیا تھا' اس لئے ہم بھی اسے حرام کہتے ہیں ہاں جو چربی پیٹھ کے ساتھ لگی ہوئی ہو' انتڑیوں کے ساتھ' اوجھڑی کے ساتھ ہڈی کے ساتھ وہ ان پر حلال تھی۔ یہ بھی ان کے ظلم' تکبر اور سرکشی کا بدلہ تھا اور ہماری نافرمانی کا انجام۔ جیسے فرمان ہے ﴿فَبِظُلْمٍ مِّنَ الَّذِيْنَ هَادُوْا﴾[2] یہودیوں کے ظلم و ستم اور راہ حق سے روک کی وجہ سے ہم نے ان پر بعض پاکیزہ چیزیں بھی

---

[1] [ضعیف الاسناد : ابوداؤد : کتاب الاطعمة : باب فی اکل حشرات الارض (۳۷۹۹) مسند احمد (۳۸۱/۲) الدر المنثور للسیوطی (۹۶/۳) تفسیر ابن ابی حاتم (۸۰۰۷/۵) بیهقی فی السنن الکبری (۳۲۶/۹) وفی معرفة السنن والآثار (۲۶۰/۷)] امام بیہقیؒ نے اس کی سند کو غیر قوی کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اسے ضعیف الاسناد کہتے ہیں۔ [ضعیف ابوداود] اس کی سند میں عیسیٰ بن نمیلہ عن ابیہ راوی مجہول ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے فرمایا ہے کہ اس میں جہالت ہے۔]

[2] [سورۃ النسآء: آیت ۱۶۰]

حرام کردی تھیں اور اس جزا میں ہم عادل ہی تھے اور جیسی خبر ہم نے تجھے اے نبی ﷺ دی ہے' وہی سچ اور حق ہے۔ یہودیوں کا یہ کہنا کہ ''حضرت اسرائیل نے اسے حرام کیا تھا اس لئے ہم اسے اپنے آپ پر بھی حرام کرتے ہیں'' حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو جب معلوم ہوا کہ سمرہ نے شراب فروشی کی ہے تو آپ نے فرمایا ''اللہ اسے غارت کرے' کیا یہ نہیں جانتا کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے اللہ تعالیٰ نے یہودیوں پر لعنت کی کہ جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچنا شروع کر دیا''۔[1] حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما نے فتح مکہ والے سال فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول ﷺ نے شراب' مردار' سور اور بتوں کی خرید و فروخت حرام فرمائی ہے'' آپ سے دریافت کیا گیا کہ مردار کی چربیوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ اس سے چمڑے رنگے جاتے ہیں اور کشتیوں پر چڑھایا جاتا ہے اور چراغ جلایا جاتا ہے آپ نے فرمایا وہ بھی حرام ہے۔ پھر اس کے ساتھ ہی آپ نے ارشاد فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ یہودیوں کو غارت کرے' جب ان پر چربی حرام ہوئی تو انہوں نے اسے پگھلا کر بیچ کر اس کی قیمت کھانا شروع کر دی''۔[2] (بخاری مسلم) ''ایک مرتبہ آپ خانہ کعبہ میں مقام ابراہیم کے پیچھے بیٹھے ہوئے تھے آسمان کی طرف نظر اٹھائی اور تین مرتبہ یہودیوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا! اللہ نے ان پر چربی حرام کی تو انہوں نے اسے بیچ کر اس کی قیمت کھائی۔ اللہ تعالیٰ جن پر جو چیز حرام کرتا ہے ان پر اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے۔ ایک مرتبہ آپ مسجد حرام میں حطیم کی طرف متوجہ ہو کر بیٹھے ہوئے تھے آسمان کی طرف دیکھ کر ہنسے اور یہی فرمایا''[3] (ابوداؤد' ابن ماجہ' مسند احمد) حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ وغیرہ رسول اللہ ﷺ کی بیماری کے زمانے میں آپ کی عیادت کے لئے گئے اس وقت آپ عدن کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہوئے تھے' آپ نے چہرہ سے چادر ہٹا کر فرمایا ''اللہ یہودیوں پر لعنت کرے کہ بکری کی چربی کو حرام مانتے ہوئے اس کی قیمت کھاتے ہیں۔''[4] ابوداؤد میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب البیوع: باب لایذاب شحم المیتة ولا یباع (٢٢٢٣) صحیح مسلم: کتاب البیوع: باب تحریم بیع الخمر والمیتة (١٥٨٢) مسند احمد (١/٢٥)]

[2] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب البیوع: باب بیع المیتة والاصنام (٢٢٣٦)، (٤٦٣٣) صحیح مسلم: کتاب البیوع: باب تحریم بیع الخمر والمیتة والخنزیر (١٥٨١) نسائی: کتاب الفرع والعتیرة: باب النهي عن الانتفاع بما حرم الله عزوجل (٤٢٦٢) ابن ماجه: کتاب التحارات: باب ما لا یحل بیعته (٢١٦٧) ابوداؤد: کتاب البیوع: باب فی ثمن الخمر والمیتة (٣٤٨٦) ترمذی: کتاب البیوع: باب ماجاء فی بیع حلود المیتة (١٢٩٧) مسند احمد (٣/٣٢٤)]

[3] [صحیح: مسند احمد (١/٣٢٢) ابوداؤد: کتاب البیوع: باب فی ثمن الخمر والمیتة (٣٤٨٨) الضیاء فی المختارة (٩/٤٩٤) دارقطنی (٣/٧) صحیح ابن حبان (٤٩٣٨) طبرانی کبیر (١٢/١٢٨٨٧) بیهقی فی السنن الکبری (٦/١٣، ١٤) التمهید لابن عبد البر (٩/٤٤)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[4] [صحیح: مسند بزار (٢٦٠٨) مستدرك حاکم (٤/١٩٤) الدر المنثور للسیوطي (٣/١٠٠)] امام حاکمؒ نے اسے صحیح کہا ہے، امام ذہبیؒ نے بھی ان کی موافقت کی ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

مرفوعاً روایت ہے کہ ”اللہ جب کسی قوم پر کسی چیز کا کھانا حرام کرتا ہے تو اس کی قیمت بھی حرام فرما دیتا ہے“۔ [1]

فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿١٤٧﴾

پھر بھی اگر یہ تجھے جھٹلائیں تو تو کہہ دے کہ تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے اس کا عذاب گنہگار لوگوں سے لوٹایا نہیں جا سکتا ○

توبہ سے شرک بھی معاف: اب بھی اگر تیرے مخالف یہودی اور مشرک وغیرہ تجھے جھوٹا بتائیں تو بھی تو انہیں میری رحمت سے مایوس نہ کر بلکہ انہیں رب کی رحمت کی وسعت یاد دلا تاکہ انہیں اللہ کی رضا جوئی کی تبلیغ ہو جائے۔ ساتھ ہی انہیں اللہ کے اٹل عذابوں سے بچنے کی طرف بھی متوجہ کر۔ پس رغبت رہبت امید ڈر دونوں ایک ساتھ سنا دے۔ قرآن کریم میں امید کے ساتھ خوف اکثر بیان ہوتا ہے۔ اسی سورت کے آخر میں فرمایا تیرا رب جلد عذاب کرنے والا ہے اور غفور و رحیم بھی ہے اور آیت میں ہے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ﴾ [2] الخ تیرا رب لوگوں کے گناہوں پر انہیں بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت تر عذاب کرنے والا بھی ہے ایک آیت میں ارشاد ہے میرے بندوں کو میرے غفور و رحیم ہونے کی اور میرے عذابوں کے بڑے ہی دردناک ہونے کی خبر پہنچا دے اور جگہ ہے وہ گناہوں کا بخشنے والا اور توبہ کا قبول کرنے والا ہے نیز کئی آیتوں میں ہے تیرے رب کی پکڑ بڑی بھاری اور نہایت سخت ہے۔ وہی ابتداء کرتا ہے اور وہی دوبارہ لوٹائے گا وہ غفور ہے' ودود ہے' بخشش کرنے والا ہے' مہربان اور محبت کرنے والا ہے اور بھی اس مضمون کی بہت سی آیتیں ہیں۔

سَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ ۭ كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا ۭ قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا ۭ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ﴿١٤٨﴾ قُلْ فَلِلّٰهِ الْحُجَّةُ الْبَالِغَةُ ۚ فَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٤٩﴾ قُلْ هَلُمَّ شُهَدَآءَكُمُ الَّذِيْنَ يَشْهَدُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ هٰذَا ۚ فَاِنْ شَهِدُوْا فَلَا تَشْهَدْ مَعَهُمْ ۚ وَلَا تَتَّبِعْ اَهْوَآءَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَالَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَهُمْ بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ﴿١٥٠﴾ ع

ممکن ہے کہ مشرکین یہ حجت بازی بھی کرنے لگیں کہ اگر اللہ چاہتا تو ہم نہ شرک کرتے نہ ہمارے باپ دادا اور نہ ہم کسی

---

[1] **[صحیح** ابوداؤد: كتاب البيوع: باب في ثمن الخمر والميتة (٣٤٨٨)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

[2] [سورة الرعد: آيت ٦]

حلال چیز کو حرام کرتے اسی طرح ان سے پہلے کے لوگوں نے بھی جھٹلایا تھا آخر کار ہمارے عذاب کا مزہ چکھ لیا' پوچھ تو کیا تمہارے پاس اس کی کوئی سند بھی ہے کہ اسے ہمارے سامنے پیش کر سکو' تم تو صرف وہم کے پیچھے پڑے ہوئے ہو اور نری اٹکلیں دوڑا رہے ہو○ کہہ دے کہ اللہ ہی کی حجت تمام اور پوری ہے۔ اگر وہ چاہتا تو تم سب کو راہ حق دکھا دیتا○ کہو کہ ذرا اپنے ان گواہوں کو تو لاؤ جو یہ بشارت دیں کہ اللہ نے اسے حرام کیا ہے' پس اگر وہ گواہی بھی دے دیں تو تو ان کے ساتھ مل کر ہاں میں ہاں نہ کہنے لگنا' ان کی نفسانی خواہشوں کی پیروی تو ہرگز نہ کرنا جو ہماری آیتوں کو جھٹلاتے ہیں آخرت کا یقین نہیں کرتے اور دوسروں کو اپنے رب کے برابر سمجھتے ہیں○

اللہ چاہتا تو ہم شرک نہ کرتے: مشرک لوگ دلیل پیش کیا کرتے تھے کہ ہمارے شرک کا' حلال کو حرام کرنے کا حال تو اللہ کو معلوم ہی ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ اگر چاہے تو اس کے بدلنے پر بھی قادر ہے۔ اس طرح کہ ہمارے دل میں ایمان ڈال دے۔ یا کفر کے کاموں کی ہمیں قدرت ہی نہ دے پھر بھی اگر وہ ہماری اس روش کو نہیں بدلتا تو ظاہر ہے کہ وہ ہمارے ان کاموں سے خوش ہے اگر وہ چاہتا تو ہم کیا ہمارے بزرگ بھی شرک نہ کرتے جیسے ان کا یہی قول آیت ﴿لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ﴾ [1] میں اور سورہ نحل میں ہے۔ اللہ فرماتا ہے اسی شبہ نے ان کی پہلی قوموں کو تباہ کر دیا اگر یہ بات سچ ہوتی تو ان کے پہلے باپ دادا پر ہمارے عذاب کیوں آتے؟ رسولوں کی نافرمانی اور شرک و کفر پر مصر رہنے کی وجہ سے وہ روئے زمین سے ذلت کے ساتھ کیوں ہٹا دیئے جاتے؟ اچھا تمہارے پاس اللہ کی رضامندی کا کوئی سٹرفکیٹ ہو تو پیش کرو۔ ہم تو دیکھتے ہیں کہ تم وہم پرست ہو فاسد عقائد پر جمے ہوئے ہو اور اٹکل پچو باتیں اللہ کے ذمے گھڑ لیتے ہو۔ وہ بھی یہی کہتے تھے تم بھی یہی کہتے ہو کہ ہم ان معبودوں کی عبادت اس لئے کرتے ہیں کہ یہ ہمیں اللہ سے ملا دیں۔ حالانکہ وہ نہ ملانے والے ہیں نہ اس کی انہیں قدرت ہے۔ ان سے تو اللہ نے سمجھ بوجھ چھین رکھی ہے۔

ہدایت و گمراہی کی تقسیم میں بھی اللہ کی حکمت اور اس کی حجت ہے۔ سب کام اس کے ارادے سے ہو رہے ہیں وہ مومنوں کو پسند فرماتا ہے اور کافروں سے ناخوش ہے' فرمان ہے ﴿وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى﴾ [2] اگر اللہ چاہتا تو ان سب کو راہ حق پر جمع کر دیتا اور آیت میں ہے اگر تیرے رب کی چاہت ہوتی تو دنیا کے سب لوگ مومن بن جاتے۔ اور جگہ ہے اگر تیرا رب چاہتا تو سب لوگوں کو ایک ہی امت کر دیتا۔ یہ تو اختلاف سے نہیں ہٹیں گے سوائے ان لوگوں کے جن پر تیرا رب رحم کرے بلکہ انہیں اللہ نے اسی لئے پیدا کیا ہے تیرے رب کی یہ بات حق ہے کہ میں جنات اور انسان سے جہنم کو پر کر دوں گا۔ حقیقت بھی یہی ہے کہ نافرمانوں کی کوئی حجت اللہ کے ذمے نہیں بلکہ اللہ کی حجت بندوں پر ہے۔

یہ جو تم نے خواہ مخواہ اپنی طرف سے جانوروں کو حرام کر رکھا ہے ان کی حرمت پر کسی کی شہادت تو پیش کر دو۔ اگر یہ ایسی شہادت والے لائیں تو تو ان جھوٹے لوگوں کی ہاں میں ہاں نہ ملانا۔ ان منکرین قیامت' منکرین کلام اللہ شریف مشرکین کامل کے جھانسے میں کہیں تم بھی نہ آ جانا۔

---

[1] [سورة الزخرف: آيت ٢٠]

[2] [سورة الانعام: آيت ٣٥]

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ ۚ وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ ۚ وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ ۭ ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۱۵۱

کہہ دے کہ آؤ تم پر تمہارے رب نے جو کچھ حرام کیا ہے میں تمہیں وہ پڑھ سناؤں یہ کہ تم اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو اور ماں باپ کے ساتھ سلوک کرو اور مفلسی کے ڈر سے اپنی اولاد کو قتل نہ کرو، تمہیں اور انہیں روزیاں ہم ہی دیتے ہیں اور کسی بے حیائی کے قریب بھی نہ جاؤ خواہ وہ ظاہر ہو خواہ وہ پوشیدہ ہو اور جس جان کا قتل اللہ نے حرام کیا ہے اسے بغیر کسی شرعی وجہ کے قتل نہ کرو، یہ ہیں وہ احکام جن کا حکم اللہ تعالیٰ ہمیں دے رہا ہے تا کہ تم سمجھ بوجھ لو○

رسول اللہ ﷺ کی وصیتیں: ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ''جو شخص رسول اللہ ﷺ کی اس وصیت کو دیکھنا چاہتا ہو جو آپ کی آخری وصیت تھی تو وہ ان آیتوں کو ﴿تَتَّقُوْنَ﴾ تک پڑھے''[1] ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''سورہ انعام میں محکم آیتیں ہیں پھر یہی آیتیں آپ نے تلاوت فرمائیں'' ایک مرتبہ حضور ﷺ نے اپنے اصحاب سے فرمایا ''تم میں سے کوئی شخص ہے جو میرے ہاتھ پر ان تین باتوں کی بیعت کرے' پھر آپ نے یہی آیتیں تلاوت فرمائیں اور فرمایا جو اسے پورا کرے گا' وہ اللہ سے اجر پائے گا اور جو ان میں سے کسی بات کو پورا نہ کرے گا تو دنیا میں ہی اسے شرعی سزا دے دی جائے گی اور اگر سزا نہ دی گئی تو پھر اس کا معاملہ قیامت پر ہے اگر چاہے تو اسے بخش دے چاہے تو سزا دے''۔[2] (مسند' حاکم) بخاری مسلم میں ہے ''تم لوگ میرے ہاتھ پر بیعت کرو' اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنے کی''[3] اس آیت میں اللہ تعالیٰ اپنے نبی علیہ السلام سے فرماتا ہے کہ ان مشرکین کو جو اللہ کی اولاد کے قائل ہیں اللہ کے رزق میں سے بعض کو اپنی طرف سے حلال اور بعض کو حرام کہتے ہیں اللہ کے ساتھ دوسروں کو پوجتے ہیں کہہ دیجئے کہ سچ مچ جو چیزیں اللہ کی حرام کردہ ہیں انہیں مجھ سے سن لو جو میں بذریعہ وحی الٰہی بیان کرتا ہو تمہاری طرح خواہش نفس' تو ہم پرستی اور اٹکل وگمان کی بنا پر نہیں کہتا۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ جس کی وہ تمہیں وصیت کرتا ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا۔ یہ کلام عرب میں ہوتا ہے کہ ایک جملہ کو حذف کر دیا پھر دوسرا جملہ

---

[1] [**ضعیف**: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الانعام (۳۰۷۰) طبرانی کبیر (۱۰۰۶۰/۱۰) بیهقی فی شعب الایمان (۷۹۱۸/۶) الدر المنثور للسیوطی (۱۰۳/۳)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ترمذی] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [مستدرك حاكم (۳۱۸/۲) تفسير ابن ابى حاتم (۳۱٦۸/۲)] امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔]

[3] [**صحیح**: صحيح بخاری: كتاب الايمان (۱۸) صحيح مسلم: كتاب الحدود: باب الحدود كفارات لاهلها (۱۷۰۹)]

ایسا کہہ دیا جس سے حذف شدہ جملہ معلوم ہو جائے اس آیت کے آخری جملے ﴿ذَالِكُمْ وَصَّاكُمْ﴾ ① سے ﴿اَلَّا تُشْرِكُوْا﴾ سے پہلے کے محذوف جملے ((اَوْ صَاكُمْ)) پر دلالت ہو گئی۔ عرب میں یوں بھی کہہ دیا کرتے ہیں ﴿اَمَرْتُكَ اَنْ لَّا تَقُوْمُ﴾ بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں میرے پاس جبرائیل علیہ السلام آئے اور مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ آپ کی امت میں سے جو شخص اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرے وہ داخل جنت ہو گا تو میں نے کہا گو اس نے زنا کیا ہو گو اس نے چوری کی ہو آپ نے فرمایا ہاں گو اس نے زنا اور چوری کی ہو میں نے پھر یہی سوال کیا مجھے پھر یہی جواب ملا پھر بھی میں نے یہ بات پوچھی اب کے جواب دیا کہ گو شراب نوشی بھی کی ہو۔ ② بعض روایتوں میں ہے کہ حضور ﷺ سے موحد کے جنت میں داخل ہونے کا سن کر ابوذر رضی اللہ عنہ نے یہ سوال کیا تھا اور آپ نے یہ جواب دیا تھا اور آخری مرتبہ فرمایا تھا اور ابوذر رضی اللہ عنہ کی ناک خاک آلود ہو، چنانچہ راوی حدیث جب اسے بیان فرماتے تو یہی لفظ دوہرا دیتے۔ ③ سنن میں مروی ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اے ابن آدم تو جب تک مجھ سے دعا کرتا رہے گا اور میری ذات سے امید رکھے گا میں بھی تیری خطاؤں کو معاف فرماتا رہوں گا خواہ وہ کیسی ہی ہوں کوئی پرواہ نہ کروں گا تو اگر میرے پاس زمین بھر کر خطائیں لائے گا تو میں تیرے پاس اتنی ہی مغفرت اور بخشش لے کر آؤں گا بشرطیکہ تو نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو گو تو نے خطائیں کی ہوں یہاں تک کہ وہ آسمان تک پہنچ گئی ہوں پھر بھی تو مجھ سے استغفار کرے تو میں تجھے بخش دوں گا۔ ④ اس حدیث کی شہادت میں یہ آیت آ سکتی ہے ﴿اِنَّ اللّٰهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَكَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ یَّشَآءُ﴾ ⑤ یعنی مشرک کو تو اللہ مطلق نہ بخشے گا باقی گنہگار اللہ کی مشیت پر ہیں جسے چاہے بخش دے۔ صحیح مسلم شریف میں ہے جو توحید پر مرے وہ جنتی ہے ⑥ اس بارے میں بہت سی آیتیں اور حدیثیں ہیں۔ ابن مردویہ میں ہے کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو گو تمہارے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے جائیں یا تمہیں سولی چڑھا دیا جائے یا تمہیں جلا دیا جائے۔ ابن ابی حاتم میں ہے کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سات باتوں کا حکم دیا (پہلی بات) اللہ کے

---

① [سورة الانعام: آیت ۱۵۱]

② [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الرقاق: باب المكثرون هم المقلون (٦٤٤٣) صحیح مسلم: كتاب الزكاة: باب الترغيب فى الصدقة (٣٣-٩٤)]

③ [صحیح: صحیح بخاری: كتاب اللباس: باب الثياب البيض (٥٨٢٧) صحيح مسلم: كتاب الايمان: باب الدليل على من مات لا يشرك بالله شيئا (٩٤)]

④ [حسن لغیرہ: مسند احمد (١٧٢/٥-١٥٤) دارمی (٢٧٩١) التاريخ الكبير للبخاری (٦٥/٢) مسند ابو يعلى (١٤٧١/٧) طبرانی كبير (١٢٣٤٦/١٢) مجمع الزوائد (٢١٩/١٠)] شیخ البانی نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحيح الجامع الصغير (٤٣٣٨)] شیخ مصطفیٰ النسید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اسے حسن لغیرہ کہا ہے۔]

⑤ [سورة النسآء: آیت ٤٨]

⑥ [صحیح: صحیح مسلم: كتاب الايمان: باب الدليل على من مات لا يشرك بالله شيئا (٩٢)]

ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا گو تم جلا دیئے جاؤ یا کاٹ دیئے جاؤ یا سولی دے دیئے جاؤ۔ (۱) اس آیت میں توحید کا حکم دے کر پھر ماں باپ کے ساتھ احسان کرنے کا حکم ہوا بعض کی قراءت ﴿وَوَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا﴾ (۲) بھی ہے۔ قرآن کریم میں اکثر یہ دونوں حکم ایک ہی جگہ بیان ہوئے ہیں جیسے ﴿اَنِ اشْكُرْلِيْ وَلِوَالِدَيْكَ﴾ (۳) الخ میں مشرک ماں باپ کے ساتھ بھی بقدر ضرورت احسان کرنے کا حکم ہوا ہے۔ اور ﴿وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْ اِسْرَآئِيْلَ﴾ (۴) الخ میں بھی دونوں حکم ایک ساتھ بیان ہوئے ہیں اور بھی بہت سی اس مفہوم کی آیتیں ہیں۔ بخاری و مسلم میں ہے ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ کونسا عمل افضل ہے؟ آپ نے فرمایا نماز وقت پر پڑھنا۔ میں نے پوچھا پھر؟ فرمایا ماں باپ کے ساتھ نیکی کرنا' میں نے پوچھا پھر؟ فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا۔ میں اگر اور بھی دریافت کرتا تو حضور ﷺ بتا دیتے۔ (۵) ابن مردویہ میں ہے عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ اور ابو درداء سے مروی ہے کہ مجھے میرے خلیل رسول اللہ ﷺ نے وصیت کی کہ اپنے والدین کی اطاعت کر اگرچہ وہ تجھے حکم دیں کہ تو ان کے لئے ساری دنیا سے الگ ہو جائے تو بھی مان لے۔ (۶) اس کی سند ضعیف ہے۔ باپ دادوں کی وصیت کر کے اولاد اور اولاد کی اولاد کی بابت وصیت فرمائی کہ انہیں قتل نہ کرو جیسے کہ شیاطین نے اس کام کو تمہیں سکھا رکھا ہے لڑکیوں کو تو بوجہ عار کے مار ڈالتے تھے اور بعض لڑکوں کو بھی بوجہ اس کے کہ ان کے کھانے کا سامان کہاں سے لائیں گے' مار ڈالتے تھے۔ ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ سب سے بڑا گناہ کیا ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ کے ساتھ شریک کرنا حالانکہ اسی اکیلے نے پیدا کیا ہے۔ پوچھا پھر کونسا گناہ ہے؟ فرمایا اپنی اولاد کو اس خوف سے قتل کرنا کہ یہ میرے ساتھ کھائے گی۔ پوچھا پھر کونسا ہے؟ فرمایا اپنی پڑوسن کی عورت سے بدکاری کرنا پھر حضور ﷺ نے آیت ﴿وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ﴾ (۷) الخ کی تلاوت فرمائی (۸) اور آیت میں ہے ﴿وَلَا

---

(۱) [اسنادہ فیہ جھالة: تفسیر ابن ابی حاتم (۸۰۵۸/۵) التاریخ الکبیر للبخاری (۷۵/٤) شرح اصول الاعتقاد (۱۵۲۲/٤)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں جہالت ہے مگر اس کے کچھ شواہد ہیں جن کی وجہ سے اسے قوت ملتی ہے۔]

(۲) [الاسراء: ۲۳] (۳) [لقمان: ۱٤، ۱۵] (۴) [البقرہ: ۸۳]

(۵) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الادب: باب البر والصلة (۵۹۷۰) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب بیان کون الایمان (۸۵)]

(۶) [الادب المفرد للبخاری (۱۸) شرح اصول الاعتقاد (۱۵۲٤/٤) بیھقی فی شعب الایمان (۵۵۸۹/۵) مجمع الزوائد (۲۲۰/٤)] حافظ بوصیریؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام ہیثمیؒ نے بھی اسے حسن کہا ہے۔ [مجمع الزوائد (۲۲۰/٤)] حافظ ابن حجرؒ نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔ [التلخیص الحبیر (۱۵۵/۲)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ یہ روایت شواہد کی وجہ سے قوی ہو جاتی ہے۔]

(۷) [سورۃ الفرقان: آیت ۱۸]

(۸) [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التوحید: باب قول اللہ تعالی فلا تجعلوا للہ انداد (۷٤۲۰) صحیح مسلم: کتاب الایمان: باب کون الشرك اقبح الذنوب (۸۶)]

﴿تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ﴾ [1] اپنی اولاد کو فقیری کے خوف سے قتل نہ کرو۔ اسی لئے اس کے بعد ہی فرمایا کہ ہم انہیں روزی دیتے ہیں اور تمہاری روزی بھی ہمارے ذمہ ہیں۔ یہاں چونکہ فرمایا تھا کہ فقیری کی وجہ سے اولاد کا گلا نہ گھونٹو تو ساتھ ہی فرمایا تمہیں روزی ہم دیں گے اور انہیں بھی ہم ہی دے رہے ہیں۔ پھر فرمایا کسی ظاہر اور پوشیدہ برائی کے پاس بھی نہ جاؤ۔ جیسے اور آیت میں ہے ﴿قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ﴾ [2] الخ، یعنی تمام ظاہری، باطنی، برائیاں، ظلم وزیادتی، شرک وکفر اور جھوٹ بہتان سب کچھ اللہ نے حرام کر دیا ہے۔ اس کی پوری تفسیر آیت ﴿وَذَرُوْا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ﴾ [3] کی تفسیر میں گذر چکی ہے۔

صحیحین میں ہے اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں اسی وجہ سے تمام بے حیائیاں اللہ نے حرام کر دی ہیں خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ ہوں۔ [4] سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں کسی کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو میں ایک ہی وار میں اس کا فیصلہ کر دوں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کا یہ قول بیان ہوا تو فرمایا کیا تم سعد رضی اللہ عنہ کی غیرت پر تعجب کر رہے ہو؟ واللہ میں اس سے زیادہ غیرت والا ہوں اور میرا رب مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ اسی وجہ سے تمام فحش کام ظاہر پوشیدہ اس نے حرام کر دیئے ہیں [5] (بخاری ومسلم) ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہم غیرت مند لوگ ہیں آپ نے فرمایا واللہ میں بھی غیرت والا ہوں اور اللہ مجھ سے زیادہ غیرت والا ہے۔ یہ غیرت ہی ہے جو اس نے تمام بری باتوں کو حرام قرار دے دیا ہے [6] اس حدیث کی سند ترمذی کی شرط پر ہے ترمذی میں یہ حدیث ہے کہ میری امت کی عمریں ساٹھ ستر کے درمیان ہین۔ [7] اس کے بعد کسی کے ناحق قتل کی حرمت کو بیان فرمایا گو وہ بھی فواحش میں داخل ہے لیکن اس کی اہمیت کی وجہ سے اسے الگ کر کے بیان فرما دیا۔ بخاری ومسلم میں ہے کہ جو مسلمان اللہ کی توحید اور میری رسالت کا اقرار کرتا ہو اسے قتل کرنا بجز ان تین باتوں کے جائز نہیں یا تو شادی شدہ ہو کر زنا کرے یا کسی کو قتل کر دے یا دین کو چھوڑ دے اور جماعت سے الگ

---

[1] [سورة الاسراء: آیت ۳۱] [2] [سورة الاعراف: آیت ۳۳]

[3] [سورة الانعام: آیت ۱۲۰]

[4] **[صحيح** : صحيح بخاری : كتاب التفسير : باب قول الله تعالى ولا تقربو الفواحش ماظهر منها (٤٦٣٤ـ ٤٦٣٧) صحيح مسلم : كتاب التوبة : باب غيرة الله تعالى وتحريم الفواحش (٢٧٦٠) ترمذی (٣٥٣٠) مسند احمد (١/٣٨١ـ ٤٣٦)]

[5] **[صحيح** : صحيح بخاری : كتاب التوحيد : باب قول النبی لا شخص اغير من الله (٧٤١٦) صحيح مسلم : كتاب اللعان (١٤٩٩)]

[6] **[صحيح واسناده ضعيف** : مسند احمد (٢/٣٢٦) الدر المنثور للسيوطی (٣/١٥١) مجمع الزوائد (٦/٢٥٧)] شیخ شعیب ارناؤوط فرماتے ہیں کہ یہ روایت صحیح ہے البتہ یہ سند ضعیف ہے۔[مسند احمد محقق (٨٣٢١)]

[7] **[حسن** : ترمذی : كتاب الزهد : باب ماجاء فی فناء اعمار هذه الامة (٢٣٣١)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[صحیح ترمذی] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو حسن کہتے ہیں۔]

ہو جائے۔ (۱) مسلم میں ہے اس کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کسی مسلمان کا خون حلال نہیں۔ (۲) ابوداؤد اور نسائی میں تیسرا شخص وہ بیان کیا گیا ہے جو اسلام سے نکل جائے اور اللہ کے رسولوں سے جنگ کرنے لگے اسے قتل کر دیا جائے گا یا صلیب پر چڑھا دیا جائے گا یا مسلمانوں کے ملک سے جلاوطن کر دیا جائے گا۔ (۳) امیر المومنین حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ نے اس وقت جب کہ باغی آپ کو محاصرے میں لئے ہوئے تھے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کسی مسلمان کا خون بجز ان تین کے حلال نہیں ایک تو اسلام کے بعد کافر ہو جانے والا دوسرا شادی ہو جانے کے بعد زنا کرنے والا اور بغیر قصاص کے کسی کو قتل کر دینے والا۔ اللہ کی قسم نہ تو میں نے جاہلیت میں زنا کیا نہ اسلام لانے کے بعد، اور نہ اسلام لانے کے بعد کبھی میں نے کسی اور دین کی تمنا کی اور نہ میں نے کسی کو بلا وجہ قتل کیا۔ پھر تم میرا خون بہانے کے درپے کیوں ہو؟ (۴) حربی کافروں میں سے جو امن طلب کرے اور مسلمانوں کے معاہدہ امن میں آ جائے اس کے قتل کرنے والے کے حق میں بھی بہت وعید آئی ہے اور اس کا قتل بھی شرعاً حرام ہے۔ بخاری میں ہے معاہدہ امن کا قاتل جنت کی خوشبو بھی نہ پائے گا حالانکہ اس کی خوشبو چالیس سال کے راستے تک پہنچ جاتی ہے (۵) اور روایت میں ہے کہ اس نے اللہ کا ذمہ توڑا اس میں ہے پچاس برس کے راستے کے فاصلے سے ہی جنت کی خوشبو پہنچی ہے۔ (۶) پھر فرماتا ہے یہ ہیں اللہ کی وصیتیں اور اس کے احکام۔ تاکہ تم دین حق کو، اس کے احکام کو اور اس کی منع کردہ باتوں کو سمجھ لو۔

---

(۱) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الدیات : باب قول اللہ تعالی ان النفس بالنفس (٦٨٧٨) صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب مایباح به دم المسلم (١٦١)]

(۲) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب القسامة : باب مایباح به دم المسلم (١٦٧٦)]

(۳) [صحیح : ابوداؤد : کتاب الحدود : باب الحکم فیمن ارتد (٤٣٥٣) نسائی : کتاب تحریم الدم : باب الصلب (٤٠٥٣) مسند طیالسی (١٤٧٤) مسند اسحاق بن راهویه (١٠٦٠/٣) مسند ابو یعلی (٤٦٧٦/٨) مسند احمد (١٨١/٦)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(۴) [صحیح : ابوداؤد : کتاب الدیات : باب الامام یأمر بالعفو فی الدم (٤٥٠٢) ابن ماجه : کتاب الحدود : باب لا یحل دم امری مسلم (٢٥٣٣) ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجآء لا یحل دم امرئ (٢١٥٨) مسند احمد (٦٥/١) مسند طیالسی (٧٢) مسند شافعی (٣١٨) دارمی (٢٣٠٢) ابن الجارود (٨٣٦) مستدرك حاکم (٣٥٠/٤) بغوی (٢٥١٨/١٠)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے اسے شیخین کی شرط پر صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ، شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(۵) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الجزیة : باب اثم من قتل معاهدا بغیر جرم (٣١٦٦)، (٦٩١٤) ابن ماجه : کتاب الدیات : باب من قتل معاهدا (٢٦٨٦) مسند احمد (١٨٦/٢)]

(۶) [صحیح : ترمذی : کتاب الدیات : باب ماجآء فیمن یقتل نفسا معاهدا (١٤٠٣) ابن ماجه: کتاب الدیات : باب من قتل معاهدا (٢٦٨٧) نسائی (٢٥/٨) مسند ابو یعلی (٦٤٥٢)]

نبی ﷺ کو چھوڑا اسی کا دوسرا سرا جنت میں جا ملتا ہے اس کے دائیں بائیں بہت سی اور راہیں ہیں جن پر لوگ چل رہے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنی طرف بلا رہے ہیں جو ان راہوں میں سے کسی راہ ہو لیا وہ جہنم میں پہنچا پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ [1] حضور ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے صراط مستقیم کی مثال بیان فرمائی۔ اس راستے کے دونوں طرف دو دیواریں ہیں جن میں بہت سے دروازے ہیں اور سب چوپٹ کھلے پڑے ہیں اور ان پر پردے لٹکے ہوئے ہیں اس سیدھی راہ کے سرے پر ایک پکارنے والا ہے پکارتا رہتا ہے کہ لوگو! تم سب اس صراط مستقیم پر آ جاؤ راستے میں بکھر نہ جاؤ' بیچ راہ کے بھی ایک شخص ہے' جب کوئی شخص ان دروازوں میں سے کسی کو کھولنا چاہتا ہے تو وہ کہتا ہے خبردار اسے نہ کھولو' کھولو گے تو سیدھی راہ سے نکل جاؤ گے۔ پس سیدھی راہ اسلام ہے دونوں دیواریں اللہ کی حدود ہیں کھلے ہوئے دروازے اللہ کی حرام کردہ چیزیں ہیں نمایاں شخص اللہ کی کتاب ہے اوپر سے پکارنے والا اللہ کی طرف کا نصیحت کرنے والا ہے جو ہر مومن کے دل میں ہے [2] (ترمذی) اس نکتے کو نہ بھولنا چاہئے کہ اپنی راہ کے لئے سبیل واحد کا لفظ بولا گیا اور گمراہی کی راہوں کے لئے سبل جمع کا لفظ استعمال کیا گیا اس لئے کہ راہ حق ایک ہی ہوتی ہے اور ناحق کے بہت سے طریقے ہوا کرتے ہیں جیسے آیت ﴿اَللّٰهُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ [3] الخ میں ظلمات کو جمع کے لفظ سے اور نور کو واحد کے لفظ سے ذکر کیا گیا ہے حضور ﷺ نے ایک مرتبہ ﴿قُلْ تَعَالَوْا﴾ [4] سے تین آیتوں تک تلاوت کر کے فرمایا تم میں سے کون کون ان باتوں پر مجھ سے بیعت کرتا ہے؟ پھر فرمایا جس نے اس بیعت کو اپنا لیا اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے' اور جس نے ان میں سے کسی بات کو توڑ دیا اس کی دو صورتیں ہیں یا تو دنیا میں ہی اس کی سزا شرعی اسے مل جائے گی' یا اللہ تعالیٰ آخرت تک اسے مہلت دے پھر رب کی مشیت پر منحصر ہے اگر چاہے سزا دے اگر چاہے تو معاف فرما دے۔ [5]

ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْکِتٰبَ تَمَامًا عَلَی الَّذِیْٓ اَحْسَنَ وَتَفْصِیْلًا لِّکُلِّ شَیْءٍ وَّهُدًی وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ یُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

رکوع ۱۹

---

[1] [اسناده ضعیف جدا : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۴۱۷۰/۲) عبد الرزاق فی التفسیر (۲۲۳/۲)] اس کی سند میں ابان بن ابی عیاش راوی متروک ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند سخت ضعیف ہے۔]

[2] [صحیح : ترمذی : کتاب الامثال : باب ماجاء فی مثل اللہ عزوجل لعبادہ (۲۸۵۹) مسند احمد (۱۸۲/۴) مستدرک حاکم (۷۳/۱) نسائی فی السنن الکبری (۱۱۲۳۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۸۶)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی، المشکاۃ (۱۹۱، ۱۹۲)]

[3] [سورۃ البقرہ: آیت ۲۵۷] [4] [سورۃ الانعام: آیت ۱۵۱]

[5] [ضعیف : تفسیر ابن ابی حاتم (۸۰۷۷/۵)] اس کی سند سفیان بن حسین راوی کی وجہ سے ضعیف ہے۔]

پھر ہم نے موسیٰ کو کتاب عنایت فرمائی جس سے نیک کاروں پر نعمت پوری ہو اس میں تمام احکام کی تفصیل ہے اور ہدایت ومہربانی ہے تاکہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر ایمان لائیں ○ اور اس بابرکت کتاب کو بھی ہم نے نازل فرمایا ہے تاکہ تم اس کی حکم برداری کرو اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے ○

نزول قرآن کا مقصد اس کی اتباع: امام ابن جریر نے تو لفظ ﴿ثُمَّ﴾ کو ترتیب کے لئے مانا ہے یعنی ان سے یہ بھی کہہ دے اور ہماری طرف سے یہ خبر بھی پہنچا دے لیکن میں کہتا ہوں ﴿ثُمَّ﴾ کو ترتیب کے لئے مان کر خبر کا خبر پر عطف کر دیں تو کیا حرج؟ ایسا ہوتا ہے اور شعروں میں موجود ہے چونکہ قرآن کریم کی مدح ﴿اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا﴾ میں گذری تھی اس لئے اس پر عطف ڈال کر توراۃ کی مدح بیان کر دی۔ جیسے کہ اور بھی بہت سی آیتوں میں ہے۔ چنانچہ فرمان ہے ﴿وَمِنْ قَبْلِهٖ كِتَابُ مُوْسٰى اِمَامًا وَّرَحْمَةً وَهٰذَا كِتَابٌ مُّصَدِّقٌ لِّسَانًا عَرَبِيًّا﴾ [1] یعنی اس سے پہلے توراۃ امام ورحمت تھی اور اب یہ قرآن عربی تصدیق کرنے والا ہے۔ اسی سورت کے اول میں ﴿قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتَابَ الَّذِیْ﴾ [2] الخ، اس آیت میں بھی تورات کے بیان کے بعد اس قرآن کا بیان ہے۔ کافروں کا حال بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے ﴿فَلَمَّا جَآءَهُمُ الْحَقُّ مِنْ عِنْدِنَا﴾ [3] الخ، جب ان کے پاس ہماری طرف سے حق آ پہنچا تو کہنے لگے اسے اس جیسا کیوں نہ ملا جو موسیٰ علیہ السلام کو ملا تھا جس کے جواب میں فرمایا گیا کیا انہوں نے موسیٰ علیہ السلام کی اس کتاب کے ساتھ کفر نہیں کیا تھا؟ کیا صاف طور سے نہیں کہا تھا کہ یہ دونوں جادوگر ہیں اور ہم تو ہر ایک کے منکر ہیں۔ جنوں کا قول بیان ہوا ہے کہ انہوں نے اپنی قوم سے کہا ہم نے وہ کتاب سنی ہے جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد اتری ہے جو اپنے سے اگلی کتابوں کو سچا کہتی ہے اور راہ حق کی ہدایت کرتی ہے۔ وہ کتاب جامع اور کامل تھی۔ شریعت کی جن باتوں کی اس وقت ضرورت تھی سب اس میں موجود تھیں یہ احسان تھا نیک کاروں کی نیکیوں کے بدلے کا۔ جیسے فرمان ہے احسان کا بدلہ احسان ہی ہے اور جیسے فرمان ہے کہ بنی اسرائیلیوں کو ہم نے ان کا امام بنا دیا جب کہ انہوں نے صبر کیا اور ہماری آیتوں پر یقین رکھا۔ غرض یہ بھی اللہ کا فضل تھا اور نیکوں کو نیکیوں کا صلہ۔ احسان کرنے والوں پر اللہ بھی احسان پورا کرتا ہے یہاں اور وہاں بھی۔ امام ابن جریر اَلَّذِیْ کو مصدر یہ مانتے ہیں جیسے ﴿وَخِضْتُمْ كَالَّذِیْ خَاضُوْا﴾ [4] میں ہے ابن رواحہ رضی اللہ عنہ کا شعر ہے:

وَثَبَّتَ اللّٰهُ مَا آتَاكَ مِنْ حُسْنٍ فِی الْمُرْسَلِیْنَ وَنَصْرًا كَالَّذِیْ نَصَرُوْا

اللہ تیری اچھائیاں بڑھائے اور اگلے نبیوں کی طرح تیری بھی مدد فرمائے۔ بعض کہتے ہیں یہاں ﴿الَّذِیْ﴾ معنی میں ﴿الَّذِیْنَ﴾ کے ہے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی قرات ﴿تَمَامًا عَلَى الَّذِیْنَ اَحْسَنُوْا﴾ ہے۔ پس مومنوں اور نیک لوگوں پر اللہ کا یہ احسان ہے اور پورا احسان ہے۔ بغوی کہتے ہیں مراد اس

---

[1] [سورة الاحقاف: آیت ١٢]
[2] [سورة الانعام: آیت ٩١]
[3] [سورة القصص: آیت ٤٨]
[4] [سورة التوبہ: آیت ٦٩]

اَنْ تَقُوْلُوْٓا اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآىِٕفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۠ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ۙ۝١٥٦ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ۝١٥٧

اس لئے کہ کبھی کہنے لگو کتاب اللہ تو ہم سے پہلے کی دو جماعتوں کی طرف ہی نازل کی گئی اور ہم تو ان کی تلاوت سے بے خبر ہی رہے ○ یا کہنے لگو کہ اگر ہم پر کوئی کتاب اتاری جاتی تو ہم اس سے بہت ہی زیادہ راہ یافتہ بن جاتے' اچھا اب تو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے حجت ودلیل اور ہدایت ورحمت آ پہنچی' پس اس سے بڑھ کر ظالم کون ہے جو اللہ کی آیتوں کو جھوٹی بتلائے اور ان سے کترا جائے' ہم بھی ان لوگوں کو جو ہماری آیتوں سے کتراتے رہتے ہیں برے عذابوں کی سزا دیں گے جو بدلا ہوگا ان کے کترانے کا ○

بدترین لوگ جو دوسروں کو نیکی سے روکیں: فرماتا ہے کہ اس آخری کتاب نے تمہارے تمام عذر ختم کر دیئے جیسے فرمان ہے ﴿وَلَوْلَآ اَنْ تُصِيْبَهُمْ مُّصِيْبَةٌ﴾ [۲] الخ' یعنی اگر انہیں ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے کوئی مصیبت پہنچتی تو کہہ دیتے کہ تو نے ہماری طرف کوئی رسول کیوں نہ بھیجا کہ ہم تیرے فرمان کو مانتے۔ اگلی دو

---

[۱] [سورة الاعراف: آیت ١٤٤] [۲] [سورة القصص: آیت ٤٧]

پس یہ لوگ ہیں جونہ مانتے تھے نہ فرماں بردار ہوتے تھے۔ جیسے فرمان ہے ﴿فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ○ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى﴾ ④ یعنی نہ تو مانا نہ نماز پڑھی بلکہ نہ مان کر منہ پھیر لیا۔ ان دونوں تفسیروں میں پہلی بہت اچھی ہے یعنی خود بھی انکار کیا اور دوسروں کو بھی انکار پر آمادہ کیا۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ۝

کیا یہ اسی بات کے منتظر ہیں؟ کہ ان کے پاس فرشتے آئیں؟ یا تیرا رب آئے؟ یا تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں؟ جس دن تیرے رب کی بعض نشانیاں آ جائیں گی تو کسی شخص کو جو اس سے پہلے ایمان نہیں لایا تھا اس کا ایمان مطلق فائدہ نہ دے گا نہ اسے جس نے اپنے ایمان کی حالت میں نیکیاں نہ کی ہوں' کہہ دے کہ اچھا منتظر رہو ہم بھی انتظار کر رہے ہیں ○

قیامت کی بڑی علامتوں کا ظہور اور توبہ کا انقطاع: اللہ تعالیٰ کافروں کو اور پیغمبروں کے مخالفوں کو اور اپنی آیات کے جھٹلانے والوں کو اور اپنی راہ سے روکنے والوں کو ڈرا رہا ہے کہ کیا انہیں قیامت کا انتظار ہے؟ جبکہ فرشتے بھی آئیں گے اور خود اللہ قہار بھی۔ یا انہیں قیامت کی بڑی بڑی نشانیوں کے ظاہر ہونے کا انتظار ہے؟ وہ بھی وقت ہوگا

---

① [سورة فاطر: آیت ٤٢] ② [الانعام: آیت ٢٦]
③ [سورة النحل: آیت ٨٨] ④ [سورة القیامة: ٣١، ٣٢]

جب ایمان بھی بے سود اور توبہ بھی بیکار۔ بخاری شریف میں اس آیت کی تفسیر میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے جب یہ نشان ظاہر ہو جائے گا تو زمین پر جتنے لوگ ہوں گے سب ایمان لائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان محض بے سود ہے۔ پھر آپ نے یہی آیت پڑھی ① اور حدیث میں ہے جب قیامت کی تین نشانیاں ظاہر ہو جائیں تو بے ایمان کو ان کا ایمان لانا' خیر سے رکے ہوئے لوگوں کو اس کے بعد نیکی یا توبہ کرنا کچھ سودمند نہ ہوگا۔ سورج کا مغرب سے نکلنا' دجال کا آنا' دابۃ الارض کا ظاہر ہونا۔ ② ایک اور روایت میں اس کے ساتھ ہی ایک دھویں کے آنے کا بھی بیان ہے ③ اور حدیث میں ہے سورج کے مغرب سے طلوع ہونے سے بیشتر جو توبہ کرے اسکی توبہ مقبول ہے۔ ④ حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ سے ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا جانتے ہو یہ سورج غروب ہو کر کہاں جاتا ہے جواب دیا کہ نہیں فرمایا عرش کے قریب جا کر سجدے میں گر پڑتا ہے اور ٹھہرا رہتا ہے یہاں تک کہ اسے اجازت ملے اور کہا جائے لوٹ جا قریب ہے کہ ایک دن اس سے کہہ دیا جائے کہ جہاں سے آیا ہے وہیں لوٹ جا یہی وہ وقت ہوگا کہ ایمان لانا بے نفع ہو جائے گا۔ ⑤ ایک مرتبہ لوگ قیامت کی نشانیوں کا ذکر کر رہے تھے اتنے میں حضور ﷺ بھی تشریف لے آئے اور فرمانے لگے قیامت قائم نہ ہوگی جب تک کہ تم دس نشانیاں نہ دیکھ لو گے۔ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا' دھواں' دابۃ الارض' یاجوج ماجوج کا آنا عیسیٰ بن مریم کا آنا اور دجال کا نکلنا' مشرق' مغرب' اور جزیرہ عرب میں تین جگہ زمین کا دھنس جانا اور عدن کے درمیان سے ایک زبردست آگ کا نکلنا جو لوگوں کو ہانک لے جائے گی رات دن ان کے پیچھے ہی پیچھے رہے گی۔ ⑥ (مسلم وغیرہ) حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے آنحضرت سے دریافت کیا کہ سورج مغرب سے طلوع ہونے کا

---

① [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب لا ینفع نفسا ایمانها الذی (٤٦٣٥) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان الزمن الذی لا یقبل فیه الایمان (١٥٧) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب طلوع الشمس من مغربها (٤٠٦٨) ابو داؤد : کتاب الملاحم : باب امارات الساعة (٤٣١٢) مسند احمد (٢/٢٣١ـ ٣١٣)]

② [صحیح : صحیح مسلم (١٥٨) ترمذی : کتاب تفسیر القرآن : باب ومن سورة الانعام (٣٠٧٢) تفسیر ابن جریر الطبری (١٤٢٥٢) مسند احمد (١/١٠٧)]

③ [صحیح : صحیح مسلم (أیضا) مسند احمد (٢/٤٤٥)]

④ [صحیح : صحیح مسلم (٢٧٠٣) مسند احمد (٢/٢٧٥)، (٢/٤٢٧ـ ٥٠٦)]

⑤ [صحیح : صحیح بخاری : کتاب بدء الخلق : باب صفة الشمس والقمر (٣١٩٩) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب بیان زمن الذی لا یقبل فیه الایمان (١٥٩) ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجآء فی طلوع الشمس من مغربها (٢١٨٦) مسند احمد (٥/١٧٧)]

⑥ [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب فی الآیات التی تکون قبل الساعة (٢٩٠١) ترمذی : کتاب الفتن : باب ماجآء فی الخسف (٢١٨٣) ابن ماجه : کتاب الفتن : باب اشراط الساعة (٤٠٤١) ابو داؤد : کتاب الملاحم : باب امارات الساعة (٤٣١١) مسند احمد (٤/٦ـ ٧)]

نشان کیا ہے؟ آپ نے فرمایا وہ رات بہت لمبی ہو جائے گی بقدر دو راتوں کے لوگ معمول کے مطابق اپنے کام کاج میں ہوں گے اور تہجد گذاری میں بھی۔ ستارے اپنی جگہ ٹھہرے ہوئے ہوں گے پھر لوگ سو جائیں گے پھر اٹھیں گے کام میں لگیں گے پھر سوئیں گے پھر اٹھیں گے لیکن دیکھیں گے کہ نہ ستارے ہٹے ہیں نہ سورج نکلا ہے کروٹیں دکھنے لگیں گی لیکن صبح نہ ہوگی اب تو گھبرا جائیں گے اور دہشت زدہ ہو جائیں گے منتظر ہوں گے کہ کب سورج نکلے مشرق کی طرف نظریں جمائے ہوئے ہوں گے کہ اچانک مغرب کی طرف سے سورج نکل آئے گا اس وقت تو تمام روئے زمین کے انسان مسلمان ہو جائیں گے لیکن اس وقت کا ایمان محض بے سود ہوگا۔ ① (ابن مردویہ) ایک حدیث میں حضور ﷺ کا اس آیت کے اس جملے کو تلاوت فرما کر اس کی تفسیر میں سورج کا مغرب سے نکلنا فرمانا بھی ہے۔ ② ایک روایت میں ہے سب سے پہلی نشانی یہی ہوگی ③ اور حدیث میں ہے اللہ تعالیٰ نے مغرب کی طرف ایک بڑا دروازہ کھول رکھا ہے جس کا عرض ستر سال کا ہے یہ توبہ کا دروازہ ہے یہ بند نہ ہوگا جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے ④ اور حدیث میں ہے لوگوں پر ایک رات آئے گی جو تین راتوں کے برابر ہوگی اسے تہجد گذار جان لیں گے یہ کھڑے ہوں گے اپنے معمول کے مطابق تہجد پڑھ کر پھر سو جائیں گے پھر اٹھیں گے اپنا معمول ادا کر کے پھر لیٹیں گے لوگ اس لمبائی سے گھبرا کر چیخ و پکار شروع کر دیں گے اور دوڑے بھاگے مسجدوں کی طرف جائیں گے کہ ناگہاں دیکھیں گے کہ سورج طلوع ہو گیا یہاں تک کہ وسط آسمان میں پہنچ کر لوٹ جائے گا اور اپنے طلوع ہونے کی جگہ سے طلوع ہوگا۔ یہی وہ وقت ہے جس وقت ایمان سودمند نہیں۔ ⑤ اور روایت میں ہے کہ تین مسلمان شخص مروان کے پاس بیٹھے ہوئے تھے مروان ان سے کہہ رہے تھے کہ سب سے پہلے نشانی دجال

---

① [موضوع: الدر المنثور للسیوطی (۱۰۹/۳) اللآلی المصنوعة (۵۸/۱)] امام سیوطیؒ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند موضوع ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے موضوع کہتے ہیں۔]

② [صحیح: ترمذی: کتاب تفسیر القرآن: باب ومن سورة الانعام (۳۰۷۱) عبد بن حمید فی المنتخب (۹۰۲) مسند احمد (۳۱/۳) مسند ابویعلی (۱۳۵۳) تفسیر ابن جریر الطبری (۱۴۲۰۲/۱۲) تفسیر ابن ابی حاتم (۸۱۴۱/۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ترمذی]

③ [ضعیف: طبرانی کبیر (۸۰۲۲) الکامل لابن عدی (۲۰۴۷/۶) مجمع الزوائد (۹/۸) الخطیب فی تاریخ بغداد (۱۵۶/۲)] اس کی سند میں فضال بن جبیر راوی ضعیف ہے۔]

④ [حسن: ترمذی: کتاب الدعوات: باب ماجاء فی فضل التوبة والاستغفار (۳۵۳۶) ابن ماجه: کتاب الفتن: باب طلوع الشمس من مغربها (۴۰۷۰) نسائی فی التفسیر من الکبری (۱۱۱۷۸/۶) صحیح ابن خزیمة (۱۷) صحیح ابن حبان (۱۳۲۲/۴) مسند احمد (۲۴۱/۴)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ امام ابن خزیمہ اور امام ابن حبانؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ترمذی] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

⑤ [ضعیف: الدر المنثور للسیوطی (۱۱۱/۳) اللآلی المصنوعة (۵۹/۱)] اس کی سند میں ضرار بن صرد راوی ضعیف ہے۔ [الکامل لابن عدی (۱۰۹/۳) تهذیب الکمال (۲۰۱۸/۱۱)]

کا خروج ہے یہ سن کر لوگ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کے پاس گئے اور یہ بیان کیا آپ نے فرمایا اس نے کچھ نہیں کہا مجھے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان محفوظ ہے کہ سب سے پہلی نشانی سورج کا مغرب سے نکلنا ہے اور دابۃ الارض کا دن چڑھے ظاہر ہونا ہے۔ ان دونوں میں سے جو بھی پہلے ظاہر ہوا اسی کے بعد دوسری ظاہر ہوگی حضرت عبداللہ کتاب پڑھتے جاتے تھے فرمایا میرا خیال ہے کہ پہلے سورج کا نشان ظاہر ہوگا وہ غروب ہوتے ہی عرش تلے جاتا ہے اور سجدہ کر کے اجازت مانگتا ہے اجازت مل جاتی ہے جب مشیت الٰہی سے مغرب سے ہی نکلنا ہوا تو اس کی بار بار کی اجازت طلبی پر جواب نہ ملے گا رات کا وقت ختم ہونے کے قریب ہوگا اور یہ سمجھ لے گا کہ اب اگر اجازت ملی بھی تو مشرق میں نہیں پہنچ سکتا تو کہے گا کہ یا اللہ دنیا کو سخت تکلیف ہوگی تو اس سے کہا جائے گا یہیں سے طلوع ہو چنانچہ وہ مغرب سے ہی نکل آئے گا۔ پھر حضرت عبداللہ رضی اللہ عنہ نے یہی آیت تلاوت فرمائی۔ (۱) طبرانی میں ہے کہ جب سورج مغرب سے نکلے گا ابلیس سجدے میں گر پڑے گا اور زور زور سے کہے گا الٰہی مجھے حکم کر میں مانوں گا جسے تو فرمائے میں سجدہ کرنے کے لئے تیار ہوں اس کی ذریت اس کے پاس جمع ہو جائے گی اور کہے گی یہ ہائے وائے کیسی ہے؟ وہ کہے گا مجھے یہیں تک کی ڈھیل دی گئی تھی۔ اب وہ آخری وقت آ گیا پھر صفا کی پہاڑی کے غار سے دابۃ الارض نکلے گا اس کا پہلا قدم انطا کیہ میں پڑے گا وہ ابلیس کے پاس پہنچے گا اور اسے تھپڑ مارے گا۔ (۲) یہ حدیث بہت ہی غریب ہے اس کی سند بالکل ضعیف ہے ممکن ہے کہ یہ ان کتابوں میں سے حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما نے لی ہو جن کے دو تھیلے انہیں یرموک کی لڑائی والے دن ملے تھے۔ ان کا فرمان رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہونا نا قابل تسلیم ہے واللہ اعلم۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہجرت منقطع نہ ہوگی جب تک کہ دشمن برسر پیکار رہے۔ ہجرت کی دو قسمیں ہیں ایک تو گناہوں کو چھوڑنا دوسرے اللہ اور اس کے رسول کے پاس ترک وطن کر کے جانا یہ بھی باقی رہے گی جب تک کہ توبہ قبول ہوتی ہے اور توبہ قبول ہوتی رہے گی جب تک کہ سورج مغرب سے نہ نکلے۔ سورج کے مغرب سے نکلتے ہی پھر جو کچھ جس دل میں ہے اسی پر مہر لگ جائے گی اور اعمال بے سود ہو جائیں گے۔ (۳) ابن مسعود رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ بہت سے نشانات گذر چکے صرف چار باقی رہ گئے ہیں۔ سورج کا مغرب سے نکلنا دجال دابۃ الارض اور یاجوج ماجوج کا آنا جس علامت کے ساتھ اعمال ختم ہو جائیں گے وہ طلوع شمس منجانب مغرب ہے۔ ایک طویل مرفوع غریب منکر حدیث میں ہے کہ اس دن سورج چاند ملے جلے طلوع ہوں گے آدھے

---

(۱) [صحیح: مسند احمد (۲/۲۰۱) صحیح مسلم: کتاب الفتن: باب فی خروج الدجال ومکثۃ فی الارض (۲۹۴۱) ابن ماجہ: کتاب الفتن: باب طلوع الشمس من مغربھا (۴۰۶۹) ابوداؤد: کتاب الملاحم: باب امارات الساعۃ (۴۳۱۰)]

(۲) [منکر: طبرانی اوسط (۹۴) مجمع الزوائد (۱۲۵۷۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے منکر کہتے ہیں۔ اس کی سند میں اسحٰق بن ابراہیم اور ابن لہیعہ دو راوی ضعیف ہیں۔]

(۳) [حسن: مسند احمد (۲/۱۹۲) مجمع الزوائد (۵/۲۵۳)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [ارواء الغلیل (۵/۳۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

آسمان سے واپس چلے جائیں گے پھر حسب عادت ہو جائیں گے۔ [1] اس حدیث کا تو مرفوع ہونے کا دعویٰ اس حدیث کے موضوع ہونے کا ثبوت ہے۔ ہاں ابن عباس رضی اللہ عنہما یا وہب بن منبہ رحمہ اللہ پر موقوف ہونے کی حیثیت سے ممکن ہے موضوع کی گنتی سے نکل جائے واللہ اعلم۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں قیامت کی پہلی نشانی کے ساتھ ہی اعمال کا خاتمہ ہے اس دن کسی کافر کا مسلمان ہونا بے سود ہوگا۔ ہاں مومن جو اس سے پہلے نیک اعمال والا ہوگا وہ بہتری میں رہے گا اور جو نیک عمل نہ ہوگا اس کی توبہ بھی اس وقت مقبول نہ ہوگی جیسے کہ پہلے حدیثیں گذر چکیں۔ برے لوگوں کے نیک اعمال بھی اس نشان عظیم کو دیکھ لینے کے بعد کام نہ آئیں گے۔ پھر کافروں کو تنبیہ کی جاتی ہے کہ اچھا تم انتظار میں ہی رہو تا آنکہ توبہ کے اور ایمان کے قبول نہ ہونے کا وقت آ جائے۔ اور قیامت کے زبردست آثار ظاہر ہو جائیں جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ﴾ [2] الخ' قیامت کے اچانک آ جانے کا ہی انتظار ہے اس کی بھی علامات ظاہر ہو چکی ہیں اس کے آ چکنے کے بعد نصیحت کا وقت کہاں؟ اور آیت میں ہے ﴿فَلَمَّا رَاَوْا بَاْسَنَا﴾ [3] ہمارے عذابوں کا مشاہدہ کر لینے کے بعد کا ایمان اور شرک سے انکار بے سود ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ ۭ اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝

جن لوگوں نے تفرقہ ڈالا اور گروہ گروہ بن گئے تجھے ان سے کوئی سروکار نہیں ان کا معاملہ سپرد اللہ ہے وہی انہیں اس کے بعد ان کے کرتوت سے باخبر کر دے گا۔

تفرقہ ڈالنے والے گمراہ لوگ: کہتے ہیں کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے بارے میں اتری ہے۔ یہ لوگ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت سے پہلے سخت اختلافات میں تھے جن کی خبر یہاں دی جا رہی ہے۔ [4] ایک حدیث میں ہے کہ ﴿شَيْءٍ﴾ تک اس آیت کی تلاوت فرما کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ بھی تجھ سے کوئی میل نہیں رکھتے۔ یہ اس امت کے اہل بدعت شک شبہ والے اور گمراہی والے ہیں۔ [5] اس حدیث کی سند صحیح نہیں۔ یعنی ممکن ہے یہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کا قول ہو۔ ابوامامہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد خارجی ہیں۔ [6] یہ بھی مرفوعاً مروی ہے لیکن صحیح نہیں۔

---

[1] [ضعیف: الدر المنثور للسیوطی (۳/۱۱٤، ۱۱۵)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند میں عبد المنعم بن ادریس راوی متہم ہے۔]

[2] [سورة محمد: آیت ۱۸]

[3] [سورة غافر: آیت ۸٤۔ ۸۵]

[4] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱٤۲۵۷)]

[5] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱٤۲۷۱)]

[6] [الدر المنثور للسیوطی (۳/۱۱۷) تفسیر ابن ابی حاتم (۸۱۵۰/٦)] اس میں ابوغالب ضعیف ہے۔]

ایک اور غریب حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں مراد اس سے اہل بدعت ہیں۔ [1] اس کا بھی مرفوع ہونا صحیح نہیں۔ بات یہ ہے کہ آیت عام ہے جو بھی اللہ رسول کے دین کی مخالفت کرے اور اس میں پھوٹ اور افتراق پیدا کرے گمراہی کی اور خواہش پرستی کی پیروی کرے نیا دین اختیار کرے نیا مذہب قبول کرے وہی وعید میں داخل ہے کیونکہ حضور ﷺ جس حق کو لے کر آئے ہیں وہ ایک ہی ہے کئی ایک نہیں۔ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو فرقہ بندی سے بچایا ہے اور آپ کے دین کو بھی اس لعنت سے محفوظ رکھا ہے۔ اسی مضمون کی دوسری آیت ﴿شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ﴾ [2] الخ' ہے ایک حدیث میں بھی ہے کہ ہم جماعت انبیاء علاتی بھائی ہیں۔ ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ [3] پس صراط مستقیم اور دین پسندیدہ اللہ کی توحید اور رسولوں کی اتباع ہے اس کے خلاف جو ہو ضلالت' جہالت' رائے' خواہش اور بد دینی ہے اور رسول ﷺ اس سے بیزار ہیں ان کا معاملہ سپرد رب ہے وہی انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کرے گا جیسے اور آیت میں ہے کہ مومنوں' یہودیوں' صابیوں' نصرانیوں' مجوسیوں اور مشرکوں میں اللہ خود قیامت کے دن فیصلے کر دے گا [4] اس کے بعد اپنے احسان حکم اور عدل کا بیان فرماتا ہے۔

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا ۚ وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزٰٓى اِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۱۶۰﴾

نیکی لانے والے کو دس گنا بدلہ ہے اور برائی لے کر آنے والا برابر برابر ہی بدلہ پائے گا کسی پر ظلم نہ کیا جائے گا○

نیکی کا بدلہ دس گنا: ایک اور آیت میں مجملاً یہ آیا ہے کہ ﴿فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا﴾ جو نیکی لائے اس کے لئے اس سے بہتر بدلہ ہے۔ اسی آیت کے مطابق بہت سی حدیثیں بھی وارد ہوتی ہیں ایک میں ہے تمہارا رب عزوجل بہت بڑا رحیم ہے نیکی کے صرف قصد پر نیکی کے کرنے کا ثواب عطا فرما دیتا ہے اور ایک نیکی کے کرنے پر دس سے ساٹھ تک بڑھا دیتا ہے اور بھی بہت زیادہ اور بہت زیادہ۔ اور اگر برائی کا قصد ہوا پھر نہ کر سکا تو بھی نیکی ملتی ہے اور اگر اس برائی کو کر گذرا تو ایک برائی ہی لکھی جاتی ہے اور بہت ممکن ہے کہ اللہ معاف ہی فرما دے اور بالکل ہی مٹا دے سچ تو یہ ہے کہ ہلاکت والے ہی اللہ کے ہاں ہلاک ہوتے ہیں [5] (بخاری' مسلم' نسائی وغیرہ) ایک حدیث قدسی

---

[1] [ضعیف : طبرانی صغیر (۲۰۳/۱)، (۵۶۰) ابو نعیم فی الحلیة (۱۳۸/۴) الدر المنثور للسیوطی (۱۱۷/۳) تفسیر ابن ابی حاتم (۸۱۵۷/۵) بیهقی فی شعب الایمان (۶۲۳۹/۵) ابن جوزی فی العلل المناهیة (۲۰۹) دارقطنی فی العلل (۱۶۳/۲)] اس کی سند میں مجالد راوی ضعیف ہے۔ شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [سورة الشوری: آیت ۱۳]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب احادیث الانبیاء : باب قول الله تعالی واذکر فی الکتاب مریم (۳۴۴۳) صحیح مسلم : کتاب الفضائل : باب فضائل عیسی (۲۳۶۵) مسند احمد (۳۱۹/۲)]

[4] [سورة الحج: آیت ۱۷]

[5] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الرقاق : باب من هم بحسنة أو بسیئة (۶۴۹۱) صحیح مسلم : کتاب الایمان : باب اذاهم العبد بحسنة (۱۳۱) مسند احمد (۲۷۹/۱)]

میں ہے نیکی کرنے والے کو دس گنا ثواب ہے اور پھر بھی میں زیادہ کر دیتا ہوں اور برائی کرنے والے کو اکہرا عذاب ہے اور میں معاف بھی کر دیتا ہوں زمین بھر کر جو شخص خطائیں لے آئے اگر اس نے میرے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا تو میں اتنی ہی رحمت سے اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں۔ جو میری طرف بالشت بھر آئے میں اس کی طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو ہاتھ بھر آئے میں اس کی طرف دو ہاتھ بڑھتا ہوں اور جو میری طرف چلتا ہوا آئے میں اس کی طرف دوڑتا ہوا جاتا ہوں۔ (۱) (مسلم مسند وغیرہ) اس سے پہلے گذری ہوئی حدیث کی طرح ایک اور حدیث بھی ہے اس میں یہ جو فرمایا ہے کہ برائی کا ارادہ کر کے پھر اسے چھوڑ دینے والے کو بھی نیکی ملتی ہے اس سے مراد وہ شخص ہے جو اللہ کے ڈر سے چھوڑ دے چنانچہ بعض روایات میں تشریح آ بھی چکی ہے۔ دوسری صورت چھوڑ دینے کی یہ ہے کہ اسے یاد ہی نہ آئے بھول بسر جائے تو اسے نہ تو ثواب ہے نہ عذاب کیونکہ اس نے اللہ سے ڈر کر نیک نیتی سے اسے ترک نہیں کیا اور اگر بد نیتی سے اس نے کوشش بھی کی اسے پوری طرح کرنا بھی چاہا لیکن عاجز ہو گیا کر نہ سکا' موقعہ ہی نہ ملا' اسباب ہی نہ بنے' تھک کر بیٹھ گیا تو اس شخص کو اس برائی کے کرنے کے برابر گناہ ہوتا ہے چنانچہ حدیث میں ہے جب دو مسلمان تلواریں لے کر ایک دوسرے سے جنگ کریں تو جو مار ڈالے اور جو مار ڈالا جائے دونوں جہنمی ہیں لوگوں نے کہا مار ڈالنے والا تو خیر لیکن جو مارا گیا وہ جہنم میں کیوں جائے گا؟ آپ نے فرمایا اس لئے کہ وہ بھی دوسرے کو مار ڈالنے کا آرزو مند تھا۔ (۲) اور حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں نیکی کے محض ارادے پر نیکی لکھ لی جاتی ہے اور عمل میں لانے کے بعد دس نیکیاں لکھی جاتی ہیں برائی کے محض ارادے کو لکھا نہیں جاتا اگر عمل کر لے تو ایک ہی گناہ لکھا جاتا ہے اور اگر چھوڑ دے تو نیکی لکھی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اس نے گناہ کے کام کو میرے خوف سے ترک کر دیا۔ (۳) حضور ﷺ فرماتے ہیں لوگوں کی چار قسمیں ہیں اور اعمال کی چھ قسمیں ہیں۔ بعض لوگ تو وہ ہیں جنہیں دنیا میں اور آخرت میں وسعت کشادگی دی جاتی ہے بعض وہ ہیں جن پر دنیا میں کشادگی ہوتی ہے اور آخرت میں تنگی بعض وہ ہیں جن پر دنیا میں تنگی رہتی ہے اور آخرت میں انہیں کشادگی ملے گی۔ بعض وہ ہیں جو دونوں جہان میں بد بخت رہتے ہیں یہاں بھی وہاں بھی بے آبرو۔ اعمال کی چھ قسمیں یہ ہیں دو قسمیں تو ثواب واجب کر دینے والی ہیں ایک برابر کا' ایک دس گنا اور ایک سات سو گنا واجب کر دینے والی' دو چیزیں وہ ہیں جو شخص اسلام و ایمان پر مرے اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کیا ہو اس کے لئے جنت واجب ہے اور جو کفر پر مرے اس کے لئے جہنم واجب ہے اور جو نیکی کا ارادہ کرے گو کی نہ ہو اسے ایک نیکی ملتی ہے

---

(۱) [صحیح : صحیح مسلم : کتاب الدعوات : باب فضل الذکر والدعاء والتقرب الی الله تعالی (۲۶۸۷) ابن ماجه: باب فضل العمل (۳۸۲۱) مسند احمد (۵/۱۵۳)]

(۲) [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الایمان : باب وان طائفتان من المؤمنین اقتتلوا (۳۱) ، (۶۸۷۵) صحیح مسلم : کتاب الفتن : باب اذا تواجه المسلمان بسیفیهما (۲۸۸۸) نسائی : کتاب تحریم الدم : باب تحریم القتل (۴۱۲۳) ابوداؤد : کتاب الفتن : باب النهی عن القتال فی الفتنة (۴۲۶۸) مسند احمد (۷/۴۲_۴۷)]

(۳) [ضعیف : اس کی سند میں موسیٰ بن عبیدہ راوی ضعیف اور اس کا شیخ مجہول ہے۔]

اس لئے کہ اللہ جانتا ہے کہ اس کے دل نے اسے سمجھا اس کی حرص کی اور جو شخص برائی کا ارادہ کرے اس کے ذمہ گناہ نہیں لکھا جاتا اور جو کر گذرے اسے ایک ہی گناہ ہوتا ہے اور وہ بڑھتا نہیں ہے اور جو نیکی کا کام کرے اسے دس نیکیاں ملتی ہیں اور جو راہ اللہ عزوجل میں خرچ کرے اسے سات سو گنا ملتا ہے (۱) (ترمذی) فرمان ہے کہ جمعہ میں آنے والے لوگ تین طرح کے ہیں ایک وہ جو وہاں لغو کرتا ہے اس کے حصے میں تو لغو ہے۔ ایک دعا کرتا ہے اسے اگر اللہ چاہے دے چاہے نہ دے۔ تیسرا وہ شخص ہے جو سکوت اور خاموشی کے ساتھ خطبہ میں بیٹھا ہے کسی مسلمان کی گردن پھلانگ کر مسجد میں آگے نہیں بڑھتا' نہ کسی کو ایذا دیتا ہے اس کا جمعہ اگلے جمعہ تک گناہوں کا کفارہ ہو جاتا ہے بلکہ اور تین دن تک کے گناہوں کا بھی اس لئے کہ وعدہ الٰہی میں ہے ﴿مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا﴾ جو نیکی کرے اسے دس گنا اجر ملتا ہے۔ (۲) طبرانی میں ہے جمعہ جمعہ تک بلکہ اور تین دن تک کا کفارہ ہے اس لئے کہ اللہ کا فرمان ہے نیکی کرنے والے کو اس جیسی دس نیکیوں کا ثواب ملتا ہے۔ (۳) فرماتے ہیں جو شخص مہینے میں تین روزے رکھے اسے سال بھر کے روزوں کا یعنی تمام عمر سارا زمانہ روزے سے رہنے کا ثواب ملتا ہے۔ اس کی تصدیق کتاب اللہ میں موجود ہے کہ ایک نیکی کا اجر دس نیکیوں کے برابر ہے ایک دن کے روزے کا ثواب دس روزوں کا ملتا ہے۔ (۴) (ترمذی) ابن مسعود رضی اللہ عنہ اور سلف کی ایک جماعت سے منقول ہے کہ اس آیت میں حسنہ سے مراد کلمہ توحید ہے اور سیہ سے مراد شرک ہے۔ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ ہے (۵) لیکن اس کی کوئی صحیح سند میری نظر سے نہیں گذری۔ اس آیت کی تفسیر میں اور بھی بہت سی حدیثیں اور آثار ہیں لیکن ان شاء اللہ یہ بھی کافی ہیں۔

---

(۱) [صحیح : مسند احمد (۳۴۵/۴) نسائی : کتاب الجهاد : باب فضل النفقة فی سبیل الله تعالی (۳۱۸۶) ترمذی : کتاب فضائل الجهاد : باب ماجآء فی فضل النفقة فی سبیل الله (۱۶۲۵) مستدرك حاکم (۸۷/۲) طبرانی کبیر (۴۱۵۵/۴)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحیح ابوداود، المشکاة (۳۱۸۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

(۲) [حسن : ابوداؤد : کتاب الصلاة : باب الکلام والامام یخطب (۱۱۱۳)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [صحیح ابوداود]

(۳) [ضعیف ومنقطع وله شواهد : طبرانی کبیر (۳۴۵۹) مجمع الزوائد (۳۰۵۸)] اس کی سند میں محمد ابن اسماعیل بن عیاش اور اس کے والد کے درمیان انقطاع ہے۔ تاہم اس کے کچھ شواہد بھی ہیں۔ [دیکھئے: صحیح مسلم (۲۶، ۲۷)، (۸۵۷)]

(۴) [صحیح : ترمذی : کتاب الصوم : باب ماجآء فی صوم ثلاثة ایام من کل شهر (۷۶۲) ابن ماجه : کتاب الصیام : باب ماجآء فی صیام ثلاثة ایام من کل شهر (۱۷۰۸) نسائی : کتاب الصیام : باب ذکر الاختلاف علی ابی عثمان فی حدیث ابی هریرة (۲۴۱۱)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ترمذی، صحیح ابن ماجه] شیخ عبدالرزاق مہدی نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔]

(۵) [الدرالمنثور للسیوطی (۱۱۹/۳) تفسیر ابن ابی حاتم (۸۱۷۰/۵)]

قُلۡ اِنَّنِیۡ هَدٰىنِیۡ رَبِّیۡۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسۡتَقِیۡمٍ ۚ۬ دِیۡنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبۡرٰهِیۡمَ حَنِیۡفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلۡ اِنَّ صَلَاتِیۡ وَنُسُكِیۡ وَمَحۡیَایَ وَمَمَاتِیۡ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیۡكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرۡتُ وَاَنَا اَوَّلُ الۡمُسۡلِمِیۡنَ ﴿۱۶۳﴾

کہہ دے کہ مجھے تو میرے پروردگار نے سیدھی راہ کی ہدایت کر دی ہے۔ یعنی سچے دین کی جو ابراہیم کا دین ہے جو شرک سے یکسو تھا' اور مشرکوں میں نہ تھے ○ کہہ دے کہ میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ ہی کے لئے ہے جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے ○ جس کا کوئی شریک نہیں' مجھے اسی توحید کا حکم فرمایا گیا ہے اور میں سب فرمان برداروں میں اول ہوں ○

جینا مرنا اللہ کے لیے: سید المرسلین ﷺ کو حکم ہو رہا ہے کہ آپ پر اللہ کی جو نعمت ہے اس کا اعلان کر دیں کہ اس رب نے آپ کو صراط مستقیم دکھا دی ہے جس میں کوئی کجی یا کمی نہیں وہ ثابت اور سالم سیدھی اور ستھری راہ ہے۔

ابراہیم حنیف علیہ السلام کی ملت ہے جو مشرکوں میں نہ تھے اس دین سے وہی ہٹ جاتا ہے جو محض بیوقوف ہو۔ اور آیت میں ہے اللہ کی راہ میں پورا جہاد کرو وہی اللہ ہے جس نے تمہیں برگزیدہ کیا اور کشادہ دین عطا فرمایا جو تمہارے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ ابراہیم علیہ السلام اللہ کے سچے فرمانبردار تھے مشرک نہ تھے اللہ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے اللہ کے پسندیدہ تھے راہ مستقیم کی ہدایت پائے ہوئے تھے دنیا میں بھی ہم نے انہیں بھلائی دی تھی اور میدان قیامت میں بھی وہ نیک کار لوگوں میں ہوں گے۔ پھر ہم نے تیری طرف وحی کی کہ ملت ابراہیم حنیف کی پیروی کر کہ وہ مشرکین میں نہ تھا۔ یہ یاد رہے کہ حضور ﷺ کو آپ کی ملت کی پیروی کا حکم ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ خلیل اللہ آپ سے افضل ہوں اس لئے کہ حضور ﷺ کا قیام اس پر پورا ہوا اور یہ دین آپ ہی کے ہاتھوں کمال کو پہنچا۔ اسی لئے حدیث میں ہے کہ میں نبیوں کا ختم کرنے والا ہوں اور تمام اولاد آدم علیہ السلام کا علی الاطلاق سردار ہوں اور مقام محمود والا ہوں جس سے ساری مخلوق کو امید ہوگی یہاں تک کہ خلیل اللہ کو بھی۔ ابن مردویہ میں ہے کہ حضور ﷺ صبح کے وقت فرمایا کرتے تھے ﴿اَصۡبَحۡنَا عَلٰی مِلَّةِ الۡاِسۡلَامِ وَكَلِمَةِ الۡاِخۡلَاصِ وَدِیۡنِ نَبِیِّنَا وَمِلَّةِ اَبِیۡنَا اِبۡرَاهِیۡمَ حَنِیۡفًا وَّمَا كَانَ مِنَ الۡمُشۡرِكِیۡنَ﴾ یعنی ہم نے ملت اسلامیہ پر کلمہ اخلاص پر ہمارے نبی کے دین پر اور ملت ابراہیم حنیف پر صبح کی ہے جو مشرک نہ تھے[1] حضور علیہ السلام سے سوال ہوا کہ سب سے زیادہ محبوب دین اللہ کے نزدیک کونسا ہے؟ آپ نے فرمایا جو یکسوئی اور آسانی والا ہے۔[2] مسند کی حدیث میں ہے کہ جس دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ کے مونڈھوں پر منہ رکھ کر حبشیوں کے جنگی کرتب ملاحظہ

---

[1] [صحیح: مسند احمد (۴۰۶/۳) الدر المنثور للسیوطی (۱۲۳/۳) ابن السنی فی عمل الیوم واللیلہ (۳۳)] حافظ ابن حجرؒ نے اسے حسن کہا ہے۔ [نتائج الافکار (ص: ۱۷۶)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔ [مجمع الزوائد (۱۵۶/۱۰)]

[2] [صحیح لغیرہ: مسند احمد (۱/ ۲۳۶) طبرانی کبیر (۱۱۵۷۲)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح لغیرہ کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۲۱۰۷)]

فرمائے تھے اس دن آپ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ یہ اس لئے کہ یہود یہ جان لیں کہ ہمارے دین میں کشادگی ہے' اور میں یکسوئی والا آسانی والا دین دے کر بھیجا گیا ہوں۔ ①

اور حکم ہوتا ہے کہ آپ مشرکوں سے اپنا مخالف ہونا بھی بیان فرما دیں وہ اللہ کے سوا دوسروں کی عبادت کرتے ہیں دوسروں کے نام پر ذبیحہ کرتے ہیں میں صرف اپنے رب کی عبادت کرتا ہوں اسی کے نام پر ذبیحہ کرتا ہوں چنانچہ بقرہ عید کے دن حضور ﷺ نے جب دو مینڈھے ذبح کئے تو ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ﴾ الخ' کے بعد یہی آیت پڑھی۔ ② آپ ہی اس امت میں اول مسلم تھے اس لئے کہ یوں تو ہر نبی اور ان کی ماننے والی امت مسلم ہی تھی۔ سب کی دعوت اسلام ہی کی تھی سب اللہ کی خالص عبادت کرتے رہے جیسے فرمان ہے ﴿وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ﴾ ③ یعنی تجھ سے پہلے بھی جتنے رسول ہم نے بھیجے سب کی طرف وحی کی کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں تم سب میری ہی عبادت کرو۔ حضرت نوح علیہ السلام کا فرمان قرآن میں موجود ہے کہ آپ نے اپنی قوم سے فرمایا کہ میں تم سے کوئی اجرت طلب نہیں کرتا میرا اجر تو میرے رب کے ذمہ ہے مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں مسلمانوں میں رہوں اور آیت میں ہے ﴿وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ﴾ ④ الخ' ملت ابراہیمی سے وہی ہٹتا ہے جس کی قسمت پھوٹ گئی ہو۔ وہ دنیا میں بھی برگزیدہ بندہ تھا اور آخرت میں بھی صالح لوگوں میں سے ہے اسے جب اس کے رب نے فرمایا تو تابعدار بن جا اس نے جواب دیا کہ میں رب العالمین کا فرمانبردار ہوں اسی کی وصیت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بچوں کو کی تھی اور یعقوب علیہ السلام نے اپنی اولاد کو کہ اے میرے بچو اللہ نے تمہارے لئے دین کو پسند فرما لیا ہے۔ پس تم اسلام ہی پر مرنا۔ حضرت یوسف علیہ السلام کی آخری دعا میں ہے یا اللہ تو نے مجھے ملک عطا فرمایا خواب کی تعبیر سکھائی آسمان وزمین کا ابتداء میں پیدا کرنے والا تو ہے دنیا اور آخرت میں میرا ولی ہے مجھے اسلام کی حالت میں فوت کرنا اور نیک کاروں میں ملا دینا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا میرے بھائیو اگر تم ایماندار ہو اگر تم مسلم ہو تو تمہیں اللہ ہی پر بھروسہ کرنا چاہئے سب نے جواب دیا کہ ہم نے اللہ پر ہی توکل رکھا ہے۔ اللہ! ہمیں ظالموں کے لئے فتنہ نہ بنا اور ہمیں اپنی رحمت کے ساتھ ان کافروں سے بچالے اور آیت میں فرمان باری ہے ﴿اِنَّآ اَنْزَلْنَا

---

① [حسن : مسند احمد (۶/۱۱۶۔ ۲۳۳) فتح الباری (۲/۴۴۴)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۲۴۸۵۵)]

② [ضعیف : ابوداؤد : کتاب الضحایا : باب مایستحب من الضحایا (۲۷۹۵) ابن ماجه : کتاب الاضاحی : باب اضاحی رسول الله (۳۱۲۱) بیهقی فی السنن الکبری (۹/۲۸۷) دارمی (۱۹۵۲)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔ [ضعیف ابوداود ، المشکاۃ (۱۴۶۱)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

③ [سورۃ الانبیاء: آیت ۲۵]

④ [سورۃ البقرہ : آیت ۱۳۰۔۱۳۲]

﴿التَّوْرٰىةَ فِيْهَا هُدًى وَّنُوْرٌ﴾ [1] الخ ہم نے تورات اتاری جس میں ہدایت ونور ہے جس کے مطابق وہ انبیاء حکم کرتے ہیں جو مسلم ہیں یہودیوں کو بھی اور ربانیوں کو بھی اور احبار کو بھی الخ۔ اور فرمایا ﴿وَاِذْ اَوْحَيْتُ اِلَى الْحَوَارِيّٖنَ اَنْ اٰمِنُوْا بِیْ﴾ [2] الخ میں نے حواریوں کی طرف وحی کی کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ سب نے کہا ہم نے ایمان قبول کیا ہمارے مسلمان ہونے پر تم گواہ رہو۔ یہ آیتیں صاف بتلا رہی ہیں کہ اللہ نے اپنے نبیوں کو اسلام کے ساتھ ہی بھیجا ہے ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ اپنی اپنی مخصوص شریعتوں کے ساتھ مختص تھے احکام کا ادل بدل ہوتا رہتا تھا یہاں تک کہ حضور ﷺ کے دین کے ساتھ پہلے کے کل دین منسوخ ہو گئے اور نہ منسوخ ہونے والا نہ بدلنے والا ہمیشہ رہنے والا دین اسلام آپ کو ملا جس پر ایک جماعت قیامت تک قائم رہے گی اور اس پاک دین کا جھنڈا ابد الآباد تک لہراتا رہے گا۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ ہم انبیاء کی جماعت علاتی بھائی ہیں۔ ہم سب کا دین ایک ہی ہے۔ [3] بھائیوں کی ایک قسم تو علاتی جن کا باپ ایک ہو مائیں الگ الگ ہوں ایک قسم اخیافی جن کی ماں ایک ہو اور باپ جداگانہ ہوں اور ایک عینی بھائی ہیں جن کا باپ بھی ایک ہو اور ماں بھی ایک ہو۔ پس کل انبیاء کا دین ایک ہے یعنی اللہ وحدہ لاشریک لہ کی عبادت اور شریعت مختلف ہیں بہ اعتبار احکام کے۔ اس لئے انہیں علاتی بھائی فرمایا۔ آنحضرت ﷺ تکبیر اولیٰ کے بعد نماز میں ﴿اِنِّیْ وَجَّهْتُ﴾ [4] الخ اور یہ آیت پڑھ کر پھر یہ پڑھتے ﴿اَللّٰهُمَّ اَنْتَ الْمَلِكُ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ اَنْتَ رَبِّیْ وَاَنَا عَبْدُكَ ظَلَمْتُ نَفْسِیْ وَاعْتَرَفْتُ بِذَنْبِیْ فَاغْفِرْلِیْ ذُنُوْبِیْ جَمِیْعًا لَآ یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّآ اَنْتَ وَاهْدِنِیْ لِاَحْسَنِ الْاَخْلَاقِ لَا یَهْدِیْ لِاَحْسَنِهَا اِلَّآ اَنْتَ وَاصْرِفْ عَنِّیْ سَیِّئَهَا لَا یَصْرِفُ عَنِّیْ سَیِّئَهَا اِلَّآ اَنْتَ تَبَارَكْتَ وَتَعَالَیْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَیْكَ﴾ یہ حدیث لمبی ہے اسکے بعد راوی نے رکوع وسجدہ اور تشہد کی دعاؤں کا ذکر کیا ہے [5] (مسلم)

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ۭ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿١٦٤﴾

پوچھ تو کہ کیا میں اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب تلاش کروں حالانکہ تمام چیزوں کا رب تو وہی ہے ہر برے کام کرنے

---

[1] [سورۃ المائدہ: آیت ٤٤] [2] [سورۃ المائدہ: آیت ١١١]

[3] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب احادیث الانبیاء: باب قول اللہ تعالی واذکر فی الکتاب مریم (٣٤٤٣) صحیح مسلم: کتاب الفضائل: باب فضائل عیسی (٢٣٦٥) مسند احمد (٢/٣١٩)]

[4] [سورہ الانعام: آیت ٧٩]

[5] [صحیح: صحیح مسلم: کتاب صلاۃ المسافرین: باب صلاۃ النبی ودعائہ باللیل (٧٧١) ابوداؤد: کتاب الصلاۃ (٧٦٠) ترمذی: کتاب الدعوات (٣٤٢٢) مسند احمد (١/١٠٢)]

والے پر اس کا بوجھ' کوئی بوجھ والا دوسرے کا بوجھ اپنے اوپر نہ لادے گا' پھر تم سب کا لوٹنا تمہارے رب کی طرف ہی ہے تمہارے تمام اختلاف کی خبر وہی تمہیں دیگا○

کیا میں غیر اللہ کو معبود بنالوں؟ کافروں کو نہ خلوص عبادت نصیب ہے نہ سچا توکل رب میسر ہے ان سے کہہ دے کہ کیا میں بھی تمہاری طرح اپنے اور سب کے سچے معبود کو چھوڑ کر جھوٹے معبود بنالوں؟ میری پرورش کرنے والا حفاظت کرنے والا مجھے بچانے والا میرے کام بنانے والا میری بگڑی کو سنوارنے والا تو اللہ ہی ہے پھر میں دوسرے کا سہارا کیوں لوں؟ مالک خالق کو چھوڑ کر بے بس اور محتاج کے پاس کیوں جاؤں؟ گویا اس آیت میں توکل علی اللہ اور عبادت رب کا حکم ہوتا ہے۔ یہ دونوں چیزیں عموماً ایک ساتھ بیان ہوا کرتی ہیں جیسے ﴿اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَاِیَّاكَ نَسْتَعِیْنُ﴾ (1) میں اور ﴿فَاعْبُدْهُ وَتَوَكَّلْ عَلَیْهِ﴾ (2) میں اور ﴿قُلْ هُوَ الرَّحْمٰنُ اٰمَنَّا بِهٖ وَعَلَیْهِ تَوَكَّلْنَا﴾ (3) میں اور ﴿رَبُّ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَاتَّخِذْهُ وَكِیْلًا﴾ (4) میں اور دوسری آیتوں میں بھی۔ پھر قیامت کے دن کی خبر دیتا ہے کہ ہر شخص کو اس کے اعمال کا بدلہ عدل وانصاف سے ملے گا۔ نیکوں کو نیک بدوں کو بد۔ ایک کے گناہ دوسرے پر نہیں جائیں گے۔ کوئی قرابتدار دوسرے کے عوض پکڑا نہ جائے گا اس دن ظلم بالکل ہی نہ ہوگا۔ نہ کسی کے گناہ بڑھائے جائیں گے نہ کسی کی نیکی گھٹائی جائے گی۔ اپنی اپنی کرنی اپنی اپنی بھرنی ہاں جن کے دائیں ہاتھ میں اعمال نامے ملے ہیں ان کے نیک اعمال کی برکت ان کی اولاد کو بھی پہنچے گی جیسے فرمان ہے ﴿وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَاتَّبَعَتْهُمْ ذُرِّیَّتُهُمْ بِاِیْمَانٍ﴾ (5) الخ' یعنی جو ایمان لائے اور انکی اولاد نے بھی ان کے ایمان میں ان کی تابعداری کی ہم ان کی اولاد کو بھی ان کے بلند درجوں میں پہنچا دیں گے گو ان کے اعمال اس درجے کے نہ ہوں لیکن چونکہ ان کی ایمان میں شرکت ہے اس لئے درجات میں بھی بڑھا دیں گے اور یہ درجے ماں باپ کے درجے گھٹا کر نہ بڑھیں گے بلکہ یہ اللہ کا فضل وکرم ہوگا۔ ہاں برے لوگ اپنے بداعمالی کے جھگڑے میں گھرے ہوں گے تم بھی عمل کئے جا رہے ہو ہم بھی کئے جا رہے ہیں اللہ کے ہاں سب کو جانا ہے وہاں اعمال کا حساب ہونا ہے پھر معلوم ہو جائے گا کہ اس اختلاف میں حق اور رضائے رب' مرضی مولیٰ کس کے ساتھ تھی؟ ہمارے اعمال سے تم اور تمہارے اعمال سے ہم اللہ کے ہاں پوچھے نہ جائیں گے۔ قیامت کے دن اللہ کے ہاں سچے فیصلے ہوں گے اور وہ باعلم اللہ ہمارے درمیان سچے فیصلے فرما دے گا۔

وَهُوَ الَّذِیْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓىِٕفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّیَبْلُوَكُمْ فِیْ مَاۤ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِیْعُ الْعِقَابِ ۖ ؗ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ۟ (۱۶۵) ع

اسی نے تمہیں زمین میں نائب بنایا ہے اور تم میں سے بعض کو بعض پر درجوں میں فضیلت دی ہے' تا کہ اس نے تمہیں جو

---

(1) [سورة فاتحه : آیت ٤]
(2) [سورة هود: آیت ١٢٣]
(3) [سورة الملك: آیت ٢٩]
(4) [سورة المزمل : آیت ٩]
(5) [الطور: ٢١]

کچھ دے رکھا ہے اس میں تمہاری آزمائش کرے' بیشک تیرا رب جلد سزا دینے والا بھی ہے اور یقیناً وہ بہت ہی بخشش مہربانی کرنے والا بھی ہے ○

اللہ کی رحمت غضب پر غالب: اس اللہ نے تمہیں زمین کا آباد کار بنایا ہے۔ وہ تمہیں یکے بعد دیگرے پیدا کرتا رہتا ہے ایسا نہیں کیا کہ زمین پر فرشتے بستے ہوں' فرمان ہے ﴿عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ﴾ [1] الخ ''ممکن ہے کہ تمہارا رب تمہارے دشمن کو غارت کر دے اور تمہیں زمین میں خلیفہ بنا کر آزمائے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟'' اس نے تمہارے درمیان مختلف طبقات بنائے' کوئی امیر ہے کوئی غریب ہے' کوئی خوش خو ہے' کوئی بداخلاق ہے' کوئی خوبصورت ہے' کوئی بدصورت ہے' یہ بھی اس کی حکمت ہے۔ اسی نے روزیاں تقسیم کی ہیں ایک کو ایک کے ماتحت کر دیا ہے فرمان ہے ﴿اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ﴾ [2] الخ' دیکھ لے کہ ہم نے ان میں سے ایک کو ایک پر کیسے فضیلت دی ہے؟ اس سے منشاء یہ ہے کہ آزمائش و امتحان ہو جائے۔ امیر آدمیوں کا شکر' فقیروں کا صبر معلوم ہو جائے۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں دنیا میٹھی اور سبز رنگ ہے اللہ تمہیں اس میں خلیفہ بنا کر دیکھ رہا ہے کہ تم کیسے اعمال کرتے ہو؟ پس تمہیں دنیا میں ہوشیار رہنا چاہئے اور عورتوں کے بارے میں بہت احتیاط سے رہنا چاہئے۔ بنی اسرائیل کا پہلا فتنہ عورتیں ہی تھیں۔ [3] اس سورت کی آخری آیت میں اپنے دونوں وصف بیان فرمائے۔ عذاب کا بھی' ثواب کا بھی' پکڑ کا بھی اور بخشش کا بھی اپنے نافرمانوں پر ناراضگی کا اور اپنے فرمانبرداروں پر رضامندی کا۔ عموماً قرآن کریم میں یہ دونوں صفتیں ایک ساتھ ہی بیان فرمائی جاتی ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَاِنَّ رَبَّكَ لَذُوْ مَغْفِرَةٍ لِّلنَّاسِ عَلٰى ظُلْمِهِمْ وَاِنَّ رَبَّكَ لَشَدِيْدُ الْعِقَابِ﴾ [4] اور آیت میں ہے ﴿نَبِّئْ عِبَادِيْٓ اَنِّيْٓ اَنَا الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○ وَاَنَّ عَذَابِيْ هُوَ الْعَذَابُ الْاَلِيْمُ﴾ [5] یعنی تیرا رب اپنے بندوں کے گناہ بخشنے والا بھی ہے اور وہ سخت اور دردناک عذاب دینے والا بھی ہے۔ پس ان آیتوں میں رغبت رہبت دونوں ہیں۔ اپنے فضل کا اور جنت کا لالچ بھی دیتا ہے اور آگ کے عذاب سے دھمکاتا بھی ہے کبھی کبھی ان دونوں وصفوں کو الگ الگ بیان فرماتا ہے تاکہ عذابوں سے بچنے اور نعمتوں کے حاصل کرنے کا خیال پیدا ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے احکام کی پابندی اور اپنی ناراضگی کے کاموں سے نفرت نصیب فرمائے اور ہمیں کامل یقین عطا فرمائے کہ ہم اس کے کلام پر ایمان و یقین رکھیں۔ وہ قریب و مجیب ہے وہ دعاؤں کا سننے والا ہے' وہ جواد' کریم اور وہاب ہے' مسند احمد میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اگر مومن صحیح طور پر اللہ کے عذاب سے واقف ہو جائے تو اپنے گناہوں کی وجہ سے جنت کے حصول کی آس ہی نہ رہے اور اگر کافر اللہ کی رحمت سے کماحقہ واقف ہو

---

[1] [الاعراف: ۱۲۹]
[2] [الاسراء: ۲۱]

[3] [**صحیح**: صحیح مسلم: كتاب الرقاق: باب اكثر اهل الجنة الفقراء (۲۷۴۲) ابن ماجه: كتاب الفتن: باب فتنة النسآء (۴۰۰۰) ترمذی: كتاب الفتن: باب ماجآء اخبر النبى اصحابه (۲۱۹۱) مسند احمد (۳/۱۹-۲۲)]

[4] [سورة الرعد: آیت ٦]
[5] [سورة الحجر: آیت ۴۹-۵۰]

جائے تو کسی کو بھی جنت سے مایوسی نہ ہو۔ اللہ نے سو رحمتیں بنائی ہیں جن میں سے صرف ایک بندوں کے درمیان رکھی ہے اسی سے ایک دوسرے پر رحم وکرم کرتے ہیں باقی ننانوے تو صرف اللہ ہی کے پاس ہیں۔ یہ حدیث ترمذی اور مسلم شریف میں بھی ہے [1] ایک اور روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مخلوق کی پیدائش کے وقت ایک کتاب لکھی جو اس کے پاس عرش پر ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے۔ [2] صحیح مسلم شریف میں ہے رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے کئے جن میں سے ایک کم ایک سو تو اپنے پاس رکھے اور ایک حصہ زمین پر نازل فرمایا اسی ایک حصے میں مخلوق کو ایک دوسرے پر شفقت وکرم ہے یہاں تک کہ جانور بھی اپنے بچے کے جسم سے اپنا پاؤں رحم کھا کر اٹھا لیتا ہے کہ کہیں اسے تکلیف نہ ہو۔ [3] الحمد للہ سورۂ انعام کی تفسیر ختم ہوئی۔ فالحمد للہ

تفسیر سورہ اعراف

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ۞ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۞ اِتَّبِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا مِنْ دُوْنِهٖۤ اَوْلِيَآءَ قَلِيْلًا مَّا تَذَكَّرُوْنَ ۞

اللہ رحم کرنے والے مہربانی کرنے والے کے نام سے شروع

یہ ہے وہ کتاب جو تیری طرف نازل فرمائی گئی ہے پس اس کی تبلیغ سے تیرے سینے میں کوئی تنگی نہ ہونی چاہئے یہ اس لئے اتاری گئی ہے کہ اس کے ساتھ تو لوگوں کو چوکنا کر دے اور ایمان والوں کے لئے نصیحت ہو جائے○ اسی کی پیروی کرو جو تمہاری طرف تمہارے رب کی جانب سے اتارا گیا ہے اس کے سوائے اور رفیقوں کی تابعداری میں نہ لگ جانا تم تو بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو○

اس سورت کی ابتداء میں جو حروف ہیں ان کے متعلق جو کچھ بیان ہمیں کرنا تھا' اسے تفصیل کے ساتھ سورہ بقرہ کی تفسیر کے شروع میں مع اختلاف علماء کے ہم لکھ آئے ہیں۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے اس کے معنی میں مروی ہے

---

[1] [صحیح : صحیح مسلم : کتاب التوبة : باب فی سعة رحمة الله تعالی (٢٧٥٥) ترمذی : کتاب الدعوات : باب خلق الله مائة رحمة (٣٥٤١-٣٥٤٢) مسند احمد (٢/٣٣٤)]

[2] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب التوحید : باب قول الله تعالی ویحذرکم الله نفسه (٧٤٠٤) صحیح مسلم : کتاب التوبة : باب فی سعة رحمة الله تعالی (٢٧٥١) ترمذی : کتاب الدعوات : باب ان رحمتی تغلب غضبی (٣٥٤٣) ابن حبان (٦١٤٣) مسند احمد (٢/٣١٣)]

[3] [صحیح : صحیح بخاری : کتاب الادب : باب جعل الله الرحمة فی مائة جزء (٦٠٠٠) صحیح مسلم : کتاب التوبة : باب فی سعة رحمة الله تعالی (٢٧٥٢)]

''اس سے مراد ﴿اَنَا اللّٰهُ اُفَصِّلُ﴾ ہے یعنی میں اللہ ہوں میں تفصیل وار بیان فرما رہا ہوں'' [1] سعید بن جبیر رحمہ اللہ سے بھی یہی مروی ہے۔

''یہ کتاب قرآن کریم تیری جانب تیرے رب کی طرف سے نازل کی گئی ہے۔ اس میں کوئی شک نہ کرنا' دل تنگ نہ ہونا اس کے پہنچانے میں کسی سے نہ ڈرنا' نہ کسی کا لحاظ کرنا' بلکہ سابقہ اولوالعزم پیغمبروں علیہم السلام کی طرح صبر واستقامت کے ساتھ کلام اللہ کی تبلیغ مخلوق الٰہی میں کرنا۔ اس کا نزول اس لئے ہوا ہے کہ تو کافروں کو ڈرا کر ہوشیار اور چوکنا کر دے۔ یہ قرآن مومنوں کے لئے نصیحت وعبرت وعظ وپند ہے'' اس کے بعد تمام دنیا کو حکم ہوتا ہے کہ ''اس نبی امی صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری پیروی کرو' اس کے قدم بہ قدم چلو۔ یہ تمہارے رب کا بھیجا ہوا ہے' کلام اللہ تمہارے پاس لایا ہے۔ وہ اللہ تم سب کا خالق مالک ہے اور تمام جان داروں کا رب ہے۔ خبردار ہرگز ہرگز نبی سے ہٹ کر دوسرے کی تابعداری نہ کرنا ورنہ حکم عدولی پر سزا ملے گی۔ افسوس تم بہت ہی کم نصیحت حاصل کرتے ہو'' جیسے فرمان ہے کہ ''گو تم چاہو لیکن اکثر لوگ اپنی بے ایمانی پر اڑے ہی رہیں گے'' [2] اور آیت میں ہے ﴿وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ يُضِلُّوْكَ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ﴾ [3] یعنی ''اگر تو انسانوں کی کثرت کی طرف جھک جائے گا تو وہ بھی تجھے بہکا کر ہی چین لیں گے'' سورہ یوسف میں فرمان ہے ''اکثر لوگ اللہ کو مانتے ہوئے بھی شرک سے باز نہیں رہتے'' [4] ۔

وَكَمْ مِّنْ قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَا فَجَآءَهَا بَاْسُنَا بَيَاتًا اَوْهُمْ قَآئِلُوْنَ ④ فَمَا كَانَ دَعْوٰىهُمْ
اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَآ اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اِنَّا كُنَّا ظٰلِمِيْنَ ⑤ فَلَنَسْـَٔلَنَّ الَّذِيْنَ اُرْسِلَ اِلَيْهِمْ
وَلَنَسْـَٔلَنَّ الْمُرْسَلِيْنَ ⑥ فَلَنَقُصَّنَّ عَلَيْهِمْ بِعِلْمٍ وَّمَا كُنَّا غَآئِبِيْنَ ⑦

بہت سی وہ بستیاں ہیں جنہیں ہم نے ہلاک کر دیا ان کے پاس ہمارا عذاب یا تو رات کے وقت آ گیا یا اس حالت میں کہ وہ دو پہر کے آرام میں تھے ○ جب ان کے پاس ہمارا عذاب آ گیا تو انہیں یہی کہتے بن پڑی بیشک ہم ہی ناانصاف تھے ○ یقیناً ہم ان لوگوں سے یہی سوال کریں گے جن کے پاس رسول بھیجے گئے اور خود رسولوں سے بھی ○ پھر ہم ان سب کے سامنے اپنے علم سے سب کچھ بیان کر دیں گے اور ہم غائب تو تھے ہی نہیں ○

سابقہ ہلاک شدہ بستیاں عبرت کا مقام: ان لوگوں کو جو ہمارے رسولوں کی مخالفت کرتے تھے انہیں جھٹلاتے تھے تم سے پہلے ہم ہلاک کر چکے ہیں۔ دنیا اور آخرت کی ذلت ان پر برس پڑی۔ جیسے فرمان ہے ''تجھ سے اگلے رسولوں سے بھی مذاق کیا گیا' لیکن نتیجہ یہ ہوا کہ مذاق کرنے والوں کے مذاق نے انہیں تہ و بالا کر دیا'' ایک اور آیت میں ہے ''بہت سی ظالم بستیوں کو ہم نے غارت کر دیا جواب تک الٹی پڑی ہیں'' اور جگہ ارشاد ہے بہت سے اتراتے ہوئے لوگوں کے شہر ہم نے ویران کر دیئے دیکھ لو کہ اب تک ان کے کھنڈرات تمہارے سامنے ہیں جو بہت کم آباد ہوئے۔ حقیقتاً وارث و مالک ہم ہی ہیں۔ ایسے ظالموں کے پاس ہمارے عذاب اچانک آ گئے اور وہ

---

[1] [تفسیر ابن جریر الطبری (١٤٣١٥)]
[2] [سورة یوسف: آیت ١٠٣]
[3] [سورة الانعام: آیت ١١٦]
[4] [سورة یوسف: آیت ١٠٦]

اپنی غفلتوں اور عیاشیوں میں مشغول تھے۔ کہیں دن کو دوپہر کے آرام کے وقت' کہیں رات کے سونے کے وقت۔ چنانچہ ایک آیت میں ہے ﴿اَفَاَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا بَيَاتًا وَّهُمْ نَآئِمُوْنَ ○ اَوَ اَمِنَ اَهْلُ الْقُرٰى اَنْ يَّاْتِيَهُمْ بَاْسُنَا ضُحًى وَّهُمْ يَلْعَبُوْنَ﴾ [1] یعنی لوگ اس سے بے خوف ہو گئے ہیں کہ ان کے سوتے ہوئے راتوں رات اچانک ہمارا عذاب آ جائے؟ یا انہیں ڈر نہیں کہ دن دیہاڑے دوپہر کو ان کے آرام کے وقت ان پر ہمارے عذاب آ جائیں؟ اور آیت میں ہے کیا مکاریوں سے ہماری نافرمانیاں کرنے والے اس بات سے نڈر ہو گئے ہیں کہ اللہ انہیں زمین میں دھنسا دے؟ یا ان کے پاس عذاب الٰہی اس طرح آ جائیں کہ انہیں پتہ بھی نہ چلے' یا اللہ انہیں ان کی بے خبری میں آرام کی گھڑیوں میں ہی پکڑ لے کوئی نہیں جو اللہ کو عاجز کر سکے۔ یہ تو رب کی رحمت و رافت ہے جو گنہگار زمین پر چلتے پھرتے ہیں۔

عذابِ رب آ جانے کے بعد تو یہ خود اپنی زبانوں سے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیں گے لیکن اس وقت کیا نفع؟ اسی مضمون کو آیت ﴿وَكَمْ قَصَمْنَا﴾ [2] الخ میں بیان فرمایا ہے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ جب تک اللہ تعالیٰ بندوں کے عذر ختم نہیں کر دیتا انہیں عذاب نہیں کرتا۔ عبدالملک سے جب یہ حدیث ان کے شاگردوں نے سنی تو دریافت کیا کہ اس کی صورت کیا ہے؟ تو آپ نے یہ آیت ﴿فَمَا كَانَ دَعْوٰهُمْ﴾ الخ' پڑھ سنائی۔ [3]

پھر فرمایا امتوں سے بھی' ان کے رسولوں سے بھی یعنی سب سے قیامت کے دن سوال ہو گا۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَيَوْمَ يُنَادِيْهِمْ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اَجَبْتُمُ الْمُرْسَلِيْنَ﴾ [4] یعنی اس دن ندا کی جائے گی اور دریافت کیا جائے گا کہ تم نے رسولوں کو کیا جواب دیا؟ اس آیت میں امتوں سے سوال کیا جانا بیان کیا گیا ہے اور آیت میں ہے ﴿يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ﴾ [5] الخ' رسولوں کو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ جمع کرے گا اور ان سے پوچھے گا کہ تمہیں کیا جواب ملا؟ وہ کہیں گے کہ ہمیں کوئی علم نہیں غیب کا جاننے والا تو ہی ہے۔ پس امت سے رسولوں کی قبولیت کی بابت اور رسولوں سے تبلیغ کی بابت قیامت کے دن سوال ہو گا۔ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں تم میں سے ہر ایک با اختیار ہے اور اپنے زیر اختیار لوگوں کی بابت اس سے سوال کیا جانے والا ہے۔ بادشاہ سے اس کی رعایا کا' ہر آدمی سے اس کے اہل و عیال کا' ہر عورت سے اس کے خاوند کے گھر کا' ہر غلام سے اس کے آقا کے مال کا سوال ہو گا۔ راوی حدیث حضرت طاؤس رحمہ اللہ نے اس حدیث کو بیان فرما کر پھر اسی آیت کی تلاوت کی۔ اس زیادتی کے بغیر یہ حدیث بخاری و مسلم کی نکالی ہوئی بھی ہے [6] اور زیادتی ابن مردویہ نے نقل کی ہے۔

---

[1] [سورة الاعراف: آیت ۹۷ ـ ۹۸] [2] [سورة الانبیاء: آیت ۱۱]

[3] [تفسیر ابن جریر الطبری (۱۴۳۲۸)] اس کی سند میں انقطاع ہے۔]

[4] [سورة القصص: آیت ٦٥] [5] [سورة المائدہ: آیت ۱۰۹]

[6] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب الجمعة: باب الجمعة فی القری والمدن (۸۹۳) صحیح مسلم: کتاب الامارة: باب فضیلة الامیر العادل (۱۸۲۹) ترمذی: کتاب الجهاد: باب ماجآء فی الامام (۱۷۰۵) ابوداؤد: کتاب الخراج: باب ما یلزم الامام من حق الرعیة (۲۹۲۸)]

قیامت کے دن اعمال نامے رکھے جائیں گے اور سارے اعمال ظاہر ہو جائیں گے۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کے اعمال کی خبر دے گا کسی کے عمل کے وقت اللہ غائب نہ تھا۔ ہر ایک چھوٹے بڑے، چھپے کھلے عمل کی اللہ کی طرف سے خبر دی جائے گی۔ اللہ ہر شخص کے اعمال سے باخبر ہے اس پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ نہ وہ کسی چیز سے غافل ہے۔ آنکھوں کی خیانت سے سینوں کی چھپی ہوئی باتوں کا جاننے والا ہے۔ ہر پتے کے جھڑنے کا اسے علم ہے۔ زمین کی اندھیریوں میں جو دانہ ہوتا ہے اسے بھی وہ جانتا ہے۔ تر و خشک چیز اس کے پاس کھلی کتاب میں موجود ہے۔ ①

وَالْوَزْنُ يَوْمَئِذِ نِ الْحَقُّ ۚ فَمَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝ وَمَنْ خَفَّتْ مَوَازِيْنُهٗ فَاُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ بِمَا كَانُوْا بِاٰيٰتِنَا يَظْلِمُوْنَ ۝

اس دن عدل و انصاف کے ساتھ اعمال کا تول ہونا ہی ہے، جن کی نیکیوں کا پلہ بھاری ہو گیا وہ چھٹکارا پانے والے ہیں ○ اور جن کی نیکیوں کا پلہ ہلکا ہو گیا یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے اپنا نقصان آپ کیا کیونکہ وہ ہماری آیتوں کا انکار کرتے تھے ○

ترازو میں اعمال کا تولا جانا: قیامت کے دن نیکی، بدی انصاف و عدل کے ساتھ تولی جائے گی، اللہ تعالیٰ کسی پر ظلم نہ کرے گا۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَنَضَعُ الْمَوَازِيْنَ الْقِسْطَ لِيَوْمِ الْقِيَامَةِ﴾ ② الخ، قیامت کے دن ہم عدل کا ترازو رکھیں گے، کسی پر کوئی ظلم نہ ہوگا، رائی کے دانے کے برابر بھی عمل ہوگا تو ہم اسے لے آئیں گے اور ہم حساب لینے میں کافی ہیں اور آیت میں ہے ''اللہ تعالیٰ ایک ذرے کے برابر بھی ظلم نہیں کرتا، وہ نیکی کو بڑھاتا ہے اور اپنے پاس سے اجر عظیم عطا فرماتا ہے۔'' ③ سورہ قارعہ میں فرمایا جس کی نیکیوں کا پلڑا بھاری ہو گیا اسے عیش و نشاط کی زندگی ملی اور جس کا نیکیوں کا پلڑا ہلکا ہو گیا اس کا ٹھکانا ہاویہ ہے جو بھڑکتی ہوئی آگ کے خزانے کا نام ہے ④ اور آیت میں ہے ﴿فَاِذَا نُفِخَ فِى الصُّوْرِ فَلَآ اَنْسَابَ بَيْنَهُمْ يَوْمَئِذٍ وَّلَا يَتَسَآءَلُوْنَ﴾ ⑤ یعنی جب نفخہ پھونک دیا جائے گا سارے رشتے ناتے نسب حسب ٹوٹ جائیں گے، کوئی کسی کا پرسان حال نہ ہوگا۔ اگر تول میں نیک اعمال بڑھ گئے تو فلاح پالی ورنہ خسارے کے ساتھ جہنم میں داخل ہوں گئے۔

فصل: کوئی تو کہتا ہے کہ خود اعمال تولے جائیں گے کوئی کہتا ہے نامہ اعمال تولے جائیں گے۔ کوئی کہتا ہے خود عمل کرنے والے تولے جائیں گے۔ ان تینوں قولوں کو اس طرح جمع کرنا بھی ممکن ہے کہ ہم کہیں یہ سب صحیح ہیں کبھی اعمال تولے جائیں گے کبھی نامہ اعمال کبھی خود اعمال کرنے والے واللہ اعلم۔ ان تینوں باتوں کی دلیلیں بھی موجود ہیں۔ پہلے قول کا مطلب یہ ہے کہ اعمال گو ایک بے جسم چیز ہیں لیکن قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انہیں جسم عطا فرمائے گا جیسے کہ صحیح حدیث میں ہے، سورۂ بقرہ اور سورہ آل عمران قیامت کے دن ⑥ دو سائبانوں کی یا دو ابر کی

---

② [سورة الانعام : آیت ٥٩] ③ [الانبیاء: آیت ٤٧] ④ [النساء: ٤٥]

⑤ [سورة القارعه : آیت ٦-١١] ⑥ [سورة المومنون: آیت ١٠١، ١٠٣]

یا پر پھیلائے ہوئے پرندوں کے دو جھنڈ کی صورت میں آئیں گی ① اور حدیث میں ہے کہ قرآن اپنے قاری اور عامل کے پاس ایک نوجوان خوش شکل نورانی چہرے والے کی صورت میں آئے گا یہ اسے دیکھ کر پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ یہ کہے گا میں قرآن ہوں جو تجھے راتوں کی نیند نہیں سونے دیتا تھا اور دنوں میں پانی پینے سے روکتا تھا۔ ② حضرت براء رضی اللہ عنہ والی حدیث میں جس میں قبر کے سوال جواب کا ذکر ہے اس میں یہ بھی فرمان ہے کہ مومن کے پاس ایک نوجوان خوبصورت' خوشبودار آئے گا یہ اس سے پوچھے گا کہ تو کون ہے؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا نیک عمل ہوں ③ اور کافر و منافق کے پاس اس کے برخلاف شخص کے آنے کا بیان ہے یہ تو تھیں پہلے قول کی دلیلیں۔ دوسرے قول کی دلیلیں یہ ہیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ ایک شخص کے سامنے اس کے گناہوں کے ننانوے دفتر پھیلائے جائیں گے جس میں سے ہر ایک اتنا بڑا ہوگا جتنی دور تک نظر پہنچے۔ پھر ایک پرچہ نیکی کا لایا جائے گا جس پر ﴿لَاۤ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰهُ﴾ ہوگا۔ یہ کہے گا یا اللہ اتنا سا پرچہ ان دفتروں کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا تو اس سے بے خطر رہ کہ تجھ پر ظلم کیا جائے۔ اب وہ پرچہ ان دفتروں کے مقابلہ میں نیکی کے پلڑے میں رکھا جائے گا تو وہ سب دفتر اونچے ہو جائیں گے اور یہ سب سے زیادہ وزن دار اور بھاری ہو جائیں گے۔ ④ (ترمذی) تیسرا قول بھی دلیل رکھتا ہے حدیث میں ہے ایک بہت موٹا تازہ گنہگار انسان اللہ کے سامنے لایا جائے گا لیکن ایک مچھر کے پر کے برابر بھی وزن اللہ کے پاس اس کا نہ ہوگا پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿فَلَا نُقِيْمُ لَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَزْنًا﴾ ⑤ ہم قیامت کے دن ان کے لئے کوئی وزن قائم نہ کریں گے۔ ⑥ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی تعریف میں جو حدیثیں ہیں ان میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ان کی پتلی پنڈلیوں پہ نہ جانا اللہ کی قسم اللہ کے نزدیک یہ احد پہاڑ سے بھی زیادہ وزن دار ہیں۔ ⑦

---

① [صحیح :صحیح مسلم : كتاب صلاة المسافرين : باب فضل قراءة القرآن و سورة البقره (۸۰۵)]

② [صحیح :ابن ماجه : كتاب الادب : باب ثواب القرآن (۳۷۸۱) مسند احمد (۴۳۸/۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه ، السلسلة الصحيحة (۲۸۳۷)] شیخ شعیب ارناؤوط، شیخ عبدالرزاق مہدی اور مولانا مبشر احمد ربانی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

③ [صحیح مسند احمد (۲۸۷/۴)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔[مسند احمد محقق (۱۸۵۳٤)]

④ [صحیح :ترمذی : كتاب الايمان : باب ماجاء فيمن يموت وهو يشهد ان لا اله الا الله (۲٦۳۹) ابن ماجه : كتاب الزهد : باب ما يرجى من رحمة الله يوم القيامة (٤۳۰۰)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ [صحيح ترمذی ، السلسلة الصحيحة (۱۳۵)]

⑤ [سورة الكهف: آیت ۱۰۵]

⑥ [صحیح :صحیح بخاری : كتاب التفسير : باب اولئك الذين كفروا (٤۷۲۹) صحيح مسلم : كتاب صفات المنافقين : باب صفة القيامة والجنة والنار (۲۷۸۵)]

⑦ [حسن مسند احمد (٤۲۰/۱) ابن سعد فی الطبقات (۱۱۵/۳) طبرانی كبير (۷۵/۹) مسند طیالسی (۲۵٦۱) مسند ابو یعلی (۵۳۱۰) الادب المفرد للبخاری (۲۳۷)] شیخ شعیب ارناؤوط نے اسے صحیح لغیرہ کہا ہے۔[مسند احمد محقق (۳۹۹۱)] شیخ البانیؒ نے اسے حسن کہا ہے۔[غاية المرام (٤۱٦)]

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْاَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۰﴾ ع

ہم نے تمہیں زمین میں رہنے سہنے کا ٹھکانا بھی دیا اور وہیں تمہاری زندگی کے اسباب بھی مہیا کر دیئے' لیکن تم بہت ہی کم شکرادا کرتے ہو○

اللہ تبارک وتعالیٰ کے احسانات: اللہ تعالیٰ اپنے احسان بیان فرمارہا ہے کہ اس نے زمین اپنے بندوں کے رہنے سہنے کے لئے بنائی۔ اس میں مضبوط پہاڑ گاڑ دیئے کہ ہلے جلے نہیں اس میں چشمے جاری کر دیئے اس میں منزلیں اور گھر بنانے کی طاقت انسان کو عطا فرمائی اور بہت سے نفع کی چیزیں اس لئے پیدا فرمائیں۔ ابر مقرر کر کے اس میں سے پانی برسا کر ان کے لئے کھیت اور باغات پیدا کئے۔ تلاش معاش کے وسائل مہیا فرمائے۔ تجارت اور کمائی کے طریقے سکھا دیئے۔ باوجود اس کے اکثر لوگ پوری شکر گزاری نہیں کرتے ایک آیت میں فرمان ہے ﴿وَاِنْ تَعُدُّوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا اِنَّ الْاِنْسَانَ لَظَلُوْمٌ كَفَّارٌ﴾ [1] یعنی اگر تم اللہ کی نعمتوں کو گننے بیٹھو تو یہ بھی تمہارے بس کی بات نہیں۔ لیکن انسان بڑا ہی نا انصاف اور ناشکرا ہے ﴿مَعَايِش﴾ تو جمہور کی قرات ہے لیکن عبدالرحمٰن بن ہرمز اعرج ﴿مَعَآيِشْ﴾ پڑھتے ہیں اور ٹھیک وہی ہے جس پر اکثریت ہے اس لئے کہ معایش جمع ہے ﴿مَعِيْشَةٌ﴾ کی۔ اس کا باب ﴿عَاشَ يَعِيشُ عَيْشًا﴾ ہے ﴿مَعِيْشَةٌ﴾ کی اصل ﴿مَعْيِشَةٌ﴾ ہے۔ کسرہ یا پر ثقلیل تھا نقل کر کے ماقبل کو دیا ﴿مَعِيْشَةٌ﴾ ہو گیا لیکن جمع کے وقت پھر کسرہ یا پر آ گیا کیونکہ اب ثقل نہ رہا پس مَفَاعِلُ کے وزن پر مَعَايِشُ ہو گیا کیونکہ اس کلمہ میں یا اصلی ہے۔ بخلاف مدائن' صحائف' اور بصائر کے جو مدینہ' صحیفہ اور بصیرہ کی جمع ہے باب مدن صحف اور البصر سے ان میں چونکہ یا زائد ہے اس لئے ہمزہ دی جاتی ہے اور مفاعل کے وزن پر جمع آتی ہے۔ واللہ اعلم۔

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

ہم ہی نے تمہیں پیدا کیا پھر تمہاری صورتیں بنائیں پھر فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کے سامنے سجدہ کریں چنانچہ سوائے ابلیس کے سب نے کیا' وہ سجدہ کرنے والوں میں شامل نہ ہوا○

ابلیس اور آدم علیہ السلام کا تذکرہ: انسان کے شرف کو اس طرح بیان فرماتا ہے کہ تمہارے باپ آدم کو میں نے خود ہی بنایا اور ابلیس کی عداوت کو بیان فرمارہا ہے کہ اس نے تمہارے باپ آدم کا حسد کیا۔ ہمارے فرمان سے سب فرشتوں نے سجدہ کیا مگر اس نے نافرمانی کی پس تمہیں چاہئے کہ دشمن کو دشمن سمجھو اور اس کے داؤ پیچ سے ہوشیار رہو اسی واقعہ کا ذکر آیت ﴿وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا﴾ [2] الخ میں بھی ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو پروردگار نے اپنے ہاتھ سے مٹی سے بنایا انسانی صورت عطا فرمائی پھر اپنے پاس سے اس میں روح

---

[1] [سورة ابراهيم: آيت ٣٤] . [2] [سورة الحجر: آيت ٢٨، ٢٩]

پھونکی پھر اپنی شان کی جلالت منوانے کے لئے فرشتوں کو حکم دیا کہ ان کے سامنے جھک جاؤ سب نے سنتے ہی اطاعت کی لیکن ابلیس نہ مانا اس واقعہ کو سورہ بقرہ کی تفسیر میں ہم خلاصہ وار لکھ آئے ہیں اس آیت کا بھی یہی مطلب ہے اور اسی کو امام ابن جریر رحمہ اللہ نے بھی پسند فرمایا ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ انسان اپنے باپ کی پیٹھ سے پیدا کیا جاتا ہے اور اپنی ماں کے پیٹ میں صورت دیا جاتا ہے اور بعض سلف نے بھی لکھا ہے کہ اس آیت میں مراد اولاد آدم علیہ السلام ہے۔ ضحاک رحمہ اللہ کا قول ہے کہ آدم کو پیدا کیا پھر اس کی اولاد کی صورت بنائی۔ لیکن یہ سب اقوال غور طلب ہیں کیونکہ آیت میں اس کے بعد ہی فرشتوں کے سجدے کا ذکر ہے اور ظاہر ہے کہ سجدہ حضرت آدم علیہ السلام کے لئے ہی ہوا تھا۔ جمع کے صیغے سے اس کا بیان اس لئے ہوا کہ حضرت آدم علیہ السلام تمام انسانوں کے باپ ہیں آیت ﴿وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ﴾ [1] الخ' اسی کی نظیر ہے یہاں خطاب ان بنی اسرائیل سے ہے جو حضور ﷺ کے زمانے میں موجود تھے اور دراصل ابر کا سایہ کرنا ان کے سابقوں پر ہوا تھا جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں بھی تھے نہ کہ ان پر لیکن چونکہ ان کے اکابر پر سایہ کرنا ایسا احسان تھا کہ ان کو بھی اس کا شکر گذار ہونا چاہئے تھا اس لئے انہی کو خطاب کر کے اپنی وہ نعمت یاد دلائی۔ یہاں یہ بات واضح ہے اس کے بالکل برعکس آیت ﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ﴾ [2] الخ' ہے کہ مراد آدم علیہ السلام ہیں کیونکہ صرف وہی مٹی سے بنائے گئے ان کی کل اولاد نطفے سے پیدا ہوئی اور یہی صحیح ہے کیونکہ مراد جنس انسان ہے نہ کہ معین۔ واللہ اعلم۔

قَالَ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ ۭ قَالَ اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ ۚ خَلَقْتَنِيْ مِنْ نَّارٍ وَّخَلَقْتَهٗ مِنْ طِيْنٍ ⑫

جناب باری نے فرمایا کہ تجھے سجدہ کرنے سے کس چیز نے روکا؟ جب کہ تجھے میرا حکم ہو چکا تھا' اس نے جواب دیا میں اس سے افضل ہوں' مجھے تو نے آگ سے بنایا ہے اور اسے مٹی سے ○

سجدہ نہ کرنے کا سبب: ﴿اَلَّا تَسْجُدَ﴾ لَا بقول بعض نحویوں کے زائد ہے اور بعض کے نزدیک انکار کی تاکید کے لئے ہے۔ جیسے کہ شاعر کے قول ((مَا اِنْ رَاَيْتُ وَلَا سَمِعْتُ بِمِثْلِهٖ)) میں ((ما)) نافیہ پر اِنْ نفی کے لئے صرف تاکیداً داخل ہوا ہے اسی طرح یہاں بھی ہے کہ پہلے ﴿لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ﴾ ہے پھر ﴿مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ﴾ ہے امام ابن جریر رحمہ اللہ ان دونوں قولوں کو بیان کر کے انہیں ردّ کرتے ہیں اور فرماتے ہیں ﴿مَنَعَكَ﴾ ایک دوسرے فعل مقدر کا متضمن ہے تو تقدیر عبارت یوں ہوئی ((مَا اَحْرَجَكَ وَاَلْزَمَكَ وَاضْطَرَّكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ)) یعنی تجھے کس چیز نے بے بس محتاج اور ملزم کر دیا کہ تو سجدہ نہ کرے؟ وغیرہ۔ یہ قول بہت ہی قوی ہے اور بہت عمدہ ہے۔ واللہ اعلم۔ ابلیس نے جو وجہ بتائی سچ تو یہ ہے کہ وہ عذر گناہ بدتر از گناہ کی مصداق ہے۔ گویا وہ اطاعت سے اس لئے باز رہتا ہے کہ اس کے نزدیک فاضل کو مفضول کے سامنے

---

[1] [سورة البقرة: آيت ٥٧]
[2] [سورة المومنون: آيت ١٢]

سجدہ کئے جانے کا حکم ہی نہیں دیا جا سکتا۔ تو وہ ملعون کہہ رہا ہے کہ میں اس سے بہتر ہوں پھر مجھے اس کے سامنے جھکنے کا حکم کیوں ہو رہا ہے؟ پھر اپنے بہتر ہونے کے ثبوت میں کہتا ہے کہ میں آگ سے بنا یہ مٹی سے۔ ملعون اصل عنصر کو دیکھتا ہے اور اس فضیلت کو بھول جاتا ہے کہ مٹی والے کو اللہ عزوجل نے اپنے ہاتھ سے بنایا اور اپنی روح پھونکی ہے۔ پس اس وجہ سے کہ اس نے فرمان الٰہی کے مقابلے میں قیاس فاسد سے کام لیا اور سجدے سے رک گیا اللہ کی رحمتوں سے دور کر دیا گیا اور تمام نعمتوں سے محروم ہو گیا۔ اس ملعون نے اپنے قیاس اور اپنے دعوے میں بھی خطا کی۔ مٹی کے اوصاف ہیں' نرم ہونا' حامل مشقت ہونا' دوسروں کا بوجھ سہارنا' چیزوں کو اگانا' پرورش کرنا' اصلاح کرنا وغیرہ اور آگ کی صفت ہے جلدی کرنا' جلا دینا' بے چینی پھیلانا' پھونک دینا' اسی وجہ سے ابلیس اپنے گناہ پر اڑ گیا اور حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے گناہ کی معذرت کی' اس سے توبہ کی اور اللہ کی طرف رجوع کیا۔ رب کے احکام کو تسلیم کیا' اپنے گناہ کا اقرار کیا' رب سے معافی چاہی' بخشش کے طالب ہوئے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فرشتے نور سے پیدا کئے گئے ہیں' ابلیس آگ کے شعلے سے اور انسان اس چیز سے جو تمہارے سامنے بیان کر دی گئی ہے یعنی مٹی سے [1] (مسلم) ایک اور روایت میں ہے فرشتے نور عرش سے جنات آگ سے۔ ایک غیر صحیح حدیث میں اتنی زیادتی بھی ہے کہ حور عین زعفران سے بنائی گئی ہیں۔ [2] امام حسن رحمہ اللہ فرماتے ہیں ابلیس نے یہ قیاس کیا اور یہی پہلا شخص ہے جس نے قیاس کا دروازہ کھولا۔ اس کی اسناد صحیح ہے۔ حضرت امام ابن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں سب سے پہلے قیاس کرنے والا ابلیس ہے۔ یاد رکھو سورج چاند کی پرستش بھی اسی قیاس کی بدولت شروع ہوئی ہے۔ اس کی اسناد بھی صحیح ہے۔

قَالَ فَاهْبِطْ مِنْهَا فَمَا يَكُوْنُ لَكَ اَنْ تَتَكَبَّرَ فِيْهَا فَاخْرُجْ اِنَّكَ مِنَ الصّٰغِرِيْنَ ﴿۱۳﴾

قَالَ اَنْظِرْنِيْٓ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ﴿۱۴﴾ قَالَ اِنَّكَ مِنَ الْمُنْظَرِيْنَ ﴿۱۵﴾

اس پر اللہ نے فرمایا تو جنت سے اتر جا تیری اتنی ہستی نہیں کہ تو یہاں شیخی خوری کرے جا نکل تو بڑے ہی ذلیلوں میں سے ہے ○ کہنے لگا مجھے دوبارہ کھڑا کئے جانے کے دن تک کی مہلت عطا فرما ○ جواب ملا کہ ہاں ہاں تو مہلت دیئے گیوں میں سے ہے ○

ابلیس کی بات مان لینے کا انجام: ابلیس کو اسی وقت حکم ملا کہ "میری نافرمانی اور میری اطاعت سے رکنے کے

---

[1] **[صحیح]** صحیح مسلم : كتاب الزهد : باب فی احادیث المتفرقة (۲۹۹۶) مسند احمد (۱۵۳/۶) الدر المنثور للسیوطی (۱۹۳/۶) عبد بن حمید فی المنتخب (۱۴۷۹) صحیح ابن حبان (۶۱۵۵/۱۴) بیهقی فی السنن الكبرى (۳/۹) وفی شعب الایمان (۱۴۳/۱)]

[2] **[ضعیف]** تاریخ بغداد للخطیب (۹۹/۷) طبرانی کبیر (۷۸۱۳/۸)] شیخ البانی ؒ اسے ضعیف کہتے ہیں۔ [السلسلة الضعیفة (۳۵۳۹)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی سند ضعیف ہے۔ حافظ زبیر علی زئی بھی اسے ضعیف کہتے ہیں۔ اس میں حارث بن خلیفہ راوی مجہول ہے۔]

باعث اب تو یہاں جنت میں رہ نہیں سکتا' یہاں سے اتر جا کیونکہ یہ جگہ تکبر کرنے کی نہیں''۔ بعض نے کہا ہے ﴿فیھا﴾ کی ضمیر کا مرجع منزلت ہے یعنی جن ملکوت اعلیٰ میں تو ہے اس مرتبے میں کوئی سرکش رہ نہیں سکتا۔ جا یہاں سے چلا جا تو اپنی سرکشی کے بدلے ذلیل وخوار ہستیوں میں شامل کر دیا گیا۔ تیری ضد اور ہٹ کی یہی سزا ہے۔

اب لعین گھبرایا اور اللہ سے مہلت چاہنے لگا کہ مجھے قیامت تک کی ڈھیل دی جائے۔ چونکہ جناب باری جل جلالہ کی اس میں مصلحتیں اور حکمتیں تھیں بھلے بروں کو دنیا میں ظاہر کرنا تھا اور اپنی حجت پوری کرنا تھی اس ملعون کی اس درخواست کو منظور فرما لیا۔ اس حاکم پر کسی کی حکومت نہیں' اس کے سامنے بولنے کی کسی کو مجال نہیں' کوئی نہیں جو اس کے ارادے کو ٹال سکے' کوئی نہیں جو اس کے حکم کو بدل سکے۔ وہ سریع الحساب ہے۔

قَالَ فَبِمَآ اَغْوَيْتَنِىْ لَاَقْعُدَنَّ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿١٦﴾ ثُمَّ لَاٰتِيَنَّهُمْ مِّنْۢ بَيْنِ اَيْدِيْهِمْ وَمِنْ خَلْفِهِمْ وَعَنْ اَيْمَانِهِمْ وَعَنْ شَمَآئِلِهِمْ ؕ وَلَا تَجِدُ اَكْثَرَهُمْ شٰكِرِيْنَ ﴿١٧﴾

شیطان کہنے لگا چونکہ تو نے مجھے بے راہ کر دیا ہے اب میں تیری سیدھی راہ پر انہیں بہکانے کے لئے بیٹھ جاؤں گا○ اور ان کے پاس ان کے آگے سے اور ان کے پیچھے سے اور ان کے دائیں سے اور ان کے بائیں سے آتا رہوں گا' تو ان میں سے اکثروں کو اپنا شکر گذار نہ پائے گا○

ابلیس کیسے حملے کرتا ہے؟ ابلیس نے جب عہد الٰہی لے لیا تو اب بڑھ بڑھ کر باتیں بنانے لگا کہ جیسے تو نے میری راہ ماری میں بھی اس کی اولاد کی راہ ماروں گا اور حق ونجات کے سیدھے راستے سے انہیں روکوں گا تیری توحید سے بہکا کر تیری عبادت سے سب کو ہٹا دوں گا۔ بعض نحوی کہتے ہیں کہ ﴿فبما﴾ میں باء قسم کے لئے ہے یعنی مجھے قسم ہے میں اپنی بربادی کے مقابلے میں اس کی اولاد کو برباد کر کے رہوں گا۔ عون بن عبداللہ کہتے ہیں میں مکے کے راستے میں بیٹھ جاؤں گا لیکن صحیح یہی ہے کہ نیکی کے ہر راستے پر۔ چنانچہ مسند احمد کی مرفوع حدیث میں ہے کہ شیطان ابن آدم کی تمام راہوں میں بیٹھتا ہے وہ اسلام کی راہ میں رکاوٹ بننے کے لئے اسلام لانے والے کے دل میں وسوسے پیدا کرتا ہے کہ تو اپنے اور اپنے باپ دادا کے دین کو کیوں چھوڑتا ہے۔ اللہ کو اگر بہتری منظور ہوتی ہے تو وہ اس کی باتوں میں نہیں آتا اور اسلام قبول کر لیتا ہے۔ ہجرت کی راہ سے روکنے کے لئے آ ڑے آتا ہے اور اسے کہتا ہے کہ تو اپنے وطن کو کیوں چھوڑتا ہے؟ اپنی زمین وآسمان سے کیوں الگ ہوتا ہے؟ غربت وبے کسی کی زندگی اختیار کرتا ہے؟ لیکن مسلمان اس کے بہکاوے میں نہیں آتا اور ہجرت کر گذرتا ہے۔ پھر جہاد کی روک کے لئے آتا ہے اور جہاد مال سے ہے اور جان سے۔ اس سے کہتا ہے کہ تو کیوں جہاد میں جاتا ہے؟ وہاں قتل کر دیا جائے گا' تیری بیوی دوسرے کے نکاح میں چلی جائے گی' تیرا مال اوروں کے قبضے میں چلا جائے گا لیکن مسلمان اس کی نہیں مانتا اور جہاد میں قدم رکھ دیتا ہے پس ایسے لوگوں کا اللہ پر حق ہے کہ وہ انہیں جنت

میں لے جائے گو وہ جانور سے گر کر ہی مر جائیں۔ [1]

اس دوسری آیت کی تفسیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے کہ آگے سے آنے کا مطلب آخرت کے معاملہ میں شک وشبہ میں پیدا کرنا ہے۔ دوسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا کی رغبتیں دلاؤں گا۔ دائیں طرف سے آنا امر دین کو مشکوک کرنا ہے بائیں طرف سے آنا گناہوں کو لذیذ بنانا ہے۔ شیطانوں کا یہی کام ہے۔ ایک اور روایت میں ہے کہ شیطان کہتا ہے میں ان کی دنیا وآخرت' نیکیاں بھلائیاں سب تباہ کر دینے کی کوشش میں رہوں گا اور برائیوں کی طرف ان کی رہبری کروں گا وہ سامنے سے آ کر کہتا ہے کہ جنت دوزخ قیامت کوئی چیز نہیں۔ وہ پشت کی جانب سے آ کر کہتا ہے دیکھ دنیا کس قدر زینت دار ہے وہ دائیں سے آ کر کہتا ہے خبردار نیکی کی راہ بہت کٹھن ہے۔ وہ بائیں سے آ کر کہتا ہے دیکھ گناہ کس قدر لذیذ ہیں پس ہر طرف سے آ کر ہر طرح بہکاتا ہے ہاں یہ اللہ کا کرم ہے کہ وہ اوپر کی طرف سے نہیں آ سکتا۔ اللہ کے اور بندے کے درمیان حائل ہو کر رحمت الٰہی کی روک نہیں بن سکتا۔ پس سامنے یعنی دنیا اور پیچھے یعنی آخرت اور دائیں یعنی اس طرح کہ دیکھیں اور بائیں اس طرح نہ دیکھ سکیں' یہ سب اقوال ٹھیک ہیں۔ امام ابن جریر رحمہ اللہ فرماتے ہیں مطلب یہ ہے کہ تمام خیر کے کاموں سے روکتا ہے اور شر کے تمام کام سمجھا جاتا ہے' اوپر کی سمت کا نام آیت میں نہیں وہ سمت رحمت رب کے آنے کے لئے خالی ہے وہاں شیطان کی روک نہیں۔ وہ کہتا ہے کہ اکثر کو تو شاکر نہیں پائے گا یعنی موحد۔ ابلیس کو یہ وہم ہی وہم تھا لیکن نکلا مطابق واقعہ۔ جیسے فرمان ہے ﴿وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ إِبْلِيسُ ظَنَّهُ﴾ [2] الخ' یعنی ابلیس نے اپنا گمان پورا کر دکھایا سوائے مومنوں کی پاکباز جماعت کے اور لوگ اس کے مطیع بن گئے حالانکہ شیطان کی کچھ حکومت تو ان پر نہ تھی مگر ہاں ہم صحیح طور پر ایمان رکھنے والوں کو اور شکی لوگوں کو الگ الگ کر دینا چاہتے تھے۔ تیرا رب ہر چیز کا حافظ ہے۔ مسند بزار کی ایک حدیث میں ہر طرف سے پناہ مانگنے کی ایک دعا آئی ہے۔ الفاظ یہ ہیں ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فِيْ دِيْنِيْ وَدُنْيَايَ وَاَهْلِيْ وَمَالِيْ اَللّٰهُمَّ اسْتُرْ عَوْرَاتِيْ وَاٰمِنْ رَّوْعَاتِيْ وَاحْفِظْنِيْ مِنْ بَيْنِ يَدَيَّ وَمِنْ خَلْفِيْ وَعَنْ يَّمِيْنِيْ وَعَنْ شِمَالِيْ وَمِنْ فَوْقِيْ وَاَعُوْذُ بِكَ اَللّٰهُمَّ اَنْ اُغْتَالَ مِنْ تَحْتِيْ﴾ [3] مسند احمد میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر صبح وشام اس دعا کو پڑھتے

---

[1] [**حسن**: مسند احمد (۳/۴۸۳) نسائی : کتاب الجهاد : باب لمن اسلم وهاجر وجاهد (۳۱۳۶) بیهقی فی شعب الایمان (۴/۴۲۴۶) التاریخ الکبیر للبخاری (۴/۱۸۷) صحیح ابن حبان (۴۵۹۳)] حافظ عراقی نے اس کی سند کو صحیح کہا ہے۔[تخریج الاحیاء (۴/۱۵۵۲)] حافظ ابن حجر نے اسے حسن کہا ہے۔ [الاصابة (۴/۱۲۰)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔ حافظ زبیر علی زئی نے بھی اسے حسن کہا ہے۔]

[2] [سورة سبا: آیت ۲۰، ۲۱]

[3] [**اسناده ضعیف**: بزار فی کشف الاستار (۴/۶۰) طبرانی فی الدعاء (۱۲۹۷)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے اس کی سند کو ضعیف کہا ہے۔]

تھے ﴿اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ الْعَافِیَةَ فِی الدِّیْنِ وَالْاٰخِرَةِ﴾ اس کے بعد کی دعا کے کچھ فرق سے تقریباً وہی الفاظ ہیں جو اوپر مذکور ہوئے۔ (۱)

قَالَ اخْرُجْ مِنْهَا مَذْءُوْمًا مَّدْحُوْرًا ؕ لَمَنْ تَبِعَكَ مِنْهُمْ لَاَمْلَئَنَّ جَهَنَّمَ مِنْكُمْ اَجْمَعِیْنَ ﴿۱۸﴾

فرمایا یہاں سے نکل باہر ہو تو ذلیل وخوار اور راندۂ درگاہ ہو کر ان انسانوں میں سے جو بھی تیری پیروی کرے گا میں تم سب سے جہنم کو پر کردوں گا○

ابلیس کے تمام اطاعت گزار جہنم میں: اس پر اللہ کی لعنت نازل ہوتی ہے رحمت سے دور کر دیا جاتا ہے۔ فرشتوں کی جماعت سے الگ کر دیا جاتا ہے۔ عیب دار کر کے اتار دیا جاتا ہے لفظ مذوم ماخوذ ہے ''ذام'' اور ''ذیم'' سے یہ لفظ بہ نسبت لفظ ذم کے زیادہ مبالغے والا ہے پس اس کے معنی عیب دار کے ہوئے اور مدحور کے معنی دور کئے ہوئے کے ہیں مقصد دونوں سے ایک ہی ہے۔ پس یہ ذلیل ہو کر اللہ کے غضب میں مبتلا ہو کر نیچے اتار دیا گیا۔ اللہ کی لعنت اس پر نازل ہوئی اور نکال دیا گیا۔

اور فرمایا گیا کہ تو اور تیرے ماننے والے سب کے سب جہنم کا ایندھن ہیں جیسے اور آیت میں ہے ﴿فَاِنَّ جَهَنَّمَ جَزَآؤُكُمْ﴾ (۲) الخ، تمہاری سب کی سزا جہنم ہے الخ تو جس طرح چاہ انہیں بہکا لیکن اس سے مایوس ہو جا کہ میرے خاص بندے تیرے وسوسوں میں آ جائیں ان کا وکیل میں آپ ہوں۔

وَیٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ فَكُلَا مِنْ حَیْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۱۹﴾ فَوَسْوَسَ لَهُمَا الشَّیْطٰنُ لِیُبْدِیَ لَهُمَا مَا وٗرِیَ عَنْهُمَا مِنْ سَوْاٰتِهِمَا وَقَالَ مَا نَهٰكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ اِلَّآ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَیْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِیْنَ ﴿۲۰﴾ وَقَاسَمَهُمَآ اِنِّیْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِیْنَ ﴿۲۱﴾

اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں رہو سہو اور جہاں سے چاہو کھاؤ پیو مگر اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظالموں میں سے ہو جاؤ گے○ لیکن شیطان نے انہیں وسوسہ ڈالا تا کہ ان پر وہ چیزیں کھول دے جو ان پر پوشیدہ کر دی گئی تھیں یعنی ان کی شرمگاہیں کہنے لگا تمہارے پروردگار نے جو اس درخت سے تمہیں روک دیا ہے یہ صرف اس لئے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم فرشتے بن جاؤ یا

---

(۱) [صحیح: ابوداؤد: کتاب الادب: باب مایقول اذا اصبح (۵۰۷۴) نسائی: کتاب الاستعاذہ: باب الاستعاذة من الخسف (۵۵۳۱) ابن ماجه: کتاب الدعاء: باب ما یدعوا به الرجل اذا اصبح واذا امسی (۳۸۷۱) صحیح ابن حبان (۹۶۱) مستدرك حاکم (۱/۵۱۷-۵۱۸) مسند احمد (۲/۲۵) الادب المفرد للبخاری (۱۲۰۰)]

(۲) [سورة الاسراء: آیت ۶۳، ۶۵]

ہمیشہ زندہ رہنے والے بن جاؤ○ ان کے سامنے قسمیں کھا کھا کر انہیں یقین دلانے لگا کہ میں تمہارے خیر خواہوں میں ہوں○

ابلیس نے آدم وحوا کو بہکا دیا: ابلیس کو نکال کر حضرت آدم وحوا کو جنت میں پہنچا دیا گیا اور بجز ایک درخت کے انہیں ساری جنت کی چیزیں کھانے کی رخصت دے دی گئی۔ اس کا تفصیلی بیان سورہ بقرہ کی تفسیر میں گذر چکا ہے۔ شیطان کو اس سے بڑا ہی حسد ہوا' ان کی نعمتوں کو دیکھ کر لعین جل گیا اور ٹھان لی کہ جس طرح سے ہو انہیں بہکا کر اللہ کے خلاف کرا دوں۔ چنانچہ جھوٹ افترا باندھ کر ان سے کہنے لگا کہ دیکھو یہ درخت وہ ہے جس کے کھانے سے تم فرشتے بن جاؤ گے اور ہمیشہ کی زندگی اسی جنت میں پاؤ گے۔ جیسے اور آیت میں ہے کہ ابلیس نے کہا میں تمہیں ایک درخت کا پتہ دیتا ہوں جس سے تمہیں بقا اور ہمیشگی والا ملک مل جائے گا یہاں ہے کہ ان سے کہا تمہیں اس درخت سے اس لئے روکا گیا ہے کہ کہیں تم فرشتے نہ بن جاؤ۔ جیسے فرمان ہے ﴿يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اَنْ تَضِلُّوْا﴾ (۱) مطلب یہ ہے کہ ﴿لِئَلَّا تَضِلُّوْا﴾ اور آیت میں ہے ﴿اَنْ تَمِيْدَ بِكُمْ﴾ (۲) یہاں بھی یہی مطلب ہے ﴿مَلَكَيْنِ﴾ کی دوسری قرات ﴿مَلِكَيْنِ﴾ بھی ہے لیکن جمہور کی قرات لام کے زبر کے ساتھ ہے۔ پھر اپنا اعتبار جمانے کے لئے قسمیں کھانے لگا کہ دیکھو میری بات کو سچ مانو میں تمہارا خیر خواہ ہوں تم سے پہلے سے ہی یہاں رہتا ہوں ہر ایک چیز کے خواص سے واقف ہوں تم اسے کھا لو بس پھر یہیں رہو گے بلکہ فرشتے بن جاؤ گے ﴿قَاسَمَ﴾ گو باب مفاعلہ سے ہے اور اس کی خاصیت طرفین کی مشارکت ہے لیکن یہاں یہ خاصیت نہیں ہے۔ ایسے اشعار بھی ہیں جہاں ﴿قاسم﴾ آیا ہے اور صرف ایک طرف کے لئے۔ اس قسم کی وجہ سے اس خبیث کے بہکاوے میں حضرت آدم علیہ السلام آ گئے۔ سچ ہے مومن اس وقت دھوکا کھا جاتا ہے جب کوئی ناپاک انسان اللہ کو بیچ میں دیتا ہے۔ چنانچہ سلف کا قول ہے کہ ہم اللہ کے نام کے بعد اپنے ہتھیار ڈال دیا کرتے تھے۔

فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ ۚ فَلَمَّا ذَاقَا الشَّجَرَةَ بَدَتْ لَهُمَا سَوْاٰتُهُمَا وَطَفِقَا يَخْصِفٰنِ عَلَيْهِمَا مِنْ وَّرَقِ الْجَنَّةِ ۭ وَنَادٰىهُمَا رَبُّهُمَآ اَلَمْ اَنْهَكُمَا عَنْ تِلْكُمَا الشَّجَرَةِ وَاَقُلْ لَّكُمَآ اِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمَا عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۲﴾ قَالَا رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا ۫ وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْ لَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ ﴿۲۳﴾

غرض دھوکے سے انہیں مائل کر ہی لیا' جوں ہی انہوں نے اس درخت کو چکھا ان کی شرمگاہیں ان پر کھل گئیں اب جنت کے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے لگے' اسی وقت ان کے رب نے انہیں آواز دی کہ کیا میں نے تمہیں اس درخت سے نہ روکا تھا؟ اور نہ کہا تھا کہ شیطان تمہارا کھلا دشمن ہے؟○ دونوں دعائیں کرنے لگے کہ ہمارے پروردگار بیشک ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اب اگر تو ہمیں نہ بخشے گا اور ہم پر رحم نہ فرمائے گا تو ہم نامراد اور برباد ہو جائیں گے○

غلطی کے بعد فوراً توبہ: ابی بن کعب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں "حضرت آدم علیہ السلام کا قد مثل کھجور کے بہت لمبا تھا اور سر پر

(۱) [سورۃ النسآء: آیت ۱۷۶] (۲) [سورۃ النحل: آیت ۱۵]

بہت لمبے لمبے بال تھے' درخت کھانے سے پہلے انہیں اپنی شرمگاہ کا علم بھی نہ تھا نظر ہی نہ پڑی تھی۔ لیکن اس خطا کے ہوتے ہی وہ ظاہر ہوگئی' بھاگنے لگے تو بال ایک درخت میں الجھ گئے' کہنے لگے: اے درخت! مجھے چھوڑ دے درخت سے جواب ملا کہ ناممکن ہے' اسی وقت اللہ تعالیٰ کی طرف سے آواز آئی کہ اے آدم مجھ سے بھاگ رہا ہے؟ کہنے لگے یا اللہ شرمندگی ہے' شرمسار ہوں۔'' گو یہ روایت مرفوع بھی مروی ہے لیکن زیادہ صحیح موقوف ہونا ہی ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''درخت کا پھل کھالیا اور چھپانے کی چیز ظاہر ہوگئی' جنت کے پتوں سے چھپانے لگے' ایک کو ایک پر چپکانے لگے' حضرت آدم علیہ السلام مارے غیرت کے ادھر ادھر بھاگنے لگے لیکن ایک درخت کے ساتھ الجھ کر رہ گئے اللہ تعالیٰ نے ندا دی کہ آدم مجھ سے بھاگتا ہے؟ آپ نے فرمایا نہیں یا اللہ مگر میں شرماتا ہوں۔ جناب باری نے فرمایا آدم جو کچھ میں نے تجھے دے رکھا تھا کیا وہ تجھے کافی نہ تھا؟ آپ نے جواب دیا بیشک کافی تھا لیکن یا اللہ مجھے یہ علم نہ تھا کہ کوئی تیرا نام لے کر تیری قسم کھا کر جھوٹ کہے گا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تو میری نافرمانی کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا اور تکلیفیں اٹھانا ہوں گی۔ چنانچہ جنت سے دونوں کو اتار دیا گیا' اب اس کشادگی کے بعد کی یہ تنگی ان پر بہت گراں گذری کھانے پینے کو ترس گئے پھر انہیں لوہے کی صنعت سکھائی گئی' کھیتی کا کام بتایا گیا' آپ نے زمین صاف کی دانے بوئے' وہ آگے بڑھے' بالیں نکلیں' دانے پکے' توڑے گئے' پھر پیسے گئے' آٹا گندھا' پھر روٹی تیار ہوئی' پھر کھائی جب جا کر بھوک کی تکلیف سے نجات پائی۔ تین کے پتوں سے اپنا آگا پیچھا چھپاتے پھرتے تھے جو مثل کپڑے کے تھے' وہ نورانی پردے جن سے ایک دوسرے سے یہ اعضاء چھپے ہوئے تھے' نافرمانی ہوتے ہی ہٹ گئے اور وہ نظر آنے لگے' حضرت آدم علیہ السلام اسی وقت اللہ کی طرف رغبت کرنے لگے توبہ استغفار کی طرف جھک پڑے' بخلاف ابلیس کے کہ اس نے سزا کا نام سنتے ہی اپنے ابلیسی ہتھیار یعنی ہمیشہ کی زندگی وغیرہ طلب کی۔ اللہ نے دونوں کی دعا سنی اور دونوں کی طلب کردہ چیزیں عنایت فرمائی۔'' مروی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام نے جب درخت کھالیا اسی وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا اس درخت سے میں نے تمہیں روک دیا تھا' پھر تم نے اسے کیوں کھایا؟ کہنے لگے حواء نے مجھے اس کی رغبت دلائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ان کی سزا یہ ہے کہ حمل کی حالت میں بھی تکلیف میں رہیں گی بچہ ہونے کے وقت بھی تکلیف اٹھائیں گی۔ یہ سنتے ہی حضرت حواء نے نوحہ شروع کیا' حکم ہوا کہ یہی تجھ پر اور تیری اولاد پر لکھ دیا گیا۔ حضرت آدم علیہ السلام نے جناب باری میں عرض کی اور اللہ نے انہیں دعا سکھائی' انہوں نے دعا کی جو قبول ہوئی۔ قصور معاف فرما دیا گیا۔ فالحمد للہ!

قَالَ اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿۲۴﴾

قَالَ فِيْهَا تَحْيَوْنَ وَفِيْهَا تَمُوْتُوْنَ وَمِنْهَا تُخْرَجُوْنَ ﴿۲۵﴾ ع

فرمایا تم سب اتر جاؤ تم ایک دوسروں کے دشمن ہو' تمہارے لئے زمین میں ہی ایک وقت مقرر تک رہنا سہنا ہے اور سامان زندگی بھی ○ یہ بھی فرما دیا کہ یہیں زمین میں ہی زندگی گزارو گے اور یہیں تم مرو گے اور اسی سے تم نکال کھڑے کئے جاؤ گے ○

آدم وحواء زمین پر: بعض کہتے ہیں یہ خطاب حضرت آدم علیہ السلام حضرت حواء' شیطان ملعون اور سانپ کو ہے۔ بعض سانپ

کا ذکر نہیں کرتے۔ یہ ظاہر ہے کہ اصل مقصد حضرت آدم علیہ السلام اور شیطان ملعون ہے۔ جیسے سورہ طٰہٰ میں ہے ﴿اِهْبِطَا مِنْهَا جَمِيْعًا﴾ [1] حوا حضرت آدم علیہ السلام کے تابع تھیں اور سانپ کا ذکر اگر صحت تک پہنچ جائے تو وہ ابلیس کے حکم میں آ گیا۔ مفسرین نے بہت سے اقوال ذکر کئے ہیں کہ آدم کہاں اترے۔ شیطان کہاں پھینکا گیا وغیرہ۔ لیکن دراصل ان کا مخرج بنی اسرائیل کی روایتیں ہیں اور ان کی صحت کا علم اللہ ہی کو ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ اس جگہ کے جان لینے سے کوئی فائدہ نہیں اگر ہوتا تو ان کا بیان قرآن یا حدیث میں ضرور ہوتا۔ کہہ دیا گیا کہ اب تمہارے قرار کی جگہ زمین ہے وہیں تم اپنی مقررہ زندگی کے دن پورے کرو گے جیسے کہ ہماری پہلی کتاب لوح محفوظ میں اول سے ہی لکھا ہوا موجود ہے۔ اسی زمین پر جیو گے اور مرنے کے بعد بھی اسی میں دبائے جاؤ گے اور پھر حشر ونشر بھی اسی میں ہوگا۔ جیسے فرمان ہے ﴿مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى﴾ [2] پس اولاد آدم کے جینے کی جگہ بھی یہی اور مرنے کی جگہ بھی یہی، قبریں بھی اسی میں اور قیامت کے دن اٹھیں گے بھی اسی سے، پھر بدلہ دیئے جائیں گے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اے فرزندان آدم ہم نے تمہارے لئے لباس اتارا ہے جو تمہارے پردے کی چیزوں کو ڈھانپتا ہے اور ہم نے زینت کا پہناوا بھی اتارا ہے، ہاں پرہیزگاری کا لباس وہی سب سے بہتر ہے، یہ بھی اللہ کی نشانیوں میں سے ہے تاکہ لوگ سمجھ بوجھ لیں ○

تقویٰ کا لباس ہی بہتر: یہاں اللہ تعالیٰ اپنا احسان یاد دلاتا ہے کہ اس نے لباس اتارا اور ریش بھی۔ لباس تو وہ ہے جس سے انسان اپنا ستر چھپائے اور ریش وہ ہے جو بطور زینت، رونق اور جمال کے پہنا جائے۔ اول تو ضروریات زندگی سے ہے اور ثانی زیادتی ہے۔ ریش کے معنی مال کے بھی ہیں اور ظاہری پوشاک کے بھی ہیں۔ اور جمال خوش لباسی کے بھی ہیں۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نے نیا کرتہ پہنتے ہوئے جب کہ گلے تک وہ پہن لیا فرمایا ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ كَسَانِیْ مَا اُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ وَاَتَجَمَّلُ بِهٖ فِیْ حَیَاتِیْ﴾ پھر فرمانے لگے میں نے حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سنا ہے فرماتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے جو شخص نیا کپڑا پہنے اور اس کے گلے تک پہنچتے ہی یہ دعا پڑھے پھر پرانا کپڑا راہ اللہ دے دے تو وہ اللہ کے ذمہ میں، اللہ کی پناہ میں اور اللہ کی حفاظت میں آ جاتا ہے زندگی میں بھی اور بعد از مرگ بھی [3] (ترمذی ابن ماجہ وغیرہ) مسند احمد میں ہے حضرت علی رضی اللہ عنہ نے ایک نوجوان سے ایک کرتہ تین درہم کا خریدا اور اسے پہنا جب پہنچوں اور ٹخنوں تک پہنچا تو آپ نے

---

[1] [سورة طه: آيت ١٢٣] [2] [سورة طه: آيت ٥٥]

[3] [ضعیف: مسند احمد (١/٤٤) ترمذی : كتاب الدعوات (٣٥٦٠) ابن ماجه : كتاب اللباس : باب ما يقول الرجل اذا لبس ثوبا جديدا (٣٥٥٧) ابن السنى فى اليوم والليلة (٢٧٢) بيهقى فى الآداب (٦٤١) مستدرك حاكم (١٩٣/٤)] شیخ البانیؒ نے اسے ضعیف کہا ہے۔[ضعيف ترمذى ، السلسلة الضعيفة (٣٥٢)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

یہ دعا پڑھی ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ رَزَقَنِیْ مِنَ الرِّیَاشِ مَآ اَتَجَمَّلُ بِهٖ فِی النَّاسِ وَاُوَارِیْ بِهٖ عَوْرَتِیْ﴾ یہ دعا سن کر آپ سے کسی نے پوچھا کہ کیا آپ نے اسے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ آپ اسے کپڑا پہننے کے وقت پڑھتے تھے یا آپ از خود اسے پڑھ رہے ہیں؟ فرمایا میں نے اسے حضور ﷺ سے سنا ہے [1] ﴿لِبَاسُ التَّقْوٰی﴾ کی دوسری قرات ﴿لِبَاسَ التَّقْوٰی﴾ سین کے زبر سے بھی ہے۔ رفع سے پڑھنے والے اسے متبدا کہتے ہیں اور اس کے بعد کا جملہ اس کی خبر ہے عکرمہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اس سے مراد قیامت کے دن پرہیزگاروں کو جو لباس عطا ہوگا وہ ہے۔ ابن جریج کا قول ہے ''لباس تقویٰ ایمان ہے'' ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں ''عمل صالح ہے اور اسی سے ہنس مکھ ہوتا ہے'' عروہ رحمہ اللہ کہتے ہیں ''مراد اس سے مشیت ربانی ہے'' عبدالرحمٰن رحمہ اللہ کہتے ہیں ''اللہ کے ڈر سے اپنی ستر پوشی کرنا لباس تقویٰ ہے'' یہ کل اقوال آپس میں ایک دوسرے کے خلاف نہیں بلکہ مراد یہ سب کچھ ہے اور یہ سب چیزیں ملی جلی اور آپس میں ایک دوسرے کے قریب قریب ہیں۔ ایک ضعیف سند والی روایت میں حضرت حسن سے مرقوم ہے کہ میں نے حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو منبر نبوی پر کھلی گھنڈیوں کا کرتا پہنے ہوئے کھڑا دیکھا اس وقت آپ کتوں کو مار ڈالنے اور کبوتر بازی کی ممانعت کا حکم دے رہے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا لوگو اللہ سے ڈرو خصوصاً اپنی پوشیدگیوں میں اور چپکے چپکے کانا پھوسی کرنے میں۔ میں نے جناب رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے آپ قسم کھا کر بیان فرماتے تھے کہ جو شخص جس کام کو پوشیدہ سے پوشیدہ کرے گا اللہ تعالیٰ اسی کی چادر اس پر علانیہ ڈال دے گا اگر نیک ہے تو نیک اور اگر بد ہے تو بد۔ پھر آپ نے اسی آیت کی تلاوت کی [2] اور فرمایا اس سے مراد خوش خلقی ہے۔ ہاں صحیح حدیث میں صرف اتنا مروی ہے کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جمعہ کے دن منبر پر کتوں کے قتل کرنے اور کبوتروں کے ذبح کرنے کا حکم دیا۔ [3]

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ لَا يَفْتِنَنَّكُمُ الشَّيْطٰنُ كَمَآ اَخْرَجَ اَبَوَيْكُمْ مِّنَ الْجَنَّةِ يَنْزِعُ عَنْهُمَا لِبَاسَهُمَا لِيُرِيَهُمَا سَوْاٰتِهِمَا ۭ اِنَّهٗ يَرٰىكُمْ هُوَ وَقَبِيْلُهٗ مِنْ حَيْثُ لَا تَرَوْنَهُمْ ۭ اِنَّا جَعَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ لِلَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۲۷

اے اولاد آدم کہیں شیطان تمہیں بہکا نہ دے جیسے کہ اس نے تمہارے والدین کو بہشت سے نکلوا دیا ان کے کپڑے ان سے اتروا لئے کہ انہیں ان کے پردے کی چیزیں دکھا دے، تمہیں وہ اور اس کی قوم وہاں سے دیکھتی ہے جہاں سے تم انہیں نہ

---

[1] [ضعیف : مسند احمد (۱/۱۵۸) عبد اللہ بن احمد فی زوائد المسند (۱/۱۵۷) عبد بن حمید فی المنتخب (۹۶) البدایة والنهایة (۵،۴/۸) مسند ابو یعلی (۲۹۵)] شیخ شعیب ارناؤوط اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۱۳۵۳)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس نے بھی اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔]

[2] [ضعیف : تفسیر ابن جریر الطبری (۱۴۴۵۱)] اس کی سند میں سلیمان بن ارقم راوی ضعیف ہے۔]

[3] [ضعیف : مسند احمد (۱/۷۲) الادب المفرد للبخاری (۱۳۰۱)] شیخ شعیب ارناؤوط اور شیخ البانی رحمہ اللہ اس کی سند کو ضعیف کہتے ہیں۔ [مسند احمد محقق (۵۲۱) ضعیف الادب المفرد (۲۱۲)]

دیکھ سکو ہم نے شیطانوں کو ان لوگوں کا یار و رفیق بنا دیا ہے جو ایمان قبول نہیں کرتے ○

شیاطین بے ایمانوں کے ساتھی: تمام انسانوں کو اللہ تبارک وتعالیٰ ہوشیار کر رہا ہے کہ دیکھو ابلیس کی مکاریوں سے بچتے رہنا وہ تمہارا بڑا ہی دشمن ہے دیکھو اسی نے تمہارے باپ آدم علیہ السلام کو دار سرور سے نکالا اور اس مصیبت کے قید خانے میں ڈالا ان کی پردہ دری کی۔ پس تمہیں اسکے ہتھکنڈوں سے بچنا چاہئے۔ جیسے فرمان ہے ﴿اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَذُرِّيَّتَهٗٓ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ وَهُمْ لَكُمْ عَدُوٌّ ۭ بِئْسَ لِلظّٰلِمِيْنَ بَدَلًا﴾ [1] یعنی کیا تم ابلیس اور اس کی قوم کو اپنا دوست بناتے ہو؟ مجھے چھوڑ کر؟ حالانکہ وہ تو تمہارا دشمن ہے ظالموں کا بہت ہی برا بدلہ ہے۔

وَاِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً قَالُوْا وَجَدْنَا عَلَيْهَآ اٰبَآءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا بِهَا ۭ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَاۗءِ ۭ اَتَقُوْلُوْنَ عَلَي اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۲۸ قُلْ اَمَرَ رَبِّيْ بِالْقِسْطِ ۣ وَاَقِيْمُوْا وُجُوْهَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّادْعُوْهُ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ ڛ كَمَا بَدَاَكُمْ تَعُوْدُوْنَ ۲۹ۭ فَرِيْقًا هَدٰي وَفَرِيْقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلٰلَةُ ۭ اِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيٰطِيْنَ اَوْلِيَاۗءَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَيَحْسَبُوْنَ اَنَّهُمْ مُّهْتَدُوْنَ ۳۰

یہ لوگ جب کوئی بیہودہ حرکت کرتے ہیں تو صاف کہتے ہیں کہ ہم نے اپنے بڑوں کو اسی طریقہ پر پایا ہے بلکہ اللہ نے بھی ہمیں یہی حکم دیا ہے' تو جواب دے کہ ناممکن ہے کہ اللہ برائیوں کا حکم دے' کیا تم لوگ اللہ پر وہ باتیں جوڑ لیتے ہو جن سے تم بے علم ہو؟○ کہہ دے کہ میرا رب تو عدل و انصاف کا حکم دیتا ہے اور یہ کہ تم اپنے منہ ہر نماز کے وقت راست کرو اور اسی کو پکارو در آں حالیکہ تم اس کے لئے ہی خالص عبادت کرنے والے رہو' اس نے جیسے کہ تمہیں اول مرتبہ پیدا کیا ہے اسی طرح دوبارہ بھی پیدا ہو گے ○ ایک فرقے کو تو ہدایت کی اور ایک فرقہ ہے جس پر گمراہی ثابت ہو چکی ہے' ان لوگوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو اپنا دوست بنا لیا اور باوجود اس کے گمان کرتے ہیں کہ راہ یافتہ ہیں ○

برہنہ کعبہ کا طواف: مشرکین ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے اور کہتے تھے کہ جیسے ہم پیدا ہوئے ہیں اسی حالت میں طواف کریں گے۔ عورتیں بھی آگے کوئی چمڑے کا ٹکڑا یا کوئی چیز رکھ لیتی تھیں اور کہتی تھیں۔

اَلْيَوْمَ يَبْدُوْ بَعْضُهٗ اَوْكُلُّهٗ وَمَا بَدَا مِنْهُ فَلَا اُحِلُّهٗ

آج اس کا تھوڑا سا حصہ یا کل حصہ ظاہر ہو جائے گا' اور جتنا بھی ظاہر ہو میں اسے اس کے لئے جائز نہیں رکھتی۔ اس پر آیت ﴿وَاِذَا فَعَلُوْا﴾ الخ' نازل ہوئی۔ یہ دستور تھا کہ قریش کے سوا تمام عرب بیت اللہ شریف کا طواف اپنے پہنے ہوئے کپڑوں میں نہیں کرتے تھے سمجھتے تھے کہ یہ کپڑے جنہیں پہن کر اللہ کی نافرمانیاں کی ہیں اس قابل نہیں رہے کہ انہیں پہنے ہوئے طواف کر سکیں ہاں قریش جو اپنے آپ کو حمس کہتے تھے اپنے کپڑوں میں ہی طواف کرتے تھے اور جن لوگوں کو قریش کپڑے بطور ادھار دیں وہ بھی ان کے دیئے ہوئے

---

[1] [سورۃ الکھف: آیت ۵۰]

کپڑے پہن کر طواف کر سکتا تھا یا وہ شخص کپڑے پہنے طواف کر سکتا تھا جس کے پاس نئے کپڑے ہوں۔ پھر طواف کے بعد ہی انہیں اتار ڈالتا تھا اب یہ کسی کی ملکیت نہیں ہو سکتے تھے۔ پس جس کے پاس نیا کپڑا نہ ہو اور حمس بھی اس کو اپنا کپڑا نہ دے تو اسے ضروری تھا کہ وہ ننگا ہو کر طواف کرے۔ خواہ عورت ہو خواہ مرد عورت اپنے آگے کے عضو پر ذراسی کوئی چیز رکھ لیتی اور وہ کہتی جس کا بیان اوپر گذرا لیکن عموماً عورتیں رات کے وقت طواف کرتی تھیں یہ بدعت انہوں نے از خود گھڑ لی تھی اس فعل کی دلیل سوائے باپ دادا کی تقلید کے اور ان کے پاس کچھ نہ تھی لیکن اپنی خوش فہمی اور نیک ظنی سے کہہ دیتے تھے کہ اللہ کا بھی یہی حکم ہے۔ کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر یہ فرمودۂ رب نہ ہوتا تو ہمارے بزرگ اس طرح نہ کرتے اس لئے حکم ہوتا ہے کہ اے نبی ﷺ آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ بے حیائی کے کاموں کا حکم نہیں کرتا۔ ایک تو برا کام کرتے ہو دوسرے جھوٹ موٹ اس کی نسبت اللہ کی طرف کرتے ہو یہ چوری اور سینہ زوری ہے۔

کہہ دے کہ رب العالمین کا حکم تو عدل وانصاف کا ہے' استقامت اور دیانت داری کا ہے' برائیوں اور گندے کاموں کو چھوڑنے کا ہے' عبادات ٹھیک طور پر بجالانے کا ہے جو اللہ کے سچے رسولوں کے طریقہ کے مطابق ہوں' جن کی سچائی ان کے زبردست معجزوں سے اللہ نے ثابت کر دی ہے' ان کی لائی ہوئی شریعت پر اخلاص کے ساتھ عمل کرتے ہوں۔ جب تک اخلاص اور پیغمبر کی تابعداری کسی کام میں نہ ہو اللہ کے ہاں وہ مقبول نہیں ہوتا۔ اس نے جس طرح تمہیں اول اول پیدا کیا ہے اسی طرح وہ دوبارہ بھی لوٹائے گا۔ دنیا میں بھی اسی نے پیدا کیا۔ آخرت میں بھی وہی قبروں سے دوبارہ پیدا کرے گا۔ پہلے تم کچھ نہیں تھے اس نے تمہیں بنایا۔ اب مرنے کے بعد پھر بھی وہ تمہیں زندہ کر دے گا۔ جیسے اس نے شروع میں تمہاری ابتداء کی تھی اسی طرح پھر سے تمہارا اعادہ کرے گا۔ چنانچہ حدیث میں بھی ہے رسول اللہ ﷺ نے اپنے ایک وعظ میں فرمایا لوگو تم اللہ کے سامنے ننگے پیروں ننگے بدنوں بے ختنہ جمع کئے جاؤ گے جیسے کہ ہم نے تمہیں پیدائش میں کیا تھا اسی کو پھر دوہرائیں گے۔ یہ ہمارا وعدہ ہے اور ہم اسے کر کے ہی رہنے والے ہیں۔ یہ روایت بخاری و مسلم میں بھی نکالی گئی ہے۔ [1] یہ معنی بھی کئے گئے ہیں کہ جیسے ہم نے لکھ دیا ہے ویسے ہی تم ہوؤ گے۔ ایک روایت میں ہے جیسے تمہارے اعمال تھے ویسے ہی تم ہوؤ گے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ جس کی ابتداء میں بدبختی لکھ دی ہے وہ بدبختی اور بداعمالی کی طرف ہی لوٹے گا گو درمیان میں نیک ہو گیا ہو اور جس کی تقدیر میں شروع سے ہی نیکی اور سعادت لکھ دی گئی ہے وہ انجام کار نیک ہی ہوگا گو اس سے کسی وقت برائی کے اعمال بھی سرزد ہو جائیں گے۔ جیسے کہ فرعون کے زمانے کے جادوگر کہ ساری عمر سیاہ کاریوں اور کفر میں کٹی لیکن آخر وقت مسلمان اولیا ہو کر مرے۔ یہ بھی معنی ہیں کہ اللہ تم میں سے ہر ایک کو ہدایت پر یا گمراہی پر پیدا کر چکا ہے ایسے ہی ہو کر تم ماں کے بطن سے نکلو گے۔ یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کی پیدائش مومن

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری : کتاب التفسیر : باب و کنت علیهم شهیدا (٤٦٢٥) صحیح مسلم : کتاب الجنة : باب فناء الدنیا و بیان الحشر یوم القیامة (٢٨٦٠) مسند احمد (٢٢٩/١)]

وکافر ہونے کی حالت میں کی جیسے فرمان ہے ﴿ هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ فَمِنْكُمْ كَافِرٌ وَّمِنْكُمْ مُّؤْمِنٌ ﴾ [1] پھر انہیں اسی طرح قیامت کے دن لوٹائے گا یعنی مومن وکافر کے گروہوں میں۔ اسی قول کی تائید صحیح بخاری کی اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جس میں حضور ﷺ فرماتے ہیں اس کی قسم جس کے سوا کوئی اور معبود نہیں کہ تم میں سے ایک شخص جنتیوں کے اعمال کرتا ہے یہاں تک کہ اس کے اور جنت کے درمیان صرف ایک بام بھر کا یا ہاتھ بھر کا فرق رہ جاتا ہے پھر اس پر لکھا ہوا سبقت کر جاتا ہے اور دوزخیوں کے اعمال شروع کر دیتا ہے اور اسی میں داخل ہو جاتا ہے اور کوئی جہنمیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے یہاں تک کہ جہنم سے ایک ہاتھ یا ایک بام دور رہ جاتا ہے کہ تقدیر کا لکھا آگے آ جاتا ہے اور وہ جنتیوں کے اعمال کرنے لگتا ہے اور جنت نشین ہو جاتا ہے۔ [2] دوسری روایت بھی اسی طرح کی ہے اس میں یہ بھی ہے کہ اس کے وہ کام لوگوں کی نظروں میں جہنم اور جنت کے ہوتے ہیں۔ اعمال کا دارومدار خاتمے پر ہے [3] اور حدیث میں ہے ہر نفس اسی پر اٹھایا جائے گا جس پر تھا [4] (مسلم) ایک اور روایت میں ہے جس پر مرا۔ [5] اگر اس آیت سے مراد یہی لی جائے تو اس میں اس کے بعد فرمان ﴿ فَاَقِمْ وَجْهَكَ ﴾ [6] میں اور بخاری ومسلم کی حدیث میں کہ ہر بچہ فطرت پر پیدا کیا جاتا ہے پھر اس کے ماں باپ اسے یہودی یا نصرانی یا مجوسی بنا لیتے ہیں' [7] اور صحیح مسلم کی حدیث میں فرمان باری ہے کہ میں نے اپنے بندوں کو موحد وحنیف پیدا کیا پھر شیطان نے ان کے دین سے انہیں بہکا دیا' [8] اس میں کوئی جمع کی وجہ ہونی چاہئے اور یہ وہ ہے کہ اللہ نے انہیں دوسرے حال میں مومن وکافر ہونے کے لئے پیدا کیا۔ گو پہلے حال میں تمام مخلوق کو اپنی معرفت وتوحید پر پیدا کیا تھا کہ اس کے سوا کوئی معبود برحق نہیں۔ جیسے کہ اس نے ان سے روز میثاق میں عہد بھی لیا تھا اور اسی وعدے کو ان کی جبلت گھٹی میں رکھ دیا تھا اس کے باوجود اس نے مقدر کیا تھا کہ ان

---

[1] [سورة التغابن: آیت ٢]

[2] [صحيح: صحيح بخاری: كتاب القدر (٦٥٩٤) صحيح مسلم: كتاب القدر: باب كيفية خلق الآدمي في بطن امه (٢٦٤٣) مسند احمد (١/٣٨٢)]

[3] [صحيح: صحيح بخاری: كتاب الرقاق: باب الاعمال بالخواتيم (٦٤٩٣) صحيح مسلم: كتاب الايمان: باب بيان غلظ تحريم قتل الانسان (١١٢) مسند احمد (٥/٣٣٥)]

[4] [صحيح: صحيح مسلم: كتاب الجنة: باب الامر يحسن الظن بالله تعالى عند الموت (٢٨٧٨) مسند احمد (٣/٣٣١)]

[5] [ايضا] [6] [سورة روم: آیت ٣٠]

[7] [صحيح: صحيح بخاری: كتاب التفسير: باب لا تبديل لخلق الله (٤٧٧٥) صحيح مسلم: كتاب القدر: باب معنى كل مولود يولد على الفطرة (٢٦٥٨) ترمذی: كتاب القدر: باب ماجآء كل مولود يولد على الفطرة (٢١٣٨) مسند احمد (٢/٢٥٣)]

[8] [صحيح: صحيح مسلم: كتاب الجنة: باب الصفات التي يعرف بها في الدنيا (٢٨٦٥) مسند احمد (٤/٢٦٦)]

میں سے بعض شقی اور بد بخت ہوں گے اور بعض سعید اور نیک بخت ہوں گے۔ جیسے فرمان ہے اسی نے تمہیں پیدا کیا پھر تم میں سے بعض کافر ہیں اور بعض مومن اور حدیث میں ہے ہر شخص صبح کرتا ہے پھر اپنے نفس کی خرید و فرخت کرتا ہے کچھ لوگ ایسے ہیں جو اسے آزاد کرا لیتے ہیں کچھ ایسے ہیں جو اسے ہلاک کر بیٹھتے ہیں۔ [1] اللہ کی تقدیر' اللہ کی مخلوق میں جاری ہے' اسی نے مقدر کیا اسی نے ہدایت کی' اسی نے ہر ایک کو اس کی پیدائش دی پھر رہنمائی کی۔ بخاری مسلم کی حدیث میں ہے کہ جو لوگ سعادت والوں میں سے ہیں ان پر نیکیوں کے کام آسان ہوں گے اور جو شقاوت والے ہیں ان پر بدیاں آسان ہوں گی۔ [2]

چنانچہ قرآن کریم میں ہے ایک فرقے نے راہ پائی اور ایک فرقے پر گمراہی ثابت ہو چکی۔ پھر اس کی وجہ بیان فرمائی کہ انہوں نے اللہ کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا ہے۔ اس آیت سے اس مذہب کی تردید ہوتی ہے جو یہ خیال کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کسی شخص کو کسی مصیبت کے عمل پر یا کسی گمراہی کے عقیدے پر عذاب نہیں کرتا تاوقتیکہ اس کے پاس صحیح چیز صاف آ جائے اور پھر وہ اپنی برائی پر ضد اور عناد سے جما رہے۔ کیونکہ اگر یہ مذہب صحیح ہوتا تو جو لوگ گمراہ ہیں لیکن اپنے آپ کو ہدایت پر سمجھتے ہیں اور جو واقعی ہدایت پر ہیں ان میں کوئی فرق نہ ہونا چاہئے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے ان دونوں میں فرق کیا ان کے نام میں بھی اور ان کے احکام میں بھی۔ آیت آپ کے سامنے موجود ہے پڑھ لیجئے۔

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وَّكُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا ۚ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿٣١﴾ ع

اے انسانو! ہر نماز کے وقت اپنی زینت یعنی لباس لے لیا کرو۔ کھاؤ پیو لیکن حد سے نہ گزر جاؤ' اللہ حد سے گذر جانے والوں کو پسند نہیں فرماتا ○

لباس پہن کر طواف کا حکم: اس آیت میں مشرکوں کا رد ہے وہ ننگے ہو کر بیت اللہ کا طواف کرتے تھے جیسے کہ پہلے گذرا۔ ابن عباس فرماتے ہیں کہ "ننگے مرد دن کو طواف کرتے اور ننگی عورتیں رات کو۔ اس وقت عورتیں کہا کرتیں تھیں کہ آج اس کے خاص جسم کا کل حصہ یا کچھ حصہ گو ظاہر ہو گا لیکن کسی کو وہ اس کا دیکھنا جائز نہیں کرتیں"۔ [3] پس اس کے برخلاف مسلمانوں کو حکم ہوتا ہے کہ اپنا لباس پہن کر مسجدوں میں جائیں۔ اللہ تعالیٰ زینت کے لینے کا حکم دیتا ہے اور زینت سے مراد لباس ہے اور لباس وہ ہے جو اعضائے مخصوصہ کو چھپا لے اور جو اس کے سوا ہو مثلاً اچھا

---

[1] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب الطھارۃ : باب فضل الوضوء (۲۲۳) ترمذی : کتاب الدعوات : باب فی فضل الوضوء والحمد له والتسبیح (۳۵۱۷) مسند احمد (۵/۳۴۲)]

[2] [صحیح :صحیح بخاری : کتاب الجنائز : باب موعظة المحدث عند القبر (۱۳۶۲) صحیح مسلم : کتاب القدر : باب کیفیة خلق الآدمی فی بطن امه (۲٦٤٧) مسند احمد (۱/۸۲)]

[3] [صحیح :صحیح مسلم : کتاب التفسیر : باب فی قوله خذوا زینتکم عند کل مسجد (۳۰۲۸) نسائی: کتاب مناسك الحج (۲۹۵۹) تفسیر ابن جریر الطبری (۱٤٥٠٦)]

کپڑا وغیرہ۔ ایک حدیث میں ہے کہ یہ آیت جوتیوں سمیت نماز پڑھنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے [1] لیکن ہے یہ غور طلب اور اس کی صحت میں بھی کلام ہے واللہ اعلم۔ یہ آیت اور جو کچھ اس کے معنی میں سنت میں وارد ہے اس سے نماز کے وقت زینت کرنا مستحب ثابت ہوتا ہے۔ خصوصاً جمعہ اور عید کے دن' اور خوشبو لگانا بھی مسنون طریقہ ہے اس لیے کہ وہ زینت میں سے ہی ہے اور مسواک کرنا بھی۔ کیونکہ وہ بھی زینت کو پورا کرنے میں داخل ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ سب سے افضل لباس سفید کپڑا ہے۔ جیسے کہ مسند احمد کی صحیح حدیث میں ہے حضور ﷺ فرماتے ہیں سفید کپڑے پہنو وہ تمہارے تمام کپڑوں سے افضل ہیں اور اسی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ سب سرموں میں بہتر سرمہ اثمد ہے وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے اور بالوں کو اگاتا ہے۔ [2] سنن کی ایک اور حدیث میں ہے سفید کپڑوں کو ضروری جانو اور انہیں پہنو وہ بہت اچھے اور بہت پاک صاف ہیں انہی میں اپنے مردوں کو کفن دو۔ [3] طبرانی میں مروی ہے کہ حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ نے ایک چادر ایک ہزار کی خریدی تھی نمازوں کے وقت اسے پہن لیا کرتے تھے۔ اس کے بعد آدھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے تمام طب کو اور حکمت کو جمع کر دیا ارشاد ہے کھاؤ پیو لیکن حد سے تجاوز نہ کرو۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے جو چاہے کھا جو چاہے پی لیکن دو باتوں سے بچو اسراف اور تکبر سے۔ ایک مرفوع حدیث میں ہے کھاؤ پیو پہنو اوڑھو لیکن صدقہ بھی کرتے رہو اور تکبر اور اسراف سے بچتے رہو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے کہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے کے جسم پر دیکھے۔ [4] آپ فرماتے ہیں کھاؤ اور پہنو اور صدقہ کرو اور

---

[1] [اسنادہ ضعیف جدا: ابن عدی فی الکامل (۱۶۲/۶) الدر المنثور للسیوطی (۱٤٦/۳) العقیلی فی الضعفاء (۱٤۲/۳) ابن حبان فی المجروحین (۱۷۲/۲)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں۔ [۹۵/۲] مزید دیکھئے: تنزیہ الشریعہ المرفوعة للکنانی (۱۰۱/۲) اللآلی المصنوعة (۱۷/۲)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے سخت ضعیف کہتے ہیں۔ مولانا مبشر احمد ربانی نے بھی اسے ضعیف کہا ہے۔]

[2] [صحیح: مسند احمد (۳۲۸/۱) صحیح ابن حبان (٥٤۲۳) مستدرك حاکم (۳٥٤/۱) ابو داؤد: کتاب اللباس: باب فی البیاض (٤۰٦۱) ترمذی: کتاب الجنائز: باب ما جآء مایستحب من الاکفان (۹۹٤) ابن ماجه: کتاب الجنائز: باب ماجآء فیما یستحب من الکفن (۱٤۷۲)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابوداود، المشکاة (۱٦۳۸)]

[3] [صحیح: مسند احمد (۱۲/٥۔ ۲۱) مستدرك حاکم (۱۸٥/٤) ترمذی: کتاب الادب: باب ماجآء فی لبس البیاض (۲۸۱۰) ابن ماجه: کتاب اللباس: باب البیاض من الثیاب (۳٥٦۷)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ابن ماجه، المشکاة (٤۳۳۷)]

[4] [حسن: مستدرك حاکم (۱۳٥/٤) مسند احمد (۱۸۱/۲) ترمذی: کتاب الادب: باب ما جاء أن الله تعالی یحب أن یری اثر نعمته علی عبده (۲۸۲۰) نسائی: کتاب الزکاة: باب الاختیال فی الصدقة (۷۹/٥) ابن ابی شیبة (۳٥/٦)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے حسن کہتے ہیں۔[مسند احمد محقق (٦۷۰۸)] شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس بھی اسے حسن کہتے ہیں۔]

اسراف سے اور خودنمائی سے رکو۔ (۱) فرماتے ہیں انسان اپنے پیٹ سے زیادہ برا کوئی برتن نہیں بھرتا۔ انسان کو چند لقمے جس سے اس کی پیٹھ سیدھی رہے کافی ہیں اگر یہ بس میں نہ ہو تو زیادہ سے زیادہ اپنے پیٹ کے تین حصے کر لے ایک کھانے کے لئے ایک پانی کے لئے ایک سانس کے لئے۔ (۲) فرماتے ہیں یہ بھی اسراف ہے کہ تو جو چاہے کھائے۔ (۳) لیکن یہ حدیث غریب ہے۔ مشرکین جہاں ننگے ہو کر طواف کرتے تھے وہاں زمانہ حج میں چربی کو بھی اپنے اوپر حرام جانتے تھے اللہ نے دونوں باتوں کے خلاف حکم نازل فرمایا یہ بھی اسراف ہے کہ اللہ کے حلال کردہ کھانے کو حرام کر لیا جائے۔ اللہ کی دی ہوئی حلال روزی بیشک انسان کھائے پیئے۔ حرام چیز کا کھانا بھی اسراف ہے اللہ کی مقرر کردہ حرام حلال کی حدوں سے گزر نہ جاؤ۔ نہ حرام کو حلال کرو نہ حلال کو حرام کہو۔ ہر ایک حکم کو اسی کی جگہ پر رکھو ورنہ مسرف اور دشمن رب بن جاؤ گے۔

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ ۭ قُلْ هِيَ لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا خَالِصَةً يَّوْمَ الْقِيٰمَةِ ۭ كَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۳۲﴾

پوچھ تو کہ اللہ تعالیٰ نے جو زینت اپنے بندوں کے لئے پیدا کی ہے اور جو پاکیزہ روزیاں ہیں انہیں کس نے حرام کیا ہے؟ کہہ دے کہ یہ سب کچھ ایمان والوں کے لئے ہے زندگانی دنیا میں اور قیامت کے دن تو صرف ان کے ساتھ ہی مخصوص ہوگا' اسی طرح ہم اپنی نشانیاں کھول کھول کر بیان فرماتے ہیں ان کے لئے جو علم رکھتے ہیں ○

اللہ کے حلال کردہ کو کوئی حرام کرنے والا نہیں: کھانے' پینے' پہننے' اوڑھنے کی ان بعض چیزوں کو بغیر اللہ کے فرمائے حرام کر لینے والوں کی تردید ہو رہی ہے اور انہیں ان کے فعل سے روکا جا رہا ہے۔ یہ سب چیزیں اللہ پر ایمان رکھنے والوں اور اس کی عبادت کرنے والوں کے لئے ہی تیار ہوئی ہیں گو دنیا میں ان کے ساتھ اور لوگ بھی

---

(۱) [صحیح: نسائی: کتاب الزکاۃ : باب الاختیال فی الصدقۃ (۲۵٦۰) ابن ماجه (۳٦۰۵)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه ، المشکاۃ (٤۳۸۱)]

(۲) [صحیح: مسند احمد (٤/۱۳۲) ترمذی: کتاب الزھد: باب ماجاء فی کراھیۃ کثرۃ الاکل (۲۳۸۰) صحیح ابن حبان (٦۷٤) نسائی فی السنن الکبری (٦۷٦۸)] امام ترمذیؒ نے اسے حسن صحیح کہا ہے۔ امام ابن حبانؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔ امام حاکمؒ اور امام ذہبیؒ نے بھی اسے صحیح کہا ہے۔ حافظ ابن حجرؒ اسے حسن کہتے ہیں۔ [فتح الباری (۹/۵۲۸)] شیخ البانیؒ اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح ترمذی]

(۳) [موضوع: ابن ماجه : کتاب الاطعمة : باب من الاسراف ان تاکل کل ما اشتھیت (۳۳۵۲) مسند ابو یعلی (۲۷٦۵) ابن عدی فی الکامل (۷/٤٤)] امام ابن جوزیؒ نے اسے موضوعات میں ذکر کیا ہے۔[۳/۳۰] شیخ البانیؒ اسے موضوع کہتے ہیں۔[ضعیف ابن ماجه ، السلسلة الضعیفه (۲٤۱)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس، مولانا مبشر احمد ربانی اور حافظ زبیر علی زئی بھی اسے موضوع و من گھڑت قرار دیتے ہیں۔]

شریک ہیں لیکن پھر قیامت کے دن یہ الگ کر دیئے جائیں گے اور صرف مومن ہی اللہ کی نعمتوں سے نوازے جائیں گے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما راوی ہیں کہ مشرک ننگے ہو کر اللہ کے گھر کا طواف کرتے تھے سیٹیاں اور تالیاں بجاتے جاتے تھے۔ پس یہ آیتیں اتریں۔

قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّيَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْيَ بِغَيْرِ الْحَقِّ وَاَنْ تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ مَا لَمْ يُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰنًا وَّاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۳

کہہ دے کہ میرے پروردگار نے کل بے حیائیوں کو خواہ وہ کھلی ہوں خواہ چھپی حرام کر دی ہیں اور گناہ کو اور ناحق کی سرکشی کو اور اللہ کے ساتھ شریک ٹھہرانے کو جس کی کوئی دلیل اللہ نے نہیں اتاری اور اللہ کا نام لے کر تمہارا وہ کہنا جو تم نہیں جانتے ○

لفظ اثم اور لفظ بغی میں فرق: بخاری و مسلم میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اللہ سے زیادہ غیرت والا کوئی نہیں۔ [1] سورہ انعام میں چھپی کھلی بے حیائیوں کے متعلق پوری تفسیر گذر چکی ہے اور اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کو حرام کر دیا ہے اور ناحق ظلم و تعدی، سرکشی اور غرور کو بھی اس نے حرام کیا ہے پس اثم سے مراد ہر وہ گناہ ہے جو انسان آپ کرے اور ((بغی)) سے مراد وہ گناہ ہے جس میں دوسرے کا نقصان کرے یا اس کی حق تلفی کرے۔ اسی طرح رب کی عبادت میں کسی کو شریک کرنا بھی حرام ہے اور ذات حق پر بہتان باندھنا بھی۔ مثلاً اس کی اولاد بتانا وغیرہ۔ خلاف واقعہ باتیں بھی جہالت کی باتیں ہیں۔ جیسے فرمان ہے ﴿فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ﴾ [2] الخ، بتوں کی نجاست سے بچو الخ۔

وَلِكُلِّ اُمَّةٍ اَجَلٌ ۚ فَاِذَا جَآءَ اَجَلُهُمْ لَا يَسْتَاْخِرُوْنَ سَاعَةً وَّلَا يَسْتَقْدِمُوْنَ ۝۳۴ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ ۙ فَمَنِ اتَّقٰى وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝۳۵ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝۳۶

ہر قوم کے لئے ایک وقت مقرر ہے، جب ان کا وقت آ پہنچتا ہے پھر نہ تو ایک ساعت وہ پیچھے رہتے ہیں نہ ایک گھڑی آگے بڑھ سکتے ہیں ○ اے انسانو! جب بھی تمہارے پاس تم میں سے رسول پہنچیں جو میرے احکام تم کو پڑھ کر سنائیں تو جو لوگ پرہیزگاری اور اصلاح کر لیں ان پر نہ تو کوئی ڈر خوف ہے اور نہ وہ اداس اور آزردہ ہوں گے ○ ہاں جو لوگ ہماری آیتوں کو جھٹلائیں اور ان سے اکڑ بیٹھیں وہی دوزخی ہوں گے، جو ہمیشہ اسی میں رہیں گے ○

---

[1] [صحیح: صحیح بخاری: کتاب التفسیر: باب قوله تعالى ولا تقربو الفواحش ماظهر منها وما بطن (٤٦٣٤) صحیح مسلم: كتاب التوبة: باب غيرة الله تعالى وتحريم الفواحش (٢٧٦٠)]

[2] [سورة الحج: آیت ٣٠]

موت کا وقت مقرر ہے: ہر زمانے اور ہر زمانے والوں کے لئے اللہ کی طرف سے انتہائی مدت مقرر ہے جو کسی طرح ٹل نہیں سکتی۔ ناممکن ہے کہ اس سے ایک منٹ کی تاخیر ہو یا ایک لمحے کی جلدی ہو۔ انسانوں کو ڈراتا ہے کہ جب وہ رسولوں سے ڈرانا اور رغبت دلانا سنیں تو بدکاریوں کو ترک کردیں اور اللہ کی اطاعت کی طرف جھک جائیں۔ جب وہ یہ کریں گے تو وہ ہر کھٹکے' ہر ڈر سے' ہر خوف اور ناامیدی سے محفوظ ہو جائیں گے اور اگر اس کے خلاف کیا نہ دل سے مانا نہ عمل کیا تو وہ دوزخ میں جائیں گے اور وہیں پڑے جھلستے رہیں گے۔

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يَنَالُهُمْ نَصِيْبُهُمْ مِّنَ الْكِتٰبِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمْ رُسُلُنَا يَتَوَفَّوْنَهُمْ ۙ قَالُوْٓا اَيْنَ مَا كُنْتُمْ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قَالُوْا ضَلُّوْا عَنَّا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۳۷﴾

اس سے بڑھ کر ظالم اور کون ہوگا جو اللہ پر جھوٹ بہتان باندھے یا اس کی آیتوں کو جھٹلائے انہیں ان کا لوح محفوظ میں لکھا ہوا حصہ تو ملے گا' یہاں تک کہ جب ان کے پاس ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے ان کی روح قبض کرنے کو آئیں گے تو کہیں گے کہ اللہ کے سوا جنہیں تم پکارتے پوجتے رہے وہ کہاں ہیں؟ جواب دیں گے کہ وہ سب گم ہو گئے پس اپنے کافر ہونے کے گواہ خود ہی بن جائیں گے ○

سب سے بڑا ظالم: واقعہ یہ ہے کہ سب سے بڑا ظالم وہ ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹا بہتان باندھے اور وہ بھی جو اللہ کے کلام کی آیتوں کو جھوٹا سمجھے۔ انہیں ان کا مقدر ملے گا اس کے معنی ایک تو یہ ہیں کہ انہیں سزا ہوگی' ان کے منہ کالے ہوں گے۔ ان کے اعمال کا بدلہ مل کر رہے گا۔ اللہ کے وعدے وعید پورے ہو کر رہیں گے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ ان کی عمر' عمل' رزق جو لوح محفوظ میں لکھا ہوا ہے وہ دنیا میں تو ملے گا۔ یہ قول قوی معلوم ہوتا ہے کیونکہ اس کے بعد کا جملہ اس کی تائید کرتا ہے۔ اسی مطلب کی آیت ﴿اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى اللّٰهِ الْكَذِبَ﴾ [1] الخ' ہے کہ اللہ پر جھوٹ باتیں گھڑ لینے والے فلاح کو نہیں پاتے' گو دنیا میں کچھ فائدہ اٹھالیں آخرکار ہمارے سامنے ہی پیش ہوں گے' اس وقت ان کے کفر کے بدلے ہم انہیں سخت سزا دیں گے۔ ایک اور آیت میں ہے کافروں کے کفر سے تو غمگین نہ ہو' ان کا لوٹنا ہماری جانب ہی ہوگا' پھر ہم خود انہیں ان کے کرتوت سے آگاہ کردیں گے۔ اللہ تعالیٰ دلوں کے بھیدوں سے واقف ہے۔ وہ تھوڑا سا دنیوی نفع اٹھالیں الخ' پھر فرمایا کہ ''ان کی روحوں کو قبض کرنے کے لئے ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے آتے ہیں تو ان کو بطور طنز کہتے ہیں کہ اب اپنے معبودوں کو کیوں نہیں پکارتے کہ وہ تمہیں اس عذاب سے بچالیں۔ آج وہ کہاں ہیں تو یہ نہایت حسرت سے جواب دیتے ہیں کہ افسوس وہ تو کھو گئے' ہمیں ان سے اب کسی نفع کی امید نہیں رہی پس اپنے کفر کا آپ ہی اقرار کر کے مرتے ہیں''۔

---

[1] [سورۃ یونس: آیت ۶۹، ۷۰]

قَالَ ادْخُلُوْا فِيْٓ اُمَمٍ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِكُمْ مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ فِي النَّارِ ۭ كُلَّمَا دَخَلَتْ اُمَّةٌ لَّعَنَتْ اُخْتَهَا ۭ حَتّٰٓي اِذَا ادَّارَكُوْا فِيْهَا جَمِيْعًا ۙ قَالَتْ اُخْرٰىهُمْ لِاُوْلٰىهُمْ رَبَّنَا هٰٓؤُلَاۗءِ اَضَلُّوْنَا فَاٰتِهِمْ عَذَابًا ضِعْفًا مِّنَ النَّارِ ڛ قَالَ لِكُلٍّ ضِعْفٌ وَّلٰكِنْ لَّا تَعْلَمُوْنَ ۝ وَقَالَتْ اُوْلٰىهُمْ لِاُخْرٰىهُمْ فَمَا كَانَ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ فَضْلٍ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْسِبُوْنَ ۝

اللہ تعالیٰ فرمائے گا جو امتیں تم سے پہلے جنوں اور انسانوں کی گذر چکی ہیں ان میں مل کر تم بھی جہنم میں جاؤ' جب کبھی جو امت جائے گی وہ دوسری اپنی جیسی امت پر لعنت کرے گی' جب سب کے سب وہاں جمع ہو جائیں گے تو ان میں سے پچھلے اگلوں کی نسبت کہیں گے کہ اے اللہ ان لوگوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا اب تو انہیں تو آگ کا دوہرا دوہرا عذاب دے۔ جواب ملے گا کہ ہر ایک کے لئے ہی دوہرا ہے لیکن تم نہیں جانتے○ اس پر اگلے لوگ پچھلوں سے کہیں گے کہ لو تمہیں ہم پر کوئی فضیلت نہیں رہی پس تم سب اپنے کرتوت کے بدلے عذابوں کا مزہ چکھو○

جہنم میں کفار کی ایک دوسرے پر لعنت: اللہ تعالیٰ قیامت کے دن مشرکوں کو جو اللہ پر افترا باندھتے تھے' اس کی آیتوں کو جھٹلاتے تھے' فرمائے گا کہ تم بھی اپنے جیسوں کے ساتھ جو تم سے پہلے گذر چکے ہیں خواہ وہ جنات میں سے ہوں خواہ انسانوں میں سے جہنم میں جاؤ۔ ﴿فِی النَّارِ یَأْتُو فِیْٓ اُمَمٍ﴾ کا بدل ہے یا ﴿فِیْٓ اُمَمٍ﴾ میں ﴿فی﴾ معنی میں ﴿مع﴾ کے ہے۔ ہر گروہ اپنے ساتھ کے اپنے جیسے گروہ پر لعنت کرے گا جیسے کہ خلیل اللہ علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ "تم ایک دوسرے سے اس روز کفر کرو گے" الخ اور آیت میں ہے ﴿اِذْ تَبَرَّاَ﴾ [1] الخ یعنی وہ ایسا برا وقت ہوگا کہ گرو اپنے چیلوں سے دست بردار ہو جائیں گے' عذابوں کو دیکھتے ہی آپس کے سارے تعلقات ٹوٹ جائیں گے۔ مرید لوگ اس وقت کہیں گے کہ اگر ہمیں بھی یہاں سے پھر واپس دنیا میں جانا مل جائے تو جیسے یہ لوگ ہم سے بیزار ہیں ہم بھی ان سے بالکل ہی دست بردار ہو جائیں گے اللہ تعالیٰ اسی طرح ان کے کرتوت ان کے سامنے لائے گا جو ان کے لئے سراسر موجب حسرت ہوں گے اور یہ دوزخ سے کبھی آزاد نہ ہوں گے۔ یہاں فرماتا ہے کہ جب یہ سارے کے سارے جہنم میں جا چکیں گے تو پچھلے یعنی تابعدار اور مرید اور تقلید کرنے والے اگلوں سے یعنی جن کی وہ مانتے رہے ان کی بابت اللہ تعالیٰ سے فریاد کریں گے اس سے ظاہر ہے کہ یہ گمراہ کرنے والے ان سے پہلے ہی جہنم میں موجود ہوں گے کیونکہ ان کا گناہ بھی بڑھا ہوا تھا کہیں گے کہ یا اللہ انہیں دگنا عذاب کر چنانچہ اور آیت میں ہے ﴿یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْھُھُمْ فِی النَّارِ﴾ [2] الخ' جب کہ ان کے چہرے آتش جہنم میں ادھر سے ادھر جھلسے جاتے ہوں گے۔ اس وقت حسرت و افسوس کرتے ہوئے کہیں گے کہ کاش کہ ہم اللہ کے رسول کے مطیع ہوتے۔ یا اللہ ہم نے اپنے سرداروں اور بڑوں کی تابعداری کی جنہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا۔ یا اللہ

---

[1] [سورة البقرة: آیت ۱۶۶، ۱۶۷]

[2] [سورة الاحزاب: آیت ۶۶، ۶۸]

انہیں دگنا عذاب کر۔ انہیں جواب ملا کہ ہر ایک کے لئے دگنا ہے۔ یعنی ہر ایک کو اسکی برائیوں کا پورا پورا بدلہ مل چکا ہے جیسے فرمان ہے ﴿الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ زِدْنٰهُمْ عَذَابًا﴾ (۱) الخ، جنہوں نے کفر کیا اور راہ رب سے روکا ان کا ہم اب عذاب اور زیادہ کریں گے اور آیت میں ہے ﴿وَلَيَحْمِلُنَّ اَثْقَالَهُمْ وَاَثْقَالًا مَّعَ اَثْقَالِهِمْ﴾ (۲) یعنی اپنے بوجھ کے ساتھ ان کے بوجھ بھی اٹھائیں گے۔ اور آیت میں ہے ان کے بوجھ ان پر لادے جائیں گے جن کو انہوں نے بے علمی سے گمراہ کیا۔ اب وہ جن کی مانی جاتی رہی اپنے ماننے والوں سے کہیں گے کہ جیسے ہم گمراہ تھے تم بھی گمراہ ہوئے اب اپنے کرتوت کا بدلہ اٹھاؤ اور آیت میں ہے ﴿وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ﴾ (۳) کاش کہ تو دیکھتا جب کہ یہ گنہگار اللہ کے سامنے کھڑے ہوئے ہوں گے ایک دوسرے پر الزام رکھ رہے ہوں گے۔ ضعیف لوگ متکبروں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم مومن بن جاتے۔ وہ جواب دینگے کہ کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا؟ وہ تو تمہارے سامنے کھلی ہوئی موجود تھی بات یہ ہے کہ تم خود ہی گنہگار بدکردار تھے۔ یہ پھر کہیں گے کہ نہیں نہیں تمہاری دن رات کی چالاکیوں نے اور تمہاری اس تعلیم نے (کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں) ہمیں گم کردہ راہ بنا دیا۔ بات یہ ہے کہ سب کے سب اس وقت سخت نادم ہوں گے لیکن ندامت کو دبانے کی کوشش میں ہوں گے۔ کفار کی گردنوں میں طوق پڑے ہوں گے اور انہیں ان کے اعمال کا بدلہ ضرور دیا جائے گا نہ کم نہ زیادہ (پورا پورا)۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَاسْتَكْبَرُوْا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ وَلَا يَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى يَلِجَ الْجَمَلُ فِيْ سَمِّ الْخِيَاطِ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُجْرِمِيْنَ ۝۴۰ لَهُمْ مِّنْ جَهَنَّمَ مِهَادٌ وَّمِنْ فَوْقِهِمْ غَوَاشٍ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الظّٰلِمِيْنَ ۝۴۱

ہماری آیتوں کو جھٹلانے والوں اور ان سے اکڑ بیٹھنے والوں کے لئے نہ تو آسمان کے دروازے کھولے جائیں گے اور نہ وہ جنت میں پہنچ سکیں گے یہاں تک کہ اونٹ سوئی کے ناکے میں سے گذر جائے، گنہگاروں کو ہم ایسی ہی سزا دیا کرتے ہیں ○ ان کے لئے آگ ہی کا بچھونا ہوگا اور ان کے اوپر سے اوڑھنا بھی آگ ہی کا ہوگا، ہم ناانصافوں کو اسی طرح بدلہ دیتے ہیں ○

کفار کے لیے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے: کافروں کے نہ تو نیک اعمال اللہ کی طرف چڑھیں، نہ ان کی دعائیں قبول ہوں، نہ ان کی روحوں کے لئے آسمان کے دروازے کھلیں۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے کہ جب بدکاروں کی روحیں قبض کی جاتی ہیں اور فرشتے انہیں لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں تو فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے گذرتے ہیں وہ کہتے ہیں یہ خبیث روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بدسے بدنام لے کر بتاتے ہیں کہ فلاں کی۔ یہاں تک کہ یہ اسے آسمان کے دروازے تک پہنچاتے ہیں لیکن ان کے لئے دروازہ کھولا نہیں جاتا۔

---

(۱) [سورة النحل: آیت ۸۸] (۲) [سورة العنکبوت : آیت ۱۳]

(۳) [سورة سبا: آیت ۳۱، ۳۳]

پھر حضور ﷺ نے آیت ﴿لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ اَبْوَابُ السَّمَآءِ﴾ پڑھی یہ بہت لمبی حدیث ہے جو سنن میں موجود ہے۔ [1] مسند احمد میں یہ حدیث پوری یوں ہے حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں ایک انصاری کے جنازے میں ہم حضور ﷺ کے ساتھ تھے جب قبرستان پہنچے تو قبر تیار ہونے میں کچھ دیر تھی سب بیٹھ گئے ہم اس طرح خاموش اور باادب تھے کہ گویا ہمارے سروں پر پرند ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں ایک تنکا تھا جسے آپ زمین پر پھرا رہے تھے تھوڑی دیر میں آپ نے سر اٹھا کر دو بار یا تین بار ہم سے فرمایا کہ عذاب قبر سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کرو۔ پھر فرمایا جب مومن دنیا کی آخری اور آخرت کی پہلی گھڑی میں ہوتا ہے تو اس کے پاس آسمان سے نورانی چہروں والے فرشتے آتے ہیں گویا کہ ان کا منہ آفتاب ہے ان کے ساتھ جنت کا کفن اور جنت کی خوشبو ہوتی ہے وہ آکر مرنے والے مومن کے پاس بیٹھ جاتے ہیں جہاں تک اس کی نگاہ کام کرتی ہے فرشتے ہی فرشتے نظر آتے ہیں پھر حضرت ملک الموت آکر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے ہیں اور فرماتے ہیں اے اطمینان والی روح اللہ کی مغفرت اور رضامندی کی طرف چل یہ سنتے ہی وہ روح اس طرح بدن سے نکل جاتی ہے جیسے مشک کے منہ سے پانی کا قطرہ ٹپک جائے۔ اسی وقت ایک پلک جھپکنے کے برابر کی دیر میں وہ جنتی فرشتے اس پاک روح کو اپنے ہاتھوں میں لے لیتے ہیں اور جنتی کفن اور جنتی خوشبو میں رکھ لیتے ہیں اس میں ایسی عمدہ اور بہترین خوشبو نکلتی ہے کہ کبھی دنیا والوں نے نہ سونگھی ہو۔ اب یہ اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں فرشتوں کی جو جماعت انہیں ملتی ہے وہ پوچھتی ہے کہ یہ پاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کا بہتر سے بہتر جو نام دنیا میں مشہور تھا وہ لے کر کہتے ہیں فلاں کی۔ یہاں تک کہ آسمان دنیا تک پہنچ جاتے ہیں دروازہ کھلوا کر اوپر چڑھ جاتے ہیں یہاں سے اس کے ساتھ اسے دوسرے آسمان تک پہنچانے کے لئے فرشتوں کی اور بڑی جماعت ہو جاتی ہے اسی طرح ساتویں آسمان تک پہنچتے ہیں اللہ عزوجل فرماتا ہے اس میرے بندے کی کتاب علیین میں رکھ دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو میں نے انہیں اسی سے پیدا کیا ہے اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی سے دوبارہ نکالوں گا۔ پس وہ روح لوٹا دی جاتی ہے وہیں اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ وہ جواب دیتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے۔ پھر پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے؟ وہ کہتا ہے میرا دین اسلام ہے۔ پھر پوچھتے ہیں کہ وہ شخص جو تم میں بھیجے گئے کون تھے؟ وہ کہتا ہے وہ رسول اللہ تھے ﷺ فرشتے اس سے دریافت کرتے ہیں کہ تجھے کیسے معلوم ہوا؟ جواب دیتا ہے کہ میں نے اللہ کی کتاب پڑھی اس پر ایمان لایا اور اسے سچا مانا۔ وہیں آسمان سے ایک منادی ندا کرتا ہے کہ میرا بندہ سچا ہے اس کے لئے جنت کا فرش بچھا دو۔ اسے جنتی لباس پہنا دو اور اس کے لئے جنت کا دروازہ کھول دو۔ پس اس کے پاس جنت کی تر و تازگی اس کی خوشبو اور وہاں کی ہوا آتی رہتی ہے۔ اور اس کی قبر کشادہ کر دی جاتی ہے۔ جہاں تک اس کی نظر پہنچتی ہے اسے کشادگی ہی کشادگی نظر آتی ہے۔ اس کے پاس ایک نہایت حسین و جمیل شخص لباس فاخرہ پہنے ہوئے خوشبو لگائے ہوئے آتا ہے اور اس سے کہتا ہے خوش ہو جا یہی وہ دن ہے جس کا تجھے

---

[1] [صحیح بتفسیر ابن جریر الطبری (۱٤٦٢٠)] شیخ مصطفی السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد اور شیخ حسن عباس اسے صحیح کہتے ہیں۔]

وعدہ دیا جاتا تھا۔ یہ اس سے پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے چہرے سے بھلائی پائی جاتی ہے وہ جواب دیتا ہے کہ میں تیرا نیک عمل ہوں۔ اب تو مومن آرزو کرنے لگتا ہے کہ اللہ کرے قیامت آج ہی قائم ہو جائے تا کہ میں جنت میں پہنچ کر اپنے مال اور اپنے اہل وعیال کو پالوں۔ اور کافر کی جب دنیا کی آخری گھڑی آتی ہے تو اس کے پاس سیاہ چہرے والے فرشتے آسمان سے آتے ہیں ان کے ساتھ ٹاٹ ہوتا ہے اس کی نگاہ تک اسے یہی نظر آتے ہیں پھر ملک الموت آ کر اس کے سرہانے بیٹھ جاتے اور فرماتے ہیں اے خبیث روح اللہ کی ناراضگی اور اس کے غضب کی طرف چل یہ سن کر روح بدن میں چھپنے لگتی ہے جسے ملک الموت جبراً گھسیٹ کر نکالتے ہیں اسی وقت وہ فرشتے ان کے ہاتھ سے ایک آنکھ جھپکنے میں لے لیتے ہیں اور اس جہنمی ٹاٹ میں لپیٹ لیتے ہیں اور اس سے نہایت ہی سڑی ہوئی بدبو نکلتی ہے یہ اسے لے کر چڑھنے لگتے ہیں فرشتوں کا جو گروہ ملتا ہے اس سے پوچھتا ہے کہ ناپاک روح کس کی ہے؟ یہ اس کی روح کا بدترین نام دنیا میں تھا انہیں بتاتے ہیں پھر آسمان کا دروازہ اس کے لئے کھلوانا چاہتے ہیں مگر کھولا نہیں جاتا پھر حضور ﷺ نے قرآن کریم کی یہ آیت ﴿لَا تُفَتَّحُ﴾ الخ تلاوت فرمائی۔ جناب باری عزوجل کا ارشاد ہوتا ہے اس کی کتاب سجین میں سب سے نیچے کی زمین میں رکھو پھر اس کی روح وہاں پھینک دی جاتی ہے۔ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ﴿وَمَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَكَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُهُ الطَّيْرُ اَوْ تَهْوِيْ بِهِ الرِّيْحُ فِيْ مَكَانٍ سَحِيْقٍ﴾ [1] یعنی جس نے اللہ کے ساتھ شریک کیا گویا وہ آسمان سے گر پڑا پس اسے یا تو پرند چرند اچک لے جائیں گے یا ہوائیں کسی دور دراز کی ڈراؤنی ویران جگہ پر پھینک دیں گی۔ اب اس کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اور اس کے پاس دو فرشتے پہنچتے ہیں اسے اٹھا کر بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے؟ یہ کہتا ہے ہائے ہائے مجھے خبر نہیں۔ پوچھتے ہیں تیرا دین کیا ہے۔ جواب دیتا ہے افسوس مجھے اس کی بھی خبر نہیں۔ پوچھتے ہیں بتا اس شخص کی بابت تو کیا کہتا ہے جو تم میں بھیجے گئے تھے؟ یہ کہتا ہے آہ میں اس کا جواب بھی نہیں جانتا۔ اسی وقت آسمان سے ندا ہوتی ہے کہ میرے غلام نے غلط کہا اس کے لئے جہنم کی آگ بچھا دو اور جہنم کا دروازہ اس کی قبر کی طرف کھول دو وہاں سے گرمی اور آگ کے جھونکے آنے لگتے ہیں اس کی قبر تنگ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ ادھر کی پسلیاں ادھر اور ادھر کی ادھر ہو جاتی ہیں۔ اس کے پاس ایک شخص نہایت مکروہ اور ڈراؤنی صورت والا' برے کپڑے پہنے' بری بدبو والا آتا ہے اور اس سے کہتا ہے کہ اب اپنی برائیوں کا مزہ چکھ اسی دن کا تجھ سے وعدہ کیا جاتا تھا یہ پوچھتا ہے تو کون ہے؟ تیرے تو چہرے سے وحشت اور برائی ٹپک رہی ہے؟ یہ جواب دیتا ہے میں تیرا خبیث عمل ہوں۔ یہ کہتا ہے یا اللہ قیامت قائم نہ ہو۔ [2] اسی روایت

---

[1] [سورہ الحج: آیت ۳۱]

[2] [صحیح: مسند احمد (۴/ ۲۸۷۔ ۲۸۸) عبد اللہ بن احمد فی المسند (۱۴۳۸/۲) ابوداؤد: کتاب السنة: باب فی المسألة فی القبر وعذاب القبر (۴۷۵۳) مستدرک حاکم (۳۷/۱۔۳۸) ابن ابی شیبہ (۲۵۶/۳۔۲۵۷) بیہقی فی شعب الایمان (۳۹۵/۱) مسند طیالسی (۷۵۳)] امام حاکمؒ، امام ابن حبانؒ اور امام بیہقیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔ شیخ البانیؒ اور شیخ شعیب ارناؤوط بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔ [صحیح ابو داود، مسند احمد محقق (۵۰۳/۳۰)] حافظ زبیر علی زئی بھی اس کی سند کو صحیح کہتے ہیں۔]

کی دوسری سند میں ہے کہ مومن کی روح کو دیکھ کر آسمان وزمین کے تمام فرشتے دعائے مغفرت ورحمت کرتے ہیں اس کے لئے آسمانوں کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ہر دروازے کے فرشتوں کی تمنا ہوتی ہے کہ اللہ کرے یہ روح ہماری طرف سے آسمان پر چڑھے۔اس میں یہ بھی ہے کہ کافر کی قبر میں اندھا بہرا گونگا فرشتہ مقرر ہو جاتا ہے جس کے ہاتھ میں ایک گرز ہوتا ہے کہ اگر اسے کسی بڑے پہاڑ پر مارا جائے تو وہ مٹی ہو جائے پھر اسے جیسا وہ تھا اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے۔فرشتہ دوبارہ اسے گرز مارتا ہے جس سے یہ چیخنے چلانے لگتا ہے جسے انسان اور جنات کے سوا تمام مخلوق سنتی ہے [1] ابن جریر میں ہے کہ نیک صالح شخص سے فرشتے کہتے ہیں اے مطمئن نفس جو طیب جسم میں تھا تو تعریفوں والا بن کر نکل اور جنت کی خوشبو اور نسیم جنت کی طرف چل۔اس اللہ کے پاس چل جو تجھ پر غصے نہیں ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب اس روح کو لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں دروازہ کھلواتے ہیں تو پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو وہ اسے مرحبا کہہ کر وہی کہتے ہیں یہاں تک کہ یہ آسمان میں پہنچتے ہیں جہاں اللہ ہے۔اس میں یہ بھی ہے کہ برے شخص سے وہ کہتے ہیں اے خبیث نفس! جو خبیث جسم میں تھا تو برا بن کر نکل اور تیز کھولتے ہوئے پانی اور لہو پیپ اور اسی قسم کے مختلف عذابوں کی طرف چل۔اس کے نکلنے تک فرشتے یہی سناتے رہتے ہیں۔پھر اسے لے کر آسمانوں کی طرف چڑھتے ہیں پوچھا جاتا ہے کہ یہ کون ہے؟ یہ اس کا نام بتاتے ہیں تو آسمان کے فرشتے کہتے ہیں اس خبیث کو مرحبا نہ کہو۔ یہ تھی بھی خبیث جسم میں تو بد بن کر لوٹ جا۔اس کے لئے آسمان کے دروازے نہیں کھلتے اور آسمان وزمین کے درمیان چھوڑ دی جاتی ہے پھر قبر کی طرف لوٹ آتی ہے۔ [2] امام ابن جریر نے لکھا ہے کہ نہ ان کے اعمال چڑھیں نہ ان کی روحیں اس سے دونوں قول مل جاتے ہیں۔واللہ اعلم۔اس کے بعد کے جملے میں جمہور کی قرات تو جمل ہے جس کے معنی نر اونٹ کے ہیں۔لیکن ایک قرات میں جمل ہے اس کے معنی بڑے پہاڑ کے ہیں۔مطلب یہ ہر دو صورت ایک ہی ہے کہ نہ اونٹ سوئی کے ناکے سے گذر سکے نہ پہاڑ، اسی طرح کافر جنت میں نہیں جا سکتا ان کا اوڑھنا بچھونا آگ ہے ظالموں کی یہی سزا ہے۔



[1] [صحیح : مسند احمد (٤/٢٩٥ ـ ٢٩٦) مستدرك حاكم (٣٩/١)] امام ہیثمیؒ فرماتے ہیں کہ اس کے راوی صحیح کے راوی ہیں۔[مجمع الزوائد (١٧٠/٣)] شیخ شعیب ارناؤوط اسے صحیح کہتے ہیں۔[مسند احمد محقق (١٨٥٣٤)] شیخ البانیؒ اور شیخ مصطفیٰ عدوی بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔[صحیح الجامع الصغیر (١٦٧٦) المشکاة للألبانی (١٦٣٠) صحیح الترغیب للألبانی (٢١٩/٣) صحیح الاحادیث القدسیة للعدوی (٦٦)]

[2] [صحیح : مسند احمد (٣٦٤/٢) نسائی فی السنن الکبری (١٤٤٢) ابن ماجه : کتاب الزهد : باب ذکر الموت والاستعداد له (٤٢٦٢) تفسیر ابن جریر الطبری (١٤٦٢١)] شیخ البانیؒ نے اسے صحیح کہا ہے۔[صحیح ابن ماجه ، المشکاة (١٦٢٧) التعلیق الرغیب (١٨٧/٤)] شیخ عبدالرزاق مہدی، شیخ مصطفیٰ السید، شیخ رشاد، شیخ عجماوی، شیخ علی احمد، شیخ حسن عباس بھی اسے صحیح کہتے ہیں۔]

از تحقیقات و تعلیقات

الشیخ ناصر الدین البانی رحمہ اللہ
الشیخ المحدث شعیب ارنؤوط حفظہ اللہ
الشیخ عبد الرزاق مہدی حفظہ اللہ
الشیخ مصطفیٰ السید محمد حفظہ اللہ
الشیخ محمد فضل عجماوی حفظہ اللہ
الشیخ حسن عباس قطب حفظہ اللہ
الشیخ محمد السید رشاد حفظہ اللہ
الشیخ علی احمد الباقی حفظہ اللہ
الشیخ زبیر علی زئی حفظہ اللہ
الشیخ مبشر احمد ربانی حفظہ اللہ

جدید محقق ایڈیشن

عصرِ حاضر کی تقریباً تمام تحقیقات سے استفادہ شدہ

تفسیرِ ابنِ کثیر

جلد: 2



تالیف
حافظ عماد الدین ابنِ کثیر الدمشقی رحمہ اللہ

ترجمہ
مولانا محمد جوناگڑھی رحمہ اللہ

اہتمام
تخریج وتحقیق
حافظ عمران ایوب لاہوری حفظہ اللہ





ناشر
فقہ الحدیث پبلیکیشنز

ڈسٹری بیوٹر
نعمانی کتب خانہ



ابو امیمہ اویس



QLRF